بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
تفسیر
روح البیان
مفسر
حضرت علامہ شیخ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ
مترجم
شیخ التفسیر مولانا محمد فیض احمد اویسی
رضوی کتاب گھر دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ

فیوض الرحمٰن اُردو ترجمہ تفسیر

روح البیان

پارہ ۲۵/۲۶

مفسر

حضرت علامہ شیخ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ

مترجم

شیخ التفسیر مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی

رضوی کتاب گھر رجسٹرڈ

RAZVI KITAB GHAR

۴۲۵، اُردو مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

فون: 011-23264524

اِلَيۡهِ يُرَدُّ

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا
وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ
شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ۞ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا
يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ۞ لَا يَسۡــَٔـمُ الۡاِنۡسَانُ
مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَــُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ۞ وَلَــئِنۡ اَذَقۡنٰهُ
رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ
السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَــئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَـلۡحُسۡنٰى ۚ
فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۙ وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ۞
وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ۞ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ
عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ۞
سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ
اَنَّهُ الۡحَـقُّ ؕ اَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ۞
اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ ۞

ترجمہ: قیامت کے علم کا اسی پر حوالہ ہے اور کوئی پھل اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور نہ کسی مادہ کو پیٹ رہے
اور نہ جنے مگر اس کے علم سے اور جس دن انہیں ندا فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک کہیں گے ہم تجھ سے
کہہ چکے ہیں کہ ہم میں کوئی گواہ نہیں اور گم گیا ان سے جسے پہلے پوجتے تھے اور سمجھ لیے کہ انہیں کہیں بھاگنے

کی جگہ نہیں۔ آدمی بھلائی مانگنے سے نہیں اکتاتا اور کوئی برائی پہنچے تو ناامید آس ٹوٹا اور اگر ہم اسے کچھ اپنی
رحمت کا مزہ دیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی تو کہے گا یہ تو میری ہے اور میرے گمان میں قیامت
قائم ہوگی اور اگر میں رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو ضرور میرے لیئے اس کے پاس بھی خوبی ہی ہے تو ضرور
ہم بتادیں گے کافروں کو جو انہوں نے کیا اور ضرور انہیں گاڑھا عذاب چکھائیں گے۔ اور جب ہم
آدمی پر احسان کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا ہے اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے اور جب اسے تکلیف
پہنچتی ہے تو چوڑی دعا والا ہے۔ تم فرماؤ بھلا بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کے پاس سے ہے پھر تم اس کے منکر
ہوئے تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو دور کی ضد میں ہے ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا
بھر میں اور خود ان کے آپ میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بیشک وہ حق ہے۔ کیا تمہارے
رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں دیکھو انہیں ضرور اپنے رب سے ملنے میں شک ہے۔ سنو
وہ ہر چیز کو محیط ہے:

تفسیر عالمانہ

(الیہ) اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کہ اس کے غیر کی طرف (یرد علم الساعۃ) لوٹایا جاتا ہے
قیامت کا علم جب اس کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو جواب میں کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ جانتا
ہے اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جب قیامت ہوگی تو ہر بد اور نیک کا فیصلہ ہوگا نیک کو بہشت اور
بد کو دوزخ ملے گی۔ (وما) نافیہ ہے (اور نہیں)۔ (تخرج من ثمرات) نکلتے ثمرات میں سے
(من) زائدہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں استغراق مراد ہے اس لیئے کہ اس کے دخول سے پہلے اس کا مدخول جنس
کا فائدہ دیتا تھا اب اس کے داخلہ سے وحدت کی نفی ہوئی یعنی باہر نہیں آتا کوئی میوہ (اکمامہا) اپنے
حفاظت خانوں یعنی چھلکوں سے کھانے قبل کر وہ پھر جائیں بعض نے کہا اس سے میوہ جات کے چھلکے مراد ہیں
جیسے اخروٹ و بادام اور پستے کے چھلکے۔

(حل لغات) اکمام کِم (بالکسر) کی جمع ہے ثمرات کا حفاظت خانہ اور ان کا غلاف ہر وہ شے
جو پھلوں کو ڈھانپے وہ کِم ہے اور بالضم قمیص کا وہ حصہ جو ہاتھ کے بازوؤں کو ڈھانپے (وما تحمل من انثیٰ)
اور وہ نہیں اٹھاتی عورتیں (ولا تضع) اور نہیں رکھتیں یعنی کسی جگہ پر وضع حمل نہیں کرتیں مگر اللہ کے
علم میں ہے یہ استثناء مفرغ ہے یعنی الحال اور متعلق مذکور نہیں تاکہ تعمیم ہو اب معنی یہ ہوا کہ نہیں حادث
ہوتا ثمرہ کا نکلنا اور نہ حاملہ کا حمل اور نہ اس کا وضع سوائے اللہ تعالیٰ کے علم کے کسی کے علم سے ان کا تعلق
نہیں ہوتا وہی خروج ثمرہ کا وقت جانتا ہے صرف اسے معلوم ہے کہ پھل غلاف سے کب نکلے گا اس کی گنتی کیا ہے ایسے
ہی اسے معلوم ہے کہ اس کے پکنے کا وقت کونسا ہے یا قبل از وقت خراب ہو جانے کا وغیرہ وغیرہ ایسے ہی حاملہ کے حمل اور اس

کے بسنے کے ایام کی گنتی اور اس کی گھڑیاں اور اس کے ناقص و کامل ہونے کے حالات اس کا نر ہونا مادہ ہونا اور حسن و قبح وغیرہ وغیرہ ایسے ہی اس کے پیدا ہونے اور اس کے متعلقات کا علم

(نکتہ) علم الساعۃ کے ساتھ ان کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت میں اٹھنا اور تمام مردوں کو زندہ ہونا ہے

مسئلہ: حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ علم الساعۃ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی اگر کوئی کسی سے اس کے متعلق سوال کرے تو مجیب پر لازم ہے کہ وہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو سپرد کرے اور کہے واللہ اعلم ایسے حوادثات متعلقہ اور پھلوں اور انگوریوں کا پکنا یا کچا ضائع ہو جانا وغیرہ وغیرہ کا علم اللہ تعالیٰ کو سپرد کیا جائے۔

حکایت ابو منصور دوانقی کو خیال گزرا کہ نہ معلوم میری زندگی کے بقایا لمحات کتنے ہیں خواب میں کسی نے اسے پانچ کا اشارہ کیا علمائے وقت سے تعبیر پوچھی تو سب نے کہا یا پانچ سال پانچ ماہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خمس لا یعلمھن" کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ پانچ مراد ہیں جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس سے واضح ہو گیا کہ علم الساعۃ اور علم ثمرات کی آپس میں مطابقت یہی ہوگی کہ علم ثمرات کو بارش سے تعلق ہے اور بارش علم الخمس میں سے ہے اسی لئے علم الساعۃ کے بعد ثمرات وغیرہ کے متعلق بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ "ویوم ینادیھم" اور یاد کیجئے اے (محبوب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جب تمہارا رب انہیں ندا دے کر فرمائے گا۔ (این شرکائی) بزعم شما میرے شریک کہاں ہیں۔

(**سوال**) تم نے بزعم شما کا اضافہ کیوں کیا
(جواب) دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے چنانچہ فرمایا کہ

"این شرکائی الذین زعمتم" وہ میرے شریک کہاں ہیں جنہیں تم نے گمان کر رکھا تھا قالوا آذنّٰک" وہ کہیں گے ہم نے تمہیں پہلے کہہ دیا ہے۔ "ما منا" ہم سے نہیں "من شہید" کوئی ایک جوان کے متعلق شرکت کی گواہی دے کیونکہ جب سے ہم نے ان کا حال دیکھا تو ہم ان سے بیزار ہو گئے یہ سوال ان سے بطور زجر و توبیخ ہوگا۔

فائدہ "شہید" شہادۃ سے ہے اور "ما منا من احد الخ" ہمارا کوئی ایسا نہیں جو ان کو پائے کیوں کہ ان کے معبود ان سے گم ہو جائیں گے وہ انہیں اس وقت دیکھ نہیں سکیں گے اس معنی پر الشہید الشہود سے ہے۔

لے حضور علیہ السلام بھی اسی طرح فرماتے لیکن اس سے آپکی لاعلمی پر محمول کرنا جہالت ہے اس کی تحقیق فقیر کی کتاب طلوع الشمس فی علوم الخمس میں دیکھئے اویسی غفرلہ'

فائدہ: حواشی سعدی المفتی میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ قول " واللہ ربنا ما کنا مشرکین " بخدا اے ہمارے پروردگار ہم مشرک نہ تھے بلکہ " آذناک " اسی قول کی طرف اشارہ ہے جس کا انہوں نے عمداً جھوٹ بول کر جواب دیا۔

فائدہ: الارشاد میں ہے " ان کا قول آذناک " ان کی توبیخ کے بعد دوسری توبیخ کے لئے ہے جو انہوں نے جواب دیا تھا

مسئلہ: حضرت (امام) رستغفی رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے معتزلہ و اہل سنت کے مابین نکاح کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ناجائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ مشرکین میں سے ہیں اس لئے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خالق خود ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا " اور مشرکین سے نکاح و بیاہ نہ کرو یہاں تک کہ ایمان لائیں یعنی جب تک اللہ کو واحد نہ مانیں اور یوں عقیدہ نہ رکھیں خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے

تقریر وحدۃ الوجود

درحقیقت موجود صرف وہی ہے کیونکہ بندے جو دنیا میں دعویٰ کرتے تھے وہ قیامت میں ان سے غائب ہوجائے گا اور وہ خیال جو ان کو اپنے وجود کا متصور ہوگا وہ زائل و باطل ہوجائے گا۔ ؎ چہ گو نہ غیر تو بیند کسے کہ غیر تو نیست : وہ غیر کو کیا دیکھے جب تیرا غیر ہے ہی نہیں۔ اور انہیں یقین ہوجائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت میں صفت قہاریہ سے متجلی ہوگا تو سوائے اللہ کے کہیں بھاگنے کی جگہ نہ ملے گی ۔ ہاں اگر کوئی دنیا میں ارباب لطف سے ہوگا تو وہ آخرت میں اس کے لطف سے نوازا جائے گا

سبق

عاقل پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں بھاگے چنانچہ اس نے فرمایا " ففروا الی اللہ " اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو جب کوئی اس کی طرف بھاگتا ہے تو وہ اسے انیس پائے گا اور انیس انیس کے قرب سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ اپنے انیس سے ہر وقت لطف و کرم فرماتا ہے۔

حکایت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ہم ایک دفعہ دریا میں کشتی پر سوار تھے ہمارے ساتھ ایک نوجوان بھی سوار ہوا جو نہایت حسین وجمیل تھا ایسا کہ اس کے چہرے سے نور ٹپکتا تھا۔ جب دریا کے درمیان پہنچے تو کشتی کے مالک کا مال گم ہونے کا اعلان ہوا۔ اس کے حصول کے لئے تلاش ہوئی جب اس نوجوان کی باری آئی اس نے بجائے تلاشی دینے کے دریا میں چھلانگ دی اور دریا کی موجوں پر سوار ہوکر تیرنے لگا اور دریا کی موجیں اس کے لئے تخت بن کر اسے اٹھا کر چلنے لگیں۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ اے میرے مولا یہ لوگ مجھے تہمت لگاتے ہیں اور میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو اس دریا کے ہر جانور کو حکم دے کہ ہر ایک جوہر و موتی لے کر ظاہر ہو اس کے اتنا کہنے پر ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ دریا کا ہر جانور کشتی کے آگے دریا سے منہ نکال کر جوہر اور موتی ظاہر کر رہا تھا اور وہ موتی چمکدار اور سچے موتی تھے اس کے بعد وہ نوجوان موجوں سے اچھل کر دریا پر نہایت بے نیازی کے ساتھ لیے چلتا تھا جیسے خشک زمین پر چل رہا ہو اور پڑھ رہا تھا " ایاک نعبد و ایاک نستعین " اس کے بعد گم ہوگیا۔

؎ مجمع اعتقادی ۱۲۔

فائدہ: حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ نے فرمایا کہ اس سفر میں مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی مشاہدہ میں آیا جو آپ نے فرمایا کہ ؎

لایزال فی امتی ثلاثون قلوبہم علی قلب ابراہیم خلیل الرحمٰن وکلما مات واحد ابدل اللہ مکانہ واحداً[1]

ترجمہ: میری امت میں تیس بزرگ ایسے رہیں گے جن کے قلوب ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوں گے جب انمیں سے ایک فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں کسی اور کو مقرر فرما دے گا۔

سبق اس حکایت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان پر صفت لطف سے متجلی ہوا تو وہ قہر کے پنجے سے بچ نکلا اور اسے ایاک نعبد الخ کی حقیقت کا تحقق نصیب ہوا کیوں کہ جسے اختصاص العبادۃ کا درجہ حاصل ہوتا ہے اسے اختصاص توحید کی منازل نصیب ہوتی ہیں اور توحید حقانی سے ہی طریق قہر کے حملہ راستے بند ہوجاتے ہیں کیوں کہ جس نے وجود پہ ایک بار مقہور کیا اسپر دوبارہ قہر نہیں آیا جیساکہ اس جوان کا حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ کو مشاہدہ ہوا اس کی وجہ وہ حال تھا جو اہل دنیا کے حال کے منافی ہے حضرت شیخ مغربی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہیچ کس گرچہ زحالے نیست خالی درجہان ۔۔ لیکن این حالے کہ مارا ہست حال دیگر است

ترجمہ: کوئی اگرچہ کسی حال سے جہان میں خالی نہیں لیکن یہ حال کہ جس میں ہم ہیں یہ حال اور ہے۔

فائدہ: اس نوجوان نے لطف کے طریق پر چل کر زمین کی سیاحت کی یہاں تک کہ اسے لطیف وخبیر کا وصال نصیب ہوا۔

تفسیر عالمانہ "لایسئم الانسان" انسان نہیں تھکتا اور تنگ نہیں ہوتا۔ یہاں پر انسان سے کافر مراد ہے اگرچہ یہ اسم جنس ہے لیکن اس سے اس کے اکثر افراد مراد ہیں اور قاعدہ اسلامیہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہے جیساکہ اس کی تصریح آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ؎ من دعاء الخیر" دعائے خیر سے یعنی اس کا خیر مانگنا اور نعمت کی وسعت اور اسباب معیشت کی فراخی طلب کرنا۔

فائدہ: یہاں فاعل محذوف ہے مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اب معنی یہ ہوا کہ انسان (کافر) کو کتنا ہی خیر حاصل ہو لیکن اس کے آگے کی طلب کی درجات کی انتہا نہیں کیوں کہ وہ حریص ہے اس کے بعد بھی زیادتی کا طالب رہتا ہے یہانتک کہ اس طلب سے وہ تھکتا ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ طلب خیر سے نہیں تھکتا اسی طلب میں اسے ملال کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اسی عادت وفطرت سے بعض تو جملہ مخلوق سے برتر ہوگئے اور بعض بد سے بدتر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امانت کے بوجھ اٹھانے پر انسان جملہ مخلوق سے بازی لے گیا جب کہ دوسری طرف اس بوجھ کو اٹھانے سے گھبرا کر صاف انکار کر دیا۔

فائدہ بار امانت سے بلاواسطہ فیض الٰہی مراد ہے اور اس فیض الٰہی کی کوئی انتہا نہیں چونکہ اس کا انسان نے دم مارا اسی لئے اس کی طلب بھی غیر متناہی ہے پھر بعض نے اس طلب کو تحصیل دنیا اور اس کی زینت وشہوات

---

[1] روح البیان ص ۲۷۰

اور لذات کو پورا کرنے میں صرف کیا اس لئے وہ ایسی طلب سے کسی طرح بھی نہیں تھکتا چنانچہ وہ جملہ مخلوق سے بدسے بدتر ٹھہرا حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

تاکے غم دنیا دنی اے دل دانا ⁂ حیفست ز خوبی کہ شود عاشق زشتی

ترجمہ، کب تک غم دنیا میں اے دل دانا مبتلا رہے گا افسوس ہے کہ تو حسین ہو کر قبیح شکل پر عاشق رہے گا۔

(جو طلب خیر میں سست ہوئے ان کی بھی کوئی انتہا نہیں اسی لئے وہ جملہ مخلوق سے حسب مراتب افضل سے افضل ترین ہوئے)

تفسیر عالمانہ " وان مسہ الشر" اور اگر اسے برائی پہنچے یہاں پر شر سے عسرت و معاش کی تنگی مراد ہے " فیئوس" تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے انتہائی درجہ کا ناامید ہوتا ہے یعنی اگر اسے برائی پہنچے۔ مثلاً تنگی اور تنگدستی اور بیماری میں مبتلا ہو تو وہ رحمت الٰہی سے راحت کے حصول کی امید منقطع کر دیتا ہے (حالانکہ اسے چاہیئے کہ اس اُمید میں رہے کہ دکھ کے بعد سُکھ بھی نصیب ہوتے ہیں) قنوط" القنوط بہت زیادہ ناامیدی کا نام ہے جس کے اثرات ناامید انسان میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ ہر لحظہ ناامیدی میں آگے کو بڑھتا رہتا ہے اس سے "یئوس و قنوط" کا فرق واضح ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ " وان مسہ الشر" اس سے نفس کے وہ پیارے امور مراد ہیں جن سے وہ الفت کرتا ہے اور اس کے وہ خواہشات جن کا وہ خوگر ہے یعنی اگر نفس کو یہ امور میسر نہ ہوں تو " یئوس و قنوط" ہوتا ہے یعنی بلایا محن کے انقطاع سے ناامید ہو جاتا ہے کیونکہ نفس کو اپنے رب کا علم نہیں بلکہ اس کے دل سے رجوع الی اللہ کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں کہ اب وہ اس بیماری سے نجات پانے سے رہ جاتا ہے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا کہ ؎

سر دوش عالم غیبم بشارتے خوش داد ⁂ کہ کس ہمیشہ بگیتی دژم نخواہد ماند

ترجمہ: گزشتہ شب مجھے عالم غیب سے غیبی فرشتے نے خوشخبری دی کہ کوئی بھی اس فانی زمانہ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

نیز اسمیں اشارہ ہے کہ انسان اپنے رب کے عرفان سے خالی ہو کر اس سے دعا مانگتا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے تو کسی مقصد براری اور حصول آرزو کے ارادہ پر اسی لئے ایسا شخص ظہور یاس کے وقت ورطۂ یاس و فزار میں گر کر ہلاک و تباہ ہو جاتا ہے (معاذ اللہ)

تفسیر عالمانہ ولئن اذقناہ رحمۃ منا" اور اگر ہم اسے اپنی جانب سے رحمت کا مزہ چکھائیں من ضراء مستہ وہ بعد اس دکھ کے جو اسے پہنچا ہے وہ اس طرح کہ ہم اسے دکھ سے نجات دے دیں مثلاً مریض تھا تو تندرستی بخش دیں اور تنگی میں تھا تو کشادگی عطا فرما دیں وغیرہ وغیرہ، لیقولن ھذا" تو کہے گا یہ (الخیر)

بھلائی " لی " میرا حق تھا جو مجھے ملا کیوں کہ میں اس کا حق دار تھا مجھے ملنا تھا سو مل گیا اور یہ مجھے میری نیکی کا پھل ہے
فائدہ: لام استحقاق کی ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ یہ صرف مجھے ملنا تھا میرے غیر کی ایسی قسمت کہاں فلہٰذا یہ بھلائی مجھ سے ہمیشہ تک زائل نہ ہوگی۔ اس معنی پر یہ لام اختصاص کی ہے اس معنی پر وہ لازم الاستحقاق کی خبر دیتا ہے لیکن یہ خبر اس کی از خود نہ ہوگی بلکہ لازماً استحقاق کیوجہ سے ہوگی جیسا کہ پہلی خبر از خود ہوگی اور دوام کا مطلب ہم نے لام اختصاص سے سمجھا وہ اس لیئے کہ جو شے کسی کے لئے مخصوص ہوجاتی ہے تو بظاہر وہ شے اس سے کبھی زائل نہیں ہوتی لیکن وہ بدقسمت اتنا نہیں سمجھتا کہ یہ بھلائی اسے محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق ایزدی سے نصیب ہوئی اسی لیئے وہ اپنے استحقاق کا دعویٰ کر کے منعم حقیقی سے منہ پھیر لیتا ہے اور اس سے یکسر بے خبر اور جاہل بن جاتا ہے کہ یہ خبر تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس لئے دی ہے تاکہ وہ آزمائے کہ کیا وہ اس کا شکر کرتا ہے یا ناشکرا بنتا ہے اگر وہ چاہے تو وہ اس سے یہ نعمت چھین بھی سکتا ہے " وما اظن الساعة قائمة " اور مجھے یہ گمان تک بھی نہیں کہ قیامت قائم ہوگی جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان ہے کہ قیامت آئے گی " ولئن رجعت " اور اگر بالفرض والتقدیر لوٹایا گیا بھی " الی ربی " اپنے پروردگار کی طرف یعنی مرنے کے بعد اٹھایا گیا۔ اس سے ان کا وہ گمان جو صرف ان کے خیال تک محدود تھا اور یہاں ظن کامل مراد ہے اسی لئے یہ ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ " ان لی عندہ " بے شک میرے لئے اس کے ہاں " للحسنیٰ " البتہ بھلائی ہے جواب قسم ہے یعنی وہ جو حرف شرط میں ہے یعنی وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میں کرامت و نعمت کا مستحق ہوں اس لئے وہ مجھے دنیا میں ملے یا آخرت میں اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ع: زہے تصور باطل زہے تصور محال ۔ واہ باطل تصور واہ تصور محال

(ترجمہ) ایسا بے وقوف اس گمان میں ہے کہ جیسے اسے دنیا میں نعمتوں سے نوازا گیا ہے تو اس کے استحقاق پر اسی طرح وہ اس کا مستحق ہے۔ کہ وہ آخرت میں بھی نعمتوں سے نوازا جائے گا اسی نے آخرت کو دنیا پر قیاس کر لیا یہ اس کا محض گمان اور خیالی باتیں ہیں۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کافر کے دو خام خیال مشہور ہیں

(۱) دنیا میں کہتا ہے " ولئن رجعت الخ"

(۲) آخرت میں کہے گا " یالیتنی کنت ترابا " لیکن اسے ان دونوں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر " الحسنیٰ " سے جنۃ مراد ہے یعنی وہ بطور استہزاء ایسے کہتا ہے۔

" فلننبئن الذین کفروا بما عملوا " تو ہم کافروں کو ان کے اعمال کی حقیقت کا پتہ دیں گے یعنی ان کے اعمال کی حقیقت کو ظاہر کریں گے۔ پھر وہ دیکھیں گے کہ وہ کتنا قبیح ہیں اسی سے اس کی ایسی اہانت ہوگی کہ کبھی وہ اعزاز واکرام کا تصور بھی نہ کر سکے گا۔ " ولنذیقنہم من عذاب غلیظ " اور ہم اسے ایسا غلیظ عذاب چکھائیں گے جس کی کنہ کو کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اس سے ان کی جان چھوٹ سکے گی گویا وہ اپنی غلظت کی وجہ سے ہر جہات سے

گھیرے گا اور وہ دنیا میں چونکہ طرد و بُعد کے عذاب میں مبتلا رہا اسی لئے وہ اس سے بے خبر رہا لیکن جب اسے خواب غفلت سے بیداری بعد از موت حاصل ہوئی تب اسے معلوم ہوگا کہ اسے کیسا عذاب حاصل ہو رہا ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا " الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا " لوگ نیند میں ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے۔

فائدہ : بحر العلوم میں غلیظ بمعنی شدید یا عظیم لکھا ہے اور من ابتدائیہ یا بیانیہ ہے اس کا مبیّن محذوف ہے گویا معنیٰ یہ ہے کہ ہم انہیں ایسے ذلیل عذاب میں مبتلا کریں گے جو ہر عذاب سے بڑا ہوگا یہ اس کا بدلہ ہوگا جو ان کا خیال تھا کہ ہم معزز و مکرم ہوں گے۔

صاحب روح البیان کی تحقیق

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ غلیظ کا حقیقی معنی بھی صحیح ہو سکتا ہے اس لئے کہ قیامت میں معذب (کافروں) کے اجسام غلیظ (گاڑھے موٹے) ہوں گے۔ اسی مطابق عذاب بھی گاڑھا اور موٹا ہوگا۔

فائدہ : حضرت شیخ صدر الدین قنوی قدس سرہ نے فرمایا کہ معذب لوگوں کی قیامت میں خصوصی ساخت ہوگی اسی مطابق انہیں عذاب ہوگا جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ قیامت میں کافر کے چمڑے کی موٹائی تین دن کے سفر کے برابر ہوگی بلکہ اسی پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ " ان کتاب الفجار لفی سجین " بے شک کفار کی کتاب سجین میں ہے) اور سجین وہ عالم سفلی ہے جسے قبضہ اور کبھی شمال سے مضاف کیا جاتا ہے اور اصحاب الیمین کے بارہ میں فرمایا کہ " کلا ان کتاب الابرار لفی علیین " بے شک ابرار کی کتاب علیین میں ہے اس کی وہی تعبیر ہے جو فرمایا " والسمٰوٰت مطویات بیمینہ " اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہیں۔

(نکتہ) ابرار اور ان کی کتاب علیین میں ہونے میں راز یہ ہے کہ ان کی نشاۃ کے اجزاء کثیفیہ اور ان کے قوائے طبعیہ مزاجیہ کے جواہر صاف اور ستھرے ہو کر علم و عمل کے ذریعہ تقدیس و تزکیہ میں مضمحل اور صفات محمودہ اور اخلاق سنیہ سے متجلّی ہو جاتے ہیں اور ان کے قوی و صفات ملکیہ ان کے نفوس مطمئنہ ذاتیہ کی وجہ سے ثابتہ ذاتیہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے احوال نفوس کے بیان میں ایسے حضرات کی خبر دی ہے کہ " قد افلح من زکّٰھا " بے شک کامیاب ہے وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا " اور حضور سرور عالم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعاؤں میں بارگاہ حق میں عرض کیا کہ " اللھم آت نفسی تقواھا وزکّھا انت خیر من زکّٰھا " اے اللہ تعالیٰ میرے نفس کو تزکیہ نصیب فرما اور جو اسے تزکیہ بخشتا ہے تو بہتر ہے تزکیہ دینے والا) اور اشقیاء کا حال اس کے برعکس ہے کہ ان کے قوی طبعیہ سے مراد وہ ہیں جو ان کے اعتقادات و ظنون فاسدہ و افعال ردیہ و اخلاق مذمومہ سے موصوف ہو کر پختہ ہو گئے جب کہ انہوں نے ان خرابیوں میں سے لمبا سال زندگی بسر کی اور یہ دار دنیا بھی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نشاۃ حشریہ اسی طرح مرکب فرمائی جیسے کہ اس سے وہ امر حاصل ہو جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے بدن کی موٹائی تین دن کی مسافت کے برابر ہو یہ عکس ہے اس کا

جس پر ابرار کے حال پر تنبیہ فرمائی کہ ایسے لوگ بہشتی زندگی ایسے نفیس ہو جائیں گے کہ بیک وقت متعدد صورتوں میں نظر آئیں گے[1] اور وہ ان صورتوں میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے وہ صرف اسی لئے کہ ان کے جواہر کثیفہ لطیف جواہر میں منتقل ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ان پر محمود صفات کا غلبہ ہو جاتا ہے بلکہ ان کے اجسام و قوی پر ارواح اور ان کے قوای کا غلبہ ہو جاتا ہے وہ ملائکہ کی طرح جو صورت چاہیں اختیار کر سکتے ہیں ؎

بال بکشا و صفیر از شجر طوبیٰ زن ۔ حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسے

ترجمہ ، پر کھول اور شجر طوبیٰ کو آواز مار۔ افسوس ہے کہ تیرا جیسا پرندہ پنجرے کی قید میں ہے۔

تفسیر عالمانہ

"واذا انعمنا علی الانسان" اور جب انسان کو ہم انعامات سے نوازتے ہیں تو وہ انعامات پر شکر کرنے سے روگردانی کرتا ہے۔

۔ فائدہ : یہ کافر کے طغیان کی دوسری قسم ہے یعنی کافر کو انعامات سے نوازا جاتا ہے تو وہ نعمت اس کو راس نہیں یعنی وہ اکڑ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ کبھی دکھ تکلیف میں مبتلا ہی نہیں ہوا اسی لئے منعم کو بھول جاتا ہے اور شکر کا ترک کر کے نعمت کا کفران کرتا ہے۔ ونا بجانبہ۔ (اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے)

(حل لغات) انائی بمعنی دور ہونا اور یہ خود بخود بھی متعدی ہوتا ہے اور عن کے ساتھ بھی نا بمعنی تباعد یعنی وہ شکر گزاری سے بالکل دور ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف ایک کنارے کی طرف ہٹ جاتا ہے یا تکبر و تعظم سے شکر و طاعت کی طرف مائل نہیں ہوتا اس معنیٰ پر جانب سے اس کا نفس مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی " جنب اللہ " میں جنب سے اس کی ذات مراد ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے اس کا میلان مراد ہو۔ اس معنیٰ پر یہ اپنے حقیقی معنیٰ میں ہوگا یعنی انحراف و روگردانی اس لئے کہ شکر کے ایک جانب سے مڑنا انحراف کو مستلزم ہے جیسے کہا جاتا ہے " ثنی عطفہ " و تولی برکنہ " اس سے بھی اعراض مراد ہے اس تقریر پر بار تعدیہ کی ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب ہم اسے طبیعۃ انسانیہ سے خالی کر لیتے ہیں یعنی ظلومیہ و جہولیہ سے تو پھر اسے عطاؤ بلا کی تمیز نہیں رہتی پھر وہ بہت بار بعض چیزوں کو عطار سمجھتا ہے حالانکہ اسے دھوکہ ہوتا ہے بلکہ اس کے لئے استدراج ہوتا ہے جسے وہ اپنے لئے دائمی تصور کرتا ہے ایسے ہی بہت بار کسی دکھ تکلیف کو اپنے لئے بلا تصور کرتا ہے حالانکہ وہ اس کے لئے مفید ہوتی ہے۔ بلکہ جب ہم اسے انعام سے نوازتے ہیں تو وہ اکڑ جاتا ہے اور نفس کے عجب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنی دینوی جاہ و جلال سے غلط خیالی میں گھر جاتا ہے

---

[1] اسی لئے اولیاء کرام دنیا میں بہشتی زندگی سے موصوف ہو جاتے ہیں تو بیک وقت متعدد صورتوں میں نظر آتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب "الانجلاد فی تطورا لاولیاء" یا ولی اللہ کی پرواز [2] تاج المصادر

اس پر نہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے اور نہ ہی اس کے فضل کو یاد کرتا ہے بلکہ منعم سے مکمل طور پر منہ پھیر لیتا ہے اور طاعت سے کوسوں دور ہو جاتا ہے گویا اسے منعم کی ضرورت ہی نہیں لیکن بعد کو افسوس کے ہاتھ ملتا ہے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

ے بہ بال و پر مرو از رہ کہ تیر پرتابی ٭ ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

ترجمہ ، بال و پر سے راستہ سے نہ ہٹو کر تو تاب پر والا تیر ہے اسے ہوا نے پکڑ کر ا چند لمحات مٹی پر بٹھا دیا ہے۔

تفسیر عالمانہ

" واذا مسہ الشر " جب ایسے متکبر اور روگردان کو کوئی شر مثلاً بلاؤ مصیبت اور محنت و مشقت پہنچتی ہے ، ماضی اور اس پر اذا کے داخلہ میں اشارہ ہے کہ یہاں مطلق شر مراد ہے جس کا وقوع یقینی ہو جائے " فذو دعاء عریض ، تو وہ لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے جب کوئی لمبی چوڑی بات یاد کرے تو کہتے ہیں " اعرض فی معنیٰ اکثر " استعارہ اس شے سے جو لمبی چوڑی ہے کیونکہ عریض اس شے کو کہا جاتا ہے جو ممتد اور اجزاء کثیرہ والی ہو عریض میں وسعت کا معنیٰ اس کی تنکیر سے لیا گیا ہے کیونکہ وہ تعظیم پر دلالت کرتی ہے اور امتداد کا معنی اس کے طول سے لیا گیا ہے جو عرض کو لازم ہے اور عریض طویل سے بلیغ تر ہے کیوں کہ طول دو امتدادوں سے طویل تر ہوتا ہے۔ پھر اس کا عرض ہر دونوں طرف ہونا لازم ہے اسی لئے وہ طویل سے زیادہ بلیغ ہو گا۔ اور پھر ایسی شے کے طول کا کیا کہنا۔

فائدہ : بعض لوگ مذکورہ بالا صورت کے برعکس بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ بالکل نا امید و مایوس ہوں تو ان کو دعا سے کیا غرض اس لئے کہ وہ تو ہر طرح کا طمع ورجا ختم کر بیٹھے ہیں یا بعض اوقات تمام کافروں کا یہی حال ہے بعض نے کہا کہ قنوط کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب بتوں سے نا امید ہوتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے لمبی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں یا یہ کہ دل میں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا لیکن زبان پر لمبی چوڑی دعاؤں کے الفاظ دہراتے رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

" قل ارأیتم " مجھے خبر دو

(سوال) رؤیت کا معنیٰ تم نے خبر دینا کہاں سے نکال لیا۔

(جواب) رؤیت خبر کرنے کا سبب ہے ہم نے سبب کو چھوڑ کر اصل مراد لی ہے " ان کان " اگر قرآن " من عند اللہ " اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے " ثم کفرتم بہ " پھر تم نے بغیر تفکر و فکر اور اتباع دلیل کے کفر کیا حالانکہ اس پر ایمان لانے کے دلائل و موجبات بڑے مضبوط تم نے محسوس کئے۔

" من اضل ممن ہو فی شقاق بعید " اس سے بڑھ کر اور گمراہ کون ہو گا جو بہت بڑے اختلاف میں ہے ، اسم موصول کو اسم ضمیر کے بجائے لانے میں ان کا حال واضح طور پر بیان کرنا مطلوب ہے اور ان کی گمراہی و خلاف کی علت کا اظہار ہے کہ وہ بہت سخت اختلاف میں ہیں کیوں کہ جو کہے کہ قرآن تو پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں اور قصے کہانیاں ہے تو اس سے قرآن کے ساتھ کفر اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ و مخالفت سے بڑھ کر اور کیا شی ہو سکتی ہے بلکہ یہی مخالفت و عداوت کا آخری مرحلہ اور کسی کی دوستی سے دوری کسب سے بڑی نشانی ہے اور جو اس شان کا ہو اس سے بڑھ کر گمراہی میں اور کون ہو گا ؟

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر بلاؤ مصیبت اور نعمت و رحمت اور دکھ اور سکھ جو بھی بندے کو حاصل ہوتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے اگر بندہ اس کا تسلیم و رضا سے استقبال کرے اور ہر دکھ سکھ میں اور خوشی و رنج میں اپنے مالک و مولیٰ کا شکر اور صبر کرے تو وہ ہدایت یافتہ اور مقرب حق ہے اگر ناشکری اور جزع فزع کرے اور رسوائی کا اظہار کرے تو وہ بدبخت اور اللہ تعالیٰ سے کوسوں دور اور گمراہ ہے۔

(حدیث قدسی شریف) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرے کسی بندے کے بدن یا مال اور اولاد میں کسی قسم کی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ صبر و جمیل سے اس کا استقبال کرتا ہے تو قیامت میں مجھے شرم آئے گی کہ اس کے لئے میزان کھڑا کروں یا حساب کا دفتر کھولوں۔

(حدیث شریف) میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے پیار کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا فرماتا ہے اگر کسی سے اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتا ہے تو اسے کسی فتنہ میں ڈال دیتا ہے اگر وہ صبر کرے اور راضی برضائے الٰہی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے عرض کی گئی یا رسول اسے فتنے میں ڈالنے کا کیا مطلب آپ نے فرمایا کہ اس کا نہ مال بچتا ہے نہ اولاد۔

(فائدہ) بعض مشائخ نے فرمایا کہ کبھی نعمت اللہ تعالیٰ سے روگردانی کا سبب بن جاتی ہے جیسا کہ فرمایا "واذا انعمنا علی الانسان" الخ اور کبھی دکھ کا پہنچنا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کردیتا ہے جیسا کہ فرمایا "واذا مسہ الشر" اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے بڑا رحیم ہے نعمت دے تو بھی مصیبت دے تو بھی کیوں کہ نعمت و صحت انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے کہ وہ ان سے روگردانی کا سبب بنتی ہے اسی لئے کہا گیا کہ "البلاء للولاء" بلاء دوستی کی علامت ہے جیسے سونے کو بھٹی میں ڈالنا اس کی قیمت بڑھانے کے لئے ہوتا ہے ایسے ہی بلاؤ مصیبت بندے کے لئے بھٹی کی طرح ہے جیسے آگ تمام لکڑیوں کو جلا کر راکھ بنادیتی ہے ایسے ہی بلاؤ مصیبت بندہ کے وجود کے ضرر کو ختم کر ڈالتی ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ دکھ اور تکلیف کے قریب تر ہے بہ نسبت اسکے عطیہ وغیرہ سے اسی لئے انبیاء و اولیاء تشریف لائے تو وہ بھی اکثر اوقات بلاؤ مصیبت میں مبتلا ہے اور یہ ثابت ہے کہ آگ دنیا سے ہرگز نہیں اٹھے گی جب یہ بات ہے تو سمجھدار کیسے خیال کرتا ہے کہ وہ دنیا میں راحت پائے گا بلکہ دنیا تو ہے ہی دارالمحنۃ۔

(حدیث شریف) میں ہے "الدنیا سجن المومن" دنیا مومن کا قید خانہ ہے تو پھر وہ کیسے دنیا میں راحت پاسکتا ہے اس میں تو کبھی قلت مال و اولاد کا عارضہ لاحق ہوگا کبھی بیماریوں کا شکار ہوگا کبھی ذلت پیش آئے گی ہاں آخرت میں اسے بہت بڑی راحت نصیب ہوگی کافر دنیا و آخرت میں خسارے میں ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ سیدھے راستہ پہ چلنے کی کوشش کرے اور ڈگمگانے سے بچے اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ جائے من کہ بلغزد سپہر شعبدہ باز ٭ ازین حیل کہ در انبانہ بہانہ بیست

ترجمہ: میری کیا مجال کہ اس شعبدہ باز فلک سے ہزاروں حیلوں سے کوئی بہانہ تدبیر کرکے بچ سکوں۔

تفسیر عالمانہ "سَنُرِیْهِمْ" بہت جلد ہم ان کافروں یعنی قریش مکہ کو دکھائیں گے "آیاتنا" اپنی آیات جو قرآن کی حقیقت پر دلالت کرتی ہیں اور خود بتاتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہیں "فی الآفاق" زمانہ بھر میں "آفاق" افق کی جمع ہے نواحئ ارض کا کوئی کنارہ تا فاق السماء سے بھی یہی مراد ہوتی ہے یعنی آسمان کے کناروں میں سے کوئی کنارہ یعنی آفاق وہ جو انسان سے باہر ہے یعنی ز عرش تا فرش جسے عالم کبیر کہا جاتا ہے۔ الفس وہ جو انسان میں ہے اسے عالم صغیر کہتے ہیں یعنی ہر انسان مستقل ایک عالم ہے۔

فائدہ: آفاق سے آیات آفاقیہ مراد ہیں وہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے حوادث کی خبر بخشی ہے جیسے روم کا ایک عرصہ میں فارس کے غلبہ کی خبر ایسے ہی زمانۂ ماضی میں واقعات کی خبریں ایسے مضبوط طریقہ سے خبر دی جو بالکل حقیقت کے عین مطابق تھیں۔ بال برابر کا فرق نہ تھا جسے جملہ مؤرخین نے تسلیم کیا حالانکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے نہ آپ نے کسی سے پڑھا نہ لکھنا سیکھا نہ ہی پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست فرمائی اور وہ واقعات بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے نائبین کو فتوحات بخشیں جنہیں دنیا والوں نے دیکھا کہ آپ کے غلام مشارق و مغارب کے ممالک پر چھا گئے یہ آپ کے معجزات میں تھا ورنہ عالم دنیا میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی سربراہ کے جانشین اتنی جلد مشارق و مغارب کے ممالک پر چھا گئے ہوں "وفی انفسہم" اور ان کے نفوس میں یعنی وہ جو اہل مکہ میں ظاہر ہوا مثلاً ان کا قحط میں مبتلا ہونا اور ان کا خوف میں پڑنا اور جو انہیں یوم بدر اور یوم فتح مکہ قتل و مقہوریہ نصیب ہوئی اور تاریخ گواہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے مکۂ معظمہ کی فتح کسی کو نصیب نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے مکینوں کو کسی نے قتل کیا اور قیدی بنایا۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ آفاق سے "اقطار السمٰوٰت والارض" یعنی سورج چاند، ستارے اور جو ان پر مرتب ہوئے جیسے رات دن اور روشنی اور سائے اور ظلمات اور انگوریاں اور نہریں وغیرہ مراد ہیں اور انفس سے وہ لطیف صنعۃ و بدیع حکمت مراد ہے جو ظلمات الارحام میں جنین کی تکوین اور اعضائے عجیبہ اور تراکیب غریبہ پیدا فرمائیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ "وفی انفسکم افلا تبصرون" تو کیا تم اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے۔

(سوال) "سنریہم" میں سین استقبالیہ کیسا جب کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسے آیات سے آگاہ فرما چکا۔ (جواب) جو دکھا چکے ان کے علاوہ اور بھی دکھائے گا اور ہر آن انہیں ان پر مطلع بھی فرمائے گا بلکہ ہر گھڑی ان کے حقائق کے وقوف پر آگاہ فرماتا رہے گا۔

فائدہ: اہل علم فرماتے ہیں کہ آفاق سے عالم کبیر اور نفس سے عالم صغیر مراد ہے یعنی جو دلائل و براہین عالم کبیر میں ہیں وہ عالم صغیر میں ظاہر ہیں۔

سبق

اے انسان تو سمجھتا ہے کہ میں تو ایک چھوٹا سا جُثہ ہوں اے نادان تو نہیں سمجھا اللہ تعالیٰ نے تو تیرے اندر عالم کبیر سمو دیا ہے جو عالم کبیر میں مفصل ہے وہ تجھ میں مجملاً موجود ہے کیوں کہ صورت کے اعتبار سے عالم انسان عالم صغیر اور مجمل ہے۔ لیکن اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو قدرت کے اعتبار سے یہ عالم کبیر ہے اگرچہ اسے عالم صغیر کہا گیا ہے لیکن درحقیقت یہ کبیر ہے ؎

اے آنکہ تراست ملک اسکندر و جم ⁂ از حرص مباش درپے نیم درم
عالم ہمہ در تست ولیکن از جہل ⁂ پندا شتۂ تو خویش را در عالم

ترجمہ "(۱): اے وہ انسان کہ سکندر و جمشید کا ملک تیرے آدھے درم کے پیچھے حرص سے نہ دوڑ

(۲): تمام عالم تجھ میں ہیں لیکن تو نے جہالت سے گمان کیا ہوا ہے کہ تو اسی عالم و دنیا میں ہے"

تفصیل عالم کبیر در انسان

انسان کا جسم عرش اور نفس کرسی اور قلب بیت المعمور اور لطائف قلبیہ آٹھ بہشتیں اور قوائے روحانیہ ملائکہ اور دونوں آنکھیں اور دونوں کان اور دونوں ناک کے سوراخ اور دونوں سبیل اور دونوں پستان اور ناف اور منہ بارہ برج اور قوۃ باصرہ و سامعہ و ذائقہ و شامہ و لامسہ و ناطقہ و عاقلہ سبع سیارہ کی طرح ہیں جیسے کواکب کی ریاست کا دار و مدار سورج و چاند پر ہے اور ان کا ایک دوسرے سے مدد چاہنا ہے ایسے ہی قوائے انسانی کی ریاست کا دار و مدار عقل و نطق پر ہے اور نطق و عقل سے مدد چاہتا ہے جیسے عالم کبیر کے تین سو ساٹھ دن ہیں ایسے ہی انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ رکھے گئے ہیں جیسے قمر کی اٹھائیس منزلیں ہیں جن میں وہ ہر ماہ دورہ کرتا ہے ایسے ہی انسان میں اٹھائیس مخارج حروف ہیں جیسے چاند پندرہ راتوں میں ظاہر اور باقی راتوں میں اوّل ساعات میں چھپا رہتا ہے ایسے ہی تنوین اور نون ساکنہ پندرہ حروف کی ملاقات کے وقت چھپ جاتے ہیں جیسے عالم کبیر میں زمین پہاڑ اور معادن (کانیں) دریا۔ نہریں، نالے، کھالے، نالیاں ہیں۔ ایسے ہی انسان کا جسم زمین اور ہڈیاں پہاڑوں کی طرح ہیں جیسے پہاڑ زمین کی میخیں ہیں ایسے ہی ہڈیاں انسان کے جسم کی میخیں ہیں اور انسان میں چربی معادن کی طرح ہے اور پیٹ دریا اور آنتیں نہریں اور رگیں نالے کھالے اور نالیاں ہیں انسان کی پیپ گارے کی طرح اور اس کے بال انگوریوں کی طرح اور بالوں کے اگنے کی جگہ تر و تازہ مٹی کی طرح چہرہ آبادیاں اور پیٹھ جنگلات اس کی وحشت ویرانہ کی طرح اور سانس نکلنا ہوائیں اس کی گفتگو رعد (بادلوں کا گرجنا) اور اس کی آواز صواعق کی طرح اس کا گریہ بارش اور اس کا سرور دن کی روشنی اس کا حزن و ملال ظلمت لیل اور اس کی نیند موت۔ اور بیداری حیات۔ اور ولادت سفر کا آغاز اور بچپن ربیع اور شباب بہار اور بڑھاپا خزاں اور شیخوخہ شتاء اور موت انقضائے سفر اور سالہائے زندگی شہر اور مہینے منازل اور ہفتے فراسخ اور ایام میل اور انفاس اقدام ہیں ایک سانس نکالنے

سے سمجھنا چاہیئے کہ میں نے اپنے اجل کا ایک قدم طے کر لیا ہے

ہر دم از عمر میرود نفسے ⁂ چوں نگہ می کنم نماند بسے

ترجمہ : ہر لحظہ زندگی کا ایک لمحہ جا رہا ہے جب میں نگاہ کرتا ہوں تو یقین ہوتا ہے کہ بہت زندگی بیت گئی۔

فائدہ : انسان کے ایک دن میں بارہ ہزار بار سانس نکلتے ہیں ایسے ہی ہر رات کی ہر سانس کا حساب ہوگا کہ کونسا سانس ذکر الہٰی سے غفلت میں گزرا پھر اس کی بدقسمتی کا کہنا کہ جس کی زندگی غفلت میں گزر گئی

تقریر دیگر

زمین کے سات طبقے ہیں

(۱) سیاہ (۲) غبراء (گرد آلود) عظام (ہڈیاں)

(۳) حمراء (۴) صفراء (۵) بیضاء

(۶) زرقا (۷) خضراء۔

یہی طبقے انسان کے جسم میں بھی ہیں

(۱) جلد (۲) شحم (۳) لحم

(۴) عروق (۵) عصب۔

(۶) قصب

نیز انسان میں سوداوی مادہ بمنزلہ زمین کے ہے کہ وہ خشک اور سرد ہے اور صفراوی مادہ بمنزلہ آگ کے ہے کہ وہ خشک اور گرم ہے اور خون بمنزلہ ہوا کے ہے کہ وہ باحرارت و پُر رطوبت ہے اور بلغم بمنزلۂ پانی کے ہے اگر اس میں برودت و لزوجت ہے تو جیسے پانی مختلف ہے کہ بعض میٹھا و نمکین اور بدبودار ہے، یہی انسان کے بدن کے پانی کا حال ہے مثلاً آنکھ کا پانی نمکین ہے اس لئے کہ آنکھ سراسر پیہ ہے اگر اس کے پانی میں نمکینی نہ ہوتی تو خراب ہو جاتی اور تھوک کا پانی میٹھا ہے اگر اس میں مٹھاس نہ ہوتا تو طعام اور پانی میٹھے محسوس نہ ہوتے اور کانوں کے سوراخوں کا پانی کڑوا ہے کیوں کہ یہ دونوں ہر وقت کھلے رہتے ہیں کبھی بند نہیں ہوتے اور ان کے پانی کی بدبوئی کسی شے کو اندر داخل نہیں ہونے دیتی یہاں تک کہ اگر کوئی کیڑا کان میں داخل ہوتا ہے تو مر جاتا ہے کانوں کے پانی کی کڑواہٹ اور بدبوئی اسے مارتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کانوں میں کیڑے داخل ہو کر دماغ تک پہنچ کر اسے کھا جاتے اور اسے تباہ و برباد کر ڈالتے

ایک اور تقریر

انسان میں جمیع حیوانات کی عادات و اخلاق پائے جاتے ہیں مثلاً معرفت الہٰی اور صفائی کے لحاظ سے یہ فرشتہ ہے اور مکر و کدورت کے لحاظ سے شیطان ہے جرأت و شجاعت کے لحاظ سے شیر ہے جہل میں جانور ہے تکبر میں چیتا اور غضب میں شیر و نہد ہے

اور فساد بر پا کرنے اور غیرت میں بھیڑیا ہے صبر میں گدھا کی طرح ہے اور شہوت میں چڑیا کی طرح ہے حیلہ وفریب میں لومڑی کی طرح ہے حرص اور ذخیرہ اندوزی میں چوہے اور چیونٹی کی طرح ہے بخل میں کتے کی طرح ہے ایسے ہی دنیا میں۔ اور حرص وہوا میں خنزیر کی طرح ہے اور بغض وکینہ میں سانپ کی طرح حوصلہ میں اونٹ جیسا ہے ایسے ہی کینے میں اور سخاوت میں مرغ کی طرح ہے اور صناعت میں بوم کی طرح ہے اور تواضع اور چاپلوسی میں بلی کی طرح ہے صبح اٹھنے میں کوے کی طرح ہے اور ہمت میں کچھوے اور باز کی طرح ہے وغیرہ وغیرہ نیز جتنا غور وفکر زائد کرتا ہے اتنا اس کا تجربہ بڑھتا ہے یہ موجود سے غائب کا استدلال وامتیاز بطریق اتم رکھتا ہے حرفتوں اور صنعتوں کو خوب جانتا ہے یہ ہمارے نفوس میں بہترین آیات ہیں وہی برکت والا اور احسن الخالقین ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

۱ ، عجب تر از تو ندارد جہان تماشاگاہ ۔۔ چرا بچشم تعجب بخود نظر نکنی

۲ ، ای راز نہ فلک ز وجودت عیان ہمہ ۔۔ در دادن تو حاصل دریا وکان ہمہ

۳ ، پیش تو سر بخاک مذلت نہادہ اند ۔۔ باآن علوم ومرتبہ روحانیان ہمہ

ترجمہ ۱ ؛ تجھ پر بڑی تعجب ہے کہ دنیا کی تماشا گاہ پر تو کیوں تعجب سے نہیں دیکھتا۔

۲ ، نہ فلک کے اسرار تیرے وجود سے عیاں ہیں کہ تیری عطا سے ہی تو دریا اور جملہ کانیں ہیں۔

۳ ، تیرے سامنے ہی سب عاجزی سے سر جھکائے ہوئے ہیں وہ روحانی مخلوق باوجودیکہ وہ علوم ومراتب والے ہیں (لیکن لے انسان تیرے نیازمند ہیں۔)

بفضلہ تعالیٰ سورۃ حم السجدہ کا ترجمہ مدینہ طیبہ میں ختم ہوا۔

اس سورۃ پاک کے ترجمے سے ۸ شوال عربی ۶ شوال پاکستانی ۱۴۰۶ھ مطابق ہوا۔ جون ۱۹۸۶ء بروز ہفتہ ساڑھے چار بجے دن کو الحاج حافظ عبدالواحد صاحب کے مکان میں فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

ھذا آخر مارقمہ قلم الفقیر القادری ابوالصالح **محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ**

وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ
مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ
لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَالَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ
فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ○ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُـحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ
عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

یہ سورت مکی ہے اس میں ۵ رکوع ۵۳ آیات ۸۶ کلمے اور ۳۵۸۸ حروف ہیں۔

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا
یوں ہی وحی فرماتا ہے تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف اللہ عزت و حکمت والا اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی بلندی و عظمت والا ہے۔ قریب تھا کہ آسمان اپنے اوپر سے شق ہو جائیں اور فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور زمین والوں کے لیے معافی مانگیں۔ سن لو بیشک اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے اور جو اللہ کے سوا اور والی بنا رکھے ہیں وہ اللہ کی نگاہ میں ہیں اور تم ان کے ذمہ دار نہیں اور یونہی ہم نے تمہاری طرف عربی قرآن وحی بھیجا کہ تم ڈراؤ سب شہروں کی اصل مکہ والوں کو اور جتنے اس کے گرد ہیں اور تم ڈراؤ اکٹھے ہونے کے دن سے جس میں کچھ شک نہیں ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک گروہ دوزخ میں اور اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک دین پر کر دیتا لیکن اللہ اپنی رحمت میں لیتا ہے جسے چاہتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ مددگار۔ کیا اللہ کے سوا اور والی ٹھہرا لیے ہیں تو اللہ ہی والی ہے اور وہ مردے جلائے گا اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

سورۃ شوریٰ

سورۃ حم عسق اسے سورۂ شوریٰ بھی کہتے ہیں یہ مکیہ ہے اس کی ترپین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا ہے

تفسیر عالمانہ

حم عسق، یہ دونوں سورۃ کے نام ہیں اسی لئے انہیں علیحدہ علیحدہ کہا جاتا ہے اور یہ دو آیتیں ہیں جیسے کہیعص اور المص و الم ایک ایک علیحدہ آیات ہیں انہیں ایک اسم کہا جائے یا ایک آیت کہا جائے جائز ہے عسق کو حم سے علیحدہ لکھنے میں اسے خوامیم کی ترتیب سے علیحدہ رکھنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

(ف) القاموس میں ہے آل حامیم و ذوات حامیم سے سورتوں کا آغاز ہوتا ہے انہیں حوامیم نہ کہا جائے۔ ایک شعر میں آیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے یا قسم ہے یا "الرحمٰن" کے اسم کو متقطع کر کے دیا گیا ہے۔

حکایت و روایت

مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا۔ آپ کے پاس حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے اس شخص نے

آتے ہی حمعسق کی تفسیر پوچھی آپ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر اس شخص سے منہ پھیر لیا اُس نے تین دفعہ سوال کیا آپ نے اس سے تین دفعہ منہ پھیرا۔ اس شخص کو حضرت حذیفہ نے فرمایا میں تجھے اس کے متعلق بتاؤں گا کہ آپ نے تجھ سے کیوں مُنہ پھیرا بلکہ بتانے سے کراہت کا اظہار فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حمعسق حضرت عبداللہ بن عباس کے خاندان کے ایک فرد کے حق میں نازل ہوئی جس کا عبداللہ یا عبدالالٰہ نام تھا جو مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا پر دو شہر آباد کر گیا جو دونوں نہر کے درمیان میں واقع ہوں گے جب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ملک کا زوال ان کی تباہی و بربادی چاہے گا تو اس کے ایک شہر پر ایک آگ رات کے وقت اُترے گی جو نہایت سیاہ کالی ہوگی آتے ہی اس شہر کو جلا دے گی اور وہ شہر ایسا ملیامیٹ ہو جائے گا گویا یہاں آبادی تھی ہی نہیں لیکن شہر کے باشی بچ جائیں گے کسی ایک کو بھی آگ کا اثر نہ ہوگا صبح کو اُٹھتے ہی تمام لوگ متعجب ہوں گے کہ یہ ایک عجیب معاملہ ہے کہ شہر تو تباہ ہو گیا لیکن شہر والے بچ گئے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے بڑے بڑے رؤسا و لیڈر جمع ہوں گے ان کے اجتماع ہذا میں دوسرے شہر والے بھی شامل ہوں گے۔ پھر آنے والی رات میں ایسا جھٹکا لگے گا کہ نہ شہر رہے گا نہ شہر والے سب کے سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

یہ ارشاد گرامی "حمعسق" ان کی تباہی و بربادی کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ حمعسق بمعنی ھذہ عزمۃ من عزمات اللہ وفتنہ الخ۔ یہ اللہ کے عزائم اور اس کی آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ہے اور اس کی تقدیر حق ہے اور وہ جو آنے والے حالات کے لئے فیصلہ فرماتا ہے وہ حق ہے اور مبنی بر عدل و انصاف ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو ان دونوں شہر والوں پر ہوگا۔

تفاسیر حمعسق

(۱) جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنا کہ دجلہ و دجیل اور قطربل و الصراۃ کے درمیان میں دو شہر تیار کئے جائیں گے جس میں زمانہ بھر کے جبابرہ سرکش جمع ہوں گے ان کے ہاں دنیا بھر کے خزانہ جمع ہوں گے پھر وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنس جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ایسے جلد تر دھنسیں گے جیسے نرم زمین میں میخ گھس جاتی ہے۔

فائدہ ——— دجلہ بالذال المعجمہ بر وزن حمزہ ایک گاؤں ہے جس میں کھجور بکثرت ہوتی ہیں۔ دجیل بالجیم زبیر کی طرح ایک گھاٹی ہے جو بغداد کے دجلہ میں واقع ہے۔ قطربل بالضم و تشدید الباء الموحدہ او بالتخفیف بھی یہ دو مقام ہیں ان کا ایک عراق میں واقع ہے۔ اس کی چٹائیاں مصلے (خسر) مشہور ہیں الصراۃ بالفتح عراق میں ایک نہر ہے

-فائدہ ضحاک نے کہا کہ یہ عذاب ہوگا لیکن میرا خیال ہے کہ غزوۂ بدر میں جو کچھ ہوا وہ یہی عذاب تھا۔

حدیث شریف ثعلبی وقشیری نے ذکر کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ پاک سے غم وحزن کے آثار محسوس ہوئے ۔ سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ میری اُمت پر بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوں گی انہیں خسف ومسخ ہوگا اور ایک نار آئے گی جو انہیں ایک جگہ جمع کرے گی پھر سخت ہوا دریا میں دھکیل دے گی اس کے بعد مسلسل مختلف آفات کا نزول ہوگا جو عیسٰی علیہ السلام اور خروج دجال تک لگاتار جاری رہے گا۔

فائدہ مفسرین نے فرمایا کہ حاء ایک حرف ہے اور میم ہلاکت کی اور عین عذاب کی اور سین مسخ کی اور قاف قذف کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔

علم القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب حمعسق پڑھتے تو فرماتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جملہ فتنوں کو انہی حروف سے سمجھا (کذا قال الثعلبی) مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فتن وحروب کا علم انہی حروف سے سمجھتے تھے جو سورۃ کے اوائل میں واقع ہیں ۔

فائدہ شہر بن حوشب نے فرمایا حم عسق ایک حرب ہے جس نے قریش کے باعزت نے عزت پائی اور ذلیل نے ذلت پائی پھر عرب سے عجم میں پھیلی یہانتک کہ یہ فتنے خروج دجال تک چلے جائیں گے ۔

سنہ ۱۰۰۲ھ کے فتنے اور قرآن مجید بعض فتنے تو گزرے اور بعض سنہ ۱۰۰۲ھ کے بعد نمودار ہونگے چنانچہ اس پر "حم عسق" دلالت کرتا ہے اس لئے کہ حم کے اڑتالیس اور عین ستر اور سین کے ساٹھ اور قاف کے ایک سو پینتیس ہیں اور روایات صحیحہ میں ہے کہ دجال کے بعد ہی حضرت مہدی رضی اللہ عنہ تشریف لائیں گے اور یہ [1] گمان ہے کہ سنہ ۱۳۰۰ھ کے آغاز میں یا سنہ ۱۳۰۲ھ میں تشریف لائیں گے اور حضرت مہدی سے قبل بہت بڑی مصیبتیں ظاہر ہوں گی ۔

---

[1] یہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اپنا گمان ہے ورنہ آج ۱۴۰۹ھ گذر رہا ہے ابھی تک امام مہدی تشریف نہیں لائے اعلیحضرت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے سائل کے جواب میں فرمایا چنانچہ ملفوظات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۱۱۲ میں ہے ۔

عرض ، قیامت کب ہوگی اور ظہور امام مہدی کب ۔

ارشاد ، قیامت کب ہوگی اسے اللہ جانتا ہے اور اس کے بتلانے سے اُس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وقیامت ہی کا ذکر کرکے ارشاد فرماتا ہے ۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ اللہ غیب کا جاننے والا ہے ۔ وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے

حضرت عطاء نے فرمایا کہ حا ر سے حرب مراد ہے یعنی ایسی جنگ جس میں انسان کے خون سے ہولی کھیلی جائے گی

(بقیہ حاشیہ نمبر ۱۹) امام قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی کہ اس غیب سے مُراد قیامت ہے جس کا اوپر کی متصل آیت میں ذکر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پہلے بعض علمائے کرام نے بلحاظ احادیث حساب لگایا کہ یہ اُمت سن ہزار ہجری سے آگے نہ بڑھے گی۔ امام سیوطی نے اس کے انکار میں رسالہ لکھا۔ الکشف عن تجاوز هذه الامة الالف۔ اس میں ثابت کیا کہ یہ اُمت سنہ ۱۰۰۰ھ سے ضرور آگے بڑھے گی۔ امام جلال الدین کی وفات شریف سنہ ۹۱۱ھ میں ہے اور اپنے حساب سے یہ خیال فرمایا کہ سنہ ۱۳۰۰ھ میں خاتمہ ہوگا۔ بحمد اللہ تعالیٰ اُسے بھی چھبیس ۲۶ برس گئے اور ہنوز قیامت تو قیامت شرائط کبریٰ میں سے کچھ نہ آیا۔ امام مہدی کے بارے میں احادیث بکثرت اور متواتر ہیں مگر اُن میں کسی وقت کا تعین نہیں اور بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گزرتا ہے کہ شاید سنہ ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے اور سنہ ۱۹۰۰ھ میں حضرت امام مہدی ظہور فرمائیں۔ پھر خود ہی ارشاد فرمایا) کہ میں نے یہ دونوں وقت سنہ ۱۸۳۷ھ میں سلطنت اسلامی کا بڑھنا اور سنہ ۱۹۰۰ھ میں امام مہدی کا ظہور فرمانا) سید المکاشفین حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے اخذ کئے ہیں اللہ اکبر کیسا زبردست واضح کشف تھا کہ سلطنت ترکی کا بانی اوّل عثمان پاشا حضرت کے مدتوں بعد پیدا ہوا مگر حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے نہ فقط پہلے عثمان پاشا سے لے کر قریب زمانہ آخر تک جتنے بادشاہ اسلامی اور اُن کے وزراء ہوں گے۔ رموز میں سب کا مختصر ذکر فرمایا۔ اُن کے زمانے کے عظیم وقائع کی طرف بھی اشارے فرمادیئے کسی بادشاہ سے اپنی اُسی تحریر میں بہ نرمی خطاب فرماتے ہیں اور کسی پر حالت غضب کا اظہار ہوتا ہے اس میں ختم سلطنت اسلامی کی نسبت لفظ الیقظ فرمایا اور صاف تصریح فرمائی کہ لا قول الیقظ الهجریة بل الیقظ الجفریة۔ میں نے اس الیقظ جفری کا جو حساب کیا تو ۱۸۳۷ھ آتے ہیں اور انہیں کے دوسرے کلام سے سنہ ۱۹۰۰ھ ظہور امام مہدی کے اخذ کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ رُباعی۔

اذا دار الزمان علی حروف ، ببسم اللہ فالمهدی

ویخرج فی الحطیم عقیب صوم : الا فاقرأها من عندی سلاما

خود اپنی قبر شریف کی نسبت بھی فرمادیا کہ اتنی مدّت تک میری قبر لوگوں کی نظروں سے غائب رہے گی مگر اذا دخل السین فی الشین ظہر قبر محی الدین جب شین میں سین داخل ہوگا تو محی الدین کی قبر ظاہر ہوگی۔ سلطان سلیم جب شام میں داخل ہوئے تو اُن کو بشارت دی کہ فلاں مقام پر ہماری قبر ہے۔ سلطان نے وہاں ایک قبّہ بنوادیا جو زیارت گاہ عام ہے (پھر فرمایا) چند جدول ۲۸ - ۲۹ خانوں کی آپ نے تحریر فرمادی جن میں ایک ایک خانہ لکھا اور باقی خالی چھوڑ دیئے اب اس کا حساب لگاتے رہیئے کہ اس سے کیا مطلب ہے۔ (ملفوظات ص ۱۱۶) حاشیہ ختم

ان گنت انسان وحیوان موت کے گھاٹ اتریں گے بلکہ ان کے اکثر مٹ جائیں گے اور میم تحویل الملک مراد ہے کہ تخت سلطنت پر جم کر کوئی کام نہ کر سکے گا (جیساکہ آجکل ہو رہا ہے کہ جمہوریت کے نشہ میں ملکی حالات اظہر من الشمس ہیں) اور عین سے قریش کے اعلاء مراد ہیں باوجود اس کے بیت اللہ شریف کی برکت سے دنیاو دولت ان کے ہاں سمٹ کر آئے گی (جیساکہ دور حاضرہ میں دنیائے عالم کو معلوم ہے کہ عرب میں دنیا و دولت کی کتنی فراوانی ہے) سین سے قحط سالی مراد ہے یعنی دنیا میں اس طرح قحط سالی واقع ہو گی جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا۔ قاف سے قدرت الٰہی مراد ہیں یعنی جملہ ملکوت قدرت حق سے خارج نہیں ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حا سے حکم اللہ اور میم سے ملک اللہ اور عین سے علو اللہ اور سین سے سناء اللہ اور قاف سے قدرت اللہ یعنی مجھے ان حروف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا حکم و ملک و علو و سناء و قدرت کی قسم میں اس شخص کو عذاب نہیں کروں گا جس نے لا الٰہ الا اللہ مخلص ہو کر کہا اور قیامت میں میرے ہاں حاضر ہوا۔

فائدہ اس جملہ کے معنی ابو اللیث نے اپنی تفسیر میں کہا کہ ایسے شخص کو دائمی عذاب میں مبتلا نہیں کروں گا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کا ابتدائی بولنا " لا الٰہ الا اللہ " سکھاؤ اور مردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو

نکتہ بچوں کو سکھانے کی حکمت یہ ہے کہ بچہ کی ابتدائی کیفیت غل وغش سے پاک ہوتی ہے اور موتیٰ اضطراری حالت میں ہوتے ہیں جب تم کسی بندے کی ابتدائی قلم قدم میں اور آخری قلم قدم میں " لا الٰہ الا اللہ " پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی درمیانی کیفیت معاف فرمائے گا۔

(۴) بعض مفسرین نے فرمایا کہ حاء الرحمٰن سے اور میم مجید سے اور عین علیم سے اور سین قدوس سے اور قاف قاہر سے ہے۔

(۵) بعض تفاسیر میں ہے حا سے اس کا حلم اور میم سے اس کی مجد اور عین سے اس کی عظمت اور سین سے اس کی سناء اور قاف سے اس کی قدرت بعض نے فرمایا کہ قاف سے جبل مراد ہے جو تمام دنیا کو محیط ہے۔

(۶) بعض تفسیروں میں ہے کہ کشف الاسرار میں ہے کہ یہ حروف ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی وہ عطائیں مراد ہیں جو آپ کو عطا ہوئیں مثلاً حا سے حوض کوثر مراد ہے اس لئے کہ پیاسے امتی حاضر ہوں گے تو پیاس بجھائیں گے اور میم سے آپ کا ملک ممدود مراد جو مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا ہے اور پھیلتا جائیگا اور عین سے عز موجود مراد ہے اس لئے کہ آپ کل کائنات میں معزز ترین ہیں اور سین سے سناء مشہور مراد ہے اس لئے کہ آپ کے مراتب کو کوئی نہیں جانتا اور نہ انہیں کوئی پہنچ سکتا ہے اور قاف سے مقام محمود مراد ہے کہ شب معراج میں دنیٰ فتدلیٰ اور قیامت میں شفاعت کا مقام عطا ہوا ہے

مقام تو محمود و نامت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ بدینسان مقامی و نامی کہ دارد

ترجمہ :- آپ کا مقام محمود اور آپ کا نام محمد ہے ایسا مقام اور نام کون رکھتا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۷) تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حا میں آپ کی محبت کی طرف اور میم میں اس کے محبوب کے میم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اور عین سے اس کے عشق کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو اپنے مالک کے ساتھ ہے اور قاف سے آپ کے اس قرب کی طرف اشارہ ہے جو نہیں اپنے مالک سے وہ کمال عطا ہوا جسے کوئی نہیں پہونچتا۔

(۸) صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ حا سے حجر اسود اور میم سے مقام ابراہیم اور عین سے زمزم کا چشمہ اور سین و قاف سے قریش کا سقایہ مراد ہے یعنی جو حجر اسود کو بوسہ دے گا وہ معنوی طور سردار ہوگا اور جو مقام ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ خلعت سے نوازے گا جو زمزم سے قریب دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا اور زمزم کا پانی پئے گا تو اسے اللہ تعالیٰ شراباً طہورا پلائے گا۔ اس کی کوئی بیماری اور درد باقی نہ رہے گا۔

تفسیر عالمانہ

کذلک یوحی الیک و الی الذین من قبلک اللہ العزیز الحکیم ۔ کذالک کا کاف محلا منصوب ہے اس لئے کہ یوحی کا مفعول بہ ہے اس کا فاعل لفظ اللہ ہے یعنی شل اس سورۃ میں جو معانی ہیں انہیں اللہ عزیز حکیم آپ کی اور آپ سے پہلے والوں کی طرف وحی فرماتا ہے۔ وجہ مثل دعوت الی اللہ ہے اور ارشاد الی الحق اور بندوں کی معاش و معاد کی اصلاح وغیرہ مراد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کاف محلا منصوب مفعول مطلق محذوف کی صفت ہو اور وہ یوحی کی تاکید کرتا ہے دراصل عبارت مثل ایحاء ھذہ سورۃ یوحی اللہ الخ تھی یعنی آپ کی وحی سابقہ انبیاء علیہم السلام کی وحی کی طرح ہے آپ کی وحی انکی وحی کے مغایر نہیں وجہ تثلیث یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جیسے ان کے ہاں وحی فرشتے لاتے تھے ایسے ہی آپ کے ہاں بھی۔

(سوال) مقام کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں صیغہ ماضی ہو لیکن مضارع لایا گیا ہے

(جواب) تاکہ معلوم ہو کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی وحی یقینی اور استمراری اور وقتاً فوقتاً تجدد کے طور تھی اور آپ کی وحی بھی اسی عادۃ الٰہیہ کے مطابق ہے

(جواب) تاکہ اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماضی اور مستقبل برابر ہے (کذا فی الکواشی)

العزیز الحکیم دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں موحی ہر کی علو شان پر دلالت ہے۔ کیونکہ کمال قدرت و علم کے بعد واقع ہوئی ہیں " لہ ما فی السموات وما فی الارض " اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں عوالم علویہ و سفلیہ تخلیقاً و ملکاً ۔ (ہو العلی " اور وہی بلند شان و الاعظیم ۔ عظیم ملک و

قدرت وحکمت والا ہے یعنی وہ ایسا رفیع الشان کہ وہاں مدارک عقول نہیں پہنچ سکتے کیونکہ اس جیسی کوئی اور ذات نہیں اور نہ ہی اس کی صفات جیسے اور کسی کے صفات ہیں اور نہ اس کے اسماء جیسے اور کسی کے اسماء ہیں اور نہ اس کے افعال جیسے کسی کے افعال ہیں اور وہ ایسا عظیم ہے کہ اس کے سامنے ہر شے ہیچ ہے سوائے اس کی دی ہوئی عزت کے۔ انبیاء و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام عظیم ہیں ہر نبی اپنی امت میں اور ہر شیخ اپنے مریدین میں اور استاذ اپنے شاگردوں میں عظیم ہیں ہاں مطلق عظیم صرف اللہ تعالیٰ ہے "تکاد السمٰوٰت یتفطرن" تفطر سے مشتق ہے بمعنی چر جانا الفطر سے ہے بمعنی شے کا لمبائی میں چر جانا یعنی قیامت بعلمہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وہیبت اور اس کے خوف وجلال سے قریب ہے کہ آسمان چر جائیں اسے دوسرے مقام پہ یوں بیان فرمایا "لو انزلنا ھذا القراٰن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللّٰہ" (من فوقھن) یعنی ان کے چرنے کا آغاز اوپر سے نیچے کو ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی بڑی بڑی آیات اوپر کو ہیں جیسے عرش۔ کرسی۔ اور وہ فرشتے جن کی تسبیح وتہلیل وتحمید وتکبیر سے عرش کا ماحول گونج رہا ہے علاوہ ازیں دیگر آیات جن کی کہنہ کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے جنہیں آثار ملکوت بھی شامل ہیں اسی لئے مناسب ہوا کہ آسمان کا چرنا اسی جانب سے ہو یہاں تک کہ نچلی طرف تک پہنچے پھر یہاں تک کہ تمام آسمان ایک دوسرے پر گر پڑیں

(سوال) دوسری آیت[1] اس کے خلاف ہے کما قال تعالےٰ

تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا ان دعوا للرحمٰن ولدا

اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان نیچے سے پھٹ جائیں جب مشرکین اور کفار اللہ تعالےٰ کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں

(جواب) چونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرنے کا صدور زمین میں ہوا اسی لئے آسمانوں کا پھٹنا زمین کی طرف سے موزوں تر ہے علاوہ ازیں نزول عذاب زمین والوں کے لئے بھی آسمان اول سے ہوتا ہے اسی مناسبت سے یہاں نچلی طرف کا ذکر ہے "والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم" اللہ تعالیٰ کی ان امور سے تنزیہ کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں جیسے شریک اور اولاد اور باقی وہ جملہ صفات جو اجسام سے متعلق ہیں درانحالیکہ وہ متلبس ہیں اس کی حمد کے ساتھ یعنی وہ فرشتے تسبیح وحمد اکٹھے بولتے ہیں اس لئے کہ اس میں ایک میں اس کے لائق صفات کا اثبات دوسری میں جو صفات اس کے لائق نہیں اس کی نفی ہے چونکہ تخلیہ تجلیہ سے پہلے ضروری ہے اسی لئے پہلے تسبیح پھر حمد کا ذکر ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے قبول کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے گویا پہلے استفاضہ کا بیان تھا اب افاضہ وتاثیر کا ذکر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ "ویستغفرون لمن فی الارض" اور جو زمین میں ہیں ان کے لئے

---

[1] : سورۃ مریم رکوع ۲۸ ۔

بخشش مانگتے ہیں یعنی اہلِ ایمان کے لئے سفارش کرتے ہیں

(سوال) تم نے لمن فی الارض کے عموم کو اہلِ ایمان کے ساتھ کیوں خاص کیا

(جواب ۱) دوسری آیت میں اہل ایمان کی قید ہے۔ کما قال: "ویستغفرون للذین آمنوا" گویا یہاں مطلق کو مقید کیا گیا ہے

(جواب ۲) اگر آیت عام ہو تو معنی یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے علاوہ ان کا فرش کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ جن کا کفر سے توبہ کرنا مقدر ہو چکا ہے اور ان کے لئے پھر طاعت کے اسباب مہیا ہو جائیں گے۔

جواب ۳) یا اہل ایمان کے علاوہ کل کافر مراد ہیں لیکن ان کی مغفرت کا مطلب یہ ہو گا کہ ان سے عذاب اور سزا کی تاخیر ہو یہانتک کہ مرنے تک دوسری قوموں کی طرح عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔ ایسے ہی فاسق کے متعلق جواب ہو گا۔

(سوال) تمہارا یہ آخری جواب قرآن کے مضمون "اولئک علیهم لعنة الله والملائكة والناس اجمعین" کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے ہر وقت کافروں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

(جواب) لعنۃ بھیجنا اور طریق سے ہے اور طلب مغفرت اور طریق سے مختلف طرق سے متضادین کا اجتماع منع نہیں

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان میں چار انگل کے برابر بھی کوئی ایسی جگہ خالی نہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ سجدہ ریز ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح اور اہلِ زمین کے لئے بخشش نہ مانگ رہا ہو۔ آیت مذکورہ اور حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کرنے والے جملہ آسمانوں کے فرشتے ہیں حالاں کہ مقاتل نے کہا کہ اس سے صرف حملۃ العرش (ملائکہ) مراد لئے ہیں اور تفسیر حسینی میں حضرت کاشفی نے بھی ایسے ہی فرمایا ہے اور ان کی تائید سورۃ حم المومن کی آخری آیت "یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربهم ویومنون به یستغفرون للذین آمنوا" سے بھی ہوتی ہے

(جواب ۲) (فقیر) صاحب روح البیان قدس سرہ کہتا ہے کہ یہ دونوں آیتیں آپس میں متضاد نہیں اس لئے کہ امور میں ترقی ہوتی ہے کیونکہ آیۃ حم المومن میں حملۃ العرش کے ساتھ مقید کر کے فرمایا پھر اس آیت میں مومن کی استغفار کا ذکر ہوا۔ ترقی امور میں عموماً ایسا ہوتا ہے۔ "الا" یقین کرو کہ "ان الله هو الغفور الرحیم" بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کے گناہ بخشتا ہے ان پر رحم فرماتا ہے کہ بہشت سے انہیں رزق اور

اپنے وصال و قربت سے نوازیگا اور ملائکہ کو حکم فرماتا ہے کہ وہ جملہ بنی آدم کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ عصیان میں مبتلا ہوں یا کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہوں بلکہ ان کے بڑے بڑے گناہوں اور کفر و شرک کے ارتکاب سے ان کا رزق بند نہیں کرتا اور نہ ہی ان کی صحت و عافیت چھینتا ہے اور نہ ہی دنیوی منفعتوں سے انہیں محروم فرماتا ہے اگرچہ آخرت میں انہیں بڑے اعمال اور کفر و شرک کی سزا ہو گی۔ (نکتہ) اگر فرشتے اہلِ ایمان کیلئے استغفار کرتے ہیں تو اہلِ ایمان بھی تشہد میں انہیں سلام کہتے ہیں۔ چنانچہ ہم تشہد میں پڑھتے ہیں۔ "السلامُ علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین" اور درحقیقت عباد اللہ الصالحین ملائکہ ہی ہیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر کرنا چاہیے (کذا قال صاحب روح البیان)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بہت سے جہال اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے خرافات بکتے ہیں جو اس کی شانِ کریمی کے سراسر منافی ہیں بلکہ بسا اوقات اس پر ایسے افتراء و بہتانات تراشتے ہیں کہ قریب ہے آسمان اوپر سے پھٹ جائیں وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے انسان کو اپنی قدرتِ کاملہ کے انوار سے ملبوس فرمایا اور اس کے اندر اپنے فعلِ کریمی سے روح پھونکا یہاں تک اس کی عبودیت نے اپنے صانع کو سمجھا اور اُسے یقین ہو گیا کہ ٹیڑھے دل والے غلط بکتے ہیں ان کے اقوال سے اس کی طہارت و تقدیس کا اسے علم ہوا اور اسے سمجھ آ گیا کہ ملحدین کے اشارات سراسر غلط ہیں اور فرشتے بھی ایسے لوگوں کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان اور باطل دعاوی سے اس کی تقدیس بیان کرتے ہیں اور ان اہلِ ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں جو حقیقۃً عبودیت کو ابھی نہیں پہنچ سکے۔ لیکن اس قابل ہیں کہ وہاں پہنچ سکیں کیوں کہ انہیں اپنے عجز و قصور کا اعتراف ہے وہ اہلِ بدعت کی طرح اپنی غلطی پر مُصر نہیں ہے

فاسد شدہ راز روزگار و ارون
لا یمکن ان یصلحہ العطارون

ترجمہ :۔ جن لوگوں کے راز زمانہ کی گردش نے فاسد کر ڈالے ہیں ممکن ہی نہیں کہ مُصلح ان کی اصلاح کر سکے۔

تفسیر عالمانہ والذین اتخذوا من دونہ اولیاء اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے غیروں کو بنالیا اس کے شریک یعنی عبادتِ الٰہی میں غیروں کو شریک کیا۔ اللہ حفیظ علیہم اللہ تعالیٰ ان کے اعمال و احوال کا نگران اور مطلع ہے کسی وقت بھی ان سے غافل نہیں انہیں ان کے اعمال کی قیامت میں جزا دے گا یعنی ان کا نگران صرف وہی ہے اور کوئی اس جیسا ان کا رقیب نہیں۔ (حل لغات) حفیظ بمعنی نگہبان المفردات میں حفیظ بمعنی محفوظ لکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں چھوڑے گا اس معنی کی تائید آیت علمھا عند ربی فی کتاب

لا یفسن دبی ولا ینغی " سے ہوتی ہے وما انت علیهم بوکیل اور آپ ان پر دکیل نہیں یعنی ان کے امور آپ کے ہاں سپرد نہیں کہ جن کے متعلق آپ سے باز پرس ہو یا آپ سے ان کا مواخذہ ہو آپ کے ذمہ انہیں ڈرانا اور احکام الٰہی پہنچانا ہے اور بس (اور وہ آپ کر چکے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو عمل خواہش نفسانی کے تحت کیا جائے یا اللہ تعالیٰ کی کسی حد یا اس کے کسی معاہدہ کو توڑا جائے تو ان امور کے ارتکاب سے شیاطین کو اپنا دوست بنانا ہے اس لئے کہ ایسے اعمال شیاطین کے حکم اور ایسے افعال ان کی طبائع کے موافق سرانجام ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال (مخفی ہوں یا ظاہر) کا نگران ہے چاہے انہیں عذاب دے چاہے انہیں معاف فرمادے آپ ان پر وکیل نہیں کہ ان سے عذاب کو روکیں۔

سبق عاقل وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی دوست بنائے اسی کی محبت و ولایت کو اپنی دل میں جگہ دے کما قال تعالیٰ ، قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون ۔ یہاں تک کہ اپنے جملہ امور کا اسی کو کفیل سمجھے اپنی ضرورت کے لئے ہاتھ اس کے سوا کسی کے آگے نہ پھیلائے۔

حکایت حضرت الاستاذ بوعلی دقاق قدس سرہ نے فرمایا کہ یعقوب بن لیث بادشاہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کہ جس کے علاج سے جملہ اطباء عاجز آگئے کسی نے اسے کہا کہ تیری سلطنت میں ایک درویش اللہ والا رہتا ہے جس کا اسم گرامی سہل بن عبداللہ ہے اگر وہ تمہارے لئے دعا کریں تو تم شفایاب ہو جاؤگے ۔ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر بادشاہ نے دعا کیلئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا تیرے حق میں دعا کب مستجاب ہو سکتی ہے جب کہ بے شمار مظلوم تیری قید میں گرفتار ہیں بادشاہ نے فوراً تمام قیدیوں کو رہا کر دیا اس پر حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ یا اللہ جیسے تو نے اسے گناہوں کا مزہ چکھایا ہے ایسے ہی اسے نیکیوں کا صلہ دے کر اسے خوش فرما ۔ آپ کی دعا کی برکت سے بادشاہ فوراً صحت یاب ہو گیا ۔ اس پر بادشاہ نے حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بہت سا مال نذرانہ کے طور پیش کیا تو آپ نے اسے لینے سے انکار کر دیا ۔ بادشاہ نے کہا کہ اسے قبول کر کے فقراء پر تقسیم فرمادیں ۔ آپ نے جنگل کی ایک وادی کیطرف بادشاہ کو متوجہ کیا بادشاہ نے دیکھا کہ وہ وادی جواہر اور موتیوں سے پُر ہے ۔ فرمایا جسے اللہ تعالیٰ ایسی دولت سے نوازے اسے یعقوب بن لیث بادشاہ کے مال کی کیا ضرورت ہے پھر فرمایا اے بادشاہ سن لے سب کا دینے والا اور نہ دینے والا سب کو نفع اور نقصان پہونچانے والا صرف وہی اللہ ہے جو سب کا والی اور کفیل ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ؎

نقش رد کرد ست ونقاش من اوست
غیر اگر دعوی کند او ظلم جوست

ترجمہ ، تمام نقش اسی نے کئے ہیں میرا وہی نقاش ہے اس کے سوا کوئی دعویٰ کرے تو وہ ظلم کا طالب ہے۔

تفسیر عالمانہ

وکذلک اوحینا الیک قرآنا عربیا۔ ذلک کا اشارہ اس مصدر کی طرف ہے جو اوحینا میں ہے اور کاف محلاً منصوب اور مفعول مطلق ہے اور قرآنا عربیا اوحینا کا مفعول بہ ہے ورنہ اصل عبارت یوں تھی ومثل ذلک الایحاء البدیع البین المفھم اوحینا الخ۔ اس کا ترجمہ کاشفی نے لکھا ہے کہ اور ایسے ہی ہم نے ہر پیغمبر کے ہاں ان کی زبان میں وحی کی جیسے آپ کے ہاں قرآن وحی کیا لغت عرب میں اس لئے کہ وہ آپ کی قوم کی زبان ہے تاکہ انہیں سمجھ نصیب ہو " لتنذر ام القریٰ" تاکہ آپ اہل مکہ کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اس لئے کہ وہ کفر پر اصرار کر رہے ہیں اور عرب کو ہر شے کا اصل کہتے ہیں اور مکہ معظمہ کو اسکی بزرگی اور کرامت کے پیش نظر ام القریٰ سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں ایک بہت بڑی عزت وعظمت والا گھر اور مقام ابراہیم ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ مروی ہے کہ یہاں سے زمین بچھائی گئی اس معنے پر یہ تمام روئے زمین کے لئے بمنزلہ ام کے ہوگا۔ ومن حولہا اور انہیں جو عرب کے ارد گرد ہیں بعض نے کہا کہ جملہ روئے زمین کے لوگ مراد ہیں یہی بغوی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کما قال ای قری الارض لکھا اور عرب کی تخصیص آپ کی عموم نبوت کے منافی نہیں اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ تخصیص الشئ بالذکر لاینافی عدم ماعداہ۔ ایک شے کے ذکر کی تخصیص دوسری اشیاء کے لئے منافی نہیں اور قشیری نے فرمایا کہ جملہ روئے زمین مراد ہے اس لئے کہ کل عالم کعبہ و مکہ کے ارد گرد ہے۔

ع ، پس ہمہ اھالی بلاد حوالی (جملہ عالم اسی کے اہل ہیں)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی ذات کے ڈرانے کا حکم فرمایا ہے اس لئے کہ آپ ہی آدم اور اولاد آدم کے نفس کی اصل ہیں کیونکہ ہر شے کی ایجاد سے پہلے ہی آپ کی ایجاد کے ساتھ قدرت متعلق ہوئی خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اول ما خلق اللہ روحی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا۔ آپ ہی سے جملہ ارواح ونفوس پیدا ہوئے اسی لئے سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیمۃ (قیامت میں آدم اور ان کا ماسوی سب کے سب میرے جھنڈے کے تلے ہوں گے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جیسے آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ عزیز حکیم وحی فرماتا تھا آپ پر بھی اس لئے وحی فرمائی تاکہ آپ اپنی ذات کو قرآن عربی کے ذریعہ ڈرائیں کیوں کہ آپ کی ذات عربی ہے اور باقی جملہ عالم آپ کے تابع ہے اس لئے کہ جملہ عالم آپ کی ذات کے گھیرے میں ہے اسی لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین" اور حضور علیہ السلام نے فرمایا " ارسلت الی الخلق کافۃ میں جملہ

مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ؎

مہ طلعتی کہ بر قد قدرش بریدہ اند
دیبائے قم فانذر و استبرق دنیٰ

ترجمہ : وہ چاند کے چہرے والا کہ جسے اس کے قد کی مقدار پہ سدا گیا ہے جوئی قم فانذر کی شان والا اور دنیٰ کی استبرق (پوشاک) والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وتنذر (اہل مکہ اور اس کے گرد ونواح کو آپ ڈرائیں گے۔ یوم الجمع یوم قیامت اور اس کے عذاب سے اور قیامت کو یوم الجمع سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ اسی دن اولین و آخرین کو یکجا جمع کیا جائے گا بلکہ جملہ اہل السموٰت والارض اور جملہ ارواح و اشباح اور اعمال و عمال یہاں جمع ہوں گے۔ یہاں پر بار محذوف ہے دراصل بیوم الجمع تھا جیسے لتنذر باسا شدیداً میں بار محذوف ہے اس لئے کہ یہی دراصل "ببأس شدید" تھا (کذا قال ابو اللیث) اس معنی پر یہ مفعول فیہ نہیں بلکہ مفعول بہ ہے (کذا فی کشف الاسرار) اس کی مزید بحث حم المومن کی آیت لتنذر یوم التلاق میں ہے۔ لاریب فیہ۔ اس میں کوئی شک نہیں یعنی یہاں پر کسی کو کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں یعنی اس دن کو لازماً آنا ہے اور وہ ضرور آکر رہے گا اس میں فی نفسہ کسی قسم کا شک نہیں کیوں کہ منذرین اور منذرین کی سزا وجزا کا دن ہے اور اسی دن تو اہل جنۃ و اہل نار کا فیصلہ ہونا ہے پھر شک کیسا باقی رہا کافروں کا شک تو وہ غیر معتبر ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اسی دن میں جمع ہونے میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ اس کا تعلق ضروری اور لازمی ہے۔

فریق ایک گروہ اہل ایمان فی الجنۃ جنت میں جائے گا (فریق فی السعیر) اور ایک گروہ یعنی کفار جہنم میں جائیں گے اور نار کو سعیر اس لئے کہتے ہیں کہ سعیر شعلے والی آگ کو کہا جاتا ہے اور جہنم بھی شعلے والی ہے اسی لئے اس نام سے موسوم ہوئی یہ داخلہ موقف میں جمع ہونے کے بعد ہوگا۔ کیونکہ پہلے سب کو جمع کیا جائے گا حساب کے بعد سب کو متفرق کر کے اپنے اپنے مقام پہ پہنچایا جائے گا اصل عبارت یوں تھی منہم فریق اس تقریر پر فریق مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہوگی اور مبتدا نکرہ ہو کر آسکتا ہے جب کہ اس کی خبر مقدم ہو یا موصوف ہو یہاں دونوں امر موجود ہیں اس لئے کہ فریق کی خبر بھی مقدم ہے اور اس کی صفت فی الجنۃ ہے اور منہم کی ضمیر مجموعین کی طرف راجع ہے اور مجموعین فریق کے معنی سے ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ دراصل یہ عبارت یوں ہوگی یوم یجمع الخلائق فی موقف الحساب۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آپ ارواح و اجسام کے جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں اور ان کا اجتماع لازمی ہے جیسے وہ آج دو گروہ ہیں اس لئے کہ ایک گروہ جنۃ القلوب درجات الطاعات

وحلاوات العبادات وتنعمات القربات میں ہے اور دوسرا نفوس ظلمات المعاصی وعقوبات الشرک والجحود کی نار میں ہے ایسے ہی کل قیامت میں ایک گروہ اہلِ لقا ہوگا یہ اہل سعادۃ ہیں اور ایک گروہ اہل شقاء وبلا ہوگا یہی بدبخت ہوں گے۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کو جنت کے لئے بنایا حالانکہ وہ ابھی اپنے آباء کی پشت میں تھے ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرما کر ان کی تقدیر لکھی اور انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا درانحالیکہ اس کا عرش پانی پر تھا وہیں سے ایک گروہ جنت کے لئے اور ایک گروہ دوزخ کے لئے مقدر ہو گیا۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کے دونوں مبارک ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنی دونوں مبارک ہتھیلیوں کو بند کئے ہوئے اور آپ کے ہاں دو کتابیں تھیں۔ ہمیں مخاطب ہو کر فرمایا بتاؤ یہ کتابیں کیسی ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں معلوم نہیں آپ نے اس کتاب کے لئے فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک ایسی کتاب ہے جس میں تمام اہل جنت اور ان کے آباء و قبائل کے اسماء اور اس کی پوری گنتی مذکور ومکتوب ہے یہ اس وقت سے لکھی جا چکی تھی جب کہ وہ ابھی اپنے آباء کی پشتوں میں بھی نہیں آئے تھے اور نہ ہی اپنی امہات کے پیٹ میں پہنچے بلکہ وہ اس وقت لکھے گئے جب وہ مٹی اور پانی کے درمیان میں تھے اب اس پر نہ زائد ہوں گے نہ ان سے کم قیامت تک کے بہشتیوں کے نام درج ہو چکے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر عمل کا کیا فائدہ؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نیک عمل کرو سیدھی راہ پہ چلو اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو اس لئے کہ اہل جنت وہ ہے جس کا خاتمہ نیک عمل پر ہوگا اگرچہ اس سے پہلے اس کے اعمال کیسے ہی تھے اور دوزخی کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اگرچہ اس سے پہلے اس کے اعمال کیسے ہی تھے اس کے بعد فرمایا "فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر" اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

فائدہ:

حدیث شریف میں لفظ سددوا وقاربوا واقع ہے بمعنی ارادہ کرو صواب (صحیح راستہ) کا اس میں افراط نہ کرو بلکہ اپنے نفس کو عبادت میں لگا دو اس قدر کہ تم تھکے ہارے ہو کر بھی نیک عمل کرنا نہ چھوڑ دو (کذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی) اس کی نظیر وہ حدیث شریف ہے جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ

دین آسان ہے جو بھی اس کا مقابلہ کرتا ہے اس پر دین حق غالب ہو جاتا ہے یعنی دین اسلام آسان امور پر مشتمل ہے جو اس میں تکلف کرتا اور عبادات شاقہ میں تنگ جاتا ہے و تکلفات بعیدہ کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر یہ تکلفات اس پر غالب ہو جاتی ہیں خلاصہ یہ کہ عبادات میں حسب استطاعت لگا رہے اگرچہ اسے کسی طریقہ سے معلوم ہو جائے کہ وہ بہشتی ہے ؎

کسب را ہمچوں زراعت دان عمو
تانکاری دخل نبود آں تو !

ترجمہ :- اے بیوقوف کسب (عمل) کھیتی کی طرح ہے جب تک کھیتی نہیں بوئے گا خرچ کہاں سے لائے گا۔

تفسیر عالمانہ

ولو شاء اللہ لجمعھم اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں دنیا میں جمع کرتا۔ ھم کی ضمیر جمیع لوگوں کی طرف راجع ہے جن کا ذکر فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر میں ہوا۔ اُمۃ واحدۃ ایک ہی فریق اور ایک ہی جماعت کر کے یعنی سب کو ہدایت یا فتہ بناتا یا سب کو گمراہ کرتا یہ اس اجمال کی تفصیل ہے جسے علی دین واحد میں بیان فرمایا و کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما) ولکن یدخل من یشاء فی رحمتہٖ لیکن جسے اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اسے داخل فرماتا ہے اور جسے عذاب دینا چاہتا ہے تو اسے دوزخ میں داخل کرتا ہے یہ اس کے اپنے ارادہ پر ہے اور اس کا ارادہ بندوں کے استحقاق سے متعلق ہے کہ جیسے ان کی استعداد تھی ویسے ہی ارادہ ہوا جیسے رحمت و عذاب میں تناقض ہے ایسے ہی ان کے متعلقین میں ہے اسی معنی پر سب کو ایک نہیں بنایا بلکہ ان کے دو گروہ ہوئے اس لئے کہ ان کی استعداد ہی ایسی تھی۔

والظالمون اور ظالمین یعنی مشرکین کا " مالھم من ولی" نہ تو کوئی متولی ہے جو ان کے امور کی کفالت کرے یا انہیں عذاب الٰہی سے بچائے یا کوئی اور انہیں فائدہ دے سکے۔ من زائدہ ہے استغراق النفی کا فائدہ دیتا ہے " ولا نصیر اور نہ ہی ان کا کوئی مددگار ہے جو ان سے عذاب الٰہی کو دفع کر سکے یا انہیں اس سے چھڑا سکے۔ اسمیں تنبیہ ہے کہ عذاب وثواب کا ادخال مبنی بر اجبار نہیں بلکہ بندوں کے اپنے اختیار و استعداد کے مطابق ہوگا

(نکتہ) سعدی المفتی نے اپنے حواشی میں لکھا کہ اس کے مقابل ویدخل من یشاء فی رحمتہٖ کو اس لئے نہیں لایا گیا کہ اس کے بعد والظالمون الخ کے ذکر

اشارہ بلکہ طلب الٰہی ایک ایسا امر معروف ہے کہ جس کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔ اسمیں واذا مرضت فھو یشفین کا طریقہ ظاہر کیا گیا ہے اور اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ انسان کو رحمت الٰہی پہ نگاہ ہو پھر اس کی ادائیگی ادائیگی میں کوشش کرے اور جب شکر کرے گا تو اسے کفر و معاصی سے خود بخود نفرت ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "ولو شاء اللہ لجمعھم" اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ملائکہ مقربین کی طرح بنا دیتا کہ جیسے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہیں کرتے تم بھی گناہوں میں مبتلا نہ ہوتے یا چاہتا تو تمہیں شیاطین مبعدین مطرودین متمردین کی طرح بنا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ تمہیں دونوں جوہروں (ملکی و شیطانی) سے مرکب کر کے پیدا کیا گیا تاکہ تم دو مختلف صفتوں سے موصوف ہو کہ تمہاری جو صفت غالب ہو گی اسی پر تمہارا حشر ہو گا اگر تم پہ ملکی صفت کا غلبہ ہو گا تو تم مطیع اللہ ہو گے اگر تم پر شیطانی صفت کا غلبہ ہو گا تو تم مطرود اللہ ہو گے اور یہ دونوں صفات دراصل اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں لطف و قہر کی مظہر ہیں یا یوں کہو کہ یہ دونوں صفات جمال و جلال کا مظہر ہیں جو بھی ان میں سے کسی ایک صفت سے موصوف ہو گا اسی صفت کا مظہر کہلائے گا۔ وعلم آدم الاسماء کلھا میں یہی راز ہے اسی راز کے تحت ملائکہ نے کہا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا۔ اسی معنی پر ولکن یدخل من یشاء فی رحمتہ اور والظالمون مالھم من ولی ولا نصیر دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ پہلے جملے کا معنی یہ ہے کہ اپنی رحمت میں جسے چاہتا ہے داخل کرتا ہے تاکہ وہ اس کی صفت لطف کا مظہر ہو دوسرے جملے کا معنی بھی یہی ہے کہ ان کا کوئی کفیل و مددگار نہ ہو گا تاکہ وہ صفات قہر کے مظاہر ہوں۔

تفسیر عالمانہ

ام اتخذوا من دونہ اولیاء" ام منقطعہ ہے یہاں لفظ بل اور ہمزہ محذوف ہے اور بل انتقالیہ ہے یعنی ما قبل سے کلام کو منتقل کر کے ما بعد کی طرف متوجہ کرنا اور ہمزہ وقوع کے انکار کے لئے ہے واقع کی نفی سے وقوع کی نفی میں زیادہ مبالغہ ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ انکار وقوع سے زیادہ قباحت ظاہر ہوتی ہے بہ نسبت واقعہ کی نفی کے خلاصہ یہ کہ یہاں بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کا غیر اللہ کو اپنا کفیل کار سمجھنا کچھ بھی نہیں اس لئے کہ یہ اس کی فرع ہے جب ثابت ہو جائے کہ اصنام بھی کفیل کار ہو سکتے ہیں اور یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ پتھر اور ڈھیلے کیسے کسی کے کفیل کار بن سکتے ہیں بلکہ ان کے لئے بدبختی کی انتہا ہے کہ انہوں نے حقیقی کفیل کار یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا کفیل کار سمجھ رکھا ہے۔ ع۔ لاف دوستی ایشاں می زند ہیہات

ترجمہ: افسوس کہ یہ ان کی دوستی کا دم بھرتا ہے۔

(فاللہ ھو الولی) یہ شرط محذوف کی جزا ہے
جب انہیں یقین دہانی کرائی گئی کہ یہ جو تم نے غیر اللہ کو اپنا کفیل بنا رکھا ہے نہایت مذموم امر ہے پھر گویا انہوں نے سوال کیا کہ تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ان کے جواب میں فرمایا کہ اگر کوئی ذات کفیل بنانے کے لائق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہے کیوں کہ وہی درحقیقت سب کا کفیل ہے اور یہی سب کا عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہی تمام سب کا کفیل اور والی ہے اس کے سوا کوئی ہے نہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہی خیر و شر اور نفع و ضرر کا مالک ہے اور کشف الاسرار میں اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ اللہ وہ ہے جو سب کا یار و مددگار اور فریاد رس ہے

فائدہ

سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا کہ یہ فاء سببیہ بھی ہو سکتی ہے یعنی یہ فاء سبب پر داخل ہے اس لئے اس کا مدخول سبب کے ذکر کا سبب ہے یعنی انحصار ولایت (کفالت وغیرہ) کا انحصار اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ ماسوی اللہ کو کفیل نہ بنایا جائے یہ عبارت عرب کے اس مقولہ کی طرح ہے کہ کہتے ہیں "التضرب زیدا وھو اخوک" یعنی تمہیں لائق نہیں کہ تم زید کو مارو اس لئے کہ وہ تیرا بھائی ہے اور بھائی کو نہ مارنا چاہیے۔ "وھو یحیی الموتیٰ" اسی کی شان کے لائق ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے آسمان و زمین میں اس کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جو مردوں کو زندہ کر سکے ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا "ربی الذی یحیی و یمیت" (میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے)

قوم یونس علیہ السلام کے ایک عالم دین کا واقعہ

مروی ہے کہ جب یونس علیہ السلام قوم سے ناراض ہو کر کہیں چلے گئے تو قوم کو ایک عالم دین نے مندرجہ ذیل عبارت "یاحی حین لا حی یاحی محی الموتیٰ یاحی لا الٰہ الا انت" پڑھائی جب لوگوں نے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ٹال دیا۔

نکتہ۔ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہ کہتا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب بھیجتا ہے تو تباہ و بربادی اور موت دینے کے لئے اسم حیّ و محیٔ ہلاکت اور موت کو ٹالتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ موت و حیاۃ کا اجتماع ممتنع ہے نیز اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اس کے غضب پر غالب ہے۔ وھو علی کل شئی قدیر وہی ہر شے پہ قادر ہے فلہذا وہی حقیقی کفیل کار ہے اسی لئے کفالت اسی تک محدود ہے کیونکہ دوسرے کوئی قدرت نہیں رکھتے اسی لئے وہ کفیل بنانے کے لائق نہیں۔

اوست قادر بحکم کن فیکون
غیر او جملہ عاجز اند و زبون

عجز را سوئے قدرتش رہ نیست
عقل ازیں کارخانہ آگہ نیست

ترجمہ : وہ بحکم کن فیکون قادر ہے اس کے سوا سب عاجز و ذلیل ہیں۔
۲ : اس کی قدرت کی طرف عجز کو راہ نہیں لیکن اس کارخانہ سے کوئی آگاہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

و تاویلات نجمیہ میں ہے وہی آج اور کل مردہ نفوس و قلوب کو زندہ کرتا اور انہیں مارتا ہے۔ وھو علی کل شئی قدیر ایجاد و اعدام کا وہی مالک ہے۔ واسطی نے فرمایا کہ اپنی تجلیات سے قلوب کو زندہ کرتا ہے اور تجلیات کو پوشیدہ رکھ کر نفوس کو مارتا ہے اور سہل نے فرمایا کہ نفوس کو نہیں زندہ کرتا جب تک وہ اپنے اختیار سے نہ مریں۔ یعنی نفوس کے اوصاف سے موت بھی ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اسیں ان لوگوں کی شکایت ہے جو غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہیں حالانکہ وہ تو حجاب و سائط سے محجوب نہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے جمال و جلال کے تجلیات دکھاتا ہے تاکہ اپنے حسن و جمال سے ان کے قلوب کو اپنی محبت و عشق میں لائے بلکہ ان کو اپنے نور انس سے مانوس فرماتا ہے اور تقدس کے مراتب کے قریب کرنا چاہتا ہے۔

سبق : بندے پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور گرد گرد لائے تاکہ مطلوب کو حاصل کرے بلکہ محبوب کے وصال سے سرشار ہو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) پیش یوسف نازش و خوبی مکن ⁂ جز نیاز و آہ یعقوبی مکن
(۲) از بہاراں کے شود سر سبز سنگ ⁂ خاک شو یا گل بروی رنگ رنگ
(۳) سالہا تو سنگ بودی دلخراش ⁂ آزمون را یک زمانے خاک باش

(۱) ترجمہ : یوسف (علیہ السلام) کے سامنے نازش و محبوبی نہ کر سوائے نیاز و آہ یعقوبی کے اور کچھ نہ کر۔
(۲) بہار سے پتھر کب سر سبز ہو سکتا ہے۔ مٹی یا گل ہو جا پھر رنگا رنگ پھول دیکھ۔
(۳) کئی سال دلخراش پتھر بنا رہا۔ ایک لحظہ مٹی ہو جا پھر دیکھ محبوب ملتا ہے یا نہ۔

نتیجہ : اسی فنا میں دائمی بقا نصیب ہوتی ہے دیکھئے سردیوں میں زمین مرتی ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ بہار سے سرشار فرماتا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ○ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ
جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ
فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○ لَهُ مَقَالِيدُ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا
وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ
وَعِيسَىٰ ۖ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى
الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ
وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ○ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ
إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ
مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ○ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ
وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنْتُ
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا
وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ
اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ○ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ
مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ

عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ○ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ
اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ
قَرِيْبٌ ○ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ○ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ
يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ

ترجمہ: تم جس بات میں اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔ یہ ہے اللہ میرا رب میں نے
اس پر بھروسہ کیا اور میں اس کی طرف رجوع لاتا ہوں۔ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا تمھارے
لیے تمھیں میں سے جوڑے بنائے اور نر و مادہ چوپائے اس سے تمھاری نسل پھیلاتا ہے اس جیسا
کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے اسی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں۔ روزی وسیع
کرتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگ فرماتا ہے۔ بیشک وہ سب کچھ جانتا ہے تمھارے لیے
دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمھاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا
کہ دین ٹھیک رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ جس کی طرف تم انھیں
بلاتے ہو۔ اور اللہ اپنے قریب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے
جو رجوع لائے اور انھوں نے پھوٹ نہ ڈالی مگر بعد اس کے کہ انھیں علم آچکا تھا آپس کے
حسد سے اور اگر تمھارے رب کی ایک بات گزر نہ چکی ہوتی ایک مقرر میعاد تک تو کب کا ان
میں فیصلہ کر دیا ہوتا اور بیشک وہ جو ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس سے ایک
دھوکہ ڈالنے والے شک میں ہیں تو اسی کے لیے بلاؤ اور ثابت قدم رہو جیسا تمھیں حکم ہوا ہے
اور ان کی خواہشوں پر نہ چلو اور کہو کہ میں ایمان لایا اس پر جو کتاب اللہ نے اتاری اور مجھے
حکم ہے کہ میں تم میں انصاف کروں۔ اللہ ہمارا اور تمھارا سب کا رب ہے۔ ہمارے لیے ہمارا
عمل اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔ کوئی حجت نہیں ہم میں اور تم میں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی
کی طرف پھرنا ہے اور وہ جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ مسلمان اس کی دعوت قبول کر

جھگڑتے ہیں انکی دلیل محض بے ثبات ہے۔ ان کے رب کے پاس اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیئے سخت عذاب ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اُتاری اور انصاف کی ترازو اور تم کیا جانو شاید قیامت قریب ہے اس کی جلدی مچا رہے ہیں وہ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جنہیں اس پر ایمان ہے وہ اس سے ڈر رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ بیشک وہ حق ہے۔ سنتے ہو بیشک جو قیامت میں شک کرتے ہیں ضرور دُور کی گمراہی میں ہیں۔ اللہ اپنے بندوں پر لطف فرماتا ہے جسے چاہے روزی دیتا ہے اور وہی قوت و عزت والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وما اختلفتم فیه من شیٔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حکایت ہے جو کہ آپ نے اہلِ ایمان کو بعد میں فرمایا کہ ذٰلکم اللہ ربی الخ یعنی اے محبوب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں تمہارے ساتھ جو کفار امور دین میں الجھ رہے ہیں اور تم اور وہ آپس میں مختلف ہوگئے۔ فحکمہ تو تمام احکام الی اللہ، اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں قیامت ہی میں حق والوں کو ثواب اور اہلِ باطل کو عذاب وہی دیگا

مسئلہ: اس میں مجتہدین کے اختلاف کو داخل نہ کیا جائے کیونکہ وہ اجتہاد شرعًا جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں علماء کے مسائل شرعیہ و معارف الٰہیہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان کے احکام کا فیصلہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع اُمت و قیاس صحیح سے ہوتا ہے یا پھر اہلِ ذکر (اولیاء اللہ) سے ایسی مشکلیں حل ہوتی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اہل حق ان عقول کی طرف رجوع نہیں کرتے جو کہ آفت وہم خیال میں مبتلا ہوتی ہیں وہ اسی لئے کہ انہیں نفس و شیطان کو دخل ہوتا ہے وہی ان کی عقول میں شبہات ڈالتا ہے اور توحید کے بارے میں معمولی سا شبہ بھی کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلسفیوں اور اہل بدع و اہل ہوا کو صراط مستقیم کا راستہ نہ ملا۔

تفسیر عالمانہ ذٰلکم وہی حاکم عظیم الشان یہ مبتدا ہے اس کی خبر "اللہ ربکم" ہے "اللہ ربی" اللہ میرا پروردگار اور مالک ہے رب اللہ تعالیٰ کا لقب ہے "علیه" صرف اسی پر کسی غیر پر نہیں۔ "توکلت" اپنے جملہ امور میں میں نے اس پر توکل کیا منجملہ ان کے اعداء کی غلط تدبیروں کا رد بھی ہے "والیه" اور صرف اسی کی طرف اس کے غیر کی طرف نہیں۔ "انیب" مجھے جو بھی مشکلات درپیش ہوتی ہے تو ان کے دفع شر کے وقت رجوع کرتا ہوں تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جس کی برکت سے مجھے دشمنوں پر فتح ونصرت مل جاتی ہے

(سوال) توکلت صیغہ ماضی اور انیب صیغہ مضارع یہ کیوں؟

جواب چونکہ توکل امر واحد اور انابۃ امور متعددہ ہیں۔ اس کے مواد میں تجدد ہے اسی لئے توکل میں صیغۂ ماضی اور انابت میں صیغۂ مضارع لایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسان کا دل جب نفس کی باتوں میں لگ جاتا ہے تو اسے پتہ نہیں چلتا کہ اس کا معاملہ سعادۃ سے متعلق ہو رہا ہے یا شقاوۃ سے اسی لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور ہر آن اس کے امر میں مشغول رہے لیکن اس کی معرفت میں فکر دوڑانے کو کوئی دخل نہیں اور نہ ہی انجام کے علم سے فکر کو رسائی ہو سکتی ہے۔

تفسیر عالمانہ "فاطر السموات والارض" یہ ذلکم کی دوسری خبر ہے یعنی وہ تمام آفاق علوی وسفلی کا پیدا کرنے والا ہے اس میں ارواح ونفوس بھی بطریق اشارہ داخل ہیں۔ "وجعل لکم من انفسکم" اور بنائیں تمہاری جنس سے "ازواجا" تمہاری عورتیں "ومن الانعام" اور جانوروں سے "ازواجا" انکی جنس کی مادینان یا ان کی کئی قسمیں محض تمہاری تعظیم وتکریم کے لئے تاکہ تم ان سے نفع اٹھاؤ۔ لفظ زوج صنف پر بھی بولا جاتا ہے جیسے وکنتم ازواجا ثلثۃ ذکورا واناثا اس کا اطلاق مجموعی طور خلاف الفرد پہ آیا ہے "یذرؤکم" اور اے لوگو وہ تمہیں پھیلاتا ہے الذرء بمعنی ابث یعنی پھیلایا (کذا فی القاموس) جیسے جعل بمعنی خلق اور ذرءٌ بمعنی کثرۃ بھی آیا ہے اسی سے "الذریۃ" ہے یعنی نسل الثقلین "فیہ" اسی تدبیر میں یعنی انسانوں اور حیوانوں کو جوڑے جوڑے کر کے پیدا کرنا تاکہ ان کی اولاد ونسل بڑھے۔

فائدہ یہاں پر بہ کے بجائے فیہ لایا گیا ہے حالانکہ یہ تدبیر بث وتکثیر کی ظرف نہیں بلکہ ان کے لئے سبب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تدبیر مذکور بث وتکثیر کے لئے بمنزلہ منبع ومعدن کے ہے۔

فائدہ

س میں دو تغلیبیں (۱) تغلیب المخاطب علی غیر المخاطب (۲) تغلیب العقلاء علی غیر العقلاء ورنہ یذرؤ یا دایاکم چاہیے تھا کیونکہ کم عقلاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ "لیس کمثلہ شیٔ" اس کی مثل اور کوئی ذات نہیں یہاں پر شے سے ذات مراد ہے یہ ایسے ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں مثلک لا یفعل کذا یعنی تیری جیسی شخصیت ایسے نہیں کیا کرتی اس میں سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ذات بے مثال ہے کہ اس کی مثل کا ہونا ممتنع ہے تو پھر اس کی مثل کا ممتنع ہونا تو بطریق اولیٰ ہے اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ وہ خارج میں ہو بلکہ اس کے لئے تقدیراً ماننا بھی کافی ہے اور پھر اس ذات کے لئے کہ جس کی شان لا مثل ہے الشیٔ موجود کو کہا جاتا ہے اس کا کل کائنات پر اطلاق ہوتا ہے جوہر ہو یا عرض" اور سیبویہ نے کہا کہ

شے اسے کہتے ہیں جو معلوم ہو اور اس سے خبر دی جا سکے موجود ہو یا معدوم۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس کی ذات جیسی اور کوئی ذات نہیں اس لئے کہ اس کے مماثل کوئی ذات ہوسکتی ہی نہیں اس لئے کہ اشیاء یا تو اجسام ہیں یا اعراض اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ عرض بلکہ اس کے اسماء جیسا اور کوئی اسم نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ جل تعلم لہ سمیاً اور نہ ہی صفات جیسی کسی کی صفت ہے ہاں اگر کسی کے اسماء و صفات ہیں تو صرف لفظی موافقت ہے اور لیس (اسی قاعدہ پر ہم وہابیہ کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اور حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء و اولیاء کے عطائی۔ مثلاً حاضر ناظر، علم غیب۔ نور، مدد کرنا وغیرہ وغیرہ۔) اور یہ تو بالکل محال ہے کہ قدیم ذات حادث یا صفت قدیم حادث کے مثل ہو سکے یا ذات محدثہ کی صفت قدیم ہو سے

ذات ترا صورت او پیوندند ۔۔ تو بکس وکس بتو مانند ند

جل المهيمن ان تدرى حقيقة ۔۔ من لا له المثل لا تضرب له مثلاً

(۱) ترجمہ: تیری ذات کا تصور کسی کے وہم نہیں تو بے مثل ہے تیری مثل کس کو کہا جائے۔

(۲) بزرگ ہے تو اس سے کہ تیری حقیقت معلوم کی جائے جس کی مثل ہی نہیں تو اس کی کس کے ساتھ مثال دی جائے سے

ذات او در تصور گنج کو ۔۔ نادر ائی در تصور مثل او

ترجمہ: اس کی ذات تصور کے خزانے میں نہیں۔ تو پھر اس کی مثل کا تصور کہاں سے لاؤ گے۔

فائدہ مذکورہ بالا محققین کی تقریر ہے اور بعض علماء کرام نے فرمایا لیس کمثلہ میں کاف زائدہ ہے شئی لیس کا اسم ہے اصل لیس مثلہ شئی تھا ورنہ معنی ہوگا کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں اور یہ محال ہے اور جن حضرات نے کاف زائد لکھا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ لیس مثلہ شئی سے جب معنی صحیح بن سکتا ہے پھر کاف کا معنی حقیقی لے کر کلام کو طویل کرنے کا کیا معنی ہاں یہ کہا جائے کہ یہ کاف اسی معنی کی تاکید کرتا ہے بعض نے کہا کہ لفظ مثل زائد ہے اصل عبارت لَيْسَ كَهُوَ شَيْءٌ لیکن یہ قول اسی لئے صحیح نہیں کہ ضمائر پر کاف مثلیہ داخل نہیں ہوتا اور کنایہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے نیز جس شے کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہوا اور نہ ہی بلاغت کے مطابق ہو اس معنی کو لینے کا کیا فائدہ

فائدہ بحر العلوم نے لکھا کہ مثل میں مساوات کلی مطلوب نہیں بلکہ وجہ من الوجوہ مد نظر ہوتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے مثل کا مفہوم ثابت ہو تو کوئی حرج نہیں یہ قول مبنی بر سہو و خطا ہے اس کی دلیل انما انا بشر مثلکم یوحی الی ہے اس میں صرف لفظ بشریت میں تو مساوات و اشتراک کی مماثلت ثابت کی جا سکتی ہے۔

سے: اضافہ اویسی غفرلہ۔

یکن جملہ صفات میں نہیں اس لیے کہ قطعی طور پر عام انسانوں اور نبوت میں بہت وجوہ میں مساوات واشتراک کا مفہوم کفر ہے۔ مثلاً وحی نبوت رسالت وغیرہ وغیرہ۔ خود آیت میں "یوحیٰ الیّ" میں مساوات واشتراک کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا (کہ مثل میں جمیع صفات کی مماثلت مراد ہوتی ہے) نہایت ناموزوں ہے[1]

(نکتہ) صاحب روح البیان نے فرمایا کہ آیت میں انا مثلکم نہیں بلکہ "بشر مثلکم" ہے اگر انا مثلکم فرماتے تو پھر ہم کہہ سکتے تھے کہ آپ جملہ صفات میں ہماری مثل ہیں حالانکہ ایسا نہیں جیسے ہم کہتے ہیں زید مثل عمرو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زید عمرو کی جملہ صفات میں اس کے ہم مثل ہے **فائدہ** المفردات میں امام راغب نے لکھا کہ لفظ مثل بمعنی المشابہ بغیرہ فی معنی من المعانی یعنی کسی کا دوسرے کے ساتھ کسی معنی میں مشابہ ہونے کو مثل کہا جاتا ہے یہ معانی موضوعہ للمشابہت کے لیے ہیں یہ لفظ سب کو حاوی ہے اسی لئے کہ "ند" اس مثل کو کہتے ہیں جو کسی کے نفط جوہر میں شریک ہو اور الشبہ اسے کہتے ہیں جو کسی کے نفط قدر و مساحت میں شریک ہو اور لفظ مثل ان سب کو عام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے یہ ارادہ فرمایا کہ اس سے ہر قسم کی مماثلت کی نفی ہو تو فرمایا لیس کمثلہ شیٔ۔

فائدہ اسے یوں سمجھئے کہ کوئی شخص اپنے دل میں جس شے کو تصور میں لا سکتا ہے تو لائے لیکن جب وہ شے اس کے دل کے آئینے میں آجائے تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور بے کیف ہے اس لئے کہ یہ حدوث کی علامت ہے کہ وہ تحدید و تکییف میں آسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہر تحدید و تکییف سے منزہ و مقدس ہے۔ حضرت سید الطائفہ سیدنا جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ کو صرف خود ہی جانتا ہے اور بس اور ایک صوفی بزرگ نے فرمایا کہ یہاں پر لفظ مثل اہل حقیقت کے نزدیک زائدہ نہیں اس لئے کہ **ھُو** ہویتہ ذاتیہ کی طرف اور مثل تجلی الٰہی کی طرف اشارہ کرتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ تجلی الٰہی جو کہ وہی پہلی تجلی ہے کی طرح کوئی شے نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہی جملہ تجلیات کو محیط ہے۔ حضرت واسطی قدس سرہ نے فرمایا کہ جملہ مسائل توحید یہ اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں اس لئے کہ جس حقیقت کو بھی کسی شے سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ اس کی علت ضرور ہوگی اور ایک وہی ذات ہے جسے کسی علت کی ضرورت نہیں کیوں کہ اسے قدر و اندازہ سے نہیں سمجھا جاتا اور قاعدہ ہے کہ ہر ناعت اپنے منعوت کو کسی حد میں لائے گا اور وہ ہر حد سے پاک اور منزہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم ؛ نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم

(۲) تو ان در بلاغت بسحبان رسید ؛ بکنہ در نہ بیچوں سبحان رسید

---

[1] یہی ہم کہتے ہیں۔ لیکن وہابی دیوبندی نہیں مانتے (اویسی غفرلہ)

(۳) چہ خاصان دریں رہ فرس راندہ اند ؛ بلا اُحصی از تگ فرو ماندہ اند

ترجمہ: (۱) اس ذات کی بلندی تک مرغ وہم نہیں اڑ سکتا نہ اس کے وصف کے دامن تک دستِ فہم پہنچ سکتا ہے۔

(۲) ؛ بلاغت میں سحبان کے مرتبہ کو پہنچا جاسکتا ہے لیکن بیچون سبحان کی کنہ میں پہنچنا ممتنع ہے۔

(۳) ؛ بہت بڑے خاصانِ خدا نے اس راہ میں گھوڑے دوڑلئے لیکن لا احصی کہتے ہوئے دوڑنے سے عاجز ہو گئے۔

وھو السمیع البصیر : اور وہ ہر شے کو سنتا اور دیکھتا ہے

فائدہ زروقی نے فرمایا کہ سمیع

وہ ذات ہے جو اس کی وصف سمع کو ہر شے منکشف ہو اس لئے کہ وہ اس کی بات کو سنتا ہے وہ بولے یا نہ اور بصیر وہ ہے جو ہر موجود کا اپنی رویت سے ادراک کرے اور سمع و بصر ہر دونوں اس کی صفتیں ہیں جیسا کہ اس کی شان ہے۔ بعض متکلمین نے ان دونوں صفات کو علیحدہ ذکر کرنے کے بجائے صفت علم میں مدغم سمجھا ہے لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں۔

فائدہ: امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ سمع اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے سامنے جملہ صفات مسموعات کلی طور منکشف ہیں اور بصر وہ صفت ہے کہ جملہ مبصرات کی صفات کلی طور پر اس کے آگے روشن ہیں بخلاف مخلوق کی سمع و بصر کے وہ محدود اور قاصر ہیں کہ وہ قریب کو دیکھ سُن سکتے ہیں لیکن بعید کو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں اور پھر زور دار چیخ و پکار کو سننا گوارہ نہیں کرتے اور نہ ہی تیز روشنی کو دیکھ سکتے ہیں۔

(**فائدہ**) بندے کا لفظ سمیع سے حظ اٹھانا یوں ہو کہ وہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے اسی لئے زبان کو فضول بولنے سے روکے کہ کہیں سمیع اس کے فضول کلام سے ناراض نہ ہو دوسرا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سمع عطا فرمائی ہے۔ فلہذا صرف اسی کا کلام سنے یا اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک اور ان سے بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ حاصل کرنے کا اشارہ حاصل کرے اور صرف اسی مقصد تک سمع کو محدود رکھے۔

(**مسئلہ**) سرود گانے سننا حرام ہے ہاں اچانک کان میں آواز آئے تو حرج نہیں اس کیلئے بھی نہ سننے کی کوشش کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے کی آواز سنی تو آپ نے اپنے کان مبارک میں انگلی داخل فرمائی۔ (کذا فی البزازیہ) حدیث شریف میں ہے کہ گانا سننا گناہ ہے اور اس مجلس میں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ اگر چہ یہ حکم تہدیداً ہے لیکن گانے سننے سے احتراز لازم ہے[1]۔

---

[1] : اس سے فحش گانے اور سرود وغیرہ مراد ہیں نہ کہ نعت خوانی اور اسلامی اشعار سننا ہے لیکن افسوس کہ دہابیہ و لئے نعت خوانی وغیرہ کو گانا کہہ کر حرام حرام کی رٹ لگا رکھی ہے۔ (اویسی غفرلہ)

اور انسان وغیرہ کی بصر بھی محدود اور قاصر ہے یہ بھی دور کو نہیں دیکھ سکتی اور نہ ہی اس کی نگاہ قریب ترشے پر پڑ سکتی ہے اور بصر سے دینی فائدہ یہ ملحوظ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بینائی اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس کی آیات آفاقیہ وانفسیہ کو دیکھا جائے اور ہر وقت اس تصور میں رہے کہ لسے اللہ تعالیٰ ہر وقت دیکھ رہا ہے اور اس کی ہر بات کو سنتا ہے جب وہ کوئی گناہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کے گناہ کو دیکھ بھی رہا ہے پھر اپنے آپ کو ملامت کرے تو اسے بیوقوف تو ایسے سمیع و بصیر کے سامنے ایسی جرأت و جسارت کر رہا ہے۔

(**مسئلہ**:۔) جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کچھ نہیں دیکھتا سنتا تو وہ کافر ہے۔

مسئلہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ سمیع و بصیر دونوں صفات اس لئے لائی گئی ہیں تاکہ ان کا رد ہو جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت نہیں ہے یا کسی کو لامثل لہ سے گمان ہو کہ صفات بھی مثال ہیں فلہٰذا اس کے لئے صفات نہ ہوں تو ان کے رد میں فرمایا۔ وھو السمیع البصیر۔

(**فائدہ**) آیۃ میں اثبات الصفۃ ونفی التشبیہ ہے اور توحید ان دونوں امروں پر مبنی ہے اس لئے کہ یا تو اس کی ایسی صفات ثابت کی جائیں جن میں تشبیہ نہ ہو اور اس سے تشبیہ کا اس طریق سے نفی کی جائے کہ اس کے لئے تعطیل کا پہلو نہ نکلے اس لئے کہ جو تنزل میں پھنستا ہے تو وہ تشبیہ سے بچتے ہوئے تعطیل کا ارتکاب کرتا ہے اور جو توحید میں مبالغہ کرتا ہے تو تعطیل سے بچتے ہوئے تشبیہ میں پھنس جاتا ہے اور ایسے لوگوں کو صحیح راستہ نصیب نہیں ہوتا (وعلی اللہ قصد السبل) (اللہ کا درمیانہ راہ ہے۔)

تفسیر صوفیانہ: بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دیکر گمراہ ہوئے۔ مثلاً اس کی حد و نہایت کا اثبات کیا اور اس کیلئے کون و مکان ثابت کئے اور سب سے گمراہ تر وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اعضاء و جوارح ثابت کرتا ہے اور بعض فرقوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں تشبیہ ثابت کی مثلاً کہا کہ اس کی بصر میں وہی حدقہ ضروری ہے جو انسان کی بصر کے لئے ضروری ہے ایسے ہی اس کی سمع کے لئے کان کا ہونا لازمی ہے اور قدرت اس کی ہے تو ہاتھ کے ذریعے ہے وغیرہ وغیرہ اور بعض فرقوں نے اس کے لئے انسانوں جیسے حکم ثابت کئے مثلاً کہا کہ جو امور بندوں کے لئے قبیح ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے لئے اور وہ امور جو بندوں کے لئے اچھے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بھی وہی اچھے ہیں یہ فرقے اصحاب التشبیہ کی شاخیں ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کیلئے تنزیہ ثابت کرنا ضروری ہے وہ ہر تشبیہ سے بھی پاک ہے اور ہر تعطیل سے بھی بلکہ ہر تمثیل سے منزہ ہے اس کے لئے توحید چاہیئے نہ کہ تحدید وہ ہر صفات کمالیہ سے موصوف ہے وہ ہر عیب و نقص سے منزہ اور مقدس ہے۔

ف؎: دیوبندیوں وہابیوں کا عقیدہ امکان کذب اسی کی شاخ ہے ۱۲: (اویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ لہٗ مقالید السمٰوٰت والارض (حل لغات) جوالیقی نے معرب (نام کتاب) میں لکھا ہے کہ المقلید بمعنی المفتاح ہے یہ فارسی لفظ اور اقلید کا معرب ہے اس کی جمع مقالید بمعنی المفاتیح آتی ہے اس سے اس کے خزانے اور اس پر اس کی قدرت و حفاظت مراد ہے اور صرف اسی سے اس کی خصوصیت مطلوب ہے اس لئے کہ خزائن میں وہی تصرف کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں کنجیاں ہوں کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں یعنی رزق کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اس لئے کہ آسمان کے خزانے بارش اور زمین کے خزانے انگوریاں ہیں اور یہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں

فائدہ حضرت ابن عطا نے لکھا کہ ارزاق کی کنجیاں صحیح توکل اور قلوب کی کنجیاں صحیح معرفت الٰہی ور علوم کی کنجیاں بھوکا پیٹ رہنا ہے ؎

ندارند تن پروران آگہی ۔ کہ ہر معدہ باشد زحکمت تہی[1]

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ آسمان کی کنجیاں وہ علوم غیبیہ ہیں جو ملائکہ کے سینوں میں ہے اور زمین کی کنجیاں اولیاء کے وہ سینے جن میں عجائب القلوب مستور ہیں۔

تفسیر عالمانہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھاتا گھٹاتا ہے۔ انہ بکل شئی علیم وہ ہر شے کو جانتا ہے اس لئے کہ اس کا علم ہر شے کو احاطہ کئے ہوئے ہے وہ جس کے ساتھ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے کیونکہ وہ ہر ایک کی لیاقت و استحقاق کے مطابق کرتا ہے جس کے لئے رزق کی وسعت ہوتی ہے تو اسے وسیع رزق عطا فرماتا ہے ایسے ہی تنگی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سمٰوٰت کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں انہی میں اس کے لطف و رحمت کے خزانے ہیں اور ارض کی کنجیاں بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں ان میں اس کے قہر و عزت کے خزانے ہیں گویا ہر قلب میں اس کے لطف و کرم کا خزانہ ہے بعض قلوب معرفت کا گنجینہ ہیں اور بعض محبت کا مخزن ہیں اور بعض شوق کا خزینہ اور بعض ارادہ کا خزانہ ہیں ان سے ہی کوئی توحید کا کوئی تفرید کا کوئی ہیبت کا کوئی انس کا کوئی رضا کا وغیرہ۔ اسی طرح بعض نفوس اس کے قہر و جلال کا گنجینہ ہیں اور بعض جحود کا اور بعض انکار کا اور بعض اخلاق ذمیمہ کا اور بعض شرک و کفر کا بعض منافقت کا اور بعض حرص کا اور بعض کبر کا اور بعض بخل کا اور بعض

---

[1] ترجمہ: تن پرور لوگ کوئی خبر نہیں رکھتے۔ اس لئے جس کا معدہ (پیٹ) پُر ہو وہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

غضب کا اور بعض شہوت کا وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ الرزق کو معرفہ لانے میں اشارہ ہے کہ مقالید میں بندوں کے افکار کے قطع کرنے کا مادہ ہے کہ ان کے نفوس کو معلوم ہے کہ ان باتوں سے ہمارا فائدہ ہے اور انہیں نقصان پھر ان میں طاقت رکھی گئی ہے کہ اس کے ذریعے سے فائدہ حاصل کریں اور نقصان کو دفع کریں لیکن حقیقت قدرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کہ جس قلب و نفس کا رزق بڑھائے اور جسے تنگ کرے وہ مالک ہے مخلوق کو اس میں کسی قسم کا دخل نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہشت کی کنجی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے

فائدہ اس میں شک نہیں کہ بہشتیں دو ہیں

(۱) ظاہری اسے دارالنعیم سے تعبیر کرتے ہیں

(۲) معنویہ قلب ہے

اور ہر دونوں کی کنجی توحید ہے اور وہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے کسی کو مطلق اہل نعیم سے بناتا ہے اور جسے چاہتا ہے ظاہری نعمتیں مثلاً ماکولات و مشروبات حسیہ عطا فرماتا ہے اور رزق معنوی سے علوم حقیقیہ اور معارف الٰہیہ مراد ہیں پہلا معنیٰ آیت میں عبارۃ النص کے لحاظ سے اور دوسرا اشارۃ النص کے لحاظ سے داخل ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ ؛ فہم نان کردن نہ حکمت اے رہی ۔۔ زانکہ حق گفتست کلوا من رزقہ

۲ ؛ رزق حق حکمت بود در مرتبت ۔۔ کان گلو گیرت نباشد عاقبت

۳ ؛ این دہان بستی دہانے باز شد ۔۔ کہ خورندہ لقمہائے راز شد

۴ ؛ گر ز شیر دیو تن را وبری ۔۔ در فطام او بسے حکمت خوری

۱ **ترجمہ** ؛ صرف روٹی کھانے کے لئے سمجھنا حکمت نہیں اس لئے بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کا رزق کھاؤ۔

۲ ؛ رزق حق حکمت ہے جو مرتبہ کے مطابق ہو ورنہ روٹی تو گلوگیر ہوگی اور انجام بھی اچھا نہ ہوگا۔

۳ ؛ یہ منہ باندھ دوسرا منہ کھلے گا اس لئے کہ راز کے لقمے کھانے والا دہی منہ ہے۔

۴ ؛ اگر دیو جیسے شیر سے تونے جسم کو بچالیا تو اس سے جدائی کے وقت حکمت حاصل کرے گا۔

فائدہ رد وہابیہ ہم اہل سنت اپنی دعاؤں میں بحق فلاں کہتے ہیں اسے وہابی ناجائز بلکہ کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہم سے پہلے صاحب روح البیان جیسے اکابر ملت واسلاف

امت کہہ گئے چنانچہ صاحب روح البیان مضمون بالا لکھ کر تحریر فرماتے ہیں۔

نسال اللہ فیضہ وعطاہ بحق مصطفاہ ہم اللہ تعالیٰ سے لکافیض وعطا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور صدقے سے مانگتے ہیں۔ (روح البیان ص ۲۹۶ ج ۱)

تفسیر عالمانہ

شرع لکم من الدین

(حل لغات) شرع بمعنی سن وجعل سنۃ وطریقاً واضحاً

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے توحید و دین اسلام اور اصول شرائع واحکام سے ایک روشن راستہ مقرر فرمایا۔ "ما وصی بہ نوحا" وہ کہ جس کی نوح کو وصیت کی۔

(حل لغات) "التوصیۃ" بمعنی وصیت کرنا

اور کسی کو ایسی بات پیش کرنا کہ وہ اسی کے مطابق عمل کرے اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے اسی کا نوح علیہ السلام کو تاکیدی حکم فرمایا ہم نے تاکید کی قید اس لئے لگائی کہ توصیتہ سے تاکید کا معنی نکلتا ہے اور امر دین کی شان کی عظمت کے اظہار کے لئے نوح علیہ السلام کا نام اسی لئے لیا گیا کہ وہی اول الانبیاء ہیں جنہوں نے سب سے پہلے شرعی امور کا اجراء فرمایا اور یہ وہی پہلے نبی ہیں جن پر سب سے پہلے حلال وحرام کے احکام کی وحی ہوئی اور یہ وہی پہلے نبی ہیں جن پر سب سے پہلے امہات واخوات وبنات وجملہ ذوات المحارم سے نکاح کی حرمت نازل ہوئی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہی حکم جاری رہا۔ "والذی اوحینا الیک" اور تمہارے لئے مشروع کیا جو ہم نے اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی۔

(سوال) نوح علیہ السلام کے ذکر میں لفظ وصیت اور حضور علیہ السلام کے ذکر خیر میں لفظ وحی کا فرق کیوں؟

(جواب) آپ کی رسالت کی تصریح کرکے کفار کے انکار کا قلع قمع کرنے کے لئے ہے یہاں پر صیغہ جمع متکلم لانے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مہتم بالشان ہے نیز نوح علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے آپ کے نام نامی اسم گرامی کے ذکر میں بھی یہی مدنظر ہے کہ آپ جملہ انبیاء علیہ السلام سے افضل واعلیٰ ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ آپ کا زمانہ ان انبیاء علیہم السلام کے ازمنہ مقدسہ سے مؤخر ہے اور نوح علیہ السلام کے ذکر کی تقدیم سے ان کی افضلیت کا اظہار مطلوب نہیں بلکہ کفار کو ثابت کرکے دکھانا ہے کہ یہ دین قوم قدیم سے مشروع ہے اور دوبارہ الذی سے ذکر کرنے میں انہی کی عظمت شان کا اظہار مطلوب ہے اور پھر انبیاء کے بعد اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرکے دین کی مشروعیت کا اظہار بھی اسی لئے ہے تاکہ کفار کو معلوم ہو کہ دین حق وہی ہے جو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے مل رہا ہے اور اس میں آپ کی شرافت و بزرگی کو ظاہر کرنا بھی ہے۔

وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسٰی اور جو ہم نے ابراہیم و موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کیطرف تاکیدی احکام نازل فرمائے۔ ان پانچ پیغمبران عظام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی تخصیص اسی لئے ہے یہ باقی جملہ انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت اولوالعزمی میں مشہور تر اور شرائع عظیمہ کے حامل اور توابع کثیرہ رکھتے تھے۔ ان اقیموا الدین یہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ شرع کا مفعول بہ ہے یا مرفوع ہے تو جملہ مستانفہ ہے گویا کسی نے پوچھا کہ وہ ان پر کیا شے مشروع تھی تو جواب ملا "ان اقیموا الدین" یہ کہ دین اسلام کو قائم رکھو یعنی توحید و طاعۃ اور ایمان بالکتب والرسل والیوم الآخر اور باقی ان جملہ پر مضبوطی سے قائم رہو جن سے انسان مومن ہوتا ہے۔ "اقامۃ" سے تعدیل ارکان اور ایسی حفاظت کہ اس میں ٹیڑھا پن نہ ہو یا ان پر مواظبت کرنا اور ان پر سختی سے پابند ہونا مراد ہے۔ ولا تتفرقوا فیہ اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ اس سے وہ اصول مراد ہیں جس میں جملہ انبیاء علیہم السلام مشترک ہیں اور یہ خطاب حضور علیہ السلام کی امت کو ہے اور وصیت تمام بندوں کو شامل ہے۔

مسئلہ، تمام انبیاء علیہم السلام اصل دین میں مشترک ہیں اور سب نے اس اصل کو قائم رکھا اور اس کی بدل وجان خدمت کی اور اس کی دعوت میں جد وجہد فرمائی اس میں کسی وقت بھی ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوئے۔ اسی اتفاق و اتحاد کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ان الدین عند اللہ الاسلام اسی میں کسی ایک نبی علیہ السلام کے ساتھ تفرقہ و اختلاف کا ذکر نہیں۔

(سوال) بہت سے امور ایسے ہیں جن میں ان کا آپس میں اختلاف تھا۔

(جواب) وہ بوجہ مسائل و احکام کے تھا کما قال تعالیٰ لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا، اور مسائل کا اختلاف بھی امم کے مختلف طبائع کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ ہر زمانہ کے لوگ طبائع کے لحاظ سے مختلف تھے۔

تقلید کی تاکید

اقامۃ دین پر متفق و مجتمع ہونے کی تاکید فرمائی ہے اور اسمیں مختلف و متفرق ہونے سے رد کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھیڑیا اس بکری کو اپنی گرفت میں لیتا ہے جو ریوڑ سے دُور پھرے۔

حکایت

ایک حکیم نے اپنی موت کے وقت اپنی تمام اولاد کو بلایا اور فرمایا کہ اس لکڑی کے گٹھڑ کو توڑو تو ہر ایک نے مل کر زور لگایا تو وہ نہ ٹوٹ سکی پھر اسے علیحدہ علیحدہ کر کے فرمایا اسے توڑو تو ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ لکڑی کو توڑ لیا۔ فرمایا یہ تمہاری مثال ہے کہ اگر تم میرے بعد ایک دوسرے سے مختلف ہوگئے تو مار کھاؤ گے اگر متفق و متحد رہے تو تمہارا دشمن تم سے خوفزدہ رہے گا

فائدہ: ایسے ہی دین حق کا معاملہ ہے کہ جب تک مسلمان متفق رہے تو دشمن نے ان کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جب مسلمان آپس میں مختلف ہوئے تو پارہ پارہ ہوگئے۔

(فائدہ) یہی انسان کا معاملہ ہے جب وہ دین پر سختی سے پابند رہتا ہے تو شیطان و نفس اس کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ وہ فرشتہ جو اس کا ساتھی ہے اس کی معاونت کرتا ہے ورنہ پھر نفس و شیطان کی شرارت کا شکار ہو جاتا ہے۔

ملفوظ علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمانو متفرق نہ ہو جاؤ کیونکہ مجتمع و متفق رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور متفرق ہونا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہو۔

انبیاء علیہم السلام کی شرائع و احکام کا خلاصہ

حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی شرائع اگرچہ مختلف تھیں لیکن ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی شریعت میں مخالفین کی ایذاؤں پر صبر کرنا اور ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں انقیاد و تسلیم اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اشتیاق الی جمال الٰہی اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زہد و تجرد اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں فقر حقیقی مدنظر تھا اور یہ جس دل میں راسخ ہو جاتا ہے اسے قلب سلیم سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کی دعا میں ہے فرمایا اللھم اغنی بالافتقار الیک اے اللہ مجھے غیر سے اپنی محتاجی میں مستغنی فرمادے اور جملہ امور مذکورہ بالا دائمی شرائع ہیں جو اول دور سے قیامت تک جاری رہیں گی منجملہ امور شرعیہ کی توجہ الی اللہ بھی ہے کہ صدق دلی سے تزکیہ نفس عن الصفات الذمیمہ و تصفیہ قلب عن تعلقات الکونین اور تحلیہ روح باخلاق ربانیہ و مراقبہ سر برائے کشف الحقائق و شواہد الحق ہو۔

(مسئلہ) حضور علیہ السلام قبل از بعثت احکام و فروع میں آدم علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی شرائع پر عمل فرماتے حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل فرماتے یہاں تک کہ آپ کو رسالت کے اظہار کا حکم ہوا اور باقاعدہ نزول وحی ہوا۔ اس پر تمام امۃ کا اتفاق ہے کہ زمانہ جاہلیت کی غلط رسوم اور ان کے دیگر منگھڑت مسائل پر آپ نے کبھی عمل نہیں فرمایا

(سبق) ولی کامل پر واجب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ پر عمل کرے یہاں تک کہ اس کے قلب پر فہم کی آنکھ کھلے پھر اس پر قرآن کے معانی کا الہام ہو گا پھر وہ محدثین (بالفتح) سے ہو کر ارشاد خلق پر مامور ہو گا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

لوح محفوظ است اورا پیشوا ⁂ از چہ محفوظ است محفوظ از خطار
نے نجوم است نہ رمل است ونہ خواب ⁂ وحی حق واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: اس کا پیشوا لوح محفوظ ہے۔ وہ کس سے محفوظ ہے وہ محفوظ ہے خطا سے۔

وہ نہ نجوم ہے نہ رمل ہے نہ خواب بلکہ وحی حق ہے اللہ تعالیٰ صواب کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ کبر علی المشرکین اور مشرکین پر گراں ہے ماتدعوھم الیہ وہ جو آپ انہیں توحید کی دعوت دیتے اور انہیں بتوں کو چھوڑنے کا حکم فرماتے ہیں اور وہ اسے ایک بعید از قیاس سمجھتے ہیں کہ متعدد معبودوں کی پرستش چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کی جائے اور کہتے ہیں ھذا لشئ عجاب"

فائدہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا الہ الا اللہ وحدہ کی شہادت ابلیس اور اس کے لشکر پر سخت گراں ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا ہی نہیں۔ اللہ یجتبی الیہ من یشاء

(حل لغات) جبیت الماء فی الحوض سے ہے بمعنی جمعتہ یعنی میں نے پانی کو حوض میں جمع کیا اور جس حوض میں پانی جمع ہو اسے الجابیہ کہتے ہیں اسی سے جبیت الخراج جبایۃ استعارہ ہے کسی کو برگزیدہ کرکے جمع کرنا یہاں پر یہی معنی مراد ہے یعنی جبایۃ سے ماخوذ ہے بمعنی جلب الخراج اور اس کا جمع کرنا اسے دین سے متفرق ہونے سے منع کرنے کی مناسبت ہے کیونکہ یہ اصطفاء (اجتباء) کا ایک معنی اور یہ الیٰ سے متعدی بھی اسی وقت ہوتا ہے جب یہ ضم و صرف کے معنی کو متضمن ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے سے آپ کی دعوت قبول کرنے کے لئے چن لیتا ہے یعنی اس کے اپنے اختیار کو دعوت اسلامی کے قبول کرنے کی طرف پھیرتا ہے۔ ویھدی الیہ من ینیب" اور اپنی طرف ارشاد و توفیق و امداد الطاف سے ہدایت بخشتا ہے اسے جو اس کی طرف رجوع کرتا اور متوجہ ہوتا ہے اور یہ دونوں ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوں تو بھی جائز ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ برگزیدہ کرکے اپنی طرف جمع فرماتا ہے جس طرح اس کی استعداد ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے اپنی عنایت و مہربانی سے ہدایت بخشتا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے اجتباء کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو فیض الٰہی سے نوازے جس کی برکت سے بلا سعی ہر طرح کی نعمتوں کو حاصل کرسکے اور یہ یا تو صرف انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہوتا ہے یا ان صدیقوں اور شہیدوں کو جو ان کی اتباع میں بدل و جان کوشاں رہتے ہیں اسی لئے کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ جو بندہ از ہمہ اعراض کرکے صرف اللہ تعالیٰ کو چاہتا ہے اسے اپنی راہ دکھاتا ہے ؎

نخست ارطالبی از جملہ بگذر رو بدو آر
گر آنحضرت ندا آرد کہ اے سرگشتہ راہ اینک

ترجمہ: اے طالب تمام دنیا والوں سے گذر جا اور صرف اسی کی طرف منہ کر۔ پھر دیکھ خود حضور علیہ السلام فرمائیں گے کہ سرگشتہ ادھر آ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ یجتبی الخ میں مجذوب و سالک کے ہر دونوں مقامات کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ مجذوب وہ خوش قسمت انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ازل سے برگزیدہ فرمایا اور اسے ان لوگوں کے راستہ پر چلایا جو اس کے محبوب ہیں اور جنہیں اس نے اپنی ذات کے لئے خاص فرمایا اور انہیں دارین کے امور سے دور رکھا اور ثقلین کے اعمال سے بے نیاز ہو کر انہیں مقعد صدق میں جگہ عطا فرمائی ہے اور سالک وہ عوام سے ہوتا ہے جسے اس گروہ میں رکھا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے محب اور عاشق ہیں وہ قدم جہد و انابۃ سے طریق عنا سے بچکر سبیل الرشاد و الہدایہ پر گامزن رہتا ہے۔ الانابۃ توبہ کا نتیجہ ہے جس کی توبہ قبول ہوتی ہے اس کی یہی علامت ہے کہ اسے انابت یعنی رجوع الی اللہ نصیب ہو جاتا ہے (نسیمہ روحانی) مشائخ نے فرمایا کہ جو شرعی امور کی پابندی کرتا ہے اسے مقام طریقت و مقام نفس کی راہ مل جاتی ہے جو طریقت پر مضبوطی سے پابند رہتا ہے اسے مقام معرفت و مقام روح نصیب ہو جاتی ہے اور جو اس پر قائم رہتا ہے تو اسے مقام حقیقت اور مقام سر حاصل ہو جاتا ہے یہاں پر ولایت عظمٰی میں اس کی تکمیل ہو جاتی ہے اور علم و عرفان میں وہ کامل و مکمل اور ذوق و وجدان و شہود و عیان میں اکمل ہو جاتا ہے اسی مقام کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (اور ہماری راہ میں جنہوں نے جدوجہد کی انہیں ہم اپنی راہیں دکھائیں گے)

سبق مومن پر لازم ہے ہر آن اور ہر گھڑی اپنی استطاعت پر قرب الٰہی کے لئے جدوجہد کرے اس لئے کہ معصیت تو انسان کی فطرت ہے اس سے نجات نا ممکن ہے جب تک اس کے ساتھ طاعت الٰہی بجا نہ لائی جائے اگر اطاعت کے ساتھ استغفار و توبہ ملائے تو از اں بہتر ہے اور طاعۃ در طاعۃ اور قربت و قربت جزاء کو مزید تقویت بخشتی ہے اور اس برائی کا قلع قمع کرتی ہے جو انسان سے طاعت سے پہلے سرزد ہوئی ایمان کا برائی کو برائی سمجھنا بھی ایک نیکی ہے بلکہ ایمان کی علامت ہے اور ہر ایمان کی علامت اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب اور عظیم طاعت شمار ہوتی ہے اور ایمان تو جملہ طاعات و قربات کی اساس (بنیاد) ہے۔

حدیث قدسی شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو بندہ بالشت برابر میرے قریب ہوتا ہے میں اس کے ہاتھ برابر قریب ہوتا ہوں اور جو ہاتھ برابر قریب ہوتا ہے میں اس کے ایک گز کے برابر قریب ہو جاتا ہوں اور جو میرے ہاں چل کر آتا ہے میں اس کے ہاں دوڑ کر آتا ہوں (یہ مضمون متشابہات سے ہے)

(فائدہ: گویا اللہ تعالیٰ کا قرب بندے کے قرب سے دو گنا ہے اسی لئے بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر آن اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں وقت بسر کرے تاکہ ان کی برکت سے گناہ جھڑ جائیں اور قاعدہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے طاعت اور نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں اسے عطا فرماتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے کسی شخص نے بکری کے سامنے اس کا بچہ ذبح کیا تو اس شخص کا ہاتھ سوکھ گیا پھر اچانک گھونسلے سے کسی پرندے کا بچہ نیچے گرا تو اس نے اسے اٹھا کر واپس گھونسلے میں رکھ دیا اللہ تعالیٰ کو اس بندے کے حال پر رحم آیا تو سوکھا ہوا ہاتھ تندرست فرما دیا

فائدہ الوکر بالفتح پرندے کا گھونسلہ (التبصص) بمعنی چاپلوسی اور دم ہلانا۔ **فائدہ** آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے مشرکین شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے مغضوب ہیں ایسے اہل ریاء وسمعۃ اللہ تعالیٰ سے راندے ہوئے ہیں اس لئے کہ ان پر بھی طاعت الٰہی گراں گزرتی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی عنایت سے اپنے قریب فرمائے اور اپنی خاص ہدایت سے ہمیں مشرف فرمائے (آمین)

تفسیر عالمانہ وما تفرقوا یہودیوں و نصرانیوں کو جس دین حق کی دعوت دی گئی اس میں انہوں نے ایمان نہ لایا جیسے ان کے بعض اہل حق نے ایمان لایا اس کے متعلق متفرق نہ ہوئے۔

الا من بعد ما جاءھم العلم مگر بعد اس کے کہ ان کے ہاں حق آیا یعنی باوجودیکہ انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے لائے ہوئے قرآن مجید کی حقانیت پر دلائل و براہان کا مشاہدہ ہوا اور اپنی کتابوں کے بھی موافق پایا اور اپنی کتابوں میں لکھا ہوا دیکھا کہ واقعی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں گے لیکن پھر بھی انکار کر دیا یہ صرف بغیا بینھم ان کی بغاوت کی وجہ تھی۔ بغی بمعنی طلب ہے اور بغی کا اصل معنی ہے ناحق دست درازی کرنا (کذا فی المفردات) اور ان کی بغاوت کا سبب دنیا و ملک طلبی اور حب سیاست اور جاہ و رتبہ اور شہرت کی ہوس کے تحت تھا علاوہ ازیں ان پر حمیۃ جاہلیت بھی سوار تھی ان کی مخالفت اس لئے نہیں کہ انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر شک یا شبہ یا لاعلمی اور بے خبری تھی ولولا کلمۃ سبقت من ربک اگر تمہارے پروردگار سے حق کا کلمہ سبقت نہ کر جاتا۔ یہاں پر کلمہ حق سے وہی وعدہ الٰہیہ مراد ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا کہ آپ کی امت کو دوسری امتوں کی طرح دنیوی عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا "الی اجل مسمی" وقت معین تک جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس سے قیامت کا دن یا ان کی اعمار مقدرہ کے آخری ایام مراد ہیں لقضی بینھم تو ان کا فیصلہ ہو جاتا یعنی دوسری قوموں کی طرح ان کی جڑ کٹ جاتی اور صفحہ ہستی سے مٹ جاتے اس لئے کہ ان کے کرتوتوں کا تقاضا یہی ہے لیکن وعدہ کا ایفاء ہو رہا ہے اسی لئے یہ عذاب معجل کے بجائے عذاب موجل میں مبتلا ہوں گے وان الذین اورثوا الکتاب من بعدھم اور بیشک یہ مشرکین وہ ہیں جو اہل کتاب کے بعد کتاب یعنی قرآن مجید کے وارث بنائے گئے ہیں یعنی جیسے ان کے ہاں ان کی کتابیں نازل ہوئیں ان کے ہاں قرآن مجید نازل ہوا

(حل لغات) الایراث بمعنی میراث دینا لفی شک منہ البتہ قرآن مجید کے بارے میں شک میں ہیں

(حل لغات) الشک انسان کے ہاں دو نقیضوں کا برابر ہونا مریب وہ شک

اضطراب میں ڈالنے والا ہے اسی لئے یہ بھی ایمان نہیں لاتے یعنی ان پر بھی بغاوت و مکابرہ سوار ہے حالانکہ انہیں

(حل لغات) بھی اہلِ کتاب کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی حقانیت کا یقین ہے

مریب اسم فاعل از ارابۃ اس کا مادہ رَیْبَۃ ہے بمعنی نفس کا قلق و اضطراب اور اسے اس سے اس لئے موسوم

کرتے ہیں کہ شک نفس کو قلق میں ڈالتا اور اس سے اطمینان زائل کرتا ہے۔ یہ بھی ہے کہ شک مریب' جد جدہ کے

محاورہ کی طرح ہو یعنی شک مریب سے موصوف ہے یعنی وہ شک جو ذی ریبہ ہے اس وقت مبالغہ مطلوب ہے۔

القاموس میں ہے کہ اراب الامر یعنی فلاں ذی ریب ہوگیا فلذلک تفریق یا شک مریب کی وجہ

ہے یا اس لئے کہ ان کے لئے ایسا دین قویم قدیم مشروع کیا گیا ہے جو اس لائق ہے کہ اس کے لئے باذوق لوگ

بلائیں فادع تو آپ تمام لوگوں کو اقامت دین مذکورہ کی یا اس کے موجب عمل کرنے کی دعوت دیں اس

لئے کہ وہ تمام متفرق اور شک مریب میں ہیں۔ آپ کی دعوت کو قبول کرلیں تو ہر دو نوں بیماریوں سے

صحت یاب ہوجائیں گے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کے لئے دین کی مشروعیت کا پیغام

پہنچانا اور اس کا امر کرنا دعوت حق کا سبب ہے

(ازالہ وہم) مشار الیہ توصیۃ اور امر باقامۃ الدین و نہی عن التفرق میں اسی لئے کسی کو تکرار کا وہم نہ ہو'

اشارۂ امورِ غیبیہ

آیت میں اشارہ ہے کہ زمانۂ نبوی کے بعد اہل ہوا اور اہلِ بدعت کے بہتر فرقے ہوجائیں گے۔ انہیں صراط مستقیم اور سنت رسول کریم کی دعوت دینا اور ان کے مذاہب کے دلائل سے رد کرنا اسی دعوت اسلامی میں شامل ہے (ہم اہل سنت بحمدہ اللہ تعالیٰ حق بجانب ہیں کہ جملہ بد مذہب اہل بدعت وہابیہ دیوبندیہ مودودیہ مرزائیہ پرویزیہ یا شیعہ (وغیرہا) کا رد کرتے اور انہیں دعوت حق پیش کرتے ہیں (فللّٰہ الحمد علیٰ ذلک)

حدیث شریف مع شرح

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (من انتہر) یعنے جس نے سختی سے جھڑکا "صاحب بدعۃ" بدعتی کو۔

رد وہابیہ و دیوبندیہ وغیرہا

ہمارے اکثر مسائل و مراسم پر دیوبندی وہابی بدعت کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں اور دلیل میں ایسی روایات اور بالخصوص کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار کی رٹ لگاتے ہیں ہم انہیں کہتے ہیں کہ ان روایات میں جہاں بھی بدعت کی

مذمت ہے وہاں بدعت سیّئہ مراد ہے نہ کہ بدعت حسنہ" اس لئے کہ بدعت حسنہ پر تم بھی عمل کرتے ہو ان کی ہزاروں مثالیں فقیر اویسی غفرلہٗ نے اپنی کتاب "العصمۃ عن البدعۃ" میں درج کی ہیں۔ وہ ہماری اس دلیل کو نہیں ملتے اور مندرجہ ذیل دلیل کو بھی نہیں مانیں گے لیکن ہم ناظرین کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہماری تائید اسلاف صالحین نے فرمائی ہے منجملہ ان کے صاحب روح البیان کا مندرجہ ذیل قول پڑھئے جو کہ دیوبندی بریلوی اور وہابی سنی اختلاف سے پہلے لکھ گئے (اضافہ اویسی غفرلہ)

(صاحب بدعۃ) سیئۃ ما ہو علیہ سوء الاعتقاد) بدعت سیّئہ وہ بُرا عقیدہ یا گندہ قول و عمل ہے والفحش من القول والعمل (روح البیان ص ۲۹۹ ج ۸) (جیسے اسماعیل دہلوی نے صراط مستقیم میں لکھا کہ حضور کا خیال تصور نماز میں لایا جائے تو گدھے وغیرہ سے بدتر ہے اور نماز بھی فاسد ہے (اضافہ اویسی غفرلہ)

بقایا حدیث

اللہ تعالیٰ بدعتی کو سختی سے جھڑکنے والے کے دل کو امن و ایمان سے پُر کرے اور بدعتی کی اہانت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بڑی گھبراہٹ کے دن میں امان و سلامتی عطا فرمائے یعنی اس گھبراہٹ سے جب حساب کے بعد دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ ابن السماک نے فرمایا کہ متفرقین کو یہ گھبراہٹ ستائیگی لیکن عارفین کے قلوب کو سکون و اطمینان نصیب ہوگا۔

صلحکلیون کیلئے کوڑا

ہم اہل سنت بد مذہب کی صحبت اور دوستی کے روادار نہیں بلکہ ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا کھانا پینا بولنا وغیرہ مُضر یعنی دین کے لئے سخت نقصان دہ سمجھ کر کسی کے لئے کسی قسم کی رواداری کے قائل نہیں لیکن ہمارے دور کے بعض صلح کل قسم کے لوگ اس رویہ کو بُرا مانتے ہیں انہیں مندرجہ ذیل حکایت غور و فکر کے ساتھ پڑھنی چاہیئے (اضافہ اویسی غفرلہ)

حکایت

حضرت ابن المبارک (محدث، فقیہ، ولی) رضی اللہ عنہ کو کسی نے ان کے وصال کے بعد دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عتاب فرمایا اور تین سال تک کھڑے رہنے کا حکم فرمایا صرف اس جرم پر کہ میں نے ایک مبتدع بد مذہب کو صرف نرمی کے طور دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا تو نے میرے دشمن سے دشمنی کیوں نہ کی۔

سبق

یہ تو صرف نرمی سے دیکھنے کی سزا ہے پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ان بد مذہب کی مجلسوں میں جاتے اور ان کے ساتھ دوستی کا دم بھرتے اور تعلقات جوڑتے ہیں۔ واستقم اور اس کی دعوت پر قائم رہئے "کما امرت" جیسے آپ کو حکم اور وحی من اللہ کا امر ہے۔ اس پر مداومت اور اثبات مراد ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے ایسے ہی استقامت فرمائی جیسے

ہم نے بیان کیا چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے سورۂ ہود اور اس جیسے اور مضامین نے بوڑھا کیا عرض کی گئی وہ کیسے آپ نے فرمایا اس لئے کہ ان میں حکم ہے فاستقم کما امرت اور یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے یعنی آپ اپنی استطاعت کے مطابق استقامت فرمایئے اور امت کے لئے بھی ہو سکتا ہے لیکن یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ انہیں بھی ان کی استطاعت کے مطابق استقامت کا حکم ہے کیونکہ امت کو فرمایا کہ اے میرے اُمتیو! استقامت پر عمل کرو لیکن اس کا حق نہیں ادا کر سکو گے کیونکہ جیسے اس کا حق ہے وہ صرف انبیاء علیہم السلام یا اکابر اولیاء ادا کر سکتے ہیں اس لئے کہ ذمہ داریوں پر پورا اترنا اور دنیوی رسوم سے بچنا اور عاداتِ انسانی سے دور رہنا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق صدقِ دل سے ادا کرنا معمولی بات نہیں۔

(شانِ نزول) جناب کاشفی نے لکھا کہ مغیرہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنا دین چھوڑ کر ہمارے دین میں آجایئے میں اپنا نصف مال آپ کو دے دوں گا اور شیبہ نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں آجائیں تو میں اپنی لڑکی کا عقد نکاح آپ کے ساتھ کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے دین پہ ثابت قدم رہیں۔ " ولا تتبع اھواء ھم " آپ ان کی خواہشات مختلفہ کی تابعداری مت کریں ھم کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اس لئے کہ وہ چاہتے تھے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معبودوں کی تعظیم و تکریم کریں اور ان کے مذہب کے امور میں ان کا ساتھ دیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر شئے کے لئے آفت ہے اور دین کی آفت خواہشات نفسانیہ ہیں۔

ہواؔ و ہوس را نماند ستیز[ع]
چو بیند سرپنجۂ عقل تیز

وقل آمنت بما انزل اللہ من کتاب یہاں پر منزل من اللہ کتب میں مطلق کتاب مراد ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ کی ہر نازل کردہ کتاب پر ایمان لے آیا ہوں ان لوگوں کی طرح نہیں کہ بعض کتب پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اور ہم نے کتاب میں عموم یوں سمجھا ہے کہ ما انزل اللہ میں لفظ ما عام ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ ہمیں جمیع حقائق پر ایمان لانا ضروری ہے اگرچہ ان کے مظاہر مختلف ہیں اس لئے کہ ان سب کا ملہم من اللہ ہونا صحیح ہے " وامرت " اور اس کے لئے مامور من اللہ ہوں " لاعدل بینکم " تاکہ میں تبلیغ شرائع و احکام اور فیصلہ کے وقت دعاوی کے فیصلوں میں تمہارے شریف اور کمینے کے درمیان عدل و انصاف کروں اس معنی پر لام اپنے معنی میں ہے اور مامور بہ محذوف ہے یا لام زائدہ اور با محذوف ہے یعنی مجھے اسی کا امر ہے کہ تمہارے شریف و کمینے کے درمیان عدل کروں۔ کسی کو امر و نہی میں خاص نہ کروں۔

[ع] ترجمہ: ہویٰ ہوس کو مقابلہ کی ہمت نہیں رہتی جب اسے معلوم ہو کہ عقل کے اس کے خلاف ارادے تیز ہیں۔

فائدہ: قل امنت الخ قوۃ نظریہ کی تعلیم ہے اور **وامرت الخ** میں قوت عملیہ کی تکمیل کا حکم ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کامیابی کے گُر بتائے

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تین ایسے امور ہیں جس میں وہ ہوں وہ کامیاب ہے۔

(۱) فقر و غنا میں میانہ روی
(۲) خوشی و غضب میں عدل و انصاف
(۳) ظاہراً و باطناً خشیۃ الٰہی

اور تین دیگر ایسے امور ہیں جس میں وہ ہوں وہ شخص تباہ و برباد ہوگا

(۱) بخل
(۲) خواہش نفسانی
(۳) اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھنا

اور چار دیگر امور ایسے ہیں جن کے ہاں ہوں اس نے گویا دنیا و آخرت کی خیر و برکت حاصل کر لی

(۱) زبان ذاکر
(۲) قلب شاکر
(۳) بدن صابر (۴) زوجہ مومنہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں " لا عدل الخ " کا معنی لکھا کہ میں اہل اہولوا ور اہل سنت کے درمیان مساوات پیدا کروں کہ بدعت (سیئہ) کو چھوڑوں اور کتاب و سنت پر مداومت کروں تاکہ افتراق دور اور اجتماع حاصل ہو۔

تفسیر عالمانہ اللہ ربنا و ربکم اللہ ہمارا اور تمہارا سب کا خالق اور ہمارے تمہارے جملہ امور کا متولی ہے نہ یہ کا ہنوں کا ہے اور نہ ہماری خواہشات لنا اعمالنا ہمارے لئے ہمارے اعمال کہ ان سے ہم اس کی جزا پائیں گے اگر نیک اعمال ہوں گے تو ثواب ورنہ عذاب ولکم اعمالکم تمہارے اعمال کی جزا و سزا تمہیں ملے گی نہ ہمیں تمہارے اعمال سے فائدہ نہ نقصان نہ تمہیں ہمارے اعمال سے لا حجۃ بیننا و بینکم حجۃ بمعنی برہان و دلیل۔ معنی یہ ہے کہ ہماری طرف سے حجۃ وار د کرنا نہیں ہے یعنی ہماری طرف سے کوئی خصومۃ نہیں اس لئے کہ خصومت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب جانبین سے حجۃ بازی ہو یہاں لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے اب معنی یوں ہوا کہ ہماری طرف سے نہ حجۃ بازی ہے اور نہ مخاصمت اس لئے کہ حق واضح ہو چکا، حجۃ بازی اور خصومۃ کا ہے کی ہاں مکابرہ ہو سکتا ہے اور وہ تم کر رہے ہو۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ ابداء و معصیتہ کے لئے کسی جھگڑے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ ہر دونوں ظاہر ہیں ۔ اللہ یجمع بیننا و الیہ المصیر قیامت میں ہم سب کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف سب کو فیصلوں کے لئے لوٹنا ہے اس وقت ہمارا اور تمہارا حال کھل جائے گا۔

(فائدہ) آیت میں صرف ان سے زبانی لسانی باتوں سے ممانعت کا اشارہ ہے یہ نہیں کہ ان سے مطلقاً کوئی معاملہ بھی نہ کیا جائے اور پھر یہ آیت قتال سے منسوخ بھی ہے یعنی اس آیتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ زبانی حجۃ بازی نہ کی جائے اس لئے کہ دین کی حقانیت واضح ہو چکی ہے اور دلائل و براہین سے ان پر بھی یہ راز کھل چکا ہے اب ان کے لئے صرف تلوار کے ساتھ یعنی جنگ کا طریقہ رہ گیا ہے یا پھر وہ اسلام قبول کرلیں چنانچہ اس کے بعد ان سے جنگیں ہوئیں اور ان کے بہت سے لیڈر مارے گئے ۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ جب حق واضح ہو جائے تو اسے قبول کرے اور جب اسلام کا نور کسی کے نصیب کے سینہ پہ چمک اٹھے تو پھر اسی کے مطابق چلے اور یقین ہے کہ سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ دنیا عبور کے لئے ہے اور دار الحضور آخرت ہے اور دنیا دار التفرق و الفتور ہے اسی لئے ہر انسان پر موت کے لئے ہر وقت تیار رہنا ضروری ہے ۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے چھ نسخے

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کسی سے فرمایا کہ تم صرف طواف کعبہ سے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتے جب تک مندرجہ ذیل چھ امور پر عمل نہیں کرو گے ۔

(۱) اپنے اوپر تعیش کے دروازے بند کر کے شدائد و تکالیف کے دروازے کھول دے ۔
(۲) عزت طلبی کے دروازے بند کر کے ذلت خواری کے دروازے کھول دے ۔
(۳) راحت کے دروازے بند کر کے جہد و بلا کے دروازے کھول دے ۔
(۴) نیند کے دروازے بند کر کے بیداری کے دروازے کھول دے ۔
(۵) غناء دولت کے دروازے بند کر کے تنگدستی اور فقر کے دروازے کھول دے ۔
(۶) آرزوؤں کے دروازے بند کر کے موت کی تیاری کے دروازے کھول دے ۔

کسی شاعر نے کہا ۔

(۱) ان للہ عباداً فطنا ——— طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا
(۲) نظروا فیہا فلما علموا ——— انہا لیست لحی وطنا

(۳) جعلوھا لجۃ واتخذوا ________ صالح الاعمال فیھا سفنا

(۱) ترجمہ : اللہ کے بہت بڑے سمجھدار بندے ایسے ہیں جنہوں نے دنیا کو طلاق دے رکھی ہے اس کے فتنوں کے خوف سے۔

(۲) کیوں کہ انہوں نے اسمیں غور سے دیکھ کر یقین کرلیا کہ یہ دنیا کسی کا وطن نہیں۔

(۳) ہاں اتنا کیا ہے کہ انہوں نے دنیا کو کشتی بنا کر اس میں نیک اعمال رکھ کر امن وسلامتی کے ساتھ یہاں سے چلے گئے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

(۱) ملک برہم زن تو آدم وار زود — تا بیابی ہمچو او ملک خلود

(۲) این جہاں حبس جاں شماست — ہین روید آں سو کہ صحرائے شماست

(۱) ترجمہ : آدم علیہ السلام کی طرح ملک دنیا کو جلد چھوڑ تاکہ ان کی طرح تجھے ہمیشہ کا ملک نصیب ہو۔

(۲) : یہ جہان تمہاری ارواح کا قید خانہ ہے۔ جلد چلو اس طرف جو تمہارا اصلی جنگل (ملک) ہے۔

تفسیر عالمانہ والذین یحاجون فی اللہ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دین کے متعلق اس کے نبی علیہ السلام سے جھگڑتے ہیں یہ مبتدا ہے اس کی خبر من بعد ما استجیب لہ" ہے بعد اس کے کہ لوگوں نے اسے قبول کرلیا اور بطیب خاطر اس میں داخل ہوتے اس لئے کہ اس کے حجج و براہین واضح ہیں اسے استجابۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس سے قبل لفظ دعوت استعمال کیا گیا ہے اور دعوت کے بعد استجابۃ کا لانا موزوں ہوا

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ ان کا قبول کرنا عالم میثاق میں ہوا جب کہ اللہ تعالیٰ نے الست بربکم فرمایا تو انہوں نے لفظ (بلی) عرض کیا - پھر جب وہ عالم ارواح سے عالم اجسام میں آئے تو وہ وعدہ بھول گئے پھر لگے حجت بازی کرنے اور اپنے نبی علیہ السلام سے جھگڑنے لیکن اہل ایمان اپنے عہد اور تصدیق و اقرار پہ قائم ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد

دوستی و مہر بریک عہد یک میثاق بود

ترجمہ : صبح ازل سے لیکر ابد کی شام تک دوستی ومحبت ایک عہد اور ایک میثاق پر ہو۔

حجتہم یہ دوسرا مبتدا ہے اس کی خبر " داحضۃ عند ربھم " ہے یہ جملہ پہلے جملہ کی خبر ہے یعنی ان کی حجۃ زائلہ باطلہ ناچیز ولاشے ہے بلکہ یہ حجت ہے ہی نہیں - اسے حجۃ کہنا ان کے زعم باطل کی

وجہ سے ہے وعلیہم غضب باوجودیکہ ان کے سامنے دلائل و براہین واضح ہیں لیکن پھر بھی ہٹ دھرمی پہ اڑے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا غضب ہے۔ ولہم عذاب شدید ان کے کفر شدید و ضلال بعید کی وجہ سے ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس سے عذاب نار مراد ہے۔

(نکتہ) صاحب روح البیان

رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر عذاب شدید اس لئے ہوگا کہ دین حق اور قرآن مجید ان کے لئے ایک عظیم نعمت و رحمت کا سبب تھے جب انہوں نے اس نعمت عظیم اور رحمت سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں عذاب و سزا نصیب ہوئی (نعوذ باللہ من ذالک) اور یہ بھی ان کے احوال کے نتائج اور اعمال کے ثمرات ہیں ۔

ابر اگر آب زندگی بارد ۔۔ ہرگز از شاخ بید بر نخوری

با فرومایہ روزگار مبر ۔۔ کز نے بوریا شکر نخوری

ترجمہ: بادل اگر زندگی کی بارش برسائے تب بھی بید سے پھل نہ کھاؤ گے۔
کمینے پر وقت ضائع نہ کر اس لئے کہ بوریا کے لکڑی سے شکر نہ کھاؤ گے۔

اللہ الذی انزل الکتاب اللہ وہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اس سے جنس کتاب مراد ہے۔ درانحالیکہ وہ کتاب متلبس ہے۔ بالحق، حق کے ساتھ یعنی اس کے احکام میں حق اور اس کی خبریں باطل سے کوسوں دور ہیں اور اس کے بیان کردہ عقائد و احکام حق ہی حق ہیں والمیزان اور میزان نازل فرمائی اس سے شریعت مراد ہے اس لئے کہ اس سے حقوق تولے جاتے ہیں اور لوگوں کے درمیان عدل و انصاف ہوتا ہے میزان کا شرع استعارۃً بایں معنی ہے کہ جس طرح ترازو کو برابری کے لئے وضع کیا گیا ہے ایسے ہی شرع سے حقوق واجبۃ الاداء کا وزن ہوتا ہے حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ یا اس سے عدل و انصاف مراد ہے۔ اس لئے عدل و انصاف کا حکم جملہ کتب سماویہ میں نازل ہوا ہے اس معنی پر تسمیۃ الشئ باسم آلہ کے قبیل سے (مجاز) ہوگا یا اس سے خود میزان مراد ہے تاکہ قدر الشئ کی معرفت حاصل ہو، یعنی ترازو کو اس لئے اتارا تاکہ خرید و فروخت کے معاملہ میں کسی پر ظلم نہ کیا جا سکے۔

فائدہ: اگر میزان سے واقعی ترازو مراد ہے تو کیا واقعی ترازو کا حقیقی طور اتارنا مراد ہے بعض حضرات اسے حقیقی اتارنے پر محمول کرتے ہیں چنانچہ مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ترازو لائے اور حضرت نوح علیہ السلام کو دیکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی قوم کو فرمائیے کہ اس کے ساتھ اشیاء کو تول کریں اور دیں۔ دوسری

روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو تمام صنائع کے آلات دیئے گئے۔ بعض حضرات اس آیت کو مجاز پر محمول کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اسے لیتے دیتے وقت برابر کے طور استعمال کرو۔

میزان عدل و انصاف محمد ﷺ ہیں

عین المعانی میں ہے کہ میزان سے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اس لئے کہ قانون عدل و انصاف آپ کے دم قدم سے پروان چڑھا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کتاب سے وہ ایمان مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے قلوب پر لکھا اور میزان سے عقل مراد ہے کہ اس سے احکام شرع اور خیر و شر اور حسن و قبیح کو تولا جاتا ہے اور کتاب و میزان آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ نے کبھی ان دونوں کو بصائر سے تعبیر فرمایا ہے۔ کما قال۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا ایک کے انتفاء سے دوسرے کا انتقاد لازم ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ صم بکم عمی فھم لا یعقلون اس میں نفی عقل و بصیرۃ سے ایمان کی نفی ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وما یدریک " الادراء بمعنے الاعلام یعنی تمہیں کونسی شے داری یعنی عالم بناتی ہے یعنی تمہیں کیا معلوم اور تمہیں کس نے بتایا (المفردات) میں ہے کہ جہاں وما ادراک واقع ہوا اس کے بعد کسی شے کا بیان ضروری ہوتا ہے کما قال "وما ادرٰک ماھیہ نار حامیہ" اور جہاں وما یدریک ہوتا ہے اس کے بعد کسی شے کا بیان ضروری نہیں کما قال "وما یدریک لعل الساعۃ قریب"

لعل الساعۃ امید کرنی چاہیے کہ وہ ساعت کے جس کے متعلق قرآن مجید بار بار خبریں دے رہا ہے، قریب، وہ ایسی شے ہے کہ اس کا آنا قریب ہے

(قاعدہ) الفعیل بمعنی فاعل ہے اس میں مذکر و مؤنث برابر ہے یہ سیبویہ نے کہا ہے ورنہ قاعدہ کا تقاضا تھا کہ لعل الساعۃ قریبۃ ہو کیونکہ ساعۃ کی ضمیر تانیث ہونا لازمی ہے یا اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ ایسی شے کی صفت واقع ہوئی جس کے لئے وہ وضع نہیں کی گئی۔

القریب، بمعنی ذات قرب یعنی وہ قرب جس میں نسبت کا معنی ہو اس تقریر پر اگرچہ ایسے صیغے مذکر کے وزن پر آئیں تب بھی ان میں مذکر و مؤنث کا معنی ہوگا جیسے لابن۔ تامر یعنی ذولبن و ذوتمر۔ یعنی دودھ اور کھجور والا انہیں فعل کی طرح حدث کا معنی نہیں ہوتا۔ جب یہ فعل کے معنی میں نہیں اس پر تاء تانیث نہیں لائی گئی یا ساعۃ بمعنی بعث ہے شئ ما کل فیہ کے تسمیہ قبیل سے (مجاز) ہے یا یہاں پر مجئ مضاف محذوف

ہے دراصل مجئ الساعۃ تھا یہی زمخشری نے کہا اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت آنے کو ہے آپ کتاب کی اتباع کیجئے اور عدل پر و ہو پر مواظبت کیجئے اس سے قبل کہ وہ آجائے پھر اس میں اعمال وزن ہوں گے اور ہر ایک کو پوری پوری جزا دی جائے گی۔

فائدہ: امام زاہدی نے فرمایا کہ "لعل" یہاں پر تحقیق کے لئے ہے یعنی یقیناً قیامت آئے گی اور اس کا آنا بالکل قریب ہے اس میں طول پر زجر و توبیخ اور انتظار اجل کے لئے تنبیہ کی گئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے لئے تیار رہنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

یستعجل بہا اس کی آمد کے لئے عجلت کرتے ہیں الذین لا یؤمنون بہا وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے استعجال سے انکار و استہزاء مراد ہے یعنی اس کے آنے پر وہ مذاق اڑاتے ہیں اور اس سے بالکل ڈرتے نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ کاش وہ جلد آجائے تاکہ ہم حق کو کھلم کھلا دیکھیں تاکہ پتہ چلے کہ حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یا ہم۔ چونکہ وہ اس سے بالکل نہیں ڈرتے تھے اسی لئے اس کے وقوع کا مطالبہ کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے وقوع کو بعید از قیاس سمجھتے تھے العجلۃ بمعنی وقت سے پہلے شے کے وقوع کا مطالبہ کرنا والذین آمنوا بہا مشفقون منہا اور اہل ایمان اس سے خوفزدہ ہیں اور انہیں اس کی آمد کا یقین بھی ہے اور جانتے ہیں کہ وہ وقت پر آئے گی تو انہیں ثواب و جزا عطا ہوگی۔

(مسئلہ) مومن کو خوف و رجاء کے درمیان رہنا چاہئے جیسے آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ ثواب کی امید میں بھی ہیں اور قیامت سے خوفزدہ بھی ہیں اور دل میں خیال کرتے ہیں کہ جب ہم قیامت میں جائیں گے تو نہ معلوم ہمارا کیا حشر ہوگا۔

فائدہ: آیت میں عجلت کرنے سے روکا گیا ہے۔ ویعلمون انہا الحق اور انہیں یقین ہے کہ وہ لازماً آئیگی اور اس کا آنا حق ہے

فائدہ: آیۃ میں اشارہ ہے کہ مومن موت کی تمنا اس لئے نہیں کرتے کہ نہ معلوم ان کے ساتھ قیامت میں کیا ہوگا پھر اس کی تیاری میں لگ جاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آتی ہے تو اس سے کراہت بھی نہیں کرتے اس لئے کہ موت کی آرزو یا جاہل کرتا ہے یا مشتاق (جلوۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اسی لئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا۔

"درینجا بشارت عظیم ست مر مشتاقان عمزدہ را کہ اگر زندہ در گور روند جائے دارد" ہم اسی لئے عرض کرتے ہیں ؎

دل کیوں نہ ہو مضطرب موت کے انتظار میں ○ سنا ہے کہ دیکھنے آئیں گے یار مزار میں

اس کی بہترین اور پُر لطف بحث فقیر کے رسالہ ۔

"القول المؤید" میں ہے (اضافہ اویسی غفرلہ)

الا ان الذین یمارون فی الساعۃ خبردار بے شک وہ لوگ جو قیامت کے متعلق جھگڑتے اور فساد کے طور اس کے آنے کے بارے میں انکار کرتے ہیں۔ یمارون کا مادہ المریہ ہے اس کا معنی ہو گا کہ جن میں مریہ داخل ہوجاتی ہے اور شک کا شکار ہوجاتے ہیں تو پھر یہ شک انہیں جھگڑے پر اکساتا ہے۔ اس تقریر پر لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔ المفردات میں ہے کہ المریۃ بمعنی التردد فی الامر یہ شک سے اخص ہے المماراۃ بمعنی اس معاملہ میں جھگڑنا جس میں شک ہے یہ " مریت الناقۃ " سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب دودھ کی شدت سے پستانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اس معنی پر اس کا معنی "یجادلون" سے موافق ہوگا اور یہ استعارہ تبعیہ ہے اس لئے کہ مجادلہ کو دودھ دوہنے والے کے پستانوں کو ہاتھ لگانے سے تشبیہ دی گئی ہے جب کہ وہ پستانوں سے دودھ نکالتا ہے ایسے ہی ہر جھگڑے والا اپنے دوسرے کے مافی الضمیر کو اپنے کلام سے ظاہر کرتا ہے جس میں شدت ہوتی ہے لفی ضلال بعید البتہ حق سے بعید اور گمراہی کے قریب ہیں اس لئے کہ قیامت کا وقوع اگرچہ مین امر ہے لیکن اسے محسوسات سے زیادہ مشابہت ہے اس لئے کہ اس کی مثال زمین جیسی ہے کہ وہ ویران پڑی ہوتی ہے لیکن تھوڑے عرصہ میں سر سبز و شاداب ہوجاتی ہے جو شخص ایسی مثالوں سے قیامت کے وقوع کو نہیں سمجھتا تو اس جیسا حق سے بھٹکا ہوا اور کون ہوگا اور ضلال کو بعد سے موصوف کرنا مجاز عقلی ہے اس لئے کہ بُعد درحقیقت ضال گمراہ کے لئے ہے کیوں کہ وہی طریق حق سے دور ہے پھر اس کی گمراہی کو دور بتانا مجاز ہوا اور یہاں مضاف محذوف مان کر کہا جائے کہ یہ دراصل "تضلال ذی بعد" تھا یہاں فیہ محذوف ہے کہ دراصل الضلال فیہ بعد تھا اس لئے کہ راہ سے بھٹکنے والا کبھی مکان سے دور ہو جاتا ہے اور کبھی مکان کے قریب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اس لئے گمراہی بعید میں ہے کہ وہ ازلی گمراہ ہے۔

عجلت کے اقسام

آیۃ سے چند امور ثابت ہوئے (۱) عجلت کی مذمت اس لئے فرمایا کہ عجلت شیطان سے ہے ہاں چھ مقامات پر عجلت ضروری ہے۔

(۱) نماز کا جب وقت ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں جلدی ضروری ہے

(۲) جب کسی پر موت آجائے تو اسے جلدی دفنانا چاہیے

(۳) جب لڑکی بالغہ ہو جائے تو اس کا بیاہ فوراً کرنا چاہیئے۔

(۴) قرض کو جلد ادا کیا جائے

(۵) مہمان کو جلد کھانا وغیرہ دینا چاہیے

(۶) گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ لازم ہے۔

ایمان و تصدیق کی تشریح

آیت میں ایمان و تصدیق کا بیان اس لیئے ہے وہ ہر مدلول اصل اور باقی احکام شرعیہ ان کی فرع ہیں۔ مومن مومن بنتا ہے جب جملہ احکام کو ملنسے بالخصوص قیامت کے وقوع کی تصدیق کرے لیسے ہی اس کی تیاری میں اعمال صالحہ زیادہ سے زیادہ عمل میں لائے۔

حب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم اصل الاصول ہیں

مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ قیامت کب آئیگی آپ نے فرمایا تونے اس کے لئے کیا تیار کیا ہے عرض کی کچھ نہیں ہاں مجھے اللہ سے اور آپ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت میں تو اس کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ تیری محبت ہو گی۔

محبت رسول کی علامت

اس میں شک نہیں کہ جس سے محبت ہوتی ہے جمیع احوال میں اس کی اقتدار ضروری ہے ایسے بندے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی محبت فرماتے ہیں۔

سنی کو مژدہ بہار

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے پیاروں سے ملاقات کا کب موقعہ ملے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں کیا ہم آپ کو پیارے نہیں آپ نے فرمایا تم میرے یار ہو، میرے پیارے وہ ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں لیکن جان سے فدا ہیں مجھے ان کی ملاقات کا بے حد شوق ہے ایسے لوگوں کو حضور علیہ السلام نے لفظ اخوان سے بھی نوازا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آپ کے اخوان نہیں ہیں آپ نے فرمایا تم میرے اصحاب ہو، میرے اخوان وہ ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا تک نہیں لیکن مجھ پر ایمان لائے اور جان سے قربان ہیں پھر فرمایا کہ ان کی شان یہ ہو گی کہ ان کی ایک نیکی تمہاری پچاس نیکیوں کے برابر ہو گی انہوں نے عرض کی آپ ان کی نیکی اور ہماری نیکیوں کی نیکیوں میں فرق بتایئے آپ نے فرمایا نہیں تمہاری نیکیوں کے برابر اسے تین بار دہرایا وہ اس لئے کہ نیکیوں کا ارتکاب پر تمہارے بہت سے معاون ہیں اور وہ نیکی کے معاملے میں بے یار و مددگار ہوں گے۔

علم کی فضیلت

آیت میں علم کی مدح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ علم مراد ہے جس میں خشیت ایزدی اور عمل بھی ہو اسی لئے کہ علم کے حصول سے مقصود یہی ہے کہ جہل دور ہو۔

لیکن کسی کو اپنے علم پر ناز بھی نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ اگرچہ فرعون کو موسٰی علیہ السلام کی نبوت کا اور ابلیس کو آدم علیہ السلام کی نبوت کا علم اور یہودیوں کو حضور علیہ السلام کی نبوت کا علم تھا لیکن ایمان کی دولت سے محروم رہے (ماسبق) آیت میں شک و تردد کی مذمت ہے انسان پر لازم ہے کہ وہ یقین صریح بلکہ عیان صحیح پر مداومت کرے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ جملہ پردے اٹھ جائیں تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ ؎

حال خلد و جحیم دانستم ∴ بہ یقین آنچنانکہ مے باید
گر حجاب از میانہ برگیرند ∴ آں یقین ذرۂ نیفزاید

ترجمہ: میں نے بہشت و دوزخ کے حالات ایسے یقین سے جان لئے ہیں کہ اگر درمیان سے حجابات اٹھ جائیں تو میرے یقین میں خاص اضافہ نہ ہوگا۔

فائدہ: سعادت و شقاوت ازلی ہیں۔ بعض سعید اس لئے شقی بن جاتے ہیں کہ وہ ازل سے شقی تھے ان کی سعادۃ عارضی تھی ایسے ہی بعض شقی سعید بن جاتے ہیں ان کی شقاوت بھی عارضی تھی ہر ایک اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے ہدایت چاہتے اور خواہش نفسانی سے پناہ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اللہ لطیف بعبادہ، اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر بہت بڑا مہربان ہے کہ ان پر بے بہا فیوض والطاف فرماتا ہے ہم نے بے بہا فیوض والطاف کا معنٰی صیغۂ لطیف سے لیکر کیا ہے اس لئے کہ یہ صیغۂ مبالغہ ہے۔ "یرزق من یشاء" جسے جس طرح اور جتنا چاہتا ہے رزق بخشتا ہے اپنے بندوں میں سے چند ایک کو خاص کرکے رزق کی فراوانی فرماتا ہے اس میں اس کی حکمت ہوتی اور اس کی مشیت کا تقاضا یونہی ہوتا ہے اس معنی پر عموم الجنس و خصوص النوع میں کوئی منافات نہیں یعنی پہلے بتایا گیا کہ اپنے احسان و کرم کی جس نوع کو انسانوں کی جس جنس کو خاص فرمائے وہ مالک ہے اس میں منافات بایں معنی ہے کہ وہ اپنے جملہ عباد پر لطف و کرم فرماتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اپنے تمام الطاف اور احسانات سب پر برابر طور فرمائے اور ایسا اس کی حکمت و مشیت کے بھی خلاف ہے کیوں کہ اس طرح سے اعلیٰ و ادنٰی کے درمیان فرق اٹھ جاتا ہے ہاں وہ اپنا لطف و کرم بندوں پر فرماتا ہے لیکن ان کی استعداد کے مطابق کہ کسی کو زیادہ کسی کو کم تاکہ ان کے احوال صحیح رہیں اور معاش کے اسباب مناسب طور چلیں اور ان کی دنیا سنورے اور دنیا کے حالات خوشگوار گزریں نیز اس طریقہ سے ان کی آخرت کی سعادت انہیں باسہولت میسر آئے گی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کی تفسیر یرزق من یشاء بغیر حساب ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ قرآن کی بعض آیات دوسری آیات کی تفسیر کرتی ہیں۔ وھو القوی العزیز اور وہی قوی یعنی بہت بڑی قدرت والا اور ہر شے پر غالب ہے اور یہی معنی بندوں کے لئے عام

لطف کے معنی لئے موزوں ہے اور قوۃ یعنی بنیاد کا سخت ہونا اس کی نقیض ضعف آتی ہے لیکن یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے اسی لئے اسے مجازاً قدرت کے معنی میں لیا جاتا ہے اس لئے کہ قدرت کی قوت سبب ہے
العزیز بہت بڑا قادر ہے کہ اس پر کوئی غالب نہیں، یہی صفت ہمارے مذکورہ بالا معنی کے مناسب ہے جو ہم نے کہا کہ وہ مالک ہے جسے جتنا جسطرح چاہے عطا کرے۔

تفسیر صوفیانہ

بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر لطف الٰہی سے مراد بندوں کی وہ فطرت مراد ہے جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے جس سے فیض الٰہی کو بلا واسطہ قبول کرتے اور وہ جذبۂ لطف جس سے وہ وصال حق کے مستحق ہوتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ یا بمعنی لطیف ہے کہ وہ انہیں اپنا بندہ بناتا ہے اور عبد الدنیا نہیں بننے دیتا اور نہ ہی وہ عباد النفس والہوٰی ہو سکتے ہیں اور نہ ہی وہ شیطان کے پنجے میں پھنستے ہیں۔ نیز لطیف بعبادہ میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دقیق سے دقیق احوال سے باخبر ہے وہ ریاء اور سمعہ کریں تو اس سے ان کے ایسے اعمال مخفی نہیں رہتے یہ اس لئے فرمایا تاکہ وہ اپنے اعمال و احوال پر تعجب نہ کریں۔ لطیف میں عبادت گزاروں کو تنبیہہ ہے اور ایسے ہی گنہگاروں کو بھی متنبہ فرمایا تاکہ وہ اس کی رحمت اور احسان و کرم سے نا امید نہ ہوں اور فقراء و مساکین کو خبردار فرمایا تاکہ انہیں تسلی ہو کہ وہ اپنے بندوں کا محسن ہے انہیں بھوک میں نہیں مارے گا اس لئے کہ جب وہ کافروں کو روزی پہنچاتا ہے تو اہلِ ایمان کو کیوں نہ پہنچائے گا ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
چہ دشمن بریں خواں یغما چہ دوست

ترجمہ ۔ روئے زمین اس کا تمام دسترخوان ہے اس غنیمت کے دسترخوان پر دشمن و دوست برابر ہیں۔
اس میں اغنیاء کو بھی تنبیہہ ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وہ اپنے بندوں کے مالی معاملات کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ کو جانتا ہے۔

دوسری تقریر

نیز اس کے لطف بر عباد کا ایک معنی یہ ہے کہ انہیں اپنی صفۃ لطف کا مظہر بنایا نیز انہیں پتہ دیا کہ وہ لطیف ہے کیونکہ اگر اس کا لطف و کرم نہ ہوتا تو انہیں ہرگز معلوم نہ ہوتا کہ وہ لطیف ہے نیز یہ بھی اس کا لطف و کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو انوار عرفان کے اسرار و رموز سے سنوارا۔ نیز ان پر عین و عیان منکشف فرمایا

فائدہ : فصول میں ہے کہ لطیف کے کئی معانی ہیں

(۱) مہربان امام قشیری نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے کہ وہ اپنے بہت سے امور میں کفایت فرمائے اور

بہت تھوڑا کام بتلائے

(۴) نوازش کنندہ

(۳) قضاء و قدر کو پوشیدہ رکھنے والا کہ کسی کو اس کے امور میں دخل نہ ہو اور نہ اس کی درگاہ لازوال تک کسی کو رسائی ہو جب تک وہ خود کسی پر فضل نہ فرمائے۔

کسے زچون و چرا دم نمی تواند زد ۔۔ کہ نقش کار حوادث ورائے چون و چراست

چرا گو کہ چرا دست بستہ قدرست ۔۔ زچون ملاف کہ چو تیر پائمال قضاست

ترجمہ: کوئی بھی چون و چرا سے دم نہیں مار سکتا کہ حوادث کے نقش کیسے اور کیوں ہیں۔ کیوں نہ کہا اس لیے کہ تقدیر نے کیوں کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں۔ کیوں درمیاں میں نہ لا اس لئے کہ کیوں قضا و قدر سے مار کھا چکا ہے۔

(۴) موضح میں لکھا کہ لطیف وہ ہے کہ ہر مخفی سے مخفی امر کو جانے اور مجرم کے جرم سے حوصلہ سے درگزر فرمائے۔

(۵) کشف الاسرار میں ہے کہ لطیف وہ ہے کہ جو بندے کی قدر و منزلت کے مطابق نعمت عطا فرمائے اور اس سے اسی قدر شکر چاہے جس قدر اس کے لائق ہے۔

(۶) بعض مشائخ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جو قیامت میں بندوں کے گناہ سامنے نہ لائے تاکہ وہ پریشان نہ ہوں

(۷) حضرت ابو سعید خراز قدس سرہ نے فرمایا کہ " اللہ لطیف بعبادہ " کا معنی ہے کہ وہ ظاہر و باطن میں موجود ہے اور کل کائنات اس کے وجود سے موجود ہے اس کا ذکر قلب میں کبھی موجود اور کبھی مفقود ہوتا ہے تاکہ اس کی یاد کو تازگی اور بندے کی محتاجی کا ہر وقت اظہار ہو (۸) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا ایک لطف یہ ہے کہ وہ رزق حلال عطا فرمائے اور حال کے مطابق تقسیم فرماتا ہے ایسے نہیں کہ یکبارگی دے دے پھر اس کے بعد پرواہ نہ کرے۔ (۹) حضرت امام علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے لطف کا معنی یہ ہے کہ عمل پر دوہرا اجر عطا فرماتا ہے (۱۰) حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ لطیف وہ ذات ہے کہ جس نے اپنے اولیاء کو توفیق بخشی کہ انہیں اس کا عرفان نصیب ہوا اگر اس کے اعداء پر بھی لطف ہو جاتا تو وہ کبھی منکر نہ ہوتے (۱۱) بعض مشائخ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جو بندوں کے مناقب و کمالات پھیلائے اور ان کے عیوب چھپائے (۱۲) بعض نے فرمایا کہ اس کا لطف یہ ہے کہ طاعات و عبادات کا تو وقت مقرر فرمایا لیکن اجر و ثواب میں کوئی پابندی نہیں فرمائی۔ (۱۳) اللہ تعالیٰ لطیف بھی ہے اور قہار بھی اس کے لطف کے حصول

کے لئے کعبہ و مساجد بنائی گئیں اس کے قہر و غضب کیلئے کلیسے اور گرجے تیار ہوئے۔ بعض اس کے لطف سے سلوک کرتے ہیں تو انہیں لطف وکرم عطا فرماتا ہے اور بعض قہر و غضب کا نشانہ بنتے ہیں تو انہیں دائمی رسوائی نصیب ہوتی ہے۔

حکایت ایک شخص عرصہ دراز تک موذن رہا ایک دن مسجد کے مینارہ پر چڑھا تو ایک کافرہ عورت پر اس کی اچانک نگاہ پڑگئی اس پر وارفتہ و دیوانہ ہوگیا۔ ایک دن کافرہ عورت کو جاکر حال سنایا اس نے کہا اگر تو میرے عشق میں سچا ہے تو میرے مذہب کے مطابق زنار پہن لے اس بدبخت پر نفسانیت سوار تھی اس کے کہنے پر زنار پہن لیا اور اس کے کہنے پر شراب بھی پی لی اور شراب سے مست ہوا تو وہ عورت بھاگ کر اپنے گھر میں چلی گئی اس نے اس کے گھر میں مسجد کی چھت سے چھلانگ لگائی تو اسی کفر اور شراب کی مستی میں مرگیا اس کی بدقسمتی کہ عرصہ دراز اذان کہی اور نیکیوں میں زندگی بسر کی لیکن بالآخر اس کا خاتمہ کفر پر ہوا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتمتست
کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود

ترجمہ : مستوری و مستی کا حکم خاتمہ پر ہے کسی کو کیا معلوم کہ وہ کس حالت پر واپس جائے گا۔

(۱۴) امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جو بندوں کے غوامض و دقائق امور سے باخبر ہو پھر ہر حق دار کو اس کا حق نرمی سے عطا فرمائے اس میں اس کے ساتھ سختی و درشتی نہ فرمائے اور جب فعل میں نرمی اور علم و ادراک میں لطف ہو تو وہ کامل لطیف ہوتا ہے اور ایسا کمال صرف اللہ تعالیٰ میں ہے۔

فائدہ : یہ بھی اس کا لطف ہے کہ پیٹ کے پردوں میں بچے کی پرورش فرماتا ہے جہاں تین تاریکیاں ہیں اور نہ صرف پرورش بلکہ وہاں اس کی حفاظت فرماتا اور اس کے موافق اس کی غذا پہنچاتا ہے جیسا کہ ناف کا ذریعہ بناتا ہے، پھر جب پیدا ہوتا ہے تو وہی غذا اسے اس کے منہ سے پہنچاتا ہے اور اسے علم دیتا ہے کہ یہ غذا پستانوں سے ملیگی اور وہ منہ میں پستان لے کر اس کے دل میں القاء فرماتا ہے کہ جب تک اسے چوسو گے نہیں غذا نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ وہ چوستا ہے اور ماں کے دودھ سے پیٹ کو پُر کرلیتا ہے اور وہ اس علم میں اتنا ہوشیار ہوتا ہے کہ رات کی تاریکی اور سخت اندھیرے میں ماں کے پستانوں کو تلاش کرلیتا ہے حالانکہ ایسی باتیں اسے کوئی سکھاتا بھی نہیں یہ تمام اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کی علامت ہے اور یہ نہ صرف انسان کے ساتھ خاص ہے بلکہ پرندوں تک اس کی نوازش ہے۔ مثلاً مرغی کے انڈے میں بچہ ہوتا ہے لیکن باہر آتے ہی دانے چگنے لگ جاتا ہے پھر بچے کا حال دیکھئے کہ دانت جب تک پیدا نہیں ہوتے ماں

کے دودھ کا خوگر ہوتا ہے لیکن دانتوں کی پیدائش اور اس کی پختگی پر دوسری غذاؤں کو کھانے لگ جاتا ہے اور وہ بھی جو نرم نرم ہوں پھر جو نہی بڑا ہوتا ہے نرم سے سخت غذاؤں پر مائل ہوتا گیا اور دانتوں کو تقسیم کا علم بھی اسے القاء ہوا کہ داڑھیں غذا چبانے کے لئے ہوتی ہیں اور دانت غذا کو توڑنے کے لئے یہ بھی اس کا لطف ہوا کہ اس کے دل میں القاء ہوا کہ زبان اس کھانے کو جمع کر کے حلقوم میں پہنچانے کے لئے اور بولنے کے لئے ہے اگر اس کا لطف وکرم نہ ہوتا تو انسان اور ڈھیلے میں کونسا فرق باقی رہتا یہ اس کا لطف وکرم ہے کہ اسے جمادیت سے نکال کر انسانیت کا تاج پہنایا اور وہ بھی رفتہ رفتہ کہ پہلے اسے عالم نباتات میں پھر اسے عالم حیوانات میں پھر اسے حساس ومتحرک بالارادہ بنا کر عالم انسان میں پہنچایا اور اسے بولنا سکھایا اور یہ ایک اور نعمت ہے بلکہ انسان غور کر کے دیکھے کہ یہ جملہ نعمتوں کی سرتاج نعمت ہے پھر اسے علم دیا کہ سعادۃ ابدی کے حصول کے طریقے فلاں فلاں ہیں اور وہ بھی معمولی اور آسان ہیں نہایت قلیل مدت میں اس کا حصول ہو سکتا ہے

فائدہ نیز یہ بھی اس کا لطف ہے کہ اس نے دودھ جیسی نعمت کو جانور کے گوبر اور خون کے درمیان سے عطا فرمایا اور سخت پتھروں سے جواہر نفیسہ پیدا فرمائے اور شہد کو مکھی سے اور ابریشم کو کیڑے سے اور موتی کو صدف سے نکالا وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ بندہ اسم لطیف سے حظ وافر یوں حاصل کرے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے نرمی کرے اور انہیں لطف وکرم اور نہایت خوش اخلاق سے دعوت الٰہی پیش کرے اور انہیں سعادۃ دارین کا راستہ بتائے ان پر کسی قسم کا تشدد اور سختی نہ کرے اور نہ ہی ان کے ساتھ تعصب کرے اور نہ جھگڑا اور لطف کے احسن وجوہ میں سے ہے کہ اچھی عادت سے قبول حق کرے بلکہ اعمال صالحہ کے ذریعے سے حاصل کرے اس لئے کہ وہ اس پر بہت اثر ڈالتی ہے اور لطف وکرم ایک ایسی عادت ہے کہ اس جیسی اور کوئی عادت نہیں، اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔۔ ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے دیکھو۔ اس میں صلوا کما قلت لکم نہیں فرمایا اس لئے کہ مقتداء کا عمل بہ نسبت فعل کے مقتدی پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پند فعلی خلق را جذاب تر

کہ رسد در جان ہر باگوش کر

ترجمہ: بہترین نصیحت ہے لیکن جس کا کان بہرا ہو اسے کیا حاصل ہوگا۔

فائدہ: رزق دو قسم ہے۔

(۱) صوری

(۲) معنوی : ______ صوری کا ہر ایک کو معلوم ہے معنوی علم توحید
و معارف الہیہ ہیں کہ جن سے ارواح کو غذا پہنچتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ طبیعت کی غذا کھانا پینا اور نفس کی
غذا لایعنی باتیں کرنا اور قلب کی غذا فکر اور روح کی غذا علم التوحید من حیث الافعال و الصفات والذات و
جملہ معارف الہیہ کہ جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور منظر الہی انسان کے وجود میں قلب ہے جب یہ توحید و ذکر و نور
ایمان و عرفان صحیح ہو تو انسان کے تمام احوال صحیح رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں پر لطف و احسان
اور فضل و کرم فرماتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ
يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
نَصِيبٍ ۝ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ
يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ
الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ
مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ ۖ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ ذَٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۗ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا
الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ
كَذِبًا ۖ فَإِنْ يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ

وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ
يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝
وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ
لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ
بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ
مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ
خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ ۭ وَهُوَ
عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ:۔ جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لیئے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں یا ان کے لیئے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے وہ دین نکال دیا ہے کہ اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اور اگر ایک فیصلہ کا وعدہ نہ ہوتا تو یہیں ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے تم ظالموں کو دیکھو گے کہ اپنی کمائیوں سے سہمے ہوئے ہوں گے اور وہ ان پر پڑ کر رہیں گے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جنت کی پھلواریوں میں ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہے جو چاہیں یہی بڑا فضل ہے۔ یہ ہے وہ جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔ تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت اور جو نیک کام کرے ہم اس کے لیئے اس میں اور خوبی بڑھائیں بیشک اللہ بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے یا یہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت وحفاظت کی مہر فرما دے اور مٹاتا ہے باطل کو اور حق کو ثابت فرماتا ہے اپنی باتوں سے۔ بیشک وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے اور وہی ہے جو اپنے بندوں

کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور دعا قبول فرماتا ہے ان کی جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور انہیں اپنے فضل سے انعام دیتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو ضرور زمین میں فساد پھیلاتے لیکن وہ اندازہ سے اُتارتا ہے جتنا چاہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے انہیں دیکھتا ہے اور وہی ہے کہ مینہ اُتارتا ہے ان کے ناامید ہونے پر اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی کام بنانے والا ہے سب خوبیاں سراہا اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور جو چلنے والے اس میں پھیلائے اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ

من کان یرید حرث الآخرۃ (الحرث) دراصل زمین میں بیج ڈالنے کو کہا جاتا ہے اس کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جو کھیتی سے حاصل ہوا اور استعارہ کے طور اعمال کے نتائج وثمرات کو بھی حرث کہا جاتا ہے جیسے کھیت میں بیج ڈالنے سے اناج وغیرہ حاصل ہوتا ہے ایسے ہی دنیا میں اعمال کے بیج سے آخرت میں وہی حاصل ہوگا جو اس نے بویا اسی لئے حدیث شریف میں ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اب آیت کے جملہ کا معنی ہوا کہ جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے یعنی اعمال سے ثواب آخرت کا طالب ہے نزدلہ فی حرثہ تو ہم اس کی کھیتی کو زیادہ کریں گے یعنی ایک عمل کے بدلے دس بلکہ سات سو بلکہ اس سے بھی زائد عطا فرمائیں گے۔ جناب کاشفی نے لکھا کہ جیسے ایک دانہ کھیت میں ڈالنے سے سینکڑوں دانے حاصل ہوتے ہیں ایسے ہی مومن کے اعمال صالحہ کے ثواب میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے یہاں تک اس کی ایک نیکی اُحد پہاڑ کے برابر ہوتی ہے۔

(نکتہ) ولہ فی الدنیا نصیب (یعنی اسے دنیا میں بھی حصہ ملے گا) نہیں فرمایا حالانکہ اسے رزق مقسوم میں ضرور حصہ عطا ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا زبوں ترین شے ہے نیز یہ بھی معلوم ہو کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کچھ نہیں اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک بار تسبیح کہنا ملک سلیمان سے بہتر ہے۔

(فائدہ) مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے مال و ملک اور علم پیش کیا گیا تو آپ نے علم کو اختیار فرمایا جب کہ انہیں کہا گیا کہ ان تینوں میں سے جسے چاہو اختیار کرو آپ نے علم اختیار کرکے مال و ملک کو دیکھا تک بھی نہیں۔ لیکن علم کی برکت سے مال و ملک ان کے تابع کر دیئے گئے۔

دنیا طلبی بہرۂ دنیات دھند
عقبیٰ طلبی ہردو بیک جات دھند

ترجمہ: اگر تم دنیا طلب کروگے تو تمہیں صرف دنیا ملے گی۔ اگر عقبیٰ طلب کروگے تو تمہیں دنیا و عقبیٰ ہر دونوں عطا ہوں گی۔

(سوال) اگر کوئی کہے کہ آیت کے ظاہری مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص نماز اسی ارادہ سے پڑھے کہ اسے ثواب عطا ہو یا عذاب سے بچے تو اس کی نماز جائز ہے حالانکہ جملہ اسلاف صالحین کا اجماع ہے ایسی لالچ میں ایسی نماز اس کے منہ پہ ماری جائے گی اس لئے کہ طاعۃ و ایمان میں رغبت کا ہونا ضروری ہے اور رغبت میں صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے نہ کہ ثواب کی تحصیل و عذاب کا دفعیہ کیونکہ ایسا بندہ جو بلا رغبت مذکورہ عبادت و طاعت الٰہی بجالاتا ہے تو اسے مریض و علیل کہا جاتا ہے اس معنی پر اسلاف صالحین کا قاعدہ آیت کے مضمون سے ٹکراتا ہے۔

(جواب) چونکہ کھیتی سے وہی بیج پھل دیتا ہے جو صحیح سالم اور صاف ستھرا ہو ایسے ہی عبادات و اطاعات بھی وہی کام کی جس میں عبودیت کا اظہار ہو اور عبودیت وہی ہوتی ہے جس میں رضائے الٰہی کی طلب ہو۔ ورنہ بیکار جیسا کہ اسلاف نے فرمایا (من کان یرید حرث الدنیا) حرث دنیا سے دنیا کا مال و متاع اور دیگر سامانِ تعیش اور اس کے چاہنے والوں سے مراد کافر اور وہ منافق جو وقتی طور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شامل ہو کر مالِ غنیمت کو مدنظر رکھتے تھے اس میں دیگر وہ لوگ بھی شامل ہو سکتے ہیں جن کی دنیوی اغراض غلط اور فاسد ہیں یعنی دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے، "نؤتہ منہا" ہم اسے اس سے دیں گے جیسا کہ ہم نے اس کی قسمت میں لکھا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جیسے وہ چاہے گا ویسے ہی ہوگا۔ منہا کا تعلق کا ثانی محذوف سے ہے جو کہ وہ مفعول ثانی کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ من تبعیضیہ ہو ای بعضہا لیکن معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا

فائدہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ طالب دنیا اپنی منزل مراد کو نہیں پہنچ سکتا۔

حدیث شریف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مقصد صرف آخرت ہو اللہ تعالیٰ اس کے جملہ امور کا کفیل ہوگا اور اس کے دل میں استغناء پیدا فرمادے گا اور دنیا اس کے ہاں ذلیل ہو کر حاضر ہوگی اور جس کا مطمح نظر صرف دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کے جملہ امور منتشر فرما دے گا اور فقر و فاقہ ہر وقت اس کی آنکھوں میں پھرتا رہے گا اور دنیا بھی اسے اس قدر میسر آئے گی جتنی اس کے مقسوم میں لکھا جا چکا ہے۔ وماله فی الآخرۃ من نصیب من زائدہ استغراق کے لئے ہے

یعنی جس کی مطمح نظر صرف دنیا ہو اسے آخرت سے کوئی حصّہ نصیب نہ ہوگا کیوں کہ ہر مرد کو وہی ملتا ہے جو اس کی مراد ہو اسی لئے ایسا شخص ثواب آخرت سے بالکل محروم رہے گا۔

فائدہ : امام راغب نے فرمایا کہ انسان دنیا میں کسان کی طرح ہے اور اعمال اس کی کھیتی اور دنیا اس کی کھیت ہے موت کھیتی کے کاٹنے کا وقت ہے اور آخرت میں اس کا اناج استعمال کرکے اس کے پیش ہوگا۔ اس پر انسان خود سوچ لے کہ وہ دنیا میں کیا بو رہا ہے اور مرنے کے بعد اسے اپنے کھیت سے کیا حاصل ہوگا۔

حکایت

منقول ہے کہ بلخ کے کسی ایک شخص نے اپنے نوکر کو گندم بونے کا فرمایا لیکن اس نے جو بو دیئے جب کھیتی کاٹی گئی تو جو ہی تو حاصل ہونے تھے اس شخص نے نوکر کو بلاکر فرمایا میں نے تجھے جو بونے کو کہا تھا یا گندم ۔ اس نے کہا کہ میں نے جو بو دیئے اس امید پہ کہ شاید اس سے گندم پیدا ہوگی اس نے فرمایا پاگل کبھی جو بونے سے گندم بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس نے کہا آقا ! اگر جو بونے سے گندم نہیں پیدا ہوتی تو گناہ کرنے سے بھی جناب کو بہشت نصیب نہیں ہوگی ادھر آپ رات دن گناہوں میں غرق ہیں پھر رحمتِ باری کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں، شب و روز آپ گناہوں میں مست رہتے ہیں۔ نیکی کا نام نہیں لیتے تو کل پھر آپ کو یہی ملے گا جو آج کر رہے ہیں ؎

از رباط تن چو بگذشتی دگر معمورہ نیست

زادراہے بر نمیداری ازیں منزل چرا

ترجمہ : تن کی رباط سے گذر جا اس کے سوا اور کوئی آبادی نہیں جب تو زادراہ نہیں رکھتا تو پھر تو یہ منزل کیسے طے کرے گا۔

(فائدہ) جیسے آج کھیت سے کھیتی کاٹ کر ڈھیر لگا کر اس کی نگرانی کے لئے پہردار اور دیانت دار نوکر رکھے جاتے ہیں۔ ایسے آخرت میں ہر بندے کے اعمال پر ملائکہ کا پہرہ ہوگا جیسے آج کھیتی کو صاف کرکے بھوسہ وغیرہ علیحدہ اور اناج علیحدہ کیا جاتا ہے ۔ ایسے ہی آخرت میں برائی اور نیکی کے لئے علیحدہ کرنے پر فرشتے مامور ہوں گے ۔ پھر جس کے اعمال نیک صرف آخرت کیلئے ہوں گے انہیں برکت ہی برکت ہوگی۔ اور جس کے اعمال صرف دنیا کے لئے ہوں گے اسے گھاٹے کا سودا اور نہایت ہی سخت رسوائی ہوگی۔ دنیا کی خاطر اعمال صالحہ کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی فصل ربیع میں اپنی زمین میں کانٹے اور حنظل یا دیگر ردی اور گندی و بیکار شے کا بیج ڈالے پھر وہ اگرچہ پیدا ہو کر ان کی سبزی خنکی سے خوب خوش منظر اور سبز باغ نظر آنے گا جس سے کسان بہت خوش اور ہشاش بشاش نظر آئے گا لیکن کاٹنے اور اناج صاف کرنے

کے وقت خون کے آنسو بہائے گا اور آخرت کے لئے بیج بونے والے کی کیفیت اس باغبان کی ہے جو اپنی زمین میں انگور کھجور وغیرہ کا باغ لگائے پھر جب انگور کھجور وغیرہ کے تنے پیدا ہوں گے تو بظاہر تو ان کا منظر اچھا نہ ہوگا لیکن جب ان کے پھل اٹھانے کا وقت آئے گا تو بیشمار فوائد و محاصل حاصل کرے گا جس پر دیکھنے والے رشک کریں گے کہ کاش ہم بھی اپنی کھیتی میں یہی باغ لگاتے فائدہ، چونکہ دنیا کے نقش و نگار رنگین اور دل کو بھانے والے ہیں لیکن ان کا انجام بُرا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا سے دل لگانے سے روکا ہے بلکہ فرمایا کہ لا تمدن عینیك الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیاة الدنیا لنفتنهم فیه ورزق ربك خیر وابقی [1]۔ خلاصہ یہ کہ گندگی آخر گندگی ہے اگرچہ اسے سونے کے برتن میں نہایت بہترین طریقے سے سجا کر رکھا جائے۔ عقلمند اسے استعمال تو بجائے خود اسے ہاتھ لگانا تو دور اسے دیکھنا بھی گوارہ نہ کرے گا یہی حال دنیا کا ہے اسی لئے اللہ والے اس سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ والوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے (آمین) (اویسی غفرلہ)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے من کان یرید حرث الآخرۃ جو شخص آخرت کی کھیتی کے لئے جدوجہد کرتا ہے نزدلہ۔ آج دنیا میں ہم اسے اپنی ہدایت سے اور مزید توفیق طاعت سے اپنی عنایت سے معارف و احوال میں اضافہ فرمائیں گے اور آخرت میں اسے اپنے قرب و رفعت منزلۃ و علو درجات و شفاعت [illegible] اور رشتہ داروں میں عام اجازت بخشیں گے۔ ومن کان یرید حرث الدنیا اور جو صرف دنیا کے مال و اسباب کی تحصیل پر اکتفا کرتا ہے۔ نؤتہ منها، ہم اسے آفات دنیا مثلاً قلب کا اندھا، گونگا بہرہ کرنا اور بیوقوفی اور حجابات پیدا کریں گے جن سے اخلاق ذمیمہ و اوصاف رویہ شیطانیہ اور صفات بہیمیہ سبعیہ حیوانیہ کا خوگر ہو جائے گا۔ وماله فی الآخرۃ من نصیب اور اس کے لئے آخرت یعنی اوصاف روحانیہ و اخلاق ربانیہ میں سے کوئی حصہ نہ ہوگا اور عرائس البیان میں ہے کہ حرث الآخرۃ سے مشاہدہ و وصال و قرب الٰہی مراد ہے اور یہ عارفین کے لئے ہوتا ہے اور ان کے لئے حرث دنیا سے کرامات ظاہرہ مراد ہے لیکن عارفین نہیں چاہتے اس لئے کہ کرامات ظاہرہ مشاہدۂ حق سے پردہ بن جاتی ہیں اور ان کے لئے دنیا کی کھیتی یہ ہے کہ وہ معرفت و محبۃ و خدمتِ حق کے لئے جدوجہد کریں اور یہی چاہتے ہیں ورنہ دنیا ان کی نظروں میں ذرہ بھر بھی وقعت نہیں رکھتی۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی میں نیک عمل کرتا ہے اسے جزائے آخرت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کی نظروں میں ہر شے ہیچ ہو جاتی ہے نہ اسے دنیا کی کھیتی سے کام اور نہ آخرت سے کوئی واسطہ وہ دنیا و آخرت سے صرف اللہ تعالیٰ کو چاہتا ہے۔

فائدہ، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی کھیتی قناعت اور آخرت کی کھیتی رضائے الٰہی ہے اور

---

[1] اپنی دونوں آنکھیں اس طرف نہ لگائیے جسے ہم نے جوڑوں سے بہرہ ور کیا یہ تو دنیا کی زینت ہے اس لئے ہے تاکہ انہیں ہم اس میں آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور دائمی ہے۔

فرمایا آخرت کی کھیتی دنیا میں قناعت اور آخرت میں مغفرت اور ہر حال وجملہ اعمال میں رضائے الٰہی کی طلب دنیا کی کھیتی یہ ہے کہ ہر ضرورت کے درپے ہو اور اس پر اسے فخر و ناز ہو جسے اس قسم کی دنیا حاصل ہو اسے آخرت میں کچھ نہ ملے گا حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ سے

ہمچوں طفلان منگر اندر سرخ و زرد ⁂ چوں زنان مغرور رنگ و بو مگرد [عہ]

سبق

دنیا ایک بڑھیا عورت کی مانند ہے جو اس کے نقش و نگار پر فریفتہ اور اسپر نازاں ہے وہ عورت کی طرح ہے۔ عاقل پہ لازم ہے کہ وہ آخرت کے جاہ و مراتب و کمال اعمال صالحہ باقیہ کے ذریعہ حاصل کرے اس لئے کہ دنیا و مافیہا سارے کا سارا فانی اور مٹنے والا ہے۔ لبید نے فرمایا

الا کل شئے ما خلا اللہ باطل ⁂ و کل نعیم لا محالۃ زائل

ترجمہ: خبردار اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شئے باطل ہے اور لامحالہ ہر نعمت مٹنے والی ہے۔

فائدہ: اس شعر میں کل نعیم سے دنیا کی نعمتیں مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ

ام لہم شرکٰؤا ام منقطعہ ہے اس کے بعد بل اور ہمزہ مقدر ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ شرع لکم من الدین سے اعراض اور ہمزہ تحقیق و تقریر کے لئے ہے شرکاء سے شیاطین انس وجن مراد ہیں اور ضمیر قریش مشرکین کی طرف راجع ہے اور اضافہ حقیقیہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ بلکہ ان کے شیاطین انس وجن سے شرکاء ہیں یعنی ان کے ہم جنس ہیں جو ان کے کفر و عصیان میں شریک اور تیز ہیں ان کی معاونت کرتے ہیں۔ شرعوا لہم ان کے لئے مقرر کئے ہیں یعنی ان کے دلوں میں سنوار کے دکھایا ہے من الدین دین فاسد عالم یاذن بہ اللہ جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی مثلاً شرک اور آخرت کا انکار اور صرف دنیا کے لئے عمل لیے ہی جملہ مخالفات شرع و موافقات نفس کی خواہشات" اس لئے کہ وہ ان کے سوا اور کسی کو جانتے ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ ان امور فاسدہ کی کیسے اجازت دیتا ہے وہ ایسے امور فاسدہ سے بلند و بالا اور منزہ ومقدس اور پاک ہے۔ ان کے غلط امور کو دین سے تعبیر کرنا بوجہ مشاکلت کے ہے اس لئے کہ پہلے مضمون میں دین حق کا ذکر ہے پھر اس کی مناسبت سے ان کے غلط امور کو بھی دین کہا تہکماً فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے امور فاسدہ کی اجازت نہیں بخشی تھی اور دین کی ان کی طرف اضافہ اسی لئے ہے کہ اسے انہوں نے گھڑ لیا تھا اور انہوں نے شرکاء اپنی طرف سے ٹھہرائے تھے پھر شرع کی ان کی طرف اضافت سببیہ ہے کہ وہی شرکاء ان کی گمراہی اور آزمائش کا سبب بنے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا انہن اضللن کثیرا من الناس

کلمۃ الفصل اور اگر کلمۂ فصل یعنی سابق قضاء نہ ہوتی جس میں لکھا گیا کہ انہیں عذاب میں مہلت ملے گی یا وہ وقت مراد ہے جو قیامت میں فیصلہ ہو گا اور حق و باطل واضح ہو جائے گا (کذا فی القاموس) اور لے

عہ ترجمہ: بچوں کی طرح سرخ و زرد کو نہ دیکھ عورتوں کی طرح دھوکہ کھا کر رنگ و بو کے ارد گرد نہ پھر۔

یوم الفصل بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس وقت حق اور باطل کھل کر آ جائے گا اور عدل و انصاف سے لوگوں کا فیصلہ ہوگا (المفردات)

لقضی بینھم تو کافروں و مومنوں کا فیصلہ ہو جاتا یا مشرکین اور ان کے شرکاء کا فیصلہ مراد ہے کہ اس وقت ہر ایک جزا و سزا پائے گا۔ اور یہ وعدہ قیامت کے دن پورا ہوگا۔ وان الظالمین لھم عذاب الیم اور بیشک آخرت میں ظالمین کے لئے دردناک عذاب ہوگا یعنی ایسا عذاب جو درد سے بھرپور اور دائمی اور غیر منقطع ہوگا۔

فائدہ: اسم ضمیر لانا چاہیئے تھی لیکن ظالمین اسم ظاہر لاکر بتایا گیا ہے کہ ان کے دردناک عذاب کا سبب ان کا اپنا ظلم ہے۔ اور اسے اسم سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایسا درد ہے جس کی کنہہ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور یہ صرف ان کے ظلم کی وجہ سے ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں چند اشارات ہیں (۱) کفار کے نفوس پر جب خواہشات نفسانی نے غلبہ کیا تو ارواح و قلوب کے لئے ایسے امور منتخب کئے جن سے اللہ تعالیٰ ہرگز راضی نہ تھا۔ مثلاً مخالفات شرع و موافقات طبع (نفسانی) جیسے مسلمان قیدیوں کے لئے کافروں نے ان کی طبع کے خلاف، ان کی غذائیں مقرر کیں مثلاً خنزیر کا گوشت اور شراب و عقد زنار وغیرہ وغیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان ہر وقت متوجہ الی اللہ رہے تاکہ اس سے نفس کا شر دفع ہو اور روح پر وان چڑھے

حکایت صحابی مروی ہے کہ حضرت سالم بن عوف رضی اللہ عنہ کو جب کافروں نے قید کیا تو ان کے والد نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (؟) اس کی برکت یہ ہوئی کہ اس کا لڑکا یعنی حضرت سالم رضی اللہ عنہ قید سے رہا ہو کر ایک سو اونٹ بھی ساتھ لائے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد ؛ کہ کس ہمیشہ بگیتی درم نخواہد ماند[۱]

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قبل بلوغ تکالیف و مجاہدات شرعیہ کا مکلف نہیں بناتا اس کے ضعف بشریہ پر رحم فرمایا کیونکہ بشریت شریعت کے امور کے اٹھانے سے کتراتی ہے اور اسے مؤخر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ قالب بشری اچھی طرح مضبوط ہو کر امور شرعیہ پر عمل کرے تاکہ طبع (خواہشات نفسانیہ) کا مکمل طور قلع قمع ہو سکے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

ترا چہ آید روشن است از دست ایں یک قطعہ خاک[۲]
چرخ نتوانست کردن زہ کمان عشق را

---

[۱] سروش عالم غیب سے مجھے فرشتے نے خوشخبری دی کہ کوئی بھی اس دنیا میں ہمیشہ نہ رہیگا
[۲] ترجمہ: تجھے اس مٹی کے ٹکڑے سے کہاں سے روشنی ملے۔ آسمان بھی کمان عشق کی زہ نہیں رکھتا۔

(۴) متابعت خواہشات سے نفس پر ظلم کرنا ہے اور اسے اسی وجہ سے دردناک عذاب ہوگا اس کی مثال ایسے ہے جیسے بچے کو دودھ چھڑانے سے تکلیف ہوتی ہے ایسے ہی نفس کو شرعی امور کی پابندی سے تکلیف ہوتی ہے لیکن جب بچے کا دودھ چھوٹ جائے تو پھر منہ نہیں لگاتا ایسے ہی جب نفس پہ کنٹرول کرلیا جائے تو شرعی امور کی ادائیگی اس کے لئے آسان اگرچہ نہیں ہوتی بلکہ اسے ویسے ہی عذاب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن قلب و روح کے لئے رحمت ہی رحمت ہو جاتی ہے۔

(مسئلہ:) اسی لئے اہل شرع نے فرمایا کہ جو کوئی کہے کہ یہ امور شرعیہ تو ہمارے لئے عذاب ہیں وہ اس کلمہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اس کی تاویل بھی غیر مسموع ہے ہاں اگر یہ کہے کہ اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ امور شرعیہ کی ادائیگی میں نفس کو تھکان سے محسوس ہوتی ہے تو کافر نہ ہوگا۔

(مسئلہ) اگر کوئی کہے کہ کاش امور تکلیفیہ ہم پر فرض نہ ہوتے تو اچھا ہوتا تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر مقرر کردہ امر میں خیر ہی خیر ہے۔ ہاں اگر یوں تاویل کرے کہ اس سے میری مراد یہ تھی کہ اگر فرض نہ ہوتا تو آسانی اور سہولت تھی۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے ؎

وراعہا وھی فی الاعمال سائمۃ

ھادھی استحلت المرعی فلا تسم

ترجمہ: جس حالت میں نفس سرکش اعمال کی چراگاہ میں چر رہا ہو اس کی پوری پوری حفاظت کیجئے اگر وہ چراگاہ کو خوشگوار تصور کرنے لگے تو اسے مت چرنے دیجئے۔

شرح از صاحب روح البیان

نفس کو اعمال صالحہ میں مشغول کرتے وقت مفسد و منقص امور جیسے ریاء عجب و غفلت اور گمراہی سے بچانا پھر اگر وہ بعض طاعات سے لذت محسوس کرے اور ان سے وہ مانوس ہونے لگے تو تم پھر وہ طاعات چھوڑ کر اسے ایسی عبادات و طاعات میں لگا دیجئے جو ان سے مزید شدید ہوں اس لئے کہ نفس کشی کا معنیٰ یہ ہے کہ اس سے اس کی عادات چھڑا کر اسے مزید مشقت میں ڈالا جائے ہاں عارفین سے ہی مطلقاً تکلیف مرتفع ہو جاتی ہے (اور ہم عوام کا یہ مرتبہ نہیں)

شرح از اویسی غفرلہ

(حل لغات) رعا از مراعات اس کا مادہ رعی بمعنی چرنا ھا وھی نفس کی طرف راجع ہیں۔ سائمہ چرنے والی از سوم چرنا شرطیہ ہے استحلت صیغہ ماضی مؤنث سائمہ از استحلاء دراصل استحلیت تھا باقاعدہ صرف استحلت استحلاء بمعنی شیریں اور خوشگوار سمجھنا۔ مرعی چراگاہ لاتسم نہی حاضر از اسامۃ چرانا۔

تشریح: اگر نفس کسی نیک عمل میں دلچسپی لے تو سمجھ لو اس میں اس کی کوئی اندرونی سازش ہے کیونکہ

دشمن کبھی خیرخواہی نہیں کرتا اسی لئے اس کی چالاکی سے ہوشیار ہونا چاہیئے غفلت کی گئی تو سخت نقصان ہوگا نفس کی اس سازش پر غور و خوض کے بعد نتیجہ نکالیئے کہ اگر اس کی یہ دلچسپی خالصاً لوجہ اللہ ہے تو بہتر ورنہ لیکن پھر بھی اس کے بڑے ارادوں پر کڑی نگرانی کرنا لازم ہے اور اگر اس کی کسی نیک عمل کی دلچسپی مبنی بر ریاء و سمعہ ہے تو فوراً اسے اس نیک عمل سے روک کر کسی دیگر ایسے نیک عمل یا اوراد و وظائف میں لگا دیجئے جس میں ریاء و سمعت کو دخل نہ ہو ؎

کم حسنت لذۃ للمرء قاتلۃ ۔ من حیث لم یدران السم فی الدسم

ترجمہ: نفس کئی خواہشات کو اسطرح بنا سنوار کر آدمی کے سامنے پیش کرتا ہے جو اس کے لئے مہلک ہوتی ہے اور وہ نہیں جانتا کہ بعض دفعہ چرب لذیذ کھانے میں زہر ملا ہوتا ہے۔

شرح از صاحب روح البیان

یعنی بارہا کا تجربہ ہے کہ بہت سی چرب و لذیذ اشیاء انسان کو نفس بنا سنوار کر کے دکھاتا ہے حالانکہ وہ اس کے لئے زہر قاتل ہوتی ہیں حالانکہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس چرب و لذیذ شے میں زہر ملی ہوتی ہے بالخصوص محبت و عشق میں گھرا ہوا انسان لذیذ و چرب اشیاء پہ مرتا ہے اسی لئے جب کھاتا ہے تو مر جاتا ہے ایسے ہی نفس کے مطابق جو بھی عمل کرتا ہے تو سلوک کی راہوں سے دور ہٹ جاتا ہے ہاں جسے اللہ تعالیٰ نفس کی اصلاح و تزکیہ کی توفیق عطا فرماتے وہ کامیاب ہے۔ اور اس کے فریب کھانے کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان میں اتنی استعداد نہیں کہ وہ کھانے سے زہر کی تمیز کر سکے جب وہ کھانے میں ملا کر اسے دی جائے اس لئے کہ بسبب لذت کے وہ زہر کو محسوس ہی نہیں کرے گا۔ اس طرح نفس غدار انسان کو گناہ کی لذت سے اپنے دام فریب میں پھانس لیتا ہے۔ (نکتہ) دسم سم میں موجود ہے حرف دال کے نقطے سے فرق اٹھے گا اور دال دنیا کی طرف دال ہے کہ جو دنیا کو ترک کر دے گا اس کے سامنے تمام حجابات اٹھ جائیں گے یہی وجہ تھی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں زہر ملایا گیا تو آپ کو فوراً اس کا علم ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وتری الظالمین اور ظالمین یعنی مشرکین کو قیامت میں دیکھو گے یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے یا اسے جو اس خطاب کا اہل ہے۔ مشفقین " خوفزدہ ہوں گے " مما کسبوا " ان کا خوف اور خطرہ ان کے ان بُرے اعمال سے ہو گا جو انہوں نے دنیا میں کئے۔ من تعلیلیہ ہے مشفقین کا صلہ نہیں۔ اس معنیٰ پر مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں اور یہ معنیٰ بھی صحیح ہے اس لئے کہ یہی معنیٰ زیادہ بلیغ اور وعید کے لئے زیادہ مؤثر ہے۔ وھو واقع بھم حالانکہ اس کا وبال اور سزا ان پر ضرور واقع ہو گی خوفزدہ ہوں یہ جملہ مشفقین کی ضمیر سے حال ہے یا جملہ معترضہ ہے " حضرت سعدی مفتی نے کہا کہ قیامت میں حال منعکس ہو گا اس لئے کہ جو دنیا میں چین اڑا رہے ہیں انہیں سخت گھبراہٹ ہو اور جو بظاہر پریشان حال ہیں وہ

آخرت میں مطمئن ہوں گے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ : لا تخافوا ہست نزل خائفاں
ہست درخور از برائے خائف آں

۲ : ہر کہ ترسد مرورا ایمن کنند
مر دل ترسندہ را ساکن کنند

۳ : آنکہ خوفش نیست گوئی چہ ترس
درس چہ دہی نیست او چوں محتاج درس

ترجمہ: ۱ : لا تخافوا (نہ ڈرو) خوف والوں کی مہمانی ہے اور یہ مہمانی خوف والے کے لائق ہے
۲ : جو (اللہ سے) ڈرتا ہے اسے وہ بے خوف کر دیتا ہے۔ ڈرنے والے دل کو تسکین بخشتا ہے۔
۳ : جسے خوف نہیں اسے کہو نہ پوچھ۔ اسے کیا سبق سکھاتے ہو وہ سبق کا محتاج نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ اہل ہوئی و شہوات پر عذاب واقع ہوگا دنیا میں تزکیۂ نفس کیلئے کثرت ریاضات و انواع مجاہدات سے یعنی نفس کو رذائل سے پاک کرکے بہترین صفات سے سنوارنا اور آخرت میں انہیں عذاب ہوگا اگر انہوں نے شرع کی خلاف ورزی کی ہوگی تو دوزخ میں جائیں گے اسی سے انسان سوچے کہ دنیا کا عذاب آسان ہے یا آخرت کا اسی لئے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ وقت گزرنے سے پہلے یعنی قبل از موت اعمال صالحہ میں جد و جہد کرے۔

تفسیر عالمانہ والذین آمنوا وعملوا الصالحات اور وہ لوگ جنہوں نے تکالیف شرعیہ پر عمل کیا یعنی خواہشات نفسانی و ارادات شہوانی کے قلع قمع کرکے اور نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ اور روح کا تحلیہ کیا، " فی روضات الجنات " بہشت کے بہترین اور خوشگوار مقامات میں ہوں گے۔ ہم نے خوشگوار اس لئے کہا کہ انسان کے لئے وہی جگہ بہتر ہوتی ہے جہاں اس کا جی لگے ورنہ بہت سے فی نفسہٖ بہتر داعلیٰ مقامات ہوتے ہیں لیکن بعض انسانوں کا وہاں جی گھبراتا ہے۔

(حل لغات) حواشی الکشاف میں ہے کہ الروضہ ہر وہ جگہ جہاں پانی اور گھاس ہو اور کشف الاسرار میں ہے کہ ہر وہ فراخ جگہ جہاں خوشبو اور خوشنما پھول ہوں۔

بینائی تیز ہوگی حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزوں سے بینائی تیز ہوتی ہے

(۱) سبزے دیکھنا
(۲) جاری پانی کو دیکھنا
(۳) حسین چہرہ دیکھنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک اور کا اضافہ فرمایا وہ یہ کہ سوتے وقت سیاہ سرمہ آنکھوں میں لگانا۔

فائدہ امام راغب نے فرمایا کہ روضات الجنات میں ان چیزوں کی طرف اشارہ ہے جو بہشتیوں کے لیے ظاہری نعمتیں تیار کی گئیں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ نیک اعمال کی جزا علوم و معارف اور ایسے اخلاق و عادات ہیں جن سے قلب کو راحت اور سکون نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ لهم ما يشاؤن عند ربهم وہ جس طرح کی لذیذ چیزیں اللہ تعالیٰ سے چاہیں گے اس کے ہاں سے انہیں حاصل ہوں گی۔ عند ربهم ظرف مستقر ہے جو لهم کا عامل ہے بعض نے کہا کہ یہ يشاؤن کا ظرف ہے تاکہ ثابت ہو کہ انہیں جو کچھ ملے گا وہ اللہ تعالیٰ سے ہوگا۔ یہ آیت احتباک سے ہے کہ اشتقاق کا اثبات کر کے اس کو مقدر بتایا جنات کے ذکر سے پہلے نار کو مقدر بتایا۔ ذالک وہ۔ جو اہل ایمان کا اجر مذکور ہوا۔ هو الفضل الكبير وہی بہت بڑا فضل ہے اس کے بالمقابل باقی تمام فضل ہیچ ہیں اگرچہ وہ بھی فضل الٰہی تھا کہ دنیا داروں کو دنیا دی لیکن وہ اخروی نعمتوں کے بالمقابل کچھ نہیں یا دنیا کی تحقیر کا اظہار ہے کہ اس کا ہر ہر ذرہ حقیر ہے لیکن یہ صرف امت کے لیے ہے ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر شے فضل عظیم ہے کما قال وكان فضل الله عليك عظيما، ذلك وہ فضل کبیر یہ مبتدا، اور الذی الخ اس کی خبر ہے "الذی" ثواب ہے جو کہ يبشر الله عباده الذين آمنوا وعملوا الصالحات اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے خوشخبری سناتا ہے یہاں جار محذوف ہے اور عملوا کی ضمیر الذین کی طرف لوٹتی ہے اس لئے کہ جار مجرور کو جو مفعول آتے ہیں بے جا حذف کرتے ہیں بخلاف السمن منوان بدرہم کے یہاں منہ محذوف ہے کہ یہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔[1]

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ خبر کی تقدیم صرف اہل ایمان کے سرور و فرحت میں اضافہ کی وجہ سے ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان کے اعمال صالحہ ضائع نہیں ہونے اہل ایمان پر بھی لازم ہے کہ لزوم عبودیت پر زیادہ سے زیادہ جد و جہد اور اعمال صالحہ میں بہت زیادہ کوشاں ہوں۔

کار نیکو کن اگر داد مزد نیکو میطلبی —— کز چرا ہر کہ نکو تر نیکو کار دہند
کار اگر نیست ترا در طمع اجر مباش —— مزد مزدور باندازۂ کردار دہند

---

[1] اس کی وجہ فقیر اویسی غفرلہ کی نعم الحامی، شرح شرح جامی میں مطالعہ کیجئے ۱۲

ترجمہ : اچھا کام کر اگر تم نیک مزدوری کے طالب ہو کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جو اچھی کھیتی کرتا ہے وہ اچھا پھل اٹھاتا ہے اگر تو کام نہیں کرتا تو پھر اجر کا طمع نہ کر کیوں کہ مزدور کو مزدوری کے مطابق اجر دیا جاتا ہے ۔

(نکتہ) روضات کی اور پھر مشیت کی تعمیم اس لئے ہے کہ دنیا کے اکثر بلاد انہار جاریہ سے اور باغات سے خالی ہوتے ہیں اس لئے کہ کل متشبہات کو نہیں پاتے اسی لئے انہیں ان کا شوق رہتا ہے اور اس کے لئے تدارک اور تیاری کرتے ہیں لیکن آخرت کا دنیا پر قیاس نہ کیا جائے اس لئے کہ دنیا آزمائش و ابتلا کا مرکز ہے اور آفات و بلیات کی جگہ اور آخرت میں نعتیں و ضیافتیں ہوں گی وہاں ہر شے ملے گی جو ان کا جی چاہے گا ۔

فائدہ ، جو اپنے آقا سے محبت کرتا ہے وہ اس کی رضا طلبی میں جد وجہد کرتا ہے ۔

حکایت : حضرت بلخی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک راہگیر کو دیکھا کہ وہ پاؤں نہیں رکھتا تھا ۔ ہاتھوں کے سہارے چل رہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے کہا سمرقند جا رہا ہوں میں نے کہا کتنے عرصہ میں وہاں پہنچو گے کہا دس سال سے زائد لگ جائیں گے میں نے اسے متعجب ہو کر دیکھا اس نے کہا کیوں جناب تعجب کیسی ۔ میں نے کہا تیری اس محنت و مشقت اور دور کے سفر پہ مجھے تعجب ہے مجھے کہا حضرت شوق کی دنیا نرالی ہے مجھے اسی شوق سے لمبا سفر قریب تر محسوس ہوتا ہے باقی رہی میری تکلیف اور مشقت وہ میرے مولا کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو پل بھر میں دور کر دے وہ اپنے بندوں پر بہت بڑا مہربان ہے ۔

سبق جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بشارت دیتا ہے اس کے لئے اپنے وجود کو اس کی راہ میں خرچ آسان نظر آتا ہے

قل لا اسئلکم علیہ ۔ (شان نزول) مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے ایک اجتماع میں کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ کا معاوضہ مانگتے ہیں ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی یعنی آپس میں مشورہ کیا کہ حضور علیہ السلام سے پوچھا جائے کہ کیا وہ اپنی تبلیغ کی مزدوری چاہتے ہیں یا کیوں کہ ان کے جواب میں یہی آیت نازل ہوئی یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین وغیر ہم کو فرمائیے کہ میں جو کچھ تمہیں احکام الٰہیہ بتاتا ہوں اس پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا جیسے میرے سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے معاوضہ نہیں لیا ۔ اجرا ، بمعنی نفع سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ ہم نے اجر کا معنی نفع اسی لئے کیا ہے تاکہ مودۃ فی القربیٰ کا استثناء متصل صحیح ہو سکے اس لئے کہ وہ بھی از افراد اجر ہے جیسے مندرجہ ذیل شعر میں ہے

وبلدۃ لیس بہا انیس ۔ الا الیعافیر والا العیس

ترجمہ : اس شہر میں کوئی ساتھی نہیں کہ جس سے انس کیا جا سکے سوائے یعافیر و عیس کے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں تم سے بشارت دینے پر معاوضہ نہیں مانگتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی لیتا ہے جو کوئی لیتا ہے کیوں کہ جب وہ اپنے بندے کو ایمان سے نوازتا ہے تو

ایمان پر ثواب بھی عطا فرماتا ہے اور وہ اپنا فضل و کرم اگر کسی پر فرماتا ہے تو اس سے پہلے کوئی سبب بھی ہوتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمن سے تبلیغ کا اجر نہیں مانگتے بلکہ اُن مومن کی شفاعت کر کے اسے بہشت میں لے جائیں گے ۔

تفسیر عالمانہ

(۶) المودۃ فی القربیٰ مودۃ سے مَوَدۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے اور القربیٰ زلفیٰ کی طرح مصدر ہے بمعنی القرابۃ یعنی قریبی رشتہ داری اور فی سببیہ بمعنی اللام ہے جو المودۃ کے متعلق ہے اور یہاں مَوَدۃ سے ان کی اذیت کا ترک مراد ہے یعنی ان کے ساتھ وہی رویہ رعایت کرنا جیسے ان کے لائق ہے حضور علیہ السلام کا مودۃ کو اجر اور اس سے استثناء اس لئے فرمایا کہ اسے اجر سے مشابہت ہے ۔ مندرجہ ذیل کے قبیل سے ہے ۔

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم ۔۔ بہن فلول من قراع الکتائب

ترجمہ : انہیں اور کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں لشکروں کے مقابلہ کے وقت کند ہو جاتی ہیں

معاوضہ نہ مانگنے کی وجوہ

(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں کہ وہ تبلیغ رسالت پر معاوضہ مانگیں اور نہ ہی سابقہ انبیاء علیہم السلام کا یہ طریقہ تھا اور آپ ان سے درجات میں بلند ہیں تو ان کے لئے اولیٰ ہے کہ وہ معاوضہ نہ مانگیں

(۲) ممانعت کی تصریح بھی ہے کما قال قل لا اسئلکم علیہ اجرا ۔

(۳) تبلیغ آپ پر واجب تھی کما قال اللہ تعالیٰ بلغ ما انزل الیک اور ادائیگی واجب پر معاوضہ مانگنا ناموزوں ہے ۔

(۴) دنیا اخس الاشیاء ہے پھر اسے اعلیٰ شے یعنی تبلیغ احکام الٰہی کا معاوضہ کیسا جب کہ تبلیغ احکام الٰہی اعز الاشیاء ہے کیونکہ علم قیمتی جوہر اور دنیا ٹھیکریوں سے بھی کمتر ہے اس پر علماء حضرات توجہ فرمائیں کہ علم کو کوڑیوں کے عوض ضائع کر رہے ہیں کاش علماء فی سبیل اللہ تندہی سے مطمئن ہو کر تبلیغ اسلام کے لئے کام کرتے تو زمانے نے یہ زمانہ نہ دکھایا ہوتا ۔ اویسی غفرلہ)

۵ ۔ طلب معاوضہ اتہام طمع و لالچ کا موجب ہے اور نبوت قطعی طور پر تہمت سے پاک اور مقدس ہے ۔

اب معنی یہ ہوا کہ میں قطعی طور تبلیغ کا معاوضہ نہیں مانگتا لیکن اے قریش کہ تم میری قرابت کے پیش نظر میرے ساتھ مودت و محبت کرو اور مجھے ایذائیں مت دو اور نہ ہی میرے ساتھ دشمنی کرو ۔ جب میرا تمہارا رشتہ نہایت قریب تر ہے تو پھر میرے ساتھ دشمنی اور مخالفت کیوں ۔ کیونکہ صلہ رحمی شرعاً و عادۃً و مروۃً لازمی ہے خواہ میں تمہیں تبلیغ کروں یا نہ اور تعجب تو یہ ہے کہ ادھر تم قرابۃ پر نازاں و فخر کناں ہو اور کہتے ہو جو ہمارے رشتہ داروں پر حملہ کرے گا ہم اسے جان سے مار دیں گے لیکن میرے ساتھ معاملہ ۔۔۔ تم مجھ حد سے زیادہ ستاتے ہو ۔ آخر اس کی بھی کوئی وجہ

ہونی چاہیے۔

اہلِ قرابت کی محبت و مودّت

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے حضور علیہ السلام اہلِ قرابت کی مودت مراد ہو اس تقدیر پر یہاں مضاف محذوف ہوگا یعنی میں تم سے صرف اپنے قرابت والوں کی مودت چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم ان کو اذیت نہ دو اس معنی پر کلمہ فی ظرفیہ ہوگا اور ظرف مودۃ سے حال ہے اب معنی یہ ہوگا کہ میری قرابت والوں سے پیار کرو جیسا کہ ان کا حق ہے۔

ردِ شیعہ و خارجی

نزولِ آیت کے بعد حضورِ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کے قرابت دار کون ہیں تاکہ ہم ان سے مودت و محبت کریں آپ نے فرمایا کہ میرے قریب تر علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

حکایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ لوگ میرے ساتھ حسد کرتے ہیں آپ نے فرمایا کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ آپ میری خلافت کے چوتھے نمبر پر ہوں میں اور آپ اور حسن و حسین اور ہماری ازواج ہماری دائیں بائیں اور ہماری اولاد ہماری ازواج کے پیچھے سب سے پہلے بہشت میں جائیں گے۔

فائدہ حضرت سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ یہ آیت مکیہ ہے اور یہ استثناء بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کے مطابق نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آیت کے نزول کے وقت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اولاد بھی نہیں ہوئی تھی ؎

اہلِ بیت کے فضائل

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس شخص پر بہشت حرام ہے جو میرے اہلِ بیت پر ظلم کرتا ہے اور عترت کے بارے میں جو مجھے ایذاء دیتا ہے اور جس کیساتھ عبدالمطلب کی اولاد نے زیادتی کی اور وہ اس کی جزا نہ دے سکا تو قیامت میں جب وہ مجھے ملے گا تو میں اسے جزا دوں گا

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مرتا ہے تو وہ شہید ہوگا خبردار جو حبِ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں مرتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں خبردار جو آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مرتا ہے وہ تائب ہو کر مرے گا خبردار جو آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں مرتا ہے وہ مومن اور کامل ایمان ہو کر مرے گا خبردار جو حبِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مرتا ہے اسے ملک الموت علیہ السلام پھر منکر نکیر بہشت کی خوشخبری سنائیں گے خبردار جو حبِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مرتا ہے اسے قبر میں دلہن پیش کی جائے گی جیسے دولہا گھر میں دولہن

؎ اولاد تو کیا ابھی آپ کی شادی ہی نہ ہوئی تھی

سے خوش ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ قیامت تک خوش رہے گا۔ خبردار جو آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مرے گا تو قبر میں اس کے لئے بہشت کی طرف دو دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ خبردار جو آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم) کی محبت میں مرتا ہے تو اس قبر کو اللہ تعالیٰ ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بناتا ہے خبردار جو آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے تو قیامت میں اسے اللہ تعالیٰ اہل سنت وجماعت میں اٹھائے گا۔ خبردار جو آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بغض میں مرتا ہے تو جب وہ قیامت میں آئے گا تو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں لکھا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید (محروم) ہے خبردار جو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض میں مرتا ہے وہ بہشت کی خوشبو ہرگز نہیں سونگھے گا۔

آل محمد کون

آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ ہیں جن کا معاملہ حضور علیہ السلام کے سپرد ہو پھر جو معاملہ رشتہ داری میں قریب تر ہوگا وہی آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شرف سے اعلیٰ واکمل ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اس عہدہ میں حضور علیہ السلام کے قریب تر۔ علی و فاطمہ و حسن وحسین ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعلق نقل متواتر سے ثابت ہے۔

شیعہ کارد

شیعہ صرف انہیں حضرات کو آل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ آل میں آلِ علی کے علاوہ آل عقیل (حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بھائی) آل جعفر آل عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں بلکہ جن حضرات کو زکواۃ نہیں دی جا سکتی وہ بھی آل میں شامل ہیں جیسے حضرت بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کذا فی الکواشی اور تفسیر ثعلبی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے قرابت دار یعنی آل بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب ہیں اس لئے کہ خمس ان پر تقسیم ہوتا ہے۔

تمام کلمہ گو امتی آل نبی ہیں

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جو لوگ حضور علیہ السلام کا کلمہ طیبہ صدق دل سے پڑھتے ہیں انہیں آل کہا جائے۔ چنانچہ ابن عطاء نے فرمایا کہ "قل لا اسئلکم علیہ" الخ یعنی فرماتے ہیں میں تم سے دعوت اسلام پر اور کچھ نہیں مانگتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم ان لوگوں سے محبت کرو جنہوں نے میری دعوتِ اسلام کو قبول کیا اور میری طاعت قبول کی تم پر ان کی محبت واجب[1] (فرض ہے) اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ محب محبوب کے محبوب سے محبت کرتا ہے اس لئے کہ ان دونوں میں ایک محبوب کا رشتہ ہے ایسے ہی مطیع النبی کی اطاعت بھی ضروری ہے اس لئے کہ انہیں ایک مطاع کی اطاعت و انقیاد کا رشتہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا واقعہ

سیدنا ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا کہ فلاں شخص حضرت ابو مدین سے بغض کرتا ہے میں نے اس شخص سے کراہت کا

---

[1] یہی عبارت ان تفضیلی شیعہ بلکہ سنی نما رافضیوں کا رد کرتی ہیں اہل بیت کی محبت کی آڑ میں خلفاء ثلٰثہ رضی اللہ عنہم و دیگر اکابر صحابہ کرام کی تنقیص کرتے ہیں (اویسی غفرلہٗ)

اظہار کیا ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا مجھے فرمایا اے ابن العربی تم فلاں شخص سے کیوں ناراض ہو میں نے عرض کی وہ ابومدین سے بغض رکھتا ہے آپ نے فرمایا کیا وہ شخص اللہ تعالیٰ اور محمد سے محبت نہیں کرتا میں نے کہا ضرور کرتا ہے آپ نے فرمایا تو صرف ابومدین کے ساتھ بغض سے راندہ درگاہ ہوگیا کیا تمہیں ایسے شخص سے غصہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور میرے ساتھ محبت کرتا ہے میں نے سر تسلیم خم کرکے عرض کی میں نے غلطی کی اور اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں اب انشاء اللہ تعالیٰ وہ میرا تمام لوگوں سے محبوب ترین ہوگا۔ صبح جاگا اور اس شخص سے خواب بیان کرکے اس سے معافی چاہی تو وہ بھی خواب سُن کر خوب رویا اور کہا کہ یہ مجھے تنبیہ ہے کہ میں ابومدین سے بغض نہ کروں۔ چنانچہ اس روز وہ دونوں آپس میں راضی ہوگئے اور ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔

تفسیر عالمانہ

ومن یقترف حسنۃ اور جو ایک نیکی کرتا ہے بالخصوص حب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں

حل لغات امام راغب نے لکھا کہ اقتراف کا مادہ القرف ہے بمعنی درخت اور جانور آتا رنا اور اس کے ماحصل کو بھی قرف کہتے ہیں۔ پھر استعارہ کرکے اکتساب کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے وہ اچھا ہو یا بُرا لیکن اس کا استعمال برائی میں زیادہ ہوتا ہے اسی لئے عربی مقولہ مشہور ہے کہ الاعتراف یزیل الاقتراف برائی کے ارتکاب کو توبہ کا اقرار مٹا دیتا ہے۔ « نزدلہ فیہا » ہم اس کی نیکی میں اضافہ کرتے ہیں « حسنا » دوگنا بلکہ کئی گنا اور اس کے مثل اور نیکی کرنے کی توفیق اور اس میں اخلاص اور جسے اللہ تعالیٰ بڑھائے وہاں بندے کی رسائی کہاں۔ ان اللہ غفور شکور بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے کہ بندے کے گناہ بخشتا ہے اور شکور ہے کہ مطیع کو مکمل ثواب عطا فرماتا ہے بلکہ اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے شکر کا یہی معنی کیا جاتا ہے اور اس کا معنی حقیقی یہ ہے کہ منعم کی تعظیم کی خبر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا منعم ہے کہ اس کے سوا اس جیسا اور کوئی منعم نہیں ہو سکتا اور اسے اثابتہ (ثواب دینے)۔ اور تفضل سے مشابہت بھی ہے کیوں کہ یہ دونوں فعل خیر اور اس کی تعظیم پر دلالت کرتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ قلیل نیکی پر بہت بڑا ثواب بخشتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قلیل بھی کثیر ہے۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے عرض کی۔ یا اللہ مجھے اس امۃ مرحومہ کی خبر دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایسی امت ہے جس میں علماء و حکماء ہیں وہ اپنے علم و حکمت میں گویا انبیاء ہیں وہ تھوڑے پہ اکتفاء کرتے ہیں۔ اور جو کچھ انہیں ملتا ہے اس پہ وہ راضی ہوتے ہیں اور ان کا معمولی سا عمل بھی لا الٰہ الا اللہ کی برکت سے انہیں بہشت میں لے جائے گا۔

امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ بندے کا شاکر ہونا اپنے جیسے انسان کے لئے یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسا

احسان اور فضل و کرم کرے کہ وہ بندہ اس کی تعریف سے رطب اللسان ہو۔ اگر کوئی اس کے ساتھ احسان کرے تو اس کے شکریہ میں اس کے ساتھ دوہرا احسان کرے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کا شکریہ نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کو شاکر کہنا مجازاً ہے اس لئے کہ اس کی بندہ جتنا حمد کرے تھوڑی ہے کیوں کہ اس کی ثناء کی کوئی حد نہیں اگر اس کے احسان کی ادائیگی میں اطاعت کرے تو بھی اس کا دیگر احسان ہے کہ اس نے اسے اپنی اطاعت کی توفیق بخشی بلکہ بندے کا احسان کے بدلے میں شکر کرنا نعمت دیگر ہے کیوں کہ اگر وہ شکر کی توفیق نہ بخشتا تو وہ کس طرح شکر کرتا ؎

عطائیست ہر موئے از بر تنم ——— چہ گونہ بہر موئے شکرے کنم
ترا آنکہ چشم و دہان داد و گوش ——— اگر عاقلے در خلافش مکوش

ترجمہ: میرے جسم پر ہر بال اس کی بڑی عطا ہے تو پھر ہر بال کا شکر مجھ سے کس طرح ہو سکتا ہے۔
تجھے اس نے آنکھ منہ اور کان دیئے۔ اگر عقلمند ہے تو تو اس کے خلاف کی کوشش نہ کر۔

تفسیر عالمانہ ام یقولون ام منقطعہ ہے یعنی وہ بات نہیں جو مذکور ہوئی بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ کیا کفارِ مکہ ایسے کہتے ہیں اور ام لہم شرکاء الخ سے اعراض ہے افترٰی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑا ہے۔ علی اللہ اللہ تعالیٰ پر کذباً جھوٹ مثلاً نبوت کا دعویٰ اور تلاوۃ قرآن وغیرہ وغیرہ علاوہ ازیں یہ ہمزہ انکاری ہے اور توبیخ کے لئے ہے گویا کہا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط انتسابات کیوں کرتے ہیں وہ یہی ہے کہ حضور علیہ السلام نے افتراء کیا بالخصوص اللہ تعالیٰ پر (معاذ اللہ) افتراء کیا جو تمام بہتانوں سے بُرا ہے اور افتراء و کذب میں فرق یہ ہے کہ جھوٹ کہتے ہیں بات اپنی طرف سے بنانا اور افتراء دوسرے کی طرف جھوٹ کا نقل کرنا فان یشاء اللہ یختم علی قلبک اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے یہ ان کے غلط قول کے بطلان پر استشہاد ہے وہ یہ کہ اگر (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا ہوتا تو انہیں اللہ تعالیٰ روک دیتا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے قرآن اللہ کا کلام کہہ کر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا ہے اس لئے ان کا خیال تھا کہ کلام الٰہی کا صدور حضور علیہ السلام سے نہیں ہو سکتا بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ السلام سے کلام الٰہی کا صدور ممکن ہی نہیں۔ اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ اگر حضور علیہ السلام نے اپنے دعویٰ میں اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا ہے (معاذ اللہ) تو اللہ تعالیٰ انہیں روکتا بلکہ اس قرآن مجید

کو آپ سے صادر ہی ہونے نہ دیتا بلکہ آپکے قلب پر تو مہر لگا دیتا کہ کلام کا صدور تو بڑی بات تھا اس کا کوئی معنی بھی آپ کو خیال اور تصور میں نہ آنے دیتا۔ بلکہ آپ اس کے حروف میں سے ایک حرف بھی نہ بول سکتے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ آپ پر منجانب اللہ لحظہ بہ لحظہ متواتر طور پر وحی کا نزول ہوتا ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ یہ قرآن منجانب اللہ نازل ہوا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ) خلاصہ یہ کہ اگر آپ افتراء کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل پر مہر لگا دیتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ آپ نے افتراء کیا اور نہ ہی آپ کے دل پر مہر لگی

ردِ منکرین اولیاء و منکرین عصمت انبیاء

اس میں اشارہ ہے کہ اللہ والے اور ملائکہ و رسل کرام علیہم السلام پر مغالطہ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کے گناہ سے بالکل محفوظ و معصوم ہوتے ہیں اور نہ ہی بیان شریعت میں کسی قسم کی غلطی کر سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حقائق سلمی میں ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شوق ازلی اور محبۃ لم یزلی کی مہر آپ کے دل پر لگا دے تاکہ آپ کو التفات الی الغیر بالکل نہ ہو اور آپ اجابت و اباء از خلق سے بالکل فارغ ہو جائیں۔

تفسیر عالمانہ

"ویمح اللہ الباطل و یحق الحق بکلمتہ" یہ جملہ مستانفہ اور نفی افتراء کی تقریر کرتا ہے اس کا عطف یختم پر نہیں جیسا کہ لفظ اللہ کو دوبارہ لانے سے ظاہر ہے اور صیغہ مضارع استمرار کے لئے ہے اور مصحف میں یمح واؤ کے بغیر لکھا ہوا ہے جیسے ویدع الانسان ویدع الداع و سندع الزبانیہ میں حرف علت نہیں اسمیں بھی کہا گیا اسے بلا قانون حذف کر دیا گیا محض اختصار اور لفظ کے پیش نظر اور وقف کو وصل پر محمول کرنے کے طور ایسا کیا گیا ہے یعنی جیسے وصل کے وقت واؤ التقاء ساکنین سے گر جاتی ہے ایسے ہی یہاں کتابت میں حذف کی گئی خط کو لفظ پر محمول کیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ یہاں واؤ کا محذوف ہونا ثابت ہے اور اسے ماقبل پر معطوف کر کے بھی حذف نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اگر ایسا کیا جائے تو معنی بگڑتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا باطل کو مٹانا مشروط بالشرط نہیں اور عطف سے اس کا معلق بالشرط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ باطل کو مٹاتا اور حق کو ثابت کرتا ہے اپنی وحی کے ذریعے یا قضاء و قدر سے اسی قاعدہ پر اگر (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا ہوتا جیسا کہ کافروں کا خیال ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدافعت فرماتا نیز اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ السلام سے وعدہ فرماتا ہے کہ آپ کے لئے یہ جو کافر بہتان تراشی کا الزام اور آپ کی تکذیب کر رہے ہیں ان کے ان باطل امور کو مٹا کے رکھ دے گا اور قرآن مجید یا قضاء و قدر کے ذریعے حق کو ایسا ثابت کر دیگا کہ اسے کوئی بھی نہ مٹا سکے گا آپ کو ان پر غالب کر

دے گا اسی معنی پر یہ صیغہ استقبالیہ ہوگا۔ "انہ علیم بذات الصدور" بے شک جو کچھ دلوں میں پوشیدہ ہے تو انہیں جانتا ہے اور تو ان کے لائق ان پر احکام کا اجراء فرماتا ہے جو محو کرتا ہے تو محو کرتا ہے اگر ثابت کرنا ہوتا ہے تو تو ثابت کرتا ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ آپ کی سچائی اور ان کا آپ کے متعلق افتراء کا گمان اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں

فائدہ: ذوات الصدور کے بجائے ذات فرمایا ہے اس لئے کہ وہ ایک جنس ہیں اور ذات یہاں پر تانیث کے معنی میں ہے بعض صاحب یہاں موصوف محذوف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے دراصل عبارت علیم بالمضمرات صاحبۃ للصدور ہے ایسے ان کے وہ وساوس و خواطر ہیں جو ان کی دلوں میں ہیں جن سے وہ کفر و معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ان کے قلوب کو صدور کا صاحب اس لئے فرمایا کہ قلوب صدور کو لازم اور اسمیں حلول کئے ہوئے ہے جیسے دودھ کو ذو الاناء اور عورت کے پیٹ کے اندر کے بچے کے لئے کہتے ہیں۔ ھو جنین ذو بطنھا

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے چاہے تو اپنے مقرب کو راندۂ درگاہ بنا دے اور مجرم کو اپنا مقرب بنا دے۔

حکایت: محبت و صحبت اولیاء کی وجہ سے نجات

مروی ہے کہ ایک شخص موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرا دوست (ولی) فوت ہوا ہے اسے غسل دیجئے موسیٰ علیہ السلام اسے غسل دینے کیلئے اس کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اسے لوگوں نے اس کے فسق و فجور کی وجہ سے کوڑے کرکٹ کی جگہ پر پھینک دیا ہوا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ اس کا راز کیا ہے لوگوں میں تو اس کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی تین ایسی باتیں تھیں جو اس کی موت کے وقت اس کی سفارش بن گئیں اگر وہ مجھ سے ان تینوں کو سفارشی بنا کر جملہ گنہگاروں کی سفارش چاہتا تو میں سب کو بخش دیتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی وہ کونسی تین باتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(۱) یہ کہتا تھا یا اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ واقعی میں نے گناہوں کا ارتکاب تو کیا گو میرا دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن شیطان کی شرارت اور نفس کی فریب دہی سے مجھ سے گناہوں کا ارتکاب ہوا۔

(۲) اگرچہ میں گنہگار تھا اور فاسقوں سے میرا میل جول رہتا تھا لیکن میری نشست و برخاست اور صحبت و رفاقت تیرے دوستوں اور صالحین کے ساتھ بھی اور مجھے ان سے دل سے پیار اور عقیدت تھی۔

(۳) اگر میرے ہاں فاجر اور نیک ضرورت پیش کرتے تو میں نیک کی ضرورت کو ترجیح دیتا پہلے اس کا کام کرتا پھر فاجر کا۔

انہی تین باتوں سے وہ میرا مقرب بنا اگرچہ اس کے بعض ایسے برے گناہ تھے جس سے لوگوں کو نفرت ہے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ قلب اور باطن کی اصلاح کرے
حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں و اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نگاہ تمہارے قلوب واعمال پر ہے۔

فائدہ اگر تمہارے قلوب و اعمال صالح ہوں تو تم مطلقاً اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہوگے ورنہ مردود و مطرود۔

(فائدہ) بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی گمراہی میں گزرتی ہے لیکن انجام بکار صراط مستقیم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی شقاوت عارضی تھی جو زائل ہوگئی اور اعتبار تو ازلی حکم کا ہے اور سعادت اصلی بھی ازل سے اسے نصیب ہوئی اس معنی پر اللہ تعالیٰ اس کے کفر یعنی شقاوۃ کو مٹا کر اس کے لئے حق کا اثبات فرماتا ہے یعنی اسے دولتِ اسلام سے نوازتا ہے اور بہت سے بدبخت ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی طاعت وعبادت پر گزرتی ہے لیکن خاتمہ پر انجام برباد اور مائل الی الکفر ہوجاتے ہیں جیسے بلعام و برصیصا کا حشر ہوا کہ ان کی شقاوت ازلی تھی اور سعادت عارضی حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

بہ چوں حسن عاقبت نہ بر رندی و زاہدیست
آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ: جب تو اچھا انجام لے کر نہ گیا تو زاہدی کا کیا فائدہ - وہی بہتر ہے کہ اپنا کام اسی کی عنایت کے سپرد کردے وہ اپنی مہربانی سے بخش دے گا۔

تفسیر عالمانہ "وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ" اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے یعنی ان کی غلطیوں سے درگزر فرماتا ہے کیوں کہ اگر وہ معاف نہ فرمائے تو پھر اس کا معنی یہ ہے کہ بندے گناہوں میں مبتلا رہیں جب سمجھیں گے کہ بخشش تو نہیں ہوگی پھر کیوں نہ گناہوں کے مزے اڑالیں۔

فائدہ: قبول کو لفظ عن کا صلہ دیا ہے اس لئے کہ وہ تجاوز کے معنی میں ہے۔

(**مسئلہ**) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم عام ہے کہ توبہ کرنے والا مومن ہو یا کافر دوست ہو یا دشمن جو بھی توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

فائدہ: توبہ یعنی گناہوں پر ندامت کرتے ہوئے ان سے رجوع کرنا اور پختہ ارادہ کرنا کہ آئندہ ہمیشہ کیلئے گناہ نہیں کروں گا - حضرت بوشنجی نے فرمایا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ جونہی اس کے گناہ کا ذکر اس کے سامنے ہو اس سے قلب کو حلاوت اور لذت محسوس نہ ہو۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور کہا یا اللہ میں تجھ سے بخشش مانگتا

اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر نماز پڑھی جب فارغ ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے فلاں تونے استغفار توبہ میں ایسی عجلت دکھائی جیسے ایک جھوٹا آدمی توبہ و استغفار کرتا ہو تو ایسی توبہ سے بھی توبہ کر کیونکہ تونے توبہ میں غلط طریقہ اختیار کیا ہے اس نے عرض کی اے امیرالمومنین آپ ہی مجھے توبہ کا طریقہ بتائیں آپ نے فرمایا توبہ کی چھ شرائط ہیں۔

(۱) ماضی میں جتنے گناہ ہوئے اس سے ندامت کا اظہار

(۲) جتنے فرائض ادا کئے ان کا اعادہ۔

(۳) حقوق العباد کی ادائیگی

(۴) جیسے گناہ کرکے نفس کو خوش کیا ایسے ہی اُسے طاعت میں ذلیل وخوار کر۔

(۵) جیسے گناہوں سے اسے حلاوت دی اب اسے طاعت کے کڑوے گھونٹ پلا

(۶) آہ وزاری اور گریہ وفغان اور زندگی بھر کے ہنسنے سے کچھ زائد روئیں۔

حدیث شریف اللہ اپنے بندے کی توبہ سے ان لوگوں سے زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے

(۱) عورت کو بانجھپن پر بچہ عطا ہو

(۲) گم شدہ شے گم کرنے والے کو اچانک مل جائے۔

(۳) پیاسے کو پانی مل جائے

جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلصانہ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نگران فرشتوں سے اس کے گناہ بھلا دیتا ہے اور خطۂ ارض سے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عبدالعزیز بن اسماعیل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم سے فرماتا ہے کہ تیرے لئے افسوس ہے کہ تو گناہ کرکے استغفار نہیں کرتا تاکہ میں تیرے گناہ بخش دوں۔ جو میرا بندہ گناہ تو کرتا ہے لیکن وہ رحمت سے بھی امید رکھتا ہے تو اے فرشتو گواہ رہو میں اسے بخش دونگا (یعنی اتفاقیہ گناہ ہونے پر رحمت سے امیدوار ہونا اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ خواہ مخواہ گناہ کرے۔)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی بندے کی توبہ قبول کرے تاکہ وہ بُعد فراق کے اسفل السافلین سے نکل کر قرب کے اعلیٰ علیین میں پہنچے تو جذبات عنایت کے تصرف کے ساتھ اسے عبودیت ماسوا کی عبودیت کی غلامی سے نجات بخشتا ہے پھر اسے تقرب الی اللہ اور رجوع کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے جو ایک بالشت کے برابر توبہ کرکے میرے قریب ہوتا

ہے تو میں اس کی توبہ قبول کر کے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں ۔ اگر قبولیت الہی بندہ کی توبہ پر سبقت نہ کرتی تو بندے کی کبھی توبہ قبول نہ ہوتی ۔

حکایت کسی بزرگ نے کسی شیخ سے عرض کی کہ اگر میں توبہ کروں تو کیا میری توبہ قبول ہوگی شیخ نے فرمایا اگر تیری قبول نہ ہوتی تو تجھے توبہ کی توفیق بھی نہ بخشتا ۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہشت کے بعض مقامات خالی بچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس وقت جدید مخلوق پیدا فرما کر بہشت کی وہ خالی جگہ پُر فرمائے گا

(فائدہ) جب کہ وہ کریم
ایسا لطف فرمائے گا کہ جدید مخلوق کو بلا عمل اور بغیر حساب کے بہشت عطا فرمائے گا تو پھر پرانے بندوں پر کیوں نہ لطف و کرم ہو اور اسے ثواب و جنت سے کیسے محروم فرمائیگا ۔ پھر ان لوگوں کی بات ہی کیا جو اپنے گناہوں سے توبہ کرتے اور اس سے بخشش کی طلب کرتے ہیں ویَعْفُوْ عن السیّات اور ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ معاف فرماتا ہے سوائے شرک کے کہ اس کی بخشش ہرگز نہیں اس کے سوا باقی جملہ گناہوں کو جس کو چاہے بخش دے محض اپنے فضل و کرم سے یا اپنے کسی محبوب اور پیارے بندے کی شفاعت سے اگرچہ انہیں توبہ کا موقع بھی نہ ملا ہو۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے ۔

(فائدہ) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بندے کے بہت ایسے گناہ معاف فرماتا ہے جس کا بندے کو علم بھی نہ تھا کہ جن سے وہ توبہ کرتا اور بہت سے ایسے گناہوں کو معاف فرمائے گا جن کا بندے کو علم تو تھا لیکن ان سے توبہ نہ کر سکا ویعلم ما تفعلون اور تم جس طرح کے کام کرتے ہو انہیں وہ جانتا ہے تمہارے بڑے اور اچھے تمام افعال سے باخبر ہے اسی لئے وہ تائب کو بخش دے گا اور غیر تائب سے بھی درگزر فرمائے گا یہ اس کی مشیت پر مبنی ہے اور مشیت میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ کریم تمہاری ہر نیکی اور برائی کو جانتا ہے کہ جس کا تمہیں علم بھی نہیں پھر تمہاری نیکیوں کی وجہ سے تمہاری برائیوں کو معاف فرماتا ہے اور عرائس البقلی میں ہے کہ وہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے جب وہ اپنے نفس و کون سے نکل کر صرف اسی کے اور اس کے قدس سے مقدس ہو جاتے ہیں اور ان کے وہ گناہ معاف فرما دیتا ہے جو ان کے قلوب پر غیر اللہ کے ذکر کا گذر ہوا اور ان کی خلوات اکے زاویوں کو بھی جانتا ہے ۔

ابراہیمی نسخے برائے سالک سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے کہ بندے کو اپنے اوقات کی تقسیم ضروری ہے اس کا ایک وقت ایسا مقرر ہو جس میں صرف اس کی

اللہ تعالیٰ سے مناجات ہو اور اس کی صنعت میں تفکر کرے دوسرا وقت ایسا ہو جس میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ اس نے ماضی میں کیا کیا اور آئندہ اس کا کیا پروگرام ہے اور ایک ایسا وقت مقرر ہو جس میں اپنے حلال وحرام کھانے پینے میں غور وفکر کرے۔

حکایت حضرت دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی میں اپنے مولیٰ کے سامنے کس حالت میں جاؤں جب کہ اس نے مجھ سے آفات و بلیات کو ٹالا آپ نے فرمایا آقا کے سامنے ایسے رہو جیسے ماں کی گود میں چھوٹا بچہ کہ اسے جونہی تھپیڑ مارتی ہے تو وہ ماں کو چمٹتا ہے یہاں تک کہ ماں کو اس پر رحم آجاتا ہے کہ اسے پیار سے گلے لگا لیتی ہے۔

تین بار دعا مانگنے کا ثبوت ہم اہل سنت کے بعض حضرات کی عادت ہے کہ فرائض یا دیسے ہی دعا تین بار مانگتے ہیں اس سے بعض کج فہم ناجائز سمجھتے ہیں اس کی تحقیق مستقل طور پر فقیر اویسی غفرلہ نے رسالہ لکھا ہے فی الحال ناظرین کے لئے صاحب روح البیان کی نقل کردہ روایت کافی ہے فرمایا عہ

وفی الخبر ان بعض المذنبین یرفع یدیہ الی جناب الحق فلا ینظر الیہ ای بعین الرحمۃ ثم یدعو ثانیا فیعرض عنہ ثم یدعو ویتضرع ثالثا فیقول یا ملائکتی استحییت من عبدی ولیس لہ رب غیری فقد غفرت لہ

روح البیان ج ۸ ص ۳۱۶ تحت آیت ہذا

حدیث شریف میں ہے کہ بعض گنہگار ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے اسے دیکھتا تک نہیں دوبارہ دعا مانگتا ہے تو بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے تیسری بار گڑگڑا کر عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے فرشتے میں نے اپنے بندے سے حیا کی کیونکہ اس کا میرے سوا کوئی نہیں میں نے اسے بخش دیا۔

استحییت یعنی میں نے اس کا مقصد پورا کر دیا اس لئے کہ بندوں کی زاری سے مجھے حیا آتی ہے

سے
کرم بین و لطف خداوندگار ؎ گنہ بندہ کردست و او شرمسار

ترجمہ : خداوند کریم کا لطف وکرم دیکھ۔ گناہ بندے نے کیا اور شرمسار وہ کریم ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ کے حیا کرنے کے معنی یہ ہے کہ وہ کریم بندے کو خائب و خاسر نہیں فرماتا۔

ویستجیب الذین آمنوا وعملوا الصالحات یستجیب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اسم موصول مفعول بہ ہے اور یہاں مضاف محذوف ہے یعنی دعاء الذین آمنوا الخ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اہلِ ایمان اعمالِ صالحہ کرنے والے بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اس سے دعا مانگتے ہیں اور قیامت میں ان کی طاعات پر انہیں ثواب عطا فرمائے گا۔ اجابت اثابت کے معنی میں ہے اور یہ ان کا مجازی معنی ہے یعنی جیسے ان کی دعا مستجاب ہوتی ہے ایسے ہی اعمال صالحہ بھی قبول ہوں گے ایسے مجازات کی دلیل حدیث شریف میں ہے

عہ : اضافہ اویسی غفرلہ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " افضل الدعا، الحمد للہ" یہاں الحمد للہ کو دعا کہا گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ دراصل و یستجیب اللہ لہم۔ ہو یہاں لام محذوف کر دی گئی جیسے "واذ کالوہم" میں لام محذوف ہے اس لئے کہ یہ بھی دراصل "واذ کالولہم" تھا۔

فائدہ: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا زیادہ مناسب یہی ہے کہ کہا جائے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اس لئے کہ مضاف کا حذف ہونا عام ہے بخلاف حرف جارہ کے "و یزیدھم من فضلہ" اور جو کچھ وہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے محض اپنے فضل و کرم اسکو اور زیادہ عطا فرماتا ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عبادت سے جواب دیتے ہیں یعنی اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت بجالاتے ہیں اسی لئے ان کے استحقاق پر اپنے فضل و کرم سے ان کو زائد عطا فرماتا ہے اس کی تائید ذیل کی حکایت سے ہوتی ہے۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہ سے مریدین نے عرض کی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے بہت بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں لیکن ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں آپ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے پھر وہ تمہاری دعا کو کیسے قبول فرمائے۔ انہوں نے عرض کی وہ کیسے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "واللہ یدعوکم الی دارالسلام" اور فرمایا ہے "و یستجیب الذین آمنوا الخ" ان دو آیتوں میں فرمایا کہ اس کے بعض بندوں نے اس کی دعوت قبول فرمائی اسی لئے اپنے ان بعض بندوں کی دعا بھی قبول فرماتا ہے۔

حکایت مذکورہ کا رد

بحر العلوم میں لکھا ہے کہ محدثین محققین نے اس جواب کو غیر پسندیدہ فرمایا ہے وہ اس لئے کہ حق صریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ

(حدیث شریف[۱]) میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کی دعا تین امور سے خالی نہیں جاتی۔

(۱) اس کے عوض اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ورنہ

(۲) دیر سے قبول ہوتی ہے ورنہ

(۳) قیامت میں اس کے اعمالنامے میں درج ہوتی ہے (تاکہ درجات بلند ہوں) (رواہ النسائی)۔

(حدیث شریف[۲]) میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے تو پھر یا اسے فوراً مل جاتا ہے یا اس کے لئے ذخیرہ بنایا جاتا ہے۔

(حدیث شریف[۳]) مومن کو ہر عمل پر ثواب عطا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مشقت جو اسے موت کے وقت ہوتی ہے اس سے بھی اجر پاتا ہے۔

(حدیث شریف[۴]) اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے کسی بندے کو بلا کر فرمائے گا کہ تو نے مجھ سے فلاں وقت دعا مانگی میں نے فوراً قبول کر لی کیا تجھے یاد ہے عرض کرے گا ہاں یا رب۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے مجھ

ہے فلاں وقت دعا مانگی تو میں نے قبول نہ کی لیکن میں نے اسے تیرے لئے عملنامہ میں درج کیا اور اس کا تجھے بہشت میں بہت بڑا اجر ملے گا۔ یہ سن کر آرزو کرے گا کاش دنیا میں میری کوئی دعا بھی قبول نہ ہوتی۔ رواہ جابر رضی اللہ عنہ)

(حدیث شریف ۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اسے سخت تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے حضرت جبریل علیہ السلام عرض کرتے ہیں یا اللہ اپنے اس عاجز بندے کی دعا قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے چھوڑیئے میں اس کی پیاری صدا سے محبت کرتا ہوں جب بندہ دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لبیک میرا بندہ تو مجھ سے مانگتا جا میں تجھے دیتا جاؤں تو مجھ سے دعا مانگ میں تیری دعا قبول کروں گا اگر تیرا کام بنا دوں تو بھی ٹھیک ہے لیکن تیرے لئے افضل یہ ہے کہ تیری دعا کو آخرت کیلئے تیرا ذخیرہ بناؤں۔

(حدیث شریف ۴) جس کی دعا قبول ہوئی اسے کیسے کہا جائے کہ وہ اجابتہ سے محروم ہوگیا اس بارہ میں بے شمار احادیث ہیں[1]۔

فائدہ: ان جملہ روایات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے عبد مومن کی ہر دعا قبول فرماتا ہے اسے کسی دعا میں خائب و خاسر نہیں فرماتا اور وہ کیسے خائب و خاسر فرمائے جب اس سے نہ مانگا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔

(حدیث شریف ۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر ناراض ہوتا ہے جو اس سے سوال نہ کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون کرتا ہے۔

صاحب روح البیان کا قطعی فیصلہ اور تائید اہلسنت وہابیہ کا رد!

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے بحر العلوم کے تمام دلائل بجا لیکن اختلاف اس میں یہ ہے کہ فوراً کسی بندے کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اسیں قطعی فیصلہ یہ ہے کہ مومن کامل و ولی اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی ہر دعا مستجاب ہے۔ یہ نہیں کہ ہر مومن کلمہ گو کی دعا مستجاب ہوتی ہے اس لئے کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ بعض گناہ استجابتہ دعا سے مانع ہوتے ہیں اور بہت سے گنہگاروں کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں بالخصوص جس کا لباس و خوراک حرام کا اور دل غافل و کاہل ہو اور اس شخص کی دعا بھی رد ہو جاتی ہے جس پر لوگوں کے مظالم و حقوق ہوں وغیرہ وغیرہ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] اس کے متعلق اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی کتاب " احسن الوعاء " مطالعہ کیجئے فقیر نے اس کا خلاصہ لکھا بنام " افضل الرجاء " اسے پڑھیئے محمد اویسی غفرلہ

علیہ وسلم میرے لئے دُعا فرمایئے تاکہ میری ہر دُعا قبول ہو آپ نے فرمایا اے سعد حرام سے بچو تمہاری ہر دعا قبول ہو گی اس لئے کہ جس کے پیٹ میں ایک لقمہ حرام چلا گیا تو چالیس دن تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ۔

حدیث ۲ : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے لوگ راہ حق میں طویل سفر کرتے ہیں اور بال اجڑے اور بظاہر پریشان حال ہوتے ہیں۔ دعا کیلئے ہاتھ اٹھا کر عرض کرتے ہیں یا اللہ یا اللہ (یعنی میری دعا قبول فرمایئے) حالانکہ اس کا کھانا پینا حرام اور اس کی غذا حرام پھر ایسے شخص کی دعا کیسے مستجاب ہو۔

حدیث ۳ : ابو طالب کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کے وقت فرمایا کہ اے چچا اگر تم میری اطاعت کرو تو میری اطاعت تیرے تابع ہوگی یہ اس لئے فرمایا کہ ابو طالب نے سوال کیا تیرا رب تیری کونسی بات مانتا ہے وغیرہ وغیرہ ۔

فائدہ : آیت میں بعض مفسرین نے زیادتہ سے شفاعت مراد لی ہے یعنی جس پر جہنم واجب ہو جائے گی اللہ والے نیک لوگ اس کی شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت قبول ہوگی یہ بھی ان کے اپنے اعمال پر ایک زائد شے عطا ہوئی ایسے ہی اسے دیدار الٰہی سے نوازا جائے گا اور بہشت کی نعمتیں عطا ہوں گی یہ بھی اعمال پر ایک زائد شے ہے اگرچہ بہشت کو عمل کے مقابلے میں مانا جائے کہ وہ بھی اعمال کی طرح مخلوق ہے لیکن دیدار الٰہی تو ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کی کوئی مثال ہی نہیں کیونکہ وہ قدیم ذات ہے یہ بھی اس کا فضل و احسان ہے ۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ دیدار الٰہی محض اس کے فضل سے ہوگا وہ کسی طاعت و عبادت کا صلہ نہیں۔

حدیث شریف

میں ہے کہ جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو انہیں ندا ہوگی کہ اے بہشتیو ! رب تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کرتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے حجابات اٹھائے گا تو سب کے سب اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے ۔

حضرت شبلی کا نرالا وجد

منقول ہے کہ حضرت شبلی ایک وقت غلبۂ وجد میں کہہ رہے تھے یا اللہ قیامت میں سب کو اندھا کر دینا صرف میری آنکھیں کھلی رہیں تاکہ صرف میں ہی تجھے دیکھوں ۔ ایک بار وجد میں کہہ رہے تھے یا اللہ شبلی کو قیامت میں اندھا بنا دینا کیونکہ میرے جیسا تجھے کب دیکھنے کے قابل ہے ۔ پہلے وجد میں غیرت کے مقام میں تھے کہ اپنے سوا کسی اور کو دیکھنے کے روادار نہ ہوئے اور بزرگوں کے نزدیک یہ ایک بہت بڑا مقام ہے ؎

از رشک تو پر کنم دل و دیدۂ خویش
تا ایں تو نہ بیند و نہ آں را پیش

ترجمہ : میں دل و آنکھ کو آنسو سے پر کرتا ہوں تاکہ یہ نہ مجھے دیکھیں نہ کسی اور کو ۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ اپنا دیدار اپنے دوستوں کو عطا فرمائے گا تو اس کے جمال کا اپنا تقاضا ہوگا ورنہ بشر کو کب ایسا تقاضا ہو سکتا ہے کہ اسے اس کا دیدار چاہئے۔

تفسیر عالمانہ والکافرون لھم عذاب شدید اور کافروں کے لئے عذاب شدید مزید ہوگا جیسا کہ اہلِ ایمان کے لئے ثواب کی زیادتی دلالت کرتی ہے کہ کافروں کے عذاب میں علاوہ ان کے اعمال کی سزا کے اور عذاب ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ کاشفی نے لکھا کہ ان کے لئے عذاب شدید ہوگا کہ انہیں حجابات مذمومہ میں مبتلا کیا جائے گا اور انہیں دائمی عذاب ہوگا۔ اور حجابات از دیدار الٰہی سے مذموم تر عذاب اور کوئی نہ ہوگا۔

ے زہیچ رنج تو مطلق دلم نتابد روئے ۔۔ جز آنکہ بندگنی در حجاب حرمانش

ترجمہ، کسی رنج سے میرا دل مطلقاً منہ نہ پھیرے گا ہاں وہ بڑا درد ہوگا کہ اسے دیدار سے محروم کرے۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تائبین کی توبہ قبول کرتا ہے اور جو توبہ نہیں کر سکا اس کے گناہ بخشے گا پھر ان سب کو بہشت میں داخل فرمائے گا اس سے قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سب کو بخشے گا تو پھر جہنم کیوں ہے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ دوزخ کافروں کے لئے ہے پھر سوال ہوا کہ کافروں کو عذاب ہوگا تو پھر گنہگاروں کو کھلی چھٹی ہو گئی کہ وہ گناہ کرتے رہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ کافروں کو عذاب شدید ہوگا اور اہلِ ایمان گنہگاروں کو عذاب خفیف ہوگا اور اہلِ ایمان کو صیغۂ خطاب سے مخاطب کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی ہوگا لیکن شدید نہیں جو بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نہ جہنم کے خوف سے اور نہ ہی بہشت کی طمع میں تو اللہ تعالیٰ اپنی کرم نوازی سے اس بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے عاصی انسان ہمیشہ منکسر القلب ہوتا ہے جب اسے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اطاعت گزاروں کی توبہ قبول فرماتا ہے تو آرزو کرے گا کہ کاش وہ عبادت کرتا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی توبہ قبول فرماتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرا بندہ گھبراؤ نہیں اگرچہ تیرے ہاں طاعت نہ بھی ہو تب بھی اگر تو توبہ کرے گا تو تیری توبہ قبول ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق میں وسعت فرما دے لبغوا فی الارض" تو زمین پر بغاوت پھیلائیں گے اور گناہ کریں گے ہاں جسے اللہ تعالیٰ بچائے ورنہ عموماً ایسے ہوتا ہے کہ دنیا و دولت کی وسعت ظلم پر اکساتی ہے اس لئے کہ دولتمندی تکبر اور سرکشی اور فساد کو دعوت دیتی ہے البغی بمعنی اکبر اور بغاوت سے فساد کی طرف اشارہ کرتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بندے کی بغاوت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ کے حصول کے بعد اس سے آگے کی تحصیل کی جدوجہد کرے ایسے ہی ایک لباس سے اس سے اچھا لباس چاہئے ایسے ہی ایک سواری کے بعد

اور بہتر سواری کی خواہش کرے۔

(نکتہ) بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر بندوں کو بافراغت رزق عطا فرمائے تو بندے فساد و بغاوت میں لگ جائیں اسی لئے انہیں کسب مال و دیگر مشاغل میں مشغول رکھتا ہے تاکہ فساد برپا نہ کریں ۔

ان الشباب والفراغ والجدۃ ۔۔ مفسدۃ للمرء ای مفسدۃ

ترجمہ: بیشک جوانی فراغت اور دولت انسان کو بہت زیادہ خراب کرتے ہیں۔

فائدہ: یعنی امور مذکورہ بالا فساد کے اسباب ہیں اور فراغ کا معنیٰ عدم الشغل ہے اور رزق کی وسعت پر بغاوت و فساد یہ بنائے اکثریت ہے ورنہ بہت سے غریب، مسکین اور فقیر ظالم اور سرکش ہوتے ہیں۔ ویسے یہ قدرتی بات ہے کہ فقیر و محتاج اور مسکین کو فقر و فاقہ عجز و انکسار اور تواضع کی طرف لے جاتا ہے اور دولتمندی سرکشی اور بغاوت پر اکساتی ہے اگر یہ قاعدہ عام ہوتا تو دنیا میں بغاوت و سرکشی عام ہوتی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ اکثر دولتمندوں کو سرکش بنایا تو بعض کو منکسر و متواضع ایسے ہی اکثر فقراء و مساکین کو متواضع و منکسر بنایا تو بعض کو سرکش اور ظالم۔

ذوالنون مصری بہت بڑے مالدار فقیر اور درویش تھے

کاشفی نے لکھا کہ واقعی قاعدہ مذکورہ اکثریہ ہے لیکن حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں بہت بڑے مالدار تھے لیکن ان سے ظلم و بغاوت کا صدور نہ ہوا۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ مال و دولت کی مثال بارش کی ہے کہ وہ برستی تو جگہ پر ہے لیکن زمین کی تاثیر سے مختلف قسم کی گھاس پیدا ہوتی ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ترجمہ: بارش کی لطافت طبع سے کسی کو اختلاف نہیں لیکن باغ میں پھول اگتے ہیں اور شور زمین میں خس و خاشاک

فائدہ: چونکہ اکثر طبیعتوں میں ہوا و ہوس کا غلبہ ہوتا ہے اور صفات سبعی و بہیمی اسمیں پرورش پاتے ہیں اور ان کی پرورش استطاعت و قوت کا سب سے بڑا اور قوی سبب مال ودولت ہے اگر اللہ تعالیٰ سب پر مال و دولت کی فراوانی فرمادے تو تمام بندے باغی و طاغی ہو جائیں گے۔ اس دعویٰ کی دلیل اور عبرت کے لئے فرعون، ہامان، قارون اور ان جیسے اور بڑے سرکش کے حالات کافی ہیں۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنی امت کے لئے مال و دولت سے زیادہ خطرہ ہے کہ وہ اس کی رونق اور رنگینی کو دیکھ کر اس کی محبت و عشق میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس کی کثرت و فرت کے سیلاب میں بہہ جائیں گے۔ حضرت صائب نے فرمایا ۔

نفس را بدخو مباز و نعمت دنیا مکن
آب و نان و سیر کاہل میکند مزدور را۔

ترجمہ، نفس کو دنیا کی ناز و نعمت کا خوگر بنا کر اسے بدخو نہ بنایئے روٹی سیر ہو کر کھانا مزدور کو سست کرتا ہے۔

"ومکن ینزل بقدد" قدر بمعنی اندازہ (کذا فی کشف الاسرار) اور کاشفی نے لکھا بمعنی تقدیر ازلی ہے اور القاموس میں ہے قدر بمعنی تقسیم ہے اور قیاس الشئ بالشئ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ بحر العلوم میں ہے کہ یہ از باب ضرب و نصر ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے اور (حدیث شریف) فان غم علیکم فاقدروا میں (بطر الدال) پڑھنا چاہیے بضم الدال پڑھنا خطا ہے یعنی اگر گرد و غبار ہو تو مہینہ کے تیس دن مکمل کرو،، مایشاء یعنی رزق اندازہ کے مطابق نازل فرماتا ہے جو چاہتا ہے یہ ینزل کا مفعول ہے وہ انہ بعبادہ خبیر بصیر بے شک وہ اپنے بندوں کے پوشیدہ اور ظاہری امور کو جانتا ہے اسی لئے ان کے اندازہ کے مطابق انہیں رزق عطا فرماتا ہے کسی کو فقیر و محتاج بناتا ہے اور کسی کو غنی اور دولتمند۔ کسی سے دولت روکتا ہے کسی کو کثرت دو فرت بخشتا ہے جیسے اس کی حکمت ربانیہ کا تقاضا ہوتا ہے ویسے کرتا ہے اگر سب کو دولتمند بنادے تو باغی وطاغی ہو جائیں اگر سب کو فقیر و مسکین بنادے تو تباہ و برباد کردے۔

ولی اللہ کے بے ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جنگ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جبرئیل علیہ السلام اور وہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی میرے کسی ولی کی اہانت اور گستاخی اور بے ادبی کرتا ہے تو وہ میرے ساتھ جنگ کے لئے بالمقابل ہوا اور میں اپنے دوستوں کی نصرت اور مدد میں بہت زیادہ جلدی کرتا ہوں اور ان کے دشمن پر شیر نر سے بھی بہت زیادہ غضب ناک ہو جاتا ہوں اور میرا وہ بندہ جو فرائض کی ادائیگی کرتا ہے تو وہ میرے قریب ہو جاتا ہے اور قرب نوافل میں ترقی کرتے کرتے وہ بندہ میرا محبوب بن جاتا ہے جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کی آنکھ کان ہاتھ بن جاتا ہوں یعنی اسے میری طرف سے ہر معاملہ میں تائید ملتی ہے اگر مجھ سے دعا مانگے تو قبول کرتا ہوں اور اگر مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اگر اسے میرے کسی امر میں تردد ہوتا مثلاً روح قبض ہو جانے سے جی چراتا ہے اور میں اسے پریشان کرنا بھی نہیں چاہتا حالانکہ اس کے لئے موت ضروری امر ہے (آخر موت کا شکار ہو ہی جاتا ہے لیکن ایسے طریقے سے کہ پھر وہ اسے خود چاہتا ہے تفصیل گزری ہے)

بندوں کے احوال و اطوار کے فوائد

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بعض مومن بندے ایسے ہوتے ہیں جو خاص قسم کی عبادت کی توفیق چاہتے ہیں میں ان کے چاہنے پر توفیق نہیں بخشتا صرف اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ وہی عبادت کرے گا تو اس کے اندر عجب پیدا ہو جائے گا اور وہ اس کے لئے نقصان ہے۔ ایسے ہی میرے بعض بندے فقر و فاقہ سے گھبرا کر اس کے ازالہ کی دعا مانگتے ہیں لیکن مجھے علم ہے کہ اگر ان سے فقر و فاقہ زائل ہوا تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا (جیسے ثعلبہ کا حشر ہوا) اسی لئے میں اسے فقیر و مسکین رکھتا ہوں ایسے ہی میرے بعض بندے ایسے ہوتے جو وہ بیماریوں سے تنگ ہو کر تندرستی اور صحت طلب کرتے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اسے تندرستی و صحت ایمان سے خارج کر دے گی اسی لئے اس کا بیمار و مریض ہونا بھلا۔ ایسے ہی بہت سے تندرست و باصحت رہنے میں جس کی عافیت ایمانی ہوتی ہے اسے بیمار و مریض نہیں کرتا تاکہ وہ بیماری و مرض سے تنگ ہو کر بے ایمان نہ مریں۔

چونکہ میں ان کے قلوب کے احوال بھی جانتا ہوں اور ان کے انجام کو بھی اسی بنا پر خبیر و بصیر ہونا صرف میری شان ہے اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے اے اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے متعلق جانتا ہے کہ دولت و غنا ہی بعض بندوں کے لئے ایمانی فائدہ ہوتا ہے اگر میرے لئے دولت و غنا مفید ہو تو مجھے اپنی رحمت سے فقر و فاقہ میں مبتلا نہ فرمانا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں فقیر و درویش یعنی سالک کے قلب ضعیفہ کی طرف اشارہ ہے گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو فرماتا ہے کہ اے میرا بندہ تو اپنے فقر و فاقہ پہ راضی ہو ورنہ مجھے معلوم ہے کہ اگر تو دولتمند ہو جائے گا تو تیرے ایمان کی خیر نہیں بلکہ تو دنیا و دولت کے حصول کے بعد باغی اور طاغی ہو جائے گا اس لئے تیرے لئے فقر و فاقہ بہتر ہے۔ اس میں بندے کی فطرت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیا کا عاشق اور اس کے لئے حریص ہے اسی آیت میں اسے متنبہ کیا گیا تاکہ اس کے حرص و عشق سے دور رہے اور یقین کرے اگر اس کی آرزو پر اسے رزق میں وسعت دے دے تو ممکن ہے بغاوت و شقاوت و فساد فی الارض کا سبب ہو اسی خیال سے اس کا حرص و عشق دنیا ڈھیلا پڑ جائے گا اس کے بعد تسلی دلائی کہ اگر بڑا دولتمند نہیں بناؤں گا تو رزق بالکل بند بھی نہیں کروں گا ہاں بندہ کے حال کے مطابق اسے رزق ملے گا ہی لیکن اتنا جتنا اس کے لئے مفید ہو

شانِ نزول

مروی ہے کہ اصحاب صفہ نے فقر و فاقہ سے تنگ ہو کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رزق کی وسعت کا سوال کیا ان کے جواب میں یہی آیت نازل ہوئی خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی جب کہ ہم نے بنو قریظہ و نضیر و قینقاع کے اموال و اسباب کی کثرت

کو دیکھا تو آرزو کی کاش ہمیں بھی مال و دولت کی وسعت نصیب ہوتی تو ہم بھی ایسے ہی کاروبار کرتے اور فلاں فلاں ضروریات پوری کرتے اور غرباء و مساکین کی مدد کرتے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہی آیت نازل فرمائی۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا کہ یہ آیت اس وقت مدینہ ماننی پڑے گی اس میں پھر استثناد بھی کرنا پڑے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت اہل عرب کے حق میں نازل ہوئی جب وہ خوشحال ہوتے تو لڑائی جھگڑے اور جنگوں میں لگ جاتے جب وہ قحط میں مبتلا ہوتے تو آب و دانہ کی تلاش میں پریشان ہو کر بارگاہ حق میں تضرع و زاری میں معروف ہو جاتے۔ کسی شاعر نے ان کے لئے فرمایا ہے

قوم اذا نبت الربیع بارضہم ... نبتت عداوتہم مع البقل

ترجمہ: وہ قوم کہ جب ربیع ان کی زمین کو اگاتا ہے تو سبزی کے اگنے پر ان کی عداوت اُگتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وھو الذی ینزل الغیث الغیث وہ بارش جو لوگوں کی قحط سے فریاد رسی کرے یعنی ان کے لئے خوشحالی کا سبب بنے اسی لئے اس کا اطلاق نفع بخش بارش کے لئے ہوتا ہے کیوں کہ بارش کبھی نقصان اور ضرر بھی پہنچاتی ہے ایسی بارش کو الغیث نہیں کہا جائے گا۔ المفردات میں امام راغب نے لکھا کہ غیث بارش کو اور غوث مدد کو کہتے ہیں۔ من بعد ما قنطو اس کے بعد جب اسی سے نا امید ہو گئے اس قید کی اگرچہ ضرورت نہیں اس لئے کہ نافع بارش کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے لیکن قید لگانے سے اس کی کمال نعمت کی تذکیر مطلوب ہے کیوں کہ جو شے سخت مایوسی کے بعد میسر ہو اس سے بہت بڑی خوشی ہوتی ہے اور جس نعمت سے بہت خوشی محسوس ہو اس کے لئے بہت زیادہ شکر کیا جاتا ہے۔ وینشر اور پھیلاتا ہے "رحمۃ" اپنی رحمت یعنی بارش برسات و منافع جو جنگل اور آبادی اور پہاڑوں اور انگوریوں اور حیوانات اور انسانوں سب کو برابر نفع بخشتی ہے

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس سے شمس (سورج) مراد ہے یہ ایک علیحدہ نعمت کا ذکر ہو گا اس لئے کہ انسان کو جب مایوسی کے بعد جو بارش حاصل ہو اسی سے خوشی تو ہوتی ہے ہی لیکن جب حد سے زائد ہو تو پھر اسی سے نقصان اور ضرر کا خطرہ ہو جاتا ہے اسی اثناء میں اگر سورج نکل آئے اور بادل چھٹ جائیں تو خوشی کی انتہا نہیں ہوتی اسی لئے سورج کو بطور نعمت علیحدہ ذکر کرنا موزوں ہو گا۔ وھو الولی وہی مالک و مولیٰ ہے جو اپنے بندوں کیلئے احسان اور نشر رحمت کا متولی ہے کاشفی نے لکھا کہ وہی بندوں کا مہربان اور ان کے جملہ امور کا کارساز اور وہی ان پر احسان فرماتا اور بارش و رحمت برساتا ہے۔

تو از فشاندن تخم امید دست مدار ... کہ در کرم نکند از تو ابہار امساک

ترجمہ: تو بیج ڈالنے میں امید سے ہاتھ نہ اٹھا اس لئے کہ وہ کھیتی میں تیرے لئے بہار کی کمی نہ کرے گا۔

الحمید وہ ایسی بڑی نعمتوں کے عطا کرنے کا مستحق ہے بعض نے فرمایا کہ ولی بمعنی متصرف بارش کا

متولی ومتفرق کر اسے بار بار بھیجتا ہے الحمید یعنی وہ ذات کہ جو اس کی اہل ہے کہ اس کی تعریف کیجائے کہ اس نے ایسی صنعتیں بنائیں اور اس میں کوئی قبح نہیں اور اس کا ہر کام حکمت سے خالی نہیں اور بارش بتاتی ہے کہ بندہ اس کا محتاج ہے اور ضرورت کے وقت بندہ مالک کو بہت یاد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی مضطر اور پریشان کی دعا قبول کرتا ہے۔

حکایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ قحط کا زور ہے اور بارش سے لوگ مایوس ہو چکے ہیں اب کیا ہوگا آپ نے فرمایا اب یقین کریں کہ بارش ہوگی ان کا مقصد یہی تھا کہ بارش سخت مایوسی کے بعد ضرور عطا ہوتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

تا فرود آید بلائے دافعے ـــــ .. ـــــ چوں نباشد از تضرع شافعے

تا سقاہم ربہم آید خطاب ـــــ .. ـــــ تشنہ باشی واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ ، بلائیں نیچے اترتی ہیں دفع تب ہوں گی جب سفارش کنندہ زاری کرے۔

(تا ان کا رب انہیں پانی پلائے کا خطاب آئے پہلے پیاسہ ہو پھر پانی ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عرش کے نیچے دریا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے جس سے حیوانات کے رزق زمین پر نازل ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ رزق اتارنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس دریا کی طرف پیغام بھیجتا ہے اس سے رزق نیچے والے آسمان پر اترتا ہے پھر اس کے نیچے والے پر یہاں تک کہ پہلے آسمان میں پہنچتا ہے اسے حکم فرماتا ہے ایک چھلنی بنالے وہ رزق اسی چھلنی میں آجاتا ہے پھر بارش کے ہر ایک قطرے کو ایک ایک فرشتہ زمین پر لاتا ہے وہ اسے وہاں آکر رکھتے ہیں جہاں انہیں حکم ہوتا ہے اور ہر قطرہ کا ایک وزن مقرر ہوتا ہے سوائے طوفان نوح علیہ السلام کے کہ اس میں بلا کیل و وزن بارش ہوئی تھی۔

(حدیث شریف ۱) مروی ہے کہ جس دن بارش ہوتی ہے اس سال کی بارش کے قطرات اور اوزان فرشتوں کو معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم کرایا جاتا ہے کہ اس سال فلاں فلاں شہر اور فلاں فلاں دن یا رات یا اوقات میں اتنے مقدار میں بارش ہوگی۔

(حدیث شریف ۲) مروی ہے کہ ایک سال کی بارش دوسرے سال سے زائد یا کم نہیں ہوتی ہاں جب کسی علاقہ کے لوگ معاصی اور جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بارش دوسرے علاقہ میں برسا دیتا ہے جب دنیا کے لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش کو جنگلوں اور دریاؤں پر برساتا ہے۔

(حدیث شریف ۳) قدسی حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے میری اطاعت

وعبادت کرتے رہیں تو میں ان کو رات کے وقت بارش عطا کرتا رہوں گا اور سورج دن کو نکالتا رہوں گا اور نہ ہی انہیں بادل کی سخت گرج سناؤنگا۔

(ملفوظ) حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے والا وہ نہیں جو آنسو بہاتا یا روتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا وہ خوش بخت ہے جو اللہ تعالیٰ کے منع کردہ امر سے رک جاتے۔

(حدیث سے) میں ہے کہ چوبیس گھنٹے بارش برستی رہتی ہے وہ جہاں چاہتا ہے برساتا ہے

فائدہ:

اس میں اشارہ ہے کہ اس کا ظاہری و باطنی فیض ہر وقت جاری ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کل کائنات فنا ہوجاتی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ بندہ جب عجز و انکسار کرے تو اسے فیض ملتا ہے اگر نہایت ذلت کا مظاہرہ کرے تو اس کے باطن کو صفائی نصیب ہوتی ہے اور اس کے انس کے شمس کا کسوف دور ہٹ جاتا ہے اور حضور حق تعالیٰ کا بعد دور ہوکر اسے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے بلکہ تجلیات حق کو ظاہری آنکھ سے دیکھتا ہے اس کے سر مخفی بھید پر رحمت کی بارش برستی ہے اور اپنے اصلی مقام کیطرف لوٹ آتا ہے اس کے قلب پر مشاہدۂ انس سے تر و تازہ گلاب اگتا ہے۔

فائدہ: عرائس البیان میں ہے ایسے حضرات کے لئے اپنے انوار جمال مکشوف فرماتا ہے اس کے بعد کہ جب وہ مقام قبض میں وجدانِ الٰہی سے ناامید ہوجاتے ہیں اور لطائف بسط قرب سے ان پر رحمت کی بارش برساتا ہے کیونکہ یہ حضرات اس کے محبوب اور پیارے اولیاء ہیں اور محتاجی اور فقر و فقیری سے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو خوف ورجا سے تربیت فرماتا ہے۔ جب وہ اس سے طمع کرنے لگتے ہیں تو ان میں ناامیدی پیدا کر دیتا ہے پھر جب وہ بہت زیادہ مایوس ہوتے ہیں تو ان میں رحمت کی امید پیدا فرما دیتا ہے جب کسی بندے پر ناامیدی چھا جاتی ہے یہاں تک کہ مایوسی سے اس کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے تو اچانک اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی کشادگی کا سبب بنتا ہے جس سے اس کی تمام ناامیدی امید سے بدل جاتی ہے۔ اس کی دلیل آیت وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا الخ ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت کا بادل اپنے محبوب اولیاء کے قلوب پر نازل فرماتا ہے اس سے توبہ و انابۃ و مراقبہ ورعایت کا بیج پیدا ہوتا ہے ایسے قلوب پر ابر جود و بارانِ جود برساتا ہے انہیں اس سے ان کا گل تر و تازہ کھلتا ہے یہاں تک کہ بندہ اپنی پہلی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ:

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ قبض و بسط یکے بعد دیگرے اس لئے آتے ہیں تاکہ انسان نہ ہر وقت ہنستا رہے نہ ہر وقت روئے۔

حکایت صاحب روح البیان نے قدس سرہ نے فرمایا ایک سال عرب نے حاجیوں کو شام کے علاقہ میں لوٹا میں بھی ان حاجیوں کے ساتھ تھا میں قمیص و شلوار کے علاوہ تمام سامان چھوڑ کر منہ سامنے چل پڑا لیکن مجھے غیب سے آگاہ کیا گیا کہ دائیں جانب چلو میں دائیں جانب چلتا چلتا تھک گیا اور بھوک نے آنا کرد اور نڈھال ہو گیا کہ ایک ریت کے ٹیلے پر جان سے ناامید ہو کر گر پڑا اس وقت میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہ تھا مجھے میرے کان میں یہ شعر سنایا گیا ؎

عسی الکرب الذی امسیت فیه　　یکون ورائه فرج قریب

ترجمہ، دکھ کی شام ہونے پر اس کے آگے عنقریب کشادگی ہی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ دکھ درد ٹال دیا اور ایسی کشادگی کی کہ جس کا بیان نہیں کیا جا سکتا بلکہ بیان نہ کیا جائے تو بہتر ہے وہی ولی حمید ہے۔

تفسیر عالمانہ ومن آیاتہ اور اللہ تعالیٰ کے دلائل قدرت میں سے ایک دلیل یہ ہے خلق السموٰت والارض آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا اور ان کے اندر کی مصنوعات کے عجائبات اس لئے کہ یہ اس کی ذات یا صفات کی مختلف شانیں ہیں حواشی سعدیہ میں ہے کہ اس میں علم کلام کے ان مسالک اربعہ کی طرف اشارہ ہے جن سے وجود صانع پر استدلال کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے

یہ (۱) جواہر حادث ہیں

(۲) وہ ممکن ہیں۔

(۳) اعراض حادث اور جواہر کے ساتھ قائم ہیں

(۴) وہ بھی جواہر کی طرح ممکن ہیں

خلق السموٰت الخ اضافۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے وما بث فیہما (الصفۃ) اس کا عطف السموٰت پر ہے یا الخلق پر بث بمعنی فرق یعنی پھیلایا زمینوں اور آسمانوں میں

۔فائدہ، امام راغب نے کہا کہ البث بمعنی اثارۃ الشئ وتفریقہ یعنی شے کو پراگندہ اور متفرق کرنا مثلاً کہا جاتا ہے "بث الریح التراب" ہوا نے مٹی پھیلائی "وبث النفس ما انطوت علیہ من الغم والسرور" نفس نے اپنے اوپر غم و سرور کو پھیلایا آیت میں بث سے تخلیق کائنات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے کل کائنات معدوم تھی پھر عالم وجود میں آئی۔ من دابۃ ہر زندہ سے مسبب ہو کر سبب مراد لیا گیا ہے دابۃ وہ شے جو زمین پر چلے یہ سبب ہے مجازاً اس سے مُسبب یعنی ہر وہ شے

جس میں حیات ہو مراد لیا گیا ہے اس تقریر پر دابّۃ بمعنی حی ہے اس معنی پر یہ لفظ ملائکہ کو بھی شامل ہوگا کیونکہ ملائکہ بھی ذو حرکۃ اور آسمان میں اڑنے والی مخلوق ہے اگرچہ وہ چلتے ہیں اڑتے بھی ہیں اور یہ بھی ہے کہ کہا جائے کہ دابّۃ تو وہ ہے جو زمین پر چلے اس لئے کہ جو چیزوں میں سے ایک سے مخصوص ہو تو پھر ان دونوں کو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان یہ دونوں نمک سے نکلتے ہیں لیکن ان میں دریاؤں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ملائکہ اڑتے ہیں تو چلتے بھی ہیں اس معنی پر انہیں دابۃ کہا جا سکتا ہے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے جو وہاں چلتے رہیں جیسے وہیں پر انسان چلتے ہیں جیسا کہ "ویخلق مالا تعلمون" سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساتویں آسمان کے اوپر ایک دریا ہے جس کے اوپر اور نیچے کا حصہ اتنا وسیع ہے جتنا آسمان و زمین کے مابین کی مسافت ہے اس کے اوپر آٹھ ملائکہ ہیں ان میں ہر ایک کے گھٹنوں اور پاؤں کی مسافت اتنی ہے جتنی آسمان و زمین کی درمیانی مسافت ہے۔ اس کے اوپر عرش عظیم ہے۔

صاحب روح البیان کی تحقیق

فقیر صاحب روح البیان قدس سرہ کہتا ہے کہ ملائکہ کے مختلف احوال ہیں اور ان کی صورتیں بھی مختلف ہیں انہیں ایک حال اور صفت پر محصور نہیں کیا جا سکتا ان میں بعض چلتے ہیں اور بعض اڑتے ہیں انہیں اڑنے کی صفت سے موصوف کرنا ان کی قوت بازو کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اتنے تیز رفتار ہیں کہ تھوڑے سے عرصہ میں بڑی بڑی مسافتیں طے کر لیتے ہیں ان کے پروں کا ہونا ان کے پاؤں کے منافی نہیں اس لئے کہ وہ اڑتے بھی ہیں اور چلتے بھی ہیں

وھو علی جمعھم اور وہ حساب کے بعد قیامت میں حشر اجسام پر "اذا یشاء" جس وقت چاہے گا "قدیر" قادر ہے وہ بہت بڑی قوت و طاقت والا ہے ھو مبتدا اور قدیر اس کی خبر ہے "علی جمعھم" قدیر کے متعلق ہے اور اذا قدیر سے منصوب نہیں بلکہ جمعھم سے ہے کیونکہ اسے قدیر کے متعلق کیا جائے تو معنی فاسد ہوتا ہے کیونکہ جمع مشیت سے مقید ہے کہ قدرت سے اور لفظ اذا جب وقت کے معنی میں ہو تو وہ جیسے ماضی پر داخل ہوتا ہے ایسے ہی مضارع پر بھی قال اللہ تعالیٰ "واللیل اذا یغشی" (قسم ہے رات کی جب ڈھانپتی ہے)

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ سمٰوٰت ارواح و ارض اور جو کچھ ان کے اندر نفوس و قلوب پھیلائے ہوئے ان کو آپس میں کوئی مناسبت نہیں کیونکہ ارواح و اجساد میں غنا کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ جسم اسفل السافلین میں اور روح اعلیٰ علیین میں ہے اور نفس کو شہوات حیوانیہ دنیویہ کی

طرف اور قلب کو شواہد روحانیہ اخرویہ ربانیہ کی طرف میلان ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دنیا احساس کی زینت کی طلب اور آخرت اور آخرت کے درجات کی طلب اور حضرت حق اور اس کے درجات کی طلب کے جمع کرنے کرنے پر جب چاہتا ہے قادر ہے۔

حشر کے اقسام

حشر کی قسم ہے
(۱) عوام کا حشر — قیامت میں قبور سے اجساد کا حشر

(۲) خواص کا حشر — ارواح اخرویہ کو تبور اجسام دنیویہ سے حال حیات میں سیر و سلوک کے ساتھ عالم روحانیت کی طرف جمع کرنا کہ جس سے حجب ظلمانیہ جل کر راکھ ہو جائیں

(۳) اخص الخواص کا حشر — تبور روحانیہ سے حجب نورانیہ کو قطع کر کے اسرار کو قبور سے نکال کر عالم ہویت کی طرف لے جانا اس وقت انسان اپنے اصل کی طرف اختیار اور پسندیدہ رجوع کرتا ہے اور اپنے محبوب حقیقی کے ہاں جا پہنچتا ہے ؎

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجتست ⁂ چون روئے دوست ہست بصحرا چہ حاجتست

ترجمہ: خلوت گزین کو تماشا کی کیا ضرورت جب محبوب کا چہرا سامنے ہے تو پھر جنگل میں جانے کا کیا فائدہ۔
نفس سے خروج اللہ تعالیٰ کی عنایت کے سوا ناممکن ہے اور اسلاف کا طریقہ تھا کہ وہ اصلاح

نفوس اور اس کے تقاضوں اور خواہشات نفسانیہ کے قلع قمع کرنے میں بہت زیادہ جدوجہد کرتے تھے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیٹھ پر پانی کی مشک اٹھائے جا رہے تھے عرض کی گئی کہ کیا گھر میں پانی کی کمی ہے آپ نے فرمایا کہ پانی کی قلت تو نہیں لیکن نفس کی شرارت کا قلع قمع یونہی ہوتا ہے اس لئے کہ اس نے جب دیکھا ہے کہ اطراف کے ملوک و سلاطین میرے زیر فرمان ہیں۔ اور مختلف بلاد سے وفود ملاقات کے لئے آرہے ہیں تو نفس کی سرکشی کا خطرہ ہے اسلئے اسے پانی کی خدمت دے رہا ہوں

سبق اس سے حضرت عمر نے سبق سمجھایا کہ بقا کا حصول ناممکن ہے جب تک نفس کو فنا نہ کیا جائے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی جناب کے ہاں پہنچنے کی توفیق بخشے (آمین)

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ
يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْ
اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ
الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ
عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ
مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ
كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ
وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ
سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى
الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

الْحَقِّ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ
وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

ترجمہ:۔ اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے اور تم زمین میں قابو سے نہیں نکل سکتے اور نہ اللہ کے مقابل تمہارا کوئی دوست نہ مددگار اور اس کی نشانیوں سے ہیں دریا میں چلنے والیاں جیسے پہاڑیاں۔ وہ چاہے تو ہوا تھما دے کہ اس کی پیٹھ پر ٹھہری رہ جائیں۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صابر شاکر کو یا انہیں تباہ کر دے لوگوں کے گناہوں کے سبب اور بہت کچھ معاف فرما دے۔ اور جان جائیں وہ جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں کہ انہیں کہیں بھاگنے کی جگہ نہیں۔ تمہیں جو کچھ ملا ہے وہ جیتی دنیا میں برتنے کا ہے اور وہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور جب غصہ آئے معاف کر دیتے ہیں اور وہ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم رکھی اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور وہ کہ جب انہیں بغاوت پہنچے بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے تو جس نے معاف کیا اور کام سنوارا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ بیشک وہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور بیشک جس نے اپنی مظلومی پر بدلہ لیا ان پر کچھ مواخذہ کی راہ نہیں۔ مواخذہ تو انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی پھیلاتے ہیں ان کے لیئے دردناک عذاب ہے اور بیشک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وما اصابکم ما شرطیہ ہے بعض کے نزدیک موصولہ مبتدا ہے اس کی خبر پر فاء اس لئے داخل ہے کہ وہ شرط کے معنی کو متضمن ہے یعنی اے مومنو! جو کچھ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچتی ہے من مصیبۃ کوئی بھی مصیبت از قسم درد و آلام اور بیماریاں اور قحط و خوف یہانتک کہ جسم پر معمولی سی چوٹ اور قدم کی لغزش اور رگ پھڑکنا وغیرہ بدن میں یا مال میں اہل میں یا عیال میں اسمیں حدود کل المعاصی داخل ہیں جیسے " ویعفو عن کثیر " یعنی وہ امور داخل ہیں جن پر حد قائم نہیں ہوتی " فبما کسبت ایدیکم " تو وہ

تمہارے ان اعمال کے سبب سے ہیں جن کا تم ارتکاب کرتے ہو ۔ ہاتھوں کی قید اس لئے ہے کہ اکثر امور انہی سے سرانجام پاتے ہیں باقی بہت کم امور دوسرے اعضاء سے ہوتے ہیں لیکن ان کے تابع کیا گیا ہے خلاصہ یہ کہ انسان کی ہر مصیبت کا سبب اس کا خود کردہ گناہ ہے کم از کم کسی نیکی سے کوتاہی بھی مصیبت کا سبب بن جاتی ہے ۔
مثنوی شریف میں ہے ۔

ہرچہ بر تو آید از ظلمات غم ۔۔ آں ز بے باکی وگستاخیست ہم

ترجمہ : جو کچھ تجھ پر ظلمات غم آتی ہیں یہ تیری اپنی بے باکی اور گستاخی کی وجہ سے ہے ۔

حدیث شریف میں ہے کہ تقدیر کو صرف دعا ہی ٹالتی ہے اور عمر کو نیکی ہی بڑھاتی ہے اور کبھی انسان گناہ کی شامت سے رزق سے محروم بھی ہو جاتا ہے ۔

فائدہ : اسی لئے ہم اہل سنت اللہ والوں کے پاس جاتے اور اُن سے دعا طلبی کرتے ہیں کہ ان کی دعا سے بگڑی بن جاتی ہے ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
اگر ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

چنانچہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ)

قولہ لا یرد الخ لان من جملۃ القضاء رد البلاء بالدعا فالدعا سبب لدفع البلاء وجلب الرحمۃ کما ان الترس سبب لدفع السلاح والماء سبب لخروج النبات من الارض ص ۳۳۲ ج ۸ ۔

ترجمہ :۔ کیونکہ بہت سی بلائیں دعا سے رد ہو جاتی ہیں اس لئے کہ دعا دفع بلا اور رحمت کے کھینچنے کا سبب ہے جیسے ڈھال تلوار کو دفع کرتی ہے اور پانی زمین سے انگوری کو نکالتا ہے ۔

فائدہ : حضرت ضحاک نے فرمایا کہ بندے کا قرآن مجید کو پڑھ کر بھول جانا بھی کسی گناہ کے سبب سے ہوگا اور خود قرآن مجید کا بھولنا بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے مقابلے اور کوئی گناہ نہیں اس کے بعد یہی آیۃ پڑھی و یعفو عن کثیر اور وہ بہت سے گناہ بخش دیتا ہے اسی لئے ان پر سزا نہیں دیتا ورنہ اگر اس کی عفو و تجاوز اور چشم پوشی نہ ہوتی تو زمین پر کوئی بھی باقی نہ رہتا ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں قلوب عباد و اہل مصائب کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر تمہیں گناہوں اور جرائم کی کوئی ایسی مصیبت پہنچے جو اخروی ابدی سزا کا موجب ہیں تو ہم نے ان کے مٹانے

کا سبب بھی بنایا ہے جس کا نام مصیبت ہے کہ دنیائے فانی میں تمہیں اسمیں مبتلا کر کے تمہارے غلط کردار کا بدلہ بنایا جاتا ہے بلکہ تمہارے گناہ اس سے دھل جاتے ہیں اور مصیبت کے بعد تم گناہوں سے پاک ہو جاتے ہو ۔

فائدہ اگر کسی بندے پر مسلسل مصائب و تکالیف نازل ہوں تو وہ اپنے اندر جھانک کر دیکھے کہ اس سے کوئی ایسا گناہ تو نہیں ہوا جس کی وجہ سے میں اتنا مصائب اور تکالیف میں مبتلا ہوا ہوں اگر یاد آجائے تو پھر اس پر معافی اور گریہ و زاری عمل میں لائے تاکہ اسے ان مصائب و تکالیف سے معافی نصیب ہو۔ یہاں تک کہ جتنا اپنے گناہوں اور جرائم کو یاد کر کے آنسو بہائے گا اتنا زائد لطف و کرم بڑھے گا۔

حکایت حضرت سلیمان درانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیوں جلد تر معاف کر دیتے ہیں جو ان کی مذمت یا ان پر ظلم و ستم کرتے ہیں انہوں نے فرمایا اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس مصیبت میں گرفتار ہوئے اور یہ گرفتاری گناہوں کے ازالہ کے لئے تھی اس لئے ہم ان کے شکریہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔ اس کے بعد یہی آیت پڑھی۔ وما انتم بمعجزین فی الارض اور تم ہیں عاجز کرنے والے نہیں یعنی تم گناہ کر کے ہم سے نکل کر کہیں جانے والے نہیں اگرچہ زمین کسی کونے میں جا کر چھپ جاؤ تب بھی ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش یا تمہارے عذاب کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو تم اس سے کہیں دنیا میں نکل جاؤ گے اور نہ ہی اس کے عذاب کو روک سکو گے۔

حل لغات اہل لغت نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے اعجزتہ فیہ بمعنی سبقتہ ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے بھاگ کر اس سے صاف نکل جائے۔ تفسیر المناسبات میں ہے کہ جب کسی کو موت کے علاوہ اور کسی عذاب میں مبتلا کیا جاتا تب وہ سمجھتا کہ وہ عاجز ہے ورنہ موت سے پہلے کسی تکلیف نہ پہنچنے پر سمجھتا کہ وہ کسی کے قابو آنے والا نہیں اسی لئے فرمایا وما انتم الخ اور اس کے مخاطب جملہ اہل عرب وغیرہم ہیں یعنی اگر اللہ تمہیں بالکل مٹانے یا کسی اور مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو تم اس سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے۔ وما لکم اور کیا ہے طاقت کر مجتمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا کچھ کر سکو گے جب کثیر تعداد میں ہو کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے پھر تمہارا اتنا اس کا کیا کر سکتا ہے۔ "من دون اللہ" اللہ کے سوا کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو عظمت و کبریائی و عزت کے لحاظ سے ہر شے کو محیط ہے "من ولی" جو تمہارے امور میں سے کسی شے کا متولی اور کفیل کار ہو ذاتی طور تمہیں مصائب سے بچائے "ولا نصیر" اور نہ تمہارا کوئی مددگار جو تم سے عذاب ٹال دے۔

تفسیر صوفیانہ آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ جب کسی پر کوئی مصیبت یا تکلیف کا نزول ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑائے اور زاریاں اور گناہوں سے بکثرت استغفار کرے اور نفس کا محاسبہ کرے کہ ان مصائب و تکالیف کا موجب کونسا گناہ ہے یاد آنے پر توبہ کرے تاکہ نفس ایسی تباہی و

بربادی سے بچ جائے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اسی لیے پیدا فرمایا تاکہ اس کے سامنے اپنے عجز و انکسار کا اظہار کریں اور ہر وقت اسی کے سامنے اپنے حاجات اور ضروریات پیش کرکے اسی سے مانگیں اگر درود شروع نہ ہوتا یعنی ہمیں شریعت پاک اگر ایسے راستے نہ بتاتی تو ہمیں اتنے بہت بڑے کمالات حاصل نہ ہوتے اور ایسی تنبیہات پر ہی انسان کے اندر امانت رکھے ہوئے جواہرات ظاہر ہوتے ہیں اور انسان میں ایسے طور پوشیدہ ہیں جیسے کھیتی میں بیج ڈالنے سے بہت بڑی کھیتیاں اور پودے اور اشجار و باغات پھل پھول اور بہترین اشیاء پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اسوقت ہے جب زمین پانی کی مار اور ہل و دیگر آلات کی ضربات اور سورج کی گرمی سر پر اٹھاتی یعنی پہلے وہ مصائب و تکالیف کا نشانہ بنتی ہے پھر ایسے خزائن و گنجینے پیدا ہوتے ہیں، ایسے ہی جب تک انسان کو دکھ، درد، آلام و مصائب نیز تکالیف نہ پہنچیں اسے معلومات الٰہیہ کے خزینے و گنجینے اور عجیب و غریب حکمتیں و مصلحتیں نصیب نہیں ہوتیں۔

فائدہ: امام واحدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی آیات میں زیادہ رحمت سے زیادہ پُر امید کرنے والی یہی آیت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے گناہ دو قسم کے بتائے ہیں بعض ایسے ہیں جن کا کفارہ مصائب و تکالیف بنتے ہیں اور بندے کو ان مصائب و تکالیف سے دنیا میں گناہوں سے پاک اور صاف کر دیتا ہے وہ ایسا کریم ہے کہ ایسے بندے سے قیامت میں گناہوں کے متعلق پوچھے گا تک نہیں اور یہ طریقہ صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوتا ہے اور کافر کے لئے دنیا میں گناہوں کا کوئی کفارہ نہیں بلکہ قیامت سے اس کے کفر کا پورا پورا حساب ہوگا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ بندے کے گناہ کا ارتکاب اس پر قہر خداوندی و غضب الٰہی کی نشانی ہے اور گناہ کا مرتکب گناہ کے ارتکاب کے وقت سمجھے کہ اب میرے اور رب تعالیٰ کے درمیان حجابات آگئے پھر اگر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے تو گناہ مصائب و تکالیف دیکر معاف کرتا ہے ورنہ اسے اس کی گمراہی میں چند روز مہلت دیتا ہے۔

ازالۂ وہم | یہ مصائب و تکالیف عوام کے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام اور اطفال و مجانین کو اس کلیہ میں نہ شامل کیا جائے بلکہ ان کے مصائب و تکالیف میں مبتلا ہونے کے اسباب اور ہوتے ہیں نہ کہ گناہوں کی وجہ سے ہاں عوام ایسی مصائب و تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیاء کرام وغیرہم محفوظ از گناہ ہیں

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو مصائب و تکالیف پر صبر کرنے سے اجر عظیم عطا ہوتا ہے

حضور علیہ السلام کی سکرات بھی بعض امت کیلئے اجر و ثواب | حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے وقت بظاہر سکرات کی کرب

وتکلیف ان لوگوں کے اجر وثواب کے حصول کا سبب بنی جو آپ کے حال مبارک کا مشاہدہ کر رہے تھے کیونکہ حقیقت میں حضور علیہ السلام کو تو اس سکرات سے تکلیف کے بجائے استغراق ومشاہدہ تجلیات ربانیہ سے فرحت وسرور تھا لیکن دیکھنے والوں کو کرب وتکلیف محسوس ہوئی جس کی انہیں پریشانی لاحق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایسی پریشانی سے انہیں اجر وثواب سے نوازا۔

(**مسئلہ**) ایسے ہی اطفال ومجانین کی تکالیف سے ان کے متعلقین کو اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔

(ابتلاء تین قسم ہے) (۱) کسی لغزش اور ظاہری خطا کی وجہ سے مصائب وتکالیف میں فوراً مبتلا کر دینا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ جب بی بی زلیخا نے آپ سے ارادہ کیا تو آپ کا اس کے بالمقابل اور ارادہ کرنا یا پھر قید خانے میں بادشاہ کے خادم کو کہنا اذکرنی عند ربک الخ تو پھر مزید چند سال قید میں رہنا۔ (۲) بندے کو اس لئے مصائب وتکالیف میں مبتلا کرنا تاکہ اس کے باطن کا راز عوام کے سامنے ظاہر ہو۔ پھر انہیں معلوم ہو کہ اس بندے کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بڑا مرتبہ ہے جیسے حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا انا وجدناہ صابرا نعم العبد انہ اواب (۳) جس بندے کو مصائب وتکالیف میں مبتلا کیا جائے اس سے اس کی کرامت کا اظہار اور اپنی جناب میں اس کے قرب میں اضافہ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ آپ سے باوجودیکہ کوئی خطا سرزد نہ ہوئی اور نہ کبھی اس کا ارادہ فرمایا لیکن باوجود ایں ہمہ آپ کو شہید کر کے آپ کا سر مبارک بنی اسرائیل کے باغی گروہ کے سپرد کیا گیا۔

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دکھ اور تکلیف اور ہر آزمائش سے سلامت وعافیت کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے کما قال واسئل اللہ العافیۃ من کل بلیۃ میں اللہ تعالیٰ سے ہر آزمائش سے عافیت کا سوال کرتا ہوں اور عافیت سے بھی یہی مطلوب تھا کہ کوئی آزمائش نہ ہو اگر نازل ہو تو پھر اسے نفس کے سپرد نہ کیا جائے اور نہ ہی رسوائی ہو ہاں وہ اپنی نگرانی وحفاظت میں رکھے یا یہ سوال ہو کہ اس ابتلاء میں عافیت ہو شدت نہ ہو اس لئے کہ شدۃ کا نزول گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ ابتلاء سے پناہ عافیت دیگی اور شدۃ گناہوں کے ازالہ سے دور ہوگی۔ یہی آیت وما اصابکم من مصیبۃ الخ سے ثابت ہوتا ہے اور دوسرے مقام پہ فرمایا فلنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر۔

سبق عاقل پہ لازم ہے کہ وہ دنیا وآخرت میں عفو وعافیت کا سوال کرے اگر وہ کسی آزمائش میں مبتلا ہو تو اس پر صبر کرے تاکہ صبر پہ اجر نصیب ہو ہاں اسکے بارے میں فکر کرے کہ اس کا سبب کوئی گناہ تو نہیں اس پہ اپنے حال کی صفائی کی کوشش کرے۔ اور اپنے انجام بخیر کیلئے جد وجہد کرے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تری الناس وصافی القوار یرصافیا ۞ ولم تدر ما یجری علی راس سمسم

ترجمہ ۔ لوگ صرف شیشی میں صاف تیل دیکھ رہے ہیں انہیں کیا خبر کہ تل کے بیج بیچارے کے سر پر کتنے غم کے پہاڑ ٹوٹے ہیں ۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

شکر کمال حلاوت بس از ریاضت یافت ۞ نخست در شکن تنگ از آں مکاں گیرد

ترجمہ ۔ شکر میں کمال مٹھاس ہے لیکن اس نے یہ کمال بڑی ریاضت کے بعد حلاوت حاصل کی ہے پہلے تنگ دروازہ توڑ پھر اس کے بعد مکان کے اندر ۔

اور فرمایا ؎

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر ۞ آری شود ولیک بخون جگر شود

ترجمہ ۔ کہتے ہیں کہ پتھر بھی لعل بنتا ہے مگر صبر کا مقام طے کرنے سے ہاں یہ ہو سکتا ہے لیکن جگر کو خون کرنا پڑتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ " ومن آیاتہ " اور اللہ تعالیٰ کی وحدت و قدرت اور عظمت و حکمت کے دلائل سے ایک دلیل " الجوار " کشتیاں چلنے والی بھی ہیں ۔ یہ دراصل الجواری تھا دال پر کسرہ کیوجہ سے یار گر گئی ہے " فی البحر " دریا میں " کالاعلام " پہاڑوں کی طرح یہ علم (بفتحتین) کی جمع ہے بمعنی جبل اور بلند شے اور اس سے مطلق پہاڑ مراد ہیں جن پر آگ ہو جن سے راستہ معلوم کیا جاتا ہے یعنی وہ کشتیاں عظمت کے لحاظ سے پہاڑوں کی طرح ہیں ۔ جوار جاریۃ کی جمع ہے بمعنی چلنے والی السفن کی صفت ہے اور السفن موصوف محذوف ہے اور فی البحر الجوار کے متعلق ہے اور اسی سے حال ہے اگرچہ وہ اسم جامد ہے اس لئے کہ کشتی کا اسم ہے اس نام سے بھی اسی لئے موسوم ہیں کہ وہ جاری ہوتی ہیں اور ہر دونوں اعتبار سے کالاعلام اسی سے حال ہے ۔ " ان یشاء اللہ " اگر اللہ تعالیٰ چاہے یہ شرط ہے اس کی جزار یسکن الریح ہے وہ اس ہوا کو جو کشتیوں کو چلاتی ہے ۔ ٹھہرا دے فیظللن رواکد علی ظھرہ اس کا عطف یسکن پر اور ظلّ بمعنی صار ہے ۔

حل لغات اہل عرب (رکدت السفن) اس وقت کہتے ہیں جب کشتیاں چلنے سے رک جائیں یعنی وہ ہو جائیں ٹھہرنے والی بعد اس کے جب کہ وہ موافق ہواؤں سے چلتی تھیں یعنی پہلے خوشگوار ہواؤں کی وجہ سے چلتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں چلنے سے روک دے اور وہ بالکل غیر متحرک ہو کر ٹھہری رہیں پھر جب کشتیاں چلنے سے رک جائیں تو کشتی سوار لوگ دریا کے گرداب سے سرگرداں اور پریشان ہو جائیں

آن فی ذٰلک" بے شک اس میں جو مذکور ہوا کہ بعض اوقات کشتیاں چلتی ہیں اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت سے رک جاتی ہیں۔ " لآیات " بہت بڑی دلیلیں ہیں اور وہ شمار سے باہر ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں پر دلالت کرتی ہیں " لکل صبار " ہر صبر کرنے والے کیلئے یعنی وہ لوگ جو طاعت الٰہی کی مشقتوں اور تکلیفوں پر بہت زیادہ صبر کرتے ہیں " شکور " اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بہت زیادہ شکر کرتے ہیں کہ اس کی ادائیگی میں ہر عضو کو اسکی طاعت و عبادت میں مشغول رکھتے ہیں جو اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے

فائدہ ، کاشفی نے لکھا کہ اس سے وہ شکر گزار انسان مراد ہے جو کشتی میں تکلیف برداشت کرتے ہوئے صبر کرتا ہے اور کشتی پر دریا کو عبور کر کے شکر کرتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے ہر طرح کی تکالیف برداشت کرنے پر صبر کرنے والا اور ہر نعمت پر شکر کرنے والا مراد ہو اس لئے کہ آنے والا مضمون اسی معنی کی تائید کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مومن کامل کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر دی ہوئی تکلیف پر صبر اور ہر عطا کردہ نعمت پر شکر کرتا ہے اس لئے کہ ایمان کے دو جزو ہیں

(۱) معاصی سے بچنے پر صبر کرنا۔
(۲) ادائیگی واجبات کی توفیق پر شکر کرنا۔ " او یوبقھن بما کسبوا " اس کا عطف یسکن الخ پر ہے

حل لغات

اہل عرب کہتے ہیں اوبقہ بمعنی اھلکہ" اس نے اسے ہلاک کر ڈالا (قاموس) الایباق بمعنی ہلاک کرنا (تاج المصادر) اب معنی یہ ہوا کہ وہ کریم چاہے تو ہوا بند کر کے کشتیوں کو چلنے سے روک دے اور چھوڑ دے تو بعض کشتی سوار غرق ہو جائیں یہ اس کا عدل ہے اور چاہے تو ان پر ہلاکت و تباہی ڈالدے تاکہ دوسروں کو خوف خدا ہو اور وہ عبرت حاصل کریں یہاں پر کشتی سوار مراد ہیں کیوں کہ وہ کسی گناہ کے سبب غرق ہونے کا شکار ہوئے جیسا کہ اس کا قانون ہے آزمائش میں مبتلا کر کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے یہاں پر مضاف محذوف ہے یا مبالغہ ہے بہ تعلق حلول مجاز کشتیوں کا نام لیا گیا ہے۔

فائدہ ؛ سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا کہ آیت کو حقیقی معنی میں رکھنا بھی ممکن ہے یہ آیت۔ ما اصاب من مصیبۃ الخ کی طرح ہو گی اب معنی ہوا کہ اللہ تعالیٰ کشتیوں کو ان کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے غرق کرتا ہے۔ ویعف عن کثیر اور ان کے بہتوں کو معاف کرتا ہے اسی لئے ان کے اموال کو ہلاک نہیں کرتا۔ عفو کا اجراء اس لئے ہوا کہ بسا اوقات کشتیوں کے غرق ہونے پر بعض مر جاتے ہیں اور انہیں اکثر یا بعض صحیح سالم بچ نکلتے ہیں ویعلم الذین یجادلون فی آیاتنا اس کا عطف علۃ مقدرہ پر ہے در اصل ینتقم منھم ویعلم الذین یکذبون الخ ان سے بدلہ لے تاکہ ظاہر کرے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات میں کون جھگڑتا اور ان کی تکذیب کرتا اور ان کے دفع کرنے کے لئے جد و جہد کرتا اور انہیں باطل کرنے کی سعی کرتا ہے جملہ مستانفہ کے طور یعلم کو مرفوع بھی پڑھا

گیا ہے اس کا عطف فعل مجزوم یا تنیفا ہر بھی ہو سکتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اگر چاہے تو بعض کو ہلاک کر دے اور بعض کو نجات دیدے اور ان کے بعض کو خوفزدہ فرمائے۔ مالھم من محیص ان کے لئے عذاب سے بھاگنے کا کوئی چارہ نہیں یہ جملہ معلق بالفعل ہے یعنی جیسے انہیں کشتیوں سے ٹھہرنے کے وقت خلاصی کا چارہ نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی ہوا کی بندش کے وقت کشتیوں کو غرق ہونے سے بچا سکتے تھے ایسے ہی قیامت میں عذاب الٰہی سے بھی بچکر نکل نہیں سکیں گے۔ جس سے انہیں ماننا پڑے گا کہ ضرر رساں اور نافع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اگر کسی شے میں ضرر و نفع کی تاثیر ہے تو وہ عارضی ہے اور وہ بھی اس کی پیدا کردہ ہے [۱]

مسئلہ: کشتی کی سواری میں ہوا پر اعتماد نہ کیا جائے کہ وہ خوشگوار ہوگی تو کشتیاں چلیں گی یا اس کی رفتار صحیح ہوگی تو ہم دریا وغیرہ کو عبور کر لیں گے بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہو۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارات ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غور و فکر کرنے پر تنبیہ فرمائی ہے کہ دیکھو کشتیوں کا چلنا۔ رکنا سب اسی کے قبضہ میں ہے کہ چاہے کسی کو بسلامت پار لگائے چاہے ڈبو دے ایسے ہی حوادث و فتن کے وقت چاہے بندوں کو فنا کر دے چاہے سب کو بچا لے چاہے بعض کو موت دیدے اور بعض کو نجات بخشے اور بچ نکلنے والوں کو شکر کا موقع دیا تاکہ شکر کر کے مزید نعمت کے مستحق ہوں۔ (۲) جیسے خوشگوار ہواؤں سے کشتیاں چل کر دریا کے ساحل پر پہنچتی ہیں۔ ایسے ہی دنیا میں بعض لوگ کی ہمتیں ریح عنایت سے جاری ہو کر ساحل حضرت حق تک پہنچتی ہیں پھر جیسے بعض کشتیاں ہوا کی بندش سے رک جاتی ہیں ایسے ہی بعض قلوب فیوض و برکات رحانی سے محروم ہو جاتے ہیں جیسے بعض کشتیاں دریا میں ڈوب جاتی ہیں ایسے ہی بعض نفوس دنیا میں مرجاتے ہیں (نعوذ باللہ) (۳) جیسے کشتیاں دریا میں خود نہیں چلتیں بلکہ انہیں چلانے والا چلاتا ہے اور اس چلانے والے کا کوئی اور چلانے والا ہے اور وہ ہے ذات خداوندی اسی لئے ہواؤں پر بھروسہ نہ ہو اور نہ ہی کشتیوں پر بلکہ خداوند قدوس کی ذات پر بھروسہ ہو اگر کوئی ہوا یا ملاح پر سہارا کرتا ہے تو وہ مشرک فی الفعل اور حقائق امور سے جاہل ہے

(۴) صابر حقیقۃً وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے اور شاکر بھی وہی جسے شکر کی توفیق اللہ تعالیٰ سے عطا ہو کیوں کہ وہی صبور و شکور ہے

(۵) اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے حادث نہیں ہاں مخلوق کا علم حادث اور اللہ تعالیٰ کے علم کا محتاج اور اس سے متاخر ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے

---

[۱] یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء و اولیاء علی نبینا علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تاثیر سے نفع و نقصان کا سبب ہیں۔ فافہم ولا تکن من الواہابیین

لئے فرمایا "ویعلم" الخ عاقل وہ ہے جس کی نگاہ انجام پر ہو اور وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے۔

در انتہائے کار خود از ابتداء ببیں

کام کے ابتداء کے بجائے انجام پر نگاہ رکھ۔

تفسیر عالمانہ

فما اوتیتم من شیئ پس وہ چیزیں جنہیں تم چاہتے اور ان میں رغبت کرتے ہو جیسے مال و معاش و اولاد) جو تم دیئے گئے ہو فمتاع الحیوۃ الدنیا تو یہ دنیا کا متاع ہیں ان میں سے نفع پاؤ لیکن جب تک زندہ ہو اور وہ بالکل قلیل مدت ہے اس کے بعد فنا ہی فنا ہے۔
ما موصولہ شرط کے معنی کو متضمن ہے اس لئے کہ جو اسباب تمہیں دیئے گئے ہیں یہ صرف دنیا میں نفع اٹھانے کے سبب ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ بندے کو جو نعمتیں حاصل ہوں ان پر شکر کرے اسی لئے اس کے جواب پر فاء داخل کی گئی ہے اور مبتداء مقدر ہے اس لئے کہ اس کا جواب جملہ ہوتا ہے۔ دوسرے جملہ میں مقصود کچھ اور ہے وما عند اللہ الخ میں خیریت و دوام کا اظہار مطلوب ہے بعض نے کہا کہ ما شرطیہ ہے لیکن وما اوتیتم الخ کا مفعول ثانی ہے اور اوتیتم بمعنی اعطیتم ہے اور ضمیر مخاطبین فاعل کے قائم مقام ہے اور ما کے اندر جو ابہام ہے من شیئ میں اس کا بیان ہے وما عند اللہ اور وہ ثواب (جس کی طرف ابھی اشارا ہوا) جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے خیر وہ ذاتی طور اچھا ہے اس لئے کہ اس میں نفع ہی نفع ہے اور یہ ما کی خبر ہے "وابقی" اور ہر زمانہ میں باقی رہنے والا ہے کہ نہ زائل ہوگا نہ فنا پائے گا۔ بخلاف دنیوی مال و منال کے کہ یہ زائل بھی ہوگا اور فانی تو ہے ہی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا ظلمت کدہ ہے اس میں اکثر قلوب ملاوٹ سے خالی نہیں کسی کو دنیوی کمال حاصل ہوتا ہے تو وہ عارضی ہوتا ہے جو چند دنوں کے بعد زائل ہو جاتا ہے اور وہ خود بھی اس کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے ہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں یعنی وہ جو اس نے اپنے بندوں کو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اچھا اور باقی رہنے والا ہے اور یہ دنیوی مال و اسباب تو قلیل اور فانی ہے بلکہ اس کے الطاف خفیہ و مقامات علیہ مواہب سنیہ بہتر اور باقی رہنے والے ہیں ان کا مقابلہ نہ دنیوی نعمتیں کر سکتی ہیں اور نہ اخروی۔

تفسیر عالمانہ

" للذین آمنوا " ان لوگوں کے لئے جو ایمان و اسلام میں مخلص ہیں یہ ابقی کے متعلق ہے حواشی سعدیہ میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لام بیانیہ ہے یعنی بیان کیا گیا ہے کہ یہ نعمتیں جو خیر و ابقی ہیں وہ ملیں گی کن کو۔ ابو اللیث نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ گویا کسی نے پوچھا کہ ان نعمتوں کا ثواب کسے ملے گا تو فرمایا " للذین آمنوا وعلی ربھم یتوکلون۔ اہل ایمان کے لئے جو اپنے رب تعالیٰ پر

بھروسہ کرتے ہیں انہیں غیر سے کسی قسم کا واسطہ نہیں یعنی ان کا توکل صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے انہیں جب بھی کوئی امر عارض ہوتا ہے تو وہ اسے صرف اپنے پروردگار کی طرف منسوب کرتے اور اسی پر سہارا کرتے ہیں۔

شانِ نزول سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا تو لوگوں نے آپ کو ملعون کیا ان کے جواب میں یہی آیت نازل ہوئی

مستغرق کار خود چنانم کہ دگر پروائے
ملامت گر بے کارم نیست

ترجمہ: مجھے اپنے کام میں اتنی مصروفیت ہے کہ مجھے ملامت گر کا خیال تک نہیں۔

(فائدہ) آیت میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ دنیوی نعمتوں سے نہیں ہو سکتا لیکن وہ ہر ایک کو نہیں ملیں گی بلکہ ان کا مستحق وہ ہے جو ایمان و توکل کے صفات سے موصوف ہونے کے علاوہ آنے والے اوصاف کا ہونا بھی ضروری ہے اس سے معلوم ہوا دنیوی نعمتوں و منفعتوں میں مومن و کافر برابر ہیں اور ہر دو نوں برابر طور سے ان سے نفع پا سکتے ہیں جیسا کہ بوستان میں ہے ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست ۔۔ چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

ترجمہ: روئے زمین اس کا عام دستر خوان ہے اس غنیمت کے دستر خوان پر دشمن و دوست یکساں ہیں۔

ہاں جب مومن آخرت میں حاضر ہوگا تو وہاں کی نعمتیں صرف مومن کو نصیب ہوں گی کافر محروم ہوگا۔

سبق جو شخص یقین کرے گا کہ دنیوی نعمتوں کو فنا ہے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہیں تو وہ آخرت کو اختیار کرے گا دنیا کو چھوڑ دے گا لیکن یہ وہ فضل ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہے عطا فرما دے۔

حکایت ہارون الرشید کے زاہد بیٹے کی

ہارون الرشید کا ایک بیٹا سولہ سال نوجوان دنیا کو ترک کرکے آخرت کا ہو گیا تنہائی میں زندگی بسر کرتا ایک دن ہارون الرشید اس سے گزرا اور اس کے ساتھ وزراء بھی تھے کہا اس لڑکے نے بادشاہ کو خوب رسوا کیا اب بادشاہ دوسرے بادشاہوں کے سامنے کیا منہ دکھائے گا ہارون الرشید نے بیٹے کو بلا کر کہا بیٹے تو نے یہ حالت اختیار کرکے مجھے خوب شرمسار کیا نوجوان نے کوئی جواب نہ دیا منہ پھیر کر دیکھا ایک پرندہ دیوار پر بیٹھا تھا اسے کہا اے پرندہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جاوہ پرندہ اٹھکر نوجوان کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا پھر فرمایا اپنی جگہ پر چلا جا وہ چلا گیا پھر کہا بادشاہ (ہارون الرشید) کے ہاتھ پر آکر بیٹھ جا وہ پرندہ نہ آیا نوجوان نے کہا بابا تو نے ہی الٹا مجھے رسوا کیا میں اولیاء اللہ کے سامنے آپکی وجہ سے سخت شرمسار ہوں کہ آپ دنیا کی محبت

میں گرفتار ہیں اب میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ آپ سے علیحدگی اختیار کر لوں یہ کہہ کر شہر سے باہر چلا گیا اور ساتھ ہی ایک انگشتری لے لی اور قرآن مجید بلبصرہ کا رخ کیا وہ صرف ہفتہ کے دن مزدوری کرتا اور صرف یومیہ ایک درم لیتا تھا تاکہ روزی حلال کھا سکے۔

ابو عامر الواعظ بصری کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے اسے مزدوری کے لیے بلایا اس نے دس آدمیوں کا اکیلا کام سمیٹ لیا ایک ہاتھ میں گارہ لے کر دیوار پر رکھتا اور پتھروں کو جوڑ کر دیوار تیار کر لیتا میں سمجھ گیا کہ یہ ولی اللہ ہے کہ ان کی غیبی مدد ہوتی ہے اسی طرح میں اسے دوسرے روز بھی مزدوری کے لیے لینے گیا تو دیکھا وہ بیمار پڑا ہے اور ایک ویرانے میں آرام کر رہا ہے مجھے دیکھ کر کہا ؎

یا صاحبی لا تغتر بتنعم ۔۔ فالعمر ینفلد النعم یزدل

واذا احملت الی القبود جنازۃ ۔۔ فاعلم بانک بعدھا محمول

ترجمہ: اے دوست نعتوں پر غرہ نہ ہونا عمر ختم ہو گی اور نعمتیں ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ جب تم جنازہ کو لیکر گورستان کو جاتے ہو یقین کر لو ایک دن تمہیں بھی اسی طرح اٹھائیں گے پھر مجھے اس نے غسل کا کہا اور فرمایا کہ مجھے اپنے اسی جبہ میں کفنانا میں نے کہا عزیز آپ کو نئے کپڑوں سے کفناؤنگا فرمایا اے ابو عامر کپڑے تو قبر میں گل سڑ جائیں گے البتہ اعمال باقی رہیں گے پھر فرمایا یہ میرا قرآن مجید اور انگشتری ہارون الرشید کو دینا اور کہنا کہ تیرا بیٹا مسافر کہتا تھا کہ غفلت کو چھوڑ دو ابو عامر کہتے ہیں میں نے انہیں نہلایا اور اسی طرح کفنایا جیسے اس کی وصیت تھی اور قرآن اور انگشتری ہارون الرشید کو سپرد کی اور جو اس نے کہا وہ پیغام پہنچایا ہارون الرشید سن کر مدہوش ہو گیا اور کہا تو نے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور جگر گوشہ سے کیا کام لیا میں نے کہا میں نے اس گارہ پتھر کے کام پر لگایا ہارون الرشید نے کہا تجھے اس کی قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ بھی نہ آیا میں نے کہا مجھے علم نہ تھا ہارون الرشید نے پھر پوچھا کہ تو نے ہی اسے غسل دیا تھا میں نے کہا ہاں اس نے میرے ہاتھ چوم لئے اور سینے لگایا پھر وہ بیٹے کی قبر پہ آیا۔ ابو عامر کہتے ہیں کہ میں نے اس نوجوان کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کیا گزری کہا بہترین تخت پر بیٹھا ہوں بہترین قیمتے والا مکان ہے میں نے کہا پھر کیا ہوا فرمایا میں جب اپنے پروردگار سے ملا اسے راضی پایا اور اکر وہ انعامات دیئے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آسکتا ہے اور اس نے قسم یاد فرمائی ہے کہ جو بھی میرے جیسا بندہ مر کر اس کے ہاں حاضر ہو گا اسے اسی طرح نوازوں گا۔

سبق | تم جتنی نیکی کرو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھ اور کان کا بدلہ بھی نہیں اتار سکتے تو پھر نیکی کر کے آخرت کی نجات کی کسطرح امید رکھتے ہو بس یہی عقیدہ رکھو کہ اس کے فضل و احسان سے نجات ملے گی اپنی نیکی کے گھمنڈ میں آکر کبھی خیال نہ کرنا کہ میں اپنی نیکی سے بخشا جاؤں گا۔

حکایت

ابن السماک رحمۃ اللہ تعالیٰ کسی خلیفہ (بادشاہ وقت) کے ہاں تشریف لے گئے اس کے ہاتھ میں پانی کا پیالہ تھا اس سے پانی پی رہا تھا بادشاہ نے عرض کی مجھے کوئی پند ونصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا اگر یہی پانی جو تیرے اندر گیا باہر نہ نکلے سوا اس کے تو اپنا تمام مال دیدے کیا تو مال دیکر بھی نکلوائے گا اس نے کہا واقعی سارا مال دیدوں گا آپ نے فرمایا پھر اس ملک کا کیا فائدہ جس کی قیمت پانی کا ایک گھونٹ ہو بلکہ یوں کہو کہ تمام روئے زمین سے پانی کا ایک گھونٹ بہتر ہے بلکہ میں تو کہوں گا کہ ایک سانس تمام روئے زمین کی شاہی سے بہتر ہے اس لئے کہ اگر یہ ایک گھڑی بھر بند ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے اگر یہ حمام گرم یا گرم سے کنویں میں ہوں تو بھی موت واقع ہوگی ۔

سبق

عاقل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ادائیگی شکر میں ہر وقت عبادت وطاعت میں معروف رہے اور افضل الطاعات توکل ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی جملہ قوت وطاقت کو اپنے معاملات کا صرف سبب سمجھے اور حقیقی مسبب اللہ تعالیٰ کو مانے ۔

ملفوظ جنید رضی اللہ عنہ

سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حقیقی توکل یہ ہے کہ اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بسر کرے ایسے جیسے مکمل وجود اس کے ساتھ تھا مقتضائے حال یہی امر ہے جیسے کسب علم کا مقتضا ہے۔

عالم و درویش کا حال

حضرت نوری قدس سرہ عبادت میں مشغول تھے ان کے ساتھ ایک عالم دین بھی شریک تھا حضرت نوری قدس سرہ بسر اوقات کے لئے لوگوں کے پس خوردہ جمع کرتے رہے لیکن کھانے کا وقت ہوا تو ایک سائل نے سوال کیا تو آپ نے اپنا کھانا سائل کو دیدیا ۔ عالم دین نے درویش حضرت نوری قدس سرہ کو طعنہ دیا کہ ہم نے دنیا کو کچھ نہیں سمجھا اور ایک تم ہو کہ لوگوں کے پس خوردہ جمع کرنے میں لگے رہے اور وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا ہم علم کی شان وشوکت کی وجہ سے عوام میں پسندیدہ ہیں اور تم حقیر اور گرے ہوئے اگر تم بھی علم پڑھتے تو تمہاری بھی شان بلند ہوتی ۔ حضرت نوری قدس سرہ خاموشی سے سنتے رہے ۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نوری قدس سرہ کے ہاں کسی امیر نے کھانا بھجوایا جسے دونوں نے مل کر کھایا حضرت نوری نے عالم دین سے فرمایا مولانا اگر آپ بھی توکل کا سبق سیکھیں تو آپ کو بھی ایسے کھانے مفت مل جائیں گے ۔

سبق

یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے جب بندہ مقام شریعت میں طبیعت کی اصلاح کرے لیکن یہ اسوقت ہوگا جب توحید افعال میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین ہو ۔ سے

پاک وصافی شو و از چاہ طبیعت بدر آ

کہ صفائی ندہد آب تراب آلود ؟

ترجمہ : پاک وصاف ہو کر طبیعت کے کنویں سے باہر نکل وہ پانی صفائی نہیں دیگا جس میں مٹی کی ملاوٹ ہو۔

تفسیر عالمانہ

و الذین محلا مجرور اسکا عطف الذین آمنوا پر ہے اور عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے کیونکہ یہاں پر ایک ہی ذات مراد ہے اور صفات کے درمیان بھی عطف ہوتا ہے

"یجتنبون" الاجتناب بمعنی ایک طرف ہٹنا اور ترک کرنا "کبائر الاثم" الاثم بمعنی گناہ (قاموس) امام راغب نے لکھا کہ اثم و آثام وہ افعال جو ثواب سے دور رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " واثم کبیر" یعنی جوا و شراب ایسے افعال ہے انسان خیر و بھلائی سے دور ہوتا ہے اور کذب کو اثم کہنا ایسے ہے جیسے انسان کو حیوان کہا جاتا ہے یعنی جنس کا اطلاق نوع پر ہوتا ہے کیونکہ نوع جنس میں ہوتا ہے ایسے ہی کذب اثم میں ہے اور کبیرہ وہ ہے جس پر حد قائم کی جائے اور آخرت میں عذاب کا موجب ہے۔ المفردات میں ہے کہ کبیرہ وہ ہے جو گناہوں میں معروف ہوتا ہے جس کی سزا بہت بڑی ہوتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس جنس کے بڑے گناہوں سے دور رہتے ہیں اور یہ اضافت بمعنی من ہے یعنی کبیرہ گناہ بھی گناہ کی جنس سے ہیں اسی لئے کبائر الآثام نہیں فرمایا۔

(**نکتہ**) کبائر کو اثم کی طرف مضاف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ صغیرہ کی طرح نہیں ہو کیونکہ جب کبائر سے اجتناب کیا جائے تو وہ بلا توبہ بخشے جاتے ہیں کما قال تعالیٰ ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیاتکم (کذا فی کشف الاسرار) حمزہ و کسائی اور انکے بعض متبعین نے "کبیر الاثم" بصیغہ واحد پڑھا ہے انہوں نے اس سے کبائر کی جنس مراد لی ہے۔

فائدہ : بعض مفسرین نے آیت ہذا کے کبائر الاثم اور مذکورہ بالا آیت " کبائر ما تنہون الخ" سے شرک مراد لیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ہی بہت بڑا گناہ بتایا ہے۔ "کما قال" ان الشرک لظلم عظیم" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی فرمایا کہ کبیر الاثم شرک ہے۔

تردید از امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ ترجیہ ضعیف ہے اس لئے کہ موصول کا صلہ آمنوا اس مفہوم کو رد کرتا ہے۔ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا رد صحیح نہیں اس لئے کہ ایمان ... اجتناب عن الشرک الجلی والخفی بلکہ صرف جلی شرک سے حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے ریاء کو شرک خفی سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ فرمایا اتقوا الشرک الاصغر یعنی شرک خفی سے بچو یعنی ریاء سے اس سے ثابت ہوا کہ بات وہی حق ہے جو ترجمان القرآن یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں میں کبائر سے شرک مراد ہے۔

(ف) سوائے حمزہ وغیرہ باقی تمام قراء نے " کبائر الاثم " پڑھا ہے اس سے وہ تمام گناہ مراد لئے ہیں جو انسان کو تباہ و برباد کرنے والے ہیں۔

تفصیل کبائر :۔ (۱) انہیں مطلقاً کفر و شرک بھی ہیں اگرچہ ایسا شخص بت پرستی نہ کرے

(۲) ناحق قتل کرنا خودکشی کرنا۔

(۳) پاکدامن عورت پر بہتان تراشنا یعنی حرہ مکلفہ مسلمہ پاکدامن عورت کہ جسے اللہ تعالیٰ نے قبائح سے محفوظ رکھا ہے

(۴) زنا یعنی غیر عورت کے ساتھ وطی کرنا وہ غیر جو ملکیت میں نہ ہو اور نہ شبہ سے وطی کی گئی ہو (تفصیل کتب فقہ میں ہے)

(**مسئلہ**) اگرچہ جانور سے وطی کرنا اور لواطت زنا نہیں لیکن گناہ کبیرہ اور ان کی سزا بھی بہت بڑی سخت ہے۔ نویں پارے میں ہم نے تفصیل لکھدی ہے (۵) **سحر** (جادو)

(**مسئلہ**) جس جادوگر (مرد ہو یا عورت) سے فساد برپا ہو اسے قتل کرنا چاہیے

(۶) زمین پہ فساد برپا کرنا۔

(**مسئلہ**) اگر جادوگر وغیرہ کا فساد پھیلانا کفریہ امور سے ہو تو مرد ہو تو قتل کر دینا چاہیے اگر عورت ہو تو اسے قید کرنا چاہیے اور ڈنڈے مارے جائیں یہاں تک کہ فساد برپا کرنے سے باز آجائے۔

(۷) یتیم کا مال کھانا اگر شرع کی اجازت ہو تو جائز ہے
کما قال تعالیٰ ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن۔

(**مسئلہ**) قاضی شرع جو ہمارے دور میں ۱۳ ۱۱ھ میں یتامیٰ کے اموال کی تقسیم کی اجرت لیتے ہیں وہ جائز ہے (اور اب بھی ایسا جائز ہو گا اگر نظام مصطفٰے کا اجراء ہو ۱۳۹۸ھ اویسی غفرلہ) بشرطیکہ قاضی وقت کو بیت المال سے اس کا متعلق وظیفہ نہ ملتا ہو۔ لیکن اس کی مقدار کا تقرر ہم نہیں کر سکتے جتنا جائز اور مناسب سمجھے لے سکتا ہے

(۸) والدین اگر مسلمان ہوں تو ان کی نافرمانی کرنا (ایسے ہی استاذ اور پیر و مرشد) یہ اس وقت ہے جب حق تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب نہ ہو ورنہ نافرمانی نہ ہو گی کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ معصیت خالق میں کسی مخلوق کی طاعت نہ کی جائے۔

(**مسئلہ**) ماں باپ یا انہیں کافر و مشرک ہو تو ان کا حکم اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما " یعنی شرک و کفر و دیگر معاصی پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہ ماننا نافرمانی نہیں

(۹) حرم میں الحاد یعنی گناہ اور اس کی اشاعت۔
مسئلہ حرم میں ایک کبیرہ کیا جائے تو اس کے دوگنا لکھے جاتے ہیں
(ف) بعض نے الحاد فی الحرام کا معنی لکھا ہے کہ اس میں لوگوں کو تیسرے روکنا اور تعبیر سے ادائیگی حج مراد ہے۔
(ف) یہی صحیح ہے اس لئے کہ صاحب روح البیان (۱۱۱۳ھ) کے زمانہ میں ڈاکو حجاج کو لوٹ لیتے تھے لیکن انہیں کافر نہیں کہا جاسکتا ہاں اگر وہ اسے حلال سمجھ کر ڈاکہ زنی کرتے ہیں تو کافر ہیں ورنہ کبیرہ گناہ کے مرتکب
(۱۰) سود کھانا ایسے ہی سود کی دیگر کے منافع وفوائد حاصل کرنا ان کا کھانے سے تعلق ہو یا نہ۔ اور اسے کھانے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ انسان کے ضروریات کی بڑی ضرورت کھانا ہے۔
(۱۱) چوری۔
(ف) چوری کا نصاب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دس درم یا اس کی قیمت اور یہ نصاب بھی ہاتھ کاٹنے کے لیے ہے اور کسی میں عیب ونقص کے لئے دس درم سے کم کی چوری بھی کافی ہے اسی لئے دس درم سے کم کا چور غلام بیع میں معیوب شمار ہوتا ہے۔
(۱۲) شراب پینا
(۱۳) ڈاکہ زنی بالخصوص جبکہ مال و دولت چھیننا بھی ہو اس لئے کہ یہ تو سرقہ سے بھی بڑھ کر ہے
(۱۵) جھوٹی قسم
(۱۴) جھوٹی گواہی
(۱۶) اللہ تعالیٰ پر بدگمانی
(۱۸) حب دنیا
(۱۸) اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کو گالی دینا بالواسطہ یا بلا واسطہ۔ بالواسطہ یہ ہے کہ وہ کسی کے ماں باپ کو گالی دے تو وہ اس کے ماں باپ کو دے
(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی یہ تو ماں باپ کو گالی دینے سے بڑھکر ہے۔
(۲۰) شیخین یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینا
مسئلہ۔ قہستانی نے فرمایا کہ کسی ایک صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ) کو گالی دینا کفر نہیں۔ (کذا فی خزانۃ المفتین وغیرہا) لیکن مجموعۃ النوازل میں ہے کہ اگر کوئی شخص شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے اس سے قصاص نہ لیا جائے کیونکہ وہ کافر ہے اس لئے کہ انہیں گالی دینا درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا ہے (اسی لئے ایسے کو قتل کیا جائے)

مسئلہ ختنین یعنی حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کو گالی دینا کفر نہیں۔ (الخلاصہ) لیکن یہ مسئلہ اس قاعدہ کے خلاف ہے کہ جب ایک عالم دین کو اس کی اہانت سے گالی دینا کفر ہے تو ختنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دینا کیوں کفر نہ ہو۔

مسئلہ ۔ عالم دین سے علوم دینیہ کے پیشِ نظر مزاح کیا جائے تو ٹھٹھا مخول کرنے والے پر تعزیر ہے

(۲۱) صغیرہ کو بار بار کرنا کبیرہ بن جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بار بار کرنے سے صغیرہ نہیں رہتا بلکہ وہ کبیرہ بن جاتا ہے استغفار سے کبیرہ گناہ معاف ہو جاتا ہے۔

فائدہ ۔ حضرت امام علاؤالدین ترکستانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی منظومہ میں فرمایا کہ کبائر ستر ہیں

(۲۲) منجملہ انکے الغنا بالکسر والمد ہے کبھی اسے قصر سے بھی پڑھا جاتا ہے ابیات و اشعار کو مخصوص طریقہ کے ساتھ بلند آواز سے گانا

سرود گانے کی تحقیق حضرت امام غزالی قدس سرہ نے احیاء العلوم میں لکھا کہ سرود گانے کی حرمت پر حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی جب اپنی آواز اونچی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دونوں مونڈھوں پر دو شیطان مقرر فرماتا ہے جو وہ اپنے دونوں گٹوں سے اس کا سینہ کوبی کرتے ہیں [۱]

ازالہ وہم بعض مشائخ نے فرمایا اس سے وہ گانا مراد ہے جس سے قلب میں وہ بات پیدا ہو جس سے شیطان کی مراد پوری ہوتی ہے (یہی حق ہے ورنہ ترنم سے اشعار خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے البتہ مزامیر میں اختلاف ہے)

فائدہ ۔ شیطان کی مراد شہوت نفسانی کا ابھارنا اور مخلوق میں کسی کی محبت کا دل میں خیال آنا اور اس سے دل کا لذت پانا۔

مسئلہ ۔ جن اشعار سے شوق الی اللہ اور آخرت کی رغبت پیدا ہو وہ گانا سننا جائز ہے۔

(۲۳) ظلم

(۲۴) غیبۃ [۲]

(۲۵) کسی کے عیب کی تلاش و تجسس (۲۶) وزن و کیل میں کمی و زیادتی کرنا۔ (۲۷) تکبر

---

[۱] معلوم ہوا کہ سینہ کوبی شیطانی فعل ہے جو بفضلہ تعالیٰ شیعوں کے نصیب میں ہے اور وہ اسے بہترین عبادت سمجھتے ہیں ۱۲۔اویسی غفرلہ

[۲] اس کے لیے فقیر کا رسالہ صیانۃ اللسان پڑھئے۔

(۲۸) عجب

(۲۹) حسد

(۳۰) وعدہ پورا نہ کرنا

(۳۱) ہمسائیگاں کی عورتوں میں خیانت کرنا یعنی انہیں بری نگاہ سے دیکھنا وغیرہ

(۳۲) ترک نماز

(۳۳) ترک روزہ

(۳۴) ترک زکوٰۃ

(۳۵) ترک حج جب کہ استطاعت ہو اور راستہ بھی پُرامن ہو

(۳۶) قرآن بھلا دینا

(۳۷) گواہی چھپانا

(۳۸) قطع رحم،

(۳۹) دو شخصوں کے درمیان جھگڑا پیدا کرنا

(۴۰) غیر اللہ کی قسم کھانا

(۴۱) مخلوق کو سجدہ کرنا جیسے بُت کی پوجا۔

(۴۲) جمعہ ترک کرنا

(۴۳) جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنا

(۴۴) کسی مسلمان کو اے کافر کہنا

(۴۵) ظالم حاکم کے ظلم کے متعلق ہاں سے ہاں ملانا۔

(۴۶) مشت زنی کرنا۔

حدیث شریف
مشت زنی کی مذمت

میں ہے کہ مشت زنی کرنے والا ملعون ہے۔ فائدہ مشت زنی یہ ہے کہ ذکر کو ہاتھ میں لے کر شہوت پوری کرنا (کذا فی شرح المنار لابن الملک) حضرت سہادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ حدیث میں نے کتب حدیث میں نہیں دیکھی البتہ مشائخ نے کتب فقہ میں نقل کیا ہے۔

مسئلہ • حواشی بخاری میں ہے کہ مشت زنی حرام ہے اس کی حرمت کتاب و سنت سے ثابت ہے کما قال تعالیٰ

والذین لفروجہم حٰفظون الیٰ ان قال فاولٰئک ہم العادون یعنی الظالمون یعنی حلال کے بجائے حرام کا ارتکاب کرنے وا

فائدہ ، حضرت ابن جریج نے فرمایا میں نے حضرت عطار سے سوال کیا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک قوم قیامت میں اٹھے گی جن کے ہاتھ گابھن ہوں گے میرا خیال ہے کہ یہ وہی مشت زن ہونگے انہوں نے فرمایا تمہارا گمان صحیح ہے۔

مسئلہ ، حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بوقت ضرورت (جب کہ زنا کا خطرہ ہو) تو اپنی عورت یا اپنی لونڈی سے مشت زنی کرانا مباح ہے۔ ایسے ہی زنا سے خطرہ ہو تو خود بھی مشت زنی کرسکتا ہے (لیکن یہ اس وقت ہے جب زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو جائے اور اس قدر کہ تسکین شہوت ہو عادت بنا ڈالنے والا اسی طرح کا مجرم ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔

(۴۷) لوگوں کے عیوب بیان کرنا

(۴۸) عدل کے بغیر قصاص

(۴۹) تقسیم میں انصاف نہ کرنا

(۵۰) قسمت پر ترک شکر

(۵۱) لواطت

(۵۲) اپنی عورت کے ساتھ بحالت حیض جماع کرنا

(۵۳) مہنگائی سے خوش ہونا

(۵۴) اجنبی عورت کے ساتھ تنہا بیٹھنا

(۵۵) جانوروں کے ساتھ وطی کرنا۔

فائدہ ، ایک جاہل بدبخت شہوت کی تسکین کے لئے جانوروں سے وطی کرتا تھا لیکن جب اس کی حرمت کا اسے علم ہوا تو توبہ کی۔

مسئلہ ، نوادر ابی یوسف میں ہے کہ جس جانور سے وطی کی جائے اسے ذبح کیا جائے۔ اگر وہ جانور غیر ماکول اللحم ہو جلایا نہ جائے (حرامخوروں کو دیا جائے یا دفنایا جائے)

مسئلہ ، اگر وہ جانور غیر کا ہو تو وطی کرنے والا اس کی قیمت جانور کے مالک کو اٹھے پھر اسے ذبح کرکے جلایا جائے۔ بعض فقہا نے کہا کہ اسے کھانا جائز ہے اگر وہ جانور ماکول اللحم ہو۔

مسئلہ ، الاجناس میں ہے کہ ہمارے فقہاء احناف نے فرمایا کہ جس نے ایسے جانور کو ذبح کرکے جلانے کا حکم دیا ہے وہ استحباباً ہے اس لئے کہ ایسے فعل سے وہ جانور بالکلیہ حرام نہیں ہو جاتا (کذا فی خزانۃ القاضی)

(۵۶) کاہن کی تصدیق یعنی وہ شخص جو آنے والے حالات کی خبر دے اور دعویٰ کرسکے وہ مخفی اسرار کو جانتا اور غیب پر مطلع ہے (انبیاء و اولیاء مستثنیٰ ہیں)

(۵۷) شطرنج اور جوا (اور دیگر لہو ولعب کی بازی) کھیلنا۔

حدیث شریف میں ہے جو شطرنج اور نرد سے کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے خون میں ہاتھ ڈبوتا ہے

فائدہ: شطرنج صد رنگ کا معرب ہے رنگ بمعنی حیلہ ومکر وفریب۔

اور نردشیر ایک مشہور کھیل کا نام ہے اسے نرد بھی کہتے ہیں۔

مسئلہ: صاحب الہدایہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شطرنج۔ نرد اور چودہ اور ہر بازی لہو ولعب مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اگر قمار بازی ہے تو اس کی حرمت نص سے ثابت ہے اگر بلا شرط ہے تب بھی عبث ہے اور ہر عبث فعل مکروہ ہوتا ہے

(۵۸) میت پر رونا موت پر رونے کی خواہش کرنا یا اس کے لئے دوسروں کو وصیت کرنا وغیرہ وغیرہ اس کا معنی یہ ہے کہ مرنے والے کے بلا وجہ محاسن بیان کرنا اور اس کے قبائح چھپانا ۵۹۔ میت پر رونے کی خواہش کرنا یا اس کے دوسروں کو وصیت کرنا وغیرہ وغیرہ (۶۰) طعام کا عیب ظاہر کرنا

(۶۱) لہو ولعب کی باتیں سننا۔

حدیث شریف لہو ولعب کی باتیں سننا گناہ اور اس کے لئے بیٹھنا فسق اور اس سے لذت پانا کفر ہے۔

(ف) یہاں لفظ کفر تہدیدی ہے۔

مسئلہ: لہو ولعب کے آلات جیسے معازف، طنبور، مزمار وغیرہا اپنے پاس رکھنا گناہ ہے اگرچہ انہیں استعمال بھی نہ کرے اس لئے ان کا رکھنا لہو ولعب کی رغبت دے گا

(۶۲) رباب وغیرہ پہ رقص کرنا

(۶۳) کسی کے گھر بلا اجازت جانا

(۶۴) اسطرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا

(۶۵) حسین وجمیل بے ریش لڑکے کو شہوت سے دیکھنا

اس لئے کہ ایسا لڑکے کا حکم عورتوں جیسا ہے بلکہ اس سے بھی شدید تر اسی لئے وارد ہے کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں لیکن بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں۔

حکایت حضرت امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ بہت بڑے حسین وشکیل تھے انہیں اپنے درس میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنی پیٹھ کے پیچھے یا مسجد کے ستون کی اوٹ میں بٹھلاتے تاکہ آپ کی نظر اس پر نہ پڑے تاکہ خیانۃ العین کا جرم نہ ہو حالانکہ آپ کا تقویٰ عام مشہور تھا۔

مسئلہ البستان میں ہے کہ حسین وجمیل لڑکوں اور بے ریشوں اور غیر محرم عورت اور بے وقوفوں کے ساتھ بیٹھنا مکروہ ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے سے ہیبت اور وقار میں فرق آجاتا ہے۔

حکایت کسی کو مرنے کے بعد دیکھا گیا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے پوچھنے پر جواب دیا کہ میں نے ایک بے ریش کو غلط نگاہ سے دیکھا یہ اس کی سزا ہے اور جب ہر وقت اسے قبل میں دیا جائے کہ یا اس حالت کو ...کیا گیا ہو

(۹۹) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ترک

(۱۰۰) ظالموں سے نذرانہ اور عطیہ قبول کرنا۔

مسئلہ: نقہاء نے فرمایا کہ بادشاہوں کے عطیات ہر غنی وفقیر کو لینا جائز ہے جب یقین ہو کہ اس میں حرام کی ملاوٹ نہیں ہے حقیقت حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے باطنی امور کا اسے علم نہیں اگر دینے والا کہہ دے کہ اس میں حرام کی ملاوٹ نہیں تو لے لے۔

مسئلہ: امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب انسان کا ظاہر حال مبنی بر نیکی ہو تو اس سے عطیات وصدقات کے قبول کرنے میں حرج نہیں ہے اس میں بحث وتحیص فضول ہے مثلاً کہے کہ زمانہ کے لوگوں کا حال فاسد ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ایسی بدگمانی اثم گناہ ہے کیوں کہ مسلمان پر نیک گمان ہونا چاہیے۔

والفواحش اور برے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔

(حل لغات) الفواحش الفاحشۃ کی جمع ہے بمعنی القبیحہ یا قبیح میں حد سے بڑھی ہوئی برائی القاموس میں ہے الفاحشۃ بمعنی زنا اور گناہوں میں وہ گناہ جو قبیح ہیں۔

الفواحش کا الکبائر عطف البعض علی الکل کے قبیل سے ہوگا تاکہ اس کی شناعت و قباحت کی مزید مذمت ہو بعض نے کہا کبائر وفواحش ایک شے ہے صرف تغایر صفت کی وجہ سے عطف لایا گیا ہے گویا یوں کہا گیا کہ وہ لوگ ان معاصی سے بچتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت برے اور عقلاً وشرعاً قبیح ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کبائر الاثم سے حب دنیا اور نفس کی خواہشات کی تابعداری اس لئے کہ یہ دونوں تمام جرائم ومعاصی کی جڑ ہیں اور الفواحش بمعنی دنیا کی طلب میں مشغول ہونا اور اسے خواہشات نفسانی کی اتباع میں خرچ کرنا۔

تفسیر عالمانہ واذا ما غضبوا ھم یغفرون اذا ظرفیہ ہے اس کا عامل یغفرون ہے اور جملہ اسمیہ کا عطف صلہ یعنی یجتنبون پر ہے یہ عطف الاسمیۃ علی الفعلیۃ کے قبیل سے ہے اب عبارت یوں ہوں گی والذین یجتنبون وھم یغفرون یہاں اسے جملہ شرطیہ نہیں بنایا جا سکتا اور نہ ہی جملہ اسمیہ کو اس کا جواب بنایا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس میں فاء نہیں اور ما اذا پر زائدہ ہے اگرچہ ما زائد اذا

شرطیہ (جب کہ زمانیہ ہو) پر داخل ہوتا ہے اور شرطیہ کا معنی یہ ہے کہ ایک جملہ کا مضمون دوسرے مضمون پر مرتب ہو اسی لئے اس کے بعد فعل کا لانا موزوں ہوتا ہے کیونکہ فعل کے معنی کو شرط سے مناسبت ہوتی ہے اور اذا زمانیہ مستقبل پر داخل ہوتا ہے۔ اگرچہ ماضی پر بھی داخل ہو جیسا کہ علم نحو میں واضح طور پر لکھا گیا ہے۔

الغضب بمعنی انتقام کے ارادہ پر دل کے خون کا کھولنا اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا غضب سے بچو اس لئے کہ وہ ایک انگارہ ہے جو آگ کی طرح ابن آدم کے قلب میں جوش مارتا ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ غضب کے وقت اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں ھم مبتدا اور یغفرون اس کی خبر ہے المغفرۃ بمعنی عفو و تجاوز و حلم اور غصہ پینا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ عفو و تجاوز اور حوصلہ کرتے اور غصہ پیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وہ لوگ جب کسی پر ناراض ہوتے ہیں تو انوار قلوب روحانیہ ربانیہ سے غضب نفسانیہ کے پیالے پیتے اور صورۃ صفتہ شیطانیہ کو مٹاتے ہیں یعنی جب یہ لوگ کسی پر رنجیدہ ہوتے ہیں تو رنج ظاہر نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں زبان سے کچھ کہتے ہیں نہ ہی ان سے کوئی ایسی بات کرتے ہیں جو انہیں ناگوار گزرے بلکہ ان سے درگزر کرتے اور معاف فرما دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غضب کے وقت عفو مغفرت کا پہلو اختیار کرنے سے عزت حاصل ہوتی ہے اور پھر کسی پر غضب کرنے سے غضب زائل نہیں ہو جاتا بلکہ الٹا نقصان کا نشان بننا پڑتا ہے اور یہ اہل اللہ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ فاعل کی تقدیم ہے ایسے ہی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ھم غضبوا کے فاعل کی تاکید ہے ایسے ہی یغفرون شرط کا جواب ماننا پڑے گا (کذا فی الحواشی السعدیہ) بعض مشائخ نے فرمایا کہ (وعلی ربھم یتوکلون میں) مقام رضا و توحید صفات اصلاح نفس سے ہوتی ہے جب کہ اسے کبائر الاثم و فواحش شرک و دیگر معاصی اور سیآت سے بچایا جائے ایسے ہی اسے غضب و دیگر جملہ رذیلہ صفات سے محفوظ رکھا جائے۔

حکایت

بعض انبیاء علیہم السلام کو منجانب اللہ حکم ہوا کہ کل صبح سویرے جو شے تمہیں ملے اسے کھاؤ دوسری کو چھپاؤ تیسری سے روگردانی کرو۔ صبح سویرے باہر تشریف لے گئے تو سب سے پہلے پہاڑ دیکھا بحکم خداوندی اسے کھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ سیب بن گیا اور کھایا تو لذیذ ترین تھا اس کے بعد ایک سونے کا تھال پایا جب اسے چھپایا تو وہ اس سے نکل گیا اس کے بعد گوبر کا ڈھیر دیکھا اس سے روگردانی فرمائی آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی تفصیل چاہی تو جواب ملا کہ پہاڑ شدۃ وغضب تھا وہ انسان کو پہلے ایک پہاڑ محسوس ہوتا ہے۔ صبر کرنے پر حلوے کی طرح محسوس ہوتا ہے ؎

تحمل نماید چو زہرت نخست ... ولی شہد گر دگر دو چو در طبع رست

ترجمہ: حوصلہ زہر نظر آتا ہے لیکن شہد ہو جاتا ہے اگر طبع میں رچ گیا۔
طشت یعنی تھال سے نیکیاں اور حسن حال مراد ہے اسے انسان جتنا چھپائے وہ ظاہر ہوتا ہے۔

؎ اگر مشک خالص نداری مگو ... وگر ہست خود فاش گردد ببوی

ترجمہ: اگر مشک خالص تیرے پاس نہیں تو نہ کہہ کہ یہ ہے اگر ہے تو اس کی خوشبو خود ظاہر کر دیگی۔

اور گوبر کا ڈھیر دنیا تھی ؎

جائے روح پاک علیین بود ... کرم باشد کش وطن سرگین بود

ترجمہ: پاک روح علیین سے آیا ہے۔ وہ کیڑا ہے اگر اس کا وطن گندگی (دنیا) ہے۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ اس استجابۃ سے "ارجعی" کے خطاب کا جواب مطلوب ہے اس لئے کہ یہ استجابت نفس کے ساتھ خاص ہے جب کہ سلوک کے منزل طے کرتے وقت اسے کہاجاتا ارجعی الی ربک الخ تو وہ اس خطاب کے مطابق منازل طے کرتا ہوا واصل باللہ ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ واقاموا الصلوٰۃ اور یہ بھی انصار کی علامت ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اس سے پنجوقتہ نماز مراد ہے اس لئے کہ وہ پانچوں نمازوں کو اپنے اوقات صحیحہ میں ادا کرتے تھے اور حرمین میں ساعات اللیل والنہار کا معمولی سا فرق ہے جیسا کہ ہم نے تجربہ کیا۔

مسئلہ: علماء نے فرمایا کہ جو شخص مغرب وعشاء کا وقت نہ پا سکے تو اس سے یہ دونوں نمازیں معاف ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ بعض بلاد میں ادھر سورج غروب کرتا ہے تو ادھر صبح کا طلوع ہوجاتا ہے پھر ایسے بلاد میں مغرب وعشاء کا وقت کہاں۔

تفسیر عالمانہ والذین استجابوا لربھم (شان نزول) یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے فوراً قبول کیا اور تہ دل سے قبول کیا جیسا کہ استجابوا کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے۔

(ف) اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی بات ماننا درحقیقت بھیجنے والے کی بات ماننا ہے یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے تاکہ رسول علیہ السلام کی شرافت اور بزرگی پر تنبیہ ہو اور ظاہر ہے کہ استجابۃ ایمان کے حکم میں داخل ہے لیکن چونکہ ان دونوں معطوفوں کی صفت میں تغایر ہے اسی لئے عطف جائز ہوا۔

سوال: یہ آیت تو مدنیہ ہے اور حکم مکہ والوں کے لئے ہے۔

جواب: بہت سے انصار قبل ہجرت مسلمان ہو چکے تھے اس لئے یہ انکے لحاظ سے صحیح ہے

مسئلہ :۔ اس کی نظیر شرع میں موجود ہے مثلاً کسی کے دونوں ہاتھ یا پاؤں گٹوں تک کٹ جائیں تو اس کے لئے وضو کے تین فرض ہوں گے اس لئے کہ چوتھے فرض کا محل ہے ہی نہیں جب فرض وضو کا محل نہیں تو فرضیت کیسی۔

(سوال) یہاں صرف نماز کا بیان کیوں حالانکہ دیگر ارکان اسلام زکوٰۃ روزہ حج بھی تو ہیں۔

(جواب) چونکہ نماز اہم رکن ہے اسی سے ہی ایمان وکفر کا فرق معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز پڑھتا ہے وہ مومن ہے اور جو نماز نہیں پڑھتا گویا وہ کافر ہے اور حدیث شریف میں تارک نماز کو ہادم الدین (دین کو ڈھانے والا) کہا گیا ہے اسی لئے اس کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(حدیث شریف ۱) میں ہے کہ قیامت میں بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اگر اس کا حساب صحیح ہوا تو وہ کامیاب ہوگیا ورنہ خسارہ ہی خسارہ۔

(حدیث شریف ۲) میں ہے بندے سے نماز کا حساب ہوگا اگر نماز کا حساب پورا ہو تو کامیابی ہے ورنہ اس کی کمی نوافل سے ہوگی اگر نوافل سے پوری نہ ہوئی تو دوسری عبادات سے لیا جائے گا۔

وامرھم شوریٰ شوریٰ بروزن فتیا تشاور کے معنی میں مصدر ہے الشور سے ہے بمعنی اخراج (نکالنا) اس معنی سے اس لئے موسوم ہے کہ ہر دونوں مشورہ کرنے والے ایک دوسرے کے ما فی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ آپس میں مشورے سے کام کرتے ہیں اپنی رائے پر نہیں چلتے بلکہ اکٹھے بیٹھ کر ایک دوسرے کی رائے سے رائے ملا کر جس بات پر رائے قائم ہوتی ہے اسی پر عمل کرتے ہیں۔

سوال : سعدی المفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ معنی خود ظاہر ہے یعنی یہ کہنا کہ یہ عبارت دراصل " وامرھم ذو شوریٰ " تھی جیسا کہ صاحب روح البیان نے تفسیر کرتے ہوئے اسی طرح لکھا ہے۔

(جواب) مصدر مضاف صیغۂ عموم سے ہے اس اعتبار سے معنی یہ ہوا کہ ان کے جملہ امور شوریٰ ہیں اور یہ صحیح نہیں ہاں جب تک اس کی تاویل نہ کی جائے مثلاً کہا جائے کہ مصدر سے مبالغہ مطلوب ہے یا پھر لفظ ذو مضاف محذوف مانا جائے وہی ہم نے (صاحب روح البیان) کیا

فائدہ : انصار کا طریقہ یہ تھا کہ ہجرت سے پہلے اور بعد کو جب تک مشورہ نہ کرتے کوئی کام نہ کرتے یہ ان کی عظیم تدبر اور تفقہ فی الامور کی علامت ہے

س مشورت بردن صواب آمد ۔۔ درہمہ کار مشورت باید

ترجمہ : مشورہ اس کے لئے مبنی بر صواب ہے اسی لئے ہر کام میں مشورہ ضروری ہے

اسلام کیلئے ابوایوب انصاری کا گھر پہلا دار المشورہ

عین المعانی میں ہے کہ جب انصار نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوا قدس کی خبر سنی تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھ کر اسلام کے قبول کرنے نہ کرنے کا مشورہ کیا اور عہد کیا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جان کی بازی لگائیں گے

فائدہ : وہ اپنے مشورہ کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ حرفِ آخر صرف وحی کی شان ہے اور ان کا مشورہ ہر ایک سے نہیں بلکہ ان کے وہ حضرات جمع ہوتے تھے جو فقیہا دماغ اور ذرائے ہوتے تھے

مسئلہ : ہر کام کے لئے مشورہ ہونا چاہیے یا صرف امور دین کے لئے بعض نے اسے عام لکھا بعض نے صرف امور دینی پر منحصر فرمایا صحیح یہی ہے کہ ہر معاملہ مشورہ سے طے کیا جائے کیونکہ اسی میں برکت ہے (ملفوظ علی رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کام بہت خوب ہے جو مشورہ سے ہو اور بری ہے وہ تیاری جسمیں ظلم ہو۔

نکتہ راز داری ایک سے اور مشورہ ہزاروں سے ہونا چاہیئے اسی طرح ایک حکیم دانا نے فرمایا۔

استخارہ و مشورہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ استخارہ کے بعد مشورہ کر کے کام کیا جائے اس کام میں نقصان نہ ہوگا رسکندر نے فرمایا کہ بہتر رائے اگرچہ معمولی انسان قائم کرے اسے ٹھکرانا نامناسب ہے اس لئے کہ موتی کیچڑ میں ہو تو اس کی حقیقت چھپ نہیں سکتی اسی لئے مشائخ نے فرمایا سب سے بڑا دانا وہ انسان ہے جو مشورہ پر عمل کرتا ہے لیکن عقل والوں سے مشورہ لینا چاہیئے اور بہتر جانور کیوں نہ ہو تب بھی ڈنڈے کے بغیر سیدھا نہیں رہتا اور عورت کتنی پارسا کیوں نہ ہو شوہر کے بغیر نہیں رہنی چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ آیۃ میں اشارہ ہے کہ مشائخ طریقت کا دامن (مرید ہونا) ضروری ہے۔ بالخصوص جو راہ ہدیٰ کا سالک ہے اس لئے کہ مشائخ کے مشورہ جات اور ان کی رہبری سے منازل آسانی سے طے ہوتے ہیں ورنہ نفس کے گھیرے اور خواہشات کے حملے اور شیطان کی شرارتوں سے نجات مشکل ہے۔ اسی لئے حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ جس کا کوئی استاذ (شیخ) نہیں اس کا استاذ شیطان ہے۔

تفسیر عالمانہ ومما رزقناھم اور وہ اپنے اموال سے جو ہم نے انہیں دیا ینفقون خیر کی راہوں میں خرچ کرتے ہیں۔

(مسئلہ) کافر کی خیرات فی سبیل اللہ قبول نہیں اس لئے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو وہ اس کی خیرات کیسے قبول کرے گا اس کی ہر خیر اور بھلائی کو کفر گھیرے گا

(نکتہ) اسے نماز سے جدا ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ نماز کے لئے مشاورتی اجتماعات بھی ہوتے تھے اسی لئے اسے درمیان میں لاکر پھر نماز کے قرین یعنی زکوٰۃ و انفاق کا ذکر فرمایا جیسا کہ دستورِ قرآن ہے۔

(نکتہ) سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا اس کی وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ تشاور (مشاورت) کو ان کے درمیان ذکر کرنے میں اس کی عظمت شان کو مزید بالا کرنا مطلوب ہے اور بتانا ہے کہ وہ ایسے صاحب بصیرت تھے کہ اپنے امور مشاورتی طور سر انجام دیتے اور ان کا ایمان قبول کرنا ان کے اسی بصیرت کا نتیجہ ہے۔

فائدہ: آیت میں راہ حق میں خرچ کرنے اور توکل علی اللہ کی فضیلت کا بیان ہے۔

حکایت کسی نے ایک بزرگ کو گرفتار کرکے بادشاہ کے ہاں لیجا کر ثابت کرنا چاہا کہ یہ فاسق فاجر اور واجب القتل ہے اس بزرگ کو ان کی اس چال کا علم نہ تھا۔ ان کے ساتھ چلتے چلتے راستہ میں ایک ہوٹل والے سے ایک روٹی بطور قرض لے کر درویشوں فقیروں پر تقسیم کردی جب اس بزرگ کو بادشاہ کی کچہری تک پہنچے تو اس کے فسق و فجور کے بجائے اس کے تقویٰ و طہارت اور نیکی اور بزرگی کی تعریف کی۔ اس کی زبان سے اس کی برائی کا ایک حرف بھی نہ نکل سکا۔

سبق یہ اس صدقہ و خیرات کی برکت تھی۔

(حدیث شریف) حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے۔

(سبق) جب کھجور کا ایک ٹکڑا ابت بڑی آگ سے بچا سکتا ہے تو روٹی کا بڑا ٹکڑا اس دنیوی چھوٹی آگ سے کیوں نہ بچا سکے گا۔

حدیث شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خفیہ طور صدقہ دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو بجھاتا ہے اور قیامت میں سخت گرمی سے بچانے کے لئے صدقہ چھتری کا کام دے گا اور وہ اسی صدقہ کے سایہ کے نیچے آرام سے وقت بسر کرے گا یہاں تک کہ لوگ قیامت کے حساب سے فارغ ہو جائیں گے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

زمان خویش با حسان تیغ بردار ⁂ مشو چو گنج بشامی چو اژدھا قانع

ترجمہ: اپنے زمانہ میں احسان سے نفع اٹھا خزانہ کی طرح اژدھا کی رہائش گاہ نہ ہو۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ زکوٰۃ کس قدر فرض ہے فرمایا عوام کے لئے چالیسواں حصہ لیکن خواص پر گھر کا جملہ ساز و سامان اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بلکہ سبب کو چھوڑ کر مسبب کی طرف متوجہ ہو آپ سے پوچھا گیا کہ کس کا مذہب ہے آپ نے فرمایا ابی ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قربانی

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بخل سے بچنے کیلئے اپنا تمام گھر کا اثاثہ راہ حق میں لٹا دیا۔ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی اتار کر فقراء کو دے دیئے۔ (اور خود درخت کے پتے اوڑھ لیئے) حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک خرقہ (بڑی چادر) بھیجی جسے وہ پہنکر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت جبریل علیہ السلام اسی لباس سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے جس طرح کا لباس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہن رکھا تھا حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ لباس کیوں۔ انہوں نے عرض کی نہ صرف میں بلکہ جملہ آسمانوں کے تمام ملائکہ کا یہی لباس ہے ہمیں حکم باری تعالیٰ ہوا کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا لباس پہنیں اس کے بعد عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو السلام علیکم کے بعد فرماتا ہے کہ آپ اپنے یارِ غار رضی اللہ عنہ سے فرمایئے کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا تو مجھ سے راضی ہے یا نہ میں تو تجھ سے بہت راضی ہوں (شیعہ غور کریں کہ یارِ غار کو خدا تعالیٰ کیا فرماتا ہے اور تم کیا کہتے ہو) (اور زہراء کو صدیق کی کتنی قدر ہے اور تم کیا کہتے ہو) (اضافہ اویسی غفرلہ)

سبق : اس حکایت سے معلوم ہوا کہ ترکِ دنیا سے ہی رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے ایسے ہی ماسوی اللہ کی ترک سے وصالِ حق حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ : خرچ کرنا صرف مال پر منحصر نہیں بلکہ ہر نیکی اور نیک کام صدقہ ہے

حدیث شریف

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر نیکی صدقہ ہے۔

فائدہ : یعنی وہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صرف کی جائیں اموال ہوں یا اقوال و افعال لیکن بہترین نیکی ان واصلین کی ہے جو توحید و معرفت الٰہی حاصل کرتے ہیں اس لئے اموال کا انفاق اجسام کو فائدہ دیتا ہے لیکن معارف قلب و روح کو۔

شبلی قدس سرہ اور جنید بغدادی رضی اللہ عنہ

کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت شبلی ولایت کے درجات حاصل کرنے سے پہلے چوری چھپے حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوتے ایک دن حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمام دنیا کے نالائقوں اور بت پرستوں کو اللہ تعالیٰ فردوس اعلیٰ عطا فرما دے تب بھی اس کے فضل و کرم میں کوئی کمی نہیں حضرت شبلی نے سن کر زور سے روتے ہوئے نعرہ مارا اور کہا ان نالائقوں میں ایک میں ہوں۔ کیا اب اگر میں توبہ کر کے اس کے حضور میں حاضر ہو جاؤں تو مجھے بھی بخش دے گا آپ نے فرمایا کہ اے نوجوان موسیٰ و ہارون علیہ السلام نے کتنے سال فرعون کو تبلیغ کی اور فرمایا کہ اگرچہ تو صدیوں اللہ تعالیٰ کا باغی رہا ہے اگر توبہ کرلے تو تیری توبہ قبول ہو جائے گی اگر ایک بدبخت کے لئے بخشش کی امید کی جاسکتی ہے تو پھر موحد جان سوختہ کو کیوں نہ بخش دیا جائے گا یہ سن کر حضرت شبلی گھر آئے اور اپنا ساز و سامان اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا اور پھر حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے

ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی حضرت! اب مجھے کیا کرنا چاہیئے آپ نے فرمایا بازار میں جاکر بھیک مانگو۔ حضرت شبلی نے حکم بجا لایا اور بازار کی گداگری شروع کی اور پھر اس مقام پہ پہنچے جسے خدا جانتا ہے لیکن کسی کو ان کے حال کا علم نہ تھا ایک دن انہیں حضرت جنید نے بلوا کر فرمایا کہ فلاں حجرہ میں جاکر درد و الم کو سر پہ اٹھا کر حسرت کے آنسو بہایئے چنانچہ تین سال مسلسل اسی اندوہ اور غم میں گزارے تین سال گزرنے پر ان پر سکر (بے ہوشی) طاری ہوئی مست وار حجرے سے باہر نکلے ہاتھ میں چھرا لئے پھرتے اور کہتے تھے جس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا اس کی گردن اڑا دوں گا حضرت جنید رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی آپ نے فرمایا اسے غیبی شربت کا گلاس پلایا گیا ہے اس سے مست ہوگیا ہے اسی لئے مستی میں ایسے کہہ رہا ہے جب اسے ہوش آئے گا ایسی بات ہرگز نہیں کہے گا ایک سال ان کی یہی حالت رہی اور اسے ایک حجرے میں بند کر دیا گیا ایک سال کے بعد دامن شکر سے بھر لیا اور گلی گلی کوچے کوچے اعلان کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کا نام لے گا اسے شکر کھلاؤں گا اس کے بعد عشق کی مستی میں ہر وقت اللہ اللہ کہتے تھے حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا کر کہا اے ابوبکر (شبلی کی کنیت) اگر اللہ غائب ہے تو اسے یاد کیا کرنا اگر وہ حاضر ہے تو پھر اسے پکارنے کا کیا فائدہ بلکہ یہ تو کھلی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے حضرت شبلی خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اسے حمام میں لے جاکر نہلاؤ اور بال سنوارو انہیں مسجد شونیزیہ کی طرف لے جایا گیا۔ اس وقت حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے ہاں اسی کے قریب مشائخ طریقت موجود تھے جیسے حضرت ابوالحسین نوری وحضرت ابوعلی رودباری وحضرت سمنون المحب اور حضرت رویم بغدادی وجعفر خلدی وغیرہم قدست اسرارہم۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا اے مشائخ طریقت جیسے مجھے حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے مجاہدہ کرایا میں نے اس نوجوان کو اسی طرح پایا اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اسے خرقۂ ولایت پہناؤں تاکہ دین متین میں اسے استقامت نصیب ہو۔ سب نے اجازت دی۔ اسی پر حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے خرقۂ خلافت حضرت شبلی رضی اللہ عنہ کو پہنایا۔

سبق: فقیر صاحب روح البیان قدس سرہ کہتا ہے کہ اس حکایت سے چند اسباق حاصل ہوئے۔

(۱) شبلی قدس سرہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت نصیب ہوئی کہ جیسے انہوں نے اپنا جملہ مال متاع راہ خدا میں لٹا دیا ایسے ہی انہوں نے کیا ؎

صائب حریف سیلی باد خزاں نہ ۔۔۔ پیش از خزاں خود بفشان برگ وبادرا

ترجمہ: اے صائب تو سیلاب کا حریف ہے تو باد خزاں نہیں خزاں سے پہلے ہی اپنے سے پتے اور بوجھ جھاڑ دے

(۲) حضرت جنید نے اپنے معارف حضرت شبلی پر نچھاور فرمائے اور انہیں خرقۂ خلافت عطا فرما کر وقت کا مرشد کامل بنا دیا کیونکہ اغنیاء کا طریقہ ہے کہ جہاں جائز مصرف دیکھتے ہیں وہاں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ حضرت حافظ

نے فرمایا ؎

ای صاحب کرامت شکرانۂ سلامت ؁ روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ: اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت یہی ہے کہ بے نوا درویش کے حالات کی خبر گیری کر۔

(۳) معلوم ہوا کہ ہر شخص پیرومرشد نہیں بن جاتا جب تک سخت مجاہدہ وریاضت عمل میں نہ لاوے اور خرقۂ خلافت صرف اہل تجرد کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

وصلش مجوی در اطلس شاہی کہ دوخت عشق ؁ ایں جامہ بر تنے کہ نہان زیر ژندہ بود

ترجمہ: اس کا وصال اطلس شاہی میں تلاش نہ کر عشق کا لباس یہی ہے کہ جسم پر کپڑے ہوں لیکن باطن گدڑی سے ڈھانپا ہوا ہو۔

(۴) جیسے ہر شے کی ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہے ایسے انتہا بھی اللہ پر ہوتی ہے کما قال الا الی اللہ تصیر الامور

اور فرمایا واللہ خیر وابقیٰ اللہ تعالیٰ خیر اور باقی ہے۔ ؏

چند پوید بہوائے تو بہر سو حافظ

ترجمہ: تب تک حافظ خواہشات کی طرف دوڑتا رہے گا۔

اے اللہ ہماری آرزو ہے کہ ہم پر اپنے راستے آسان فرما۔

تفسیر عالمانہ

والذین اذا اصابہم البغی ہم ینتصرون اس کا عطف ماقبل کے موصول پر ہے "الاصابۃ" بمعنی پہنچنا البغی بمعنی ظلم وتجاوز عن الحد ہم کی تقدیم سے حصر اضافی مراد ہے الانتصار بمعنی طلب النصرۃ (کذا فی تاج المصادر) اب معنی یہ ہوا کہ اور وہ لوگ جب انہیں کسی ظالم سے ظلم یا کسی متجاوز عن الحد سے بغاوت پہنچتی ہے تو ان سے بدلا اور اس قدر قصاص لیتے ہیں یعنی ان کو اللہ تعالیٰ سے اجازت ورخصت ہے اس حد متعین سے متجاوز نہیں ہوتے اس میں مماثلت کی رعایت کرتے ہیں بخلاف ان کے غیروں کے کہ وہ ان کی طرح نہیں۔

فائدہ: بطریق قران دونوں وصفوں کی مخالفت سند فع ہوگئی۔

اس لئے کہ پہلے اوصاف امہات الفضائل سے تھے۔ مثلاً سخاوت و بیدار مغزی حوصلاب صرف شجاعت کا بیان ہے اسی لئے انہیں بغاوت اہل شوکت واہل غلبہ سے پہنچتی تھی پھر یہ حد شرع پر انہیں منہ توڑ جواب دیتے وہ بھی صرف اس لئے کہ ان پر آئندہ فساق جرأت نہ کرسکیں اور نہ ہی انہیں وہ لوگ کمزور سمجھیں اسی لیے ان کی شجاعت اور دین حق میں ان کے تعصب کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی حضرت نخعی یہی آیت پڑھ کر فرماتے کہ اہل اسلام

کو یہ سخت ناگوار تھا کہ وہ نااہل لوگوں کے سامنے عاجز و کمزور متصور ہوں۔ شاعر نے کہا ؎

ولا یقیم علی ضیم یراد بہ ـــــ الا الاذلان عیر الحی والوتد
ھذا علی الخسف مربوط برمتہ ـــــ وذا یشج فلا یرثی لہ احد

ترجمہ۔ صرف وہ ذلیل ترین چیزیں اپنی ذلت وخواری کیوجہ سے ہی ظالم کے ظلم سے صبر کرتی ہیں ایک گدھا جسے ایک پرانی رسی کے ساتھ جکڑا جاتا ہے دوسری میخ جس کے سر پر ہتھوڑا مار کر دیوار میں ٹھونسا جاتا ہے اس پر کسی کو رحم ہی نہیں آتا۔

اس بیت میں خبر دیگئی ہے کہ ظلم پر صبر کرنا اچھا نہیں اور سامعین کو لیے صبر سے متنفر کرنا مطلوب ہے

(سوال) قاعدہ ہے کہ معطوف و معطوف علیہ کا ایک حکم ہے ادھر انہیں عفو و درگزر سے موصوف کیا گیا اب ان کا بدلہ لینے والا کہا گیا مطابقت نہ رہی۔

(جواب) ہر ایک کا اپنا موقعہ و محل ہے کہیں عفو و درگزر مناسب ہوتا ہے تو کہیں بدلہ لینا موزوں ہوتا ہے مثلاً عاجز کے لئے حوصلہ اور باعزت لوگوں سے چشم پوشی افضل ہے لیکن ظالم اور بدگو اور بدزبان سے حوصلہ اور چشم پوشی بری بات ہے اس لئے کہ اس طرح سے اس کی بغاوت میں جرات کا اضافہ ہوگا کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

اذا انت اکرمت الکریم ملکتہ ـــ ؛ ـــ وان انت اکرمت اللئیم تمردا
فوضع الندی فی موضع السیف بالعلی ـــ ؛ ـــ مضر کوضع السیف فی موضع الندا

ترجمہ۔ جب تم کریم پر احسان کرو تو وہ تمہارے کام آئے گا اگر نااہل پر کرم کرو تو وہ سرکشی کرے گا۔ بلندی والے سے احسان ہٹانا ایسے مضر ہے جیسے تلوار خالی جگہ پر رکھ دینا۔

فائدہ:۔ اس سے ثابت ہوا کہ عفو دو قسم ہے۔

(۱) جس عفو و درگزر سے فتنہ ختم اور ظالم اپنے ظلم سے باز آجائے تو معافی موزوں ہے اس معنی پر آیات آپس میں متناقض نہیں۔

(۲) ظالم سے بدلہ لینا لیکن اتنا جتنا اس کا حق ہے تو یہ عین اطاعت ہے

(ف) بعض المالکیہ نے فرمایا کہ اہل ایمان دو قسم ہیں

(۱) اپنے پر ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں اسی لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا بیان فرمایا کما قال واذا ما غضبوا ھم یغفرون (اور جب انہیں ناراض کرتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں)

(۲) اپنے پر ظلم کرنے والوں سے بدلہ لیتے ہیں انہیں آیت ہذا میں بیان فرمایا۔

(ف) بعض بزرگوں نے فرمایا پہلی صفت خواص کی ہے دوسری عوام کی۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ اہل ایمان وہ ہیں کہ جب ان پر کافروں سے غلبہ کا حملہ ہوتا ہے تو وہ ان سے بدلہ لیتے ہیں اس لئے کہ کفار سے بدلہ لینا فرض ہے اور ان سے جہاد کرنا ضروری اسمیں اشارہ ہے کہ ظالم ہمیشہ مغلوب ہوتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا بغاوت میں کامیابی نہیں ؎

ہر کہ از راہ بغی خیرے جست ــــ ۔ ــــ ظفر از راہ رو عنان برتافت
ور ظفر یافت منفعت نگرفت ــــ ۔ ــــ پس چنانست آن ظفر کہ نیافت

ترجمہ: جو بغاوت سے خیر کا طالب ہے ظفر اس سے منہ پھیر لے گی۔
اگرچہ ظفر حاصل ہو بھی تو اس سے کوئی نفع نہ ہو یوں سمجھو کہ اس نے ظفر پائی ہی نہیں۔

"وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا" کسی کو برائی کی سزا دو تو اس قدر جتنی اس کی برائی ہے یہ اس خصلت حمیدہ کا بیان ہے جو ابھی مذکور ہوئی کہ وہ لوگ حکم شرعی کے مطابق انتقام لیتے ہیں اور انتقام لینا بھی گویا خصلت حمیدہ ہے اس میں اشارہ ہے کہ جو کسی دوسرے کے ساتھ برائی کرتا ہے وہ گویا اپنے ساتھ برائی کر رہا ہے کیونکہ ہر فعل کی جزاء لازمی ہے اگر اچھی ہے تو اچھی جزا ورنہ سزا۔

(مسئلہ) اس سے ثابت ہوا کہ دوسرے پر زیادتی گناہ ہے۔

(سوال) جب انتقام لینا اچھا فعل اور حمیدہ خصلت ہے تو پھر اسے سیئہ سے کیوں تعبیر کیا گیا۔

(جواب) چونکہ اس کے بالمقابل فعل سیئہ ہے اسی مشاکلۃ سے اسے بھی سیئہ کہا گیا ورنہ وہ سیئہ جو حسنہ کے بالمقابل ہو یقیناً سیئہ ہوتی ہے۔ مشاکلۃ کی مثال فان عاقبتم فعاقبوا الخ ہے اب معنی یہ ہوا کہ اگر کوئی تمہیں برائی پہنچاتا ہے تو تم بھی اتنا قدر اسے برائی پہنچاؤ اس پر تعدی نہ کرو۔ حضرت حسن (البصری) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مثلاً کسی نے تمہیں کہا لعنک اللہ واخزاک اللہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت یا تمہیں اللہ رسوا کرے تو تم بھی صرف لعنک اللہ واخزاک اللہ کہو۔ یا اگر تمہیں گالی دی تو تم بھی اسے ویسی گالی دو جس میں حد کا اجراء نہ ہوتا ہو مثلاً اسے زانی یا ایسا کلمہ کہو جو انسانی اخلاق سے گرا ہوا ہو اسی لئے کذب وبہتان کے الفاظ مقابلہ میں نہ لائے جائیں۔

(مسئلہ) التنویر میں ہے کہ کسی نے کسی کو کہا "یا زانی" اس نے اس کے جواب میں کہا "یا زانی" دونوں پر حد ہے بخلاف اس کے کہ وہ کہے یا خبیث اس نے اس کے جواب میں کہا تو بھی خبیث ہے اگر پہلی صورت میں حد نہ ہو تب بھی مقدمہ قاضی (حاکم) کے ہاں پیش ضرور ہو تاکہ وہ قائلین کو سرزنش کرے۔

مسئلہ بعض فقہاء نے اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی سے خیانت اور دھوکہ کیا اس
نے اس کے مال سے چوری چھپے اس کا مال لے لیا یا دھوکہ سے لوٹ لیا جس کا اسے علم نہ ہوا تو جائز ہے۔ بعض نے کہا کہ
بعض فقہاء سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ مراد ہیں اور اس کی دلیل میں وہ حدیث پیش کی جو حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہندہ زوجۂ ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے مال سے اتنا قدر اس کی بےخبری
میں لے سکتی ہے جتنا تجھے اور تیری اولاد کو کفایت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی چیز بلا اجازت
لینے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے (کذا ذکرہ القرطبی فی تفسیرہ) فمن عفا تو جس نے برائی کو معاف کر کے اس سے
انتقام نہ لیا اور اسے اپنا مسلمان بھائی سمجھ کر معاف کر دیا "واصلح" اور اپنے دشمن یعنی برائی کرنے والے
سے درگزر کر کے اس سے چشم پوشی کی حواشی سعدیہ میں ہے کہ یہ فا تفریعیہ ہے یعنی جب جزا میں مماثلت
ضروری ہے حالانکہ وہ بہت مشکل معاملہ ہے تو معاف کرنا تو بطریق اولیٰ اشکل ہے ایسے ہی اصلاح بھی بشرطیکہ وہ شخص
اصلاح کے لائق ہو یعنی پھر وہ بغاوت پہ اصرار نہیں کرے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ کسی دوسرے کو معافی دے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کی عزت
میں اضافہ فرماتا ہے "فاجرہ علی اللہ" تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے
اسے مبہم طریقے سے بیان کیا گیا تاکہ اس کی عظمت پر تنبیہ ہو "انہ لا یحب الظالمین" بے شک اللہ تعالیٰ ظالمین
یعنی ابتداءً برائی کرنے والے اور حد سے زائد برائی کی سزا دینے والے کو یہ استئناف تعلیلی ہے اور جزاء الخ
متعلق ہے اور "فمن عفا الخ" جملہ معترضہ ہے یعنی مجازات کو عام مشروع اور مساوات کو مشروط اس لئے کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ
ظلم کو پسند نہیں کرتا۔

(شان نزول اور شان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ انہیں ایک منافق نے گالی دی ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے جواب نہ
دیا اور حضور علیہ السلام خاموشی کے ساتھ نہ صرف سنتے رہے بلکہ آپ تبسم بھی فرماتے رہے ایک گالی کا جواب حضرت
ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منافق کو دیا تو حضور علیہ السلام اٹھ کر چل دیئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک وہ مجھے گالی دیتا رہا آپ بیٹھے رہے جب میں
نے اسے جواب دیا تو آپ چل دیئے اس کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا جب آپ کو منافق گالی دیتا تھا تو اس کا جواب
فرشتہ دیتا تھا جب آپ نے خود گالی کا جواب دیا تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان آ گیا اور جس مجلس میں شیطان
ہو میں اس مجلس میں نہیں بیٹھتا اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔ یعنی فمن عفا واصلح الخ۔

(حدیث شریف) میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اعلان ہوگا معاف کرنے والے کہاں ہیں آؤ

اللہ تعالیٰ کے ہاں چلیں اور اپنا اجر و ثواب حاصل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم لگایا تھا کہ معاف کرنے والوں کو بہشت میں داخل فرمائے ؎

عفو از گناہ سیرت اہل فتوت است ∴ بے حلم و عفو کار فتوت تمام نیست

ترجمہ : گناہ معاف کرنا اہل فتوت کا طریقہ - حوصلہ و معافی کے بغیر فتوت کا کام نا تمام ہے۔

(حدیث شریف ۲) حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں جملہ مخلوق کو جمع کرکے فرمائے گا کہ اہلِ فضل کہاں ہیں اس پر تمام مخلوق سے چند ایک اٹھیں گے اور بہشت کی طرف چل پڑیں گے ان کا استقبال ملائکہ کریں گے اور عرض کریں گے تم کون ہو جو بہشت میں سبقت کرکے جا رہے ہو وہ کہیں گے ہم اہلِ فضل ہیں وہ کہیں گے اہلِ فضل کا کیا مطلب وہ کہیں گے جب ہم پر ظلم کیا جاتا تو صبر کرتے اور جب ہم پر برائی کی جاتی تو ہم معاف کر دیتے اور جب ہمارے ساتھ جھگڑا ہوتا تو ہم حوصلہ کرتے وہ فرمائیں گے تو بہشت میں جاؤ یہ تمہارا حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسمیں ان ارباب قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو وہ اپنے ظالم نفس سے بدلہ لیتے ہیں یعنی انہیں میدان مخالفت سے روکتے ہیں اور جو نفس سے برائی کا صدور ہوتا ہے یعنی وہ حرص و شہوت و غضب و بخل و بزدلی و حسد و کبر کا اظہار کرتا ہے تو قلب اس سے انتقام لیتا ہے کہ اس کی ان شرارتوں کا علاج کرتی ہے اسی لئے علاج بالاضداد مفید ہوتا ہے لیکن ریاضت میں ڈالتے وقت اس پر حد سے تجاوز نہیں کرتا اس لئے کہ نفس کا بھی حق ہوتا ہے جو ریاضت و جہاد نفس میں حد سے متجاوز نہیں ہوتا بلکہ علاج کے ساتھ اصلاح پر اس کو معاف کر دیتا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے کہ وہ اسے اچھے اوصاف سے موصوف کرتا ہے مثلاً اسے عفو کی قدرت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ عفو سے محبت کرتا ہے اور اپنے بندے کو معاف کرنے والا بنا کر اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور وہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا یعنی وہ ظالم کہ جو شدت ریاضت بر نفس کے بجائے اسے معاف کر دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

ولمن انتصر بعد ظلمہ یہ لام ابتدائیہ ہے من شرطیہ ہے اسی لئے کہ اس کے جواب میں فا واقع ہے یا موصولہ ہے اور فا اس لئے داخل ہے کہ اسے شرط سے مشابہت ہے ظلمہ مصدر مضاف الی المفعول ہے بمعنی بعد ما ظُلِمَ اور بعض قراتوں کو اسی طرح پڑھا گیا ہے اور ضمیروں کی تذکیر لفظ مَن کی وجہ سے ہے اب معنی یہ ہوا کہ اور وہ شخص جس نے ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لے لیا حقوق مالیہ سے یا جنس بعینہ ل اگر موجود تھی جیسا کہ احناف کا مذہب ہے یا جنس ختم تھی لیکن اس کا عوض لے لیا جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے ——— فاولٰئک پس وہ بدلہ لینے والے - یہ اشارہ مَن

کی طرف ہے اس کی جمع باعتبار من کے معنی کے لحاظ سے ہے ما علیھم من سبیل ان پر کوئی عتاب اور سزا وغیرہ نہیں کیونکہ انہیں ظالم سے بدلہ لینا مباح تھا اور نہ ہی ان پر کوئی گناہ ہے۔ السبیل وہ راستہ جسے آسانی سے طے کیا جا سکے

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ سابق مضمون سے جو انتصار سے ممانعت ثابت ہوتی تھی اسی میں اباحت کا حکم صادر کیا گیا انما السبیل علی الذین یظلمون الناس بے شک گناہ ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی ان پر ابتداءً ضرر پہنچاتے ہیں۔ یا بدلہ لینے میں حد سے متجاوز ہوتے ہیں۔ ویبغون فی الارض بغیر الحق اور زمین پر ناحق فساد برپا کرتے ہیں سرکشی سے لوگوں پر تجاوز کرتے ہیں۔ اولئک وہ لوگ جو ظلم کرتے اور ناحق فساد برپا کرتے ہیں۔ لھم عذاب الیم سبب ظلم و بغاوت کا ان کے لئے دردناک عذاب ہے " ولمن صبر" اور جو ظلم پر صبر کرتا ہے یہ لام ابتدائیہ اور من موصولہ ہے" وغفر اور ظالم کو معاف کر دیتا ہے اور اس سے بدلہ نہیں لیتا بلکہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سپرد کرتا ہے۔

ملفوظ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جزع فزع صبر سے زیادہ تکلیف دہ ہے

در حوادث بصبر کوش کہ صبر
برضائے خدائے مقرونست

ترجمہ: حوادث میں صبر کی کوشش کر اس لئے صبر رضائے الٰہی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

ان ذلک یہاں منہ محذوف ہے اس لئے کہ عائد الی المبتداء کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ یہ نہایت ظاہر امر ہے اس اعتبار سے اسے محذوف کر کے قرینہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی جیسے "السمن منوان" میں محذوف ہے۔

(ف) حضرت سعدی مفتی مرحوم نے اپنے حواشی میں فرمایا کہ کبھی راجع کی تقدیر کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اس لئے کہ ذلک کا اشارہ مظلوم کے صبر کی طرف ہے نہ کہ مطلق صبر کی طرف اور اسم اشارہ ضمیر کو بھی متضمن ہوتا ہے۔

سوال: یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعل زمانہ اور مطلق حدث پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ نحویوں کو معلوم ہے اور فعل میں ضمیر کا ارجاع ضروری ہوتا ہے۔

جواب: یہ قاعدہ بجا لیکن اس کا اسناد مَن کی طرف تمہارے سوال کا جواب ہے۔

لمن عزم الامور ان امور سے ہے جن کا عزم واجب ہے کہ بندہ اس امر کو اپنے اوپر واجب سمجھے اس لئے کہ وہ ایسے امور سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہیں العزم یعنی دل کا اس کام کو سرانجام دینا فرض ہو اور عزیمہ پختہ معاملہ (کذا فی المفردات) یعنی اہم ترین امر در حقیقت صبر جوانمردوں کا کام ہے کہ وہ ہر وقت ظلم و جفا پر صبر کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ۔

جفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم ٭ کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: ظلم سہا یا ملامت اٹھائی اس لئے ہم خوش ہیں کیوں کہ ہماری طریقت میں رنج پہنچانا کفر ہے۔

فائدہ: بربان القرآن میں ہے کہ یہاں پر لمن عزم الامور اور لقمان میں بھی فرمایا من عزم الامور اس لئے کہ صبر کی دو قسم ہے

(۱) ناگوار امر پر صبر کرنا یعنی کسی کے اپنے اوپر ظلم کرنے سے صبر کرنا یا اس کے عزیز کو قتل کردے

(۲) اس کا کوئی فوت ہو جائے پہلا دوسرے سے زیادہ سخت ہے اس پر صبر کرنے کو عزم کہا جاتا ہے

اس آیت میں قسم اول ہے اس لئے یہاں لام تاکید کے ساتھ بیان فرمایا

آیت لقمان میں دوسری قسم ہے اس لئے اس میں لام تاکیدی نہیں ہے۔ اور یہ اس قسم سے بھی ہے کہ معاف کردینے سے شر اور فساد برپا نہیں ہوتا جیسا کہ ولمن صبر و غفر سے اشارہ ہوتا ہے۔

مسئلہ: عفو مندوب ہے یہ نہیں کہ بدلہ لینے سے اسے گناہ ہو۔ اس لئے کہ بعض مقامات پر معاملہ برعکس ہو جاتا ہے کہ وہاں ترک عفو مندوب ہوتا ہے وہ جب کہ بغاوت و مادہ اذی کا قطع قمع مقصود ہو۔

حکایت

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں کسی نے کسی کو گالی دی جسے گالی دی گئی۔ وہ غصہ کو پی گیا لیکن اسے پسینہ آگیا اور پسینہ پونچھتا ہوا یہی آیت پڑھتا تھا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس جوان نے آیت کو سمجھا ورنہ بہت سے جاہلوں نے آیت کے معنی کو ضائع کر دیا ہے یعنی ایسے مواقع پر غصہ نہیں پیتے۔

ملفوظ ابو سعید خراز

حضرت ابو سعید خراز قدس سرہ نے فرمایا کہ تکالیف مصائب اور ناگوار امور پر صبر کرنا انتباہ کی علامت ہے یعنی جو ناگوار امر پر صبر کرتا ہے اور جزع فزع نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا عطا فرمائے گا اور صوفیاء کے نزدیک رضائے الٰہی کا حصول بزرگ ترین امور میں سے ہے۔ اور جو شخص صبر نہیں کرتا بلکہ جزع فزع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نفس کے سپرد کر دیتا ہے پھر اسے شکوہ شکایت بھی کوئی فائدہ نہ دے گی۔

نسخہ روحانی

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص تکالیف وغیرہ پر اتنا صبر کرتا ہے کہ کسی کے سامنے شکایت بھی نہیں کرتا بلکہ اپنے مخالف کو معاف کر دیتا ہے تو اس پر نفس کا کسی قسم کا دعویٰ نہ رہے گا بلکہ دنیا و آخرت میں اپنے جملہ دعاوی سے باز آجائے گا یہی "ان ذلک من عزم الامور" پر عمل کرنا ہے۔

حب عائشہ رضی اللہ عنہا

ایک دفعہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ کیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اسی طرح محبت کریں جیسے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کرتے ہیں اس غرض پر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا جب پہنچیں تو حضور علیہ السلام بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک ہی کمبل میں آرام فرما تھے۔

فائدہ: البرد بالکسر اون کا بنا ہوا کپڑا۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کا مطالبہ عرض کر دیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تجھے میرے ساتھ محبت ہے یا: عرض کی آپ سے مجھے بہت بڑی محبت ہے آپ نے فرمایا تو تجھے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی محبت کرنی چاہیئے۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے واپس جاکر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کو تمام واقعہ سنا دیا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا نے کہا آپ دوبارہ جاکر حضور علیہ السلام سے ہمارا مطالبہ عرض کر دیجئے لیکن بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جانے سے انکار کر دیا اس پر بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا اور بی بی زینب رضی اللہ عنہا تمام ازواج سے زیادہ زاہدہ تھیں یہاں تک کہ خود عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے دین کے بہتر امور پر عمل کرنے والی زینب سے اور کوئی عورت نظر نہیں آتی ویسے حضور علیہ السلام کے ہاں بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت تھی۔ انہیں عائشہ رضی اللہ عنہا کے برابر مرتبہ حاصل تھا۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ کی ازواج رضی اللہ عنہا آپ سے مساوات کا عرض کرتی ہیں اور کہتی ہیں ہمارے ساتھ بھی اتنی محبت فرمایا کریں جتنی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے پھر بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں برا بھلا کہا جب بی بی زینب کی بات بڑھ گئی تو بی بی عائشہ بھی اٹھیں اور انہیں اسی طرح کہا جیسے بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں کہا تھا یہاں تک کہ گفتگو اور سوال و جواب میں بی بی عائشہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا پر غالب آگئیں یہاں تک کہ زینب کو خاموش ہونا پڑا۔

صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کی فہم و فراست

کشاف میں ہے جب بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام کی موجودگی میں جرأت کر بیٹھیں اور حضور علیہ السلام نے انہیں روکا بھی لیکن نہ رکیں پھر حضور علیہ السلام نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ذرا آگے آیئے اسے جواب دیجئے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسے جوابات دیئے کہ جن سے زینب رضی اللہ عنہا کو خاموش ہونا پڑا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی لڑکی ہے۔ اس میں بی بی صاحبہ کے کمال فہم و حسن گفتار کی طرف اشارہ فرمایا ابن الملک نے فرمایا کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بدلہ لینا جائز ہے لیکن معاف کرنا افضل ہے کما قال اللہ تعالیٰ فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

در جنگ میکند لب خاموش کار تیغ
دادن جواب مردم نادان چہ لازم است

ترجمہ:۔ جھگڑے میں خاموشی تلوار کا کام دیتی ہے۔ بیوقوف کو جواب نہ دینا ہی اچھا ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ وَتَرٰىهُمْ
يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ
وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ
وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ○
وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ○ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ
يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ○ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا
الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ○ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا
وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا
وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○
وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ
حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ
حَكِيْمٌ ○ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ
تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ

مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ
تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۝ ؏

ترجمہ:۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اُس کا کوئی رفیق نہیں اللہ کے مقابل اور تم ظالموں کو دیکھو گے کہ جب عذاب دیکھیں گے کہیں گے کیا واپس جانے کا کوئی راستہ ہے اور تم انہیں دیکھو گے کہ آگ پر پیش کیئے جاتے ہیں ذلّت سے دبے لچے چھپی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ایمان والے کہیں گے بیشک ہار میں وہ ہیں جو اپنی جانیں اور اپنے گھر والے ہار بیٹھے قیامت کے دن بیشک ظالم ہمیشہ کے عذاب میں ہیں۔ اور ان کے کوئی دوست نہ ہوئے کہ اللہ کے مقابل ان کی مدد کرتے اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لیئے کہیں راستہ نہیں اپنے رب کا حکم مانو اس دن کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں اس دن تمھیں کوئی پناہ نہ ہوگی اور نہ تمھیں انکار کرتے بنے گا تو اگر وہ منہ پھیر رہیں تو ہم نے تمھیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تم پر تو نہیں مگر پہنچا دینا اور جب ہم آدمی کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ دیتے ہیں اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچے بدلا اُس کا جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو انسان بڑا ناشکرا ہے۔ اللہ ہی کے لیئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے۔ بیشک وہ علم و قدرت والا ہے اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے اُدھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے بیشک وہ بلندی و حکمت والا ہے اور یونہی ہم نے تمھیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز اپنے حکم سے اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل ہاں ہم نے اسے نور کیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں اور بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔ اللہ کی راہ کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں سنتے ہو سب کام اللہ کی طرف پھرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

ومن یضلل اللہ اور جسیں ہدایت پیدا فرمائے اور اسے خواہشات نفسانیہ سے دور رکھے یا اسے اسی ظلم کرنے کی حالت پہ بحال رکھے۔ فما لہ من ولی من بعدہٖ تو اس کا کوئی مددگار نہیں جو اس کے امور کی کفالت کرے جب اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے گر کر گمراہ ہو جائے تو پھر اس کا کوئی حامی کار بن کر اس کے امور کی کفایت نہیں کرے گا۔ وتری الظالمین اور دیکھو گے ظالمین کو یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو اس منظر کو دیکھیں گے اور ظالمین سے مشرکین اور گنہگار مسلمان مراد ہیں لما رأو العذاب جب عذاب دیکھیں گے ماضی کا صیغہ تحقق علی الوقوع پر دلالت کرتا ہے "یقولون" یہ ظالمین سے محلاً حال ہے اس لئے کہ یہاں پر رویت سے آنکھ سے دیکھنا مراد ہے یعنی درانحالیکہ کہیں گے۔ ہل الی مرد من سبیل کیا ہے کوئی چارہ دنیا کی طرف مرد بمعنی ردیہ یعنی رجعۃ بمعنی لوٹنا یعنی وہ چاہیں گے کہ دنیا میں واپس چلے جائیں تاکہ کفر و شرک اور گناہوں کی غلطیوں کا ازالہ کرکے دولت ایمان سے نوازے جائیں اور عمل صالح کریں۔ اس کے متعلق فہل الی خروج من سبیل کی بحث ہو چکی ہے۔ وتراہم یعرضون علیہا اور دیکھنے والو تم انہیں آنکھوں سے دیکھو گے کہ وہ آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

سوال: تم نے آگ کا معنی کہاں سے نکال لیا حالانکہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے

جواب: عذاب کا ذکر ہو چکا ہے اور عذاب میں نار کا ضمناً ذکر موجود ہے اور عرض کا معنی سورۂ حم المؤمن میں النار یعرضون علیہا میں گزر چکا ہے خاشعین من الذل یہ من تعلیلیہ ہے اور خاشعین کے متعلق ہے یعنی درانحالیکہ وہ ذلت و خواری سے خضوع کرنے والے اور حقیر ہوں گے بعض قراتوں میں "من الذل" کو ینظرون سے متعلق کرکے خاشعین پر وقف کیا گیا ہے ینظرون من طرف خفی الطرف مصدر ہے اسی لئے جمع کے صیغہ پر نہیں لایا گیا یعنی پلکوں کا جھپکانا نظر مراد ہے اس لئے کہ آنکھ کا جھپکنا نظر کو لازم ہے (کذا فی المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ درانحالیکہ وہ آگ کو دیکھنے کے لئے پہلے آنکھ چرا کے دیکھیں گے اور آنکھ چرا کر دیکھنا اس کے خوف سے اور اپنی ذلت و خواری کی وجہ سے ہوگا ان کا جہنم کو ایسے دیکھنا ہوگا جیسے قتل کئے جانے والا تلوار کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں اس تلوار سے قتل کیا جاؤں گا۔ اس خوف و ذلت کے پیش نظر نہ آنکھ کو دیکھنے سے روک سکتا ہے اور نہ ہی دیکھنا چاہتا ہے ایسے ہی تکالیف و پریشانیوں میں گھرا ہوا انسان آنکھ چرا کر دیکھتا ہے یعنی آنکھ کے گوشے میں بینائی کو سے جا کر دیکھتا ہے۔

فائدہ: الکلبی نے کہا۔ ان کا دیکھنا قلوب کی آنکھوں سے ہوگا ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں اس لئے کہ انہیں سر کے بل گھسیٹ کر جہنم میں لے جایا جائے گا پھر وہ کس طرح سر کی آنکھوں سے جہنم کو دیکھ سکیں گے یا اس لئے کہ انہیں اندھا کرکے جہنم میں لے جایا جائے گا پھر وہ جہنم کو اندھوں کی طرح دیکھیں گے جب وہ کسی

خوف والی چیز کو محسوس کرتا ہے تو آنکھ چرانے والے کی طرح دیکھتا ہے نظر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے
کہ مذکورہ بالا دونوں توجیہوں کی ضرورت ہی نہیں اس لئے کہ قیامت میں جہنیوں کو مختلف احوال سے گزرنا ہوگا اس لئے ان
کے مقامات مختلف ہوں گے تو احوال بھی مختلف - اسی لئے کبھی انہیں گھسیٹ کر اور کبھی آنکھ چرانے کی کیفیت میں اور کبھی
انہیں اندھا کر کے لایا جائے گا اور یہ جملہ کوائف روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہیں -

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ وہ نفوس جنہوں نے دنیا میں علاج سے اصلاح قبول نہ کی وہ آخرت میں بھی
جا کر دنیا کی آرزو کریں گے کہ انہیں دنیا کی طرف واپس لوٹایا جائے وہ ریاضات شرعیہ و مجاہدات
طریقیہ سے علاج کر کے اپنی اصلاح کریں گے - اگرچہ پہلے وہ دنیا میں خشوع من القہار سے محروم ہے لیکن اب وہ دنیا میں
واپس جا کر خشوع و خضوع سے زندگی بسر کریں گے لیکن انہیں اب رسوائی کام نہ دے گی اور ندامت سے کوئی فائدہ اٹھا
سکے گا اور نہ ہی آہ و فریاد کی کوئی قدر ہو گی بلکہ اہل ایمان سے شرمسار ہو کر آنکھ چرا کر انہیں دیکھیں گے کیوں کہ انہیں
شرم محسوس ہو گی جب کہ وہ انہیں وعظ و نصیحت فرماتے لیکن وہ ان کا کہا نہیں مانتے تھے جیسا کہ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

تراخود بماند سر از ننگ پیش ∴ کہ گردت بر آید عملہائے خویش
برادر زکار بدان شرم دار ∴ کہ در روئے نیکاں شوی شرمسار

تیرا شرم سے خود نیچا ہو گا کہ ہر ایک کو اپنا عمل پیش آتے گا۔
اے بھائی برے کاموں سے شرم کر تاکہ نیکوں کے آگے تمہیں شرمساری نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

وقال الذین آمنوا اور ان لوگوں نے کہا جو ایمان لائے یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے
دین میں جد و جہد کی اور اس کا پورا حق ادا کیا اور اپنے پروردگار سے اپنے اعمال صالحہ
کا پورا اجر حاصل کیا۔ ان الخسرین بے شک وہ لوگ جو حقیقۃً خسران سے موصوف ہیں خسران بمعنی راس المال
کا گھٹ جانا اور یہ صرف انسان کی طرف منسوب ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "خسر فلان" کبھی اس کی نسبت فعل کی
طرف بھی ہوتی ہے جیسے خسرت تجارۃ" اس کا استعمال ذخائر خارجیہ کے لئے ہوتا ہے جیسے مال و دولت وغیرہ اور
مرتبۂ دنیوی پر بھی اور یہ استعمال اکثر ہے اور ذخائر نفسیہ پر بھی جیسے صحت و سلامت اور عقل و ایمان اور ثواب اور
یہاں وہی خسران مبین مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خسران فرمایا اور قرآن مجید میں جہاں خسران بیان فرمایا ہے وہاں
یہی مراد ہے یعنی ذخائر دنیویہ و تجارات بشریہ مراد نہیں اور ان کی خبر" الذین خسروا انفسہم و اہلیہم
ہے جنہوں نے اپنے نفوس اور اہل و عیال کو خسارہ میں ڈالا یعنی انہیں دائمی عذاب میں ڈالا یوم القیمۃ
قیامت میں یہ (خسروا) کی ظرف ہے ان کی یہ بات دنیا میں ہو گی یعنی انہیں جب ایسی حالت میں
دیکھیں گے تو کہیں گے اور صیغۂ ماضی تحقق وقوع پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ : کاشفی نے لکھا کہ ان کا نقصان یہ ہے کہ بت پرستی سے دوزخ میں جائیں گے اور ان کے اہل وعیال کو زیاں اس لیۓ ہوگا کہ وہ اپنے عزیزوں کے کہنے پر بت پرستی کے مرتکب ہوئے تو بہشت کی نعمتوں سے محروم ہوئے۔ ابن الملک نے شرح المشارق میں لکھا کہ لفظ اہل کا اطلاق ازواج و اولاد اور غلاموں اور لونڈیوں اور اقارب واصحاب پر علیحدہ علیحدہ اور مجموعی طور بھی ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خاسرین وہ ہیں جو اپنی استعداد ضائع کر کے اپنے آپ کو نفسوں کے خسارہ میں ڈالتے ہیں جب کہ انہوں نے اپنی استعداد کو طلب دنیا اور اس کے ذخائر اور ان کی لذتوں میں صرف کیا اور اپنے اہل وعیال کو خسارہ میں ڈالا جب کہ انہوں نے ایمان نہ قبول کیا اور نہ شرائع کو ترک کیا نہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچایا اور نہ اپنے اہل وعیال کو۔

تفسیر عالمانہ : الا ان الظالمین

خبردار بے شک ظالمین یعنی مشرکین دنیا شہوات نفس کی وجہ سے جہنم میں گھٹنے ٹیک کر پڑیں گے" فی عذاب مقیم" آخرت میں ہمیشہ کے عذاب میں ہوں گے جو ان سے کبھی منقطع نہ ہوگا یہ ان کے کلام کی تکمیل کے طور ہے یا اللہ تعالیٰ نے تصدیقاً فرمایا " وما کان لہم من اولیاء ینصرونہم " اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو ان سے عذاب دور کر سکیں۔ " من دون اللہ " ان غیر اللہ سے جن سے دنیا میں امیدیں وابستہ رکھتے تھے کہ آخرت میں وہی ان کی مدد کریں گے۔ " ومن یضلل اللہ " اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے " فما لہ من سبیل " تو اس کے لئے کوئی راہ نہیں جس پر وہ چل کر نجات حاصل کر سکے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے کہ اسے غیر اللہ میں مشغول کر دے تو اس کے لئے کوئی راستہ نہیں جس پر وہ چل کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ سکے۔

حکایت

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے انطاکیہ کے پہاڑ میں ایک عورت کو دیکھا اس نے مجھے فرمایا کہ کیا آپ ذوالنون مصری نہیں ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا تو نے مجھے کیسے پہچانا اس نے کہا میں نے اپنے محبوب حقیقی کی معرفت سے پہچانا پھر مجھ سے سوال کیا کہ بتایئے سخاوت کسے کہتے ہیں میں نے کہا مال خرچ کرنا اور غرباء ومساکین کو عطا کرنا اس نے کہا کہ یہ تو دنیا کی سخاوت ہے میں تو آپ سے دین کی سخاوت کا پوچھتی ہوں میں نے کہا رب العالمین کی طاعت کی طرف جلدی کرنا مجھ سے پوچھا طاعت کی ادائیگی کے وقت کچھ تمہارا ارادہ بھی ہوتا ہے میں نے کہا میرا اس وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے میں مجھے دس ثواب ملیں گے کما قال تعالیٰ " من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا " اس نے کہا تو پھر یہ سخاوت کیسی جب کہ اس میں طمع ولالچ کو دخل ہے میں نے پوچھا تو آپ بتایئے آپ کے نزدیک سخاوت کسے کہتے ہیں اس نے کہا کہ عبادت میں ایسی محویت ہو کہ اس میں دل پر غیر اللہ کا خیال نہ ہو۔ پھر کہا کہ میں بیس سال سے

عبادت کر رہی ہوں اور کسی وقت خیال آتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے کسی شے کا سوال کروں لیکن پھر مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ یہ نہ فرما دے کہ تو کیسی غلط کار مزدور ہے کہ عبادت کرکے مجھ سے مزدوری مانگتی ہے بس میرا تو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وقت صرف اس کی تعظیم و تکریم مطلوب ہو۔

(سبق) اس سے معلوم ہوا کہ دل سے غیر اللہ کا تصور نکالنا ضروری ہے اور اچھے اوصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونا ضروری ہے جو ہدایت پا گیا وہ نفع لے گیا اور جو گمراہ ہوا وہ نقصان پا گیا لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہی ہر ایک کا کفیل کار ہے۔ عبد پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ہدایت کا اور عنایت الٰہی کا سوال کرے یہاں تک کہ وہ اسے نفس امارہ کو ظلمات سے نکال کر تجلیات روحانیہ کی طرف پہنچائے اور اسے ایک ایسا راستہ عطا فرمائے جو اسے جمیع مہالک سے نجات دے۔

حکایت ایک بوڑھا اور نوجوان اکٹھے حج پر گئے جب احرام باندھ کر بوڑھے نے کہا "لبیک" جواب ملا "لا لبیک" نوجوان نے بوڑھے کو کہا کہ اب تو جواب مل گیا جب تجھے لا لبیک کہا گیا ہے تو پھر لبیک کہنے کا کیا معنی۔ بوڑھا رو پڑا اور کہا میں سات سال سے یہی جواب سن رہا ہوں نوجوان نے کہا تو پھر بار بار حاضری کا کیا مطلب۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ اگر یہاں سے چلا جاؤں تو مجھے اور کونسا دروازہ ہے جس پر دستک دوں۔ بوڑھے کو غیب سے آواز آئی کہ میں نے تجھے قبول کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ہدایت ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو صاحب نے فرمایا ؎

بنومیدی مدہ تن گرچہ درکام نہنگ افتی ٭ کہ دارد در دل گرداب بحر عشق سالہا

ترجمہ: ناامیدی میں نہ ہو اگرچہ مگرمچھ کے منہ میں ہو اس لئے کہ دل میں رکھتا ہے عشق کا دریا کئی سال گرداب۔

تفسیر عالمانہ استجیبوا لربکم: جب وہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایمان کی دعوت دیتا ہے تو تم اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کرتے ہو۔ من قبل ان یاتی یوم لا مرد لہ من اللہ اس سے پہلے کہ جس دن سے اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا یعنی جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو اسے کوئی دفع نہیں کرے گا۔ یہ اسوقت ہے جب کہ من مَرَدّ کا صلہ ہو یعنی اس سے پہلے جب کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی دن آئے تو اسے رد کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

(نکتہ) استجابت کو اسم رب سے اور مَرَدّ اور اتیان کو اسم اللہ سے متعلق کرنے میں نکتہ ہے جو کسی سے مخفی نہیں (کذا فی حواشی سعدی المفتی مرحوم) مالکم من ملجا یومئذ اس دن تمہارے لئے کوئی جائے کی جگہ نہیں ہوگی جہاں تم جا کر پناہ حاصل کر سکو یعنی عذاب الٰہی سے تمہیں کوئی چھٹکارا نہیں ہوگا۔

(سوال) تم نے عذاب کا معنی کہاں سے لیا۔

(جواب) من استغراقیہ کے ساتھ نفی کی تاکید سے معلوم ہوا الملجاء بمعنی پناہ و گریز گاہ۔

وما لکم من نکیر اور تمہیں اس کا کوئی انکار نہیں یعنی جن اعمال کے تم مرتکب ہوئے کیوں کہ وہ تمہارے اعمالنامے

میں محفوظ ہیں اور پھر تمہارے اعضاء بھی گواہی دیں گے یکبر خلاف القیاس نکر کا مصدر ہے اس انکار سے وہ انکار مراد ہے جو عذابِ الٰہی سے نجات دے ورنہ مطلق انکار تو قرآن مجید میں ہے۔
کما قال تعالیٰ "وما کنا مشرکین" وغیرہ۔ ان کے اس انکار پر ان کے اعضاء گواہی دیں گے۔

ملفوظ جنید رضی اللہ عنہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا استجابۃ حق اس خوش نصیب کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہوا تف وا امر وخطاب الٰہی کو سنتے ہیں اسی سماع سے اس کیلئے اجابۃ متحقق ہو گی اور جسے ہواتف کا استماع نصیب ہو وہ جواب کیوں نہ دے بلکہ دراصل محل جواب وہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے استجیبوا لربکم الخ عوام کے لئے ہے کہ انہیں عہدِ الٰہی کا وفا وقیام بحق ذات حق اور اس کی مخالفت سے رجوع کر کے موافقت کرے اور خواص کی استجابت خواص یہ ہے کہ وہ احکام ازلیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں اور دنیا اور اس کی زینت اور اس کی شہوات نفسانیہ سے روگردانی کرے کما قال تعالیٰ واللہ یدعوا الی دار السلام اخص الخواص اہل محبت کی اجابۃ یہ ہے کہ وہ اعراض دارین کر کے صدقِ طلب سے حضرت جلال کی طرف متوجہ مقصود وحصول کے لئے اور وصال الٰہی کی تحصیل کے لئے وجود کو صرف کرے کما قال اللہ وداعیا الی اللہ باذنہ (اور وہ اللہ کے اذن سے اسکی طرف بلاتا ہے)

فائدہ: آج بھی استجابۃ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور عنقریب اچانک بند ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ہماری بے خبری میں ہمارے سے چھین لے گا۔

کما قال اللہ تعالیٰ من قبل ان یاتی الخ کسی شاعر نے فرمایا ؎

تمتع من شمیم عرار نجد ۔۔ فما بعد العشیۃ من عرار

ترجمہ: نجد کے پھول کی خوشبو سے نفع اٹھا وقت گزرنے پر کوئی خوشبو نصیب نہ ہوگی۔
یعنی عرار نجد کی خوشبو سے میں نفع پاتا ہوں عرار پیلے رنگ کا خوشبو دار تو ہم اسے گم پاتے ہیں جب ہم شام کرتے ہیں اس لئے کہ ہم ارض نجد سے نکل جاتے ہیں اور ہم اس کے اپنے اگنے کی جگہ سے خالی پاتے ہیں اسمیں عرار کی حقیقی خوشبو سونگھنا مراد ہے اس لئے کہ جب تک روح انسانی وجود شہودی میں ہو تو اسے اس عالم شہود کے احساسات ہوتے ہیں لیکن جب دنیا سے برزخی علاقہ میں منتقل ہو اور اس سے شمس حیات کا زوال ہو اور عمر کی آخری منزل تک پہنچ جائے تو پھر اس کے سونگھنے کا کیا معنی ؎

چون بے خبران دامن فرصت مدہ از دست ۔۔ تا ہست پر وبال زعالم سفرے کن

ترجمہ: بے خبروں کی طرح ہاتھ سے فرصت کا دامن نہ دے جب تک بال و پر ہیں جہاں میں چلتا رہے۔

تفسیر عالمانہ: فان اعرضوا فما ارسلنٰک علیھم حفیظا، کلام میں تلوین ہے اسمیں حضور علیہ السلام کو خطاب ہے اس لئے کہ

مٹ اور ہم مشرک نہ تھے ۱۲ منہ: اور اللہ تمہیں دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ ۱۲

یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے اور فرمایا کہ آپ لوگوں سے روگردانی فرمالیں جب وہ آپ کی بات نہیں مانتے تو آپ کو فکر کیا ہے اس لئے کہ ان کے اعمال کا نگران و محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔ ان علیک الا البلاغ آپ پر صرف پیغامات الٰہی کا پہنچانا ہے اور وہ آپ نے پہنچائے پھر آپ کو فکر کیا ہے اگر وہ آپ سے روگردانی کرتے ہیں تو کرنے دیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرکے دارین کی طرف متوجہ ہوئے تو ہم نے آپ کو ان کا نگران و محافظ نہیں بنایا کیونکہ یہ میرا کام ہے آپ کا یہ کام نہیں اس لئے کہ میں حفیظ ہوں آپ کے ذمہ تبلیغ رسالت ہے اور وہ آپ کر چکے اور ہم ان کے معاملات کو خوب جانتے ہیں کہ انہیں توفیق حق نصیب ہوئی ہے یا رسوائی۔

اسم حفیظ کی تحقیق

حفیظ بندے کیلئے یوں ہے کہ وہ اپنے جوارح و قلب کو محفوظ رکھے اور اپنے دین کو سطوۂ غضب اور شہوت کی کیچڑ اور نفس کے مکر و فریب اور شیطان کے غرور سے بچائے اس لئے کہ انسان دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہے اسے یہ امور جہنم کی طرف کھینچتے ہیں جیسا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

سبق

بندے پر لازم ہے کہ ہلاک کرنے والے امور کے دفع کرنے کے منجیات کے حصول کے لئے جلدی کرے اور وہ یونہی ہو سکتا ہے کہ نفس کی اصلاح کی جائے اور اپنے اخلاق کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے مطابق کرے اس لئے کہ نفس بڑا سرکش ہے یہ افلاس اور خسارے کی طرف لے جانے کی جدوجہد کرتا ہے۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے سب نے عرض کی ہم مفلس اُسے کہتے ہیں جس کے ہاں دراہم و دنانیر نہ ہوں اور نہ ہی اس کے دنیاوی اسباب ہوں آپ نے فرمایا کہ میری امت کا وہ بندہ مفلس ہے کہ جب وہ قیامت میں آئے اس کے پاس نماز اور روزہ اور زکوٰۃ تو ہوگی لیکن دنیا میں اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر بہتان تراشا ہوگا کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا کسی کو مارا ہوگا تو اس سے اس کی نیکیاں چھین کر اس کے مخالف کو دی جائیں گی جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی حالانکہ ابھی حساب و کتاب بھی نہیں ہوا ہوگا پھر مخالف کے گناہ اس کے سر پہ رکھ دیئے جائیں گے اس کے بعد اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

سبق

عاقل پر لازم ہے کہ جب تک نفس کے ساتھ رہے اسے اپنے قابو میں رکھے اس لئے کہ اگر کسی پر عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ نفس کی شامت ہوتی ہے پھر اپنے

لئے نہ کوئی کفیل کار اور نہ کوئی مددگار اور نہ ہی اس کا ماویٰ ہوگا کہ اس طرف بھاگ کر جائے۔ اور وہ لوگ جو نہیں کرتے روگردانی اور تبلیغ رسالت کو قبول کرنے والے ہوتے ہیں قیامت میں جب لوگ خوفزدہ ہونگے تو ایسے حضرات کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔

خجل آنکس کہ رفت وکار نساخت ؞ کوس رحلت زدند وبار نساخت

ترجمہ: وہ شرمسار ہوگا جو گیا لیکن کام نہ کیا کوچ نقارہ بجتا رہا لیکن اس نے کوئی کام نہ کیا۔

تفسیر عالمانہ

وانا اذا اذقنا الانسان رحمۃ اور بے شک جب کہ ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمۃ یعنی صحت وغنا وامن کی نعمت سے نوازتے ہیں " فرح بہا " تو وہ اس سے خوش ہو جاتا اور خوشی کرتا ہے (کذا قال الکاشفی)

دنیا کا حال

دنیا اگرچہ بہت بڑی عظیم نعمت سہی لیکن آخرت کی سعادت کے مقابلہ میں اسے وہی نسبت ہے جو قطرہ کو دریا سے اسی لئے اسے اذاقۃ یعنی چکھنے سے تعبیر کیا گیا پھر انسان کو جب ایسی حقیر شے کی معمولی نعمت حاصل ہوتی ہے تو وہ اس سے خوش ہو کر عجب وکبر کا شکار ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہر طرح کی کامیابی مل گئی اور گویا وہ سعادتوں کے محل میں داخل ہو گیا۔ اسی لئے ایسے انسان کا آخرت کے بارے میں ایمان کمزور پڑ جاتا ہے ورنہ وہ فانی نعمت (دنیا) کو باقی نعمت (آخرت) پر ترجیح نہ دیتا اس لئے کہ فانی نعمت ٹھیکری کی طرح ہے اور پھر وہ قلیل ہے اور باقی نعمت یعنی اُخروی نعمت سونے کی مانند اور وہ کثیر بھی ہے۔

افتد ہمائی دولت اگر در کمند ما ؞ از ہمت بلند رہا می کنیم ما

ترجمہ: ہمائے دولت ہماری قابو میں آجائے تو ہم بلند ہمتی سے اسے رہا کر دیں گے۔

وان تصبہم اور اگر انہیں پہنچے

(سوال) انسان واحد ہے اور ھُم جمع کی ضمیر کیوں۔

(جواب) یہاں انسان کی جنس مراد ہے اور جنس میں جمع کا معنیٰ بھی ہے " سیئۃ " بلا یعنی مرض و فقر و خوف یعنی وہ امور جو انسان کو برے لگتے ہیں " بما قدمت ایدیہم " ان اعمال کے سبب سے جو ان سے سرزد ہوئے مثلاً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور دیگر نافرمانیاں

(نکتہ) انہیں کسب ایدی سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اکثر اعمال ہاتھوں سے سرزد ہوتے ہیں تغلیباً دیگر امور کو کسب ایدی میں شامل کیا گیا " فان الانسان کفور " بے شک انسان ناشکرا ہے۔

(حل لغات) امام راغب نے فرمایا کہ کفر و کفران نعمت بمعنیٰ شکر کا ترک کر کے نعمتوں کو چھپانا اور ان کا سب سے بڑا کفران نعمت توحید و نبوت و شریعت کا انکار ہے۔ انکار نعمت پر اکثر کفران کا استعمال ہوتا ہے

دین کے انکار میں اکثر کفر مستعمل ہوتا ہے لفظ کفور کو دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ انسان بہت بڑا ناشکرا ہے کہ اکثر اوقات نعمتوں کو بھلا کر اپنی تکالیف و پریشانیوں کو یاد کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سب سے زیادہ میں ہی ان مصائب میں گھرا ہوا ہوں اور پھر غور و فکر نہیں کرتا کہ اسے یہ تکالیف کس سبب سے پہنچیں بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ بلا وجہ ان مصیبتوں میں مبتلا ہے

سوال : اصابت سیئۃ کو مطلق (جنس) انسان کی طرف منسوب کیا گیا حالانکہ یہ تو صرف مجرمین اور مرتکبین ذنوب کا کام ہے۔

(جواب) : چونکہ انسان کے اکثر افراد کا یہی طریقہ ہے اس لئے تغلیباً مطلق انسان (جنس) کا نام لیا گیا اسے مجاز عقلی کہتے ہیں۔

سوال : اذاقۃ کو صیغۂ جمع متکلم (جس سے ذات حق مراد ہے) کی طرف اسناد کیوں۔

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ نعمت کا وجود محقق اور کثیر الوقوع اور ذات حق کے تقاضائے حکمت سے ہے

سوال : پھر اسے لفظ اِنْ شرطیہ سے کیوں تعبیر کیا گیا۔ کما قال ان تصبھم الخ

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ اصابۃ سیئۃ نادرۃ الوقوع ہے۔ اور وہ بھی ان کے اعمال کی وجہ سے پھر وہ بھی اگر کریم اعمال کے معاملہ کو درمیان میں نہ لائے بلکہ اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے تو اس کی شان عظیم ہے اور ساتھ ہی اشارہ فرمایا کہ کسی کو مصائب میں مبتلا کرنا اس کا ارادہ ذاتی نہیں ہوتا بلکہ بندے کے غلط کام پر اس کی سرزنش مطلوب ہوتی ہے۔

(سوال) فان الانسان الخ میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کیوں لایا گیا۔

(جواب) تاکہ واضح ہو کہ انسان کی جنس کا خاصہ ہے وہ کفران نعمت کرتا ہے۔

(ف) امام ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان کا کفران یہ ہے کہ وہ ترک شکر کرے۔

ع : در شکر ہمچو چشمہ ودر صبر خارہ ایم

ہم شکر میں چشمہ اور صبر میں سخت پتھر۔

ملفوظ حضرت علی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نعمت کے اطراف کے حصول کے بعد اس کے انتہا کو نفرت نہ دلاؤ یعنی جو حاصل شدہ نعمتوں کا شکر نہیں کرتا وہ منتہی (بڑی) نعمتوں سے محروم رہتا ہے ؎

چون بیابی تو نعمتے دو چند ؞ خرد باشد چو نقطۂ موہوم
شکر آن یافتہ فرو مگذار ؞ کہ زنا یافتہ شوی محروم

ترجمہ: جب تم دوگنی (بہت بڑی) نعمت حاصل کرو تو اسے نقطۂ موہوم سمجھ کر معمولی سمجھو ہاں اسے شکر سے مضبوط کرو تاکہ حاصل شدہ نعمت سے محرومی نہ ہو۔

(ایضاً) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کے حقوق میں ایک حق یہ ہے کہ اس کی نعمتوں سے اس کی نافرمانی نہ کرو۔

ملفوظ حضرت حسن بصری

سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کا آنے والا دن پہلے دن کے شکر میں برابر گزرے تو وہ ناقص ہے عرض کی گئی وہ کیسے آپ نے فرمایا جو وقت نصیب ہو جو نہی شکر میں بھی اضافہ ہو اس لئے کہ بہت سے انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی عمریں عطا فرمائیں اور انہیں بہت بڑی عظیم نعمتیں بھی بخشیں جیسے فرعون ہامان اور نمرود وغیرہ لیکن انہوں نے ہر آئے دن کفران نعمت میں اضافہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ عدل و انصاف فرمایا یہاں تک کہ وہ بری موت مرے

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کا خاصہ ہے کہ جب اسے اللہ تعالیٰ نفس کے سپرد کرتا ہے کہ وہ اپنے عطا کردہ نعمتوں مواہب الٰہیہ و فتوحات غیب اور وہ انواع کرامات جن سے اطفال طریقت کی تربیت ہوتی ہے کا شکر نہیں کرتا، اگر شکر کرتا تو ان نعمتوں میں اس کے لئے اضافہ ہوتا لیکن بجائے شکر کرنے کے اس نے اپنے آپ کو عجب میں ڈالا بلکہ ریاء و سمعہ کے طور اپنے آپ کو خلق خدا میں مشہور کرتا رہا اس کی نحوست یہ ہوئی کہ اس پر نعمتوں کے کھلے ہوئے دروازے بند ہو گئے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

خام بت پرست بود بہ زخود پرست ۔۔ در قید خود مباش و بقید فرنگ باش

ترجمہ: خام بت پرست خود پرست سے بہتر ہے اپنی قید میں نہ ہو فرنگی کی قید میں ہو تو کوئی حرج نہیں

(ومن اللہ العون) اللہ تعالیٰ سے ہی مدد ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وللہ ملک السمٰوٰت والارض اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جملہ عالم کے ممالک اور ان پر اس کی نعمتوں کا شکر واجب اور اس کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر و رضا اور اس کے احکام ازلیہ کے سامنے سر تسلیم خم ضروری اللہ تعالیٰ کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی ہے یخلق ما یشاء وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اسے بندے جانتے ہیں یا نہیں جانتے وہ جیسی صورت چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔ یہب لمن یشاء اناثا جس کے لئے چاہتا ہے صرف لڑکیاں عطا فرماتا ہے اور اسے لڑکوں سے محروم رکھتا ہے جیسے حضرت لوط و شعیب علیہ السلام کو صرف لڑکیاں عطا فرمائیں ان کے لڑکے نہیں تھے۔ البتہ یعنی کسی کو بلا عوض کسی شے کا مالک بنا دینا اور دہاب عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہ ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق بلا عوض

عطا فرماتا ہے۔ ۱۶۱ناث انثی کی جمع مذکر کی نقیض ہے اور جملہ یخلق سے بدل البعض ہے اناث کا ذکر اس لئے پہلے ہے کہ تخلیقاً عورتیں زیادہ ہوتی ہیں تاکہ نسلِ انسانی میں اضافہ ہو یا اس لئے کہ آباء کو خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مرتبہ بلند ہے کہ انہیں مردوں سے پہلے بیان فرمایا اور ان سے مانوس ہونا انسانی فطرت بھی ہے اسی لئے انہیں مواہب اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس میں لام انتفاعیہ ہے نیز اناث کو پہلے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان کو نوع انسانی میں سے سب سے پہلے عورت عطا ہوئی جیسا کہ آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے ان کی زوجہ بی بی حوا عطا ہوئیں یعنی ان کی زوجہ انہیں سے پیدا کی گئیں جیسا کہ وارد ہے کہ بی بی حوا کو آدم علیہ السلام کی قصیراد ہڈی سے پیدا کیا یہ ہڈی تمام ہڈیوں سے نیچے ہے یا پسلی کی ہڈیوں میں سے آخری ہڈی ہے۔ (کذا فی القاموس)

فائدہ الکواشی میں ہے کہ اس میں ان لوگوں کو توبیخ ہے جو لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اور نکوہ لانے میں ان کے ضعف کی طرف اشارہ ہے تاکہ ان پر رحم کرکے ان کے ساتھ احسان کیا جائے۔

مسئلہ ، الشرعہ اور اس کی شرح میں ہے بچیوں کی پیدائش سے خوشی کا اظہار کیا جائے تاکہ اہل جاہلیت کا رد ہو اس لئے کہ وہ ان سے کراہت کرتے ہوئے انہیں زندہ درگور کر دیتے تھے۔

(حدیث شریف ۱) وہ عورت خوش نصیب ہے جو سب سے پہلے بچی جنے جیسا کہ قرآنی ارشاد۔ یھب لمن یشاء اناثا سے معلوم ہوتا ہے کہ نسل انسانی کے بیان میں عورت کا ذکر پہلے فرمایا۔

(حدیث شریف ۲) میں ہے کہ جو لڑکیوں کے ساتھ آزمایا جائے یعنی اسے لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کے ساتھ احسان کرے یعنی ان کا نکاح اپنی کفو میں کرے تو وہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی۔

(حدیث شریف ۳) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مجہزات دمونسات نام رکھا ہے۔ مجہزات تو اس لئے کہ ان کیلئے جہاز (جہیز) تیار کیا جاتا ہے اور یہ لقب ان کے لئے تیمنا و تفاؤلا ہے اور مونسات اس لئے کہ ان سے والدین وازدواج مانوس ہوتے ہیں اور یہ ان کے ساتھ۔

(حدیث شریف ۴) میں ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ مجھے وہ اولاد عطا فرمائے جس میں مشقت اور تکلیف نہ ہو میری دعا مستجاب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچیاں عطا فرمائی ہیں (اس سے وہابیہ کا رد ہوا کہ حضور علیہ السلام بے اختیار تھے ورنہ آپ کی نرینہ اولاد ہوتی حالانکہ درحقیقت حضور علیہ السلام نے نرینہ اولاد (جن کی طویل عمر ہوتی) اللہ تعالیٰ سے مانگی ہی نہیں تھی اور یہ دعا بھی امت کی تعلیم کے لئے تھی تاکہ بچیوں کی پیدائش سے نہ گھبرائیں)

(حدیث شریف ۵) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچیوں سے مت گھبراؤ اس لئے کہ میں بھی ابو البنات (بچیوں کا باپ) ہوں۔

فائدہ:۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ بچیوں سے نہ گھبرانے کا موجب اتنا کافی ہے کہ حضور علیہ السلام خود ابو البنات ہیں کیوں کہ اگر بچیوں کا باپ ہونا بری بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑکیوں سے نہ نوازتا اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہی پسند فرماتا ہے جو بہتر و اعلیٰ ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شئے سے گھبراتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا نشانہ بناتا ہے۔

سبق ہمارے دور میں تو بہت سے تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے بچ سکتے ہوں اس لئے کہ عموماً لوگ بچیوں کی پیدائش سے گھبراتے ہیں حالانکہ بچیوں کی پیدائش سے اہل جاہلیت گھبراتے تھے اگر وہ بدبخت وہی پسند کرتے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تو انہیں بہت بڑا شرف اور بزرگی نصیب ہوتا۔ "ویہب لمن یشاء الذکور" اور جن کے لئے چاہتا ہے تو لڑکے عطا فرماتا ہے جیسے ابراہیم کو صرف لڑکے عطا فرمائے اس کے کسی کام پر کسی کو نہ کوئی دخل ہے اور نہ کوئی اس پر اعتراض کر سکتا ہے

با اختیار حق بنود اختیار ما ٭ بالنور آفتاب چہ باشد شرار ما

ترجمہ: اختیار حق کے بالمقابل ہمارا کوئی اختیار نہیں آفتاب کے نور کے آگے چنگاری کہاں۔

الذکور ذکر کی جمع انثی کی نقیض ہے۔

(سوال) الذکور کو معرفہ اور اناثاً کو نکرہ کیوں۔

(جواب) اناثاً کے نکرہ لانے کی وجہ ہم نے اوپر ذکر کر دیئے۔ الذکور کے معرفہ لانے کی یہ وجوہ ہیں

(۱) فواصل کی حفاظت

(۲) اس لئے کہ ذکور کو فضیلت ہے لیکن اسے مؤخر لایا گیا

اور اس پر لام تعریف داخل ہوئی کیوں کہ لام تعریف شے کی شان کو بڑھاتی اور اسے شہرت بخشتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ یا اللہ تعالیٰ جسے چاہے تو ذی فراست اور ایسے علم والے عطا فرمائے جن کی شان تم سے مخفی نہیں (حدیث شریف) میں ہے کہ تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے چاہے تو بچیوں کا عطیہ فرمائے چاہے تو بچوں کا اور ان کے مال تمہارے ... ہیں واقعی ضرورت ہو تو تم ان سے پوچھے بغیر خرچ کر سکتے ہو۔

او یزوجھم ذکراناً و اناثاً۔ ... نر اور مادہ کے جوڑے عطا فرمائے)

بی بی ہاجرہ سے حضرت اسماعیل، بی بی سارہ سے حضرت اسحاق اور تیسری بیوی حضرت قطورہ سے ۶ بیٹے تمسان، زمران، مدن، مدیان، نسان اور سوح (اویسی غفرلہٗ)

(حل لغات) التزویج بمعنی جوڑا ساتھی بنا دینا۔ (کذا فی تاج المصادر)
الذکور ذکر کی جمع ہے اب معنی یہ ہوا کہ چاہے تو وہ تمہیں دونوں قسمیں اکٹھے فرمادے یعنی لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی جیسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑکے اور لڑکیاں عطا فرمائیں کیوں کہ صحیح یہ ہے کہ آپ کے تین صاحبزادے بھی تھے۔

(۱) قاسم

(۲) عبداللہ

(۳) ابراہیم

اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

(۱) زینب

(۲) رقیہ۔

(۳) ام کلثوم

(۴) فاطمہ رضی اللہ عنہم

(شیعہ چار بنات میں شدید اختلاف رکھتے ہیں وہ بھی جو نرے جاہل ہیں ورنہ ان کے اہل علم چہار بنات کے منکر نہیں بلکہ ان کی کتابوں میں بھی ثبوت موجود ہیں۔
(تفصیل دیکھئے فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب "القول المقبول فی بنات الرسول" اضافہ اویسی غفرلہ)

فائدہ: بعض نے لکھا ہے کہ یزوجہم الخ کا مطلب یہ ہے کہ ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد لڑکی پھر لڑکا یا لڑکا اور لڑکی جڑواں پیدا ہوں۔ ویجعل من یشاء عقیما اور جسے چاہے تو بے اولاد بنادے جیسے عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام ان کی کوئی اولاد نہ تھی عیسیٰ علیہ السلام کا تو نکاح بھی نہ ہوا ہاں قرب قیامت میں زمین پر تشریف لا کر نکاح کریں گے ان سے لڑکیاں پیدا ہونگی اور یحییٰ علیہ السلام کا نکاح تو ہوا لیکن آپ نے بیوی سے بطور عزیمت مجامعت نہیں کی کیوں کہ ان کی شریعت میں عزیمت ایسے ہی تھی اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عورتوں سے جماع کرنے کے باوجود ان سے اولاد پیدا نہیں ہوتی۔

(حل لغات) العقم بمعنی الیبس الخ یعنی ایسی خشکی جو اثر قبول کرنے سے مانع ہو العقیم وہ عورت جو مرد کے نطفے کو قبول نہ کرے القاموس میں ہے کہ العقم بالضم بمعنی رحم کی کمزوری کہ رحم سے بچے کو قبول نہ کر سکے اور رجل عقیم وہ مرد جو بے اولاد ہو "العقم" جیسے عورتوں کی صفت ہو کر واقع ہوتا ہے ایسے ہی ان مردوں کے لئے جن کے نطفے میں ایسا مانع ہو جو عورتوں کے رحم میں نطفے کو نہ ٹھہرنے دے اور اسی میں عاطف کی تغیر اسی لئے ہے کہ یہ بین القسمین

کے مشترک کا قسیم ہے یعنی اور مشترک وہ ہے۔ جبمیں ان دونوں کی ایک صنف کا مفہوم ہو اور یہ تیسری قسم ہر دو کا جامع ہے اگر واؤ کے ساتھ لایا جاتا تو وہم رہتا کہ ہر دو قسموں کا قسیم ہے حالانکہ مشترک بینہما کا قسیم ہے یعنی یہ چوتھی قسم کے مفہوم بھی ادا کر رہا ہے اسی لئے اس چوتھی قسم کے بیان کی ضرورت ہی نہیں رہی کیوں کہ یہ تمام اقسام متقدمہ کا قسیم ہے یعنی مطلقاً ہر قسم کی اولاد سے محروم انسان۔ کیونکہ عقیم کا لفظ جملہ ما تقدم اقسام کی نقیض ہے۔ انہ علیم بے شک اللہ تعالیٰ گزرے اور آنے والے جملہ حالات کو جانتا ہے "قدیر" بہت بڑا قادر ہے کہ اسے مقدور پر قدرت ہے وہ ہر کام حکمت و مصلحت سے کرتا ہے اسی لئے کاشفی نے لکھا کہ وہ جانتا ہے کہ کس کو کیا عطا کرنا ہے۔ اور وہ قدرت والا ہے کہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے وہ جہل سے مقدس و مبرا ہے اور ہر عجز سے منزہ و معرا ہے اس کا علم شائبہ جہل کے فتور سے دور اور اس کی قدرت آلائش نقصان و قصور سے پاک ہے۔

اولاد کے فضائل

اولاد کے ہونے اور نہ ہونے کے لحاظ سے انسان کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) اولاد نہ ہو

(۲) صرف اولاد نرینہ ہو

(۳) صرف لڑکیاں ہوں

(۴) لڑکے اور لڑکیاں ہر دونوں ہوں

آیت میں ہر چاروں اقسام کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد کے بارے میں اپنے بندوں کے احوال مختلف بناتا ہے جس طرح چاہتا ہے کہ بعض کو صرف ایک قسم کی اولاد بخشتا ہے نر یا مادہ کسی کو ہر دونوں عطا فرماتا ہے بعض کو بالکل بے اولاد رکھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اولاد جیسی ہو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور بخشش ہے۔

مسئلہ: اسی لئے اولاد کی پیدائش پر مبارک بادی کہنا مسنون ہے اور صاحب اولاد سمجھے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی ایک اعلیٰ نعمت ہوئی ہے۔

(حدیث شریف ۱) اولاد کی خوشبو بہشت کی خوشبو ہے۔

(حدیث شریف ۲) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد دنیا میں نور اور آخرت میں سرور ہے۔

(حدیث شریف ۳) میں ہے کہ بچے جننے والی سیاہ فام عورت اس سفید رنگ اور حسین و جمیل عورت سے بہتر ہے جو بچے نہیں جنتی۔

فائدہ: اس لئے کہ نسل انسانی کا بڑھنا بچے جننے والی سے ہوگا اور اس کا بکثرت بچے جننا اس کی صحت و شباب کی دلیل ہے۔

مسئلہ وہ عورت جو کسی کے نکاح میں ہوتے بچہ جنے اور صاحب نکاح اس پر بلاوجہ تہمت لگائے کہ وہ میرا نہیں تو اس شخص کو قیامت میں سخت شرمسار کیا جائے گا اور اس کے عملنامے میں ستاروں اور ریت کے قطرات اور درختوں کے پتوں کے برابر گناہ لکھے جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ مشائخ نے فرمایا کہ "یھب لمن یشاء اناثا" میں اناثاً سے دنیا اور "یھب لمن یشاء الذکور" میں ذکور سے آخرت "یزوجھم ذکراناً و اناثاً" میں دنیا و آخرت ہر دونوں مراد ہیں اور ویجعل من یشاء عقیماً کا معنی یہ ہوا کہ کسی محروم بندے کو نہ دنیا نصیب ہوتی ہے نہ آخرت (کذا فی کشف الاسرار) اس سے ثابت ہوا کہ دنیا مونث ہے اور آخرت مذکر۔

حضرت امیر خسرو دہلوی قدس سرہ نے فرمایا۔

بہر آن مردار چندین گاہ زاری گاہ زور ۔ چوں غلیواجی کہ شش ماہ مادہ و شش نر است

ترجمہ : اس مردار کیلئے کبھی زاری اور کبھی زور کام میں لایا جاتا ہے چیل کی طرح کہ وہ چھ ماہ مادہ رہتی ہے چھ ماہ نر۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں مشائخ کاملین کی طرف اشارہ ہے کہ بعض کو مریدین صادقین اتقیاء سعداء عطا فرماتا ہے لیکن وہ بمنزلۂ اناث کے ہیں اس لئے کہ وہ تصرف نہیں کر سکتے یعنی انہیں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ دوسروں کو سلوک طے کرا سکیں اور بعض کو ایسے مریدین صدیقین محبین واصلین کاملین متکملین مخرجین عطا فرماتا ہے وہ بمنزلہ ذکور کے ہیں کیوں کہ وہ طالبین کو استعداد کے مطابق کامل بنا سکتے ہیں بعض کو ہر دونوں جنسیں عطا فرماتا ہے یعنی اس کے بعض مریدین متصرف فی الغیر ہوتے ہیں اور بعض متصرف فی الغیر نہیں ہوتے اور بعض مشائخ کو عقیم بناتا ہے مرے سے ان کے مریدین ہی نہیں ہوتے اور وہ علیم ہے یعنی اسے علم ہے کہ کس کے مریدین کو متصرف بناتا ہے اور کس کو غیر متصرف وہ قدیر ہے کہ وہ متصرف و غیر متصرف بنانے کی قدرت رکھتا ہے (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہ تفاوت اولیاء اللہ کیلئے بایں معنیٰ راجع ہے کہ وہ حکمتوں کا مالک ہے اور وہ انہیں مخفی رکھتا ہے یا یہ فرق اسی طرح کا ہے جیسے سابق زمانوں میں امم کا تفاوت ہے وہ کاملین و مکملین میں جیسے چاہتا کرتا ہے لیکن جو سرے سے استعداد ہی نہیں رکھتے کہ ان میں ولایت کا جوہر نہیں رکھا جاتا حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض ۔ ورنہ ہر سنگ گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ : گوہر پاک چاہئے تاکہ وہ فیض کے قابل ہو ورنہ ہر پتھر اور گل لؤلؤ مرجان نہیں ہو سکتے۔

تفسیر عالمانہ وما کان لبشر اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی فرد بشر کے لئے ثابت نہیں کہ ان یکلمہ اللہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی وجہ سے کلام کرے "الا وحیاً" مگر وحی کے ساتھ الوحی

بمعنی الاشارۃ السریعۃ ۔۔۔ اسی لئے وحی کو وحی کہتے ہیں کہ اس میں سرعت ہوتی ہے کیونکہ وحی فہم وافہام مفہوم عنہ کا عین ہوتا ہے جیساکہ اہل الہام اس کے ذوق سے واقف ہیں۔

فائدہ بعض علماء نے فرمایا کہ وحی وہ اشارہ ہے جو غیر عبارۃ کے قائم مقام ہو اور امام راغب نے فرمایا کہ وحی وہ کلمہ الٰہیہ ہے جو انبیاء و اولیاء کی طرف القاء کیا جاتا ہے۔

وحی و الہام فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ وحی و الہام درحقیقت ایک شے ہے صرف ادب کے طور انبیاء کے لئے وحی اور اولیاء کے لئے الہام استعمال کیا جاتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے لئے دعوت اور اولیاء کے لئے ارشاد مستعمل ہوتا ہے حالانکہ دعوت و ارشاد ایک شے ہے صرف ادب کے طور پر یہاں بھی فرق کیا گیا پھر وحی یا تو روع میں القاء ہوتا جیساکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ روح القدس نے میرے روع میں پھونکا یا الہام کے ذریعہ ہوتا ہے کما قال تعالیٰ واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ یا بذریعۂ تسخیر کما قال تعالیٰ واوحیٰ ربک الی النحل یا نیند میں جیسے حدیث شریف میں ہے کہ وحی تو منقطع ہوگئی مبشرات باقی ہیں جو مومن کو خواب میں نظر آتے ہیں یہی وہ جملہ انواع ہیں جن پر "الا وحیا" دلالت کرتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف وحی بھیجتا ہے یا بذریعہ اس کے دل میں القاء کرتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو موسیٰ علیہ السلام کے دودھ پلانے کا اور ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا اور داؤد علیہ السلام کو زبور کا القاء ہوا یہ مجاہد کی تقریر ہے آیۃ کی مزید تحقیق آئے گی (ان شاء اللہ)

او من وراء حجاب یا پردے کے پیچھے بایں طور کہ کسی کے بعض اجرام میں کلام پیدا کرکے سنائے لیکن کلام کرنے والا نظر نہ آئے جیسے بادشاہ اپنے بعض خواص کے ساتھ پردہ میں چھپ کر بات کرے کہ اس کا کلام تو سنا جائے لیکن وہ خود دکھائی نہ دے یہ صرف تمثیلاً فرمایا ورنہ اللہ تعالیٰ حجاب میں چھپنے سے منزہ اور پاک ہے اس لئے کہ پردے میں وہ چھپتا ہے جس کا جسم ہو اور وہ جسمانیت سے پاک ہے نیز پردہ کا ذکر بھی کلام کے سننے والے کی وجہ سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کلام کرنے والے کی وجہ سے اس کی مثالیں موجود ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے طویٰ اور طور پہ کلام فرمایا اسی لئے ان کا لقب کلیم اللہ (علیہ السلام) ہے اس لئے کہ وہ ایک ایسی آواز سنتے تھے جو اللہ تعالیٰ پر دلالت کرتی تھی لیکن وہ آواز بھی کسی مخلوق کے کلام سے مشابہ نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے موسیٰ علیہ السلام کو سنائی صرف ان کے اکرام اور ان کی بزرگی کے پیش نظر ورنہ ہر آواز اللہ تعالیٰ بندوں میں پیدا کرتا ہے جب وہ عمل میں لاکر دوسروں کو سناتے ہیں اور اسی کے ذریعے سے اپنا کلام دوسروں کو سمجھاتا ہے یہی ہمارا مذہب ہے جسے امام ابو منصور ماتریدی نے کتاب التاویلات میں ذکر فرمایا ہے اور امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا وہ نہ آواز تھی اور نہ ہی قرأت

درمیان میں کسی شے کا واسطہ نہ تھا اور ابن فورک (جو اشعریوں سے ہیں) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حجاب نار کے واسطے سے کلام فرمایا۔

کاشفی کا عجیب قول

جناب کاشفی نے لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو درمیان میں صرف ایک نوری حجاب تھا اور اسی کاشفی صاحب نے دوسری جگہ لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے کلام فرمایا تو دو حجاب درمیان میں تھے ایک زر سرخ کا دوسرا مروارید سفید کا اور ہر ایک حجاب کے درمیان ستر ہزار سال کی مسافت تھی۔

تردید از صاحب روح البیان

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ کہاں موسیٰ علیہ السلام اور کہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پھر یہ عجیب بات ہے کہ ان کے درمیان ایک پردہ اور محبوب کے درمیان دو پردے اور یہاں کوہ طور کے قریب اور وہاں ستر ہزار سال یہ عجیب توجیہ ہے جسے نہ عقل مانے نہ فہم۔

عجیب توجیہ

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دو پردے حق لیکن یہ وہ اسرار ہیں جنہیں عقل و فہم سے نہیں سمجھا جا سکتا البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ دو پردے بھی دراصل حضور علیہ السلام کے فضل و کمال کی دلیل ہیں وہ اس لئے کہ وہ پردہ جو یاقوت احمر سے ہے وہ مخلوق کے متصل ہے دوسرا وہ پردہ سفید موتی کا ہے جو عالم امر کے متصل ہے۔ وہ دونوں پردے روح محمدی اور حقیقت احمدیہ ہیں (کیا کسی نے فرمایا) (سہ ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل یعنی افادہ الاویسی غفرلہ)

اور درمیانی مسافت ستر ہزار سال اللہ تعالیٰ اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مراد نہیں بلکہ وہ مسافت خالق و مخلوق کے درمیان مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام ان دونوں حجابوں کے بغیر سنا اور ان کے درمیان صرف حقیقت محمدیہ تھی جسے جامعہ برزخیہ کہا جاتا ہے اور وہ درحقیقت پردہ نہیں جیسے شیشہ دیکھنے والے کے لئے اصل اور شیشہ میں آئی ہوئی صورت کے درمیان پردہ نہیں بنتا یا جیسے نقاب دولہن کے لئے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے (ورنہ گستاخ وہابی ہو جاؤ گے)

او یرسل رسولا یا رسول یعنی کوئی فرشتہ بھیجتا ہے جبریل علیہ السلام ہوں یا کوئی اور۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو صرف چار پیغمبران عظام علیہم السلام نے دیکھا (۱) موسیٰ (۲) عیسیٰ (۳) زکریا (۴) سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم

ازالہ وہم

اس سے جبریل علیہ السلام کی اصل صورت کا دیکھنا مراد ہے ورنہ وہ تو ہر پیغمبر علیہ السلام کے پاس وحی لیکر آئے لیکن اصل صورت کے بجائے انسانی شکل میں فیوحی تو وحی پیش کرتا ہے وہی فرشتہ

مرسل کی طرف یعنی اس پیغمبر علیہ السلام کی طرف جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ باذنہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور امر سے مایشاء وہ جو چاہتا ہے یہ وہی عام طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عموماً جاری رہا اس سے معلوم ہوا کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کے ہاں وحی بھیجنے کیلئے فرشتہ واسطہ رہا۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض انبیاء علیہم السلام ایسے تھے جو صرف آواز سنتے تھے اسی آواز سے انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ بعض ایسے تھے جن کے دل اور کان پر پھونک ماری جاتی جس سے انہیں معلوم ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے شرف بخشا کہ میرے ہاں جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر ایسے گفتگو کرتے ہیں جیسے تم اپنے کسی دوست کے ساتھ بات کرتے ہو۔

(حدیث شریف ۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کے ہاں وحی کس طرح آتی ہے آپ نے فرمایا کبھی گھنٹی کی آواز میں اور یہی مجھ پر سخت گراں ہوتی ہے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو میں دیکھتی تھی کہ سخت سردیوں کے دنوں میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے یہانتک کہ آپ کے جبین مبارک سے پسینہ ٹپکتا ہوا نظر آتا تھا

فائدہ: التنفصد والانفصاء (یعنی نیچے کو دوڑنا) "انہ علیؓ" بے شک اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے بلند و بالا ہے کسی صفت میں مخلوق کو اس کے ساتھ معمولی سی مناسبت بھی نہیں۔

(حکیم) اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے کبھی واسطہ سے کلام فرماتا ہے اور کبھی واسطہ کے بغیر کبھی الہام سے اور کبھی خطاب سے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بشر جیسا بھی ہو وہ اپنی صفات بشریہ کے لحاظ سے محجوب ہے اس لئے کہ وہ اوصاف خلقیہ ظلمانیہ انسانیہ سے موصوف ہے۔ اس کے اندر استعداد نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ الہام و وحی فی النوم یا فی الیقظہ یا حجاب کے بغیر صریح کلام کر سکے یا پھر اس کے ہاں فرشتے کے واسطہ سے وحی بھیجے جو کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے امر و اذن سے وحی پہنچائے وہ بلند و بالا ہے کہ کسی مخلوق میں سے کوئی شے اس کی ہمجنس نہیں ہو سکتی اور حکیم ہے کہ بشر کو اس کی انانیت سے فانی کر کے ہویت کے بقا سے نوازتا ہے جب اس کی بشریت فنا ہو جاتی ہے تو درمیانی حجابات اٹھ جاتے ہیں اس کی بشریت پر جلوہ حق غلبہ پا جاتا ہے۔ تو اس کا سننا دیکھنا بولنا اسی جلوہ حق سے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کرتا ہے اور بلا حجاب اس کا کلام سنتا ہے جیسا کہ ہمارے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا "فاوحی الی عبدہ ما اوحی" میں یہی راز ہے یعنی حضور علیہ السلام نے شب معراج بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام

سنا اور یہ حضور علیہ السلام کی شان ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر بلا حجاب بالمشافہ گفتگو فرما کر ایمان لائے ایسے ہی هوالذی یصلی علیکم وملئکته الخ سے بھی ثابت ہوتا ہے اور سورہ والضحٰی و الم نشرح لک الخ کے بعض آیات سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے ان دلائل سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا حجاب اللہ تعالیٰ سے کلام بھی فرمایا اور اسے بلا حجاب دیکھا بھی۔

فائدہ قیامت میں تمام اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کو بلا حجاب ایسے دیکھیں گے جیسے چودھویں شب کے چاند کو دیکھا جاتا ہے اور ایسے ہی اس سے قیامت میں بلا حجاب گفتگو کریں گے۔

مسئلہ : وحی کی دو قسم ہے (۱) بالمشافہ (۲) بلا مشافہ۔

مندرجہ ذیل احادیث کو اسی دوسری قسم پر محمول کیا جائے گا۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ گفتگو کرو اور اسے بلا حجاب دیکھو تب ہم مانیں کہ آپ نبی ہیں آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو بلا حجاب نہیں دیکھا تھا اس پر یہی آیت اتری اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام تو کیا لیکن پردہ سے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام جب تک حالۃ بشریہ میں ہوتے تو بھی بلا حجاب اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جس شخص کا گمان ہو کہ حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشتا ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے نہیں سنا وہ فرماتا ہے ماکان بشر الخ اس روایت میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے مرتبۂ حجاب کو بیان فرمایا ہے۔

(نکتہ) وما کان لبشر الخ میں اپنے نہ دیکھنے کو عنوان بشریت سے بیان فرمایا اور یہ صحیح ہے کہ بشریت اللہ تعالیٰ کو بلا حجاب نہیں دیکھ سکتی کیوں کہ بشریت حدِ دنیا میں محدود ہے اور اسے یہ بھی طاقت نہیں کہ وہ اسی حد میں اللہ تعالیٰ سے بلا حجاب کلام کرے

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر

سیدنا شیخ اکبر قدس سرہ نے تلقیح الاذہان میں لکھا کہ بشر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کے تین مراتب ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماکان لبشر الخ میں بیان فرمایا اور ہر ایک کا نام وحی ہے لیکن ان میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جنہیں حدِ بشریت سے نکلنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلا واسطہ وحی عطا ہوئی۔ لیکن جب تک انانیت ہو مشاہدۂ ذاتی کا حصول ناممکن ہے ایسے ہی مناجات کا قاعدہ ہے اور بعض کو بالواسطہ وحی حاصل ہوتی ہے جب بشریت کی حد میں ہوتے ہیں ایسے ہی اس بشریت سے آہستہ آہستہ خارج ہوتے ہیں تو پھر سماعِ کلامِ الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں یہاں تک جب فلکی پلتے

ہیں تو مشاہدۂ حق سے بہرہ ور ہوتے ہیں پھر خود سامع خود سمیع کی شان کو پہنچ جاتے ہیں۔

نسخۂ فنائے کلی

یہ مرتبہ صرف انفاق سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ فرمایا وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ ﷺ اس انفاق پر آپ نے سنا " واتخذہ وکیلا ﷺ اور اسے وکیل بنایا)

حکایت

حضرت شیخ روزبہان نقلی قدس سرہ نے عرائس البیان میں لکھا کہ ابتدائے سلوک میں مجھے اس قسم کا واقعہ پیش آیا وہ ہوا یوں کہ مجھے مشاہدہ حق ہوا یعنی جمال الٰہی کا مشاہدہ مکشوف ہوگیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ من حیث الارواح گفتگو فرمائی اس وقت میرے ساتھ اشباح کا کوئی واسطہ نہ تھا اس پر مجھ پر سکر کا غلبہ ہوا اس حالت میں وہ مخفی راز کا انشار کرتا رہا۔ مجھ پر ایک اہل علم نے اعتراض کیا کہ آپ نے شرع نے خلاف کلام فرمایا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے " ماکان لبشر الخ وہ اللہ تعالیٰ انبیاء ورسل اور اولیائے کرام علی نبینا علیہم السلام سے بلا حجاب کلام نہیں کرتا اور آپ فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے بلا حجاب گفتگو کی میں نے انہیں عرض کی آپ سچ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد " ماکان لبشر الخ حق ہے لیکن یاد رہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ بشریت کے حجاب میں تھے جب وہ حضرات بشریت سے خارج ہوکر ارواح کے ذریعہ عالم غیب میں پہنچے تو انہوں نے عالم ملکوت کو دیکھا اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قرب کے انوار کا لباس پہنایا اور ان کی آنکھوں میں نور ذاتی کا سرمہ لگایا اور قوت ربوبیت ان کے کانوں میں بھری پھر ان کے سامنے سرالعزۃ اور حجاب مملکت کو ہٹایا تو کھلم کھلا گفتگو فرمائی۔

مصطفےٰ کی شان صلی اللہ علیہ وسلم

چونکہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخص الخواص ہیں کیوں کہ آپ ازل سے ہی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ محبوب ہوئے اور آپ کا جسم عین روح تھا۔ (اسی لئے سایہ نہ تھا اسی لئے ہم اہل سنت آپکی بشریت کو نورانی بشریت سے تعبیر کرتے ہیں) اور آپ کو نور علیٰ نور کہتے ہیں) آپ ہر وجہ سے ایک تھے (یعنی نور) اسی لئے آپ کی ہر شے کو ہم نور کہتے ہیں) ؎

بعد گویم آل نور واصحاب نور
اکل نور وشرب نور وخواب نور

ترجمہ :۔ اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ آپ کی آل واصحاب نور ہیں آپ کا کھانا پینا سونا نور ہے۔

اسی لئے عالم ملکوت میں تشریف لے گئے تو حق کو نور جبروت سے دیکھا اور بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا کیونکہ حجاب تو مخلوق کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ منزہ ہے اس سے کہ اس کے آگے کوئی شے حاجب ہو۔

حکایت

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے عرض کی مجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرا دیجئے آپ نے اسے فرمایا تمہیں یاد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کیا فرمایا جب انہوں نے " ارنی " کہا تھا

ﷺ : اور اس سے خرچ کرو جس کا میں نے دوسروں کا جانشین بنایا۔

حالانکہ وہ بہت بڑے بلند مرتبہ نبی تھے۔ انہیں بھی " لن ترانی " کہا گیا پھر تم کون ہو اس نے کہا وہ ملۃ دوسری تھی، ہم ملت احمدیہ ہیں اس ملت کے لوگوں نے کہا " رائ قلبی ربی " میرے قلب نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور کسی نے کہا " لا اعبد ربا لم اره " میں اس خدا کی عبادت کیوں کروں جب میں اسے دیکھ بھی نہ سکوں اس شخص کے بار بار اصرار پر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے دریائے دجلہ میں پھینک دو اسے دریا میں پھینکا گیا تو وہ کہتا تھا " الغیاث یا ابن رسول اللہ " حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پانی سے فرمایا اسے ڈبو دے لیکن وہ شخص فریاد کرتا رہا جب وہ شخص ناامید ہوا کہ یہ لوگ میری مدد نہیں کرتے تو پکارا " الٰہی الغیاث " حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ کلمات سن کر فرمایا اب اسے باہر لاؤ۔ اسے پانی سے باہر لایا گیا اس کے پانی سے بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہنائے گئے اور اس کے جسم سے پانی سکھایا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا بتلایئے کیا حال ہے اس نے کہا جب تک آپ کو پکارتا رہا اضطرار اور پریشانی سوار رہی لیکن جب حق کو پکارا تو میرے ہوش وحواس مطمئن ہوئے اضطرار واضطراب کافور ہوا اور دل کا دریچہ کھلا اور وہی دیکھا جو میرا جی چاہتا تھا آپ نے فرمایا جب تک تو مجھے پکارتا رہا تو اپنے مدعا میں سچا نہیں تھا جب تو نے مخلوق سے رابطہ توڑا تو تجھے محبوب ومطلوب مل گیا اب اس رابطہ حق کو مضبوط رکھنا۔

سبق : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ہوسکتا ہے ہاں حال بشریت میں اس کا دیدار ممتنع ہے جب یہ پردہ ہٹ جائے تو پھر ممکن ہے ؎

وجود عین غبار یست در رہ دیدار ٭ غبار مانع دیدار میشود ہُشدار

ترجمہ : دیدار کے راہ میں تیرا وجود عین غبار ہے۔ ہوش کر غبار مانع دیدار ہے۔

تفسیر عالمانہ

وکذالک اور ایحائے بدیع کی طرح یا اس وحی کی طرح جو ہم نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرف کی " اوحینا الیک روحا من امرنا " ہم نے آپ کی طرف اپنے امر کا ایک روح بھیجا اس سے قرآن مجید مراد ہے اس لئے کہ یہ قلوب کے لئے بمنزلہ روح ہے اس لئے کہ جیسے روح جسم کو زندہ رکھتی ہے ایسے ہی یہ قلوب کو حیاۃ طیبہ بخشتی ہے یعنی قلوب میں وہ امور پیدا کرتی ہے جو بمنزلہ حیات کے ہیں جیسے علم نافع جو جہل (جو کہ بمنزلہ موت ہے) کو ہٹاتا ہے۔

فائدہ امام راغب نے فرمایا کہ قرآن مجید کو روح اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حیات اخروی کا سبب ہے اور اسے " وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان " میں بیان فرمایا ہے۔ " من امرنا " یعنی ہمارے فرمان سے " روحا " وہ شے جو نشوونما پیدا کرے اس کی تحقیق " حٰم المؤمن " میں گزری ہے بعض نے فرمایا اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں " ایحائہ " بمعنی ارسال ہے۔

(سوال) حضور علیہ السلام کو پہلے کیسے معلوم ہوا کہ یہی جبرائیل علیہ السلام ہیں اور کیسے یقین ہوا کہ یہی کلام جو وہ سنا رہے ہیں واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(جواب) اللہ تعالیٰ نے آپ میں ایسا علم ضروری پیدا فرمایا جس سے آپ کو یقین ہوا کہ یہ جبریل علیہ السلام ہیں اور علم ضروری ایمان حقیقی کا موجب ہے اور اسی سے یقین اور خشیت پیدا ہوتا ہے اور خشیت معرفت کے مرتبہ میں ہے "ماکنت تدری" چالیس سال کی عمر سے پہلے (ذاتی طور) یعنی وحی سے پہلے آپ نہیں جانتے۔

(سوال) یہی مذہب وہابیوں دیوبندیوں مودودیوں نجدیوں کا ہے اس سے صاحب روح البیان کی تفسیر بھی تائید ہوئی۔

(جواب۱) صاحب روح البیان قدس سرہ نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ میری مراد وحی سے وحی نبوت ہے اور وحی نبوت کی نفی سے مطلق وحی کی نفی نہ ہوئی اور اسی سے ہمارا استدلال ہے۔

(جواب۲) درایت کی نفی ہے جس کا معنی از خود اٹکل سے جاننا اور یہ نبوت کی شان کے خلاف ہے اور نہ ہم اس کے قائل ہیں۔

(جواب۳) "ولکن جعلناہ الخ" سے اسی کا اثبات ہے جس کے ہم قائل ہیں اور مضمون صرف ماتدری الخ میں ختم نہیں ہوگیا بلکہ اس کا تعلق ولکن جعلناہ الخ تک۔

(جواب۴) قاعدہ ہے کہ نفی کے بعد حروف استثنائیہ استدراکیہ آجائیں تو نفی کا مفہوم ختم ہو کر اثبات کا مفہوم ثابت ہو جاتا ہے۔

(جواب) مخالفین کا عقیدہ اگر صحیح مانا جائے تو دوسری آیات صریحہ و احادیث صحیحہ کا بطلان لازم آتا ہے۔
(یہ جوابات فقیر اویسی غفرلہٗ کا اضافہ ہے تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے) (ما الکتاب) کتاب کیا تھی، یعنی جب تک قرآن مجید کا نزول نہ ہوا آپ کو معلوم نہ تھا کہ وہ کیا ہے (اس کے وہی جوابات ہیں جو مذکور ہوئے) اور نفی فعل عن العمل کے متعلق ہے اور اس کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور "ماکنت" الیک کے کاف خطاب سے محلاً حال ہے (کذا فی تفسیر الکواشی) (ولا الایمان) نہ ہی ایمان کو اس کی تفصیلات کے ساتھ آپ جانتے تھے جیسا کہ اب اس کی تفصیلات قرآن مجید میں درج ہیں اس لئے کہ یہ ایسے امور ہیں جہاں عقل کو رسائی نہیں اور نہ ہی صرف عقل و نظر ایمان کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ازالہ وہم نہ صرف حضور علیہ السلام بلکہ جملہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام نزول وحی سے پہلے ایمان پر ہوتے تھے اور جملہ کبائر اور ان صغائر سے بھی معصوم ہیں جو لوگوں کے لئے نفرت کا موجب بنتے ہیں بعثت سے پہلے بھی اور بعد کو چہ جائیکہ ان سے کفر کا صدور ہو (معاذ اللہ)

۱۔ حضور علیہ السلام نزول وحی سے پہلے نہ قرآن کو جانتے اور نہ شرائع ایمان۔

وعلامات ایمان کو اس سے مسائل و احکام مراد ہیں اس لئے کہ ایمان کا اطلاق احکام پر ہوتا ہے چنانچہ "ان اللہ لا یضیع ایمانکم" میں ایمان سے صلوٰۃ مراد ہے اور نماز کو ایمان اس لئے کہا گیا کہ نماز ایمان کے اہم شعبوں سے ایک ہے۔

حدیث شریف

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کبھی بت کو سجدہ کیا آپ نے فرمایا (معاذ اللہ) نہیں پھر سوال ہوا کیا آپ نے شراب پی آپ نے فرمایا (معاذ اللہ) نہیں۔ اور فرمایا کہ میں کافروں کے کفر کو (قدرتی طور پر) سمجھ جاتا تھا اسی لئے اس سے دور رہتا (ادئیسے ہی مجھے برے افعال و اعمال سے قدرتی طور نفرت تھی)

مسئلہ: آیہ "ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان" میں الایمان سے ایمان شرعی مراد ہے۔ ایمان شرعی وہ ہے جس کے ساتھ تفصیلی احکام متعلق ہیں۔

فائدہ: ابن قتیبہ نے لکھا کہ اہل عرب ہمیشہ دین اسماعیل علیہ السلام پر عمل کرتے تھے۔ حج ختنہ نکاح۔ ایقاع الطلاق جنابۃ کا غسل محارم کی تحریم رشتہ داری اور رشتہ مصاہرت وغیرہ دین اسماعیل کے مطابق ہوتا تھا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہی احکام میں ان کے ساتھ تھے لیکن توحید کا عقیدہ آپ کے دل میں پہلے سے راسخ تھا اور لات وعزی سے فطرتی طور بغض رکھتے تھے اور حج وعمرہ بھی کرتے اور اکثر امور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرتے یہاں تک کہ آپ پر وحی کا نزول ہوا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کا تاج پہنایا۔

بیضاوی کی تردید

(۳) وہ جو صاحب تفسیر بیضاوی نے لکھا کہ حضور علیہ السلام قبل البعثہ کسی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ قول بالکل غلط ہے اس لئے کہ عدم درایۃ وعدم تعبد لازم نہیں بلکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ چونکہ حضور علیہ السلام ان احکام کے مکلف نہیں تھے اگر ان سے کوئی ایسی کمی واقع بھی ہوتی تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ نہ ہوتا۔

(۴) حق یہ ہے کہ یہاں پر الایمان سے وہ ایمان مراد ہے جو سمعی دلیل کے بغیر معلوم نہ ہو سکے۔

(۵) بعض علماء کرام نے فرمایا کہ یہ آیت اس وقت سے خاص ہے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سن بلوغ کو نہیں پہنچے یا گہوارے میں تھے کہ ایمان شرعی سے آپ کو تعلق نہ تھا۔

تردید از صاحب روح البیان

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا قول ضعیف ہے اس لئے کہ اس سے آپ پر عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی فضیلت لازم آتی ہے حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل بلکہ آپ کو بچپن ہی سے علوم و حکم سے نوازا گیا تھا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی کہ

ولا بل الایمان " یعنی آپ کو ذاتی طور علم نہ تھا کہ کون ایمان لائے گا اور کون نہیں یہاں تک کہ ان کا علم اس وقت ہوا کہ جب مومن نے ایمان اور کافر نے کفر ظاہر کیا۔

(۲) بعض نے کہا اس سے آپ کے رشتہ دار مراد ہیں اب معنی یہ ہوا کہ معلوم نہ تھا۔ کہ رشتہ داروں میں سے کون ایمان لائے گا اور کون نہیں مثلاً غالب گمان تھا کہ ابوطالب ایمان لائے گا لیکن اس کے بجائے عباس ایمان لائے چنانچہ مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا ارادہ تھا کہ ابوطالب لائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ عباس رضی اللہ عنہ کے ایمان کا ہو گیا تو وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا۔

تردید از صاحب روح البیان

(صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اگر اسے ظاہری ایمان لانے پر محمول کیا جائے تو پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی کیا تخصیص ہے اس طرح سے تو آپ تا آخر عمر کسی کے متعلق بظاہر نہیں جانتے تھے کہ کون ایمان لائیگا اور کون نہیں ہم نے بظاہر کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بباطن آپ کو کافر کے کفر اور مومن کے ایمان کا علم تھا اور بہت سے لوگوں کے متعلق ضرورت کے وقت ظاہر بھی فرمایا لیکن شرع کے احکام ظاہر پر مرتب ہوتے ہیں اسی لئے آپ ظاہری حیثیت کو برقرار رکھتے تھے۔ " ولکن جعلناہ " لیکن آپ کے اس روح کو جو آپ کے ہاں نازل کیا ہم نے بنایا۔ الجعل بمعنی التصییر ہے بمعنی الخلق نہیں اور اس سے " انزلناہ " مراد ہے " نوراً نہدی بہ من نشاء " نور جس کے ذریعے ہم جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں یعنی ایمان کو قبول کرنے اور اسمیں نظر و فکر کی توفیق دیتے ہیں۔

" من عبادنا " اپنے ان بندوں میں سے جو اپنا اختیار ہدایت کے حصول کی طرف پھیرتا ہے " وانک لتہدی " یہ ہدایت کی تقریر اور اس کی کیفیت کا بیان ہے لتہدی کا مفعول محذوف ہے صرف خلوّ پر بھروسہ کر کے یعنی آپ اسی نور کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں جس کی ہم ہدایت چاہتے ہیں آپ اس کی رہبری فرماتے ہیں " الی صراط مستقیم " سیدھے راستے کی طرف اس سے اسلام اور جملہ شرائع و احکام مراد ہیں صراط سے وہ راستہ مراد ہے جسمیں ٹیڑھاپن نہ ہو بلکہ بالکل سیدھا ہو صراط اللہ۔ یہ صراط مستقیم سے بدل ہے۔ " الذی لہ ما فی السموٰت وما فی الارض " اللہ تعالیٰ کا راستہ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کہ جس کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ صراط کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف اور اسے مستقیم سے موصوف کرنے میں اس کے عظیم الشان ہونے پر تنبیہ مطلوب ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کا راستہ یقیناً مستقیم ہے اور اسمیں تاکید بھی ہے کہ اس کے بندے صرف اسی کے راستے پر چلیں کیونکہ وہ بہت بڑی ذات ہے کہ جمیع موجودات آسمان میں ہوں یا زمین میں تمام اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اسی کے پیدا کردہ (اور اسی کی

ملک ہیں اسی لئے بندوں پر لازم ہے کہ صرف اسی کے راستہ پر چلیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ازل میں سب کو ایمان کی دعوت دی جس نے قبول کیا تو وہ ہدایت پر رہا اور جس نے انکار کیا وہ مارا گیا۔

رد وہابیہ دیوبندیہ وغیرہا

صاحب روح البیان کی مندرجہ ذیل عبارت منصف مزاج پڑھیں۔

دائما کان علیہ السلام ہادیا لانہ نور کالقرآن ولمناسبتہ مع نور الایمان والقرآن قیل کان خلقہ القرآن (روح البیان ص ۳۴۸ ج ۸)

"بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہادی ہیں کیوں کہ آپ قرآن کی طرح نور ہیں اسی مناسبت سے جو آپ کو قرآن و ایمان سے تھی آپ کو کہا گیا خلق (آپ کا) قرآن ہے۔"

تحت آیۃ ہذا ؎

اے نور الٰہی زجبین تو ہویدا ۔۔ سر ازل از نور جمالت شد پیدا

ترجمہ، اے کہ نور الٰہی آپ کی جبین سے ظاہر ہے سر ازل آپ کے نور جمال سے ظاہر ہوا۔

تفسیر عالمانہ

الا یہ کلمہ تبصرہ کے لئے تذکیر یا حجۃ کے لئے تنبیہ کے طور واقع ہوتا ہے یعنی خبردار "الی اللہ" صرف اللہ تعالیٰ کی طرف "تصیر الامور" جملہ امور راجع ہوتے ہیں یعنی اس دن کہ جہاں تمام روابط و تعلقات منقطع ہو جائیں گے یعنی قیامت میں۔ اس وقت تصیر مستقبل کے معنی میں ہوگا انہیں سیدھے راستہ پر چلنے والوں کے لئے خوشی اور اس سے بھٹکنے والوں کو وعید ہے جیسا کہ ظاہر ہے

فائدہ: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ جملہ مخلوق کے جملہ امور دنیا و آخرت میں اسی کی طرف راجع ہیں اس لئے کہ وہ جملہ امور کا مدبر ہے اس کی قضاء و قدر سے کوئی امر خارج نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ

محققین فرماتے ہیں کہ یوں کہو کہ جملہ امور کی بازگشت جملہ اوقات و احوال میں اسی کی طرف ہوتی ہے اور حجابات وسائط اٹھنے پر اس کا ظہور ہوگا ؎

صورت کثرت حجب وحدتست ۔۔ غیبت ما مانع نور حضور

دیدۂ دل باز بکش و ببین ۔۔ سر الی اللہ تصیر الامور

ترجمہ، صورت کثرت وحدت کا حجاب ہے ہماری غیبوبتہ نور حضور کی مانع ہے

دل کی آنکھ کھول اور دیکھ الی اللہ تصیر الامور کے اسرار۔ "
اس لئے جملہ امور کا مبدیٔ ہے اسی لئے فناء اختیاری ہے یا اضطراری سے جملہ امور اسی کی طرف راجع ہوں گے۔

حکایت

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک جنازہ میں تشریف لے گئے جب مردے کو قبر میں دفنایا گیا اور قبر پر مٹی مکمل کر لی گئی تو حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور خوب روئے یہاں تک کہ اس کی قبر کی مٹی آپ کے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپ نے لوگوں کو فرمایا دیکھو عزیزو دنیا کی انتہا بھی قبر ہے اور آخرت کی ابتداء بھی قبر ہے اس لئے منقول ہے کہ القبر منزل من منازل القبر[۵۰]
پھر تم اس دنیا پر ناز اور فخر کیوں کرتے ہو جب جانتے ہو کہ اس کا یہی انجام ہے جب تم جانتے ہو کہ آخر فنا ہے ؎

شب گور خواہی منور چو روز ⁂ از اینجا چراغ عمل بر فروز
بران خورد سعدی کہ بیخے نشاند ⁂ کسے بر دخرمن کہ تخمے فشاند

ترجمہ: قبر کی تاریکی کے لئے چاہتے ہو کہ وہ روشن ہو تو یہاں عمل کا دیا روشن کر۔
اے سعدی پھل وہ کھاتا ہے جو درخت کی جڑ زمین میں گاڑتا ہے اور خرمن وہ اٹھائے گا جو بیج بوئے گا۔

اعجوبہ و حکایت

حضرت سہل بن ابی الجعد نے فرمایا کہ کسی جگہ پر قرآن مجید کے اوراق جل گئے صرف جملہ "الا الی اللہ تصیر الامور" بچ گیا۔ ایک جگہ قرآن مجید کے جملہ اوراق پانی میں گرنے سے تمام حروف مٹ گئے صرف الا الی اللہ تصیر الامور ویسے کا ویسا رہ گیا۔
(عین المعانی سجاوندی)

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ سورۃ شوریٰ کی تفسیر ربیع الآخر کے اواخر ۱۱۱۳ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ سورۃ شوریٰ کے ترجمہ سے ۸ ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ ۱۲ ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز جمعرات عند اذان العصر فارغ ہوا۔

---

[۵۰] قبر کی منازل میں پہلی منزل قبر ہے۔

سورۃ الزخرف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا
لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞
اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ
وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۞ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ
اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا
وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۞ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ۞ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا
بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۞ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ
كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۞

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِہٖ ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ
عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ
وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِہٖ جُزْءًا
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ○

سورۃ الزخرف مکی ہے اس میں سات رکوع ۸۹ آیات اور تین ہزار چار سو حروف ہیں

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا
روشن کتاب کی قسم ہم نے اسے عربی قرآن اُتارا کہ تم سمجھو اور بیشک وہ اصل کتاب میں ہمارے
پاس ضرور بلندی و حکمت والا ہے تو کیا ہم تم سے ذکر کا پہلو پھیر دیں اس پر کہ تم لوگ حد سے
بڑھنے والے ہو اور ہم نے کتنے ہی غیب بتانے والے (نبی) اگلوں میں بھیجے اور ان کے پاس
جو غیب بتانے والا (نبی) آیا اُس کی ہنسی ہی بنایا کیے۔ تو ہم نے وہ ہلاک کر دیئے جو ان
سے بھی پکڑ میں سخت تھے اور اگلوں کا حال گزر چکا ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان
اور زمین کس نے بنائے تو ضرور کہیں گے انہیں بنایا اُس عزت والے علیم والے نے جس نے
تمہارے لیے زمین کو بچھونا کیا اور تمہارے لیئے اس میں راستے کیئے تاکہ تم راہ پاؤ اور وہ جس
نے آسمان سے پانی اُتارا ایک اندازے سے تو ہم نے اس سے ایک مردہ شہر زندہ فرما
دیا یونہی تم نکالے جاؤ گے اور جس نے سب جوڑے بنائے اور تمہارے لیئے کشتیوں اور
چوپایوں سے سواریاں بنائیں کہ تم ان کی پیٹھوں پر ٹھیک بیٹھو۔ پھر اپنے رب کی نعمت یاد کرو
جب اس پر ٹھیک بیٹھ لو اور یوں کہو پاکی ہے اسے جس نے اس سواری کو ہمارے بس
میں کر دیا اور یہ ہمارے بوتے کی نہ تھی اور بے شک ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے اور
اس کے لیئے اس کے بندوں میں سے ٹکڑا ٹھہرایا۔ بے شک آدمی کھلا ناشکرا ہے۔

سورۃ زخرف

مکیہ اور اس کی ۸۹ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر عالمانہ

حٰمٓ یعنی قرآن جس کا نام حٰمٓ ہے یا سورۃ ہے جس کا نام حٰمٓ ہے فقیر (صاحب تفسیر روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے دو ناموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں حا۔ حنان کی طرف میم منان کی طرف اشارہ ہے۔

حنان ومنان کی شرح

حنان وہ ہے جس سے کوئی اعراض کرے تو وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرے القاموس میں ہے کہ حنان بروزن شداد بمعنی رحیم۔ المنان جو مانگے بغیر عطا فرمائے چنانچہ قاموس میں ہے کہ منان اللہ تعالیٰ کا نام ہے وہ جو خود بخود عطا فرمائے!

فائدہ: کعبہ معظمہ میں تین ستون ہیں

(۱) حنان

(۲) منان

(۳) دیان۔

ان ستونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا تعظیماً ہے جیسے کہا جاتا ہے بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ۔

فائدہ صوفیانہ

ان ستونوں کو اللہ تعالیٰ کے نام سے مضاف کرنے اور پھر انہیں کعبہ میں نصب کرنے میں اشارہ ہے ذات احدیہ کی طرف کہ اس کی ذات کا تقاضا ہے کہ وہ دنیا میں رحمت و عطا سے نوازے اور آخرت میں جزاء اور بہتر جزا دے اسی لئے اس نے اپنی رحمت سے قرآن اتارا اسی لئے اس کی قسم یاد فرمائی کہ "والکتاب" مجرور ہے اس لئے کہ یہ مقسم بہ ہے جملہ ابتدائیہ ہے یا اس کا عطف حٰمٓ پر ہے جبکہ بار قسمیہ جار محذوف ہو اور عطف میں مغایرۃ ضروری ہے اگرچہ عنوان سے ہی اور قسم کا تکرار جملہ قسمیہ کے مضمون میں ہے (المبین) بمعنی بین (بہت زیادہ ظاہر) ان کے لئے جن پر یہ نازل ہوا اس لئے کہ ان کی لغت اور ان کے طریقہ پر اترا ہے

تفاسیر: یہ ابان سے ہے بمعنی بان یعنی ظہر یا اس کا معنی یہ ہے کہ طرق ضلالت سے طریقۂ ہدایت کو ظاہر دین کے ابواب سے جتنے امور ضروری ہیں انہیں واضح کرتا ہے اس معنی پر۔ ابان بمعنی اظہر و اوضح ہے

(۲) حضرت سہل نے فرمایا قرآن میں ضلالت سے ہدایت کو اور شر سے خیر کو اور سعادتمندوں کی سعادت اور بدبختوں کی شقاوت کو ظاہر کیا گیا ہے

(۳) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر کتاب سے خط مراد ہے مثلاً کہا جاتا ہے کتبہ کتباً و کتاباً یعنی اس نے خط لکھا اور اس کی قسم یاد کرنے میں اشارہ ہے کہ خط لکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اس لئے کہ اس میں بہت بڑے فائدے ہیں سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ علوم کی تکمیل خط سے ہوتی ہے مثلاً ایک عالم دین نے کسی مسئلہ کا استنباط کیا پھر وہ لکھ کر آنے والی نسل کیلئے چھوڑ گیا تو آنے والوں نے اس سے علمی استفادہ کیا گویا علم کی زندگی خط "لکھنے" سے ہے۔

تردید از صاحب روح البیان

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ تفسیر کچھ ناموزوں سی ہے اس لئے کہ اس میں مقسم ہو مقسم علیہ کا اتحاد لازم آتا ہے جبکہ اس سے قرآن مجید مراد ہے اور یہ نہایت قبیح امر ہے اس کی مزید بحث آئے گی (انشاء اللہ تعالیٰ)

انا جعلناہ قرآناً عربیاً، بے شک ہم نے اسے قرآن عربی بنایا۔

(سوال از معتزلہ) جعلنا سے ثابت ہوا کہ قرآن مجعول ہے اور ہر مجعول مخلوق ہوتی ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ قرآن مخلوق ہے حالاں کہ تم حدیث شریف سے ثابت کرتے ہو کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ کما قال علیہ السلام القرآن کلام اللہ غیر مخلوق (قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔)

(جواب از اہلسنت) یہاں جعل بمعنی تصییر ہے یعنی کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں لے جانا اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے اپنے کلام قدیم کو لغت عرب میں اتارا۔ اسے لغت عجم میں نہیں اتارا گیا ورنہ قرآن تو ہمارا کلام اور ہماری صفت ہے اور ہماری ذات کے ساتھ قائم ہے وہ نہ عربیت کی محتاج ہے بلکہ ایسی صفت سے منزہ ہے اور نہ اسے اس کی توابع دیگر لغات کی محتاجی ہے۔

لعلکم تعقلون "تاکہ تم سمجھ جاؤ" یہاں پر لفظ استعارہ کے طور لعل لیا گیا ہے اس میں ماقبل کو مابعد کے لئے سبب و علت کا ظاہر کرنا مطلوب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے توقع و ترجی کا معنی ممتنع ہے کیونکہ توقع و ترجی اس کیلئے ہے جو امور کے انجام کو نہ جانتا ہو خلاصہ یہ کہ اس میں دلالت ہے کہ پہلا فعل اس لئے ہے کہ اس سے دوسرا فعل ادا ہے اد ارادہ کو چونکہ ترجی سے مشابہت ہے اس لئے لعل لایا گیا " اور لعلکم الخ محلاً منصوب اور مفعول لہ ہے۔

ازالۂ وہم

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے لیکن چونکہ انہیں مصلحت جلیلہ و عاقبۃ حمیدہ مضمر ہوتی ہے اس لئے انہیں ایسے طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ لفظ لعل عقلاً علت کے لئے اور شرعاً مصلحت کے لئے مستعمل ہوتا ہے علاوہ ازیں بندوں کو مانعت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ

کے افعال کو معلل بالاغراض نہ مانیں اور وہ خود اپنے لیے جس طرح چاہے فرمائے۔ لیکن کلی طور کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے اور اس کے لئے یہ اطلاق علی الاطلاق نہ ہونا بعید از صواب ہے اس لئے کہ نصوص کثیرہ کا خلاف لازم آتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ تم قرآن عربی کو سمجھو اور اس کی نظم عجیب و معنی کو سمجھو اور اس کے شواہد ناطقہ پر غور کرو کہ لیسے شواہد انسانی طاقت سے باہر ہیں ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حقوق کو پہچانیں اور قرآن عربی میں اس لئے بھی اتارا گیا تاکہ تمہارا عذر نہ ہو کہ چونکہ قرآن مجید ہماری زبان میں نہیں تھا اس لئے ہم نہ سمجھ سکے۔)

ف) "انا جعلناہ قرآناً عربیا" قسم کا جواب ہے "لعلکم تعقلون" تاکید کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ جس کا عذر کریں گے ہم نے وہ پہلے ہی ختم کر دیا اور جس کی انہیں ضرورت تھی وہ ہم نے پوری کر دی (کذا فی الارشاد)

فائدہ: قرآن کی قسم بیان کر کے ثابت کیا گیا کہ یہ قرآن عربی ہے اس میں قسم اور مقسم علیہ کا اتحاد (صورۃ) لازم آیا تو یہ بھی بدائع الاقسام سے ہوا لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ مقسم بہ و علیہ کا اتحاد نہیں اس لئے کہ قرآن سے اس کی ذات اور قرآناً عربیا سے اس کی وصف مراد ہے اس اعتبار سے ان دونوں میں مغایرت ثابت ہو گئی خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کسی کا اپنا بنایا ہوا کلام نہیں کہ اسے اپنے طور تیار کر کے اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہو یا بناوٹی کہانیاں درج کی گئی ہوں بلکہ ہم نے اسے عربی زبان کا لباس پہنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور یہ جواب بھی اسی معنی پر ہے نہ یہ کہ جعل بمعنی پیدا کرنا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن عربی ہے کیونکہ اس کے عربی ہونے میں تو شک بھی نہیں اسے مقسم بہ بنانے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن مجید سے بلند مرتبہ اور اعلیٰ شے اور کوئی نہیں کہ جس کی قسم یاد فرمائے اس لئے کہ محب کی نظر محبوب سے اور کوئی شے بلند قدر نہیں ہوتی پھر جب وہ اپنے محبوب کی قسم کھائے تو اس کی قسم میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے ایسے ہی اس کی وصف کی قسم کے متعلق بھی یہی تقریر ہے (وانہ) اور بے شک وہ کتاب "فی ام الکتاب" لوح محفوظ میں ہے کیونکہ تمام کتب آسمانی کا مرکز لوح محفوظ ہے کیونکہ جملہ کتب سماویہ اسی میں مثبت ہیں اگرچہ اب وہ منسوخ ہیں امام راغب نے فرمایا کہ ام الکتاب سے لوح محفوظ اس لئے مراد ہے کہ اس کی طرف ہر شے منسوب اور اسی سے ظاہر ہوتی ہے "الکتاب" اس صحیفہ کا نام ہے کہ جس میں کوئی شے لکھی ہوئی ہو "لدینا" ہمارے ہاں "لعلی" تمام کتب سماویہ سے رفیع القدر کتاب ہے "حکیم" بہت بڑی حکمت والی یا بہت بڑی محکم ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہ کتاب جو لوح محفوظ میں ہے دوسری کتابوں کی طرح نہیں بلکہ یہ ہمارے نزدیک ارفع و اعلیٰ درجہ رکھتی ہے جملہ مستانفہ ہے اعراب سے اس کا کوئی محل نہیں (کذا فی الجلالین) خلاصہ یہ کہ یہ کتاب اللہ کے نزدیک اسی صفت سے لوح محفوظ میں ہے۔

لوح محفوظ کا تعارف

لوح محفوظ کو اللہ تعالیٰ نے سفید موتی سے بنایا ہے اس کے دونوں کنارے سرخ یاقوت کے ہیں اس کا قلم نوری ہے اور کتاب بھی نوری جس کا عرض

آسمان وزمین کے درمیان کی مسافت کے برابر ہے اس میں اللہ تعالیٰ روزانہ تین سو ساٹھ بار دیکھتا ہے ہر نظر سے بیشمار مخلوق پیدا فرماتا اور زندہ کرتا اور مارتا ہے بے شمار مخلوق کو عزت وذلت دیتا ہے۔ اور وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

قرآنی علوم

حدیث شریف میں ہے "ان احرف القرآن فی اللوح المحفوظ کل حرف منہا بقدر جبل قاف وان تحت کل حرف معان لا یحیط بہا الا اللہ تعالیٰ" قرآن کے تمام حروف لوح محفوظ میں ہیں اس کا ہر حرف جبل قاف جتنا موٹا ہے اور ہر حرف کے تحت ان گنت معانی ہیں جن کا احاطہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا [1]۔

فائدہ: اسی لئے کوئی حرف دوسرے حرف کی جگہ پر نہیں کھڑا کیا جا سکتا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا جس طرح معنی معجزہ ہے ایسے ہی اس کے الفاظ بھی معجزہ ہیں۔

حقیقی لوح محفوظ حضرت انسان یعنی ولی اللہ ہے

چونکہ انسان (ولی۔ نبی علیہ السلام) لوح حقیقی معنوی ہے اسی لئے سب سے پہلے قرآن مجید کا نزول حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ہوا اور ہمیشہ تک یعنی دنیا وآخرت میں آپ کے قلب اقدس میں ثبت رہا اور رہے گا پھر آپ کے ورثاء (اولیاء) کے قلوب پر اس کا معنی اترا۔

بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی تقریر

سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ لوح محفوظ پر روزانہ تین سو ساٹھ بار دیکھتا ہے۔ ایسے ہی مومن کامل (ولی اللہ) کے دل کو روزانہ تین سو ساٹھ بار دیکھتا ہے اس سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔

فائدہ: یوم سے ایک ہزار سال کی مدت مراد ہے۔

سبق

جب انسانی قلب لوح اللہ ہے تو انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلب سے غیر اللہ کے تصورات مٹادے اور اسے ذات حق کی نظر خاص کے لئے سنوارے کیونکہ نگاہ حق مزین قلب پر پڑتی ہے اور جس میں غل وغش اور غلاظت کا ڈھیر پڑا ہو اس قلب پر نگاہ حق کیوں کر پڑے گی۔

تصفیۂ قلب کا نسخہ

قلب کی غلاظت یہ شہوت نفسانی اور ظاہر دنیا کی طرف میلان اور مخلوق کی طرف توجہ اور اپنے ظاہر کو لباس وغیرہ سے اس لئے سنوارنا کہ لوگوں کی اس پر نگاہ ہو اور قلب کی زینت کے اسباب یہ ہیں محبت حق اور حقیقت کی طرف دل مائل ہو اور دل میں وہ تصورات لائے جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہو غیر اللہ کی طرف التفات یکسر ختم کر ڈالے اور دنیوی اشیاء میں سے ان پر اکتفا کرے جو ضرورت ہو

---

[1] اسکی مزید تحقیق وتفصیل فقیر کی کتاب "جمیع العلوم فی القرآن" میں ہے ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ

علاج قلب مریض

بعض مشائخ نے فرمایا کہ شب و روز قرآن مجید کی تلاوت انسان کو اولیاء اللہ کے مقام تک پہنچاتی ہے کیونکہ قاعدہ ہے جو عمل ذکر اللہ کا موجب ہو وہی بیمار دل کا علاج ہے اور قلب کا سب سے بڑا مرض اللہ تعالیٰ کو بھلا دینا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ نسوا اللہ فانساھم ذکرالٰہی سے اس نسیان کا علاج ہوگا کیونکہ طبی اور روحانی قاعدہ ہے بیماری کی ضد اس کا علاج ہے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا۔ فاذکرونی اذکوکم (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں) ؎

دلت آئینہ خدا نما ست ؞ روئے آئینہ تو تیرہ چراست
صیقل داری صیقل می زن ؞ تاکہ آئینہ ات شود روشن
صیقل آن اگر نہ آگاہ ؞ نیست جز لا الٰہ الا اللہ

ترجمہ (۱) تیرے دل کا آئینہ خدا نما ہے سیاہ کیوں ہے
(۲) تو صیقل رکھتا ہے صیقل سے صاف کر تاکہ تیرا دل آئینہ سے زیادہ روشن ہو۔
(۳) اگر تو صیقل سے آگاہ نہیں وہ صیقل لا الٰہ الا اللہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

افنضرب عنکم الذکر قرآن عظیم کی عظمت شان بیان کی اور ثابت کیا کہ قرآن مجید ان کی لغت میں نازل ہوا تاکہ وہ اسے سمجھ سکیں اور اس پر ایمان لائیں اور اس کے مطابق عمل کریں اب بیان فرمایا کہ کیا ان کے انکار سے ہم بھی قرآن مجید نازل نہ کریں کما قال افنضرب عنکم الذکر الخ فاء کا عطف فعل محذوف پر ہے جو ہمیں اقتضاء النص سے معلوم ہوا دراصل عبارت اُنھملکم فننحی القرآن الخ یعنی کیا ہم تمہیں مہلت دیں اور تمہارے سے قرآن مجید کو دور رکھیں اور سرے سے اسے ترک کر دیں اور کیا یہ پروگرام امر و نہی اور وعید ختم کر دیں یہ استعارہ تمثیلیہ ہے یہ ضرب الغرائب عن الحوض کی طرح ہے بیگانے اونٹوں کو حوض سے بھگانا ذکر سے دور رکھنے کو بیگانے اونٹوں سے تشبیہ دی گئی ہے پھر جیسے بیگانے اونٹوں کا حال ہوتا ہے قرآن و دیگر احکام سے بھی ہی۔

فائدہ: غرائب بیگانے اونٹ اور اونٹنیاں۔ مذکورہ بالا مثال اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ پانی پینے لگیں تو درمیان میں غیروں کی اجنبی اونٹنی شامل ہو جائے تو پھر اسے پانی سے ہٹا کر دور بھگایا جاتا ہے۔ اسی اشارہ ہے کہ حکمت کا تقاضا ہے کہ ذکر کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے اور قرآن مجید کو ذکر اس لئے کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کو ذکر لازم ہے «صفحاً» الصفح بمعنی الاعراض اہل عرب کہتے ہیں، صفح بروزن منع بمعنی اعرض و ترک اس کا صلہ عن آتا ہے عفو اور درگذر کے معنی میں بھی آتا ہے اور جب اس کا صلہ عن ہوگا تو اصفح کے معنی بھی مستعمل ہوگا اور صفح بمعنی عفو اس لئے ہے کہ عفو میں انتقام سے درگزر ہونے کا مفہوم ہوتا ہے اور وہی صفح میں بھی ہوتا ہے صفحۃ الوجہ سے ماخوذ ہے اس لئے کہ جس نے درگزر فرمایا اس نے گویا اپنے چہرے کو تمہاری طرف متوجہ کیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ

تمہارے لیے ہمارا روگردانی کرنا اس وقت اسے فعل مذکور کا مفعول لہ بنانا ہوگا اور اسے حال بمعنی صافحین بھی بنا سکتے ہیں یا مفعول مطلق علی غیر لفظہ ہے اس لئے کہ تنیحتہ الذکر اور اعراض کا ایک معنی ہے ان کنتم قوما مسرفین" السرف سے ہے بمعنی ہر وہ کام جو انسان کر کے اسمیں تجاوز کرے یعنی البتہ تم معاصی کے اسراف میں ہنہمک اور اسپر اصرار کرنے والے ہو یعنی تمہارا حال ہے اگرچہ تمہیں قرآنی احکام نہ سنائے جائیں تب بھی مرتے دم تک تمہاری یہی حالت رہے گی اور گمراہی پہ ڈٹے رہو گے یہاں تک کہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہوگے لیکن ہماری رحمت کی وسعت سمجھو کہ ہم تمہیں مہلت دیئے جا رہے ہیں بلکہ تمہیں بار بار حق کا راستہ دکھاتے ہیں اور پیغمبران عظام علیہم السلام کو بھیج کر تمہارے لئے صحیح راہ کا سبب بناتے ہیں اسی لئے قرآن بھیجا گیا تاکہ تم صراط مستقیم پہ چل سکو۔

فائدہ، بتنبیان میں ہے کہ ہم تمہارے شرک کی نحوست سے قرآن مجید آسمان پر نہیں اٹھا کرے جاتے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے بعد ایسے بندے آئیں گے جو اسے سینے سے لگائیں گے اور بدل وجان اسپر عمل کریں گے

فائدہ: قرب قیامت قرآن مجید آسمان پر اٹھالیا جائے گا حضرت قتادہ نے فرمایا کہ صدر اول میں اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر اور ان کے قرآن کو رد کرنے پر وہ قرآن مجید کو آسمان پر اٹھالیتا تو دنیا میں کوئی بھی نہ بچتا تمام لوگ فنا ہو جاتے ہیں لیکن وہ اپنے فضل وکرم سے بجائے اٹھانے کے قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے بیس سال یا اس سے کچھ زائد عرصہ تک بھیجتا رہا یہاں تک کہ دین کامل ومکمل ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ جو آج دنیا میں اس کے خطاب کے مطابق عمل کرتا ہے اور نافرمانی کر کے سرکشی نہیں کرتا تو قیامت میں وہ کریم اللہ تعالیٰ اس بندے کو لطف وکرم سے نوازیگا۔

؎ دارم از لطف ازل جنت فردوس طمع ∴ گرچہ دربانیٔ میخانہ فراوان کردم

ترجمہ، میں تیرے ازلی لطف سے جنۃ الفردوس کی امید رکھتا ہوں اگرچہ میری زندگی کا وقت میخانہ میں گز

فائدہ ایک بزرگ اپنی دعا ومناجات میں عرض کرتے تھے کہ اے اللہ! اگر تو میرے اندر غلطیاں دیکھتا ہے تو سزا میں جلدی نہ فرمانا اس لیے کہ تو وہ کریم ہے کہ کافر سے کفر بھی دیکھتا ہے لیکن تو اس سے نعمتوں کو نہیں روکتا بلکہ اسے عفو وثواب کا وعدہ دیتا ہے اسے خطاب سے نوازتا ہے تاکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے اگر وہ کفر سے باز آجاتا ہے تو تو اس کے ساتھ مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے چنانچہ تیرا ارشاد گرامی ہے۔" ان ینتہوا یغفر لہم ما قد سلف" جب تیرا اپنے دشمن کے ساتھ اتنا لطف وکرم ہے تو پھر میں تو اس کا زیادہ مستحق ہوں ؎

دوستان را کجا کنی محروم ∴ تو کہ با دشمنان نظر داری

ترجمہ، تو دوستوں کو کب محروم کر سکتا ہے جب کہ تیری نظر عنایت دشمنوں پہ بھی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وکم ارسلنا من نبی فی الاولین (ترکیب) کم خبر یہ محلاً منصوب ارسلنا کا مفعول مقدم ہے (من نبی) تمیز ہے "فی الاولین ارسلنا" کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے جو نبی کی صفت ہے اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے پہلی امتوں اور گزشتہ زمانوں میں بہت سے انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ وما یأتیہم من نبی الا کانوا بہ یستہزؤن" یأتیہم کی ضمیر "الاولین" کی طرف راجع ہے اور وہ ماضی استمراری کی حکایت حال ہے اس لئے کہ ما مضارع حال یا ماضی قریب پر داخل ہوتا ہے یعنی امم سابقہ کی عادت تھی کہ جب بھی ان کے ہاں انبیاء علیہم السلام تشریف لاکر دعوت حق پیش کرتے تو وہ ان کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے تھے آپ ان کی تکذیب و استہزاء سے مت گھبرایئے کیونکہ مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو پھر یہ مٹ جاتی ہے یا ہلکی پڑ جاتی ہے۔ "فاھلکنا اشد منہم" تو ہم نے ان کے بدترین لوگوں کو ہلاک و تباہ کر دیا۔ یعنی "مسرفون" کو اس سے قریش مراد ہیں (بطشا) یہ تمیز ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے اور اسے اھلکنا کے فاعل سے حال بھی بنا سکتے ہیں بمعنی باطشین (حل لغات) امام راغب نے فرمایا کہ البطش بمعنی شئی کو صولت اور شدت سے لینا یعنی ہم نے ان کے رشتہ داروں کو تباہ و برباد کر ڈالا ان کی شوکت وصولت ہمارا کچھ نہ کر سکی یہ آیت حضور علیہ السلام کو تسلی اور اعدائے اسلام کو وعید سناتی ہے جیسے پہلی آیت میں تھا اور بطش کو اشدیت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہی ہلاکت و تباہی کے لئے اولیٰ تھے "ومضی مثل الاولین" ہم اور قرآن مجید میں پہلے لوگوں کے قصے کئی اور بار ہا گزرے ہیں اگر انہیں مثل کہا جائے تو مناسب ہے ان قصوں سے قوم نوح علیہ السلام اور عاد و ثمود کی قوم وغیرہ مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں نفس کے ظلوم و جہول ہونے کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے کمال حوصلہ اور اس کے کرم اور اس کی ربوبیت کے فضل کی طرف اشارہ ہے کہ بندے اپنے رذیل اوصاف اور ردی اخلاق ظاہر کرنے میں کمی نہیں کرتے کہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزاء بلکہ ان کے بعض کو شہید کر ڈالا ایسے ہی ہر زمانہ میں اولیاء اللہ اور مشائخ کرام و علمائے عظام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور نائب ہیں کیا سلوک کرتے ہیں جب کہ وہ انہیں نصیحت اور دعوت الی اللہ اور ہدایت راہ مستقیم دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کو نہیں روکتا بلکہ ان کے ہاں رسل کرام علیہم السلام اور کتابیں بھیجتا اور اپنی جناب تک پہنچنے کی دعوت دیتا اور عفو و مغفرت کی آواز پر انعام و اکرام فرماتا ہے منجملہ اس کے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں ترغیب و ترہیب سے نوازتا ہے اور ان کے بعض سرکشوں باغیوں طاغیوں کو تباہ و برباد کر کے آنے والوں کو نصیحت کا موقعہ بخشتا ہے

؎ چو برگشتہ بختے در افتد بہ بند ۔۔ از و نیک بختاں بگیرند پند

ترجمہ: جب کوئی بدبخت قید میں پھنسے تو اس سے نیک بخت لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عجیب الشان طریقہ ہے کہ جہاں دوستوں کا ذکر چھیڑتا ہے وہاں ساتھ ہی دشمنوں کا حال بھی سنا دیتا ہے جہاں لطف وکرم بیان فرماتا ہے تو ساتھ ہی قہر وجلال بھی بتا دیتا ہے اور حقیقت کے ساتھ مجاز کو بھی ساتھ رکھتا ہے تاکہ مجاز حقیقت کا راستہ دکھلائے لیے ہر حجت کے ساتھ شبہات بھی پیدا فرمادیئے تاکہ حجت ہر طرح کی آلائش سے پاک ہو علم کو پیدا فرمایا تو ساتھ ہی جہل کو بھی۔ تاکہ علم کی شان معلوم ہو توحید کا حکم فرمایا تو سامنے شرک بھی دکھادیا تاکہ توحید والوں کے سامنے شرک کی گندگی واضح ہو دوست بنائے تو ہزار دشمن کھڑے کردیئے ایسے صدیق پیدا فرمائے تو ساتھ ہی زندیق بھی اور مسجد بنوائی تو گرجا بھی تیار کرایا ذکر کے حلقے تیار فرمائے تو ان کے بالمقابل میخانے بھی صوفیانہ لباس پہنائے تو زنار والے بھی بنائے۔ اقراری پیدا فرمائے تو انکاری عابد پیدا ہوئے تو جاحد بھی ساتھ پیدا کیے گئے دوست کے ساتھ دشمن اور صادق کے مقابلے میں فاسق پیدا فرمائے ؎

جور دشمن چہ کند گر نکشد طالب دوست ۔۔ گنج ومار وگل وخار وغم وشادی بہم اند

ترجمہ: دشمن کا ظلم کیا کرے گا اگر دوست مہربان ہو خزانہ سانپ گل و خار غم اور خوشی یکجا ہیں۔

فائدہ: مشرق سے مغرب تک جہاں نعمتیں پیدا فرمائیں ان کے ساتھ دکھ درد اور محنت بھی پیدا فرمائے ہڑتال اور ہلیلہ کی مضرتیں اور منفعتیں سب کو معلوم ہیں۔

آدمی کی تین حالتیں

پیر طریقت نے فرمایا کہ آدمی کو تین حالتیں درپیش آتی ہیں۔

(۱) اطاعت کی مشغولی ہے تو نفع پائے گا

(۲) معصیت میں گرفتار تو پشیمانی میں مبتلا ہوگا

(۳) غفلت میں ہے تو انکار انجام ہوگا:

قرآن مجید سے کوئی اور بہتر ناصح نہیں اور اللہ تعالیٰ سے اور کوئی بڑا مہربان نہیں۔ ایمان سے خوش کن اور کوئی شے نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت سے کوئی اور تجارت نفع بخش نہیں ہے اپنے مالک کو ناراض کرکے کسی بات سے خوش ہوتا ہے تو آج تو اسے کچھ پتہ نہیں چلے گا کل قیامت میں مبتلا ہوگا تو پریشان ہوگا لیکن جو کچھ ہونا تھا ہو گیا نصیحت وہی قبول کرتا ہے جس کا ازلی مقسوم اچھا ہے ورنہ اس زمرہ میں شامل ہوگا جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فاھلکنا اشد منھم بطشا ومضی مثل الاولین ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ولئن سالتھم اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اپنی قوم قریش سے پوچھیں من

استفہامیہ ہے یعنی کس نے "خلق السموٰت و الارض" پیدا کئے آسمانوں اور زمینوں کو یعنی اجرام علوی وسفلی "لیقولن" تو صانع حقیقی کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے "خلقهن العزیز" انہیں اس نے پیدا فرمایا جو اپنے حکم اور ملک میں غالب ہے "العلیم" اپنی مخلوق کے احوال سے باخبر ہے کیونکہ ایسے کام جاہل و عاجز سے نہیں ہو سکتے۔

فائدہ: آیت میں انسان کی غایت جہالت کا بیان ہے کہ وہ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کا اقراری ہے اور مانتا ہے کہ وہ قوی و علیم ہے پھر بھی غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ وہ تخلیقی امور اس کی طرف منسوب کریں گے جس کی شانہ کو دہ ہوئی یعنی اگرچہ وہ ظاہری الفاظ سے اعتراف نہیں کریں گے لیکن دل میں سمجھتے اور اعتراف کرتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ظاہری عبارت مذکورہ کے ساتھ زبان سے اقرار کرتے ہوں

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس عبارت کا تقاضا تھا کہ کفار کا جواب "لیقولن اللہ" ہو لیکن عبارت کا اسلوب "خلقهن العزیز العلیم" سے بدلا گیا تاکہ یہ آنے والے مضمون کے لئے توطئہ و تمہید بن سکے اس لئے کہ آنے والے مضمون سے صفات مذکورہ مناسبت رکھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں معرفت الٰہی مرکوز ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ذریات بنی آدم کو ان کی پشتوں میں پیدا فرمایا اور انہیں "الست بربکم" کے خطاب سے نواز کر ان کو اپنے نفسوں پر گواہ بنایا تو انہیں خطاب سے نوازتے ہوئے اپنی معرفت بھی بخشی اور بتایا کہ صرف میں ہی تمہارا رب ہوں اور تم کو اس کا جواب یوں دینا ہوگا اس کے بعد انہوں نے (بلیٰ) کہا وہی اقرار ان کے اس عقیدہ کا بنیاد بنا اور اسے یقین ہوا کہ جملہ عالم کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنا اسے نصیب ہوتا ہے جس پر اس کا فضل و کرم ہو اور وہ علیم ہے وہ رسالت کیلئے اسے منتخب فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے ؎

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش ٭ کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ: اسم اعظم اپنا کام کرتا ہے دل خوش رہ۔ اس لئے کہ مکر و فریب سے دیو سلیمان نہیں ہو سکتا۔

"الذی جعل لکم الارض مهدا" یہ جملہ مستانفہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی وصف خود بیان فرمائی اور جعل بمعنی "صیر الشئی علی حالۃ دون حالۃ" کسی شے کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنا المهد والمهاد بمعنی وہ جگہ جس پر انسان اٹھے بیٹھے لیٹے یعنی بچھونا) اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا "جعل لکم الارض فراشا" یعنی زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا تاکہ تم اس پر قرار حاصل کر سکو۔ بحر العلوم

ہیں اس کا معنی لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارا مسکن بنایا تاکہ تم اس پر بیٹھو نیند کرو اور اسے بچھونے کی طرح استعمال
کرو "وجعل لکم فیہا" اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم ان پر دین و دنیا کے امور کے سفروں کے چلو پھرو۔
"سُبُلاً" سبیل کی جمع ہے وہ راستہ جس پر عادۃً چلا جائے "المفردات" میں ہے کہ السبیل یعنی وہ راستہ جس میں چلنے
کی سہولت ہو۔ "لعلکم تہتدون" تاکہ تم اپنے مقاصد کے لئے اس پر چلنے کے لئے ہدایت پاسکو یعنی ان شہروں اور
علاقوں کی طرف جہاں تم پہنچنا چاہتے ہو۔
(صوفیانہ فائدہ) یعنی اس میں تفکر کرسکو کہ توحید کی طرف کونسا صحیح راستہ جاتا ہے اور یہی انسان کا اصلی
مقصد ہے۔ "والذی نزل من السماء ماءً بقدر" اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان سے اتنا قدر پانی اتارا جتنا بندوں کو
فائدہ بخشے اور نقصان نہ پہنچائے یعنی بارش بندوں کی حاجت و مصلحت کے مطابق بھیجتا ہے نہ اتنا کہ غرق کردے
اور نہ اتنا کم کہ کھیتیاں اور باغات سرسبز نہ ہوسکیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی عام عادت کریمہ ہے ورنہ بعض اوقات
ایسی بارش بھیجتا ہے جو سیلاب بن کر نقصان پہنچاتی ہے اور وہ تیس یا بیس سال کے عرصہ میں ایک بار اس سے
بندوں کی آزمائش اور ان کے گناہوں کی سزا دینا مطلوب ہوتی ہے "فانشرنا بہ" تو اس پانی کے ذریعے ہم زندہ
کرتے ہیں" انشار بمعنی احیاء المیت یعنی مردے کو زندہ کرنا "بلدۃ میتا" منت میّتاً بالتشدید کا مخفف ہے
یعنی ان شہروں کو جو انگوریوں اور سبزیوں سے خالی ہوں کھیتیوں اور سبزیوں کی نشوونما کے زوال کو روح کے جسم
سے نکل جانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔
(سوال) میت کو مؤنث کے بجائے مذکر کیوں لایا گیا ہے۔
(جواب) بلدۃ بلد یا مکان و فضاء کے معنی میں ہے
(نکتہ) سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا کہ بلد کو مؤنث لانے میں اس کی حالت ضعیفہ کی طرف اشارہ ہے اور نون عظمتہ
(برائے حق تعالیٰ) اس کی کمال عنایت کی طرف اشارہ ہے کہ احیاء صرف اسی کا کام ہے اور ایسے بہت بڑے اہم
امور صرف وہی سرانجام دے سکتا ہے اور یہ اس کی عظمت شان کی دلیل ہے
(کذلک) ایسے احیاء کی طرح یعنی زمین سے انگوریوں کے اگانے کی طرح "تخرجون" تم اپنی قبروں سے
زندہ اٹھائے جاؤ گے بندوں کی قبروں سے زندہ اٹھنے کو انگوریوں کے زمین سے اگنے کے ساتھ تشبیہ سے کمال قدرت
حق اور اس کی حکمت مطلق کا اظہار مطلوب ہے ایسے ہی وہ قدرت قوی کا مالک ہے کہ وہ تم سب کو قیامت میں
اٹھائے۔
(نکتہ) احیاء کے بجائے انشار میں بلدۃ میت ہیں اور احیاء کے بجائے اخراج انسانوں میں اشارہ ہے
کہ وہ ہر طرح کی قدرت کا مالک ہے اور پھر اشارہ ہے کہ انگوری کا اگانا تمہیں ایک عظیم امر معلوم ہوتا ہے حالاں کہ

احیاء الموتی فی القیامۃ اس سے عظیم تر ہے لیکن اس عظیم قدرت والے رب تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی نہیں نیز اس میں استدلال اور ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے (اس سے غیر مقلدین اور دیگر گروہ پارٹیاں غور و فکر سے کام لیں جب کہ وہ قیاس کا نہ صرف انکار کرتے بلکہ قیاس کو گمراہی بتلاتے ہیں (اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سماء روح سے ماء ہدایت اتار کر اس سے ویران قلب کو زندہ فرمایا ایسے ہی وہ اپنے بندے کو ارض الوجود کی تاریکیوں سے نکال کر اپنے نور کی طرف پہنچاتا ہے اس لئے کہ جب تک بندے کے دل کو ہدایت کے پانی سے زندہ نہ کرے اس وقت تک اسے ارض الوجود کے ظلمات سے نہیں نکالتا جیسے ہی جب تک زمین کے اندر والے بیج پر بارش کے چھینٹے نہ پڑیں اس وقت تک زمین سے باہر نہیں نکلتا ایسے ہی فیض الٰہی نور حق کا سبب ہے۔

دودھ کی برکت

سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ بی بی ام سلمہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں کام کے لئے بارہا نہیں باہر جانا پڑتا تو بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو دودھ پلا دیا کرتیں یہ اسی دودھ کی برکت تھی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فصیح و بلیغ اور حکمت سے بھرپور تھے۔

سبق

قلب کی زندگی کے چند اسباب ہیں منجملہ ان کے ایک غذا حلال بھی ہے۔

کرامت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ

منقول ہے کہ حضرت عاشق رسول سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ تین دن تک بھوکے رہے اس لئے کہ حلال کھانا میسر نہ ہوا ایک دن راستہ پر ایک دینار پڑا ملا آپ نے نہ اٹھایا اس ارادہ پر کہ نا معلوم کس کا ہے (حالانکہ شرعاً مباح تھا) پھر ارادہ فرمایا کہ جان بچانا فرض ہے اسی لئے جنگل سے کچھ گھاس کھائیں راستہ میں ایک بکری منہ میں انگور کا گچھا لئے حاضر ہوئی۔ آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ یہ کسی کی ملکیت ہو۔ بکری کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی توفیق بخشی بولی اے اویس (رضی اللہ عنہ) جس کا تو عبد ہے میں بھی اس کی کنیز ہوں فلہٰذا آپ لے لیں چنانچہ لے لیا ایک دن کسی بندۂ خدا نے مجھے کہا کہ ہاتھ پھیلا کر مجھ سے ہی انگور لے لیں میں نے ہاتھ پھیلا کر انگور کا گچھا لیا تو پھر وہ بکری گم ہو گئی۔

(نکتہ) فقیر صاحب روح البیان قدس سرہ کہتا ہے کہ ممکن ہے وہ بکری ارواح علویہ سے ہو اور بکری کی شکل میں اس لئے متشکل ہوئی کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راعی تھے اور بکری کی فطرت انقیاد و تسلیم ہے اسی بنا پر آپ کے سامنے بصورۃ بکری روح علوی حاضر ہوا۔

دوسری تقریر صوفیانہ

نیز آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے متعدد راستے بنائے ہیں ان سے ہدایت بھی ملتی ہے اور گمراہی بھی ہدایت کے راستے مخلوق کی سانس کے برابر ہیں اور وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ اور گمراہی کا کوئی راستہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت تک نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اس کے غضب کی طرف کھینچتا ہے۔

(سبق) بندے پر لازم ہے کہ وہ داعیٔ رحمت کی دعوت کو قبول کرنے کی جلدی کرے جیسے خواص امت یعنی اولیاء اللہ نے قبول کیا۔

نسخۂ روحانی

اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے راستوں میں سے بہتر راستہ توحید و ذکر الٰہی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بکثرت ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے ؎

(۱) بہیش روشن دلان بحر صفا .. ذکر حق گوہر است و دل دریا

(۲) پرورش دہ بقعر آں گہرے .. کہ نیاید بلب ازان اثرے

(۳) تا خدا سازدش بنصرت وعون .. گوہرے قیمتش فزوں ز دو کون

(۱) ترجمہ: روشن دل اولیاء بحر صفا کے لئے ذکر حق موتی ہے اور دل دریا۔

(۲) اس گڑھے میں موتی کی تربیت کر یہاں تک کہ اس کا اثر لبوں پر آئے۔

(۳) تاکہ اللہ تعالیٰ تیری کارسازی کرے نصرت و عون سے اس موتی کی قیمت کونین سے زائد ہو۔

تفسیر عالمانہ

والذی خلق الازواج کلھا اور وہ ذات جس نے مخلوق کی کل اقسام کو پیدا فرمایا ہم نے کل اصناف اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے مطلق الفاظ میں عموم ہوتا ہے جیسے "مما تنبت الارض" میں اور فرمایا ومن انفسھم "ومما لا یعلمون" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شئ بھی اس کی تخلیق دایجاد سے خارج نہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ازواج سے اشیاء کے اجناس و انواع مراد ہیں جیسے میٹھا کھٹا اور سفید و سیاہ اور نر و مادہ اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے ماسوی اللہ مراد ہے جیسے فوق۔ تحت اور یمین و شمال اور آگے پیچھے اور ماضی و مستقبل اور ذات و صفات اور ارض و سماء اور بر و بحر اور شمس و قمر اور لیل و نہار اور گرمی و سردی اور جنت و نار وغیرہ وغیرہ "ازواج" میں اشارہ ہے کہ کل کائنات ممکنۃ الوجود ہے اور ان سب کا خالق صرف ایک ذات ہے جس کی کوئی شے معارض و متقابل نہیں۔ وجعل لکم من الفلک" اور تمہارے لئے دریا میں چلنے والی کشتیاں بنائیں" والانعام" اور جانور پیدا فرمائے جیسے اونٹ و دیگر چار پائے "ما ترکبون" جن پر تم سوار ہوتے ہیں دریاؤں میں یا جنگلوں میں۔

(سوال) ماترکبون کا تعلق فلک و انعام ہر دونوں سے ہے حالانکہ ان دونوں کے استعمال میں فرق ہے

مثلاً سواری مطلق کے لئے فعل متعدی بنفسہ ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے " رکبت الدابۃ " اور کشتی کیلئے فی لایا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں " رکبت فی الفلک " پھر " ترکبون " دونوں سے کیسے مطابقت کھائے گا۔

(جواب) تغلیباً ایسے ہوا اور تغلیب جملہ معاملات میں ہوتی ہے اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ اشیاء کو آپس میں مناسبت ہو اور پھر ان میں سے جس شے کا غلبہ ہو اسی کی طرفداری کی جائے گی یہاں پر کشتی و انعام کو مناسبت بھی ہے اور یہ بھی سواری کے لئے لیکن بکثرت جانور استعمال میں ہوتے ہیں۔

بیان کی تقدیم مبین پر صرف محافظۃ علی الفاصلۃ کی وجہ سے ہے کہ آیات کا آخری لفظ نون سے آرہا ہے اور فلک کی تقدیم انعام پر اسی لئے ہے کہ کشتی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت زیادہ دال ہے اس سے جلد پتہ چلتا ہے کہ وہ قادر بھی ہے اور حکیم بھی " لتستو وا علیٰ ظہورہ " تاکہ تم ان سواریوں اور کشتیوں کی پشتوں پر سوار ہو۔

(سوال) جانوروں کی پشتوں کا معنی تو درست ہے لیکن کشتی کی پشت نیچے ہوتی ہے اور کشتی کے پیٹ میں سوار ہوتے ہیں۔

(جواب) یہاں بھی جانوروں کی تغلیب سے کشتی کیلئے ایک ہی معنی استعمال کیا گیا۔

(سوال) ظہور جمع اور اس کا مضاف الیہ مفرد مطابقت نہ رہی۔

(جواب) ہٗ کا مرجع معنی جمع ہے یعنی لفظ ما اگرچہ وہ لفظاً مفرد ہے " ثم تذکروا نعمۃ ربکم " پھر اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو یاد کرو " اذا استویتم علیہ " جب تم ان سواریوں پر سوار ہو اس سے دل کا ذکر مراد ہے کیونکہ اصل وہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر بھی قلبی ذکر ہے۔

حدیث شریف | بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نگاہ تمہارے قلوب و نیات پر ہے اسی وجہ سے تحمدوا کے بجائے " تذکروا " فرمایا ہے اب معنی یہ ہوا کہ تم سواریوں پر سوار ہوتے ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس کی مہربانی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی عظمت کا بیان کرو اسکے بعد زبان سے اس کی حمد بجا لاؤ " وتقولوا " اور تعجب کے طور کہو " سبحان الذی سخر لنا ھذا " پاک ہے اس ذات کی جس نے ان سواری اور کشتی کو ہمارے تابع کیا تاکہ ہم ان پر سوار ہو کر بحر و بر کے سفر آسانی سے طے کر سکیں " وما کنا لہ مقرنین " اور ہم میں انہیں تابع کرنے کی طاقت نہیں یعنی ہم میں وہ طاقت و قوت کہاں کہ ایسی سواریوں اور کشتیوں کو اپنے تابع کر سکیں اسی لئے ہم اس ذات کی پاکی بیان کرتے ہیں جس نے اپنی قدرت و حکمت سے ان کو ہمارے تابع کر دیا۔

فائدہ : یہ اس کی نعمت کے ذکر کا تتمہ ہے اس لئے کہ جب تک منعم کے سامنے اپنے عجز کا اظہار نہ کرے نعمت کی قدر و منزلت کا پتہ نہیں چلے گا اور نہ ہی نعمت کے حق کی ادائیگی عجز کے اظہار کے بغیر ہو سکتی ہے۔

(حل لغات) القاموس میں ہے "اقرن للامر بمعنی اطاقہ و قوی علیہ" استقرن کی طرح ہے اس کا صلہ عن بھی آتا ہے ضعف کی نقیض ہے بمعنی کسی شے کی طاقت رکھنا کشف الاسرار میں ہے اہل عرب کہتے ہیں "اقرنت الرجل" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو منضبط کرے اور کسی کو اپنے مساوی پائے اور اس کا ساتھی ہو جائے. بعض نے کہا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کو اپنا ساتھی پائے اس لئے کہ قوی ضعیف کا قرین نہیں ہو سکتا یعنی جو کسی کا قرین ہو جائے تو پھر اس پر صعوبت کا سبب نہیں بنتا بہرحال "اقرن" بمعنی "اطاقہ" ہے " وانا الی ربنا لمنقلبون" اور بے شک ہم اپنے رب تعالیٰ کی طرف مرنے کے بعد لوٹنے والے ہیں یعنی مرنے کے بعد لوگوں کے کاندھوں پر سوار ہو کر (جنازہ کی صورت میں) اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے اور انسان کی دنیوی آخری سواری یہی ہے ؎

ہوش دار و عنان کشیدہ رو آخر کار .. بر مرکب چوبین زجہان خواہی رفت

ترجمہ: ہوش کر اور باگ کھینچکر جا کیوں کہ بالآخر لکڑی کی سواری پر اس جہان سے تو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

مسافر پر لازم ہے کہ وہ اپنے سفر کے وقت غور و فکر کرے کہ اسے ایک بہت بڑا سفر کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے پھر اسے ضروری ہے کہ وہ اس سفر کے لئے زاد راہ تیار کرے اگرچہ اس کی تیاری میں کتنے ہی مشکلات در پیش ہوں۔

(مسئلہ) بلا امر شرعی جیسے حج، صلۂ رحمی و طلب علم و عمرہ کے بغیر خواہ مخواہ سفر نہ کرے اس لئے کہ سواری خطرہ سے خالی نہیں ہوتی ہے مثلاً جس جانور پر سوار ہوں اس کا پاؤں لغزش کھا جائے یا گر جائے تو ہلاکت یعنی موت کا اندیشہ ہے ایسے ہی کشتی کے لوٹنے اور اس کے الٹنے اور غرق ہونے کا خوف ہے اور سوار پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لحظہ بھر بھی غافل نہ ہو بلکہ اس کی ملاقات کے لئے ہر وقت تیار رہے اور یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کے بالکل قریب ہے اور اپنے ہر سانس کو آخری سانس سمجھے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان کو نفس امارہ پر غلبہ عطا ہو یہاں تک کہ نفس پر سوار ہو کر اسے طاعت الٰہی میں لگا دے جب دیکھے کہ اس کا نفس اس کے قابو میں ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کیوں کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں صرف کھانے پینے اور لباس اور سواری کو سمجھتا ہے وہ اس کی نعمتوں کی تحقیر کرتا ہے اور یہ بھی ذہن میں رکھے کہ نفس پر غلبۂ کسب و مجاہدہ سے نہیں ہوا بلکہ فضل ربانی کی تائید ہوئی اسی لئے اسے نفس پر غلبہ کے بعد کہنا چاہیے "سبحان الذی سخر لنا الخ" اور آخر میں رجوع الی اللہ کے لئے ہم نے اس لئے کہا ہے کہ نفس کا بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع ہے اور اسے یہ رجوع اس وقت نصیب ہوتا ہے جب وہ مغلوب ہو جائے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے "وانا الی ربنا لمنقلبون" کا معنی یہ کیا کہ جیسے ہم کو اس نے پیدا فرمایا بالآخر ہم اس کے ہاں جائیں گے یعنی جیسے ہمیں امر کُن سے پیدا فرمایا اور ہماری ارواح کو کتم عدم سے نکالکر نحو خاصہ سے عالم ملکوت کی طرف لے جائیگا یعنی پہلے اس نے ہمیں اسفل السافلین یعنی جسم میں (جسے عالم ملک کہا جاتا ہے) بند رکھا پھر جذبۂ ارجعی الی ربک انکے

ساتھ نفوس کی سواری بھی سوار کر کے عالم ملک سے بحر ملکوت کے ساحل پہ لے گیا پھر فلک انقلوب ہمارے مابع کہ کے ہیں بحر ملکوت کی سیر کراتا ہوا عالم ربوبیت میں لے گیا۔

سواری پہ سوار ہونے کا وظیفہ

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سواری پر سوار ہوئے جب آپ نے رکاب میں پاؤں مبارک رکھا تو پڑھا "بسم اللہ" جب سواری کی پیٹھ پہ آرام سے بیٹھے تو پڑھا "سبحان الذی سخر لنا الخ" اس کے بعد تین بار حمد اور تین بار تکبیر کہہ کر یہ دعا پڑھی "لا الٰہ الا انت ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت" اس کے بعد ہنس دیئے لوگوں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار ہوتے ایسے ہی دیکھا جیسے تم نے مجھے دیکھا پھر آپ ہنسے میں نے وجہ پوچھی آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس رحم و کرم سے خوشی سے ہنس رہا ہوں کہ جب بندہ مذکورہ بالا کلمات پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندے کو یقین ہے کہ میرے سوا اس کے گناہ اور کوئی نہیں بخشے گا۔

(حدیث شریف) عین المعانی میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب سوار ہوتے تو تین تین بار تکبیر کہتے اور اس سے قبل پڑھتے "الحمد للہ الذی حملنا فی البر والبحر ورزقنا من الطیبات وفضلنا علی کثیر من خلق تفضیلا ومن علینا بالایمان والقرآن ونبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم والحمد للہ الذی سخر لنا ہذا وما کنا لہ مقرنین"

سواری پر سوار ہونے پر آیۃ مذکورہ پڑھنے کے فضائل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "۱: جب میرا امتی سواری پہ سوار ہو کر وہی پڑھتا ہے جس کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

۲: جو سواری پہ سوار ہو لیکن اس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو اس کے ساتھ شیطان اسی سواری پر اس کے ساتھ اکٹھے بیٹھ جاتا ہے پھر اسے کہتا ہے مجھے گانا سنا وہ گویا جواب دیتا ہے مجھے تو گانا نہیں آتا پھر وہ کہتا ہے کہ کوئی گندی بات سنا ایسے ہی اس کے دل میں گندے وسوسے ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ بندہ سواری سے اترے۔

عجیب حکایت

سفر کو جاتے ہوئے چند اشخاص سواریوں پہ سوار ہوتے وقت پڑھ رہے تھے "سبحان الذی سخر لنا الخ" ایک شخص جو کمزور اور دبلی خستہ اونٹنی پہ سوار تھا جو چل بھی نہ سکتی تھی از راہ تکبر کہا کہ تمہاری سواریاں تمہارے قابو میں نہیں تو پڑھ رہے ہو میری سواری میرے قابو میں ہے اسی لیئے مجھے مذکورہ دعا پڑھنے کی ضرورت نہیں اس پر وہ اونٹنی کود دی اور وہ شخص نیچے گرا تو گردن ٹوٹ گئی۔

سواری پر سوار ہونے کی دعا

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سواری کا جب پاؤں لغزش کھاتا تو پڑھتے۔

اللھم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا الٰہ غیرک ولا ملجا ولا

منجی منک الا الیک ولاحول ولا قوۃ الا بلہ" یہ جانور کی سواری کے لئے ہے۔

کشتی پر سوار ہونے کی دُعا

جب کوئی شخص کشتی پر سوار ہو تو پڑھے۔ بسم اللہ مجرٖھا ومرسٰھا ان ربی لغفور رحیم وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعا قبضتہ یوم القیمۃ والسمٰوٰت مطویات بیمینہ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔

تفسیر عالمانہ

وجعلوا لہ من عبادہ جزا اس سے عرب کے قبائل مراد ہیں وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات لڑکیوں سے نکاح کیا تو ان سے ملائکہ پیدا ہوئے (معاذ اللہ) اور بنو ملیح بالحاء المہملہ بروزن زبیر جزاعہ کے ایک قبیلہ کا بھی یہی عقیدہ تھا اور یہاں الجعل سے شئی پر حکم لگانا اور عقیدہ رکھنا مثلاً کہا جاتا ہے " جعلت زیدا افضل الناس" یعنی میں نے فیصلہ کیا کہ زید لوگوں سے افضل ہے العبآد سے ملائکہ مراد ہیں اور یہ جزاء سے حال ہے القاموس میں ہے الجزا بمعنی لعض مثلاً کہا جاتا ہے " اجزأت الام یعنی ماں نے لڑکیاں جنیں اب معنی یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے لڑکیوں کے باپ ہونے کا حکم لگایا اسی لئے زجاج ومبرد اور الماوردی نے کہا کہ اہل عربیۃ کے نزدیک جزء بمعنی بیٹیاں ہیں مثلاً کہا جاتا ہے " اجزأت المرأۃ " یہ اس وقت بولتے ہیں جب عورت لڑکیاں جنے۔ امام راغب نے فرمایا کہ شے کا جزو کا یہ معنی ہے کہ اس کے کل کے حصے کئے جا سکیں۔
جار اللہ زمخشری نے کہا کہ یہ مفسرین کا عجیب معنی ہے کہ جزء بمعنی بنات بنا دیا اور دعویٰ یہ کہ لغت عرب میں جزء کا اطلاق اناث کے لئے ہوتا ہے یہ محض جھوٹ اور عرب پر نرا بہتان ہے ہاں اسے وضع محدث (بدعت) کہہ سکتے ہیں اور پھر تعجب ہے کہ صرف اس معنی تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اس سے اور صیغے مشتق کرتے چلے گئے اور پھر ان مشتقات پر ابیات لکھتے گئے مثلاً سے

ان اجزأت حرۃ یوما فلا عجب ۔ زوجتہا من بنات الاوس مجزئۃ

ترجمہ۔ اگر حرہ کسی دن بچیاں جنتو کوئی تعجب نہ کریں کیونکہ اس کی دوسری بنات قبیلہ اوس کی لڑکی پیدا کرنے والی عورتوں میں تھیں

فائدہ : صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ اصل میں جزء بمعنی اناث نہیں اہل لغت نے اگر اسے اس معنی میں لیا ہے تو مجازاً اور وہ بھی اس لئے کہ آیت میں جزء سے اولاد مراد ہے جن سے لڑکیاں مراد لی گئیں اور اس کا لغات کی کتابوں میں مذکور ہونا اس کے مستحدث ہونے کے بھی منافی نہیں۔

فائدہ : اولاد کو جزء سے تعبیر کرنا صحیح ہے اس لئے کہ اولاد باپ کا ایک حصہ ہوتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا " فاطمۃ منی " یعنی فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اور فرمایا فاطمۃ بضعۃ منی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) البضعۃ بالفتح بمعنی گوشت کا ٹکڑا اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرنے سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرکب ہے (معاذ اللہ) اور اس کیلئے ترکیب مانی جائے تو اسے ممکن ماننا پڑے گا حالانکہ وہ واجب الوجود ہے جو ممکن کے منافی بلکہ نقیض ہے اس معنی پر اللہ تعالیٰ

کے لئے اولاد کا ماننا محال ہوا جب کہ ہم نے پہلے کہا کہ اولاد باپ کا جزء ہوتی ہے اس لئے کہ باپ اور اولاد کی وحدت وحدت حقیقی ہوتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ مشرکین کا عقیدہ ہے اور انہوں نے فیصلہ کر رکھا ہے اور اپنے طور پر ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ہے اور اولاد ملائکہ ہیں حالانکہ وہ تو اس کے بندے ہیں وہ اپنے عقائد میں بیان کیا کرتے تھے کہ " الملائکۃ بنات اللہ " ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں (معاذ اللہ) حالاں کہ وہ زبان سے اقراری تھے اور اپنا عقیدہ یوں بھی ظاہر کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جب وہ اسے خالق مانتے ہیں تو پھر اس کیلئے اولاد کیسی اس لئے کہ صاحب اولاد ہونا جسمانیت کی دلیل ہے ادھر مانتے ہیں کہ وہ اجسام کا خالق ہے اس سے ثابت ہوا کہ وہ کورے جاہل اور پرلے درجے کے احمق ہیں کہ خالق کو مخلوق کے اوصاف سے موصوف کیا۔ آیت میں اشارہ ہے کہ اولاد باپ کی غلام زر خرید نہیں ہو سکتی اور وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں ان دونوں کو ملاؤ تو ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ کو بنات کہنا بے وقوفی ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں پر جزء بمعنی نصیب (حصہ) یعنی مقسوم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے " لکل باب منہم جزء مقسوم " یعنی جزء اس آیت کے معنی آیۃ " جعلوا اللہ مما ذرأ من الحرث و الانعام نصیبا " کے مطابق ہے وہ اس لئے کہ اپنے لئے لڑکے ثابت کرتے اور اللہ تعالیٰ کے لئے لڑکیاں " ان الانسان لکفور مبین " بیشک انسان ظاہر الکفر یعنی بہت بڑا ناشکرا ہے یا کفر کو بہت زیادہ ظاہر کرنے والا ہے اسی لئے اہل اسلام کو حکم ہے کہ وہ کہیں کہ " سبحانہ عما یصفون " ؎

بے زن و فرزند شد ذات احد ∴ از ازل فرد و صمد شد تا ابد

ترجمہ: بغیر عورت اور فرزند کے ہے ذات احد ازل سے فرد و صمد ہے اور تا ابد ایسے ہی رہے گا۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰکُمْ بِالْبَنِیْنَ ○ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ ○ اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ○ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ط اَشَھِدُوْا خَلْقَھُمْ ط سَتُکْتَبُ شَھَادَتُھُمْ وَیُسْئَلُوْنَ ○ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰھُمْ ط مَا

لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ أَمْ آتَيْنَاهُمْ
كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ۝ بَلْ قَالُوا إِنَّا
وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ۝
وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم
مُّقْتَدُونَ ۝ قٰلَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ
عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝
فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ ع

ع۔ کیا اُس نے اپنے لیئے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں لیں اور تمھیں بیٹوں کیساتھ خاص کیا اور جب
ان میں کسی کو خوشخبری دی جائے اس چیز کی جس کا وصف رحمٰن کے لیے بتا چکا ہے تو
دن بھر اس کا منہ کالا رہے اور غم کھایا کرے اور کیا وہ جو گہنے میں پروان چڑھے اور بحث
میں صاف بات نہ کرے اور اُنھوں نے فرشتوں کو کہ رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں ٹھہرایا۔
کیا ان کے بناتے وقت یہ حاضر تھے۔ اب لکھ لی جائے گی ان کی گواہی اور ان
سے جواب طلب ہوگا اور بولے اگر رحمٰن چاہتا۔ ہم انھیں نہ پوجتے انھیں اس کی حقیقت
کچھ معلوم نہیں یونہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں یا اس سے قبل ہم نے انھیں کوئی کتاب دی ہے
جسے وہ تھامے ہوئے ہیں بلکہ بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر پر
چل رہے ہیں اور ایسے ہی ہم نے تم سے پہلے جب کسی شہر میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا وہاں کے
آسودوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر کے پیچھے
ہیں۔ نبی نے فرمایا اور کیا جب بھی کہ میں تمھارے پاس وہ لاؤں جو سیدھی راہ ہو اس سے جس پر
تمھارے باپ دادا تھے۔ بولے جو کچھ تم لے کر بھیجے گئے ہم انھیں نہیں مانتے تو ہم نے ان سے
بدلہ لیا تو دیکھو جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

تفسیر عالمانہ

ام اتخذ مما یخلق بنات یہ اتخذ کا مفعول ہے یعنی کیا اس نے اپنی پیدا کردہ مخلوق میں اپنے لئے لڑکیاں مقرر کی ہیں «وَ اصفاکم بالبنین» اور تمہارے لئے لڑکے منتخب فرمائے" ام منقطعہ مقدرہ بہ بل و ہمزہ ہے اور وہ انکار و توبیخ اور ان کے حال پر تعجب دلانے کے لئے ہے اور بنات کی تنکیر و تحقیر اور «البنین» کی الف تفخیم کی ہے بنات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا بہت برا معاملہ ہے اور اس سے اس کی تنزیہ ضروری ہے اسی اہمیت کے پیش نظر ان کا ذکر پہلے ہوا۔ خطاب کی طرف التفات الزام کی تاکید اور توبیخ کی تشدید کے لئے ہے۔ «اصفاء» بمعنی برگزیدہ اور منتخب کرنا کہا جاتا ہے "اصفیت فلانا" میں نے فلاں کو چنا اب معنی یہ ہوا بلکہ اس نے مخلوق کی دو صنفوں سے لڑکیوں کو اپنے لئے بنایا جو کہ ان دونوں سے کم درجہ کی صنف ہے اور تمہارے لئے لڑکے منتخب فرمائے جو کہ ان دونوں سے افضل صنف ہے۔ اور پھر تمہاری جرأت بھی قابل تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کی حالانکہ وہ اولاد سے منزہ اور پاک ہے اس لئے کہ ایسے صفات اس کے لئے محال بلکہ ممتنع ہیں تمہیں عقل سے کام لینا چاہیئے اور حیاء و شرم کرو کہ اولاد کے اثبات کے بعد دوسری یہ جرأت کی دو صنفوں میں سے خسیس صنف اس کے لئے تیسری جرات یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ تقسیم فرمائی ہے کہ اپنے لئے لڑکیاں اور ہمارے لئے لڑکے کیا کوئی خسیس اور ناقص شئے اپنے لئے اختیار کرتا ہے جب کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ لڑکیاں مبغوض ترین اولاد ہے اسی لئے انہیں زندہ درگور کر دیتے تھے حالانکہ یہ ان کی حماقت تھی ورنہ لڑکیاں اشرف الاولاد ہے جیسا کہ گذرا۔ اگر ان مشرکین کا نظریہ مان لیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ فضیلت و کمال میں بڑھ گیا حالانکہ یہ تو جہالت و سفاہت بلکہ حماقت ہے۔ «واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً»، خطاب سے غیب کے صیغہ کی طرف اللہ تعالیٰ میں ان کے ذکر سے قباحت کا اظہار ہے کہ وہ ایسے پاگل ہیں کہ ان سے خطاب نامناسب ہے، ضرب بمعنی جعل ہے اور وہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے اس کا ایک مفعول محذوف ہے اور ضرب بمعنی بین نہیں اور مثلاً بمعنی شبیہ ہے قصہ عجیبہ کے معنی میں نہیں ہے جیسے ضرب لہ المثل بکذا میں مثل بمعنی قصہ عجیبہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ جب مشرکین کے کسی فرد کو وہی خبر دی جائے جو انہوں نے رب رحمٰن کے لئے شبیہ ثابت کیا ہم نے شبیہ اس لئے کہا کہ اولاد اپنے باپ کی ہم جنس ہوتی ہے۔ "ظل وجھہ" یہ ظلول سے ہے بمعنی صار "مسودا" یعنی ایسی خبر سنکر اس کا چہرہ سخت سیاہ ہو جاتا ہے۔

تعبیر خواب

جو شخص خواب میں دیکھے کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا تو اس کے خواب کی تعبیر یہی ہے کہ اسے لڑکی پیدا ہوگی اور یہ بھی ہے کہ روسیاہی سے یہاں کراہت مراد ہو۔ «وھو کظیم» درانحالیکہ وہ غصہ پینے والا ہو یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان دکھ درد سے بھرپور ہو قاموس میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں فھو کظیم و مکظوم بمعنی "مکروب" (مغموم)

فائدہ صوفیانہ یہی حال کافروں کا ہے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بے خبر اور اس کے مخفی الطاف سے غافل اور ان پر قہر خداوندی کا بوجھ ہوتا ہے اسی لئے قیامت میں ان کے چہرے سیاہ ہونگے اور اہل ایمان واردات الہٰی کی وجہ سے ہر وقت ہشاش بشاش ہوتے ہیں کیونکہ وہ کسی ایک رسولی کا فرق نہیں کرتے جیسے سخی اپنے دروازے کو سائلوں سے بند نہیں کرتا اور فانی وہ ہے جسے ماسوی اللہ سے کوئی واسطہ نہ ہو اس کا مطمح نظر وہی ہو جو اللہ تعالیٰ چاہے ؎

گذشتم از سر مطلب تمام شد مطلب ∴ نقاب چہرہ مقصود مطلبہا

ترجمہ ، میں سر مطلب سے گذرا تو میرا مطلب پورا ہو گیا خود مطلب ہی مقصود کے چہرے کا نقاب تھا۔

تفسیر عالمانہ "او من ینشأ فی الحلیۃ" یہ انکار کی تقریر ہے اور ہمزہ واقع کے انکار اور استقباح کے لئے ہے اور من منصوب ہے اس کا ناصب فعل مضمر ہے جس کا عطف جعلوا پر ہے۔

(حل لغات) الحلیۃ ہر وہ شے جس سے انسان زینت پائے یعنی آرائش اور سنگار اس کی جمع حلی بکسر الحاء ولضمہا وفتح اللام ہے اب معنی یہ ہوا کہ کیا وہ جس کی پرورش کی جائے سنگار میں اور وہ اپنے امور کی کفالت سے عاجز ہے یعنی لڑکیاں یہ اکثریت کے اعتبار سے ہے۔

فائدہ : سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ اصل عبارت یوں تھی "اجترءوا الخ یعنی انہوں نے ایسے کلام سے جرأت کی ہے جو ان کی نہایت زبوں حالی کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے پسند کئے۔ کاشفی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ کیا وہ جس کی پرورش ناز ونعمت میں ہو اور اسے میدانِ جنگ میں حاضری کی قوت اور طاقت نہ ہو "وھو فی الخصام" اور وہ جس کا حال اوپر مذکور ہوا جھگڑا کرنے والے کے ساتھ جھگڑنے میں کیوں کہ عموماً انسان کو کسی وقت کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو ہی جاتا ہے "غیر مبین" اپنے دعوی کے اثبات پر قدرت اور حجت قائم کرنے میں گفتگو کا سلیقہ نہ ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ مخالف سے کس طرح بات کی جائے جیسا کہ عموماً عورتوں کی فطرت ہے لیکن وہ بھی اکثریت میں ورنہ بہت سی عورتیں فصاحت اور گفتگو میں قادر الکلام ہوتی ہیں بلکہ علم وفضل میں بہت سے مردوں سے افضل واعلیٰ ہوتی ہیں۔

فضیلت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۱) احنف نے فرمایا کہ میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی باتیں سنیں اور ان کا زمانہ گزر گیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی وہ بھی تشریف لے گئے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کلام سنا وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گفتگو کا موقعہ ملا ان کا بھی وصال ہو گیا ان کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا جیسا میں نے کسی کو فصیح و بلیغ تر نہیں دیکھا۔

(۲) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو بلیغ تر نہیں

یا یا اس لئے کہ جب میں نے کسی دروازہ کو بند کر کے پھر اسے کھولنا چاہا تو مجھ سے نہ کھل سکا لیکن اسے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کھولا ایسے ہی جب میں نے کسی دروازہ کو کھولا تو پھر اسے میں نے بند کرنا چاہا تو مجھ سے بند نہ ہو سکا لیکن اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بند کر دیا۔

(۳) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی گزر چکا ہے جب کہ آپ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسلوب کلام کو سنکر فرمایا "انہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا" وہ ابوبکر کی بیٹی ہے۔

ازالۂ وہم جناب کاشفی نے لکھا ہے کہ عرب کو شجاعت و فصاحت پر بہت بڑا فخر زمانہ تھا لیکن اکثر عورتیں ان دونوں صفات سے خالی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ جس قسم کو تم ناقص سمجھتے ہو اسے اللہ تعالیٰ کیسے اپنی فرزندی کے لئے منتخب فرمائے گا۔

قاعدہ اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ غیر کا مضاف ہونا عامل جارہ مقدم کو عمل سے نہیں روکتا اس لئے کہ غیر میں نفی کا معنی ہوتا ہے گویا غیر مبین بمعنی لا یبین ہے۔

(مسئلہ)، کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ سونا چاندی اور ریشم عورت کے لئے حلال اور اس کا سنگار لیکن مرد کو حرام اور اس کا استعمال قبیح کیوں کہ مردوں کو عورتوں والی زینت بجائے سنگار کے مذموم لگتی ہے۔

فائدہ: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ آیت سے ثابت ہوا کہ ذی عقل اور قلب سلیم زیب و زینت اور ناز و نعمت میں زندگی بسر کرنے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مذموم اور معیوب بلکہ اسے عورتوں کا شعار بتایا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ناز و نعمت سے بچو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں پلتے۔

-فائدہ: التنعم بمعنی ایسی شئی کا استعمال کرنا جسیں نعومۃ (لذت وغیرہ) ہو ماکولات سے ہو یا ملبوسات سے ؎

غذا گر لطیف است گر سرسری ؛ چو دیرت بدست آید خوش خوری

ترجمہ: غذا لطیف یا موٹی حاصل ہو اگرچہ دیر سے تیرے ہاتھ لگے خوش ہو کر کھا۔

پر از حکمت کلمات نم علی اوطأ الفراش" یعنی بستر پر اس وقت سونا چاہئے جب نیند کا غلبہ ہو کُل اَلَذَّ الطعام" یعنی کھانا اس وقت کھانا چاہئے جب بھوک ستائے

پند سودمند برائے اہل علم ان علماء سے تعجب بالائے تعجب ہے جو فقیہ زمان مفتی عصر و علامۂ دہر کہلواتے ہیں باوجودیکہ آیت مذکورہ اور اس کے مطابق

احادیث مبارکہ بھی پڑھتے ہیں لیکن ان میں غور وفکر نہ کرتے ہوئے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرتے یعنی سادگی کو چھوڑ کر اپنے ہار سنگار اور بہترین کھانے اور آرائش وزیبائش کی زندگی کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔

ہمچوں طفلاں منگر اندر سرخ وزرد ∴ چوں زناں مغرور رنگ وبو مگرد

ترجمہ: بچوں کی طرح سرخ وزرد کو نہ دیکھ۔ عورتوں کی طرح رنگ خوشبو پر مغرور نہ ہو۔

دیگر کسی بزرگ نے فرمایا ؎

خویشتن آرا مشو چون بہار ∴ تا نبود بر تو طمع روزگار

ترجمہ: خود کو سنگارنے والا بہار کی طرح نہ ہو تاکہ نہ ہو تیرے سے زمانہ کو طمع۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ مرد جو اپنے ہار سنگار میں لگا رہتا ہے وہ درحقیقت عورت ہے ورنہ عقلمند انسان کو اتنا لباس چاہیئے جس سے گرمی اور سردی دور کی جا سکے البتہ مرد پر لازم ہے کہ اپنے باطن کو سنوارے کیونکہ انسان کا باطن نظر گاہ نگاہ حق ہے عورتوں میں چونکہ عقل کی کمی ہوتی ہے اس لئے کہ وہ سونے چاندی اور بہترین زیورات اور لباس کے درپے رہتی ہیں مرد و عورت کی عبرت کے لئے مندرجہ ذیل شعر کافی ہے ؎

نشد عزیز تو از کعبہ این لباس پرست ∴ بجامہ کہ بسالے رسد قناعت کن

ترجمہ: اے لباس پرست اس کعبہ کو دیکھ جو تجھ سے سب کو عزیز ہے اس کی طرح سال میں ایک لباس پر قناعت کر۔

تبصرہ از فقیر اویسی غفرلہ جس طرح صاحب روح البیان قدس سرہ نے اپنے زمانہ کے علماء و مشائخ کے ناز ونعم اور ان کے لباس وخوراک وغیرہ پر طعن فرمایا ہے کچھ فقیر کو بھی اپنے دور کے علماء و مشائخ سے زیادہ شکایت ہے کہ ان شریف آدمیوں نے اطوار سنت کو ترک کرکے انگریز خبیث کے طریقہ کار کو اپنایا ہے نہ صرف لباس میں بلکہ اپنی تہذیب و تمدن اپنے معاشرہ کے جملہ شعبوں میں ملک و ملت کے دشمن کی تقلید فرما رہے ہیں۔ صرف لباس کو لیجئے کہ پگڑی اتار دی تو ننگے سر یا پھر ٹوپی وہ بھی کیسی ایسی ویسی۔ کرتا اتارا پھر وہی پہنا جیسے آج عوام کے سامنے ہے چادر اور شلوار چھوڑی اور پینٹ پہن لی۔ یہ ان دوستوں کی بات جیسے ترقی پسندوں کو خوش کرتے ہیں مجبوری محض بھی محض مجبوری اور ایک بہانہ ہے ورنہ ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ادوار میں زندگی بسر فرما گئے۔ دوسرے بعض حضرات سنت نبوی کے قریب تو ہوتے ہیں لیکن اوپر نیچے سے اپنے پکوان کا مظاہرہ کرتے ہیں اور عذر یہ کہ جدت پسند حقارت سے نہ دیکھیں یہ عذر لنگ بھی ایسے ہی ہے ورنہ جدت پسند اس سے زیادہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جب وہ سمجھتے ہیں جیسے ہم ویسے یہ۔ ہاں فقیر اویسی غفرلہ سادگی کو شعار اسلام سمجھ کر اعلیٰ دولت کے علماء و مشائخ کو قیمتی لباس وغیرہ سے نہیں روکتا

ممکن جب اس میں نیت صالح کے ساتھ اپنی دولت سے فقراء و مساکین کو سہارا دیں تو وہی دولت ابدی ہے جیسا کہ ہمارے اکابر علمائے و مشائخ میں بہت سے اعلیٰ لباس وغیرہ سے مزین تھے

تفسیر عالمانہ

وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا " کفر کے ضمن میں ان کے دوسرے کفر کا ذکر فرمایا اور انہیں تنبیہ کی کہ تم اتنے پاگل اور بے وقوف ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اکمل و اکرم مخلوق کو رذیل و بدترین ثابت کر رہے ہو یعنی ان ملائکہ کو جو ہر وقت بارگاہ حق کے میں عبادت میں مشغول اور اس کے قرب میں مقرب ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں بتلاتے ہو اس لئے کہ لڑکیاں کنیزیں نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ انسان کی اولاد اس کی غلام نہیں بن سکتی اس میں ان کے اس عقیدہ کی تکذیب ہے کہ " الملائکۃ بنات اللہ " فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ (معاذ اللہ) " اَشَھِدُوْا خَلْقَھُمْ " یہ الشہود سے ہے بمعنی الحضور الشہادۃ سے نہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو پیدا فرمایا تھا کیا یہ کافر اس وقت حاضر تھے کہ انہوں نے آنکھوں سے دیکھا ہو کہ اللہ تعالیٰ انہیں لڑکیاں بنا کر پیدا فرما رہا ہے اگر وہ حاضر تھے تو پھر کہنے کے حق دار ہیں کہ کہیں ملائکہ لڑکیاں ہیں کیونکہ ایسا دعویٰ مشاہدہ سے ہو سکتا ہے (لیکن وہ خود اقراری ہیں کہ وہ ان کی تخلیق کے وقت موجود نہیں تھے تو ثابت ہوا کہ ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے) اس میں ان کی جہالت کا اظہار اور ان کے ساتھ تہکم ہے کیوں کہ یہ عقیدہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے سنا اور وہ بھی ان کی طرح جھوٹے اور جاہل تھے

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ نجومی جو محض اٹکل پچو اور تخمینہ سے آنے والے حالات بتاتے ہیں وہ بھی جھوٹے کذاب ہیں کیوں کہ غیب کی خبر دیتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی بتلائے تو جھوٹا ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اس حکم میں شامل نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے جانتے اور بتاتے ہیں۔ (فافہم ولا تکن من الوہابیین)

نجومی کی کہانی

ایک نجومی گھر میں داخل ہوا تو اپنی عورت کے ساتھ بیگانے مرد کو دیکھ کر واویلا کرنے لگا اور مخالف کو گالی دیں اور یہاں تک کہ ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی کسی اللہ والے کو حال معلوم ہوا تو فرمایا ؂

تو برا وج فلک چہ دانی چیست ❊ چو ندانی کہ در سرائے تو کیست

ترجمہ: تجھے آسمان کی بلندیوں کی کیا خبر جب تجھے معلوم نہیں کہ تیرے گھر میں کون ہے۔

حکایت نجومیوں کی

العماد نے فرمایا کہ ایک دفعہ نجومیوں نے بالاتفاق اعلان کیا کہ سنہ ۵۸۲ھ شعبان میں جملہ عالم آندھی کے طوفان سے تباہ و برباد ہو جائے گا اس سے تمام بادشاہوں کو بہت ڈرایا اور دلیل یہ بتائی کہ اس دن چھ ستارے المیزان میں اکٹھے ہو رہے ہیں

؂ اضافہ اویسی غفرلہ

دنیاداروں امیروں بادشاہوں وزیروں نے پہاڑوں کی غاروں میں بڑے گہرے گڑھے کھودے جب وہی رات آئی ہم اپنے بادشاہ کے ہاں بیٹھے تھے شمعیں جلتی رہیں لیکن معمولی سی ہوا بھی نہ چلی ورنہ نجومیوں نے کہا تھا کہ یہ عاد کی قوم کی طرح ہوا چلے گی (ایسے ہی ہمارے دور میں ۱۹۶۳ء میں شور برپا ہوا کہ ۱۴ راگست کے دن سخت طوفان آئے گا فقیر کو لاہور جانا تھا لوگوں نے بہت روکا فقیر نے انہیں بہت سمجھایا کہ یہ نجومیوں کی گپ شپ ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ۱۴ راگست سن مذکور میں ہم لاہور میں آرام سے گھومتے رہے ہوا کا جھونکا بھی نہ آیا لیکن یار لوگ دنیا دار خدا تعالیٰ سے دور رہنے والے انسان اپنے آپ کو رستوں سے جکڑ کر سارا دن ذلت و خواری سے وقت گزارتے رہے

سَتُکتَبُ شَہادَتُہُم ان کی گواہی ان کے عملنامے میں لکھی جائے گی یعنی یہ جو ملائکہ کے متعلق کہہ رہے ہیں اسے ان کے عملنامہ میں کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں۔ ویُسئلُونَ اور اس کے متعلق قیامت میں ان سے سوال ہوگا اس میں ان کے لئے وعید ہے۔

فائدہ: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ سَتُکتَبُ میں سین تاکید کا ہے ممکن ہے استعطاف کا ہو انہیں اپنے رحم و کرم کا اظہار فرمایا کہ اگر تم اپنے کیے ہوئے سے توبہ کر لو تو تمہیں معاف کیا جائے گا لیکن ان غریبوں کو تو اس کا علم بھی نہ تھا۔

کراماً کاتبین کی ڈیوٹی اور اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف

حدیث شریف میں ہے کہ ایک فرشتہ انسان کے دائیں مونڈھے پر ایک اس کے بائیں پر بیٹھا ہے دایاں نیکیاں لکھتا ہے بایاں برائیاں دایاں بائیں کا افسر (امین) ہے خود تو بندے کی نیکی کرنے پر دس ثواب لکھ لیتا ہے لیکن بندے کی برائی کرنے پر وہ بائیں والے کو لکھنے سے روک کر فرماتا ہے ذرا ٹھہر جا ممکن ہے برائی سے توبہ کرے۔ یا اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے استغفار کرے یا اس کی تسبیح پڑھ کر اسے راضی کر لے ایسے ہی اسے ساعات تک لکھنے سے روکے رکھتا ہے۔

کراماً کاتبین کہاں رہتے ہیں

ابن جریج نے فرمایا کہ کراماً کاتبین دو فرشتے ہیں۔

(۱) دائیں جانب

(۲) بائیں جانب،

دائیں جانب والا بندے کی نیکی دوسرے کی شہادت کے بغیر لکھ لیتا ہے لیکن بائیں جانب والا بندے کی برائی لکھنے کے وقت دائیں جانب والے کو گواہ بناتا ہے جب انسان بیٹھا ہوتا ہے تو دایاں دائیں جانب اور بایاں بائیں جانب ہوتا ہے جب چلتا ہے تو دایاں آگے اور بایاں پیچھے جب سوتا ہے تو دایاں سرہانے کی طرف اور بایاں پاؤں

٭ اضافہ اویسی غفرلہٗ

کی طرف رہتا ہے۔

مسئلہ: کفار کے ساتھ بھی اہل ایمان کی طرح نگہبان فرشتے اور کراماً کاتبین ہوتے ہیں۔

(سوال) تم کہتے ہو کہ کافر کتنا ہی نیکیاں کرے اس کی نیکیاں نہیں لکھی جاتیں پھر اس کے ساتھ دائیں فرشتے کے رہنے کا کیا فائدہ۔

(جواب) چونکہ وہ بائیں فرشتے کا گواہ بھی ہے اگرچہ وہ کچھ لکھتا نہیں لیکن بائیں فرشتے کا گواہ تو ہے۔

فائدہ: بعض محدثین نے فرمایا کہ ملائکہ انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں صرف جماع اور قضائے حاجت کے وقت دور ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ۔ شرح الطریقہ میں ہے کہ جماع اور قضائے حاجات کے وقت بولنا سخت مکروہ ہے اس لئے کہ اس وقت کی گفتگو سے فرشتوں کو سخت تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ انہیں انسان کے ہر عمل کو لکھنا ہوتا ہے۔

(سبق) انسان پر لازم ہے کہ وہ ادب کرے اور اپنے ہر عمل کی حفاظت کرے اور برائی سے دور بھاگے اور نیکی کے لئے جلد بازی سے کام لے۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کے ہاں خیر و شر کے خزینے ہیں ان کی چابیاں انسان خود ہیں وہ انسان بڑا خوش قسمت ہے جو خیر اور بھلائی کی کنجی ہے اور وہ انسان بہت بڑا بدبخت ہے جو برائیوں کی کنجی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مہلت بخشتا ہے تاکہ برائیوں سے توبہ کر سکے اور نیکیاں کما سکے اور پھر انہیں دنیا میں بھی عذاب نہیں دیتا تاکہ انسان کو اپنے پروردگار کے عفو اور لطف و احسان پر بھروسہ ہو کیونکہ اسے لطف و احسان محبوب تر ہے۔ غضب یا انتقام اس کے ارادے میں شامل نہیں اسی لئے بندوں کو مہلت بخشتا ہے تاکہ کفر و معاصی سے توبہ کر سکیں ؎

(۱) بیا تا بر آریم دستی ز دل ⁂ کہ نتواں بر آورد فردا ز گل

(۲) نریزد خدا آب روئے کسے ⁂ کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ: (۱) آ تاکہ ہم دل سے ہاتھ لائیں یعنی عمل نیک کریں کیوں کہ کل یعنی مرنے کے بعد مٹی سے باہر نکلنا نہ ہو سکے گا یعنی کوئی عمل نہ ہو سکیگا

(۲) اللہ تعالیٰ اس کی عزت ضائع نہیں کرتا جو گناہوں سے آنکھوں سے آنسو بہائے۔

اللہ تعالیٰ سے توفیق کی استدعا ہے کہ ہمارے سے وہ کام کرائے جو اسے محبوب اور پسند ہوں

تفسیر عالمانہ "وقالوا لو شاء الرحمٰن ما عبدناهم" یہ ان کے کفر کے دیگر فن کا بیان ہے یعنی وہ کافر و مشرک جو ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر رب رحمٰن چاہتا تو ہم ملائکہ

کی پرستش نہ کرتے اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ ملائکہ کی پرستش اللہ تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق ہے۔
(معاذ اللہ) ان کا عقیدہ تھا کہ اگر یہ عمل قبیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں روکتا چونکہ اس نے انہیں روکا نہیں اسی
لئے انہیں یقین تھا کہ اس سے وہ راضی ہے حالانکہ خود بھی معترف تھے کہ یہ قبیح عمل ہے۔

فائدہ: ان کے کلام باطل کی بنیاد دو مقدموں پر ہے

(۱) ان کا ملائکہ کو پوجنا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔

(۲) جب وہ اس کی مشیت ہے تو راضی بھی ہے

دوسرے مقدمہ میں صریح خطا کھا بیٹھے اس لئے کہ مشیت کے
معنی بعض ممکنات کو بعض دوسروں کو ترجیح دینا اس میں جانبین میں سے جانب واحد کے لئے رضا و عدم رضا کا اعتبار
نہیں ہوتا اس لئے ان کی جہالت کا اظہار فرمایا کہ "مالہم بذلک من علم" اس کا انہیں علم نہیں یعنی یہ جو کہتے ہیں
کہ ان کے ان اعمال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اور رضا بھی ہے یہاں نیز مطلق مشیت مراد نہیں اس لئے کہ مطلق
مشیت کی بے شمار آیات صریحہ موجود ہیں اور انہیں اس کا مستند علم نہیں "ان ھم الا یخرصون" نہیں ہیں وہ
مگر یہ کہ جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ الخرص بمعنی کذب آتا ہے اور ہر وہ بات جو ظن و تخمین سے ہو اسے بھی
خرص کہتے ہیں وہ واقع کے مطابق ہو یا مخالف اس لئے کہ کہنے والے نے وہ بات نہ علم سے کہی اور نہ ہی غلبہ ظن
سے اور نہ ہی کسی معتمد علیہ سے سنا کہ جس کے ظن و تخمین پر اعتماد کیا جائے جیسے تخمینہ کرنے والے اپنے امور
میں تخمینہ کرتے ہیں اور جو شخص اس طرح کی باتیں کہے وہ جھوٹا ہوتا ہے اگرچہ اس کی بات مخبر بہ کے عین
مطابق ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا "اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول
اللہ الی ان قال ان المنافقین لکاذبون" جب تمہارے پاس منافق آ کر کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں
لیکن منافقین جھوٹے ہیں۔

مسئلہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اگر مشیت
کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اہلِ ایمان سے صادر ہو تو توحید ہے۔ اگر کافر سے ہو تو کفر ہے کیونکہ وہ یہ اسناد
عناد۔ تعصب اور حقیقۃ الامر سے جہالت کی وجہ سے کہتا ہے "ربط" دوسرے مضمون کی طرف رجوع فرمایا تاکہ
معلوم ہو کہ ان کی نقل کی سند بھی جھوٹی ہے۔ کما قال "ام اٰتینٰھم" کیا ہم نے انہیں دی "کتابا من قبلہ"
قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یا ان کے اس دعویٰ سے پہلے جو کہا کرتے ہیں کہ بت پرستی یا ملائکہ
کو بنات اللہ کہنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور مشیت سے "فہم بہ" پس وہ اسی کتاب کے ساتھ "مستمسکون"
تمسک اور اسی پر اعتماد کرنے والے ہیں "اور ظاہر ہے کہ ان کے ہاں کوئی کتاب نہیں۔ اس اعتبار سے
ان کے پاس نقلی حجت ہے نہ عقلی

(حل لغات) استمسک اہل عرب اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے سے تمسک کریں۔ تاج المصادر میں ہے کہ الاستمساک بمعنی چنگل مارنا اس کی باء تعدیہ کی ہے المفردات میں ہے مد امساک الشئی بمعنی کسی شے سے متعلق ہونا اور اسے محفوظ کرنا اور استمسکت بالشئی یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے کے امساک میں جدوجہد کی جائے۔ مد بل قالوا انا وجدنا آباء نا علیٰ امۃ" بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباء کو ایک دین پر پایا۔ امۃ بمعنی دین اور وہ طریقہ جس کا قصد کیا جائے امام راغب نے فرمایا امۃ بمعنی وہ جماعت جسے کوئی امر جمع کرے وہ امر دینوی ہو یا دینی یا وہ ایک زمانہ میں جمع ہوں یا ایک مکان میں اس کا جمع کرنا تسخیرا ہو یا اختیارا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے اپنے آباء کو ایسے امر پر پایا جس پر سب مجتمع تھے "وانا علیٰ آثارھم مھتدون" مہتدون انّ کی خبر ہے اور ظرف مہتدون کا صلہ ہے اس کی تقدیم تخصیص کے لئے ہے اور اسے علیٰ سے اس لئے لایا گیا کہ ثبوت کے معنی کو متضمن ہے الاثر بفتحتین بمعنی شئے کا بقیہ آثار بمعنی اعلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن مبارکہ کو بھی اس لئے آثار کہا جاتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ اثر بمعنی اس شے کا حصول جو اس کے وجود پر دلالت کرے اس لئے وہ طریقہ جو متقدمین پر دلالت کرے اسے اثر کہتے ہیں اب معنی یہ ہوا کہ کفار نہ تو کوئی دلیل عقلی لائے نہ نقلی بلکہ خود معترف ہیں ؎

چہ قدر را بتقلید توان پیمودن ... رشتہ کوتاہ بود مرغ نو آموختہ را

ترجمہ: کس قدر تقلید کے لئے چلنا چاہیے اس لئے کہ نو آموز پرندہ کا دھاگہ کوتاہ ہوتا ہے

غلط تقلید کی مذمت اور ازالۂ وہم غیر مقلدین

اس میں تقلید کی مذمت ہے تقلید کا مطلب یہ ہے کہ بلا دلیل کسی کی بات ماننا فروع ومسائل شرعیہ میں تقلید جائز ہے ہاں اعتقادیات اور اصول دین میں تقلید ناجائز ہے بلکہ اعتقادیات میں نظر واستدلال ضروری ہے۔

مسئلہ۔ مقلد کا ایمان عند الاحناف واہل ظواہر صحیح اور درست ہے یعنی جو امور اس پر واجب ہیں مثلاً عالم کو حادث اور صانع کے وجود اور اس کے صفات اور ارسال الرسل اور وہ جو کچھ لائے انہیں بلا دلیل حق مانتا ہے تو اس کا ایمان قابل قبول ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراب اور بچوں اور عورتوں اور غلاموں اور کنیزوں کا ایمان صحیح مانا حالانکہ وہ دلائل کو جانتے تک نہیں تھے۔

مسئلہ ترک دلائل کی وجہ سے عامی مقلد گنہگار ہوگا اور استدلال کا مقصد یہ ہے کہ اثر سے مؤثر کی طرف اور مصنوع سے صانع کی طرف جس طریق سے بھی ہو منتقل ہونا اس میں صغری۔ کبری اور نتیجہ نکالنے کے لئے مقدمات کو مرتب کرنے (جیسا کہ علم معقول میں ہوتا ہے) کی کوئی ضرورت نہیں۔ مثلاً جو اسلامی ملک میں پیدا ہوا، پلا اور

جوان ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی صنائع کو دیکھ کر کہہ دیتا ہے۔ سبحان اللہ وہ تقلید کی تعریف سے خارج ہے یعنی اس کا ایمان مقلدانہ نہیں بلکہ محققانہ ہے (کذا فی فصل الخطاب)

فائدہ: علم ضروری علم نظری سے اعلیٰ و افضل ہے اس لیئے کہ علم ضروری کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتا۔ یہ کشف وعیان کا مقدمہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مشاہدہ کے بعد کسی واسطہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ؎
ساکنان حرم از قبلہ نما آزادند۔ حرم کے رہنے والوں کو قبلہ نما کی ضرورت نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون شدی بر بامہائے آسمان ؛ سرد باشد جستجوئے نردبان

ترجمہ: جب تو آسمان کی چھت پر چڑھ جائے تو سیڑھی کی جستجو ختم ہو جائے گی۔

(وکذلک) جیساکہ مذکور ہوا کہ وہ حجۃ قائم کرنے سے عاجز ہیں اور تقلید میں گرفتار ہیں ایسے ہی ما ارسلنا من قبلک فی قریۃ من نذیر" ہم نے آپ سے پہلے کسی ڈرسنانے والے کو کسی بستی میں نہ بھیجا" الا قال مترفوھا" مگر اس کے لیڈروں اور جابر ظالموں نے کہا "انا وجدنا آباءنا علی امۃ بینک" ہم نے اپنے آباء کو ایک طریقہ اور دین پر پایا ہے وانا علیٰ آثارھم اور ہم ان کے طریقے اور اعمال پر "مقتدون" اقتدا کرنے والے ہیں، ما ارسلنا الخ جملہ مستانفہ ہے اور دلالت کرتا ہے کہ ان کے آباء بھی ان کی طرح اندھے مقلد تھے ان کے پاس بھی کوئی سند نہیں تھی۔

(نکتہ) مترفین کی تخصیص اس لئے کہ تنعم اور باطل امور کی محبت نے انہیں تقلید کا دیوانہ بنا دیا تھا

(حل لغات) اترفتہ النعمۃ یعنی اسے نعمت نے سرکش بنایا اور مترفین سے اغنیاء اور وہ لیڈر مراد ہیں جنہیں نعمت اور دنیا کی وسعت عیش نے سرکش بنا کر اخروی نعمتوں سے غافل کر دیا تھا۔

تفسیر صوفیانہ

اسمیں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو شہوات نفسانیہ میں منہمک اور لوازم دین اور احکام شرع سے متنفر ہیں۔

(حدیث شریف) میں ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو دنیا داروں کی طرف راغب اور ان عبادت گزاروں سے متنفر ہیں جو قرآن کے عامل ہیں لیکن ان کی طباع کے موافق نہیں اس معنی پر وہ بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض آیات سے کفر کرتے ہیں اور ان امور یعنی قدر معلوم اور رزق مقسوم اور اجل مقرر کو بغیر سعی کے حاصل کرتے ہیں اور وہ امور جو بعبر موفور اور سعی مشکور کو سعی سے حاصل کیا جاتا ہے اسے حاصل نہیں کرتے اور اس تجارت کے لئے کوشش نہیں کرتے جس کو کبھی نقصان نہیں ہوتا بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی امور کو اپنے ذمہ کرم لگایا ہے لیکن اخروی امور ہمارے لئے طلب فرمائے ہیں کاش ہم سے وہ دنیا طلب فرماتا اور آخرت اپنے ذمہ کرم اٹھاتا۔

(سبق) عقلمند وہ ہے جو ہدایت یافتہ بزرگوں کی اقتداء میں رہتا ہے اور آخرت کی تعمیر میں مشغول ہوتا ہے جیسا کہ ارباب یقین کا طریقہ ہے حضرت صائب نے فرمایا ؎

بر نمی آئی بہ تعمیر ایوان زنہار ۔۔ تا تواں عمر خود صرف کر نعمت ایوان مکن
کار عاقل نیست بند خویش محکم ساختن ۔۔ عمر خود را صرف در تعمیر ایں زندان مکن

ترجمہ: مختلف نعمتوں کے حصول پر تو کامیاب نہ ہوگا جہاں تک ہو سکے عمر دوسروں کا کھا مختلف نعمتوں کی فکر نہ کر۔

عقلمند کا کام نہیں اپنے بند مضبوط کرنا اپنی عمر اس قید خانہ کی تعمیر میں ضائع نہ کر۔

"قال" ان منذرین میں ہر ایک منذر نے اپنی امتوں کو فرمایا جب کافروں نے بت پرستی کی علت بیان کی "اولو جئتکم" کیا تم اپنے آباء کی تقلید کرتے ہو اگرچہ لاؤں تمہارے ہاں "باھدی" ایسا دین جو زیادہ ہدایت و رشد والا ہو "مما وجدتم علیہ آباءکم" اس سے کہ جس پر تم نے اپنا آباء کو پایا یعنی وہ گمراہی پہ تھے اور ہدایت سے کوسوں دور۔

(سوال) اھدیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی ہدایت تھی۔

(جواب) یہ ان کے عقیدہ کے مطابق فرمایا اس لئے کہ وہ اپنی گمراہی کو ہدایت سے تعبیر کرتے تھے "قالوا انا بما ارسلتم بہ کافرون" ہر امت کے کافروں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جواب دیا کہ جو کچھ تم لائے ہو اس سے ہم کافر ہیں یعنی ہم اپنے آباء کی اقتداء میں بہت زیادہ ہدایت پر ہیں اور اسی پر ہم ثابت قدم ہیں اس سے ہم سرمو نہیں ہٹیں گے اس میں ان کی حکایت کو اختصاراً بیان کیا گیا ہے جیسے "یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات" میں

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ وہ کفار اپنے آباء کی تقلید میں ڈٹے ہوئے تھے اور گمراہی پر مصر تھے کہ اس سے ہٹنے کا تصور بھی مٹا چکے تھے اور رسل کرام کو مایوس کن باتیں سنائیں کہ وہ تمہاری باتوں میں آنے والے نہیں اور نہ ہی وہ ان باتوں کو خیال میں لانے کے لئے تیار ہیں ؎

خلق را تقلیدشان بر باد داد ۔۔ کہ دو صد لعنت برین تقلید باد
گرچہ عقلش سوئے بالا می برد ۔۔ مرغ تقلیدش بہ پستی می پرد

ترجمہ: مخلوق کو ان کی تقلید نے برباد کیا ایسی تقلید پر ہزار لعنت۔

اگرچہ اس کی عقل اوپر جانا چاہتی ہے لیکن اسے تقلید کا مرغ نیچے گراتا ہے۔

تفسیر عالمانہ "فانتقمنا منھم" ہم نے ان مقلدین معاندین کی جڑ کاٹ کر بدلہ لیا اس لئے کہ ان کا کوئی مذر باقی نہ چھوڑا "فانظر کیف کان عاقبۃ المکذبین" پس دیکھیے ان مکذبین کا انجام کیا ہوا یعنی ان امم مذکورین کا کیا حشر ہوا کہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی خلاصہ اے محبوب علیہ السلام آپ اپنی قوم کی تکذیب سے ملال نہ کیجئے اس لئے کہ آپ کا پروردگار ان سے اپنے اسم منتقم سے بدلہ لے گا کیونکہ ہر شئے پر اسی کا قبضہ اور وہی ہر شئے پر غالب ہے۔

ملفوظ علی رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے یعنی نیک بخت وہ انسان ہے کہ جب دوسرے کا فردن بے دینوں اور نالائقوں کو پند و نصیحت کی جائے تو وہ اپنے لئے نصیحت سمجھ کر اس پہ کاربند ہو۔

حکایت ثعلبی نے لکھا کہ شیر، بھیڑیا، لومڑی، شکار کو چلے۔ حمار وحشی، ہرن، خرگوش کا شکار کر لائے شیر نے بھیڑیے کو تقسیم کا فرمایا تو بھیڑیے نے کہا کہ حمار وحشی آپ کے لئے اور ہرن میرے لئے اور خرگوش لومڑی کا۔ شیر نے غصہ سے بھیڑیے کے سر پہ تھپڑ مارا تو بھیڑیا شیر کے آگے گرا پھر شیر لومڑی سے مخاطب ہوا تو لومڑی نے کہا کہ آپ گدھا کو صبح کو تناول فرمائیے ہرن کو رات کو کھائیے اور خرگوش ان دونوں کھانوں کے درمیان کھائیے۔ شیر نے لومڑی سے کہا یہ تقسیم تو نے کہاں سے سیکھی لومڑی نے کہا اس سزا نے مجھے سبق دیا جو بھیڑیے نے پائی۔

(سبق) انسان تمام موجودات سے زیادہ عقلمند ہے وہ اس طرح کی نصیحت بہت کم حاصل کرتا ہے۔

حکایت بادشاہ نے اپنی باکرہ لڑکی سے پوچھا کہ لذیز ترین کیا شے ہے اس نے کہا شراب، جماع، حکومت بادشاہ نے کہا تجھے کیسے معلوم ہوا جب کہ تجھے ان تینوں کی ہوا تک نہیں لگی۔ لڑکی نے جواب دیا شراب کے متعلق تو یوں معلوم ہوا کہ آپ اسے پیتے ہیں تو پھر سر کے درد سے دھاڑیں مارتے ہو لیکن پھر بھی پیتے ہو۔ ایسے ہی تم میری والدہ سے ملاقات (جماع) کرتے ہو) اور وہ بچے جنتے وقت موت کے قریب ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود پھر بھی وہ تمہارے بستر پر پڑی نظر آتی ہے حکومت کا معاملہ بھی یوں ہے کہ میں آپ کے ملازموں کو دیکھتی ہوں کہ آپ سے سخت سے سخت تر سزائیں پاتے ہیں لیکن پھر بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتے اس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ تینوں معاملے دنیا میں لذیز ترین ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ندانستی کہ بینی بند بر پائے ۔ چو در گوشت نیاید پند مردم
دگر رہ گر نداری طاقت نیش ۔ مکن انگشت در سوراخ کژدم

ترجمہ : تمہیں معلوم نہیں کہ جس کے پاؤں کسی لذت میں جم جائیں ہزار نصیحت کرو قبول نہ ہوگی۔
اگر تجھے دکھ اٹھانے کی طاقت نہیں تو بچھوں کی بلوں میں انگلی نہ دبا۔

فائدہ : امثال میں کہا کرتے ہیں۔ " المومن لا یلدغ من جحر مرتین " مومن ایک بل سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نفس ناسیہ فاسیہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیا میں گناہوں کے وبال کو دو بار نہیں چکھتا یعنی جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ اور اس کی سزا کا تصور لاتا ہے تو پھر اس گناہ کے قریب نہیں بھٹکتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت و توفیق اور عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا
تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝
وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ بَلْ
مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ
مُّبِيْنٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ
الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ
نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا
بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ
وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ
النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ
سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ
اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ
لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ
لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے سوا اس کے جس نے مجھے پیدا کیا کہ ضرور وہ بہت جلد مجھے راہ دے گا اور اسے اپنی نسل میں باقی کلام رکھا کہ کہیں وہ باز آئیں بلکہ میں نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو دنیا کے فائدے دیئے یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف بتانے والا رسول تشریف لایا اور جب ان کے پاس

حق آیا بولے یہ جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں اور بولے کیوں نہ اُتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔ کیا تمھارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں۔ ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا اور ان میں ایک کو دوسرے پر درجوں بلندی دی کہ ان میں ایک دوسرے کی ہنسی بنائے اور تمھارے رب کی رحمت ان کی جمع جتھا سے بہتر ہے اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک دین پر ہو جائیں تو ہم ضرور رحمٰن کے منکروں کے لیے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں بناتے جن پر چڑھتے اور ان کے گھروں کے لیے چاندی کے دروازے اور چاندی کے تخت جن پر تکیہ لگاتے اور طرح طرح کی آرائش اور یہ جو کچھ ہے جیتی دنیا ہی کی اسباب ہیں اور آخرت تمھارے رب کے پاس پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

تفسیر عالمانہ

واذ قال ابراھیم لابیہ اور اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جب کہ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نکلنے کے بعد اپنے اب یعنی چچا تارخ کو جسے آزر کہا جاتا ہے اور چونکہ بت گڑھتا تھا اسی لئے اسے آزر سے تعبیر کیا جاتا ہے "وقومہ" اور اپنی قوم کو جو کہ آبائی تقلید میں بت پرستی میں منہمک تھے اسی لئے ان سے بیزاری کے طور فرمایا انني براء مما تعبدون میں اس سے بری الذمہ ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور وہ اسی لئے فرمایا کہ آپ نے توحید پر براہین قاطعہ قائم فرمائے تاکہ اعتدالی مسلک پر چلیں اور اقتدا کریں اگر وہ خواہ مخواہ تقلید کے عاشق ہیں تو پھر اس مسلک حق پہ آجائیں جو کہ ان کے آباء کا بہترین اور اشرف مسلک ہے براء بمعنی البار مصدر ہے اور آپ کا اپنے آپکو اس صفت سے موصوف کرنے سے مبالغہ مطلوب ہے اسی لئے یہ صیغہ مذکر و مونث اور واحد کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور جمع کے لئے بھی مثلاً کہتے ہیں "نحن البراء" اور بری مذکر واحد کیلئے اور مونث واحد کے لئے بریئۃ اور جمع کے لئے بریئات آتا ہے اس کا معنی یہ ہوا کہ میں تمہاری غیر اللہ کی پرستش سے بیزار ہوں یہ اس وقت ہے جب کہ ما مصدریہ ہو یا معنی یہ ہوگا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں یہ اس وقت ہے جب کہ ما موصولہ ہو اس وقت اس کا عائد محذوف ہوگا۔ الا الذی فطرنی یہ استثناء منقطع ہے اگر معبودوں سے ان کے بت مراد ہوں اب معنی یہ ہوگا کہ لیکن میں اس سے بیزار نہیں ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ الفطر بمعنی مٹے کو لیے پیدا کرنا جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو مثلاً کہا جاتا ہے "فطرت البئر" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کنویں کو از سر نو کھودا جائے اور اس سے پہلے کوئی کنواں نہ تھا کہ جسے کھودا گیا یا یہ استثناء متصل ہے اس معنی پر مستثنیٰ میں۔ ذوی العقول و غیر ذوی العقول ہر طرح کے معبود شامل ہیں وہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ بت پرستی کرتے تھے یا یہ الا صفت کا ہے اس معنی پر ما موصوفہ ہے اب معنی یہ ہوگا کہ میں تمہارے تمام معبودوں سے بیزار ہوں

سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا کیونکہ الا بمعنی غیر جمع منکر غیر محصور کی صفت واقع ہوتا ہے اور موصوف یہاں پر الٰہۃ ہے جیسا کہ ابن حاجب کا مذہب ہے " فانہ سیھدین " تو وہی مجھے ہدایت پر ثابت قدم رکھیگا اور مجھے وہ راہ دکھلائے گا جو اس پہلے سے اعلیٰ اور برتر ہوگا اسی لئے یہاں پر سین استقبالیہ لائے حالانکہ سورۂ شعراء میں سین استقبالیہ نہیں۔ کما قال تعالیٰ " فہو یہدین " موزوں تر یہ ہے کہ یہ سین تاکید کا ہے استقبالیہ نہیں اور صیغۂ مضارع استمرار کے لئے یعنی مجھے اس کی دائمی ہدایت نصیب ہوتی ہے زمانہ حال میں بھی اور زمانہ استقبال میں بھی " وجعلہا " اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو عین کلمہ توحید بنایا اس لئے کہ ان کا " فانہ سیہدین " کہنا بھی توحید ہے اور پھر اس سے قبل ان کا ہر معبود باطل سے بیزاری کا اظہار بھی معبود برحق کی توحید کا صاف اقرار ہے گویا انہوں نے اس عبارت سے صاف طور کہا " لا الٰہ الا اللہ " کلمۃ باقیۃ فی عقبہ " ایسا کلمہ جو ان کے پیچھے یعنی اولاد میں باقی رہنے والا ہو چنانچہ اس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمائی کما قال " ووصّٰی بہا ابراہیم بنیہ ویعقوب (الآیۃ) اور ابراہیم علیہ السلام پر جب نار گلزار ہوئی تو اس کے بعد بھی فرمایا جو اوپر مذکور ہوا اور اس جعل مذکور کا صدور آپ کی اولاد کے ظہور کے بعد ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے داعی الی الاسلام پیدا ہوئے۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

(حل لغات) امام راغب نے فرمایا کہ کجاوے کے پچھلے حصے کو عقب کہا جاتا ہے اس کے بعد استعارہ کے طور پر اولاد اور اولاد کی اولاد پر مستعمل ہونے لگا اولاد مذکر ہو یا مؤنث۔

ازالۂ وہم بعض فقہاء نے کہا کہ عقب کا اطلاق صرف ذکور پر ہوتا ہے کما وقع فی اجناس الناطفی اور بعض نے فرمایا کہ یہ صرف اناث کے لئے مستعمل ہوتا ہے کما نقل عن بعض الفقہاء۔ یہ دونوں قول ضعیف اور نہایت غیر معتبر ہیں اس کی لغت کی مستند کتابیں تائید نہیں کرتیں " لعلہم یرجعون " یہ جعل کی علت ہے اور ضمیر عقب کی طرف راجع ہے اور رجوع کا اسناد بھی انہی کی طرف ہے بقاعدہ۔ للاکثر حکم الکل کے قبیل سے ہے اور ترجی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی کلمۂ توحید کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رکھا ابراہیم علیہ السلام کی اس امید پر کہ مشرکین موحد کی دعوت الی التوحید پر شرک سے توبہ کرکے حق کی طرف راجع ہوں

کرامت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کرم اللہ وجہہ الکریم کہنے کا سبب

بعض مشائخ نے فرمایا کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کرم اللہ وجہہ الکریم کہنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب اپنی والدہ بی بی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے بطن اطہر میں تشریف فرما تھے تو بی بی صاحبہ جب بت کو سجدہ کرنے کا ارادہ کرتی تھی تو آپ پیٹ میں ہی اسے بت سے روک دیتے تھے۔

ازالۂ وہم اگرچہ قریش کی بت پرستی عالم میں مشہور تھی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کے لئے یہ قول حقیقت کے خلاف ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام۔ اور نیز وجعلنا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ کے ارشاد گرامی کے بھی قول مذکور منافی ہے اس کے جوابات سورہ ابراہیم میں دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو معرفت الٰہی اور دعوں الی اللہ کا مدعی ہو اور کہے کہ یہ مرتبہ مجھے عقلی لحاظ اور ریاضۃ شاقہ اور مجاہدہ سے حاصل ہوا وہ غلط ہے اس لئے کہ ان مراتب کا حضرات انبیاء علیہم السلام کی متابعت اور اللہ تعالیٰ کی رہبری کے بغیر حصول ناممکن بلکہ ممتنع ہے نہ فلاسفہ کی تعلیم اور نہ ہی براہمہ کی رہبری سے اور نہ رہبانیہ کی ہدایت سے یہ مراتب حاصل ہو سکتے ہیں۔

حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا ؎

درین بحر جز راعی نرفت ∴ گم آں شد کہ دمبال راعی نرفت

کسانے کزیں راہ برگشتہ اند ∴ برفتند و بسیار سرگشتہ اند

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید ∴ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(۱) : اس راہ میں سوائے مرد راعی کے کوئی نہیں گیا وہ گم ہوا جو راعی کے پیچھے نہ گیا۔

(۲) : وہ جو اس راہ سے گمراہ ہو گئے لیکن بہت پریشان ہوئے۔

(۳) : پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے راستہ پسند کیا وہ منزلِ مقصود تک ہرگز نہیں پہنچے گا۔

نیز اس میں اشارہ ہے کہ اہل عنایت بھی اللہ تعالیٰ کی رہبری کے بغیر معرفت الٰہی تک نہیں پہنچ سکتے ایسے لوگوں کو اگرچہ کسی نبی علیہ السلام کی دعوت بھی نہ پہنچی ہو یا کسی ولی اللہ کی رہبری نصیب نہ ہوئی ہو اور نہ اسے کسی ناصح نے نصیحت کی ہو اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو رشد و ہدایت عطا فرماتا ہے۔ تو وہ نہ صرف خود بلکہ وہ اپنی اولاد کو بھی راہ ہدایت و رشد پہ لگاتا ہے۔ اور وہ نہ کسی تقلید پہ چلتے ہیں اور نہ ہی آبائی مراسم کھینچتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے اہل بلاد کے پروگرام کی پابندی کرتے ہیں اور اہل ضلالت و اہواء و بدع سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور نہ وہم و خیال مخلوط دلائل معقولہ انہیں کچھ لغزش دے سکتے ہیں اور وہ اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں گھبراتے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا حال سب کو معلوم ہے پھر اپنی اولاد کو اسی طرح وصیت فرماتے ہیں تاکہ وہ شرک سے بچیں اور اعتقاد اہل سنت و جماعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اعمال صالحہ پر اس طرح پابندی کریں جیسے اسی کلمہ مبارکہ کے نور کا تقاضا ہے۔

تفسیر عالمانہ بل متعت ھٰؤلاء یہ کلام محذوف سے اضراب ہے یعنی جس سے وہ پُر امید تھا

وہ نہ پا سکا بلکہ میں نے ان کافروں کو ایک مدت تک نفع مند بنایا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین کفار اہل مکہ مراد ہیں "وآباہم" یا لمد یعنی ان کے آباد کو بھی عمر و نعمت سے نوازا لیکن وہ اس مہلت سے مغرور ہو گئے۔ اور شہوات نفسانیہ میں منہمک ہو کر کلمہ توحید سے روگردانی کی۔ حتی جاءھم یہاں تک ان کے ہاں آیا "الحق" حق یعنی قرآن "ورسول مبین" اور وہ رسول جن کی رسالت ظاہر اور معجزات واضح اور روشن تھے یا وہ رسول تشریف لائے جن کی توحید آیات بینات سے روشن تھی اور اس کے دلائل وحجج واضح تھے حتی تمتع کی غایۃ نہیں بلکہ اس کی غایۃ ہے جس کا سبب غرور وغیرہ ہوا۔ "ولما جاءھم الحق" اور جب ان کافروں کے ہاں حق یعنی قرآن مجید آیا تاکہ انہیں غفلت سے بیدار کر کے توحید کی رہبری کرے تو وہ اسے بجائے قبول کرنے کے کفر و سرکشی میں بڑھے اور کفر کے ساتھ معاندت حق اور اس کی استہانت کے درپے ہوئے چنانچہ فرمایا "قالوا ھذا" کافروں نے کہا یہ حق یعنی قرآن "سحر" جادو ہے باطل کو حق کی شکل میں دکھانے کا نام سحر ہے "وانا بہ کفرون" اور ہم اس سے کفر کرتے ہیں اس لئے کہ ہمیں یقین نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہو یہاں پر انہوں نے قرآن کو جادو کہہ کر ٹھکرا دیا اور اس کی تکذیب کی۔

تفسیر صوفیانہ

اسمیں اشارہ ہے کہ اہل ہوا و بدعت وضلالت حق اور اہل حق کو جادو اور جادوگر کی طرح دیکھ کر لسان حال سے کلمات کفریہ بکتے ہیں اگرچہ بظاہر اس کا دامن تھامے ہوئے ہوں۔

فائدہ، معلوم ہو کہ کفر و تکذیب اہل جہنم کے اوصاف اور قہر الٰہی کے مظہر ہیں اسی طرح یہ اوصاف قہر الٰہی کی علامات میں شمار ہوتے ہیں جس میں بھی یہ اوصاف پائے جائیں گے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ جہنم میں داخل ہوں اور ایمان و اقرار و تصدیق اہل جنت کے اوصاف سے ہیں اس لئے کہ جیسے جنۃ مظہر لطف الٰہی ہے ایسے ہی اوصاف مذکورہ لطف الٰہی کے آثار ہیں جس میں یہ اوصاف پائے جائیں گے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

تصدیق کی قسمیں

تصدیق کی دو قسم ہے۔

(۱) تصدیق لسانی اسمیں مطیع و عاصی اور خواص و عوام مشترک ہیں اور یہ تصدیق آخرت کیلئے مفید ہے اور تصدیق لسانی والا دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

(۲) تصدیق بالارکان والطاعات والاذکار واسباب الیقین اور یہ تصدیق انبیاء علیہم السلام واولیاء و صدیقین وصالحین کو نصیب ہوتی ہے جسے یہ تصدیق حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہر قسم کی آفات سے مطلقاً محفوظ رہتا ہے

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے تمام امتی بہشت میں داخل ہوں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کی گئی انکاری سے کون مراد ہے آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ بہشت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(فائدہ) اس سے حضور علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ جو میرے لائے ہوئے احکام مانتا اور علم و عمل و اعتقاد سے تصدیق کرتا ہے وہ میرا مطیع ہے اور جو نافرمان ہے وہ انکاری ہے اور امت سے امت دعوت و اجابت مراد ہے؛ پہلے جملہ میں مطلق امت مراد ہے اس سے "الامن ابی" فرما کر استثناء فرمایا اس لئے کہ امت کا اطلاق کبھی جملہ انسانوں پر ہوتا ہے جسے امت دعوت کہا جاتا ہے اور کبھی صرف اہل ایمان پر جسے امت اجابت سے تعبیر کرتے ہیں امت اجابت کو امت دعوت بھی کہہ سکتے ہیں لیکن امت دعوت کو امت اجابت نہیں کہہ سکتے۔

سبق: انسان کو چاہیے کہ وہ انکار سے بچے اور فرمانبرداری پر ثابت قدمی دکھلائے جنۃ الماوی نصیب ہوگی اس لئے کہ نجات طاعات اور اعمال صالحہ میں ہے جو خواہشات میں پھنستا ہے اور ان کے پورے کرنے کے درپے ہے اسے بہت بڑا خسارہ ہوگا ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اسی طرح بنائے جیسے اپنی کتاب مبین میں حکم فرمایا ہے (آمین)

تفسیر عالمانہ

"وقالوا" اور اہل مکہ نے کہا "لولا" حرف تحضیض ہے "نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم" کیوں نہیں نازل کیا گیا یہ قرآن ایک ایسے مرد پر جو دو بستیوں (مکہ وطائف) میں سے ایک بستی میں جو بہت بڑا آدمی یعنی مالی لحاظ اور مرتبہ کے اعتبار سے اونچا ہو جیسے ولید بن مغیرہ مخزومی مکہ معظمہ میں اور عروہ بن مسعود ثقفی طائف میں یہ "یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان" کے محاورہ سے ہے یعنی ان میں سے ایک مراد ہے وہ اس لئے کہ من ابتدائیہ ہے اور ہم نے محاورہ کی بات اس لئے کی کہ ایک مرد دو بستیوں کا کیسے ہو سکتا ہے اس معنی پر مضاف مقدر ہوگا اور جو کہتا ہے کہ یہاں مضاف مقدر کرنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ ایک شخص کا دو بستیوں کی طرف منسوب ہونا ممکن ہے جیسے عروہ بن مسعود ثقفی اس کی سکونت مکہ معظمہ میں بھی تھی اور طائف میں بھی اس لئے کہ مکہ معظمہ میں اس کی دوکانیں تھیں وہاں تجارتی کاروبار چلاتا تھا اور طائف میں اس کے باغات اور جاگیر (زمین وغیرہ) تھی وہ دونوں مقامات پر آتا جاتا اور رہائش رکھتا تھا اس معنی پر اقامت کے لحاظ سے دونوں شہروں کی طرف منسوب ہوتا تھا۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ انسان کبھی ہجرت کرکے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے تو پھر اسے دونوں شہروں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی مدنی کہا جاتا ہے اور بعض لوگ مصری شامی کہلاتے ہیں اور اہل اصول حدیث کے نزدیک دوسرے شہر کی طرف منسوب ہونا چار سال کی اقامت کے بعد صحیح ہے۔

فائدہ: اوپر کا جملہ کفار مکہ نے محض حسد کے طور پر کہا کہ رسالت و نبوت اور نزول قرآن کا منصب حضور علیہ السلام کے بجائے کسی دنیادار۔ ذی جاہ و مرتبہ دنیوی کو ملتا اس سے اگرچہ بظاہر قرآن پاک کی قرآنیت کا اقرار

ہے لیکن درحقیقت سرے سے اس کے وجود کا انکار کر رہے ہیں اس لئے کہ اگر واقعی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا
تو کسی مالدار اور ذی وقار دنیوی کے ہاں نازل ہوتا کیونکہ نبوت و رسالت ایک جلیل الشان مرتبہ ہے اسی لئے یہ
عہدہ اسے ملتا جو اس کی لیاقت و اہلیت رکھتا ہو لیکن ان پاگلوں کو معلوم نہ تھا کہ عظیم الشان • حقیقت میں وہ ہے
جسے اللہ تعالیٰ عزت وعظمت بخشے ورنہ بہت سے لوگوں کو یہ عظیم الشان مانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک
وہ حقیر ترین ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت جس کے لئے خاص فرمائے اور رسالت اسے عطا فرماتا ہے جسے وہ اس کا
اہل دیکھتا ہے

(نکتہ) عظیم کے لفظ سے عظمت و فخامت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے
کہ کفار نے عظیم مالدار کو مانا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو۔ "اہم یقسمون رحمۃ ربک" یہ جملہ انکاریہ
اور ان کی تجہیل اور ان کے فیصلے پر تعجب دلاتا ہے اور رحمت سے نبوت مراد ہے یعنی کیا ان کے ہاتھ میں رسالت
و نبوت کی کنجیاں ہیں کہ جسے چاہیں عطا کریں۔ "نحن قسمنا بینہم معیشتہم" ہم ہی ان کی معاش تقسیم کرتے ہیں
معیشت بمعنی وہ شے جو انسان کی معاش اور غذا بنے یعنی جسے وہ اپنے انسانی ڈھانچے کو برقرار رکھنے کا سبب
بنائے اس لئے معیشۃ انسان کی زندگی کا سبب اور یہ لفظ اسی کے ساتھ خاص ہے۔

مسئلہ: اہل سنت وجماعت کے نزدیک یہ حلال وحرام ہر دونوں کو شامل ہے "فی الحیوۃ" حیاۃ دنیا میں
جیسے ہماری مشیت کا تقاضا ہے جو بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے ہم نے اپنے معاملات ان کے سپرد نہیں کئے
کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری تدبیر کے سامنے ان کی کچھ نہیں چل سکتی۔ ہماری تقریر مذکور کی تائید سنعالیہ کی تقدیم (یعنی
نحن قسمنا) سے بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ تقدیم اختصاص کے لئے ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ہی ان کے رزق تقسیم
کرتے ہیں اور اس کا انہیں اعتراف ہے حالانکہ رزق تو نبوت کے مقابلہ میں کچھ نہیں اور ہم نے اس کا اختیار ان کے
ہاتھ میں رکھا بھی ورنہ اسے بھی ضائع کرتے اور خود بھی تباہ و برباد ہو جاتے جب وہ دنیوی امور کی تفویض کے اہل نہیں
تو پھر رسالت جو دین کا ایک اہم اور افضل و اعظم امر ہے انہیں کیسے سپرد کرتے "ورفعنا بعضہم فوق بعض"
اور دیگر معاشی امور میں ہم نے تمہارے بعض کو بعض پر بلند بنایا۔

(درجات) نزع الخافض کی وجہ سے منصوب ہے قرب و بُعد کے اعتبار سے ان کے درجے متفاوت ہیں جیسا کہ
حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوتا ہے انہیں بعض ضعیف ہیں اور بعض قوی اور بعض فقیر ہیں اور بعض غنی اور بعض خادم
ہیں اور بعض مخدوم بعض حاکم ہیں اور بعض محکوم۔ لیتخذ بعضہم بعضا سخریا۔ یہ تسخیر واستخدام بمعنی استخدام
کے معنی میں ہے استہزاء کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ یہاں پر استہزاء کو علت نہیں بنایا گیا۔

فائدہ: جمیع قراء نے اس کے سین کو مضموم پڑھنے پر اجماع کیا ہے اور یہی ان سے روایت مشہور ہے اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے انہیں رزق وغیرہ میں مختلف درجات۔ اس لئے بنایا تاکہ وہ ایک دوسرے کو اپنے کاروبار میں لگا سکیں اور امراء، فقراء کو مزدور بنا کر اپنے کام بنائیں۔ اس اعتبار سے وہ ایک دوسرے کی معاش کے سبب بنیں کیونکہ ایک مال دے دوسرا کام کرے اس طرح سے عالم دنیا کا قوام صحیح رہے گا یہ وسعت اور کمی اس لئے نہیں کہ اس سے دولتمند کا کمال اور تنگدست کی کمی ظاہر ہو۔ ورحمۃ ربک اور آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت یعنی نبوت اور رسالت اور اس کے متعلقات جو سعادت دارین کا موجب ہیں "خیر" اس کے اہل کے لئے بہتر ہے "مما یجمعون" اس سے جو کمینی اور فانی دنیا کے اسباب اور اس رزق (جو وہ بھی ایک عظیم رحمت ہے) جنہیں وہ جمع کرتے ہیں یعنی نبوت اور اس کے متعلق ان کے دنیوی مال اسباب وغیرہ سے بہتر ہے اگرچہ وہ دنیوی امور کو کتنا ہی عظیم اور اعلیٰ سمجھیں

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فقراء، کو مال و دولت سے نوازتا ہے لیکن اس کے بجائے علماء کو حقائق قرآن اور اس کے اسرار و رموز سے بہرور فرماتا ہے بہت سے اسرار و رموز درس و تدریس سے نصیب نہیں ہوتے جو محض اس کی عطا سے حاصل ہو جاتے ہیں ولایت اور نبوت کی تقسیم اس کے ساتھ میں ہے اور وہ نبوت و ولایت کی تقسیم میں کسی کا محتاج نہیں جیسے ایک دولت مند مال اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور جسے جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے ایسے ہی یعنی مالی تقسیم کے درجات متفاوت ہونے کی طرح علم ولایت میں درجات میں تفاوت اور اختلاف ہوتا ہے اور یہ تینوں یعنی نبوت و ولایت اور علم دنیا اور مافیہا کے اموال و ارزاق سے بہتر ہیں۔

فائدہ: معیشت کی کئی قسم ہے

(۱) ایمان
(۲) صدق
(۳) ارادہ
(۴) علم
(۵) عزمت
(۶) توبہ
(۷) انابۃ،
(۸) محبت
(۹) شوق

(۱۰) معرفۃ

(۱۱) توحید

(۱۲) فراست

(۱۳) کرامۃ

(۱۴) ارادات

(۱۵) قناعت

(۱۶) توکل

(۱۷) رضا

(۱۸) تسلیم وغیرھا جیسے انسان رزق میں متفاوت درجات رکھتے ہیں

ایسے ہی ان مقامات میں ان کے درجات میں بھی مختلف ہوتے ہیں ایسے ہی معرفت الٰہی میں بھی بعض دوسرے بعض سے بلند اور اعلیٰ ہیں ایسے ہی محبت وعشق کو سمجھئے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والوں اور اس سے لو لگانے والوں کا حال سب کو معلوم ہے اگرچہ فی نفسہ معرفۃ ومحبت میں برابر ہوتے ہیں مگر مراتب کے لحاظ سے اعلیٰ وادنیٰ کا فرق ضرور ہوتا ہے ان کی مثال بھوک مٹانے والوں کی ہے کہ فی نفسہ بھوک میں سب برابر ہیں لیکن بعض لذیذ طعام سے بھوک مٹاتے ہیں بعض ردی طعام وغیرہ سے بعض مشائخ نے اس کا فرق یوں بتایا کہ نفس کے مکروفریب اور شیطان کے وسوسہ کا جس کو جتنا زیادہ علم وعرفان ہوگا اتنا ہی اسے اعرف کہا جائے گا اور اس سے کم مرتبہ والے کو عارف اور ظاہر ہے کہ اعرف عارف سے افضل ہوگا۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس کی مثال ذکر الٰہی ہے کہ یہ دیگر اعمال سے افضل ہے اسی لئے حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذکر اللہ خیر من کثرۃ الاعمال بشرطیکہ خالصاً اللہ تعالیٰ کیلئے ہو اس میں ریا اور سمعۃ کو دخل نہ ہو

فائدہ : حقائق سلمی میں لکھا ہے کہ تفاوت درجات اخلاق حسنہ سے معلوم ہوگا جس کے اخلاق بلند ہوں گے وہ دوسروں سے افضل واعلیٰ ہوگا ؎

یکے خوب کردار وخوش خوی بود ۔۔ کہ بدسیرتاں را نکو گوی بود

بخوابش کسے دید چوں درگذشت ۔۔ کہ بارے حکایت کن از سرگذشت

دہانے بخندہ چو گل باز کرد ۔۔ چو بلبل بصوت خوش آغاز کرد

کہ برمن نکردند سختی بسے ۔۔ کہ من سخت نگرفتمے برکسے

ترجمہ : ایک اچھے کردار اور اچھی عادت والا تھا کہ بدسیرتوں کو بھی اچھی کیفیت سے یاد کرتا تھا

(۲) : کسی نے اسے مرنے کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا گزری۔

(۳) ۶ منہ کھولا اور گل کی طرح پھولا (خوش ہو کر بولا) اور بلبل کی طرح خوش آوازی سے کہا
(۴) ۶ کہ مجھ پر کوئی سختی نہیں ہوئی اس لئے کہ میں کسی پر سختی نہ کرتا تھا۔

مسلمان ظاحضر فرماتے ہیں کہ کمالات بشریہ استعداد و مذہب حق کے ساتھ مشروط ہیں اس لئے کہ جمیع مقامات نبوت و ولایت وغیرہا جیسے سلطنت و وزارت وغیرہ اختصاصیہ عطائیہ ہیں ان کو کسب و عمل سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی انہیں کسی دوسری استعداد سے تعلق ہے اگر کچھ ہے تو وہ بھی عطار و توفیق ایزدی کے بغیر نہ ہوگا کسی نے فرمایا کہ عطائے حق کو قابلیت کی ضروری نہیں البتہ قابلیت کو عطائے حق ضروری ہے اور یہ شرائط و اسباب کے بعد بجا حاصل ہوتی ہے اور جو محجوب ہے جیسے مرزا قادیانی اور اس کی پارٹی) وہ کہتا ہے کہ نبوت وغیرہ عمل اور استعداد یعنی کسب سے حاصل ہوتی ہے اور یہ حقیقت کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ ہی حقیقی متولی ہے وہ تمام لوگوں کے جملہ امور کا کفیل ہے اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں وہی کرتا ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے اللہ تعالیٰ ہیں ان لوگوں سے بنائے جو درجہ کمال کے درجات کو پہنچے ہیں (بجرمتہ اکامل الرجال) (مروان کاملین کے صدقے)

تفسیر عالمانہ

"ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ" یہاں مضاف محذوف ہے دراصل عبارت "کراہۃ ان یکون الناس الخ" تھی کیوں کہ لولا کا قاعدہ ہے کہ اس پر دوسرے جملہ کا انتفاء پہلے جملہ کی وجہ سے ہوتا ہے اگر مضاف محذوف نہ مانا جائے تو لولا کا معنی نہیں ہو سکتا اب معنی یہ ہوا کہ اگر لوگوں سے یہ اندیشہ نہ ہوتا جب وہ کافروں کو نعمتوں میں دیکھتے اور یہ نہ سمجھتے کہ یہ دنیا و دولت کفر میں ہے تو وہ اسے جمع کرنے میں مشغول ہو کر کفر میں ملت واحدہ ہو جاتے لجعلنا دنیا کی حقارت اور ہمارے ہاں اس کی ذلت کی وجہ سے اسے بنا دیتے "لمن یکفر بالرحمٰن" اس کے لئے جو پروردگار سے کفر کرتا ہے اس لئے کہ وہ مخلوق میں بدتر اور تمام لوگوں سے کمتر ہیں کما قال "اولئک ہم شر البریہ لبیوتہم" یہ مَن سے بدل الاشتمال ہے یالام بمعنی علیٰ ہے اور ضمیر کی جمع مَن کے معنی کی وجہ سے ہے جیسے مَن کے لفظا مفرد کی وجہ سے یکفر واحد کا صیغہ لایا گیا ہے۔ البیوت والابیات بیت کی جمع ہے وہ مسقف جگہ جس کا مدخل ایک جانب سے ہو اور اسے وقت بسر کرنے کے لئے تیار کیا جائے اسے بیت کہا جاتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ دراصل بیت اس ٹھکانے کو کہا جاتا ہے جو انسان کے رات گزارنے کے لئے ہو پھر اسے عام کر دیا گیا کہ اس میں رات کی قید ختم کر دی گئی یعنی انسان کے اوقات بسر کرنے کے لئے ٹھہرنے کی جگہ ابیات اس بیت کی جمع ہے جو شعر کے معنی میں آئے اور بیت عام ہے پتھر سے ہو یا مٹی سے اسے اون سے تیار کیا جائے یا بالوں سے بیت الشعر کو اسی کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ "سقفا من فضۃ" سُقُف سَقف کی جمع ہے گھر کے اوپر کا حصہ یعنی چھت "فضۃ" وہ ذی جسم شے جو پگھل کر بہنے لگے اور اس کا رنگ بھی سفید اور چمکیلا ہو یعنی چاندی اور اسے اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ اسے

ف : وہی لوگ مخلوق میں بدتر ہیں۔

کوٹ کر اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہر ضرورت کے لئے کام میں لایا جاتا ہے۔ "ومعارج" اس کا عطف "سقفاً" پر ہے معرج (بفتح المیم وکسرہا) کی جمع ہے بمعنی سیڑھی۔ امام راغب نے لکھا کہ یہ عروج سے ہے بمعنی اوپر کو چڑھنا معارج بمعنی اوپر کے چلنے کے آلات یعنی ہم ان کے لئے اوپر کو چڑھنے کے لئے چاندی کی سیڑھیاں بنا دیں معارج کے بعد من فضۃ محذوف ہے اور اس کا حذف پہلے فضہ کے ذکر کی وجہ سے ہوا ہے۔ "علیہا یظہرون" یہ ظہر علیہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اوپر کو چڑھے "ظہر الشئی" دراصل وہاں ہوتا ہے جو کوئی شے زمین پر ایسی ظاہر ہو کر کسی سے ڈھکی چھپی نہ ہو پھر اس کا اطلاق ہر ظاہر پر ہونے لگا خواہ اس کا تعلق آنکھ کے سامنے ظاہر ہونے کو ہو یا دل سے اب معنی یہ ہوا کہ وہ سیڑھیوں اور بلندیوں اور چھتوں پر آپ کو چڑھائیں۔ "ولبیوتہم" اس کا تکرار محض تقریراً ہے یعنی ہم بنا دیں گے ان کے گھروں کے لئے "ابواباً" باب کی جمع ہے بمعنی مدخل الشئی یعنی دروازے دراصل اس کا اطلاق امکنہ کے داخل کے لئے ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "باب المدینہ وباب الدار وباب البیت" وغیرہ۔ "وسررا" اور ان کے نیچے چاندی کے تخت اور چارپائیاں۔ امام راغب نے فرمایا کہ یہ سرور سے مشتق ہے بمعنی وہ شے کہ جس پر انسان بیٹھے اور اس کا اطلاق امراء کے لئے ہوتا ہے۔ میت کے سریر کو صرف لفظی تشبیہ اور پھر نیک فالی کے طور ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو کر سرور حاصل کرے گا اور اسے دنیا کے جیل خانے سے بھی نجات ملی ہے اس سے اسے خوشی ہوئی ہے اور دنیا کی جیل[ع] کی خبر حدیث شریف میں ہے۔ "الدنیا سجن للمومنین" "علیہا" وہ تختوں پر "یتکئون" سہارا کریں یہ الاتکاء بمعنی الاعتماد سے مشتق ہے۔ "وزخرفا" اس کا اصل معنی تو ذھب یعنی سونا ہے پھر استعارہ کے طور زینت کے معنی میں آتا ہے پھر اسی زینت کے پیش نظر سونے کو "زخرف" کہا جاتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ "او یکون لک بیت من زخرف" بمعنی ذہب یعنی سونا یعنی تمہارے لئے سونے کا گھر ہو اور تاج المصادر میں الزخرف بمعنی آراستن لکھا ہے اہل عرب کہتے ہیں ــــ "زوق البیت بمعنی زینہ وصورفیہ" یہ الزاق سے ہے پھر ہر منقش ومزین شے کو مزوق کہنے لگے اگرچہ اس میں تصویر وغیرہ کا سلسلہ بھی نہ ہو اب معنی یہ ہوا کہ ان کے لئے ہر طرح زیب وزینت کا سامان حاصل ہو۔ اس کا عطف "سقفا یا ذھباً" پر ہے جب کہ اسے "من فضۃ" سے محلاً منصوب بنایا جائے اب کلام یوں ہوں گا کہ "سقفا من فضۃ وزخرفا" یعنی ان کے گھروں کی چھت کا ایک حصہ چاندی کا ہو اور ایک حصہ سونے کا پھر اسے نصب کے محل پر عطف کا اعتبار کرکے منصوب پڑھا گیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرے مومن بندے کو گھبراہٹ نہ ہوتی تو میں کافر کے بدن پر لوہے کی پٹی چڑھا دیتا اور اس پر تمام دنیا ڈال دیتا

فائدہ:۔ بدن پر لوہے کی پٹی چڑھانے سے اس کی صحت بدن مراد ہے۔

(قدسی حدیث شریف) بعض کتب الٰہیہ میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میرا مومن بندہ غمگین نہ ہوتا تو میں کافر

ع: دنیا مومن کا قیدخانہ ہے۔

کے سر پر لوہے کے تاج رکھ دیتا کہ جس سے اسے نہ سر کا درد ہوتا اور نہ ہی درد سے اس کی کوئی رگ ٹپکتی۔ " وان ذلک لما متاع الحیوۃ الدنیا" یہ ان نافیہ اور لما بالتشدید بمعنی الا ہے یعنی نہیں وہی مگر یہ صفات موصوفہ مگر ایسی شے جس سے دنیا میں نفع اٹھایا جائے انہیں کوئی دوام نہیں اور ان سے سوائے ندامت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(فائدہ) لما کو بالتخفیف بھی پڑھا گیا ہے اس وقت ان مخففہ من المثقلہ ہوگا اور لام مخففہ اور ناصبہ کا فرق بتاتی ہے اور ما صلہ کا ہے اصل عبارت یوں ہوگی۔ ان الشان کل ذلک الخ یعنی بے شک یہ تمام امور مذکورہ حیاۃ دنیا کا سامان ہیں " والآخرۃ " اور آخرت مع اپنی نعمتوں کے کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ " عند ربک " تمہارے پروردگار کے ہاں یعنی اس کے حکم میں ہیں۔ " للمتقین " کفر و معاصی سے بچنے والوں کے لئے ہیں ؎

ہر کس کہ رخ از متاع فانی برتافت :: واندر طلب دولت باقی بشتافت

آنجا کہ کمال ہمتش بود رسید :: وآنچیز کہ مقصود دلش بود بیافت

ترجمہ : جس نے متاع فانی سے منہ پھیرا اور دولت باقی کی طلب کے پیچھے دوڑا۔
جہاں تک اسے ہمت نے کام دیا جو اس کے دل کا مقصود تھا پالیا۔

(سوال) پچھلے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کفار پہ دنیوی اسباب اور مال و متاع کا دروازہ کھول دے تو تمام لوگ کافر ہو جائیں گے ایسا کیوں نہیں کہ تمام دنیا و دولت کا سامان مسلمانوں کو عطا ہو تاکہ تمام لوگ اسلام قبول کر لیں۔

(جواب) اگر ایسا ہو تو لوگوں کا اسلام طلب دنیا کی وجہ سے ہوگا اور یہ منافقین کا اسلام تو ہو سکتا ہے مخلصین کا اسلام نہ ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اسلام قابلِ قبول ہے جو اخلاص سے ہو اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں پر فقر و فاقہ اور تنگدستی مسلط ہو تاکہ جو بھی اسلام قبول کرے اسے دلیل حق سے رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ جسے اسطرح سے اسلام نصیب ہوگا اس کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہوگا اس لئے کہ ثواب کا دار و مدار اخلاص اور سچی نیت پر ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا " فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ " (تو اس کی ہجرت اس طرف ہے جد هر اس نے ہجرت کی ہے)

(سوال وہابی) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو فقر و فاقہ کیوں دیا اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا اس بارہ میں ہم احادیث شریفہ بھی پیش کرتے ہو منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ۔

اگر میں چاہوں تو اپنے رب سے مانگوں تو وہ مجھے کسریٰ و قیصر جیسی شاہی عطا فرمائے۔	لو شئت لدعوت ربی عز وجل فاعطانی مثل ملک کسریٰ وقیصر (شرح الترغیب)[۱]

---

[۱] : روح البیان ص ۳۶۸ ج ۸ مطبوعہ جدید

جوابات سُنی

یہ (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے اس کے کئی جوابات ہیں

(۱) اگر حضور علیہ السلام دولتمند (ظاہراً) ہوتے تو لوگ آپ کی دولتمندی کی وجہ سے اسلام قبول کرتے (اور وہ اسلام مخلصانہ نہ ہوتا بلکہ منافقانہ ہوتا۔) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیوی اسباب نہ دیئے تاکہ جو بھی اسلام میں داخل ہو اس کا مطمح نظر صرف آخرت کی بہبودی و فلاح ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ سے نوازا۔ یہ فقراء پر شفقت کی بناء پر تھا تاکہ رسول اللہ کے فقر سے فقراء و مساکین کو تسلی ہو جیسے دولتمند کو دولت سے تسلی ہوتی ہے۔

(۳) تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ دنیا و دولت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل شئے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ وقعت رکھتی تو مکھی کے پر کے برابر بھی کافر کو نہ ملتی۔

فائدہ:

دنیا کی ذلت کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ مقصود بالذات کا سبب اور ذریعہ ہے اسی لئے دار دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دار الاقامۃ و دار الجزاء نہیں بنایا بلکہ کوچ کا گھر اور آزمائش کا مکان ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اکثر کافروں اور جاہلوں کو دنیا و دولت دی اور اس سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو کوسوں دور رکھا بلکہ دنیا اور اس کے اہل کو مبغوض بنایا۔

(سبق)

عاقل وہ ہے جو دنیا سے اتنا قدر فائدہ اٹھاتا ہے جتنا ضرورت ہے زائد سے دور رہتا ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

از رباط تن چو بگذشتی دگر معمورہ نیست ٭ زادرہے برنمی داری از منزل چرا

ترجمہ: تن کی تعمیر سے تو گذر گیا تو اس کے بعد کوئی آبادی نہیں لیکن افسوس ہے کہ نامعلوم تو منزل کے لئے زادراہ کیوں ساتھ نہیں لے جا رہا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے نوازے (آمین)

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ
لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا
قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
الْقَرِيْنُ ○ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى
الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ○ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ
تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ
فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ○ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا
عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ○ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ اِنَّكَ
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ
تُسْئَلُوْنَ ○ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ
اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ○ع

ترجمہ:۔ اور جسے رتوندآئے رحمٰن کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان تعینات کریں کہ وہ اس کا ساتھی
رہے اور بیشک وہ شیاطین ان کو راہ سے روکتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں یہاں
تک کہ جب کافر ہمارے پاس آئے گا اپنے شیطان سے کہے گا ہائے کسی طرح مجھ میں اور
تجھ میں پورب پچھم کا فاصلہ ہوتا تو کیا ہی برا ساتھی ہے اور ہرگز تمہارا اس سے بھلا نہ ہوگا
آج جبکہ تم نے ظلم کیا کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔ تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے یا اندھوں
کو راہ دکھاؤ گے اور انہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں تو اگر ہم تمھیں لے جائیں تو ان سے ہم ضرور
بدلہ لیں گے یا تمھیں دکھادیں جس کا انھیں ہم نے وعدہ کیا ہے تو ہم ان پر بڑی قدرت والے
ہیں۔ تو مضبوط تھامے رہو اسے جو تمھاری طرف وحی کی گئی۔ بے شک تم سیدھی راہ پر ہو
اور بیشک وہ شرف ہے تمھارے لیئے اور تمھاری قوم کے لیئے اور عنقریب تم سے پوچھا

جائے گا اور ان سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے۔ کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور خدا ٹھہرائے جن کو پوجا ہو۔

تفسیر عالمانہ

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن مَنْ شرطیہ ہے یعش بضم الشین عشا یعشو سے ہے بمعنی تعاشی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شبکورہ وغیرہ کی طرح دیکھے اور اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف بھی نہ ہو اور عشی یعشی از باب رضی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی آنکھ میں کوئی بیماری ہو جو رؤیت کے لئے خلل انداز ہو۔

فائدہ امام راغب نے لکھا کہ العشاء بالفتح والقصر وہ تاریکی جو آنکھ کو عارض ہو۔ اہل عرب کہتے ہیں الرجل اعشی والمرأۃ عشواء اور قاموس میں ہے العشاء وہ جسے شرات کو کچھ نظر آئے نہ دن کو اور کہتے ہیں خبطہ خبط عشواء وہ جو سواری پر سوار ہو لیکن اسے اس کا تجربہ نہ ہو اور العشواء وہ اونٹنی جو آگے کی طرف نہ دیکھ سکے اور الذکر سے قرآن مجید مراد ہے اور اس کی اضافت رحمٰن کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن رحمت عامہ ہے یا وہ مصدر مضاف الی المفعول ہے اب معنی یہ ہوا کہ جو روگردانی کرتا ہے یا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر رحمٰن ہوتا ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے یعنی قرآن یا ذکر رحمٰن سے اعراض کرتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ دنیا کے کاروبار اور اس کی زیب و زینت میں اسے بہت زیادہ مشغولی ہے اور اس کی شہوات فانیہ میں سخت ہمک ہے۔ نقیض لہ شیطانا ، ہم اس پر شیطان کو مسلط کردیں گے اور اسے شیطان کے ساتھ ملا دیں گے تاکہ شیطان اس پر ایسے مسلط ہوجائے جیسے انڈے پر چھلکا۔

(فائدہ) القیض انڈے کا اوپر والا خشک چھلکا فھولہ قرین پس وہ شیطان اس روگردانی کرنے والے کے لئے قرین ساتھی۔ ہمنشین، دمساز اور ایسا دوست جو اس سے کسی وقت بھی جدا نہ ہو اور ہمیشہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا رہے اور ہر دم اس کے دل میں بجائے ہدایت کے گمراہی اور بجائے حسن کے قبیح کو سنوار کے دکھلائے۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کے لئے اللہ تعالیٰ برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی موت کے ایک سال پہلے اس پر شیطان مسلط کر دیتا ہے یہاں تک کہ اسے ہر نیکی قبیح نظر آتی ہے اسی لئے نیکی سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے ہر برائی حسین نظر آتی ہے اسی لئے اسے عمل میں لاتا ہے

فائدہ: یہ شیطان اس ہمزاد کافر کے علاوہ ہے ورنہ مذکورہ آیتوں میں کافر کی کیا تخصیص ہے ایسا قرین تو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے تمہارے ہر ایک کے ساتھ ایک جن ساتھی ہوتا ہے اور ایک فرشتہ عرض کی گئی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے ساتھ بھی آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن میرا ساتھی مسلمان ہوگیا ہے وہ مجھے نیکی کا مشورہ دیتا ہے

حکایت شیاطین اور انسان

حضرت جامی قدس سرہ نے نفحات الانس میں لکھا کہ شیخ ابو القاسم مصری قدس سرہ کی ایک مسلمان جن کے ساتھ

دوستی تھی ایک دن آپ مسجد میں تشریف فرما تھے آپ سے جن نے کہا اے شیخ آپ ان لوگوں کو کیسے دیکھتے ہیں آپ نے فرمایا مجھے ان کے بعض خواب میں بعض بیدار نظر آتے ہیں پھر جن نے کہا آپ ان کے سروں پر بھی کچھ دیکھ رہے ہیں آپ نے فرمایا نہیں اس جن نے آپ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو آپ نے دیکھا تو بعض کے بال آنکھوں پر اور بعض کے کبھی نیچے کو آتے ہیں اور کبھی اوپر کو آپ نے جن سے پوچھا یہ کیا ہے اس نے کہا آپ کو یاد نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ومن یعش عن ذکر الرحمٰن الآیۃ " یہ وہی شیاطین ہیں جو ان پر مسلط ہیں جتنی زیادہ ان کی غفلت ہے اتنے ہی زیادہ ان پر ان کا تسلط ہے ؎

دریغ و درد کہ با نفس بد قرین شدہ ایم ؞ وزین معاملہ با دبو ہمنشین شدہ ایم
ببارگاہ فلک بودہ ایم رشک ملک ؞ زجور نفس جفا پیشہ اینچنیں شدہ ایم

ترجمہ : دریغ و درد ہے کہ ہم نفس بد کے ساتھی ہو گئے اس معاملہ میں ہم ایک بری عادت والے کے ساتھی ہوئے بارگاہ فلک میں ہم ملک کے رشک تھے لیکن نفس کے ظلم سے اب ہم ایسے ہی ہوں گے۔

(فائدہ) اس میں اشارہ ہے کہ جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رہتا ہے شیطان اس کے قریب نہیں جاتا۔

تفسیر صوفیانہ

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کو بھلاتا اور اس کے مراقبہ کو فراموش کرتا اور اس سے حیا نہیں کرتا یا اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن حظوظ نفسانیہ کو سامنے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو اس کے جملہ نفوس میں وسوسہ ڈالتا اور اس کے نفس کو خواہشات نفسانیہ کا طالب بناتا ہے یہاں تک کہ اس کے عقل و علم و بیان پر غالب ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ شہوت و غضب عقل و علم پر غالب ہو جاتے ہیں یہ سزا اسے ملتی ہے جو قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے اعراض کرتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے اعراض کر کے دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور تمام شیاطین سے سخت تر شیطان اپنا نفس امارہ ہے وہ انسان کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں اور یہ اس کی سزا ہے جو ذکر الٰہی سے اعراض کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کا ساتھی ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا اور نہ ہی خلوت مع اللہ کی قدر پہنچانتا ہے اور ذکر الٰہی سے منہ پھیرتا ہے اور خواطر نفسانیہ شیطانیہ کے ساتھ رابطہ قائم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ان امور کو مسلط کر دیتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی مشغولیت سے محروم کر دیں اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ خلوت میں ذکر زبانی میں مشغول ہوتا ہے تو اس سے ماسوی اللہ کی نفی اور لا الٰہ الا اللہ کا اثبات حق ہو جاتا ہے جو جس کے درپے وہ امور ہوتے ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کی مشغولیت سے محروم کر دیتے تو اس سے سطوات الٰہیہ ہٹ جاتے ہیں اور جو اپنے قلب کی فراغت کی قدر د

منزلت کو نہیں پہچانتا اور اپنی شہوات کی اتباع بلکہ اپنے اوپر شہوات نفس کا دروازہ کھول دیتا ہے تو پھر وہ اکثر اوقات نفس کی خواہشات میں مقید رہتا ہے اور اس پر نفس کے صفات غالب رہتے ہیں۔

حکایت سفیان بن عینیہ نے کہا کہ عرب کی ضرب المثل کا اصل قرآن مجید میں موجود ہے ان سے پوچھا گیا کہ اس مثل کی اصل کہاں ہے فرمایا مشہور ہے۔ اعط اخاک تمرۃ فان ابی فجمرۃ" اپنے بھائی کو کھجور کا صرف ایک دانہ دے اگر انکار کرے تو اسے انگارہ دے۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ آیت ،، ومن یعش الخ (اسی مثل سے ہے)

تفسیر عالمانہ وانہم بے شک وہ شیاطین جنہیں قرآن سے روگردانی کرنے والوں پر مسلط کیا جاتا ہے۔ لیصدونہم البتہ وہ ساتھیوں کو روکتے ہیں جمع کی ضمائر مَن کے معنی کی وجہ سے ہیں جیسا کہ سابقہ ضمائر کو مفرد لانا مَن کے لفظ کی وجہ سے تھا،، عن السبیل" اس روشن راستے سے کہ جس کا حق یہ ہے کہ اس پر انسان چلے وہی جس کی قرآن مجید نے دعوت دی ہے "ویحسبون" حالانکہ وہ روگردانی کرنے والے گمان کرتے ہیں" انہم "بے شک وہی شیاطین ،، مہتدون" راہ مستقیم پہ ہیں ورنہ انہیں ان کی اتباع کی ضرورت نہ تھی یا اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک وہی کافر ہدایت پر ہیں کیونکہ شیاطین کو ہدایت والا یقین کرنا مستلزم ہے اس عقیدہ کو کافر اپنے آپ کو سمجھیں کہ وہ ہدایت پر ہیں کیوں کہ ان دونوں کا مسلک و مذہب ایک تھا۔ "حتی اذا جاءنا" یہاں تک کہ وہ ہمارے ہاں آئیں گے حتی ابتدائیہ جملہ شرطیہ پر داخل ہے اور یہ ماقبل کی غایت ہے اور ابتدائیہ غایۃ کے منافی بھی نہیں اب معنی یہ ہوا کہ یہ روگردانی کرنے والے شیاطین کی رفاقت و مقارنت اور اپنی صداقت وحقانیت کے باطل گمان پر زندگی بسر کرنے کے بعد قیامت میں اپنے شیاطین ساتھیوں کے ساتھ ہمارے ہاں آئیں گے ،، قال" کافر شیطان کو مخاطب ہو کر (قیامت میں) کہے گا۔

،، یالیت بینی وبینک" کاش دنیا میں میرے اور تیرے درمیان "بعد المشرقین" دو مشرقوں کا فاصلہ ہوتا یعنی ہم دونوں مشرق و مغرب کے فاصلہ پر ایک دوسرے سے دور ہوتے یہاں پر مشرق کی تغلیب سے مغرب کو بھی مشرق قرار دے کر بُعد کو مشرقین کی طرف منسوب کیا گیا ہے خلاصۂ بحث یہ ہے کہ نسبت کا قانون ہے کہ دو منتسبون میں سے صرف ایک طرف مضاف ہوتی ہے کیوں کہ ایک معنی کا قیام دو محلوں میں ممتنع ہوتا ہے ہاں یوں ہوتا ہے کہ اس کا محل ایک ہوتا ہے دوسرے سے صرف اس کا تعلق ہو سکتا ہے ایسے ہی یہاں ہوا کہ جب ہم نے مغرب کو مشرق قرار دیا تو پھر اضافہ اگرچہ ناجائز ہے لیکن یہاں مذکورہ قاعدہ استعمال کیا گیا ہے اضافۃ تو اس کی طرف ہے دوسرے سے صرف تعلق ہے اور چونکہ مشرق کو مغرب کی تغلیب کی گئی ہے اس لئے بظاہر اضافہ دونوں کی طرف ہے لیکن درحقیقت ایک کی طرف ہے اب معنی یہ ہوا کہ اے شیطان تو میرے سے اتنا دور جتنا آپس میں مشرق و مغرب کو دوری ہے یعنی تو میرے سے دور ہیں تیرے سے۔

،، فبئس القرین" تو بہت برا ساتھی ہے یعنی جیسے تو دنیا میں میرا برا ساتھی تھا ایسے آخرت میں۔

حدیث شریف حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں جب کافر قبر سے اٹھے گا تو شیطان اس کے ساتھ کر دیا جائے گا جو اس سے پل بھر بھی جدا نہ ہوگا یہانتک کہ وہ اسے جہنم میں لے جائے گا جیسے فرشتہ انسان کے ہر وقت ساتھ رہے گا یہاں تک کہ وہ بہشت میں بھی انسان کے ساتھ ہوگا خلاصہ یہ کہ شیطان کافر کا دنیا و آخرت کا ساتھی ہے اور فرشتہ اہل ایمان کا۔ اس معنی پر کافر کا ساتھی بہت برا اور ایماندار کا ساتھی بہت خوب " ولن ینفعکم الیوم " یہ اس قول کی حکایت ہے جو منجانب اللہ کافروں کو زجر و توبیخ کے طور قیامت میں کہا جائے گا کہ آج تمہاری آرزو (یہ کہ برا ساتھی دور ہوتا) تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیگی " اذ ظلمتم " بوجہ تمہارے ظلم کے " دنیا میں تم نے ان کی اتباع کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور کفر و معاصی میں منہمک رہے

فائدہ: اذ تعلیلیہ ہے اور نفی کے متعلق ہے جیسا کہ سیبویہ نے کہا کہ اذ تعلیلیہ لام العلۃ کے قائم مقام آتا ہے " انکم فی العذاب مشترکون " بیشک تم عذاب میں شریک ہو یہ نفع کی نفی کی دلیل ہے یعنی حق یہ ہے کہ اے کافرو تم اور وہ شیاطین جو تمہارے ساتھی ہیں عذاب میں برابر کے شریک ہو کسی ایک کو عذاب میں تخفیف نہیں اور نہ ہوگی یا اس کا یہ معنی ہے کہ تمہاری تمنا اور آرزو کہ " ربنا آتہم ضعفین من العذاب والعنہم لعنا کبیرا " [۵] ایسے ہی دوسری آیات سے تمہارے ساتھیوں کے عذاب میں اضافہ نہ ہوگا کہ جس سے تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل بدعات و اہل اہوا کے تابع و متبوع برابر کی سزا کے مستحق ہیں اس لئے کہ جس نے کسی دوسرے کو سنت سے ہٹا کر بدعت پہ لگایا وہ گمراہ کرنے میں شیطان ہے۔ پھر جب وقت نکل جاتا ہے اور سزا سر پہ آتی ہے تو پھر غلط سلط اور باطل تمنائیں کرتے ہیں۔

فضل الیوم علی الغد ان للتاخیر آفات

ترجمہ: آج کو کل پر فضیلت ہے اس لئے کہ تاخیر میں آفات ہیں۔

سبق عقلمند وہ ہے جو اپنے حال کا تدارک کرتا اور اپنے انجام میں فکر مند رہتا ہے اور وہ ہر کالے سفید سے پہلے بھاگتا ہے جب کہ وہ اس سے بھاگے گا۔

حکایت ایک عابد زاہد اپنی خانقاہ میں عرصہ دراز تک تنہا عبادت میں مشغول رہا وقت کے بادشاہ کی لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے قسم کھائی کہ اسے کوئی بھی نہ دیکھے اور اس سے ملاقات کرے بادشاہ نے اسے اسی فقیر کی خانقاہ میں پہنچا دیا، تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو اور نہ ہی ان میں سے کوئی اس کا نکاح مانگے جب وہ لڑکی جوان ہوئی تو شیطان نے اس زاہد کے ہاں ایک بوڑھے کی شکل میں حاضر ہو کر اس لڑکی کے ساتھ زنا کرنے پر ابھارا یہاں تک کہ وہ زاہد عابد نوجوان لڑکی کے ساتھ زنا کر بیٹھا جس سے وہ لڑکی حاملہ ہو گئی جب حمل کے آثار نمایاں ہوئے تو پھر ابلیس اسی عابد کے پاس آیا اور کہا کہ تو عابد و زاہد زمانہ ہے اگر اس لڑکی کا بچہ پیدا ہوا تو تیرے

---

[۵] ۱۰ اے رب انہیں دوہرا عذاب کر اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما۔

زنا کا پردہ چاک ہو جائے گا جس سے تجھے سخت رسوائی ہوگی اس لئے میرا مشورہ ہے کہ بچہ جننے سے پہلے ہی اس لڑکی کو قتل کر کے دفن کردے اور پھر بادشاہ کو اطلاع دے دے کہ لڑکی مرگئی بادشاہ تیرا عقیدتمند ہے وہ زیادہ تحقیق و تفتیش کے درپے نہ ہوگا اس طرح تو عذاب اور رسوائی سے بچ جائے گا۔ زاہد نے شیطان کے کہنے پر لڑکی کو قتل کر کے دفن کردیا پھر شیطان بادشاہ کے ہاں عالم دین کی شکل میں حاضر ہوا اور زاہد کی تمام کہانی سناڈالی اور کہا کہ میری تصدیق یوں ہوگی کہ آپ لڑکی کی قبر کو کھود کر لڑکی کا پیٹ چاک کر کے حمل کا خود مشاہدہ فرمالیں اگر میری غلط بیانی ثابت ہو تو بے شک مجھے قتل کرادیں بادشاہ نے شیطان کے کہنے پر قبر کھدوائی اور اس کا پیٹ چاک کیا تو اس کی بات سچی نکلی بادشاہ نے زاہد و عابد کو گرفتار کر کے اونٹ پر سوار کیا اور اپنے شہر میں پہنچا کر اسے سولی پر لٹکا دیا شیطان اسی وقت عابد کے پاس آیا اور کہا کہ تو نے میرے کہنے پر زنا کیا اور پھر میرے مشورے سے لڑکی کو قتل کیا اب اگر تو مجھ پر ایمان لائے گا تو میں تجھے بادشاہ کی سزا سے نجات دلوادوں گا عابد پر چونکہ بدبختی سوار تھی اسی لئے دین حق کو چھوڑ کر شیطان پر ایمان لایا تو شیطان اس سے بھاگ کر دور کھڑا ہوگیا عابد نے کہا مجھے بچائیے۔ شیطان نے کہا میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

سبق شیطان اور نفس امارہ انسان کے ہر وقت ساتھ ہیں وہ کوشاں رہتے ہیں کہ وہ تباہ و برباد ہو

دانستہ ام کہ دردمن از خانۂ منست
وز پستی و بلندی دیوار فارغم

ترجمہ: مجھے معلوم ہوا کہ میرا چور میرے گھر میں ہے اسی لئے پستی و بلندی دیوار سے فارغ ہوں۔

تفسیر عالمانہ "افانت تسمع الصم" یہاں پر الصم سے وہ شخص مراد ہے جس میں قبولیت حق کی سمع مفقود ہو "او تھدی العمی" العمی سے وہ جس میں بصیرۃ مفقود ہو الصم الاصم کی اور العمی الاعمی کی جمع ہے اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ انہیں قول حق سنائیں گے جن کے حق شنو کان بہرے ہیں یا انہیں راہ حق دکھائیں گے جن کے حق بین قلوب اندھے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ جس کے راستے قدرت بند کردے اور راہ حق ہدایت ان سے دور رکھا جائے اور جن کے کانوں پر بدبختی اور محرومی رکھدی جائے تو تم اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آپ نبوت میں کمال رکھتے ہیں انہیں ہدایت نہیں دے سکتے اور نہ ہی انہیں حق سنا سکتے ہیں جب تک ہماری نظر عنایت اور رعایت کریمانہ نہ ہو۔

شان نزول حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے بہت بڑی جد و جہد فرماتے تھے لیکن وہ الٹا الٹے پاؤں چلتے اور شواہد نبوت کے مشاہدہ سے اندھے اور بینات قرآن سننے سے بہرے ہوتے جاتے تھے تو پھر یہی آیت نازل ہوئی۔

فائدہ : یہ ان کو تعجب دلانے کے لئے ہے گویا کہ حضور علیہ السلام کو خیال تھا کہ وہ انہیں راہ راست پر لائیں گے باوجودیکہ ان کے کفر اور گمراہی کے انہماک میں انہیں بارہا آزمایا اور وہ اس حد تک پہنچے کہ حق بین آنکھ اور حق شنو کان کھو چکے اور آپ کو اس خیال کا مدعی یا یہ معنی کہا گیا کہ آپ ایسی بد بخت قوم کی ہدایت کے لئے بہت بڑی جدوجہد کرتے رہتے تھے آپ کی اس روش کو یوں بیان کیا گیا کہ گویا آپ کو دعویٰ تھا کہ میں کافروں کو حق سنا دُوں گا اور انہیں حق منوا دُوں گا اس میں حکم کو مضبوط کرنا مطلوب ہے تخصیص مطلوب نہیں اس معنی پر تعجب کیا گیا ہے

فائدہ : ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہاں پر کیسی عجیب ترتیب ہے اس لئے کہ انسان طلب دنیا کی مشغولی اور حظوظ جسمانیہ میں میلان کی وجہ سے ایسے ہو جاتا ہے گویا اس کی آنکھ میں آشوب چشم ہے پھر جب وہ طلب دنیا اور حظوظ نفسانیہ میں بڑھتا ہے اور روحانی نعمتوں کے اعراض میں اس کا اضافہ ہوتا ہے تو اس کا آنکھ کا درد مذکور بھی بڑھ جاتا ہے پھر اس کی مثال اس شخص سی ہو جاتی ہے جسے پہلے آنکھ سے تھوڑا سا نظر آتا ہو لیکن بیماری کے اضافہ سے بالکل اندھا ہو جائے "ومن کان فی ضلال مبین" اور وہ جو کھلی گمراہی میں ہو یہاں تک کہ اس کی گمراہی کسی سے مخفی نہ ہو یعنی جس شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کے علم میں گمراہی لکھی ہوئی ہے تو پھر آپ کا اس کے لئے جدوجہد کرنا اور اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا بے سود ہے۔ اسی لئے آپ اپنے لئے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالیے اور نہ ہی بہت زیادہ جدوجہد فرمائیے

فائدہ : اس کا عطف العمی پر ہے بوجہ تغایر وصفین کے۔

ازالۂ توہم انکار اس لئے ہے کہ وہ لوگ گمراہی اور کفر میں ایسے منہمک ہیں کہ انکار سے رجوع کرنا مشکل ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت بھی نہیں دے سکتے یا آپ اس معاملہ میں کوتاہی فرماتے ہیں (معاذ اللہ)

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ یہ امور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں جس کو چاہے کسی فعل کی اجازت بخشے جس کو چاہے اجازت نہ دے اس معنی پر نہ تو کوئی کسی بہرے کو (ذاتی طور) کان یعنی حق شنوائی کی طاقت دے سکتا ہے اور نہ ہی اندھے کو راہ راست پر لا سکتا ہے کافر کو مومن بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ وہی عظیم قدرتوں کا مالک اور ہر مقدور پر اس کی قدرت کے احاطہ کا تعلق ہے اور بس۔

ع : آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنیم

وہی بہتر ہے کہ ہم اپنے جملہ امور کو اس کی عنایت کے سپرد کر دیں۔ "فاما نذھبن بک" یہ دراصل ان ما تھا ان شرطیہ اور ما زائدہ تاکید کے لئے لام قسم کے قائم مقام ہے جیسا کہ مضارع کے نون ثقیلہ کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے قسم ہو" یعنی اگر ہم آپ کو اپنے ہاں بلالیں اس سے قبل کہ آپ ان کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر شادماں ہوں۔ "فانا منھم منتقمون" تو صرف ہم ہی ان سے دنیا و آخرت میں بدلہ لینے والے ہیں ۵

مکن شادمانی برگ کسے ۔ کہ دہرت نماند پس انرے بسی

ترجمہ : کسی کی موت سے خوش نہ ہو کر زمانہ تیرے ساتھ بھی نہیں رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ

ابن عطاء نے فرمایا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے لیے دنیا میں امان ہیں اسی لئے اگر آپ کو ہم دنیا سے اٹھالیں تو پھر ان سے بدلہ لیا جائے گا۔

(سبق)

عقلمندوں پر لازم ہے کہ وہ نیک بخت (اولیاء کرام) لوگوں کا وجود اپنے لئے غنیمت سمجھیں اور ان کی دشمنی اور بغض وعداوت سے اجتناب کریں کیونکہ ان کی دشمنی تباہی وبربادی کا موجب ہے۔

فائدہ : حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر دو حجتیں ہیں۔

(۱) ظاہری۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(۲) باطنی یعنی معقول

تفسیر عالمانہ

اونرینک الذی وعدناھم " یا اگر ہم آپ کو وہ عذاب دکھائیں جس کا ہم نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم آپ کے اعداء ومنکرین سے دنیا یا آخرت میں بدلہ لیں گے اور وہ ان سے حضور علیہ السلام کے واسطہ سے ان سے دنیا میں لینے پر قادر ہے جیسے بدر میں کفار مکہ کو ذلت وخواری سے درکنار فرمایا یا ان سے حضور علیہ السلام کے واسطے کے بغیر بدلے جیسے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد کو کفار کو شکستیں دیں۔

مسئلہ : اس میں انسان کو خوف ورجاء کا سبق دیا گیا ہے نیز سمجھایا گیا ہے کہ علم غیب (ذاتی) اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور بنایا گیا ہے کہ

رکام اس کی تقدیر سے ہوتا ہے وہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سہ

اے دل تا کہ فضولی و بوالعجبی

از من نشان عاقبت می طلبی

سرگشتہ بود دل خواہ نبی

در وادی ما ادری ما یفعل بی

ترجمہ : اے دل کب تک تو بوالفضول رہے گا۔ مجھ سے کب تک انجام طلب کرے گا۔ دنیا میں ہر نبی و ولی فکر میں رہے لا ادری ما یفعل بی کی وادی میں۔

رحمتِ خداوندی حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت کے لئے خیر اور بھلائی چاہتا ہے تو امت سے پہلے نبی علیہ السلام کو اپنے ہاں بُلا لیتا ہے اور جب کسی امت کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اپنے نبی علیہ السلام کو زندہ رکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے جب وہ اس کی نافرمانی اور تکذیب کرتے ہیں تو عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں جسے دیکھ کر اس امت کا نبی علیہ السلام خوش ہوتا ہے۔

فائدہ: ہر نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو عذاب میں مبتلا دیکھا سوائے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی کہ آپ کو اپنی امت سے خوشی دکھائی اور عذاب کا معاملہ آپ کے وصال کے بعد پر موقوف فرمایا جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ کے بعد دشمنانِ اسلام پر کیا بیتی۔

سوموار اور خمیس کو حضور علیہ السلام کا اعمال امت کا دیکھنا [1] حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی علیہ السلام کو وصال کے بعد بھی اپنی امت کے حالات کا مشاہدہ کرایا اسی لئے کہ آپ وصال تک ہشاش بشاش اور خوش نظر آتے تھے۔

[1] **حدیث شریف:** حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا جینا بھی تمہارے لئے خیر اور بھلائی ہے اور موت (وصال) بھی۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حیاتِ مبارکہ تو ہمارے لئے خیر و برکت ہے لیکن آپ کی موت ہمارے لئے کیسے خیر و برکت ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا ہر پیر و جمعرات کی شام کو تمہارے اعمال میرے ہاں پیش کئے جائیں گے۔ نیکی پر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بجا لاؤں گا برائی پر تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

مسئلہ: بموجب روایت مذکورہ پیر اور جمعرات کا روزہ مستحب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

فائدہ ان کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے۔

سُنی کے مسلک کی رو ئیداد تین صدی پہلے ہم اہل سنت یوم میلاد مناتے اور اسے اہم دن سمجھتے ہیں یہی اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا دستور تھا۔ چنانچہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ، پیر کے دن کی شرافت کی علت بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لکون یوم الاثنین یوم ولادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1] اس لئے کہ پیر کا دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] روح البیان ص ۳۶۲ ج ۸ مطبوعہ مصر

کی ولادت کا دن ہے اور جمعرات کے دن کو شرافت اس لئے ہے کہ اسی دن بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔

فائدہ : ہر ایک کو موت کا پیالہ پینا ہے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی فرمایا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جس سے چاہیں محبت کریں لیکن یاد رکھیئے کہ آپ اسے چھوڑ کر آئیں گے اور عمل جو چاہیں کریں اس لئے کہ قیامت میں آپ کو اسی عمل کی جزا ملے گی اور جیسے چاہیں زندگی گزار دیں آپ کو بالآخر موت آئے گی ؎

۱ منہ دل بریں سالخوردہ مکان
کہ گنبد نیاید برگردگان

۲ گر پہلوانی وگر تیغ زن
نخواہی بدر بردن الا کفن

۳ فرو رفت جم را یکے نازنین
کفن کرد چون کرمش ابریشمین

۴ بدخمہ در آمد پس از چند روز
کہ بروئے بگرید بزاری وسوز

۵ چو پوسیدہ دیدش حریر کفن
بفکرت چنیں گفت باخویشتن

۶ من از کرم بدر کندہ بودم بزور
بکندند از وباز کرمان بزور

ترجمہ ۱ ، اس پرانے مکان (دنیا) میں دل نہ لگا اس لئے کہ ٹیلے پر گنبد تیار نہیں ہو سکتا۔

۲ ، پہلوان ہو یا تلوار مارنے والے یہاں سے صرف ایک کفن ہی لے جاؤ گے (وہ بھی قسمت میں لکھا ہو تو ورنہ بے شمار بندے بے گور وکفن ہیں)

۳ ، جمشید کا پیارا بیٹا مر گیا تو ریشم کے کپڑے سے اس کا کفن تیار کیا۔

۴ ، ایک عرصہ کے بعد اس کی قبر کھول کر اسے دیکھنے آیا تاکہ اسے دیکھ کر سیر ہو کر روئے۔

۵ ، جب دیکھا کہ اس کا ریشم پرانا ہو گیا ہے تو فکر میں ڈوب کر خود کو کہا۔

۶ ، کہ میں نے تو کیڑوں سے جبر کر کے ریشم کا کفن بنوایا لیکن کیڑوں نے زور لگا کر میرے بچے سے پھر وہ ریشم چھین لیا۔

تفسیر عالمانہ فاستمسك بالذی اوحی الیك پس قرآن کو مضبوط تھامیئے جو آپ کی طرف نازل ہوا یعنی اس کے احکام کی رعایت کرکے خواہ ہم آپ کے ساتھ ایفائے عہد کی جلدی کریں خواہ آخرت کے دن پوری کریں۔ انك علی صراط مستقیم بے شک آپ ایسے سیدھے راستہ پر ہیں کہ اس میں ٹیڑھا پن نہیں یعنی توحید اور دین اسلام۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آپ قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑیں اس لیے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے بایں طور کہ آپ اس کے اخلاق سے متخلق ہوں اور اس کے احکام کے مطابق عمل کیجئے اور جن امور سے اس نے روکا ہے اسی سے رُک جائیے اس لئے کہ آپ سیدھے راستہ پر ہیں اسی کے ذریعہ آپ ہمارے حضور پہنچیں گے۔

تفسیر عالمانہ وانہ بے شک وہ قرآن جو آپ کے ہاں نازل ہوا ہے "لذکر" بہت بڑا ذکر اور بہت بڑی عظیم شرافت اور بزرگی والا ہے (لك) بالخصوص آپ کے لئے "ولقومك" اور آپ کی قوم اور امت کے لئے عموماً۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شے کے لئے شرافت ہوتی ہے جس سے وہ فخر کرتی ہے میری امت کے لئے شرافت قرآن مجید ہے اور قوم سے امت مراد ہے ایسے ہی امام مجاہد نے فرمایا دوسرے علماء کرام فرماتے ہیں کہ قومك سے یہاں پر قریش مراد ہیں اس لیے کہ یہ عظمت والی کتاب انہیں کے ایک عظیم الشان اور بلند مرتبت شخصیت پر اتری ہے اور کواشی میں لکھا ہے کہ اس شرافت کے لائق وہ لوگ ہیں جو حضور علیہ السلام کے قریب تر ہیں اسی طرح پھر الاقرب فالاقرب کا اعتبار ہوگا جیسے قریش میں حضور علیہ السلام کو بنو المطلب قریب تر ہیں پھر بنی ہاشم پھر قریش اور ابن عطا نے فرمایا کہ یہ شرافت انہیں حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے اور آپ کی شرافت اللہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے کہ جتنا عظیم تر کی طرف نسبت ہوگی اتنا شرافت و بزرگی بلند تر ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام اور جملہ امت کو مخاطب فرمایا کہ قال وسوف تسئلون اور اس کے متعلق عنقریب یعنی قیامت میں تم سے سوال ہوگا کہ کیا تم نے قرآن مجید کے حقوق کو قائم رکھا یا نہ اور کیا تم نے اس کی تعظیم کی یا نہ اور اس کے عطا ہونے پر تم نے شکر خداوندی بجالایا یا نہ اس لئے کہ یہ نعمت صرف تمہیں عطا ہوئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قرآن مجید آپ کے اور آپ کی امت کے لئے مجھ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور یہ بہت بڑا شرف ہے جو صرف آپ کو اور آپ کی امت کو ملا ہے اس کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا کہ کیا تم نے اس شرافت اور بزرگی کا حق ادا کیا ہے یا نہ یا اس کے حق کو ضائع کیا اور اسے تحصیل منافع

دنیویہ ومطالب نفسانیہ میں صرف کیا

بعض علماء نے فرمایا کہ علوم عارفین کشف وعیان پر مبنی ہیں اور ان کے غیروں کے علوم کا دار ومدار خواطر فکریہ اور اذہان پر عارفین کا ابتدائی طریقہ تقویٰ اور اعمال صالحہ ہیں اور دوسروں کا ابتدائی طریقہ مطالعۂ کتب اور حصول مصالح کے لئے مخلوق سے استمداد۔ عرفاء کے علوم کا انتہائی مقام حیّ قیوم کے حضور کی حاضری اور دوسروں کے علوم کی انتہا تحصیل وظائف ومراتب ومناصب اور دنیوی اسباب کا جمع کرنا جو چند دنوں کے بعد مٹ کر رہ جائیں گے

۱ زیان می کند مرد تفسیر دان

که علم وادب می فروشد بنان

۲ کجا عقل یا شرع فتوی دہد

کہ اہل خرد دین بدنیا دہد

ترجمہ (۱) مرد تفسیر دان نقصان کر رہا ہے کہ علم وادب کو روٹی کے بدلے بیچتا ہے

(۲) عقل یا شریعت کب فتویٰ دیتے ہیں کہ عقل مند دین کو دنیا کے بدلے میں دیدے۔

عالم بے عمل عالم بے عمل اور جاہل بدعمل برابر ہیں باین معنی کہ ہر دونوں بارگاہ حق کے مردود ہیں ایسے عارف بے عمل اور غافل باعمل بھی بارگاہ لایزال کے مردود ہیں اس لئے کہ صرف علم ومعرفت قبولیت حق اور بلند مرتبت عنداللہ کے لئے ناکافی ہیں جب تک کہ ان کے ساتھ عمل بالکتاب والسنۃ نہ ہو بلکہ صرف علم ومعرفت فلاح ونجات کا موجب سمجھنا غیر مسلم فلاسفہ کا عقیدہ ہے اور اہل سنت کہتے ہیں علم ومعرفت کے لئے عمل ضروری ہے تاکہ فلاح ونجات حاصل ہو یہی اسلامی حکماء کا مذہب ہے۔

انسان کئی قسم کے ہیں۔ (۱) حیوانی وہ ہے جس پر اوصاف طبعیہ اور احوال شہوت جیسے کھانے پینے اور نیند وغیرہ کا غلبہ ہو

(۲) شیطانی وہ جس پر اوصاف نفس اور احوال شیطنت جیسے تکبر، عجب۔ حسد وغیرہا کا غلبہ ہو

(۳) ملکی وہ جس پر اوصاف روح اور احوال ملکی جیسے علم وعمل اور ذکر وتسبیح وغیرہا کا غلبہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو قرآن مجید سے تمسک کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے علوم عطا فرمائے گا جن کا اس سے پہلے علم نہ تھا بلکہ اسے اہل کشف وعیان سے بنائے گا اور یہ بھی منجملہ ان لوگوں سے ہوگا اللہ تعالیٰ کی آیات کا آفاق والنفس میں تلاوت کرتے اور انہیں حقائق القرآن کا مکاشفہ حاصل ہے۔

(فائدہ) یہ شرف اسی امت کو نصیب ہوا اس لئے کہ قرآن مجید کا نزول اسی پر ہوا ہے۔

تمنائے موسیٰ کہ بن جاؤں امت محمد کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ کیا کوئی ایسی امت ہے جو من وسلویٰ والوں یعنی ان کی امت سے افضل ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دوسری امتوں پر ایسے ہے جیسے تیری فضیلت جملہ مخلوق پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ مجھے بھی اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام وہ امت تمہارے زمانہ کے بعد بہت دیر سے آئے گی فلہٰذا تم اس امت میں شامل نہیں ہوسکتے ہاں اگر چاہو تو میں تمہیں ان کا کلام سناؤں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ہاں سنایئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے امۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) امت نے جواب دیا۔ لبیك اللّٰھم لبیك لا شریک لك والخیر کلہ بیدیك اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کو شعائر حج میں مقرر فرمایا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے میں نے تمہارے عصیان سے پہلے تمہیں بخش دیا اور تمہیں بے مانگے عطا سے نوازا جو مجھے کلمۂ شہادت ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمد رسول اللّٰہ پر ایمان کے ساتھ ملے گا میں اسے بہشت میں داخل کروں گا اگرچہ اس کے گناہ دریا کی جھاگ اور ستاروں اور ایام دنیا کی گنتی کے برابر ہوں

فائدہ: تورات میں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہے کہ وہ لوگ ایسے ہیں جن کے سینوں میں کلام الٰہی محفوظ ہوگا یعنی وہ قرآن پاک کے حافظ ہوں گے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ تو اے قرآن پسر ظاہر مبین
دیو آدم نہ بیند جز کہ طین

۲ ظاہر قرآن چو شخص آدمیست
کہ نقوشش ظاہر وجانش خفیست

ترجمہ (۱) تم اے عزیز قرآن کے صرف ظاہر کو نہ دیکھو شیطان تو آدم کو صرف مٹی دیکھتا ہے اور بس

(۲) قرآن کا ظاہر بھی آدمی کے ظاہر کی طرح ہے کہ اس کے نقوش تو ظاہر ہیں لیکن اس کی روح پوشیدہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا من ارسلنا محلاً منصوب ہے اس لئے کہ (اسئل) کا مفعول بہ ہے یہاں مضاف محذوف ہے اس لئے کہ (بظاہر) حقیقۃً انبیاء علیہم السلام سے سوال محال (عادی) ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ آپ انبیاء علیہم السلام کی امت اور ان کے دین کے علماء سے سوال کریں کما قال فی مقام آخر فاسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلك تو ان سے سوال کیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے

فائدہ مضاف محذوف ماننے سے تنبیہ ہوگئی کہ علماء کا کہا ہوا بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کا فرمان ہے علماء اپنی طرف سے

کچھ نہیں کہتے۔ اجعلنا من دون الرحمن آلھۃ یعبدون کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کی پرستش کا حکم کیا ہے
کیا ان کی ملت میں اس قسم کا حکم آیا ہے۔ اس سے انبیاء علیہ السلام کے توحید پر اجماع کو شاہد بنانا مطلوب ہے نیز تنبیہ ہو کہ
حضور علیہ السلام کا توحید کا درس دینا کچھ نئی بات نہیں کہ جن کی تکذیب یا ان سے دشمنی اور مخالفت کی جائے ہماری یہ دلیل
ان کی اس دلیل سے قوی تر ہے جو انہیں نبی علیہ السلام کی تکذیب اور مخالفت پر ابھارتی ہے۔

فائدہ : یہ سوال رفع التباس کے لئے ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام کو اس کے متعلق کسی قسم کا شک نہ تھا۔ اس سے
ثابت ہوا کہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے مراد غیر ہیں۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا

حدیث شریف نہ مجھے شک ہے نہ میں سوال کرتا ہوں۔ مسئلہ زمخشری نے لکھا کہ یہاں مجاز ہے اور انبیاء علیہم السلام سے سوال کرنے
سے ان کے ادیان کی کتابوں کا پڑھنا مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ سل الارض من شق انہارک وغرس اشجارک
وجنی اثمارک" زمین سے نہروں کے کھودنے اور درختوں کے بونے اور پھلوں کے چننے کا سوال کیجئے۔
بعض مشائخ نے فرمایا کہ آیت اپنے حقیقی معنی پر صحیح ہے وہ اس

شب اسریٰ امام الانبیاء کی امامت لئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب اسرا مسجد اقصیٰ میں تشریف
لے گئے تو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام نے اپنے مزارات سے باہر تشریف لا کر حضور علیہ السلام سے ملاقات کی۔ جبریل
علیہ السلام نے اذان اور اقامت کہی اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آگے بڑھئے اور نماز پڑھایئے
تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام آپ کی اقتدار میں نماز پڑھیں۔ جب حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل علیہ
السلام نے آپ سے عرض کی کہ قریش کا گمان ہے کہ بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور یہود و نصاریٰ کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں اب آپ ان انبیاء علیہم السلام سے پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اس کے
بعد جبریل علیہ السلام نے یہی آیت پڑھی " واسئل من ارسلنا الخ حضور علیہ السلام نے فرمایا نہ مجھے شک ہے نہ
میں سوال کرتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کا فرمان کافی ہے مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اس لئے اس وقت آپ
نے انبیاء و رسل علیہم السلام سے سوال نہ کیا اس لئے کہ آپ سے بڑھ کر زیادہ یقین والا اور کون ہو سکتا ہے۔

فائدہ : حضرت ابو القاسم نے فرمایا کہ یہی آیت حضور علیہ السلام پر بموقع شب معراج بیت المقدس میں نازل ہوئی جب
انبیاء علیہم السلام نے اس آیت کو سنا تو سب نے اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کا اقرار کر کے کہا کہ ہم سب توحید کی اشاعت
کے لئے مبعوث ہوئے۔

فائدہ : عین المعانی میں لکھا ہے کہ میکائیل علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کیا اس حکم پر حضور علیہ السلام نے
انبیاء علیہم السلام سے سوال کیا جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یقین کامل تر اور ایمان محکم تر ہے اسی لئے انہیں

سوال کی کیا ضرورت تھی سہ

آنکہ درکشف گردہ استقلال
کے توجہ کنند باستدلال!

ترجمہ ، جو کشف میں مہارت رکھتے ہیں وہ استدلال کی طرف کب توجہ کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

(۱) آئینہ روشن کہ صد صاف و جلی
جہاں باشد بر نہادن صیقلی

(۲) پیش سلطان خوش نشستہ دل قبول
زشت باشد جستین نامہ و رسول

ترجمہ (۱) وہ آئینہ جو نہایت ہی صاف وشفاف ہو اس پر صیقل پھرنا صفائی کے لئے جہالت ہے۔
(۲) بادشاہ کے سامنے خوشدل ہو اور ہر بات دل سے قبول کرتے ہو لیکن بری بات ہے کہ اس سے دلیل اور قاصد مانگو۔

تفسیر صوفیانہ آیۃ میں اشارہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد وحید یہی تھا کہ لوگوں کو غیروں کی پرستش سے روکا جائے غیروں سے نفس اس کے خواہشات اور شیطان یا دنیا و آخرت کی کوئی شے مراد ہے کما قال اللہ تعالیٰ

وما مروا الیعبد و اللہ مخلصین لہ الدین۔

یعنی انہیں حکم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہی مقصود ومطلوب ومحبوب معبود مانیں ، اسی لئے مشائخ نے فرمایا کہ اپنے مولیٰ کی طلب میں دنیا وآخرت کی کوئی شے نہ طلب کرے نہ ظاہری نہ باطنی نہ علم وعرفان اور نہ ہی ذوق ووجدان اور نہ ہی شہود وعیان بلکہ صرف اسی کو طلب کرے اس کے ساتھ کسی کی شرکت نہ ہو تاکہ اسے طالب صادق اور مخلص لہ الدین کا مرتبہ نصیب ہو جب بندے کو اپنے مولا کی طلب صادق نصیب ہو گی تو وہ غیر کی غلامی سے نجات پا کر صرف اپنے آقا حقیقی کی غلامی کا شرف نصیب ہو گا اسے اور کسی سے واسطہ اور تعلق نہ ہو گا ایسے بندے کو حقیقی طور عبداللہ کہا جا سکے گا یاد رہے کہ بندہ فقیر ہے اس کے ہاتھ میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کے آقا کا ہے اور اگر اس کا غناء ہے تو اس کے مالک کی وجہ سے ہے کیوں کہ جملہ خزائن کا مالک وہی ہے۔

قیامت میں محبوب بندے کی شان کا مظاہرہ اسی کے مطابق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ قیامت میں فقیر بندے کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے معذرت فرمائے گا جیسے ہم تم دنیا میں ایک دوسرے سے معذرت چاہتے ہیں اور فرمائے گا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ
اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ
مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ
مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝
وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ
اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ
يَنْكُثُوْنَ ۝ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ
لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝
اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝
فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ
مُقْتَرِنِيْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے تجھ سے دنیا کے امور اسی لئے نہیں روکے تھے کہ میرے نزدیک تیری کوئی عزت نہیں تھی بلکہ اس لئے کہ میرا ارادہ ہوا کہ آخرت میں تجھے کرامات و انعامات اور فضائل و کمالات سے نوازوں چنانچہ حکم ہوگا کہ ان لوگوں میں سے انہیں لاؤ جنہوں نے تجھے فقر و فاقہ میں طعام کھلایا۔ کپڑے پہنائے لیکن وہ صرف میری رضا چاہتا تھا لے میرے محبوب بندہ اسے لے جا اور اسے بھی بہشت کی نعمتوں سے تیرے طفیل نوازا جائے گا یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگوں کو پسینہ ڈبو دے گا وہ شخص صفوں میں گھس کر ان حضرات کو لائے گا جنہوں نے دنیا میں اس کی مدد کی وہ انہیں اپنے ساتھ بہشت میں لے جائے گا۔

کلید گلشن فردوس دست احسانت

بہشت می طلبی از سر درم بر خیز

ترجمہ: گلشن فردوس کی کنجی دست احسان ہے۔ بہشت چاہتے ہو تو درم کے سر سے اٹھ جاؤ (درہم انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دو) (تعریف منہ)

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿ۙ۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿ع﴾

ترجمہ:۔ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف بھیجا تو اس نے فرمایا بیشک میں اس کا رسول ہوں جو سارے جہان کا مالک ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لایا جبھی وہ اس پر ہنسنے لگے اور ہم جو انہیں نشانیاں دکھاتے وہ پہلے سے بڑی ہوتی اور ہم نے انہیں مصیبت میں گرفتار کیا کہ وہ باز آئیں اور بولے کہ اے جادوگر ہمارے لیئے اپنے رب سے دعا کر اس عہد کے سبب جو اس کا تیرے پاس ہے۔ بیشک ہم ہدایت پر آئیں گے پھر جب ہم نے ان سے وہ مصیبت ٹال دی جبھی وہ عہد توڑ گئے اور فرعون اپنی قوم میں پکارا کہ اے میری قوم کیا میرے لیے مصر کی سلطنت نہیں۔ اور یہ نہریں کہ میرے نیچے بہتی ہیں کہ کیا تم دیکھتے نہیں یا میں بہتر ہوں اس سے کہ ذلیل ہے اور بات صاف کرتا معلوم نہیں ہوتا تو اس پر کیوں نہ ڈالے گئے سونے کے کنگن یا اس کے ساتھ فرشتے آتے کہ اس کے پاس رہتے۔ پھر اس نے اپنی قوم کو کم عقل کر لیا تو اس کے کہنے پر چلے بیشک وہ بے حکم لوگ تھے۔ پھر جب انہوں نے کیا جس پر ہمارا غضب ان پر آیا ہم نے ان سے بدلہ لیا تو ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔ انہیں ہم نے کر دیا اگلی داستان اور کہاوت پچھلوں کے لیے۔

تفسیر عالمانہ

ولقد ارسلنا موسیٰ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا درانحالیکہ وہ متلبس تھے بآیٰتنا ہماری نو نشانیوں کے ساتھ جو ان کی نبوت پر دلالت کرتی تھیں الیٰ فرعون وملائہٖ فرعون اور اس کے بڑے معزز لوگوں کے پاس اشراف کے ذکر میں نچلے طبقہ کے لوگ بھی شامل ہیں اس لئے کہ ان کے ادنیٰ و اعلیٰ کے تابع تھے " فقال " تو انہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا " انی رسول رب العالمین " میں تمہارے لئے رب العالمین کا رسول ہوں " فلما جاءھم باٰیاتنا " پس جب وہ ان کے ہاں ہمارے آیات لے کر آتے تاکہ ان سے وہ سعادت پائیں اور برائیوں سے رک کر ان سے نفع اٹھائیں " اذا " اس وقت " ھم " وہ " منھا " ان آیات پر یضحکون ہنسی مذاق کرنے لگے " اذا " اسم ہے بمعنی وقت فاجاؤا محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور اس کا مفعول فیہ (ظرف) ہے یعنی اس وقت اچانک ہنسنے اور مذاق کرنے لگے اس میں تامل اور غور و فکر نہ کیا بس جونہی موسیٰ علیہ السلام آیات لے کر آئے تو بلا تاخیر ہنسی مذاق کرنے لگ گئے کسی وقت کہتے یہ جادو ہے کبھی کہتے ان کا خیالی پروگرام ہے اور یہ ان کا کہنا مبنی بر ظلم اور از راہ تکبر تھا " وما نریھم من آیۃ " اور ہم انہیں کوئی معجزہ نہ دکھلاتے —

الا ھی اکبر من اختھا " اخت اخ کی تانیث ہے یہ تانیث اس کے محذوف لفظ کا لعوض ہے یعنی ہم جو انہیں معجزہ دکھاتے اس سے اس کے بعد کا معجزہ بڑھ کر ہوتا تاکہ ان کے انکار پر ان کے عذاب میں اضافہ ہو۔ چونکہ لفظ آیۃ مؤنث ہے اسی لئے اسے اخت سے تعبیر کیا گیا اور اسے اخت، سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ وہ دونوں صدق و صحت میں مشترک ہیں اور ہر دونوں ایک دوسرے کی نظیر اور آیۃ یعنی معجزہ ہونے میں برابر ہیں" کشف الاسرار میں اس کا ترجمہ لکھا کہ ہر دونوں ایک دوسرے سے بہتر و برتر تھے" اسی سے ان کی بڑائی اور بزرگی کا اظہار مطلوب ہے کہ ان سے بڑھ کر اور کوئی بڑائی نہ ہو گی۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے اس سے ترقی کلام مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ جب کافروں کی جڑ کاٹتا ہے تو اس طرح کا اسلوب اختیار فرماتا ہے اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ کلام وہاں بیان فرمایا جاتا ہے جہاں اسے معجزہ کے طور لایا جائے۔ اور اس سے دوسری اشیاء پر فضیلت کا اظہار مطلوب ہوتا ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ واقعی وہ آیات دوسروں سے افضل ہوتی ہیں لیکن وہ اپنے ہم جنس سے بھی ایک دوسرے سے بھی افضل ہوتے ہیں اگرچہ وہ فی نفسہا برابر ہیں جیسے آیات قرآنیہ کہ وہ نفسہا یعنی بایںمعنی کہ وہ کلام الہٰی ہیں ایک دوسرے کے متساوی ہیں لیکن معانی اور ثواب وغیرہ سے بعض آیات دوسری آیات سے افضل ہیں۔ اس مختصر بحث سے ثابت ہوا کہ اکبر افعل التفضیل میں فضیلت من وجہ ہے اور یہ مجاز ہے اس لئے کہ مصادر کو افعال و اسماء متضمن ہوتے ہیں اور وہ مصادر ماہیت کے لئے وضع کئے گئے ہیں افراد منتشرہ ان کے موضوع ہیں۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے معجزات ان کے ہاں بھیجے ہر دوسرا پہلے سے واضح تر ہوتا اور وہ بھی ایسے بدبخت تھے کہ ہر نئے معجزے کے بعد ظلومیت و کفوریت میں اضافہ کرتے اور یہی انسان کی عادت ہے

لعلھم یرجعون تاکہ وہ کفر سے رجوع کریں کیوں کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اقدام عبودیت کے ساتھ رجوع نہیں کرتا جب تک اسے بارگاہ حق تک باساء و ضراء کے زنجیروں میں جکڑ کر کے نہ لایا جائے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں لعل بمعنی کے ہے اور یہ تعلیلیہ ہے جیسا کہ ابتداء سورۃ میں ہم نے اس کی تحقیق لکھی ہے معتزلہ نے کہا کہ اس ارادہ سے کہ وہ کفر سے ایمان کی طرف رجوع کریں یہ بالکل غلط اور سراسر غلط ہے اس لئے کہ ارادہ مراد بخلاف الامر التکلیفی مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کو کبھی ایسے افعال کا امر فرماتا ہے جن کے متعلق اس کا ارادہ نہیں ہوتا کیونکہ جس فعل کے لئے بالارادہ امر فرماتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے " وقالوا " اور فرعون اور اس کی جماعت جب بھی معجزہ دکھانے کے بعد عذاب سے دوچار ہوتی اور ان کی بشریت پر عذاب کا بوجھ پڑتا تو ہر بار یہی کہتے۔ یاایھا الساحر اے جادوگر۔

سوال یہ لفظ تو موسیٰ علیہ السلام کو ناگوار تھا اور وہ اس وقت اس سے کام نکلوانے کے درپے تھے تو پھر ایسا ثقیل لفظ ان کے لئے کیوں استعمال کیا۔

جواب ۱ حد درجہ کے سرکش اور احمق تھے اپنی حماقت و سرکشی سے اپنی اصلاح نہ کر سکے۔

جواب ۲ یہی لفظ ان کے ذہنوں میں گھر کر چکا تھا اور وہ سخت سراسیمگی کی حالت میں تھے بلا ارادہ ان کی زبان سے جاری ہو جاتا۔

جواب ۳ سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ یہ ندا موسیٰ علیہ السلام کے نام سے تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے حکایۃً ان سے یہی لفظ بیان فرمایا کہ اگرچہ وہ زبان سے موسیٰ علیہ السلام کو اب جادوگر نہیں کہتے تھے لیکن ان کے دل میں یہی اسم سمایا ہوا اور یہی ان کا اعتقاد تھا۔

سوال اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی بات کو کیوں بیان فرمائی جب انہوں نے زبان پر اسے استعمال نہیں کیا

جواب اپنے محبوب علیہ السلام کی تسلی کے لئے کہ نہ صرف قریش مکہ آپ کو ساحر کہتے ہیں بلکہ ہر نبی علیہ السلام کا ہر دشمن ایسے ہی کہتا رہا۔

جواب ۴ (از سوال اوّل) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بطور استہزاء موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہا ابن حجر نے کہا اس سے ان کی غالب علی السحر مراد تھی کہ جب بھی آپ کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو آپ غالب ہو جاتے ہیں۔

جواب ۵ بعض علماء نے فرمایا کہ انہوں نے یہ لفظ آپ کی تعظیم کے لئے فرمایا اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ لفظ بہت بڑی عزت والا تھا وہ جس وقت کسی کا عظیم وصف بیان کرتے تو اسی لفظ سے گویا انہوں نے تعظیم کے ارادہ پر کہا اے سحر کے بہت بڑے علم اور اس فن کے کامل اور حاذق۔ ادع لنا ربک اپنے پروردگار سے ہمارے لیے دعا مانگیئے تاکہ ہم سے عذاب ہٹا دے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کا پروردگار سے دعا کا عرض کرنا بھی اضطراری تھا لیکن اس کے باوجود پھر بھی یا ایہا الرسول ادع لنا الخ نہ کہہ سکے یا عرض کرتے ادع لنا ربنا تاکہ واضح ہو کہ سوئے اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف [illegible] تو بھی صدق نیت اور خلوص عقیدہ ان میں نہیں اگر ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو رسول کہہ کر عرض کرتے یا دعا میں ربنا کا لفظ لاتے اور انہیں صرف نفوس کا خلاص مطلوب تھا نہ کہ قلوب کا۔ اور قلوب کا خلاص چاہنے والے ہی اللہ و رسول کو یاد کرتے ہیں) بما عہد عندک ما مصدریہ اور باء سببیہ ہے اور العہد بمعنی توصیۃ (وصیت کرنا) الی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے عندک کے ساتھ استعمال کیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ عہد معمولی نہیں تھا بلکہ وہ قابل رعایت اور لائق حفاظت تھا اسے ضائع اور لغو چھوڑنا نہایت نامناسب تھا۔

حل لغات: امام راغب نے لکھا کہ العہد بمعنی شے کو ہر آن اور ہر لحظہ محفوظ رکھنا کہا جاتا ہے۔ "عہد فلان الی فلان بعہد" یعنی فلان سے عہد کر کے اسے وصیت کی کہ اس کی حفاظت کرتا۔ فرعونیوں کا مقصد یہ تھا کہ آپ اس عہد کی لاج رکھیں جو اللہ تعالیٰ

نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس لیے نبوت کو بھی عہد اللہ کہا جاتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ بسبب اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا ہے یا یہ معنی ہے کہ آپ کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے یا یہ وعدہ ہے کہ جو ہدایت پر آئے اس سے عذاب ٹل جائے گا

فائدہ : بعض علماء کرام نے فرمایا کہ بما میں باء سببیہ ہے یعنی آپ دعا مانگیے اس حق کے وسیلہ سے جو آپ کے ہاں نبوت کا مرتبہ ہے۔ انا لمهتدون بے شک ہم ہدایت پا جائیں گے یعنی جب ہم سے عذاب ٹل جائے گا تو پھر ہم آپ پر ایمان لائیں گے وہ اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے وعدہ فرمایا کہ اگر عذاب ٹل گیا تو تمہیں ایمان لانا پڑے گا۔ انہوں نے اس شرط کو قبول کر لیا اسی لئے انہوں نے دعا طلبی کے وقت ربک کہا ورنہ ربنا کہتے اور وہ اس لئے بھی کہ وہ اس وقت فرعون کو رب مانتے تھے فلما کشفنا پس جس وقت ہم نے ٹال دیا عنهم العذاب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب کو اذا هم ینکثون اس وقت وہ عہد کو توڑتے تھے النکث یعنی رسی اور دھاگہ توڑنا وغیرہ وغیرہ معاہدہ توڑنے کے لئے استعارۃً مستعمل ہوتا ہے یعنی اچانک ابتداء کے بجائے اچانک عہد توڑ دیا اتحاد یعنی ایمان سے یعنی عہد توڑنے میں جلدی کی اور وہ کفر کی طرف فوراً لوٹ آئے اور اسی پہ ڈٹ گئے اور جب کفر کی طرف لوٹے تو لعنتی ہو گئے ان کے لعنتی ہونے کی نشانی یہی ہے کہ وہ بعد کو دریا میں غرق ہوئے چنانچہ اس کا بیان آگے آتا ہے۔

سبق عقلمند وہ ہے جو عہد نہ توڑے۔

حکایت نعمان بن منذر نامی عرب کا ایک بادشاہ تھا اس نے سال کے دو دن مقرر کئے کہ ایک دن لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازے گا ایک دن انہیں قتل کرے گا۔ ایک دن ایک طاقی اسی دن باہر نکلا جس دن بادشاہ نے قتل کا پروگرام بنایا تھا جب اسے اپنے قتل کا یقین ہو گیا تو بادشاہ سے کہا کہ مجھے یہ تو یقین ہے کہ آپ کے قتل سے میں نہیں بچ سکوں گا اور آپ خواہ مجھے ابھی قتل کریں یا بعد کو لیکن مجھے اتنی مہلت ملنی چاہیے کہ میں گھر جا کر بچوں اور اہل و عیال کو کچھ خرچ خوراک اور ضرورت کے مطابق وصیت کر آؤں۔ نعمان بادشاہ کو اس کے حال پر رحم آگیا اور فرمایا کہ تیرے لوٹنے کی ضمانت کون دے گا کہ اگر تم واپس نہ آؤ تو تمہارے بدلہ اسے قتل کر دیا جائے شریک بن علی نے کہا میں اس کی ضمانت دیتا ہوں چنانچہ وہ طاقی گھر جا کر شام کو واپس آگیا نعمان بادشاہ نے اسے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا کر سر اٹھایا اور فرمایا کہ تو نے ایفائے عہد کا ریکارڈ کر دیا اور پھر شریک سے بادشاہ نے کہا کہ آپ نے بھی احسان و مروت کی انتہا کر دیا لیکن میں کمینہ عادت پہ ہوں اب تم دونوں گواہ ہو جاؤ کہ آج کے بعد میں اس دوسری کمینی عادت کو چھوڑتا ہوں اور اب میں کسی کو قتل نہ کروں گا اس کے بعد طاقی کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے بعد بادشاہ نے طاقی سے پوچھا کہ تجھے ایفائے عہد پر کس چیز نے ابھارا طاقی نے کہا یہی میرا دین ہے اور اس لئے کہ جس کو وفا کی عادت نہیں اس کا دین نامکمل ہے

سبق اس سے ثابت ہوا کہ وفا نجات کی موجب ہے۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت
کے تواند صید دولت زو گریخت

ترجمہ: جس نے وفا کا گھونٹ زمین پر ڈالا۔ اس سے دولت کا شکار کہاں بھاگ کر جائے گا۔

وفا کے مراتب انسان کے لئے وفا کے مراتب میں سے پہلا مرتبہ کلمۂ شہادت پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کا والی لقاء سے بننے کو بہرہ ور فرماتا ہے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک بزرگ حج کے لیے روانہ ہوئے اور زاد راہ سے بالکل فارغ اس ارادہ پر کہ اللہ ہی دے گا تو کھاؤں گا اور ساتھ ہی قسم کھائی کہ کسی سے کوئی سوال نہ کروں گا۔ چلتے چلتے ایک جگہ تھک کر بیٹھ گیا اور نہ صرف چلنے سے عاجز آ گیا بلکہ موت کے آثار سامنے نظر آنے لگے دل میں سوچا مجھے اس انقطاع سے کہیں لقائے الٰہی سے محرومی نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جان کشی سے روکا ہے اس کشمکش میں سوال کا ارادہ کیا تو دل میں اس سے رکنے کا عزم پیدا ہو گیا اور خیال کیا کہ مر جاؤں گا لیکن عہد نہ توڑوں گا جس قافلہ کے ساتھ وہ سفر کر رہے تھے وہ وہاں سے دور چلے گئے۔ تو اس بزرگ نے اپنا چہرے کو قبلہ رخ کر دیا اور سمجھا کہ ابھی موت آئی اسی حالت میں ایک گھوڑے کا سوار اس کے سر پر آ کھڑا ہوا جس کے پاس پانی کا لوٹا تھا اس نے اسے پانی پلایا اور دوسری ضروریات بھی پوری کیں اس بزرگ نے کہا کہ میرا قافلہ تو اب دور نکل گیا اب کیا ہوگا اس گھوڑے سوار نے کہا آپ کو قافلہ سے بھی ملا دوں گا چنانچہ اس بزرگ کو اپنے ساتھ لیا اور چند قدم اٹھا کر انہیں قافلہ سے آگے کر دیا اور فرمایا آپ یہاں ٹھہریئے آپ کا قافلہ بہت پیچھے رہ گیا چنانچہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو واقعی قافلہ بہت پیچھے تھا۔

فائدہ: یہ طے مکان کے قبیل سے ہے اس لئے کہ یہ مرتبہ اہل حضور و شہود کو حاصل ہوتا ہے ؎

نتواں بقیل و قال ارباب حال شد
منعم نمیشود کسے از گفت وگوی گنج

ترجمہ: قیل و قال سے ارباب حال نہیں ہوتا صرف خزانہ کا نام لینے سے کوئی مالدار نہیں ہو جاتا۔

تفسیر عالمانہ و نادیٰ فرعون خود فرعون نے یا اس کے حکم سے اس کے منادی نے پکارا فی قومہ اپنی قوم کے مجمع میں یہ اس وقت پکارا جب ان سے عذاب ٹل گیا اور پکارا اس لئے کہ کہیں وہ اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں "قال" عظمت و افتخار کے طور کہا یا قوم اے میری قوم یعنی

اے قبطیو! الیس لی ملک مصر " کیا ملک مصر میں میری شاہی نہیں یہ علاقہ اس وقت ۱۲۰ × ۱۲۰ میل تک پھیلا ہوا تھا کاشفی نے لکھا کہ اس کا حدود اربعہ اسکندریہ سے سرحد شام تک تھا۔
فائدہ فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ فرعون۔ کے ملک کا حدود اربعہ اسکندریہ سے رسوال اور اُسوان تک (بالضم امصر میں ایک شہر ہے) طول نیل کی لمبائی کے مطابق (کذا فی القاموس)

مصر کی تحقیق

مصر ایک مشہور شہر ہے اس کی مصر بن حام بن نوح علیہ السلام نے بنیاد رکھی اسی کی وجہ سے اس کا مصر نام مشہور ہوا (کذا فی روضۃ الاخبار) اور القاموس میں ہے یہ " مصر وا المکان تمصیرا " سے مشتق ہے یعنی انہوں نے اس جگہ کو شہر بنا لیا۔ " فتمصر " تو وہ شہر تیار ہو گیا ایک مشہور شہر کا نام ہے اس لئے کہ وہ جگہ لوگوں کے رہنے بسنے سے شہر ہو گیا یا اس لئے کہ اسے مصر بن نوح علیہ السلام سے آباد کیا تھا ان کے نام سے مشہور ہو گیا بعض نے کہا کہ مصر ایک مشہور ملک ہے یہ " مصر الشئی مصرا " سے ہے یعنی قطعہ یہ اس لئے کہ وہ جگہ آبادی کی وجہ سے فضا سے منقطع ہو گئی اسی لئے اسے مصر سے موسوم کیا گیا۔ وہذہ الانہار اور یہ نہریں یعنی دریائے نیل اور اس کی متعلقہ نہریں یہ لام مضاف الیہ محذوف عوض کی ہے۔
فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس وقت دریائے نیل تین سو ساٹھ نہروں پر منقسم تھا اور یہاں وہ بڑی خلیجیں مراد ہیں جو نیل سے نکل کر بلاد مصر کو سیراب کرتی تھیں۔

دریائے نیل کی نہروں کا تعارف

ان سب میں سے بڑی چار نہریں تھیں

(۱) نہر الملک اسے نہر الاسکندریہ بھی کہا جاتا

(۲) نہر طولون

(۳) نہر دمیاط

(۴) نہر تنیس بر وزن سکین وہ بحر روم کے جزائر میں سے ایک جزیرہ کے اندر ایک شہر کا نام ہے وہ دمیاط کے قریب ہے بڑے قیمتی اور نفیس کپڑے اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں (کذا فی القاموس) " تجری من تحتی " جو میرے محل کے نیچے سے یا میرے حکم سے جاری ہوتی رہیں۔
فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ چار بڑی نہریں اس کے باغ میں اس کے شاہی بنگلے کے نیچے سے گزرتی تھیں۔ واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف ملک پر ہے اس معنی پر تجری اس سے حال ہے یا حالیہ ہے اس معنی پر۔ ہذہ مبتدا اور الانہار اس کی صفت اور تجری اس کی خبر ہے۔

اعجوبہ خریدۃ العجائب میں لکھا ہے کہ دریائے نیل سے اور کوئی بڑا دریا نہیں اس لئے کہ اس کے کنارے چلنے پر دو ماہ اسلام کے علاقے سے دو ماہ کفر کے علاقہ سے دو ماہ جنگل میں اور چار ماہ ویرانے میں بسر ہوتے ہیں اور اس کا مخرج جبل القمر کے بلاد سے ہوتا ہے جو خطِ استوار کے پیچھے ہے اسے جبل القمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں پر چاند طلوع نہیں ہوتا اس لئے کہ خط استوار سے خارج ہے اور نور کی کرنوں سے دور ہے اور چاند کی روشنی بحر ظلمۃ یعنی بحر اسود سے نکل کر جبل قمر کے نیچے داخل ہو جاتی ہے ۔ (دریائے سندھ) دنیا کے کسی دریا کو دریائے نیل سے مشابہت نہیں سوائے دریائے سندھ کے جس کا دوسرا نام مہران ہے ۔ افلا تبصرون کیا تم دیکھ نہیں رہے اس سے وہ اپنے ملک اور شاہی و شوکت کی عظمت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔

حکایت احمق منقول ہے کہ جب ہارون الرشید نے یہی آیت پڑھی تو کہا کہ ملک مصر اپنے خسیس ترین غلام کے حوالے کرتا ہوں چنانچہ خنیف نامی غلام کو ملک مصر کا حاکم بنا دیا اور وہ ہارون الرشید کے وضو کے پانی پر مامور تھا اور وہ سیاہ فام اور بڑا احمق تھا (چنانچہ گلستان میں حضرت شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس سیاہ فام کے عقل کا یہ عالم تھا کہ ایک دن اس کے پاس مصر کے کسانوں نے شکایت پیش کی کہ ہم نے کپاس بوئی ہے اور نیل کے کنارے پر ہمارا گزارہ ہے اور بے وقت بارش نے ہماری کھیتی برباد کر دی ۔ بادشاہ سلامت نے فرمایا کہ کپاس کے بجائے اون بوئی ہوتی تو اسے بارش خراب نہ کرتی ۔ کسی دانشور نے اس کی بات سن کر ہنس دیا اور فرمایا ؎

۱ اگر روزی بدانش بر فزودے
زنادان تنگ روزی تر نبودے

۲ بنادان چناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیران بماند

ترجمہ ۱ ، اگر روزی دانائی سے بڑھتی تو بے وقوفوں سے تنگ روزی والا کوئی نہ ہو ۔
۲ ، نادان کو ایسے طریقہ سے روزی پہنچاتا ہے کہ دانا اس میں حیران رہ جاتا ہے ۔

حکایت عبداللہ بن طاہر سے منقول ہے کہ جب وہ ملک مصر کا حاکم مقرر ہوا تو جب وہ مصر میں پہنچا اور تو اسے دیکھ کر کہا کہ یہ وہی ملک ہے جس پر فرعون کو فخر و ناز تھا اور کہتا تھا " الیس لی ملک مصر الخ پھر کہا بخدا میرے نزدیک اس میں داخل ہونا ہمارے لئے لائق نہیں یہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

سبق حافظ ابو الفرج ابن الجوزی نے فرمایا کہ چونکہ فرعون کو ان نہروں اور ملک سے تکبر ہوا پھر اس کا وہی حشر ہوا جو سب کو معلوم ہے ؎

افتخار از رنگ و بو از مکان
ہست شادی وفریب کودکان

ترجمہ : رنگ وبو اور مکان سے خوش ہونا بچوں کا کام ہے۔

تفسیر عالمانہ "ام انا خیر" باوجودیکہ میرا ملک وسیع ہے تو پھر یقین کرو کہ میں اچھا ہوں ام منقطعہ بمعنی بل ہے یعنی بلکہ میں بہتر ہوں اور ہمزہ تقریری ہے فرعون نے اپنی قوم کو اپنے افضل ہونے کیلئے اقرار کرنے کے لئے ابھارا جب ان کے سامنے اپنی افضلیت کے اسباب بیان کئے اور اپنی برتری جتلا چکا تو گویا کہا گیا اب بھی تمہارے ذہنوں میں میری برتری سمائی یا نہ اور تم میری فضیلت کے اقراری ہو یا نہ اس لئے کہ جس کے ہاں ایسے اسباب ہوں تو وہ اس لائق ہے کہ اسے بہتر و برتر مانا جائے۔

فائدہ ابو اللیث نے فرمایا کہ فرعون اپنی برتری کا قائل کرانا چاہتا تھا ان کے نزدیک ام صلہ کے لئے ہے اور محققین کے نزدیک ام بمعنی بل ہے جو انتقال از کلام بکلام دیگر کے لئے آتا ہے اس میں استفہام کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ سورۂ نمل میں ام ماذا کنتم تعملون میں ہے۔

فائدہ سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں احتباک ہے وہ یہ کہ ابصار کا ذکر پہلے دلالت کرتا ہے کہ اس جیسا دوسرا اور خیر کا ذکر دلالت کرتا ہے کہ اس کا دوسرا پہلے محذوف ہے اب معنی یہ ہوا کہ اھو خیر منی فلا تبصرون ما ذکرتم بہ ام انا خیر منہ ام تم تبصرون نہ کیا مجھ سے کوئی بہتر ہے تو تم دیکھ رہے ہو جو میں نے تمہیں بیان کیا یا میں اس سے بہتر ہوں اس لئے کہ تم اسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہو خلاصہ یہ کہ اب کیا وہ مجھ سے بہتر و برتر ہے کیا تم میری ذکر کردہ صفات کو نہیں دیکھتے یا میں اس سے بہتر و برتر ہوں کیوں کہ تم اسے بھی دیکھ رہے ہو من ھذا الذی ھو مھین یہ وہی ہے جو ضعیف اور کمزور ہے اور حقیر ہے یہ المھانۃ سے ہے بمعنی قلت ہے یعنی کچھ نہ ولا یکاد یبین " اور نہ ہی صحیح بات کر سکتا ہے کیوں کہ اس کی زبان پہ ثقالت ہے جب اس کی یہ حالت ہے تو پھر وہ رسالت و نبوت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ بادشاہی وسیاست کے اسباب ہیں نہ ہی کوئی ان میں ایسے علامات پائے جاتے ہیں جن سے ان کی تقویت وتائید ہو یہ ایسے ہے جیسے کفار قریش نے نبی علیہ السلام کے لئے کہا لولا نزل ھذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم اور دراصل یہ بات ایسے لوگوں کے لئے کہی جاتی ہے جو فصاحت و بلاغت سے موصوف نہ ہوں اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر بہتان تراشی کی ورنہ موسیٰ علیہ السلام اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ تھے اور نہ صرف وہ بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام اعلیٰ درجہ کے فصحاء و بلغاء تھے اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر اس لئے افتراء کیا تاکہ آپ لوگوں کی نظروں میں گر جائیں ویسے آپ کی زبان پر اس انگارے کی وجہ سے ثقالت ضرور تھی جسے آپ نے بچپن میں

منہ میں ڈالا تھا اگرچہ بدااً اس سے آپ کی زبان پر کچھ لکنت کا اثر تھا لیکن جب آپ نے دعا مانگی واحلل عقدۃ من لسانی اور میری زبان کا عقد کھول دے تو وہ بھی دفع ہو گیا کما قال اللہ تعالیٰ قد اوتیت سؤلک یموسیٰ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے تیرا مقصد تمہیں دے دیا۔

فائدہ — الفوئۃ لکنت کے علاوہ ایک اور تکلیف کا نام ہے جو زبان کو تیز نہیں بولنے دیتی اور اس سے سلیس عبارت نہیں ادا ہو سکتی۔ لیکن آپ کو توتلا کہنا آپ کی بے ادبی و گستاخی ہے جیسا کہ عوام میں مشہور ہے اس خطاب اور ایسی غلط صفت سے موسیٰ علیہ السلام پر اطلاق کرنے سے احتراز ضروری ہے۔

انبیاء[1] علیہم السلام جملہ عیوب و نقائص سے پاک ہیں

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا۔

یقول الفقیر الانبیاء علیہم السلام سالمون من العیوب والعاہات المنفرۃ کما ثبت فی محلہ (ص ۳۴۸ ج ۸)

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام عیوب و نقائص سے پاک ہیں جیسے اپنے مقام پہ ثابت ہوا

حکایت بروسہ کے شیخ عبدالمومن رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں لکنت تھی لیکن جب جامع مسجد کبیر میں وعظ فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان کی زبان کھل جاتی تھی (ایسے ہی ہمارے زمانہ کے ایک بزرگ کی زبان مبارک پر فالج گرا۔ کسی سے نہ بول سکتے تھے لیکن جب میلاد شریف کے جلسے میں وعظ فرماتے تو ان کے متعلق زبان فر فر کر کے چلتی) جب یہ عام اولیاء و عوام کا حال ہے تو پھر ان کا کیا کہنا جنہیں اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے وافر حصہ ملا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان جیسے اور حضرات کہ جب وہ وحی الٰہی کو بیان کرتے تو فصاحت و بلاغت کے موتی ان کے منہ مبارک سے بکھرتے تھے۔

فائدہ ، ہم نے اپنی آنکھوں سے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ جن کے منہ میں دانت وغیرہ نہیں ہوتے لیکن جب تلاوت قرآن کرتے ہیں تو ان کے منہ سے صاف الفاظ ظاہر ہوتے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ

---

[1] اس مسئلہ کی مزید تحقیق فقیر کے رسالہ "انارۃ القلوب من بصارۃ یعقوب" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ، من فقیر اویسی غفرلہٗ کے ہاں اب بھی ایک شاگرد (عمر چودہ سال) موجود ہے کہ لکنت کے باوجود نعت خوب پڑھتا ہے نعت پڑھتے وقت لکنت نہیں ہوتی، عہ اس کی عمر اسی سال سے تجاوز محسوس ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس کے منہ میں دانت نہیں لیکن تراویح اور عام نوافل میں قرآن مجید خوب پڑھتا ہے فقیر مسلسل ۱۹۶۹ء تا ۱۹۸۹ء خود بھی سنتا چلا آ رہا ہے۔

اور حکمت بدیعہ کے آثار سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جسے ماسوی اللہ پر فخر و ناز ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اسی سے فنا و برباد کرتا ہے جیسے فرعون کو ملک مصر اور دریائے نیل پر ناز تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی ملک اور دریائے نیل میں غرق کیا ایسے جو کسی کو ذلیل و کمزور سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر مسلط فرماتا ہے جیسے فرعون موسیٰ علیہ السلام کو ضعیف و کمزور سمجھتا اور ان کی گفتگو پر طعن و تشنیع اور انہیں فقر و فاقہ پر اعتراض کرتا تھا۔ چنانچہ کہا " اناخیر" تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر مسلط کیا اور اناخیر کا دعویٰ ابلیس کی خصوصیت سے ہے اور وہی صفت فرعون میں پائی گئی۔ ہاں فرعون کی صفت " انا ربکم الاعلیٰ" ابلیس میں نہیں اس سے معلوم ہوا کہ انسان میں ایک خصوصی وصف ہے اگر وہ اسے مضبوط رکھے تو اکرم الانسان ہو گا اور اس خصوصی وصف کو لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ میں بیان فرمایا جو کوئی اس خصوصی وصف کی استعداد کو ضائع کرتا ہے اور نہایت کو پہنچتا ہے تو اس کی نچلی منزل کو ابلیس بھی نہیں پا سکتا اور اس کی نچلی منزل کو " اسفل السافلین" کہا جاتا ہے۔ اس منزل تک جب انسان پہنچتا ہے تو وہ شرالبریہ کا لقب پاتا ہے اگر وہ اپنی استعداد کو مکمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قرب میں اس منزل کو حاصل کر لیتا ہے جہاں ملک مقرب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس وقت اسے خیرالبریہ کے لقب سے نوازا جاتا ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ہے

۱ سروری از خلق بدخود را مصفیٰ کردنست
برنمی آید برخود سر بری باید شدن

۲ پادشاہ از کشور بیگانہ دارد صد خطر
یک قدم از حد خود برترنمی باید شدن

ترجمہ ۱۔ سرداری یہ ہے کہ خود کو بد عادات سے صاف کرنا اس عہدہ سے فائز نہ ہو سکے گا اپنے سے اونچا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے

۲۔ بادشاہ کو اپنے ملک کے باہر سو خطرے ہوتے ہیں اپنی حد سے باہر ایک قدم بھی نہیں اٹھانا چاہیے۔

سبق جب تم نے ابلیس اور فرعون کا حال معلوم کر لیا تو تم پر لازم ہوا کہ تم نفس کی اصلاح کرو اور اسے اوصافِ رذیلہ سے پاک و صاف کرو اس لئے کہ اوصاف رذیلہ سے ہی ابلیس شیطان بنا اور فرعون مردود ہوا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی عنایت سے بچے اور اپنے حضور تک پہنچنے سے پہلے ہی ہمیں ہدایت عطا فرمائے (آمین)

تفسیر عالمانہ

فلولا القی علیہ اسورۃ من ذھب یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زجر و توبیخ کے طور پر کہا " لولا ترک فعل کے لئے جیسا کہ تحضیض کا تقاضا ہے اور وہ فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے (اسورۃ) سوار کی جمع ہے اس کی تاء اساریہ کی یاء کا عوض ہے یعنی اساریہ کی وہ یاء جو سوار کے الف کے مقابلہ میں ہے اس کی نظیر زنادقۃ و بطارقۃ ہے ان دونوں میں تاء زنادیق و بطاریق کی اس یاء کی عوض ہے جو زندیق و بطریق کی بالمقابل ہے۔ القاموس میں ہے کہ اسوار بالکسر و بالضم بمعنی درمیانی شئے اسوار اس کا ہم معنی ہے اس کی جمع اسورۃ و اساور و اساورۃ آتی ہے۔ المفردات میں ہے سوار المرأۃ یہ دراصل دستوارہ تھا بعض کے نزدیک یہ فارسی لفظ کا معرب ہے۔ الذھب وہ ذوجبد صاف شئے جو پگھل جائے اور اس کا کچا رنگ زرد اور باقی رہنے والا ہو یعنی سونا یہ بھی اپنی دوسری ہمجنس اشیاء کی طرح ذوجسم ہے اب معنی یہ ہوا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اپنی رسالت و نبوت کے دعویٰ میں سچے ہیں تو ان کے ہاں سونے کے ڈھیر کیوں نہیں اور ان کے پاس شاہی خزانہ کنجیاں کیوں نہیں ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی (علیہ السلام) ہیں تو ان کا حال میرے سے بہتر اور اعلیٰ ہونا چاہیے القی کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ فرعون کا مقصد یہ ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام واقعی خدا تعالیٰ کے رسول ہیں تو ان کا خدا ان کے لئے شاہی کے اسباب آسمان سے نازل فرمائے۔ القاء الاسورہ سے بادشاہی کی چابیاں مراد ہیں اور چابیوں سے اسباب مراد ہیں اس لئے کہ اسباب بمنزلہ چابیوں کے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو شاہی تخت پر بٹھاتے تو اس کے گلے میں سونے کا طوق ڈالتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ سلطنت کے مالک ہیں اسی لئے فرعون نے کہا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور قوم کی سرداری اور ریاست کے مالک ہوتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے گلے میں سونے کا کیوں نہیں ڈالا۔ او جاء معہ الملائکۃ مقترنین یا ان کے ہاں فرشتے حاضر ہوتے در انحالیکہ وہ ہر وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے اور ان کی وہ ہر وقت معاونت اور مدد کرتے اور بوقت ضرورت ان کی تصدیق کرتے اور گواہی دیتے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں المفردات میں ہے " الاقتران الازدواج " کی طرح ہے بمعنی دو چیزوں کا جمع ہونا یا چند اشیاء کا ایک معنی میں جمع ہونا " فاستخف قومہ " استخفاف بمعنی ہلکا کرنا اور ہلکا رکھنا اور خفت کا طلب کرنا اب معنی یہ ہوا کہ باتوں میں فرعون نے اپنی برادری کو پھسلا دیا اور اپنی اطاعت کا انہیں قائل کر لیا۔ اس آیۃ کا خلاصہ یہ کہ فرعون نے مکر و فریب اور دھوکہ بازی اور فریب کاری نے ان کے عقول پر غلبہ پا لیا یہاں تک کہ جیسے وہ چاہتا تھا اسی طرح وہ اس کے مطیع ہو گئے لیکن اہلِ عقول سلیمہ اس کے پھندے میں نہ آسکے یا اس کا معنی یہ ہے کہ فرعون نے انہیں کم عقل پایا اور سمجھا کہ وہ انہیں مکر و فریب کر کے پھنسائے گا چنانچہ وہ اپنی فریب کاری میں کامیاب ہو گیا۔

فائدہ: امام راغب نے لکھا کہ فرعون کو خیال ہوا کہ وہ ان کے ساتھ ایسی تدبیر بنائے جس سے وہ اس کے قابو میں آجائیں

چنانچہ مذکورہ تدبیر میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا معنی یہ ہے کہ انہیں ابدان و عزائم میں کمزور پایا۔ القاموس میں ہے کہ "استخفہ" "استثقلہ" کی نقیض ہے اہل عرب کہتے ہیں کہ "استخف فلانا عن رایہ" اسے جہل اور خفت پر برانگیختہ کیا اور اسے راہ صواب سے ہٹایا۔ (کاشفی نے لکھا کہ فرعون نے اپنی قوم کو کم عقل پایا کر ان میں مکروفریب اثر کر گیا) فاطاعوہ تو جیسا اس نے انہیں کہا انہوں نے ویسے ہی کیا اپنی بہت زیادہ جہالت و گمراہی کی وجہ سے اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے کلی طور دل برداشتہ ہو گئے انھم کانوا قوما فاسقین بے شک وہ قوم فاسق تھی اسی لئے ایسے گمراہ اور بدکردار انسان کی اطاعت قبول کر لی خلاصہ یہ کہ قوم فرعون نہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کے دائرہ سے خارج تھے بلکہ عقل و فکر سے بھی فارغ تھے اس لئے کہ فانی دنیا کے اسباب اور مال و جاہ پر اعتماد کر کے موسیٰ علیہ السلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو معلوم نہ تھا ؎

فرعون و عذاب ابد وریش مرصع
موسیٰ کلیم اللہ و چوبی و شبانی

ترجمہ: فرعون دائمی عذاب میں ہو گا اگرچہ اب اس کی داڑھی موتیوں سے جڑی ہوئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں اگرچہ بظاہر ان کے ہاتھ میں لکڑی اور بکریاں چرانے والے ہیں

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو کوئی کسی قوم پر مسلط ہوتا ہے تو ان کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ بھی اس کے خوف سے اس کے تابع ہو کر اس کی اطاعت کرتے ہیں اگر اس کے حملہ سے مامون و محفوظ ہوں تو پھر اس کی مخالفت کرتے ہیں تاکہ مطمئن ہو کر زندگی بسر کریں جب وہ ان پر غالب ہوتا ہے تو انہیں مشقت و تکلیف میں مبتلا کرتا ہے اور وہ جو چاہتے ہیں اس کے خلاف کرتا ہے ایسے ہی نفس امارہ کا حال ہے کہ جب وہ اپنی قوم یعنی قلب و روح اور اس کے صفات پر غلبہ پاتا ہے تو انہیں شرع کی مخالفت اور خواہش نفسانی کے عمل کرنے پر مجبور کرتا ہے وہ بھی اس کی اتباع کرتے رہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ نقصان نہ پہنچائے پھر وہ اسی کی عادات کے خوگر ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ دشمن کبھی تابع نہیں ہو سکتا اگر طوعاً کرہاً تابعداری کرے تو اس کے دھوکہ و فریب سے ہوشیاری ضروری ہے کیوں کہ جب بھی وہ فرصت پائے گا ضرور نقصان پہنچائے گا ؎

ہرگز ایمن ز زمان نہ نشستم
تا بدانستم آنچہ خصلت اوست

ترجمہ: میں زمانہ سے ہرگز بے غم نہیں یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ اس کی عادت کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ فلما آسفونا یہ الایساف سے ہے بمعنی اندوہگین کرنا اور کسی کو غصہ میں لانا یہ اسف یاسف سے منقول ہے ہیچون علم یعلم " یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا غصہ شدت اختیار کر جائے ۔ القاموس میں ہے الاسف بفتحتین ، بمعنی شدید ترین حزن اور اہل عرب کہتے ہیں۔ اسف علیہ" بمعنی غضب ۔

اچانک کی موت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک کی موت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مومن کے لیے راحت اور کافر کے ۔ لئے غضب الہیٰ ہے اسف بروزن کتف بھی آیا ہے بمعنی غضب والے کی گرفت یعنی جسے اچانک موت واقع ہوتی ہے اس کے لئے سمجھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اسے نشانہ بنایا گیا ہے ہاں جو شخص پہلے ہی موت کا منتظر تھا اس کے لئے ایسی موت موجب راحت ہے ۔

امام راغب نے لکھا کہ " الاسف " بمعنی وہ حزن جسمیں غضب بھی ہو کبھی ان دونوں پر علیحدہ علیحدہ بھی اسف کا اطلاق ہوتا ہے دراصل اسف بمعنی کسی سے انتقام کے ارادہ سے قلب کے خون کا جوش مارنا پھر یہ کیفیت جب اپنے سے کم درجہ والے پر طاری ہو تو اسے غضب کہا جائے گا ۔

اگر اپنے سے اوپر والے پر ہو تو وہ حزن ہو گا اب معنی یہ ہوا کہ جب فرعون اور اس کی قوم نے عناد و معصیت کر کے ہمیں بہت زیادہ غصہ دلایا ۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کا غضب رضا کی نقیض کا نام ہے اور بمعنی ارادہ انتقام یا تحقیق الوعید یا دردناک گرفت یا شدید جھٹکا یا ہتک الاستاد یا اسے عذاب کرنا یا تغیر النعمۃ " انتقمنا منہم " ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ہم نے ارادہ کیا کہ ان سے انتقام جلد تر لیں اور بہت جلد اور بڑے عذاب میں مبتلا کریں اور ذرہ برابر بھی حوصلہ سے کام نہ لیں اور کشف الاسرار میں اس کا ترجمہ لکھا کہ ہم ان پر سزا اور عذاب نازل کریں فاغرقناہم اجمعین تو پھر ہم سب کو غرق کر دیں نہ ان کے مطاع (فرعون) کو چھوڑیں اور نہ اس کے مطیعین کو ۔ تمام کو دریا میں غرق کر دیں انہیں کوئی ایک بھی نہ بچے " فجعلنٰہم سلفا " یہ تو سلف یسلف کا مصدر ہے ہیچو طلب یطلب بمعنی تقدم مبالغہ کے طور اعیان کی صفت کے معنی میں ہے یعنی متقدمین ماضین یعنی گزشتہ لوگ یا سالف کی جمع ہے جیسے خادم کی خدم جمع آئی ہے چونکہ تقدم کا متعدی بلام نہیں آتا اسی لئے اس کی مجاز قدوۃ سے تفسیر کی جاتی ہے اسی لئے کہ عموماً متقدمین آنے والی نسلوں کے لئے قدوۃ کے طور ہوتے اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو آنے والے کفار کے لئے بطور مقتدا بنایا تاکہ وہ ان کی راہ چلیں تاکہ وہ بھی ان کی طرح اسی عذاب کے مستحق ہوں جس کے وہ ہوئے اور عین المعانی میں ہے کہ ہم نے انہیں جہنم میں ان کا مقتدا بنایا مد و مثلاً للآخرین " لام سلفا و مثلا ہر دو کا

کے متعلق ہے بطور تنازع کے لیعنی ہم نے ان کو آنے والے کافروں کے لئے پند ونصیحت بنائی اور شئے کے وطلو ہونے سے ضروری نہیں کہ اس سے نصیحت حاصل ہو یا یہ قصہ عجیبہ ہے جو آنے والوں کے لئے بمنزلہ مثل کے ہے مثلاً انہیں کہا جائے گا تمہارا فرعون اور اس کی قوم جیسا حال ہے اور کاشفی نے لکھا کہ ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو آنے والے لوگوں کے لئے پند و عبرت بنایا تاکہ وہ لوگوں کی جرت گاہ ہوں تاکہ آنے والی نسلیں ان کے قصہ عجیبہ کو پڑھ سن کر اپنے حالات درست کر سکیں مثلاً سمجھیں کہ وہ فرعون جسے دریائے نیل پر فخر و ناز تھا اسی نیل نے اسے ڈبو دیا اور جس پر وہ ناز کرتا تھا ذرہ برابر اس کے حال پر رحم نہ کیا ؎

در سرداری کہ باشدت سرداری

ہم در سران روئے کہ در سرداری

ترجمہ : تیرے خیال میں تھا کہ تو سردار ہو گا - اسی خیال سے ہی تباہ ہو گا جو تیرے خیال میں ہے۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں پڑنا فضائل سے ہوتا ہے رذائل سے نہیں۔

حکایت

سماک بن الفضل سے منقول ہے فرماتے ہیں ہم عروہ بن محمد کے ہاں پہنچے تو ان کے ہاں وہب بن منبہ پہلے موجود تھے ہمارے بعد چند لوگ آئے تو ان کے ہاں اپنے علاقہ کے حاکم کی زبردست شکایت کی وہب نے سن کر اپنا ڈنڈا اٹھایا اور حاکم کے سر پہ دے مارا یہاں تک کہ حاکم کے سر سے خون نکلا عروہ منبہ کی اس کاروائی سے ناراض سا ہوا عروہ حلیم الطبع انسان تھا اس نے وہب سے کہا کہ آپ ہمارے سامنے غضب وغصہ کی مذمت کرتے تھے لیکن اب تو آپ بہت بڑا غصہ دکھا رہے ہیں انہوں نے فرمایا میں اس پر کیوں نہ غصہ کروں جس نے تمام عقول و افہام کو پیدا فرمایا اور وہ بھی اس پر ناراض ہے کما قال فلما اسفونا انتقمنا الخ۔

اولیاء کرام کی بے ادبی اور گستاخی

اسمیں اشارہ ہے کہ اولیاء کرام کو ناراض کرنا در حقیقت اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا ہے یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ یہ عبارت " اسفوا رسلنا و اولیاءنا " تھی لیکن عبارت مذکورہ کو محذوف کر کے " آسفونا " فرمایا تاکہ ان کی تعظیم و تکریم کا اظہار ہو۔

فائدہ :

حضرت ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور رضا کا معنی یہ ہے کہ اس کی طرف سے اس کے اولیاء

خوش اور ناخوش ہوتے ہیں ان کی رضا و عدم رضا کا اپنی رضا اور عدم رضا فرمایا، یہی وجہ ہے کہ پھر وہ اپنے اولیاء کے گستاخ سے انتقام لیتا ہے چنانچہ

حدیث قدسی میں ہے کہ

من عادیٰ لی ولیا فقد بارزنی بالحرب جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے تو میری جنگ کے لئے بالمقابل ہوا اور فرمایا وانی لاغضب لاولیاری کما یغضب اللیث الجری لجروہ اور بے شک میں اپنے دوستوں (اولیاء کرام) کے لئے ایسے غضبناک ہوتا ہوں جیسے بہادر شیر اپنے بچے کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ باب الجمع کا اصل ہے اس لئے کہ اولیاء کرام کو ناراض کرنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے تاکہ ان کی عظمت اور عزت کا اظہار ہو دلائل ملاحظہ ہوں

(۱) **قدسی حدیث شریف** اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار ہو گیا تھا تونے میری طبع پرسی نہ کی۔ (اس سے ثابت ہوا کہ اللہ والے کا کام اللہ کا کام ہے۔)

(۲) **آیۃ قرآنی** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت کہا۔

فائدہ :

عرائس البقلی میں لکھا کہ جب نابکار بندے اپنے دعاوی باطلہ اور بناوٹی کلمات اور بدعات فاسدہ پر ڈٹ گئے اور انہوں نے میرے اولیاء واحبار کی گستاخی اور بے ادبی پر اصرار کیا تو ہم ان پر ناراض ہوئے اور اپنی قہریات کے لشکر کو ان پر مسلط کیا اور ان کی اسرار کی آنکھیں مٹا ڈالیں یہاں تک کہ وہ ہمارے احسان وکرم لطائف نہ دیکھ سکے جیسا کہ ہم اپنے اولیاء کرام پر لطف وکرم کرتے ہیں)

فائدہ :

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سرکش بندوں نے امر الٰہی کی مخالفت کی اور دین میں بدعات کا اظہار کر کے ترک سنن کیا اور اپنے آراء وعقول کی اتباع کیا تو ہم نے ان کی قلوب سے نور معرفت اور ان کے اسرار سے سراج توحید چھین لیا اور انہیں ان کے اپنے اختیار پر چھوڑا تو خود گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

ہم اسی سے موافقت علی السنۃ اور منۃ المنۃ کی ہدایت چاہتے ہیں۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝
وَقَالُوا ءَأٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ
بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ
وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا
مِنكُم مَّلٰٓئِكَةً فِى الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ
لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هٰذَا صِرٰطٌ
مُّسْتَقِيمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ
جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِى تَخْتَلِفُونَ
فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّى وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ
مِنۢ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ
أَلِيمٍ ۝ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً
وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ الْأَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝

ترجمہ:۔ اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی جائے جبھی تمہاری قوم اس سے ہنسنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ اُنہوں نے تم سے یہ نہ کہی مگر ناحق کے جھگڑے کو بلکہ وہ ہیں جھگڑالو لوگ۔ وہ تو نہیں مگر ایک بندہ جس پر ہم نے احسان فرمایا اور ہم نے بنی اسرائیل کے لیے عجیب نمونہ بنایا۔ اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تمہارے بدلے فرشتے بساتے اور بیشک عیسٰی قیامت کی خبر ہے تو ہرگز قیامت میں شک نہ کرنا اور میرے پیرو ہونا۔ یہ سیدھی راہ ہے اور

ہرگز شیطان تمھیں نہ روک دے۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور جب عیسیٰ روشن نشانیاں لایا۔ اس نے فرمایا میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا اور اسلیے میں تم سے بیان کردوں بعض وہ باتیں۔ جن میں تم اختلاف رکھتے ہو۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔ بیشک اللہ میرا رب اور تمھارا رب تو اسے پوجو یہ سیدھی راہ ہے۔ پھر وہ گروہ آپس میں مختلف ہو گئے تو یہ ظالموں کی خرابی ہے ایک دردناک دن کے عذاب سے۔ کاہے کے انتظار میں ہیں مگر قیامت کے کہ ان پر اچانک آجائے اور انہیں خبر نہ ہو گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار۔

تفسیر عالمانہ

ولما ضرب بن مریم مثلاً (اور جب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی مثال بیان کیجائے۔ یہ مثال عبداللہ بن زبعری سہمی نے بیان کی تھا۔ یہ قریش مکہ کے سرکشوں میں سے تھا۔

(القاموس) میں ہے الزبعری بکسر الزاء وفتح الباء والراء حضرت عبداللہ صحابی قرشی شاعر کا والد تھا "ضرب مثلاً" کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مودے کے ابطال میں اسے مثال وقیاس بنایا حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ امم کے معبود جہنم کے ایندھن ہوں گے جب آپ نے قریش مکہ کے سامنے اسی مضمون کی آیت پڑھی تو وہ لوگ آپ پر سخت غضبناک ہوئے کیوں کہ ان پر یہ مضمون بہت شاق گزرا۔ ابن زبعری نے کہا کہ یہ قانون صرف ہمارے معبودوں کے لئے ہے یا عام ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارے اور جملہ امم کے باطل معبودوں کے لئے ہے ابن الزبعری نے کہا کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود عزیر علیہ السلام کو اور قبیلہ ابوالملیح ملائکہ کرام کو معبود مانتے ہیں اگر یہ حضرات جہنم میں جائیں گے تو ہم راضی ہیں کہ ہم اور ہمارے معبود ان کے ساتھ جہنم میں جائیں اس کی اس بات سے قریش بہت خوش ہوئے اور اتنا زور سے ہنسے کہ آوازیں بلند ہو گئیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذا قومك منه يصدون اس وقت آپ کی قوم اس مثال کی وجہ سے آوازیں کستے ہیں یعنی خوشی اور فرحت سے ان کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں اس گمان سے کہ اس بات سے (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام غلطی کر بیٹھے ہیں۔ القاموس میں ہے کہ صدّ یصُدّ ویصِدّ صدید بمعنی ضجّ تاج المصادر میں ہے کہ الصدید بمعنی آواز کسنا اس کا مضارع یفعل بروزن ینصر ویضرب ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔ الصدود بمعنی الاعراض اہل عرب کہتے ہیں۔ صد عنه صدودا بمعنی اعرض وفلانا عن كذا، اس نے فلاں کو ایسے کام سے روکا اصده بھی اسی معنی میں آتا ہے تاج المصادر میں ہے کہ الصد بمعنی پھرا اور الصد والصدود بمعنی پھیرنا۔ "وقالوا" اور آپ کی قوم نے کہا "ءآلهتنا خير" کیا ہمارے معبود تیرے ہاں بہتر ہیں حالانکہ ان کے نزدیک ان کے معبود عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر تھے۔ "ام هو" یا وہ عیسیٰ علیہ السلام یعنی بقول شما کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے معبودوں سے بہتر ہیں تو پھر تم کہتے ہو کہ تمام معبودان باطلہ جہنم میں ہوں گے پھر اگر عیسیٰ علیہ السلام

(معاذ اللہ) جہنم میں جائیں گے تو ہمیں بھی اس سے کوئی انکار نہیں کہ ہم اور ہمارے معبود جہنم میں ہوں

فائدہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے جواب میں آیۃ ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولئک عنہا مبعدون نازل فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ "وما یعبدون من دون اللہ حصب جہنم" یہ کافروں کے بتوں کے ساتھ خاص ہے۔

حدیث شریف ابن الزبعری نے جب مذکورہ بالا اعتراض حضور علیہ السلام کو کہا تو آپ نے فرمایا کہ تو اپنی بولی سے بھی جاہل ہے جب کہ سب کو معلوم ہے کہ ما غیر ذوی العقول کیلئے آتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد" ان الذین سبقت لہم منا الحسنیٰ" احتمال مجاز کے دفع کیلئے ہے عام المتاخر عن الخطاب کی تخصیص کے لئے نہ ہوگا۔

فائدہ: یہ حدیث شریف صاف بتا رہی ہے کہ ما غیر ذوی العقول کے لئے وضع کیا گیا ہے اس سے جمہور نحویوں کا رد ہے جب کہ وہ کہتے ہیں ما ذوی العقول و غیر ذوی العقول ہر دونوں کے لئے وضع کیا گیا ہے بحر العلوم (ہاں) یوں کہا جائے کہ اس کی وضع غیر ذوی العقول کے لئے لیکن مجازاً ذوی العقول کے لئے مستعمل ہوتا ہے (مزید تفصیل فقیر کی (نعم الحامی شرح شرح جامی) میں ہے[1]

ازالۂ وہم حضور علیہ السلام نے ابن الزبعری وغیرہ کے رد میں یہ بھی فرمایا کہ حصب جہنم (جہنم کا ایندھن) وہ ہیں جنہوں نے شیاطین کی پرستش کی جب کہ انہوں نے انہیں اس پرستش کا حکم کیا اور ملائکہ کرام اور عیسیٰ و عزیر علیہما السلام ان کے معبودوں میں داخل نہیں اس لئے کہ وہ انہیں اپنی پرستش کا حکم نہیں فرماتے تھے بلکہ وہ خود اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے تھے کما قال تعالیٰ حکایۃ عن عیسیٰ علیہ السلام۔ سبحانک انت ولینا من دونہم بل کانوا یعبدون الجن۔ (تو پاک ہے تو ہمارا مالک ہے نہ کہ وہ بلکہ تو جنوں کی پوجا کرتے ہیں)

فائدہ، اگرچہ کفار مکہ ان قواعد و قوانین کو جانتے تھے لیکن پھر بھی حضور علیہ السلام کے ساتھ ہنسی مذاق بنائی تو محض عناد و مکابرہ کی وجہ سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ماضربوہ لک الاجدلا " الجدل بمعنی اپنے دعویٰ کو سچا اور مخالف کے قول کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے مخالف سے لڑنا جھگڑنا۔

مسئلہ: علی وجہ الانصاف اور اظہار حق کے لئے جھگڑنا بالاتفاق جائز بلکہ مامور بہ ہے۔ "جدلا" منصوب اس لئے ہے کہ وہ "ضربوا" کا مفعول بہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کافروں کا عیسیٰ علیہ السلام کو مثال کے طور بیان کرنا محض آپ سے جھگڑنے کے طور ہے ورنہ انکا اظہار حق کیسا۔ جب ان کے ہاں حق ہے

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

نہیں تو پھر ان کا اسے بیان کر کے یقین کرنے کا کیا معنی۔

حدیث شریف بعض مشائخ سے مروی ہے کہ اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے جواب میں فرماتے کہ تمہارے معبود عیسٰی علیہ السلام سے بہتر ہیں تو اس سے آپ کا اقرار ثابت ہو جاتا کہ واقعی کافروں کے بت بھی معبود ہیں اور اگر حضور علیہ السلام فرماتے کہ عیسٰی علیہ السلام تمہارے معبودوں سے بہتر ہیں تو بھی اقرار فرماتے کہ عیسٰی علیہ السلام پرستش کے لائق ہیں اور اگر فرماتے کہ کوئی بھی ان میں بہتر نہیں تو بھی آپ سے اقرار ثابت ہوتا کہ عیسٰی علیہ السلام بھی بہتر ہیں اسکلئے کافروں نے ڈھنگ سے سوال کیا "الہتنا خیر ام ہو" اور اس سے ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ حضور علیہ السلام کو پریشان کریں اور غلط سلط باتیں سنائیں اور سنیں۔ ان کا اس سوال سے استفادہ ہرگز مطلوب نہیں تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا کہ کافروں کا مذکورہ بالا سوال استفادہ کے ارادہ پر نہیں بلکہ اس ارادہ پر ہے کہ وہ آپ سے جھگڑیں جیسے نفس امارہ کے تابعداروں کی عادت ہوتی ہے کما قال بل ھم قوم خصمون بلکہ وہ لوگ باطل کے لئے جھگڑالو اور خلاف و فساد پہ شرارت برپا کرنے کی عادی ہیں، کما قال اللہ تعالیٰ وکان الانسان اکثر شئ جدلا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وما یعبدون من دون اللہ حصب جہنم میں سوائے ان کے بتوں کے اور کوئی داخل نہیں ہوگا جیسا کہ مقام ہذا کا تقاضا ہے لیکن جب ابن الزبعری نے دیکھا کہ کلام میں عموم کا احتمال ہے اسی لئے عیسٰی علیہ السلام کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی جسے حضور علیہ السلام نے دلائل سے اسے خاموش کرایا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قوم بھی حق سے ہٹتی ہے تو جھگڑنا مناظرہ بازی اس کی عادت بن جاتی ہے[ع] اس کی دلیل میں یہی آیت پڑھی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ھو الا عبد نہیں وہ عیسی علیہ السلام مگر بندے پر ورده انعمنا علیه ہم نے اپنے فضل وکرم سے نبوت عطا کرکے یا کہ انہیں باپ کے بغیر پیدا کرکے یا ان سے شہوت نفسانی کا قلع قمع کرکے ان پر انعام فرمایا۔

مسئلہ: عیسائی غلط کہتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور بندہ مولیٰ نہیں ہو سکتا جیسے بت اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تو پھر ان کی پرستش کیوں۔

فائدہ: حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ ہم نے عیسٰی بن مریم کو ظاہراً عیسٰی علیہ السلام

[ع] جیسا کہ دور حاضرہ میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ مرزائی وہابی دیوبندی اور عیسائی جگہ جگہ مناظرہ۔ مناظرہ وغیرہ کا شور برپا کر رہے ہیں۔ الحمد للہ ان کے بطلان کی دلیل میں یہی حدیث کافی ہے۔ (اویسی غفرلہ)

مریدین کا امام اور باطناً عارفین کے قلوب کا نور بنایا۔

وجعلنا مثلاً لبنی اسرائیل اور بنی اسرائیل کے لیے انہیں مثال بنائی کہ وہ ایک امر عجیب حقیقی ہیں کہ دنیا بھر میں آپ کا ذکر ایک مثال بن گیا ہے۔

فائدہ : بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ ایک عبرت تھا جسے پڑھ سن کر لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں اور ان کے حال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں اس لئے جدوجہد کرتے ہیں کہ جیسے ان پر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام ہوئے ہم پر بھی ہوں ۔ اس لئے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے وہ یا نبی ہوتا ہے یا ولی ولو نشاء لجعلنا منکم لو ماضی کے لیے آتا ہے اگرچہ مضارع پر داخل ہو اسی لئے یہ مضارع کو مجزوم نہیں کرتا اور یہ شرط کے معنی کو متضمن ہے یعنی بالفرض والتقدیر اگر ہم چاہتے تمہارے سے پیدا کرتے یعنی بطریق نسل کے تمہارے سے بناتے اگرچہ تم مرد ہو اور مردوں سے بچے نہیں پیدا ہوتے لیکن خلاف عادت کر لیا جاتے جیسے بی بی حوا آدم علیہ السلام سے اور عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے (ملائکۃ) تمہارے سے پیدا ہوتے فرشتے جیسے انہیں ازسرنو دوسرے طریق سے پیدا کیا گیا " فی الارض " وہ زمین میں مستقر ہوتے جیسے وہ آسمان پر مستقر ہیں۔

یخلفون بستے (**حل لغات**) خلف یخلف فلان یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو اپنے ساتھ یا اپنے قائم مقام یا اپنے بعد کسی کام کے لئے مقرر کرے یعنی وہ فرشتے تم سے پیدا ہو کر تمہاری اولاد کی طرح تمہارے ساتھ رہتے اور تمہارے مرنے کے بعد تمہارے قائم مقام ہوتے اور وہ تمہارے ہر امر میں شریک ہو کر جو کام تم کرو وہی وہ کریں جو کام کو تمہیں کرنے کا نہیں وہ نہ کریں غرض کہ جتنا امور تمہارے متعلق ہیں وہ سب ان کے متعلق ہوں حالانکہ اب ان کا کام آسمان میں صرف تسبیح وتقدیس ہے اور یہ تمام کام قدرت ربانیہ سے ہے کہ وہ آسمان پر اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں مشغول ہیں پھر وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں اور انہیں کس طرح اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا جا سکتا ہے خلاصہ یہ کہ فرشتے تمہاری طرح اجسام ہیں اور جسمیت میں تولید کا احتمال ہے اور ثابت ہو چکا کہ وہ اجسام ہیں اور اجسام میں مماثلت ہوتی ہے یعنی جو ایک جسم پر ہوگا وہی دوسرے کا ہوگا انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا فرمایا تو پھر جب وہ ہر شے کا خالق ہے اس میں مماثلت کا وہم بھی نہیں ہو سکتا پھر اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا کیا معنی

فائدہ : اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سمجھایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی نئی تخلیق نہیں بلکہ وہ اس سے بڑی قدرت رکھتا ہے اگر وہ چاہے کہ تمہارے سے ملائکہ کو پیدا فرمائے اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ ملائکہ معبودیت کے لائق نہیں۔

فائدہ : سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ لجعلنا منکم میں من تبعیضیہ ہے یعنی ہم نے تمہارے بعض کو پیدا فرمایا "ملائکۃ" منصوب علی الحالیۃ ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ من ابتدائیہ ہے یعنی اگر ہم چاہیں تو تمہیں ماں کے بغیر پیدا فرمائیں بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے کہ انہیں باپ کے بغیر پیدا فرمایا ہے اس میں تنبیہ دونوں طرح ہے کہ وہ بڑا قادر ہے کہ خلاف عادت جس طرح چاہے تخلیق فرماتا ہے اور بعض علماء نے اسے من بدل کا بنایا ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں فنا کر کے تمہارے بدلے فرشتے لائیں۔ جو تمہارے بعد زمین پر آ کر زمین کو آباد کریں اور صرف میری عبادت کریں چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا ان یشاء یذھبکم و یات بخلق جدید[عہ] اس تقریر پر آیۃ تباہ و ہلاک کرنے کی وعید سنانے کے لئے ہوگی لیکن یہ معنی مقام ہذا کے مناسب نہیں

تفسیر صوفیانہ آیۃ میں اشارہ ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تو اسے ملائکہ کی سیرت پر بنا دے تاکہ وہ زمین پر اپنے اخلاق کے مطابق اللہ تعالیٰ کا نائب ہو کر اللہ تعالیٰ کے صفات کا حامل ہو سکے اس لئے کہ حقیقی خلافت یہی ہے کہ بندہ صفات الٰہیہ کا حامل ہو۔

حکایت ہاروت و ماروت نے جب آدم علیہ السلام کی اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ وہ بڑے پُر خطا ہیں کہ خواہشات نفسانی اور ظلم اور قتل و فساد کے خوگر ہیں اگر ہم ان کے بجائے زمین پر ہوتے تو ہم ان کی طرح مجرم نہ ہوتے اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر اتارا اور ان پر لباس بشریت پہنایا پھر سب کو معلوم ہے کہ ان سے ہوا جو کچھ ہونا تھا

دوسری تفسیر صوفیانہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت الٰہیہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور نورِ الٰہی کے فیضان کے قبول کرنے کی استعداد بھی صرف اسی میں ہے اگر ملائکہ کرام اس خلافت کے اہل ہوتے تو صرف انسان کو ان صفات مذمومہ حیوانیہ بہیمہ سے موصوف نہ فرماتا جیسے انبیاء علیہم السلام ان اوصاف مذمومہ سے معصوم ہیں اگرچہ ان کی بشریت کو یہ صفات لازم ہیں لیکن نور تجلی حق سے ان کے قلوب میں نورانی چراغ جلایا گیا جس کی وجہ ان کے اجساد کا طاقچہ منور ہوا وہ ظاہراً و باطناً نور علیٰ نور ہوتے ہیں ان کی بشریت کی زمین چمکی تو ان صفات کی ظلمات کو ظاہر ہونے کی طاقت نہ رہی اس لئے کہ ان پر نور الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ لیکن بے چارے وہابی دیوبندی اس حقیقت سے ناآشنا ہو کر انبیاء علیہم السلام کو مجسم نور ماننے سے گھبراتے بلکہ ماننے والے کو مشرک گردانتے ہیں (اویسی غفرلہ)

فائدہ : انسان اس تجلی خاص سے اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہو کر ملائکہ سے مرتبہ میں بڑھ جاتا ہے۔

اعجوبہ صوفیانہ اگرچہ بظاہر انسان سے ملائکہ کی تخلیق نہیں ہوئی لیکن باطناً ان ہم سرح پیدا ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے نیک اعمال اور انفاس طیبہ اور

عہ: اگر چاہے تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لائے ۱۲

اذکار شریفہ سے فرشتے پیدا کرتا ہے

حدیث شریف رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ پیچھے سے ایک شخص نے کہا ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔ نماز کی فراغت کے بعد آپ نے منہ پھیر کر مقتدیوں سے پوچھا مذکورہ بالا کلمہ کس نے پڑھا ہے اس شخص نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے کہا ہے آپ نے فرمایا میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا جو ہر ایک اس تیزی میں تھا کہ میں ہی اس کلمہ کو لکھوں۔

نکتہ: مذکورہ بالا وہ کلمات جو حضور علیہ السلام کے پیچھے کسی مقتدی نے کہے تھے تیس سے کچھ زائد میں اور ہر حرف میں روح ہے جو اسی حرف کی وجہ سے ثابت رہے گی اور انہی حروف کی صورت سے حروف کی روح زندہ رہے گی اور قاعدہ ہے کہ ارواح سے صورتیں اور نیات سے اعمال اور توجہات سے نفوس باقی رہتے ہیں ان کی ہمتوں کے متعلقات ان کے علوم و اعتقادات کے تابع ہو کر اتنا بلند ہوتے ہیں جتنا عامل کی ہمت ہوتی ہے ؎

ہر کسے از ہمت و آلائے خویش
سود برد درخور کالائے خویش

ترجمہ: ہر وہ اپنی ہمت و آلائش سے نفع اٹھاتا ہے جتنا اس کا سامان ہوتا ہے۔

(۲) انسان کامل سے معنوی اولاد پیدا ہوتی ہے جو ملائکہ کی مانند ہوتی ہے ان کا مشرب و اخلاق فرشتوں جیسے بلکہ ان سے بھی بلند ہوتا ہے کیونکہ انسان کی استعداد ملائکہ کی استعداد سے بلند و بالا ہے اور ان کی یہ روحانی اولاد قیامت تک ان کی جانشین رہے گی یعنی ایک پاکیزہ اور قدسی صفت انسان اپنے شیخ سے فیض لے کر عالم دنیا کو فیض یاب کرتا ہوا چلا جائے گا تو اپنا جانشین چھوڑ جائے گا ایسے قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا جیسے انسان کی ظاہری نسل کا سلسلہ تاقیامت قائم ہے ایسے ہی باطنی و معنوی سلسلہ بھی قائم رہے گا۔

تفسیر عالمانہ وانہ لعلم الساعۃ اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے یعنی ان کے نزول آسمان سے معلوم ہو جائے گا کہ اب قیامت قریب ہے۔ ان کے نزول کو علم سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس سے قرب قیامت کا علم ہوگا اس تقریر پر مصدر بمعنی اسم آلہ میں مبالغہ مطلوب ہے وہ ایسا ذی عظمت واقعہ ہے کہ گویا وہ علم ہے یا یہ معنی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کے بغیر پیدا ہونا یا ان کا مردوں کو زندہ کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے جب کہ کفار امور واقعہ فی الساعۃ کا انکار کرتے ہیں بالخصوص مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار ان کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔

[illegible]

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے دلائل

مرزائی فرقہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مرگئے اور سری نگر کشمیر میں ان کی قبر ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے ان کے رد میں رسالہ " القول الفصیح فی قبر المسیح " لکھا اور پھر حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام پر ایک مستقل کتاب لکھی سردست متن صاحب روح البیان کے دلائل پڑھیئے۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)

حدیث شریف

(۱) عیسیٰ علیہ السلام ارض مقدس کی وادی افیق نامی پر اتریں گے۔

فائدہ : افیق بروزن امیر ایک وادی ہے جو حوران وغور کے درمیان واقع ہے جب آپ آسمان سے زمین پر اتریں گے تو سرخ رنگ کے دو کپڑوں میں ملبوس ہوں گے اور آپ کے سر کے بالوں پر تیل لگا ہوگا۔

فائدہ : ممصر از مصر بمعنی سرخ رنگ کا گارا اور ممصر وہ کپڑا جو سرخ رنگ سے رنگا ہوا ہو۔ (کذا فی القاموس) اور عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ میں چابک ہوگا اس سے دجال کو قتل کریں گے اس کے بعد بیت المقدس تشریف لائیں گے لوگ کی نماز پڑھ رہے ہوں گے ایک روایت میں عصر کی نماز کا ذکر ہے جب امام آپ کو دیکھے گا تو پیچھے ہٹ جائے گا لیکن عیسیٰ علیہ السلام اسے آگے کھڑا کریں گے اور وہ حضور علیہ السلام کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے پھر خنازیر کو قتل کریں گے اور صلیب توڑیں گے گرجے اور یہودیوں کی عبادت گاہیں مسمار کریں گے اور جو عیسائی اسلام قبول نہیں کرے گا اس کو قتل کر دیں گے۔

حدیث شریف ۲

انبیاء علیہم السلام آپس میں علاتی بھائی ہیں اور میں ہی عیسیٰ علیہ السلام کا زیادہ حقدار ہوں اس لئے کہ ان کے اور میرے درمیان اور کوئی نبی نہیں وہی پہلے ہیں جو آسمان سے زمین پر اتر کر صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور اسلام کے لئے جہاد کریں گے گرجے اور کلیسے کو توڑیں گے

حدیث شریف ۳

عنقریب تمہارے درمیان میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ایک عادل حاکم ہو کر نازل ہوں گے وہ صلیب توڑیں گے اور خنزیر قتل کریں گے اور جزیہ ترک فرمائیں گے اور جملہ ادیان باطلہ کو مٹا کر صرف اسلام رائج فرمائیں گے۔

فائدہ : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ جزیہ بالکل ترک کر کے کافروں سے صرف اسلام قبول کریں گے۔ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صراحۃً یہی معنی کیا ہے۔

فائدہ : نیز کسر و قتل سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے زمین سے شرک کے آثار مٹانا مراد ہے۔

حدیث شریف ۴

مسیح دجال زمین پر ہوگا تو اچانک مسیح بن مریم علیہما السلام تشریف لائیں گے۔ سفید منارہ پر اتریں گے جو شرقی جانب جامع مسجد دمشق پر واقع ہے آپ کا سرخ رنگ

کا جوڑا ہوگا (جب) آپ دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھ کر
آئیں گے اور سر مبارک سے پانی کے قطرات گریں گے آپ کی سانس جس کافر پر پڑے گی وہ مرجائے گا آپ کی
سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نگاہ پڑے گی۔ آپ دجال کے پیچھے اس کے پکڑنے کیلئے چلیں گے وہ
بھاگے گا آپ باب لد پر پہنچ کر اسے قتل کر ڈالیں گے۔ القاموس میں ہے کہ لد بالضم فلسطین میں ایک گاؤں ہے
جہاں عیسٰی علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اس کے بعد یاجوج ماجوج زمین پر آجائیں گے عیسٰی علیہ السلام اور
جملہ اہل اسلام کوہ طور میں پناہ لیں گے۔ عیسٰی و مہدی علی نبینا وعلیہما السلام ایک دوسرے سے ملاقی ہوں گے عیسٰی علیہ السلام
شریعت و امامت سے اور مہدی علی نبینا وعلیہم السلام تلوار اور خلافت کا کام سرانجام دیں گے اس سے ثابت
ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خاتم الولایۃ المطلقہ ہیں تو مہدی رضی اللہ عنہ خاتم الخلافۃ المطلقہ ہیں۔

مسئلہ، شرح عقائد میں ہے صحیح تر یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام امت مصطفویہ کو نماز پڑھائیں گے ان کی
اقتداء میں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ نماز پڑھیں گے کیوں کہ عیسٰی علیہ السلام امام مہدی سے افضل ہیں اس
لئے کہ عیسٰی علیہ السلام نبی اور مہدی ولی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تحقیق

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا قاعدہ پر بحث ہے وہ اس لئے کہ عیسٰی علیہ السلام زمین
پر نبوت لے کر نہیں اتریں گے اس لئے کہ آپ کی نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا اور ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد اور
کوئی رسول نہیں آسکتا نہ نئی شریعت لے کر اور نہ ہی کسی دوسرے نبی علیہ السلام کی شریعت کے تابع ہو کر جیسا کہ
بنی اسرائیل کے انبیاء آئے۔ ہاں ان کا نزول ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہوگا اور پھر سب
مانتے ہیں کہ وہ نبی کریم علیہ السلام کی امت میں امتی کی حیثیت سے ہوں گے اگرچہ وہ افضل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی غیرت
کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں مقتدی کا حکم فرمانے اور امام مہدی رضی اللہ عنہ کو امام بننے کا کیوں کہ امام مہدی کی
اقتداء درحقیقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بیت المقدس میں شب
معراج حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی
حضور علیہ السلام کے مقتدی تھے اس دلیل کا تقاضا ہے کہ اب
بھی عیسٰی علیہ السلام حضور علیہ السلام کے نائب کے پیچھے نماز ادا کریں کیوں کہ امام مہدی حضور علیہ السلام کی صورۃ جمعیہ
کمالیہ میں ظاہر ہوں گے۔ (یہ دلیل اتنا وزنی نہیں کہ عیسٰی علیہ السلام کی امامت کی نفی کر سکے۔ اویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ: فلا تمترن بھا تو قیامت کے وقوع میں ذرا شک کرو اور نہ ہی جھگڑو لا تمترا جس امر میں شک ہو
اس میں جھگڑنا واتبعون اور میری ہدایت و شریعت اور رسول علیہ السلام کی اتباع کرو ہٰذا یہی اتباع
صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو حق تک پہنچانے والا ہے

فائدہ ۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ انہ لعلم الساعۃ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اس لئے کہ قرآن بھی قیامت کی علامات میں سے ہے کیوں کہ اس میں قیامت کی علامات ہیں اور ایسے امور بھی ہیں جو اس پہ دلالت کرتے ہیں اس معنی پر ہذا کا اشارہ بھی قرآن کی طرف ہو گا ۔ ولا یصدنکم الشیطان اور تمہیں شیطان میری اتباع کے راستہ سے نہ روکے اور نہ پھیرے انہ لکم عدو مبین بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اسی نے تو تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا اور ان سے نور کا لباس اتارا اور تمہیں کئی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا

حکایت جب آدم علیہ السلام بہشت سے نکل کر زمین پر تشریف لائے تو شیطان نے وحوش اور سباع اور دیگر جانوروں کو ڈرایا دھمکایا کہ آدم ایک ایسا طاقتور ہے کہ تم سب کو کھا جائے گا اور اس کی اولاد تو تمہیں بوٹی بوٹی کرے گی ابھی سے تمہیں اس کے مٹانے کی تدبیر کرنی چاہیے وہ اس طرح کہ تم سب مل کر اس پر حملہ کردو ۔ چنانچہ سب مل کر جب آدم علیہ السلام کے قریب پہنچے تو آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم کتے کے سر پہ ہاتھ پھیریئے آدم علیہ السلام کے کتے کے سر پہ ہاتھ پھیرنے سے کتے نے درندوں پرندوں وحوش پہ حملہ کر دیا یہاں تک کہ کتے نے سب کو بھگا دیا ۔ اسی دن سے کتا ان تمام درندوں کا دشمن ہے جو انسان کے دشمن ہیں ۔

آدم علیہ السلام ۔ شیطان اور کتا ۔ ابلیس نے آدم علیہ السلام پر تھوکا جب کہ ابھی گارہ میں تھے تو وہ تھوک آپ کی ناف پر پڑی اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ اسے اٹھا لو چنانچہ اس مٹی کے اٹھانے سے ناف کی یونہی شکل بن گئی جو موجودہ حالت ہر انسان میں ہے اسی اٹھائی ہوئی مٹی سے کتے کو بنایا گیا اسی وجہ سے کتے کو انسان سے انس اور اس کا حامی ہے ۔

انسان کے پانچ دشمن آدمی کے پانچ اعدا ہیں

(۱) مومن حاسد

(۲) منافق بغض کرنے والا

(۳) دشمن قاتل

(۴) نفس گمراہ کرنے والا ۔

(۵) شیطان بہکانے والا ۔

فائدہ : انسان کا اپنا نفس سب سے بڑا دشمن ہے کہ وہ اسے ہر وقت سیدھے راستہ سے ہٹا کر خواہشات کی اتباع کی رغبت دیتا ہے لہذا یہ شیطان سے اور دیگر جملہ دشمنوں سے بڑا دشمن ہے ۔

فائدہ ۱ بزرگانِ دین فرماتے ہیں جب کسی دشمن سے احسان کرو تو وہ تابع ہو جائے گا لیکن نفس سے جتنا احسان

کیا جائے وہ اتنا دشمنی میں بڑھتا ہے ؎

مراد ہر کہ بر آری مطیع امر تو شد
خلاف کہ نفس گردن کشد چو یافت مراد

ترجمہ ، جس کی مراد پوری کرو گے وہ تمہارے حکم کا مطیع ہوگا بخلاف نفس کے کہ یہ جو نہی مراد پائے گا تیری گردن اڑا دے گا۔

ولما جاء عیسٰی اور جب عیسٰی علیہ السلام لائے بالبینات معجزات واضحہ یا انجیل کی آیات یا شرائع احکام قال قد جئتکم فرمایا تمہارے ہاں لایا ہوں۔ بالحکمۃ انجیل یا شریعت تاکہ میں تم سے اس پر عمل کراؤں۔ ولا بین لکم بعض الذی تختلفون فیہ تاکہ میں بیان کروں اس کا بعض جسمیں تم اختلاف کرتے ہو اس سے امور دین مراد ہیں۔

ازالہ وہم انبیاء علیہم السلام کے لئے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ امور دنیا کو بھی بیان کریں۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے بعض صحابہ کو فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم تم اپنے امور کو خود زیادہ جانتے ہو گے

سؤال وہابیہ الا سئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعض احکام کے بیان کا حکم فرمایا ہے حالانکہ آپ کل بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوئے۔

جواب ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں بعض بمعنی کل ہے۔ (وکذا قال فی عین المعانی) فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ جیسے بعض بمعنی کل آتا ہے ایسے ہی کل بمعنی بعض بھی آیا ہے جیسا کہ اجعل علی کل جبل میں بعض جبل مراد ہیں۔ بعض اہل معانی نے فرمایا کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض لا یعنی امور کے متعلق سوال کرتے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ انہیں فرمائیں کہ تمہیں وہ امور بیان کروں گا جن میں تمہارا فائدہ ہوگا۔

فائدہ ، آیت سے ثابت ہوا کہ جیسے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے کتاب لاتے ہیں ایسے ہی حکمت بھی۔ کما قال تعالیٰ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ اسی لئے فرمایا "ولا بین لکم" اس لئے کہ جن امور میں وہ اختلاف کرتے تھے اس کا بیان مراد ہے۔ (فاتقوا اللہ) پس میری مخالفت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو واطیعون جو کچھ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے پہنچاتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو اس لئے کہ میری اطاعت درحقیقت طاعت حق ہے کما قال تعالیٰ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ان اللہ ھو ربی وربکم فاعبدوہ بے شک میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے تو عبادت و توحید کے لئے اسی کو خاص کرو۔ اس میں اس

کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس چیز کی تبلیغ فرمائی اس تبلیغ کا خلاصہ توحید اور احکام الٰہیہ کی پابندی ہے۔ ھذا یہ توحید اور احکام الٰہیہ کی پابندی " صراط مستقیم " سیدھی راہ ہے کہ جس پر چلنے والا کبھی نہیں بھٹکتا۔

فائدہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ " فاعبدوہ " میری عبادت نہ کرو صرف اسی کی عبادت کرو اس لئے کہ میں عبودیت میں تمہارا شریک ہوں اور ربوبیت میں صرف وہ منفرد ہے اور سیدھی راہ یہی ہے کہ تم سب اسی کو معبود مانو

تفسیر عالمانہ : فاختلف الاحزاب حزب بالکسر کی جمع ہے بمعنی جماعۃ الناس یعنی مختلف گروہوں نے اختلاف کیا التحزب بمعنی گروہ گروہ ہونا کہا جاتا ہے " حزب قومہ فتحزبوا " اس نے اپنی قوم کو گروہ گروہ بنایا تو وہ گروہ گروہ ہوگئے اور وہ ایسے تھے اور ان کا اختلاف عیسیٰ علیہ السلام کے تین سو سال کے بعد ہوا ان کی موجودگی میں سب متفق تھے کیوں کہ انہوں نے جملہ بدعات ان کے رفع الی السماء کے بعد نکالیں " من بینھم " ان میں سے جن کے لئے عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے یعنی یہود و نصاریٰ اب معنی یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گروہ گروہ ہوگئے یہود ملعونوں نے کہا کہ (معاذ اللہ) بی بی مریم کے زنا سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں ان کے بعض نے انہیں ابن اللہ کہا بعض نے اللہ تعالیٰ اور مریم اور عیسیٰ علیہ السلام ہر تینوں خدا ہیں۔

فائدہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم گروہ در گروہ ہوگئی ان کے بعض کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہے ان پر ایمان لائے ایک اور گروہ ایمان لاکر انہیں معبود سمجھتے اور کہتے کہ وہ تین خداؤں میں سے ایک یہی ہیں اس معنی پر انہیں معبود سمجھ کر ان کی پرستش کرتے ایک اور گروہ کہتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسے عیوب و نقائص سے منزہ ہے ایک اور گروہ نے ان سے کفر کیا اور ان کی نبوت سے انکار کرکے ان پر ظلم کیا بلکہ ان کے شہید کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان ظالم مشرکین کے لئے فرمایا فویل للذین ظلموا پس خرابی ان ظالموں کے لئے جو مختلف گروہ ہوئے یہاں پر اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے تاکہ ان پر ظلم کی مہر ثبت ہو جائے۔ من عذاب الیم دردناک عذاب سے اس سے قیامت کے دن کا عذاب مراد ہے کیونکہ سب سے بڑا دردناک عذاب اسی دن ہوگا یہ " یوم عاصف " کے محاورہ سے ہے بمعنی عاصف الریح ــــــ

ھل ینظرون لوگ نہیں انتظار کرتے الا الساعۃ ان تاتیھم مگر قیامت کا کہ اس کا ان کے ہاں آنا " ان تاتیھم " الساعۃ سے بدل ہے چونکہ ان کے ہاں قیامت کا آنا لازمی امر تھا اسی لئے گویا وہ انتظار کرتے

لہ : اسمیں توکل کا سبق سکھانا مطلوب تھا تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب (علم الرسول) اویسی غفرلہٗ

تھے اسی لئے ان سے فرمائے گا کہ وہ آئے گی " بغتۃ " اچانک اس کا منصوب ہونا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے دراصل عبارت " اتیان بغتۃ " تھی ۔ "البغت" بمعنی شے کا اچانک آنا کہ اس کا وہم و گمان تک نہ ہو (کذافی المفردات) الارشاد میں ہے کہ قیامت کے اچانک آنے کا یہ مطلب ہے کہ ایسا نہیں کہ وہ اس کے متعلق کسی وہم و گمان میں ہوں گے بلکہ وہ اس سے بالکل غافل اور امور دنیا میں سخت مشغول بلکہ اس کے بالکل منکر ہوں گے اسی لئے ان کے لئے فرمایا وھم لا یشعرون اور انہیں اس کے آنے کا شعور بھی نہ ہوگا اسپر ہر ایک کو اس کے عمل پر جزا اور سزا ملے گی ۔

سوال : بغتۃ اور ھم لا یشعرون کا مفہوم ایک ہے بغتۃً کے بعد اس عبارت کے لانے کا کیا مطلب ۔

جواب : بغتۃً وھم لا یشعرون کا مفہوم نہیں ادا کر سکتا اس لئے کہ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا آنا اچانک ہوتا ہے اور اس کے وقوع کا شعور بھی ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ امر آئے گا اور اسے خیال گزرتا ہے کہ اس کے لئے تیاری کرنی چاہیے اور بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کے وقوع کو نہیں جانتا کہ وہ واقع ہو یا نہ لیکن واقع ہو جاتا ہے جس کا کسی کو اس کا انکار ہو کہ واقع نہ ہوگا اور وہ اس سے بالکل غافل ہوتا ہے اسی لئے اس کے لئے " وھم لا یشعرون " کتنا موزوں ہوا اسی لئے یہاں دوسرا معنی مراد ہے اسی لئے اسے جملہ حالیہ سے مقید کیا گیا ۔

سبق : دانشمند انسان کو ہر گناہ سے دور رہنا اور ہر جرم سے توبہ ضروری ہے اس دن سے پہلے جس کا عذاب دردناک ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس لئے کہ اس دن فرشتے ظالموں پر عذاب لائیں گے اور ان پر سختی کریں گے یہاں تک ان کے ارواح خبیثہ کو سخت تکلیف دیکر ان کے اجسام سے نکالیں گے ۔

حدیث شریف ہر مومن کا ہر روز نیا صحیفۂ اعمال لایا جاتا ہے اگر اس میں استغفار نہ ہو تو سیاہ کرکے لپیٹا جاتا ہے اور جب وہ صحیفۂ اعمال لپیٹا جائے اور اس میں استغفار ہو تو وہ صحیفہ نورانی ہوتا ہے ۔

فائدہ : استغفار سے اللہ تعالیٰ رحمت کے ملائکہ پیدا فرماتا ہے جو استغفار کرنے کے لئے استغفار اور رحمت کی دعا مانگتے رہتے ہیں ۔

قیامت سہ عدد قیامت تین ہیں

(۱) کبریٰ یعنی حشر الاجساد اور جزاء کے لئے محشر میں سب کا جمع ہونا

(۲) قیامت صغریٰ جملہ مخلوق کی موت ۔ کما قال علیہ السلام جو مرتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہو

جاتی ہے۔ اسی لئے وارد ہے کہ قبر بہشت کا باغیچہ بن جاتی ہے یا دوزخ کا گڑھا۔

(۳) قیامت وسطیٰ جیسی مخلوق کی (باطنی) موت اور اس کے وقوع کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ہاں اس کے چند علامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں مثلاً دنیا سے علم کا اٹھ جانا اور جہل و زنا و شرابخوری کی کثرت مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا صرف ایک مرد کفیل ہوگا۔

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے ایک وقت آنے والا ہے جس میں اسلام کا نام رہ جائے گا اور اسلام کی رسم اور قرآن کا صرف درس۔ مسجدیں آباد ہوں گی لیکن ذکر الٰہی سے خالی۔ اس دور کے علماء شریر ترین ہوں گے انہیں سے فتنہ خارج ہوگا اور انہی کی طرف لوٹ جائے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

گر بہ علم ملت باشد
بے عمل مدعی و کذابی

ترجمہ: اگر جملہ علوم تیرے سینے میں ہیں اگر تو بے عمل ہے تو تو صرف مدعی اور کذاب ہے۔

اور فرمایا ؎

عالم ناپرہیزگار کور یست مشعلہ دار

ترجمہ: عالم پرہیزگار نہ ہو تو وہ لالٹین ہاتھ میں رکھنے والے اندھے کی طرح ہے۔

یعنی عالم لوگوں کو ہدایت دے لیکن خود ہدایت سے خالی (نعوذ باللہ من علم بلا عمل)

تفسیر عالمانہ الاخلاء خلیل کی جمع ہے بمعنی دوست الخلۃ بمعنی مودت وہ اس لئے کہ دوستی نفس کو گھیر لیتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ دنیا میں ایک دوسرے کے علی الاطلاق دوست تھے یا دنیوی امور میں ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے تھے یومئذ آج کے دن یعنی وہ دن جس میں قیامت آئے گی یہ عدو کے لئے اسم ظرف ہے اور مبتدا و خبر کے درمیان میں اگرچہ واقع ہے لیکن اس سے نقصان نہیں اور اس کی تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے بعضھم لبعض عدو ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اس لئے کہ ان کا اس میں خلت ومحبت کا تعلق منقطع ہو جائے گا کیوں کہ وہاں پر عذاب کے اسباب ظاہر ہو جائیں گے۔ "الا المتقین" مگر اہل تقویٰ (اولیاء اللہ) اس لئے کہ دنیا میں ان کی آپس کی دوستی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھی اور وہ محبت جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ کبھی منقطع نہیں ہوں گی بلکہ ثواب و رفع درجات کے آثار کے مشاہدے الٹا ان کی محبت و مودت میں اضافہ ہوگا پہلے معنی پر استثناء متصل

ہوگا دوسرے معنی پر مستثنیٰ منفصل۔

فائدہ ، کاشفی نے لکھا کہ یعنی چونکہ کافروں کی دوستی کفر و معصیت کی معاونت پر مبنی تھی اسی لئے عذاب کے مشاہدہ پر ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بلکہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور چونکہ اہلِ ایمان کی محبت و دوستی صرف رضائے الٰہی اور خوشنودی پر موقوف ہوگی اسی لئے ان کی دوستی خالص ہوگی اس لئے ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے اور تاویلات کاشفی میں مذکور ہے کہ خلۃ چار قسم ہے۔

(۱) خلۃ تامہ حقیقیہ یہ خلت روحانیہ ہے اور تناسب ارواح کے مطابق اور تعارف ازلی کے موافق ہوتی ہے یہ انبیاء و اولیاء و اصفیاء و شہداء کی محبت جو انہیں آپس میں محبت و خلت اسی ازلی تعارف و تناسب کی وجہ سے ہوتی ہے

(۲) محبت قلبیہ یہ بوجہ تناسب کاملہ و اخلاق فاضلہ کے ہوتی ہے جیسے صلحاء و ابرار کی آپس میں محبت یا عوام کی انبیاء علیہم السلام سے یا مریدین کی مشائخ سے (جیسے ہم عوام اہل سنت کا طریقہ کار ہے وہ اس قسم پر مبنی ہے)

ان دو قسموں کو کسی قسم کا خلل نہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں ۔ یہ محبت ظاہراً و باطناً رنگ لائے گی اور اس کے ثمرات و نتائج بہتر سے بہتر حاصل ہوں گے۔

(۳) محبت عقلیہ تحصیل اسباب و مصالح دینویہ کی تیسیر کی وجہ سے جیسے تاجروں اور کاریگروں کی محبت یا خدام کی مخادیم سے یا ضرورت مندوں کی محبت دنیا داروں سے۔

(۴) محبت نفسانیہ بوجہ لذات حسیہ اور خواہشاتِ نفسانیہ کی ان دونوں قسموں کو قیامت میں مٹ جانا ہوگا اس لئے کہ جب اس کے اسباب نہ رہیں گے تو اصل بھی نہیں رہے گا۔ بلکہ بسا اوقات جب ایسی آرزو حاصل نہ ہو تو وہ دوستی الٹا دشمنی بن جاتی ہے ؎

۱ دوستیٔ کان غرض آمیز شد
دوستیٔ دشمنی انگیز شد

۲ مہر کہ از ہر غرضے گشت پاک
راست چو خورشید شود تابناک

ترجمہ ۱: وہ دوستی جو غرض سے ہو وہ دوستی دشمنی لائے گی۔

۲: وہ محبت جو ہر غرض سے پاک ہو وہ صحیح ہوگی اور سورج کی طرح روشن اور تابناک۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دنیا کی جس محبت دخلت کی بناء خواہشات نفسانیہ اور طبیعت انسانیہ پر ہو گی آخرت میں وہ دوستی دشمنی سے بدل جائے گی ایسے دوست آخرت میں ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے اور وہ حضرات جن کی محبت دخلت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گی ان کی دوستی دائمی اور غیر منقطع ہو گی اور وہ ایک دوسرے کی محبت دخلت سے فوائد و منافع حاصل کریں گے اور قیامت میں ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے وہ ایک دوسرے کے بارے میں گفتگو کر سکیں گے یہ متقین (اولیاء اللہ) ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے الا المتقین سے یاد فرمایا ہے۔

شرائط

(۱) خلۃ خالصہ کی ایک شرط یہ ہے کہ ان کی محبت صرف رضائے الٰہی پر مبنی ہو اس میں دنیوی اور خواہشات نفسانی کی کوئی علت نہ ہو۔

(۲) طلب الٰہی میں ایک دوسرے کے معاون ہوں۔

(۳) آپس میں کسی قسم کی مداہنت نہ ہو

(۴) صدق طلب اور اس کی جد و جہد جسمیں دیکھیں اس میں اس کی موافقت اور معاونت کریں۔

(۵) رضائے الٰہی میں تھوڑی سی خامی پر ایک دوسرے کو آگاہ کریں ذرہ برابر بھی چشم پوشی سے کام نہ لیں اسی لئے اہل اللہ فرماتے ہیں طریقت میں مدارات کفر ہے۔ بلکہ نرمی اور حکمت عملی سے اس کی اصلاح کریں اگر وہ اپنی خامی کو دور کرے تو محبت داخلاص میں سرگرمی دکھائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وان عدتم عدنا" اگر تم لوٹ آؤ گے تو ہم بھی لوٹ آئیں گے ؎

ہنوزت از سر صلحت باز آ
کزان محبوب تر باشی کہ بودی

ترجمہ: اگر تیرا واپسی کا ارادہ ہے تو لوٹ آ۔ تو میرا اس طرح محبوب ہو گا جیسے تھا۔

حکایت

دو شخص اہل ایمان میں سے تھے ان کی آپس میں دوستی تھی اور دو کافر تھے ان کی بھی آپس میں دوستی تھی۔ اہل ایمان میں سے ایک فوت ہونے لگا دوست کیلئے دعا مانگی یا اللہ میرا دوست مجھے تیری اور تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت میں میری معاونت، اور مجھے خیر و بھلائی کا حکم فرماتا اور مجھے برائی سے روکتا اور مجھے تیری حاضری کی خبر سناتا تھا میرے بعد اسے گمراہ نہ کرنا جیسے اس نے مجھے نیکی کی راہ بتائی تو اسے ہدایت پہ رکھنا جیسے اس نے میری تعظیم و تکریم کی تو اسے مکرم و معظم رکھنا جب اس کا دوسرا مومن دوست مرا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا اور خوش ہو کر ایک دوسرے کو کہتے کیا خوب بھائی اور ساتھی ملا پھر وہ ایک دوسرے کی تعریف و ثناء کرنے لگے۔ اور ایسے ہی دو کافروں میں سے ایک مرنے لگا تو کہا یا اللہ یہ بدبخت مجھے تیری اور تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت سے روکتا

اور برائی کا حکم دیتا اور خیر و بھلائی سے منع کرتا اور تیری حاضری کے متعلق انکار کی خبر دیتا تھا فلہٰذا میرے رب کے بعد اسے کوئی ہدایت کا راستہ نہ دکھا تاکہ جیسے اس نے مجھے گمراہ کیا تو اسے گمراہ کر دینا جیسے اس نے مجھے ذلیل و خوار کیا تو بھی اسے ذلیل و خوار کر۔ جب اس کافر کا دوست مرا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جمع فرمایا اور ہر ایک اپنے دوسرے کے لئے کہتا کیسا برا بھائی اور ساتھی ہے پھر وہ ایک دوسرے کی مذمت کرتے۔

حدیث شریف ۱: قیامت میں اللہ تعالیٰ اعلان فرمائے گا کہ میرے لئے دوستی کرنے والے کہاں ہیں آج اپنے سایہ تلے جگہ دوں جہاں میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔

حدیث شریف ۲: قیامت میں اللہ تعالیٰ اعلان فرمائے گا کہ میرے لئے محبت کرنے والوں کے لئے نورانی منبر ہیں جنہیں دیکھ کر انبیاء و شہدا بھی رشک کریں گے۔ اپنے متعلقین کے لئے کاش ہمیں بھی ایسے نصیب ہوتا)

حدیث شریف ۳: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کسی سے محبت کرو تو اللہ تعالیٰ کے لئے اگر کسی سے بغض رکھو تو اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے پیار کرو تو اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے دشمنی کرو تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ سے مراتب ملیں گے تو اسی عمل کی وجہ سے کسی کو نہ اتنا نفع کثرت روزے سے ملے گا اور نہ کثرت نماز سے اور نہ کثرت حج سے جتنا مذکورہ عمل سے افسوس کہ آج ایسے عمل والے بہت کم رہ گئے ہیں اگر کچھ کرتے ہیں تو دنیوی اغراض کے پیشِ نظر۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی۔

حدیث شریف ۴: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کا آپس میں بھائی چارہ مقرر فرمایا جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور فرمایا آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ یعنی تمہارا تعلق نہ دنیوی غرض سے ہو اور نہ نفسانی خواہش سے اور نہ ہی شیطان کے بہکانے سے۔

حدیث شریف ۵: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیوی طلب سے روک لیتا ہے بلکہ اسے دنیا کے لوگوں سے وحشت ہو جاتی ہے۔

سبق: چاہئے کہ ایسے شخص سے دوستی ہو جسے اللہ تعالیٰ سے تعلق و مناسبت ہو۔

وما حمدی بحب تراب ارض

ولکن ما یحل بہ الحبیب

ترجمہ: مجھے فلاں زمین کی شی اس لئے محبوب ہے کہ وہاں میرا محبوب مقیم ہے۔

حکایت: عبید بن عمر نے کہا ایک شخص کے تین دوست تھے ان میں سے ایک کے ساتھ بہت زیادہ پیار تھا ایک دفعہ وہ مصیبت میں مبتلا ہوا تو اپنے سب سے زیادہ پیارے دوست کے پاس

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ اُدْخُلُوا
الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ
بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ
الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ
فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ
فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ

گیا اور کہا مجھے مصیبت پڑی ہے میری امداد کیجئے اس نے کہا مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا کسی اور کے پاس جائیے اس
کے بعد اس کے پاس گئے جس سے اس سے کم دوستی تھی اس نے بھی یہی جواب دیا صرف اتنا مہربانی کی کہ کہا کہ
میں آپ کو اس تیسرے دوست کے ہاں پہنچا آتا ہوں جب اس گھر کے قریب پہنچیں گے تو میں واپس آجاؤں گا
جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ میں آپ کا خادم ہوں جو کچھ فرمائیں جیسے فرمائیں۔

سبق : یہ دراصل انسان کی اپنی مثال ہے پہلا دوست اس کا مال ہے دوسرا اس کا اہل و عیال
تیسرا اس کے اعمال سے

بشہر قیامت مرو تنگدست
کہ وجہے ندارد بحسرت نشست

ترجمہ : قیامت کے شہر میں خالی ہاتھ نہ جا۔ اگر اس وقت حسرت سے بیٹھنا پڑا تو اس کی
اور کوئی وجہ نہ ہو گی۔ سوائے اس کے کہ تو خود دنیا سے اعمال صالحہ کی پونجی ساتھ نہ لے گیا۔

قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ○ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ
لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ○ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ○ اَمْ
يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ط بَلٰى وَرُسُلُنَا
لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ○ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ق فَاَنَا
اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ
الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا
حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ فِي
السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ○
وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ج
وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ج وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ○ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ○ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○
فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ط فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ: ان سے فرمایا جائے گا اے میرے بندو آج نہ تم پر خوف نہ تم کو غم ہو وہ جو ہماری آیتوں
پر ایمان لائے اور مسلمان تھے۔ داخل ہو جنت میں تم اور تمہاری بیبیاں اور تمہاری خاطریں
ہوتیں۔ ان پر دورہ ہوگا سونے کے پیالے جاموں کا۔ اور اس میں جو جی چاہے
اور جس سے آنکھ کو لذت پہنچے اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہ ہے وہ جنت جس کے
تم وارث کیے گئے اپنے اعمال سے تمہارے لیے اس میں بہت میوے ہیں کہ ان میں
سے کھاؤ۔ بے شک مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ کبھی ان پر سے ہلکا
نہ پڑے گا اور وہ اس میں بے آس رہیں گے اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا ہاں وہ خود ہی

ظالم تھے اور وہ پکاریں گے اے مالک تیرا رب ہمیں تمام کر چکے وہ فرمائے گا تمہیں تو ٹھہرنا ہے بیشک ہم تمہارے پاس حق لائے لیکن تم میں سے اکثر کو حق ناگوار ہے۔ کیا انہوں نے اپنے خیال سے کوئی پکا کام کر لیا ہے تو ہم اپنا کام پکا کرنے والے ہیں۔ کیا اس گھمنڈ میں ہیں کہ ہم ان کی آہستہ بات اور مشورت کو نہیں سنتے ہاں کیوں نہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں تم فرماؤ بفرض محال رحمٰن کے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو سب سے پہلے میں پوجتا۔ پاکی ہے آسمانوں اور زمین کے رب کو عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں تو تم انہیں چھوڑ دو کہ بیہودہ باتیں کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پائیں جن کا ان سے وعدہ ہے اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا اور وہی حکمت و علم والا ہے اور بڑی برکت والا وہ اس کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں شفاعت کا اختیار انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے اللہ نے تو کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو ان سے درگزر کرو اور فرماؤ بس سلام ہے کہ آگے جان جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ یا عباد عباد کا لفظ اللہ کی طرف مضاف ہے اور یہ مخصوص ہے صرف اہل ایمان متقین سے یعنی قیامت میں اہل تقویٰ کے اظہار شرافت اور ان کے دل خوش کرنے کے لیے کہا جائیگا اے میرے بندو! لا خوف علیکم الیوم آج تمہیں کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو گی۔ ولا انتم تحزنون اور فوت مقاصد سے کوئی حزن اور ملال نہ ہو گی جیسے غیر متقین کو خوف اور حزن ہو گا۔

فائدہ: ابن عطاء نے فرمایا کہ دنیا میں مفارقت ایمان کا کوئی خوف نہیں اور نہ ہی آخرت میں انہیں بُعد کی دہشت سے خوف ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ خاص بندوں کو رب تعالیٰ دنیا و آخرت میں سلامتی کی خوشخبری سناتا ہے جیسا کہ آیۃ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الآخرۃ دلالت کرتی ہے لیکن انہیں حکم ہوتا ہے کہ اسے ظاہر مت کرو اور انہیں اپنی سلامتی کی خبر کافی ہے اور کوئی ضروری نہیں کہ ان کے غیروں کو بھی خبر ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو مخلوق سے آزاد فرماتا ہے اور اسے دنیا میں اپنے لئے مخصوص کر کے شرف عبودیت سے مشرف فرماتا ہے تو اسے آخرت میں ان حجابات کا خوف نہ ہو گا جو دوسروں کے سامنے لٹکائے جائیں گے اور نہ ہی اسے

ان نعمتوں کا غم ہوگا جو انہیں دنیا و آخرت میں سے رہ گئی ہیں جب کہ وہ بحر المعارف و العواطف کی گہرائیوں میں مستغرق رہا۔

تفسیر عالمانہ الذین آمنوا بآیاتنا یہ منادیٰ کی صفت ہے اور وہ لوگ جو ہمارے آیات پر ایمان لائے" وکانوا مسلمین" یہ واو حالیہ ہے یا اس کا صلہ پر عطف ہے اور وہ اسلام قبول کرنے والے یا وہ اخلاص کرنے والے اور اپنے چہروں کو ہماری طرف متوجہ کرنے والے اور انہیں صرف ہمارے لئے مخصوص کرنے والے ہیں۔

فائدہ: حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو میدان محشر میں اٹھائے گا تو تمام لوگ گھبرائے ہوں گے اس وقت منادی ندا دے گا اے اللہ کے بندو یہ سنکر تمام لوگ سر اٹھائیں گے پھر آواز آئے گی وہ جو ایمان والے ہیں (الآیۃ) اس دوسری آواز سے تمام ادیان باطلہ کے سر جھک جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ "وکانوا مسلمین" سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابتداء میں اسلام لانے کے بعد ظاہر اور امر و نہی کے لئے سر جھکائیں گے پھر بعد کو طریقت کے لئے تیار ہوئے اور شریعت کے احکام کے مطابق ارباب حقیقت کی تادیب سے باطن میں اخلاق کی تبدیلی کی۔ ایسے لوگ انتہا میں احکام ازلیہ اور تقدیرات الٰہیہ اور ظاہراً و باطناً جریان حکم کی پابندی کرتے ہوئے اپنے آپ کو ظلمات وجود مجازی سے نکال کر نور وجود کی طرف پہنچتے ہیں۔

(۲) اس میں اشارہ یہ بھی ہے کہ آیات تنزیلیہ

وتکوینیہ پر ایمان عیانی ہے اور حقیقی اسلام بھی یہی ہے لیکن یہ حقیقت عیان فی الایمان کے بعد ظاہر ہوتا ہے پھر جب ایمان صفاتی حاصل ہوتا ہے اور یہ ایمان بالآیات میں ترقی کرتا ہوا اس ایمان ذاتی کی طرف پہنچتا ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

تفسیر عالمانہ ادخلوا الجنۃ وازواجکم بہشت میں داخل ہو جاؤ اور تمہاری وہ عورتیں بھی جو ایمان والی ہیں۔ درانحالیکہ " تحبرون" خوش ہو کر ایسی خوشی سے کہ جس سے اس کا اثر تمہارے چہروں پر ظاہر ہو یا " تحبرون" بمعنی تزینون الحبرۃ سے مشتق ہے بمعنی حسن الہیئۃ ہے۔

حل لغات: الحبر بمعنی الاثر المستحسن ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ دوزخ سے ایک ایسے شخص کو نکالا جائے گا کہ چہرے سے رونق اور جمال اڑ چکا ہوگا۔ " الحبر العالم" اس عالم کو کہا جاتا ہے جس کے علوم کے اثرات لوگوں کے دلوں پر ہوں یعنی اس کے اعمال ذوالجلال کے ایسے آثار لوگوں کے دلوں پر ہوں جن کی اقتداء کی جاسکے القاموس میں ہے الحبر بالکسر بمعنی الاثر یا بمعنی اثر النعمۃ یا بمعنی الحسن والوشی و بالفتح بمعنی سرور اور

جرہ بمعنی سرۃ الجبرۃ بالفتح وہ سرور جو بہشت میں داخل ہونے پر حاصل ہوگا ہر خوش نغمہ کو بھی جبر کہا جاتا ہے
اس کی مزید تحقیق سماع کی بحث میں " فہم فی روضۃ یحبرون " کے تحت سورہ روم میں گزری ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وصال بہشت میں داخل ہو جاؤ تم اور تمہارے جیسے وہ حضرات جو طلب الٰہی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ بہشت میں جا کر ریاض انس میں مزے لوٹو۔

تفسیر عالمانہ یطاف علیھم بہشت میں داخل ہونے کے بعد اہل ایمان بہشتیوں کے سامنے پھرتے ہوں گے یعنی بہشت کے غلمان وولدان الطائف یعنی خادم اور ہر وہ نگران جو گھر کا ہر اٹے اطافۃ بمعنی طوف وطواف یعنی کے گرداگرد پھرنا۔ بصحاف من ذھب سونے کے پیالے صحاف صحیف کی جمع ہے بمعنی عریض وطویل پیالہ مجاہد نے فرمایا وہ برتن جن کے منہ مدور ہوں اور سدی نے فرمایا وہ پیالے جس کے پکڑنے کیلئے کوئی شے نہ ہو اس سے وہ پیالے مراد ہیں جن میں طعام ڈالا جائے "واکواب" اور سونے کے وہ کوزے جن کے دستانے نہ ہوں گے اور نہ ہی کوئی پکڑنے کی کوئی شے کی اور ان میں مختلف قسم کے شراب ہوں گے۔ یہ کوب کی جمع ہے وہ کوزہ جس کی نہ پکڑنے کی کوئی جگہ ہو نہ ٹونٹی تاکہ پینے والا جس سمت سے چاہے پئے۔

فائدہ : سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ وہاں اکواب تھوڑے ہوں گے لیکن صحاف بکثرت ہوں گے جیسا کہ صیغے اکواب وصحاف سے معلوم ہوتا ہے کیوں کہ سب کو معلوم ہے کہ کھانے کے برتنوں کی بہ نسبت پانی کے برتن تھوڑے ہوتے ہیں۔

فائدہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہر بہشتی کے آگے ستر ہزار صحیفے پھیرے جائیں گے جن کے ہر ایک میں ستر ہزار مختلف قسم کے طعام ہوں گے (عین المعانی)

وفیھا ما تشتھیہ الا نفس اور بہشت میں وہ لذت بھرے اور خواہشات نفسانی کے مطابق مختلف کھانے پینے اور لباس اور نکاح وسواری کی وہ چیزیں ہوں گی جنہیں انسان کا جی چاہتا ہے۔

سوال ، الاسئلۃ المقحمہ میں ہے بہشت میں اللہ تعالیٰ بہشتیوں کو وہی عطا فرمائے گا جو کچھ وہ چاہیں گے یا جو ان کا جی چاہے گا اگرچہ شرع کے بھی خلاف ہو یہ تو نامناسب سی بات ہے۔

جواب ۱ ، بہشت میں وہ نعمتیں ہوں گی ہی نہیں جو شرع کے خلاف ہیں اور نہ ہی کوئی جی اس قسم کی خواہش کرے گا اور نہ ہی کوئی اس قسم کی کوئی شے کسی کو دی جائے گی۔

جواب ۲ ، اللہ تعالیٰ بندوں میں ایسی کوئی خواہش پیدا نہیں ہونے دے گا جو محال یا خلاف شرع ہوگی۔

فائدہ : صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ بہشت میں لواطت نہیں ہوگی کیوں کہ یہ گندا فعل ہر دین اور جملہ مذاہب میں قبیح ہے اگرچہ عورت کی دبر ہو تب بھی یہ فعل برا ہے۔

سوال: حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے لواطت کو جائز رکھا۔

جواب: یہ آپ کا پہلا فتویٰ ہے اس کے بعد اس سے رجوع فرمایا لیکن وہ بھی عام اجازت نہیں دیتے بلکہ فرمایا یہ فعل اپنی عورت کے ساتھ جائز بتایا تھا۔

فائدہ: قیامت میں لواطت کی خواہش ہوگی بھی نہیں اس لئے کہ یہ فعل حکمت الٰہیہ کے بالکل خلاف ہے۔

فائدہ: اگرچہ بعض لوگوں نے لواطت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن باتفاق علماء یہ فتویٰ برخطاء فاحش پر ہے اس کی تفصیل ہم نے لوط علیہ السلام کے قصے میں بیان کر دی ہے۔

ازالۂ وہم: شراب کا قیاس نہ کیا جائے اس لئے کہ شراب بعض امتوں میں حلال تھا۔ خلاصہ یہ کہ لواطت کے علاوہ ہر وہ فعل جو شرعاً قبیح اور حکمت الٰہیہ کے خلاف ہوگی وہ بہشت میں ہرگز نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ بہشت میں عورتوں سے پردہ ہوگا جو غیر محارم ہوگا حالانکہ وہاں نہ حرمت کا سوال ہوگا نہ حلت کا۔

حل لغات: وتلذ الاعین کہا جاتا ہے لذذت الشئ بالکسر یعنی از باب علم یعلم لذاذا ولذاذۃ بمعنی میں شے کو لذیذ پایا اب معنی یہ ہوا کہ آنکھیں لذت محسوس کریں گی اور جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر ٹھنڈی ہوں گی۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی مرحوم فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ملائکہ اور روح کے نزول کی وجہ سے ہوگی جب کہ وہ اس کی تعظیم وتکریم کے لئے نازل ہوں گے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے کی دولت نصیب ہوگی اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت متصور ہوتی ہے۔

فائدہ: حضرت جعفر نے فرمایا کہ نفس سے لذت پانے اور آنکھ کی ٹھنڈک کی نعمت میں بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ نفس کے لئے جملہ بہشت کی نعمتوں کو آنکھ کی ٹھنڈک کی نعمتوں سے وہی نسبت ہے جو انگلی کے ڈبونے کو دریا کے پانی سے نسبت ہے کیوں کہ بہشت کی جملہ نعمتوں کی انتہا اور وہ مخلوق ہیں اور آنکھوں کی ٹھنڈک کی نعمت کی انتہا نہیں اور نہ ہی اسے مخلوق کی کسی شے سے نسبت ہو سکتی ہے۔

فائدہ: ان دو جملوں سے بہشت کی جملہ نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اس لیئے کہ ان نعمتوں کو یا نفس کی خواہشات سے تعلق ہے یا آنکھ کی ٹھنڈک سے (کذا فی الوسیط)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے قرآن مجید کے جوامع الکلم میں سے ایک یہی ہے اس لئے کہ اگر جملہ مخلوق مل کر ان نعمتوں کو شمار کرے تو بھی اس کی تفصیل نہیں بتا سکیں گے۔

معتزلہ کا رد: معتزلہ اسی طرح شیعہ دیدار الٰہی کے منکر ہیں اسی لئے لذت اعین کا ذوق صرف اہل بصیرت کو نصیب ہے لیکن جن کی بصیرت پر اعتزال کی عینک ہے اور انکھ

مستور ف دیکھ کے مژدۂ بہار سے بے خبر تو وہ اس کا انکار کر دیں گے مگر ہم تو اس لذت امین کی
تصدیق انہی سے کرائیں گے جن کی بصیرت صحیح ہے اور مشاہدہ محبوب کے مشتاق ہیں ؎

پردہ از پیش براند از کہ مشتاقانرا
لذت دیدہ جز از دیدن دیدار نیست

ترجمہ : درمیان سے پردہ ہٹا اس لئے کہ اہلِ اشتیاق کی لذت دیدار کے بغیر نہیں۔

ملفوظ امام قشیری حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیدار کی لذت اسے محسوس ہوتی ہے جسے محبوب کے دیدار کا اشتیاق ہو جسے اشتیاق ہو گا اسی کو لذتِ دیدار کا ذوق نصیب ہو گا۔

ملفوظِ ذوالنون مصری (ملفوظ ذوالنون مصری) سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شوق محبت کا پھل ہے جس کی محبت زیادہ ہو گی اسی کو شوق زیادہ ہو گا۔

زبور کا مضمون داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے داؤد علیہ السلام میرے انس طالبین کا ہر شے اور میری رحمت میرے محبین کے لئے اور میری مغفرت تائبین کے ہے اور میں صرف مشتاقان غمزدہ کے لئے ہوں ؎

در دلم شوق تو ہر روز فزون می گردد
دل شوریدۂ من بین کہ چہ روز افزونست

ترجمہ : میرے دل میں تیرا شوق ہر روز بڑھ رہا ہے میرے شوریدہ دل کو دیکھ کہ کیسے روزانہ شوق میں بڑھتا جا رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ ان ارباب مجاہدات و ریاضات کو بہشت میں وہی نصیب ہو گا جو وہ چاہیں گے جنہوں نے دنیا میں بھوک و پیاس برداشت کی اور مختلف مشقت و تکالیف کا اٹھائے ہوئے وہ بہشت میں مختلف اجر و ثواب میں ممتاز ہوں گے اور انہیں حکم ہو گا سونے کے برتنوں میں مختلف قسم کے طعام کھاؤ اور سونے کے گلاسوں میں مختلف قسم کی شراب پیؤ اور خوب کھاؤ پیؤ یہ تمہارے ان اعمال صالحہ کا بدلہ ہے جو تم نے دنیا میں کیا اور اربابِ قلوب و اہلِ معرفت و محبت کو وہ نصیب ہو گا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اس لئے کہ وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور عرصۂ دراز تک اس کے دیدار کے اشتیاق میں ان کے قلوب اور اس کی طلب میں ان کے ارواح نے تکالیف برداشت کیں۔

فائدہ : وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی طمع و لالچ میں کرتے ہیں وہ مردود ہیں اور جو صرف اسی کی

محبت و وفا ارادہ پر عبادت کرتے ہیں وہ عارف ہیں۔

وحی داؤد علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے داؤد علیہ السلام مجھے تمام محبوبوں سے وہ بندہ محبوب ترین ہے جو کسی عطا و انعام کے بغیر میری عبادت کرتا ہے اور عبادت میں ربوبیت کے مکمل طور حقوق ادا کرتا ہے۔ اور میرے اوپر اتنا ظلم کر رہا ہے جو بہشت کی لالچ میں یا دوزخ کے ڈر سے میری عبادت کرتا ہے کیا میں اس کا اہل نہیں کہ میری اطاعت کی جائے۔

حکایت ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے لوگوں سے گزرے جن کے اجسام عبادت سے کمزور پڑ چکے تھے پوچھنے پر معلوم ہوا وہ بہشت کے طمع پر اور دوزخ کے ڈر سے عبادت کر رہے ہیں آپ نے انہیں فرمایا تم بہشت کے لئے پیدا کئے گئے اور دوزخ سے ڈرتے ہو تو تمہاری آرزو پوری ہو گی اس کے بعد ایک اور قوم پر گزرے وہ عبادت میں مشغول تھے آپ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں عبادت کر رہے ہیں اور اس کی جلالت شان کی تعظیم ہماری عبادت کا مطمح نظر یہی ہے آپ نے فرمایا تم ہی اللہ تعالیٰ کے دوست ہو مجھے حکم ہے کہ میں تمہارے ساتھ رہوں۔

فائدہ ۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آخرت میں لا الہ الا اللہ کی لذت ایسے محسوس ہو گی جیسے دنیا میں ٹھنڈے پانی کی لذت محسوس ہوتی ہے۔

بہشت کے اونٹ گھوڑے

ایک اعرابی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا بہشت میں اونٹ بھی ہوں گے اس لئے کہ مجھے اونٹوں سے محبت ہے آپ نے فرمایا جو تیرا جی چاہے گا وہی ملے گا دوسرے نے عرض کی کیا بہشت میں گھوڑے بھی ہوں گے آپ نے فرمایا اگر تجھے اللہ تعالیٰ نے بہشت عطا فرمائی تو وہاں سرخ یاقوت کے گھوڑے پاؤ گے اور جہاں تم چاہو گے وہاں تمہیں اڑا کر لے جائیں گے۔

بہشت کے انعامات کی تفصیل

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ادنیٰ درجہ کا وہ خوش بخت ہو گا جسے سات درجات حاصل ہوں گے اور اس کے تین سو خدام ہوں گے اس کے سامنے ہر صبح و شام کو تین سو کھانے کے دستر خوان پیش کئے جائیں گے ہر دستر خوان پر ایسا لذیذ کھانا ہو گا جو ایک دوسرے سے بڑھ کر ہو گا ہر ایک کی لذت اپنی اپنی ہو گی جسے کسی دوسرے کے ساتھ مشابہت نہ ہو گی اور ہر صبح و شام اس کے سامنے پینے کے تین سو برتن پیش کئے جائیں گے اس کے ہر ایک میں ایسی لذت ہو گی جو اس کے دوسرے میں نہ ہو گی اور وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا یا اللہ اگر اجازت ہو تو بہشت کے ساتھیوں کو اپنے طعام و شراب سے کچھ دوں۔ میرے طعام و شراب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اسے اس

کی عام اجازت دی جائے گی اور اس بہشتی کی بہشت میں تین سو حوریں ہوں گی علاوہ اس کی ان عورتوں کے جو اسے دنیا میں ملی تھیں۔

حدیث شریف حضرت ابوظبیہ سلمی نے فرمایا کہ بہشتیوں کو بادل سایہ کرے گا اور کہے گا جو کچھ تمہارا ارمان ہو میں وہی برساؤں گا چنانچہ ان کے حکم سے وہی برسے گا جو وہ کہیں گے یہانتک کہ اگر وہ فرمائیں کہ اٹھتی جوانی کی عورتیں برساؤ تو بھی۔

حدیث شریف حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر بہشتی اڑتے ہوئے پرندے کے متعلق خواہش کرے گا کہ یہ بھنا ہوا ہو کر اس کے ہاں آجائے تو وہ فوراً پختہ اور بھنا ہو کر اس کے ہاتھ میں حاضر ہو جائے گا جسے وہ جی بھر کر کھا جائے گا اس کے بعد وہی پرندہ اڑ کر چلا جائے گا ایسے ہی پانی کی خواہش کرے گا تو پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں آجائے گا جسے وہ سیر ہو کر پیئے گا اس کے بعد وہ گلاس اپنی جگہ پر واپس لوٹ جائے گا۔

رؤیت باری کے مراتب: یہ مراتب دیکھنے والوں کی استعداد کے مطابق ہوں گے جب بہشتی اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھیں گے تو بہشت کی تمام نعمتوں اور لذتوں کو بھول جائیں گے اس لئے کہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور اسی لذت کا اور کوئی لذت مقابلہ نہیں کر سکتی۔

حدیث شریف: میں ہے کہ اسئلك لذة النظر الى وجهك میں تیرے چہرے کو دیکھنے کا سوال کرتا ہوں۔

فائدہ: اس میں ان فقہاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بہشت میں زیارت کا قائل کافر ہے ہاں اگر کہے کہ بہشت سے اس کی زیارت ہوگی تو کافر نہ ہو گا صاحب روح البیان نے فرمایا کہ آیۃ سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ فقہاء کرام نے یہ بتائی کہ پہلے قول سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا ظرف ماننا پڑے گا لیکن یہ کفر اس وقت لازم آئے گا جب قائل کا عقیدہ ہو کہ بہشت اللہ تعالیٰ کے لئے ظرف ہے اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو کفر نہیں۔

ازالۂ وہم بہشت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سے لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ بہشت میں ہے اس لئے کہ ہم سب کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو بلا حجاب دیکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا میں مقید ہونے کا قول کسی کا بھی نہیں۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لو (ورنہ معتزلہ کی طرح دیدار الٰہی سے محروم ہو جاؤ گے)

ظاہر ہے کہ دیدار الٰہی اہل شہود کا نصیب ہے ورنہ اہل قیود دیدار حق سے محروم ہیں اگر دیدار ربانی کا مسئلہ

سمجھ نہ آئے تو اس میں چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ یہ مسئلہ حال کا ہے قال سے اسے کوئی تعلق نہیں۔

ع: نداند لذت این بادہ زاہد

زاہد اس شراب کی لذت کو نہیں جانتا۔

"وانتم فیہا خالدون" یہ التفات تشریفی ہے یعنی تم بہشت میں باقی اور دائمی طور رہو گے یعنی نہ تو تم وہاں سے نکالے جاؤ گے اور نہ ہی اس میں موت آئے گی اس لئے کہ وہاں بقاء و دوام نہ ہو تو عیش منغص اور سرور و فرحت میں کمی اور اشتہاء و لذت کا نقص ہو گا اور تنعم کامل نہ ہو گا اور وہاں بھی خوف اور حسرت ہو گی اور یہ آخرت کی دائمی خوشی کے خلاف ہے بخلاف دنیا کے کہ اس میں فناء و تباہی ہوتی ہے اور دنیا کا عیش مکدّر اور اس کے منافع پُر ضرر ہیں ؎

جز حسرت و ندامت و افسوس روزگار
از زندگی اگر ثمرے یافتی بگو

ترجمہ: زمانے میں حسرت و ندامت اور افسوس کہ زندگی سے کوئی ثمرہ پایا ہے تو بتا۔

تفسیر عالمانہ: "وتلک" یہ اشارہ جنت مذکورہ کی طرف اور مبتدا ہے۔ "الجنۃ" خبر ہے "التی اورثتموہا" یہ وہ جنت ہے جو تم عطا کئے گئے ہو اور اس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے الامیراث یعنی میراث دنیا "بما" بارسببیہ ہے "کنتم تعملون" بسبب اس کے تم دنیا میں اعمال صالحہ کرتے تھے یعنی اب وہ وقت آ گیا ہے جو محض فضل الٰہی سے اور اعمالِ صالحہ کی تقسیم کی وجہ سے تم بہشت میں ہمیشہ رہو گے اس لئے کہ تم نے گناہ نہیں کئے۔

نکتہ: جزائے عمل کو میراث سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ عامل عمل کی جزا کا خلیفہ ہوتا ہے کیوں کہ عمل کے چلے جانے کے بعد عامل جزاء سمیت باقی رہے گا اس معنی پر عمل بمنزلہ مورث کے ہو گا اور اس کی بمنزلہ میراث کے ہو گی اور خباب کاشفی نے فرمایا کہ جزاء کو میراث اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ خالص اسی کو ملے گی اور صرف اسی کے قبضے میں دی جائے گی۔

میراث کا دوسرا مفہوم: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن و کافر کے لئے علیحدہ علیحدہ ایک مقام بہشت میں اور ایک دوزخ میں پیدا فرمایا ہے پھر دوزخ میں مسلمان کا مقام کافر کو ملے گا اور بہشت میں مسلمان کو کافر کا مقام حاصل ہو گا۔

صوفیانہ تفسیر: بعض مشائخ نے فرمایا کہ بہشت کے ثواب کو اعمال صالحہ کا بدلہ بتایا لیکن معرفت و دیدار و محبت و مشاہدہ کا کوئی عوض نہیں بیان فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ اس کا اپنا انتخاب ہے اور ازل سے

ہی جس کو چاہا عطا فرمایا اور یہ دولت عارفین صدیقین کو نصیب ہوتی ہے اور سب کو معلوم ہے کہ بہشت مخلوق ہے اور اعمال صالحہ بھی اسی لئے مخلوق کو مخلوق (اعمالِ صالحہ) کی وجہ سے مخلوق (جنۃ) عطا فرمائی اور چونکہ معرفت و دیدار اور محبت کی کوئی شے عوض نہیں بن سکتی۔ اسی لئے اسے بلاعوض جسے چاہا عطا فرما دی۔

تفسیر عالمانہ

لکم فیہا تمہارے لئے بہشت میں طعام و شراب کے علاوہ "فاکہۃ کثیرۃ" بحسب الانواع و اصناف نہ بحسب افراط بکثرت میوہ جات ہوں گے "الفواکہ" ہر وہ شے جسے انسان بہت زیادہ چاہے اور وہ اس کے نزدیک لذیذ ترین اور طبع کے بہت زیادہ موافق اور ابدان کو مناسب تر ہو اسی لئے اسے علیحدہ ذکر کیا منہا تاکلون اس کے بعض کو تم کھاؤ گے۔ ہم نے بعض کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جتنا قدر جس وقت کھائیں گے وہ درختوں پر کھڑے ہوئے میوہ جات کا بعض ہوں گے اور وہ میوہ جات ان درختوں پر ہمیشہ لگے رہیں گے لمحہ بھر کے لئے بھی کوئی درخت میوہ سے خالی نہ ہوگا۔ ہمیشہ کے لئے درخت میوہ جات سے مزین اور بھرپور ہوں گے جتنا قدر درخت سے پھل کاٹے جائیں گے اتنا قدر فوراً اور پھل پیدا ہو جائیں گے۔ حدیث شریف میں اسی طرح ہے۔

فائدہ: من تبعیضیہ ہے اور تقدیم تخصیص کی ہے اور یہ ابتدائیہ بھی ہو سکتا ہے اور حرف جار کا تقدم فاصلہ یا پہلے من کی طرح تخصیص کے لئے ہے اور میوہ جات صرف لذت کے لئے کھائے جائیں گے اس سے غذائیت مطلوب نہ ہوگی اور نہ ہی انہیں بھوک لگنے پر کھایا جائے گا۔ بلکہ محض لذت کے طور۔

فائدہ: مطاعم ومشارب و ملابس کا تفصیلی طور ذکر اور پھر بار بار اس لئے ہے کہ انسان کو ہمیشہ ان اشیاء کا خطرہ رہتا ہے اس کی تسلی کے لئے ان کا ذکر بار بار ہوا تاکہ وہ اسے سکون و اطمینان حاصل ہو اگرچہ یہ اشیاء بہشت کی حقیر اور ادنیٰ ترین نعمتوں میں شمار ہوتی ہیں۔ نیز انسان کے شوق و فرحت کے اضافہ کے لئے بھی انہیں بار بار ذکر کیا جاتا ہے کیوں کہ انسان فطرتی طور ان اشیاء سے بہت خوش ہوتا ہے۔

فائدہ: فاسق و فاجر اگر مسلمان ہے اور اس نے ول وجان سے اسلام کو قبول کیا ہے تو وہ بھی اسی وعدہ میں داخل ہے کیوں کہ اہل سنت کے نزدیک بہشت کے داخلہ کے لئے صرف ایمان شرط ہے اعمال اس کی فرع ہیں بخلاف معتزلہ کے کہ وہ اعمال کو بھی ایمان کا جز مانتے ہیں) اگرچہ بظاہر اس وعدہ میں وہ داخل نہیں کیوں کہ قیامت میں فاسق و فاجر اپنے جرائم اور معاصی کی وجہ سے محزون و مغموم ہوگا لیکن اتنا قدر فاسق کا خروج از وعدہ ہمارے دعویٰ کے منافی نہیں۔

خلاصہ علاء: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ آیت میں بشارۃ صرف کامل مومنین کو ہے کیونکہ حقیقی طور پر انہوں نے ہی اسلام قبول کیا اور ناقص مومنین نے اگرچہ اسلام قبول کیا لیکن اس کے منافی اعمال کئے

سے ایمان کمال کو نہ پہنچا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کامل مومن کے اوصاف میں یہاں پر تقویٰ کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس تقریر سے اگرچہ فاسق کے لئے دخول فی الجنۃ کی بشارۃ بطریق اتم نہیں لیکن ایمان کی دولت اور اس کی برکت سے کامل مومن کے حکم میں اسے ملحق سمجھا جائے گا۔ اور یہ بھی اس وقت جب ان سے حزن وملال کا انقطاع ہو گا (اور یہ انقطاع شفاعت کبریٰ وصغریٰ کے بعد ہو گا۔)

سبق: عقلمند وہ ہے جو اعمال ظاہرہ و باطنہ کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرے اور اسے بہشت کے مطاعم ومشارب وملابس کی لالچ میں نہیں بلکہ ذات حق کی رضا کے لئے عبادت کرنی چاہیے کیوں کہ جن امور کے طمع میں عبادت کرتا ہے تو وہ مشاہدات کے طعام ومکاشفات کے شراب سے محروم رہے گا اور جس نے دنیا میں اشجار معارف سے میوہ جات نہیں کھائے تو وہ آخرت میں اذواق حقیقۃ کی لذت سے محرومی پائے گا۔ اور اذواق حقیقیہ صرف اولیاء اللہ اور متقین خاصانِ خدا کو نصیب ہوں گے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

عشق می ورزم وامید کہ این فن شریف
چوں ہنرہائے دگر موجب حرمان نشو

ترجمہ: میں نے عشق اس لئے اختیار کیا کہ یہ فن شریف ایسا ہے کہ دوسرے امور کی طرح محرومی کا سبب نہیں۔

تفسیر عالمانہ: ان المجرمین وہ لوگ اپنے جرائم میں پختہ اور مضبوط ہیں ان سے کفار ومشرکین مراد ہیں اس لئے کہ یہ ان اہل ایمان کے مقابلہ میں لائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جملہ آیات پر ایمان لاتے ہیں "فی عذاب جہنم" عذاب جہنم میں یہ "خالدون" کے متعلق ہے غیر منقطع عذاب میں مبتلا ہوں گے جیسے اہل ایمان فاسق لوگوں سے عذاب جہنم منقطع ہو جائے گا جب کہ وہ جہنم میں داخل ہوں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے گنہگاروں کو بخش دے۔ لا یفتر عنھم ان سے عذاب کی تخفیف نہ ہو گی اور نہ ہی انہیں معاف کیا جائے گا

حل لغات: اہل عرب کے قول فترت عنہ الحمی قلیلا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب بخار سے تھوڑا سا وقفہ مل جائے اور اس کی گرمی سے سکون حاصل ہو یہ لیسے الفاظ ضعف وہن (سستی) پر مستعمل ہوتے ہیں امام راغب نے فرمایا کہ الفتر بمعنی تیزی کے بعد سکون شدۃ کے بعد نرمی قوت کے بعد ضعف یعنی سست کرنا "وہم فیہ مبلسون" اور وہ اس میں نجات وراحت اور عقوبات کی خفت سے ناامید ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ دوزخ کو دوزخ کے ایک صندوق میں بند کر کے اوپر سے ڈھک دیا جائے گا اور اسی عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہے گا نہ وہ کسی کو دیکھ سکے گا نہ اُسے کوئی دیکھے گا۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے کہ "الابلاس" بمعنی نا امید ہونا اور شکستہ اور اندوہگین ہونا۔ المفردات میں ہے کہ الابلاس بمعنی وہ حزن جو سخت نا امیدی سے عارض ہو اسی سے ابلیس مشتق ہے اہل عرب کہتے ہیں "ابلس فلان" یہ اس وقت بولتے ہیں جب دلائل دے کر اپنے دعویٰ کے ثبوت سے بالکل مایوس ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیۃ میں اشارہ ہے کہ اہل توحید اگر کسی وجہ سے دوزخ میں چلا بھی جائے تب بھی اسے دوزخ میں ہمیشہ تک نہیں رکھا جائے گا جیسا کہ خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عذاب میں بھی تخفیف ہو گی۔

حدیث شریف میں ہے انہیں اللہ تعالیٰ شاکر دوزخ سے نکال لے گا اور میت کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اور نہ وہ دردناک ہوتا ہے۔ وہم مبلسون بمعنی خائبون اور یہ کفار کی صفت ہے اور اہل ایمان اگرچہ کسی عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں تب بھی رحمت ایزدی سے نا امید نہیں ہوتے گنتی کے دن گنتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دکھ درد ٹل جاتے ہیں اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ مومن کو دوزخ میں اگر جانا ہو گا تو ایسا محسوس کرے گا جیسے دنیا میں کسی غم اور پریشانی میں مبتلا ہو اس لئے کہ آخرت ہلاکت اور تباہی کا دن ہے اور توحید نجات کے لئے معاونت کرتی ہے۔ شاعر نے کہا ؎

عیب السلامۃ ان صاحبہا ۔۔۔ متوقع القواصم الظہر
وفضیلۃ البلوی ترقبہ
عقبی الرجاء ودورۃ الدھر

ترجمہ : سلامتی کا عیب یہ ہے کہ سلامت چاہنے والے کو کمر توڑ مصائب آتے ہیں۔
اور مصائب پر صبر کی فضیلت کی آخرت میں امید کرے اور دہر کے دور ایسے ہیں۔

؎ ہست در قرب ہمہ بیم و زوال
نیست در بعد جز امید وصال

ترجمہ : قرب میں بیم و زوال کا خوف ہے بعد میں وصال کی امید کے سوا اور کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ وما ظلمناھم اور دوزخ میں ڈال کر ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ ولکن کانوا ھم الظالمین لیکن وہ خود ظالم تھے معاصی و کفر کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو دوزخ کے دائمی عذاب میں پھنسا کیا اور "ھم" ضمیر فصل کا ہے یہ بصریوں کا مذہب ہے وہ اس لئے فصل کی ہے کہ وہ اپنے مابعد کے متعلق صفت اور خبر کے درمیان فرق بتاتی ہے اور کوفی اسے ضمیر العماد کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنے مابعد کی حفاظت کرتی ہے

کہ کہیں وہ خبریت سے ساقط نہ ہو جائے جیسے گھر کے ستون چھت کو گرنے سے بچاتے ہیں۔ ونادوا یا مالک لیقض
اور کفار دوزخ کے مالک نامی فرشتے کو پکار کر کہیں گے کہ اسے مالک اپنے رب تعالیٰ سے ہمارے
علینا ربک تاکہ وہ ہمارے متعلق کوئی فیصلہ فرمائے یعنی وہ ہم پر موت طاری کر دے تاکہ ہماری جان چھوٹ جائے۔
تقضی علیہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی پر موت طاری ہو جائے اب معنی یہ ہوا کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے ہمارے
فیصلۂ موت کا سوال کیجئے اور یہ ان کی ناامیدی کے منافی نہیں اس لئے کہ یہ چیخنا چلانا اور موت کی آرزو کرنا محض شدۃ
عذاب سے ہوگا۔ قال مالک فرشتہ علیہ السلام انہیں چالیس سال کے بعد جواب دیں گے۔ ایک روایت میں
سو سال ایک اور روایت میں ایک ہزار سال وارد ہے۔

فائدہ: تبیان میں ہے کہ یہاں چالیس روز مراد ہیں لیکن دن بھی اسی عالم آخرت کا مراد ہے جواب کی تاخیر ان
کے عذاب اور حزن وملال کے اضافہ کے لئے ہوگی۔ انکم ماکثون بے شک تم اسمیں ٹھہرے رہوگے یہ المکث سے
ہے بمعنی الثبات مع انتظار یعنی تم اسی عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہوگے تمہارے لئے نجات کا امکان بھی ختم ہے نہ تم پر موت
ہے اور نہ ہی کوئی اور طریقہ بس اب چیختے اور چلاتے رہو ان کا چیخنا چلانا گدھے کی آواز کے مشابہ ہوگا کہ پہلے
باریک پھر بھاری۔ لقد جئناکم بالحق بے شک ہم تمہارے ہاں دنیا میں رسل کرام علیہم السلام بھیج کر کتب آسمانی
نازل کر کے حق لائے" یہ خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبیخ وتقریع کے طور ہوگا اور مالک فرشتہ علیہ السلام
کے جواب کی تقریر و تاکید کے لئے ہے اور انہیں دائمی عذاب میں مبتلا رہنے کا سبب بتلایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم تمہارے ہاں دین قویم لائے تم نے اسے قبول نہ کیا اس لئے کہ
اکثر انسان کی طبائع باطل کی طرف مائل ہوتی ہیں چنانچہ فرمایا۔

تفسیر عالمانہ

ولکن اکثرکم للحق کارھون لیکن تمہارے اکثر حق سے کراہت کرنے والے ہیں اسی لئے حق
کو قبول نہیں کیا بلکہ اس سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ اس سے جوارح ونفس کو بوجھ محسوس ہوتا
ہے بنا بریں کفار کے کل افراد حق سے نہ صرف کراہت کرتے بلکہ اس سے دور بھاگتے ہیں یہ عام تفاسیر میں ہے لیکن
اس کی تفسیر حقیقی وہی ہے جو تاویلات نجمیہ میں ہے جسے ہم نے اوپر لکھا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

حل لغات

الکراہتہ، کرہ الشئی (بالکسر) سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کسی شئے
کا ارادہ نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ حق سے نفرت کرنا کفار کی عادت ہے حق کی ہر میٹھی اور کڑوی بات
کا قبول کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیکار نہیں بنایا بلکہ اس کی
ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ان کی جانشینی کے لئے اولیاء کرام کو منتخب فرمایا لیکن ان کے
اکثر علاج کو قبول نہیں کرتے اس کے علاج کے لئے توحید نافع تر ہے

بیمار نے ڈاکٹر کو تندرست بنا دیا

حضرت شبلی قدس سرہ بیمار ہوئے تو انہیں ہسپتال داخل کرایا گیا علی بن عیلی وزیر نے بادشاہ وقت کو اطلاع دی تو بادشاہ نے چوٹی کا ڈاکٹر بھیجا جو مذہباً نصرانی تھا اس نے حضرت شبلی قدس سرہ کے معالجہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ڈاکٹر نے حضرت شبلی قدس سرہ سے عرض کی کہ حضرت میں نے اپنی طرف سے بڑا زور لگایا اور یقین فرمایئے کہ اگر آپ کی صحت و عافیت کے لئے مجھے اپنے جسم کا ٹکڑا کاٹ کر دوا کے طور پیش کرنا پڑتا تو میں کبھی گریز نہ کرتا۔ آپ نے فرمایا مجھے ابھی صحت ہو جائے گی اگر آپ میرے لئے بجائے جسم کے ٹکڑے کاٹنے کے زنار کفر توڑ دیں۔ ڈاکٹر نے سنتے ہی فوراً پڑھا۔ اشہد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ "۔ بادشاہ نے کہا کہ ہم نے بیمار کے ہاں ڈاکٹر کو بھیجا تھا کیا خبر تھی کہ اُلٹا بیمار ڈاکٹر کا علاج کر کے اسے دائمی مرض کفر سے نجات دے گا۔

حکایت دیگر

اسی طرح کی ملتی جلتی ایک اور حکایت مشہور ہے کہ حضرت نجم الدین اصفہانی مکہ معظمہ میں ایک نیک بخت کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے گھر سے تشریف لائے نماز کی فراغت کے بعد جب اس نیک بخت کو قبر میں دفنایا گیا اور تلقین کنندہ قبر کے سرہانے تلقین کے کلمات پڑھنے بیٹھا تو حضرت شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ ہنس پڑے حالانکہ آپکی ہنسنے کی عادت نہیں تھی آپ سے آپ کے بعض دوستوں نے ماجرا پوچھا تو پہلے تو آپ نے انہیں جھڑکا لیکن بعد میں فرمایا کہ میں صاحب قبر کی گفتگو سے ہنسا اس لئے کہ تلقین کرنے والا آپ کو تلقین کرنے لگا تو وہ بزرگ فرماتے تھے کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔

سبق

اس سے (وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں) کے غلط عقیدہ کا رد ہوا کہ مردے نہیں سنتے یا وہ کچھ نہیں کر سکتے بلکہ اس سے الٹا ثابت ہوا کہ ہم عوام درحقیقت مردے ہیں اور اللہ والے اگر عالم دنیا سے رخصت ہو جائیں تب بھی زندہ ہیں اس لئے کہ جس کا قلب ذکر الٰہی سے غافل ہو تو اس کی روحانیت مر جاتی ہے اور وہ بندہ زندہ ہو تب بھی حقیقت میں وہ مردہ ہے ایسے لوگ نفس کی دوزخ میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی انہیں ہجر و فراق الٰہی کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا اسے نفسانیت کسی قسم کا فائدہ نہ دے گی پھر جب وہ اپنے آپ کو نفع نہیں دے سکتا دوسروں کو کیا فائدہ پہنچائے گا۔

ہاں جو اللہ والے ہوتے ہیں ان کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے وہ اگرچہ دنیا سے رخصت (یعنی مر جاتے ہیں) تب بھی وہ حقیقتہً زندہ ہوتے ہیں۔

رد وہابیہ، دیوبندیہ، نجدیہ وغیرہم

ہم اہل سنت کہا کرتے ہیں کہ اولیاء کرام مرتے نہیں بلکہ تقلب مکانی فرماتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے

کون کہتا ہے کہ ولی مرگیا
وہ دنیا سے چھوٹا اور اپنے گھر گیا

یہی عقیدہ صاحب روح البیان نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ

لان المومنین الکاملین لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار ص ۳۹۴ ج ۸

ترجمہ : اہل ایمان کاملین (اولیاء) مرتے نہیں بلکہ وہ ایک دار (دنیا) سے منتقل ہو کر دوسری دار (آخرت) میں چلے جاتے ہیں۔"

ایسے اولیاء کرام قلب کی جنت میں وصال کی نعمت سے سرشار ہوتے ہیں انہیں ان کے اعمال و احوال کی جزاء نصیب ہوتی ہے اس جزاء سے وہ وافر حصہ حاصل کرتے ہیں پھر وہ خود بھی اپنے اعمال واحوال سے نفع پاتا ہے دوسروں کو بھی نفع پہنچاتا ہے۔

رد وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ اولیاء وصال یعنی مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے اذن و عطا سے اس کی مخلوق کو نفع اور فائدہ پہنچاتے ہیں یہی عقیدہ صاحب روح البیان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ۔

ولہ تاثیر فی نفع الغیر ایضاً بالشفاعۃ ونحوہا ما اشار الیہ قولہ تعالیٰ فالمدبرات امرا۔

ترجمہ : نفع غیر کو نفع دینے کی تاثیر اسکو حاصل ہے کہ شفاعت وغیرہ سے فائدہ پہنچائیں جیسے فالمدبرات امرا میں اشارہ ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ کا عقیدہ بھی یہی ہے جو مذکور ہوا چنانچہ فرمایا کہ ؎

مشو بمرگ ز امداد اہل دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ : اہل دل کی موت کے بعد ان کی امداد سے ناامید نہ ہو اس لئے کہ مرد خدا آگاہ کی نیند بھی بیداری ہے۔

سبق اسی سے ان ریاکار پیروں فقیروں مولویوں کا حال سمجھنا دشوار نہیں کہ لوگوں کو تلقین اور وعظ کرتے پھرتے ہیں لیکن خود محروم ہیں کیونکہ وہ مردہ ہیں اور مردے کو روح حقیقی کی ضرورت ہے اور جب وہ خود مردہ ہیں تو پھر وہ دوسرے اہل اموات (عوام) کو کیا روح پھونکیں گے اگرچہ بظاہر پھونکیں بھی تو بے سود کیونکہ ان کی پھونک میں اثر نہیں کیونکہ یہ اہل ولادت ثانیہ (ولایت) سے نہیں ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں علم و معرفت و شہود سے زندہ فرمائے اور ہمیں جہل و غفلت و قیود سے بچائے (آمین)

تفسیر عالمانہ ام ابرموا (لا بلام) یعنی "احکام الامر" ابرم الحبل سے ہے۔ یعنی

" تردیدقتلہ" ؏ یہ نیا جملہ او۔ ام منقطعہ ہے اس میں بل انتقالیہ کا معنی ہے اہل نار کو توبیخ کی جارہی ہے ہمزہ انکار کے لئے ہے اگر ابرام سے حقیقی احکام مراد ہو تو انکار الوقوع اور اس سے استبعاد مراد ہو گا اگر اس سے صوری احکام مراد ہو تو انکار سے الواقع اور اس کا استقباح مراد ہو گا یعنی مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکر و فریب کا معاملہ پکا کر لیا " فانا مبرمون " تو ہم اپنی تدابیر کو پختہ اور مضبوط کر چکے ہیں یا یہ معنی ہے کہ اگر وہ ظاہری طور مکر و فریب کر رہے ہیں تو ہم نے حقیقی تدبیر مضبوط کر لی ہے اسی طرح اور مقام پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ام یریدون کیدا فالذین کفروا ھم المکیدون " کفار اپنی مجلسوں میں حضور علیہ السلام کے متعلق سرگوشی کرتے اور آپ کی ایذاء کے متعلق ایک دوسرے سے مشورہ لیتے تھے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ جیسے انہوں نے " دارالندوہ " میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا منصوبہ بنایا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مخلوق کے جملہ خواہ کتنے ہی یقینی ہوں لیکن ضروری نہیں کہ انہی کی تدبیر کے مطابق سرانجام پائیں بسا اوقات وہ اپنے امور کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے ہوتے ہیں تو اچانک معاملہ برعکس ہو جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ صانع حقیقی کے وجود کی واضح تردید ہے۔

تفسیر عالمانہ ام یحسبون کیا کفار گمان کرتے ہیں انا لا نسمع سرھم وہ خیالات جو انہوں نے مکر و فریب کے طور تیار کئے ہم نہیں سنتے ہم جانتے ہیں کیوں کہ ان کی تکذیب حق ان کے ان خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ ونجواھم اور ان کے ان باتوں کو بھی جانتے ہیں جو آپس میں فخر و مباہات یا مشورہ کے طور ایک دوسرے کو کہتے ہیں یہ " ناجیۃ سے ہے بمعنی سارۃ " دراصل زمین کی اس جگہ کو کہتے ہیں جو اپنے سے نیچے والی جگہ سے علیحدہ ہو۔ "بلیٰ" ہاں ان کی جملہ کارروائیوں کو ہم سنتے اور ان سے مطلع ہیں۔

"ورسلنا" اور ہمارے وہ فرشتے جو ان کے اعمال کے محافظ وہ جہاں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ رہتے ہیں "لدیھم" ان کے نزدیک یکتبون لکھتے ہیں ان کے وہ جملہ افعال و اقوال جو ان سے سرزد ہوتے ہیں منجملہ ان کے ان کی یہی مکر و فریب کی کارروائی بھی ہے پھر ان کی جملہ کارروائیاں قیامت میں ان کے سامنے پیش کی جائیں گی جب ہر پوشیدہ امر فرشتوں سے مخفی نہیں رہتا تو پھر عالم الغیب سے کب پوشیدہ رہ سکتا ہے اس جملہ کا اس جملہ پر عطف ہے جس کی لفظ "بلیٰ" ترجمانی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے کہ وہ ان کے احوال خود بھی سنتا ہے اور فرشتوں کی کتابت اعمال سے بھی جانتا ہے ڈرایا اس لئے ہے کہ عموماً بندے غفلت میں ہوتے ہیں اگر بندہ اپنے پروردگار سے باخبر ہو تو اسے غیر اللہ سے نہ ڈراتا۔ اور جسے معلوم ہو گا

ؔ رسی کے دھاگے بار بار بٹ کر مضبوط کرنا : ۱۲ :

کر اس کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور اس سے حکم الٰہی کے تقضا پر عمل کرنے نہ کرنے کے متعلق سوال ہوگا اگرچہ گناہ صغیرہ بھی کیوں نہ ہو (تو پھر وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا)

فائدہ: حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو اپنے سے حیا کرنے کا اور بعض کو کراماً کاتبین سے حیا کرنے کا حکم دے کر اسے فرمایا جو شخص صرف ذات الٰہی کے سے حیا میں مستغرق ہوگا تو وہ کراماً کاتبین کے حیا سے مستغنی ہو جائیں گے اور یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے اپنے گناہوں کو لوگوں سے چھپایا اور اللہ تعالیٰ سے حیا نہ کیا تو اس نے تحقیر کی اور یہ منافقت کی علامت ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے اپنی گلستان میں لکھا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کی بخشش نے ایک گمراہ کو ہدایت کی روشنی سے نوازا کہ وہ اہل دل لوگوں کے زمرہ میں آگیا تو ان قدسی نفوس کے صدقہ سے اس کے مذموم اخلاق و عادات محمود عادات و اخلاق سے تبدیل ہوگئے یہاں تک کہ ہوا و ہوس سے پاک ہو گیا لیکن طعن و تشنیع والوں نے کہا وہ برائیوں میں مبتلا رہا لیکن اب توبہ کی تو کیا فائدہ اس کی یہ نیکی کبھی قبول نہ ہوگی۔ سچ ہے کہ توبہ سے بندہ خدا سے نجات پا سکتا ہے لیکن لوگوں کے طعنوں سے نہیں بچ سکتا جب لوگوں نے اسے طعن و تشنیع سے ستایا تو اپنے مرشد کو عرض کی تو انہوں نے فرمایا بندۂ خدا تو شکر کر اب جیسے تجھے سمجھتے ہیں تو ویسا نہیں اس سے تو بہتر ہے کہ لوگ تجھے نیک کہتے حالانکہ تو برا ہوتا اس کے برعکس میرا حال دیکھ کر غایت نقصان میں ہوں لیکن مجھے لوگ اچھا سمجھتے ہیں ؎

انی لمستتر من عین جیرانی

واللہ یعلم اسراری

ترجمہ: بے شک میں ہمسائیگان کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوں حالانکہ میرا اللہ تعالیٰ ہی میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔

۱ درِ بستہ بروئے خود ز مردم
تا عیب نگسترند ما را

۲ درِ بستہ چہ سود عالم الغیب
دانائے نہان و آشکارا

ترجمہ ۱: لوگوں سے دروازہ بند کیا جائے تاکہ وہ ہمارے عیوب سے آگاہ نہ ہوں

۲: ایسے دروازہ بند کرنے کا کیا فائدہ وہ عالم الغیب پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتا ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ کراماً کاتبین چھوٹا بڑا، ظاہر اور مخفی ہر عمل لکھ لیتے ہیں۔ حضرت سفیان بن عینیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ کیا کراماً کاتبین غیب جانتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں سائل نے عرض

کی تو پھر وہ قلب کے عمل کو کیسے لکھتے ہیں آپ نے فرمایا اس لئے کہ قلب کے عمل کی ایک نشانی ہوتی ہے جس کے آثار چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں تو اس کی خوشبو مشک کی طرح مہکتی ہے اسے کراماً کاتبین لکھتے ہیں اگر برائی ہوتی ہے تو خود تو قلب پر جم کر رہ جاتی ہے لیکن اس کی بدبو باہر نکلتی ہے اس علامت سے کراماً کاتبین ہر نیکی و برائی کو لکھتے ہیں۔

فائدہ: شیخ عزالدین رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالسلام نے فرمایا کہ اندرونی حالت کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔

مسئلہ: شرح الطریقہ میں ہے کہ بیت الخلاء میں گفتگو کرنا مکروہ ہے ایسے ہی قضاحاجت کے وقت بھی اس لئے کہ ملائکہ کو ایسی حالت کی گفتگو لکھنے سے تکلیف ہوتی ہے

مسئلہ: قضاحاجت کے وقت اگر کوئی السلام علیکم کہے تو اس کا جواب دل میں دینا چاہیے زبان سے وعلیکم السلام کہنا مکروہ ہے اس لئے کہ زبان کا عمل فرشتے لکھتے ہیں اور انہیں ایسے وقت کے کلام لکھنے سے ایذا پہنچتا ہے اور قلب کے عمل کے لکھنے پر وہ مامور نہیں اور نہ وہ لکھتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور فرمایا کہ خفی ذکر قلب کی ریحان ہے اور ذکر خفی وہ ہے جو ملائکہ سے مخفی ہے جس سے آواز کو دخل نہ ہو اور یہ صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے۔ ان اولیاء کرام کو بھی ایسا ذکر خفی نصیب ہوتا ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہیں اور پیارے بندوں کی توفیق کو خود جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ "قل" اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو فرمائیے۔ ان کان للرحمٰن ولد اگر بالفرض والتقدیر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی جیسے کفار کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں۔ فانا اول العابدین تو میں سب سے پہلا ہی اس کی اولاد کا عبادت گزار ہوتا اور سب سے پہلے میں ہی اس کی اولاد کی تعظیم اور فرمانبرداری میں سبقت کرتا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام شیون کو سب سے زیادہ جانتے ہیں کہ کون سے امور ان کے لئے جائز ہیں اور کونسے ناجائز۔ اور کون سے امور اس کے حقوق میں ضروری ہیں اور کسی کی اولاد کی تعظیم پھر اس کے حقوق میں شامل ہے یعنی حضور علیہ السلام نے کافروں کو فرمایا کہ اگر کسی قوی حجت سے اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت ہو جائے جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو سب سے پہلے میں ہی اس کی تعظیم اور اس کی اطاعت کروں گا۔ کیونکہ اس کی اولاد کی تعظیم درحقیقت اس کی تعظیم اور اس کی فرمانبرداری درحقیقت اس کی فرمانبرداری ہے اس لئے کہ داعی الی الفعل کو اس کی طاعت و تعظیم میں سب سے اول و اسبق ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونا قطعی ہے اس کے لاوقوع کو وقوع میں لاکر ان کی تبکیت و اسکات اور الزام میں مبالغہ کیا گیا ہے۔

ازالۂ وہم: لفظ ان اگرچہ امور ممکنہ پر مستعمل ہوتا ہے لیکن مجازاً محال و ممتنع پر اس کا اطلاق ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی اولاد کا ہونا ممتنع ہے تو پھر اولاد کو اس کی طرف منسوب کر کے اس کی

پرستش بھی ممتنع ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا ذکر صرف تمثیل اور مبالغہ کے طور پر ہے تاکہ انہیں یقین ہو کہ جب اس کے لئے اولاد ممتنع ہے تو پھر اس کے غیر کی پرستش بھی ممتنع ہونی چاہیے۔

فائدہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں کفار کے ساتھ استہزاء مطلوب ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ وہ کم عقل اور جاہل ہیں اب معنی یہ ہوا کہ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی جیسے تم کہتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے تو پھر میں ہی اس کی پرستش کرنے میں تم سے سبقت کر جاتا لیکن نہ وہ اس کا بیٹا ہے نہ میں اس کی پرستش کرتا ہوں۔ فلہٰذا تم بھی نہ اسے اس کا بیٹا سمجھو اور نہ اس کی عبادت کرو۔

اول کائنات کون

ہم اہل سنت عقیدہ رکھتے ہیں کہ کل کائنات سے پہلے نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھا بلکہ ہر شے سے پہلے ہی حضور علیہ السلام نے توحید کا اعلان فرمایا

چنانچہ یہی عقیدہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے دو صدی پہلے یوں بیان فرمایا کہ

قال جعفر الصادق رضی اللہ عنہ اول ماخلق اللہ نور محمد صلے اللہ علیہ وسلم قبل کل شئ و اول من وحد اللہ تعالیٰ ذرۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم و اول ماجری بہ القلم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فانا اول العابدین احق بتوحید اللہ و ذکر اللہ"

روح البیان ص ۳۹۶ ج ۸ تحت آیت ہذا

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا فرمایا سب سے پہلے توحید کی گواہی دی تو آپ نے اور سب سے پہلے قلم نے لکھا لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ اسی لئے فرمایا میں سب سے پہلا عبادت گزار ہوں اور توحید الٰہی اور ذکر الٰہی کا میں ہی زیادہ حق دار ہوں"

تفسیر عالمانہ : سبحان رب السموٰت والارض رب کی اضافت سب سے قوی اور بڑی مخلوق کی طرف مضاف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ان بڑی اور قوی مخلوق اور ان کے اندر ہر چھوٹی بڑی شے کا پروردگار اور مالک ہے جب یہ اشیاء اس کی مملوک ہیں تو پھر اس کا جزو کیسے ہو سکتی ہیں وہ تو ایسے نقص سے پاک ہے۔ "رب العرش" وہ عرش کا رب ہے لفظ رب کا تکرار اس لئے ہے تاکہ عرش کی عظمت کا اظہار ہو۔

"عما یصفون" اس صفت سے جو اس کے لئے بیان کرتے ہیں یعنی اولاد سے۔

فائدہ : بحر العلوم میں ہے کہ ان بڑے اور قوی اجسام کے پروردگار کی تسبیح بیان کرو اس لئے کہ ان کی تربیت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے پروردگار کی تسبیح کی جائے اور ان اوصاف سے اس کی تنزیہ بیان کی جائے جن سے کفار اسے موصوف کرتے ہیں مثلاً اس کے لئے اجسام کی صفات بیان کرنا وغیرہ وغیرہ اس لئے کہ جو اجسام کے صفات۔

موصوف ہو وہ اتنی بڑی اور قوی اشیاء نہیں پیدا کر سکتا اور نہ ہی ان کی تربیت کر سکتا ہے اور نہ ہی دیگر جملہ امور کی تدبیر فرما سکتا ہے " فذرھم " جب کفار نے ایسے واضح اور روشن دلائل بھی نے تب بھی انہیں اعتبار نہیں تو انہیں چھوڑیئے۔ یخوضوا تاکہ وہ اباطیل و اکاذیب میں شروع رہیں الخوض بمعنی پانی میں جانا اور گزرنا پھر استعارۃً امور میں شروع ہونے کے لئے مستعمل ہوتا ہے لیکن قرآن مجید میں ہر جگہ ان امور کے لئے مستعمل ہوا ہے جن کی شریعت مطہرہ نے مذمت کی ہے (المفردات) ویلعبوا " اور اپنے دنیوی امور میں کھیلیں کودیں اس لئے کہ ان کے جملہ افعال و اقوال جہل و لعب پر مبنی ہیں۔ فعل کا مجزوم ہونا امر کے جواب کی وجہ سے ہے

حل لغات

اہل عرب " لعب فلان " اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ایسے فعل میں معروف دیکھیں کہ جس سے کوئی صحیح مقصد حاصل نہ ہو۔

فائدہ: اہل عرب فرماتے ہیں جس کھیل کود میں لذت نہ ہو اسے عبث کہا جاتا ہے اور جس میں لذت ہو اسے لعب سے تعبیر کیا جاتا ہے " حتی یلاقوا " یہاں تک کہ ملیں گے یعنی آنکھوں سے دیکھیں گے " یومھم الذی یوعدون " اسی دن کو جس کا آپ کی زبان مبارک سے انہیں وعدہ دیا گیا ہے یعنی وہ دن جس کی حاضری کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس لئے کہ انہیں اسی دن کے متعلق شک اور انکار تھا اور موت کا تو انہیں یقین تھا ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ موت کے بعد قیامت کا دن فوراً قائم ہو جاتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو مر جاتا ہے تو اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے اس معنی پر ان کے غور و خوض اور لہو و لعب کا منتہیٰ قیامت کے دن کو کہا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اب وہ اپنی اس عادت سے باز نہیں آئیں گے نیز اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کئی اقسام پر پیدا فرمایا بعض انہیں وہ ہیں جو بہشت کے لئے پیدا کئے گئے۔ انہیں اسی طرح کی استعداد پیدا کی گئی کہ وہ ایمان اور اعمال صالحہ اور شریعت کی پابندی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے خوگر ہوتے ہیں اور بعض انہیں دوزخ کے لئے پیدا ہوئے تو ان میں دوزخ کی استعداد پیدا کی گئی کہ وہ دعوت اسلام کے انکار و جحود اور اسے رسوا کرنے کے درپے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نفسانیہ حیوانیہ کی طبیعت کی طرف سپرد کر دیتا ہے جس سے لہو و لعب اور لایعنی امور میں غور و خوض کی طرف ان کا میلان ہوتا ہے۔ ان کے بعض کو قربت و معرفت کے لئے پیدا کیا گیا ہے ان میں قربت و معرفت کے لئے محبت و صدق و توکل و یقین اور مشاہدات و مکاشفات و مراقبات اور ترک شہوات پر جد و جہد کرنے اور انواع مجاہدات و تسلیم تصرفات ارباب المؤلفات کی مساعی کی عادات پیدا کی جاتی ہیں۔

بہلول داناکو چھوٹے بچے کی نصیحت

حضرت بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ کے چوک پر بچوں کو اخروٹ اور بادام وغیرہ سے کھیلتا دیکھا ان میں ایک علیحدہ ہو کر ان کو دیکھ کر رو رہا تھا میں نے سمجھا کہ شاید وہ لڑکا خالی ہاتھ اور غریب زادہ ہے اسی لئے بطور حسرت رو رہا ہوگا میں نے جاکر پوچھا بچہ تو کیوں روتا ہے کیا تمہارے پاس اخروٹ اور بادام نہیں ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو میں تیرے لئے اخروٹ و بادام وغیرہ خرید کر لاؤں تاکہ تم بھی ان بچوں کے ساتھ کھیل سکو میری طرف تیز نگاہ دوڑائی اور فرمایا اے بے عقل کیا ہم کھیل وکود کے لئے پیدا کئے گئے ہیں میں نے پوچھا تو کس لئے پیدا کئے گئے ہیں اس نے کہا علم وعبادت کے لئے میں نے پوچھا تم نے کیسے معلوم کر لیا اس نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید کا ارشاد گرامی۔

افحسبتم انما خلقنکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون سے سمجھا ہے

ابراہیم بن ادھم نے شاہی تخت کیوں چھوڑا

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شاہی اور تخت اور اہل وعیال سے اور جاہ وجلال اور دنیا و دولت کو اس لئے چھوڑا (حالانکہ وہ تو بہت بڑے بادشاہ تھے) کہ وہ ایک دن شکار کے لئے نکلے تو آپ کے سامنے لومڑی اور خرگوش بھاگا آپ اسے تلاش کر رہے تھے کہ اچانک ہاتف نے آواز دی کیا تم اسی لئے پیدا کئے گئے یا اس پر مامور ہو پھر اس کی زین سے آواز آئی کہ نہ تم اس کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور نہ اس کے لئے مامور ہو یہ سنکر حضرت ابراہیم بن ادھم گھوڑے سے اترے اور اپنے داعی کے پاس جاکر اس سے اس کا لباس اونی لے کر پہنا اور گھوڑا اور جملہ سامان شکار اس کے سپرد کر دیا۔ جنگل کی راہ لی پھر جملہ عالم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا مرتبہ عظمیٰ عطا فرمایا۔

سبق ماسوی اللہ کے ساتھ مشغول ہونا لہو ولعب ہے اس لئے کہ اسمیں کوئی مقصد صحیح نہیں کیوں کہ انسان کا اصلی مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ والے کل کائنات سے فارغ ہو کر خالق کل کائنات کی طرف راجع ہوتے ہیں ؎

دلا ترک ہوا کن قرب حق گر آرزو داری

کہ دور افتد حباب از بحر در کسب ہوا کردن

ترجمہ: اے دل اگر تجھے قرب الٰہی کی تمنا ہے تو خواہشاتِ نفسانیہ کو ترک کردے اس لئے کہ حباب دریا سے اس وقت دور پڑتا ہے جب وہ اپنی کی خواہش پوری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مشغولوں سے بنالے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وھو الذی فی السماء الٰہ اور وہ اللہ تعالیٰ جو آسمان میں ہے وہی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے آسمان میں ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ آسمان والے ملائکہ کا معبود ہے اور اس سے آسمان قائم ہے اس کا معنی یہ نہیں کہ آسمان میں حلول کرنے والا یا اس میں مقیم ہے وفی الارض الٰہ اور زمین میں وہی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے یعنی وہی زمین والوں یعنی انس وجن کا معبود ہے بلکہ کافروں کے معبودوں کا بھی معبود ہے اور اہل ارض کا صرف وہی قاضی الحاجات ہے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ زمین میں حلول کرنے والا یا اس میں مقیم ہے۔

فائدہ : دونوں ظروف الٰہ کے متعلق ہیں کیونکہ یہاں پر الٰہ معبود برحق مراد ہے یا یہ معبود برحق کے معنی کو متضمن ہے جیسے کہا جاتا ہے ھو حاتم اس سے سخی مراد ہوتا ہے اور حاتم کا نام لیکر سخی اس لئے مراد لیا گیا ہے کہ وہی سخاوت میں مشہور تھا بعض قراتوں میں ھو الذی فی السماء اللہ وفی الارض اللہ وارد ہوا ہے اور سورہ انعام میں ہے کہ ھو اللہ فی السموٰت وفی الارض یعنی آسمانوں اور زمینوں میں وہی واجب الوجود اور وہی عبادت کا مستحق ہے اسم موصول کا راجع ضمیر مبتدا محذوف ہے تاکہ عبارت طویل نہ ہو دراصل عبارت یوں تھی وھو الذی ھو فی السماء وھو الحکیم العلیم اور وہی حکیم علیم ہے گویا یہ ماقبل کے طور لایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو ذات کمال حکمت وعلم سے موصوف ہے صرف وہی الوہیت کا مستحق ہو سکتا ہے اس کے غیر کو ایسا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا حکیم وہ ہے جو عالم اور اس کے اہل کی تدبیر کی حکمت والا اور ازل وابد سے ان کے جمیع احوال کو جانتا ہے۔ "وتبارک" اور اولاد اور شریک سے پاک اور زوال وانتقال سے منزہ اور اس کا ذکر برکت والا ہے اور اس کے شکر سے حصول نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ الذی یہ تبارک کا فاعل ہے لہ ملک السمٰوٰت والارض آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی اسی کی ہے "وما بینھما" اور جو ان کے مابین ہے ہمیشہ ہونے والی اشیاء ہوں۔ یا گاہے گاہے جیسے پرندے اور بادل وغیرہا۔

حکایت ایک دن خلیفہ ہارون الرشید نے شکار کے لئے اپنے باز کو چھوڑا اور وہ آسمان کے اوپر اڑتا چلا گیا یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اس کی واپسی سے مایوسی کے بعد لوٹا اور اس کے منہ میں مچھلی تھی ہارون الرشید نے علماء کرام کو بلا کر ماجرا پوچھا تو مقاتل نے فرمایا اے امیر المومنین تیرے دادا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آسمان کے خلاء میں بھی بڑی مخلوق آباد ہے اور اسمیں جانور ہیں جو انڈے بھی دیتے ہیں اور بچے بھی جنتے ہیں اور وہ مچھلی کی شکل میں ہیں ان کے پر ہیں لیکن ان سے اڑ نہیں سکتے یہ مچھلی انہی سے ہے ہارون الرشید نے مقاتل سے یہ روایت سنی اور اسے انعام سے نوازا (کذا فی حیوۃ الحیوان)

وعندہ علم الساعۃ اور اس کے ہاں ساعۃ کا علم ہے یعنی وہ گھڑی جسمیں قیامت ہوگی اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (ہاں جسے اللہ تبارک تعالیٰ بتادے) (والیہ ترجعون) اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے

یہ التفات تہدیدی ہے، یعنی جزاء کے لئے لوٹائے جاؤ گے اسی لئے اللہ تعالیٰ کی حاضری کے لئے مستعد رہو۔

تفسیر صوفیانہ حضرات مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اختیاراً اور اضطراراً، لوٹائے جاؤ گے اہل سعادت قدم شوق و محبت و عبودیت کی وجہ سے اختیاراً لوٹائے جائیں گے اور اہل شقاوت اضطراری موت سے لوٹائے جائیں گے یہاں تک کہ انہیں بیڑیاں اور زنجیر ڈال کر جہنم کی طرف کھینچا جائے گا۔

فائدہ : صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ کبھی اضطراری رجوع نافع ممدوح اور مقبول ہوتا ہے وہ اسطرح کہ بندے کو جذبۂ الٰہیہ سے نرمی کے ساتھ کھینچ کر بارگاہِ حق میں لایا جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے اکثر بزرگوں کے ساتھ ہوا ہے۔

حکایت حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور دوگانہ پڑھ کر مسجد کے کونہ میں بیٹھ گیا اور مجھے اپنی طرف بلایا جب میں ان کے ہاں پہنچا تو مجھے فرمایا کہ میرے دیدار الٰہی کا وقت قریب آگیا ہے اور ابھی مجھے دوستوں سے ملنا ہے پھر جب تم میرے کفن و دفن سے فارغ ہو جاؤ تو ایک نوجوان گانے بجانے والا تیرے ہاں حاضر ہوگا اسے میری گودڑی اور عصا اور لوٹا دے دینا تو میں نے کہا گانے بجانے والے کو یہ کیسے ہو سکتا ہے انہوں نے فرمایا کہ وہ خدمت الٰہی کرنے سے میرے اس رتبہ و مقام کو پہنچ گیا ہے۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ فوت ہو گیا اور ہم ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے فارغ ہو گئے تو ہمیں مصر کا ایک نوجوان ملا اور ہمیں السلام علیکم کہہ کر فرمایا اے ابو القاسم میری امانت کہاں ہے میں نے کہا کہ اصل بات کیا ہے اس نے کہا کہ میں شراب خانے میں سرمست تھا کہ اچانک ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے فلاں تم حضرت جنید کے پاس جاؤ اس سے امانت حاصل کرو اور وہ فلاں جگہ پر جا رہے ہیں اور وہ امانت انہیں فلاں ابدال نے دی ہے۔ حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا میں نے وہ امانت اس کے سپرد کر دی ہے اس نے کپڑے اتارے اور غسل کر کے فقیر کی گدڑی پہن کر شام کے ملک کی طرف روانہ ہو گیا۔

فائدہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اس گانے بجانے والے کو ہاتف غیبی کی آواز سے جذبۂ الٰہیہ نصیب ہوا اور شام کی طرف اس لئے روانہ ہوا کہ وہ ابدال کا مرکز ہے اور ہجرت بھی سنت انبیاء و اولیاء ہے اور اسی سے وہ ترقیاں نصیب ہوتی ہیں جو گھر بیٹھے نہیں ملتیں جب وقت آتا ہے تو توفیق بھی نصیب ہو جاتی ہے اور اہل اللہ کے ہاں ملنے کا موقعہ مل جاتا ہے ؎

زین جماعت اگر جدا رفتی
در نخستین قدم ز پا رفتی

ترجمہ ، اس جماعت سے اگر تم جدا چل پڑے تو پہلے قدم پر ہی گر پڑو گے۔

تفسیر عالمانہ

"و لا یملک الذین یدعون" اور انہیں قادر ہوتے وہ جن کی عبادت کرتے ہیں۔ "من دونہ" اللہ تعالیٰ کے ماسوائے "الشفاعۃ" اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کرنے پر جیسا کہ کفار کا عقیدہ تھا "الا من شہد بالحق" مگر وہ جو حق کی گواہی دے یہاں پر حق سے توحید مراد ہے اور یہ استثنار متصل ہے اور اسم موصول تمام معبودوں کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہیں جیسے عیسیٰ و عزیر اور ملائکہ علیہم السلام وغیرہم یا استثنار منفصل ہے تو پھر اس سے صرف اصنام (بت) مراد ہیں۔ "وہم یعلمون" اور وہ اسے بصیرۃ وایقان اور اخلاص سے اسے جانتے ہیں۔ جس کی گواہی دیتے ہیں۔

فائدہ : کاشفی نے لکھا کہ وہ دل سے مانتے اور زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ یہ شفاعت نہیں کریں گے مگر مومن گنہگاروں کی اور جمع کی ضمیر مَنْ کے معنی کی وجہ ہے جیسے اس کا مفرد ہونا اس کے لفظ کی وجہ سے ہے۔ "ولئن سالتہم من خلقہم" اگر آپ ان بت پرستوں اور بتوں سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا فرمایا اور کس نے عدم سے وجود بخشا "لیقولن اللہ" تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ اس لئے کہ انہیں انکار کی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ یہ بہت واضح اور ظاہر معاملہ ہے اس لئے کہ انسان کو معرفت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور یہی اس کی فطرت ہے اور اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے مکرم و معظم بنایا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری اشیار کی معرفت دوسروں کے کہنے پر اور ان کی اتباع اور ان کے عادات و اخلاق سے ہوئی۔ الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معرفت الٰہی بدیہیات سے ہے اور بدیہیات سمعی دلائل کی محتاج نہیں ہوتیں اور کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ورود دلیل سمعی سے پہلے اس کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں۔

جواب ان کا وحدانیت کا اقرار بھی تقلیداً تھا اور وہ کسی دلیل یا بدیہی حیثیت کے ماتحت توحید کا اقرار نہیں تھا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ صانع حقیقی کا انکار بعض ملحدین کو تھا اور اب بھی ہے جیسے کیمنسٹوں کو۔ اگر یہ بدیہیات سے ہوتا تو پھر نہ انہیں انکار ہوتا نہ انہیں ؎

خانہ بے صنع خانہ ساز کہ دید

نقش بے دست خامہ زن کہ شنید

۲ ہر کہ شد ز آدمی سوئے تعطیل

نیست در وے خرد چو قدر فتیل

ترجمہ : (۱) گھر تیار کرنے والے کے بغیر کوئی گھر نہیں۔ ایسے ہی کسی کے لکھنے کے بغیر کوئی نقش نہیں سنا گیا

(۲) جو آدمی کو معطل سمجھتا ہے اس میں تاگے کی مقدار میں بھی عقل نہیں

وقیلہ : القول والقیل والقال سب کے سب مصادر ہیں عاصم و حمزہ نے اسے بالکسر پڑھا ہے اور فرمایا کہ اس کا عطف الساعۃ پر ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ساعۃ اور حضور علیہ السلام کے شکایت کے قول کا

علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو رسول علیہ السلام کے شکایتی قول کا علم ہے جب انہوں نے کہا "یارب" اے میرے پروردگار
ان ھٰٓؤُلَآءِ بے شک یہ گروہ یعنی معاندین قریش "قوم" ازروئے عناد و مکابرہ ایسی قوم ہے "لا یؤمنون"
کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں پیغمبرؐ قوم کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا بوجہ ان کے برے حال کے یا واؤ قسمیہ
ہے اور "ان ھٰٓؤلآءِ قوم الخ اس کا جواب ہے اس معنی پر یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف بہ بنائے اخبار ہوگا یہ رسول
علیہ السلام کا کلام نہ ہوگا۔ واؤ قسمیہ بنانے میں حضور علیہ السلام کی رفعت شان کا اظہار اور آپ کی دعا اور
التجاء الی اللہ کی تفخیم شان مطلوب ہے ان دو قاریوں کے علاوہ باقی تمام قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے
اس کا الساعۃ کے محل پر عطف ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے کہ وہ ساعۃ اور رسول اللہ کی گفتگو یا
ان کی پوشیدہ تدبیروں سرگوشیوں کو جانتا ہے اس کا عطف یکتبون محذوف پر ہے یعنی وہ اسے اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو لکھتے رہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے یہ مجرور ہو اور منصوب ہو تو بھی حرف قسم محذوف
مانا جائے جیسے "اللہ لافعلن" میں ہوتا ہے کہ اللہ کا منصوب ہونا فعل محذوف کی وجہ سے؛ اور اسے جملہ
قسمیہ سمجھا جاتا ہے اب اصل عبارت یوں ہوگی "واقسم قیلہ یا بقیلہ۔

فائدہ : اضمار و حذف میں فرق یہ ہے کہ حذف میں کلمہ محذوف کا اثر باقی نہیں رہتا جیسے "واسئال القریۃ"
اور اضمار میں اثر باقی رہتا ہے جیسے "انتھوا خیرا لکم" اس لئے کہ یہ اصل افعلو تھا اور وقیلہ کو مرفوع پڑھنا
بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ قسم مرفوع بالابتداء اور اس کی خبر محذوف ہے جیسے "ایمن اللہ" میں ایمن اللہ مرفوع
الخ ہے اور "ان ھٰٓؤلآء" قسم کا جواب ہے اصل عبارت وقسمی ان ھٰٓؤلآء الخ ہے اس لئے کہ معطوف و معطوف علیہ
کے درمیان ایسی شے فاصل ہوئی ہے جسے یہاں جملہ معترضہ کے طور واقع ہونا موزونیت نہیں رکھتا اگر یہی کیا جائے
کہ یہ مرفوع ہے اور مضاف محذوف ہے اس کا عطف الساعۃ پر ہے ایسی ترکیب میں نظم و نسق کلام میں تنافر ہوگا

فیصلہ زمخشری نے مجرور بالقسم کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ مجرور میں نہ تو فصل واقع ہوتا ہے نہ نظم کلام میں
تنافر۔ لیکن سعدی مفتی نے کہا کہ زمخشری کی ترجیح بجا لیکن قسم ماننے سے اضمار و حذف بلا قرینہ ظاہر
لازم آتا ہے اور ایسا ہونا قسم کے ابحاث میں کوئی قاعدہ نہیں اور نہ عرب میں اس کی کوئی شہرت ہے فلہٰذا زمخشری
کی ترجیح کا قول بھی بلا مرجح ہے (حواشی سعدی مفتی) "فاصفح عنھم" کافروں کی دعوت سے درگزر کریں اور ان کے
ایمان سے مایوس ہو جائیں "وقل سلام" اور فرمایئے میرا معاملہ یہ ہے کہ تمہیں سے دور کا سلام اور تمہارے دین
سے بیزاری اور دوری اس سے شرعی سلام مراد نہیں بلکہ اس سے برأت و بیزاری مطلوب ہے جیسے ابراہیم
علیہ السلام نے اپنے چچا آذر کو فرمایا۔ سلام علیک سا ستغفرلک (فسوف یعلمون) وہ عنقریب اپنا
حال معلوم کرلیں گے اگرچہ دیر کے بعد یعنی عنقریب وہ اپنے کفر کا بدانجام معلوم کرلیں گے جب ان پر دنیا میں
ہی عذاب نازل ہوگا جیسے بدر میں ہوا اور آخرت میں بھی انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور وہ دوزخ کی

آگ میں دھکیلے جائیں گے۔

فائدہ : اس میں کافروں کو وعید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وقت کو غنیمت جان کر موت سے پہلے اپنے معاملات کی اصلاح کرے اور داعی کی دعوت کو قبول کرے جب تک کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو ورنہ جب خود وہی شفاعت کنندہ اس کا مدعی بن جائے گا تو پھر بہت بڑی پریشانی ہوگی۔

ملفوظ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ساحل شام پر بعض لوگوں سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت یقین سے حاصل کیا ہے اور اس کے حصول میں بہت بڑی محنت اور مشقت اٹھائی کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ اسی محنت و مشقت سے ہی ان کی من بھاتی نعمتیں حاصل ہوں گی جب تک دنیا میں رہے دکھ درد سہے اور حزن و ملال سے زندگی بسر کی کبھی دنیا کی نعمتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اور نہ اس کے ساز و سامان سے کچھ نفع اٹھایا صرف اس قدر کہ سوار رات کو کہیں بسر کرے تو شب باشی کا سامان ساتھ لے جاتا ہے۔ نجات کی امید رکھتے ہیں وہ ہر وقت اپنے آقا کی رضامندی کے لئے کمربستہ رہتے ہیں اور آخرت کی طرف چشم براہ اور ان کی دونوں کان صرف اسی طرف متوجہ رہتے ہیں انہیں اگر تم دیکھو تو کہ ان کے ہونٹ زخمی اور پیٹ بھوک سے کمزور دل غمگین اور جسم نڈھال اور آنکھیں تر افسوس اور پریشان کے ساتھی اور دنیا کا معمولی سامان رکھتے ہیں اور پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں شہر میں رہنے کے باوجود ان پر بادیہ نشین کے آثار نظر آتے ہیں آبادیوں سے گریزاں، دوستوں ہمنشینوں سے تنہا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شب بیداری اور رات کی تھکان نے ان کی نیند کو ذبح کر ڈالا ہے اور ان کے اعضاء زہد و عبادت کے حکموں سے نہایت سکڑے ہوئے عبادت و اطاعت کی محنت و مشقت سے حد سے زیادہ نقاہت ان پر چھائی ہوتی ہے موت کے لئے بستر باندھ کر ہر وقت پا بہ رکاب ہیں ؎

۱ : چو از جائیگان دو دیدن گرد ۔ تیزی ہم افتان و خیزان برو

۲ : گراں باد پایاں بر فتند تیز ۔ تو بے دست و پا از نشستن بخیز

ترجمہ : ۱: جب کسی جگہ سے چلا جانا ضروری ہے گرتے پڑتے جلدی سے چلا جا (جیسے بھی ہو)

۲: تیز رفتار تو تیزی سے نکل گئے تو اگر لنگڑا لولا ہے تو کم از کم بیٹھنے والی جگہ سے تو اٹھ کھڑا ہو۔

سُوْرَةُ الدُّخَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ اَمْرًا
مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ○ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ
مُّوْقِنِيْنَ ○ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآ
ئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ○ فَارْتَقِبْ
يَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ○
اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ○ ثُمَّ تَوَلَّوْا
عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ○ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا
اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ○ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا
مُنْتَقِمُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ○ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ○ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○
وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ○ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ

وقف لازم

وقف لازم وقف لازم

فَاعْتَزِلُوْنِ ○ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ○
فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ
اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ○ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ○
وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ○ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ○ كَذٰلِكَ
وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ○ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ
وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ○

سورۃ الدخان مکی ہے اس میں ۵۹ آیتیں ۳ رکوع ۳۴۶ کلمے اور ۱۴۳۱ حروف ہیں۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

ترجمہ: قسم اس روشن کتاب کی بیشک ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا۔ بیشک ہم ڈر سنانے والے
ہیں۔ اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام ہمارے پاس کے حکم سے بیشک ہم بھیجنے والے
ہیں تمہارے رب کی طرف سے رحمت بے شک وہی سنتا جانتا ہے وہ جو رب ہے آسمانوں اور
زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تمہیں یقین ہو اس کے سوائے کسی کی بندگی نہیں وہ جلائے
اور مارے۔ تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب۔ بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں
تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا کہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا
یہ ہے دردناک عذاب اس دن کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر سے عذاب کھول دے ہم ایمان
لاتے ہیں۔ کہاں سے ہو انہیں نصیحت ماننا حالانکہ ان کے پاس صاف بیان فرمانے والا رسول
تشریف لاچکا۔ پھر اس سے روگرداں ہوئے اور بولے سکھایا ہوا دیوانہ ہے ہم کچھ دنوں کو عذاب
کھول دیتے ہیں۔ پھر تم وہی کرو گے۔ جس دن ہم سب سے بڑی پکڑ پکڑیں گے۔ بیشک ہم بدلہ
لینے والے ہیں اور بیشک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو جانچا اور ان کے پاس ایک معزز
رسول تشریف لایا۔ کہ اللہ کے بندوں کو مجھے سپرد کردو۔ بیشک میں تمہارے لیے امانت والا
رسول ہوں اور اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے پاس ایک روشن سند لایا ہوں
اور میں پناہ لیتا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ اور اگر
تم میرا یقین نہ لاؤ تو مجھ سے کنارے ہو جاؤ تو اس نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں ہم

نے حکم فرمایا کہ میرے بندوں کو راتوں رات بے نکل ضرور تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور دریا کو یونہی جگہ جگہ سے کھلا چھوڑ دے بیشک وہ لشکر ڈبو دیا جائے گا۔ کتنے چھوڑ دیئے گئے باغ اور چشمے اور کھیت اور عمدہ مکانات اور نعمتیں جن میں وہ فارغ البال تھے ہم نے یونہی کیا اور ان کا وارث دوسری قوم کو کر دیا تو ان پر آسمان اور زمین نہ روئے اور انہیں مہلت نہ دی گئی۔

تفسیر عالمانہ

حٰمٓ یعنی بحق حٰم اور یہ سورۃ ہے یا مجموعہ قرآن، والکتاب" اس کا عطف حٰم پر ہے اگر دوسری قسم ہے تو مقسم علیہ پر دو قسموں کا اجتماع ہے اور عطف کا مدار صحت اس پر ہے کہ حٰم اسم ہو۔ یہ مجموعہ قرآن کے مغایر ہے بوجہ عنوان کے "المبین" ظاہر ہے ان کے لئے جن پر نازل ہوا اس سے اہل عرب مراد ہیں کیونکہ یہ ان کی لغت میں اور ان کے اسلوب پر نازل ہوا ہے یا ظاہر ہے طرق ہدیٰ میں اور ابواب دیانت میں جس کی ضرورت ہوتی ہے واضح ہے اور بعض نے کہا اس کا معنی ہے بحق الحی القیوم و بحق القرآن یعنی وہ قرآن جو حق و باطل کے درمیان فرق بتانے والا ہے۔ حا اسم حی کی طرف اور میم اسم قیوم کی طرف اشارہ ہے، یہی دو اسم اعظم ہیں کیونکہ وہ جملہ معانی و اوصاف و حقائق پر مشتمل ہیں جیسا کہ آیۃ الکرسی کی تفسیر میں گزرا ہے۔

فائدہ : عرائس البیان بقلی میں ہے کہ حا سے وحی خاص مراد ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی اور میم سے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مراد ہیں اور وحی خاص سے وہ وحی مراد ہے جو حضور علیہ السلام پر بلاواسطہ نازل ہوئی یعنی وہ راز جو محبوب و محب کے درمیان ہو اس پر سوائے ان کے دیگر کسی کو آگاہی نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ " بعض نے کہا اس کا معنی ہے "حمیت المحبین" میں نے عشاق کی حمایت کی توجہ ماسوائے فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے ممکن ہے اس کا معنیٰ یہ ہو کہ حمد الٰہی ہے اس پر کہ اس نے قرآن اتارا جو کہ بزرگترین نعمتوں سے ہے اس معنیٰ پر "حم" "حمد" کا مخفف ہے خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ قسم ہے حق کے اس حق کی کہ وہ انزال القرآن پر حمد کا مستحق ہوا اور "انا انزلناہ" بے شک ہم نے اسے نازل کیا اور جواب قسم ہے ہٗ کا مرجع کتاب مبین یعنی قرآن ہے فی لیلۃ مبارکۃ برکت والی رات میں اس سے لیلۃ القدر مراد ہے۔

رات کو نزول قرآن کی حکمت

لیلۃ القدر درحقیقت وصال کے افتتاح کی ملانے والی ہے اور ملاپ کے وقت گفتگو و خطاب ضروری ہوتا ہے اور چونکہ رات

مناجات کا زمانہ و نفحات کا مبسط اور تنزلات کا مشہد اور تجلیات کی مظہر اور کرامات کی مورد اور حضرت کبریا کے اسرار کی محل ہے علاوہ ازیں رات میں ذکر محبوب کے لئے قلوب کو فراغت ہوتی ہے اسی لئے بہ نسبت دن کے ابرار و مقربین کے نزدیک نزول وحی کے لئے زیادہ موزوں ہوئی۔

لیلۃ مبارکہ کے فوائد لیلۃ کو مبارکہ سے اسی لئے موصوف کیا گیا کہ نزول قرآن جملہ منافع دینیہ و دنیویہ کا جامع ہے اور اس میں نزول ملائکہ و رحمت ہوتا ہے اور اس میں ہی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ ورنہ جملہ راتیں ذات و صفات ایک دوسرے کی ہمشکل ہیں ایسے ہی مکانات کا قیاس کیجئے کوئی فوائد کسی کی ذات کو ملحق ہوئے تو دوسروں سے افضل و اشرف ہوگیا۔

مسئلہ ؛ حضرت صدرالدین قدس سرہ نے الاربعین حدیثاً کی شرح میں لکھا کہ ازمنہ و امکنہ کو محو سیئات و حسنات کے اضافہ اور زیادتی اور تکفیر الذنوب، وغیرہ میں بہت بڑا دخل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرفات کو بخش دیا اور ان کے حقوق کی ذمہ داری اپنے ذمہ کرم فرمایا اور یوم عرفہ میں آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے۔

فائدہ ؛ فضائل رمضان میں بکثرت احادیث وارد ہیں ایسے ہی عشرۂ ذوالحج اور پندرہ شعبان کی شب کے فضائل میں بھی احادیث ہیں۔

مسئلہ ؛ مسجد حرام میں ایک نماز کے عوض لاکھ نماز کا اور مسجد نبوی شریف میں ایک ہزار[عہ] کا اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو کا ثواب ملتا ہے یہ تمام دلائل شرف ازمنہ و امکنہ پر دلالت کرتے ہیں۔

افضل الشہور حضرت شیخ مغربی قدس سرہ نے فرمایا ہمارے نزدیک تمام مہینوں سے ماہ رمضان افضل ہے کیوں کہ اس میں قرآن نازل ہوا اس کے بعد ربیع الاول شریف کہ اس میں حبیب رحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی پھر رجب اس لئے یہ تمام مہینوں سے شان میں منفرد ہے۔ اور شہر اللہ اس کا لقب ہے پھر شعبان کیونکہ حبیب رحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ ہے اور اسی ماہ میں آجال و اعمال کی تقسیم ہوتی ہے اور یہ بڑے دو مہینوں کے درمیان واقع ہے بوجہ ان دو عظیم مہینوں کے قرب کے فضیلت پا گیا جیسے خمیس اور ہفتہ کے دن کو قرب و جوار کی وجہ سے فضیلت ہے کیوں کہ یہ دونوں جمعہ کے قرب میں ہیں

اسی لئے حدیث شریف میں ہے بارک اللہ فی السبت والخمیس اللہ تعالیٰ ہفتہ کو خمیس کو برکت بخشے۔ ماہ شعبان کے بعد ماہ ذوالحجہ کو فضیلت ہے اس لئے کہ اس میں حج ادا کیا جاتا ہے اور اس میں وہ دس دن ہیں جن کا ہر رات لیلۃ القدر کا حکم رکھتی ہے اور اس میں ایام تشریق ہیں۔ ذوالحج کے بعد شوال کو فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ

عہ ایک روایت میں پچاس ہزار بلکہ اس سے بھی زائد کئی گنا، تفصیل و تحقیق فقیر کی کتاب محبوب مدینہ میں ملاحظہ ہو (فقیر اویسی)

اسے رمضان المبارک کا قرب ہے اس کے بعد ذیقعد اس لئے کہ اشہر الحرام میں سے ایک ہے اس کے بعد محرم کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کا مہینہ ہے اور ہجری سال کا آغاز اسی سے ہوتا ہے اور شہر الحرام میں سے ایک یہ بھی ہے۔

فضیلت کی وجہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جیسے انبیاء ورسل علیہم السلام کو بعض کو بعض پر فضیلت ہے ایسے ایام وشہور کو بھی بعض کو بعض پر فضیلت ہے تاکہ نفوس وارواح وقلوب ان کے احترام کے پیش نظر انہیں عبادت کی طرف راغب ہوں ان کی عبادات میں اضافہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر ہے یہ اس کا اپنا لطف ہے جسے جتنا چاہے عطا فرمائے۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح التائیہ میں لکھا کہ جیسے ازمنہ کو شرف وفضیلت بوجہ ان احوال واقعہ کی وجہ سے ہے جو بندگان خدا کو انہیں مشاہدہ وحضور نصیب ہوا ایسے ہی اعمال کو شرافت وبزرگی نصیب ہوتی ہے جب ان میں نیات ومقاصد نیک ہوں وہی نیک ارادے اور اچھے مقاصد اعمال کی شرافت کا موجب بن کر عامل کو درگاہ محبوب میں پہنچاتے ہیں یعنی وہ اعمال کہ جن میں محض طلب رضائے الٰہی ہو انہیں کسی قسم کی دنیوی واخروی غرض کی ملاوٹ نہ ہو۔

حضرت ابن الفارض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

۱۔ وعندی عیدی کل یوم اریٰ بہ
جمال محیاھا بعین قریرۃ

۲۔ وکل اللیالی لیلۃ القدر ان دنت
کما کل ایام اللقاء یوم الجمعۃ

ترجمہ: میرے نزدیک ہر وہ دن عید کا ہے جس میں اپنے محبوب کے جمال سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہر شب شب قدر ہے جیسے ہر دیدار کا دن یوم جمعہ کی طرح ہے

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ برکت وقدر والی وہ رات ہے جس میں انسان کا قلب مشاہدۂ ربوبیت سے سرشار ہو کر انوار وصال اور نسیم قربت کی خوشبو سے نوازا جائے لیکن اہل اللہ کے حالات اس بارہ میں مختلف ہوتے ہیں جیسے کسی نے فرمایا ؎

ولا اظلم اللیل ولا ادعی
ان نجوم اللیل لیست نزول

لیلی کما شاءت قصیر اذا
جادت وان ضنت فلیلی طویل

ترجمہ : رات تاریک نہیں ہوتی اور نہ ہی اس بات کی داعی ہے کہ اس کے سائے ڈھل جائیں رات جیسے چاہے ہو لیکن میرے لئے چھوٹی ہے جب وہ خیر سے گزرے اور اگر تنگ ہو تو چھوٹی رات بھی بڑی (طویل) ہے۔

شعبان کی پندرہویں شب کے اسماء

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لیلۃ مبارکہ سے شعبان کی پندرہویں شب مراد ہے اور اس کے چار نام ہیں۔

۱ : لیلہ مبارکہ اس لئے کہ عالمین پر اس میں خیر و برکت کا کثرت سے نزول ہوتا ہے لیلۃ القدر کی طرح جمال الٰہی کے برکات از عرش تا تحت الثریٰ اس میں مسلسل نازل ہوتے رہتے ہیں اسی شب (۱۵ شعبان) میں حظیرۃ القدس میں اجتماع ہوتا ہے۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ اس شب کا نام لیلہ مبارکہ اس لئے ہے کہ یہ شب خیر و برکت سے بھرپور ہے تمام شب کو دعا مستجاب ہوتی ہے جب بھی کوئی دعا مانگے سائلین کو عطا مجتہدین (جد وجہد کرنے والوں) کو ثواب اور عاصین کو معافی اور عشاق کو کرامت نصیب ہوتی ہے۔ تمام رات معرفت اور مطیعین کو آسمانوں اور جنت عدن و فردوس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جنۃ الخلد کے ساکنین بہشت کے کنگوروں پر آکر بیٹھتے ہیں ارواح انبیاء و شہداء و علیین میں خوشیاں مناتے ہیں اسی شب میں نسیم روح ازلی از جانب قربت دوستوں کے دلوں پر خوشبو مہکاتا ہے اور ہوائے فردانیت عشاق کی ارواح کو مست کرتی ہے اور محبوب حقیقی سے ہر وقت آواز آتی ہے کہ کوئی سائل ہو تو میں اسے عطا کروں کوئی بخشش مانگنے والا ہو تو اسے بخش دوں یعنی حکم ہوتا ہے کہ اے درویش اسی شب میں بیدار ہو کر تمام رات کو رحمت کا دسترخوان بچھا پڑا رہتا ہے اور وصال جاناں کے باغ کا گل شگفتہ ہو کر تا صبح خوشبو پھیلاتا ہے اور مالک حقیقی کا ایک فرشتہ رازداری سے اعلان کرتا ہے کہ کیا تا حال اہل ایمان کے قلوب نرم نہیں ہوئے یہ کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے لئے خشیت حق سے معمور ہوں ؎

الم یأن للھجران ان یتصرما
وللعود غصن البان ان یتصرما
وللعاشق الصب الذی ذاب (اوا) نحنیٰ
الم یأن ان یبکی علیہ ویرحما

ترجمہ : کیا تا ہنوز جدائی کی گھڑیاں ختم نہیں ہوئیں بان کی لکڑی کو جلنا ہی ہے۔ عاشق زار وہ جو گل سڑ گیا اور بالکل مٹ گیا۔ کیا اس کا وقت نہیں آیا کہ اس پر رو یا جائے اور رحم کیا جائے

حدیث قدسی

بعض روایات میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس بندے پر تعجب ہے کہ وہ ایمان تو

مجھ پر رکھتا ہے لیکن بھروسہ میرے غیر پر کرتا ہے اگر وہ میرے لطف و احسان کو دیکھ لے تو کبھی غیر کی پرستش نہ کرے یعنی تعجب ہے اس پر کہ میرے عرفان کے مدعی کو میرے غیر سے آرام کیسے ملتا ہے جو مجھے پا لیتا ہے وہ غیر سے ملنا گوارہ ہی نہیں کرتا

ے از تعجب ہر زمان گوید بنفشہ کا
عجب ہر کہ زلف یار دارد چنگ در ما چون زند

ترجمہ : بنفشہ ہر لحظ تعجب سے کہتا ہے کہ اس پر افسوس ہے کہ جس کے ہاتھ میں محبوب کی زلف ہے تو پھر وہ ہماری طرف کیوں متوجہ ہے۔

(۲) اس شب (پندرہویں شعبان) کا نام لیلۃ الرحمۃ ہے۔

(۳) لیلۃ البرأۃ

(۴) لیلۃ الصک (چیک) کیونکہ محصل جب خراج لے لیتا ہے تو خراج والے کو برأت لکھ دیتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ شعبان کی پندراں کو اپنے بندوں کو برأت لکھ دیتا ہے۔

حکایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پندرھویں شب کو نفل پڑھ رہے تھے سر اٹھایا تو ایک سبز رقعہ ملا جس کا نور آسمان تک پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔ اس میں لکھا تھا۔

هذه براءة من الملك العزيز لعبده عمر بن عبد العزيز۔

یہ اللہ تعالیٰ مالک غالب کا برأت نامہ ہے جو اپنے بندے عمر بن عبدالعزیز کو عطا ہوا ہے۔

فائدہ : جیسے اس شب میں سعادتمندوں کو غضب سے برأت نصیب ہوتی ہے شوم بختوں کو رحمت سے بیزاری نصیب ہوتی ہے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ) ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔

شعبان کی پندرہویں شب کے فضائل

: مندرجہ فوائد اس شب میں مرتب ہوتے ہیں۔ (۱) ہر کام اچھے کام کی تفریق (اس کی تفصیل آئیگی انشاء اللہ)

(۲) : فضیلت عبادت حدیث شریف میں ہے جو شخص اس رات میں سو رکعت پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پاس یکصد فرشتہ بھیجتا ہے تیس تو اسے بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ تیس عذاب جہنم سے محفوظ و مامون رہنے کی نوید سناتے ہیں۔ تیس اس سے دنیا کی آفات سے بچاتے ہیں دس شیطان کے مکر و فریب سے حفاظت کرتے ہیں۔

سو رکعت پڑھنے کا طریقہ

احیاء العلوم شریف میں ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب کو سو رکعت کو دوگانہ دوگانہ ادا کرے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد یکصد بار سورۂ اخلاص پڑھے یہ سو رکعت رجب کی نوافل کی طرح ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہیں۔

اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ اس نماز کو اس رات میں ادا کرتے رہے اس کا نام "صلوٰۃ الخیر" رکھتے تھے اس شب میں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا کبھی تو جماعت کے ساتھ بھی پڑھتے تھے۔

حدیث شریف حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے سُنا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلی ھذہٖ الصلوٰۃ فی ھذہ اللیلۃ نظر اللہ الیہ سبعین نظرۃ وقضی اللہ لہ بکل نظرۃ سبعین حاجۃ ادناھا المغفرۃ [1]

جس نے یہی نماز اسی شب کو پڑھی اللہ تعالیٰ اس پر ستر بار نظر رحمت فرمائے گا اور ہر نظر کے بدلے اس کی ستر حاجات پوری کریگا ان میں سے ادنیٰ حاجت اس کی مغفرت ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جمیع صفات کی تجلیات سے نوازا جو اٹھارہ ہزار عالم میں ہیں تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس نعمت کے شکرانے کے طور اس شب میں سو رکعت پڑھا کرتے

قضائے حاجات حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

یا علی من صلی مأۃ رکعۃ فی لیلۃ النصف من شعبان یقرأ فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب مرۃ وقل ھو اللہ احد عشر مرات

اے علی پندرہویں شعبان کی شب کو جو سو رکعت پڑھے اور ہر رکعت سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھے۔

پھر فرمایا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے)

یا علی ما من عبد یصلی ھذہ الصلوٰۃ قضی اللہ لہ کل حاجۃ طلبھا تلک اللیلۃ ویبعث اللہ سبعین الف ملک یکتبون لہ الحسنات ویمحون عنہ السیأت ویرفعون لہ الدرجات الی راس السنۃ [1]

علی، جو بندہ بھی یہ نماز پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی ہر وہ حاجت پوری کرے گا جو وہ اس رات کو مانگے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتہ بھیجے گا جو اس کی نیکیاں لکھیں اور برائیاں مٹائیں اور درجات بلند کریں اگلے سال تک اس کے لئے ایسے ہوتا رہے گا

ویبعث اللہ فی جنات عدن سبعین الف ملک وسبعمأۃ الف یبنون لہ المدائن والقصور ویغرسون لہ من الاشجار مالا عین رأت

اور مرنے کے بعد اس کے لئے جنت عدن میں ستر ہزار فرشتہ مقرر فرمائے گا اور سات لاکھ اس کے لئے بہشت میں شہر بنائے گا اس میں محلات اور ایسے باغات ہونگے

---

[1] احیاء العلوم شریف ۱۲

ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب المخلوقین وان مات من لیلۃ قبل ان یحول الحول مات شهیدا ویعطیه الله بکل حرف من قل هو الله احد فی لیلۃ تلک سبعین حورا ، سے

جیسے کسی نے نہ سنے اور نہ کسی کے دل پر انکار تصور آ سکتا ہے۔ اگر سال گزرنے سے پہلے مرگیا تو وہ شہید ہو کر مرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ اسے اسی رات کو پڑھے ہوئے اخلاص سورۃ کے ایک ایک حرف کے بدلے ستر حوریں عطا فرمائے گا

فائدہ : بعض مشائخ نے فرمایا پندرھویں شب میں کم از کم ایک دوگانہ ہے اوسط درجہ ایک سو رکعت اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار رکعت ہے۔

نکتہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ الف اس اسم کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاص ہے اور یہ ہزار اس ایک سو اسم کی تفصیل ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جو اس کے ایک ہزار اسم سے منتخب ہیں کیوں کہ ننانوے اسماء باعتبار ان کی احدیت کے سو اسم ہیں یہ درحقیقت اسی ایک اسم کی تفصیل ہیں اور وہی اسم اعظم ہے۔

(دوگانہ کا نکتہ) چونکہ ایک رکعت شرعاً جائز نہیں اس لیے اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائی جاتی ہے تاکہ ذات وصفات اور لیل ونہار اور جسد وروح اور ملک وملکوت کی طرف اشارہ ہو اسی لیے ان دو رکعت میں چار سو قرآنی آیات پڑھنی چاہییں کیونکہ ہر رکعت میں ایک آیت پڑھنا فرض اور چار آیات پڑھنا مستحب ہے سو رکعت کے ہر رکعت میں چار آیات پڑھی گئیں تو کل چار سو آیات ہوئیں ہر دوگانہ باعتبار قراۃ مستحب کے سو رکعت کے برابر ٹھہرا لہٰذا سے اس اچھی طرح سمجھ لو۔

جنت واجب حدیث شریف میں ہے جو شخص پانچ راتیں بیدار رہے اس کے لئے جنت واجب ہے (۱) ذوالحجہ کی آٹھویں (۲) ذوالحجہ کی نویں (۳) ذوالحجہ کی دسویں (۴) عیدالفطر کی شب (۵) شعبان کی پندرھویں شب۔

(۳) اس شب میں نزول رحمت ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب کو آسمان دنیا کی طرف اپنی شان کے لائق نزول اجلال فرماتا ہے یعنی اس کی خاص رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ے

فائدہ : درحقیقت اس سے تنزلات عالم حقیقت میں سے ایک عظیم اور مخصوص تنزل ہوتا ہے جو صرف اسی شب میں ہوتا ہے

فائدہ : یہ نزول اول لیل یعنی غروب شمس سے لیکر طلوع فجر یا طلوع شمس تک ہوتا ہے۔

(۴) حصول المغفرت

لے : کشف الاسرار ۱۲۔ ے : کشف الاسرار ۱۲ :

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں تمام مسلمانوں کو بخش دیتا ہے سوائے کاہن اور ساحر اور مجانین اور دائمی شراب خور اور والدین کے بے فرمان اور زنا پر اصرار کرنے والے کے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں مشاحن سے اہل ہوا و اہل بدعت (سیئہ) مراد ہے ایسے ہی وہ شخص جو اہلِ اسلام سے بغض و عداوت رکھتا ہے۔

(۵) اسی شب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت کی جمیع اقسام عطا ہوئیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہویں شعبان کو اپنی امت کی مغفرت کی شفاعت تو آپ کو تہائی عطا ہوئی اس کے بعد آپ نے چودھویں شب کو دعا مانگی تو دوسری تہائی عطا ہوئی پھر آپ نے پندرہویں شب کو دعا مانگی تو مکمل شفاعت عطا ہوگئی سوائے اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتا ہے۔

معمول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پندرہویں شب میں سجدے کی حالت میں دیکھا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تہائی امت بخش دی ہے اس کے باوجود آپ بدستور دعا مانگتے رہے پھر جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی آپ کو اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے آپ کی آدھی امت بخش دی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بدستور دعا میں مشغول رہے پھر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آپ کی تمام امت بخش دی سوائے اس کے کہ اس کا کوئی حقدار حق طلب کرے یہاں تک وہ اسے راضی کرے اس کے باوجود آپ بدستور دعا میں رہے یہاں تک صبح کے وقت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں آپ کی امت کے حق داروں کی طرف سے ذمہ کرم لیتا ہوں کہ اس کے حق دار کو اپنے فضل وکرم سے راضی کروں گا یہ مژدہ بہار سن کر حضور علیہ السلام خوش ہوئے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اسی شب میں زمزم کے پانی میں کھلم کھلا برکت دیتا ہے۔

فائدہ: اس میں قلوب اہل حقائق میں مزید علوم الہیہ کے عطیہ کی طرف اشارہ ہے۔ انا کنا منذرین بے شک ہم ہیں ڈر سنانے والے یہ جملہ مستانفہ ہے اقتضائے انزال کو بیان کرنے کے لئے ہے گویا کسی نے کہا کہ ہم اسے نازل کرتے ہیں تو ہماری شان ہے عذاب و عقاب سے انذار و تخویف (ڈر سنانا اور ڈرانا)

تفسیر عالمانہ فیہا یفرق کل امر حکیم اسی شب میں ہر امر محکم ومتقن لکھا اور جدا کیا جاتا ہے مثلاً ارزاق العباد اور ان کے آجال اور دیگر جملہ امور اسی رات سے اگلے سال کی رات کے درمیان جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے وہ سب لکھ دیا جاتا ہے بعض نے کہا کہ شب پندرہ شعبان میں ان امور کے لئے لوح محفوظ سے کام شروع ہوگا

لیلۃ القدر کو ختم کیا جاتا ہے ارزاق کی کتاب میکائیل علیہ السلام کو اور حروب و زلازل و صواعق و خسف کی کتاب جبرائیل علیہ السلام اور اعمال کی کتاب آسمان دنیا کے اسماعیل فرشتہ علیہ السلام کو اور یہ بہت بڑا فرشتہ ہے اور مصائب کی کتاب حضرت عزرائیل علیہ السلام کو یہاں تک کہ بازار میں چلنے اور نکاح کرنے اور ان سے بچوں کی پیدائش وغیرہ تمام لکھا جاتا ہے اور جو مرنے والے ہیں ان سب کے اسماء عزرائیل علیہ السلام کے سپرد ہوتے ہیں۔

ملائکہ کا تعارف ملائکہ میں حلیم تر و رحیم تر و مہربان تر حضرت میکائیل علیہ السلام اور سب سے زیادہ ہیبت ناک اور امور سیاست میں سب سے بڑھ کر جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

مناظرہ جبرائیل و میکائیل علیہما السلام حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کا مناظرہ ہوا

جبرائیل علیہ السلام مجھے تعجب ہے کہ بندگانِ خدا سے اتنے بڑے جرائم و معاصی سرزد ہوتے ہیں پھر بہشت پیدا کرنے کا کیا فائدہ۔

میکائیل علیہ السلام مجھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فضل و کرم اور رحمت کے دوزخ کیوں پیدا کی گئی۔

فیصلہ خداوندی ان دونوں کی گفتگو سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم میرے نزدیک محبوب ہو اس لئے کہ تم دونوں میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہو لیکن میں اس سے زیادہ پیار کرتا ہوں جس نے میرے فضل و کرم کو میرے غضب پر ترجیح دی ہے یعنی میکائیل علیہ السلام کو۔

حدیث قدسی شریف اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔

صوفیانہ تقریر جیسے اسی شب کو آسمان دنیا سے حکمت ایزدی پر سال بھر کے ظاہری امور یعنی حوادث خیر ہوں یا شر طے کئے جاتے ہیں مثلاً محن و منن اور نصرت و ہزیمت اور خصب و قحط ایسے ہی امور باطنی بھی جیسے حجب و جذب اور وصل و فصل اور وفاق و خلاف اور توفیق و خذلان اور قبض و بسط اور ستر و تجلی بہت سے بندے ہیں جن کے لئے شقاوت اور بعد کا حکم و قضا لکھی جاتی ہے اور دوسرے کے لئے وفا، اور انعام بھی لکھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ امرمن عندنا اس کا منصوب ہونا علی الاختصاص ہے اصل عبارت تھی أعنی بھذا الامر امراحاصلاً من عندنا الخ یعنی بتقضائے حکمت یہ امر حاصل ہے ہماری طرف سے۔

ربط پہلے امر کی فخامت ذاتی کا ذکر تھا اب اس کی اہمیت صفاتی کا بیان ہے "انا کنا مرسلین" یہ انا کنا سابق سے بدل الکل ہے یعنی بے شک ہم ہی بھیجتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: رحمۃ من ربک یہ ارسال کا مفعول لہ ہے یعنی ہم نے قرآن کو اس لئے نازل کیا ہے کہ ہماری عادت کریمہ ہے کہ ہم رسل کرام

علیہم السلام کے ساتھ کتابیں بھی دیتے ہیں تاکہ ان پر ہماری رحمت ہو اس معنیٰ پر رحمت من ربک ارسال کی غایۃ ہوگی جو ارسال رسل علیہم السلام کے بعد بندوں پر نازل ہوتی ہے اور اس سے وہ رحمت مراد ہے جو بندوں کو اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوتی ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ارسال ارسل علیہم السلام سے پہلے ہی ہماری رحمت کا تقاضا ہوا کہ ہم اپنے بندوں پر رحمت کریں اس تقریر پر رحمت کا ہونا ارسال رسل علیہم السلام سے پہلے ہوگا یعنی ارسال ارسل علیہم السلام کا مبداء رحمت ہی ہے۔

فائدہ : ضمیر کے بجائے لفظ رب کی تصریح اس لئے ہے کہ یہی ربوبیت کے احکام اور اس کے مقتضیات سے ہے کہ وہ رسل کرام علیہم السلام کو بھیجے۔

فائدہ : لفظ رب کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مضاف کرنا محض آپ کی شرافت و بزرگی کے اظہار کے لئے ہے ۔

در دو عالم بخشش بخشائش است
خلق را از بخشش آسائش است

خواجہ در مدیح خویش سفت
انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

ترجمہ : ۱ : دونوں عالم میں بخشش ہی بخشش ہے مخلوق کو بخشش میں آسائش ہے۔

۲ : خواجہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مدح کے موتی خود پروتے ہیں کہ میں رحمۃ مہداۃ (ہدیہ کی گئی) ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ " انا کنا مرسلین " ہم ہی نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے اور رحمت مہداۃ بنا کر بھیجا تیرے رب کی طرف سے تاکہ آپ مشتاقان جمال الٰہی کو ظلمات مفارقت سے نکال کر نور مواصلت تک پہنچائیں نیز یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے رحمت کو بھیجا اپنے اولیاء کے نفوس کے لئے ساتھ توفیق کے اور ان کے قلوب کے لئے ساتھ تحقیق کے۔

تفسیر عالمانہ

انہ ھو السمیع العلیم بے شک وہی اللہ تعالیٰ ہر شے کو سنتا ہے بالخصوص مشتاقان غمزدہ کے گریہ زاری کو اور ہر شے جانتا ہے بالخصوص عشاق مخلصین کی آہ و فغان کو، اس پر بندوں کے نہ اقوال پوشیدہ ہیں نہ افعال و احوال مخفی ہیں یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی تحقیق کے لئے ہے کیونکہ ربوبیت کے لائق وہ ہے جو ان صفات جلیلہ سے موصوف ہو رب السموت والارض وما بینھما وہ آسمانوں اور زمینوں اور جو ان کے مابین ہے کا پروردگار ہے) یہ ربک سے بدل ہے۔

تفسیر صوفیانہ از صاحب روح البیان قدس سرہ

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ مجھے نوم و یقظہ کے درمیان میں اس کا معنیٰ الہام ہوا

ہے لیکن وہ تقریر اشارۃً ہوگی اسے عبارت تصور نہ کی جائے وہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرا مربی اور مجھے کمال تک پہنچانے والا وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین والی اشیاء کا رب ہے یعنی وہ جمیع موجودات علویہ وسفلیہ کا پروردگار ہے۔ وہ اس لئے کہ وہ جملہ اشیاء اسمار وصفات الہٰیہ کی مظاہر ہیں عالم کے ذرہ ذرہ میں حقیقت مشہود ہے اور یہی عارف کی رُوح کی غذا ہے اسی غذا شہودی کے عارف ربانی تربیت پاکر اپنی استعداد کے لائق بنتا ہے جیسے بدن انسانی ظاہری غذا سے اپنے قوت وطاقت پاتا ہے صاحب مثنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

آن خیالاتِ کہ دام اولیار ست
عکس مہرِ بان مستانِ خدا ست

ترجمہ: وہ خیالات جو اولیائے کرام کے تصور میں ہیں وہ دراصل مستانِ خدا اور محبوبوں کے عکس ہیں۔

انتباہ اسے اچھی طرح سمجھو اور کہہ میں صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں اور صرف وہی میرا مقصود ہے اور بس۔

ان کنتم موقنین اگر تم کسی شے کا یقین رکھتے ہو تو صرف مذکورہ بالا کو یقین کرو کہ وہ بہت زیادہ ظاہر ہے اگر تم کسی شے کے متعلق یقین کا ارادہ رکھتے ہو تو وہی یقین کے لائق ہے اور بس۔

لاالٰہ الاھو اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیوں کہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں یہ جملہ مستانفہ اور اپنے ماقبل کی تقریر کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ یحیی ویمیت وہی جلاتا مارتا ہے کیوں کہ وہی جماد میں حیات ڈالتا ہے اور وہی حیوان پر اپنی قدرت سے موت لاتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے یعنی یہ ایسا علم یقینی ہے کہ شاہد کے مشابہ ہے ظاہر یہ ہے کہ مشاہد اثر سے متعلق ہوتا ہے یہاں پر معلوم احیاء واماتت (جلانا مارنا) ہے اور مشہود حیّ (زندہ) میں اثر حیاۃ اور مردے میں اثر ممات کا ہوتا ہے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ نور محبت اور تجلی صفات جمال سے اپنے اولیاء کے قلوب کو زندہ کرتا ہے اور ان کے نفوس کو تجلی صفات جلال سے مارتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ربکم وہی تمہارا پروردگار اور خالق ورازق ہے "ورب آبائکم الاولین" اور تمہارے آباء واجداد کا رب ہے۔

تفسیر صوفیانہ وہ آدم اور ان کی اولاد اور آباء علویہ کا رب ہے۔

فائدہ سیدنا امام محمد بن علی الباقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہمارے بابا آدم سے پہلے ایک ہزار اور آدم گزرا ہے یا اس سے بھی زائد۔

حدیث شریف سیدنا ابن العربی رضی اللہ عنہ فتوحات مکیہ کے باب حدوث الدنیا میں ایک حدیث ضعیف لائے ہیں وہ یہ کہ آدم علیہ السلام سے پہلے ایک لاکھ آدمی گذرے ہیں اور انہیں طوافِ کعبہ کے دریان کشف ومکشوف ہوا دیکھا کہ بہت سے لوگ عالم ارواح سے عالم مثال میں آئے ہیں آپ نے ان سے پوچھا آپ کون حضرات ہیں انہوں نے کہا ہم تمہارے وہ آباؤ اجداد ہیں جو اس آدم (علیہ السلام) سے چالیس ہزار سال پہلے ہو گزرے ہیں۔ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ان سے ادریس نبی (علیہ السلام) کے متعلق پوچھا تو کشف وخبر کے ذریعے میری تصدیق کی گئی اور ان میں سے ایک نے فرمایا کہ ہم انبیاء علیہم السلام ہیں اور ہم جملہ عالم کے حدوث پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس کے ابتدار کا کوئی علم نہیں اور حق تعالیٰ متفرد ہے (وہ جملہ کائنات کا خالق ہے)

تفسیر عالمانہ بل ھم فی شک بلکہ وہ شک میں ہیں اللہ تعالیٰ کے مذکور شانوں کے بارے میں باوجودیکہ اقرار کرتے ہیں کہ وہی آسمانوں و زمینوں اور ان کے مابین والی اشیاء کا رب ہے لیکن انہیں اس کا پختہ یقین نہیں۔ "یلعبون" لہو ولعب میں ہے جو کہتے ہیں یقین سے نہیں کہتے بلکہ ان کی گفتگو لہو ولعب سے بھرپور ہے

یہ دوسری خبر ہے۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ گمان میں لہو ولعب میں زندگی گزار رہے ہیں یہ ظرف فعل کے متعلق ہے یا یہ کہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ شک میں ہیں جو ان کے قلوب میں قرار پکڑ چکا ہے اسی لئے وہ لہو ولعب میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ "فھم فی ریبھم یترددون" کی طرح ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس پر غفلت چھا جاتی ہے وہ اسے شک کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے اور جو شک میں ہوتا ہے وہ صواب سے دور جا پڑتا ہے۔

نکتہ بعض علماء نے فرمایا کہ اہل شک ونفاق کو لہو ولعب سے اس لئے موصوف کیا جاتا ہے کہ وہ دینی امور میں ہمیشہ حیران ومتردد اور دنیوی امور میں مشغول رہتے ہیں بلکہ اس کے نقش و نگار سے وہ ہمیشہ فریب خوردہ ہوتا ہے۔

ملفوظ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا افسوس ہے ان قلوب پر جن میں شک کی ملاوٹ ہو گئی ہو اسی لئے ایسے شخص کو وعظ و نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔

حکایت حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جنگل میں ایک نوجوان کو دیکھا جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا وہ چلتے چلتے لب ہلا رہا تھا میں نے اسے السلام علیکم کہا تو اس نے سلام کا جواب دیا میں نے پوچھا عزیز کہاں کا ارادہ ہے کہ بیت الحرم کی زیارت کو جا رہا ہوں میں نے کہا تو آپ لب کیوں ہلا رہے ہیں فرمایا قرآن پڑھ رہا ہوں۔ میں نے کہا ابھی تو آپ غیر مکلف (غیر بالغ) ہیں (تو بیت اللہ کو جانا کیسا) فرمایا میں نے بہت سے اپنے سے چھوٹے سن والوں کو موت کا لقمہ ہوتے دیکھا ہے اس کے خوف سے جا رہا ہوں کہ کہیں میں بھی اس کا لقمہ ہو گیا تو بیت اللہ کی زیارت سے محروم جاؤں گا۔ میں نے کہا آپ تو بچے ہیں اور سفر طویل ہے کیسے پہنچو گے فرمایا چلنا میرا کام پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ میں نے کہا زادِ راہ بھی ہے یا نہ اور سواری کہاں؟ جواب دیا کہ زادِ راہ میرا یقین اور سواری میرے اپنے پاؤں ہیں ؎

سدرہ توفیق بود گرد علائق

خواہی بمنزل برسی راحلہ بگذار

ترجمہ: علائق کی گرد توفیق کی سدّرہ ہے اگر منزل تک پہنچنا ہے تو سواری چھوڑ دے۔

پھر میں نے پوچھا کھانے کے لئے روٹی اور پینے کا پانی ہے۔ کہا چچا بھلا بتاؤ کوئی آپ کو دعوت دے تو کیا آپ بلانے والے پر بھروسہ نہیں کریں گے کیا کھانے پینے کی چیزیں گھر سے جائیں گے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر میرے آقا نے جب اپنے بندوں کو اپنے گھر بلایا ہے اور زیارت کی عام اجازت فرمائی ہے تو پھر کتنا کمزوری ہو گی کہ ہم آقا کے پاس جاتے ہوئے زادِ راہ لے چلیں مجھے تو اسی لئے زادِ راہ ساتھ لانے سے شرم آئی ہے اور مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ میرا آقا مجھے ضائع نہ فرمائے گا یہ کہہ کر گم ہو گیا پھر میں نے اسے مکہ معظمہ میں دیکھا۔ مجھے دیکھ کر کہا بابا اب یقین ہوا ہے یا نہ ؎

سیراب کن ز بحر یقین جان تشنہ را

زین بیش خشک لب منشین بر سراب ریب

ترجمہ: پیاسی جان کو بحر یقین سے سیراب کر شک کے سراب پر تشنہ لب (پیاسہ) نہ بیٹھ

تفسیر عالمانہ فارتقب تو اے محبوب محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار مکہ کے لئے انتظار کیجئے۔ ارتقاب بمعنی انتظار کرنا بمعنی منتظر ہونا فا تعلیلیہ ہے یوم تاتی السماء بدخان مبین اس دن کہ آسمان کھلم کھلا دھواں لائے گا جس میں کوئی شک نہیں یوم ارتقب کا مفعول اور باء تعدیہ کی ہے اور باء ظرفیہ کی بھی ہو سکتی ہے اور مفعول محذوف ہے یعنی اسی دن میں اللہ کے وعدہ کا انتظار کیجئے۔

فائدہ: دخان کا اطلاق علی سبیل الکنایہ قحط و غلبۂ بھوک پر کیا گیا ہے یا مجاز مرسل ہے اب معنی یہ ہوا کہ

ان کے لئے شدت اور بھوک کا انتظار کیجئے اس لئے کہ بھوکا اس دن اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں دیکھے گا بوجہ ضعف بصر کے یا اس لئے کہ قحط سالی میں ہوا تاریک نظر آتی ہے بوجہ بارش کے نقدان اور کثرت غبار کے اسی لئے قحط سالی کو سنۃ الغبار (غبار کا سال) کہا جاتا ہے اسے عام الرماد (خاکستر کا سال) بھی کہتے ہیں ظاہر ہے کہ قحط سالی میں بارش کے نقدان سے انگوریاں پیدا نہیں ہوتیں اور ہوا گرد اڑاتی ہے یا اس لئے کہ اہل عرب سخت شر کو دخان سے تعبیر کرتے ہیں اور اتیان کا اسناد آسمان کی طرف اس لئے ہے کہ وہ بارش کو روکتا ہے یہ اسناد الشی الی السبب کے قبیل سے ہے۔

عرب کے قریش قحط کی زد میں

جب قریش عرب نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اذیت رسانی کی انتہا کر دی تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ مضر پر سختی ڈال یعنی ان پر سختی فرما یعنی ان کی گرفت فرما اور انہیں یوسف علیہ السلام کے زمانہ والی قحط میں مبتلا فرما (جو سات سال مسلسل رہی) اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ دعا قبول فرمائی تو ان پر قحط آئی یہاں تک کہ قریش کو تنے مردار اور چمڑے اور ہڈیاں اور گوبر اور خون کھایا یعنی اونٹوں کی گوبر میں خون ملا کر آگ پر پکا کر کھاتے تھے اور لوگ بھوک سے آسمان پر دھواں دیکھتے تھے جب بولتے تو بھوک کی وجہ سے ان کی بات سمجھ نہ آتی اور بینائی میں کمزوری آگئی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یغشی الناس لوگوں کو وہ دھواں ڈھانپ لے گا یعنی جمیع جوانب سے گھیرے گا یہ "الدخان" کی صفت ہے "ہذا عذاب الیم" درانحالیکہ وہ کہیں گے یہ دردناک عذاب ہے ھذا کا اشارہ یا الجوع کی طرف یا عذاب دخان کی طرف۔

قریش کی زاری

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابو سفیان چند قریش کے ساتھ مل کر حاضر ہوا آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کی قسم دے کر عرض کی اے محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ اور رشتہ داری کا وسیلہ پیش کر کے عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمارے لئے بارش کی دعا مانگئے آپ نے اس شرط پر دعا مانگنے کا وعدہ فرمایا کہ بارش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ۔ ربنا اکشف عنا العذاب ہمارے سے عذاب کھول دے یعنی ہٹا دے عذاب سے جوع (بھوک) یا دخان (دھواں) مراد ہے ہر دونوں کا مآل ایک ہے کیونکہ دھواں بھوک سے ہی تو اٹھتا تھا۔ انا مومنون بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں عذاب کے اٹھ جانے کے بعد انی لھم الذکری ان کے لئے نصیحت کہاں یہ ان کی گفتگو مذکور کا رد ہے کہ یہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے سے عذاب اٹھ جائے تو ہم ایمان لائیں گے غلط کہتے ہیں اور ان کے اس ایمان کی تکذیب ہے جو اس نصیحت پذیری سے انہیں نصیب ہوگا کی تکذیب ہے بوجہ اس خرابی کے جو انہیں ازل سے طاری ہے استفہام سے استبعاد مراد ہے نہ کہ حقیقت اب معنیٰ یہ ہوا یہ لوگ کیسے نصیحت قبول کر سکتے ہیں یا کہاں

سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جب کہ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر ان سے عذاب اٹھ گیا تو وہ ایمان لائیں گے۔
وقد جاءھم رسول مبین حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آئے ہیں یعنی ان کا حال یہ ہے کہ انہوں نے نصیحت پذیری
کے اسباب دیکھے ہیں اور نصیحت پذیری کے لئے ان کے ہاں ایسے موجبات موجود ہیں جو اس بارش سے آنے
اور دکھ درد ٹلنے سے کہیں بہتر ہیں وہ یہ کہ ان کے ہاں ایک عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں
اور آیات ظاہرہ اور ایسے معجزات قاہرہ ظاہر کر کے انہیں حق کے راستے واضح کر دکھلائے ہیں۔ ثم یہ کلمہ تاخیر استبعاد
کے لئے ہے" تولوا" پھر انہوں نے روگردانی کی " عنہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باوجودیکہ ان سے ایسے
بڑے بڑے امور دیکھے جو انہیں ان کی اطاعت گزاری پر مجبور کر دیتے لیکن پھر بھی روگردانی کی اور نہ صرف
روگردانی بلکہ " وقالوا" ان کے متعلق کہا" معلم مجنون" سکھلایا ہوا مجنون ہے مثلاً کبھی تو کہتے کہ انہیں ثقیف والوں
کا عجمی سکھاتا ہے اس کا عدوس یا ابو فکیہہ یا جبر یا یسار یا کوئی اور نام ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ مجنون ہیں یا یہ کہ بعض آپکو
سکھلایا ہوا کہتے اور بعض آپ کو مجنون کہتے (معاذ اللہ) تو پھر جس قوم کا یہ حال ہو اس سے کیسے امید کی جا سکتی
ہے کہ وہ پند و نصیحت قبول کر لیں گے ان کی مثال تو اس کتے کی ہے کہ جب بھوکا ہوتا ہے تو عجز دکھاتا ہے اور جب سیر ہو کر
کھا لیتا ہے تو سرکشی کرتا ہے۔ انا کاشفوا العذاب بے شک ہم عذاب کھولنے والے ہیں یہ اللہ کی طرف سے
ربنا اکشف عنا الخ کا جواب ہے یعنی ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے یا بارش برسانے سے ان
سے عذاب ہٹا دیں۔ قلیلاً۔ تھوڑا سا، یہ ان کے اندرونی کمال خبث کی دلیل ہے کہ جب وہ تھوڑے سے
عذاب ہٹانے سے کفر کی طرف عود کر آئے ہیں تو جب ہم ان کو کلی طور چھوڑ دیں تو پھر وہ مکمل طور کفر کی طرف
لوٹ جائیں گے یا قلیلاً سے ان کی بقایا عمریں مراد ہیں جو بہ نسبت ان کے ان عمروں کے قلیل ہیں جو پہلے گزر
چکے ہیں۔ انکم عائدون بے شک ہم بھی لوٹنے والے ہیں یعنی اگر تم سرکشی اور اصرار علی الکفر کی طرف
لوٹ آئے اور اسی حالت کو بھول گئے تو ہم اس کے بعد اسی طرح عذاب دینے پر لوٹ آئیں گے۔

فائدہ : دونوں فعلوں میں اسم فاعل کا صیغہ تحقیق پر دلالت کے لئے ہیں کہ وہ لا محالہ واقع ہوئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں سے ان کا عذاب ہٹ گیا لیکن تھوڑے عرصے کے بعد کفار اپنی پہلی حالت سرکشی و عناد پہ
لوٹ آئے کہ وہ وعدہ خلافی اور نقض عہد کر کے شرک کرنے کی طرف لوٹ آئے جب ان سے مانع زائل ہوا تو انہوں نے
واپس لوٹنا تھا جیسے ان لوگوں کا حال تھا کہ جب دریائی سفروں میں کشتیوں پر سوار ہوتے تو ڈوبنے پر اللہ تعالیٰ کو یاد
کرتے جب نجات پاتے تو دریا عبور کرتے ہی کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ۔

آں ندامت از نتیجۂ رنج بود
نے زعقل روشن چوں گنج بود

۲ چونکہ شد رنج آن ندامت شد عدم
می نیرزد آن خاک آن توبہ ندم

۳ میکند او توبہ و پیر خورد
بانگ لَوْ رُدُّوا لَعَادُوا می زند

ترجمہ ۱۔ وہ ندامت رنج کا نتیجہ ہے نہ عقل روشن سے گنج کی طرح ہے

۲۔ جب رنج گئی تو ندامت بھی ختم۔ وہ خاک ندامت توبہ کو قبول نہیں کرتی۔

۳۔ جب وہ توبہ کرتا ہے تو خرد مند پیر کہتا ہے کہ اگر لوٹائے جائیں تو پھر اس طرح کریں گے۔

یوم نبطش البطشۃ الکبری اس دن کہ ہم بہت بڑی گرفت فرمائیں گے۔

حل لغات البطش بمعنی کسی شے کو سختی اور جھٹکے سے پکڑنا یعنی قیامت میں ہم بدلیں گے اور انہیں سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ انا منتقمون بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں یوم ظرف ہے انا منتقمون کے مدلول کی ظرف ہے نہ کہ منتقمون کی کیونکہ انا کا لفظ مانع ہے کہ یوم منتقمون کی ظرف بنے

فائدہ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ دن یاد کیجئے جب کہ ہم کافروں کی بہت بڑی سخت گرفت کریں گے یعنی قیامت میں اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے بھوک و دخان سے گرفت فرمائی پھر انہیں بدر میں قتل و قید کا مزہ چکھایا اور یہ سب کم درجہ کے عذاب تھے جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی اللہ تعالیٰ ایسی سخت گرفت فرمائے گا کہ جس کا دنیا کے کسی بھی عذاب پر اس کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے عذاب اور اس کی جہنم سے پناہ مانگتے ہیں اور اس کی اس توفیق کا سوال کرتے ہیں جو ہمیں اس کی رضا اور اس کی نعمتوں تک پہنچائے۔ (آمین)

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ دخان سے وہ دھواں مراد ہے جو قیامت کی علامات میں سے ایک ہے اور وہ ہے جو قیامت سے پہلے آسمان سے آکر کافروں کے کانوں میں داخل ہوگا یہاں ہر ایک کافر کا سر ایسے معلوم ہوگا کہ گویا وہ آگ میں بھونا گیا ہے اور مومن کے لئے ایسے ہوگا جیسے زکام والے کا حال ہوتا ہے اور زمین ایک گھر جیسی ہوگی کہ جس میں آگ جلائی جائے اور اس سے میں سے کوئی سوراخ نہ ہوگا کہ جس سے دھواں نکل جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کی علامات میں سے پہلی علامت دھواں اور نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور آگ جو عدن ابین (بفتح الہمزہ) یہ اس شخص کا نام ہے جس نے یہ شہر یمن میں بنا کر اس میں ایک عرصہ مقیم رہا) کے گڑھے سے نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر میں لے جائے گی اور میدان حشر شام و قدس میں ہے۔

فائدہ : حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ دخان کیا ہے آپ نے یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا وہ آگ مشرق و مغرب کے مابین کو بھر دے گی اور مسلسل چالیس دن رات رہے گی اور مومن کو ایسے زکام کی طرح پہنچے گی اور کافر تو نشہ میں ہو گا جس کے نتھنوں اور کانوں اور دبر سے آگ خارج ہو گی۔

حدیث شریف حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن حضور سرور عالم علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم کچھ باتیں کر رہے تھے آپ نے فرمایا تم کیا کہہ رہے تھے ہم نے عرض کی کہ ہم قیامت کی باتیں کر رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ اس سے پہلے تم یہ علامات نہ دیکھ لو۔ (۱) دخان (۲) دجال (۳) دابہ (۴) نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (۵) یاجوج ماجوج (۶) تین خسف = (۱) مشرق میں (۲) مغرب میں (۳) جزیرۂ عرب میں (۷) آخر میں یمن سے ایسی آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر میں دھکیل کر لے جائے گی۔

فائدہ : بعض علماء کرام نے اسکی تاویل یوں کی ہے کہ دخان سے ترک اور دجال سے ان کا شر و فساد اور نزول عیسیٰ سے ان کا دفاع اور ظہور خیر و صلاح مراد ہے۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ تاویل اگر از روئے اشارہ ہے تو مسلّم ہے کیوں کہ دنیا مظاہر جلالیہ و جمالیہ سے خالی نہیں اور یہ سلسلہ خروجِ دجال و نزولِ عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہے گا اگر یہ تاویل علی طریقۃ الحقیقۃ تو پھر غلط ہے اس لئے کہ حقیقی طور ان کا ظہور لازمی ہے کیوں کہ ان کی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔

فائدہ : اس معنیٰ پر کہ دخان سے وہی دھواں مراد ہے جو قرب قیامت میں آئے گا تو اس وقت کے لوگ کہیں گے "ربنا اکشف عنا الخ" اور اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرمائے گا انا کاشفوالعذاب الخ یعنی جب یہ دھواں آئے گا تو کفار و مشرکین عجز و نیاز سے عرض کریں گے ربنا اکشف عنا العذاب انا ہ چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے عذاب ہٹائے گا جونہی ان سے عذاب اٹھے گا فوراً مرتد ہو جائیں گے اس میں کسی قسم کی مہلت بھی نہیں دی گئے۔

مسئلہ : علامات قیامت کا ظہور انقطاع تکلیف کا موجب نہ بنے گا اور نہ ہی صحت ایمان کو قادح ہے اور نہ ان کا لزوم واجب ہے اور نہ ہی ان کا عدم انکشاف۔

فائدہ : بعض مفسرین نے فرمایا دخان سے وہ دھواں مراد ہے جو قیامت میں ہو گا کہ جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو انہیں دھواں گھیرے گا اس معنیٰ پر یہاں اس کا حقیقی معنیٰ اور اس کے لوازمات مراد لئے گئے ہیں کیونکہ قیامت کے دن شدۃ احوال کیوجہ سے آنکھوں پر اندھیرا چھا جائے گا یہاں تک کہ انسان کو پتہ نہ چلے گا کہ وہ کہاں

جارہا ہے اس پر ظلمات کا غلبہ ہوگا گویا وہ دھوئیں کے گھیرے میں گھر جائے گا اس معنیٰ پر اسے بالفرض والتقدیر کے معنیٰ میں لیں گے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اس وقت لوگ کہیں گے "ربنا اکشف عنا العذاب" الخ یعنی اے اللہ ہمیں دنیا کی طرف واپس بھیج دے ہم جاکر نیکی کریں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا "انا کاشفوا العذاب" یعنی اگر ہم عذاب سے نجات دے کر تمہیں دنیا میں لوٹا دیں تب بھی تم اسی طرح کفر و تکذیب کی طرف لوٹ جاؤ گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا "ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ" اگر لوٹائیں جائیں تو جس سے انہیں رد کیا گیا اس طرف عود کرآئیں گے۔ ان تینوں تفسیروں میں سے پہلی تفسیر قرآن کریم کے نظم و نسق کے مطابق ہے۔

تفسیر صوفیانہ

عرائس میں البقلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کا دخان بھوک، ظاہر میں اور باطن میں نفس امارہ اور ہوائے مختلفہ کا وہ دھواں مراد ہے جو غبار شہوات اور ظلمۃ الغفلات سے ان کے قلوب کے آسمان کو بدل دیتا ہے مراد ہے۔

فائدہ: حضرت سہل (تستری) قدس سرہ نے فرمایا کہ دنیا میں دخان سے قسوۃ قلب اور غفلت عن الذکر مراد ہے۔

دوسری صوفیانہ تقریر

تاویلات میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے اس مراقبہ کی طرف جو آسمان قلب کی طرف اوصاف بشریہ کا دھواں اٹھتا ہے جو شواہد حق سے محروم کر کے عوالم پر چھا جاتا ہے اور یہ ارباب مشاہدہ کے نزدیک بہت بڑا عذاب ہے۔

فائدہ: حضرت سری (سقطی) رحمۃ اللہ تعالیٰ قدس سرہ دعا کرتے کہ اے اللہ تعالیٰ جب تو مجھے عذاب دے تو مجھے ذلت حجاب کا عذاب نہ دینا اے اللہ ہم سے

عذاب حجاب دور فرمادے ہمارا ایمان ہے تو رفع حجاب اور اس کے نکلنے پر قادر ہے جب یہ لوگ استغاثہ کرتے ہیں تو انہیں کہا جاتا ہے کہ انہیں نصیحت کہاں حالاں کہ ان کے ہاں رسول علیہ السلام ان کے تقویٰ و فجور کا الہام لیکر آئے تو انہوں نے ان کی مخالفت کی اور کہا یہ تو شیطانی وسوسے ہیں جب ان کی صورت سے دنیا میں تھوڑا سا عذاب ہٹایا اس لئے کہ ہمارے نزدیک تمام دنیا قلیل ہے لیکن ہم تو بہت بڑی گرفت کریں گے اور انہیں بہت بڑے غم و حزن میں مبتلا کریں گے پھر اس سے اپنے آرام کے لئے کوئی جگہ نہ پائیں گے

صاحب روح البیان کا فیصلہ

فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ اس سے ظاہر ہوا کہ دخان ظاہر کا ہو یا باطن کا آپس میں کسی قسم کی خیر اور بھلائی نہیں مثلاً خواب میں اگر کوئی دھواں دیکھے تو اس سے تعبیر یہی ہے کہ دھواں دیکھنے والا ہولناک منظر اور قتال شدید اور ظلمات اور حجاب و کدورت دیکھے گا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ ظلمات سے نکل کر نور کی طرف جانے کی اور دائرۃ الصفا (بحضور) میں داخل ہونے کی کوشش کرے کیوں کہ جو بھی دخان وجود میں رہا تو وہ ذات مقصود سے ہمیشہ اندھیرے میں رہیگا

تفسیر عالمانہ ولقد فتنا قبلھم بے شک ہم نے ان کفار مکہ سے پہلے آزمایا۔ قوم فرعون • فرعون کی قوم یعنی قبطیوں کو۔ اب معنی یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر ہم نے قوم فرعون کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو ممتحن کرتا ہے تاکہ ایمان لے آئیں اور اپنی دل کی چھپی بات ظاہر کریں تو انہوں نے حد کفری کو پسند کیا اور ایمان نہ لائے۔ یہاں فعل اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم نے مہلت دے کر اور دنیا و دولت سے مالا مال کرکے انہیں فتنہ میں ڈالا اس معنیٰ پر مجاز عقلی ہے کہ فعل کا اسناد اس کے سبب کی طرف ہے کیوں کہ یہاں فتنہ سے انکار وارتکاب معاصی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دینے اور توسیع رزق و مال کا سبب ہے۔ وجاءھم رسول کریم اور ان کے ہاں آیا وہ رسول جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم و محترم ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم بایں معنی ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئی طرح سے انعام و اکرام کے مستحق ہوئے یا آپ اہل ایمان کے نزدیک مکرم تھے یا وہ فی نفسہ مکرم تھے کیوں کہ ہر نبی علیہ السلام اپنے زمانہ کے لوگوں میں حسب ونسب کے لحاظ سے مکرم اور برگزیدہ ہوتا ہے اور کرم یعنی خصلت محمودہ یا آپ بایں معنی مکرم تھے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور اس کا کلام بلا واسطہ سنا۔

شان حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی باغی قوم قبطیوں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالات بتلائے تاکہ یہ امت ان کے حالات سنکر عبرت کرے اور گناہوں اور انکار پر اصرار نہ کرے جیسے انہوں نے ایسا کیا تو غرق ہوئے اور یہ ان کے حال سے عبرت حاصل کرے راہ ہدایت کی طرف آئے اور اپنے نبی علیہ السلام کی دعوت قبول کرے اس پر ایمان لائیں جو احکام اپنے رب کی جانب سے آئے ہیں تاکہ انہیں ان مصائب کا شکار نہ ہونا پڑے جیسے فرعون اور فرعونی عذاب میں مبتلا ہوئے۔

ان ادوا الی عباد اللہ ان مصدریہ ہے دراصل بان ادوا الخ تھا یہ کہ میرے ہاں بنی اسرائیل کو پہنچا دو اور انہیں میرے سپرد کر دو تاکہ میں انہیں ان کے آباؤ اجداد کے وطن یعنی شام کے ملک میں لے جاؤں اور نہ انہیں غلام بناؤ اور نہ ہی انہیں عذاب دو یعنی میں تمہارے ہاں اس لئے آیا ہوں تاکہ تم بندگان خدا کو میرے سپرد کر دو۔

فائدہ فرعون قبطی تھا اور بنی اسرائیل اس کے ملک میں مسافر تھے کیونکہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان سے ہجرت کرکے مصر میں تشریف لائے تھے اس وقت ان کے صاحبزادوں سمیت یہ کل بیاسی تھے لیکن فرعون جب بادشاہ بنا اس نے انہیں سخت مصائب و تکالیف میں مبتلا کر رکھا تھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر تشریف لائے تو فرعون کے غرق ہونے پر ان کی جان چھوٹی اور موسیٰ علیہ السلام انہیں فلسطین

کی طرف سے گئے تو اس وقت وہ ایک کروڑ اور چھ ہزار افراد تھے انہیں ایک طرف دولت ایمان ملی دوسری طرف فرعون سے نجات پا گئے۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ "ان ادوا الیّ" کا مطالبہ ان کے ایمان لانے کے بعد تھا جیسا کہ دوسری آیت میں کہا

لنؤمنن لک ولنرسلن معک بنی اسرائیل ہم تم پر ایمان لائیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجیں گے۔

اس کی نظیر نوح علیہ السلام کا قول ہے جو آپ نے اپنے لڑکے کو فرمایا۔

یا بنی ارکب معنا ولا تکن مع الکافرین" اے بیٹے ایمان قبول کر اور کشتی پر سوار ہو اور کافروں کے ساتھ نہ ہو۔

اس لئے کشتی پر وہی سوار ہوئے تھے جو ایمان دار ہوں کیوں کہ کشتی کی سواری ایمان پر موقوف تھی۔

فائدہ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ عباد اللہ منادی منصوب اس کا حرف ندا محذوف ہے اب معنی یہ ہوا کہ اے اللہ کے بندے میرا حق ادا کرو یعنی ایمان لاؤ اور میری دعوت قبول کرو۔

انی لکم رسول امین اس لئے کہ بے شک میں تمہارا رسول اور ادائیگی وحی و رسالت میں امین ہوں اور معجزات دکھا کر اپنے دعویٰ میں سچا ہوں یہ ادوا (امر) کی علت ہے

اعجوبہ : بنی اسرائیل فرعون اور اسکی قوم کے ہاں اللہ تعالیٰ کی امانت تھی انہیں چاہیے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت موسیٰ علیہ السلام کو واپس کرتے لیکن انہوں نے امانت کی خیانت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا فرمایا۔ وان لا تعلوا علی اللہ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے آگے تکبر نہ کرو اس کی وحی اور اس کے رسول کی اہانت اور اس کے بندوں کی گستاخی اور ان کی تحقیر کر کے انی آتیکم یہ صیغہ اسم فاعل ہے یا صیغہ مضارع ہر دونوں احتمال صحیح ہیں۔

بسلطان مبین یہ نہی کی تعلیل ہے یعنی میں تمہارے پاس ایسی واضح اور روشن دلیل لایا ہوں کہ جس میں انکار کی گنجائش نہیں یعنی معجزات یعنی میں اپنے صدق مدعا کے لئے روشن دلیل لایا ہوں۔

نکتہ، فعل ادا کے ساتھ امین اور سلطان کے ساتھ مبین لانے میں کلام کو بلیغ ظاہر کرنا ہے۔

وانی عذت بربی وربکم بے شک میں نے پناہ مانگی اور توکل کیا اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار پر "ان ترجمون" اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو وہی مجھے تمہارے شر سے بچانے والا ہے۔ "الرجم" بمعنی سنگسار کرنا کسی کو (رجام بالکسر) پتھر سے مارنا یا یہ کہ مجھے مارو یا گالی دو مثلاً کہو کہ وہ جادوگر ہے وغیرہ وغیرہ۔ یا یہ کہ تم مجھے قتل کرو۔

فائدہ : یہ اس لئے فرمایا کہ جب پیغام سنایا کہ ان لا تعلوا علی اللہ تو فرعونیوں نے آپ کو قتل کی دھمکی دی

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ میں نے پناہ مانگی ہے اپنے رب سے اپنے نفس کے شر سے اور تمہارے پروردگار سے تمہارے نفوس کے شر سے کہ مجھے کسی فتنہ میں مبتلا کر دو۔

تفسیر عالمانہ وان لم تؤمنوا لی فاعتزلون اور اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ تو مجھے علیحدہ کر دو۔

الایمان لام سے متعدی ہو تو بمعنیٰ ایقان و قبول ہوتا ہے اگر بار سے متعدی ہو تو بمعنی اعتراف ہوتا ہے۔ مومن کو اسی لئے مومن کہا جاتا ہے کہ وہ مومن بہ کو تکذیب و مخالفت کی ضمانت دیتا ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لام بمعنی اجل (سببیہ) ہے یعنی اس لئے کہ میں تمہارے لئے حجت لایا ہوں۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم عقل کے پیش میرے ساتھ مقابلہ کر - میری تصدیق نہ کرو تو مجھ سے دور رہو اس سے نہ میرا نقصان ہے نہ نفع اور نہ ہی کہ مجھے تم کوئی شر پہنچا سکتے ہو نہ ہاتھ سے نہ زبان سے تمہارے داعی کو اس سے کوئی جزا و سزا نہ ہوگی۔ اسی تقریر پر اعتزال بمعنی ترک ہوگا یعنی صرف ایمان کی علیحدگی مراد نہیں بلکہ مذہبی تعلقات مراد ہیں۔

(قاعدہ) متاخرین معتزلہ میں سے قاضی عبدالجبار نے کہا کہ قرآن میں جہاں بھی لفظ اعتزال واقع ہوا ہے وہاں باطل سے علیحدگی مراد ہے اس معنی پر اعتزال مدحیہ کلمہ ہوگا۔

معتزلی کا رد: مذکورہ بالا قاعدہ آیت فان لم تؤمنوا لی فاعتزلون " سے ٹوٹ گیا۔ اس لئے کہ یہاں ایمان سے علیحدگی مراد ہے نہ کہ بطلان و کفر سے (فلہذا اعتزال کلیۃً مدح کے لئے نہ ہوا۔ (کذا فی بعض الکتب الکلامیہ)

حکایت: سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا کسی مسئلہ میں آپ کے کسی شاگرد سے اختلاف ہوا تو اس نے آپ سے مناظرہ کی ٹھانی۔ آپ نے اسے وقت دیا جب وہ موقعہ پر پہنچا تو آپ نے اسے یہی آیت فان لم تؤمنوا لی فاعتزلون پڑھ کر سنائی اس سے ثابت ہوا کہ اعتزال کبھی حق سے اعراض کیلئے بھی آتا ہے

حکایت بشر حافی و امام احمد حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت امام حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ رات کے وقت حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں روزانہ تشریف لے جاتے اس لئے کہ آپ کو ان سے ارادت (عقیدت) تھی۔ شاگردوں نے کہا کہ آپ امام وقت ہیں فقہ و حدیث بلکہ جملہ علوم اور اجتہاد میں آپ کی مثال نہیں تو پھر آپ ایسے پریشان حال درویش جو ہر وقت پاؤں ننگے چلتا رہتا ہے) کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں یہ آپ کی شان کے خلاف ہے آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو جو علوم تم نے گن سنائے ہیں واقعی میں ان سے بہتر جانتا ہوں لیکن وہ یادِ خدا میں وقت بسر کرنے میں مجھ سے بہتر ہیں۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ باطل سے دور رہے اور حق کا دامن مضبوطی تھامے۔

منکرین اولیاء کی تردید بہت بدبخت منکرین اولیاء اللہ کی صحبت سے نہ صرف دور رہتے ہیں بلکہ ہر وقت ان کے گلہ شکوہ اور غیبت میں لگے رہتے ہیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی دشمنی خرید رہے ہیں حالانکہ انہیں اولیاء کرام کی صحبت اور ان کی مجلس سے فوائد حاصل کرنا لازم تھا۔

سبق اہل حق پر لازم ہے کہ وہ اہل شر اور ظالموں اور جابروں سرکشوں سے پناہ مانگیں اور اہل انکار اور گردن کشوں سے دور رہیں جیسے انبیاء علیہم السلام نے ان سے پناہ مانگی اور دور رہے

اے خدا کمترین گدائے توام
چشم برخوان کبریائے توام

۲ از بدو منکران امانم دہ
ہرچہ آنم ہست آنم دہ

۳- چونکہ تو گفتی فاستعذ باللہ
بتو بردم ز شر دیو پناہ

۴- باخصوص از بلائے دیو سفید
کہ نباشد از گریز مفید

ترجمہ ۱: اے اللہ ہم تیرے کمترین بندے ہیں تیری کبریائی کے فضل و کرم سے پر امید ہیں
۲: برائیوں سے مجھے امان دے جو کچھ میں ہوں وہ مجھے دے۔
۳: جب کہ تو نے خود فرمایا کہ اللہ سے پناہ مانگو تیری مدد سے دیو کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔
۴: بالخصوص دیو سفید کی بلاء سے کہ اس سے بھاگنا بھی فائدہ نہیں دیتا۔

ان ھٰؤلاء بے شک یہ قبطی "قوم مجرمون" مجرم لوگ ہیں کفر اور خواہشات نفسانیہ پر اصرار کرنے والے ہیں اور تو انہیں خوب جانتا ہے لہذا انہیں وہی سزا دے جس کے وہ مستحق ہیں۔ **فاسر بعبادی** فاء عاطفہ ہے۔ اس کے بعد قول محذوف ہے تاکہ انشاء کا خبر پر عطف لازم نہ آئے۔ "الاسراء" رات کو جانا کہا جاتا ہے اسریٰ بہ لیلاً یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے ساتھ رات کو جائے" ایسے ہی سریٰ واسریٰ۔

سوال، جب اسراء رات کو جانے کو کہا جاتا ہے پھر لیلاً لانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب، تاکید کے لئے ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرما کر انہیں فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے رات کے اس وقت لے جائیے جب دشمن غفلت کے نشہ میں ہو۔

میرے بندوں کو رات کے وقت لے جا۔

"انکم متبعون" یہ امر باسر کی علت ہے یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو تمہارے چلے جانے کا علم ہوگا تو وہ تمہارے پیچھے آئیں گے تاکہ تمہیں قتل کر دیں جب تم دریا کے کنارے پہنچو تو تم دریا میں عصا ڈال دینا اس سے تمہیں دریا راستہ دے گا وہاں سے بنی اسرائیل کو دریا کے پار لے جانا۔ "واترک البحر" اور دریائے قلزم کو چھوڑ دینا یہاں دریائے قلزم مراد ہے یہی ظاہر اور مشہور تر ہے یا دریائے نیل مراد ہے "رھوا" حال ہے دریا کو اس سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ اس وقت اس کا یہی حال تھا "رھوا" بمعنی فرجہ واسع (بڑا سوراخ) مصدر بمعنی فاعل یا لفظ ذا محذوف ہے یعنی دریا کو اس کی اسی حالت میں چھوڑ دینا کہ اس کے راستے کھلے ہوں اور اس سے نہ ڈرنا کہ فرعون اور قوم تمہیں پہنچ جائے گی یا یہ معنی ہے کہ دریا کو اس کی ہیئت ساکنہ میں چھوڑ کر چلے جانا اسے دوبارہ عصا نہ مارنا تاکہ وہ راستے بند نہ کرے بلکہ اسے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کرنا تاکہ قبطی اس میں داخل ہوں جب وہ اس میں داخل ہوں گے تو ان پر پانی چڑھائی کرے گا۔ یعنی دریا کے راستے کھلے چھوڑ کر چلے جاؤ تاکہ فرعون اور اس کی قوم کو دریا کے راستے کھلے مل جائیں اب رھوا کا معنی ساکن مضطرب ہے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے پانی ایک بہت بڑے چٹان کی طرح ٹھہر گیا تھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو عبور فرما لیا "انہم جند مغرقون" بے شک فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق ہوگا۔ یہ ترک البحر کے امر کی علت ہے جند وہ لشکر جو جنگ کے لئے ہر وقت تیار ہو الاغراق بمعنی غرق کرنا۔ الغرق پانی میں ڈوبنا اور اس کی گہرائی میں چلا جانا۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ چونکہ فرعون پانی پر نازاں تھا اور کہتا تھا کہ میرے باغات میں اور میرے محلات کے نیچے نہریں چلتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے عذاب میں مبتلا فرمایا جس پہ وہ ناز کرتا تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دریا کے سفر کا حکم فرمایا ورنہ جنگلات کی طرف حکم فرماتا اور وہ دشمن کو جنگلات میں تباہ و برباد کر سکتا ہے جیسے قبطیوں سے پہلے کے کفار کو دریا کے علاوہ دوسری طرح عذاب میں تباہ و برباد کر دیا

تفسیر عالمانہ: "کم ترکوا" مصر میں انہوں نے تمہارے لئے بہت کچھ چھوڑا "کم" محلاً منصوب "ترکوا" کا مفعول ہے "من جنات" کم کا بیان ہے کیونکہ باغات میں ابہام ہے یعنی ایسے باغات چھوڑے جو کثیر الاشجار تھے۔ جو رشید سے اسوان تک پھیلے ہوئے تھے اور ان دونوں مقامات کے درمیان بیس دنوں سے بھی زائد کا فاصلہ تھا اور آیت میں اختصار ہے اب معنی یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کیا جیسے انہیں حکم تھا کہ دریا کو اسی حالت پہ چھوڑ دیا جس میں فرعون اور اس کا لشکر داخل ہوا تو غرق ہو گئے اور بہت بڑے باغات بنی اسرائیل کے لئے چھوڑ کر مرے "وعیون" بہت سے بہنے والے پانی کے چشمے غالباً اس سے وہ نہریں مراد ہیں جو نیل سے نکل کر باغات و محلات میں پہنچتی تھیں۔ ورنہ اس وقت مصر میں نہ کنوئیں تھے اور نہ چشمے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے مصر کی مذمت میں کہا کہ وہاں ایسے

رلوبت والے اور بدلو دریا کے درمیان واقع ہے جس سے بخارات ردیئہ اٹھتے ہیں تو اس سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور غذائیں خراب ہوتی ہیں اور ایسے پہاڑ کے درمیان واقع ہے جو بیکار اور خشک اور سخت ہے کہ اس کی خشکی کی سختی کی وجہ سے وہاں انگوری وغیرہ پیدا نہیں ہوسکتی اور نہ ہی وہاں پانی کے چشمے جاری ہوسکتے ہیں

دذرو ع زرع کی جمع ہے وہ جو یتیج سے کھیتی پیدا ہو اسے مصدر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔

حل لغات ذرع اللہ الحرث سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کھیتی اگائے اور اسے نشو ونما بخشے اور کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں قوت اور طعام کی مختلف قسمیں مراد ہیں یعنی وہ کھاتے پیتے اور خوشحال لوگ تھے اہلِ عرب کے حال کے برعکس یعنی عرب ہمیشہ دکھ اور بھوک اور قحط کا شکار رہتے بخلاف اہلِ مصر کے کہ

وہ ہمیشہ سکھ اور خوشحالی میں زندگی بسر کرتے ہیں " ومقام کریم " اور مزین محفلیں اور بہترین کوٹھیاں " ونعمۃ " اور نعمتیں اور رونقیں اور بہترین معاش یعنی نعمتوں کے ہر قسم کے اسباب وغیرہ ۔

حل لغات ، یہ اس محاورہ سے ہے کہا جاتا ہے کم ذی نعمۃ لا نعمۃ بہت سے مالدار ہیں جنہیں تنعم نصیب نہیں نعمۃ بالکسر بمعنی وہ شئے جو تم کو انعام کے طور نصیب ہو اور نعمۃ (بالفتح) بمعنی تنعم یعنی وہ شئے جو بطور نرمی و نعومۃ کے طور استعمال کی جائے وہ کھانے کی چیزیں ہوں یا پہننے کی یعنی ناز و نعمتوں سے زندگی گزارنا " کانوا فیہا فاکہین " وہ تھے اس دنیا میں آسودہ حال یعنی نعمتوں سے بھرپور اور ان سے لذت حاصل کرنے والے اسی سے الفاکہۃ ہے وہ شئے کہ جس کے کھانے سے لذت حاصل ہو (کذلک) کاف محلاً منصوب ہے اور ذلک کا اشارہ اس فعل کی طرف ہے جس پر ترکوا دلالت کرتا ہے " یعنی ہم نے یہ نعمتیں ان سے لیسے ہی چھین لیں اور " اورثناہا قوماً آخرین " اور وہ نعمتیں ہم نے دوسروں کو عطا فرما دیں اس کا فعل مقدر پر عطف ہے " الایراث " بمعنی کسی کو دوسرے کے مال کا مالک بنا دینا یا یہ کہ ہم نے انہیں مال کے تصرف کی اسی طرح قدرت دیدی جیسے وارث کو تصرف کی قدرت دی جاتی ہے یعنی ہم نے قبطیوں کا مال ایسے لوگوں کو دیا جو نہ ان کے رشتہ دار تھے نہ ان کے دینی بھائی اور نہ د لا کا تعلق تھا یعنی وہ بنو اسرائیل جو اس سے قبل ان کے تابع تھے بلکہ ان کے بے دام غلام تھے اب اللہ تعالیٰ نے قبطیوں کو تباہ کر کے ان کے مال کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا اور ان کے گھر اور مکانات ان کے قبضہ میں دیدیئے بعض نے کہا اس سے بنی اسرائیل کے غیر لوگ مراد ہیں کیوں کہ فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل مصر کو واپس لوٹ کر نہیں آئے تھے ۔ اس لئے کہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ تواریخ کی مشہور کتابوں میں کہیں نہیں کہ بنی اسرائیل مصر کو واپس آئے یا قبطیوں کے اموال کے مالک ہوئے لیکن یہ قول مردود ہے کیونکہ تواریخ کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ اس میں بہت جھوٹ موٹ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اور کون زیادہ سچا ہوسکتا ہے اور سورۃ شعراء میں ہے کہ قبطیوں کے وارث بنی اسرائیل وارث ہوئے اور قرآنی نص کے بالمقابل تواریخ کا

کوئی واقعہ قابل اعتبار نہ ہوگا [۱]

مختلف آیات کی تطبیق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا " عسی ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض " یعنی منقریب تمہارا رب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرکے تمہیں ان کا جانشین بنائے گا۔ ان کی زمین مصر کا یا ارض مقدسہ کا اور فرمایا " و اورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض و مغاربھا اور ہم نے اس قوم کو جو کمزور تھی مشارق و مغارب کا وارث بنایا اس سے ارضِ شام مراد ہے اور مشارق و مغارب سے اس کی شرقی و غربی جوانب مراد ہیں ان دونوں آیتوں کو کسی وقت مصر مراد لیتے ہیں اور کسی وقت شام۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے شام مراد ہے اس لئے کہ وہ خود ملک مصر میں واپس نہیں لوٹے تھے اس میں ان کی اولاد مراد نہ ہوسکے گی اور اگر مصر مراد ہو تو مستضعفین سے ان کی اولاد مراد ہوگی کیونکہ مصر کو حضرت داؤد علیہ السلام نے فتح کیا تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شام و مصر ہر دونوں مراد ہوں پھر مستضعفین سے وہ اور ان کی اولاد ہر دونوں مراد ہوں گے اس قاعدہ پر کہ جس فعل کی نسبت اولاد کی طرف ہو اس سے آباد بھی شامل ہوتے ہیں (ایسے ہی برعکس)

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کھلا چھوڑ دو ذکر کے عصا سے بحر فضل کو اس لئے کہ نفس فرعون اور اس کی صفات دریائے وحدت میں غرق ہوں گے اور وہ شہوات کے باغات اور مستلذات حیوانیہ کے چشمے اور آمال فاسدہ کی کھیتیاں اور مقامات روحانیہ کو چھوڑنے والے ہیں اور ایسے ہی دنیا کی جو نعمتوں سے اعراض کریں گے اور آخرت کی نعمتیں بھی " وکذلک اور تمناھا الخ میں اشارہ ہے کہ اگرچہ صفات نفسانیہ تجلی صفات ربانیہ سے فنا ہوجاتی ہیں لیکن دائمی زندگی پاکر وہ زندہ رہ جاتی ہیں اس لئے کہ تجلی صفات ربانیہ سے یہ صفات نفسانیہ فنا پاکر صفات حمیدہ پیدا ہوجاتی ہیں اگر ان صفات نفسانیہ سے ایسی صفات پیدا نہ ہوتیں تو سالک کو ترقی کب نصیب ہوتی (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

یاد رہے کہ سالک انہی صفات سے ملائکہ کی صفات سے آگے بڑھ جاتا ہے کیونکہ ملائکہ کو کوئی ترقی نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔

وما منا الا لہ مقام معلوم اور نہیں ہے ہماری طرف فرشتے کو مگر ایک مقام معلوم اس معنی پر ملک کی ترقی دفعی ہوتی ہے جب کوئی مقام مل گیا اس کے بعد اسے کوئی ترقی نصیب نہیں بخلاف کمال بشری کے کہ اسے تدریجی ترقی نصیب ہوتی ہے اور یہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ آخرت میں بھی اس کی ترقی ہوتی رہے گی (اللہ تعالیٰ ہی جود و عطا فرماتا ہے)

---

[۱] حواشی سعدی المفتی ۱۲ ؏

تفسیر عالمانہ فما بکت علیھم السماء والارض مجاز مرسل ہے ان کے ہلاک ہونے پر لاپرواہی ہے کہ ان کا وجود گویا کسی شمار میں نہ تھا کیوں کہ کسی پر رونا اس وقت ہوتا ہے جب وہ شے معتبر ہو یعنی یہ استعارہ تمثیلیہ ہے جیسے گریۂ آسمان وزمین کو علی سبیل الکنایہ ان اشیاء سے تشبیہ دی گئی ہے جنہیں معتبر سمجھا جا سکے مگر یہ کی انکی طرف اسناد علی سبیل التخییل ہے اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی ذی قدر و منزلت انسان مرجاتا تو کہتے کہ اس پر زمین وآسمان رو رہے ہیں یعنی اس کی موت ایک ایسی مصیبت ہے جس سے تمام مخلوق کو تکلیف پہنچی ہے اور اس پر تمام مخلوق رو رہی ہے یہاں تک کہ آسمان وزمین بھی جب کہیں کہ اس پر زمین وآسمان نہیں روئے تو اس میں بتانا چاہتے کہ اس کی موت میں وہ بات نہیں جو ذی قدر و منزلت لوگوں کی موت سے ظاہر ہوگا۔

ف : اس میں کفار کے ساتھ تہکم واستہزاء ہے اور بتانا ہے کہ تمہارا حال ایسا ذلیل وخوار ہے کہ تمہاری قدر و منزلت پر زمین وآسمان نہیں روئے

فائدہ : بعض نے کہا کہ یہ زمین وآسمان کا رونا مبنی برحقیقت ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

حدیث شریف ہر مومن کے لئے آسمان پر دو دروازے ہیں ایک سے اس کا رزق اترتا ہے دوسرے سے اس کا عمل داخل ہوتا ہے جب وہ مرتا ہے اور دو دروازے اپنا معمول نہیں پاتے تو مومن کی موت پر روتے ہیں اس کی دلیل میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت " فما بکت علیھم السماء " الخ تلاوت فرمائی۔

حدیث شریف ۲ میں ہے نیک بندے کی وفات پر اس کی عبادت گاہ اور (مصلیٰ) روتا ہے اور آسمان میں وہ مقام روتا ہے جہاں سے اس کا عمل اوپر کو چڑھتا ہے۔

حدیث شریف ۳ میں ہے کہ جب کافر مرتا ہے تو اس سے آسمان وزمین اور بلاد وعباد خوشیاں مناتے ہیں اور نہ اس پر زمین روتی ہے نہ آسمان۔

حدیث شریف ۴ زاریاں کرو اور گریہ کرو اس لئے کہ آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے ہیں۔

حدیث شریف ۵ معالم (التنزیل) میں ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو اس پر زمین وآسمان انسانوں کی طرح روتے ہیں یعنی ان کا رونا انسان وحیوان کے گریہ کی طرح ہوتا ہے اور یہ قدرت ایزدی کے لئے ممکن ہے[1] (استدلال) آیت قرآنی میں ہے کہ ہر شئے کی حقیقت اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے محققین صوفیہ کا یہی مذہب ہے اسی لئے ان کا رونا اور ہنسنا جو اس کے مناسب ہے، جائز ہے۔

---

[1] الکواشی ۱۲

وحی الی اللہ حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو وحی بھیجی اور الہام فرمایا کہ میں تم سے اپنا خلیفہ بناتا ہوں ا سمیں بعض نیک ہوں گے جو میری طاعت کریں گے اور میں انہیں بہشت میں داخل کروں گا اور بعض وہ ہوں گے جو میری نافرمانی کریں گے۔ انہیں جہنم میں داخل کروں گا زمین نے کہا مجھ سے پیدا ہو کر تیری نافرمانی کرکے جہنم میں بھی جائیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں اس پر زمین رو پڑی اس سے قیامت تک چشمے جاری ہوگئے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے آسمان پر معراج کرائی گئی تو میری جدائی سے زمین رو پڑی تو اس کی آوہی آنگوری پیدا ہوئی جب میں واپس لوٹا تو میرے پسینے کا ایک قطرہ زمین پر ٹپکا اس سے سرخ گلاب پیدا ہوا جسے میری خوشبو سونگھنی ہو اسے گلاب کا پھول سونگھنا چاہیئے۔

فائدہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ آسمان کے حزن وغم کی ایک علامت ہے وہ یہی ہے کہ شام کے وقت مشرق ومغرب کی جانب سے سرخ ہوجاتی ہے حضرت سدی وعطاء رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا

شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے (آسمان کا رونا) حضرت زید بن ابی زید نے فرمایا کہ جب حسین بن علی رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تو آسمان کے کنارے ایک ماہ تک سرخ رہے یہ اس کے رونے کی نشانی ہے۔

فائدہ: حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غربی جانب کی سرخی پہلے نہ تھی لیکن جب امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس وقت سے سرخی اٹھی اور بڑھتی رہی جو آج تک موجود ہے۔

۱ ؎ این سرخی شفق کہ برین چرخ بیوفا است
ہر شام عکس خون شہیداں کربلاست

۲ گر چرخ خون ببارد ازیں درخور ست
در خاک خون بگرید ازیں ماجرا رواست

ترجمہ ۱: یہ سرخ شفق چرخ بے وفا کی ہے کہ ہر شام کو شہیدان کربلا کے خون کا عکس ہے۔
۲: اگر آسمان خون برسائے تو لائق ہے اگر زمیں اس ماجرا سے خون برسائے تو جائز ہے۔

فائدہ: شفق سے وہی سرخی مراد ہے جو غربی جانب کو مغرب کے وقت نظر آتی ہے

شفق کی قسمیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ شفق دو قسم ہے۔
(۱) الحمرہ (سرخ) (۲) البیاض (سفیدی)

مسئلہ: جب تک سرخی غائب نہ ہو نماز (مغرب) جائز ہے اور نماز عشاء کا وقت شروع

؎: مقاصد حسنہ ۱۲

ہو جاتا ہے جب سرخی شفق ختم ہو جائے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ سفیدی کے اختتام کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔

قاعدہ ہلال حدیث شریف میں ہے جب چاند سرخ شفق کے ساتھ ختم ہو تو پہلی رات کا ہے جب سفیدی میں ختم ہو تو دوسری کا ہے لیکن شرعی رویت ہلال میں اس قاعدہ کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

(دستور عرب) عرب کا دستور ہے کہ خسوف (چاند گرہن) اور وہ سرخی جو آسمان پر پھیل جاتی ہے اسے وہ کسی میت پر رونے کی نشانی سمجھتے ہیں

(وفات بنی زادہ ابراہیم علی نبینا علیہ السلام)

ب حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کے وصال کے وقت سورج گرہن ہوا تو لوگوں نے کہا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کی موت کی وجہ سے ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کی مجلس قائم فرما کر ارشاد فرمایا کہ سورج و چاند اللہ تعالیٰ کی دو آیات ہیں ان کی نہ کسی موت سے گرہن ہوتی ہے نہ کسی کی پیدائش سے جب تم سورج چاند گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو اور نماز (نوافل) پڑھو یہاں تک سورج چاند روشن ہو جائے

سوال : یہ سابق تقریر کے منافی ہے پہلے فرمایا کہ مومن کی موت پر آسمان اور زمین روتے ہیں

جواب : پہلے مضمون میں اصل حقیقت بیان فرمائی اب غلط اعتقاد کا رد فرمایا کیونکہ قاعدہ ہے کہ ہر حادثہ کسی نہ کسی خاص امر پر دلالت کرتا ہے اسی لئے ایسے حوادث کے وقت دعا اور نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

نکتہ ایسے مواقع پر دعا مانگنے کا راز یہ ہے کہ جب لوگ ایسے خوارق عادت دیکھتے ہیں تو فطرتاً دنیا سے روگردانی اور حضور الی الحق یعنی توجہ الی اللہ ہو جاتی ہے ایسے اوقات میں دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔

رد وہابیہ و دیوبندیہ صاحب روح البیان قدس سرہ مذکورہ بالا تقریر لکھ کر فرماتے ہیں کہ۔

هذا هو السر في استجابة الدعوات في الاماكن الشريفة والمزارات — مکانات بزرگ اور مزارات پر دعاء کی قبولیت کا یہی راز ہے۔

تبصرہ اویسی غفرلہ اس عبارت کو پڑھنے کے بعد فیصلہ فرمائیے کہ اسلاف صالحین تو مزارات مقدسہ اور مکانات شریفہ کی حاضری پر دعاؤں کی قبولیت کو تریاق بتا رہے ہیں اور نہ صرف صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ بلکہ ائمہ اربعہ بالخصوص امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قبر موسى الكاظم ترياق لاستجابة الدعوة (حاشیہ مشکوٰۃ ولمعات واشعۃ اللمعات وغیرہ) — حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی مزار شریف دعاء کی قبولیت کیلئے تریاق ہے

لیکن نجدی وہابی دیوبندی شرک کے فتوے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (معاذ اللہ) [۱]

درس عبرت آسمان و زمین گنہگاروں اور ولایت کے غلط مدعیوں اور انانیت سے بھرے لوگوں کی موت پر نہیں روتے۔ جب ایسے لوگوں پران کا رونا نہیں تو جن کی نیکی وطاعت کبھی زمین سے آسمان پر نہ جائے تو پھر یہ اس کے لئے کیسے روئیں گے اور اس شخص کی موت پر زمین کب روئے گی جو اسے گناہوں سے سیاہ کرتاہے بلکہ زمین و آسمان تو اس بندہ خدا کے لئے روتے ہیں جو اطاعت گزار ہیں بالخصوص عارفین اولیاء اللہ کے وصال پر۔ جب ان کی موت سے ان کے نفوس کے انوار آسمان سے نہیں اٹھتے اور ان کی برکات سے زمین معمور نہیں ہوتی۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا زمین وآسمان علماء باعمل کی موت سے روتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مومن سفر میں مرتا ہے اور اس پر رونے والا کوئی نہیں ہوتی تو اس کی موت پر زمین وآسمان روتے ہیں پھر آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کافر پر زمین آسمان نہیں روتے۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا یہاں پر آسمان وزمین کے اہل مراد ہیں یعنی یہاں مضاف محذوف ہے جیسے واسئل القریۃ الخ کہ دراصل اہل القریۃ تھا۔ ذیل کی حدیث

حدیث شریف اس کی تائید کرتی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو فرشتے خوشیاں مناتے ہیں۔ گویا ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں اور جب میرا کوئی امتی چھوٹا یا بڑا مرتا ہے تو اس پر فرشتے روتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب ماہ رمضان الوداع کرتا ہے تو ملائکہ روتے ہیں ایسے ہی جب موسم سرما ختم ہوتی ہے تو مسکینوں پر شفقت کی وجہ سے سردی کے اختتام پر خوش ہوتے ہیں

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانُوْا اور جب ان کی تباہی کا وقت آن پہنچا تو نہ تھے منظرین مہلت دیئے ہوؤں سے جو انہیں کوئی دوسرا وقت مل سکتا یا انہیں آخرت تک مہلت دی جاتی بلکہ عذاب نے انہیں دنیا میں گھیر لیا۔

(۱) وہ اس لئے کہ عمر انسانی چند انفاس پر مشتمل ہے پس جب ختم ہو جاتے ہیں تو تاخیر کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

(۲) چونکہ دنیا وآخرت میں عذاب کے مستحق تھے دنیا میں تو اس لئے کہ وہ دنیا کے ظاہری نقش ونگار میں مشغول رہ کر داعی حق کو اذیت اور تکلیف پہنچانے کے درپے رہے اور خود کہتے تھے کہ اگر ہم

---

[۱] (اضافہ اویسی غفرلہ)

عذاب کے مستحق ہیں تو ہمیں عذاب پہنچ جانا چاہیے چنانچہ ان کی اپنی استدعا پر عذاب پہنچا۔
(۴) آخرت میں عذاب کے مستحق باینعنی تھے کہ وہ بباطن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے دین کا انکار
وتکذیب کر کے جنگ کرتے اور دنیا ظاہر کا نام ہے اور آخرت باطن کا اسی لئے جس طرح ظاہری دنیا میں
ظاہری عذاب میں مبتلا ہوئے ایسے ہی آخرت میں باطنی عذاب میں مبتلا ہوں گے اور یہ بخلاف گنہگار اہل ایمان کے
کہ اس کے گناہ کے ارتکاب کے بعد اس کے لئے سات گھڑیاں انتظار کیا جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کرے تو
اس کا گناہ نہیں لکھا جاتا اور نہ ہی اس کا بہ عجلت دنیا میں مواخذہ ہوتا ہے بلکہ اللہ بہت سے گناہوں کو
اپنے فضل وکرم سے معاف بھی فرما دیتا ہے اور بہت گناہوں کے کفارہ کے لئے مصائب وتکالیف میں مبتلا
فرما دیتا ہے اسی لئے (امید ہے) آخرت میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اہل ایمان کے لئے تو رحمت ہی رحمت
ہے اور وسیع کہ جس کا کوئی کفارہ نہیں (والحمد للہ علی ذلک)

سبق اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ امم سابقہ کے حالات سے عبرت حاصل کریں ہر حال میں اس کی اطاعت میں زندگی بسر کرنے کی اور اپنے دین میں سر توڑ کوشش کریں نہ کہ جسم بنانے اور اسے موٹا کرنے کے درپے رہیں کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

خاک در دستش بود در ہنگام رحیل ٭ ہر کہ اوقات گرامی صرف آب و گل کند

ترجمہ: بوقت روانگی اس کے ہاتھ میں مٹی ہوتی ہے جو اپنی زندگی کے قیمتی لمحات آب و گل میں ضائع کرتا ہے

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝
مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنَٰهُمْ
عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ۝ وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ الْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا
مُّبِينٌ ۝ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ
وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ۝ فَأْتُوا بِـَٔابَآئِنَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝
أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَٰهُمْ ۖ إِنَّهُمْ
كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
لَٰعِبِينَ ۝ مَا خَلَقْنَٰهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ
مَوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ ۚ
إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

ترجمہ :۔ اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات بخشی فرعون سے بیشک وہ متکبر حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا اور بیشک ہم نے انھیں دانستہ چن لیا زمانہ والوں سے اور ہم نے انہیں وہ نشانیاں عطا فرمائیں جن میں صریح انعام تھا۔ بے شک یہ کہتے ہیں وہ تو نہیں مگر ہمارا ایک دفعہ کا مرنا اور ہم اٹھائے نہ جائیں گے تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ کیا وہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو ان سے پہلے تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بے شک وہ مجرم لوگ تھے اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر ہم نے انہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ لیکن اکثر ان میں جانتے نہیں۔ بیشک فیصلہ کا دن ان سب کی میعاد ہے جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد ہوگی مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ بیشک وہی عزت والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ

(ولقد نجینا بنی اسرائیل)، التنجیۃ یعنی نجات دینا اور چھڑانا اور ہم نے بنی اسرائیل یعنی یعقوب کی اولاد کو چھٹکارا دیا۔ قبطیوں کو دریا میں غرق کرنے پر ۔ (من العذاب المہین) اس عذاب سے جو خوار و ذلیل کرنے والا تھا یعنی انہیں فرعون کا عبد بنانا اور ان کے بیٹوں کو قتل کرنا اور ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو خدمت کے لئے رکھنا اور انہیں بڑے مشقت بھرے کاموں میں لگائے رکھنا اور وہ ذلت جو تسلط والے اور دوسرے کو خفیف سمجھنے والے سے بہت مذموم ہوتی ہے (من فرعون) فرعون سے العذاب سے بدل ہے یا تو اسے نفس عذاب قرار دے کر کیوں کہ وہ ظالم حد سے بڑھ کر عذاب دیتا تھا یا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی من عذاب فرعون یا المہین سے حال ہے بمعنی واقعا من جہۃ الخ یعنی درآنحالیکہ وہ عذاب فرعون سے واقع اور اس کی جانب سے پہنچنے والا تھا " انہ کان عالیاً من المسرفین بے شک تھا وہ متکبر اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا من المسرفین کان کی دوسری خبر ہے یعنی فرعون ان لوگوں سے تھا جو ظلم کر کے حد سے بڑھ جاتے ہیں بلکہ کفر کی حد سے متجاوز ہوا۔

فائدہ : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ فرعون ان کافروں سے تھا جو حدود انسان سے متجاوز ہوا۔

فائدہ : یہی اس کی اسراف کی بڑی دلیل ہے کہ باوجود حقیر و خسیس ہونے کے الوہیت کا دعویٰ کر دیا اسی

معنیٰ پر کافروں میں بڑھ کر کافر اور سرکشوں میں سرکش ترین ہوا اگر صرف مسرف کہا جاتا تو اتنا مبالغہ نہ ہوتا جو من المسرفین سے ہے تاکہ دلالت ہو کہ یہ بھی منجملہ ان میں مشہور ترین ہے۔ اس میں فرعون اور ان کافروں کی مذمت ہے جو اس جیسے اور جن کے سروں میں علو و تکبر کا خمار تھا جیسے نمرود وغیرہ۔

بے ادب و گستاخ کی سزا

اسمیں اشارہ ہے کہ جو مومن کی اہانت کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ ذلیل و خوار کرتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل و خوار کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

فائدہ: دشمنوں و ظالموں کے ہاتھ سے چھٹکارا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے جو اپنے محبوب بندوں پر انعام فرماتا ہے اور یہ بھی دنیا کے تکالیف اور مشقتوں میں سے ہے کہ نیک لوگوں کو دشمنوں سے مغلوب کر دے اور دشمن اسے دکھ پہنچائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی دوستی میں ضروری ہے جس بندے کے لئے اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی ترقی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا کی بلاؤں میں مبتلا کر کے پھر نجات بخشتا ہے ؎

تا مرا کعبۂ مقصود ببالین آمد
سالہا بستر خود خار مغیلان کردم

ترجمہ: تاکہ میرا کعبہ مقصود میرے سرہانے آئے کہ بہت سے سال اس سے قبل اس کیلئے میں نے کانٹے بچھائے ہیں۔

ولقد اخترناهم اور ہم نے بنی اسرائیل کو فضیلت بخشی "علیٰ علم" اور پر علم کے **علیٰ علم** محلاً منصوب علی الحال بمعنی عالمین ہے یعنی بے شک وہی اختیار کے حق دار تھے یعنی ہمارا انتخاب دانشمندی پر مبنی تھا اس میں غلطی کا امکان نہیں کیونکہ میں ہمہ قسم کے علم کا مالک ہوں لہٰذا جب یہ انتخاب بھی میرا ہے تو ان کی لیاقت و اہلیت کو خود سمجھ لو کیوں کہ میرا اختیار علم و ارادہ پر جس میں کوئی نہ کوئی خصوصی سبب اور میرا فضل ان کے شامل حال ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ہمیں علم ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت ٹیڑھے ہوں گے اور ان سے زیادتیاں ہوں گی جیسا کہ واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں منتخب کیا اور اس کا مجھے علم تھا کہ ان سے خطائیں سرزد ہوں گی اور طرح طرح کی مخالفات کا ارتکاب کریں گے جن کا ہمیں پہلے سے علم ہے تاکہ انہیں علم ہو کہ یہ ایسی جنایات ہیں کہ جنہیں رعایات بھی ہو سکیں گی اسی قبیل سے ہے یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا حال جو کچھ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا کہ انہیں اندھے کنوئیں میں ڈالا وغیرہ وغیرہ اس کے باوجود ہم نے انہیں نبوت عطا فرمائی جیسا کہ ایک قول یہ ہے کہ وہ انبیاء تھے (واللہ تعالیٰ اعلم) ؎

گر دعصیان رحمت حق را نمی آرد بشور
مشرب دریا نگردد تیرہ از سیلاب

ترجمہ ، عصیان کی گرد رحمت حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ۔ دریا کا گھاٹ سیلاب سے میلا کچیلا نہیں ہوتا۔
یا یہ معنی ہے کہ ان کو ہم نے چنا ان کے علم وفضل کی وجہ سے یہ اس وقت ہے جب لفظ علیٰ تعلیلیہ ہو۔
"علی العالمین" ان کے ہم زمان لوگوں پر یا ہر زمانہ کے تمام لوگوں پر خواہ ان کے ہم زمان ہوں یا بعد کو آنے والے کیوں کہ ان میں انبیاء علیہم السلام بکثرت مبعوث ہوئے یہاں تک کہ ایک وقت ایک ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے اور ان انبیاء میں بنی اسرائیل کے سوا اور کوئی نہ تھا۔
(سوال) اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے فرمایا ہے
کنتم خیر امة اخرجت للناس (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے بھیجے گئے ہو۔)
اس آیت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اپنے سے بعد کو آنے والوں میں سے سب پر فضیلت حاصل نہ تھی۔
(جواب) یہ فضیلت دوسرے طریقہ سے ہے ایک طریقہ کی فضیلت دوسرے طریقہ کی فضیلت میں تغایر نہیں ہوتا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت جملہ امم سے علی الاطلاق افضل ہے اور یہی حق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان کی فضیلت ہے تو کثرت معجزات کی وجہ سے کہ وہ انبیاء علیہم السلام بکثرت تھے اور اور ان سے مجموعی طور پر معجزات کا اعتبار کیا جائے تو ان گنت معجزات ہوں گے تو پھر ہمارے نبی علیہ السلام کے مقابلہ میں ان کے معجزات بہت کم ہیں اگرچہ وہ کتنے ہی ان گنت ہوں اگر فضیلت کی علت کثرت انبیاء علیہم السلام ہے اگرچہ یک وقت بھی لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء کرام خدمات دینیہ میں بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں بلکہ شمار کا اعتبار ہو تو علمائے امت حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت کا حساب ہی کوئی نہیں کیوں کہ تا قیامت کوئی ایسا وقت نہیں جس میں علماء اولیائے کرام کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی رہے گی اب خود سوچئے کہ بنی اسرائیل سے امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا معیار کتنا بلند ہے۔ (ہم سب کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔)

(حل لغات) المفردات میں ہے کہ الاختیار یعنی بہتر فعل کا طلب کرنا اس کی مثال "ولقد اخترناھم (الآیۃ)" ہے۔

فائدہ ، بحر العلوم میں ہے کہ اس سے اختیار خاص مراد ہے یعنی نبوت یا عام یا صرف وہی لوگ مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے چنا جیسا کہ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (اہل ایمان) کو چُنا انہیں کتاب ونبوت اور ملک وسلطنت سے نوازا۔ واتیناھم من الآیات اور انہیں عطا فرمائیں، قدرت کی نشانیوں میں سے جیسے دریا کا پھٹ جانا اور بادلوں کا سایہ کرنا اور من وسلویٰ کا نازل کرنا اور دیگر وہ بڑی بڑی نشانیاں جو اُن سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوئیں ما فیہ بلاء مبین وہ کہ جس

ہیں بہت بڑی اور روشن نعمتیں تھیں یا ان کو ظاہراً اور کھلم کھلا چنا تاکہ ظاہر ہو کہ وہ کیا عمل کرتے ہیں۔
فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے خوشحالی اور تکالیف سے آزمایا تاکہ خوشحالی کے وقت شکر کریں اور تکالیف و مصائب پر صبر کریں۔

قاعدہ انسانی حالات انسان دنیا میں دو حال سے خالی نہیں رہتا کبھی اسے تیر بلا کا شکار بنایا جاتا ہے کبھی اسے لطف و کرم سے نوازا جاتا ہے اللہ تعالیٰ خوشحالی عطا کرنے پر بندے سے شکر چاہتا ہے اور دکھ اور تکلیف دینے کے بعد بندے سے صبر دیکھنا چاہتا ہے

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاریوں کو دیکھ کر فرمایا تم مومن ہو عرض کی ہاں آپ نے فرمایا تمہارے ایمان کی کیا نشانی ہے عرض کی نعمت پر شکر کرتے ہیں دکھ تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور قضائے الٰہی پر خوش ہوتے ہیں آپ نے رب کعبہ کی قسم اٹھائی واقعی تم مومن ہو۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کو وہی بندہ پسندیدہ ہے جو دکھ تکلیف پر صبر کرتا ہے اور یہی اختیار کا حقیقی سبب ہے لیکن کبھی نعمت و محنت پر مجازاً اس کا اطلاق آتا ہے اس لئے کہ یہ دونوں اختیار کا سبب ہیں۔
سوال : جب مذکورہ نعمتیں فی نفسہا نعمتیں ہیں تو پھر اس کے بعد بلاءٌ (بمعنی نعمت) کے ذکر کا کیا فائدہ۔
جواب : کلمہ فی تجریدیہ ہے کیوں کہ کبھی نعمت میں ایک اور نعمت ہوتی ہے اور کبھی نعمت سے نعمت دیگر والاقدر ہوتی ہے ایسے ہی دکھ پر اور زیادہ دکھ اور تکلیف ہوتی ہے۔

حکایت عجیبہ دو بھائی جڑواں بیک وقت پیدا ہوئے اور ان دونوں کی پشتیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں جب دونوں بڑے ہوئے تو ان سے ہمیشہ شکر کے الفاظ سنے جاتے کسی نے ان سے پوچھا کہ اتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے کے باوجود شکر کیسا۔ کہا ہمیں معلوم ہے کہ ہم بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں لیکن شکر اس لئے کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس سے کسی اور بڑی مصیبت میں ہم مبتلا ہوتے تو اسی لئے اسی مصیبت پر شکر کرتے ہیں اچانک ان میں سے ایک فوت ہوا تو دوسرے نے کہا یہی بڑی مصیبت ہے اگر مجھے اس مردے سے کاٹتے نہیں تو میں بھی مر جاؤں گا اگر نہیں کاٹتے تو مجھ سے مردہ لپٹا رہے گا یہاں تک کہ اس کا دوسرا جسم گل سڑ جائے تو عظیم تر مصیبت ہے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ خلاصہ درویشی یہ ہے کہ ہر ایک بوجھ خود کسی پر بوجھ نہ بنے نہ ظاہر میں نہ باطن میں بہر حال ہر بلا پر صبر اور ہر شدت پر حوصلہ ضروری ہے ہے

اگر زکوہ فرو غلطد آسیا سنگے
نہ عارفست از راہ سنگ برخیزد

ترجمہ ، اگر پہاڑ سے چکی کا پتھر نیچے گرے وہ عارف نہیں جو اس کے راہ سے اٹھ جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ان اعمال کی توفیق کا سوال کرتے ہیں جو اسے پسند ہوں اور جن سے وہ راضی ہو۔

ان ھٰؤلاء بے شک کفار قریش

(سوال) تم نے ھٰؤلاء سے قریش کفار کیوں مراد لی ہے

(جواب) ان کے متعلق گفتگو ہے اور فرعون اور اس کی قوم اس کی تمثیل اسی دلالت کے لئے ہے کہ وہ بھی ضلالت پر اصرار کرتے تھے اور یہ بھی اور جیسے ان پر حلول و نزول عذاب سے ڈرایا گیا ان سے بھی۔

لیقولون ان ھی الا موتتنا الاولیٰ البتہ کہتے ہیں نہیں ہے مگر موت اول۔ جب انہیں خبر دی گئی کہ ان کی زندگی کا انجام ہے گا یعنی موت اس کے بعد قیامت میں اٹھنا تو انہوں نے اسے کہا کہ نہایت امر کا حصر صرف موت اول پر ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ عاقبت اور نہایت امر مگر موت اول حیوٰۃ دنیویہ کو زائل کرنے والی ہے اس کے بعد اٹھنا نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ اسے اولیٰ کی صفت سے یہ ثابت کیا جائے کہ بخلاف کوئی دوسری موت بھی واقع ہوگی بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مقصد انکار ہی تھا کیوں کہ اول کا اثبات اسکو مستلزم نہیں کہ اس کا آخر بھی ہو جیسے کوئی کہتا ہے "اول عبد ملکہ" وہ پہلا عبد جس کا وہ پہلے مالک ہوگا وہ آزاد ہے وہ جس عبد کا مالک ہوگا وہ آزاد ہو جائے گا خواہ اس کے بعد کسی عبد کا مالک ہو یا نہ۔

فائدہ: سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں بحث ہے کیوں کہ اول آخر یا ثانی کا منسوب ہے اسلئے آخر یا ثانی کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ یہ ایک دوسرے کے متضایف ہے وجوداً بھی عدماً بھی پھر فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں مجازاً اولیت سے اس جیسے اور کی عدم مسبوقیۃ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: کشاف میں ہے کہ جب انہیں کہا گیا کہ تم مرجاؤ گے اس کے بعد اٹھوگے پھر اسی طرح زندہ رہوگے اس پر انہوں نے کہا کہ بس یہی ایک موت ہے جس کے بعد کوئی اٹھنا نہیں نہ کوئی اور زندگی ہے یہ حصر صرف اس معنی پر ہے کہ بس یہی زندگی ہے اس کے سوا کوئی اور کوئی زندگی نہیں جن لوگوں نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ اس موت سے وہ وقت مراد ہے جو حیوٰۃ دنیا سے پہلے انسان کو حاصل تھا یہ تکلف محض ہے اگرچہ حیات دنیا سے پہلے وقت کو موت سے تعبیر کرنا قرآن مجید میں واقع ہے فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم تم مردے تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کیا اس کے بعد تمہیں موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا) لیکن الا الموتۃ میں یہ وقت مراد نہیں۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ معنیٰ یہ ہے کہ کوئی موت نہیں سوائے اسی موت کے جو اس دنیا کی زندگی میں آئے گی بعد بس اس کے بعد موت نہیں کہ جس کے بعد قبر کی زندگی آئے گی جیسا کہ تم کہتے ہو کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل عبارت یوں تھی کہ "ان الحیوٰۃ الا حیوٰۃ موتتنا الاولیٰ" نہیں ہے حیوٰۃ مگر یہی حیاۃ اولیٰ جو موت سے پہلے ملی ہے) اس معنی پر الاولیٰ لفظ حیوٰۃ مضاف محذوف کی صفت ہے اس کا قرینہ آیۃ وما نحن بمنشرین " (ہم قیامت میں نہیں اٹھائے جائیں گے) یہ آیت

دوسری آیت "ان ھی الا حیاتنا الدنیا" (نہیں ہے یہ مگر حیات دنیا) "وما نحن بمبعوثین" (اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے) کی طرح ہے [۱] وما نحن بمنشرین اور مرنے کے بعد قیامت میں ہم نہیں اٹھائے جائیں گے "انشر اللہ الموتی" اللہ نے مردوں کو قبروں سے اٹھایا۔ موت کے بعد اٹھانے کا تو یہی جملہ کہا جائے گا۔ اس قول سے مرنے کے بعد قبور سے اٹھیں گے انکار میں مبالغہ مراد ہے۔

فأتوا بآبائنا تو ہمارے آباؤ اجداد کو یہ خطاب کافروں کا ان لوگوں کو ہے جو مرنے کے بعد اٹھنے کا وعدہ وعید سناتے اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی اہل ایمان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین مراد ہیں یعنی کافر انہیں کہتے کہ لاؤ ہمارے آباؤ واجداد کو قبور سے زندہ کر کے "ان کنتم صادقین" اگر تم سچے ہو اس وعدہ میں جو تم کہا کرتے ہو کہ مرنے کے بعد قیامت میں اٹھو گے اگر مرنے کے بعد اٹھنا ممکن ومعقول ہے تو ہمارے آباؤ اجداد کو قبور سے زندہ کر کے لاؤ تاکہ تمہارے وعدہ کی صداقت کا اظہار ہو۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کافروں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ حضرت قصی بن کلاب کو زندہ کر دیں تاکہ اس سے مشورہ کریں اور اس سے موت کے حالات کا سوال کریں وہ اس لئے کہ قصی بن کلاب ان کے سردار اور ان کے ہر مشکل کے ملجا وماویٰ تھے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کا یہ مطالبہ مبنی بر جہالت تھا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو امر جائز الوقوع ہو تو ضروری نہیں کہ جب وہ سوال کریں وہ اسی وقت ظاہر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے وقت مقرر تک معین فرمایا ہے تو وہ اسی وقت ہی ظاہر ہو گا اور جو ان کا سوال تھا وہ مبنی برآخرت تھا اور وہ اسے دنیا میں لانا چاہتے تھے وہ اگرچہ جائز الوقوع ہے لیکن چونکہ اس کا تعین آخرت کے لئے ہو چکا ہے اس لئے اسے دنیا میں مانگنا جہالت ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ پر کسی کا زور چل سکتا ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ کو اس لئے پورا نہ فرمایا کہ ان کے مطالبہ کا تعلق دار آخرت سے تھا اور وہ اسے دار دنیا میں لانا چاہتے تھے اور یہ عالم تکلیف ہے اور سوالیہ مطالبہ عالم تکلیف کا نہیں اگر اس کے سوال کے مطابق عمل ہوتا تو دار الجزاء کا دار العمل میں لانا پڑتا اور یہ مصلحت وتقاضائے حکمت کے خلاف تھا اور دونوں داروں (دار دنیا وآخرت) کو آپس میں تغایر بھی ہے۔

سام بن نوح علیہ السلام زندہ ہو گئے

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے بالخصوص سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ فرمایا حالانکہ اس کو دنیا سے مرے چار ہزار سال گزر چکے تھے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کر سکتے تھے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردے زندہ کرنے کی زیادہ طاقت اور اہلیت ولیاقت رکھتے تھے کیونکہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام افضل

[۱] حواشی سعدی المفتی ۱۲

واعلیٰ یعنی۔

سوال وہابی: جب حضور افضل الانبیاء علیہم السلام ہیں تو پھر کافروں کا مطالبہ کیوں پورا نہ کیا۔

جواب سنی: کافروں کا سوال اللہ تعالیٰ کی اجازت و اذن اور مصلحت و حکمت کے خلاف تھا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا تھا کہ اگر ان کا سوال پورا ہو گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ایسا عذاب بھیجوں گا جو ان کی جڑ کاٹ کے رکھ دے گا اور ایسے عذاب نہ لانے کا معاہدہ پہلے ہو چکا تھا اسی لئے ان کا مطالبہ پورا نہ ہوا تاکہ معاہدہ کے خلاف نہ ہو۔

احیاء العم والاب والام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوین کریمین کو زندہ کرکے اسلام کی دعوت سے نوازا اور وہ ایمان کے ساتھ صحابیت سے سرفراز ہوئے[1] اور اپنے چچا ابو طالب کو بھی زندہ کرکے دولت ایمان سے نوازا[2] جیسا کہ ہم نے اسے محل و مقام بحث میں تفصیل سے لکھا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جس پر مادیات کا غلبہ ہو اس کے قلب کی آنکھ نہیں کھل سکتی تاکہ وہ بصر و بصیرت سے عالم غیب سے مطلع ہو سکے عالم غیب سے دار آخرت مراد ہے ایسا شخص دار آخرت پر ایمان نہیں لا سکتا کیوں کہ اس پر مادیات شک و شبہ میں ڈال دیتا ہے اسی لئے ایسے لوگ بعث و نشور کا انکار کر دیتے ہیں جب ایسے لوگوں کو مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا مادیات کے غلبہ کی وجہ سے کہتے ہیں ہمارے ہاں ہمارے آباؤ اجداد کو لائیے یعنی انہیں زندہ کر دیجئے یہاں تک کہ ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ کر ان سے بعد الموت کے حالات معلوم کریں اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے۔

حکایت زندہ ولی حضرت الشیخ ابوعلی رودباری قدس سرہ کے ہاں ایک جماعت فقراء حاضر ہوئی ان میں ایک سخت بیمار ہو گیا اور ان کی بیماری نے اتنا طول پکڑا کہ حضرت رودباری قدس سرہ کے خدام اس کی خدمت کرنے سے تنگ آ گئے بالآخر حضرت رودباری قدس سرہ خود اس کی خدمت کے لئے کمربستہ ہو گئے اگرچہ اس لئے نفس کو کوفت ہوئی لیکن پھر بھی آپ نے اس کی خدمت میں جان کی بازی لگا دی یہاں تک کہ اس فقیر (درویش) کا وصال ہو گیا حضرت رودباری قدس سرہ نے غسل دیا اور کفنایا اور نماز جنازہ پڑھا کر قبر میں دفنایا حضرت رودباری قدس سرہ کا ارادہ ہوا کہ اسی فقیر کا حال قبر میں دیکھیں اور یاروں کو دکھائیں چنانچہ چہرہ سے اس کا کفن ہٹایا تو وہ درویش آنکھ کھول کر دیکھ رہا ہے اور فرمایا کہ

---

[1] اس کی تحقیق و تفصیل کیلئے فقیر کی کتاب "ابوین مصطفیٰ" کا مطالعہ کیجئے ۱۲ [2] یہ نقل ناقابل قبول ہے کیوں کہ یہ تحقیق کے خلاف ہے اگر کشف کی نقل ہے تو قابل حجت نہیں۔ اویسی۔

اے ابو علی رودباری قیامت میں اپنی وجاہت سے تیری مدد کروں گا جیسے تم نے اپنے نفس کی مخالفت کرکے میری مدد کی۔

حکایت حضرت یعقوب سنوسی

حضرت ابو یعقوب سنوسی قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے ہاں مکہ معظمہ میں میرا ایک مرید حاضر ہوا اور عرض کی حضرت جی میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا آپ یہ ایک دینار لیجئے آدھے دینار سے حنوط (خوشبوئیں) دوسرے آدھے سے کفن وغیرہ خرید لیجئے جب کل ظہر کا وقت ہوا تو وہ کعبہ معظمہ کا طواف کرکے کہیں دور چلا گیا اور فوت ہو گیا اس کے بعد انہیں غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا پھر قبر میں داخل کئے گئے تو قبر میں آنکھ کھول دی میں نے اسے کہا کیا موت کے بعد بھی۔ حیات ہے فرمایا "انا حی فکل محب اللہ حی" میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر محب زندہ ہوتا ہے۔

فوائد: ان دو حکایات میں چند اشارات ہیں۔

(۱) فقراء درویش لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت میں بہت بڑا مرتبہ ہے جو انہیں کپڑے پہناتا ہے طعام کھلاتا ہے یا ایسا کام کرتا ہے جو انہیں راحت و فرحت پہنچائے تو وہ ان کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت قبول ہے اور وہ اپنے خدمت کرنے والوں کو بہشت میں لے جائیں گے۔ (باذن اللہ)

(۲) حقیقی حیات میں جملہ انبیاء و اولیاء ہیں عارضی موت ان کی حیات کو حائل نہیں صرف اجسام سے ارواح کی مفارقت کا نام موت[1] ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے اجسام مبارکہ کو مٹی نہیں کھاتی کیوں کہ ان کے اجسام بمنزلہ ارواح کے ہوتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کو مردوں کا زندہ کرنا آسان تر ہے۔

سبق جیسے روح کے جسم سے پہلے تعلق کو مان لیا تو پھر اسے دوبارہ متعلق ہونے سے کونسا اشکال ہے۔

(۴) حیوٰۃ کا اثر تو نظر آتا ہے لیکن میّت میں پوشیدہ ہے۔ جو ظاہر بین لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا لیکن ارباب بصیرت کو محسوس ہوتا ہے کیوں کہ وہ میت میں اثرات حیوٰۃ کو دیکھتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ وہ ہمکلام ہوتے ہیں جو بصیرت سے محروم ہے اور صرف مادیات تک محدود ہے وہ اس سے انکار کرتا ہے اگر وہ کسی وقت اسے دیکھ سن بھی لے تو اسے جادو یا خیالی امر یا کسی دوسرے امر پر محمول کرتا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے کافروں کا حال تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر اسے جادو پر محمول کرتے ایسے ہی دوسرے لیسے لوگ عالم برزخ کی حیوٰۃ

---

[1] صرف فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ ان کے اجسام مبارکہ میں واپس لوٹائی جاتی ہے۔ ۱۲

کے منکر ہیں کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ~~بعضم~~ درچشم این سیاہ دلان صبح کاذبست
در روشنی اگر ید بیضا شود کسے۔

ترجمہ: سیاہ دلوں کی نظر میں وہ صبح کاذب ہے اگرچہ کسی کے ہاتھ میں ید بیضا کی روشنی بھی ہو
ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل حیواۃ حقانیہ و نشاۃ عرفانیہ سے بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ

اھم خیر یہ کافروں کے قول کا رد اور انہیں تہدید ہے یعنی کیا کفار قریش قوت و شوکت میں بہتر ہیں جو انہیں ہلاکت سے بچا سکے۔ یہاں دنیوی خیریت (یعنی اسباب دنیوی) مراد ہے نہ کہ دینی خیریت کیوں کہ ان دونوں (یعنی کفار قریش اور وہ کافر جن کا ذکر آگے آئے گا میں کسی قسم کی خیریت نہیں تھی۔ ام قوم تبع" یا تبع کی قوم یہاں پر تبع سے ملوک یمن کا بادشاہ مراد ہے جو قریش کے نزدیک مشہور تھا اس کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اس کا گھر دار قریش کے قریب تھی اس کے متعلق تفصیلی گفتگو آئے گی (انشاء اللہ)

والذین من قبلھم اور وہ جو ان سے پہلے تھے یعنی تبع سے پہلے اس کا قوم تبع پر عطف ہے ان سے قوم عاد و ثمود اور ان جیسے دیگر کفار مراد ہیں جو سب کے سب جبار سرکش اور بہت سخت قوت و طاقت کے مالک تھے اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی بے شک وہ قوم قریش سے قوی تر تھے" اھلکناھم" ہم نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے ان کے انجام کا بیان ہے یعنی قوم تبع اور ان سے پہلے والوں کے انجام کی خبر دی گئی ہے " انھم کانوا مجرمین" بے شک وہ جرائم و آثام و معاصی میں کامل تھے اسی لئے وہ ہلاکت و تباہی کے مستحق تھے یہ ان کی تباہی و بربادی کی علت ہے" تاکہ کفار قریش کو معلوم ہو کہ وہ باوجودیکہ طاقت و قوت کے بھاری اسباب کے مالک تھے لیکن جرائم و معاصی کی سزا پاکر تباہ و برباد ہوئے اور پھر یہ کون لگتے ہیں کہ جرائم و معاصی کے بعد بچ سکیں باوجودیکہ ان کے پاس بچنے کے اسباب و ذرائع بھی نہیں ہیں بلکہ یہ ہلاکت و تباہی کے زیادہ قریب ہیں کہ بے سروسامان ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اولیائے خدا کے لئے اللہ تعالیٰ کا قہر ظاہر اور ان کے لئے اس کا لطف مخفی ہے لطف مخفی یوں ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ قہر ظاہری سے اپنے بندے کو لوازم بشریہ کی قیود سے پاک و صاف کرے اور دشمنانِ خدا کے ساتھ لطف ظاہر اور قہر مخفی یوں ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ لطف ظاہر سے دشمنانِ خدا کا علاقۂ باطنی عالم اجسام سے مضبوط کرے تاکہ اس عالم ظاہری

لہ: جیسے ہمارے دور میں غیر مقلدین اور نجدی اور غلام خانی دیوبندی مودودی پارٹی کہ وہ حیات انبیاء کے منکر ہیں ان کے نزدیک سماع موتیٰ و حیواۃ انبیاء و اولیاء کی جملہ روایات مبنی بر معجزہ یا کرامت ہے عموی سماع و حیوٰۃ کا انہیں انکار ہے تفصیل فقیر کی کتاب سماع موتیٰ میں ہے۔ (اویسی غفرلہ)

کے قیود میں گرفتار رہ کر عالم اطلاق و لذات روحانی و معنوی سے محروم رہ جائیں۔

سبق جب قہر و غضب لطف ظاہری میں پوشیدہ ہے تو سالک پر لازم ہے کہ وہ دنیوی آسائش اور اس کے جاہ و مال سے پرحذر ہو اور ان پر مغرور نہ ہو تاکہ صوری و معنوی ہلاکت و تباہی سے نجات پا سکے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ہے

کمیں گہست و توخوش تیز می روی ہش دار
مکن کہ گرد برآید ز شہرۂ عدمت

ترجمہ۔ خطرناک راہ ہے تو خوش ہوکر تیز جا رہا ہے ہوش کر اس کے خلاف نہ کر ابھی گرد اڑ جائیگی تیری شہرت کی عدم سے۔ (مرت آئے گی تیرا نام تک نہیں رہے گا)

تحقیق لفظ تبع : تبع بروزن سکر تبابعہ کا واحد ہے یمن کے بادشاہوں کا لقب ہے اس کا اطلاق اس بادشاہ پر ہوتا جو علاقہ حمیر و حضرموت کا مالک ہوتا۔

فائدہ : حمیر بروزن درہم وہ ایک علاقہ ہے صنعاء یمن کے غربی جانب واقع ہے۔ اور الحمیریہ بارہ لغات میں سے ایک ہے یا بارہ اقلام میں ایک ہے وہ دراصل ایک قبیلے کے جد اعلیٰ کا نام ہے اور وہ حمیر قحطان کی اولاد سے تھا اس کا نسب نامہ یوں ہے حمیر بن صبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

فائدہ : حضرموت (بضم المیم) ایک شہر اور قبیلہ کا نام ہے[1] اور زمانۂ جاہلیت میں تبع ایک لقب تھا جیسے اسلام میں خلیفہ کہا جاتا ہے[2]

فائدہ : قبیلۂ قحطان میں سے تبع بادشاہ کو کہا جاتا جیسے اسلام میں بادشاہوں کو خلیفہ اور روم میں قیصر اور فارس میں کسریٰ کہا جاتا وہ ملوک عرب کا ایک بہت بڑا شہنشاہ سمجھا جاتا۔

فائدہ : القیل بالفتح والتخفیف حمیر کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ لیکن شہنشاہ سے درجہ میں کم وہ دراصل قیل بالتشدید تھا بروزن فیعل پھر تخفیفاً قیل پڑھا گیا جیسے میّت کو میت (بروزن ضل) پڑھا جاتا ہے۔

فائدہ : المفردات میں ہے القیل حمیر کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا لقب ہے اسے اس لفظ سے اس لئے موسوم کرتے کہ اس کی بات پر ان کا اعتماد تھا اور وہ اسی وجہ سے ان کا مقتدا سمجھا جاتا تھا اور بایں معنی کہ وہ ان کے آباؤ اجداد متقیل یعنی معتمد علیہ ہے کہا جاتا ہے "تقیل فلان اباہ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی پر اعتماد کرے اسی لئے جو ایسے بادشاہ کے اوپر بڑا بادشاہ ہوتا اسے تبع کہا جاتا اس معنیٰ پر تبع وہ جوان

---

[1] القاموس ۱۲۔ [2] کشف الاسرار۔

سب کے بڑے لیڈر ہوں یہ اس لئے کہ لوگ ان کی سیاست وریاست میں تابع تھے اور لسان العرب میں ہے کہ لغت یمن میں تبع وہ بادشاہ ہوتا ہے جس کی تابعداری کی جائے اور القیل دراصل وادی ہے کیونکہ اس کی جمع اقوال آتی ہے جیسے میت کی جمع اموات ہے اگر اقیال جمع آئے بھی تب بھی جائز ہے کیونکہ عید کی جمع اعیاد آتی ہے کہ دراصل عود تھا وہ با یعنی ہے کہ لوگ اس کی اقتدا کرتے تقیل یعنی اقتدا کرنا اور تبابعہ اس لئے تبع تھے کہ اہل دنیا ان کی اتباع کرتے یا اقیال (قیل) اس لئے تھے کہ ان کی ہر بات لوگوں میں نافذ ہو جاتی تھی۔

صاحب روح البیان کی تحقیق

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے سب سے پہلے بادشاہ کو تبع اس لئے کہا گیا کہ بکثرت لوگ اس کے تابع اور اس کی اپنی قوم بکثرت تھی پھر اس کے بعد آنے والوں کا لقب پڑ گیا خواہ ان کے تابعدار کثیر ہوں یا قلیل۔

رائش تبع عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تبابعہ سے ایک حارث رائش تبع تھا یعنی ابن ہمال ہی صاحب سدد تھا ملوک حمیر میں یہی سب سے پہلا ہے جس نے جنگیں شروع کیں اور بکثرت مال غنیمت حاصل کیا اور لوگوں کو مالا مال کر دیا اور خوش حال بنا دیا۔ رائش ریش (با لکسر) سے مشتق ہے یعنی خوشحالی اور اچھی معاش ایسے اس لئے رائش کہا گیا کہ اس نے رعایا کو مالا مال اور خوشحال بنایا یہ حمیر کے درمیان پندرہویں پشت پر ہے اس نے ایک سو پچیس سال بادشاہی کی اس کا ایک شعر مشہور ہے جس میں اس نے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت خوانی کی اور آپ کی آمد کا قوم کو مژدۂ بہار سنایا وہ شعر یہ ہے

ویملک بعدھم رجل عظیم
نبی لا یرخص فی الحرام
یسمی احمدا یا لیت انی
اعمر بعد مخرجہ بعام

ترجمہ: ان کے بعد ایک عظیم القدر جوان مالک ہو گا جو حرم میں کسی قسم (برائی) کی اجازت نہ دے گا ان کا اسم گرامی احمد ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کاش میں طویل العمر ہوتا بعد ان کی ہجرت کے زندہ ہوتا۔

ابرہہ

تبابعہ سے ایک ابرہہ ذوالمنار تھا اسے ذوالمنار اس لئے کہا جاتا ہے کہ جنگوں کے لئے سب سے پہلے اس نے راستوں پر منار بنوائے تاکہ دار الخلافہ کو لوٹنے کے لئے راہ پا سکے یہ الحارث مذکور کا بیٹا تھا۔ اس نے ایک سو تراسی سال بادشاہی کی۔ یہ وہ ابرہہ نہیں جس نے کعبہ معظمہ پر حملہ کیا۔

عمرو

تبابعہ سے ایک عمرو ذوالاذعار تھا یہ ابرہہ کا بیٹا تھا لیکن یہ باپ کا جانشین نہ ہوا بلکہ اپنے بھائی افریقس کے بعد شاہی سنبھالی اور اسے ذوالاذعار اس لئے کہا جاتا کہ اس نے

قتل وخون کا خوب بازار گرم کیا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ بہت گھبرائے (اذعار ذعر کی جمع ہے یعنی گھبراہٹ) اس نے صرف پچیس سال بادشاہی کی۔

شمر بن مالک تبابعہ سے ایک شمر بن مالک تھا سمرقند اسی کی طرف منسوب ہے قتبی نے کہا یہ شمر بن افریقس بن ابرہہ بن الرائش ہے جس کی طرف سمرقند منسوب ہے اسے مرعش بھی کہا جاتا اس لئے کہ یہ رعشہ کے مرض میں مبتلا تھا

کیونکہ صغد کا شہر تھا اس نے اسے گرا کر از سر نو تعمیر کیا) اسی لئے اس کی طرف منسوب ہونے لگا

فائدہ : بعض نے کہا کہ سمرقند دراصل شمرکند تھا یعنی اسے شمر نے ویران کیا کیونکہ ان کی لغت میں قند یعنی خرب (خراب کیا) پھر عرب نے سمرقند بنا دیا۔ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ سرسکندر کی ایک کنیز کا نام ہے وہ بیمار ہوئی تو اطباء نے کہا اسے فلاں جگہ لے جاؤ جس کی ہوا خوشگوار ہے اور اس کا محل وقوع بھی بتا دیا سکندر نے اسی جگہ پر ٹھہرایا اس کنیز کو وہ جگہ موافق آئی تو سکندر نے وہاں شہر تیار کر کے اس کے نام سے منسوب کر دیا کیونکہ کند ترکی زبان میں شہر کو کہا جاتا ہے گویا وہ کہتے بلدسمر (سمر کا شہر) اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اب ترکستان میں ایک ماڈل ٹاؤن (جدید بستی) بسا کر اس کا نام یکی کندر رکھا ہے کیونکہ تاء اور دال متعارب (قرب المخرج) ہیں اس سے اس کا رد ہو گیا جس نے کہا کہ سمرقند تبع حمیری نے تیار کیا تھا ہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ بناء ثانی ہو لیکن یہ بعید از قیاس ہے۔

فائدہ : ابن السپاہی نے اوضح المسالک میں لکھا کہ سمرقند کی زبان میں شمرکند ہے یعنی بلد الشمس (سورج کا شہر)

افریقس بن ابرہہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے بربر کو کنعان سے نکال کر افریقیہ کی طرف بھگایا اسی لئے اس علاقہ کا نام افریقہ پڑ گیا یہ بڑا جنگجو تھا جنگ کرتے ملک طنجہ تک پہنچ گیا تھا وہاں اس نے ایک سو ساٹھ سے اوپر شہر بنوائے۔

تبع بن الاقرن اسی کے بارے میں ہے کہ تبع اکبر یہی ہے۔

ابوکرب السعد اسعد بن کلیکرا بن تبع ابن الاقرن۔ اختلاف ہے کہ آیت میں کونسا تبع مراد ہے۔ بعض نے کہا یہاں وہ تبع حمیری مراد ہے جو لشکروں کو لے کر مختلف ملکوں پر چڑھائی کرتا تھا وہی جس نے شہر حیرہ (بالکسر) کوفہ میں آباد کیا۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ تبابعہ میں سے تین زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) ھہنیہ (۲) یکی میاز (۳) یکی کہیتہ۔

قرآن میں جس کا ذکر ہے وہ بھی تیسرا ہے اس کا نام سعد حمیری تھا۔

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تبع حمیری کا تعارف

یہ مرد مومن اور بڑا نیک بخت (صالح) تھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لایا تھا لیکن جب اہل کتاب سے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور آپ کے اوصاف مبارکہ سنے تو آپ پر ایمان لایا

کعبہ معظمہ کا پہلا غلاف

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الاوائل میں لکھا کہ کعبہ معظمہ کا پہلا غلاف سب سے پہلے اسعد الحمیری نے ڈالا اور تبع اکبر یہی ہے یہ اسلام سے نو سال پہلے تھا اس نے یمنی کپڑے کا غلاف ڈالا تھا۔ الحبرۃ بروزن عنبہ ہے یمن میں ایک قسم کا کپڑا ہوتا ہے۔ (بردیمانی اسی سے ہے) بعض نے کہا اس نے "الوصائل" کپڑے کا غلاف پہنایا الوصائل بھی چادروں کی قسم ہے جس میں سرخ سبز دھاریاں ہوتی ہیں یہ چادریں یمن میں تیار ہوتی تھیں بعض نے کہا کعبہ معظمہ کے کمرہ کے گرد مکمل چادر (غلاف) چڑھائی وہ تبع تھا اور کپڑا بردیمانی کی ایک قسم ہے جسے وہ العصب کہتے تھے اور اس نے کعبہ کا ایک دروازہ تیار کر کے اسے تالہ لگا دیا۔

ذیل کے اشعار اسی کے ہیں ؎

(۱) وکسونا البیت الذی حرم اللہ
ملاً معصباً و برودا

(۲) واقمنا بہ من الشہر عشرا
وجعلنا لبابہ اقلیدا

(۳) وخرجنا منہ نؤم سہیلا
قد رفعنا لوارنا مقصودا

ترجمہ (۱) ہم نے اس گھر کو جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے مضبوط اور دھاری دار چادر پہنائی۔
(۲) ہم نے اس میں مہینے کے دس دن ٹھہر کر اس کا دروازہ تیار کر کے اسے بند کر دیا۔
(۳) ہم اس سے نکلے اور آسانی کا ارادہ کرتے ہیں اور ہم نے اپنا جھنڈا مضبوط کر کے بلند کیا۔

فائدہ یہ تبع بالاتفاق مومن تھا لیکن اس کی قوم کافر تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قوم کی مذمت کی ہے نہ کہ تبع کی ہاں اس کی نبوت میں اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ تبع آگ کو پوجتا تھا پھر مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو قوم نے اس کی تکذیب کی اور اس کی قوم حمیر تھی۔ وہ دو گروہ تھے (۱) کاہن (۲) اہل کتاب۔ اس نے دونوں کو

حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی قربانی دو۔ دونوں اپنی قربانی آگ کے قریب لائے اہل کتاب کی قربانی قبول ہو گئی اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

فائدہ: البدایہ لابن اسحاق اور قصص الانبیاء علیہم السلام میں ہے کہ تبع بن حسان الحمیری وہی پہلا تبع ہے جو تمام روئے زمین (مشرق ومغرب) کا بادشاہ بنا اسے رائش بھی کہا جاتا کیوں کہ اس نے رعایا کو خوشحال کیا تھا اور جنگوں سے حاصل شدہ اموال کو بطور غنیمت رعایا پر تقسیم کر دیا اور یہی پہلا بادشاہ جس نے غنیمت کی بنیاد ڈالی۔

تبع کو تخریب کعبہ کی نیت پر سزا: مروی ہے کہ وہ یمن سے کعبہ معظمہ کو ڈھانے کا ارادہ کیا تو ایک گندی بیماری میں مبتلا ہو گیا کہ جس سے اس کے سر سے پیپ اور گندا پانی بہتا جس کی بدبوئی سے کوئی بھی اس کے قریب نہ آسکتا تھا اور کعبہ کی تخریب کا ارادہ یوں ہوا تھا کہ یمن سے مکہ معظمہ پہنچ کر اہل مکہ کو مطیع بنانا چاہا لیکن کسی نے بھی اس کی پرواہ تک نہ کی تبع نے وزیر سے کہا یہ کیسے لوگ ہیں جو میری پرواہ نہیں کرتے حالاں کہ تمام لوگ میرے تابع ہو چکے ہیں وزیر نے کہا ان کے ہاں ایک گھر ہے جسے وہ خانہ کعبہ کہتے ہیں اس پر انہیں ناز ہے تبع نے دل میں خیال کیا کہ اسی گھر (خانہ کعبہ) کو تباہ کردوں اور ان کے مکین مردوں کو قتل کردوں اور ان کی عورتوں کو قیدی بنالوں ابھی وہ اسی خیال میں تھا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے دردسر میں مبتلا کر دیا اور ایسا بے طاقت ہو گیا کہ اٹھ نہ سکتا تھا بلکہ اس کی آنکھوں کانوں اور ناک سے بدبودار پانی جاری ہوا اور ایسا گندا اور بدبودار پانی تھا کہ کوئی بھی اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ اطباء ڈاکٹر اس کے علاج سے عاجز آگئے اور کہا کہ یہ کوئی آسمانی بیماری ہے اس کا علاج ہمارے بس سے باہر ہے۔ ایک دانشمند (حکیم) اسے تنہائی میں کہا بادشاہ سلامت اگر آپ مجھے اپنا راز بتادیں تو میں اس کا علاج سوچ سکتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے اس شہر کے ویران کرنے کا ارادہ ہوا ہے تھا دانشمند نے کہا حضور اسی ارادہ بد سے توبہ کیجئے کیوں کہ اس گھر کا ایک مالک ہے جو بہت بڑی قدرت والا ہے اس کی وہ خود حفاظت فرماتا ہے جو بھی اس کے ویران کرنے کا پروگرام بناتا ہے وہ خود تباہ و برباد ہو جاتا ہے تبع نے توبہ کی اور کعبہ اور اہالیان کعبہ کی تعظیم وتکریم کی ٹھانی اور مسلمان ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین قبول کر لیا اس کے بعد کعبہ معظمہ کو غلاف چڑھایا اور اپنی قوم کو بھی حکم فرمایا کہ اس کی تعظیم بجالاؤ اور یہاں کے رہنے والوں کے ساتھ احسان ومروت سے پیش آؤ۔

تبع مدینہ طیبہ میں: اس کے بعد ہی تبع یثرب (مدینہ طیبہ) پہنچا جہاں اب مدینہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے لیکن اس وقت نہ شہر تھا نہ کوئی آبادی۔

مدینہ طیبہ کا تعارف: یثرب میں ایک چشمہ تھا وہاں تبع لشکر سمیت پہنچا اس کے ساتھ تقریباً دو ہزار اہل علم تھے جنہوں نے سابقہ کتب آسمانی میں پڑھا تھا کہ یثرب

حبیب خدا نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت گاہ اور وحی (قرآن) ہے۔ انہیں چار سو علماء جو تمام دانشوروں سے عالم و فاضل تر تھے آپس میں بیعت (معاہدہ) کی کہ یہاں سے ہم واپس نہیں جائیںگے خواہ کچھ ہو جائے اس امید پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار ہوگا۔ ورنہ ہماری اولاد تو زیارت سے مشرف ہو گی اور ان کی زیارت ہمارے لئے موجب صد برکات اور روحانی مسرت نصیب ہو گی تبع کو خبر ملی تو اسے بھی یہی تمنا پیدا ہو گئی ایک سال تک مدینہ میں قیام کیا پھر بوقت روانگی حکم دیا کہ ان چار سو علماء کرام کو علیحدہ علیحدہ مکان تعمیر کرا دیا جائے اور علیحدہ علیحدہ مکان کا عطیہ کے ساتھ ہر ایک کو ایک ایک کنیز آزاد کر کے ہر ایک کو نکاح کر دی اور وصیت کی کہ اگر تم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو اور میں زندہ ہوں تو مجھے مطلع کرنا ورنہ میرا خط پہنچا دینا یا اولاد کو وصیت کرنا تاکہ وہ میرا خط پہنچا دیں۔

تبع کا سنہری خط بارگاہِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد تبع نے سنہری خط لکھ کر ان چار سو علماء کے سب سے بڑے عالم کے سپرد کر دیا اور کہا اولاد در اولاد وصیت کرتے رہنا۔

خط کا مضمون

اے پیغمبر آخرالزمان اے برگزیدۂ خداوند جہاں اے بروز شمار شفیع بندگان من کہ تبعم بتو ایمان آوردم بآں خداوند کہ تو بندہ و پیغمبر اوئی گواہ باشی کہ بر ملت توام و بر ملت پدر تو ابراہیم خلیل اللہ اگر ترا بینم و اگر نہ بینم تا مرا فراموش نکنی و روز قیامت مرا شفیع باشی۔

ترجمہ: اے نبی آخرالزمان اے برگزیدہ خداوند جہاں اے بروز قیامت شفیع بندگان میں تبع ہوں آپ پر ایمان لایا ہوں اس خدا تعالی پر کہ آپ ان کے پیارے بندے اور پیغمبر ہیں آپ گواہ ہوں کہ آپ کی ملت پر ہوں اور آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں اگر مجھے آپ کی زیارت ہو گئی تو زہے نصیب ورنہ قیامت میں مجھ غریب کو بھول نہ جانا اور وہاں میری شفاعت فرمانا۔

بارگاہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں تبع کا خط

تبع نے خط لکھ کر اس پر مہر لگائی اور مہر کا مضمون یہ تھا۔

للہ الامر من قبل ومن بعد یومئذٍ یفرح المومنون بنصر اللہ الی محمد بن عبد اللہ خاتم النبین ورسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم من تبع امانۃ اللہ فی ید من وقع الی ان یوصل الی صاحبہ۔

اللہ کیلئے حکم ہیں کل اور آج اس دن کہ اہل ایمان اللہ کی مدد پر خوش ہونگے یہ خط حضرت محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین اور رسول رب العالین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے تبع کی طرف سے یہ اللہ تعالی

خط مکتوب الیہ تک پہنچادے
کی امانت ہے اس بندۂ خدا کے ہاتھ میں جو یہ
منقول ہے کہ مدینۂ رسول کے انصار انہی چارسو علماء کی اولاد سے

انصار مدینہ کا تعارف : تھے جنہیں تبع نے وصیت کی تھی اور بیماری سے شفا پائی تھی وہ خط ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انہی ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر اسی تبع کا تیار کردہ تھا آپ کے تشریف لانے پر تبع کا خط پیش کیا گیا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تبع کا خط پڑھ کر سنایئے آپ نے تبع کا نام سن کر اسے دعا دی۔

فائدہ : جس نے خط پیش کیا اس کا نام ابو لیعلی تھا آپ نے ابو لیعلی کو خوب نوازا اور تعظیم و تکریم کی۔

تبع کے بیٹے کا قتل بعض نے کہا کہ تبع آتش پرست مجوس کے مذہب کا پیروکار تھا بڑا لشکر لے کر مشرق کی طرف سے آتے ہوئے مدینہ پاک سے گزرا اور اپنا لڑکا وہاں چھوڑ کر آگے چلا گیا اہل مدینہ نے اس کے لڑکے کو مکر و فریب سے قتل کر دیا۔ تبع واپس لوٹا تو بیٹے کا بدلے میں مدینہ پاک کو ویران کرنے اور اہل مدینہ کو قتل بلکہ انہیں تباہ و برباد کرنے کا پروگرام بنایا انصار جو مدینہ میں رہتے تھے جمع ہو کر اس کے مقابلہ کے لئے تل گئے دن کو ان سے لڑتے اور رات کو تبع کو لشکر سمیت مہمانی کرتے۔ تبع کو ان کی یہ ادا پسند آگئی کہا یہ لوگ عجیب ہیں کہ میرے ساتھ جنگ بھی کرتے ہیں مہمان نوازی بھی اور بہت بڑے سخی اور کریم ہیں اور بہادر بھی۔

مدینے کے ایلچی اس وقت مدینہ طیبہ میں بنو قریظہ کے دو عالم تھے ایک کا نام کعب دوسرے کا اسد دونوں چچیرے بھائی تھے دونوں مل کر تبع کے ہاں پہنچے اور کہا کہ یہ مدینہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے ہم اپنی کتابوں میں ان کی نعتیں پڑھتے ہیں اور ہم اسی امید پہ یہاں جی رہے ہیں کہ ان کے فیوض و برکات نصیب ہوں تمہیں ہم نصیحت کرنے آئے ہیں کہ تجھے اس شہر پہ فتح نصیب نہ ہو گی بلکہ تمہیں بلا و عقوبت میں مبتلا ہونا پڑے گا ہماری نصیحت قبول کر لے تیرا اسی میں بھلا ہے اپنی نیت، جنگ سے باز آجا ان کا وعظ و نصیحت تبع کے دل پر اثر کر گیا اور جنگ کا ارادہ بدل لیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ تبع ان کی باتیں قبول کر رہا ہے تو اپنے دین کی دعوت پیش کر دی ہے۔ تبع نے قبول کر لیا اور ان کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کی اس کے بعد تبع یمن کو روانہ ہو گیا اور وہی دو عالم بھی اس کے ساتھ یمن کو گئے ان کے ساتھ اور بھی بنو قریظہ کے کافی لوگ یمن پہنچے۔

ھذیل کا مشورہ تبع کے پاس ھذیل قبیلہ کے لوگ آئے اور کہا کہ ہم آپ کو ایک ایسے گھر کا مشورہ دیتے ہیں کہ جس میں موتی اور زبرجد کے خزانے مدفون ہیں اگر تم کو یہ اٹھانا ہے تو صرف تمہارے

لئے آسان ہے۔ تبع نے پوچھا کہ گھر کہاں ہے انہوں نے کہا کہ وہ مکہ معظمہ میں ہے اس سے ان کا یہ ارادہ تھا کہ تبع کعبہ پر حملہ کرے گا تو تباہ و برباد ہوگا اور وہ یہی چاہتے تھے کہ تبع تباہ و برباد ہو۔ تبع نے احبار (علماء) یہود سے مشورہ کیا کہ ھذیل مجھے ایسے مشورہ دے رہے ہیں احبار نے کہا خبردار ایسا بد ارادہ ہرگز نہ کرنا ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے کیونکہ جس گھر کا وہ مشورہ دے رہے ہیں وہ اس زمین پر ایک عظیم الشان گھر ہے وہ اللہ تعالیٰ کا گھر (بیت اللہ) ہے جنہوں نے مشورہ دیا ہے وہ آپ کی تباہی و بربادی چاہتے ہیں خبردار جب بیت اللہ پہنچو اس کی تعظیم و تکریم کرنا تاکہ تمہیں زیادہ سے زیادہ سعادت نصیب ہو۔ تبع نے یہ بات سن کر ھذیل کو بلا کر سزا دی اور خود کعبہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔

تبع کعبہ معظمہ کی چوکھٹ پر

تبع جب کعبہ معظمہ پہنچا تو طواف کیا اس وقت کعبہ معظمہ کا دروازہ بند تھا تبع نے کعبہ معظمہ کا دروازہ کھول کر اس پر تالا لگا دیا اور اس پہ غلاف چڑھا دیا اور چھ روز وہاں مقیم رہے ہر روز منی (قربان گاہ) میں ایک ہزار اونٹ ذبح کرتا ہوا اس کے بعد یمن کو روانہ ہوئے۔

تبع نے دعوت اسلام دی

تبع جب یمن میں پہنچے تو آپ نے قوم کو اسلام کی دعوت دی کیونکہ آپ کی قوم حمیر کاہن اور بت پرست تھی لیکن آپ نے انہیں اپنے دین یعنی تورات پر عمل کرنے کا حکم نافذ فرمایا قوم نے ضد کی اور نہ ملنے یہاں تک کہ فیصلہ آگ پر رکھا گیا ان کے ہاں ایک آگ پہاڑ کے دامن میں تھی اور اتنا اونچی تھی کہ پہاڑ سے اوپر جلتی نظر آتی تھی۔ اس کا دستور تھا کہ جب دو مخالف پیش ہوتے تو باطل (اور غلط مدعی) کو جلا کر راکھ کر دیتی اور حق والوں کو چھوڑ دیتی۔ تبع کی قوم نے بتوں کو سر پر اٹھایا اور پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے اور وہ دو عالم جو تبع کے ساتھ مدینہ طیبہ سے آئے تھے وہ تورات اٹھا کر پہاڑ کے دامن میں پہنچے اور آگ کے راستے پر تورات کھول کر پڑھنے بیٹھ گئے حسب دستور آگ اٹھی اور آ کر تمام قوم حمیر کو بتوں سمیت جلا دیا اور وہ دو عالم جو مدینہ سے آئے تھے تورات پڑھتے رہے انہیں آگ نے کچھ نہ کہا صرف معمولی سا پسینہ آیا اور آگ ان سے دور ہو کر گزر گئی اور پھر اپنے مخرج میں چلی گئی پھر بقایا حمیریوں نے ان دونوں یہودیوں کا دین قبول کر لیا اس وقت سے یمن میں یہودیت داخل ہوئی

تبع یمن کی لڑکیوں کے مزارات

مورخین لکھتے ہیں کہ حمیریوں نے دور اسلام میں اپنے علاقہ میں کنواں کھودا تو اس میں دو عورتیں صحیح و سالم ملیں یعنی قبروں میں ان کے جسم صحیح و سالم تھے اور ان کے سرہانے چاندی کی دو تختیاں تھیں جس میں سونے کے ساتھ لکھا ہوا تھا ایک حبا ہے دوسری تیس یا ایک کا نام حبا تھا دوسری کا نام تماضرا تھا۔ یہ دونوں تبع کی لڑکیاں ہیں نام میں اگرچہ مورخین کا اختلاف ہے لیکن حقیقت کے بیان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے بعد لکھا ہوا تھا

تشھد ان لا الٰہ الا اللہ ولا تشرکان بہ شیئا وعلی ذلک مات الصالحون قبلھا

دونوں گواہی دیتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتی تھیں اور اسی عقیدہ پر ہم سے پہلے نیک لوگ فوت ہوئے ۔

۱ از ہمہ در صفات و ذات ہمہ
لیس شیء کمثلہ ابدا

۲ گر خدا بودے از یکے افزون
کے بماندے کے جہاں بدیں قانون

۳ داند آنکس ز عقل باشد بہر
کہ دو شہ را جو جا شود در شہر

۴ جمعیت از نظام افتد
رخنہ در کار خاص و عام افتد

۵ جل من لا الٰہ الا ہو
حسبنا اللہ لا الٰہ سواہ

ترجمہ ۱ ، ذات وصفات میں اس کا کوئی مثل نہیں
۲ ، اگر ایک کے سوا اور خدا ہوتے تو یہ جہاں اس قانون پر نہ ہوتا
۳ ، ہر عقلمند جانتا ہے کہ جہان میں دو بادشاہ کبھی گذار نہیں کر سکتے ۔
۴ ، جمعیت کامل انتظام میں کہاں خاص و عام کے کام میں رخنہ پڑ جاتا ہے
۵ ، بزرگ ہے وہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں

تفسیر عالمانہ

وماخلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما اور ہم نے نہیں پیدا کئے آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کے درمیان میں ہر شئے کو اور ” ما بینھن “ بھی پڑھا گیا ہے اس میں آسمانوں اور زمینوں کی مجموعی تعداد کو مدنظر رکھا گیا ہے ” لاعبین “ بیکار کہ ان کی تخلیق سے کوئی صحیح غرض اور مقصد محمود نہ ہو ۔

حل لغات ، اہل عرب کہتے ہیں لعب فلان یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایسا فعل عمل میں لائے جس کا اسے نہ قصد ہو اور نہ ہی اس سے مفید مقصد حاصل ہو ۔ التعریفات میں ہے کہ لعب بچوں کا وہ فعل کہ جس سے تھک ہار کر فارغ ہوں تو اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہو جسے کھیل کہا جاتا ہے ۔

ماخلقناھما اور ہم نے انہیں اور ان کے مابین کوئی شے بھی ایسی پیدا نہیں کی ” الا بالحق “

جس کا تعلق حق سے نہ ہو یہ استثناء اعم الاحوال ہے یا انہیں ہم نے کسی سبب سے پیدا نہیں کیا جس کا تعلق حق سے نہ ہو اور اس سے ایمان و طاعت و بعث اور جزاء مراد ہے یہ استثناء اعم الاسباب کے قبیل سے ہے۔ "ولکن اکثرھم" لیکن اکثر ان کے اس سے کفارِ مکہ مراد ہیں کیوں کہ ان پر غفلت و عدم الفکر چھائی ہوئی ہے" لایعلمون" وہ نہیں جانتے کہ اصلی امر کیا ہے اسی لئے وہ بعث و جزا کا انکار کرتے ہیں۔

مسئلہ، آیت ثبوت حشر پہ دلالت کرتی ہے کیوں کہ بعث و جزا حاصل نہ ہو تو یہ تخلیق عبث ہوگی اس لئے کہ ان کے اور ان کی معاش کا خالق وہی ہے پھر انہیں ایمان و طاعت کا مکلف، بنایا تاکہ مطیع و معاصی کے درمیان امتیاز ہو پہلا گروہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے متعلق ہے دوسرا گروہ اس کے عدل و عتاب سے متعلق ہے اور یہ صرف دنیا میں ہو گا کیوں کہ یہ دنیا محدود وقت ہے اور نہ ہی ان کے منافع پر کوئی اعتماد ہے اس لئے کہ یہ ہر طرح کے ضرر سے پُر ہے اسی لئے سزا و جزا کا ہونا ضروری ہے تاکہ ہر ایک کو اپنے عمل کی مکمل جزا و سزا ملے پس جزا وہ ہے جس کی تخلیق عالم سے حکمت نے سابقہ بنیاد رکھی گئی کیوں کہ اگر جزا و سزا نہ ہو تو کافر کہیں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر و مومن کے احوال برابر ہیں حالانکہ یہ محال ہے

تفسیر صوفیانہ تجلیات وجودیہ تجلیات شہودیہ کے لئے ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے مابین موجودات میں ہے صفات حق کے مظاہر ہیں یہ جملہ موجودات اصداف ہیں اور صفات دُر (موتی) ہیں اور مقصود بالذات موتی ہوتے ہیں نہ کہ اصداف جیسا کہ آئینہ سے مقصود بالذات صورۃ مرئیہ ہے جملہ موجودات لباس کی مانند ہیں اور اسرار الٰہی اصل جسم ہے اوضاع شرعیہ کی ہر وضع حقائق میں سے کسی حقیقت کی رمز ہے اس لئے اوضاع شرع کی اقامت ضروری ہے تاکہ حقیقت حاصل ہو اور یہ نسبت آفاق کے ہے اور بہ نسبت الانفس کے تو ارواح آسمانوں کی طرح ہیں اور اشباح زمینیں ہیں اور قلوب و اسرار و نفوس اور جو ان کے مابین ہے سب کے سب مظاہر حق ہیں بالخصوص قلوب دُرر معارف الٰہیہ کی اصداف ہیں انس و جن کی تخلیق صرف انہی کی تحصیل کے لئے ہوئی ہے لیکن افسوس کہ اکثر لوگوں کے قلوب صفات بشریہ کی زنگ سے میلے کچیلے ہو چکے ہیں اسی لئے وہ نہیں جانتے کہ یہی تو ظہور صفات حق کا آئینہ ہیں۔

حدیث شریف اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس نے جان لیا کہ اس کے نفس میں تجلیات صفات الٰہیہ ہیں تو سمجھ لے گا موجودات سوائے حق کے جلووں کے اور کچھ نہیں یعنی جس نے دل کے آئینے کو زنگِ بشریت سے صاف کر لیا وہ رب تعالیٰ کو اسی طرح پہچان لے گا جیسے مذکور ہوا ہاں باطل ایک اضافی امر ہے وہ اسے نقصان دہ نہیں دیکھئے ابلیس (شیطان) باطل ہے۔ لیکن من حیث وجود ظلی اور خلقِ خدا کو دعوت الی الباطل و الضلالۃ کے لیکن فی نفسہٖ حقی ہے کیوں کہ وہ موجود ہے اور قاعدہ تصوف ہے کہ جملہ موجود تجلیات الٰہیہ سے ہیں۔

حکایت ۔ کسی نے گندگی کے کیڑے کو دیکھ کر کہا کہ اس کی تخلیق کا کیا فائدہ نہ اس کی شکل وصورت اور نہ ہی اس کی کوئی خوبو ابھی چند دنوں کے بعد وہ زخموں کی بیماری میں مبتلا ہوگیا یہاں تک کہ اطباء اور ڈاکٹروں نے لاعلاج کردیا ایک دن گلی سے ایک طبیب کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا کہ ہر لاعلاج کو میرے پاس لاؤ میں اسے دیکھوں لوگوں نے کہا یہ بازاری حکیم اس کا کیا علاج کرے گا جب اسے بڑے بڑے حکیموں اور ڈاکٹروں نے لاعلاج کہا ہے اس نے کہا کچھ بھی ہو وہ بیمار دکھاؤ ضرور۔ چنانچہ بیمار اس کے ہاں لایا گیا اس کا زخم دیکھ کر کہا کہ اس کے لئے گندگی کا کیڑا چاہیئے تو حاضرین ہنس پڑے بیمار کو اپنی غلطیات کہی ہوئی یاد آگئی کہا لاؤ جو وہ کہتا ہے کیوں کہ یہ حکیم میرا علاج سمجھ گیا ہے چنانچہ وہ گندگی کا کیڑا لایا گیا اس نے اسے جلا کر راکھ اس کے زخم پر رکھ دی تو چند دنوں میں زخم اچھا ہوگیا اس پر بیمار نے حاضرین سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ مجھے خسیس ترین مخلوق سے شفا دے۔

حکایت نقشبندی ایک بزرگ نقشبندی فرماتے ہیں کہ جوانی میں مجھے ایک شر کی سوجھی میں اسے پورا کرنے کیلئے گھر سے باہر نکلا ہماری بستی میں ایک کوتوال سخت گیر سخت شرارتی اور فسادی تھا کہ اس کے شر سے تمام لوگ تنگ تھے میں نے جب اس ارادۂ بد سے ایک گھاٹی میں اسی کوتوال کو کھڑا دیکھا اس سے مجھے بہت بڑا خوف وخطرہ ہوا اسی وقت میں نے اپنے ارادۂ بد سے توبہ کرلی اور اس وقت یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر پیدا کردہ شئے میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں سے

۱۔ چون بعض ظہورات حق آمد باطل
پس منکر باطل نشود جز جاہل!

۲۔ در کل وجود ہر کہ جز حق نہ بیند
باشد ز حقیقۃ الحقائق غافل

ترجمہ ۱۔ جب بعض ظہورات حق باطل آئے ہیں ان کا منکر جاہل ہی ہوسکتا ہے
۲۔ جو کل وجود میں سوائے حق سے نہ دیکھے وہ حقیقۃ الحقائق سے غافل ہے۔

تفسیر عالمانہ ان یوم الفصل بے شک فیصلہ کے دن اس سے قیامت کا دن مراد ہے کیونکہ وہاں حق وباطل کا فیصلہ ہوگا اور حق وباطل کی مکمل تمیز ہوگی اور خلائق کا فیصلہ ہوگا اور حق دار کو پورا حق ملے گا، باپ بیٹے اور زوج زوجہ سے ایک دوسرے کے حقوق دلائے جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ قیامت فیصلہ کا دن ہے کہ ہر عامل کے عمل کا فیصلہ ہوگا اس سے اس کے اخلاص وصحت کا مطالبہ ہوگا جس کا عمل اپنے مقام پہ صحیح اترا اور خلوص پایا تو قبول کیا جائے گا اور اس پر اسے نیک جزا نصیب ہوگی ورنہ اس کے وہ اعمال منہ پہ مارے جائیں گے جس سے اسے سخت حسرت اور افسوس ہوگا۔

مثنوی شریف میں ہے سہ

۱ ۔ اے دریغا بود مارا بیرد باد
تا ابد با حسرت شد للعباد

۲ ۔ برگذشتہ حسرت آوردن خطاست
باز ناید رفتہ یاد آن ھباست

ترجمہ : ۱ ۔ اے کہ افسوس اور ہلاکت وتباہی لیے بندوں کے لیے ہمیشہ کی حسرت مقرر ہے ۔
۲ : گزشتہ پر حسرت کرنا خطا ہے گئی ہوئی واپس نہیں آتی تو وہ اڑتی ہوئی غبار کی طرح سمجھو ۔

میقاتھم مخلوق کے وعدہ کا وقت (اجمعین) تمام کا یعنی تمام اولین وآخرین کے جمع ہونے کا وقت ہے

فائدہ : یوم الفصل ان کا اسم اور میقاتہم اس کی خبر ہے اور اجمعین اس ضمیر کی تاکید ہے جو میقاتہم میں ہے، میقات مقرر کردہ فعل کے وقت کا نام ہے یوم القیامۃ کو میقات اسی لئے کہا گیا کہ وہ اولین وآخرین کے جمع ہونے اور ان کے حساب کا مقرر کردہ وقت ہے ۔

فائدہ : بحر العلوم میں ہے کہ میقاتہم یعنی ان کی وہ حد جس کا انہیں یقین ہے اور وہ اس سے کسی طرح بھی نہیں بچ سکتے اسی سے ہے " مواقیت الاحرام یعنی جو مکہ معظمہ کو حج وعمرہ کے لئے جانا چاہتا ہے تو وہ ان میقات سے احرام کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا اب میقات کا معنی ہوا کہ وہ شے کہ جس کا وقت یعنی حد مقرر ہو

فائدہ : الشیخ نے فرمایا کہ وقت اور میقات میں فرق یہ ہے کہ میقات وہ وقت مقرر ہے کہ جس میں کوئی فعل کیا جائے گا اور وقت وہ کہ جس میں کسی فعل کا وقوع ہو مقرر ہو یا غیر مقرر اور اس میں شے کا وقوع ہو یا نہ (اس معنی پر وقت میقات سے عام ہے) یوم لا یعنی یوم الفصل سے بدل ہے اس دن نہ بچائے گا مولیٰ کوئی رشتہ دار قریبی یا بعیدی یعنی خود رشتہ داری بچا سکے گی نہ دوستی " عن مولیٰ " کسی دوست اور رشتہ دار کو شیئاً کسی قدر نہ بچانے میں نہ جز دینے میں شیئاً مصدر کی جگہ پر واقع ہے اس کی تقلیل کے لئے ہے اسے مصدر بھی بنایا جا سکتا ہے ا بلت وہ مفعول بہ ہے اب یہ معنی ہوگا کہ قیامت میں کوئی دوست اور رشتہ دار کسی سے عذاب الٰہی دفع نہ کر سکے گا اور نہ ہی عذاب سے دور کر سکے گا ۔

فائدہ : اغنار یعنی دفع اور ناگوار اور مکروہ امر کسی سے دور کرنا اور مولیٰ کی تنکیر ہر دونوں جگہ پر ابہام کی ہے ۔

مولیٰ کے معانی

مولیٰ زبان عرب میں چند معانی کے لئے آتا ہے ۔
(۱) مالک (۲) عبد (۳) مُعتِق (۴) صاحب (۵) قریب رشتہ دار جیسے ابن العم (چچیرہ بھائی) وغیرہ (۶) ہمسایہ (۷) حلیف (۸) ابن (۹) عم (چچا) (۱۰) نزیل (۱۱) شریک ۔ (۱۲)

الاحت (بھاجہ) (۱۳) رب (۱۴) ناصر (۱۵) منعم (۱۶) منعم علیہ (۱۷) المحب (۱۸) تابع (۱۹) سسر (۲۰) جوکسی کے معاملہ کا متولی ہو وہ اس کا ولی دمولیٰ ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ مذکورہ بالا معانی میں سے کسی ایک معنی کو لیکر قیامت میں کوئی کسی کو نہ بچا سکے گا جب کوئی مولا کسی دوسرے کو کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچائے اور نہ ہی اسے شفاعت کر کے عذاب سے بچائے تو پھر کوئی اور کون اسے عذاب وغیرہ سے بچا سکتا ہے۔

ازالۂ وہم دہابیہ لیکن یہ آیت صرف کفار کے متعلق ہے اور وہابی لوگ ایسی آیات عام قرار دیکر انبیاء و اولیاء کی شفاعت کا انکار کر دیتے ہیں۔ اضافہ اویسی غفرلہ

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں اغنی عنہ بمعنی کفاہ یہ وہ اس وقت بولتے ہیں جو کسی کو کسی بات کی کفایت کرے "الاغناء" بمعنی کسی کو بے نیاز کرنا اور کسی کو کسی سے بچانا ہے ولا ھم ینصرون اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے۔ ضمیر اوّل مولیٰ کی طرف راجع ہے باعتبار معنیٰ کے کیوں کہ اس سے عام مراد ہے اس لئے کہ وہ سیاق نفی میں واقع ہوا ہے اگرچہ لفظاً مفرد ہے لیکن معنیً جمع ہے۔ یعنی جو ان پر عذاب نازل ہو گا نہ خود اپنے سے عذاب روک سکیں گے اور نہ ہی کسی دوسرے کی شفاعت کر سکیں گے۔

الا من رحم اللہ مگر وہ جن پر اللہ تعالیٰ رحم کر کے معاف فرمادے اور شفاعت قبول فرمائے اس سے اہل ایمان مراد ہیں اور یہ محلاً مرفوع ہے کہ ینصرون کی ضمیر سے بدل ہے یہی مختار مذہب ہے یا اِلاَّ کی وجہ سے منصوب ہے انہ ھو العزیز بے شک وہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے ایسا کہ جس کے لئے وہ عذاب دینا چاہے کوئی بھی اسے نہیں روک سکتا جیسے کافروں کو عذاب دے گا تو کافروں کو اس کے عذاب سے کوئی بھی نہ روک سکے گا "الرحیم" وہ رحیم ہے ایسا کہ جس پر وہ رحم فرمائے جیسے اہل ایمان پر۔

فائدہ : حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے سوابق میں رحم فرمایا تو اسے بالآخر رحمت حاصل ہو گی کہ قیامت میں اہل ایمان ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے[۱]۔ (لیکن شفاعت کے منکر کو شفاعت نصیب نہ ہو گی)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اس دن دل صاف اور سیاہ دل والوں کے درمیان فیصلہ ہو گا کوئی مولیٰ کسی دوسرے کا اور نہ کوئی دوست کسی دوست کی اور نہ کوئی مددگار کسی دوسرے کی اور نہ کوئی رشتہ دار کسی دوسرے رشتہ دار کی اور نہ کوئی شیخ مرید کی صفائی دے سکے گا جب وہ اس دنیا سے محروم گیا اور نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں گے دل کو صاف کرنے اور اس کے زنگ اڑانے میں مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے دنیا میں دل کو صاف کرنے کی توفیق دے کر جیسا کہ فرمایا "الا من اتی اللہ بقلب سلیم مگر وہ جو اللہ تعالیٰ

---

[۱] : القاموس ۱۳

کے ہاں قلب سلیم لائے

انہ ھو العزیز بے شک وہ عزیز ہے کہ جسے معافی مذنب کی عزت سے نوازے "الرحیم" وہ جس پر چاہے رحم فرمائے اس کے قلب کا آئینہ کے لئے تجلی عطا فرما کر۔

حکایت دو بھائیوں کی دو بھائی تھے ان میں سے ایک فوت ہو گیا دوسرے نے مرنے والے کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے کہا جو اس دنیا میں معرفت سے اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا ہو گا۔ اس خواب دیکھنے والے کو توبہ کی توفیق بھی اسی خواب سے نصیب ہوئی یہاں تک کہ وہ کاملین میں سے ہو گیا۔

فائدہ علم و عمل سے مقصود تزکیۂ نفس ہے جب یہ تزکیہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا نیک عمل کا حال اسے بہترین لباس جیسا ہو جاتا ہے جو حسین و جمیل صورت پر ہو اگر تزکیۂ نفس نہ ہو تو اعمال کا حال اس بہترین لباس سا ہے جو ایک قبیح اور بدشکل انسان کو پہنایا جائے جو شخص دنیا میں اپنے سے قبائح دور کرتا ہے تو وہ قیامت میں حسن ذاتی و عارضی سے حاضر ہو گا ورنہ اعمال صالحہ سے صرف حسن عارضی تو ہو گا یعنی اعمال صالحہ کا ثواب لیکن حسن ذاتی سے محروم ہو گا (اس تقریر کو خوب ضبط کرے اور کوشش کیجئے کیوں کہ ابھی وقت باقی ہے)

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ تم لوگوں کی طرح زندگی گزارو کہ اوروں کو خطرہ ہو لیکن وہ خطرے سے پاک ہوں جب لوگ قیامت میں دوزخ سے پناہ مانگیں وہ امن اور چین میں ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ کون ہیں اور ان کی علامات اور نشانیاں کیا ہیں آپ ہمیں بتائیں تاکہ ہم انہیں پہچانیں فرمایا وہ میری امت کے لوگ ہیں جو قرب قیامت میں پیدا ہوں گے جب وہ لوگ میدان محشر میں آئیں گے تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ پیغمبر ہیں کیوں کہ ان کا مرتبہ و منزلت ہی ایسا بلند ہو گا جیسے پیغمبروں کا ہوتا ہے میں انہیں پہچان کر کہوں گا کہ یہ میرے امتی ہیں تب لوگ سمجھیں گے کہ یہ پیغمبر نہیں بلکہ رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں پھر وہ برق و باد کی طرح تیزی سے گزریں گے تو لوگوں کی آنکھیں ان کے انوار سے چندھیا جائیں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے ان کے اعمال سے آگاہی بخشئے تاکہ میں بھی ان سے ملحق ہوں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) وہ دشوار گذار راہ اختیار کرتے ہوں گے تاکہ درجات انبیاء علیہم السلام حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ آج انہیں کھانا کھلا کر ان کے پیٹ سیر کرے گا ورنہ وہ زندگی میں اکثر بھوکے رہتے تھے اور آج انہیں اللہ تعالیٰ سیر کر کے پانی پلائے گا ورنہ وہ دنیا میں اکثر پیاسے رہتے آج انہیں اللہ تعالیٰ کپڑے پہنائے گا ورنہ اکثر پھٹے پرانے کپڑوں پر گزارہ کرتے تھے صرف رحمت الٰہی کے امیدوار رہتے ہوں گے اگرچہ رزق حلال

---

[۱] وہابی نجدی شفاعت کا انکار کر بیٹھا محروم جو ہوا۔ اویسی غفرلہٗ

ان کو میسّر ہوتا لیکن اس خوف سے اس سے دور رہتے کہ کہیں وہ اس کا حساب نہ دے سکیں اسی لیے وہ اپنے اوقات طاعت الہٰی میں معروف رکھتے یہاں تک کہ ملائکہ ان کی عبادت و طاعت پر رشک کرتے انہیں مبارک ہو دو بار فرمایا انہیں مبارک ہو اور میں تمنا اور آرزو کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے ان کی ملاقات کا موقعہ بخشے اس کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوقِ ملاقات میں گریہ فرمایا اور فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہیگا کہ زمین والوں کو عذاب میں مبتلا فرمائے تو ان کو دیکھ کر زمین والوں سے عذاب اٹھا لیتا ہے۔ اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تم پر لازم ہے کہ تم ان کا طریقہ اختیار کرو جو ان کے طریقہ کی مخالفت کرے گا وہ عذاب آخرت میں سختی اٹھائے گا۔

۱۔ روشن دلے کہ لذت تجرید یافتست
بردن رود زخویش چو پیدا شود کسے

۲۔ می بایدش بخون جگر خورد غولہا
تا از غبار چشم مصفا شود کسے

ترجمہ (۱) وہ دل روشن ہے جس نے تجرید سے لذت پائی وہ خود سے باہر ہو تاکہ اس سے کوئی ظاہر ہو۔
(۲) اپنا خون جگر پرندوں کو کھلائے تاکہ تیری چشم سے غبار ہٹے اور تو کسی کو صاف طور دیکھ سکے

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ
فِی الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی
سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ
الْحَمِیْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا
مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ ۝
فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۝ یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ
مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۫ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ۝ یَدْعُوْنَ
فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَ ۝ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ
اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی ۚ وَ وَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ فَضْلًا

مِنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ
بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ
مُّرْتَقِبُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ بے شک تھوہڑ کا پیڑ گنہ گاروں کی خوراک ہے۔ گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوشش مارتا ہے جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارے۔ اسے پکڑ لو۔ ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔ چکھ ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔ بیشک یہ وہ ہے جس میں تم شبہ کرتے تھے۔ بے شک ڈر والے امان کی جگہ میں ہیں۔ باغوں اور چشموں میں۔ پہنیں گے کریب اور قنادیز آمنے سامنے یونہی ہے اور ہم نے انہیں بیاہ دیا نہایت سیاہ اور روشن بڑی آنکھوں والیوں سے اس میں ہر قسم کا میوہ مانگیں گے امن و امان سے۔ اس میں پہلی موت کے سوا پھر موت کا مزہ نہ چکھیں گے اور اللہ نے انھیں آگ کے عذاب سے بچالیا تمھارے رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے تو ہم نے اس قرآن کو تمھاری زبان میں آسان کیا کہ وہ سمجھیں تو تم انتظار کرو وہ بھی کسی انتظار میں ہیں۔

تفسیر عالمانہ

ان شجرۃ الزقوم بے شک تھوہڑ کا درخت یعنی اس کا میوہ۔ القاموس میں ہے زقوم جہنم میں ایک بہت بڑا درخت ہے وہ اہل جہنم کا طعام ہے اور عین المعانی میں ہے کہ وہ درخت جہنم کے نچلے طبقے میں ہے جو اوپر والے تمام طبقات میں اس کی ٹہنیاں پھیلی ہوئی ہیں اس کی نظیر طوبیٰ ہے کہ وہ بہشت کے اعلیٰ حصہ میں ہے اور اس کی شاخیں بہشت کے ہر طبقہ میں ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ زقوم جہنمی کی شکل و صورت اسی دنیوی تھوہڑ جیسی ہے لیکن اس کی اصل آگ ہے اور زقوم سے مراد اس کا میوہ ہے دوزخی اسے نہایت ہی ناگوار ہو کر کھائیں گے بعض نے کہا سب سے ثقیل طعام زقوم ہے المفردات میں ہے کہ شجرہ الزقوم سے دوزخیوں کا طعام مراد ہے جو دوزخ میں سب سے زیادہ ناگوار ہے اسی سے استعارہ کیا گیا ہے" زقم فلان و تزقم" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے نہایت ناگوار ہو کر نگلے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اسے زقوم بربری زبان کے مطابق کہا گیا ہے وہ مغرب میں ایک قبیلہ ہے اور وہ لوگ حبش اور زنگیوں کے درمیان ہیں" الزقوم" بمعنی مکھن و کھجور اس معنیٰ پر کفار سے تہکم واستہزاء ہو گا جیسے فبشرھم بعذاب الیم میں تبشیر سے تہکم ہے کیوں کہ اسے درخت سے تعبیر کیا ہے تو تہکم ہو گا کیوں کہ وہ جحیم میں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ صورۃ صافات میں گزرا۔ تو اس معنیٰ پر اسے مکھن

کچھ کیسے کہا جا سکتا ہے۔

فائدہ: انسان العیون میں ہے کہ شجرۂ زقوم کو جہنم کی آگ نہیں جلا سکتی کیوں کہ جو دوزخ کی پیدائشی اشیاء ہیں انہیں آگ نہیں جلاتی جیسے سمندل (آگ کا چوہا) تو ذات سمندل پیدا کر کے آگ سے بچاتی ہے تو ہی ذات شجرۂ زقوم کو بھی آگ سے بچا سکتی ہے۔ بلکہ ایسی اشیاء دوزخ میں لذت پاتی ہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شجرۂ زقوم آگ سے ایسے ہی زندہ رہتا ہے جیسے دنیا کے درخت بارش کے پانی سے اس درخت میں کڑواپن کے علاوہ گلے گھونٹنا بھی ہے (معاذ اللہ)

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس کے بیان کی کیا ضرورت ہے کیوں کہ وہ آخرت کے درخت ہیں انہیں دنیوی درختوں سے صرف لفظی تشابہ ہے جیسے بہشت کے درختوں کے میوہ جات کیلئے کہا گیا ہے کہ ان کی شکل و صورت تو دنیوی میوہ جات کی سی ہو گی لیکن ان کی لذت وحقیقت کچھ اور ہو گی اس معنی پر زقوم کو درخت کہنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس کے ناریۃ کی نفی کا تصور ہو سکتا ہے اور نہ ہی جلنے کا کیونکہ جو شئے اصل میں ناری ہے وہ ناری ہی ہے اور ناری نار سے نہیں جلتا اسی لئے کہا گیا ہے کہ ابلیس کو زمہریر (برف) وغیرہ سے عذاب کیا جائے گا اور اگرچہ بحسب ترکیب اسے جلانا بھی ممکن تھا میں نے جزیرۂ قبرس میں ایک ایسا پتھر دیکھا ہے جسے حجر القطن (روئی کا پتھر) کہا جاتا ہے یعنی جب اسے کوٹ کر پیسا جاتا ہے تو وہ روئی کی طرح ہوتا ہے اس سے رومال تیار ہوتے ہیں تو جیسے یہ پتھر روئی کے منافی نہیں ایسے شجر ہونا اس کے آگ ہونے کے منافی نہیں اور سورۃ یٰس میں گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شجرۂ اخضر آگ سے پیدا فرمایا ہے وغیرہ۔

طعام الاثیم وہ زیادہ گناہ کرنے والوں کا طعام ہو گا اس سے کافر مراد ہے جیسا کہ اس کا ماقبل و مابعد دلالت کرتا ہے یعنی جیسے اجماع المفسرین ہے کہ یعنی مولیٰ عن مولیٰ میں کافر مراد ہیں اور الا من رحم اللہ میں اہل ایمان کا استثناء ہے ایسے ہی یہاں اثیم سے صرف کافر مراد ہے جس پر آنے والی آیت ان ھذا ما کنتم بہ تمترون بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کرتے ہو۔

اعجوبۂ حدیث حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی زبان نہیں چلتی تھی وہ طعام الاثیم کے بجائے طعام الیتیم پڑھتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں طعام الفاجر پڑھنے کی اجازت بخشی۔[1]

حکایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کسی کو پڑھایا طعام الاثیم تو وہ طعام اللہ پڑھتا اسے الاثیم کا لفظ زبان پر آتا تو آپ نے اسے فرمایا تو پڑھ طعام الفاجر۔

مسئلہ: اس سے اس گروہ نے استدلال کیا ہے کہ ایک کلمہ قرآن کو دوسرے کلمہ سے تبدیل کرنا جائز ہے جب وہ دوسرا کلمہ قرآن کے کلمہ کا ہم معنیٰ ہو۔

مسئلہ: اسی لئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فارسی میں قرأۃ جائز کہتے ہیں جب وہ قرأۃ عربی مفہوم کو نہ

[1] میں کہتا ہوں

کرتی ہو (فقہاء کرام نے کہا یہ اجازت عدم اجازت کے برابر ہے (کیوں کہ کہاں عربی کہاں فارسی تو پھر مکمل ادائیگی کہاں)
علاوہ ازیں کلام عربی بالخصوص قرآن فصاحت و غرابت میں ایک معجزہ ہے اس کے نظم و اسلوب میں لطیف معانی
ہیں جو کسی دوسری لغت کو نصیب نہیں۔

ردِ زمخشری زمخشری نے غلط کہا کہ چونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ عربی عبارت صحیح طریق سے نہیں ادا کر سکتے
تھے اسی نے فارسی میں قراءۃ قرآن کی تجویز فرمائی (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا صحیح موقف حضرت ابوالمجد حضرت امام ابویوسف سے نقل کرتے
ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ صاحبین رضی اللہ
عنہ کا قول کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک فارسی میں قراءۃ قرآن ناجائز ہے۔

مسئلہ: فتح الرحمان میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کہ فارسی میں قراءۃ اس وقت جائز ہے جب
عربی کا مفہوم ایسا مکمل ادا ہو کہ بال برابر بھی فرق نہ ہو (پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ اجازت عدم اجازت کے برابر ہے
کہ نہ اس سے عربی مفہوم ادا ہو گا نہ پڑھنا جائز ہو گا۔

مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ فارسی میں قراءۃ قرآن ناجائز ہے سوائے اس شخص کے جو عربیت کی ادائیگی سے عاجز
ہے یہی صاحبین کا موقف ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

مسئلہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سوائے عربیۃ کے قراءۃ قرآن کسی وجہ سے بھی جائز نہیں۔ کوئی عاجز ہو یا نہ

رجوع امام اعظم رضی اللہ عنہ صحیح تر یہ ہے کہ تجویز قراءۃ الفارسی کے قول سے امام اعظم رضی اللہ عنہ
نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمایا تھا تمام فقہ و فتاوی کی معتبر و
مستند کتب میں یہی ہے۔[1]

فائدہ: جسے عربیت پر قدرت ہے تو وہ فارسی ایسے دیگر زبان میں قرآن پڑھنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ
یہ منافقت پیدا کرتی ہے (جو لوگ ضاد کو ظاء کے مخرج (عجمی) میں ادا کرتے ہیں وہ اس پر غور کریں[2]

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تحقیق: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ
فارسی میں قراءۃ کا بطلان ظاہر ہے کیوں کہ ہم سب
متفق ہیں کہ قرآن کا نظم و معنیٰ ہر دونوں قرآن کا رکن ہیں، یہی جمہور کا مذہب ہے ہاں عجز کے وقت صرف نماز
میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے قراءۃ عربیت کو رکن نہیں مانا تو اسی لئے فارسیت کی اجازت بخشی ہو گی اس کی مثال
"اقرار باللسان" ایمان کے لئے ہے کہ اقرار باللسان بوقت عجز نہ ہو تو ایمان میں خلل نہیں آتا کیوں کہ اقرار باللسان

---

[1] عیون الحقائق ۱۲ [2] الکواشی۔

[2] ضاد کو ظاء کے مخرج میں (وہابی غیر مقلد (ہند و پاک میں) اور شیعہ عموماً پڑھتے ہیں ان کے سوا کسی ملک اور علاقہ اور فرقہ نے
ضاد کو ظاء نہیں پڑھا تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب "رفع الفساد عن مخرج الظاء والضاد ۱۲" اویسی غفرلہ

اجرائے احکام المسلین کے لئے۔

سوال: قرآن کا ہر کلمہ ایسا ہے کہ کوئی دوسرا کلمہ اس کے معانی کو مکمل نہیں کر سکتا تو پھر کیسے دوسری لغت عربیت کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔

جواب: یہ جائز ہے اس لئے کہ علماء کرام نے حدیث کا اختصار عالم کے لئے جائز رکھا ہے نہ کہ جاہل کے لئے حالانکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوامع الکلم کے مالک تھے تو عالم کہاں اور آپ کا بتایا ہوا کلام کس طرح عالم ادا کر سکتا ہے جب کہ حضور علیہ السلام کے ہر لفظ میں ہزاروں اسرار و رموز مضمر ہیں لیکن اس کے باوجود عالم کو اس کا اختصار جائز رکھا گیا ہے تو یہاں بھی بوقت ضرورت جائز رکھا گیا ہے (لیکن تحقیق وہی ہے جو مذکور ہوئی) اسے اچھی طرح سمجھ لے

کالمہل گلے ہوئے تانبے کی طرح خبر کے بعد خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے کہ در اصل **ھو کالمھل** (وہ مہل کی طرح ہے) تھا۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مہل کی تفسیر منقول ہے کہ "کعکر الزیت" نہایت کالے سیاہ تیل کی طرح کہ جب چہرے کے قریب ہو تو جلا کر اس کے ٹکڑے گرا دے اسے مہل سے اس کی غلاظت اور سیاہی سے تشبیہ دی گئی ہے بعض نے کہا مہل وہ ہے جسے آگ میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ پگھل جائے جیسے لوہا قلعی تانبہ وغیرہ اور اس طعام کو اس قلعی اور تانبے سے تشبیہہ دی جاتی ہے جو آگ سے پگھل جاتا ہو اور نہایت درجہ کا گرم ہو اس کے جوش سے تشبیہ نہیں اس لئے کہ جوش والی شے مشبہ بہ ہے **یغلی فی البطون** جو پیٹوں میں جوش مارتا ہے یعنی درانحالیکہ وہ طعام کافروں کے پیٹوں میں جوش مارے گا **کغلی الحمیم** "گرم پانی کے جوش کی طرح" اسکا جوش شدت حرارت اور معدہ کی اس سے کراہت کی وجہ سے ہو گا۔ بعض نے کہا کہ وہ طعام پیٹوں اور ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

حدیث شریف میں ہے اے لوگو اللہ تعالیٰ سے مکمل طور ڈرو اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر ڈالا جائے تو اہل ارض کی معیشت کڑوی ہو جائے تو پھر اس کا کیا حال ہو گا جس کا طعام ہی ہو گا کہ اس کے سوا اس کا اور کوئی طعام نہ ہو گا۔

حل لغات الغلی والغلیان بمعنی تحرک وارتفاع یعنی جوش مارنا المفردات میں ہے کہ الغلیان ہنڈیو کے لئے بولتے ہیں جب وہ پُر ہو کر اوپر کو ابھریں آیت میں اسی سے استعارہ ہے اسی کے ساتھ غضب اور جنگ کے جوش کو تشبیہ دی جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اثیم وہ ہے جو خواہشات کے بت کا پجاری ہو اور وہ حرص کے درخت بوئے تو اس دنیا میں نفس کے مذاق کے مطابق ہی خواہشات نفسانیہ لذیذہ کے ثمرات پیدا ہوں گے اسی لئے آخرت میں بھی اس کا طعام وہی زقوم ہو گا جس کے متعلق ہم پہلے لکھ آئے ہیں سے

نفس را بدخو بناز و نعمت دنیا مکن
آب نان سیر کاہل می کند مزدور را

ترجمہ: نفس بدخو کو دنیا کی ناز و نعمت کا عادی نہ بنا اس لئے مزدور پانی اور روٹی سے سست ہو جاتا ہے

تفسیر عالمانہ

خذوہ (اسے پکڑو) یہاں قول محذوف ہے اور یہ خطاب زبانیہ فرشتوں کو ہوگا یعنی قیامت میں زبانیہ (فرشتوں) کو کہا جائے گا کہ اس مجرم کو پکڑو اور وہ بھی اس کے پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے "فاعتلوہ" اور اسے بزور گھسیٹتے جاؤ۔

حل لغات

العتل بمعنی کپڑوں وغیرہ کے ساتھ جکڑ کر خوب پکڑنا قہر اور سختی سے گھسیٹنا۔ تاج المصادر میں ہے العتل بمعنی سختی سے کھینچنا۔ القاموس میں ہے کہ عتلہ یعتلہ فالعتل جرہ عنیفا یعنی سختی سے کھینچنا گھسیٹنا ہو عتل بنبر کی طرح یعنی قوت کے ساتھ الی سواء الجحیم جہنم کے درمیان میں اور ایسی جگہ پر جہاں ہر طرف سے برابر مسافت ہو یعنی دوزخ کے درمیان میں "ثم صبوا فوق راسہ من عذاب الحمیم" پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔

حل لغات صب مثلاً پانی کو اوپر سے نیچے گرانا۔

سوال: عذاب تو گرائی ہوئی شے نہیں کیوں کہ ذوجسد شے کو اوپر سے نیچے گرایا جاتا ہے اور عذاب ذوجسد نہیں

جواب: ڈالا تو جائے گا گرم پانی اور وہ ذوجسد ہے اور عذاب کا لفظ مبالغہ کے لئے ہے دراصل صرف حمیم تھا لیکن اس پر پھر عذاب کا اضافہ مبالغہ کے طور ہے تاکہ اشارہ ہو کہ یہ گرم پانی عذاب کے ایک قسم سے ہوگا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے سروں پر گرم پانی ڈالو تاکہ ان کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور عذاب کا ذائقہ چکھیں یہ عذاب باہر سے ہو اور زقوم کا عذاب اندر سے۔

عذاب کا نمونہ

مروی ہے کہ کافر کو دوزخ میں داخل کر کے زقوم کھلایا جائے گا پھر فرشتہ اس پر چابک مارے گا تو اس سے دماغ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اس کے جسم پر بہ جائے گا۔ پھر اس کے جسم پر گرم پانی ڈالا جائے گا جو اس کے پیٹ تک اثر کرے گا تو اس کی آنتیں کٹ جائیں گی اور بہہ کر اس کے پاؤں تک آجائیں گی۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ ایسے لوگوں کو حسرت و حرماں اور فراق کے ساتھ جہنم کے گڑھے میں عذاب دیا جائے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

تفسیر عالمانہ

ذق چکھ عذاب ذلیل ذلیل کرنے والے کو انک انت العزیز بے شک تو تھا اپنی نظروں میں عزت والا الکریم مکرم اپنی قوم کے ہاں یعنی فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے بطور استہزاء اور اس کے اپنے گمان سے آگاہ کر کے کہ تو خود کو عزت والا اور کرم والا سمجھتا تھا لیکن

تو ذلیل و خوار انسان ہے۔

شانِ نزول ابوجہل نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ مکہ معظمہ کے دو پہاڑوں کے درمیان میرے جیسا کوئی معزز و مکرم نہیں بخدا تو اور تیرا خدا میرا بال نہیں بیگاڑ سکتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس جیسے اوروں کے لئے بھی وعید ہے جو عجب و کبر میں مبتلا ہو۔

ابوجہل کی جہالت بے وقوف ابوجہل کا حال دیکھو کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں اس کی قسم کھائی پھر اسے بے طاقت بنا کر رکھ دیا کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی خدا کی پرستش و عبادت کرتے تھے جس کی ابوجہل قسمیں کھا رہا تھا۔

فائدہ: کلام مذکور حیرت کفریں سے ایک ہے اور جہالت اسی کو کہتے ہیں اور تعصب النفس اسی سے ظاہر ہے ان کی دوسری بے وقوفی ملاحظہ ہو ابوجہل وغیرہ نے حضور علیہ السلام کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کو کہو کہ **امطر علینا حجارۃ من السماء** (ہم پر آسمان سے پتھر برسائے)

فائدہ: آیت کے لفظ ذوق میں اشارہ ہے کہ کافر دنیا میں بھی معذب رہتا ہے لیکن دنیا میں غفلت کی نیند کی وجہ سے عذاب کے درد کو محسوس نہیں کرتا جب مرے گا بیدار ہو گا تو محسوس کرے گا اس ظلم کو جو اس نے اپنے نفس پر کیا (یعنی کفر و شرک و دیگر جرائم) ان ھذا ما بے شک یہ عذاب ما کنتم بہ تمترون وہ ہے جس میں تم شک کرتے تھے یعنی دنیا میں تمہیں شک تھا کہ نہ معلوم ایسا عذاب ہو گا یا نہ یا تم باطل عقیدہ کی بناء پر اس بارہ میں جھگڑتے تھے یعنی پہلے تم میں تھے اب تم دیکھ لو اور یقین کر لو کہ تمہیں عذاب کا مزہ چکھایا جا رہا ہے یا نہ۔ جمع کا صیغہ باعتبار معنیٰ کے ہے کیوں کہ اس سے ایثم کی جنس مراد ہے یعنی ہر طرح کا گنہگار اور مجرم۔

فائدہ: یہ شک انہیں شیاطین کے وساوس اور نفوس کے ہواجس سے تھا تو ضروری ہے کہ انہیں دفع کیا جائے اور قلب کی صفت یعنی یقین سے موصوف ہونا چاہیے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان شک کرنے والوں کے لئے خرابی ہے جو اللہ کی ذات میں شک کرتے ہیں۔

فائدہ: ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ پر یقینی نہیں رسمی ایمان رکھتے ہیں جیسے منافقین۔

مسئلہ: جو اعمال و احکام اور اوامر (بعض پر) شک و شبہ کرتا ہے یا معاصی پر ایسے اصرار کرتا ہے کہ اسے پرواہ تک نہیں کہ یہ بھی کوئی برا عمل ہے مثلاً نماز ترک کر کے اسکی قضا کا خیال تک نہ لائے اور نہ ہی اس کے دل میں کوئی خوفِ خداوندی ہو یہ بھی منجملہ کفر کے ہے کہ عتاب و عذاب الٰہی سے امن (بے خوف ہونا) بھی کفر ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) بود گبری در زمان بایزید
گفت او را یک مسلمان سعید

(۲) که چه باشد گر تو اسلام آوری
تا بیابی صد نجات و سروری

(۳) گفت این ایمان اگر هست ای مرید
آنکه دارد شیخ عالم بایزید

(۴) من ندارم طاقت آن تاب آن
کان فزون آمد ز کوششهای جان

(۵) گرچه در ایمان و دین ناموقنم
لیک در ایمان او بس مؤمنم

(۶) مؤمن ایمان اویم در نهان
گرچه مهرم هست محکم در دهان

(۷) باز ایمان گر خود ایمان شماست
نی بدان میلستم و نی مشتهاست

(۸) آنکه صد میلش سوی ایمان بود
چون شما را دید زان فاتر شود

(۹) زانکه نامی بیند و معنیش نی
چون بیابان را مفازه گفتنی

ترجمہ:۱۔ ایک کافر بایزید رحمۃ اللہ کے زمانہ میں تھا اسے کسی مسلمان نیک بخت نے کہا
۲۔ کیا اچھا ہوتا کہ تو مسلمان ہو جاتا تاکہ تو سو نجات اور سرداری پاتا
۳۔ کہا اگر یہی ایمان ہے (اے مرید صاحب) جیسا شیخ علامہ ابویزید کا ہے
۴۔ میں اس کی تاب و طاقت رکھتا نہیں کہ وہ جان کی طاقت سے زیادہ ہے۔
۵۔ اگرچہ دین و ایمان میں یقین نہیں لیکن میں ان کے ایمان کے مطابق ایمان رکھتا ہوں
۶۔ پوشیدگی میں میں ایمان رکھتا ہوں اگرچہ میرے منہ پر مہر لگی ہوئی ہے۔
۷۔ ہاں اگر ایمان اسی کا نام ہے جو تمہارا ہے تو اس کی طرف میرا میلان نہیں اور نہ میں اس کا خواہشمند ہوں
۸۔ جسے ایمان کی طرف میلان ہوگا بھی جب تمہیں دیکھے گا تو سست ہو جائے گا۔

۹۔ کیوں کہ وہ ایمان کا نام دیکھے گا لیکن اسے معنیً نظر نہیں آئے گا یہ ایسے ہے جیسے بیابان کو نجات گاہ کہا جائے۔

انتباہ: اسمیں اشارہ ہے کہ مرید کا جتنا ایمان وعلم ومعرفت قوی ہوگا اتنا قدر ظاہری اعمال میں جد وجہد کریگا اسی طرح قیاس کیجئے ضعیف اور شک کرنے والے اور متردد کے بارے میں۔

ہم اللہ تعالیٰ سبحانہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں یقین کے پیالے پلائے وہ فیض پہنچانے والا معین ومددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ: ان المتقین بے شک وہ لوگ جو کفر ومعاصی سے بچتے ہیں یعنی اہل ایمان اور اطاعت گزار فی مقام ایک قیامگاہ میں ہوں گے، اس سے مطلقاً کوئی جگہ مراد ہے کیوں کہ یہ اس خاص سے ہے جس کا استعمال معنیٔ عموم میں شائع ہوگیا ہے یعنی یہ ایک ایسا عام ہے جو الکثر کے لئے مستعمل ہوتا ہے یہاں تک کہ بیٹھنے کی جگہ کو بھی مقام کہا جاتا ہے اگرچہ وہاں قیام کا وقوع نہ بھی ہو۔

امین امن والی یعنی وہ جگہ جو اپنے صاحب کو آفات سے امن دے یہاں اصلی معنیٰ سے ہٹ کر امن کو مقام کی طرف اسناد کرنا مجاز ہے جیسے جری الانہار میں مجاز ہے ایسے یہاں۔

حل لغات امن خوف کی ضد ہے یعنی امین بمعنی صاحب الامن (امن والا) یہاں پر زمخشری نے ایک وجہ اور بتائی ہے وہ یہ کہ الامین از امانت ہے جو خیانت کی نقیض ہے یہ دراصل صاحب مکان کی صفت ہے پھر مجازاً مکان کی صفت بنائی گئی ہے۔ یہ استعارہ تخییلیہ ہے گویا وہ ایسا مکان ہے جو اپنے مقیم کو مغموم ومحزون کردے یا اس میں ناگوار امور ہیں جو اپنے مقیم کو تکلیف اور دکھ میں ڈالے کیوں کہ جو صفات مکان کے لئے ثابت کئے جائیں گویا وہ صاحب مکان کے لئے ثابت ہوگئے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے المجد بین ثوبیہ والکرم بین بردیہ بزرگی اس کے دونوں کپڑوں میں ہے اور سخاوت اس کی چادر میں ہے (بحر العلوم)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو ماسویٰ اللہ سے کسی سے نہیں ڈرتا تو وہ مقام وحدت میں امن کے ساتھ ہوگا کسی دوئی کا کوئی خطرہ نہ ہوگا نیز اسمیں اشارہ ہے کہ متقین دنیا میں خوف عذاب سے اور آخرت سے فراق کے خطرے سے محفوظ ہوں گے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ مقام امین انبیاء واولیاء کی صدیقین وشہدا کی صحبت مراد ہے فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یوم محشر ان کی رفاقت تو لازماً امن کا مقام ہے۔ کیوں کہ وہ وقوع عذاب سے محفوظ ہوں گے کیوں کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے ہاں شفعاء[ع] ہیں دنیا میں بھی ان کی صحبت سے انسان شقاوت

ع: سفارش کرنے والے

میں وقوع سے امن میں رہتا ہے کیوں کہ ان کا ہم نشین شقی نہیں ہوتا نیز اس میں اور اشارہ ہے جو حال کے لحاظ سے روشن تر ہے وہ یہ کہ مقام امین سے مقام قلب مراد ہے کیوں کہ یہی جنۃ الوصال ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ وسواس خناس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے کیوں کہ شیطان کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتا جو کہ ذات کی طرف اشارہ ہے جیسے وہ حالت سجدہ میں وسوسہ نہیں ڈال سکتا کیوں کہ اس میں اشارہ ہے کہ بندہ اس وقت فنافی الذات الاحدیہ ہوتا ہے

مسئلہ :- جو شرک سے بچ گیا وہ بھی متقی ہے اس قاعدہ پر اس وعدہ میں فاسق بھی داخل ہیں لیکن فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے اور یہاں چونکہ منت و احسان کا اظہار ہے اسی لئے یہاں صرف مومن مطیع مراد ہو سکتا ہے جیسا کہ ہم نے آیت کے عنوان میں اشارہ کیا ہے ہاں فاسق و فاجر انجام کے لحاظ سے اخل ہیں اور یوں کہا جائے کہ یہ تبعاً داخل ہو سکتے ہیں اور ابتداءً اور اصالۃً نہیں داخل ہو سکتے جیسا وہ وعیدات جو ان کے حق میں وارد ہیں دلالت کرتی ہیں ورنہ مطیع و عاصی میں کیا فرق رہے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ام نجعل المتقین کالفجار کیا ہم متقین کو فجار کی طرح کریں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے (آمین)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

۱۔ کسے را با خواجہ تست جنگ
بدستش چرامی دہی چوب سنگ
سگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند
۲۔ بفرما تا استخوانش نہند

ترجمہ : جسے ترے آقا سے جھگڑا ہے تو اس کے ہاتھ میں ڈنڈا اور پتھر کیوں دیتا ہے ہاں جب دسترخوان بچھے تو تم کہو اسے ہڈیاں دو۔

تفسیر عالمانہ فی جنات و عیون باغات اور چشموں میں ہوں گے یہ مقام سے بدل ہے اسے اس لئے لایا گیا تاکہ اس مقام کی نزہت پر دلالت کرے اور معلوم ہے کہ بہترین کھانوں اور اعلیٰ پینے کی چیزوں پر مشتمل ہے اور عیون سے وہ نہریں مراد ہیں جو بہشت میں جاری ہیں اور اس کی تنکیر تعظیم کی ہے یلبسون من سندس و استبرق سندس و استبرق پہنیں گے۔ یہ دوسری خبر ہے اور استبرق کا ہمزہ قطعی ہے اور خلیل نے کہا ہے کہ یہ ہمزہ وصلی ہے۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ ریشم کا ایک خاص قسم ہے جو علامتی طور لباس کے اوپر پہنا جائے گا جو عادۃً وہ ایک نرم کپڑا لباس کے اوپر پہنا جاتا ہے استبرق ریشم کا گاڑھا کپڑا جسے بن کر تیار کیا جاتا ہے اسے بھی

شعار (علامتی) پہنتے ہیں اور یہ عام ریشم سے اعلیٰ قسم ہے اس لئے کہ ریشم دو قسم ہے، (۱) جتنا باریک ہو نفیس تر ہوتا ہے (۲) ابریشم کی کثرت کی وجہ سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے اسی لئے دہ اور نفیس تر ہوتا ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک احتمال یہ ہے کہ سندس متقیوں کا لباس ہوگا اور استبرق ابرار کا اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شراب متقیوں کا پینا ہوگا یہ ایک تسنیم خاص ہے اور رحیق ابرار کا پینا ہے یہ وہ شراب ہے جس میں رحیق ملا ہوگا۔

اس لئے کہ مقربین اہل ذات سے ہیں اور ابرار اہل صفات سے تو جیسے ذات صفات سے نفیس تر ہے ایسے ہی اہل ذات کا لباس بھی نفیس تر ہوگا ایسے ہی ان کا شراب نفیس اور صاف تر ہوگا بہ نسبت اہل صفات کے لباس و شراب کے۔

حل لغات: استبرق عجمی لفظ ہے دراصل استبرگ ہے جسے اہل عرب نے حسب عادت اسے قاف کے ساتھ استبرق پڑھا ہے۔ القاموس میں ہے کہ استبرق گاڑھا ریشم استرو کا معرب ہے اس کی تصغیر ابیرق آتی ہے اور استبر (تار وطار سے) بمعنی غلیظ فارسی لفظ ہے الجوالیقی میں ہے استبرق عجمیت سے عربیت کی طرف منتقل ہوا ہے اسی لئے اس کی تصغیر ابیرق اور اس کی جمع تکسیر اباریق آتی ہے یعنی تصغیر و تکسیر کے وقت سین و تاء دونوں گر جائیں گے۔

فائدہ: تعریب بمعنی عجمی لفظ کو عربی میں ایسا ڈھالنا کہ وہ تبدیلی کے وقت عجمیت کے رنگ ڈھنگ سے بدل جائے اور وہ وجوہ اعراب کو قبول کر سکے۔

مسئلہ: عجمی لفظ کا قرآن میں مذکور ہونا جائز ہے کیوں کہ جب وہ عجمیت سے نکل کر عربیت میں آجائے گا تو وہ عجمی نہ رہے گا اس پہ وہ تصرف ہوگا جو بلاتفریق عربی لفظ پر تصرف کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص کہے کہ قرآن عجمی الفاظ سے مرکب ہے وہ کافر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "قرآناً عربیا" کے مخالف ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی یوں کہے کہ اس میں بعض الفاظ عجمی ہیں تو اس کے کفر میں نظر ہے اگر وہ یہ جواب دے کہ اس سے میری مراد یہ ہے کہ عجمی لفظ عربیت کے رنگ میں آیا ہے اس لئے کہ یہ لفظ اس طریقہ سے فصیح ہوگیا اگر وہ اسی طرح اسے بلا تعریب عجمی لفظ سمجھ کر کہتا ہے تو وہ غلط ہے۔ "متقابلین" وہ ایک دوسرے کے بالمقابل بیٹھے ہوں گے، یہ حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے بالمقابل بیٹھیں گے تاکہ ایک دوسرے سے مانوس ہوں۔ متقابلین بمعنی متواجہین کہ وہ ایک دوسرے کی پیٹھ گدی وغیرہ نہ دیکھ سکیں کیوں کہ اسی میں ہی طریقہ زیادہ مکمل ہے۔

فائدہ: سور آبادی کی تفسیر میں ہے کہ یہ بالمقابل بیٹھنا بھائی کے دن ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ انہیں دار الجلال میں اہل ایمان کو بھائی سے نوازے گا اور تمام اہل ایمان ایک دسترخوان پر بیٹھیں گے تو سب کا ایک دوسرے کی طرف منہ کرکے بیٹھیں گے بعض نے کہا یہاں سرر متقابل سے محبت مراد ہے یعنی وہ ایک دوسرے سے بغض وحسد نہیں کریں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں سے بغض وحسد کو اس وقت سے ختم کر ڈالے گا جب وہ بہشت میں داخل ہوں گے اور ایسا تقابل اولیاء اللہ کے اوصاف میں سے ہے۔ جو انہیں دونوں جہانوں (دنیا و آخرت) میں نصیب ہوگا ایسے لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ بغض وحسد سے پاک ہوکر جیتے جی دنیا میں بہشت میں ہیں۔

کذلک لیسے امر کی طرح یا مذکورہ بالا ثواب کی طرح ایک اور ثواب بخشونگا یہ کہ وزوجناھم بحور عین حور عین سے ہم ان کا بیاہ کریں گے یعنی ان کے ساتھ حور عین ہوں گی یعنی متقین کے ساتھ سفید رنگ اور کشادہ عورتیں ہوں گی۔ بہشتی کبھی تو دوستوں سے ملاقات سے متمتع ہوں گے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر خوشیاں منائیں گے کبھی حورعین سے ہنسی مذاق میں وقت بسر کریں گے۔

نکتہ: حورعین کی تزویج سے یہی عرفی معنیٰ مراد نہیں کیوں کہ عرفی تزویج بار کے ساتھ متعدی نہیں آتا بلکہ وہ بلا بار متعدی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ فلما قضی زید منھا وطرا زوجنکھا جب زید نے اپنا مطلب پورا کرلیا تو ہم نے حضرت زینب کا آپ سے عقد (نکاح) کر دیا۔

قاعدہ: جب عقد نکاح مراد نہ ہو تو وہاں تزویج سے صرف ایک دوسرے سے ملانا مراد ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے زوجناک بہا" میں نے تیرے ساتھ اسی عورت کو ملا دیا یعنی تو اکیلا تھا تو تیرے ساتھ عورت کر دی یعنی وہ تیری دوسری ہو گئی اب معنی یہ ہوا کہ حور عین سے ان کا جوڑا بنائے گا۔ المفردات میں ہے کہ قرآن مجید میں یوں کہیں نہیں زوجناھم حورا" (ہم نے ان کا حورعین سے عقد نکاح کیا) بلکہ زوجناھم بحور عین" آیا ہے ہاں عام عورتوں کے لیے زوجتہا امرۃ کہہ کر عرفی معنی مراد لیا جاسکتا ہے لیکن حورعین کے لئے بلا واسطہ بار قرآن مجید میں تزویج کا لفظ مستعمل نہیں ہوا تاکہ تنبیہ ہو کہ حوروں کے ساتھ عقد سے یہی عقد عرفی مراد نہیں جیسا کہ عوام بلکہ خواص غافل از مسائل کا خیال ہے۔

فائدہ: حضرت مفتی سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر تو بہشت میں عقد معروف نہ ہوگا کیوں کہ اس کا ایک فائدہ تو یہی ہے کہ حور عین انسانوں کے لئے حلال ہوں لیکن حلت وحرمت کی علت تو دار کلفت کے لئے ہوتی دار الجنۃ تو دار التکلفت نہیں بلکہ دار الراحۃ ہے۔

صاحب روح البیان کی تحقیق اور شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقیر (یعنی صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ مفتی سعدی اور مذکورہ بالا تقریر

پر سوال وارد ہوتا ہے کہ اگر عقد معروف مراد نہیں تو پھر کیوں وارد ہے کہ حورعین کے عقد میں دس بار درود بر مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مہر میں مقرر ہوتا ہے اور مہر کا تعلق عقد عرفی سے ہوتا ہے۔

ازالۂ وہم مذکور درود بر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائے مہر عقد نکاح عرفی کی حیثیت سے نہیں بلکہ وہاں تو صرف تعظیم وتکریم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار مطلوب ہے اور بس اس مہر سے ضروری نہیں کہ وہ عقد عرفی مقصود ہو اور اس مہر سے بھی حقیقی مہر مراد نہیں بلکہ صوری اور لفظی مہر ہے اور یہ صرف حوروں سے موانست کے لئے ہوگا نہ کہ جماع کیلئے یہ ایسے ہے جیسے آدم علیہ السلام نے بہشت میں حضرت حوا کا مہر درود شریف ادا کیا تو بھی موانست بہ حوا کے لئے نہ کہ وہاں جماع مطلوب تھا کیوں کہ بہشت میں جماع کہاں اور دنیا میں مہر کی ادائگی تحلیل ازواج کے لئے ہوتی ہے تاکہ اولاد پیدا ہو۔

فائدہ بعض حضرات بہشت میں جماع کے قائل ہیں ان کی دلیل قابیل کا قول انا من اولاد الجنۃ (میں بہشتی اولاد ہوں) ہے لیکن یہ روایت قابل قبول نہیں۔

تحقیق عجیب حضرت شیخ الشہیر بانتادہ برسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شرعی احکام ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہوتے بلکہ ایسے احکام بھی ہیں جن کا اجراء آخرت میں بھی ہوگا حالانکہ وہ دار التکلیف نہیں مثلاً اہل الجنۃ ایک دوسرے پر امور میں تصرف کریں گے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

حور مقصورات فی الخیام حورین خیموں میں پردہ نشین ہیں ایسے ہی اہل جنۃ کے لئے ایسے مکانات ہوں گے جو صرف احباب کی ضیافت کے لئے استعمال کریں گے اسی لئے حوروں سے ایک خصوصی قسم کا تنعم حاصل ہوگا جو صرف انہیں ہوگا جن کے لئے وہ مقرر ہیں ان کے غیر محارم سے ان سے کوئی تعلق نہ ہوگا

تحقیق حور عین حُور حوراء کی جمع ہے بمعنی سفید رنگ والی عورت العین عیناء کی جمع ہے بڑی آنکھوں والی عورت اب معنی یہ ہوا کہ وہ ایسی عورتیں جن کے حسن وجمال کی صفائی کو دیکھ کر حیرانی ہوگی جن کی آنکھوں کی عظمت خیرہ کن ہوگی یا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی آنکھوں کی سفیدی بھی تیز ہوگی اور سیاہی بھی۔

حل لغات القاموس میں ہے الحور (بالتحریک) وہ جس کی آنکھ میں سفیدی سخت ہو اور سیاہی بھی اور اس کا حدقہ گول ہو اور جس کی پلکیں اونچی اور ان کی گرد ونواح کا حصہ خوب سفید ہو یا ان کی سیاہی وسفیدی ہر دونوں سخت تر ہو اور سفیدی میں سیاہی بھلی لگتی ہے ایسے ہی ان کی آنکھوں کا یا یہ کہ ان کی آنکھیں ہرن جیسی ہوں گی وہ بنی آدم سے نہیں بلکہ بنو آدم کو یہ مستعار طور عطا ہوں گی۔ المفردات میں ہے کہ الحور بمعنی قلیل ظہور والی یعنی آنکھ کی سفیدی میں سیاہی کا ظہور بہت قلیل ہوگا کیوں کہ سفیدی میں ایسی قلیل سیاہی کا ظہور حسن وجمال کو نکھارتا ہے۔

ف۵ الواقعات الہدائی قدس سرہ ۱۲۔ اویسی غفرلہ،

فائدہ : اسمیں اختلاف ہے کہ وہ حوریں یہی دنیوی عورتیں ہوں گی یا کوئی اور حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نے تو فرمایا یہی دنیوی عورتیں ہوں گی جنہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ اور طرح کا حسن عطا فرمائے گا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ ان دنیوی عورتوں سے نہیں بلکہ وہ اور مخلوق ہوگی یدعون فیھا بکل فاکھۃ وہ ہر طرح کا میوہ طلب کریں گے اور حکم دیں گے کہ انہیں فلاں میوہ حاضر کیا جائے۔ اس وقت میوہ کے لئے نہ مکان کی تخصیص ہوگی نہ زمان کی جیسے یہاں دنیا میں ہوتا ہے کہ بے موسم میوہ بر وقت نہیں ملتا کیونکہ دنیا کے میوہ جات کے لئے موسم اور علاقوں کی تخصیص ضروری ہے کہ ایک ملک کا میوہ دوسرے ملک میں نہیں ہوتا ایسے ہی ایک موسم کا میوہ دوسرے موسم میں نہیں پایا جاتا۔ اسی لئے نہ وہ وقت سے پہلے ملتے ہیں اور نہ ہی موسم گذر جانے کے بعد۔

آمنین) درانحالیکہ وہ امن میں ہوں گے کہ کسی قسم کی ناگوار بات کا ان پر گزر نہ ہوگا یہاں تک کہ تصور نہ ہوگا کہ اب یہ میوہ نہ ملے گا کہ اس کا موسم نہیں یا یہ خطرہ ہو کہ یہ میوہ جات کی بہتات ہے لہٰذا وقت گزرنے پر گل سڑ جائیں گے اور نہ ہی ان کے قلب کو حجاب ہوگا۔ جیسے دنیا میں دیدارِ الٰہی اور انوارِ الٰہی سے حجاب میں تھا۔ بظاہر وہ حورعین اور نعمتوں میں مشغول ہوں گے اور بہ باطن حضرت حق میں متوجہ ہو کر شاہدِ حق سے سرشار ہوں گے۔

تفسیرِ عالمانہ: لا یذوقون فیھا اور جنت میں نہیں چکھیں گے۔ الموت الا الموتۃ الاولی۔ موت مگر پہلی موت

حل لغات: الموت اور الموتۃ دونوں مصدر ہیں ایک ہی فعل کے نفخ و نفخۃ کی طرح ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ الموتۃ الموت سے اخص ہے کیونکہ الموتۃ وحدۃ کے لئے اور الموت جنس کے لئے ہے اس معنی پر الموتۃ الموت کا ایک حصہ ہوگی یعنی فرد واحد اور الموتۃ کی نفی الموت سے ابلغ تر ہے اسی معنیٰ پر یہ عبارت اقوی اور زیادہ نفی دال ہوگی بہ نسبت موت کی نفی کے لئے گویا فرمایا ہے کہ اس میں موت کی کوئی شے بہشت میں نہیں چکھیں گے یعنی وہاں موت کا نام و نشان تک نہ ہوگا اس تقریر پر یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی بہشت میں موت نہ چکھیں گے صرف وہی پہلی موت جس کا ذائقہ وہ بہشت کے دخول کے پہلے سے چکھ چکے یعنی وہی پہلی موت جس کا ذائقہ دنیا میں مومنوں نے چکھا پھر جب قبر سے اٹھکر بہشت میں داخل ہوں گے پھر انہیں دائمی زندگی نصیب ہوگی لیکن چونکہ قاعدہ ہے جینے کے بعد مرنا ہے اسی لئے وہاں بہشت میں یہ وہم گزرتا تو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی خبر دیدی ہے کہ بس وہی موت تھی جس کا مزہ تم چکھ چکے اب مرا چکھنے کے بعد کوئی موت نہیں اس پہ ان کی زندگی عیش و آرام سے گزرے گی جب وہ سمجھیں گے اب کے بعد ہم نے مرنا نہیں بخلاف اہلِ نار کہ انہیں چین کہاں اسی لئے وہ جہنم میں نہ مریں گے نہ جئیں گے۔

لہ بحر العلوم ۱۲

اعجوبہ بہشت میں دس چیزیں نہیں ہوں گی۔ (۱) بڑھاپا (۲) نیند (۳) موت (۴) خوف (۵) رات (۶) دن (۷) اندھیرا (۸) گرمی (۹) سردی (۱۰) بہشت سے نہ نکلنا۔

فائدہ: ممکن ہے یہ مستثنیٰ متصل ہو اس میں اشارہ ہوگا کہ یہاں موت کا مطلقاً ذائقہ نہ چکھا جائے گا گویا کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی موت نہیں چکھیں گے سوائے اس کے کہ آگے کوئی ذائقہ چکھنے کا امکان ہو لیکن ماضی میں کسی قسم کا ذائقہ موت نہیں سوائے موت اول کے بالخصوص بہشت میں کہ وہ دارالحیاۃ ہے یہ تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول ولا تنکحوا ما نکح آباءکم من النساء الا ما قد سلف میں ہے یعنی جو گزر گیا وہ معاف ہے لیکن اب کے بعد آباء کی ازواج سے نکاح نہ کرنا خلاصہ یہ کہ جنت میں موت کا کوئی ذائقہ نہ چکھیں گے جیسے اس حکم کے بعد اب آباء کی ازواج سے نکاح نہ کریں گے بعض نے کہا یہاں الا بمعنی بعد یا بمعنی سوی کے ہے۔

سوال: اسمیں قبر میں موت و حیات کی نفی ہے۔

جواب: آیت میں موت سے معہود موت مراد ہے جو متعارف ہے کیوں کہ موت متعارف میں دکھ درد ہوتا ہے اور قبر میں احیاء کے بعد موت اس میں موت سے آسان تر ہے[۱]

تردید معتزلہ و وہابیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے آیت میں دلیل ہے کہ موت وجودی ہے کیوں کہ ذوق کا تعلق وجودی شے سے ہوتا ہے اور ذوق وہ ایک احساس ہے جو مطعوم (کھائی ہوئی شے) سے کھانے والے (ذائق) کو محسوس ہوتا ہے اگر وہ وجودی نہیں تو اس کا احساس کیسا۔

فائدہ: اکثر (معتزلہ) اس طرف گئے ہیں کہ موت عدمی ہے اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں وہ میت سے غیر قائم ہے کیوں کہ معدوم محل کا محتاج نہیں اس کی عنقریب تحقیق آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مجاہدہ کی تلوار، شہوات کا قلع قمع اور ترک شہوات سے نفس کی موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے سوائے اسی موت پہلی کے کہ دنیا میں جہاد اکبر میں صدق و صفا کی تلوار سے نفس کو قتل کیا تھا جیسے معدوم پر تلوار جاری نہیں ہوتی ایسے ہی نفس فانی پر بھی تلوار نہیں چلتی اس لئے کہ انسان دو دفعہ نہیں مرتا معلوم ہوا کہ موت اولیٰ سے وہ عدم ہے جو وجود سے پہلے تھا وجود کے بعد عدم محض اور موت کا ذائقہ نہیں چکھا جائے گا۔ کیوں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے وجود ہبہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ عطا کردہ شے سے رجوع نہیں کرتا کیوں کہ وہ غنی محض ہے۔

---

[۱] (الاسئلۃ المقحمہ ۱۲)

سوال : حیوانات کو وجود نصیب ہوگا لیکن احادیث میں وارد ہے کہ انہیں قیامت میں مٹی کر دیا جائے گا اس سے وجود کا عطیہ واپس کرنا ثابت ہوا۔

جواب ۱ : انہیں اسی عام مٹی میں نہیں بلکہ بہشت کی مٹی میں جو ان کے لئے اور نعمت کا اضافہ نصیب ہوگا۔

جواب ۲ : ہم نے وجود اعلیٰ کے واپسی کی بات کی ہے نہ وجودات خسیسہ کی اور حیوانات کے وجودات اعلیٰ نہیں بلکہ خسیسہ ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ (واللہ سبحانہ واللہ اعلم)

تفسیر عالمانہ ووقاھم عذاب الجحیم اور ہم انہیں دوزخ کے عذاب سے بچائیں گے۔

حل لغات : الوقایہ بمعنی شے کو اس سے بچانا جو اسے ایذا و ضرر دے یعنی ہم ان کی دوزخ کی آگ سے حفاظت فرمائیں گے اور آگ کو ان سے پھیر دیں گے یعنی اللہ اہل بہشت کی نگہداشت فرمائے گا اور ان سے دوزخ و عذاب دفع فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں بعد کے عذاب اور ہجران کی دوزخ کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ فضلا من ربک یہ محض تیرے رب کا فضل ہے اس کا منصوب ہونا فعل مقدر کی وجہ سے علی المصدریہ (مفعول مطلق) ہے یا حال ہے یعنی متقیوں کو مذکورہ بالا نعتیں عطا فرمائے گا اور دوزخ سے بچائے گا یہ محض اس کا فضل اور عطا ہے نہ کہ اعمال کی جزاء۔

مسئلہ : بندوں کو جتنی بزرگیاں نصیب ہوتی ہیں وہ اس کا محض فضل ہے کہ اس نے ازل میں اپنے ان بندوں کو ایسے امور کے لئے منتخب فرمایا اور ایسے امور کے عمل کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا اگر اس کی ان کے لئے یہ تخلیق نہ ہوتی یعنی کسب کمالات و تحصیل اکرامات ان کے لئے پیدا نہ فرماتا تو بندے کو کیا مجال کہ وہ انہیں حاصل کر سکتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے بہشت میں داخل نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی عمل دوزخ سے بچائے گا۔ فرمایا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود میں بھی جب تک مجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میں بھی اعمال کے سہارے پر بہشت میں داخل نہ ہونگا جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہو۔

سوال : پھر اعمال صالحہ کا فائدہ بلکہ اس سے تو اعمال صالحہ کی توہین ہوتی ہے۔

جواب : توہین نہیں بلکہ اشارہ ہے کہ کسی کو بھی اعمال صالحہ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ اعمالِ صالحہ

جب ہیں تو پھر بہشت ہی بہشت ہے اور بس یہ تصور غلط ہے بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ وہی اپنے فضل و کرم سے بخشے گا

ردِ معتزلہ و وہابیہ ابن الملک نے فرمایا کہ اس میں معتزلہ کا رد ہے کیوں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ بہشت کا داخلہ اعمالِ صالحہ پر موقوف ہے۔ اہلِ سنت کہتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ ایک نیک طریقہ ہے لیکن اعتقاد یہ ہو کہ بخشش ہو گی تو صرف اور صرف اس کے فضل اور کرم سے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون بہشت میں داخل ہو جاؤ یہ اس کا بدلہ ہے جو تم نیک کام کرتے تھے اسی آیت کے علاوہ اور آیات و احادیث مبارکہ ہیں مذکورہ بالا ہماری بیان کردہ روایت اس کے خلاف ہے۔

جواب: آیت مذکورہ اور اس جیسی دوسری آیات و احادیث کا مقصد یہ ہے کہ اعمال صالحہ بہشت کے داخلہ کا صرف سبب ہیں باقی اس کی علت و ایجاب محض فضلِ ربانی پر ہے جیسے ہم نے مذکورہ بالا آیت میں عرض کیا ہے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تحقیق حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے مواقع النجوم میں فرمایا کہ بہشت کا داخلہ محض فضلِ ربانی پر ہے لیکن اس کے درجات کی تقسیم اعمال صالحہ پر ہے اور اس کا دوام نیات پر ہے یہ تین مقام ہیں۔

(۱) فضلِ رب (۲) اعمال صالحہ (۳) نیات

ایسے ہی دار شقاوۃ میں داخل ہونا محض اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور اس کے عذاب کے طبقات اعمال کے مطابق ہوں گے اور اس کا دوام نیات پر ہے انہیں یہ دائمی عذاب اس وجہ سے ملا جو اس کے اہل تھے کیوں کہ انہوں نے اپنے مالک کی مخالفت کی جیسے اہلِ سعادت کو درجات عالیہ محض اسی لئے نصیب ہوئے کہ انہوں نے اپنے آقا کی موافقت کی جیسے عاصی گنہگار ایک عرصہ کے لئے بھی دوزخ میں جائے گا تو محض اس بنا پر کہ اس نے شرع کی مخالفت کی جس کی اسے سزا ملی ہے۔ ہم تمام اہلِ اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اعمال صالحہ پر لگائے اور اپنے سے حیاء کی توفیق بخشے۔

تفسیر عالمانہ ذلک وہ عذاب ہٹانا و بہشت میں حیات ابدی ھو الفوز العظیم بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس جیسی اور کوئی کامیابی نہیں کیوں کہ اس طرح جمیع تکلیف دہ امور سے بچاؤ اور جملہ مطالب کا حصول نصیب ہو گا الفوز بمعنی حصول سلامت کے ساتھ کامیاب ہونا۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ چونکہ موت اس کامیابی کا وسیلہ ہے بلکہ اس کا دروازہ موت ہی ہے اسی لئے وارد ہے "الموت تحفۃ المؤمن" موت مومن کا تحفہ ہے اگرچہ وہ ایک وجہ سے ہلاکت ہے

لیکن درحقیقت وہ بہت بڑی کامیابی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ موت ہر ایک کے لئے بھلائی ہے اہل ایمان کے لئے تو یوں کہ وہ دنیا کی قید سے چھوٹ گیا اور دائمی نعمتوں اور جنات کے باغ میں پہنچ گیا اور عاصی کو اس لئے کہ دنیا میں رہکر گناہوں میں اضافہ کر رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے کہا ہے ۔

" نُمْلِیْ لَہُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا " ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ گناہوں میں بڑھیں اور گناہوں کا اضافہ عذاب کا سبب ہے ۔ اس سے وہ بچ گیا ۔

شیخ سعدی نے فرمایا ؎

۱ : نکو گفت لقمان کہ نا زیستن
بہ از سالہا بر خطا زیستن

۲ : ہم از بامداد ان در کلبہ بست
بہ از سود و سرمایہ دادن ز دست

(۱) خوب فرمایا لقمان نے کہ اس زندگی سے موت بھلی کہ جس جینے (زندگی) کے سالوں بھر گناہوں میں گذرے
(۲) صبح سے ہی اس دوکان کو بند رکھنا چاہیے جس میں سود اور اصل سرمایہ بھی ہاتھ سے جانے کا خطرہ ہو

تفسیر عالمانہ :

" فانما یسرنا بلسانک " ، پس بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے آپ کی زبان سے یہ سورۃ کا خلاصہ ہے بلکہ اس کا نتیجہ ہے اور زبان دراصل بولنے کے آلہ کو کہتے ہیں لیکن یہاں پہ استعارۃً بمعنی لغت ہے جیسے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی " لسان اھل الجنۃ العربیہ " اہل جنۃ کی بولی عربی ہو گی ۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے کتاب مبین کو آسان بنایا ہے کہ اسے تمہاری بولی میں اتارا ہے ۔
" لعلھم یتذکرون " تاکہ وہ نصیحت پائیں تاکہ اسے تمہاری قوم سمجھ سکے اور اس کے موجب پر عمل کرے اس کے باوجود اگر وہ ایسا نہیں کرتے " فارتقب " تو اس کا انتظار کیجئے جو تقدیر کے مقدر کردہ امور میں سے ان پر نازل ہونے والے ہیں اس لئے کہ ان کے دیکھنے سے عارفین کو عبرت اور متقین کو نصیحت حاصل ہوئی ۔

" انھم مرتقبون " بے شک وہ بھی اس کا انتظار کرنے والے ہیں جو آپ کو حاصل ہو گا یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ بھی حوادث کا شکار ہوں گے اسی لئے وہ اس کے انتظار میں ہیں کہ معاذ اللہ آپ ان حوادث میں کب مبتلا ہوں حالانکہ آپ کا تو کچھ نہ بگڑے گا ہاں وہ حوادث کا شکار ضرور ہوں گے بلکہ عنقریب آپ تو اپنی مراد پائیں گے لیکن وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے کیوں کہ آپ کو تو نصرت یزدان نصیب ہو گی اور وہ قہر حق کا نشانہ ہو کر غیر متناہی عذاب میں مبتلا ہوں گے ظاہر ہے کہ دوستوں کو لحظہ بہ لحظہ فتح از دوستان نصیب ہوتی ہے اور دشمنوں کو ہر دم رنج والم پہنچتی رہتی ہے ؎

تابعانرا وعدہ حسن المآب
منکرانرا ہیبت ذوقوا العذاب

ترجمہ: تابعداروں کو بہتر انجام کا وعدہ ہوتا ہے ذوقوا العذاب (عذاب چکھو) کی ہیبت منکروں کو ہوتی ہے

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے آپ ثواب کا انتظار کیجئے جیسے وہ عذاب کا انتظار کرتے ہیں۔ کیوں کہ بُرے کو بُرائی کی وجہ بُرے انجام کا انتظار ہوتا ہے بہر حال ہر دونوں تقریروں پر ارتقاب کا مفعول محذوف ہے۔

فوائد الآیۃ (۱) آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ قرآن میں آسانی ہے کیوں کہ تیسیر تعسیر کی ضد ہے لیکن دوسری آیت میں ہے ؎ انا سنلقی علیك قولا ثقیلا عنقریب ہم تجھ پر ایک ثقیل قول نازل کریں گے۔ بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زبانی پڑھنے کے لحاظ سے آسان ہے لیکن اس کے اندر وہ امور جو عمل کے لئے درج ہیں وہ مکلفین کے لئے ثقیل ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل بہ نسبت پڑھنے کے سخت ہوتا ہے۔ حکایت ذیل اسی وجہ سے لطیفہ بن گئی۔

حکایت کسی بخیل مولوی کا لڑکا بیمار ہو گیا اسے کہا گیا کہ کوئی قربانی کرو تاکہ تیرے بچہ کو شفا ہو اس نے کہا میں اس کے لئے قرآن پڑھوں گا ایک ولی اللہ نے جب اس بخیل مولوی کی بات سنی تو فرمایا اس نے قرآن پڑھنا اس لئے اختیار کیا کہ قربانی کرنے کے بہ نسبت وہ آسان ہے کیوں کہ قرآن پڑھنے کا تعلق زبان سے ہے اور مال خرچ کرنے کا دل سے بلکہ مال کی محبت دل میں مرکوز ہے اسی لئے مال کا اس سے نکالنا سخت تر محسوس ہوتا ہے

(۲) بلسانک (تیری زبان سے) میں اشارہ ہے کہ اگر وہ کریم اپنا کلام اپنی مخلوق کو بلا وسیلہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سناتا تو وہ مر جاتی کیوں کہ کلام الٰہی کا بلا واسطہ سننے کی ان میں برداشت کا مادہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عام بشروں جیسے نہیں بلکہ وہی ثابت ہوتا ہے کہ شکل بشری لیکن ان کی حقیقت نور ہے۔

ف؎ واقعہ خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اسی کے مطابق ہے وہ یہ کہ آپ کی خدمت میں دو مرید حاضر ہوئے ایک نے مسواک دوسرے نے دو روپیہ نذر گزارے۔ کھانا بھی مختلف آیا۔ مسواک والے کو دال، دو روپے والے کو گوشت۔ دال والا بگڑ کر پیر صاحب کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے دال بھجوائی اسے گوشت یہ تفریق کیوں آپ نے فرمایا کہ تو نے جال کی جڑ کاٹی لہٰذا اس نے دل کی جڑ کاٹی اس کے قلب کی مرہم پٹی ضروری تھی اور تجھے نہ زخم ہوا نہ مرہم پٹی کی ضرورت محسوس ہوئی

احسان عظیم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کو آسان کر کے ہیں پڑھنے کی توفیق نہ بخشتا تو ہم میں کوئی بھی اسے نہ پڑھ سکتا (یہ اس کا عظیم احسان ہے) ورنہ ہم میں کسی کو بھی قرآن مجید کے ایک حرف پڑھنے کی بھی طاقت نہ ہوتی۔ بات حق بھی ہے کیوں کہ وہ لم یزل ولایزال ذات کا کلام ہے پھر کہاں ہم فانی کہاں اس کا کلام باقی۔

فائدہ حضرت ابن عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کا پڑھنا اس پر آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اگر کسی کے لئے نہ چاہے تو وہ اس کا ایک حرف بھی نہ پڑھ سکے (حافظ قرآن اور اس کی تلاوت سے مشرف ہونے والے حضرات بڑے خوش بخت ہیں جو اس مقدس کلام کی تلاوت سے سرشار ہوتے ہیں۔) یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے کہ بعض حضرات قرآن مجید کو پڑھتے پڑھتے تھکتے ہی نہیں یہاں تک کہ ہم نے بعض حفاظ کیلئے سنا بلکہ آنکھوں سے دیکھا کہ وہ سوتے میں بھی کلام الٰہی سے ان کی زبان جاری ہے یہاں تک کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت ان کو زبان کو پکڑنا پڑتا اور بعض وہ بدبخت کہ جن کو اس کا حرف پڑھنا بھی نصیب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا بھی نہیں کہ اس کا کلام اس کی زبان پر جاری ہو

(۳) لعلھم یتذکرون سے ثابت ہوتا ہے کہ معتزلہ کا مذہب حق ہے کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کے لئے ایمان کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اس کے ارادہ کے خلاف کافر ہو جاتے ہیں، اہلسنت نے اس کا یہ جواب دیا کہ ھم کا مرجع ایک مخصوص قوم ہے یعنی وہ اہل ایمان جن کے لئے ازل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کا ارادہ کر لیا تھا۔ فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ اس جواب میں اعتراض ہے آیت کا مابعد جواب مذکور کے منافی ہے کیوں کہ وہ اگر علم الٰہی میں مومن ہوتے تو ایمان لاتے لیکن پھر بھی نہیں لائے ایسے ہی ان کے لئے عذاب کے انتظار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم نہ ہوتا ہاں اس کی تقریر یوں ہے کہ لعلھم یتذکرون علت ہے بایں معنی کہ ہلے قوم سمجھے اور پھر اس پر عمل کرے یا یہ معنی ہے تاکہ وہ یاد کر کے اس سے نصیحت پاکر عذاب کو دور ہوتے دیکھ کر حسب وعدہ ایمان لائیں۔

معتزلہ کی طرح اس کا ارادہ سے تفسیر کرنا خطا ہے کیوں کہ ارادہ تو مراد کو مستلزم ہے اور یہاں مراد نہیں اسی لئے اس کی ارادہ سے تفسیر کرنا غلط ہوا۔

(۴) دکھ تکلیف میں شکھ اور کشادگی کا انتظار عبادت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ کشادگی کا انتظار ایمان میں سے ہے۔

سورۃ دخان کے فضائل و خواص

اس سورۃ کریمہ کے فضائل میں آثار صحیحہ وارد ہیں۔

(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شب

جمعہ کو سورۃ دخان پڑھی تو وہ صبح سے پہلے مغفور لہ ہو گیا یعنی صبح ہوتے ہی وہ بخشا گیا اس معنیٰ پر یہاں اصبح تام رہے بمعنی دَخَلَ فی الصباح کیوں کہ اگر اسے ناقصہ بنایا جائے تو اب معنیٰ یہ ہو گا کہ اسے صبح کے وقت بخشش حاصل ہو گی یہ مطلب صحیح کے خلاف ہے اور اصبح یعنی صار کے معنیٰ میں ہو تو اس کی ممانعت بھی نہیں۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے رات کو سورۃ دخان پڑھی تو صبح تک اس کے لئے ستر ہزار فرشتے بخشش مانگتے رہیں گے ان دونوں حدیثوں کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے۔ پہلی حدیث امام ترمذی نے تخریج فرمائی۔

(۳) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا کہ جس نے سورۃ دخان شب جمعہ یا دن جمعہ کو پڑھی تو بہشت میں اس کے لئے مکان تیار کیا جائے گا۔

فائدہ: بہشت میں مکان کی تیاری کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے یعنی ملائکہ کو حکم فرمائے گا کہ قرأۃ دخان کے صلہ میں بہشت میں اس شخص کے لئے بہت بڑا گھر تیار کرو جو بہت اونچا ہو اور اسے دُر و یاقوت سے مرصع کیا جائے ایسا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی نے سُنا ہو بلکہ کسی دل میں اس کا تصور بھی نہ آسکے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے چونکہ عموماً انسان رات گھر میں بسر کرتا ہے لیکن اس شخص کو سورۃ دخان کی تلاوت نے گھر کی شب باشی سے روک لیا اسی لئے اس کی جزاء میں اسے بہشت میں بہترین گھر عطا ہو گا تاکہ اسے عمل جیسی جزاء نصیب ہو اسی معنیٰ پر نہار (دن) کو محمول کیا جائے گا یعنی جس روایت میں اس کے دن کو پڑھنے کا ثواب مذکور ہے اس کی بھی یہی تقریر ہو گی۔ اسے اچھی طرح سمجھئے وہی اپنی رضا اور اپنی آیات کی تلاوت اور اپنی آیات بینات کے حقائق پر عمل کی توفیق بخشنے والا اور اہلِ عنایت کو وہی مدد دینے والا ہے۔

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے سورۃ دخان کی تفسیر سے ۵ شعبان ۱۲۱۳ھ میں فراغت نصیب ہوئی۔

للہ الحمد علی ذلک وصلے اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور - پاکستان ۱۹۸۰ء

سورۃ الجاثیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ○ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ○
اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَفِیْ
خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○
وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ
فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ
لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ
فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ وَیْلٌ لِّكُلِّ
اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ○ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ
مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○
وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئَا اتَّخَذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ وَلَا یُغْنِیْ
عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَوْلِیَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ هٰذَا هُدًی وَالَّذِیْنَ
كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ○

سورۃ الجاثیہ مکی ہے اس میں چار رکوع، ۳۷ آیات ۴۸۸ کلمے ۲۱۹۱ حروف ہیں سوا ایک آیت قل للذین الخ کے

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

ترجمہ: کتاب کا اُتارنا ہے اللہ عزت وحکمت والے کی طرف سے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے اور تمہاری پیدائش میں اور جو جو جانور وہ پھیلاتا ہے ان میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لیے اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں اور اس میں کہ اللہ نے آسمان سے روزی کا سبب مینہ اُتارا تو اس سے زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کیا اور ہواؤں کی گردش میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم تم پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ پھر اللہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔ خرابی ہے ہر بڑے بہتان والے گنہگار کے لیے۔ اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے کہ اس پر پڑھی جاتی ہیں پھر ہٹ پر جمتا ہے۔ غرور کرتا گویا کہ انہیں سنا ہی نہیں تو اسے خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی اور جب ہماری آیتوں میں سے کسی پر اطلاع پائے اس کی ہنسی بناتا ہے ان کے لیے خواری کا عذاب۔ ان کے پیچھے جہنم ہے اور انہیں کچھ کام نہ دے گا ان کا کمایا ہوا اور نہ وہ جو اللہ کے سوا حمایتی ٹھہرا رکھے تھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ راہ دکھاتا ہے اور جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا ان کے لیے دردناک عذاب میں سے سخت تر عذاب ہے۔

تفسیر عالمانہ

حم یعنی یہ وہ سورت ہے جس کا نام حم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے حاء میں اس کی حیات اور میم میں اس کی مؤدت کی طرف اشارہ ہے" گویا اس نے فرمایا مجھے اپنی اس محبت و مؤدت کی قسم ہے جو مجھے اولیاء کرام سے ہے مجھے اولیاء کرام کی ملاقات کی محبت سے بڑھ کر اور کوئی شئے نہیں اور ان سے معزز تر اور کوئی شئے نہیں اور ایسے ہی میرے محبوبوں کا طریقہ ہے کہ ان کے ہاں میری ملاقات سے بڑھ کر اور کوئی شئے نہیں۔

فائدہ ، عرائس بقلی میں ہے حا اس کے بحر حیات پر دلالت کرتی ہے جس میں جملہ ارواح حیران ہیں اور میم اس کی محبت کے میدان پر دلالت کرتا ہے جس میں اسرار و رموز سرگرداں ہیں۔

صاحب روح البیان کی تحقیق

فقیر (صاحب روح قدس سرہ) کہتا ہے کہ حا حب قدیم ازلی کی طرف اشارہ ہے اس لئے وہ پہلے ہے اور میم میں محبت ابدیہ کی معرفت کی طرف اشارہ ہے اسی لئے اسے بعد میں لایا گیا ہے۔ اس پر داؤد علیہ السلام کیلئے

زبان اپنی دلالت کرتا ہے چنانچہ فرمایا۔

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف۔

میں مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس کے بعد میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ پہچانا جاؤں۔

فائدہ : حدیث شریف میں محبت معرفت سے مقدم ہے یہ نزولاً مقدم ہے لیکن عروجاً موخر ہے جیسا کہ اہل ذوق سے مخفی نہیں۔ تنزیل الکتاب، کتاب کو نازل کرنا ہے کتاب سے قرآن مراد ہے جو سورتوں پر مشتمل ہے اور کتاب مطلق جب مستعمل ہو تو اس سے قرآن مراد ہوتا ہے بالخصوص یہاں اس صورۃ میں کتاب سے قرآن مجید مراد ہے یہ مبتدا ہے "من اللہ" خبر ہے اس سے ثابت ہوا کہ قرآن حق اور صدق پر مبنی ہے "العزیز" اللہ غالب ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ غالب معجزہ ہے کسی سے مغلوب ہونے والا نہیں "الحکیم" حکیم ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ قرآن بہت بڑی بلند قدر حکمتوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ اور ن کا ناسخ ہے اسے کوئی شے منسوخ نہیں کر سکتی یہ ایسے نہیں جیسے باطل لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شعر ہے یا کہانت ہے یا یہ اس کی طرف سے ہے جس کا معارضہ ممکن ہے اور یہ کہا جائے کہ یہ ان کلاموں سے ہے جو پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہوتی تھیں۔ جیسے رستم و اسفندیار وغیرہ کے قصے اس لئے اس کی قدر و منزلت پہچاننی لازم ہے۔ نیز ضروری ہے کہ اس سے انسان کا سینہ پُر ہو۔

حکایت حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے بازار سے گزر رہے تھے کہ بازار میں اس کے دوست کا نام ایک کاغذ پر لکھا ہوا قدموں کے نیچے روندا جا رہا تھا یہ دیکھ کر پریشان ہوئے اس کاغذ کو اٹھا کر اسے چوما اور آنکھوں پر لگایا پھر اسے خوشبو سے معطر کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا پھر کبھی اسے سینے سے لگاتے اور کبھی آنکھوں سے لگاتے یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک شخص ملا جو زمین پر پڑا ہے سرہانہ اینٹ آنکھوں سے آنسو جاری اور وہ زادِ راہ کے بغیر تھا۔ یہ حالت گویا اس کی حالت سکرات کی تھی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سرہانے بیٹھ کر پڑھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون شاید اس سے اس کی حالت میں تغیر آجائے اس نوجوان نے آنکھ کھول لی اور کہا کہ اے شبلی! جس دوست کا نام تو کاغذ پر لکھ کر پڑھتا رہتا ہے اس کا نام مبارک میرے دل پر کندہ اور منقوش ہے میں اسی کو دیکھتا رہتا ہوں اور اسی کو پڑھتا رہتا ہوں۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے ؎

سرِ عشق یارِ من مخفی بود در جانِ من
کس نداند سرِ جانم بجز جانانِ من

ترجمہ : میرے محبوب کے عشق کا راز میری جان میں ایسا پنہاں ہے کہ سوائے میرے محبوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر عالمانہ ان فی السمٰوٰت والارض بے شک زمین و آسمان اور ان کے اندر جو کچھ بھی ہے پیدا کرنا آثار قدرت ہے مثلاً ستارے پہاڑ، دریا اور ان جیسی اور اشیاء لآیٰت للمؤمنین ایمان والوں کے لئے آیات ہیں یعنی اہل تصدیق کے لئے ربوبیت کے شواہد اور اہل توفیق کے لئے الٰہیۃ کی دلیلیں ہیں۔

فائدہ: صرف اہل ایمان کی تخصیص ان کے آیات سے انتفاع کی وجہ سے ہے اور چونکہ یہی مخلوق سے خالق اور مصنوع سے صانع کے وجود پر استدلال کر کے اس کی توحید بیان کرتے ہیں اور مسلمان کا یہی پہلا باب ہے اسی لئے ایمان کو ایقان پر مقدم کیا ہے پہلی آیت میں لفظ خلق کا محذوف کرنا اور دوسری میں ظاہر کرنا دلالت کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا مشاہدہ مخلوق کے بس سے باہر ہے اگرچہ وہ بھی ان کی طرح مخلوق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ما اشھدتھم خلق السمٰوٰت والارض میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں انہیں شاہد نہیں بنایا بخلاف انسان اور اس جیسی دیگر مخلوق کے جیسے حیوانات تو جیسے ان سے خالق پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ ان کی تخلیق کا مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے جب کہ ہم اس کی پیدائش اور توالد (ایک دوسرے سے پیدا ہونا) کو دیکھ رہے ہیں اس معنیٰ پر اس میں مخلوقیہ بہ نسبت پہلی آیت کے مخلوق کی مخلوق یعنی آسمان و زمین) کے اظہر ہے۔ مجھے اسی طرح سمجھ آیا ہے۔ ویسے حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اس کے متعلق مزید تحقیق آئے گی۔ (انشاء اللہ)

وفی خلقکم اور تمہارے پیدا کرنے میں نطفہ سے پھر علقہ سے ایسے پھر مختلف طور اطوار سے (جس کی تفصیل اٹھارویں پارے کی آیات میں گزری ہے) وما یبث من دابۃ اس کا عطف مضاف پر ہے نہ کہ مضاف الیہ پر کیوں کہ اگر مضاف الیہ پر عطف مانا جائے تو کلمہ کے بعض جز کا عطف ڈالنا لازم آتا ہے کیوں کہ مضاف مضاف الیہ اضافت کے وقت جار مجرور کی طرح ایک کلمہ سمجھے جاتے ہیں۔

فائدہ نحویہ سعدی مفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجرور پر عطف بلا اعادہ حرف جارہ کے منع ہے۔ سیبویہ اور جمہور بصریوں کا یہی مذہب ہے اسے کوفیوں اور یونس و اخفش نے جائز رکھا ہے اور ابوحیان نے کہا کہ یہی شلوبین کا مختار ہے اور یہی صحیح ہے بعض نحویوں نے فرق کیا ہے وہ یہ کہ مجرور پر عطف جائز ہے۔ جب وہ مجرور بالاضافہ ہو اگر مجرور بحرف الجر ہو تو پھر نا جائز ہے۔

آیت کا معنی یہ ہے کہ جس دابہ کو بھی اللہ زمین پر پھیلاتا اور چلاتا ہے اس کے پیدا کرنے میں "دابۃ" ہر وہ شے جو حیوان کی قسم سے زمین پر چلے یعنی وہ حیوان جو صورتوں و شکلوں اور کثرت الانواع کے لحاظ سے مختلف ہیں یہاں اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہ ہونا اس سے قرب عہد کی وجہ سے ہے بخلاف " وما انزل اللہ" الخ کے جیسا کہ آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آیات مرفوع مبتدا ہے خبر مقدم ہے اور اس جملہ کا عطف ما قبل کے اس جملہ پر ہے جو ان سے شروع

کیا گیا ہے۔ لقوم یوقنون اس قوم کے لئے جو یقین رکھتی ہے یعنی ان کی شان یہ ہے کہ اشیاء پر اسی طرح یقین رکھتے ہیں جیسا کہ وہ ہیں۔ یقین معرفت و درست و عزم کا ہے اور پکے علم کا نام ہے۔ ایمان و ایقان کے درمیان بہت بڑے فرق ہیں اور ایمان کی حقیقت وہی یقین ہے جب ایمان کو یقین نصیب ہو۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے کیا کہا: اللھم انی اسئلک ایماناً یباشر قلبی و یقیناً لیس بعدہ کفر۔ اے اللہ میں اس ایمان کا سوال کرتا ہوں جو میرے قلب پر اثر کرے اور ایسے یقین کا سوال ہے جس کے بعد کفر نہیں ہو سکتا۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ للموقنین کو للمؤمنین کی طرح نہیں فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ایقان والے بہ نسبت ایمان والوں کے قلیل ہیں ایقان کو خلق انفس سے مخصوص فرمایا کیوں کہ اس کے ماقبل ایمان کو آفاق سے تعلق ہے آفاق وہ ہے جو انسان کے خارج ہو اور انفس وہ ہے جو انسان کے داخل سے متعلق ہو اور یہ درجات ایمان میں اخص ہے کیوں کہ انسان کا ایمان مرتبۂ آفاق میں مکمل ہو جاتا ہے تو پھر مرتبۂ انفس کے مشاہدہ میں ترقی کرتا ہے اور یقین کا کمال اسی مرتبہ میں ہے نہ کہ پہلے مرتبہ میں کیوں کہ انسان داخل میں خارج کے علم سے زیادہ قوی ہے۔ کیوں کہ داخل کے علم کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا یہی وجہ ہے کہ علم ضروری استدلالی سے قوی تر ہے۔ خلق الدواب کو خلق انسان میں ملا کر بیان کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ جنس میں مشترک ہیں (اسے اچھی سمجھ کر ضبط کر لے)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب انسان اپنی حق استعداد ظاہری و باطنی پر گہری نظر ڈالے اور سمجھے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم میں پیدا کیا ہے اور فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قد و قامت کیسی اچھی اور اس کی صورت کتنی بہترین بنائی ہے اور اسے اعلیٰ سیرت سے نوازا ہے اور عقل کامل بخشی ہے اور اسے دوسری مخلوق سے ممتاز رکھا ہے اس کے جوارح (اعضاء) اور جسم کا ہر ہر جوڑ کتنا اعلیٰ تیار فرمایا ہے حالاں کہ دوسرے جانور بھی اس کی مخلوق ہے لیکن ان کے اعضاء و اجزاء و اوصاف اور طبائع انسان سے گھٹیا درجے کے ہیں اس سے سمجھ جائے گا کہ انسان جمیع مخلوق سے ممتاز ہے وہ جن ہوں یا حیوانات اسے فہم و عقل و تمیز وافر بخشی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے ایمان کی دولت سے نوازا ہے اگر غور کیا جائے ملائکہ سے بڑھ کر ہے کہ اس نے امانت کا بوجھ اٹھایا اسے اسماء کے علم سے نوازا گیا اور پھر اہل صفوۃ (بزرگوں) کو مکاشفات و مشاہدات و معاینات و انواع تجلیات اور وہ امور بخشے جس سے وہ خلافت کا مستحق ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ اسے کیسے مناقب و کمالات سے مخصوص کیا گیا ہے اور کیسے فضائل سے اسے منفرد بنایا گیا ہے تب اسے یقین ہو گا کہ ہاں انسان کو اللہ تعالیٰ نے مکرم اور اپنی بہت سی مخلوق سے افضل بنایا یہی ملک کے جنگلوں اور ملکوت کے دریاؤں میں محمول العنایۃ ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ہے

۱۔ اے راز نہ فلک ز وجودت عیاں ہمہ
در دامن تو حاصل دریا و کان ہمہ

۲۔ اسرار چار دفتر و مضمون نہ کتاب
در نقطۂ تو ساختہ ایزد نہان ہمہ

۳۔ قدوسیان بحکم خداوند امر و نہی
پیش تو سر گزاشتہ بر آستاں ہمہ

۴۔ برائے روحانیاں تماشائے جلوہ ات
چوں کودکان بر آمدہ بر آسماں ہمہ

ترجمہ۔ ۱۔ نو آسمانوں کا راز تیرے وجود سے عیاں ہے۔ تیرے دامن میں ہیں دریا بلکہ جملہ اشیاء
۲۔ نو کتابوں (صحیفوں) اور چار دفتر (مشہور کتب توراۃ انجیل، زبور، قرآن) تیرے ایک نقطہ میں چھپا رکھے ہیں۔
۳۔ بحکم خداوند تعالیٰ قدوسی تیرے آستانے پر سر جھکائے ہوئے ہیں۔
۴۔ روحانی فرشتے تیرے جلوے کے تماشائی ہیں ایسے جیسے بچے تماشہ دیکھتے ہیں وہ آسمان میں تیرا تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہیں۔

تفسیر عالمانہ

(واختلاف اللیل والنہار) اور رات دن کے اختلاف میں یعنی ان کے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے میں اور لمبے اور چھوٹے ہونے میں اور رات کے سیاہ ہونے اور دن کے سپید ہونے میں (وما انزل اللہ من السماء) اور وہ جو نازل کیا ہے آسمان سے) اس کا عطف اختلاف پر ہے۔ "من رزق" رزق سے اس سے بارش مراد ہے۔ کیونکہ وہی رزق کا سبب ہے اور اسے مطر اس لئے تعبیر کیا ہے کہ تنبیہ ہو کہ وہ از جہت قدر و رحمت آیت ہے فاحیا بہ الارض تو اسی سے زمین کو زندہ کیا) بایں طور کہ اس سے کسی قسم کی کھیتیاں اور ثمرات و نباتات نکالے۔ بعد موتہا اس کی موت (ویرانی) کے بعد یعنی اس کے خشک ہو جانے اور آثار حیات اور بڑھنے کی قوت سے اور اس کے درختوں کے میوہ جات دینے سے خالی ہو جانے کے بعد زمین کی رطوبت کو روح حیوانی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے وہ مبدأ التولید ہے ایسے زمین کی تر و تازگی کے لئے پانی مراس کے خشک ہونے کو زوال روح تشبیہ سے دی گئی ہے کہ جیسے روح جسم سے نکل جانے کے بعد جسم بیکار ہو جاتا ہے ایسے ہی زمین سے رطوبت آبی ختم ہو جانے پر وہ بیکار ہو جاتی ہے

تفسیر صوفیانہ اسمیں قلوب کی زمین کی طرف اشارہ ہے کہ انسان از وقت ولادت سے لے کر سن بلوغ تک۔) پر استیلاء بشریت ہے۔ اسکے لئے مامس عذر سے محروم ہے جس سے اسے حقیقی زندگی نصیب ہوتی ہے یعنی اور امر و نواہی شرع کر ان میں نو دا یان رکھا ہوا ہے جو اسی سے ہی قلوب کی زندگی ہے بعد بلوغت ان قلوب پر رحمت کی بارش برستی ہے جس سے وہ رزق پاکر حیاۃ معنویہ حاصل کر لیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ و تصریف الریاح اور ہواؤں کا پھیرنا یعنی ان کا ایک طرف سے دوسری طرف پھیرنا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، تبدیل ہونا کیوں کہ بعض ہوائیں مشرقیہ ہیں بعض مغربیہ بعض جنوبیہ ہیں بعض شمالیہ بعض گرم ہیں اور بعض سرد بعض نافعہ ہیں بعض ضارہ (ضرر رساں)

سوال ، ہواؤں کا ذکر بعد کو کیوں حالانکہ عموماً ہوائیں بارش سے پہلے ہوتی ہیں۔

جوابؔ ؛ تاکہ ثابت ہو کہ یہ مستقل آیت (دلیل بر وجود باری تعالیٰ) ہے اگر اسے پہلے اور بارش کا ذکر بعد کو ہوتا تو اسے علیحدہ دلیل نہ سمجھا جاتا بلکہ ثابت ہوتا کہ بارش اور ہوا دونوں ایک آیت (دلیل) ہیں۔

جوابؔ ، ہواؤں کا پھیرنا اور تبدیل ہونا آیت (دلیل) صرف اس لئے نہیں کہ وہ بارش کے اٹھانے کا مبداء ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی اس میں بہت سے منافع ہیں مثلاً دریاؤں میں کشتیوں کا چلانا وغیرہ آیات لقوم یعقلون عقلمند قوم کے لئے آیات ہیں یہ مبتدا ہے اس کی خبر جار مجرور مقدم ہے اس کا عطف ماقبل پر ہے آیات کا تینوں مقامات پر نکرہ ہونا تفخیم کے لئے ہے کماً بھی کیفاً بھی۔

العقل وہ قوت جو علم کو قبول کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے اور اس علم کو بھی عقل کہا جاتا ہے جس سے انسان فائدہ پائے۔

فائدہ : سیدنا علی المرتضیٰ نے فرمایا۔

عقل دو قسم ہے (۱) مطبوع (۲) مسموع

عقل کا کوئی فائدہ نہیں جب تک عقل مسموع نہ ہو جیسے سورج کی روشنی تب فائدہ دے گی جب آنکھ کی روشنی ہو۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عقل سے مکرم تر اللہ تعالیٰ نے کوئی شئے پیدا نہیں فرمائی اور عقل سے کوئی شئے بڑھ کر نہیں جو اسے صحیح راستہ بتائے اور بڑے امور سے روکے۔ آیت۔ (وما یعقلہا الا العالمون) انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے) میں بھی عقل مراد ہے۔

قاعدہ : جہاں کفار کے عقل کی مذمت ہے وہ عقل مراد ہے جس سے نفع نہ ہو نہ کہ دوسرا جو اوپر

مذکور ہوا اور جہاں بندے سے بے عقلی کی وجہ سے تکلیف شرعی مرفوع ہے وہاں وہ عقل مطبوع مراد ہے
اب معنی یہ آیات ایسی قوم کے لئے ہیں جو چشم عقول سے دیکھتے اور عبرت حاصل کرتے ہیں کیوں کہ یہ اپنے
صانع کے وجود اور اس کی عظیم قدرت اور بلیغ حکمت کے واضح دلائل ہیں۔
فائدہ ؛ عقلاء اس لئے مخصوص ہیں کہ دلائل پر واقفیت حاصل کرنا انہی کے لئے ممکن ہے۔
نکتہ : فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ عقل کو ایمان والیقان سے موخر لانے
میں نکتہ یہ ہے کہ یہ دلیل علوی سفلی اور ان کے درمیان والے امور کے لئے دائر ہے اور عقل کو ان میں دخل
ہے کہ ان سب کو عقل سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اور یہ ایمان والیقان کے درمیان بھی مشترک ہے (اسے اچھی
طرح سمجھ لے)۔
فائدہ اللہ تعالیٰ نے علوم دینیہ کو کسبیہ بنایا ہے تاکہ اس سے دلائل قدرت معلوم ہوسکیں اور علوم
موہبیہ سے شواہد حاصل محقق ہوتے ہیں جو ان دونوں کو عمل میں نہیں لاتا وہ سیدھے راستے سے بھٹک
جاتا ہے اور نار جحیم میں جاگرتا ہے دنیا میں حیرت اور اندھی تقلید میں گزرے گا۔ آخرت میں دائمی عذاب کی وعید
میں مبتلا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل دلائل وشواہد سے بنائے اور ہر منکر اور باغی کے اندھے پن کی تقلید
سے بچائے۔ وہو آخرو واحد ہے۔

تفسیر عالمانہ

تلک۔ وہ آیات قرآنیہ جو اوّل سورت میں بیان ہوئیں یہ مبتداء اور اس کی خبر
"آیات اللہ" ہے۔ یہ وہ آیات ہیں جو آیاتِ تکوینیہ پر متنبہ کرتی ہیں نتلوھا علیک
ہم آپ کے سامنے پڑھتے ہیں جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے درانحالیکہ "بالحق"، وہ حق کے ساتھ متلبس ہیں
یعنی وہ ان سے حق پاتے ہیں یا یہ کہ وہ آیات صدق اور حق سے متلبس ہیں اور باطل وکذب سے بعید ہیں۔
فائدہ : بحر العلوم نے فرمایا کہ نتلوھا علیک حال اور اس کا عامل اسم اشارہ ہے گویا معنٰی یہ ہوا کہ ہم ان
کی طرف اشارہ کرتے ہیں آپ پر تلاوت کی ہوئی آیات وہ ہیں جو حق سے متلبس ومقترن اور باطل
ولعب وہزل سے بعید ہیں جیسے خود فرمایا " وما ھو بالھزل (وہ ہزل نہیں) نیز یہ بھی ممکن ہے
کہ یہ اشارہ دلائل مذکورہ کی طرف ہو یعنی وہ واضح دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدۃ اور
قدرت وعلم وحکمت دلالت کرتے ہیں ہم آپ پر یہ عبارت پڑھتے ہیں جو انہی دلائل پر دلالت کرتی ہیں۔
فبای حدیث تو کونسی باتوں اور خبروں میں سے بعد اللہ وآیاتہ (اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے بعد)
اللہ تعالیٰ کا اسم پاک محض تعظیم کے لئے لایا گیا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں۔ اعجبنی زید وکرمہ -
(مجھے زید اور اس کے کرم نے تعجب میں ڈالا ہے۔) اس سے مراد صرف کرم ہے زید محض تعظیماً لایا گیا

لہ : المفردات ۱۲۔

ہے اس کی نظیر قرآن مجید میں دوسرے مقام پہ ہے فرمایا۔ "واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله" جان لو
وہ جو تم غنیمت حاصل کرتے ہو اسمیں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے یہاں بھی اسم الٰہی محض تعظیم کے
لئے ہے اس کی بحث ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ازالہ وہم

ابن حیان کا کہنا ہے کہ یہ اسم لیے موقعہ پہ زائد ہے غلط ہے یا اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ کی
بات کے بعد جیسے دوسری آیت میں فرمایا۔ "اللہ نزل احسن الحدیث" اللہ تعالیٰ نے
اچھی بات نازل کی ہے تو اس حدیث سے مراد قرآن ہو گا اور عطف محض تغایر عنوان کی وجہ سے ہے
"یؤمنون" کونسی خبر پہ ایمان لائیں گے یعنی جب قرآن جملہ کتب آسمانی میں سے اعلیٰ معجزہ ہے اور وہ
ان کے ہاں پڑھا جا رہا ہے اس پہ بھی وہ ایمان نہیں لاتے تو پھر کونسی بات سن کر ایمان لائیں گے۔
بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)
آخری نبی ہیں تو جب یہ لوگ ان پہ ایمان نہیں لاتے تو پھر کس پر ایمان لائیں گے جب کہ ان کے بعد نہ کوئی کتاب
نازل ہو گی اور نہ ہی کوئی اور نیا نبی آئے گا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ قلب میں ایمان کا حصول اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ناممکن
ہے جب تک کسی کے دل میں ایمان وہ خود نہ لکھے اور آیات نہ دکھلائے دولت
ایمان نصیب نہیں ہوتی نہ تو یہ دلائل منطقیہ سے حاصل ہوتا ہے براہین عقلیہ سے۔

سوال رازی جواب نجم الدین کبریٰ

حضرت امام فخر الدین رازی نے حضرت نجم الدین
کبریٰ قدس سرہ سے پوچھا کہ آپ کو عرفان ربانی
کیسے نصیب ہوتا ہے آپ نے فرمایا ایسے واردات سے کہ جب وہ قلوب پہ وارد ہوتے ہیں تو ان کی
تکذیب سے نفوس عاجز ہو جاتے ہیں۔

سوال نبی علیہ السلام اور جواب صحابہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے
کہ حضور نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ مخلوق میں عجیب
ترین ایمان کس کا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی ملائکہ آپ نے فرمایا وہ کیوں نہ ایمان لائیں جبکہ
وہ امور کا معائنہ کر رہے ہیں۔ پھر صحابہ نے کہا انبیاء علیہم السلام ہونے چاہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے
ایمان نہ لاتے جب کہ ان پہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ رب تعالیٰ کے پیغام لاتا ہے پھر صحابہ نے کہا تو آپ
کے صحابہ کرام آپ نے فرمایا۔ میرے صحابہ کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ وہ مجھ سے بڑے بڑے معجزات
دیکھ رہے ہیں پھر خود فرمایا کہ بہترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پہ ایمان
لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں وہی میرے اخوان (عزیز ترین) ہیں۔

فائدہ : حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ ایمان جو شواہد قلبیہ پر مبنی ہو وہ اس ایمان سے افضل ہے جو دلائل خارجیہ پر مبنی ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کا اپنا مقام ہے اور بہرحال اہل ایمان اور اہل توحید مطلقاً بخشے جائیں گے۔

فضائل کلمۂ توحید

(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوذر صبح وشام ایمان کی تجدید کر لیا کرو دل سے سب سے جلد ترٹنے والی شے اسلام ہے یہاں تک کہ انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ نماز کیا ہے اور روزہ کیا ہے۔ ہمارے سے پہلے کے لوگ مساجد میں داخل ہوتے تو صرف اتنا کہہ دیتے "لا الٰہ الا اللہ" تو بخشش ہو جاتی۔ عرض کی گئی یارسول اللہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے اور روزہ بھی نہیں رکھتے تو پھر بخشش کیسی آپ نے فرمایا یہ کلمہ ایسا ہے کہ اس سے بندے کو نار جہنم سے نجات مل جاتی ہے۔

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو فرماتے سنا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک اسرائیلی مر گیا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائے گا۔ میرے اس بندے کے لئے دیکھو کوئی اس کی نیکی ہے جس سے آج وہ نجات پا جائے فرشتے عرض کریں گے یا الٰہ العالمین ہم صرف اس کی انگشتری میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ اس کے سوا اسکی کوئی اور نیکی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کو بہشت میں لے جاؤ میں نے اسے بخش دیا

تفسیر عالمانہ

ویل یہ عذاب کا کلمہ ہے فارسی میں بمعنی سختی عذاب (عذاب کی سختی) لکل افاک ہر جھوٹے کے لئے۔

حل لغات

افک بمعنی حق سے ہٹ کر اس کے خلاف کی طرف پھرا ہوا ہونا۔ (اثیم) مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی کثیر الاثم (بڑا گنہگار) علیم کی طرح بمعنی کثیر العلم (بڑا عالم)

"یسمع آیات اللہ" (اللہ تعالیٰ کی آیات سنتا ہے) یہ افاک کی دوسری صفت ہے آیات اللہ سے قرآن مراد ہے کیوں کہ سننے کا تعلق اسی سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی تلاوت کا تعلق بھی قرآن مجید سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا تتلی علیہ (اس پر تلاوت کی جاتی ہیں) یہ آیات اللہ سے حال ہے "ثم یصر" پھر وہ کفر پر اصرار کرتا ہے اور عمداً کفر کرنے پر مداومت کا عزم رکھتا ہے۔

حل لغات

المفردات میں ہے کہ الاصرار بمعنی گناہ پہ ڈٹ جانا اور اس کے ارتکاب میں مضبوط ہونا اور اس گناہ سے ہٹنے کا نام تک نہ لینا یہ الصر سے ہے بمعنی مضبوط باندھنا اور الصرۃ وہ شے جس میں دراہم باندھے جائیں (تھیلی وغیرہ) "مستکبراً" درانحالیکہ وہ تکبر کرتا ہے یعنی آیات الٰہی سے تکبر کرتا ہے اور اس گمان میں ہے کہ حق کے مقابل میں جو کچھ اسکے پاس باطل

باتیں ہیں (معاذ اللہ) وہی صحیح ہیں۔

شانِ نزول نضر بن حارث بن عبدالدار کے حق میں نازل ہوئی وہ باہر سے یعنی عجم سے قصے کہانیاں گھڑھ کر لاتا جیسے اسفندیار و رستم کے قصے تو وہ لوگوں کو سناتا تاکہ وہ قرآن مجید سننے سے باز آجائیں اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کرتے ہوئے یہی آیت نازل فرمائی۔

مسئلہ : جو شخص قصے کہانیوں کے ذریعے قرآن مجید پڑھنے سننے سے باز رکھتا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے جو نضر بن حارث کے لئے فرمایا گیا ہے۔

سوال : تم نے یہ حکم عام کیوں کر دیا۔

جواب : لفظ کل احاطہ و شمول کے لئے آتا ہے اور وہ اس آیت میں موجود ہے۔

فائدہ : ثم میں تاخیر مقصود ہوتی ہے۔ یہاں معنوی بعد مراد ہے۔ وہ اس لئے کہ قرآنی آیات سننے کے بعد حق تو یہ تھا کہ اس کا اثر فوراً قلوب پر پڑ جاتا۔ لیکن ایسے بدبخت کے قلب پر اثر پڑنے کے بجائے اس پر تکبر اور ضد و عناد چھا گیا تو گویا وہ حقیقت اور حق سے دور جا پڑا اس لحاظ سے یہ بُعد اور دوری معنوی ہے اسی لئے ثُمّ کو استعارۃً بُعد اور دُوری معنوی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ ہاں اصرار کے منتہیٰ کے اعتبار سے ثُمّ کو حقیقی معنیٰ میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

کان لم یسمعہا گویا اس نے اسے سنا ہی نہیں یعنی ایسے شخص کا حال اس جیسا ہے جس نے کوئی بات کسی سے نہ سنی ہو

(کان) کو مخفف کر کے اسکی ضمیر شان حذف کر دی گئی ہے اسمیں اسے غیر سامع سے اس معنی میں تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اسے نہ قبول کرتا ہے نہ اس سے نفع پاتا ہے۔

فبشرہ بعذاب الیم . تو اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو یعنی گناہوں کے اصرار و استکبار پر اسے دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ عذاب کا لفظ قرینہ ہے اس بات کا کہ تبشیر اپنے معنیٰ میں نہیں بلکہ مجازاً انذار کے معنی میں ہے کیونکہ بشارۃ ہر اس خبر کو کہا جاتا ہے جس کے مخبر بہ سے اظہار سرور مطلوب ہو۔ اور انذار اس کی نقیض ہے اس کے بجائے تبشیر لانے سے تہکم و استہزاء مطلوب ہے یہ اس وقت ہے جب تبشیر میں عرفی معنیٰ مراد ہو اگر اس کا اصلی اور حقیقی معنی لیا جائے تو پھر استعارہ کی ضرورت نہیں کیونکہ بشارت کا اصلی اور لغوی معنی یہ ہے کہ کسی کو ایسی خبر دینا جس سے اس کا چہرہ تبدیل ہو جائے۔ خوشی سے یا غمی سے کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ اسے ایسی خبر دے جو اس کے چہرے سے غم اور ملال ظاہر ہو۔

واذا علم من آیٰتنا شیئا اور جب وہ ہماری کسی آیت کو معلوم کرتا ہے یعنی جب ہماری آیات
میں سے کوئی آیت اسے پہنچتی ہے اور معلوم کر لیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ہے ذکر مطلقاً
کہ یہ بھی ایک آیت من الآیات ہے کیوں کہ اس کا ایسا علم ہمارے موضوع میں شامل نہیں۔
اتخذھا بناتا ہے انہیں ھزوا ٹھٹھہ مخول اور وہ تمام آیات سے ٹھٹھہ مخول کرتا ہے نہ یہ
کہ صرف وہ جو سنتا ہے یا ضمیر شی کی طرف لوٹتی ہے اور شے بمعنی آیۃ کے مؤول ہے یعنی وہ آیات سے ٹھٹھا
کرتا ہے اور ایسی صورت اختیار کرتا ہے جس میں حق و باطل کا امتیاز نہیں ہوتا بلکہ وہ حق سے دور کرنے کی
کوشش کرتا ہے۔ جیسے نضر نے کہ اس نے آیات سے استہزا کیا اور آیات کا عجمی قصوں سے معارضہ کرتا
جو صرف عوام کو لبھاتا ورنہ ان کی کوئی حقیقت نہ تھی اسی لئے ابوجہل انہیں مکھن اور کھجور کھلاتا اور کہتا کہ یہی
وہ باتیں ہیں جن سے حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لبھاتے ہیں اور جنت کی لالچ دلاتے ہیں
حالانکہ وہ اس مکھن اور کھجور سے انہیں زقوم (جہنم کا درخت) کھلا رہا تھا۔ اولٰئک یہ کل افاک کی
طرف اشارہ ہے اس جنت سے جو اس میں قبائح مذکور ہوئے ہیں اور جمع کا اشارہ لفظ کل کے معنیٰ کی وجہ سے
ہے اگرچہ وہ لفظاً مفرد ہے اسی لئے اس سے پہلے جملہ ضمائر واحد کے لائے گئے ہیں لھم بوجہ ان
کی جنایات مذکورہ کے ان کے لئے عذاب مھین۔ رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ انہیں ذلیل کرے گا
اور ان کی عزت ختم کر ڈالے گا۔ عذاب کو مھین سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ انہیں یہ سزا ان
کے استکبار و آیات اللہ سے استہزا کی وجہ سے ہے۔ من ورآئھم جھنم ان کے آگے جہنم
ہے کیوں کہ وہ اس کی طرف جا رہے ہیں جو ان کے لئے تیار ہے یا ان کے پیچھے ہے بایں معنی کہ وہ عذاب
سے روگرداں اور دنیا کی طرف متوجہ تھے کیوں کہ دراصل وراء وہ جہت ہے جو انسان کے بالمقابل آگے ہو
یا پیچھے یعنی اسے آگے یا پیچھے کی طرف سے چھپا لے بعض نے کہا وراء مصدر ہے لیکن ظرف میں مستعمل ہو کر فاعل
کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس سے مراد وہ شے ہوتی ہے جو اسے پیچھے کی طرف سے چھپا لے اگر مفعول
کی مضاف ہو تو پھر وہ شے جو سے آگے سے چھپا لے اسی لئے یہ اضداد میں شمار ہوتا ہے اور قاموس
میں ہے کہ الوراء پیچھے اور آگے ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے اضداد سے ہونا ضروری نہیں کیونکہ
یہ آگے پیچھے ہر دونوں کے لئے برابر طور پر مستعمل ہوتا ہے کیوں کہ دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جو کسی
شے کو چھپا لے۔ ولا یغنی عنھم اور ان سے دفع نہ کرے گا " کسبوا " وہ جو انہوں نے کمایا
اموال و اولاد سے شیئا تھوڑا سا یعنی عذاب اس معنی پر شیئا ولا یغنی کا مفعول بہ ہے یا یہ معنیٰ
ہے کہ ان کے عذاب سے دفع کرنے میں کوئی کام نہ دے گی۔
یُغنی سے ہے یعنی معمولی بچاؤ بھی ان کو نصیب نہ ہوگا۔ اس معنی پر اغناء مصدر ہے " مفاعلہ

ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کسی کو کفایت کر جائے۔

ولا ما اتخذوا من دون اللہ اولیاء اور نہ ہی انہوں نے ماسوی اللہ کو حقیقی کارساز بنایا

نہ انہیں نفع دے سکتے ہیں جن کی انہوں نے عبادت کی یعنی بت۔

سوال: حرف عطف اور معطوف کے درمیان معطوف علیہ کے درمیان حرف نفی کی تصریح کی کیا ضرورت ہے جب کہ سب کو معلوم ہے کہ اموال و اولاد سے تو پھر بھی کوئی فائدہ ہے لیکن بتوں سے کسی قسم کا فائدہ ہے ہی نہیں اور یہ بات اظہر اور روشن تر ہے۔

جواب: یہ ان کے ظن فاسد پر مبنی ہے کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے بت ان کی شفاعت کریں گے اس میں تہکم ہے ولہم اور ان کے لئے اس کے بعد جہنم کا ایسا بڑا عذاب ہے جس کی گہرائی کو کوئی نہیں جانتا یعنی اس کی شدت متجاوز از حد ہے۔

"ھذا" یہ قرآن ھدی۔ غایت کمال میں ہے ہدایت سے گویا وہ عین ہدایت ہے یہ زید عدل کی طرح (مبالغہ ہے) والذین کفروا بآیات ربھم اور جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات سے کفر کیا "لہم عذاب" ان کے لئے ہے عذاب من رجز سخت میں سے الیم دردناک الیم مرفوع ہے۔ عذاب کی صفت ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان کے لئے وہ سخت ترین عذاب ہوگا جو انہیں درد پہنچانے والا ہوگا

فوائد الآیات (۱) بعض لوگ قرآنی آیات بظاہر تو سنتے ہیں لیکن بہ باطن نہیں سنتے ازلی بدبختی سے ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں اور ان پر غفلت چھا جاتی ہے بوجہ ان کے تکبر کے از قبول حق کے اور اس پر عمل نہ کرنے کے ان کے لئے دردناک عذاب ہے یہ ایسے شخص کا حال ہے جو آیات قرآنیہ کو بغیر حضور قلب کے پڑھے یا سنے

۱۔ تعتیست این کہ بر لہجہ و صوت
شود از تو حضور خاطر فوت

۲۔ فکر حسن غنا برد ہوشت
متکلم شود فراموشت

۳۔ نشود بر دل تو تابندہ
کین کلام خدا است یا بندہ

ترجمہ ۱۔ افسوس ہے کہ لہجہ وصوت سے تیرے دل سے حضور قلبی فوت ہو جاتی ہے۔
۲۔ اچھی آواز اور لہجہ نے تیرا ہوش لوٹا۔ تجھ سے متکلم (خدا) بھول جاتا ہے۔

لہ روح البیان صفحہ ۴۳۹

۳۔ تیرے دل پر یہ خیال نہیں گزرتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا بندے کا۔

فائدہ ۱۔ جو کلام الٰہی کو حق کی سمع سے سنتا اور نور توحید سے دیکھتا ہے تو وہ دارین میں ذخیرہ جمع کر گیا اور دونوں منزلوں میں کامیاب ہوا۔

۲۔ کسی عالم ربانی کو علم سے کچھ فائدہ حاصل ہو تو چاہیے کہ وہ اسے قبول کرے اس کے ساتھ عناد اور اپنی من مانی مراد کی تاویل کے درپے نہ ہو کیوں کہ اس کی اپنی من مانی بات بلا سند ہے یاد رہے کہ بعض بندگانِ خدا کو غیبی مکاشفات حاصل ہوتے ہیں ان میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں جو ان کی بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے وہ حجاب کی ذلت میں پڑتا ہے اور بُعد کی جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔ جیسے ہر زمانہ میں اہل انکار رہے ہیں بعض لوگ امام غزالی و امام مکی کے افکار کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو اپنی خواہشات نفسانی و اغراض شہوانی کے تحت قرآن کے بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے کفر کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا
یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ○ مَنْ
عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ؗ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ
تُرْجَعُوْنَ ○ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ
وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○
وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى
شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ ○ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ○
هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ
كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ
مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

ترجمہ:۔ اللہ ہے جس نے تمہارے بس میں دریا کر دیا کہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلیں
اور اس لیے کہ اس کا فضل تلاش کرو اور اس لیے کہ حق مانو اور تمہارے کام میں لگائے
جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ اپنے حکم سے بے شک اس میں نشانیاں
ہیں سوچنے والوں کے لیے۔ ایمان والوں سے فرماؤ درگزریں ان سے جو اللہ کے
دنوں کی اُمید نہیں رکھتے تاکہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو اس کی کمائی کا بدلہ دے۔ جو بھلا
کام کرے تو اپنے لیے۔ اور بُرا کرے تو اپنے بُرے کو۔ پھر اپنے رب کی طرف
پھیرے جاؤ گے اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت عطا
فرمائی اور ہم نے انہیں ستھری روزیاں دیں۔ اور انہیں ان کے زمانہ والوں پر فضیلت
بخشی اور ہم نے انہیں اس کام کی روشن دلیلیں دیں تو انہوں نے اختلاف نہ کیا مگر بعد
اس کے کہ علم ان کے پاس آچکا آپس کے حسد سے بیشک تمہارا رب قیامت کے دن فیصلہ کر
دے گا جس بات میں اختلاف کرتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کام کے عمدہ راستہ پر تمہیں کیا
تو اسی راستہ پر چلو اور نادانوں کی خواہش کا ساتھ نہ دو۔ بیشک وہ اللہ کے مقابلے میں کچھ
کام نہ دیں گے اور بیشک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ڈر والوں کا دوست اللہ۔
یہ لوگوں کی آنکھیں کھولنا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت۔ کیا جنہوں نے

برائیوں کا ارتکاب کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے
کام کیے کہ ان کی ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے کیا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اللہ الذی سخرلکم البحر وہ اللہ جس نے تمہارے لئے دریا مسخر کئے بایں طور کہ
اسے ایسا املس السطح بنایا کہ جو شے پانی میں ڈوبنے کے قابل ہے وہ اس کے اوپر تیرتے
جیسے لکڑیاں لیکن اس میں غوطہ لگانے سے وہ روکتا بھی نہیں اور نہ اسے چیرنے کی ممانعت ہے اگر اس کی چھت
سخت ہوتی یا بلندی اور نیچی ہوتی تو اس پر کشتیاں ہرگز نہ تیر سکتیں اور نہ ہی اس پر لکڑیاں وغیرہ اوپر کو
چلتی نظر آتیں بلکہ وہ پانی میں ڈوب جاتیں اگر اس کی سطح سخت اور مصمت (جس کے اندر کے حصے میں جانا
مشکل ہو) ہوتی تو اسمیں غوطہ لگانا مشکل ہو جاتا اور نہ ہی غوطہ لگانے کے بعد جو دریائے منافع حاصل ہوتے ہیں
حاصل کئے جا سکتے۔ "لتجری الفلک فیہ بامرہ" (تاکہ اس میں کشتیاں جاری ہوں اس کے حکم سے)
یعنی اس کے حکم اور اس کے آسان کرنے سے جن پر تم سوار ہو کر جاتے ہو۔ ولتبتغوا من فضلہ اور تاکہ تم
اس کا فضل تلاش کرو مثلاً تجارت اور اس لؤلؤ و مرجان اور دیگر وہ فوائد جو دریا سے حاصل ہوتے ہیں۔
ولعلکم تشکرون اور تاکہ تم ان نعمتوں کا شکر کرو جو اس سے فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ بایں طور کہ اس کے انعام
کرنے والے کی توحید کا اقرار کرو۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بحر علوم کو مسخر فرمایا تاکہ اس کے حکم سے وجود
کی کشتی جاری ہو اور حکم سے امر کن مراد ہے اور یہ تسخیر صرف انسان سے
مخصوص ہے اس کی حکمت ہے ورنہ یہ ہوتا کہ یہ تسخیر کشتی سے مخصوص ہوتی لیکن یوں ہوا کہ دریا کو انسان
کا مسخر کیا اور کشتی کا دریا کو اور انسان کو اپنی ذات کا تاکہ وہ اس کا خلیفہ اور اس کی ذات و صفات کا مظہر
ہو یہ اس کی بہت بڑی نعمت اور بڑا فضل ہے جو انسان کو نصیب ہوا کہ صرف اس پر کنز مخفی ظاہر فرمایا
اسی لئے انسان پر لازم ہے کہ اسے ہر جزئیات و کلیات کی تسخیر پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور شکر کا طریقہ
یہ ہے کہ اس کے حکم پر اس کی طلب میں خود کو لگائے نہ کہ خواہشات کا تابعدار بنا پھرے اسے چاہیے کہ
اسی ظاہری دریا کی کارکردگی سے عبرت حاصل کرے اور ان لوگوں سے جو اس میں سفر کرتے ہیں کہ کبھی کشتیاں
ڈوبنے سے بچکر صحیح و سالم کنارے لگتی ہیں اور کبھی ڈوب جاتی ہیں۔ ایسے ہی بندے کا حال ہے کہ تقدیر کے
دریا میں اعتصام کی کشتی لے کر ریاح مشیت چلتا ہے اس کے ہاتھ میں توکل کی رسی ہوتی ہے بحر یقین میں
لنگر ڈال دیتا ہے اگر عنایت الہٰی کی ہوا چل پڑی تو نجات پا کر سعادت کے ساحل پر پہنچ جاتا ہے اگر فتنہ
و آزمائش کی آندھی چل پڑتی ہے تو ملاح کے ہاتھ سے کشتی نکل جاتی ہے اور شقاوت کے گہرے پانی میں
ڈوب جاتا ہے۔

سبق : بندے پر لازم ہے کہ ہروقت اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرے اور نعمتوں کا شکر بجالاکر اس کی طلب میں سعی کرے (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض (اور تمہارے لئے مسخر کیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے) موجودات میں بایںطور سب کو کر تمہارے منافع کا دارو مدار ان پر رکھا۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ زمین کے حوادث کو اتصالات فلکیہ کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔

جمیعا ، ما فی السموٰت وما فی الارض سے حال یا اس کی تاکید ہے۔

منہ ، جمیعاً کی صفت ہے یعنی درانحالیکہ وہ اللہ سے ہے یا ما سے حال ہے اب معنیٰ یہ ہوا ہے کہ ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر فرمایا درانحالیکہ وہ اسی سے اور اسی کی پیداکردہ ہیں یا اس کی خبر محذوف ہے کہ دراصل ھی جمیعاً منہ تھا اور فتح الرحمٰن) میں ہے کہ جمیعاً منہ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر انعام اسی کا فضل ہے کہ اس کا اس کے سوا اور کوئی مستحق نہیں اور اس نے ازراہ کرم اپنے بندوں پر انعام کرنے کی ذمہ داری کی ہوئی ہے" ان فی ذلک ان بڑے امور میں جو مذکور ہوئے۔لآیات۔ عظیم الشان اور کبیر القدر آیات ہیں۔ وجود صانع اور اس کی صفات پر دلالت کرتی ہیں۔

لقوم یتفکرون اس قوم کے لئے جو غور وفکر کرتی ہے۔ صنع الٰہی کے عجائبات میں اس سے ہی وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی اور دقیق نعمتوں پر واقف ہوتے اور اس کے شکر کی ادائیگی پر توفیق پاتے ہیں ؂

زحمل جہاں زمغز تا پوست
ہر ذرہ گواہ قدرت اوست

ترجمہ : جہان میں مغز سے پوست تک کا ہر ذرہ اسکی قدرت کا گواہ ہے۔

حدیث شریف ۱ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک قوم پر گزر ہوا جو غور وفکر میں لگے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا اس کی مخلوق میں تو بے شک غور وفکر کرو لیکن خالق میں غور وفکر مت کرنا۔

حدیث شریف ۲ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے کسی ایک کے پاس شیطان آکر کہتا ہے کہ آسمان کس نے پیدا کئے تو وہ جواب میں کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے پھر پوچھتا ہے زمین کس نے پیدا کی وہ جواب دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے پھر پوچھتا ہے

اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا جب تمہارا کوئی اس میں مبتلا ہو تو چاہیئے کہے آمنت باللہ و رسولہ میں
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لایا۔

مسئلہ: تفکر اعلیٰ و افضل عبادات سے ہے کیوں کہ نفس کے عمل سے قلب کا عمل اعلیٰ و اجل (بزرگتر) ہے۔

حدیث حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک لمحہ کا تفکر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک روایت میں ستر سال بھی آیا ہے۔

صدیق اکبر کی قربانی برائے امت حبیب یزدانی

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ ایک لمحہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے پھر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ ایک لمحہ کا تفکر سات سال کی عبادت سے بہتر ہے پھر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا ایک لمحہ کا تفکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزشتہ اقوال صحابہ عرض کئے تو آپ نے فرمایا انہوں نے ٹھیک کہا مجھے فرمایا کہ انہیں بلائے میں ان کو بلا لایا آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کیسے تفکر کرتے ہو اور کس شئے میں عرض کی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان۔ ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض (الآیۃ) میں آپ نے فرمایا کہ تیرا اس میں ایک لمحہ تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے پھر آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تمہارا تفکر کیسا عرض کی موت اور سکرات کے ہول میں آپ نے فرمایا تیرا ایک لمحہ کا تفکر سات سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو عرض کی جہنم اور اس کی ہولناکیوں میں اور کہتا ہوں اے اللہ قیامت میں مجھے اتنا موٹی بڑی بنا دے کہ صرف میں ہی جہنم کو بھر دوں تاکہ تیرا وعدہ پورا ہو جائے لیکن براہ کرم میرے محبوب کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو جہنم کا عذاب نہ دینا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارا ایک لمحہ کا تفکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ میری امت میں میری امت کے لئے بہت زیادہ رؤف و رحیم ابوبکر صدیق ہیں (رضی اللہ عنہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کے فضائل کے مراتب کا دار و مدار نیات پر ہے۔

نکتہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تفکر میں اختلاف السموٰت و الارض کے سال کے پھیرے کی وجہ سے ہے اسی لئے اس کا ثواب مقدار پر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تفکر کا تعلق خوف و موت اور مابعدہ سے ہے جو جنت یا نار تک منتہی ہوتے ہیں اور جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور دوزخ ساتوں آسمانوں کے نیچے ہے اسی لئے ان کا تفکر سات سال کی عبادت سے بہتر ٹھہرا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تفکر کا تعلق جہنم کے پر کرنے کا ہے اور جہنم کی گہرائی ستر سال کی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تفکر ان دو صحابیوں سے گہرا ہے اسی لئے انہیں ثواب بھی بہت زیادہ نصیب ہوا۔ جیسا کہ مذکور ہوا (یہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اپنی تقریر ہے)

نکتہ: آیت سے ثابت ہوا کہ ساتوں آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے انسان کے لئے ہے کیوں کہ ان کا وجود انسان کے وجود کے تابع ہے اگر کسی کو سمجھ نہیں آ رہا تو وہ آدم علیہ السلام کو دیکھ لے کہ انہیں مسجود ملائکہ کیوں بنایا گیا یہی تسخیر تو ہے اور وہی آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب سے مکرم ترین ہیں اس کی مثال درخت کی ہے کہ درخت کو پھل کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ پھل نہ ہوتا تو درخت بھی نہ ہوتا ایسے ہی یوں سمجھئے جملہ عالم درخت اور انسان اس کا ثمر ہے اسی عظیم الشان معنی کی طرف اشارہ فرمایا۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون یعنی ان میں بہت سی دلیلیں ہیں۔ حضرت انسان کی شرافت و کمال پر لیکن اس قوم کے لئے جن کے قلوب نور ایمان و عرفان سے منور ہیں کیوں کہ یہی لوگ فکر تسلیم سے فکر کرتے ہیں۔ (التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ: قل للذین آمنوا اہل ایمان کو فرمائیے کہ بخش دو یعنی درگزر اور معاف کر دو یہ قول محذوف کا مقولہ ہے چوں کہ اس کا جواب اس پر دلالت کرتا ہے اسی لیے اسے حذف کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یغفروا اللذین لا یرجون ایام اللہ" ہے درگزر کریں ان لوگوں سے جو ایام اللہ کی امید نہیں رکھتے۔" یہ حذف " قل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلوٰۃ کی طرح ہے۔ کہ دراصل اقیموا الصلوٰۃ یقیموا الصلوۃ تھا اور صاحب کشاف نے فرمایا مفسرین نے یقیموا الصلوٰۃ کو بمعنی لیقیموا الصلوٰۃ جائز رکھا ہے اس تقریر پر یہ قال کا مقولہ ہوگا اور لام اس لئے محذوف ہوئی کہ اس کا عوض لفظ قل موجود ہے۔ اگر ابتداءً لیقیموا بحذف اللام پڑھا جاتا تو باقاعدہ نحو ناجائز ہوتا۔

تحقیق رجاء: رجاء کا حقیقی معنی محبوب امور میں ہوتا ہے لیکن یہاں پر مجاز پر محمول کیا گیا ہے بمعنی توقع و خوف۔ اب معنی یہ ہوا کہ عفو اور درگزر کریں۔ ان لوگوں سے جو اللہ کی ان سختیوں کی توقع نہیں رکھتے جو وہ اپنے دشمنوں پر کرتا ہے جیسا کہ امم ماضیہ میں گزرا۔

ایام العرب ان ایام کو کہا جاتا ہے جن میں جنگیں ہوئیں جیسے یوم بعاث بروزن غراب اور

ثاء مثلثہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اور وہ جنگ مشہور ہے[۱] بعض نے اس کا معنی یہ کیا کہ وہ لوگ ان اوقات کی اُمید نہیں رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے ثواب کیلئے مقرر فرمائے ہیں۔ اور ان سے کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کی اضافت اللہ کی طرف بیت اللہ کی طرح اضافت تشریفی ہے۔

آیت منسوخ یہ آیت قتال سے پہلے کی ہے اسی لئے آیت قتال سے منسوخ ہوگئی اس لئے کہ بالاتفاق یہ سورۃ مکیہ ہے لیکن الماوردی نے اس آیت کو مدنیہ ثابت کر کے سورۃ سے مستثنیٰ فرمایا اور اس کا شانِ نزول مندرج ذیل بیان فرمایا۔

شانِ نزول ۱ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ حضرت قتادہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت منسوب ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک غفاری نے گالی دی آپ نے اس کی گرفت کا ارادہ فرمایا تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

فائدہ ۔ غفاری سے بنو غفار کا ایک فرد مراد ہے اور غفار[۲] بروزن کتاب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی برادری کا نام ہے

شانِ نزول ۲ یہ آیت رئیس المنافقین کی بکواس پہ نازل ہوئی جب صحابہ کرام غزوہ بنی المصطلق میں ایک کنویں پر اترے اسے مریسیع بھی (مرسوع کی تصغیر) کہا جاتا ہے ابن ابی نے اپنا نوکر بھیجا تاکہ کنویں سے پانی لے آئے جب واپس دیر سے آیا تو ابن ابی نے اپنے غلام سے دیر کی وجہ پوچھی تو کہا کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کا غلام کنویں پر قبضہ جمائے بیٹھا تھا وہ کسی کو بھی کنویں سے پانی نہیں لینے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر کی مشک پُر کی تو ابن ابی نے کہا ہماری اور ان کی وہی مثال ہے جو مشہور ہے کہ "سمن کلبک یاکلک کتا تجھ سے موٹا ہوگا تو پھر تجھے ہی کھائے گا" یہ بکواس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو تلوار نیام سے نکال کر چل پڑے تاکہ ابن ابی کو جہاں پائیں قتل کر دیں اس پہ یہ آیت نازل ہوئی

شانِ نزول ۳: تفسیر ثعلبی میں ہے کہ آیت من یقرض اللہ قرضا حسنا الخ کے نزول پہ یہودیوں کے شخص فنحاص عازورا یہودی نے ازراہِ طنز کہا کہ شاید اللہ تعالیٰ محتاج ہے کہ وہ قرضہ مانگتا ہے جب فاروق اعظم کو معلوم ہوا تو تلوار میان سے نکال کر چل پڑے اور ہر گلی کوچے میں اسے تلاش کرتے رہے کہ جہاں مل جائے گا اس خبیث کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ تلوار کو میان میں ڈال لیجئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عفو و درگزر کرنے کا حکم نازل فرمایا ہے پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی

---

[۱] القاموس ۱۲ [۲] قاموس

یہ سن کر حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ مجھے اس خدا کی قسم جس نے آپ کو اپنی مخلوق کی طرف حق دے کر بھیجا کہ اب کے بعد مجھ میں غضب وغصہ کا اثر نہ دیکھیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ مجھ سے غضب وغصہ کے بجائے عفو ودرگزر کے اثرات پائیں گے ؎

۱۔ اگرچہ دامنت رامی دردخار
تو گل باشی ودہان پرخندہ میدار

۲۔ چوں بدبینی زخلق ودرگزاری
ترا زیبد طریق بردباری

ترجمہ: ۱۔ اگرچہ تیرا دامن کانٹا چیر ڈالے لیکن تو گلاب کی طرح ہو اور چہرہ ہنستا رکھ۔

۲۔ جب مخلوق سے برائی دیکھو تو درگزر کرو۔ کیونکہ تمہیں طریقہ بردباری سجتا ہے۔

لیجزی قوماً بما کانوا یکسبون تاکہ اس کی جزا دے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ یہ مغفرت کے امر کی تعلیل ہے قوم سے اہل ایمان مراد ہیں اور اسکی تنکیر ان کی مدح وثنا کے لئے ہے اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ قیامت میں اس قوم کو جزاء دے یعنی اس سے کوئی مخصوص لوگ مراد نہیں بلکہ ہر وہ لوگ جو دنیا میں کوئی نیکی کا کام کرتے رہے منجملہ ان کے اہل ایمان کا کفار ومنافقین کی اذیتوں پر صبر اور اُن سے چشم پوشی کر کے غصہ پینا اور ان کی ناگوار باتوں پر حوصلہ کرنا اور جو انہیں اجر وثواب ملے گا اس کی حدود وحساب نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس قوم سے کافر اور "بما یکسبون" سے ان کی وہ برائیاں مراد ہیں منجملہ ان کے وہ جو ان کے کلمہ خبیثہ کا ذکر ہوا اور تنکیر تحقیر کی ہے۔

سوال: مطلق جزا، مغفرت کے امر کی تعلیل نہیں بن سکتی جب کہ اس کا تحقق ہے اور کفار کے لئے مغفرت تو ہے نہیں اور ان کے لئے امر بھی تقدیری ماننا پڑے گا۔

جواب: در اصل معنی یوں ہے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اہل ایمان کو فرمائیں کہ وہ کفار ومشرکین اور منافقین کی برائیوں سے درگزر کریں اور ان سے بدلہ لینے کی تدابیر نہ بنائیں تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ان کی برائیوں کی کامل سزا دے اسی معنی پر آنے والی آیت بھی دلالت کرتی ہے علاوہ ازیں قرآن میں کسب کا لفظ اکثر کفار کے لئے مستعمل ہوا ہے نیز یہ مطلب بھی ہے کہ انہیں وقت مقررہ پر سزا دے جیسے بدر وغیرہ میں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب مومن جو مجرموں کو بخش دیتا ہے اگرچہ وہ مغفرت کے اہل نہیں کیوں کہ وہ کفر اور اہل ایمان کو اذیت پہنچانے پر اصرار کرنے والے ہیں تو ایمان والوں کا انہیں بخش دینا اخلاق حق کے مطابق متخلق ہونا ہے (اور یہی عین مراد ہے) پھر اللہ تعالیٰ ہر اہل عمل کو جزا دے گا اگر عمل اچھے تو جزا اچھی ورنہ سزا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی "من عمل صالحاً" جو بھی عمل صالح کرتا ہے

صالح عمل سے وہ عمل مراد ہے جسمیں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو۔ فلنفسہ تو وہ اسکی اپنی ذات کے لئے ہے یعنی اس صالح عمل کا نفع اسی کی طرف لوٹے گا۔ ومن اساء فعلیہا اور جو بُرا عمل کرے گا تو وہ اس پر ہوگا یعنی اس کی برائی کا ضرر اور عذاب صرف اسی کو ہوگا اس سے متجاوز ہوکر کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائے گا تم الی ربکم پھر تم اپنے پروردگار کی طرف وہ جو تمہارے امور کا مالک ہے۔ ترجعون لوٹائے جاؤ گے یعنی تم پر موت وارد ہوگی پھر تم اپنے اعمال کی جزاء دیئے جاؤ گے۔ اگر اچھے عمل ہوں گے تو تمہیں نیک جزا ملے گی اگر بُرے عمل ہیں تو بُری سزا اسی لئے ابھی سے تم اپنے مالک کے ملاقات کی تیاری کرلو۔

فائدہ آیت میں اعمال صالحہ کی ترغیب اور بُرے اعمال سے ڈرایا گیا ہے۔ ترغیب یہ ہے کہ انسان مجرم سے درگزر اور اسے معاف کردے اس کا عامل متصف بصفات اللہ ہے اور ڈرانا یہ ہے کہ انسان معصیت وظلم سے بچے اس کا عامل شیطان کے صفات سے موصوف ہے جو ابرار سے ہوگا تو ابرار نعیم جنت میں ہیں اور جو فجار سے ہے تو فجار جہنم میں ہوں گے۔

فائدہ تجود دو قسم ہے (۱) صوری
(۲) معنوی۔

صوری تو ظاہر ہے معنوی اہل اللہ (اولیاء اللہ) کا انکار اور ان کی برائیوں کے پیچھے لگا رہنا کوئی سہارا ڈھونڈ کر جس سے بظاہر تو اصلاح مقصود ہے لیکن دل ان کے متعلق فساد سے پُر ہے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ تسلیم و رضا و قبول پر رحم فرمائے اور اس پر بھی جو حرام و شبہ وفضول کو ترک کرتا ہے۔

حکایت بعض دوستوں سے منقول ہے فرمایا کہ میں جنگل میں تھا کہ ایک فقیر کو دیکھا جس کا جوتا نہ تھا اور سر سے بھی ننگا تھا صرف دو چیتھڑوں میں لپٹا ہوا تھا نہ اس کے پاس زادِ راہ تھا اور نہ ہی ساز و سامان یہاں تک کہ لوٹا بھی نہ تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ کم از کم اس کے پاس لوٹا اور رسی تو ضرور ہوتا کہ جب وضو کرنا چاہے تو کنویں وغیرہ سے پانی نکال سکے اس طرح نماز کی ادائیگی میں اسے آسانی ہوتی اور یہی اس کے لئے بہتر تھا میں نے اس کے ساتھ ہولیا تاکہ دیکھوں کہ یہ ضروریات کس طرح پوری کرتا یہاں تک کہ دوپہر کا وقت ہوگیا اور گرمی سخت تھی میں نے کہا برادر کپڑے کا کچھ حصہ سر پہ رکھ دیجئے تاکہ گرمی سے بچاؤ ہو میری بات سن کر خاموشی سے چلتا رہا۔ گھڑی بھر کے بعد میں نے کہا آپ کا جوتا بھی نہیں تو میرا جوتا ہے چند لمحات آپ پہنیں پھر میں پہنوں گا۔ مجھے کہا کہ تو نی آدمی ہے مجھ سے ایک حدیث لکھ لے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا بہتر اسلام یہ ہے کہ وہ اسے چھوڑدے جو لایعنی (فضول) ہے میں خاموش ہوگیا اور چل پڑے۔ راستہ میں مجھے پیاس نے تنگ کیا یہاں تک کہ پیاس سے میں جان بلب ہوگیا مجھے دیکھ کر فرمایا کیا تجھے پیاس نے تنگ کیا ہے میں نے کہا ہاں فرمایا میرے ساتھ آپ کیسے گزار سکتے ہیں مجھ سے

میرا لوٹا لے کر دریا میں گھس گیا اور لوٹا بھر کر لایا اور مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اسے پی لیں میں نے پیا تو اس سے دریائے نیل کے پانی کا ذائقہ تھا اور نہایت لذیذ پانی تھا اور صاف ترین۔ اس کے بعد ہم چل پڑے میں نے جاتے جاتے عرض کی کہ آپ مجھے اپنی صحبت میں قبول کریں کیوں کہ میرا یقین ہو گیا کہ آپ ولی اللہ ہیں جب میں نے صحبت کا سوال کیا تو فرمایا کہ میرے پیچھے چلو گے یا آگے میں نے سوچا کہ کہوں کہ میں آگے چلوں گا تاکہ جب تھک جاؤں تو دم نکال لوں گا اس طرح سے یہ بھی میرے لئے ٹھہر جائیں گے۔ فرمایا اے ابوبکر تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے اب چاہو تو چلو یا بیٹھو یہ کہہ کر مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں ایک گھر میں چلا گیا جو میرے دوست کا تھا ان کے ہاں ایک بیمار پایا میں نے کہا یہ پانی اس پر چھڑکو۔ اس سے وہ بیمار تندرست ہو گیا میں نے پوچھا اس شکل وصورت کا آدمی یہاں تم نے دیکھا کہا ہمیں اس کا کوئی علم نہیں نہ ہم نے اسے کبھی دیکھا۔

فائدہ: اس حکایت سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔ سمجھ دار انسان خود بھی اولیاء کو معلوم کر سکتا ہے

سبق: اس مرتبہ کو وہی پہنچ سکتا ہے جس کا ایمان کامل ہو اور علم نافع اور عمل صالح رکھتا ہو جو ان تینوں میں سے کسی سے محروم ہے تو وہ ایسا مرتبہ نہیں پا سکتا۔ (نعوذ باللہ)

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ پئے نیک مردان بباید شتافت
کہ ہر کس گرفت ایں سعادت بیافت

۲۔ ولیکن تو دنبال دیو خسی
ندانم پئے صالحان کے رسی

۳۔ پیمبر کسے را شفاعت گر ست
کہ بر جادۂ شرع پیغمبر است

ترجمہ: ۱۔ نیک لوگوں کی پیروی میں کوشش کرنی چاہیے جس نے ان کے قدم پکڑے وہ کامیاب ہو گیا۔
۲۔ لیکن تو شیطان ونفس کے پیچھے ہے۔ مجھے معلوم نہیں تو اس مرتبہ کو کب پا سکو گے۔
۳۔ نبی علیہ السلام بھی اس کی شفاعت کریں گے جو پیغمبر کے طریقہ پر چلتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

ولقد آتینا بنی اسرائیل الکتاب اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی الکتاب سے تورات مراد ہے لیکن سعدی المفتی (مرحوم) نے فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس سے جنس کتاب مراد ہو تاکہ انجیل و زبور کو بھی شامل ہو۔ اس لئے کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد علیہم السلام بنی

اسرائیل نبی تھے۔ والحکم اور حکمت دی یعنی حکمت نظریہ وعقلیہ اور دین کی سمجھ یا لوگوں کے درمیان جھگڑوں کے فیصلہ کی استعداد اس لئے کہ بنی اسرائیل میں نبی کے ساتھ ایک بادشاہ بھی ہوتا۔

والنبوۃ اور نبوت بخشی یہی وجہ ہے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام بکثرت پیدا ہوئے اور یہ شرافت کسی اور قوم کو نصیب نہ ہوئی کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو انبیاء علیہم السلام کے شجرہ (بنیاد) ہیں ورزقناھم من الطیبٰت اور ہم نے انہیں طیبات عطا کئے یعنی لذیذ کھانے اس سے من وسلوٰی مراد ہے وفضلنٰھم علی العٰلمین اور عالمین پر ہم نے انہیں فضیلت دی کہ ہم نے جو کمالات انہیں دیئے دوسروں کو نہیں دیئے جیسے دریا کا چیرنا اور بادلوں کا سایہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ازالہ وہم اس سے ان کا جملہ عالمین سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ دین وثواب کے لحاظ سے اس وقت افضل تھے یا یہ کہ وہ اپنے ہم زمان لوگوں سے افضل تھے کیوں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے بڑھ کر کوئی مکرم تر نہ تھا۔ گزشتہ سورتوں میں اس مسئلہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

وآتینٰھم بینٰت من الامر اور ہم نے انہیں امر دین میں بینات دیئے یعنی امر دین میں دلائل ظاہرہ اور معجزات قاہرہ عطا فرمائے اس معنیٰ پر یہاں پر من بمعنی فی ہے۔ جیسے اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ میں۔ من بمعنی فی ہے یعنی جو نماز کے لئے جمعہ میں ندا دی جائے۔

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا علم اور ہر وہ امور جو آپ کے لئے انہیں بتائے گئے ہیں مراد ہیں۔ مثلاً کہہ دے گا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تہامہ سے یثرب کو ہجرت فرمائیں گے اور آپ کے انصار بھی یثربی ہوں گے۔

فما اختلفوا تو انہوں نے اختلاف نہ کیا۔ اس امر میں یعنی جو ان سے اختلاف واقع ہوا وہ نہ تھا۔ الا من بعد ما جاءھم العلم مگر بعد اس کے کہ انہیں علم تھا اس کی حقیقت وحقیت کا تو پھر ایسے امور کے مرتکب ہوئے جو اس امر کے خلاف کو پختہ کرنے والے تھے۔ بغیا بینھم آپس میں بغاوت کی وجہ سے یہ تعلیل ہے یعنی یہ حسد وعداوت سے جو کیا جو ان میں پیدا ہوا نہ باین معنیٰ کہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں شک تھا۔ ان ربک یقضی بینھم یوم القیٰمۃ بے شک تیرا رب قیامت میں ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا یعنی ان کا مواخذہ کرے گا اور ان کے اعمال کی انہیں سزا دے گا فیما کانوا فیہ یختلفون اس میں جو امرِ دین میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ ثم جعلناک پھر بنی اسرائیل کے بعد ہم نے تمہیں بنایا یعنی تمہارا راستہ مقرر کیا۔ علی شریعۃ اوپر سنت اور عظیم الشان طریقے کے من الامر امر دین سے "فاتبعہا" تو اس کی اتباع کیجئے اس کے احکام جاری کرکے اپنے میں اور اپنے غیر میں بغیر کمی و بیشی کے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے آپ کو جملہ انبیاء علیہم السلام میں سے منفرد بنایا۔ خصوصی لطائف کے ساتھ آپ انہیں پہچان لیں اور آپ کو مخصوص حقائق کے ساتھ ہم نے مخصوص کیا۔ فلہذا آپ انہیں حاصل کیجئے اور آپ کو مخصوص طریقے دیئے ان پر چلیئے اور ہم نے آپ کو مخصوص شرائع بخشے آپ ان کی اتباع کیجئے۔ ان سے تجاوز نہ کیجئے اور نہ ہی اپنے غیر کی اتباع کی طرف رجوع کیجئے بلکہ اب اگر عیسٰی و موسٰی علیہما السلام زندہ ہو کر آئیں تو بھی آپ کی اتباع کریں گے۔ اس کے سوا انہیں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فائدہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شریعت کا مطلب یہ ہے کہ امور شرعیہ کی حدود کی محافظت کرنا اور یہ اللہ تعالٰی کی اعانت سے ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون اور لاعلم لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے یعنی جہاں کی آراء کی تابعداری نہ کیجئو اور نہ ہی ان کے ٹیڑھے عقائد کی اتباع کرو کیونکہ وہ تو سراسر شہوات پر ہیں۔ ان سے قریش کے رؤسا (لیڈر) مراد ہیں لیکن وہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کرتے کہ آپ اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ آئیے۔ کیونکہ وہ آپ سے افضل اور برتر تھے۔

انہم لن یغنوا عنک بے شک وہ آپ کو نہیں بچا سکتے۔ من اللہ شیئا اس میں سے کہ جس کا اللہ ارادہ کرے عذاب کا اگر تم ان کی اتباع کرو۔ بعض نے کہا کہ اگر اللہ تعالٰی تمہارے لئے نعمت کا ارادہ کرے تو وہ ایسی قدرت نہیں رکھتے کہ وہ اسے روک دیں۔ اگر اللہ تعالٰی تمہاری آزمائش کا ارادہ کرے تو انہیں طاقت نہیں کہ وہ اسے رفع کر سکیں اسی لئے آپ اپنے فکر کا تعلق مخلوق سے نہ جوڑیے اور نہ ہی اپنے ضمیر کی توجہ کو ہمارے غیر کی طرف لگائیے صرف ہم پر بھروسہ کیجئے اور ہم پر توکل کیجئے۔

وان الظالمین بعضہم اولیاء بعض اور بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اسی لئے ان کی اتباع اور ان کی دوستی وہی کرتا ہے جو ان جیسا ظالم ہے کیونکہ جنسیت ہی ایک کو دوسرے سے ملنے کی علت ہے۔ واللہ ولی المتقین اور اللہ تعالٰی متقین کا کارساز ہے۔ اور ان متقیوں کے آپ مقتدا ہیں تو آپ جس حال پر ہیں اس پر ڈٹ جائیے اور تقوٰی اور شریعت اور اعراض ماسوا اللہ

پر مضبوطی کیجئے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کافروں کو ظالم اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے شئے کو غیر محل میں رکھا اور اہل بیان کو متقی اس لئے کہا کہ وہ اس کام سے بچ گئے اور اپنے جملہ امور کا کفیل کار اللہ تعالیٰ کو بنایا۔ ھذا یعنی قرآن بصائر للناس لوگوں کے لئے راہ دکھانے والا ہے کیوں کہ اس میں دین و شرائع ایسے ہیں جیسے قلوب میں بصائر گویا وہ قرآن بمنزلہ روح وحیات کے ہے جو قرآن کی تعلیمات سے خالی ہے وہ گویا آنکھیں نہیں رکھتا اور نہ ہی بصیرت سے معمور ہے۔ وہ گویا میت اور اس ڈھیلے کی طرح ہو گیا جس میں حس وحیات نہ ہو قرآن کو بصائر اس کے اجزاء کے اعتبار سے کہا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔

فقد جاءکم بصائر من ربکم تو بے شک تمہارے پاس اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصائر آئے ہیں۔ یہاں پر بصائر سے قرآن مجید اور اس کی آیات مراد ہیں اور ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کی آیات تسع کو بصائر فرمایا۔

کما قال اللہ

لقد علمت ما انزل ھولاء الا رب السمٰوٰت والارض بصائر۔

تمہیں معلوم ہے کہ انہیں نہیں نازل کیا بصائر کر کے مگر سمٰوٰت وارض کے پروردگار نے۔

البصائر بصیرت کی جمع ہے وہ نور کہ جس سے نفس معقولات کو ایسے دیکھتا ہے جیسے بصر سے وہ نور مراد ہے جس سے آنکھ محسوسات کو دیکھتی ہے نیز اس میں اشارہ ہے کہ شریعت کی اتباع ضروری ہے اور بصائر سے بھی شریعت مراد ہے کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب مصدر مضاف ہو تو اس سے عموم مراد ہوتا ہے اور یہ صیغہ عموم سے ہے گویا کہا گیا ہے۔ جمیع اتباعاتھا و ھدی ورحمۃ۔ وھدی اور ورطۂ ضلالت سے ہدایت دینے والا ہے۔ اور بہت بڑی رحمت اور عظیم نعمت ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے عطا ہوئی ہے کیوں کہ تمام دینوی و اخروی سعادات اسی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ لقوم یوقنون اس قوم کے لئے جو یقین والے ہیں یعنی ان کی شان ہے امور پر یقین کرنا یعنی وہ ایسی قوم ہے کہ ان کو گمان ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ بادیہ گمان سے گزر کر منزل یقین کے راز و اسرار کے طالب رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ انوار بصیرت کی وجہ سے مقام یقین تک پہنچنے کی استعداد رکھتے ہیں کہ جس وقت انوار بصیرت چمکتے ہیں تو ان پر حق و باطل منکشف ہو جاتا ہے۔

فائدہ: عوام کی نظر کی قسم ہے:-
۱: نورِ عقل سے دیکھنے والے ۲: نورِ فراست سے دیکھنے والے ۳: نورِ ایمان سے دیکھنے والے
۴: نورِ ایقان سے دیکھنے والے ۵: نورِ احسان سے دیکھنے والے ۶: نورِ عرفان سے دیکھنے والے
۷: نورِ عیان سے دیکھنے والے ۸: نورِ عین سے دیکھنے والے۔
ان میں سے جو بھی اپنی نظر کے مطابق دیکھتا ہے تو اس کی بصیرت پر سورج طلوع کرتا ہے اور اس کے دل سے بادل ہٹ جاتے ہیں۔

حدیث شریف: میں ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن تمہیں بیماری اور اس کا علاج بتاتا ہے تمہاری بیماریاں گناہ ہیں ان کی دوا استغفار ہے سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ اس کا علاج توحید ہے اور یہ بھی کئی مراتب رکھتی ہے (۱) افعال (۲) صفات (۳) ذات پہلے مرتبہ کا آیت۔ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون میں اشارہ ہے کہ توکل توحید کا نتیجہ ہے اور توکل کا معنی ہے جمیع امور اپنے مالک کی طرف کرنا اور اس کی وکالت (وکفالت) پر بھروسہ کرنا۔ اور دوسرے مرتبہ کی طرف آیت یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ میں اشارہ ہے کیوں کہ رضا اس کے ارادہ ازلیہ کا نام ہے اسمیں اعتراض کا ترک اور جو قضاء کا حکم ہے اس سے سرور قلبی کا ہونا ہے اور یہی توحید صفات کا ثمرہ ہے اسی مقام کے لئے حضرت ابو علی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ قدرت اپنے احکام جاری کرنے کے لئے معترض سے تجھے ٹکڑے کرے اور تو خاموشی سے اسے قبول کرتا جائے تیسرے مرتبہ کی طرف کل شیء ھالک الا وجھہ میں اشارہ ہے۔

حکایت: حضرت ابو تراب بخشی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مرید حج کو گیا تو اس کی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا تمہارے پیر صاحب کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا سبحان اللہ بہت خوب ہیں ہمیں فرمایا کرتے ہیں اگر آسمان و زمین لوہا ہو جائیں (یعنی بیکار ہو جائیں اور ان سے رزق کے حصول کی امید ختم ہو جائے) تب بھی مجھے رزق کی کوئی فکر نہیں (کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمہ ہے تو پھر شک کا ہے کا۔) اس بات کو حضرت بایزید قدس سرہ نے غیر مستحسن دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے پیر صاحب کی توحید میں خامی ہے اس لئے کہ وہ اس قول سے فنائے افعال تو کر رہے ہیں لیکن اس سے صفات و ذات کی فنا نہ ہوئی اور فرمایا جس زمین پر وہ ہے۔ وہ زمین کیسے قائم ہے جس میں ایسا فاسد عقیدہ والا انسان موجود ہے۔ حضرت ابو تراب بخشی کا مرید واپس لوٹا اور حضرت بایزید کی

ملاقات کا حال سنایا تو ابوتراب نے فرمایا ان کی خدمت میں واپس جاکر پوچھو کہ آپ کس حال میں ہیں مرید نے واپس لوٹ کر مذکورہ بالا سوال کیا تو آپ نے ایک رقعہ لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" بایزید نیست در بایزید نہیں ہے) جب یہ رقعہ حضرت ابوتراب کو پہنچا تو اس وقت آپ پر نزع طاری تھی یہ رقعہ پڑھ کر کہہ امنت باللہ میں اللہ پر ایمان لایا یہ کہہ کر فوت ہو گئے حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہیچ بغضے نیست درجانم ز تو

زانکہ این را من نمی دانم ز تو

آلت حقی تو فاعل دست حق

چوں زنم بر آلت حق طعن و دق

ترجمہ (۱): تجھ سے میری جان میں کوئی بغض نہیں بلکہ میں تو تیرے لئے یہ تصور تک بھی نہیں کرسکتا۔

(۲): تو آلہ حق اور فاعل دست حق ہے پھر میں آلہ حق پر کیسے طعن و تشنیع کروں۔

نیز فرمایا ؎

آدمی را کہ رسد اثبات تو

بخود معروف و عارف ذات تو

ترجمہ: آدمی سے تیرا اثبات کیسے ہو تو خود معروف اور اپنی ذات کا تو خود عارف ہے۔

سبق: آیاتِ قرآنیہ اور بصائر نورانیہ سے انتفاع پر التزام کرو تاکہ علمائے ربانین سے ہوجاؤ۔

فائدہ: بعض اکابر علمائے کرام نے فرمایا کہ علماء چار قسم ہے۔

(۱): جسے اللہ تعالیٰ سے جو حظ نصیب ہو وہ اللہ کی ذات ہو یہ مقام سر و حقیقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا **شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو**

(۲) اللہ تعالیٰ سے جو اسے حظ نصیب ہو وہ علم اور معرفت باللہ ہو، یہ مقام روح و معرفت ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے اُسے جو حظ نصیب ہو وہ علم سیر الی اللہ ہو یہ مقام نفس و طریقت ہے

(۴) اللہ تعالیٰ سے جو اسے حظ نصیب ہو وہ علم سیر الی الآخرہ ہو یہ مقام طبیعت و شریعت ہے کیوں کہ اعمال صالحہ سے ہی سیر اخروی نصیب ہوتی ہے۔ ان چاروں سے اعلیٰ و افضل پہلا ہے۔

حکایت بعض اکابر نے فرمایا کہ میں نے بایزید بسطامی قدس سرہ کو نماز عشاء کے بعد صبح تک مسجد میں بیٹھا دیکھا میں نے اس سے پوچھا بتاؤ آپ نے کیا دیکھا۔ فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے

تمام عجائبات دکھائے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا سب سے کونسی شے عجیب تر چاہیے میں نے کہا تیرے سوا مجھے اور کوئی شے عجیب نہیں چاہیے کیوں کہ تجھ سے کوئی پانی پر چلنا مانگتا ہے۔ کوئی اور کرامت لیکن میں تجھی سے تجھے مانگتا ہوں۔ میں نے کہا آپ اس وقت اللہ تعالیٰ سے اسکی معرفت مانگ لیتے فرمایا یہ بالکل غلط ہے کہ اس سے اس کی معرفت کا سوال کیا جائے لیکن وہ ایسی ذات منزہ ہے کہ اسے وہ خود ہی پہنچائے اور بس۔

فائدہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ مقام معرفت سے مقام توحید بلند تر ہے۔

حکایت

دو فقراء آپس میں ملے اور چند لمحات کلمات عرفانیہ پر گفتگو کرتے رہے۔ فراغت کے بعد ایک نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو۔ آج کی صحبت میں مجھے معارف کے وہ موتی نصیب ہوئے جو پہلے کبھی نصیب نہ ہوئے تھے دوسرے نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی نہ ہو کیوں کہ تجھ سے مشغولی کیوجہ سے عین مقام توحید سے مقام معرفت میں لوٹ آیا۔

فائدہ : یاد رہے کہ جب معرفت کی تکمیل ہو جاتی ہے تو پھر شہود و فنا و سکون نصیب ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کان سوختہ را جان شد و آواز نیامد

۲۔ این مدعیان در طلبش بے خبر انند
کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ترجمہ

۱۔ اے مرغ سحر عشق پروانہ سے سیکھ جس کی جان چلی گئی لیکن اس کی آواز نہ آئی۔

۲۔ یہ مدعی اس کی طلب میں بے خبر ہیں جسے اس کی خبر ہوئی اس کی خبر پھر نہیں آئی۔

نیز فرمایا ؎

گر کسے وصفت روز من پرسد
بے دل از بے نشان چہ گوید باز
عاشقاں کشتگان معشوقند
بر نیاید ز کشتگان آواز

ترجمہ : ۱۔ اگر اس کی وصف مجھ سے کوئی پوچھے تو بے دل بے نشان سے کیا کہہ سکتا ہے۔

۲۔ عشاق معشوق کے ذبح کئے ہوئے ہیں۔ ذبح کئے ہوئے سے آواز نہیں آتی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں مراتب کے جامعین اور اعلیٰ مطالب کے اصلین سے بنائے وہی ملک الوجود ہے اسی کا کرم وفیض وجود ہے اور وہی حقیقۃ فنا وسجود کی رہبری کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ام حسب الذین اجترحوا السیئات (کیا وہ لوگ کہ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا) ام منقطعہ اور اس میں بل کا معنیٰ ہے اور یہ ایک بیان سے دوسرے بیان کی طرف انتقال کیلئے ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے کہ اس سے حسبان کا انکار بطریق انکار واقع کے اور اس سے استقباح و توبیخ مراد ہے یہ انکار الوقوع کے طریق سے نہیں اور نہ ہی اس کی نفی مطلوب ہے

حل لغات اجتراح بمعنی اکتساب ہے اسی سے جوارح ہے بمعنی اعضاء کیوں کہ وہ کام کرتے ہیں المفردات میں فرمایا گیا ہے کہ شکاری کتے اور شیر اور پرندوں کو جارحہ کہا جاتا ہے اس کی جمع جوارح ہے اس لئے کہ وہ شکار کو زخمی کرتے ہیں یا اس لئے کہ وہ شکار کا کام کرتے ہیں اور اعضاء کاسبہ کو جوارح ان دو معنوں میں تشبیہ کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے یہاں پر سیئات سے کفر و معاصی مراد ہیں۔

ان نجعلھم ہم انہیں بنا دیں حکم و اعتبار میں یہاں بُرا حال مراد ہے اجترحوا السیئات اپنے معمول وغیرہ سے مل کر محلاً حسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ کالذین آمنوا وعملوا الصالحات ان کی طرح جو مومن اور اچھے عمل کرتے ہیں یعنی انہیں اچھے عمل والوں کی طرح بنائیں یعنی ان کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو نیک اعمال والوں کو بزرگی اور رفع درجات ہوگی اور کاف جعل کا (محلاً) مفعول ثانی ہے۔ سواء محیاھم ومماتھم سواء کی ضمیر اور الذین سے بیک وقت دونوں سے حال ہے لیکن سواء بمعنی المستوی ہے اور محیاھم ومماتھم بر فاعلیت مرفوع ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا انہیں گمان ہے کہ ہم انہیں ان کی طرح بنا دیں گے ہرگز نہیں۔ درانحالیکہ یہ دونوں موت و حیات میں برابر ہوں یہ نہیں ہوسکتا ان دونوں کو آپس میں کسی معاملہ میں بھی برابری نہیں کیوں کہ مسلمان ایمان و طاعت سے مشرف ہے زندگی میں اور مرنے کے بعد رحمت الٰہی اور اسکی رضا و خوشنودی میں ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اصحاب صفہ کو مسجد میں دیکھا تو فرمایا تمہاری زندگی زندگی ہے اور موت بھی موت ہے۔

اور دوسرے یعنی کفار نے زندگی گزاری تو کفر و معاصی کی ذلت میں اور مرنے کے بعد دائمی عذاب اور لعنت خداوندی میں۔ ع

گل و خار و گِل و گوہر نہ برابر باشد

گل اور خار اور مٹی اور گوہر برابر نہیں۔

فائدہ: کفار قریش کہا کرتے کہ ہم آخرت میں اہلِ ایمان سے اچھے حال میں ہوں گے۔ بالفرض اگر ہم وقوع قیامت کو تسلیم کریں یہ ایسے ہے جیسے کہا کرتے، ہم تمہارے مال و اولاد کے لحاظ سے زیادہ ہیں اسی لئے ہمیں آخرت میں عذاب نہ ہوگا۔ کیوں کہ جو دنیا میں معزز ہے وہ آخرت میں بھی معزز ہوگا۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اس کا انکار ہے کہ (ایمان والے اور کافر) موت میں برابر نہیں جیسے حیات میں برابر تھے اس لئے کہ حیات میں نیک اور بُرا رزق وصحت کے قانون میں برابر تھے لیکن مرنے میں مختلف ہوں گے۔ ساء ما یحکمون برا ہے وہ جو فیصلہ کر رہے ہیں یعنی ان کا فیصلہ بُرا ہے یہ اسوقت ہے جب ما مصدریہ ہو اور فعل میں ان کے حکم کے تبیح کی خبر ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بُری شے ہے جس کا وہ فیصلہ کر رہے ہیں یہ اس وقت ہے جب ساء بمعنی بئس اور ما نکرہ موصوفہ ہو بمعنی شئ اور فعل انشاء ذم کے لئے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ حکم جس کا یہ لوگ فیصلہ کر رہے ہیں بُرا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ توحید و شرک کا نتیجہ (انجام) برابر ہوگا۔ ع

نیست یکساں مائے زہر آمیز باآب حیات

وہ پانی جس میں زہر ہو وہ آبِ حیات کے برابر نہیں۔

حکایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ (صحابی) ایک رات مقام (ابراہیم شریف) کے نزدیک نوافل پڑھ رہے تھے تو آپ کے کان میں اسی آیت کی آواز آئی تو رونا شروع ہوئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

حکایت حضرت فضیل رحمہ اللہ (ولی اللہ) کو یہ آیت سنائی گئی تو اسے بار بار پڑھ کر روتے اور کہتے اے فضیل نا معلوم تو ان دونوں میں سے کس گروہ میں ہے بطال اس امید پر نہ ہو کہ اسے عمل صالح کرنے والا مقام نصیب ہوگا۔ ایسے ہی بزدل کو بہادر کا مقام نہیں ملتا اور نہ ہی جاہل عالم کا ہم مرتبہ ہو سکتا ہے اور پندولے کو عبادت گزار قائم کا ثواب مل سکتا ہے۔

فائدہ: ہر انسان کو اپنی محنت کے مطابق اجر و ثواب ملے گا جتنا محنت زیادہ اتنا ثواب زیادہ جتنا محنت کم اتنا اجر و ثواب کم۔

بوڑھوں کو اعلانِ خداوندی سابقہ کتب میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا منادی روزانہ اعلان کرتا ہے کہ اے پچاس سال والو تمہاری کھیتی پک گئی ہے اب اس کے کاٹنے کا وقت

آگیا ہے اے ساٹھ والو حساب کی طرف آؤ۔ اے اتنی سال والو اب تمہارا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔

سبق. کاش انسانی مخلوق پیدا نہ ہوتی اگر ہوتی تو اسے معلوم ہوتا کہ وہ کس لئے پیدا ہوئی انہیں بیٹھ کر انہیں اعمال صالحہ کی نصیحت کرو اور بتاؤ کہ قیامت آئے گی اس کے لئے ڈیٹتے رہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو جس سال میں اس نے فوت ہونا ہے اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو سیدھے راستے کی رہبری کرتا ہے اور اس کے لئے نیکی کا راستہ آسان فرماتا ہے۔ جب اس پر موت آتی ہے اور ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ نفس مطمئنہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضامندی و خوشنودی کی طرف چل ایسا بندہ اپنے رب تعالیٰ کے لقاء کو دوست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لقاء کو پسند فرماتا ہے اور جب کسی بندے کے لئے شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی موت والے سال اس کے ہاں شیطان کو بھیجتا ہے تو وہ اسے گمراہ کرتا ہے جب اس کو موت آتی ہے اور ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے نفس خبیثہ اللہ تعالیٰ کے غصہ و غضب کی طرف چل۔ اس کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے لقاء کو مبغوض رکھتا ہے اور بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے لقاء سے بغض محسوس کرتا ہے۔

رُوحانی نسخے صوفیہ کرام نے فرمایا کہ جس بندے کے لئے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ وہ گناہ کی ذلت و خواری سے بچ جائے اور اطاعت کی عزت میں آجائے تو اسے تنہائی محبوب بنا دیتا ہے اور قناعت کے ساتھ غنی کر دیتا ہے اور اپنے نفس کے عیوب کی طرف دیکھنے کی توفیق بخشتا ہے جسے ایسی دولت نصیب ہوا ہے دنیا و آخرت نصیب ہوگئی یاد رہے کہ جیسے مطیع و فاسق میں فرق ہے ایسے ہی مطیع و مطیع میں بھی فرق ہے اور یہ فرق نیات اور اطاعت کی کمی و بیشی کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ نیات و اطاعت سے ہی مقامات و درجات بلند ہوتے ہیں اسی لئے بعض اہل جنت ایک دوسرے کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے ہمیں دنیا میں چمکدار ستارے نظر آتے ہیں۔

اعمال صالحہ کی برکات

حدیث ۱ ، حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) فرمائی ان میں ایک راہ خدا میں شہید ہو گیا دوسرا بھی ایک جمعہ کے بعد یا اس سے کم و بیش دنوں میں فوت ہو گیا۔ اس کی نماز جنازہ ہوئی فراغت کے بعد آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم نے اس کے لئے کیا کہا عرض کی ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کی مغفرت فرمائے اور اس پر رحم فرمائے

اور اسے اپنے ساتھی سے ملائے آپ نے فرمایا کر تو اس کا وہ عمل اور نماز کہاں جائیں گے جو اس نے اس کے فوت کے بعد کئے یا فرمایا وہ روزے جو اس نے اس کے بعد رکھے اس لئے کہ ان کے ان اعمال کی وجہ سے آپس میں اتنا فاصلہ ہے جیسے آسمان و زمین کے درمیان۔

حدیث ۲ : بعض اخبار میں وارد ہے کہ مردے اعمال صالحہ کے انقطاع سے حسرت کرتے ہیں یہاں تک کہ السلام علیکم کے جواب نہ دینے کے ثواب کی محرومی پر بھی افسوس کرتے ہیں۔

سبق سمجھدار کو چاہیے کہ وہ عمل صالح کے فوت ہونے سے اور فراق جدائی کے درد سے ڈرے (۱) فوت ہوئے اعمال کا ڈر یہ کہ کل قبور سے جب بندے اٹھیں گے تو بعض بندگان خدا کیلئے بہترین سواریاں اور اعلیٰ انوار ہوں گے۔ ان کا مقربین لوگ استقبال کریں گے۔ نیکی سے محروم لوگ ایسی حالت کو دیکھ کر افسوس کے ہاتھ ملیں گے اور فراق و جدائی کا درد یہ کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو ایک جگہ پر جمع کرے گا تو ایک فرشتے کو حکم ہو گا کہ وہ ندا دے کہ اے لوگو۔ آج ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ کہ آج متقیوں کو کامیابی ہے یہ ایسے ہے جیسے فرمایا وامتاز واالیوم ایھاالمجرمون۔ اے مجرمو آج علیحدہ ہو جاؤ اس وقت بیٹا ماں باپ سے زوج سے زوجہ محبوب محبوب سے جدا کیا جائے گا ان میں متقی کو سنگار کر کے نعمتوں کے باغات میں لایا جائے گا اور فاسق کو زنجیروں سے جکڑ کر دوزخ کے عذاب میں کھینچا جائے گا۔

حکایت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے ابو اسحاق شیخ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی قدس سرہ کو خواب میں ان کے وصال کے بعد دیکھا کہ ان پر سفید لباس ہے اور سر پہ تاج ہے۔ میں نے پوچھا یہ سفید لباس کیوں فرمایا طاعات کی شرافت ہے۔ میں نے پوچھا تاج فرمایا یہ علمی اعزاز ہے

نسخہ روحانی حضرت ابوبکر وراق قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے چار چیزیں طلب کیں تو وہ چار چیزوں میں ملیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی رضا طاعت میں

(۲) معاش کی وسعت نماز نوافل اشراق میں

(۳) دین کی سلامتی حفظ لسان میں

(۴) نور قلبی رات کی نماز میں۔

سبق ، فوت وقت سے پہلے چیز کو حاصل کرے کیوں کہ وقت تلوار قاطع ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

۱۔ سرانہ جیب غفلت بر آور اکنون
که فردا نمانی بخجلت نگون

۲۔ قیامت که نیکان با علی رسد
ز قعر ثری بر ثریا رسد

۳۔ مرا خود بماند سراز ننگ پیش
که گردت بر آید عملہائے خویش

۴۔ برادر ز کار بدان شرم دار
که در روئے نیکان شوی شرمسار

ترجمہ:
۱۔ ابھی غفلت کے گریبان سے سر باہر لا۔ تاکہ کل رسوائی سے سر نیچے نہ ہو
۲۔ قیامت میں کہ نیکوں کو اونچا لے جائیں گے ثری کے گڑھے سے ثریا تک پہنچائیں گے۔
۳۔ تیرا رسوائی سے سر اونچا نہ ہوگا اس لئے کہ تیرے اعمال کئے ہوئے ہیں یہ ان کی جزا ہے
۴۔ اے برادر برے کاموں سے شرم کر۔ تاکہ نیکوں کے سامنے تجھے شرمساری نہ ہو۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ
هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ
عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ○ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ
وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ
عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ

يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بنایا اور اس لیے کہ ہر جان اپنے کیے کا بدلہ پائے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے اور بولے وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ اور انہیں اس کا علم نہیں تو وہ نرے گمان دوڑاتے ہیں۔ اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو بس ان کی حجت یہی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کو لے آؤ تم اگر سچے ہو۔ تم فرماؤ اللہ تمہیں جلاتا ہے پھر تم کو مارے گا پھر تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں لیکن بہت آدمی نہیں جانتے۔

تفسیر عالمانہ

وخلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض بالحق اور اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین حق کی وجہ سے پیدا فرمائے تاکہ حق اور اس کی حقیقت کا ظہور ہو ساتھ امر ایجادی اور تجلی الاحدی کے ذرات عالم میں سے کوئی ذرہ نہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا جلوہ نہ ہو لیکن اس کا صرف اہل شہود ہی مشاہدہ کرتے ہیں اسی حق و وجود کے ظہور کے وقت باطل عدم مٹ جاتا ہے اس راز پر گھومتا ہے باری تعالیٰ کا قول ثم استوی علی العرش اللہ تعالیٰ کی ذات استواء سے بلند و بالا ہے جیسے ظالم[1] لوگ کہتے ہیں۔

ولتجزی کل نفس بما کسبت اور تاکہ ہر نفس جزا دیا جائے اس کا جو اس نے کمایا خیر و شر سے در اس کا " بالحق " پر عطف ہے کیوں کہ اس میں تعلیل کا معنیٰ ہے اس لئے کہ بار سببیہ کی ہے۔ یاد رہے کہ خلق عالم کی ایک حکمت اعمال کی جزاء ہے کیوں کہ اگر جزا و سزا نہ ہو جیسے کافروں کا عقیدہ ہے تو پھر مطیع و عاصی برابر ہوں گے اور جزاء طاعت و معصیت پر مرتب ہوتی ہے

[1] جنہیں صاحب روح البیان قدس سرہ اپنے دور میں ظالم کہہ رہے ہیں ان ظالموں کا نام ہمارے دور میں وہابی غیر مقلد ہے کیونکہ انکا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ اویسی غفرلہ

اور وہ وجود عالم پر موقوف ہے اس لئے کہ تکلیف (مکلف ہونا) اسی دار دنیا میں ہی حاصل ہو سکتی ہے اس کی تحقیق و تفصیل (وما خلقنا السموٰت (الآیۃ) کے تحت سورہ دخان میں گزر چکی ہے۔(وَھُم) اور وہ نفوس (اس پر کل نفس دلالت کرتا ہے) "لا یظلمون" ظلم نہیں کئے جائیں گے یعنی محسنین (نیکی والوں) کی نیکی میں کمی نہیں کی جائے گی اور بُرے کی بُرائی میں اضافہ نہ ہو گا بلکہ ہر ایک کو اپنے عمل کے مطابق جزا دی جائیگی۔

(سوال) اللہ تعالیٰ پر ظلم کا اطلاق نہیں ہوتا جیسا کہ اہل سنت کا قاعدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسے نقائص سے منزہ اور پاک ہے تو پھر یہاں اس کا اطلاق کیوں ؟

(جوابؔ) اللہ تعالیٰ سے اسکی نفی مطلوب ہے تو بحیثیت نفی کے یونہی اطلاق ہوا ہے اگرچہ اس سے ظلم محال ہے لیکن یہاں بھی نفی ظلم صرف اطلاق تک محدود ہے۔ اسی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جزاء میں تسویہ سفہ ہے (جوابؔ) اللہ تعالیٰ نے عالم کو حق کی وجہ سے پیدا فرمایا تاکہ مطیع و عاصی کے درمیان امتیاز ہو اور یہ بیوقوفی کیونکہ اعمال کی جزاء اعمال کے موافق ضروری ہے یہ اس کا عدل و فضل ہے نہ کہ جہل وغیرہ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اعمال صالحہ کے لئے عجلت کرے بالخصوص توحید و ذکر الٰہی میں کیونکہ خلق ثقلین سے اسی طرح معرفت مقصود حاصل ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معرفت کی فضیلت کے اظہار کے لئے فرمایا جب آپ سے پوچھا گیا "ای الاعمال افضل" کون سا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا "العلم باللہ" معرفت الٰہی۔ لیکن معرفت معرفت میں فرق ہے۔

حکایت سلطان محمود غزنوی قدس سرہ کو حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے مزار کے محافظ نے فرمایا کہ ابوجہل نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیم ابی طالب و عبدالمطلب کی حیثیت سے دیکھا اگر وہ رسول اللہ و حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے دیکھتا تو آپ کو پہچان لیتا اور آپ پر ایمان لاتا۔

سبق عبادت میں خلوص ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں عبادت کرتا ہے وہ بلند مرتبہ پاتا ہے اس میں اور جو صرف عذاب کے خوف سے عبادت کرتا ہے میں فرق ہے۔

حکایت محمدی یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار نے چالیس سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اسرائیلی نے چار سو سال عبادت کی لیکن چالیس سال والے محمدی کو بہت زیادہ ثواب ملے گا۔ اسرائیلی عرض کرے گا یا الٰہ العالمین تو عادل ہے اور یہاں عدل و انصاف کہاں گیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسرائیلی عذاب سے ڈر کر عبادت کرتے تھے لیکن امتی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف میری

رضا کے لئے عبادت کرتے تھے۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: چیست اخلاص آنکہ کسب وعمل
پاک سازی زشوب نفس و دغل

۲: نہ درآں صاحب غرض باشی
نہ ازاں طالب عوض باشی

۳: کیسہ خود از دبیر دازی؛
سایۂ خود برد نیند ازی

ترجمہ: ۱: اخلاص کیا ہے وہ یہ کہ عمل اور نیکی کو نفس اور مکر سے صاف کر

۲: نہ اس میں صاحب غرض ہو نہ اس سے عوض کا طالب ہو۔

۳: اس کے لئے کیسہ خالی کر دے پھر اس پر اپنے سایہ کو بھی نہ آنے دے۔

تفسیر عالمانہ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنایا ہے اس سے مراد ہے جسے نفس خبیث خواہشات کا دیوانہ بنادے۔

نکتہ، شعبی نے فرمایا کہ ھوٰی (خواہش) کو اس لئے ہوئی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے چاہنے والے کو جہنم میں دھکیلتی ہے

سبق اس میں امن سے تعجب کا اظہار ہے جو اتباع ھدی کا ترک کر کے اتباع ھوٰی (خواہش) کرتا ہے یہاں تک کہ گویا وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔

فائدہ: اس میں استعارۃ تمثیلیہ ہے یا حرف تشبیہ کا محذوف ہے گویا اس کا اصل ہوگا لہٗ تعالیٰ یعنی کیا تم نے اسے بغور دیکھا ہے ایسا جملہ تعجب کا مقتضی ہے اس آیت کی تحقیق سورہ فرقان میں گزر چکی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی مشاہدہ کے مراتب کے علاوہ کسی گھٹیا مرتبہ کی اتباع کرتا ہے وہی خواہش کا متبع ہے گویا اس نے مالک حقیقی کے سوا کسی اور کی عبادت کی ہے۔

حدیث شریف: آسمان کے سایہ تلے سب سے مبغوض ترین وہ شے ہے جو غیر اللہ کے سوا عباد

کی جاتی ہے وہ خواہش نفسانی ہے کسی شاعر نے اس کی ترجمانی کی ہے ؎

نون الهوان من الهوی مسروقة

فاسیر کل هوی اسیر هوان

ترجمہ ۔ ھوان (ذلت) کا نون ہوی (خواہش نفسانی) سے چرایا ہوا ہے جو خواہش کا قیدی ہے اسے ذلت کا قیدی سمجھو۔

کسی دوسرے شاعر نے فرمایا ؎

فاعص هوی النفس ولا ترضها

انك ان اسخطتها زانکا

حتی من تطلب مرضاتها

وانما تطلب عداونکا

ترجمہ : خواہش نفسانی کی نافرمانی کر اور اسے خوش نہ کر اسی لیے اگر تو اسے ناراض کرے گا تو وہ تجھے زینت دے گی تو جو اسکی خوشنودی طلب کرتا ہے تو سمجھ لے کہ تو اپنی دشمنی خود طلب کر رہا ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہیچ اذی براہ خلق

نیست بدتر ز نفس بدفزا

ترجمہ ۔ مخلوق کی کوئی ایذاء اچھی نہیں نفس سے بدتر ۔ اسے بد سمجھ۔

تفسیر عالمانہ

و اضلہ اللہ (اور اسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا)، یعنی اسے رسوا کیا یہ اس کا عدل ہے۔ "علی علم" یہ فاعل سے حال ہے یعنی در انحالیکہ اس کی گمراہی اور فطرۃ اصلیہ سے اس کی تبدیلی کو جانتا ہے اور اسے معقول سے حاصل بنانا بھی ممکن ہے اب معنی یہ ہوا کہ گمراہ کا ہدایت کو جاننے کے باوجود عناداً گمراہ ہوا کیوں کہ جب اس کے پاس حق آیا تو جانے پہچاننے کے باوجود اس نے کفر کیا۔ اب یہ آیت فما اختلفوا الا من بعد ما جاءھم العلم (انہوں نے نہیں اختلاف کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے ہاں علم آیا) کی طرح ہے۔ وختم علی سمعہ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں پر مہر لگائی ہے۔ اسی لیے اب نہ اس پر مواعظ اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ حق کو سنتا ہے۔ وقلبہ اور اس کی قلب پر بھی دجہ ہے کہ

وہ اب نہ آیات میں تفکر کرتا ہے اور نہ ہی ڈرانے والے کی باتوں سے سوچ بچار کرتا ہے اور نہ ہی حق کو سمجھتا ہے۔ وجعل علی بصرہ غشاوۃ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا ہے ایسا پردہ جو دیکھنے اور عبرت پکڑنے سے مانع ہے۔ الغشاوۃ وہ شے جو آنکھ کو دیکھنے اور ادراک سے ڈھانپے اور چھپائے اس کا نکرہ ہونا تنویع وتعظیم کے لئے ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں پر مہر لگائی تو وہ اس کے خطاب کے سماع سے محروم ہوگیا اور اس کے قلب پر مہر لگائی تو اس کے خطاب کے فہم سے محروم ہوگیا اور اس کی آنکھوں پر مہر لگائی تو آثار قدرت کے مشاہدہ سے محروم ہوگیا یہاں تک کہ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی صفت میں کیا ہے اسی لئے وہ حق کو نہیں دیکھ سکتا۔ فمن یہدیہ تو پھر اسے کون ہدایت دے۔ من بعد اللہ اللہ تعالیٰ کے بعد یعنی اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے بعد جب کہ اسے اندھے ہونے یعنی گمراہ ہونے کے موجبات پائے گئے اور وہ گمراہی کے انتہا کو پہنچ چکا یعنی ایسے آدمی کو ہدایت دینے کی کسی کو قدرت نہیں۔ افلا تذکرون تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یعنی اے لوگو کیا تم ایسی باتوں کو ملاحظہ کرکے نصیحت نہیں پاتے اور غور وفکر نہیں کرتے تو پھر جانو کہ ہدایت کا مالک صرف وہی ہے یا معنی یہ ہے کہ تو کیا تم نصیحت نہیں پاتے اور متنبہ نہیں ہوتے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں فلاسفہ۔ دہریہ (کیمونسٹ) وطبائعیہ کی طرف اشارہ ہے اور ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اتباع حق کے راستہ پر نہیں چلتے اور قانون شریعت پر ارباب طریقت کے آداب پر احکام ریاضت پورے نہیں کرتے اور نہ ہی خواہشات سے کلی طور فارغ رہتے ہیں اور نہ ہی حق کا اتباع کرتے ہیں اور نہ امام مقتدا کا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ امام مقتدی جو براہ ہدایت میں مشہور ہے اور وہی اہل وصال وصول ہے ایسے لوگ ائمہ کفر وضلال کی اقتدا کرتے اور شبہات عقلیہ سے اور براہین قطعیہ میں گمان کرکے ان کے نشانات کے پیچھے چلتے ہیں ایسے لوگ شیطان کے جنگل میں پھنستے ہیں پھر شیطان اسے خواہشات کی باگ سے پکڑ لیتا ہے اور اسے خواہشات کے جنگل میں لے جاکر ہلاک وتباہ کر دیتا ہے بہت سے بدبخت ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں شیطان ریاضت کی طرف بلاتا ہے اور اس سے ترک شہوات بھی کرتا ہے اور یہ اس کی صفائی عقل کی وجہ سے ہوتی ہے اور کفر سے سلامتی سے بھی لیکن پھر اسے آرزو ڈالتا ہے کہ اپنے عقل کے زور سے حقائق کو حاصل کرے اس طرح سے ایسے عقل کے بندے کو شیطان تباہ وبرباد کرتا ہے کہ اسے شبہات کی تاریکیوں میں لے جاتا ہے پھر اسے مکمل طور پر گمراہ کر لیتا ہے بلکہ گمراہی کے

انتہائی گڑھے میں اسے پھینک دیتا ہے ایسا شخص نفع کے بجائے خسران پاتا اور رجحان کے بجائے نقصان میں ہوتا ہے ایسے لوگ دُور کی گمراہی میں ہوتے ہیں وہ عمل تو کرتے ہیں لیکن نفوس کی خوشی میں اور ان کی باگ ان کی خواہش نفسانی کے ہاتھ میں ہوتی ہے یہی لوگ اہلِ مکر ہیں انہیں مہلت ملتی ہے لیکن وہ اپنی گمراہی سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چیست حبل اللہ رہا کردن ہوا
کیں ہوا شد صرصرے مرعاد را

(۲) خلق در زندان نشستہ از ہواست
روح مرادر غیب خود اشکنجہاست

(۳) لیک تا نجہی شکنجہ در خفاست

(۴) چوں رسیدی بینی اشکنج و دمار
زانکہ ضد از ضد گردد آشکار

(۵) چوں رہا کردی ہوی از بیم حق
در رسد سفراق از تسنیم حق

ترجمہ: ۱۔ اللہ کی رسی کیا ہے خواہشات سے نجات پانا خواہشات ہی عاد کے لئے آندھی بن گئی تھی۔
۲۔ قیدی قید میں خواہشات سے ہیں روح کے غیب میں بہت شکنجے ہیں۔
۳۔ لیکن جب تک نجات نہ پائے گا شکنجہ چھپا رہے گا
۴۔ جب شکنجے سے نجات پائے گا تب شکنجہ اور ہلاکت نظر آئے گی اس لئے کہ ضد سے اس کی ضد ظاہر ہوتی ہے۔
۵۔ جب خواہشات سے خوف حق سے نجات پائے گا۔ تو خوشبو نصیب ہوگی تسنیم حق سے۔

تفسیر عالمانہ

وقالوا منکرین بعث و نشر نہایت گمراہی سے کہتے ہیں ان سے کفار قریش اور کفار عرب مراد ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہ ان زندیقوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ لوگ تو گھاس کی طرح ہیں۔ ماھی نہیں ہے حیاۃ " الاحیاتنا الدنیا "، مگر ہماری حیاۃ دنیوی کہ جس میں ہم زندگی بسر کرتے ہیں "نموت ونحیا" ہم مرتے اور جیتے ہیں یعنی اس میں ہماری حیاۃ و موت ہے۔

اور بس اس کے سوا اور کوئی حیات نہیں۔

فائدہ نحیا کی نموت سے تاخیر رعایت فاصلہ کی وجہ سے ہے اور اس لئے کہ واو مطلق جمع کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے تناسخ مراد لیتے کیونکہ بت پرستوں کے اکثر کا تناسخ کا عقیدہ تھا۔ تناسخ یہ ہے کہ روح ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہوتی ہے وہ دنیا میں ظاہر تھا تاکہ دوسرے جسم میں جاکر رہے۔

فائدہ : شاکونی جو اس کے گمان میں ایک پیغمبر تھا اس سے نقل کرتے وہ کہتا کہ میں دنیا میں ایک ہزار سات سو اجسام میں منتقل ہو چکا ہوں۔

فائدہ : امام راغب رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تناسخ کی ایک قوم قائل تھی جن کا عقیدہ بعث و نشر سے انکار تھا اسی لئے وہ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا السلام کے منکر ہو کر کہتے کہ ارواح اجسام سے ہمیشہ منتقل ہوتی رہتی ہیں یعنی کبھی اس جسم میں تو کبھی دوسرے جسم میں۔

فائدہ : التعریفات میں ہے کہ تناسخ یہ ہے کہ روح ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں منتقل ہو بغیر خلل زمانہ کے درمیان دو تعلقوں کے اس لئے کہ روح کو جسم سے ایک دوسرے کے ساتھ تعشق ذاتی ہے۔ وما یہلکنا الا الدھر اور نہیں دہر ہی ہلاک کرتا ہے یعنی زمانہ کا گزرنا اور یہ مداد عالم سے اس کے ختم ہونے تک ہوتا رہے گا۔ اس سے ان کی مراد بڑی مدت ہے ورنہ زمانہ کا اطلاق مدت قلیلہ و کثیرہ پر ہوتا ہے۔

تحقیق دہر

القاموس میں ہے کہ دہر زمانۂ طویل اور دراز مدت کا نام ہے اور ایک ہزار سال کو بھی دہر کہتے ہیں اور بعض صوفیہ کے نزدیک دائمی آن یعنی حضرت الٰہیہ کا امتداد یعنی زمانہ کا باطن اسی سے ہی ازل و ابد متجدد ہوتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ موثر نفوس کے کرنے میں یہی رات اور دن کا آنا جانا ہے یہ ملک الموت کے قائل نہیں اور نہ امر الٰہی سے اس کے روح قبض کرنے کے قائل ہیں اور یہ حوادث کو دہر اور زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اسی لئے اسے گالی دیتے اور اس کی مذمت اور شکایت کرتے ہیں جیسا کہ ان کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دہر کو گالی دینے سے رد کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر دہر کو گالی مت دو اس لئے کہ دہر تو اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ حوادث اللہ تعالیٰ لاتا ہے نہ کہ دہر علامہ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دہور کا متقلب و معرف اللہ تعالیٰ ہے دہور کو کسی کام اور امر کا اختیار اور دخل نہیں ؎

دہر ترا دہر پناہ ہے ترا
حکم ترا زیبد وشاہی ترا

۲۔ دور زمان کار نساز د بخود
چرخ فلک بر نفراز د بخود

۳۔ این ہمہ فرمان ترا بندہ
در رہ امر تو شتابندہ

ترجمہ ۱: سارا دہر تری پناہ میں ہے حکم تجھے زیب دیتا ہے اور شاہی بھی تیری ہے۔
۲۔ دور زمانہ از خود کوئی کام نہیں کرتا نہ ہی چرخ فلک از خود اونچا ہوتا ہے
۳۔ یہ سب تیرے فرمان کے بندے ہیں تیرے حکم پر دوڑ رہے ہیں۔
کسی اور نے فرمایا ہے

۱۔ لاتلم الدھر علی غدرہ
فانہ مامور آمر قد ینتہی الدھر الی امرہ

۲۔ کم کافر اموالہ جمہ
یزداد انعاما علی کفرہ

۳۔ ومومن لیس لہ درھم
یزداد ایمانا علی فقرہ

ترجمہ: ۱۔ دہر کو اس کی ضرر رسانی پر ملامت نہ کر کیونکہ وہ دہر اپنی قدرت سے کام نہیں کر رہا وہ تو کسی آمر کا مامور ہے اور دہر بھی اس کے حکم سے کام سرانجام دیتا ہے۔
۲۔ کتنا کافر ہیں کہ ان کا تمام مال ان کا منہ کالا کر رہا ہے اور مومن کے پاس درم نہیں لیکن وہ اپنے فقر سے ایمان میں بڑھ رہا ہے

شرح الحدیث المفردات میں ہے کہ لا تسبوا الدھر الخ کا معنی یہ ہے جو کچھ خرد وش اور خوش دغمی کی نسبت دہر کی طرف کی جاتی ہے اس کا فاعل تو اللہ تعالیٰ ہے جب تم اسے گالی دیتے ہو جو ان امور کا فاعل ہے تو گویا تم اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے ہو۔ بعض نے کہا کہ لا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ میں دوسرا دہر اول کا غیر ہے وہ مصدر بمعنی فاعل ہے اب فان الدھر ھو اللہ کا معنی یہ ہے کہ وہ جملہ حوادث کا معرف و مدبر ہے لیکن پہلا مطلب زیادہ ظاہر ہے۔

حدیث شریف قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن آدم یوں نہ کہے۔ یا خیبۃ الدھر

دہر کو خرابی ہو) کیوں کہ دہر میں ہوں میں ہی رات اور دن بھیجتا ہوں چاہوں تو ان دونوں کو سمیٹ لوں۔
فائدہ: یہ اور پہلی حدیث ان بعض صوفیہ کے رد میں کافی ہے۔ جیسا کہ گزرا اسے سمجھے کامیاب ہوگا۔

وما لھم بذلک اور انہیں اس کا یعنی وہ جو ان کا عقیدہ مذکور ہوا کہ حیات صرف یہی دنیا ہے اور جو کچھ کرتا ہے زمانہ کرتا ہے۔ **من علم** کوئی علم کہ اسے عقل قبول کرے یا کوئی ان کے پاس نقل ہو اور نفی کی تاکید کے لئے ما نافیہ ہے۔ **ان ھم الا یظنون** نہیں وہ لوگ مگر یہ کہ وہ اپنے امور کا دار و مدار گمان پر رکھتے ہیں اور پچھلے لوگوں کی تقلید کرتے ہیں ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں کہ جس سے وہ استدلال کر سکیں یہ انکا اعتقاد فاسد اپنا بنایا ہوا ہے بہرحال اہل ایمان کا ہر عقیدہ نصوص سے ثابت ہے اسی لئے انہیں اپنے عقائد پر یقین ہے انہیں گمان نہیں اور نہ ہی تخمینہ کرتے ہیں وہ حشر صوری و معنوی ہر دونوں کے قائل ہیں یعنی حشر محسوس اور صراط محسوس اور جنۃ و نار محسوس کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ایسے ہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ نفوس جزئیہ کو نفس کلیہ کی طرف جمع کرتا ہے اور معقول و محسوس کا جمع کرنا بہت بڑی قدرت ہے کہ یہ نعمتیں اور عذاب محسوس بھی ہیں اور معقول بھی مثلاً کھانا پینا، نکاح لباس محسوس بھی ہیں اور معقول بھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور یہ مظاہرۂ قدرت ممکنات کے ہر صنف میں جاری ہے یہ عالم غیب و شہادۃ کا کمال ہے کہ ہر صنف میں اسم ظاہر و باطن ہر دونوں کا حکم ثابت ہوتا ہے یہی جملہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کا عقیدہ ہے اور یہی اہلِ ایمان کا عقیدہ ہے جو ان کے عقیدہ کے مطابق عقیدہ رکھے گا وہ کامیاب ہوگا ورنہ ہلاک اور تباہ ہوگا

اس عقیدہ کے لوازمات میں سے توحید کا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ ہر حادثہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کیوں کہ وہی ہر شے کا مؤثر حقیقی ہے اسی لئے ہوا کو گالی دینے سے روکا گیا ہے اس لئے کہ وہ ایک فرشتے کے قبضے میں ہے اور فرشتہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اسی لئے جملہ تصرفات اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

حکایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو عبداللہ ثقفی کے ذریعے حجاج (ظالم) نے بلوایا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے کیوں کہ عزیز وہ ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے اور ذلیل وہ ہے جو اس کی معصیت کا مرتکب ہے یہ کہہ کر چل پڑے جب حجاج کے ہاں تشریف لائے تو اُس نے کہا آپ ہیں جو ہمارے لئے بددعا کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں: اس نے کہا کیوں۔ فرمایا تو اپنے رب کا نافرمان ہے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی عزت اور اولیاء اللہ کی تذلیل کرتا ہے اس نے کہا میں آپ کو بُری طرح قتل کر دوں گا آپ نے فرمایا اگر اس کا مجھے علم ہوتا کہ میرا قتل تیرے ہاتھ میں ہے تو میں تیری ہی عبادت کرتا اس نے کہا وہ کیسے آپ نے فرمایا۔

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک ایسی دعا سکھائی ہے کہ جو اسے ہر صبح کو پڑھ لیا کرے تو اس پر کسی کا بس نہ چلے گا یعنی کوئی اسے نقصان نہ دے سکے گا یہاں تک کہ نہ اس پر نہ برا اثر کرے گی نہ جادو نہ ظالم بادشاہ کا ظلم اور آج میں اسے صبح سے پڑھ چکا ہوں۔ حجاج نے کہا وہی مجھے بھی سکھا دیں آپ نے فرمایا (معاذ اللہ) پناہ بخدا میں تجھے وہ دعا زندگی بھر نہ سکھاؤں گا حجاج نے کہا انہیں چھوڑ دو، آپ سے کہا گیا یہ آپ نے کیسے جرأت کی فرمایا میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں کاندھوں پر دو شیر بیٹھے تھے اگر وہ مجھ پر حملہ کرتا تو وہ دونوں شیر منہ کھولے ہوئے تھے اسے کھا جاتے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ جملہ تاثرات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں نہ کسی بادشاہ کے ہاتھ میں ہیں نہ کسی وزیر کے قبضہ میں کیوں کہ یہ لوگ صرف اسباب کو دیکھتے ہیں اور بس۔

دعاء کامل التاثیر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو جب موت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ تو نے میری خوب خدمت کی ہے تجھے وہی دعا سکھاتا ہوں وہ دعا یہ ہے۔

بسم اللہ خیرا لاسماء بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء

تعارف سیدنا انس رضی اللہ عنہ حضرت انس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ میں منتقل ہو گئے تھے اور صحابہ کرام میں بصرہ میں آخری صحابی تھے جو ۹۱ھ میں یہاں فوت ہوئے آپ کی ایک سو تین سال عمر تھی اور سب سے بڑے راویان احادیث صحابہؓ میں سے آپ کا چھٹا نمبر ہے۔

تفسیر عالمانہ واذا تتلی علیہم آیاتنا بینات اور جب بعث و نشر کے منکرین کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں منجملہ ان کے ایک بعث و نشر بھی ہے۔

بینات: وہ واضح الدلالۃ دلائل جن پر آیات ناطق ہیں یا وہ آیات جن کیلئے بنیات ہیں جیسے قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ فرمائیے وہی ان کو زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا اور ان الذی احیاہا لمحی الموتی بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں (موتی) کو زندہ کرتا ہے۔

ما کان حجتہم (ان کی حجت نہ تھی) اذا کا جواب ہے ابو حیان نے سی سے استدلال کیا ہے کہ اذا کے عامل کا جواب نہیں کیوں کہ ما نافیہ کو صدر کلام ضروری ہے اور اس کے جواب میں فاء کا ہونا اسی لئے ہے کہ اذا دوسرے ادوات شرط کی طرح نہیں اور حجتہم کا منصوب ہونا ما کان کی خبر کی وجہ سے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کا مستدل کوئی شے نہ تھی جو اس کی معارض ہوتی الا ان قالوا مگر یہ کہ عناد و اقتراحاً (مطالبہ کرتے ہوئے) کہا۔ ائتوا بآبائنا "ہمارے آباؤ کو لاؤ" یعنی انہیں زندہ کر کے قبور سے اٹھاؤ۔

ان کنتم صادقین۔ اگر تم سچے ہو اس دعویٰ میں کہ ہم مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھیں گے یہ مضمون سورۃ دخان
میں گزرا ہے کہ ان کا یہ محال قول باطل ہے اسے حجت نہیں بنایا جا سکتا کیوں کہ حجت دلیل قطعی کو کہا جاتا ہے اور
ان کی بات کو حجۃ تہکم کے طور کہا گیا ہے یا تقابل کو بمنزلہ تناسب کے لایا گیا ہے بطور مبالغہ کے یعنی وہ شے کہ حجت نہیں
اسے حجت کہنا اسی طرح ہے جیسے تہکماً انہیں کہا گیا۔ تحیۃ بینھم الخ ضرب وجیع ان کا تحیہ ہے سخت مارنا
وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اسے حجۃ کہہ کر بتانا ہے کہ وہ حجت نہیں ہے یعنی ایسے لوگوں کی ایسی حجت کیا ہے کچھ بھی نہیں جیسے
اس ذلیل شخص کی ملاقات کہ جوتے مارے جائیں وہ ملاقات نہ ہوئی بلکہ اسے ذلیل کرنا ہوا۔ ایسے طریقے اختیار کرنا یعنی ان
کی بات کو حجۃ کہنا انہیں ذلیل وخوار کرنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کی حجت یہ ہے حالانکہ وہ حجت ہے نہیں قل اللہ یحییکم
فرمائیے اللہ تعالیٰ تمہیں ابتداءً پیدا کرتا ہے ثم یمیتکم پھر تمہیں مارے گا جب تمہارے اجل ختم ہوں گے نہ کہ جیسے تم سمجھتے ہو کہ
تمہیں دہر زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ ثم یجمعکم پھر تمہیں قبور سے اٹھانے کے بعد جمع کرے گا درانحالیکہ تم پہنچو گے
الی یوم القیمۃ قیامت کے دن تک جزاء وسزا کے لئے لا ریب فیہ اس میں کوئی شک نہیں یعنی تمہارے جمع کرنے
میں کیوں کہ جو ذات تمہیں ابتداً پیدا کرنے پہ قادر ہے وہ تمہارے لوٹانے پر بھی قدرت رکھتی ہے اور حکمت کا تقاضا یہی
ہے کہ جزاء وسزا کے لئے مخلوق کو ایک میدان میں جمع کیا ہے اور وہ وعدہ سچا جو معجزات سے مصدق ہے دلالت کرتا
ہے کہ اس کا وقوع یقیناً ہے اور اب ان کے آباء کو زندہ کرنا حکمت تشریعیہ کے مخالف ہے اسی لئے اس کا ایقاع
ممتنع تھا۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ احیاء موتیٰ ایک خاص وقت پر موقوف اور ایک خاص حکمت کا مقتضیٰ
تھا اسی لئے کہ اگر ان کے مطالبہ پر نہ ہوا تو یہ اس کے عجز کی دلیل نہیں ہے۔ اس تعلیل کے علاوہ دوسری وجہ سورہ دخان
میں ہم نے تفصیل کے ساتھ لکھدی ہے۔

ولکن اکثر الناس لا یعلمون لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے یہ لاریب فیہ سے استدراک ہے کہ لا علم
لوگ اس بارے میں شک میں ہیں۔

فائدہ: اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حیات انسانیہ سے زندہ کرے گا پھر تمہیں صفت انسانیہ
حیوانیہ کی موت دے گا پھر تمہیں قیامت تک حیات ربانیہ کے ساتھ جمع کرے گا یہ نشاۃ اُخریٰ ہے کہ اس
میں کسی قسم کا شک نہیں اہل نظر کے نزدیک لیکن اسے اکثر لوگ نہیں جانتے کیوں کہ وہ اہلِ نسیان وغفلت ہیں

لہ: یہی جواب وہابیہ کے لئے ہوگا وہ کہتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو کفار اور یہود ونصاریٰ
کے سوالات کے مطابق عمل کرکے کیوں نہ دکھلایا۔ اویسی غفرلہ

وفی الجہل قبل الموت موت لاھلہ
واجسامہم قبل القبور قبور

وان امراء لم یحی بالعلم میت
ولیس لہ حین النشور نشور

ترجمہ ا: جہل میں موت سے پہلے ہی جاہل کی موت ہے اور ان کے اجسام قبور میں جانے سے پہلے ہی قبور میں ہیں
۲: جو مرد علم سے زندہ نہ ہوا وہ مردہ ہے اور مرنے کے بعد اٹھنے پر بھی اس کا اٹھنا نہ ہوگا۔

حدیث: تم اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہو جب کہ تم سے دو سکرات ظاہر نہ ہوں۔
۱: سکرۃ الجہل ۲: سکرۃ حب الدنیا

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ متنبہ رہے اور اپنے رب کی جانب سے یقین پہ رہے اور جو کتاب (قرآن) نے فرمایا اس کی تصدیق کرے۔ ایمان بالغیب چونکہ ایک مشکل امر ہے اسی لئے اکثر لوگ تکذیب کے گڑھے میں گر پڑے اور ایسے ہی برزخ و معاد کے دروازے بند ہیں۔ اسی لئے اس کا اکثر لوگوں نے انکار کر کے رد کر دیا۔

حکایت: شیخ امام مفتی الانام عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ تعالیٰ سے موت کے بعد خواب میں سوال کیا گیا کہ آپ تو ایصالِ ثواب یعنی قرأۃ القرآن کے ثواب کے موتیٰ کو پہنچنے کے منکر تھے اب کیا حال ہے فرمایا۔ افسوس ہے کہ میں غلطی پہ تھا اب میں نے یقین کیا اور ماننا پڑا وہ ہر شئے پر قادر ہے[1]۔

بہرام گبر کی حکایت پیر خراسان احمد حربی قدس سرہ کا ہمسایہ کافر (گبر) بہرام تھا۔ کاروبار کے لئے تجارتی مال باہر بھیجا تو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ حضرت حربی قدس سرہ نے مریدین سے فرمایا کہ اگرچہ وہ کافر ہے لیکن پھر بھی ہمسایہ ہے چلو اس سے غمخواری کے طور ہو آئیں جب آپ مع مریدین اس کے ہاں پہنچے تو وہ آتش پرستی میں مصروف تھا آپ کو دیکھتے ہی نوکروں کو کھانے کا کہا اس نے سمجھا کہ آج کل قحط سالی ہے شاید یہ لوگ کھانے کیلئے تشریف لائے آپ نے فرمایا بہرام ہم کھانے کیلئے نہیں آئے بلکہ تیرے مال لٹ جانے کی خبر سنکر تجھ سے غمخواری کرنے آئے ہیں۔ بہرام نے حضرت کی بات سنکر ہاتھوں کو چوما اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بٹھایا بہرام نے کہا حضرت مجھے مال کے لٹ جانے کی کوئی فکر نہیں بلکہ اس سے مجھے تین وجہ سے شکر کرنا ضروری ہے

[1]: دورہ حاضرہ میں جتنے فرقے ایصال ثواب کے مختلف طریقوں کے منکر ہیں کل قیامت میں پچھتائیں گے (اویسی غفرلہ)

۱۔ دوسرے لوگ مجھ سے مال لوٹ گئے ہیں نہ تو کسی سے کچھ نہیں چھینا۔
۲۔ اگر وہ میرا آدھا مال لوٹ گئے آدھا تو میرے پاس موجود ہے۔
۳۔ دنیا گئی لیکن میرا دین تو محفوظ ہے اور دنیا آنی جانی شے ہے ؎

ہنر باید وفضل و دین و کمال
کہ گاہ آید دگر رود جاہ و مال

ترجمہ: ہنر وفضل و دین و کمال چاہیئے ورنہ جاہ و مال تو بہت آتے ہیں اور بہت جاتے ہیں۔

حضرت احمد قدس سرہ نے فرمایا تیری ان باتوں سے محبت کی خوشبو آتی ہے لیکن یہ بتا کہ تم آگ کو کیوں پوج رہے تھے کہا تاکہ کل قیامت میں مجھے نہ جلائے اور میرے ساتھ بے وفائی نہ کرے اور مجھے خدا تعالیٰ تک پہنچا دے۔ احمد حربی نے فرمایا یہ تمہارا خیال غلط ہے کیوں کہ آگ ایک ضعیف اور جاہل اور بے وفا شئے ہے جس طرح کہ تم نے اس سے امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں تمام بیکار ہیں کیوں کہ یہ ضعیف اس لئے ہے کہ اگر کوئی بچہ اس پر پانی یا مٹی ڈال دے تو فوراً بجھ جائے گی جب وہ اپنے سے اپنا نقصان دفع نہیں کر سکتی تجھے اسی قدرت والے رب تک کیسے پہنچا سکتی اور جاہل اس لئے ہے کہ اس میں مشک ڈالو یا نجاست ہر دونوں کو جلا دے گی اسے یہ نہیں معلوم کہ ان میں بہتر کونسی شے ہے اور بے وفا اس لئے ہے کہ تو نے اس کی ستر سال پرستش کی ہے لیکن میں نے اس کی کبھی پرستش نہیں کی لیکن ہم دونوں اس میں چھلانگ لگائیں تو دونوں کو جلا دے گی اپنے پرائے کی پہچان نہیں کرے گی فلہذا ایسی بے وفا کی پرستش کا کیا فائدہ۔؟ ۔

بہرام (کافر) کو حضرت احمد حربی قدس سرہ کی باتیں پسند آئیں۔ عرض کی چار سوال عرض کرتا ہوں اگر آپ حل کردیں گے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ نے کہا بتلایئے

(۱) اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کیوں پیدا فرمایا ؟
(۲) پیدا کرکے رزق کی ذمہ داری کیوں اٹھائی ؟
(۳) جب رزق بخشا تو پھر مارتا کیوں ہے ؟
(۴) مارتا ہے تو پھر اٹھائے گا کیوں ؟

حضرت احمد حربی قدس سرہ نے جوابات دیئے۔

(۱) مخلوق کو پیدا کیا تاکہ اسے پہچانیں۔
(۲) رزق بخشا تاکہ اس کی رزاقی پہ ایمان لائیں
(۳) مارتا ہے تاکہ اس کی قہاری کا پتہ چلے۔ (۴) زندہ کرےگا تاکہ اس کی قدرت کا علم ہو

بہرام نے سن کر انگشت شہادت اٹھائی اور کلمہ شہادت پڑھا حضرت احمد حربی نے سنتے ہی نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے بہرام نے پوچھا نعرہ مارنے اور بے ہوشی کی وجہ فرمایا جب تونے شہادت کی انگلی اٹھائی تو مجھے کہنے والے نے کہا کہ بہرام ستر سال آتش پرستی کے بعد ایمان لایا تو نے ستر سال آتش پرستی میں گزارا بتا تو نے کیا کیا۔ کیا تجھے اپنے خاتمہ کا کچھ علم ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت اور اس کی رضا اور آیات بینات کے استحضار کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ
يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ○ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى
اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ هٰذَا كِتٰبُنَا
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ
فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَ
فَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا
مُّجْرِمِيْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ
فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ
مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ○ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ وَقِيْلَ الْيَوْمَ
نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ
النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ
اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ

مِنۡهَا وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ○ فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ
وَرَبِّ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ وَلَهُ الۡكِبۡرِيَآءُ فِى
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ○

ترجمہ:۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جس دن قیامت قائم ہو گی باطل والوں کی اس دن ہار ہے اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے زانو کے بل گرے ہوئے ہر گروہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ آج تمہارے کیے کا بدلہ دیا جائے گا ہمارا یہ نوشتہ تم پر حق بولتا ہے ہم لکھتے رہے تھے جو تم نے کیا تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں لے گا۔ یہی کھلی کامیابی ہے۔ اور جو کافر ہوئے ان سے فرمایا جائے گا کیا نہ تھا کہ میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں تو تم تکبر کرتے تھے اور تم مجرم لوگ تھے اور جب کہا جاتا بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں شک نہیں تم کہتے ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے ہمیں یونہی گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں یقین نہیں اور ان پر کھل گئیں ان کے کاموں کی برائیاں اور انہیں گھیر لیا اس عذاب نے جس کی ہنسی بناتے تھے اور فرمایا جائے گا آج ہم تمہیں چھوڑ دیں گے جیسے تم اپنے اس دن کے ملنے کو بھولے ہوئے تھے اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کا ٹھٹھا بنایا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں فریب دیا تو آج نہ وہ آگ سے نکالے جائیں اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے تو اللہ ہی کے لیے سب خوبیاں ہیں آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور سارے جہان کا رب اور اسی کے لیے بڑائی ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

(وللہ ملک السموٰت والارض) اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے ملک یعنی ملک مطلق اور تصرف کلی ان دونوں (آسمانوں اور زمینوں) میں اور جو ان کے اندر ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے

(ربط) قدرت کی تخصیص کے بعد تعمیم کا ذکر ہے۔

(ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یخسر المبطلون) اور اس وقت کہ قیامت ہو گی تو باطل والے خسارہ پائیں گے یوم کا عامل یخسر ہے اور یومئذ یوم سے بدل ہے حضرت علامہ تفتازانی قدس سرہ نے فرمایا ایسے ہونا تاکید کے زیادہ مشابہ ہے لیکن یہاں مقصود بالنسبۃ دوسرا ہے نہ کہ پہلا اور تاکید میں مقلوب ہوتا ہے نہ کہ دوسرا (اسی لیے یہ تاکید کے مشابہ کہا نہ کہ تاکید) میری تحقیق یہ ہے کہ یہاں یوم بمعنی وقت ہے اب معنی

یہ ہوا کہ اس وقت جب قیامت قائم ہوگی اور مردے اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ وقت قیامت کے اوقات کا ایک جز ہوگا کیونکہ وہ یوم ایک وسیع الاوقات ہے جس کا مبدا نفخۂ اولیٰ ہے اس معنی پر یومئذٍ یہے یوم سے بدل البعض ہے اور عائد مقدر ہے لیکن چونکہ ان کے خسران کا ظہور مُردگان کے قبور سے اٹھنے کے وقت ہوگا اسی لئے وہی مقصود بالنسبتہ ہے [1]

حل لغات

اہل عرب کہتے ہیں ابطل بمعنی باطل لایا اور وہ بات کہی جس کی کوئی حقیقت نہیں یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو حق کا ابطلات اور بعث و نشر کا انکار کرتے ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ ابطلان والوں کا وہاں خسران ظاہر ہوگا اور ان کا نقصان و خسران یہ ہوگا کہ وہ دوزخ میں دھکیلے جائیں گے۔

فائدہ : تفسیر کبیر میں ہے کہ حیات وعقل وصحت انسان کے راس المال ہیں اور ان میں تصرف سعادۃ آخرت کی طلب ہے جیسے تاجر کو مال کے تصرف سے نفع حاصل ہوتا ہے ایسے ہی انسان کو اپنی حیات وعقل و صحت کے تصرف سے اُخروی سعادتمندی کا نفع نصیب ہوگا لیکن چونکہ کفار نے اپنا مال یعنی نفوس کو طلب دنیا میں ضائع کر دیا اسی لئے وہ آخرت کے نفع سے خائب وفاسد ہوں گے اس میں استعداد فطری کو باطل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ علی نفسہ فلیبك من ضاع عمرہ وہ اپنا ماتم کرے جس نے اپنی عمر ضائع کی وتری کل امۃ اور ہر امت دیکھے گی یہاں پر روایت عینی مراد ہے اور امت سے مطلق امم یعنی تمام امتوں کے جملہ افراد کافر و مومن دیکھیں گے درانحالیکہ جاثیۃ وہ گھٹنوں بل پڑے ہوں گے اسی دن کی ہولناکی کی وجہ سے یعنی غیر مطمئنہ ہوں گے کیونکہ وہ اس وقت خوفزدہ ہوں گے اور سوال وحساب کے وقت اطمینان سے نہ بیٹھ سکیں گے

حل لغات

جثا ، یجثو اور جثی یجیثی جثوا و جثیا ، جیم و ثاء دکو مضموم پڑھا جائے) اسے کہا جاتا ہے جو گھٹنوں پر بیٹھے اور کھڑا ہو تو انگلیوں پر۔

فائدہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جاثیہ بمعنی مجتمعہ یعنی ایک امت دوسری امت سے مخلوط نہ ہوگی یہ جثوت الابل و جثیتہا سے ہے بمعنی جمعتہا " میں نے اونٹ کو جمع کیا۔ الجثوۃ (بالضم) بمعنی شے مجتمع۔

سوال ، یہ تو کافروں کے حق میں ہو سکتا ہے کیا اہلِ ایمان کا حال بھی اسی طرح ہوگا حالانکہ انہیں تو قیامت میں کوئی خوف نہ ہوگا۔

جواب ، کبھی امن والے کے لئے اشتراکاً ایسے ہوتا ہے جب تک ظاہر نہ ہو کہ یہ اس کا مستحق نہیں حضرت کعب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ قیامت میں دوزخ شور کرے گی اس کے خوف سے ہر ملک مقرب اور ہر

---

[1] حواشی سعدی المفتی مرحوم ۱۲

نبی مرسل گھٹنوں کے بل گرا ہو گا یہاں تک حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کہیں گے یارب آج تو میں اپنی ذات کا سوال کرتا ہوں حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

در آں روز کز فعل پرسند و قول

اولوالعزم را تن بلرزد ز ہول

بجائیکہ دہشت خورد انبیاء

تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: اس دن جب کہ فعل و قول کا سوال ہو گا تو اولوالعزم پیغمبر کے جسم پر لرزہ ہو گا خوفِ خدا سے جہاں انبیاء علیہم السلام بھی دہشت کھائیں تو گناہوں کا عذر رکھتا ہے تو آجا۔

کل امۃ امت کا تکرار اس کے دن کی سختی اور وعید کی وجہ سے ہے تدعی الی کتابہا ہر امت اپنے اعمالنامہ کی طرف بلائی جائے گی یہ اضافت مجازی ہے بوجہ ملابست کے کیوں کہ ہر ایک کے اعمال اسی کتاب میں ہیں۔

فائدہ: اس میں بندوں کے عجز کی طرف اشارہ ہے کسی قوت طاقت کا کام نہیں اسمیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ازل سے لکھ دیا ہے دنیا و آخرت میں جو کچھ کسی کو پہنچتا ہے وہ اس کے لئے لکھا ہوا ہے ان کے اعیان ثابتہ کے مقتضی پر پس ہر ایک کو وہی جزا ملے گی جو اس کی تقاضا میں ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روی

چنانکہ پرورشم می دہند میروییم

ترجمہ: اس چمن میں خود اوگنے پر میں ملامت اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے جیسے چلاتے ہیں ویسے چلتا ہوں۔

اَلْیَوْمَ یہ قول مقولہ تجزون ما کنتم تعملون انہیں کہا جائے گا یہ وہ دن ہے جس میں تمہیں وہی جزا ملیگی جو تم عمل کرتے تھے جس کا عمل ایمان (مقبول) ہو گا۔ اسکی جزاء جنت ہے اور جس کا عمل شرک کفر ہو گا اس کی سزا جہنم ہو گی

حدیث شریف میں ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت میں ایمان و شرک اللہ تعالیٰ کے حضور میں گھٹنوں بل گر پڑیں گے اللہ تعالیٰ ایمان سے فرمائے گا تو اپنوں کو جنت میں لے جا اور شرک کو فرمائے گا تو دوزخ میں لے جا۔ ھٰذا کتابنا یہ ہماری کتاب یہ سالم جملہ پچھلے قول کا تکملہ ہے اور بندوں کے تمام اعمال اسی میں لکھے ہوئے ہوں گے نون عظمت کی طرف کتاب کی اضافت اس لئے ہے کہ وہ تمام لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو گا اس کی تعظیم شان اور اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ نے کتاب کو اپنی طرف مضاف فرمایا ورنہ نظام اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اضافت امت کی طرف ہو جیسے پہلے ہوا ۔ " ینطق علیکم " تمہارے اوپر بولیگی گواہی دے گی ۔ " بالحق " حق کے ساتھ بغیر کمی و بیشی کے یہ ھذا کی دوسری خبر اور بالحق ینطق کے فاعل سے حال ہے ۔ " انا کنا نستنسخ " یہ کتاب کے حق کی گواہی دینے کی تعلیل ہے یعنی اس کی گواہی حق کی اس لئے کہ ہم فرشتوں کے ذریعے اسمیں لکھواتے رہے لہٰذا اسمیں کسی قسم کا خلل نہیں ۔ ما کنتم تعملون وہ جو تم دنیا میں عمل کرتے رہے اعمال صالح یا برے چھوٹے یا بڑے یعنی ہم فرشتوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ تمہارے اعمال لکھ کر اس میں ثبت کریں یہ ترجمہ ہم نے اس لئے لکھا ہے کہ سین طلب کے لئے ہوتا ہے ۔

حل لغات نسخ دراصل اصل سے نقل کرنے کو کہا جاتا ہے جیسے ایک کتاب دوسری کتاب سے نقل کی جاتی ہے ، لیکن کبھی ابتدائی لکھائی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔

اعجوبہ بعض نے کہا ہر صبح و شام کو ایک فرشتہ اترتا ہے جو اسرافیل علیہ السلام سے ہر انسان کے کراماً کاتبین کو وہ لکھا ہوا مضمون دیتا ہے جو انسان اسی دن و رات میں کریں گے کیوں کہ دن و رات میں جو عمل بھی کرتا ہے وہ لکھا ہوا تھا جسے اس نے کرنا ہے جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس نے وہ سب کچھ لکھا جو دنیا میں ہر عامل نے عمل کرنا ہے نیکی یا برائی اور اسے ذکر میں محفوظ کر لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون ازل میں ہی وہ ہر قسم کی لکھائی سے فارغ ہو گیا ۔

فائدہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیسے فرشتے بھی ہیں جو لکھی ہوئی کتاب سے ہر سال رمضان میں وہ لکھتے ہیں جو آنے والے سال میں زمین پر ہوگا وہ لکھ کر ہر بندے کے کراماً کاتبین فرشتوں کو ہر خمیس کے دن سپرد کرتے ہیں اسی لئے کراماً کاتبین وہی لکھتے ہیں جو ان کو وہاں سے ملتا ہے جسمیں کسی قسم کی کمی و بیشی نہیں ہوتی جب بندے کی کتاب ختم ہو جاتی ہے اور اس پر موت واقع ہوتی ہے تو وہ کراماً کاتبین ان مقرر فرشتوں سے بندے کی کتاب مانگتے ہیں تو وہ فرشتے فرماتے ہیں کہ تمہارے حساب کے عمل کی اب کوئی کتاب ہمارے پاس نہیں جب کراماً کاتبین واپس لوٹتے ہیں تو وہ بندہ فوت ہو چکا ہوتا ہے ۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اے لوگو تم وہ ہو جن کے اعمال لوح محفوظ پہلے سے لکھے جا چکے ہیں جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی و بیشی نہیں ہوتی جو کچھ قلم اعلیٰ نے لکھا وہی تمہیں ملے گا ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ بندہ جو دن بھر کام کرے گا کراماً کاتبین کو اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے ۔

سوال : جب کراماً کاتبین کو پہلے سے علم ہوتا ہے تو پھر ان کا بندوں کے ساتھ ہر وقت رہنے اور اعمال

لکھنے کا کیا فائدہ ۔ ؟

جواب : الزام حجۃ کے لئے کہ کسی پر کوئی حجت قائم نہیں ہوسکتی جب تک گواہ نہ ہوں کہ اس نے فلاں وقت میں یہ کام کیا اور اس وقت کراماً کاتبین لکھ دیتے ہیں تاکہ بندے پر حجت قائم ہو ۔ بعض نے کہا کہ وہ اعمال لکھ کر اس لکھے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے پھر جس عمل پر ثواب و عقاب مرتب ہوتا ہے وہ باقی رکھتے ہیں اس کے سوا باقی کو مٹا دیتے ہیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

یمحو اللہ ما یشاء و یثبت : اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے

سبق بندے پر لازم ہے کہ موت سے پہلے اپنے احوال کی اصلاح کرے عنقریب عمر ختم ہوگی اور معاملہ الٹ جائے گا ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ ۔ دریغست فرمودۂ دیو زشت
کہ دست ملک بر تو خواہد نوشت

۲ ۔ روا داری از جہل ناپاکیت
کہ پاکاں نویسند ناپاکیت

۳ ۔ طریقے بدست آر و صلحے
شفیعی بر انگیز و عذرے بگو

۴ ۔ کہ یک لحظہ صورت نہ بندد اماں
چو پیمانہ پر شد بدور زماں

ترجمہ : ۱ ۔ تیرا افسوس ہے کہ تو شیطان پلید کے کہنے پر چلتا ہے ۔ تیرا اعمالنامہ پاک لوگ لکھیں گے لہذا تو پاک ہو کر رہ ۔

۲ ۔ ناپاکی اور جہالت سے کیا تو جائز سمجھتا ہے کہ پاک لوگ تیری ناپاکی لکھیں ۔ یعنی فرشتے تیری برائی لکھیں

۳ ۔ کوئی طریقہ ہاتھ میں لے کر صلح تلاش کر ۔ سفارشی کھڑا کر اور عذر کہہ ۔

۴ ۔ اس وقت ایک آن بھی امان کی صورت نہ ہوگی جب دور زمانہ کا پیمانہ پر ہوگیا ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے اسباب کی طرف جلدی کرنے والوں اور اپنے امر و ہدایت کے قبول کرنے کی طرف سبقت کرنے والوں سے بنائے ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ فاما الذین آمنوا و عملوا الصالحات (پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک

عمل کیئے ۔) امتوں میں سے یہ عمومی معنیٰ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ یہ ماقبل کی تفصیل ہے اور ماقبل میں امتوں کا ذکر ہے۔

فیدخلھم ربھم تو ان کا رب انہیں داخل کرے گا فی رحمتہٖ اپنی رحمت یعنی جنت میں اس لئے کہ بہشت میں داخل ہونا نہ کسی جگہ ہے ہیں اقسام ورخت سے ہے یہ تسمیہ شے باسم حالہ کے قبیل سے ہے چونکہ بہشت رحمت کی جگہ ہے۔ اسی لئے بطریق مجاز مرسل اس پر رحمت کا اطلاق کیا گیا۔

ذٰلک وہ جو مذکور ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ادخال ”ھوالفوز المبین“ کھلی کامیابی ہے ایسی کامیابی کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کامیابی نہ ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ نور عظیم (بڑی کامیابی) جنت القلب کے دخول کا اور دنیا و آخرت میں لقائے خداوندی کا نام ہے لیکن چونکہ ایسی کامیابی عوام کے سامنے ظاہر نہیں بلکہ ان کو صرف بہشت کامیابی نظر آتی ہے اسی لئے اسے فوز مبین کہا گیا اگرچہ فوز مبین فوز عظیم کو بھی شامل ہے کیوں کہ جنت انواع رحمت کی جگہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

واما الذین کفروا افلم تکن آیاتی تتلیٰ علیکم اور بہرحال وہ لوگ جو کافر ہیں تو کیا وہ میری آیات تمہارے سامنے نہیں پڑھی جاتی تھیں یعنی انہیں بطریق توبیخ و تقریع کہا جائے گا کہ کیا تمہارے ہاں ہمارے رسل کرام علیہم السلام تشریف نہیں لائے تو کیا انہوں نے ہماری آیات تمہیں پڑھ کر نہیں سنائیں یہاں معطوف علیہ محذوف ہے محض قرینہ کی دلالت سے اسے حذف کیا گیا ہے۔ فاستکبرتم تو تم نے ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا۔

وکنتم قوما مجرمین اور تھے تم مجرم لوگ یعنی تم جرائم پیشہ قوم تھے۔

فائدہ: شیخ سمرقندی قدس سرہ نے بحر العلوم میں لکھا کہ اگر تم سوال کرو کہ کیا یہ آیت ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو روم۔ ترک، ہند کے دور کے علاقوں میں رہتے ہیں جنہیں دعوت اسلام نہ پہنچی اور نہ ہی ان کے سامنے آیات الہٰیہ تلاوت ہوئیں حالانکہ وہ توریت کے ذرات سے بھی زیادہ ہیں۔

جواب: یہ حکم ان پر لاگو نہ ہوگا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ میرے نزدیک بحکم اسی آیت کے وہ لوگ معذور بلکہ مغفور ہوں گے انہیں رحمت الٰہی کی وسعت گھیرے گی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ رحمت حق ان لوگوں کو بھی نصیب ہوگی جو دور فترت میں فوت ہوئے ایسے ہی ہر احمق اور ہر بوڑھا اور ہر بہرہ گونگا رحمت بے پایاں سے حصہ پائے گا۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار اشخاص ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت و عذر سے بخشے جائیں گے۔

(۱) وہ جو دورِ فترت میں فوت ہوا۔

(۲) جس نے بڑھاپے کے زمانہ میں اسلام پایا

(۳) بہرہ، گونگا مجنون۔

(۴) احمق (پاگل)

اے معترض اللہ تعالیٰ کی رحمت کو وسیع سمجھ کیوں کہ صاحب شرع نے وسعت رحمت کی باتیں کی ہیں ہم سے پہلے لوگوں پر بھی وسعت رحمت محیط تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو بندوں پر تنگ نہیں رکھا اسی لئے اے معترض (وہابیوں، دیوبندیوں کی طرح) لوگوں کو کافر بنانے اور گمراہ گمراہ کہنے سے زبان و قلب کو روک ان کی طرح نہ ہو جا جن کی پونجی صرف چند کتابیں ہیں جن سے وہ لوگوں کے کافر (مشرک اور بدعتی) کہنے میں لگے رہتے ہیں۔ نیز متکلمین کا ایک گروہ ایسا ہے جن کا (وہابیوں دیوبندیوں کی طرح) عوام اہل اسلام کو کافر مشرک اور بدعتی) کہنے میں مشغول رہتے ہیں وہ بدگمانی سے بھرپور ہیں اور پہلے درجے کے کذاب ہیں اور دین سے بے بہرہ ہیں بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ جو ہماری کتابوں سے عقائد شرعیہ ثابت ہیں جو ان کو نہیں مانتا وہ کافر ہے، پھٹکار اور لعنت ہو ایسے لوگوں پر زندگی بھر اور مرنے کے بعد بھی کہ انہوں نے رحمتِ الٰہی کی وسعت کے باوجود اسے تنگ کر دیا ہے بلکہ بہشت ایک محدود اور مخصوص گروہ کی جاگیر سمجھ رکھی ہے اور سوچ رکھا ہے کہ ان کی فقہ کے عالم اور ان کے عقائد کے متکلم ہی بہشت میں جا سکیں گے باقی جہنم میں جائیں گے کیوں کہ وہ مشرک و بدعتی ہیں۔ (معاذ اللہ) ان بے وقوفوں نے ایسے لوگوں کو کافر (مشرک) اور گمراہ (بدعتی) سمجھ رکھا ہے جو کفر و شرک و بدعت اور گمراہی سے کوسوں دور ہیں ان پاگلوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھلا دیا کہ آپ نے فرمایا، امتی کلھا فی الجنۃ الا الزنادقۃ، (زندیقوں کے سوا میرے تمام امتی بہشت میں ہوں گے نیز یہ بھی فرمایا کہ میرے تمام امتی بہشت میں ہوں گے سوائے ایک گروہ ہلاک ہونے والے کے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئے گا جب ایک بندہ بھی اس میں نہ ہو گا سزا کے طور چند سال انہیں گزار کر پھر انہیں اس سے نکالا جائے گا بھلا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمایا جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اہل ہوا کی اہوا بخش دے گا اور لوگوں کے اعمال کا محاسبہ ہو گا لیکن زنادقہ

کو ہرگز نہ بخشا جائے گا (انتہی کلام اسمرقندی)

فائدہ: الزندیق وہ ہے جو دہر کے بقاء کا عقیدہ رکھے یعنی اسے آخرت پر ایمان نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کو خالق مانتا ہے یعنی وہ خدا کو نہیں مانتا اور نہ ہی مرنے کے بعد زندہ ہونے کا قائل ہے اور نہ ہی کسی شے کو حرام سمجھتا ہے بلکہ وہ کہتا جملہ اشیاء اور حرام شدہ امور ہم سب میں مشترک ہیں۔

مسئلہ: ایسے لوگوں کی توبہ کی قبولیت میں دو روایتیں ہیں راجح یہ ہے کہ ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی [1]

مسئلہ: اصول (فقہ) میں ہے کہ جسے دعوت اسلام نہ پہنچے وہ غیر مکلف ہے اسے محض عقل کے زور سے ایمان ضروری نہیں ہر ایسا شخص جو ایمان کو سمجھتا ہو نہ کفر کو تو وہ معذور ہوگا بشرطیکہ اسے ایسا وقت نہ ملا ہو جس میں وہ تامل واستدلال کو کام لا سکے مثلاً وہ پہاڑ کی چوٹی پر ٹھہرا رہا اور وہیں پر اس کی موت آئی جسے اللہ تعالیٰ کی طرف تجربہ کی توفیق ملی بلکہ اسے انجام کے سمجھنے کا موقعہ ملا تب بھی ایمان نہ لایا تو ایسا شخص معذور نہ ہوگا کیونکہ اسے مہلت کا ملنا اور تامل کی مدت کا حصول بمنزلہ دعوت رسل کے ہے۔ جو غافل قلوب کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں جب اس نے نظر وفکر میں کوتاہی کی تو معذور متصور نہ ہوگا۔

فائدہ: تامل (غور وفکر) کی مدت کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں کہ جس پر اعتماد کیا جا سکے بعض نے مرتد پر قیاس کر کے تین دن حد مقرر فرمائی ہے کیونکہ مرتد کو تین دن سوچنے کا وقت دیا جاتا ہے لیکن یہ قیاس قوی نہیں کیونکہ ایسے شخص کی مہلت کا دار و مدار تجربہ پر ہے اور تجربات مختلف ہوتے ہیں کیونکہ عقول میں اختلاف ہے ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے سمجھدار تھوڑی سی مدت میں وہ باتیں سمجھ جاتے ہیں جو دوسروں کو مدت طویل کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتیں فلہٰذا اس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیا جائے کیونکہ وہی ایسے اندازے جانتا ہے اور اسے ہر شخص کا معیار معلوم ہے وہ معاف کر دیتا ہے ہر اس شخص کو جو ابھی مقدار معلوم تک نہیں پہنچا اور اسکی گرفت کرتا ہے جو مقدار معلوم مکمل کرتا ہے۔

مسئلہ: اشعریہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر وہ شخص جو اعتقادیات سے غافل رہا یہاں تک کہ فوت ہو گیا یا شرکیہ اعتقاد رکھتا تھا اور اسے دعوت اسلام نہیں پہنچی اور مر گیا تو یہ شخص بھی معذور ہے کیونکہ ان کے نزدیک دلائل سمعیہ معتبر ہیں نہ کہ دلائل عقلیہ۔

مسئلہ: جسے دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور قتل کیا گیا تو اس کی ضمانت ادا کی جائے گی کیونکہ

---

[1] فتاوی قاری الہدایہ ۱۲:

اس کا کفر معاف ہے اس لئے کہ معذور تھا یہ ضمانت میں مسلمانوں کی طرح ہے۔ یہ اشاعرہ کا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک اسکی کوئی ضمانت نہیں اگر قبل دعوت اسے بلاوجہ قتل کر دیا تو اس کی ضمانت دی جائے گی کیوں کہ ان کی یہ غفلت (باوجودیکہ انہیں تامل کا موقعہ ملا اور ایمان نہ لایا) ناقابل قبول ہے ان کا قتل اہل حرب کی عورتوں کی طرح ہوگا اسی لئے ضمانت ہوگی۔

مسئلہ: دارالحرب میں وہ مسلمان دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کرسکا) کا عذر قابل قبول ہے اگرچہ اس نے نہ نماز پڑھی اور نہ روزہ رکھا تو اس پر ان کی قضا بھی نہیں کیونکہ دارالحرب احکام شرعیہ کی شہرت کی جگہ نہیں بخلاف ذمی کے کہ جب وہ جو دارالاسلام میں اسلام قبول کرے تو اس پر نماز کی قضا ہے اگرچہ اسے اس کے وجوب کا علم نہ ہو کیوں کہ اسے دارالاسلام میں قدرت حاصل ہے کہ وہ احکام شرعیہ پوچھ سکے اگر اس نے سوال نہیں کیا تو وہ اس کی اپنی کوتاہی ہے اس کا عذر قابل قبول نہیں (تحقیق صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) مذکورہ بالا جتنا تقریرات مذکور ہوئیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جسے دعوت اسلام نہیں پہنچی وہ دو قسم ہے۔

(۱) اسے اتنا مہلت ملے کہ وہ شواہد سے غور و فکر کر سکے اور توحید کو جان سکے۔

(۲) یا مہلت نہ ملے،

دوسرا معذور ہے نہ پہلا۔

مسئلہ: ایمان کے لئے عرفان مطلق کافی ہے اگرچہ وہ ایمان شرعی کو نہ جانے۔

حدیث شریف میں وارد ہے جو مرگیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا تھا اگرچہ یہ بھی نہ کہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے وہ شرک بھی نہیں کرتا تو وہ دوزخ سے نجات پا جائے گا۔

ایمان شرعی کی تعریف کسی نبی علیہ السلام کی متابعت کا حصول لیکن یہ ہمارے نبی علیہ السلام کے ظہور کے بعد صرف ہمارے نبی علیہ السلام کی متابعت ضروری ہے۔

مسئلہ: اہل فترت اسی قانون پر مومن متصور ہوں گے اگرچہ انہیں توحید اور اصول کا علم نہ بھی ہو تو وہ معذور ہوں گے۔

فائدہ: جس نے یہ کہا کہ جہنم پر ایک وقت آئے گا جب وہ خالی ہوگی یہ حق ہے اس سے مراد طبقہ علیہ ہے کہ جسمیں عاصی مسلمان ٹھہریں گے جو سزا پاکر بہشت میں جائیں گے تو وہ طبقہ خالی ہو جائے گا لیکن اس سے وہ شخص مراد ہے جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہوگا خواہ اسے شرعی ایمان کا لفظاً موقعہ ملا یا نہ وہ دوزخ سے ضرور نکالا جائے گا۔

فائدہ : جب معرفت مجرو والے کا یہ حال ہے تو اہل قبلہ تو اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے کیوں کہ ایمان شرعی حاصل تھا بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی جلی یا خفی دلیل نہ ہو حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا[1]

۱ : ہر کہ شد از اہل قبلہ بر تو پدید
کہ بہ آوردہ نبی گرویدہ

۲ : گرچہ صد بلاغت و خطا و خلل
بینی او را از روی علم و عمل

۳ : کمن او را سرزنش تکفیر
مشمارش ز اہل نار سعیر

۴ : در بینی ز اہل اصلاح
کہ رود راہ دین صباح و رواح

۵ : بیقین ز اہل جنتش شمار
ایمن از روز آخرش مگذار

۶ : مگر آنکس کہ از رسول خدا
شد مبشر بجنۃ الماوی[2]

ترجمہ ۱ : جو اہل قبلہ تیرے سامنے آئے کہ وہ نبی علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے
۲ : اگرچہ بے شمار بدعات (سیئہ) اس میں دیکھتے ہو اور خطا و خلل از روئے علم و عمل کے
۳ : اسے ملامت کرتے ہوئے کافر نہ کہو نہ ہی اسے نار جہنم کا مستحق سمجھو۔
۴ : اگر کسی کو اہلِ صلاح دیکھو کہ وہ دین کے راہ پر صبح و شام چل رہا ہے۔
۵ : اسے بھی یقینی بہشتی مت سمجھو اس کے خاتمہ سے بے خوف نہ ہو۔
۶ : ہاں جسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی خوشخبری سنائی ہے (اسے بے شک ناجی سمجھو)

فائدہ : حضرت شیخ علاؤ الدولہ نے فرمایا جمیع اہل فرق اسلامیہ ناجی ہیں۔ اس حدیث شریف کے

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱۲، [2] سلسلۃ الذہب ۱۲۔

حکم میں ہے مستفرق امتی الخ یعنی یہ ناجی ہیں بلا شفاعت[1]

تفسیر عالمانہ وَاِذَا قِيلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ اور جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یعنی آنے والے امور کا کیا ہوا وعدہ یہاں پر وعدہ بمعنی موعود ہے "حق" حق ہے لامحالہ واقع ہونے والا ہے۔ وَالسَّاعَةُ اور قیامت جو کہ اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے وعدوں میں سے مشہور وعدہ ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ اسمیں شک نہیں یعنی اس کے وقوع میں کیونکہ مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہے اور اس کے وجود پر شواہد بھی قائم ہیں۔ "قُلْتُمْ" تم نے کہا اے منکرین بعث و نشر یہ تمہاری سرکشی کی غایۃ ہے کہ کہا کرتے ہو در پہلے گزر چکا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر عرب کے کفار اور زنادقہ تھے مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے یہ کونسی شے ہے یہ لوگ اسے ایک عجیب و غریب شے سمجھتے تھے۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ہم کوئی فعل نہیں کرتے مگر گمان کا۔ بظاہر تو یہ عبارت استثناء الشيء عن نفسہ ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں کیوں کہ اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ ہمارا اعتقاد مگر شک اور گمان کا، شک دونوں طرفوں میں گمان ہو لیکن انمیں ایک کو ترجیح ہو کبھی یقین کے معنیٰ میں بھی آتا ہے[2]

فائدہ : ظن مطلق کا بالمقابل یقین ہے اسی لئے کہا گیا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ اور ہم نہیں یقین کرنے والے کہ قیامت قائم ہو۔

فائدہ : جنہوں نے مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا الخ کہا تھا شاید وہ اور تھے اور اس کے قائل کوئی اور کیوں کہ قیامت کے بارے میں کافروں کے کئی گروہ تھے

(۱) بعث و نشر کا یقینی طور انکار کرنے والے یہ وہی ہیں جو آیت اُولیٰ میں مذکور ہیں۔

(۲) جنہیں شک تھا بوجہ اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس وقوع کے متعلق بکثرت شواہد سن چکے تھے اور اسی آیت الثانی کا ذکر ہے۔

فائدہ : التعریفات میں ہے کہ ظن وہ عقیدہ راجح ہے جسمیں نقیض کا احتمال ہے اور یقین و شک ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اور یقین بمعنی شک کو زائل کرکے علم کو مضبوط کرنا اور شک کی تعریف

---

[1] العروۃ ۱۲
[2] فتح الرحمٰن ۱۲

مجھے یقین ہے کہ آسمان میرے اوپر ہے۔

سبق ، عاقل پر لازم ہے کہ ان امور پر یقین رکھے جن کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اور ان پر یقین کامل کے ساتھ عقیدہ رکھے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ وعدہا باشد حقیق و دلپذیر
وعدہا باشد مجازی تاسہ گیر

۲۔ وعدہا اہل کرم گنج روان
وعدۂ نا اہل شد رنج روان

ترجمہ ۱۱، وعدہائے حق لائق اور دل پذیر ہیں مجازی وعدے دو تین دن کے ہوتے ہیں
۲۔ اہل کرم (انبیاء اولیا) کے وعدے جاری خزانے کی طرح ہیں نااہل کے وعدے شطرنج کا کھیل ہیں

فائدہ : اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ کی سچائی میں اور کون ہوگا اس نے اہل ایمان یقین والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں فرح وسرور کا وارث بنائے گا وہ اگرچہ قیامت اور اس کی ہولناکیوں سے خوف میں ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ سے بھی پر امید ہیں اور ایسی رحمت واسعہ کو نہیں پاسکتے جب تک قیامت کا وقوع نہ ہو کیوں کہ دخول جنت اور اس کے درجات اور اس کی نعمتوں کا حصول اسی پر موقوف ہے

یقین کے مراتب (۱) علم الیقین اور یہ علم ادراک باطنی جو فکر صائب اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے یہ مرتبہ ان علماء کیلئے ہے جو غیب کے ساتھ یقین رکھتے ہیں اور وہ اس مرتبہ میں نہیں بڑھ سکتے ہیں جب تک انہیں ارواح قدسیہ سے مناسبت نہ ہو اسے ہی عین الیقین کہا جاتا ہے اور عین یقین کا مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب معلوم کا مشاہدہ ہو جونہی یہ مرتبہ بڑھتا ہے دوئی کے پردے ہٹ جاتے ہیں اسوقت حق الیقین کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے یہی مرتبہ ثالثہ ہے اس مرتبہ کے اضافے کے بعد حجابات نہیں ہوتے عین الیقین کا مرتبہ اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے اور حق الیقین انبیاء علیہم السلام کو

فائدہ ، حق الیقین کا ایک باطن ہے اسے حقیقۃ الیقین کہا جاتا ہے یہ صرف اور صرف ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

مراتب یقین کے حصول کے اسباب یہ مراتب یقین مجاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے
(۱) ہمیشہ باوضو رہنا
(۲) تھوڑا کھانا کثرت ذکر ملکوت السموت والارض میں خاموشی سے غور و فکر کرنا
(۳) سنن و فرائض کی ادائیگی ،
(۴) ماسوی الحق کا ترک
(۵) نیند کم کرنا (۶) اکل حلال (۷) صدق مقال

اللہ تعالیٰ کی طرف قلب کے ساتھ مراقبہ، یہ معاینہ و مشاہدہ کی چابیاں ہیں اور یہ سب کی سب شریعت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے نصیب ہوتی ہیں۔ سالک پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول و فعل کی متابعت ضروری اور لازمی ہے۔

کمال رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں میری روح تمام ملکوت سے گزری یہاں تک کہ بہشت و دوزخ دیکھی لیکن کسی کی طرف التفات نہ کیا اور ہر نبی علیہ السلام کی روح اقدس کو سلام عرض کیا جب رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس کے ہاں پہنچی تو کیا دیکھا کہ بے انتہا ہزاروں آتشیں دریا ہیں اور ہزاروں حجاب نوری دیکھے اگر میں ان کے ایک میں قدم رکھتا تو جل کر راکھ ہو جاتا۔ اس کی ہیبت سے میں مدہوش ہو گیا یہاں تک کہ مجھے کوئی خبر نہ رہی اس کے بعد مجھے بارگاہ حق تعالیٰ میں پیش کیا گیا لیکن میں بارگاہ، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہ پہنچ سکا یعنی انسان بقدر خویش خدا تعالیٰ تک تو پہنچ سکتا ہے کیوں کہ حق تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے لیکن حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچنا ناممکن ہے کیونکہ وہ ایک صدر خاص میں ہیں ہاں جب تک لا الٰہ الا اللہ کی وادی طے نہ کرو گے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو طے نہیں کیا جا سکتا یاد رہے کہ ان ہر دونوں وادیوں کی حقیقت ایک ہے یعنی وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ یہاں (بارگاہ حق میں) بایزید بسطامی قدس سرہ نے عرض کی الٰہیٰ جو کچھ میں نے دیکھا خودی سے دیکھا جب تک یہ خودی موجود ہے تجھ تک نہیں پہنچا جا سکتا براہ کرم مجھے خودی سے آزاد فرما اور اس سے مجھے چارہ کار نہیں اب میں کیا کروں۔ فرمان ہوا کہ اے بایزید اگر تم خودی سے نجات چاہتے ہو تو میرے دوست حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں خود کو وابستہ کرو اور ان کی قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤ اور ان کی متابعت میں راسخ قدم رہو۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ تصدیق قوی تر ہتھیار اور متابعت سے قرب کا وافر اور اکثر حصہ نصیب ہوتا ہے اس سے منکروں اور کافروں کا حال معلوم ہوا کہ وہ کتنے بعد و فراق میں ہیں ہم اللہ تعالیٰ فراق سے پناہ مانگتے ہیں۔

اختتام پارہ ۲۵

حضرت صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا یہاں پچیسواں پارہ ختم ہوا اور اس کے بعد چھبیسواں پارہ شروع ہوتا ہے۔

تبصرہ اویسی غفرلہ

چوں کہ پاروں کی تقسیم زمانہ خیر القرون کے بعد کی تقسیم ہے اسی لئے یہ بدعت حسنہ ہے یہی وجہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں پارہ کے اختتام و

ابتدا میں اختلاف ہے چنانچہ سعودیوں نے ابھی قرآن مجید شائع کیا ہے اس میں اس اختلاف کو صاف دیکھا جا سکتا ہے اور میں نے حرم نبوی علی صاحبہا السلام میں سلطان عبدالحمید کے دور کا مطبوعہ قرآن مجید دیکھا ہے اس میں بھی پاروں کے اختتام وابتدا کا اختلاف ہے۔[1]

سعودی و ترکی قرآن مجید پاروں کے اختتام وآغاز کی فہرست

نقشہ

نام پارہ	آغاز	اختتام
۶		ما نحن وھم اولیاء ولکن کثیر امنھم فاسقون
۷	تجدن عداوۃ للذین الخ	
۱۳		ولیذکر اولوا الالباب
۱۴	الٓر تلک آیات الکتاب	
۱۹		بل انتم قوم تجھلون
۲۰	فما کان جواب قومہ	واللہ یعلم ما تصنعون
۲۱	ولا تجادلوا اھل الکتاب	
۲۲[1]		بما غفرلی
۲۳	وما انزلنا علی قومہ	[2]

تفسیر عالمانہ (وبدالھم) اور ان کے لئے ظاہر ہوں گی، یعنی کافروں کو آخرت میں ظاہر ہونگی سیاٰت ما عملوا ان کے اعمال کی برائیاں ۔یہ اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے یعنی ان کے برے اعمال جیسے بھی ہیں قیامت میں ڈراونی اور قبیح صورتوں میں ظاہر ہوں گے تو ان کے برے انجام کا معائنہ کریں گے ۔

فائدہ: اس سے شرک اور وہ معاصی مراد ہیں جن کی طرف طبائع ونفوس مائل ہیں اور دل سے چاہتے اور انہیں اچھا سمجھتے ہیں لیکن قیامت میں وہ بری اور قبیح شکلوں میں ظاہر ہوں گے۔ مثلاً حرام خنزیر کی صورت میں اور حرص چوہے اور چیونٹی کی صورت میں اور شہوت گدھے اور چڑیا کی صورت میں اور غضب

---

[1] پرانے نسخے اسی طرح ہیں جیسے ہمارے (پاکستان) کے (اویسی غفرلہ)

[2] اضافہ اویسی غفرلہ

فہد شیر (چیتا) کی صورت میں اور بخل کتے کی صورت میں اور کینہ اونٹ کی صورت میں اور زبانی سے کوئی ایذاء دینا سانپ کی صورت میں طعام اور پینے اور نیند کی خواہش بھینس اور گائے کی صورت میں اور عجب بندر کی صورت میں اور لواطت ہاتھی کی صورت میں اور حیلہ لومڑی کی صورت میں اور رات کو چوری کرنا دلق و ابن عرس کی صورت میں اور رُبا (سود خواری) اور جھوٹا دعویٰ کوے عقعق اور بوم کی صورت میں اور لہو و لعب کی چیزوں سے کھیل تماشا مرغ کی صورت میں اور بے فائدہ فکر جوئیں اور چیچڑوں کی صورت میں اور بنیٹر (عورتوں کا موتی پرونا) گیدڑ کی صورت میں اور علم بے عمل سوکھے درخت کی صورت میں اور حق راہ چھوڑنا ٹیڑھا چہرہ یعنی چہرے کو گدی کی طرف پھیر دینے کی صورت میں غرضیکہ برے اعمال مختلف بری صورتوں میں ظاہر ہوں گے اسی لئے دنیا کو کھیتی کہا گیا ہے کہ جو کچھ بوؤ گے وہی اٹھاؤ گے برے اعمال کی بری سزا ہوگی یہ بھی ہے کہ سیأت سے ان کی سزا مراد ہو جیسا کہ کہا گیا ہے جزاء سیئۃ برائی کی اس کی مثل بری سزا ہوگی اپنے سبب کی وجہ سے اس طرح موسوم ہوئی۔

وحاق بھم اور انہیں محیط ہوگا اور ان پر نازل ہوگا۔

حل لغات

ابو حیان نے فرمایا "حیق" کا اطلاق مکروہ امر پر ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "حاق" بہ یحیق حیقاً وحیوقاً یعنی اسے گھیرا "احاق" کی طرح "الحیق" فعل مکروہ کی وجہ سے انسان کو گھیرنا "ما کانوا بہ یستھزءون وہ جو اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے یعنی جزا وعقاب سے انکار کرتے ہوئے مذاق اڑاتے" "وقیل" اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں کہا جائے گا "الیوم" آج یعنی قیامت کے دن ننساکم ہم تمہیں بھلا دیں گے یعنی عذاب میں تمہیں بھولے ہوئے کی طرح چھوڑ دیں گے ضمیر خطاب میں استعارہ بالکنایہ ہے ان کی بھلائے ہوئے سے تشبیہ دے کر عذاب میں چھوڑ کر اور ساں سے لاپرواہی کرتے ہوئے جیسا کہ نسیان کا قرینہ بتاتا ہے۔ کما نسیتم لقاء یومکم ھذا جیسا کہ تم نے اسی دن کی ملاقات کو بھلایا تھا یعنی جیسے تم نے اس کو متروک کر رکھا تھا اور اس کی تمہارے ہاں کوئی وقعت نہ تھی یعنی نہ اس پر ایمان لائے اور نہ اس کے لئے کوئی نیک عمل کیا۔

فائدہ: لقاء کی اضافت یوم کی طرف اضافۃ المصدر الی ظرفہ کے قبیل سے ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی نسیتم لقاء اللہ وجزائہ فی یومکم ھذا اللہ تعالیٰ کے ملنے اور اسی دن جزا ملنے کو تم بھول گئے۔ الیوم مفعول بہ کے قائم مقام ہے یعنی "ملقیا" کے ہم معنی ہو گیا ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں نسیان بویا اسی لئے آخرت میں ثمرہ نسیان کا پائیں گے۔

ے دونوں جانور ہیں۔

۱۔ اگر بدکنی چشم نیکی مدار
که ہرگز نیارد گز انگور بار

۲۔ درخت زقوم از بجاں پروری
مپندار ہرگز کو و بر خوری

۳۔ رطب نا ورد چوب زہرہ بار
چه تخم افگنی بر ہماں چشم دار

ترجمہ ۱۔ اگر برائی کرتے ہو تو نیکی کی امید نہ رکھو اس لئے کہ جھاؤ انگور کا پھل نہ دے گی۔
۲۔ زقوم کے درخت جتنا ہی محبت سے پالو اس سے پھل کی امید نہ رکھو۔
۳۔ زہرہ بار کی لکڑی کھجور تر نہ لائے گی جیسا بیج بوؤ گے اسی کی امید رکھو۔
ومأوٰکم النار اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے کیوں کہ وہ اس کا ٹھکانہ ہے جو ہمیں بھول گیا جیسے بہشت اس کا ٹھکانا ہے جس نے ہمیں یاد کیا وما لکم من ناصرین۔ اور تمہارا کوئی مدد گار نہیں یعنی تمہارے کسی ایک کے لائق نہیں کہ تمہارا کوئی ایسا مددگار ہو جو تمہیں دوزخ سے چھٹکارا دلا سکے۔ ذٰلکم وہ عذاب بانکم اس سبب سے ہے کہ اتخذتم آیات اللہ ھزوا تم نے آیات الٰہی کو ٹھٹھہ مخول بنایا اور نہ ان میں غور وفکر اور قبول کرنے کے لئے سر اٹھا کر دیکھا وغرتکم الحیوۃ الدنیا اور تمہیں دھوکہ میں ڈالا حیوٰۃ دنیا نے کہ تم نے گمان کیا کہ حیوٰۃ دنیا کے سوا اور کوئی حیاۃ نہیں ؎

نوشتہ اند بر ایوان جنۃ الماویٰ
کہ ہر کہ عشوہ دنیا خرید وای بوے

ترجمہ: جنۃ الماویٰ کے محل پر لکھا گیا ہے کہ جس نے دنیا کا عیش وعشرت خریدا اسے افسوس
فالیوم لا یخرجون منھا تو آج کے دن اس سے نہیں نکالے جائیں گے یعنی دوزخ اسے خطاب سے غیبت کی طرف التفات میں خبر دینا ہے کہ وہ اس لائق نہیں کہ ان سے خطاب کیا جائے اس سے ان کی اہانت وتحقیر مطلوب ہے یا اشارہ ہے کہ انہیں خطاب سے ہٹاتے ہی دوزخ میں پھینک دیا گیا ولا ھم یستعتبون اور نہ وہ معاف کئے جائیں گے یعنی ان سے یہ مطالبہ نہ ہوگا کہ وہ رب تعالیٰ کو طاعت سے راضی کر سکیں کیوں کہ اب وقت نکل گیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلصین پر بعض آیات ظاہر فرمائیں جب منکرین کو دیکھا کہ وہ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں جیسے ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کی عادت

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وصیت قبول نہ کرنے پر انہیں دنیا نے دھوکہ دیا اسی لئے فرمایا کہ تمہیں حیاۃ دنیا دھوکہ نہ دے آج وہ قہر الٰہی کی نار سے نہیں نکل سکتے کیونکہ وہ اس میں خود حرص و شہوات کے قدموں سے داخل ہوئے اسی لئے اب وہ قدم ایمان و عمل صالح کے ساتھ جنت کی طرف رجوع کرنے کیلئے معاف نہیں کئے جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ

وللّٰہ الحمد خاص اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے۔ رب السمٰوٰت ورب الارض ورب العالمین وہ آسمانوں اور زمینوں اور جملہ عالم کا پروردگار ہے ارواح کا بھی اجسام کا بھی ذوات کا بھی صفات کا بھی تو کوئی بھی مستحق نہیں سوائے اس کے۔

فائدہ: لفظ رب کا تکرار تاکید اور متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ اس کا رب بطریق اصالت کے ہر لحاظ سے اسی کو لائق ہے: لہ الکبریاء فی السمٰوٰت والارض اسی سے ہے کبریائی یعنی عظمت و قدرت و سلطنت و عزت کیونکہ زمین و آسمان میں اسی کے آثار و احکام ہیں۔ ضمیر کے ساتھ ذکر کرنے میں شان کبریائی کی تفخیم و تعظیم کا اظہار مراد ہے۔ وھو العزیز وہ ایسا غالب ہے کہ اس پر کسی کا غلبہ نہیں۔ الحکیم " وہ اپنی قضاء و قدر میں حکیم ہے اسی لئے اسی کی حمد کرو کیونکہ وہ حمد کا مستحق ہے اور اس کی کبریائی بیان کرو کیونکہ کبریائی کا وہی حق دار ہے اور اسی کی اطاعت کرو کیونکہ وہی ہر شے پہ قادر ہے اور اسکی ہر صنعت میں ہزاروں بڑی حکمتیں ہیں۔

حدیث شریف

اللہ تعالیٰ کی تین چادریں ہیں۔

(۱) عزت کی،

(۲) کبریائی کی

(۳) رحمت کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے عزت کا خواہاں ہوا تو اسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے۔ اسی وجہ سے فرمائے گا

ذق انک انت العزیز الکریم عذاب چکھ اس لئے کہ تو اپنے خیال میں عزت والا اور مکرم تھا۔ جو تکبر کرتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ سے منازعت کرتا ہے اسی لئے فرمایا کہ وہ میرے ساتھ نہ جھگڑے کہ اسے بہشت میں داخل کروں اور جو لوگوں پہ رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پہ رحم فرماتا ہے اسی لئے فرمایا کہ میں اسے ایسی چادر پہناؤں گا جس کا مستحق ہے۔

حدیث قدسی شریف

میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے جو بھی مجھ سے ان دونوں میں کوئی ایک چھینتا ہے میں اسے دوزخ میں

داخل کروں گا۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنائے لیکن محال ہے کہ یہ دونوں صفات عمل میں لائے کیوں کہ یہ ازلی ابدی ہیں اسی کے ساتھ خاص ہیں ان دونوں میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوسکتا ہاں بندوں کی عادات میں تغیر ہوتا رہتا ہے کیوں کہ ان کی ابتداء و انتہا ہے اور ان کی کوئی ابتدا کرنے والا اور لوٹانے والا ہے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رداء و ازار کا اطلاق فرمایا لیکن قمیص و شلوار کا استعمال نہیں فرمایا اس لئے کہ دونوں سلی ہوئی نہیں ہوتیں اگرچہ بُنی ہوئی ہوں اسی لئے وہ بسیط (فراخ کھلی) ہوسکتی ہیں بخلاف قمیص و شلوار کے کہ وہ دونوں سلی ہوئی ہوتی ہیں اور ان میں ترکیب ہے، یہی وجہ ہے کہ مرد حاجی کو حکم ہے کہ وہ احرام کی چادریں سلی ہوئی استعمال نہ کرے بخلاف عورت کے وہ سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے اس لئے کہ مرد اگرچہ مرکب پیدا کیا گیا ہے لیکن وہ بساطۃ (فراخی) کو قریب تر ہے اور عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے اور صرف اپنے مرد کیلئے خاص ہے اسی لئے وہ بساطۃ سے بعید رکھی گئی ہے خلاصہ یہ کہ سلی ہوئی شئے میں ترکیب ہے اس لئے عورت کو حکم ہے کہ وہ اپنی اصل پر رہے مرد کے رنگ ڈھنگ کی طرف رجوع نہ کرے اور مرد کو حکم ہے کہ ترکیب سے ہٹ کر بساطۃ کی طرف رجوع کرے۔

نکتہ: حمد کی کبریائی پر تقدیم میں اشارہ ہے کہ حمد کرنے والوں پر لازم ہے کہ جب وہ اللہ کی حمد کریں تو یہ ذہن میں تصور لائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ و اکبر ہے اس سے کہ اس کی وہ حمد کرسکیں جو انعام کے لائق ہو بلکہ وہ حمد کرنے والوں کی حمد سے اکبر و اعلیٰ ہے اور اس کی نعمتیں اتنا بے شمار ہیں کہ شکر کرنے والے ان کا شکر نہیں کر سکتے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ الکبریاء یعنی رب تعالیٰ کو قید حیات و تحویلات یعنی علمیہ و اعتقادیہ متنوعہ کی قید سے بحسب المراتب منزہ جاننا ایسے ہی احکام حصر کے ظاہر اور باطن سے بھی منزہ جاننا اسکی معرفت ایسے امور سے تحقق نہیں ہوتی ہاں خوش قسمت انسان کو سر عبادت المشروعہ و سر التوجہات الکونیہ الی الحضرت الربوبیۃ سے عرفانِ حاصل ہوسکتا ہے

فائدہ: شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ اکبر کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا حق طاعت سے کچھ حاصل ہوسکتا ہے اگرچہ اس کا حق اس سے بھی اعلیٰ ہے جیسا کہ فرشتے کہتے ہیں ما عبدناک حق عبادتک ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔

مسئلہ: جامع المضمرات میں ہے کہ اللہ اکبر کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ کسی غیر سے اکبر ہے بلکہ اپنے کل ماسوا سے اکبر ہے وہ اپنے انوار قدرت کا ایک نور ہے۔

حکایت: کسی نے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے چھینک کر الحمدللہ پڑھا تو حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا" الحمد للہ رب العالمین کہنا چاہیئے کیوں کہ یہی قرآن کے موافق ہے اس شخص نے کہا کہ کیا عالم کا کوئی وجود ہے جسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے اس معنیٰ پر اللہ اکبر کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس سے اکبر ہے کہ اسے حواس سے ادراک کیا جا سکے یا اس کے جلال کو عقل وقیاس سے سمجھا جا سکے بلکہ وہ تو اس سے اکبر ہے کہ اس کا غیر اس کے جلال کا ادراک کر سکے بلکہ وہ اس سے اکبر ہے کہ اسے اس کے سوا کوئی پہچان سکے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں پہچانتا۔

فائدہ: بعض فضلاء نے فرمایا صحیح وہ ہے جو محققین کا مذہب ہے کہ اکبر افعل التفضیل ہے جب اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہوگا تو معنیٰ میں معرف باللام کی طرح ہو یعنی معنی یہ ہوگا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اکبر ہے یہاں لفظ مِن کے مقدر کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اگر مِن مقدر ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ اصل کبریائی میں اس کا کوئی اور بھی شریک ہے اور وہ اس سے منزہ ہے کہ اس کا کوئی کسی صفت میں شریک ہو اور اس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا کیوں کہ کبریائی صرف اسی کے ساتھ ہے بلکہ اس کا ماسوا تو فات اور احتیاج سے موصوف ہے۔ بلکہ تمام اسی کے محتاج ہیں چہ جائیکہ اس کے غیر کو مجازی طریقہ سے [illegible] ین مانی جائے نہ ہی کسی کو عظمت وکبر حاصل ہو سکتا ہے اور یہ صفت صرف اور صرف اسی کو خاص ہے بلکہ کوئی اس صفت سے موصوف ہونا چاہے تو یہ صفات اس کے لئے مذموم ومقبوح ہوں گی اسی لئے وہ منزہ ہے کہ کوئی بھی کسی صفت میں اس کا شریک ہو سکے خلاصہ یہ کہ افعل التفضیل اس کے لئے محض مبالغہ وکمال مطلق کیلئے ہے تاکہ ثابت ہو کہ اس صفت میں اس کا غیر کوئی بھی شریک نہیں۔

مسئلہ: یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی تکبیروں میں کبھی کبھی اضافہ فرمایا کرتے مثلاً کبھی چھ بار کبھی ان سے زائد[1]۔

نکتہ: اہل عرب کے قبائل عیدوں کے اجتماع میں [illegible] جبال کا مطالعہ کرتے اور اسباب کی بہت سے عظمت وبزرگی کا اظہار کرتے اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے کبریائی کی نفی کر کے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت فرمایا اور پھر ان کی تعداد معین نہ تھی۔ جن سے اطمینان قلبی حاصل ہو اس قدر بڑھایا

---

[1] فقیر کے رسالہ "قران السعدین فی تکبیرات العیدین" میں اس کی تفصیل دیکھئے۔ (اویسی غفرلہ)

جاتا ہے[1]

حکایت کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ آپ کا صاحبزادہ انگشتری پہنے ہوئے ہے جس کی قیمت ہزار درہم ہے آپ نے صاحبزادہ کو لکھا کہ اے عزیز میں نے سنا ہے کہ تم نے انگشتری خریدی ہے جس کا نگینہ ہزار درہم کا ہے میں حکم دیتا ہوں کہ اسے بیچ کر ہزار بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اگر انگشتری پہننی ہے تو معمولی قیمت کی پہن لے اور اس پر لکھدے رحم اللہ امرأ عرف قدر نفسہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو اپنی قدر و قیمت جانتا ہے اس لئے کہ تیری انگشتری تیری بڑائی پر دلالت کرتی ہے اور بڑائی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لائق ہے

۱: مرا و را سزد کبریا و منی
کہ ملکش قدیمست و ذاتش غنی

۲: یکے را بسر بر نہد تاج بخت
یکے را بخاک اندر آرد ز تخت

۳: بتہدید اگر برکشد تیغ حکم
بمانند کروبیان صم و بکم

۴: بدرگاہ لطف و بزرگیش بر
بزرگان نہادہ بزرگی ز سر

۵: بدر دیقیں پردہائے خیال
نماند سراپردہ الا جلال

ترجمہ ۱: اسی کو بڑائی اور میں ہونا لائق ہے کہ اس کا ملک قدیم اور اس کی ذات غنی ہے۔
۲: کسی کے سر پہ بخت کا تاج رکھتا ہے کسی کو تخت سے مٹی (قبر) میں لاتا ہے۔
۳: تہدید سے حکم کی تلوار اٹھاتا ہے تو کروبی (فرشتے) بہرے گونگے، کھڑے رہ جاتے ہیں۔
۴: اس کی بزرگی کے درگاہ میں اس کے لطف سے بزرگوں نے سر زمین پر رکھے ہوئے ہیں۔
۵: یقین تمام پردے طے کرلیتا ہے سوائے پردۂ جلال کے۔

سبق یعنی کوئی پردہ باقی نہ رہے گا سوائے حجابات عظمت و ردائے کبریائی کے کیوں کہ وہ ہمیشہ بلند رہے گا ورنہ انسان کا وجود تو لاشی ہو کر ملک عدم سے لاحق ہوگا اسے ذوق و وجدان

---

[1] یہ ابتدائے اسلام میں ہوتا ہوگا ورنہ عیدین میں صرف اور صرف چھ تکبیرات زائدہ ہیں اور بس۔ اویسی غفرلہ

سے اچھی طرح پہچان لے۔

بفضلہ تعالیٰ پارہ نمبر ۲۵ ۲۷ شب رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ بوقت ۴ بجے بعد سحری بحالت اعتکاف مسجد نبوی شریف باب مجیدی کے ستون نمبر ۲ بجانب غرب) کے ترجمہ سے فراغت پائی۔

الحمد للہ علی احسانہ العمیم والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلیٰ آلہ واصحابہ وحزبہ العظیم۔

ھذا آخر مارقمہ قلم الفقیر القادری ابی الصالح

محمد فیض احمد

الاویسی الرضوی غفرلہ ربہ القوی

(بہاولپور)

تصنیف :۔ حضرت شیخ امام اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ :۔ حضرت شیخ القرآن علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ العالی

تصحیح :۔ الحاج چودھری مشتاق محمد خان لاہوری

کتابت :۔ قسور علی خاموش کبیر والہ

ناشر :۔ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور (پاکستان)

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ

فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر

روح البیان

پارہ ۲۶

مفسر

حضرت علامہ شیخ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ

مترجم

شیخ التفسیر مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی

رضوی کتاب گھر رجسٹرڈ

۴۲۵، اردو مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

فون: 011-23264524

نام کتاب	:	فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان
مصنف	:	علامہ الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	:	شیخ التفسیر علامہ محمد فیض احمد اُویسی مدظلہ العالی
باہتمام	:	حافظ محمد قمر الدین رضوی
ناشر	:	رضوی کتاب گھر دہلی
پارہ	:	(۲۶)
صفحات	:	۶۵۶
تعداد اشاعت	:	۱۱۰۰
مطبع	:	رضوی پریس ایجنسی، دہلی
ہدیہ مکمل سیٹ	:	

RAZVI KITAB GHAR
425, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Ph:.011-23264524 Email:razvikitabghar@yahoo.co.in

پارہ ٢٦

حٰمٓ

سورہ احقاف کی پینتیس (٣٥) آیات، ٤ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ مکیہ ہے۔

ایاتها ٣٥	(٤٦) سورۃ الاحقاف مکیۃ (٦٦)	رکوعاتها ٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ○
قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ
شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ط اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ○ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ
اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ لا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ اِنِ
افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ط هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ط كَفٰى
بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ط وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ

الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَمَآ اَنَا
اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَکَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ
شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○

ترجمہ: یہ کتاب اتارنا ہے اللہ عزت و حکمت والے کی طرف سے، ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقرر میعاد پر اور کافر اس چیز سے ڈرائے گئے منہ پھیرے ہیں۔ تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کونسا ذرہ بنایا یا آسمان میں ان کا کوئی حصہ ہے، میرے پاس لاؤ اس سے پہلی کوئی کتاب یا کچھ بچا کھچا علم اگر تم سچے ہو اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کو پوجے جو قیامت میں اس کی نہ سنیں اور انہیں ان کی پوجا کی خبر تک نہیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان سے منکر ہو جائیں گے اور جب ان پر پڑھی جائیں ہماری روشن آیتیں تو کافر اپنے پاس آئے ہوئے حق کو کہتے ہیں یہ کھلا جادو ہے۔ کیا کہتے ہیں انہوں نے اسے جی سے بنایا۔ تم فرماؤ اگر میں نے اسے جی سے بنا لیا ہوگا تو تم اللہ کے سامنے میرا کچھ اختیار نہیں رکھتے وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو اور وہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا، تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر وہ قرآن اللہ کے پاس سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس پر گواہی دے چکا تو وہ ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا ظالموں کو۔

تفسیر عالمانہ: حٰمٓ۔ یہ وہ سورۃ ہے جس کا نام حٰمٓ ہے۔ بعض نے کہا کہ حاء کا اشارہ اہل توحید کی حمایت کی طرف اور میم کا اس کی رضا مندی مع اس کی زیارت کی طرف ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنے ہے، حمیت قلوب

اہل عنایتی الخ یعنی میں نے اہل قلوب کی حمایت کی اور میں نے ان کے قلوب کو خواطرِ ہوا جس سے بچایا توان میں دین کے شواہد چمکے اور وہ نورِ یقینی سے روشن ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ: فقیر حقی (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن جیسے اہل اموات کی زندگی ہے کما قال اللہ تعالیٰ (اَوْ کُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی)[1] ایسے ہی مردہ قلوب کی بھی حیات ہے اس لئے کہ علوم و معارف و حکم قلوب و ارواح و اسرار کی حیات ہیں۔ نیز یہ دونوں اسمائے الٰہیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس لیے کہ ابجد کے حساب سے حاء و میم کے نناوے عدد ہیں نیز یہ اُن سات صفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں پیدا فرمائیں اور وہ سات صفات یہ ہیں۔ حیات علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ اس معنے پر حاء حیات پر اور میم کلام پر دلالت کرتا ہے۔ پہلے اور دوسرے مجموعہ کی طرف اشارہ ہوگیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے کہ اس کے اسماء حسنیٰ کو یاد کیا جائے اور اس کی صفات کو پہچانا جائے اور اس کے اخلاق سے متخلق ہوں۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ ۔ قرآن مجید نازل کرنا ہے جو اس سورت اور دیگر عظیم الشان سورتوں پر مشتمل ہے۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر "من اللہ" ہے اور وہ اللہ سے ہے اور جو شے اللہ سے ہو وہ حق اور سچ ہے کما قال "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا"[2] **العزیز** (وہ غالب ہے) اور جو غالب سے ہے وہ اپنے نظم و معانی کے لحاظ سے جملہ کتب پر غالب اور ارباب ظاہر و باطن پر اس کی دلیل ظاہر و باہر ہوگی۔

الْحَكِيْمِ ۔ وہ حکیم سے ہے اور وہ جو حکیم سے ہو اس میں حکمت بالغہ ہوگی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام بے شمار حکمتوں و مصلحتوں پر ہوتا ہے، کما قال "مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" ہم نے آسمان و زمین اور ان میں بحیثیت جزئیت کے یا بحیثیت استقراء کے جو کچھ ہے نہیں پیدا کیا "وَمَا بَيْنَهُمَا" اور جو کچھ ان کے اندر مخلوق ہے جیسے آگ اور ہوا اور بادل اور بارش اور مختلف پرندے وغیرہ "اِلَّا بِالْحَقِّ" مگر حق کے ساتھ یعنے ان کی تخلیق سے غرض صحیح اور حکمت صحیحہ ہے۔ اس میں ایک غرض یہ ہے کہ اس پر مکلفین قرار پکڑیں اور انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور اس کے احکام کی پابندی کریں پھر قیامت ہو، انہیں ان کے اعمال پر جزا و سزا ملے ان اشیاء کی تخلیق نہ عبث

---

[1] یا کلام کیا اس سے موتی نے ۱۲، [2] بات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون سچا ہوسکتا ہے ۱۲۔

ہے نہ باطل اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی پیدائش میں ہزاروں حکمتیں رکھی ہیں اور جملہ وجود عالم کلمات الٰہیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر کلمے کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ ظاہر سے شے کی صورت اور باطن سے اس کا معنیٰ مراد ہے اور نہ صرف ایک بلکہ ہر باطن میں سات بطون ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔

فائدہ: اس سے نتیجہ نکلا کہ ہر وجود حق ہے یہاں تک کہ وہ کلمات جنہیں ہم مہمل کہتے ہیں وہ بھی حق ہیں اس لیے کہ عالم وجود میں آچکے ہیں ایسے ہی باطل کے لئے سمجھئے لیکن یہ نہیں کہ باطل حق ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ باطل سے وہ معنے مراد ہے جو اس کلمہ کی حقیقت ہے مثلاً کسی نے کہا زید مات، حالانکہ وہ مرا نہیں۔ یہ کلام باطل ہے لیکن چونکہ وہ کلمہ حروف ہیں بایں معنی حق ہے۔ اگرچہ "زید مات" بحیثیت عدم وقوع واقعہ کے باطل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا حق ہے اس لیے کہ اس کی حقیقت آخرت ہے اور برزخ ان دونوں کے درمیان فاصل اور بمنزلہ پل کے ہے۔

فائدہ: اس تقریر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول "الناس نیام" (یعنی تمام لوگ نیند میں ہیں اُس وقت بیدار ہوں گے جب مریں گے) کی حقیقت معلوم ہوئی۔ اسی معنے پر کہا جاتا ہے کہ خواب (رویا) حق ہے۔ ایسے ہی خواب کی تعبیر کا حال ہے لیکن ان دونوں کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کیونکہ خواب اور اس کی تعبیر ہر دونوں دُنیوی ہیں لیکن ان کے دنیوی ہونے کے باوجود ان کے حق ہونے کے منافی نہیں ہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہی حق حقیقت ہے اسی لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا[1]۔ اور حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کل کائنات ایک خواب خیال ہے اور وہ بھی فی الحقیقۃ حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ مخلوقات صرف معرفت الٰہی کے لئے پیدا فرمائی گئی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ "فخلقت الخلق لاعرف" (میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ میری پہچان ہو)۔

حدیث شریف میں ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کو پورے طور پہچانو تو دریاؤں پر خشک راستہ کی طرح چلو گے اور تمہارے کہنے پر پہاڑ ٹل جائیں گے اسی معرفت کے لئے ارواح کے آسمان

---

[1] ابا جی یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب تعالیٰ نے حق بنایا ۱۲۔

اور نفوس کی زمین اور ان کے مابین جو قلوب و عقول اور قویٰ پیدا کیے گئے۔

"وَاَجَلٍ مُّسَمًّى" اس کا عطف الحق پر ہے، اس کا مضاف محذوف ہے یعنے تمہارے لیے ایک دن مقرر کیا گیا ہے جہاں تمہارے جملہ امور پہنچ جائیں گے اس سے قیامت کا دن مراد ہے وہ اس لیے کہ مخلوق قیامت کے دن سے مقترن ہوگی نہ کہ اسی مخصوص اجل سے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ کل کائنات فانی ہے اور پند و نصیحت اور زجر و توبیخ ہے۔ اے لوگو! جاگو اور غور کرو کہ تمہارا اصلی مقصد کیا ہے اور کیوں پیدا کیے گئے ہو اور اس میں اشارہ ہے کہ ہر عارف کی معرفت کے لئے میعاد مقرر ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کی عمر چالیس سال ہے کیونکہ سلوک کی آخری منزل کی یہی میعاد ہے اسی لیے کسی کو اپنے علم و عرفان سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کیونکہ ہر عالم سے کوئی اور بڑا اہل علم ہوتا ہے اور ہر حد کی کوئی انتہا ہوتی ہے اور جملہ امور اوقات و زمان کے ساتھ مرہون ہیں۔ یہ اس کے لئے ہے جو فطرت اصلیہ پر چلتا ہے اور امکان کے امور سے محفوظ ہو کر زندگی بسر کرتا ہے ورنہ بہت سے لوگ ستر سال تک محنت کرتے رہے لیکن پھر بھی معرفت کی منزل نہ ملی۔

فائدہ: معرفت کی پہلی اور آخری منزل کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے۔ اس کی آخری منازل کے لئے تو بہت بڑی مدت چاہیئے لیکن اس کی ابتدائی منزلیں تھوڑی سی مدت میں حاصل ہو سکتی ہیں بلکہ بعض کو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی یہ منازل حاصل ہو گئیں، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کے جادوگروں کو ایک منٹ میں تمام منزلیں طے ہو گئیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو کہا: "اٰمنّا بربّ العٰلمین" (ہم رب العلمین پر ایمان لائے)

حضرت ابراہیم بن ادھم نے ڈوبتے کو بچا لیا:

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بادشاہ تھے لیکن جب فقیرانہ درویشانہ راستہ اختیار کیا تو یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ ایک آدمی دریا کے گہرے پانی میں ڈوبنے والا تھا۔ جب وہ پل سے گرنے لگا آپ اس وقت کوسوں دور تھے لیکن آپ نے ہوا کو اشارہ فرمایا اسے وہیں پر روک دیا گیا جہاں وہ گر رہا تھا۔

رابعہ بصریہ کی شان:

حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا پہلے ایک معمولی کنیز تھیں اور سن رسیدہ عام کار و بار میں مصروف رہتی تھیں آپ کی خریداری کسی کو منظور نہ تھی۔ آپ کے مالک نے اعلان

کیا لیکن کسی نے نہ خریدی ایک تاجر نے آپ پر رحم کرم کر کے صرف ایک سو درہم میں خرید کر کے آزاد کر دیا۔ بی بی نے ایک سال تک عبادت میں وقت بسر کر دیا پھر وہ شان بن گئی کہ بصرہ کے جملہ علماء و زہاد اور قرّاء زیارت کے لئے حاضر ہونے لگے۔ یہ اس کی نوازشات قدیمہ ازلیہ سے ہے اور وہ کسی علت سے معلل نہیں۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: روح القدس کا فیض اگر مدد فرمائے تو دوسرے اسی طرح کرتے ہیں جیسے مسیح کرتا ہے۔

فائدہ: حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ خلق اعمال کے متعلق مجھے اشکال تھا کسی طرح یہ بھید نہ کھلتا تھا یعنی معتزلہ خلق اعمال اور اہلسنت کسب اعمال کے قائل ہیں۔ مجھے تردد تھا کہ ان میں حق پر کون ہے۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ راز منکشف فرما دیا چنانچہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوق کو خود پیدا فرمایا جبکہ ابھی مخلوق کا وجود بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس انکشاف کے بعد فرمایا اب بھی اشکال باقی ہے کیا میں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا ایسے ہی میرا جملہ عالم کا معاملہ ہے کہ جس میں ذرہ برابر بھی کسی کو کوئی دخل نہیں ہاں وہ امور جو اسباب کے وقت پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اسباب سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اسباب صرف موجب بنتے ہیں اور ان کی تخلیق میں خود کرتا ہوں (جیسا کہ اہلسنت کا عقیدہ ہے) مثلاً میں نے عیسیٰ علیہ السلام کے نفخ کو مُردوں کے زندہ کرنے کا سبب بنایا لیکن اس نفخ کا خالق میں خود ہوں ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کے نفخ کے بعد پرندے کا زندہ ہو جانا بھی میری تخلیق سے ہوتا تھا۔

تفسیر عالمانہ: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اور وہ لوگ جو کافر ہیں یعنی مشرکین مکہ عَمَّآ اُنْذِرُوْا جس سے ڈرائے گئے یعنی انہیں قیامت اور اس کے ہولناک امور سے ڈرایا گیا۔ "مُعْرِضُوْنَ" روگردانی کرنے والے ہیں یعنی ایمان و عمل کی استعداد کو ضائع کرنے والے۔

(مسئلہ) آیت میں اشارہ ہے کہ قیامت اور اس کے اندر ہونے والے واقعات سے اعراض کفر ہے۔

(مسئلہ) فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے موصوف کیا جو اس کی شان کے لائق نہیں مثلاً امکان۔ حدوث۔ جسمیت۔ جہات۔ ظلم۔ نوم۔ نسیان۔ ایذاء وغیرہ وغیرہ یا اس کے کسی رسم یا امر سے استہزاء کیا یا اس کے وعدہ وعید اور ان امور میں سے کسی امر کا انکار کیا جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں تو بھی وہ فقہاء کے نزدیک کافر ہو گیا۔

(مسئلہ) کسی نے زنا یا لواطت کا ارادہ کیا دوسرے نے اسے روکا تو اس نے جواب دیا کہ یہ فعل کروں گا اور میرے نزدیک یہ اچھا فعل ہے یہ بھی کفر ہے۔

(مسئلہ) کسی کو کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کر وہ جواب دیتا ہے کہ ضرور کروں گا، روکنے والے نے کہا کہ اگر نافرمانی کروگے تو دوزخ میں جاؤگے اس نے جواب دیا کہ میں دوزخ سے نہیں ڈرتا ایسے جواب سے بھی کافر ہو جائے گا۔

(مسئلہ) کسی نے کسی کو کہا زیادہ نہ کھایئے اور نہ زیادہ سویئے اور نہ ہی زیادہ ہنسیئے اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنی مرضی پر جتنا چاہوں سوؤں اور ہنسوں گا ایسے جواب کی وجہ سے وہ شخص کافر ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ان ہر تینوں کی کثرت کے ارتکاب سے روکا ہے اس لیے کہ یہ دل کو موت مارتی ہیں اسی لیے ان کے متعلق نصیحت کو رد کرنے سے حقیقتہً نص قطعی کا رد کرنا ہے اور وہ کفر ہے۔

(مسئلہ) فتاویٰ ظہیریہ کے آخر میں ہے کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ کوئی شخص کہے کہ میں نہ دوزخ سے ڈرتا ہوں اور نہ مجھے جنت کی امید ہے۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اسی سے امید وار ہوں۔ کیا ایسے شخص کو کافر کہا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی بات کہنا غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خود دوزخ سے ڈرایا کما قال "فاتقوا النّار التی وقودھا النّاس اعدّت للکافرین ۝ اُس دوزخ سے ڈرجس کا ایندھن لوگ ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔"

(مسئلہ) کسی کو کہا جائے کہ اس سے ڈر جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے وہ کہے میں نہیں ڈرتا تو اس کا قائل کافر ہے اس لیے کہ اس نے نص قطعی کا رد کیا ہے۔

توضیح از صاحب روح البیان :

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ہر وہ شخص جو دوزخ سے ڈرتا ہے نہ بہشت کی طمع رکھتا ہے اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ میرا ایمان صرف دوزخ کے ڈر یا بہشت کے لالچ پر مبنی نہیں بلکہ میں تو ایمان لایا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پر، ایسے شخص کو کافر نہ کہا جائے بلکہ رشک کیا جائے کہ اسے خالص ایمان نصیب ہے۔ ویسے اس نے حق کہا ہے کہ دوزخ سے ڈرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے اس لیے کہ دوزخ میں وہی داخل ہوگا جو بندہ اس کی نافرمانی کرے۔ ہماری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ قائل مذکورہ بالا تقریر کے مطابق مذکورہ بالا جواب دے رہا ہے تو اب اس کی عبارت کا مفہوم "فاتقوا اللہ ولا تعصُوا"[۱] کے عین مطابق ہے۔

(مسئلہ) کسی نص قطعی کا انکار کفر ہے اگر اس کے انکار پر اس کا مفہوم شرع مطہر کے مطابق بنایا جاسکے تو کفر نہ ہوگا ورنہ قائل کافر ہوگا۔

(مسئلہ) کسی کو کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ سے ڈر وہ اس کے جواب میں کہے تو اپنی خیر منا تیرا جیسا مجھے کیونکر نصیحت کرسکتا ہے۔

اسم ذات کا ادب :

ہارون الرشید کسی سواری پر سوار جارہا تھا۔ اسے کسی یہودی نے کہا " اتق اللہ " اللہ تعالیٰ سے ڈر، تو وہ فوراً لشکر سمیت سواریوں سے اتر پڑا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیوں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اسم کی عظمت و تکریم کی وجہ سے کہ وہ نیچے اور ہم اوپر۔

(مسئلہ) کوئی قسم کھائے کہ میں آسمان کو ہاتھ لگاؤں گا تو وہ حانث ہوگا اسے کفارہ ادا کرنا لازم ہے اس لیے کہ آسمان کو ہاتھ لگانا نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے کما قال اللہ حکایۃ عن الجن اِنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ[۲] لیکن ایسا کہنے والا (عام آدمی) گنہگار ہوگا اس لیے کہ قسم سے مقسم بہ کی تعظیم مطلوب ہوتی ہے اور یہاں تعظیم نہیں بلکہ ہتک ہوئی۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ناصح کی پند و نصیحت کو قبول کرے اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتا رہے اور اس کی عظمت کو دل میں جگہ دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمانہ کا مظہر ہوجائے اور یقین رکھے کہ اللہ لطیف ہے اور جب اس کے احکام سے کفر اور روگردانی کرے گا تو قہر الٰہی کی صفات کا مظہر ہوجائے گا اس پر اسے معلوم ہوگا کہ وہ قہار ہے۔ ہم اللہ

---

[۱] اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کی بے فرمانی نہ کرو، [۲] بیشک ہم نے آسمان کو چھوا ۱۲۔

تعالیٰ سے اس کی عفو و عطا اور اس کے لطف واسع اور اس کی رضا کا سوال کرتے ہیں۔
قُلْ اَرَاَیْتُمْ۔ کافروں کو تبکیتًا اور زجر و توبیخ کے طور فرمائیے کہ مجھے خبر دو "مَا تَدْعُوْنَ" تم کس کی عبادت کرتے ہو "مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" اللہ تعالیٰ کے غیروں کی جو کہ بُت اور ستارے ہیں "اَرُوْنِیْ" مجھے دکھاؤ یہ اراَیتم کی تاکید ہے۔ "مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ" زمین سے انہوں نے کیا پیدا کیا یعنی اگر واقعی وہ معبود ہیں، یہ اس ابہام کا بیان ہے جو ماذا میں ہے۔ یعنی زمین کے کسی ایک علیحدہ ٹکڑے کو انہوں نے پیدا کیا ہو تو دکھاؤ "اَرَءَیْتُمْ" کا مفعول اول "ما تدعون" اور دوسرا "ماذا خلقوا" ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بُت پرستوں کو زجر و توبیخ کے طور پر فرمایا کہ بتاؤ کہ تم اپنے معبودوں کا حال بتاؤ۔ "اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ" کیا انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شرکت ہے۔ "فِی السَّمٰوٰتِ" آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر یا ملکیت میں تاکہ وہم کیا جا سکے کہ انہیں بھی عبودیت کا حق حاصل ہے اور جسے وجوہ مذکورہ میں سے کسی ایک وجہ سے معمولی طور بھی دخل نہ ہو تو پھر وہ کس طرح معبودیت کا استحقاق رکھتا ہے کوئی زندہ انسان وغیرہ بھی اس کا حق نہیں رکھتا اور یہ تو جماد محض ہیں۔ یعنی ظاہر ہے کہ تمہارے معبود بالکل عاجز محض ہیں انہیں زمین و آسمان کی کسی شے پر تصرف کی طاقت و قوت حاصل نہیں۔ پھر تم کس طرح انہیں میرا شریک ٹھہرا کر ان کی پرستش کرتے ہو۔

(سوال) حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے اور پرندوں کی تخلیق (یخلق الطیر) کرتے اور ایسے کام کر دکھلاتے جسے غیر کو مقدور نہیں۔

(جواب) در اصل ان کا ایسے ہی ہر ولی اور ہر نبی علیہ السلام) کا کر دکھلانا اللہ تعالیٰ کے اذن اور قدرت عطا کرنے سے تھا (جیسے ہم اہلسنت کہتے ہیں) اور یہ ان کے ذاتی عجز کے منافی نہیں۔

(سوال) عالم علوی میں شرک کی نفی کی گئی ہے حالانکہ وہ اسی طرح عالم سفلی کی اشیاء کی تخلیق سے بھی عاجز تھے۔

(جواب ۱) چونکہ عالم علوی کے آثار اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے لئے مختص ہونے میں مشہور ہیں۔ کیونکہ یہ عالم بلند و بالا بھی ہے اور بلندی کے باوجود بغیر ستون کے بھی ہے اور نہ ہی ان کے لئے کوئی میخیں ہیں۔

(جواب ۲) اس وہم کو دور کرنا مطلوب ہے کہ اگر کہا جاتا کہ کیا بتوں کو زمینوں

کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت ہے تو کوئی وہم کرنا کہ شاید عالم علوی میں تخلیق میں اس کا کوئی ہاتھ بٹانے والا ہے تو ایسے ہی زمینوں میں بھی ہونے چاہئیں۔
یہ تقریر یوں صحیح ہوگی جب اَم کو منقطعہ بنایا جائے لیکن صحیح تر یہ ہے کہ یہاں اَم متصلہ ام منقطعہ کے بالمقابل محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی "امر لهم شرك فی السمٰوٰت (کذا فی حواشی سعدی المفتی) اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ" یہ ان کی تعجیز پر تبکیت ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل نقلی نہیں لا سکتے، اس سے پہلے ان کے دلیل عقلی نہ لانے کا بیان تھا اب دلیل نقلی کے عجز کا اظہار ہے اور باء تعدیہ کی ہے یعنی اے کافرو کوئی کتاب الٰہی لاؤ جو "مِنْ قَبْلِ هٰذَآ" اس کتاب سے پہلے ہو اس سے قرآن مجید مراد ہے جس میں توحید کا بیان اور شرک کا ابطال ہے یعنی کوئی ایسی آسمانی کتاب لاؤ جس میں تمہارے دعویٰ کا اثبات ہو حالانکہ اس سے قبل جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں سب میں توحید کا بیان اور شرک کا ابطال تھا پھر اس میں بھی وہی بات ہے۔ "اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ" یا کوئی علم کا ایسا نشان جس میں مذکور ہو کہ تمہارے معبود عبادت کے مستحق ہیں یہ "سمعنت الناقة اعلی اثرة من لحم وشحم" یعنی بقیۃ لحم وشحم کانت بہما من لحم وشحم ذاہب ذائب[1] سے ماخوذ ہے "اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ" اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو اس لیے کہ کوئی دعویٰ درست نہیں ہو سکتا جب تک اس پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل نہ ہو اور تمہارے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے برعکس عقلی و نقلی دلائل ہیں جو تمہارے غلط عقیدہ کا بطلان کرتے ہیں۔

واحد اندر ملک اورا یار نے
بملکش اندر جز او سالار نے
نیست خلقنش را دگر کس مالکے
سرکنش دعویٰ کند جز ہالکے

ترجمہ: ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ واحد ہے۔ اس کے ملک میں سوائے اس کے کوئی سردار نہیں۔ اس کی مخلوق میں اس کے سوا کوئی مالک نہیں۔ جو بھی اس کے ساتھ شراکت کا دعویٰ کرے ہلاک ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ ماسوا اللہ میں سے خواہش ہو یا شیطان اور دیگر وہ چیزیں جن کی پرستش کی جائے وہ ارض نفوس اور سمٰوٰت روح میں ہر کوئی قدرت نہیں رکھتا اس لیے کہ ہر شے کا خالق وہی ہے، اسی سے ہر شے کی تاثیر اور اسی

[1] اونٹنی اپنے بقیہ گوشت اور چربی سے موٹی ہوگئی جو اس کے اندر آ گیا

کے ہاتھ میں قلوب ہیں وہ انہیں جیسے پھیرتا ہے چاہے انہیں حق پر قائم رکھے چاہے باطل کی طرف مائل کر دے ۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش پر نہ عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ کسی صاحب عقل و اہل مکاشفہ نے غیر اللہ کی پرستش کو جائز نہیں رکھا اسی لیے تمام علماء ظاہر و باطن نے فرمایا ہے کہ اخلاص واجب ہے یہاں تک فرمایا کہ ایمان کی رغبت اور ثواب کی نیت پر طاعت کرنا اور عذاب سے بچنے کے لئے خوف رکھنا کوئی فائدہ نہیں دیتا اس لیے کہ اس میں غیر اللہ کو دخل ہے ۔ نتیجہ نکلا کہ عبادت نہ جنّت کی لالچ میں ہو اور نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ صرف رضائے الٰہی کے لئے ہو اور بس ۔

تفسیر عالمانہ: ”وَمَنْ“ من مبتداء استفہامیہ ہے اس کی خبر ”اَضَلُّ“ الخ ہے یعنی اس سے اور کون زیادہ گمراہ تر ہوسکتا ہے ”مِمَّنْ یَدْعُوْا“ جو عبادت کرتا ہے ”مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ“ اللہ تعالیٰ کے غیر کی درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کر کے غیر کی پرستش کرتا ہے ”مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ“ یہ جملہ یدعوا کا مفعول ہے یعنی ایسے لوگ تمام گمراہوں سے گمراہ تر ہیں کہ خالق سمیع قادر مجیب خبیر کی عبادت کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کی جو سمع و قدرت و استجابت سے عاری ہیں یعنی اگر کوئی مشرک اپنے معبود باطل کو پکارے تو اس سے استجابت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا۔ ”اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ“ یہ نفی استجابت کی غایت ہے یعنی قیامت تک سے مراد یہ ہے کہ جب تک دنیا ہے اُس وقت تک بتوں سے یہ امور نہیں ہو سکتے ۔

(سوال) اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انہیں یہ امور حاصل ہو جائیں گے حالانکہ یہ معنی بالاجماع غلط ہے ۔

(جواب) قاعدہ ہے کہ شے کے منتہٰی کے بعد کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور پھر ”واذا حشر الناس“ الخ سے بھی سوال کی تقریر کا رد ہو جاتا ہے ۔

(سوال) قیامت میں تو بُت بولیں گے اور چند ایک سوالات کے جواب بھی دیں گے ۔

(جواب) نفی استجابت سے اس دعاء کی وہ استجابت مراد ہے جو دنیا میں کفار اپنے حصولِ نفع کے لئے انہیں پکاریں اور وہ ان کا جواب دیں یہ نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں

(سوال) قیامت میں بھی تو عدم استجابت ہوگی جبکہ وہ انہیں بلائیں گے ۔

(جواب) اس استجابت سے رغبت سے جواب دینا مراد ہے اور قیامت میں اگرچہ جواب دیں گے بھی تو ان کا رغبت کا جواب نہ ہو گا بلکہ الٹا کفار کو جہنم میں داخل کرانے کے لیئے ہو گا۔ (حواشی سعدی المفتی مرحوم)

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ بتوں کی عدم استجابت نہ دنیا میں ہو گی نہ آخرت میں دائمی ہو گی بلکہ آخرت میں اپنے عابدوں کے لیئے اور زیادہ سخت ہو گی کیونکہ وہاں پر بیزاری اور دشمنی کا اظہار ضروری ہو گا اسی لیے دنیا کے منتہی تک عدم استجابت کو بتانا اسی معنے کے لئے ہے ورنہ آخرت میں تو وہ ان کے لئے اور زیادہ تکلیف اور عذاب کا موجب ہو گی اس کی نظیر "اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ"[1] حالانکہ شیطان پر لعنت ابدی ہے لیکن "یوم الدین" سے اس کا منتہیٰ بتایا گیا ہے تو اس سے بھی یہی مراد ہے کہ شیطان پر قیامت میں لعنت کا اور اضافہ ہو گا جو دنیا کی لعنت سے کئی گنا زائد ہو گی۔

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ اور وہ بت اپنے پجاریوں کی پکار سے "غافلون" غافل ہوں گے اس لیے کہ وہ جماد محض ہیں وہ تو کچھ سمجھتے ہی نہیں پھر کیا جواب دیں گے ہاں ان کے وہ معبود جو عاقل ہیں جیسے ملائکہ وغیرہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں گے وہ بھی جواب نہ دیں گے "هُمْ" کا مرجع "يدعو" کا مفعول ہے اور دعاءہم کے فاعل کی طرف راجع ہے اگرچہ وہ واحد ہے لیکن باعتبار معنیٰ من کے جمع ہے جیسے اس کے لئے يَدْعُوْ واحد کا صیغہ باعتبار اس کے لفظ لایا گیا چنانچہ بارہا اس کا مضمون گذرا اور "غَافِلُوْنَ" ایسے ہی ضمائر ذوی العقول اس لیے ہیں کہ ان کے بتوں کو ذوی العقول قرار دیا اگرچہ وہ جماد محض ہیں یہ صرف بت پرستوں سے تہکم کے طور پر ہے ؎

بے بہرہ کے کہ چشمۂ آبحیات
بگذارد رُو نہد بسوئے ظلمات

ترجمہ: بے نصیب کو آبحیات کے چشمہ پر لے جاؤ۔ تو وہ بجائے آبحیات کے ظلمات کی طرف رخ کرے گا۔

"وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ" اور جب قیامت میں لوگ جمع کیے جائیں گے۔ "الحشر" بمعنے الجمع۔ (القاموس) اور الراغب میں ہے کہ الحشر بمعنے جماعت کو ان کی قرارگاہ سے نکال کر انہیں جنگ یا کسی دوسرے امر کے لئے لیجانا اور یہ لفظ صرف جماعت کے لئے مستعمل ہوتا ہے

---

[1] بیشک تجھ پر میری لعنت قیامت تک ہے ۱۲۔

اور قیامت کو حشر سے اسی لیے تعبیر کیا جاتا ہے ایسے ہی اسے ''یوم البعث و یوم النشر'' کہا جاتا ہے'' کانوا '' ہوں گے وہ بت '' لھم '' اپنے پجاریوں کے لیے '' اعداء '' دشمن جو انہیں نقصان پہنچائیں گے کسی قسم کا انہیں نفع نہیں دیں گے، اس وقت ان کے تمام گمان غلط ہو جائیں گے جبکہ دنیا میں خیال کرتے تھے کہ قیامت میں ان کے یہی بت ان کی شفاعت کریں گے ''وکانوا بعبادتھم کافرین'' اور ہوں گے وہ بت اپنے پجاریوں کی پرستش سے انکار و تکذیب کرنے والے یا تو لسان حال سے انکار کریں گے یا لسان مقال سے جیسا کہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو زندگی دے گا تو وہ بت پرستوں کی پرستش سے برأت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے درحقیقت اپنی خواہشات کی پرستش کی، کیونکہ خواہشات نے انہیں حکم کیا کہ وہ ان کی پرستش کریں، یہ اس آیت کی نظیر ہے جو سورہ یونس میں گذری کما قال'' وقال شرکاءھم ما کنتم ایانا تعبدون'' اور انکے شرکاء (بت) کہیں گے کہ تم ہماری پرستش نہیں کرتے تھے ۱۲۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں نوم غفلت سے بیدار ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ماسوا اللہ انسان کے دشمن ہیں۔ کما قال الخلیل علیہ السلام'' فانھم عدولی الا رب العلمین[1]'' اور فرمایا '' انی بریٓء مما تشرکون'' میں اے مشرکین! تم سے بیزار ہوں۔

حکایت بایزید بسطامی قدس سرہٗ: حضرت بایزید قدس سرہٗ حج کو جاتے ہوئے اونٹ پر اپنا اور اپنے ساتھیوں کا سامان لاد دیا۔ لوگوں نے عرض کی یہ تو صریح ظلم ہے کہ اونٹ پر بہت زیادہ بوجھ لادا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹ کے نیچے دیکھئے، طعنہ زن نے نیچے دیکھا تو بوجھ کسی اور شے نے اٹھایا ہوا ہے، اونٹ کو خبر بھی نہیں۔ طعن زن نے کہا یہ عجیب امر ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر میں اپنا حال ظاہر کروں تو تم اسے برداشت نہیں کر سکو گے۔ جب آپ مکہ معظمہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے گھر جلد واپس جائیے اس لیے کہ آپ کی والدہ مکرمہ بوڑھی ہے اور اسے آپ کی خدمت کی ضرورت ہے آپ اپنی جماعت کے ساتھ واپس بسطام پہنچے، لوگوں نے دو منزلیں چل کر آپ کا استقبال کیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا جب لوگ آپ کے قریب پہنچے تو آپ نے شیخ قرصی کو بلا کر کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے آپ سے شرع کے خلاف امر دیکھا تو واپس لوٹ گئے۔ آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ دیکھیے میں نے ایک شرعی امر کے

---

[1] بیشک وہ میرے دشمن ہیں سوائے رب العلمین کے ۱۲۔

خلاف کیا تو خلق خدا مجھ سے منحرف ہو گئی۔

ازالۂ وہم: مسافر کو روزہ رکھنا ضروری نہیں ہوتا اسی لیے آپ نے حقیقۃً امر شرعی کے خلاف نہیں فرمایا تھا لیکن بظاہر خلاف تھا اور وہ بھی اپنے مشغلہ ذکر الٰہی کو بحال رکھنے کے لئے کیا تاکہ عوام کے میل جول سے ذکر حق سے رہ نہ جائیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تقریر

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت بایزید قدس سرہٗ نے عمدًا لوگوں کو متنفر فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مشغول نہ کردیں اس لیے کہ جو سالک کو ذکر الٰہی سے مشغول رکھے وہ ان کا دشمن ہوتا ہے اور دشمن سے اجتناب ضروری ہے جس طرح سے بھی ہو سکے اسی لیے آپ نے رمضان شریف میں روزہ نہ رکھنے سے ان دشمنوں کو بھگانے کا سبب بنایا۔

(سوال) رمضان شریف کا روزہ نہ رکھنا ماہِ رمضان کی ہتک ہے اور پھر روزہ توڑنے کا گناہ سوا۔ لوگوں کو بھگانے کا اور سبب بھی ہو سکتا تھا۔

(جواب ۱) اس وقت آپ نے سوا اس کے اور کوئی سبب نہ پایا اور روزہ توڑنے کا کفارہ بھی دے دیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا سبب اور اس کے ساتھ مانوس رہنا علی الدوام حاصل ہوا۔

(جواب ۲) پہلے ہم نے لکھ دیا کہ وہ اس وقت مسافر تھے اور مسافر پر روزہ وقتی طور معاف ہوتا ہے۔

دشمن اولیاء: اولیاء کرام کے اعداء کو جب اولیاء کے اسرار کا علم نہیں ہوتا تو وہ ان پر بلا سوچے سمجھے طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

سبق: ہم پر لازم ہے کہ ہم اولیاء کرام پر کسی قسم کی طعن و تشنیع نہ کریں اگر ان سے خلافِ شرع کوئی امر صادر ہو تو ہر ممکن اس کی صحیح توجیہ کریں ورنہ خاموشی بہتر۔

(جواب ۳) اگرچہ بظاہر آپ نے روزہ توڑ دیا تھا لیکن بباطن روزہ توڑا نہیں تھا اس لیے کہ ولی اللہ بظاہر کوئی کام کرتا ہے لیکن درحقیقت وہ کام کرتے ہی نہیں اور عمومًا ملامیہ اولیاء کرام ایسے ہی کرتے ہیں اور انہیں اعدام و افناء اور ایجاد پر قدرت حاصل ہوتی ہے اس کی نظیر ان کی شراب نوشی کا معاملہ ہے کہ وہ بظاہر شراب پیتے ہیں لیکن جب حلقوم تک

پہنچتا ہے تو وہ شراب شہد بن جاتا ہے لیکن یہ اس کے لئے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اس طرح کا تصرف رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ خلافِ شرع عمل کر کے اس طرح کا کام کرنا معمولی اولیاء کا کام ہے ورنہ کاملین تو سرِ مُو بھی شرع کے خلاف نہیں کرتے۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت کا سوال کرتے ہیں)۔

"وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ" اور کافروں پر جب پڑھی جاتی ہیں "اٰیٰتُنَا" ہماری

تفسیر عالمانہ: آیات درانحالیکہ "بیّنات" وہ اپنے مدلولات پر واضح الدلالۃ ہیں یعنی اس کے بیان کردہ حلال و حرام و حشر و نشر کے امور واضح ہیں۔ اور کاشفی نے کہا کہ اس کے دلائل اعجاز واضح ہیں۔ "قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلْحَقِّ" اور کافروں کے حق میں کہا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ لام تعدیہ کی ہو۔ نقیض کو نقیض پر حمل کرنے کے قبیل سے ہے اس لیے کہ ایمان لفظ باء سے متعدی ہوتا ہے اور کبھی لام کے ساتھ بھی جیساکہ "اٰمَنْتُمْ لَهٗ" وغیرہ میں یہاں پر حق سے وہی آیات قرآنی مراد ہیں جن کی تلاوت کی جاتی ہے اور اسے ضمیر کے قائم مقام اس لیے لایا گیا ہے تاکہ وہ منصوص ہوں اور معلوم ہو کہ ان پر ایمان واجب ہے۔ ایسے ہی اسم موصول لانے میں یہی حکمت ہے ورنہ وہاں بھی ضمیر لانا چاہیے تھی اور کہا جاتا "وقالوا الخ" تاکہ ان کے کمال کفر اور ضلالت پر مہر ثبت ہو "لَمَّا جَآءَهُمْ" اور پہلی بار ان کے ہاں آیا جو بلا سوچے سمجھے انکار کر کے کہنے لگے "هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ" یہ جادو ظاہر ہے یعنی اس کا جادو اور باطل ہونا ظاہر ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور جب انہوں نے قرآن مجید کو جادو کہا تو اس کے جملہ ارشادات مثلاً قیامت اور حساب و جزا وغیرہ کا انکار کر دیا اور گدھے سے بھی جاہل تر ہو گئے اور کفر جہل سے ہوتا ہے۔ "اَم یقولون افتراء" بلکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو خود گھڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کیا۔

فائدہ: ان کا یہ دعویٰ نہ صرف بُرا بلکہ تعجب خیز بھی ہے کیونکہ قرآن مجید معجزہ ہے اور ایسا کلام ہے جس کی نظیر کسی فرد بشر کے امکان میں نہیں جب انسانی امکان سے باہر ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کیسے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔

(مسئلہ) سحر و افتراء ہر دونوں کفر ہیں بالخصوص اللہ تعالیٰ پر افتراء سحر

سے اور زیادہ بُرا کفر ہے "قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ" فرمائیے اگر بالفرض والتقدیر میں اللہ تعالیٰ پر افترا کرتا "فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا" تو تم میرے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب دفع کرنے کے مالک نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر بالفرض میں افتراء کروں تو وہ مجھے لازماً عذاب کرتا تو پھر میں اللہ تعالیٰ پر کس طرح افترا یا اپنے آپ کو عذاب کیلئے کیسے پیش کر سکتا ہوں کہ جس سے نجات ناممکن ہو "هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ" یہ "اَفَاضُوْا فِی الْحَدِیْثِ" سے ہے بمعنی "خاضوا فیه وشرعوا" یعنی جب وہ بات میں غور و خوض کریں اور اس میں شروع ہوں۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے طعن علی القرآن اور تشنیع بالآیات کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کی چال کو بھی جانتا ہے کہ وہ قرآن و آیات کو کبھی جادو سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی افتراء سے "کَفٰی بِهٖ" اسے اللہ کافی ہے۔ یہ باء صلہ کی ہے "شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ" میرے اور تمہارے درمیان گواہ کہ وہ میری تبلیغ حق اور صدق کی اور تمہارے جھوٹ اور جمود و انکار کی گواہی دے گا۔ یہ قرآن پر طعن و تشنیع کی جزاء کی وعید ہے۔ "وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" اور وہ غفور رحیم ہے یعنی اس نے تائب و مومن کے لئے مغفرت ورحمت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ باوجودیکہ وہ بہت بڑی جرائت کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں بھیجتا تاکہ معلوم ہو کہ وہ بڑا حلم والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ رویتِ حق سے اندھے اور سماعِ حق سے بہرے ہیں وہ اللہ والوں پر جادو وغیرہ کی تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی باتیں منگھڑت ہیں (جیسے وہابی مودودی کہتے ہیں) اور عام طور اولیاء اللہ پر طعن و تشنیع ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ سچے کو دنیا و آخرت میں بہترین جزاء بخشتا ہے اور جھوٹے کو دنیا اور آخرت میں رسوا اور سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے۔

بہشت کی کنجی: حضرت بایزید قدس سرہٗ کو کسی نے کہا کہ بہشت کی کنجی "لا الٰہ الا اللہ" ہے۔ آپ نے فرمایا کنجی کے لئے دندانے ضروری ہیں اور اس کے دندانے چار چیزیں ہیں۔

(۱) زبان جھوٹ و بہتان اور غیبت سے دور ہو۔

(۲) دل مکر و فریب اور خیانت سے صاف ہو۔

(۳) پیٹ حرامخوری بلکہ مشتبہ طعام سے پاک ہو۔

(۴) عمل خواہشِ نفسانی اور بدعت سیئہ سے خالی ہو۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر و باطن کو انجاس و ارجاس سے پاک و صاف رکھنا ضروری ہے اور ہر وقت ان احکام کی پابندی لازمی جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔

کرامت و جادو کا فرق: جادو اور کرامت میں حد فاصل اتباع نبوی ہے۔ اسی لیے بزرگانِ اسلام نے فرمایا کہ جادو فساق او رزندیقوں اور ان کافروں سے صادر ہوتا ہے جو احکامِ شرعیہ و متابعت نبویہ سے کوسوں دور ہیں اور اولیاء کرام وہ ہیں جو متابعتِ نبوی اور احکامِ شرعی کی پابندی سے بہت بڑے مراتب کو پہنچتے ہیں۔

منکرِ اولیاء: اولیاء کرام کے منکر کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ ان کے برکات و فیوضات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے اور یہ اس پر ادنیٰ سزا ہے بلکہ منکرِ ولی کے خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ (نعوذ باللہ من سوء القضاء) ہم سوء قضاء سے پناہ مانگتے ہیں۔

اولیاء کی عقیدت بھی ولایت: حضرت ابوالقاسم سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولایت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ اولیاء کے علوم کی تصدیق کرے (بحمد اللہ ہم اہلسنت اولیاء کرام کے جملہ علوم و کمالات کے قائل ہیں اور محروم القسمت ہیں وہ ٹولیاں جو اولیاء کرام کے کمالات و کرامات کے انکار میں سرگرم ہیں)

(فائدہ) کافر قرآنی آیات کے براہین واضحہ کے باوجود کفر کے گھیرے میں ہیں تو پھر ان سے اولیاء کرام کے کمالات و کرامات ماننے کے لئے کیسے امید کی جاتی ہے۔ ہاں جسے اللہ توفیق بخشے وہ اس کی خوش قسمتی ہے۔

واعظ کے وعظ سے حصولِ ولایت: حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک واعظ کی تقریر سنی تو معمولی طور پر میرے دل پر اثر ہوا پھر دوبارہ سنی تو راستہ تک اس کا اثر رہا تیسرے بار سنی تو میرے دل میں گھر کر گئی پھر جا کر جملہ آلاتِ لہو و لعب توڑ ڈالے اور راہ خداوندی میں گامزن ہو گیا۔

سبق: حضرت عارف واعظ شیخ یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہ نے فرمایا کہ چڑیا نے شاہین کو پھنسا لیا یہاں پر چڑیا سے واعظ اور شاہین سے حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہ مراد ہیں۔

فائدہ: وعظ کا دروازہ ہر ایک پر کھلا ہے لیکن اس دل پر اثر انداز ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو یاد رہے کہ سب سے بہترین اور بڑا وعظ قرآن مجید ہے۔ حضرت مولانا

جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

حق ازاں حبل خواند قرآنرا
تا بگیری لسان حبل آنرا
بدر آئی ز جاہ نفس وہوای
کنی آہنگ عالم بالا

ترجمہ: (۱) اللہ نے قرآن کو حبل (رسی) اسی لیے کہا ہے تاکہ تم اسے مضبوط پکڑ لو۔
(۲) تاکہ نفس و ہوا (خواہش) سے باہر آسکو اور عالم بالا کی طرف ارادہ کرسکو۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۔ حل لغات: بدع بالکسر بمعنی البدیع یعنی وہ شے جس کی پہلے کوئی مثل ہو۔

تفسیر عالمانہ: (شان نزول) کفار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد اور مکابرہ کے طور آیات عجیبہ اور مغیبات کے متعلق سوال کرتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ آپ انہیں فرمائیں کہ میں رسولوں میں سے کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور نہ ہی صرف میں انسانوں کا رسول نیا بنکر آیا ہوں میرے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیشمار رسل کرام علیہم السلام بھیجے ہیں اور وہ سب کے سب اخلاص فی التوحید اور صدق فی العبودیت کی دعوت دیتے رہے اور میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق جمیلہ کا اتمام کروں اور ضروری نہیں کہ مجھے وہی حاصل ہو جو انہیں حاصل تھا یہاں تک جو کچھ تم مجھ سے مانگتے جاؤ میں دیتا جاؤں یا ان جملہ امور غیبیہ کی خبر دوں جن کے لئے تم سوال کرو اور مجھ سے پہلے رسل کرام بھی وہی معجزات و آیات لاتے جو اللہ تعالیٰ عطا کرتا اور وہ اپنی قوم کو انہی امور کی خبر دیتے جن کا انہیں وحی کے ذریعے علم دیا جاتا پھر تم میرے سے ایسے امور کا کیوں مطالبہ کرتے ہو جو میرے اللہ نے مجھے تاحال نہیں دیئے۔

"وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ" پہلا ما نافیہ ہے اور اس کی تاکید کے لئے ہے اور دوسرا ما استفہامیہ مرفوع بالابتداء ہے اس کی خبر "یفعل بی" ہے یہ بھی ہے کہ دوسرا ما موصولہ اَدْرِی کی وجہ سے منصوب ہے لیکن درایت سے بیزاری کا تقاضا مقتضی ہے کہ اس کا استفہامیہ ہونا موزوں ہے یعنی میں از خود نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور نہ ہی از خود مجھے معلوم ہے کہ انجام کیا ہوگا۔ نہ میں اپنے لیے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ

تمہارے لیے اس لیے کہ میرے سے پہلے انبیاء علیہم السلام امتحان و آزمائش میں دوچار ہوئے کسی کو ہجرت سے آزمایا گیا کسی کو قسم و قسم کے فتنوں میں مبتلا کیا گیا ایسے ہی ان کی امتوں کا حال رہا کہ بعض کو زمین میں دھنسایا گیا بعض کو مسخ و قذف میں مبتلا کیا گیا کسی کو آندھیوں اور سخت آوازوں سے تباہ کیا گیا کسی کو پانی میں ڈبویا گیا وغیرہ وغیرہ۔

ازالۂ وہم وہابیہ دیوبندیہ عہ: یہاں پر اپنے اور اپنی امت سے علم کی نفی از مستقبل کا مقصد صرف یہی ہے کہ بالاستقلال و بالذات علم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ورنہ بالعطاء والتعلیم حضور علیہ السلام کو بہت سے علوم حاصل ہوئے۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے اس وہم کا ازالہ سینکڑوں سال پہلے فرما دیا۔ (کما قال)

(جوابلہ) فنفی علیه السلام علم ما یفعل به وبهم من هذه الوجوه وعلم من هو الغالب المنصور منه ومنهم ثم عرفه الله بوحیه الیه عاقبة امره و امرهم فامره بالهجرة ووعده العصمة من الناس وامره بالجهاد واخبر انه یظهر دینه علی الادیان کلها ویسلط علی اعدائه ویستأصلهم

"حضور علیہ السلام کے اپنے اور اپنی امت کے خاتمہ کی بے خبری کے وجوہ وہی ہیں جو مذکور ہوا اور اس علم کی نفی کہ غالب و منصور ان میں کون ہے یہ پہلے کی بات ہے ورنہ اللہ نے آپ کو وحی کے ذریعہ آپ کے اور آپ کی امت کے خاتمہ کی خبر دے دی مثلاً کہ آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور آپ کو ہر طرح کی حفاظت رہے گی اور آپ کو جہاد کا حکم ہوا اور اطلاع دی کہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا اور آپ اعداء پر مسلط ہو کر انہیں جڑ سے کاٹ دیں گے۔"

(جوابلہ) دیگر اور جواب تحریر فرمایا جسے ہم وہابیہ دیوبندیہ کو سناتے ہیں تو نہیں مانتے۔ (کما قال)

وقیل یجوز ان یکون المنفی هی الدرایة المفصلة ای وما ادری ما یفعل بی ولا بکم فی الدارین علی التفصیل اذ لا علم لی بالغیب کان الاجمال معلوماً

"بعض نے کہا کہ اس میں درایت کی نفی یعنی دارین میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا اس کی تفصیل اللہ کو معلوم ہے کیونکہ مجھے علم غیب نہیں اگرچہ اجمالی طور آپ کو معلوم تھا کہ اللہ

لہ روح البیان ص ۴۶۷ ج ۸: عہ اس لیے کہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ نبی علیہ السلام کو نہ اپنے خاتمہ کا علم تھا نہ دوسروں کا ملاحظہ ہو تقویۃ الایمان اور براہین قاطعہ، اصل عبارات فقیر کی کتاب "التحقیق الکامل" میں ہے۔ (اویسی غفرلہ)

فان جند اللہ ھم الغالبون وان مصیر الابرار الی النعیم ومصیر الکفار الی الجحیم۔ (روح البیان ص۴۶۷ ج۸)

کا لشکر غالب رہے گا اور نیک لوگوں کا رجوع نعمتوں کی طرف یعنی بہشت میں اور کافروں کا رجوع دوزخ کی طرف ہے۔"

(جواب۴) وقال المولی ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ والاظھر والاوفق لما ذکر من سبب النزول ان ما عبارۃ عما لیس فی علمہ من وظائف النبوۃ من الحوادث والواقعات الدنیویۃ دون ما سیقع فی الاٰخرۃ فان ذلک من وظائف النبوۃ وقد ورد بہ الوحی الناطق بتفاصیل ما یفعل بالجانبین (ھذا) روح البیان ص۴۶۸ ج۸

"مولانا ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زیادہ ظاہر اور زیادہ موافق وہی ہے جو سبب نزول میں مذکور ہے وہ یہ کہ یہ امور جو آیت میں مذکور ہیں وہ علوم نہیں جو نبوت سے متعلق ہوں اسی لیے بحیثیت نبوت کے متعلقات کے میں نہیں جانتا کہ حوادث و واقعات کیسے واقع ہوں گے ہاں جو آخرت کے متعلق امور ہوں انہیں میں جانتا ہوں کہ وہ نبوت کے متعلقات سے ہیں کیونکہ بہت سے امور اپنے اور اپنی امت کے متعلق تفصیل کے ساتھ آپ نے معلوم کر لیے جبکہ آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوئے تو اسے اچھی طرح یاد کر لے)

(جواب۵) از اویسی غفرلہٗ: جمل علی الجلالین و دیگر مفسرین نے لکھا کہ یہ آیت "انا فتحنا لک فتحا مبینا" سے منسوخ ہے اور منسوخہ آیات سے استدلال گمراہی ہے۔

(جواب۶) یہاں درایت کی نفی ہے درایت کی نفی سے علم کی نفی کرنا جہالت ہے اس لیے کہ درایت بمعنی اٹکل پچو اور اندازہ اور تخمینہ سے کسی شے کو جاننا اور نبوت کا علم تخمینہ اور اندازے سے نہیں ہوتا بلکہ وحی ربانی سے ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوتا۔ (مزید تفصیل فقیر کی کتاب "غایۃ المامول فی علم الرسول" میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

شان نزول اور ہجرت کا خواب: مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ عنقریب ایسے علاقہ کو ہجرت کر کے تشریف لے جائیں گے جہاں کھجوروں کے باغات اور دیگر درخت بکثرت ہیں۔ آپ نے یہی خواب اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ (رواہ الکلبی)

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی اگرچہ حب الوطن والی حدیث صحیح ہے لیکن سختی سے اسی وطن میں مزا اور کہنا کہ چونکہ یہاں پیدا ہوں لہٰذا یہاں زندگی بسر کروں گا تو یہ خیال اچھا نہیں۔

فائدہ: اس خواب کے بعد عرصہ تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کے مطابق ہجرت کا حکم نہ پایا اور ادھر مشرکین کی سختیاں بڑھ رہی تھیں تو حضور علیہ السلام سے عرض کی آپ نے فرمایا وہ ایک خواب تھی اور خواب ہر فرد بشر دیکھتا ہے (کبھی صحیح کبھی غلط) وہ حکم مجھے وحی کے ذریعے تو نہیں ہوا تھا کہ میں تمہیں یقین سے کہوں کہ تم ہجرت کر جاؤ اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔ (وما ادری مایفعل بی)

ازالۂ وہم از اویسی غفرلہٗ: اس سے ثابت ہوا کہ ہمارا مسلک برحق ہے۔ اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر احکامات اور علوم و اختیارات کا نزول تدریجاً ہوا اس کی ایک دلیل یہی ہے کہ روایت مذکورہ میں بتایا گیا ہے کہ میرا خواب وحی نہیں حالانکہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ نہ صرف حضور علیہ السلام کی خواب وحی ہے بلکہ ہر نبی علیہ السلام کے خواب کو وحی ماننا ضروری ہے بلکہ ہر مومن کے ہر سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا۔ (فافہم ولا تکن من الوھابیین)

آیت کا معنی: اب معنے یہ ہوا کہ مجھے از خود معلوم نہیں کہ مکہ معظمہ میں رہوں گا یا ہجرت کا حکم دیا جاؤں گا جیسا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔

فائدہ: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بکم کا خطاب اہل ایمان کو ہے لیکن ماقبل و مابعد کے مضامین سے یہ خطاب اہل ایمان کے لئے رد کرتے ہیں کیونکہ ماقبل و مابعد کے مضامین سے واضح ہے کہ یہ خطاب کفار کو ہے۔

رد بد مذاہب: اس سے واضح ہوا کہ (اہل ہوا و بدعت) وہابیہ کا خیال غلط ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ والوں اور نیکوں کو تکالیف و مصائب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ (وہابیہ اہلسنت کو تعریضاً کہا کرتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اختیار اور علم غیب ہوتا تو وہ تکالیف و مصائب میں مبتلا نہ ہوتے) اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ عقلاً قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو مصیبت میں مبتلا کرے۔ یہ ان کا خیال اس لیے غلط ہے کہ اگر یہ قاعدہ صحیح مان لیا جائے تو سب سے بڑی شخصیت یعنی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ میں رسول ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضرور بخشے گا لیکن فرمایا کہ مجھے از خود معلوم نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا تاکہ

سب کا یہ عقیدہ مضبوط ہو کہ ہر حکم اسی کا ہے اور وہ اپنے بندوں سے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ آیۃ میں حضور علیہ السلام نے اپنے سے **علم غیب** (ذاتی) کی بیزاری کا اظہار فرمایا ہے ۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اے دل تا کے فضولی و البوالعجبی
از من چہ نشان عافیت می طلبی
سرگشتہ بود خواہ ولی خواہ نبی ،
در وادئ ما ادری ما یفعل بی

ترجمہ : اے دل کب تک فضول اور ابوالعجب رہے گا اور مجھ سے کب تک عافیت کا مطالبہ کرتا رہے گا ۔ ہر ایک وہ نبی ہو یا ولی " وما ادری ما یفعل بی " کی وادی میں حیران و سرگرداں ہے ۔

"ان اتبع الا ما یوحٰی الی" میں تو صرف اسی کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ہر فعل وحی کے تابع تھا اس کا یہ معنٰی نہیں کہ وحی نبی علیہ السلام کے تابع نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے ۔ یہ کافروں کے اس سوال کا جواب ہے جو حضور علیہ السلام سے ایسے غیوب کے متعلق پوچھا کرتے جن کے متعلق آپ کے ہاں وحی کے ذریعے نازل نہیں ہوئے ۔ بعض نے کہا کہ یہ مسلمانوں کے سوال کے جواب میں ہے جبکہ وہ مشرکوں کی اذیتوں اور تکلیفوں سے خلاصی کے متعلق جلدی کا سوال کرتے تھے لیکن پہلی تقریر " وما انا الا نذیر مبین " کے زیادہ موافق ہے یعنی میں نہیں ہوں مگر اللہ تعالٰی کے عذاب سے ڈرانے والا جیسے مجھے حکم ہوتا ہے اور میرا ڈرانا کھلا اور واضح ہے اور اس کی تائید میں معجزات باہرہ سے ہوتی ہے ۔

(مسئلہ) اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت حضور علیہ السلام کے ہاتھ میں نہیں (یعنی اس کی تخلیق) بلکہ اس کی تخلیق صرف اللہ تعالٰی کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے یا نہ دے ۔

ازالۂ وہم : ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ کا علم غیب ذاتی ہے اور یہی اسی کے ساتھ خاص

ہے ہاں انبیاء و اولیاء علی نبینا علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی عطاؤ اذن سے بذریعہ وحی و الہام حاصل ہوتا ہے چنانچہ یہی مسلک صدیوں پہلے صاحبِ روح البیان قدس سرہ نے بیان فرمایا۔

وان علم الغیوب بالذات مختص باللہ تعالیٰ واما اخبار الانبیاء والاولیاء (علیہ السلام) فبواسطۃ الوحی و الالہام وتعلیم اللہ سبحانہ ومن ھذا القبیل اخبارہ علیہ السلام عن اشراط الساعۃ وما یظھر فی اخر الزمان من غلبۃ البدع والھوی و اخبارہ عن حال بعض الناس۔

(روح البیان ص۴۶۸ ج۸ تحت آیت ھذا)

"ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ہاں انبیاء و اولیاء کا خبر دینا وہ بواسطہ وحی و الہام و تعلیم الٰہی سے حاصل ہوا اسی قبیل سے ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیامت کے آثار کی خبر دینا ایسے ہی جو زمانہ قربِ قیامت میں امور واقع ہوں گے مثلاً بدعات (سیئہ) اور خواہشات نفسانیہ کا غلبہ ایسے ہی بعض لوگوں کے حالات بتانا۔"

علمِ غیب نبوی: فرمایا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دروازے میں جو سب سے پہلے داخل ہوگا وہ بہشتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تشریف لائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں بھی وہ عمل بتایئے جس سے آپ بہشت کے مستحق ہوئے اس لیے کہ آج حضور علیہ السلام نے آپ کے لئے ایسے فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو ایک کمزور بندہ ہوں۔ ہاں میری عادت ہے کہ میں دل میں کسی کا کینہ اور بغض نہیں رکھتا اور نہ ہی فضول امر کے درپے ہوتا ہوں۔

حکایت: سید الطائفہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک دن مجھے میرے ماموں حضرت سری سقطی قدس سرہ نے فرمایا کہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کیجئے لیکن میں اپنے آپ کو اس منصب کا مستحق نہیں سمجھتا تھا اس لیے متامل ہوا۔ اس کے بعد شبِ جمعہ میں نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی اور فرمایا کہ اے جنید (رضی اللہ عنہ) لوگوں کو وعظ و نصیحت کیجیے۔ اس پر میں بیدار ہو کر اپنے ماموں حضرت سری سقطی قدس سرہ کے ہاں حاضر ہوا تو فرمایا تو نے میری بات نہ مانی اب تو تجھے آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلھذا لوگوں کو پند و وعظ کیجئے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے ایک مجلس میں وعظ کا آغاز

کیا تو میرے سامنے ایک نصرانی لڑکا کھڑا ہوگیا اس سے میں واقف بھی نہیں تھا، کہنے لگا کہ اے شیخ! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی "اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر اللّٰہ" اہل ایمان کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، کا کیا مطلب ہے۔ میں نے اس کا سوال سنکر تھوڑا سا سر جھکا کر کہا کہ بچہ! کلمہ طیبہ پڑھئے اب تیرے اسلام لانے کا وقت ہے چنانچہ وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔

سبق: (یہ حضور علیہ السلام کے غلاموں اور امت کے اولیاء کا حال ہے) اور جنید و شبلی قدس سرہما جیسے اکابر اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے الہامات بکثرت ہوتے تھے (تو پھر ان کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توقف بلکہ فتوائے شرک کیوں)

"قل ارءیتم" - اے میری قوم مجھے خبر دو "ان کان" اگر وہ جو میری طرف

تفسیر عالمانہ: وحی کی گئی ہے وہ واقعی قرآن "من عند اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو۔ نہ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ وہ جادو ہے یا حضور علیہ السلام کی منگھڑت باتیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہ تو شعیب علیہ السلام کے قول "ولو کنا کارھین" کی طرح شک کے لئے نہیں بلکہ کلام کے صلات سے ہے "وکفرتم" حالانکہ تم نے اس کے ساتھ کفر کیا۔ یہ خبر سے حال ہے اور اس میں قد محذوف ہے۔ اجزائے شرط کے درمیان میں اس لیے لایا گیا ہے تاکہ ان کے کفر پر مہر ثبت ہوجائے نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا عطف کان پر ہو جیسے "قل ارءیتم ان کان من عند اللّٰہ ثم کفرتم بہ" میں کفرتم کا عطف کان پر ہے لیکن اس کی شرط کا وقوع و عدم وقوع یا عتبار معطوف علیہ کے حال کی وجہ سے ہے اس لیے ان کا کفر تو ان کے نزدیک متحقق تھا البتہ اس میں شک تھا کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ کے نزدیک متحقق ہے یا نہ۔ ایسی ہی "وشھد شاھد من بنی اسرائیل" اور آنے والے دونوں فعلوں کی تقریر ہوگی کہ یہ جملہ امور فی نفسہٖ تو متحقق ہیں لیکن تردد اس میں ہے کہ واقعی ان کی شہادت و ایمان و استکبار اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں یا نہ" "وشھد شاھد من بنی اسراءیل" اور بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان لوگوں نے گواہی دی۔ اس سے بنی اسرائیل کے وہ اشخاص مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شئون و اسرار سے واقف اور انہیں تورات کے ذریعے علم تھا "علی مثلہ" قرآن کی مثل کہ جیسے اس میں معانی ہیں ایسے ہی تورات میں تھے یعنی اس کے علوم قرآن کے مطابق تھے جس طرح قرآن میں توحید اور وعد و وعید وغیرہ کا

بیان ہے ایسے ہی اس میں ہیں گویا تورات کے جملہ مضامین اسی میں ہیں جیسا کہ فرمایا" وانہ لفی زبر الاولین "۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ علیٰ صلہ کے لئے ہے اب معنے یہ ہوا کہ گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے" فامن " فاء دلالت کرتی ہے کہ بنی اسرائیل کے حق شناس لوگوں نے قرآن مجید کے نزول کے بعد فوراً قبول کرلیا جب انہیں محسوس ہوا کہ یہ وحی ربانی کی جنس سے ہے۔ یہ کسی فرد بشر کا کلام نہیں" واستکبرتم" اس کا عطف شھد شاہد پر ہے اور شرط کا جواب محذوف ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور بنی اسرائیل کے بڑے علماء نے نہ صرف اس کی گواہی دی بلکہ بلا تامل اس پر ایمان لائے اور تم نے اس سے انکار کیا اب بتاؤ تم سے اور کون گمراہ تر ہوگا ہم نے یہ ترجمہ دوسری آیت " قل اراءیتم ان کان من عند اللہ ثم کفرتم بہ من اضل لمن ھو فی شقاق بعید " کے مطابق کیا ہے۔" اِنَّ اللہَ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ " بیشک اللہ ظالم قوم کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا یہاں پر ظالمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اقرار وتسلیم کے بجائے جمود و انکار کرتے ہیں اور انہیں ظلم سے موصوف کرنے میں ان کے حکم کی علّت کا اظہار مطلوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت اس لیے نہیں دی کہ باوجودیکہ ایمان اسلام کے لئے ان کے ہاں واضح اور بین براہین موجود ہیں لیکن پھر بھی ظلم و عناد اور سرکشی پر ڈٹے رہے۔ پھر ایسے بدبختوں کو ہدایت دینے کا کیا فائدہ۔

(فائدہ) آیت میں اشارہ ہے کہ جب دعوٰی کی حقیقت پر شاہد عدل پایا جائے تو اس کے خلاف خصومت خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔

عبداللہ بن سلام کے اسلام کا واقعہ: یہاں پر شاہد سے حضرت عبداللہ بن سلام بن حارث رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ وہ اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کا پہلا نام حصین تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا (رضی اللہ عنہ) جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سنا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حاضر ہو کر آپ کے چہرۂ اقدس کو دیکھ کر کہا کہ" انہ لیس بوجہ کذاب" ایسا چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ پھر عرض کی میں آپ سے ایسے تین سوال عرض کرتا ہوں جنہیں صرف نبی علیہ السلام جان سکتا ہے۔

(۱) قیامت کے قیام کی پہلی نشانی کیا ہے۔
(۲) اہل جنت کا سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا۔
(۳) شکل وصورت میں اولاد باپ کی طرف مائل ہوتی ہے یا ماں کی طرف۔
آپ نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک لائیگی۔ اور بہشت میں سب سے پہلا کھانا مچھلی کا جگر ہوگا اور تیسرے سوال کا حل یہ ہے کہ جماع کے وقت اگر باپ کا پانی سبقت کرتا ہے تو شکل وصورت میں باپ کی طرح ورنہ ماں کی طرح۔
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی کہا "اشھد انک رسول اللہ حقا" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بعد کھڑے ہوگئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے خود کو آپ سے سوالات کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن میری یہودی قوم بیوقوف ہے اگر انہیں میرا اسلام لانا معلوم ہوجاتا اور سنتے کہ میں نے آپ سے سوالات کئے بغیر اسلام قبول کیا ہے تو مجھے بیوقوف کہہ کر آپ کے سامنے میری حقارت بیان کرتے۔ پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پچاس یہودی حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے میں عبداللہ بن سلام کیسے ہیں، کہا بہت اچھے ہیں اور وہ ہمارے سردار ہیں اور ان کے والد بھی ہمارے میں بہت بڑے عالم ہیں اور ان کے والد بھی۔ آپ نے فرمایا اگر وہ اسلام قبول کریں تو تم مان جاؤ گے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں اسلام قبول کرنے سے پناہ دے یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام ان کے ہاں تشریف لائے اور کہا: "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہودیوں نے سن کر کہا کہ عبداللہ شریر ترین انسان ہے اور اس کا باپ بھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے حضور علیہ السلام سے عرض کی یا رسول اللہ ان سے مجھے اسی بات کا خطرہ تھا جسے آپ نے ان سے سنا۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے فضائل :-

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کے متعلق نہیں سنا تھا کہ فرمایا ہو کہ فلاں بہشتی ہے سوائے عبداللہ بن سلام کے اور "شھد شاھد من بنی اسرائیل" بھی انہی کے حق میں نازل ہوئی۔

(سوال) حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا "وشھد شاھد من بنی اسرائیل الخ حضرت عبداللہ بن سلام کے حق میں نازل نہیں ہوئی اس لیے کہ وہ سورۃ مکی

میں ختم واقع ہے وہ تمام مکیہ ہیں اور حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں مسلمان ہوئے۔

(جواب) یہ ضروری نہیں کہ سورہ مکیہ ہو تو اس کی تمام آیات مدنیہ ہوں۔(اس قاعدہ کی تفصیل ہم نے احسن البیان حصہ اول میں بیان کر دی ہے منجملہ ان کے یہی آیت ہے کہ مدنیہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکیہ سورت میں رکھا گیا ہے۔(کذا قال الکلبی)

تفسیر صوفیانہ: آیت میں توفیق عام کی طرف اشارہ ہے اور توفیق عام ایمان باللہ وایمان برسول اللہ وما جاء بہ مراد ہے اور توفیق خاص سے ان اعمال کی توفیق مراد ہے جو شرعًا مندوب ہیں۔ فرائض ہوں یا نوافل۔ اعمال ومجاہدات و ریاضات سے تصفیہ قلب اور اخلاق الٰہیہ کے ساتھ متخلق ہونا اور وصول الی العلوم الذوقیہ مقصود ہوتا ہے۔ اور ایمان باللہ و بالانبیاء والاولیاء اصل الاصول ہے۔ جیسے انکار واستکبار حرمان وخذلان کا موجب ہیں اور اولیاء کے منکرین کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ ان کے برکات سے محروم ہوں۔

فائدہ: حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو قلب اللہ تعالیٰ سے اعراض سے مانوس ہو تو اسے بیشمار خرابیاں گھیر لیتی ہیں ؎

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں زند

ترجمہ ۔جب خدا کسی کا پردہ فاش کرنا چاہتا ہے تو اسکا میلان طبع اولیاء پر طعن زنی کا کر دیتا ہے۔

رد وہابیہ: حضرت عارف شاہ شجاع کرمانی قدس سرہ۔ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی محبت سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مقام محبت اور رضائے الٰہی کی اسے ہدایت بخشتا ہے۔ جس کے لئے چاہتا ہے لیکن ظالمین معاندین کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا کیونکہ ان کے ازل سے تالے بند ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ۝ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ وَهَٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
اِحْسَانًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ
حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ
اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا
وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○
وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ
وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ○ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا
وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي
النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ○ ع

ترجمہ: "اور کافروں نے مسلمانوں کو کہا اگر اس میں کچھ بھلائی ہوتی تو یہ ہم سے آگے اس
تک نہ پہنچ جاتے اور جب انہیں اس کی ہدایت نہ ہوئی تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا بہتان ہے۔
اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور مہربانی اور یہ کتاب ہے تصدیق فرماتی عربی زبان
میں کہ ظالموں کو ڈر سنائے اور نیکوں کو بشارت، بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب
اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے نہ اُن پر خوف نہ ان کو غم وہ جنّت والے ہیں ہمیشہ اس میں
رہیں گے ان کے اعمال کا انعام، اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے
اس کی ماں نے اُسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے
پھرنا اور اُس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور
چالیس برس کا ہوا عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر
کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے اور
میرے لیے میری اولاد میں صلاح رکھ میں تیری طرف رجوع لایا اور میں مسلمان ہوں یہ ہیں وہ

جن کی نیکیاں ہم قبول فرمائیں گے اور ان کی تقصیروں سے درگذر فرمائیں گے، جنّت والوں میں سچا وعدہ جو انہیں دیا جاتا تھا اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اُف تم سے دل پک گیا کیا مجھے وعدہ دیتے ہو کر پھر زندہ کیا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے سنگتیں گذر چکیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہیں تیری خرابی ہو ایمان لا بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہتا ہے یہ تو نہیں مگر اگلوں کی کہانیاں یہ وہ ہیں جن پر بات ثابت ہو چکی اُن گروہوں میں جو ان سے پہلے گذرے جن اور آدمی بے شک وہ زیاں کار تھے اور ہر ایک کے لئے اپنے اپنے عمل کے درجے ہیں اور تاکہ اللہ ان کے کام انہیں پورے بھر دے ان پر ظلم نہ ہوگا اور جس دن کافر آگ پر پیش کیے جائیں گے ان سے فرمایا جائے گا تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انہیں برت چکے تو آج تمہیں ذلت کا عذاب بدلہ دیا جائے گا سزا اس کی کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور سزا اس کی کہ حکم عدولی کرتے تھے۔"

تفسیر عالمانہ: "وقال الذین کفروا" اور ان کفار مکہ نے کہا جو استکبار و انکار میں کامل ہیں "للذین اٰمنوا" ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے، یہ کلام بالمشافہ اور خطاب کے طور نہیں ہوا تھا ورنہ "ماسبقونا" نہ کہتے "لوکان" اگر ہوتا وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں قرآن یا احکام "خیرًا" بہتر اور حق "ماسبقونا الیہ" تو یہ لوگ اس کی طرف ہمارے سے سبقت نہ کر جاتے اس لیے کہ اعلیٰ و اولیٰ امور رذیل ترین لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتے اور یہ لوگ تو بہت گرے ہوئے ہیں اور فقراء بلکہ غلام ہیں۔ اس مرتبہ میں سبقت کے مستحق صرف ہم ہی ہیں کیونکہ ہمارے ہاں زر بکثرت اور بزرگی اور شہرت ہمیں حاصل ہے۔ ان بیوقوفوں کا خیال تھا کہ دینی مراتب و عہدے بھی دنیوی اسباب سے حاصل ہوتے ہیں یہ ان کی سخت غلطی تھی کیونکہ مراتب دینی کا دار و مدار کمالات نفسانیہ و ملکات روحانیہ پر ہے اور یہ مراتب دنیا کے نقش و نگار سے روگردانی اور آخرت کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونے سے حاصل ہوتے ہیں جسے ایسے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ وہ آخرت کے جملہ عہدے و مراتب پر فائز ہو جاتا ہے اور جو ان سے محروم رہا اسے کچھ نصیب نہ ہوگا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایسے مراتب و مقامات فضلِ الٰہی سے

نصیب ہوتے ہیں ان میں اسباب و علل کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں جو ان اسباب و علل کو پا لیتا ہے تو وہ بھی عطائے الٰہی سے ہوتا ہے، انسان کی اپنی ذاتی قابلیت کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ "و اذ لم یهتدوا به" یہ ظرف ایک محذوف فعل کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ ماقبل اور مابعد کا ترتب دلالت کرتا ہے۔ یہ فسیقولون کے متعلق نہیں اس لیے کہ یہ فعل مستقبل ہے اور لفظ اذ ماضی کے لیئے آتا ہے اور اس وقت انہوں نے قرآن سے ہدایت نہ پائی جیسے اہل ایمان کو ہدایت نصیب ہوئی۔ پھر انہوں نے کہا جو کہنا تھا "فسیقولون" صرف اہل ایمان سے اپنے افضل ہونے کے دعویٰ پر اکتفا نہ کیا بلکہ کچھ اور بھی کہیں گے "هذا" یہ قرآن "افك قديم" یہ منگھڑت اور پرانی باتیں ہیں یہ ایسے ہے جیسے دیگر اوقات میں کہا "اساطیر الاولین" یعنی یہ جھوٹا کلام بہت پرانے زمانے کا کہا ہوا ہے یعنی اس طرح کی باتیں پہلے لوگ بھی کہہ گئے ہیں حالانکہ وہ قرآن مجید کی روح سے جاہل اور اس کے اسرار و رموز سے بے خبر تھے اور قاعدہ ہے کہ لوگ جن امور سے بے خبر ہوتے ہیں، ان کے دشمن ہو جاتے ہیں ؎

تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نبیند جز کہ طین
ظاہر قرآں چوں شخص آدمیت
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیت

ترجمہ: قرآن کے ظاہر کو تم اے بیٹے نہ دیکھو آدم کو صرف گارہ دیکھتا ہے۔
قرآن کا ظاہر آدمیت کی طرح ہے کہ اس کے نقوش ظاہر اس کی جان پوشیدہ ہے۔

(قاعدہ) جس کا منہ کڑوا ہو وہ ٹھنڈے میٹھے پانی کا ذوق اور لذت محسوس نہیں کرتا۔

سبق: جسے حق بات سمجھ نہ آئے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر طعن و تشنیع کے بجائے خاموشی اختیار کرے اس لیے کہ حق کی کنہ میں ادراک عاجز ہے اگر کوئی اس کی کنہ میں تجسس کرتا ہے وہ گمراہ اور جاہل ہے ہاں اس راہ رو سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ "لو كان خيرا ما سبقونا" الخ کفار کا کہنا نفس کے مکر اور دھوکہ کی وجہ سے تھا تاکہ وہ ظاہر کر سکیں کہ ہم نے حق کو کیوں قبول نہ کیا وہ اس لیے کہ وہ حق قبول کرنے سے معذور تھے اس لیے کہ وہ حق نہیں تھا بلکہ (معاذ اللہ) باطل

تھا اور اس کے بطلان پر انہوں نے اپنی ایک غلط دلیل بھی قائم کر دی حالانکہ وہ بدقسمت اس کے لائق نہیں تھے کیونکہ نہ ہی ایمان کا ذوق تھا اور نہ قرآن کا اور نہ ہی وہ مواہب ربانیہ کے مستحق تھے اسی لیے فرمایا "فسیقولون ھٰذا افک قدیم"

فائدہ: بعض فقہاء نے فرمایا کہ ہم جب کسی سے کرامت دیکھ کر کہہ دیں کہ یہ قضیہ اتفاقیہ ہے تو یہ ہمارے دماغ کی کمی ہے جب ہماری یہ حالت ہے تو پھر ان کا کیا حال ہوگا جن کے دلوں پر ہزاروں پردے حائل تھے اسی لیے انہوں نے سخت تر اور بُری طرح اپنی جہالت کا اظہار کیا۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) گلے کہ بہر کلیم از درخت طور شگفت
توقع از خس و خاشاک میکنی حاشاک

ترجمہ: (۱) وہ گل جو کلیم (علیہ السلام) کیلئے طور کے درخت سے پھوٹے۔ تو پھر توقع خس و خاشاک کا کرتا ہے تجھ پر افسوس ہے۔

اور فرمایا ؎

(۲) مسکیں فقیہ میکند انکار حسنِ دوست
با او بگو کہ دیدۂ جانرا جلی کند

ترجمہ: (۲) مسکین فقیہ (زاہد خشک) حسن دوست کا انکار کرتا ہے اسے کہو کہ وہ جان کی آنکھوں کو روشن کرے۔

تفسیر عالمانہ: "ومن قبلہ کتاب موسٰی" موسٰی علیہ السلام کی کتاب قرآن مجید سے پہلے تھی۔ کتاب موسٰی مبتدا اور من قبلہ اس کی خبر ہے یہ یہود کے قول "ھذا افک قدیم" کا ردو ابطال ہے کیونکہ قرآن کتاب موسٰی کی تصدیق اور اس کی حقیت کو ثابت کرنے والا ہے یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے جب ان کے وہ اہل علم اسلام قبول کر چکے جنہیں وہ اپنے جملہ دینی و دنیوی معاملات میں اپنا فیصل مانتے بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معلومات کے متعلق انہی کا اعتبار کرتے اور یہ قرآن مجید انؑ کی بلکہ جملہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرتا ہے تو پھر انکار کیوں۔

"اماما" یہ کتاب موسٰی سے حال ہے۔ امام سے وہ شخص مراد ہے جس کی دینی امور میں اقتدا کی جائے "ورحمۃ" اور اہل ایمان اور جو اس کے موجب پر عمل کرتا ہے کے لئے رحمت "وھذا" اور یہ جس کے لئے یہودی بکواس کرتے ہیں "کتاب" عظیم الشان کتاب ہے "مصدق" اس کتاب موسٰی (علیہ السلام) کی کتاب کی تصدیق

کرنے والی ہے جو امام و رحمت ہے یا جملہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس
سے پہلے تھیں "لسانا عربیا" یہ مصدق کی ضمیر سے حال ہے اور ضمیر کتاب کی طرف
راجع ہے یعنی یہ وہ کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے اس لیے کہ یہ عرب والوں کے
ہاں نازل ہوئی ہے "لینذر الذین ظلموا" یہ مصدق سے حال ہے۔ اس کی ضمیر کتاب یا
اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے تاکہ ڈر سنائے ظالموں کو "وبشریٰ
للمحسنین" اور محسنین کے لیے خوشخبری سنانے والی (کتاب) ہے۔ یہ محلاً منصوب
اس کا عطف لینذر محل پر ہے کیونکہ یہ انذار و تبشیر کا مفعول لہ ہے، ظالمین سے یہود و
نصاریٰ مراد ہیں کیونکہ انہوں نے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو اللہ
کے بیٹے کہا اور انہوں نے حضور علیہ السلام کی تورات و انجیل میں درج شدہ نعت کو
بدلا اور اپنی کتابوں کی تحریف کی اسی معنے پر حضور علیہ السلام ان کے لئے نذیر اور ان
اہل ایمان کے لئے بشیر مبعوث ہوئے جو جملہ انبیاء علیہم السلام کو مانتے اور صراط مستقیم
کی طرف ہدایت پا گئے اور دین قویم پر ثابت قدم رہے اور "انذار" (ڈرانا) دوزخ اور
ابدی ہجر و فراق سے تھا اور خوشخبری بہشت اور وصال سرمدی کے لئے اسی لیے یہاں
ایسے لوگوں کو محسنین سے تعبیر فرمایا اس لیے کہ احسان اس عبادت کو کہا جاتا ہے جو مشاہدہ
کے طور ہو اور قاعدہ ہے کہ جسے مشاہدہ حاصل ہو تو واصل ہو جاتا ہے ایسے ہی بالعکس
یعنی واصل کو مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ ہم اللہ کا فضل چاہتے ہیں۔

(حکایت) کسی نیک آدمی اولی اللہ کا بھائی فوت ہوا تو خواب میں دیکھ کر اس سے پوچھا
کہ کیا گذری اس نے کہا بہشت میں داخل ہوں اور کھانے پینے کی فراوانی ہے اور جہاں چاہتا
ہوں جاتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا میرا یہ مقصد نہیں بلکہ یہ بتائیے کہ دیدارِ الٰہی ہوا یا نہ۔ اس
نے کہا کہ دیدار نہیں ہوا اس لیے کہ جس نے اسے دنیا میں نہیں پہچانا وہ آخرت میں اس کے
دیدار سے محروم کیا جاتا ہے اس خواب سے بیداری کے بعد وہ نیک بخت حضرت شیخ اکبر قدس
سرہ کے ہاں حاضر ہو کر ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا یہاں تک کہ مقام ولایت پا یا یاد رہے
کہ مرتبۂ ولایت کشف و شہود کے طریق سے حاصل ہوتا ہے۔ دلائل و براہین عقلیہ سے نہیں
اور عرفانِ الٰہی کا دوسرا نام ولایت ہے۔

سید میر شریف کی کہانی : حضرت سید میر شریف نے فرمایا کہ جب تک مجھے شیخ زین الدین

کلاہ (جو کہ شیراز کے مشائخ سے تھے) کی صحبت نصیب نہ ہوئی میں نے ترکِ دنیا نہ کیا اور جب شیخ فرید الدین عطار کی صحبت نصیب ہوئی تو معرفت حق حاصل ہوئی۔

سلوق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ طریق حق کے لئے اتنا جد وجہد کرے کہ اسے شہودِ حق کی سعادت نصیب ہو جائے اور اہل بشریٰ میں اس کا شمار ہو۔ یہی مخلصین اور عباد اللہ صالحین کا طریقہ ہے۔

تفسیر عالمانہ : "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا" بیشک جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت ہوئے یعنی جنہوں نے توحید جو کہ علم کا خلاصہ ہے اور استقامت امورِ دین جو عمل کا منتہیٰ ہے کو جمع کیا "ثم" رتبۂ عمل پر دلالت کرتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ہدایت توحید پر موقوف ہے۔ اور ابن طاہر نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابق اقرار بالتوحید پر ثابت قدم ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی منعم نہیں اور کسی حال میں اس کے سوا کسی کا شکر نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے غیر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور استقامت کے اسی معنے پر ثابت اور قائم ہیں۔ "فلا خوف علیھم" انہیں تکالیف وغیرہ پہنچنے کا کوئی خوف نہیں "ولا ھم یحزنون" اور نہ ہی وہ اپنی محبوب شے کی گمشدگی سے محزون ہونگے اور اس سے دائمی غم اور حزن کا فوات مراد ہے۔ "اولٰئک" وہی لوگ جن کے اوصاف ابھی مذکور ہوئے اس سے ان کی وہی دو بڑی وصفیں مراد ہیں۔ "اصحٰب الجنۃ" بہشتی ہیں یعنی وہ ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔ "خٰلدین فیھا" یہ اصحاب کی ضمیر مستتر سے حال ہے "جزاء" یا عامل کا مقدر یعنی یجزون سے بوجہ مفعول مطلق ہونے کے منصوب ہے یا معنیٰ متقدم کی وجہ سے اس لیے کہ اصحٰب الجنۃ "جازینا ھم" کے معنے میں ہے "بما کانوا یعملون" یہ جزاء انہیں ان حسنات علمیہ و عملیہ کی وجہ سے ہے جو دنیا میں کرتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ دلوں میں ایمان کی استقامت کے بعد کہتے ہیں ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر ارکان شریعت پر ان کا ہر عضو پختہ کار ہے اور آداب طریقہ پر اچھے اخلاق سے نفوس کا تزکیہ کرنے میں استقامت رکھتے ہیں اور قلوب کے اوصاف درست

کرنے کے تصفیہ پر مداومت کرتے ہیں اور اخلاق حق کے ساتھ متخلق ہو کر ارواح کو متجلی کرنے میں استقامت سے کام لے کر کہتے ہیں ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور ہم اس کے ساتھ ایمان لانے میں مستقیم ہیں اور نفوس سے ارکان ادا کرتے ہیں اور قلوب کے ساتھ یقین رکھتے ہیں اور اسرار کے ساتھ اس کے عرفان میں ہیں اور ارواح کے ساتھ احسان میں ہیں اور اخفاء کے ساتھ عیان میں ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ اپنی انانیت سے فنا میں ہیں اور اس کی ہیئت کے ساتھ بقاء میں ہیں انہیں انقطاع کا کوئی خوف نہیں اور حظ الدارین کی کسی شے کے فوت ہونے سے غمگین نہیں ہوں گے وہی لوگ جنتہ الوحدۃ میں باقی رہنے والے اور اسی میں اثنینیت سے امن والے ہیں یہ ان کی استقامت علی الاعمال مع الاقوال کی جزا ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گر ہمہ علم عالمت باشد

بے عمل مدعی وکذابی

ترجمہ: اگر تم تمام علوم کے عالم ہو۔ اگر بے عمل ہو تو تم صرف مدعی اور کذاب ہو۔
کسی اور بزرگ نے فرمایا ع

کرامت نیابی مگر از استقامت

ترجمہ: کرامت استقامت سے پاؤ گے۔

ولی کامل کی شان: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب انسان کمال کو پہنچتا ہے تو اس پر ذمہ داری کا اضافہ ہو جاتا ہے لیکن برکات الٰہیہ کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اس کے لیے املاک و افلاک سماوات و ارضین کے علاوہ دریا کی مچھلیاں اور جنگلات کے وحشی اور درختوں کے پتے استغفار کرتے ہیں۔

عالم بے عمل: مشائخ فرماتے ہیں اس جاہل پر حیف جس نے علم حاصل نہ کیا اور ہزار حیف اس عالم پر جس نے عمل نہ کیا۔

خصوصیت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو اٹھ کر نماز کی ادائیگی یعنی تہجد مجھ پر فرض ہے اور تم پر یہ نماز فرض نہیں۔

وہ بھی اس لیے ہے کہ آپ چونکہ کل کائنات سے اکمل و مکمل ترین تھے اور ابھی ہم نے کہا کہ جتنا اللہ تعالیٰ کے ہاں کمال حاصل ہوتا ہے اتنا قدر طاعت میں مشقت اور تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے۔

سبق: انسان پر عبودیت اور اس پر استقامت لازمی ہے۔

حکایت: پیر ابو علی سیادہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر مرنے کے بعد تم سے پوچھا جائے کہ بہشت چاہتے ہو یا دو رکعت تو بہشت کے بجائے دو رکعت کو ترجیح لازم ہے اس لیے کہ بہشت انسان کی خواہش سے عطا ہو گی لیکن دوگانہ صرف ذات حق تعالیٰ کا حق ہے اس لیے کہ جس میں تمہارے نفس کا فائدہ ہو اس میں باطنی طور مراتب و کمالات کا نقصان ہو گا لیکن جس میں اللہ تعالیٰ کے حق کا تعلق ہو گا وہ ہر قسم کی کمی سے منزہ اور پاک بلکہ اس میں ہزاروں مراتب اور کمالات نصیب ہوں گے۔

واقعہ خضر و موسیٰ علیہما السلام کا ایک نکتہ

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے دو سوال ایسے کیے جو مخلوق (یعنی ایک لڑکے کے قتل کرنے، دوسرا کشتی توڑنے کے) متعلق تھا تو میں خاموش رہا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے تیسرا ایسا سوال کیا جو نفسانیت سے متعلق تھا چنانچہ دیوار کی تکمیل کے بعد کہا "لو شئت لاتخذت علیہ اجرًا" اس پر مجھ سے رہا نہ گیا اسی لیے میں نے کہہ دیا "ھذا فراق بینی و بینك"۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ ایسے عمل کے درپے نہ ہو جس میں نفسانیت کو دخل ہو یا زینت دنیا وغیرہ کو عبادت میں خلل ڈالنے کا خطرہ ہو۔

(حکایت ابدال) منقول ہے کہ ابدال کی جماعت ہوا پر اڑتی ہوئی جا رہی تھی ان میں کسی ایک کو ایک ایسی جگہ پسند آئی جو نہایت خوشنما اور سرسبز شاداب تھی اور پانی نہایت صاف شفاف۔ دل میں خیال آیا کہ کاش میں اسی جگہ پر ہوتا اور وضو کر کے نماز پڑھتا اسی اثنا میں وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے دوسرے ساتھی وہاں سے چلے گئے اور وہ ان سے مہجور اور دور رہ گیا۔

سبق: اس حکایت سے سبق حاصل کیجئے اگر نہیں کچھ سمجھ ہے جاننا چاہیئے کہ ترک تدبیر و شہود تقدیر کا نام عبودیت ہے۔ اس مضمون کے بقایا ابحاث حٰمٓ السجدہ میں

؎ اگر تم چاہتے تو مزدوری لے لیتے ۱۲، ؎ یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے۔

مذکور ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ارباب استقامت اور اصحاب دار مقامہ سے بنائے وہی صاحب فضل و عطا ہے ۔ دنیا ہو یا آخرت وہی صاحب ہر ایک پر فضل و عطاء فرمانے والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ: " ووصینا الانسان " اور ہم نے انسان سے عہد لیا کہ وہ احسان کرے " بوالدیہ احسانا " اپنے ماں باپ سے ، یہاں پر فعل محذوف کر کے مصدر پر اکتفا کیا گیا ہے جیسا کہ فعل محذوف پر " حملتہ امہ الخ دلالت کرتا ہے اسے ماں نے اٹھایا الام یعنی ماں الاب کے مقابل آتی ہے ۔ دراصل اس عورت کو کہتے ہیں جو بچہ جنے ۔ اس بچہ کے لئے عورت ام (ماں) کہلائے گی یہ دو قسم ہے قریبہ و بعیدہ ، قریبہ وہی جس سے وہ پیدا ہوا اور بعیدہ جس نے اس کی ماں کو جنا اسی طرح اس کے آگے یہاں تک کہ بی بی حوا کو بھی اُمّ کہا جاتا ہے اگرچہ ان کے اور ہمارے درمیان ہزاروں وسائط ہیں ۔ ایسے ہی ہر شے اصلی اور تربیت کنندہ اور مُصلح اور مُبدع کو ام سے تعبیر کیا جاتا ہے " کرھا " یہ حملتہ کے فاعل سے حال ہے یعنی ماں نے اسے اٹھایا درانحالیکہ وہ مشقت والی تھی کرُہٌ بمعنی مشقت و صعوبت ہے اس سے عورت کا وہ زمانہ مراد ہے جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے ۔ وہ زمانہ مراد نہیں جو بچہ جننے کے بعد اٹھاتی ہے کیونکہ اس سے اسے اتنا مشقت و صعوبت نہیں ہوتی جتنا بوقت حمل ہوتی ہے ایسے ہی " ووضعتہ " کو سمجھیئے اور جب اس نے اسے جنا " کرھا " درانحالیکہ وہ مشقت و صعوبت والی تھی ، اس سے انتہائی شدّت مراد ہے جیسے حدیث شریف میں ہے " اشتدی ازمۃ تنفرجی " یہ جملہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کے لئے فرمایا جس کا نام ازمہ تھا اور وہ دردِ زہ میں مبتلا تھی ، آپ نے فرمایا " اے ازمہ صبر کر یہاں تک عنقریب وضع حمل سے تو چھٹکارا پا جائے گی (کذا فی المقاصد الحسنہ) " وحملہ " اور بچے کی پیٹ میں حمل کی مدت " وفصالہ " اور دودھ چھڑانے کی مدت " فصال " سے دودھ چھڑانا مراد ہے یہ " الفطام " کے معنے میں ہے اہل عرب فطم الولد اس وقت بولتے ہیں جو دودھ پینا چھوڑ دے ، اس سے بچے کے دودھ پینے کی وہ مدت مراد ہے جہاں اس کا دودھ پیتے وقت ختم ہو اس معنے پر فصالا کہہ کر اضاعۃ تام مراد لینا مجاز مرسل ہو گا اس لیے کہ ایک کی انتہاء دوسرے پر موقوف ہے جیسے امد بول کر مدت مراد

لی جاتی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ؎

کل حی مستکمل مدۃ العمر
ومردی اذا انتھی امدہ

ترجمہ: ہر زندہ اپنی عمر کی مدت کو مکمل کرے گا اور مرے گا اس وقت جب اس کی مدت ختم ہوگی۔

اس عبارت میں مردی بمعنے ہالک ہے اور امد سے مدت عمر کی انتہا مراد ہے اس قاعدہ کی نظیر عرب کا مشہور قاعدہ ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "من لابتداء الغایۃ اور الی لانتھاء الغایۃ" جیسے یہاں غایۃ سے مدت مراد ہے ایسے ہی فصال سے رضاع کی انتہائی مدت مراد ہے "ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا" تیس ماہ یعنی عورت بچے کی خاطر تیس ماہ مشقت و تکالیف برداشت کرتی ہے۔

تحقیق شہر: وہ مدت معروفہ جو چاند کی پہلی تاریخ سے شروع ہو کر دوسرے چاند کے آغاز تک ہوتی ہے اسے شہر (مہینہ) کہا جاتا ہے یا یوں کہو کہ سورج کے ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک پہنچنے کے بارہ اجزاء کے ایک جز کا نام شہر ہے چونکہ یہ مشہور معاملہ ہے اسی شہرت کی بنا پر اسے شہر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دلیلِ احناف: آیت احناف کی دلیل ہے جبکہ وہ فرماتے ہیں کہ حمل کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے اس لیے کہ دوسری آیت میں رضاع کی مدت کو دو سال متعین فرمایا کما قال "حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ" جب دو سال رضاع کے کٹ گئے تو حمل کے لئے لازماً چھ ماہ رہے۔ اطباء بھی ایسے ہی کہتے ہیں جس سے احناف کا استدلال اور پختہ ہو جاتا ہے۔

(مسئلہ) فقہاء کرام نے لکھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رضاع کی مدت دو سال چھ ماہ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو سال ہے۔

(فائدہ خلافیہ) یہ اختلاف مبنی بر حرمت رضاع ہے ورنہ اجرت رضاع میں کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ اس کے لئے دو سال متعین ہیں۔

استدلال صاحبین رضی اللہ عنہما کی تقریر: صاحبین اپنے دعویٰ کو آیت "مدۃ

الوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین" سے ثابت کرتے ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استدلال کی تقریر : سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے "حملہ وفصالہ ثلاثون شھرا" سے استدلال فرمایا ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ باری تعالیٰ نے یہاں پر دو چیزوں (۱۔ حمل ۲۔ فصال) کو ذکر فرمایا ہے اور ہر دونوں کی مدت کو یکجا دو سال چھ ماہ بتایا اور یہ مدت مشترکہ تو ہو نہیں سکتی بلکہ مکمل طور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ مدت سمجھی جائے گی مثلاً کوئی شخص اپنے دو قرضخواہوں کو چار ماہ (مثلاً) تک قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا تو دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مستقل طور چار ماہ ادائیگی قرض کی مدت متصور ہوگی ایسا نہیں کہ ان دونوں پر اس مدت کو تقسیم کیا جائے گا' ایسے ہی یہاں ہوگا۔ مدت حمل مقرر ہو چکی ہے جیسا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حمل ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ مدت تک نہیں رہ سکتا اگرچہ مغزل کے سایہ کے برابر بھی اس سے معمولی مدت مراد ہے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول سماعاً ہوگا کیونکہ ایسی باتیں از خود نہیں ہو سکتیں اس لیے کہ ایسے امور کی حدبندی عقل و رائے سے نہیں کی جا سکتی اسی لیے دودھ چھڑانے کی مدت اپنے حال پر باقی رہ جائے گی "یرضعن اولادھن حولین کاملین" کو اجرت رضاع کے استحقاق پر محمول کیا جائے گا بایں معنٰی کہ عورت دودھ پلائے تو دو سال تک اجرت کی مستحق ہے اس کے بعد اگرچہ دودھ پلائے تو اجرت کا کوئی استحقاق نہیں رکھتی۔

(فائدہ) دودھ پلانے کی مدت قمریہ مہینوں سے شمار ہوگی جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے شمسیہ مہینوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ (ہمارے دور میں انگریزی مہینوں پر معاملات طے کیے جاتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔) (اویسی)

فائدہ: عین المعانی میں لکھا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے اس لیے دودھ پلانے کے لئے دو سال باقی رہ جاتے ہیں یہی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس حمل سے حمل علی الید مراد ہے اگر اس سے حمل البطن مراد ہو تو اقل مدت میں اکثر کا ذکر ضمناً ہو جاتا ہے۔

(فائدہ) بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت میں حمل کی اقل اور رضاع کی اکثر مدت بتانے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ رضاع و حمل کو منضبط اور نسب و رضاع کو مرتبط کیا جا سکے مثلاً کوئی عورت تزوج کے بعد چھ ماہ تک بچہ جنے تو اس سے لڑکے کا نسب ناکح کے لئے ثابت ہو جائے گا۔

جیساکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں ہوا کہ آپ نے وہ لڑکا ناکح کو دے دیا اگر بچہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو تو وہ لڑکا ناکح کے لئے ثابت نہیں کیا جائے گا۔

(مسئلہ) جس بچے نے مدت رضاع میں پستان منہ میں لے کر دودھ چوسا تو رضاع ثابت ہو جائے گا وہ عورت اس بچے کی ماں ہو جائے گی۔

(مسئلہ) الحقائق میں ہے کہ مدت رضاع کے متعلق صاحبین رضی اللہ عنہما کے قول پر فتویٰ ہے۔

(مسئلہ) فتح الرحمٰن میں ہے کہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ ادنیٰ مدت حمل چھ ماہ ہے لیکن اکثر مدت کے متعلق اختلاف ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے دو سال مقرر فرمائی اور امام مالک رضی اللہ عنہ سے پانچ سال مشہور ہیں، ان کی ایک روایت میں چار ایک روایت میں سات سال منقول ہیں اور امام شافعی و امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک چار سال ویسے عموماً بچہ ماں کے پیٹ میں نو ماہ کامل ٹھہرتا اور دسویں ماہ پیدا ہوتا ہے۔

اعجوبہ: انسان العیون میں ہے کہ امام مالک ماں کے پیٹ میں دو سال ٹھہرے ایسے ضحاک بن مزاحم تابعی بھی اور محاضرات السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے پیٹ میں تین سال ٹھہرے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی جس نے تین بچے جنے جس کا ہر بچہ پیٹ میں چار سال ٹھہرتا رہا اور بارہ سال کی مدت میں اس نے صرف تین بچے جنے۔ "حتی اذا بلغ اشدہ" یہ فعل محذوف کی غایت ہے دراصل "اخذ ما وصیناہ بہ حتی اذا بلغ الخ تھا یعنی وہ بچہ شروع ہوا اس میں جو ہم نے اسے وصیت کی یہاں تک کہ جب وہ سن بلوغ کو پہنچا۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ یہ دراصل وقت اشدہ" تھا "روز بلوغ الاشد" بمعنی اس سن کو پہنچا جہاں انسان کی قوت و عقل و تمیز کی تکمیل ہو اور کہولت اس سن کو کہا جاتا ہے جو بڑھاپے اور جوانی کے درمیان ہوتا ہے اور فتح الرحمٰن میں ہے "اشدہ" بمعنی کمال قوت و عقل و رائے اور اس کی ادنیٰ مدت تیس سال اور زیادہ سے زیادہ چالیس سال ہے۔ "وبلغ اربعین سنة" یہاں مضاف محذوف ہے یعنی یہاں تک کہ چالیس سال کی مدت کو پہنچے۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ کسی نبی علیہ السلام کو چالیس سال سے پہلے نبوت نہیں ملی لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کو چالیس سال سے پہلے نبوت

ملی (کذا فی بحر العلوم) بعض نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ جس نے مذکورہ بالا قاعدہ بیان فرمایا اس کی مراد یہ ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کے لئے ایسے ہوا ہے اور للاکثر حکم الکل کا ضابطہ عام مشہور ہے (کذا فی حواشی سعد المفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ) اور ابن الجوزی نے فرمایا کہ "ما من نبی نبئ الا بعد الاربعین" کی روایت موضوع ہے اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر اٹھائے گئے اس وقت ان کی عمر مبارک تینتیس ۳۳ سال تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کے لئے چالیس سال کی شرط لگانا غلط ہے ایسے ہی یوسف علیہ السلام کو بارہ سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی (کذا فی التفاسیر)۔

فائدہ: نبوت پر ولایت کے قواعد کا قیاس ہے ایسے ہی اسلام و ایمان کی نوت کے قواعد سمجھیئے۔

"قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ" کہا اے میرے پروردگار مجھے توفیق بخشیئے اور میرے دل میں الہام فرمائیے۔ اوزع ایذاع سے بمعنی الاغراء اہل عرب کہتے ہیں فلان موزع بکذا بمعنی مغری ہے امام راغب نے فرمایا کہ "اوزعنی" بمعنی اَوْلِعْنِیْ ہے۔ اور الایلاع بمعنی سخت حریص ہونا یا اس کا معنے یہ ہے کہ مجھے ایسا بنادے کہ میں اپنے نفس کو کفران نعمت سے روک سکوں "اَنْ اَشْکُرَ" یہ کہ میں شکر کروں "نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ" تیری اس نعمت کا جو تونے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمایا یعنی ہمیں دین و اسلام کی نعمت سے نوازا کیونکہ دین و اسلام ہی نعمت کاملہ ہو سکتی ہے یا اس سے دین و اسلام کے علاوہ دیگر جملہ ہر قسم کی نعمتیں مراد ہے آیت میں اپنے ساتھ والدین کو شامل اس لئے کیا گیا ہے کہ والدین پر نعمت کرنا درحقیقت اولاد کو نعمت سے نوازنا ہے " وان اعمل صالحا ترضاہ "اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو یعنی ایسا عمل جسے تو قبول کرلے اس سے فرائض خمسہ و دیگر طاعات مراد ہیں یہ تنوین تفخیم و تنکیر کی ہے۔

صوفیانہ مطلب: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو رضائے الٰہی پر مشتمل ہوں اور وہ نفس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور ماسوا اللہ سے فارغ ہو کر مشاہدۂ حق میں مستغرق ہونے سے حاصل ہوتی ہے اس میں اشارہ ہے کہ کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق و ارشاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

" واصلح لی فی ذریتی " یہ ذرأ الشئ بمعنی کثر سے ہے اسی سے ذریت کا لفظ لیا

گیا ہے اور اس کا اطلاق ثقلین کی نسل پر ہوتا ہے (کذا فی القاموس) یعنی صلاحیت اور نیکی میری اولاد میں سرایت کرنے والا اور راسخ بنا اسی سرایت اور رسوخ کے معنے کی وجہ سے اسے لفظ فی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے ورنہ اصلح کا صیغہ بلا واسطہ متعدی ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں دوسری آیت "واصلحنا له زوجه" میں متعدی بلا واسطہ مستعمل ہوا ہے۔

فائدہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا معنےٰ یہ کیا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ انہیں میرے خلف الصدق بنا اور وہ تیرے سچے بندے بنیں۔ اور محمد بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا معنےٰ یہ ہے کہ شیطان اور نفس اور خواہشات کو ان پر مسلط نہ فرمانا۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ آباء و اجداد کا نیک ہونا اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔

شانِ صدیق رضی اللہ عنہ

کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے کہ وہ والدہ کے شکم میں چھ ماہ رہے پھر پیدا ہونے کے بعد دو سال دودھ پیا اٹھارہ سال کی عمر میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تا دم زیست بلکہ الی الابد رفاقت کا شرف پایا اور سفر و حضر میں ہر وقت حضور علیہ السلام کی دوستی میں زندگی بسر فرمائی پھر جب حضور علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں اعلان فرمایا تو اس وقت اٹھتیس (۳۸) سال کے تھے اور اعلان نبوت کے فوراً بعد ایمان قبول فرمایا جب خود چالیس سال کے ہوئے تو یہی دعا مانگی "رب اوزعنی الخ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔

(**صدیق اکبر کا کارنامہ**) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نو ایسے غلام آزاد فرمائے جن پر کفار کے ظلم و ستم زوروں پر تھے۔ ان میں ایک حضرت بلال حبشی بن رباح رضی اللہ عنہ بھی ہیں حضرت بلال بنی مذحج کے غلام تھے اور دوسرے عامر بن فہیرہ تھے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا عزت و عظمت تھی: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب بھی کسی کام کا ارادہ کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جملہ اولاد نے اسلام قبول کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ہی کی صاحبزادی ہیں جو امام الانبیاء علیہ السلام کے عقد نکاح کے شرف سے مشرف تھیں اور حضرت عبدالرحمٰن آپ کے فرزند اور ابو عتیق محمد آپ کے پوتے بھی مسلمان ہوئے اور

شرف صحابیت سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت ابو قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم اور آپ کی والدہ ماجدہ بی بی ام الخیر سلمیٰ بنت صخر بن عمر بن سعد بھی مسلمان ہوئیں صحابہ میں کوئی ایسا صحابی نہیں تھا جس کا تمام کنبہ مسلمان ہوا ہو سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اور آپ کی اولاد میں سے اہل علم و صلاح پیدا ہوئے۔

"انی تبت الیک" جن امور سے تو راضی نہیں اور جو امور مجھے تیرے سے باز رکھتے ہیں ان سے میں نے تیری طرف رجوع کیا " وانی من المسلمین" اور بیشک ان لوگوں میں سے ہوں جو تیرے ساتھ اخلاص رکھتے ہیں " اولئک " یہ اشارہ انسان کی طرف ہے اور جمع اس لیے کہ اس سے جنس انسان مراد ہے کیونکہ مختلف صفات سے موصوف انسانوں کا ذکر ہوا ہے " الذین نتقبل عنھم احسن ما عملوا" وہ لوگ جن سے ہمیں ان کی وہ طاعات قبول ہوں جو احسن ہیں۔ یعنی فرائض و واجبات اور مندوبات اس سے مباحات مراد نہیں اس لیے کہ وہ حسن تو ہیں لیکن ان سے ثواب نہیں اور ترجمہ فتوحات مکیہ میں ہے کہ ہر حرکت پر لازم ہے کہ قربت حق تعالیٰ کا ارادہ ہو اگر مباح ہو اگر مباح نہ ہو تو اس کے قریب بھی بھٹکنا نہیں چاہیئے۔ جس حرکت سے قربت حق نصیب ہوتی ہے اس سے ثواب بھی میسر آتا ہے۔

فقیر حقی (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہاں پر صفت الی الموصوف کی تاویل موزوں ہے جیسے "سیأت ما عملوا" میں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہے۔ یہ عبارت دراصل " اعمالھم الحسنیٰ" تھی اس لیے کہ کوئی اعمال صالحہ ایسے نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قبول نہ کرتا ہو بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ اس کے فضل و کرم سے ہر نیکی احسن ہے " ونتجاوز عن سیاٰتھم" اور توبہ سے پہلے جتنا برائیوں کے مرتکب ہوئے ان سے ہم تجاوز کرتے ہیں یعنی ان پر انہیں سزا نہیں ہوگی۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ ذلیل و خوار کرنا چاہے گا اسے ہر برائی کی سزا ملے گی اور جسے معزز و مکرم کرنا چاہے گا تو اس کی برائیوں سے تجاوز فرمائے گا۔ "فی اصحٰب الجنۃ" درانحالیکہ وہ اصحاب جنت کی فہرست میں شمار ہوں گے یعنی ان کی سلک میں منتظم ہوں گے " وعد الصدق" نتقبل و نتجاوز سے مصدر مؤکد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدۂ صدق یہ ہے کہ وہ ان پر فضل و کرم اور ان سے درگذر فرمائے گا۔ " الذی کانوا یوعدون" وہ لوگ کہ جنہیں رسل کرام کی زبانی وعدہ دیا گیا تھا۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت نجم الدین قدس سرہ نے اپنی تاویلات میں بیان فرمایا کہ آیت میں

اشارہ ہے کہ والدین کی خدمت کرنا اور ان کے حقوق کی پاسداری ان کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر ضروری ہے اس لیے کہ انہوں نے ہماری جسمانی تربیت فرمائی اور ہم پر مختلف قسم کے انعامات فرمائے اس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کا سبق بھی ملے گا کہ ہماری تخلیق فرمائی اور ان گنت انعامات بخشے بالخصوص وجود کی دولت عطا فرمائی۔

(مسئلہ) بعض مشائخ نے فرمایا کہ ماں کا حق خدمت بہ نسبت باپ کے زیادہ ہے اس لیے کہ آیت میں والدین یکجا بیان کر کے پھر ماں کو علیحدہ ذکر فرمایا اور اس کی مشقت سر پر اٹھانے کی تفصیل بھی کر دی اپنے بچے کے لئے نو ماہ حمل کی تکلیف اور وضع حمل اور پھر دودھ پلانے کے دوران کی مشقت ان تین امور کے دوران جتنا ماں تکالیف برداشت کرتی ہے انہیں ہر ایک جانتا ہے۔

نکتہ حدیث شریف

فتح الرحمٰن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امہات کے احسانات بیان فرمائے ہیں۔ اس آیت میں چار مراتب کا ذکر ہے۔ پہلے مرتبہ میں ماں باپ کو یکجا پھر ماں کے حمل پھر وضع پھر دودھ چھڑانے کا ذکر فرمایا ہے اس سے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کی مناسبت معلوم ہوتی جبکہ آپ سے پوچھا گیا کہ کس کا زیادہ حق ہے۔ ماں کا یا باپ کا تو آپ نے تین بار ماں کا بتایا پھر چوتھی بار صرف باپ کا نام لیا چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس کے ساتھ زیادہ احسان کروں۔ آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ پھر پوچھا تو آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ پھر تیسری بار پوچھا تو آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ چوتھی بار پوچھنے پر فرمایا، باپ کے ساتھ۔

(اوتاد کی تعریف) حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل میں جا رہا تھا کہ میرے آگے ایک شخص عجیب رفتار سے جا رہا تھا۔ میں نے دیکھ کر تعجب کیا اور دل میں خیال گذرا کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں، میں نے انہیں قسم دے کر پوچھا آپ کون ہیں، انہوں نے فرمایا میں خضر ہوں۔ میں نے عرض کی اگر اجازت ہو تو میں آپ سے چند سوال کروں۔ آپ نے فرمایا پوچھیے۔ پہلا سوال میرا یہ تھا کہ شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مرتبہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اوتاد میں سے ہیں یعنی ان اولیاء سے ہیں جن کی وجہ جہات اربعہ یعنی شمال جنوب مشرق مغرب محفوظ ہیں۔ پھر میں نے عرض کی امام اہلسنت

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کیسے ہیں انہوں نے فرمایا "هُوَ رَجُلٌ صِدِّيقٌ" وہ سچا انسان ہے۔ میں نے عرض کی تو بشیر ابن الحارث رضی اللہ عنہ کیسے ہیں آپ نے فرمایا ان جیسا تو اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ مرتبہ کہاں سے ملا فرمایا والدہ گرامی کی خدمت کی برکت سے۔

ماں باپ کی خوشنودی کا انعام یافتہ شخص

منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فرمایا کہ دریا کے ساحل پر جا کر ایک عجیب منظر ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے جنات وانس کے لشکر سمیت دریا کے ساحل پر پہنچ گئے لیکن کوئی شے نظر نہ آئی آپ نے ایک جن سے فرمایا دریا میں غوطہ لگائیے جو بھی شے ملے میرے ہاں لائیے جن نے غوطہ لگایا لیکن کوئی شے نہ ملی دوسرے کو فرمایا تو دوسرا بھی خالی ہاتھ لوٹا۔ پھر آپ نے اپنے وزیر حضرت آصف بن برخیا جن کا ذکر قرآن مجید میں قال الذی عندہ الخ میں ہے کو فرمایا انہوں نے غوطہ لگا کر ایک کافوری قبہ دریا سے نکال کر پیش کیا۔ اس سفید کافوری قبہ کے چار دروازے تھے ایک سفید موتیوں کا دوسرا جواہر خالص کا تیسرا سبز زبرجد کا چوتھا سرخ یاقوت کا باوجودیکہ چاروں دروازے کھلے ہوئے تھے لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی اس قبے میں نہیں جا سکتا تھا اور وہ قبہ دریا کی بہت بڑی گہرائی میں اتنا پوشیدہ تھا کہ تین بار غوطے کی مسافت طے کرنے کے بعد میسر آیا۔ حضرت آصف بن برخیا نے وہ قبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھا تو دیکھا گیا کہ اس قبہ کے درمیان میں ایک نوجوان نہایت بہترین لباس سے ملبوس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے، سلیمان علیہ السلام اس قبے کے اندر تشریف لے گئے اور اس نوجوان کو السلام علیکم فرما کر پوچھا کہ آپ اس شان و قدر تک کیسے پہنچے، اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی علیہ السلام میرا باپ چلنے پھرنے سے معذور میری ماں نابینی تھی، میں نے دونوں کی ستر سال خدمت کی۔ جب میری ماں مرنے لگی تو اس نے میرے لیے دعا مانگی، یا اللہ اس کی عمر دراز فرما اور وہ تیری عبادت میں زندگی بسر کرے پھر جب میرے والد گرامی فوت ہوئے تو انہوں نے دعا مانگی یا اللہ میرے بیٹے کو ایسے مکان میں رکھو جہاں شیطان نہ گھس سکے۔ ماں باپ کو دفنانے کے بعد میں نے دریا کے ساحل پر اس قبہ کو دیکھا اندر داخل ہوا اور یہ قبہ اس کنارہ دریا پر تھا اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو حکم فرمایا اس نے قبہ اٹھا کر دریا کے اندر اسی جگہ پر رکھ دیا جہاں سے آپ نے اٹھوایا

ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا آپ اس میں کب سے داخل ہوئے۔ عرض کی ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے۔ سلیمان علیہ السلام نے تاریخ دیکھی تو اس کو دو ہزار چار سو سال گذر چکے تھے لیکن وہ ابھی نوجوان اپنی جوانی میں تھا اس میں بڑھاپے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ آپ نے پوچھا آپ کے طعام کا کیا انتظام ہے۔ عرض کی اے اللہ کے نبی ہر روز سبز رنگ پرندہ بھنا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی شکل انسانی سر کے مشابہ ہوتی ہے۔ جب میں اسے کھاتا ہوں تو دنیوی نعمتوں کے تمام ذائقے اسی میں محسوس کرتا ہوں اور اسی سے میری بھوک پیاس چلی جاتی ہے۔ اور گرمی سردی اور نیند اور سستی اور وحشت دور ہو جاتی ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا آپ کو واپس لوٹا دیا جائے۔ عرض کی مجھے واپس لوٹائیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کو فرمایا اسے وہاں پہنچا دو۔

سبق: سلیمان علیہ السلام نے فرمایا دیکھیے اللہ تعالیٰ نے والدین کی کس طرح دعا مستجاب فرمائی اسی لیے لازم ہے کہ والدین کی ناراضگی سے بچو۔

فائدہ: امام سجاوندی نے فرمایا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کسی دوست کی کسی دوست پر بد دعا اثر نہ کرے لیکن والدین کی بد دعا اولاد سے رد نہیں ہوتی۔

حدیث شریف

ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے جنگ پر ساتھ لے چلیے، آپ نے فرمایا کہ کیا تیری والدہ زندہ ہے۔ عرض کی زندہ ہے۔ فرمایا اس کی خدمت کرو کیونکہ بہشت ماں کے قدموں کے نیچے ہے ؎

جنت کہ سرائے مادرانست
زیر قدمات مادرانست
روزے بکن اے خدا مارا
چیزے کہ رضائے مادرانست

ترجمہ: جنت جو اہل بہشت کی سرائے ہے وہ ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔
اے اللہ ہمیں وہ دن دکھا جس میں ہماری خوشی ہے۔

تفسیر عالمانہ: "والذی قال لوالدیہ" والذی مبتدا ہے اولئک الخ اس کی خبر ہے اس لیے اس سے اسم جنس مراد ہے اور جس نے اپنے والدین کو کہا جب انہوں نے اسے ایمان و اسلام کی دعوت دی۔ اس میں وہ انسان داخل ہے جو اپنے والدین اور اپنے پروردگار کا بے فرمان ہے "اف لکما" تمہیں شرم ہونی چاہیئے۔ دراصل اف اس آواز کا نام ہے جو انسان سے کراہت اور ناگواری طبیعت کے وقت صادر ہوتا ہے۔ اور یہ لام ھیت لک کی لام کی طرح مؤخف[عہ] کے لئے ہے یعنی یہ اف صرف تمہارے لیے ہے امام اصفہانی نے فرمایا کہ اُف ناخنوں اور دیگر گندی میل کچیل کو کہا جاتا ہے جس سے طبع کو نفرت ہو ایسے ہی جس سے نفرت و کراہت کے بجائے اس پر نفرت و کراہت کے اظہار کے طور پر لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ "اتعدانني" کیا تم مجھے ڈراتے ہو "ان اخرج" یہ کہ میں موت کے بعد قبر سے اٹھایا جاؤں گا "وقد خلت القرون من قبلی" حالانکہ میرے سے پہلے کئی امتیں یکے بعد دیگرے گذری ہیں ان میں سے تو کوئی بھی قبر سے نہیں اُٹھایا گیا اور نہ ہی کوئی واپس لوٹا ہے القرن ایک قوم دوسری سے مل کر گذرتی جائے۔ الخلو بمعنی المضی بمعنے گذرنا "وھما یستغیثان اللہ" اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تھے کہ وہ ان کی فریاد رسی کرے اور ایمان کی توفیق بخشے "ویلک" درانحالیکہ وہ اسے کہتے ہیں کہ تجھے افسوس ہے ویل بمعنی افسوس اس میں دراصل وہ اس پر بددعا کرتے ہوئے اسے ایمان پر برانگیختہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ہلاکت وتباہی کا حقیقی معنے مراد نہیں اور اس کا منصوب ہونا فعل مقدر کی وجہ سے ہے لیکن وہ فعل اس کا ہم معنے نہیں اور یہ ان مصادر سے ہے جس کا کوئی فعل مستعمل نہیں ہوتا بعض نے کہا کہ یہ فعل مقدر کا مفعول بہ ہے دراصل "الزمک اللہ ویلک" تھا یعنی تیرے اوپر اللہ تعالیٰ ہلاکت لازم کرے "امن" ایمان لا یعنی قیامت اور مرنے کے بعد قبر سے اٹھنے کی تصدیق کیجیئے "ان وعد اللہ حق" بیشک وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو وہ حق ہے۔ اس سے قیامت کا اٹھنا مراد ہے حق کی طرف مضاف کرنے میں اس کی حقانیت کی طرف اشارہ ہے نیز بتانا مطلوب ہے کہ جس وعدہ کو تو ہماری طرف منسوب کر رہا ہے وہ غلط ہے اور "حق" میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا اس میں خلاف محال ہے اس لیے کہ خلاف وعدہ ایک نقص وعیب ہے اور وہ عیب اور نقص سے منزہ اور پاک ہے۔ "فیقول" ماں باپ کی تکذیب کرتا ہوا کہتا ہے "ماھذا" جسے تم اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہہ رہے ہو

عہ جسے اف کی گئی ۱۲۔

یہ نہیں " الا اساطیر الاولین" مگر جھوٹی باتیں جنہیں پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ان کی رستم و بہرام و اسفندیار کی کہانیوں کی طرح کوئی حقیقت نہیں " اولئک " وہی لوگ جو ان کی جھوٹی باتوں کے قائل ہیں " الذین حق علیھم القول" وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت ہو گیا اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد گرامی " لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین " مراد ہے جیسا کہ " فی امم " دلالت کرتا ہے ۔ یہ مجرور سے حال ہے یعنی وہ لوگ جو منجملہ گذشتہ امتوں میں سے ہیں " قد خلت من قبلھم الجن والانس " یہ " امم " کا بیان ہے ۔ تحقیق ان سے پہلے بہت جن اور انسان گذرے ہیں ۔ " انھم " بیشک یہ اور وہ تمام " کانوا خسرین " خسارہ والے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اپنی فطرت اصلیہ کو ضائع کیا وہ فطرت اصلیہ ان کے لئے بمنزلہ راس المال کے تھی جسے انہوں نے شیطان کی اتباع میں ضائع کر دیا ۔ یہ جملہ حکم کی علت بیان کرتا ہے اور مستانفہ تحقیقیہ ہے " ولکل " اور ہر دونوں مذکورہ فریقین میں سے " درجات مما عملوا " ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں درجات و مراتب عطا ہوں گے اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اچھے درجات و مراتب عطا ہوں گے اگر بُرے ہیں تو بُرے ۔ یہ نعتیہ ہے یا بیانیہ اور ما موصولہ یا من سببیہ ہے بمعنی من رجل اعمالھم اس معنی پر ما مصدریہ ہے اور لکل کا متعلق ہے اور درجات در اصل ثواب کے بلند مراتب پر مستعمل ہوتا ہے لیکن یہاں بوجہ تغلیب کے مطلقاً (ثواب وا عذاب کے لئے) مستعمل ہوا ہے " ولیوفیھم " تاکہ انہیں اعمال کی پوری جزا عطا فرمائے ۔ یہ " وفا حقہ " سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا پورا حق ادا کرے " وھم لا یظلمون " اور ان پر ظلم نہ ہوگا یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ ان کے ثواب کو گھٹا یا جائے یا مجرم کو اس کے جرم سے زائد سزا دی جائے ۔ لام فعل محذوف مؤخر کے متعلق ہے گویا عبارت یوں تھی " ولیوفیھم اعمالھم ولا یعلمھم حقوقھم فعل ما فعل " خلاصہ یہ کہ ہر ایک کو اعمال کے مطابق جزاء و سزا پوری ملے گی ۔

فائدہ: ثواب کی جزاء کو درجات اور اعمال کی سزا کو درکات سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

(مسئلہ) آیت سے ثابت ہوا جو والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو ناراض کرتا ہے وہ مجرم ہے اگرچہ اُف کر کے اور پھر اس بد قسمت کا کیا حال ہوگا جو ان کی دلآزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا نیز اس سے ثابت ہوا کہ والدین کا بے فرمان اہل خسران سے ہے اور

خسران سے ایمان کا نقص مراد ہے۔

سبق: یہ ماں باپ کے نافرمان کی سزا ہے نامعلوم اللہ تعالیٰ کا نافرمان جو اس کی مخالفت کرتا ہے اور گناہ کر کے اپنے مالک کو ایذاء دیتا ہے کی کیا سزا ہو گی۔

(**حدیث شریف**) میں ہے کہ بہشت کی خوشبو پانچسو سال کی مسافت سے سونگھی جائے گی لیکن ماں باپ کا نافرمان اور قطع رحم کرنے والا اس خوشبو سے محروم رہے گا۔

یوسف علیہ السلام کو تنبیہ: مروی ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام کنعان سے مصر تشریف لائے تو یوسف علیہ السلام والد گرامی کی تعظیم کے لیئے نہ اُٹھے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یوسف علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ کو اپنی عظمت پر ناز ہے یاد رکھیئے مجھے اپنی عزت کی قسم میں آپ کی پشت سے نبی نہیں پیدا کروں گا۔ (اس لیے کہ آپ نے والد گرامی کی عزت و عظمت کے آداب بجا نہیں لائے) کذا فی الاحیاء

(مسئلہ) جب ماں باپ ہر دونوں میں سے کسی ایک دوسرے کی رضا و عدم رضا کی ترجیح کا موقعہ درپیش ہو مثلاً والد صاحب کو راضی کرنا چاہتا ہے تو والدہ ناراض ہوتی ہے اگر والدہ کی خدمت کرتا ہے تو والد ناراض ہوتا ہے تو والد کی رضا کو ترجیح دے لیکن صرف تعظیم و تکریم میں کیونکہ سبب اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور خدمت اور انعام و احسان میں والدہ کو ترجیح دے یہاں تک جس وقت ماں باپ سے ملاقات کے وقت باپ کی تعظیم کے لئے پہلے اٹھے اور کچھ انعام و دیگر اشیاء دیتے وقت ماں کو پہلے پیش کرے (کذا فی منبع الآداب)

(مسئلہ) امام غزالی نے فرمایا کہ اکثر علماء کا فتویٰ ہے کہ شبہات میں ماں باپ کی اطاعت واجب ہے لیکن حرام محض میں جائز نہیں مثلاً اگر مشتبہ طعام کھانے میں وہ شریک کرنا چاہتے ہوں تو اسے کھا لینا چاہیئے اس لیے کہ اشتباہ سے بچنا پرہیز گاری اور تقویٰ ہے لیکن والدین کی رضاجوئی واجب ہے۔

(مسئلہ) نفلی اور مباح سفر ان کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیئے۔

(مسئلہ) اگرچہ حج فرض ہو جائے لیکن والدین کی اجازت نہیں تو حج کو نہ جائے اس لیے کہ حج فی الفور واجب نہیں بلکہ اس میں تاخیر بھی جائز ہے۔ ایسے حصول علم بھی نفلی عبادت ہے ہاں نماز اور روزہ و دیگر فرائض سیکھنے ہوں اور گھر پر سکھانے والا کوئی نہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر ایسے فرائض سیکھنے کے لئے سفر جائز ہے حصولِ علم

کے لئے والدین کا پابند نہ ہو۔

(مسئلہ) اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی والدین پر اولاد اور غلام کی سردار پر اور عورت کی شوہر پر اور شاگرد کی استاذ پر اور رعایا کی حاکم پر ولایت ثابت ہو سکتی ہے لیکن ان پر تشدد اور جبر وغیرہ جائز نہیں ہاں انہیں معروف طریقہ سے سمجھائے اور بطور وعظ و نصیحت معروضات عرض کرے نرمی کے ساتھ گذارشات کرے ان پر گالی گلوچ اور سختی حرام ہے اور مارنا وغیرہ تو بطریق اولیٰ حرام ہے۔

(مسئلہ) والدین پر لازم ہے کہ وہ اولاد کو نافرمانی پر مجبور نہ کریں یعنی ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں جس سے اولاد کو نافرمان ہونا پڑے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو خدمت کرنے اور احسان و مروت کا سبب بنے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس باپ پر رحم فرمائے جو اپنی اولاد کی نیکی میں مدد کرتا ہے یعنی اولاد کو برائی پر نہ اکسائے اور نہ ہی اپنی نافرمانی کا انہیں موقعہ دے۔

اعجوبہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کے ماں باپ دونوں یا ان میں کوئی ایک زندہ ہو تو اسے شادی بیاہ نہیں کرنا چاہیے تاکہ عورت والدین کی نافرمانی کا موجب نہ بنے ہاں اگر کسی کو اطمینان ہو کہ اس کی عورت والدین کی نافرمانی کا سبب نہیں بنے گی تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسر می بینم
دختراں را ہمہ جنگست و جدل با مادر
پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

ترجمہ: بھائی بھائی پر رحم نہیں کرتا نہ ہی کوئی شوق باپ کو بیٹے میں دیکھتا ہوں۔ بچیوں کو ماؤں سے جنگ لڑتا دیکھتا ہوں۔ بیٹوں کو باپ کا بدخواہ دیکھتا ہوں۔

(مسئلہ) بڑے بھائیوں کے چھوٹوں پر وہی حقوق ہیں جو والدین کے اولاد پر ہوتے ہیں

(مسئلہ) جس کے ماں باپ فوت ہو گئے اور وہ زندگی میں ان کی خدمت نہیں کر سکا تو اب اسے ان کے لئے بکثرت استغفار کرنی چاہیے اور ان کے لئے بہت زیادہ خیرات و صدقات کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے والا لکھا جائے۔

(فائدہ) جو شخص ماں باپ کے لئے دن اور رات میں صرف پانچ دفعہ دعائے خیر مانگتا ہے وہ بھی حقوق ادا کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ ایسے ہی جو شخص ہر جمعہ کو ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کرتا ہے اسے ماں باپ کے فرمانبرداروں میں لکھا جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

(مسئلہ) زندوں کا مردوں کو ثواب پہنچانا جائز ہے ایسے ہی ان کے لئے استغفار اور دیگر ہدایا و تحائف بھیجنا شرعاً جائز ہیں۔

(فائدہ) شب اور دن جمعہ اور شب ہفتہ زائرین کو اہل قبور جانتے ہیں یہ خصوصیت جمعہ کی وجہ سے ہے۔

(مسئلہ) والدین اگر مؤمن ہیں تو ان کے لئے صدقہ وخیرات کرے تو انہیں قبوروں میں ثواب ملتا ہے اور بھیجنے والے کے ثواب میں بھی کمی نہیں آتی۔

(فائدہ) بعض مشائخ نے فرمایا کہ ایک ڈھیلہ دائیں جانب پھینکے دوسرا بائیں جانب پہلے میں والد کی نیت ہو اور دوسرے میں والدہ کی اور یوں تصور کرے کہ گویا وہ اپنے والدین سے غصہ پی رہا ہے اس سے ارادہ یہ ہو کہ میں اپنے والدین سے ناراضگی دور کر رہا ہوں تو بھی جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ والدین کے ساتھ جس طرح سے خدمت کرے تو برالوالدین میں شامل ہے۔

سبق: والدین زندہ ہوں یا مردہ ان کی خدمت ضروری ہے لیکن شرک اور معاصی میں ان کا کوئی حکم نہ مانے ؎

چوں نبود خویش را دیانت وتقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: جب اپنے میں دیانت وتقویٰ نہ رہے تو ایسے سے محبت قربت کے بجائے قطع رحمی بہتر ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"وان جاھدٰک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما"

ترجمہ "اگرچہ وہ کوشش کریں کہ تو ان کو شریک بنا رہا ہے جن کا تمہیں علم نہیں تو پھر ان کی اطاعت نہ کرنا۔"

ے
ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

ترجمہ: ہزار رشتہ دار جو خدا تعالیٰ سے بیگانہ ہو اس ایک وجود پر قربان جو آشنائے حق ہے۔

تفسیر عالمانہ: "ویوم یعرض الذین کفروا علی النار" اور اس دن کہ کفار کو دوزخ کے سامنے پیش کیا جائے گا یعنی انہیں عذاب میں مبتلا کریں گے یہاں پر "عرض" بمعنے تعذیب ہے۔ یہ "عرض الاساری علی السیف" قیدیوں کو تلوار کے سامنے پیش کرنا بمعنے انہیں قتل کرنا۔ اگر یہ معنیٰ نہ کیا جائے تو اس کو ذی شعور ماننا پڑتا ہے حالانکہ نار ذی شعور و اطلاع سے نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آگ پر پیش کرنے کا معنے ابر ہے کہ وہ آگ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور وہ آگ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے اس کے بعد پھر انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے کی بات ہے اور قلب کے باب سے ہے مبالغہ مطلوب ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ گویا ذی شعور اور آگاہی رکھتی ہے اور جس کو گرفت میں لیتی ہے تو پورا غلبہ اور قوت رکھتی ہے۔

فائدہ: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا یہاں ان دونوں تاویلوں کی ضرورت نہیں اس لیے کہ آخرت کی آگ کو شعور و ادراک ہوگا جیسا کہ اس کے "ھل من مزید" کہنے سے معلوم ہوتا ہے اور مومن کامل کو کہے گا "جز یا مومن فان نورک اطفاء ناری" وغیرہ وغیرہ نیز یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ عرض نار سے باعتبار دوزخ کے ملائکہ مراد ہوں کیونکہ وہ بھی اس وقت موجود ہوں گے اور ان کے ہاں عذاب نار جملہ اسباب بھی ہوں گے جنہیں آنکھوں سے دیکھیں گے اور دوزخ کے وہ مقامات بھی انہیں نظر آئیں گے جہاں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

تفسیر عالمانہ: "اذھبتم طیباتکم" یہ کافروں کو توبیخ کے طور کہا گیا ہے اور یہ محلا منصوب علی الظرفیت ہے۔ اب یہ معنیٰ ہوا کہ جو کچھ تمہارے لئے لکھا گیا تھا وہ دنیا میں دنیوی لذتیں تم چکھ چکے ہو۔ "فی حیاتکم الدنیا" اپنے دنیوی جہان میں "واستمتعتم" اور تم نے اس سے نفع پایا۔ اب تمہارے لئے ذرہ برابر بھی نفع والی کوئی شے باقی نہیں ہے کیونکہ طیبات کی اضافت عموم کا فائدہ دیتی ہے خلاصہ یہ کہ تم لذتوں کو دنیا

میں ختم کر آئے جواب تمہارے لیے اس کا کوئی حصہ نہیں مفتی سعدی مرحوم نے فرمایا کہ استمتعتم اذہبتم کا عطف تفسیری ہے۔ "فالیوم تجزون عذاب الھون" ہون وحقارۃ ایک شے ہے یعنی ایسا عذاب جس میں ذلت وخواری اور حقارت ہوگی "بما کنتم" اس کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں "تستکبرون فی الارض بغیر الحق" ناحق زمین پر تکبر کرتے تھے۔

(مسئلہ) اس سے ثابت ہوا کہ حق کے لئے تکبر کرنا جائز ہے جیسے ظالموں وجابروں کے سامنے "وبما کنتم تفسقون" اور بدلہ ہے اس کا جو تم طاعت الٰہی سے نکل جاتے تھے یعنی تمہیں عذاب الٰہی ان دو امروں یعنی استکبار اور خروج عن الطاعۃ کی وجہ سے ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے عذاب کی دو علتیں بتائی ہیں:۔

(۱) قبول الحق اور قبول ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے استکبار اور یہی قلب کا گناہ ہے۔

(۲) فسق ومعصیت یعنی ترک مامورات وفعل منہیات اور یہ اعضاء کے گناہ ہیں اور اول کو ثانی پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قلب کا گناہ تاثیر کے لحاظ سے جوارح کے اعضاء سے عظیم تر ہے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ طالب حق کو تنبیہ ہے کہ اندازہ شرع سے قدم باہر نہیں رکھنا چاہیئے ؎

ہائے از حدود شرع بروں می نہی منہ
خود را اسیر نفس و ہوا میکنی مکن

ترجمہ: حدود شرع سے باہر نہ رکھو اپنے آپ کو اسیر نفس نہ بناؤ۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ کہ نفس کے دنیوی لذات فانی اور روح کے طیبات آخرت باقی ہیں اس لیے کہ جو دنیوی شہوانی طیبات میں مشغول ہوتا ہے وہ آخرت کے طیبات روحانی سے محروم رہے گا اور یہ استعداد کمالیہ کے ضائع کرنے کے مترادف ہے جو آخرت کی طیبات چھوڑ کر دنیا کی طیبات کے درپے رہتا ہے اسی لیے قیامت میں نفس کے پجاریوں کو کہا جائے گا کہ آج کے دن تم ذلت وخواری کے عذاب میں مبتلا ہو اس لیے کہ تم نے شہوات نفس کے تابع ہو کر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہ کر کے تکبر کیا حالانکہ تمہیں ارواح کی طیبات کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اوامر

حق و نواہی سے نکل گئے۔ آخرت میں روح اور ارباب قلوب کو کہا جائے گا کہ جو تم نے ایام گذشتہ میں اعمال کیے ان کا بدلہ ہے فلہذا کھاؤ، پیو اور مزے کرو اس لیے کہ تم نے دنیا میں روح کے لئے لذات نفسانی چھوڑ دی تھیں اور تمہارے لیے نعیم جنت میں سے وہی ہوگا جو تم چاہو گے اس لیے کہ وہ ایسی طیبات ہیں جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یعنی مشاہدۂ جلال و جمال اور یہی روح کی طیبات ہیں۔ (کذا فی التاویلات)

(فائدہ) اس سے ثابت ہوا کہ دنیوی حظوظ و لذات اہل نار کی صفات سے ہیں۔

سبق: ہر مومن و ذی عقل و شعور پر لازم ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور سلف صالحین کی اتباع میں شہوات نفسانی کو ترک کر دے اس لیے کہ انہوں نے آخرت کی نعمتوں کی امید پر دنیوی لذتوں کو ترک کیا۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

افتد ہمائے دولت اگر در کمند ما

از ہمہ بلند رہا میکنم ما

ترجمہ: ہُما کی دولت اگر میری قید میں آگئی اسے ہر لحاظ سے اپنے سے رہا کر دوں گا۔

فائدہ: حضرت واسطی نے فرمایا کہ دنیا کی تمام لذتیں چھوٹی بڑی اسی آیت میں داخل ہیں۔

حدیث شریف ۱: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت ایک چارپائی پر آرام فرما تھے جس کے اثرات آپ کے پہلو مبارک پر نمایاں تھے اسے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر کیوں رونے ہو، عرض کی مجھے کسریٰ و قیصر یاد آتے ہیں کہ وہ بھی آخر اس دنیا میں رہتے ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول پاک ہیں، آپ کی دنیوی شان و شوکت بلند ہونی چاہیئے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے پہلو مبارک پر چارپائی کے بان کے آثار ظاہر ہیں۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمر وہ لوگ دنیا میں اپنی لذت کی چیزیں پا گئے اور ہمارے لیے آخرت میں تیار رکھی گئی ہیں۔

حدیث شریف ۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے دو روز مسلسل جَو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

بدعت کا ایک نمونہ: پیٹ بھر کر کھانا کھانے کی بدعت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ

وسلم کے وصال کے فوراً بعد شروع ہوئی۔

حدیث شریف ۳: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ایک ماہ تک کھانا پکانے کے لئے آگ نہیں جلاتے تھے۔ اس اثناء میں ہمارا گذارہ پانی اور کھجور پر ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں کو بہتر جزاء عطا فرمائے کہ وہ ہمیں کبھی کبھی دودھ ہدیہ کے طور بھیجتی تھیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار:-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زمین کا فرشتہ حاضر ہوا اور زمین کا جملہ ملک پیش کیا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا میں ایک دن بھوکا اور ایک دن سیر ہو کر کھاتا ہوں۔

حضرت عمر و حضرت جابر رضی اللہ عنہما: مروی ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے دیکھا کہ ان کے سامنے کوئی شئے لٹکی ہوئی ہے، پوچھا یہ کیا ہے۔ عرض کی یہ گوشت ہے مجھے اس کی خواہش ہوئی تو میں نے بازار سے خرید لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں "اذھبتم طیبا تکم فی حیاتکم الدنیا" کی آیت کا خوف مدنظر نہیں تھا؎

نفس بد خور ا بناز و نعمت دنیا مکن
آب و نان سیر کاہل مینکند

ترجمہ: نفس بد کو ناز و نعمتِ دنیا سے نہ پال۔ اس لیے کہ آب و نان سے پیٹ سیر ہو جائے تو سست ہو جاتا ہے۔

اصحاب صفہ کا حال: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب صفہ کے ستر دوستوں کا حال دیکھا کہ کسی کی چادر نہیں تو کسی کی صرف چادر ہے تو وہ بھی گلے سے باندھے ہوئے جس سے چادر اور قمیص کا کام لیتا تھا کسی کی چادر کا صرف اتنا حصہ تھا جو بمشکل گھٹنوں کو ڈھانپتا تھا۔ بعض کی چادر گھٹنوں تک تو تھی لیکن اتنا چھوٹی کہ وہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چلتا تھا کہ کہیں کشف عورت نہ ہو۔

پند و نصائح:-

(۱) جو شخص دنیا میں خواہشات کو پورا کرتا ہے اسے آخرت میں خواہش کی چیزوں سے محروم رکھا جائے گا۔

(۲) جو شخص دنیا کی زیب و زینت کو آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے اسے ملکوت السمٰوٰت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
(۳) جو دنیا میں مطلوب اشیاء سے محروم ہو جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ایسے مقام پہ ٹھہرائے گا جہاں وہ جو چاہے گا اُسے ملے گا۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

میپرور تن ار مرد رای و ہشی — کہ او را چو می پروری می کشی
خور و خواب تنہا طریق ددا ست — برین بودن نا بخردا ست
قناعت تونگر کند مرد را — خبر کن حریص جہان گرد را
غذا گر لطیفست گر سرسری — چو بدیرت بدست افتد خوش خوری
گر آزادۂ بر زمین خسپ و بس — مکن بہر قالی زمین بوس کس
مکن خانہ بر راہ سیل اے غلام — کہ کس را نگشت این عمارت تمام

ترجمہ (۱) اگر صاحب رائے و صاحب ہوش ہے تو جسم کو نہ پال۔ اسے جتنا پالیگا اتنا سرکشی کرے گا۔
(۲) صرف کھانا پینا درندوں کا کام اسی میں لگا رہنا بے عقلی ہے۔
(۳) قناعت انسان کو دولتمند بناتی ہے، جہانگشت حریص کو یہ خبر پہونچا دے۔
(۴) غذا لطیف ہو یا موٹی جب بھی ہاتھ آئے اگرچہ دیر سے تو خوش ہو کر کھا۔
(۵) اگر آزاد آدمی ہے تو زمین پر سو کر نیند کر لے، قالین کی لالچ میں کسی کی خوشامد نہ کر۔
(۶) سیلاب کے منہ میں گھر نہ بنا کیونکہ اس جگہ پر کسی نے عمارت مکمل نہیں کی۔
ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے طریق پر چلنے اور اس تک پہنچنے کی مدد اور توفیق اور رہبری کا سوال کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ○ قَالُوا أَجِئْتَنَا
لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ
عِندَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ○ فَلَمَّا رَأَوْهُ
عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم
بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ

اِنۡ مَّکَّنّٰکُمۡ ... کَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ○ وَ لَقَدۡ
مَکَّنّٰهُمۡ فِیۡمَاۤ اِنۡ مَّکَّنّٰکُمۡ فِیۡهِ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ سَمۡعًا وَّ اَبۡصَارًا
وَّ اَفۡـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ سَمۡعُهُمۡ وَ لَاۤ اَبۡصَارُهُمۡ وَ لَاۤ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ
مِّنۡ شَیۡءٍ اِذۡ کَانُوۡا یَجۡحَدُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا کَانُوۡا
بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ○

ترجمہ۔ "اور یاد کرو عاد کے ہم قوم کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈرایا اور بے شک اس سے پہلے ڈرسنانے والے گذر چکے اور اس کے بعد آئے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، بولے کیا تم اس لیے آئے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو تو ہم پر لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم سچے ہو اس نے فرمایا اس کی خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو تمہیں اپنے رب کے پیام پہنچاتا ہوں ہاں میری دانست میں تم نرے جاہل لوگ ہو پھر جب انہوں نے عذاب دیکھا بادل کی طرح آسمان کے کنارے میں پھیلا ہوا ان کے وادیوں کی طرف آتا بولے یہ بادل ہے کہ ہم پر برسے گا بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے صبح رہ گئے کہ نظر نہ آتے تھے مگر ان کے سونے مکان ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں مجرموں کو اور بے شک ہم نے انہیں وہ مقدور دیے تھے جو تم کو نہ دیے اور ان کے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے تو ان کے کان اور آنکھیں اور دل کچھ کام نہ آئے جبکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انہیں گھیر لیا اس عذاب نے جس کی ہنسی بناتے تھے۔"

تفسیر عالمانہ "واذکر اخا عاد" اور اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار مکہ کو عاد کی برادری کے نبی کا واقعہ یاد دلائیے اس سے حضرت ہود علیہ السلام مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاد دلائیے تاکہ اہل مکہ عاد کے واقعہ سے عبرت حاصل کریں کیونکہ جب انہوں نے ان کی طرح نافرمانی کی تو ہم نے ان کی جڑ کاٹ دی ان کا ایک فرد بھی اس دنیا میں نہ رہا اب نہ کوئی نسب رہا نہ دین۔ "اخ" سے ان کی برادری کا ایک فرد مراد ہے اس سے ہود علیہ السلام کی اخوتِ دینی مراد نہیں کیونکہ ان کے اور قوم کے دین میں ایمان و کفر کا فرق تھا۔ یہ محاورہ عرب میں عام ہے مثلاً کہا جاتا ہے "یا اخا العرب" یعنی عرب کی برادری کا ایک فرد۔

ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا نسب :-

قوم عاد عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھی اور ہود علیہ السلام عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد کے صاحبزادے تھے۔ "اذ انذر قومہ" جبکہ انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا یہ بدل الاشتمال ہے یعنی ہود علیہ السلام کے قوم کے ڈرانے کے وقت کو یاد کیجیے "بالاحقاف" یہ ایک ریتلی جگہ کا نام ہے جو یمن کے علاقہ حضرموت کے قریب واقع ہے۔ حقف کی جمع ہے بمعنی اونچے اور پھیلے ہوئے ریت کے ٹیلے جن میں کچھ ڈھلان ہو یہ احقوقف الشئ سے ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے ٹیڑھی ہو جائے اور اسے احقوقف سے اسی لیے اخذ کیا گیا ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہونا تھا کہ مجرد سے مزید ماخوذ ہوتا ہے چونکہ احقوقف معنے کے لحاظ سے زیادہ روشن اکثر اور بکثرت مستعمل ہوتا ہے اس لیے اسے اصل اور حقف کو اس کی فرع قرار دیا گیا ہے اس پر کلمۂ ابتداء بھی اسی لیے داخل کیا گیا تاکہ اس معنے پر تنبیہ ہو۔ (کذا فی حواشی سعد المفتی)

فائدہ: بعض نے کہا کہ قوم عاد خانہ بدوش لوگ تھے۔ خاص موسم میں گھروں میں واپس لوٹتے ورنہ باہر کے علاقوں میں رہتے تھے، ارم قبیلہ سے تھے بلاد یمن کے علاقہ شحر کے ریتلے ٹیلوں پر رہتے تھے۔ شحر (بکسر الشین وسکون الحاء بعض نے کہا بفتح الشین) یہ علاقہ دریا کے کنارے عمان وعدن کے درمیان واقع تھا اور بعض نے کہا کہ عمان و مہرہ کے درمیان واقع تھا۔

فائدہ: عمان بالضم و والتخفیف یمن کا ایک شہر ہے اور وہ جو شام کے علاقہ میں ہے وہ بالفتح والتشدید ہے اور مہرہ ایک شہر جس کی طرف مہریہ اونٹ منسوب ہوتے ہیں۔

فائدہ: فتح الرحمٰن نے لکھا کہ صحیح ترین یہ ہے کہ عاد کے شہر یمن میں تھے ان کے بہترین باغات تھے اور احقاف حقف کی جمع ہے وہ ریت کا ایک ٹیلا ہے اور عموماً ریتلے علاقوں میں ہوا کی وجہ سے ایسے ٹیلے بن جایا کرتے ہیں۔

ہند میں آدم علیہ السلام :-

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سب سے بڑی وادی احقاف اور ایک اور وادی جو حضرموت میں ہے جس کا نام برہوت ہے اس میں کفار کی ارواح ڈالی جاتی ہیں اور بہترین وادی مکہ میں اور دوسری اور وادی جس میں آدم علیہ السلام اترے اور وہ ہند ہے اور بہترین زمزم کا کنواں ہے اور سب سے برا وہ کنواں جسے برہوت کہا جاتا ہے۔ (کشف الاسرار)

"وقد خلت النذر" اور بیشک رسل کرام گذرے۔ نذر نذیر کی جمع ہے بمعنے منذر "من بین یدیہ" ہود علیہ السلام سے پہلے "ومن خلفہ" اور ان کے بعد۔ یہ جملہ مفسر و مفسر اور متعلق و متعلق (بالکسر و بالفتح) ماقبل کی تقریر وتاکید کے لئے ہے کہ انہوں نے انذار کے موجب عمل کیے اسے ان لاتعبدوا الا اللہ اور انذار قوم کے درمیان لایا گیا ہے، تقریر وتاکید سے مضمون ذہن نشین ہوجاتا ہے اور متنبہ کرتا ہے کہ یہ عبادت لغیر اللہ میں ان جیسے نہیں، اب معنے یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہود علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو شرک کے انجام سے ڈرائیے اور انہیں عذاب عظیم سنائیے کیونکہ ہود علیہ السلام سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد آنے والے رسل کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں سے ایسی خبریں سنائیں فلہٰذا آپ بھی سنائیے۔

فائدہ: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے دراصل انہ تھا بمعنی الشان یعنی شان اور قصہ یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یا ان مفسرہ یعنی اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو یا مصدریہ ہے لیکن یہاں پر باء محذوف ہے دراصل "بان لاتعبدوا الا اللہ" کسی شے سے نہی کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس شے کی مضرت و نقصان سے ڈرایا جاتا ہے۔ "انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم" اور میں تمہارے اعراض عن التوحید اور شرک کی وجہ سے تمہارے لیے دردناک عذاب سے ڈرتا ہوں اور یوم عظیم سے وہ دن مراد ہے جب ان پر عذاب نازل ہوگا اور اس کی سخت ہولناکی کی وجہ سے بطور مبالغہ اور مجازاً اسے عظیم کہا گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ مجازاً اسناد الی الزمان کے قبیل سے ہو اور بوجہ اپنے ماقبل کے قریب ہونے کے اسے مجرور پڑھنا بھی جائز ہے "قالوا اجئتنا لتأفکنا" یہ الافک (بالفتح) سے ہے بمعنی پھیرنا أفکہ یأفکہ افکاً بمعنے قلبہ وصرفہ عن الشئ" اسے فلاں شے سے پھیرا" یعنی کافروں نے کہا کیا آپ اسی لیے آئے ہیں تاکہ ہمیں پھیر دیں "عن الھتنا" ہمارے معبودوں کی عبادت سے پھیر کر اپنے دین کی طرف لے جائیں اور یہ ناممکن ہے "فاتنا بما تعدنا" تو ہمارے ہاں وہ لائیے جس دردناک عذاب سے ہمیں آپ ڈراتے ہیں۔ یہ باء تعدیہ کی ہے۔ "ان کنت من الصدقین" اگر آپ ان لوگوں سے جو اپنا وعدہ سچ کر دکھاتے ہیں "قال" ہود علیہ السلام نے فرمایا "انما العلم" عذاب کے نزول کا علم یا جملہ اشیاء جن میں سے نزولِ عذاب بھی ہے، کا علم "عند اللہ" اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اس کا (ذاتی طور) مجھے کوئی علم نہیں اور نہ ہی اس کے لانے میں مجھے (ذاتی) اختیار ہے اس کا علم صرف اللہ

تعالیٰ کو ہے جس وقت میں اسے مقدر کر رکھا ہے اس وقت لائے گا" "وابلغکم ما ارسلت به" اور میں تمہارے ہاں وہی پہنچاتا ہوں جو رسالت کے متعلق ہیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو میں نے تمہیں عذاب الٰہی کی وعید سنادی ہے اگر تم نزول عذاب کو معلوم کرنے کے باوجود شرک سے باز نہیں آؤ گے تو لازماً تم پر عذاب نازل ہوگا" "ولکنی اراکم قوماً تجھلون" اور میں تو تمہیں جاہل لوگوں سے سمجھتا ہوں اس لیے کہ تم مجھ سے وہ امور طلب کر رہے ہو جو رسالت کے متعلق نہیں کیونکہ رسول علیہ السلام عذاب الٰہی سنانے آتے ہیں عذاب نازل کرنا ان کے متعلق نہیں اور نہ ہی اس کی تعیین وقت بیان کرنا ان کے ذمہ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے کافرو! تم صواب وخطا اور اصلاح و فساد کی تمیز نہیں رکھتے حالانکہ میں نے تمہیں واضح طور راہ حق بتایا۔

آیت سے ثابت ہوا کہ بت دو قسم ہیں:۔

(۱) ظاہری۔ (۲) باطنی۔

ظاہری تو وہی ہیں جن کی کفار پرستش کرتے ہیں اور باطنی نفس اور اس کی خواہشات و لذات دنیویہ فانیہ اور انبیاء علیہم السلام ان ہر دونوں سے روکنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اس لیے کہ ان کا کام ہوتا ہے کہ وہ نفس کو پاکیزہ کر کے ارواح کو مالک قدوس کی طرف پہنچنے کی ترغیب دیں۔ ان کی وراثت میں اولیاء کرام کا بھی یہی طریقہ ہوتا ہے اسی لیے وہ فرمایا کرتے ہیں کہ خواہشات نفسانی پر عمل کرنا عذاب عظیم کا موجب ہے اور عبادت الٰہی سے بہت بڑا اجر وثواب بلکہ رویت حق نصیب ہوتا ہے۔

اعدائے اولیاء کی علامت:۔

جن لوگوں کے قلوب شقاوت سے لبریز ہوتے ہیں وہ اللہ والوں کے مقابلہ پہ تلے رہتے ہیں۔ اور ہر وقت ان کی تردید اور ان سے عناد اور بغض وعداوت سے بھرپور رہتے ہیں۔ اس سے ان کی ضلال وفساد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے پھر انہیں نہ صرف ثواب اعمال سے محرومی بلکہ وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اولیاء کی دشمنی بھی قلت عقل بلکہ کمال جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ جسے عقل تام اور معرفت کامل حاصل ہوتی ہے وہ کبھی خواہش نفسانی کی اتباع نہیں کرتا اور نہ ہی عبادت حق سے منہ موڑتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا پہلے عرفان الٰہی حاصل کرو پھر عبادت کیونکہ جواسے پہچانتا نہیں اور نہ ہی اس کی صفات و اسماء اور اس کے حقوق واجبہ کو جانتا ہے وہ اس کی کس طرح عبادت کرے گا بلکہ عبادت سے پہلے وہ امور بھی اپنے علم میں رکھے جو اس کی شان کے لائق نہیں کیونکہ بسا اوقات ایسے ہوگا کہ بعض صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مانے گا جو اس کے لائق نہیں ہوں گے تو وہ عبادت رائیگاں جائے گی بلکہ عذاب کا موجب بن جائے گی۔

(حکایت) ایک شخص آسمان پر شیطان ابلیس کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ تجلیٔ حق ہے وہ اس گمان پر اللہ تعالیٰ کی بیس سال تک عبادت کرتا رہا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ تو شیطان تھا اپنی خطا پر نادم ہو کر تائب ہوا اور بیس سال کی قضا شدہ نمازیں لوٹائیں۔

(مسئلہ) انسان پر لازم ہے کہ معلوم کرے کہ اس پر واجب شرعیہ کونسی چیزیں ہیں تاکہ اسی طرح ادا کرے جس طرح وہ ان پر مامور ہے ایسے ہی مناہی کو جانے تاکہ ان سے رک سکے۔

(حکایت) ایک شخص نیک لیکن کم علم تھا اس نے ایک جانور خریدا لیکن بظاہر اسے اس کی ضرورت نہ تھی۔ عرصہ تک اسے اپنے پاس رکھا کسی نے پوچھا آپ کو بظاہر اس کی ضرورت تو ہے نہیں پھر خرید کر اسے اپنے پاس رکھنے کا کیا معنے۔ جواب دیا کہ میں اس سے وطی کرتا ہوں تاکہ زنا سے بچ جاؤں۔ لوگوں نے کہا جانور کی وطی بھی زنا سے کم نہیں اس غلطی سے وہ نیک آدمی نادم ہو کر تائب ہوا۔

سبق: معلوم ہوا کہ حلال و حرام کی تمیز ضروری ہے تاکہ صحیح طریقۂ اسلام نصیب ہو۔

(مسئلہ) انسان پر احوال و اخلاق کی معرفت اور برے اخلاق و عادات جیسے حسد وریا و عجب و کبر و حُبِّ مال وجاہ وغیرہ وغیرہ کا جاننا ضروری ہے اور اچھے اخلاق و عادات سے متخلق ہونا لازمی ہے یعنی توکل و قناعت اور رضاء و تسلیم و یقین وغیرہ جیسے عادات و خصال اپنے میں پیدا کرے لیکن ایسے امور کے لئے معلم و مرشد کا ہونا ضروری ہے۔ بالخصوص اصلاح باطن کے لئے اور زیادہ ضروری ہے ؎

درا بحلقۂ روشندلان عالم خاک
کہ تا زجاجۂ دلرا کنی زحادثہ پاک

ترجمہ ؎ روشندلان عالم کے حلقہ میں آجا تاکہ تیرے دل کا شیشہ دنیا کی آلائش سے صاف

ہو جائے ۔

تفسیر عالمانہ: "فلما راوہ" فاء فصیحیہ ہے یعنی ان کو عذاب موعود نے گھیر لیا تو پھر جب اسے دیکھا درانحالیکہ "عارضًا" بادل آسمان کے کناروں پر پھیلنے لگا یا آسمان کے کناروں پر بادل ظاہر ہونے لگا" مستقبل اودیتہم" درانحالیکہ ان کی وادیوں کی طرف متوجہ ہونے والا تھا، اس کی اضافت لفظی ہے اسی لیے اسے نکرہ کی صفت واقع ہُوا ۔

فائدہ: مروی ہے کہ ان کے سامنے ایک سیاہ بادل نمودار ہُوا

فائدہ: جس بادل سے پانی برسے اسے مغیث سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ ان لوگوں پر عرصہ تک بادل نہیں برسا تھا اسی لیے بادل کو دیکھتے ہی نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے عذاب سے ڈرنے کے بجائے بہت بڑے خوش ہو گئے "قالوا ھذا عارض ممطرنا" کہا کہ یہ تو وہی بادل ہے جو ہمیں بارش دے گا ۔ اس میں بھی اضافہ لفظی ہے ۔ نبی علیہ السلام کو کہا "بل ھو ما استعجلتم بہ" اس سے ہود علیہ السلام مراد ہیں ۔ یعنی اے میری قوم تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ غلط ہے بلکہ وہی عذاب ہے جس کی طلب میں عجلت کر رہے ہو "ریح" یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی "ھو ریح" یعنی وہ ہوا ہے "فیہا عذاب الیم" یہ ریح کی صفت ہے ایسے ہی "تدمر" بھی ریح کی صفت "تدمر" بمعنی "تہلک" ہے یعنی اس ہوا میں دردناک عذاب ہے جو تباہ کر دے گی "کل شیء" ہر شے کو جس پر اس کا گذر ہوگا وہ نفوس ہوں یا اموال یہ سب کو تباہ و ہلاک کر دے گی یہ استغراق عرفی ہے اس سے ہود علیہ السلام کی قوم کے مشرکین مراد ہیں "بامر ربہا" اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اس لیے کہ ہر شے کی حرکت و سکون اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے ۔ رب کی اضافت ریح کی طرف اس کی تعظیم کا اظہار مطلوب ہے ورنہ وہ ہر شے کا رب ہے ۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ ہوا کی حرکت اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے لشکروں سے ہے اور اس میں نہ تاثیر کواکب کو کوئی تعلق ہے اور نہ ہی کسی اور شے کو بلکہ یہ امر الٰہی ہے کہ جب وہ چاہتا ہے تو اسے کھول دیتا ہے اور کبھی اس سے سرکشوں کو سزا دینے کے طور ضرورت سے زائد کھول دیتا ہے "فاصبحوا" تو وہ ہو گئے عذاب سے اس حال میں "لا یری الامساکنہم" یہ فاء فصیحہ ہے یعنی ان کے ہاں

جب ہَوا اچانک آئی تو اس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے یہاں تک کہ اس کے بعد اب ان کے صرف مکانات نظر آتے تھے یعنی اب یہ حال تھا کہ اس کے بعد یہاں سے جو کوئی گذرتا تھا صرف ان کے مکانات دیکھتا تھا لیکن مکیں مر مٹ گئے تھے "کذٰلک" کاف منصوب ہے بمعنی مثل ذٰلک الخ یعنی اس سخت اور دردناک عذاب دیکر جڑ سے کاٹنے کی طرح "نجزی القوم المجرمین" مجرم قوم کو سزا دیتے ہیں۔

قوم عاد کے عذاب کا نمونہ: منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہَوا کے مقرر کردہ فرشتوں کو حکم دیا کہ معمولی سے زائد صرف گائے کی ناک کے سوراخ برابر ہَوا چھوڑ دیں۔ فرشتوں نے عرض کی اے پروردگار اتنی مقدار سے تو تمام زمین پھٹ جائے گی اور اس پر تمام رہنے والے فنا ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انگوٹھی کے حلقہ کے برابر چھوڑ دو۔ ملائکہ نے حکم بجالایا تو مغرب کی جانب سے ٹھنڈی ہوا چلی تو اب انہیں معلوم ہُوا کہ یہ عذاب الٰہی ہے۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ان کے اموال و جانور آسمان و زمین کے درمیان اڑ رہے ہیں اور آسمان و زمین کے درمیان وہ اڑتے ہوئے جانور وغیرہ ٹڈی کی طرح محسوس ہوتے تھے اس کے بعد پتھر اڑ کر قوم کے سر پر گرے جن سے ان کے بھیجے نکل پڑے۔ یہ منظر دیکھ کر گھروں میں داخل ہو گئے اور دروازے بند کر دیئے۔ ہَوا نے ان کے دروازے اکھیڑ کر ان کے گھروں کو الٹ دیا اور احقاف (ریتیلے ٹیلوں) کو اٹھا کر ان پر ڈال دیا وہ اسی ریت میں آٹھ دن اور سات راتیں دبے رہے۔ اسی اثناء میں ان ٹیلوں کے اندر سے رونے کی آواز ہوتی تھی پھر آٹھویں دن کے بعد ہَوا نے ان کے گھروں کو جڑوں سے اکھیڑ کر دریا میں پھینک مارا حالانکہ انہیں خیال سمایا ہوا تھا کہ ان جیسا اور کوئی طاقتور نہیں اس لیے کہتے تھے کہ ہَوا ہمارا کیا کرے گی لیکن ہَوا نے ان کے پرخچے اڑا دیئے اور ان کی قوم انہیں نہ بچا سکی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ ذرات زمین و آسمان
لشکر حقند گاہ امتحان

باد را دیدی کہ با عادان چہ کرد
آب را دیدی کہ با طوفان چہ کرد

ترجمہ (۱) زمین و آسمان کے جملہ ذرات دنیا کے امتحان گاہ میں حق کا لشکر ہے۔

(۲) ہوا کو دیکھ کر اس نے عاد والوں سے کیا کیا۔ پانی کو دیکھ کر اس نے نوح کی قوم کے ساتھ کیا کیا۔

ہود علیہ السلام کا معجزہ: حضرت ہود علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ہوا عذابِ الٰہی بن کر آرہی ہے تو پانی کے ایک چشمے کے نزدیک بیٹھ کر اپنے اور اپنے تابعداروں کے ارد گرد لکیریں کھینچیں جب ہوا ان سے گذرتی تو جسم کو خنکی اور طبیعتوں کو لذت بخشتی تھی۔ قوم عاد کی تباہی و بربادی کے بعد ہود علیہ السلام ڈیڑھ سو سال زندہ رہے۔ ان کا تفصیلی قصہ سورۂ اعراف میں گذرا ہے۔

فائدہ: آیت میں اہل مکہ کو وعید ہے کہ تم اگر تکذیب پہ ڈٹے رہے تو یہ حشر تمہارا ہو سکتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تم پر وہی ہوا بھیجے جو قوم عاد پر بھیجی اس لیے عذابِ الٰہی سے ڈرنا لازمی ہے۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم جب تیز ہوا کے جھونکے چلتے دیکھتے تو آپ کے چہرہ مبارک پر خوف کے آثار نمودار ہو جاتے اور پھر کبھی آپ گھر کے اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر اور کبھی آگے اور کبھی پیچھے میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ماجرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں کیا معلوم وہی ہوا ہو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا " فلما راوہ عارضا الخ جب بادل سے بارش شروع ہوتی تو پھر خوش ہو جاتے اس کے بعد پڑھتے " ھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ" وہ اللہ جو ہواؤں کو چھوڑتا ہے کہ وہ اس کی رحمت کے آگے خوشخبری سنائے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ آسمان قلوب پر کبھی بادل عارض ہوتا ہے تو ان پر رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ اس کی برکت سے ارض بشریت آباد ہو جاتی ہے جس سے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے برعکس اخلاق ذمیمہ و اعمال سوء بھی عارض ہو جاتے ہیں جن قلوب سے اخلاق ذمیمہ نمودار ہوتے ہیں ایسے لوگ خیر سے خالی ہوتے ہیں، اخلاق و آداب و اعمال صالحہ ایسے قلوب سے ظاہر نہیں ہوتے اور ایسے قلوب کو صدق و اخلاص اور رضا و تسلیم نصیب نہیں ہوتا اور یہی ہے حق سے روگردانی کرنے والوں اور باطل کی طرف متوجہ ہونے والوں کی سزا ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان) لکھتا ہے کہ اس میں نقصان اور خسارے والے

لوگوں کی طرف اشارہ ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اہل لطف اور اہل حق ہیں اس لیے کہ مرنے سے پہلے چاہتے ہیں کہ ان کی قبروں پر بڑے بڑے قبے ہوں اور جاہل لوگ ان کی قبروں پر حاضر ہو کر چڑھاوے چڑھائیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب نہیں ان کی صرف قبریں ہی قبریں اور قبے ہی قبے ہوتے ہیں انہیں ثواب کے بجائے عذاب نصیب ہوتا ہے۔

لطیفہ: اہل حق نے فرمایا کہ اپنے نفس کے لئے قبر تیار نہ کی جائے بلکہ اپنے آپ کو قبر کے لئے تیار کیجیے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق بخشے جن سے اسے محبت اور وہ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان اعمال سے محفوظ فرمائے جو اس کی ناراضگی کا موجب ہوں۔

تفسیر عالمانہ: "ولقد مکناھم" التمکین بمعنے، کسی کو مدد دینا اور جگہ دینا یعنی ہم نے قوم عاد کو قدرت دی اور انہیں مالک بنایا "فیما" ان چیزوں میں "ان" نافیہ ہے "مکناکم" اے اہل مکہ جس کی ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی۔ یعنی انہیں مالی وسعت حاصل تھی اور جسمانی لحاظ سے بھی بڑی قدرت وطاقت والے تھے اور ان کی عمریں بھی طویل تھیں اور باقی تصرفات کا کیا کہنا۔

(نکتہ) اِن نافیہ اس لیے لایا گیا ہے تاکہ ایک جگہ پر لفظ ما کا تکرار نہ ہو اس لیے اس سے قبل ما موصولہ ہے اگر ما لایا جاتا تو اس کے ما کے بعد میم کو ھا سے تبدیل کرنا پڑتا جیسے مھما میں کیا گیا کہ وہ در اصل ما ما تھا یا اسے زائدہ بنایا جاتا اور اگر شرطیہ مانا جائے تو اس کا جواب محذوف "کان بغیکم اکثر" ماننا پڑتا اگرچہ دوسرے مطالب صحیح ہو سکتے ہیں لیکن مقام کے مناسب یہی ہے۔ معنی موزوں تر ہے "وجعلنا لھم سمعا وابصارا وافئدۃ" اور ہم نے ان کے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ وہ انہیں استماع وحی ومواعظ رسل علیہم السلام پر استعمال کریں جن کے لئے ان کے یہ اعضاء پیدا کیے گئے اور انہیں وہ معرفت الٰہی کے حصول پر عمل میں لائیں اور یہ سمجھیں کہ کسی اعمال پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جاتی ہیں اور شکرانہ پر مداومت کریں تاکہ نعمتوں میں اضافہ ہو۔

(نکتہ) سمع کو مفرد اور باقیوں کو جمع ان میں اشارہ ہے کہ سمع سے صرف آواز سنی جاتی ہے بخلاف بصر کے کہ اس سے اشیاء کثیرہ کا ادراک ہوتا ہے۔ بعض کا بالذات

اور بعض بالواسطہ اور قلب بھی ہر شے کا ادراک کرتی ہے اور فؤاد قلب میں ایسے ہے جیسے قلب سینے میں اور اسے فؤاد اس کے نفوذ یعنی تحرق کی وجہ سے کہا جاتا ہے فما یہ ما نافیہ ہے " اغنی عنہم سمعہم " تو نہ بچایا انہیں ان کے کانوں نے کہ انہیں استماع وحی اور مواعظِ رسل میں استعمال نہ کیا یہ " اغنی عنہ کذا " سے ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کسی کو بے نیاز کردے تاج المصادر میں " الاغناء " بمعنی بے نیاز کرنا اور کسی کو کسی سے بچانا لکھا ہے " والا ابصارھم " اور نہ انہیں ان کی آنکھوں نے بچایا کہ وہ انہیں دنیا کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی آیات تکوینیہ کو دیکھنے کے بعد توحید کا اقرار کرتے لیکن نہ کرسکے " ولا افئدتہم " اور نہ ہی انہیں ان کے قلوب نے بچایا کہ وہ انہیں معرفت الٰہی میں استعمال کرتے تو انہیں عذابِ حق سے بچاؤ نصیب ہوجاتا " من شی " بچانے کی کوئی صورت مراد ہے یہ من زائدہ ہے خلاصہ یہ کہ عذاب الٰہی سے نہ انہیں کان بچاسکے نہ آنکھیں اور نہ دل (کذا قال الکاشفی) " اذ کانوا " اس لیے کہ از روئے تقلید و تعصب " یجحدون بآیٰت اللہ " اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے " اذ " اغنیٰ کے متعلق ہے ظرف تعلیل کے قائم مقام ہے اور وہ مضاف الیہ پر مرتب ہے اس لیے کہ تم جب " اکرمتہ اذ اکرمنی " کہتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے تم نے اس کی عزت اس لیے کی کہ اس نے تمہاری عزت کی تھی۔ اس کی عزت کرنا تمہاری عزت کرنے کی علت ہے " وحاق بھم " اور ان پر نازل اور ان کو محیط ہوا " ما کانوا بہ یستہزءون " جس کے ساتھ وہ استہزاء کرتے تھے یعنی وہ عذاب جس کے لئے وہ عجلت کرتے تھے اور ان کا عجلت کرنا استہزاء کے طور تھا مثلاً وہ کہتے تھے کہ لائیے ہمارے ہاں وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو۔

فائدہ: اس میں اہل مکہ کو تخویف ہے تاکہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) پس سپاس او را کہ ما را در جہاں
کرد پیدا از پس پیشینیاں

(۲) تا شنیدیم از سیاستہای حق
بر قرون ماضیہ اندر سبق

(۳) استخواں و پشم آں گرگاں عیاں
بنگرید و پند گیرید ای مہاں

(۴) عاقل از سر بنہد ایں ہستی و باد
چوں شنید انجام فرعوناں و عاد

(۵) ورنہ بنہد دیگراں از حالِ او
عبرتی گیرند از اضلالِ او

توجمہ (۱) اس کا شکر کہ اس نے جہان میں پچھلے لوگوں کی خبریں ظاہر کیں۔
(۲) تاکہ حق تعالیٰ کی حکومت و سلطنت کی باتیں ہم سنیں اور پچھلے لوگوں کے حالات سے سبق حاصل کریں۔
(۳) ان بھیڑیوں کی ہڈیاں اور اُون ظاہر پڑی ہیں انہیں دیکھ کر اے سردارو عبرت حاصل کرو۔
(۴) عقلمند یہ ہستی اور ہوا سر سے باہر پھینکتا ہے جب فرعون و عاد کے انجام برباد سنتا ہے۔
(۵) ورنہ دوسرے لوگ اس سے اور اس کی گمراہی سے عبرت پکڑیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ سمع و بصر و فواد توحید کی تحصیل کے اسباب ہیں اور سمع سے شروع کرنے میں اشارہ ہے کہ فواد پر جملہ واردات سمع کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں اور آنکھیں دو اس لیے ہیں کہ مسموع منہ کی تصدیق کی سب سے بڑی شاہد آنکھ ہے کیونکہ ما بہ التفکر اسی سے حاصل ہوتا ہے اور عموماً عبرت اسی سے ہی نصیب ہوتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ آنکھ ایک عظیم نعمت ہے اگرچہ حقیقی مبصر قلب ہے۔ آنکھ فواد کے ذکر میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ قلب تمام اعضاء سے عمدہ ہے۔ قلب کی عظمت کی وجہ سے ان دونوں کو پہلے بیان کیا گیا یہ ایسے ہے جیسے کسی کا نام لینے سے پہلے جناب یا حضرت کہا جاتا ہے اس سے مذکور کی عظمت مطلوب ہوتی ہے اور یہ دونوں آلات یعنی آنکھ اور کان قلب کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور ان کا ذکر خصوصیت سے اسی لیے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں قلب کے لئے بمنزلہ وزیر کے ہیں اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو قلب کو جسم میں وہ مرتبہ حاصل ہوتا جو اسے اب حاصل ہے ظاہری انسان کے لئے سمع و بصر کو قلب کے لئے

ایسے ہیں جیسے خلافت ہیں قلب کے لئے جسد و نفس ہیں اس سے ثابت ہُوا کہ قلب کی تکمیل سمع و بصر پر اور سمع و بصر کا کمال قلب سے ہے اور انسان کو مکلّف بھی اسی وقت بنایا جاتا ہے جب اس کا قلب صحیح ہو اور اسے خطاب بھی ان جملہ اعضاء کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ حق کو سنے اور سن کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے بلکہ جمیع اعضاء کے مطابق جتنا امور کا اسے مکلف بنایا گیا ہے ان اعضاء کو ان کے لائق عمل میں لائے اور جمیع احکامات پر عمل پیرا ہونے اور جمیع منہیات سے رکنے کی جد وجہد کرے محرمات کے قریب نہ جائے مکروہات کو ترک کرے اور فضول مباحات کا بھی ارتکاب نہ کرے اس لیے کہ فضول مباحات کا اشتغال انسان کو مناجات کی لذت سے محروم کر دیتا ہے اور مباحات کے فکر میں پڑنے سے انسان مقلب پر ظلمت چھا جاتی ہے جب مباحات کا یہ حال ہے تو پھر محرمات کے اشتغال سے کتنی تاریکیاں چھا جائیں گی جب گندگی سے پانی بدبودار ہو جاتا ہے تو اس سے وضو ناجائز ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کتا بھی پانی پی جائے تو پھر اور ہر عضو سے قیامت میں سوال ہوگا اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ محاسبہ سے پہلے ہی اپنا حساب کر لے۔

حضور علیہ السلام کا قصاص دینا:۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو بلا عمد معمولی سی لکڑی ماری تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبار اور متکبر بنا کر مبعوث نہیں فرمایا۔ یہ سن کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو بلا کر فرمایا میرے سے قصاص لے، اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے آپ کو معاف کیا اور میرے سے یہ کام نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ تک اس کا نام نہ لوں گا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے لئے خیر کی دعا فرمائی۔

سبق: جیسے ہاتھ سے ظلم کا ترک ضروری ہے ایسے ہی ظالموں کی معاونت کا ترک بھی لازمی ہے۔

حکایت: ایک عالم دین کسی ظالم کی قید میں تھے ان سے ظالم نے کہا کہ آپ تھوڑی سی مٹی اٹھا کر دیجیے تاکہ میں اپنی مہر پر لگا دوں۔ اس عالم دین نے فرمایا کہ پہلے مجھے وہ خط دکھائیے میں اسے پڑھ لوں ممکن ہے تو نے اس میں کوئی ظلم کا حکم لکھا ہو۔

سبق: اللہ والے ایسے ہی ظالموں کی معاونت سے احتراز کرتے ہیں۔

فائدہ: جو شخص آیات الٰہی کے حلال وحرام کا اقرار کرتا ہے وہ ترکِ عمل پر جرأت نہیں کرتا پھر ان بدبختوں کا کیا حال ہوگا جو ان آیات کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔

(مسئلہ) توحید اور اس کا اقرار جملہ احکامات کا اصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا" الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ"

فائدہ: علم وعمل کے شرف وفضیلت میں کسی کو کلام نہیں بالخصوص ذکر الٰہی کی تو بہت بڑی فضیلت ہے۔

حکایت: موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ کیا تو میرے قریب ہے تاکہ میں تیرے سامنے مناجات کروں یا تو بعید ہے تاکہ تجھے زور زور سے پکاروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کا ساتھی ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی بسا اوقات ہم ایسے حال میں ہوتے ہیں کہ تجھے یاد کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے یعنی قضا حاجت اور جنابت میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے ہر حالت میں یاد کرو سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قضاءِ حاجت کے وقت اگر چھینکتے تو بھی الحمد للہ کہتے[1]۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ فَلَوْ
لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ
اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ
فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ
اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ
وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ
ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ
فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اَوَلَمْ يَرَوْا
اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ
الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ

[1] احیاء العلوم۔

أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ۝

ترجمہ۔ "اور بے شک ہم نے ہلاک کردیں تمہارے آس پاس کی بستیاں اور طرح طرح کی نشانیاں لائے کہ وہ باز آئیں تو کیوں نہ مدد کی ان کی جن کو انہوں نے اللہ کے سوا قرب حاصل کرنے کو خدا ٹھہرا رکھا تھا بلکہ وہ ان سے گم گئے اور یہ ان کا بہتان و افترا ہے اور جبکہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے پلٹے بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی کہ موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی حق اور سیدھی راہ دکھاتی اے ہماری قوم اللہ کے منادی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخشدے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے اور جو اللہ کے منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل کر جانے والا نہیں اور اللہ کے سامنے اس کا کوئی مددگار نہیں کھلی گمراہی میں ہیں کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے اور ان کے بنانے میں نہ تھکا قادر ہے کہ مردے جلائے کیوں نہیں بے شک وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور جس دن کافر آگ پر پیش کیے جائیں گے ان سے فرمایا جائے گا یہ حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں ہمارے رب کی قسم فرمایا جائے گا تو عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے جلدی نہ کرو گویا وہ دن دیکھیں گے جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے دنیا میں نہ ٹھہرے تھے مگر دن کی ایک گھڑی بھر یہ پہنچانا ہے تو کون ہلاک کیے جائیں گے مگر بے حکم لوگ۔"

تفسیر عالمانہ: "ولقد اھلکنا ما حولکم" اے اہل مکہ ہم نے تمہارے اردگرد کے بہت سے لوگوں کو ہلاک و تباہ کیا۔ حول الشئ بمعنے شئے کی وہ جانب جس کے گرد پھرنا ممکن ہو "من القریٰ" بستیوں میں سے جیسے حجر ثمود یہ قوم ثمود کی رہائش گاہ تھی اور الٹی ہوئی بستیاں اس قوم لوط (علیہ السلام) کی رہائش گاہ ہیں لیکن ظاہر یہ ہے

کہ اس سے قوم عاد بھی شامل ہے اس لیے کہ وہ تباہ و برباد ہوئے تو اس کی رہائش گاہیں باقی موجود تھیں " وصرفنا الاٰیٰت " اور ہم نے آیات یعنی دلائل و براہین اور عبرتوں کو بار بار دہرایا تاکہ ان سے وہی لوگ عبرت حاصل کریں اور کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے ان واقعات و آیات کا بار بار ذکر کیا اور گذشتہ امتوں کے قصے اور ان کی تکذیب و شرک کے واقعات دہرائے " لعلھم یرجعون " تاکہ وہ اپنے کرتوتوں یعنی شرک و کفر اور معاصی سے باز آجائیں تاکہ یہی توحید و طاعت کی بھاری رکاوٹیں تھیں لیکن ان کا کوئی ایک بھی اپنے رویہ سے نہ بدلا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہر شے پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں ہدایت ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کرے۔ بعض مفسرین نے فرمایا اس میں اہل ایمان کو امید دلائی گئی ہے اور کافروں کو طمع دلایا گیا ہے کہ ممکن ہے وہ ایمان لائیں ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو علم تھا کہ وہ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے۔

فائدہ: فقیر حقی (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اسرار و قدرت کا ایک ارادہ ہے اس میں بحث نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا لیکن ان میں بہت سے تھوڑے لوگوں نے ایمان قبول کر کے اطاعت کی۔

فائدہ: چونکہ ان لوگوں کو کھلم کھلا نشانیوں کے دیکھنے کی عادت تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آیات کو بار بار دہرایا اور انبیاء علیہم السلام نے معجزات دکھائے۔

فائدہ: امر تکلیفی و امر ارادی میں فرق اتنا ہے کہ پہلا مامور بہ کے حصول کا مقتضی نہیں بخلاف ثانی کے ورنہ ارادہ و مراد میں تخلف واقع ہوتا اور وہ محال ہے۔

" فلولا نصرھم الذین اتخذوا من دون اللہ قربانا الھۃ ط " القربان بمعنی ما یتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ اور اتخذوا کا مفعول اول ضمیر محذوف اور دوسرا " الھۃ " اور " قربانا " حال ہے اب معنے یہ ہوا کہ ان معبودوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی جنہیں انہوں نے اپنی قربت حق کا وسیلہ بنایا ہوا تھا چنانچہ وہ کہا کرتے تھے " ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ " اور " ھؤلاء شفعاءنا " اس میں ان کے ساتھ تہکم ہے " بل ضلوا عنھم " بلکہ وہ ان سے غائب ہو گئے تھے یہ ان کے ساتھ دوسرا تہکم ہے۔ گویا انہیں بتایا گیا کہ تمہارے معبودوں کا تمہاری مدد نہ کرنا علیحدگی کی وجہ سے تھا یا اس کا معنے یہ ہے کہ وہ ان سے بالکلیہ ضائع ہو گئے " وذلک " اور ان کے معبودوں کا ضائع ہو جانا اور ان کی

مدد نہ کرنا " افکھم " ان کے بہتان کی وجہ سے تھا ان کا بہتان یہی تھا کہ وہ انہیں اپنے معبود سمجھتے تھے اور یہ ان کے شرک کا نتیجہ تھا " وما کانوا یفترون " اس کا " افکھم " پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے کے بعد۔ خلاصہ یہ کہ جو بھی آپ سے منہ پھیرے گا اسے کہیں بھی جگہ نہ ملے گی۔

انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کا وسیلہ اور ازالۂ وہم وہابیہ

اسباب و وسائل دو قسم ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ ان کو وسیلہ اور سبب بنا کر اللہ تعالیٰ تک پہنچیں جیسے انبیاء و اولیاء اور وہ امور جو وحی و الہام کے ذریعے حاصل ہوں اور یہ وسیلے ہدایت کا موجب ہیں کما قال اللہ " وابتغوا الیہ الوسیلۃ " اور فرمایا " وکونوا مع الصّٰدقین " (۲) جنہیں وسیلہ بنانے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے جیسے اصنام پرستی وغیرہ یہ گمراہی کے اسباب ہیں جیسا کہ آیات قرآنی میں تصریحات ہیں۔

فائدہ: ان اسباب کے استعمال پر اللہ تعالیٰ فعل کو پیدا فرماتا ہے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہی امور تاثیر پیدا کرتے ہیں تاکہ بندے کو معلوم ہو کہ ہر شے کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑے، اسباب سے متعلق نہ رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی پند و نصیحت

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ پرندے کی طرح ہو کر وہ درختوں سے پیٹ بھرتا ہے اور پانی پی کر شام کے وقت دیواروں وغیرہ کے شگافوں میں بسیرا کرتا ہے اور ساری رات میری یاد میں گذارتا ہے اور میرے بغیر کسی دوسرے سے وہ واسطہ نہیں رکھتا بلکہ اسے مخلوق سے وحشت ہوتی ہے۔ اے موسیٰ علیہ السلام میرے سوا کسی پر سہارا نہ کرنا اس لیے کہ جو بھی میرے غیر پر سہارا کرتا ہے میں اس کی پشت توڑ دیتا ہوں اور جو میرے بغیر کسی دوسرے پر امید کرتا ہے تو میں اس سے منقطع کر دیتا ہوں اور جو بھی غیر اللہ سے مانوس ہوتا ہے میں اسے وحشت میں ڈال دیتا ہوں اور جو میرے غیر کے ساتھ دوستی کرتا ہے میں اس سے منہ پھیر لیتا ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں تخویف و تہدید ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے غفلت نہ کرے اور نہ ہی غیر اللہ پر سہارا کرے بلکہ انجام پر غور کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں نے تمہیں آخرت کی ترغیب دلائی لیکن تم راغب نہیں ہوئے میں نے تمہیں بار بار دنیا کے ترک کا فرمایا لیکن تم نے

زہد قبول نہیں کیا میں نے تمہیں دوزخ سے بار بار ڈرایا لیکن تم نہ ڈرے اور میں نے تمہیں بار بار بہشت کی ترغیب دلائی لیکن تم نے آرزو نہ کی، میں نے بار بار حرب دزاری کا کہا لیکن تم نے ایک نہ سنی مبارک باد کے مستحق ہیں وہ گشتگان حق جن پر شمشیر کا نیام بند رہا اور نیام سے دوزخ مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ: "واذ صرفنا الیک نفرا من الجن" اور جب ہم نے جنوں کی ایک ٹولی کو آپ کی طرف متوجہ کیا۔ نفر دس سے کم گنتی کو کہا جاتا ہے اس کی جمع انفار آتی ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفر مردوں کی اس مختصر ٹولی کو کہا جاتا ہے جو جنگ کر سکیں اور جن سے ایک روحانی جماعت مراد ہے اس لیے کہ روحانی لوگ تین قسم ہیں:-

(۱) پسندیدہ گروہ جنہیں ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲) اشرار انہیں شیاطین کہا جاتا ہے۔

(۳) متوسط ان میں نیک بھی ہوتے ہیں اور شریر بھی انہیں جنات کہتے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ملائکہ نہ مرد ہیں نہ عورت اور نہ ہی بچے جنتے ہیں اور نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور شیاطین نر مادہ ہوتے ہیں، بچے بھی جنتے ہیں اور مرتے نہیں بلکہ وہ ابلیس کی طرح قیامت تک زندہ رہیں گے اور جنات جنتے ہیں اور ان میں بھی نر مادہ ہوتے ہیں۔

جنات کا مذہب

فقیر حقی (صاحب روح البیان) کہتا ہے مذکورہ بالا تقریر کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ جنات کے مختلف مذاہب ہیں یہاں تک کہ وہ رافضی بھی ہوتے ہیں (اور وہابی وغیرہ بھی) اور ان میں لڑائی اور جنگیں بھی ہوتی ہیں لیکن ابلیس کے بارے میں اشکال ہے کہ نامعلوم وہ کون ہے ان میں ہے یا نہیں ویسے اسے ابو الجن کہتے ہیں۔ اور ان میں اور شیاطین میں ایمان و کفر کا فرق ہے "یستمعون القرآن" درانحالیکہ وہ قرآن مجید سنتے ہیں یہ نفر سے حال متقدر ہے اس لیے کہ یہ انہیں ایک صفت مخصوص کرنا مطلوب ہے یا اس کی دوسری صفت ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلائیے کہ جنات کی ایک قوم کو ہم نے آپ کے ہاں متوجہ کیا درانحالیکہ وہ آپ سے قرآن مجید سنتے تھے "فلما حضروہ" جب وہ آپ کے پاس قرآن مجید سننے کے لئے حاضر ہوتے "قالوا" ان کے بعض

نے بعض کو کہا "انصتوا" الانصات بمعنی کلام ترک کر کے آواز کی طرف کان لگانا یعنی آپس میں کہنے کہ خاموش ہو کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا قرآن مجید سنو۔ اس میں اشارہ ہے کہ فضول کلام اور حرص اور بکواس انسان کی طرح جنات کا بھی شیوہ ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نیکی کی حرص پسندیدہ عمل ہے۔

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ جنات کو خطاب کی ہیبت اور مشاہدہ کی وحشت نے ان کی زبان کو بولنے سے روک دیا اس لیے مقام حضرت میں سکوت اور خاموشی لازمی ہے "فلما قضی" جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت سے فراغت پائی "ولوا الی قومھم منذرین" اپنی قوم کی طرف لوٹے ڈراتے تھا یعنی وہ ڈرانے کا خیال دل میں رکھنے تھے یعنی جنات نے قرآن مجید سن کر اسلام قبول کر لیا اور احکام قرآنی کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ارادہ کیا کہ اپنی قوم کے ہاں واپس پہنچتے ہی انہیں بھی احکام خداوندی سنا کر عذاب الٰہی سے ڈرائیں گے۔

فائدہ: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر واپس لوٹے اس لیے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغامات سناتے ہیں لیکن وہ نہ نبی ہوتے ہیں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ قاصد، اس سے ثابت ہوا کہ جنات نے اپنی قوم کو پیغامات حق تو سنائے لیکن بحیثیت نبوت کے نہیں بلکہ بحیثیت پیام رسانی کے۔ اس کی مزید بحث سورہ انعام کی آیت "یا معشر الجن والانس" میں گذری ہے۔

جنات کی حاضری

مروی ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے جنات آسمان پر چڑھ کر کچھ باتیں سن کر کچھ اپنی باتیں ساتھ ملا دیتے تھے لیکن بعثت کے بعد ان کو آسمان پر چڑھنے سے روک دیا گیا بلکہ آسمان پر چڑھنے پر انہیں پتھر لگنے لگے اسے ایک حادثہ سمجھ کر اپنی جماعت کے نمائندے تفتیش حال کے لئے مکہ معظمہ روانہ کیے وہ چھ یا سات افراد تھے اور وہ جنات نصیبین میں رہتے تھے۔ نصیبین دیار ربیعہ کا ایک شہر ہے (کذا فی القاموس) اور انسان العیون میں ہے کہ نصیبین علاقہ شام کا ایک شہر ہے۔ بعض نے اسے یمن کا ایک شہر لکھا ہے۔

(حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنات کے ہاں تشریف لے جانا) مروی ہے کہ حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نصیبین گیا ۔ اور وہاں جا کر میں نے دعا مانگی یا اللہ اس شہر کی نہر کے پانی کو میٹھا اور اس کے درختوں کو ثمر دار

بنادے اور اسے بکثرت بارش عطا فرما۔

جنات کے بادشاہوں کے نام

منقول ہے کہ موصل کے علاقہ نینوای میں جنوں کے بادشاہ رہتے تھے۔ عین المعانی میں ان کے یہ اسماء لکھے ہیں۔ (۱) شاصر (۲) ناصر (۳) دس (۵) از (۶) داد نان (۷) احقم۔ بعض علماء نے کہا کہ وہ نو تھے۔ سات وہی جو مذکور ہوئے آٹھواں عمرو تاقاوی سرق اور زوبعہ بفتح الزاء المعجمہ وہ لباء الموحدہ بھی انہی سے تھا۔ اور یہ ابلیس کا لڑکا تھا اور قاموس میں لکھا ہے کہ زوبعہ شیطان نام کا وہ جنوں کا رئیس تھا۔ اس تقریر پر دس افراد ہوئے۔

فائدہ: احقم کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ میم کے ساتھ ہے یا احقب باء کے ساتھ لیکن وہ ان میں سے کسی کا نام نہیں بلکہ وہ کسی ایک کی صفت ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ نو تھے ان کے اسماء یہ ہیں:۔
(۱) شلیط (۲) ناصر (۳) شاصر (۴) حاصر (۵) حساد (۶) مسا (۷) علیم (۸) ارقم (۹) ادرس۔ یہ اپنے علاقہ سے چل کر تہامہ تک پہنچے۔

فائدہ: تہامہ بالکسر مکہ مشرفہ کو کہا جاتا ہے لیکن علاقہ کے لحاظ سے تہامہ مکہ معظمہ کا نام نہیں۔ (القاموس)

یہ لوگ تہامہ سے عکاظ کے بازار کے قریب وادی نخلہ میں آکر ٹھہرے۔

فائدہ: نخلہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے اور نخلہ شامیہ اور یمانیہ دو وادیاں ہیں جو مکہ شریف سے ایک دن کی مسافت پر دور واقع ہیں اور عکاظ بروزن غراب ایک بازار کا نام ہے جو نخلہ و طائف کے درمیان جنگل میں ہے جو یکم ذیقعد سے بیس دن تک لگتا جس میں عرب کے قبائل جمع ہو کر اپنے کارناموں پر فخر و مباہات کے اشعار اور نثر میں ظاہر کرتے۔ ادیم عکاظی اسی مکان کی طرف منسوب ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ جنات کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ آدھی رات کے وقت نماز پڑھ رہے تھے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ اس وقت اکیلے تھے ایک روایت کے مطابق آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

فائدہ: اس وقت آپ کو صرف صبح کی دو رکعت اور دو رکعت شام کو پڑھنے کا حکم تھا اور یہ صبح کا دوگانہ اس صبح والی نماز کے علاوہ تھا جو پانچوں نمازوں میں سے ایک ہے اور پانچوں نمازوں کا حکم شبِ معراج میں ہوا اور جنات کا آسمان پر چڑھنے کی رکاوٹ وحی کے ابتدا میں ہوئی تھی اور معراج بعثت کے دو سال بعد ہوئی بہرحال ان جنوں کے نمایندوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت قرآن مجید سنی اس وقت آپ سورہ طٰہٰ شریف تلاوت فرما رہے تھے اور وہ دن تھے جب آپ طائف سے تبلیغ کر کے واپس لوٹے تھے اور اسلام کے لئے اپنی قوم سے مدد چاہی لیکن سب نے آپ کی مدد سے انکار کر دیا تھا بلکہ الٹا ایذاء کے لئے لوگوں کو اکسایا اور آپ کو بہت ایذائیں پہنچائیں اور آپ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا جیسا کہ اس کی تفصیل ہم نے سورہ توبہ کے آخر میں بیان کی ہے۔ آپ نے طائف میں ایک ماہ دس دن رہ کر وعظ فرمایا اور آپ کا قیام وادی نخلہ میں چند روز رہا۔ اس کے بعد پھر مکہ معظمہ واپس تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ ان سے پھر کس طرح اسلام کے لئے مدد چاہیں گے جبکہ انہوں نے آپ کو وہاں سے نکالا اور تکلیفیں پہنچائیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زید ہمارا توکل کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ کوئی سبب ضرور بنائے گا اور وہی اپنے دین کی خود مدد کرے گا اور مجھے امید قوی ہے کہ وہ اس دفعہ میری ضرور مدد فرمائے گا یہ کہہ کر آپ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور جبل حرا میں آکر ٹھہرے اور مطعم بن عدی کے ہاں پیغام بھیجا کہ میں مکہ میں تیرے ہاں آکر ٹھہروں گا اگر تم چاہو تو میں آجاؤں اُس نے حامی بھر لی۔ یہ غزوہ بدر سے سات ماہ پہلے کافر ہو کر مرا تھا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو مطعم اپنے چھ یا سات بچوں سمیت مسلح ہو کر آپ کو مسجد میں لے آیا اور خود کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اے قریشیو! میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے آج کے بعد انہیں کوئی بھی ایذاء نہ دے۔ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ بیت اللہ شریف میں تشریف لے جاکر طواف کیجیے۔ آپ بیت اللہ شریف تشریف لائے طواف کے بعد نماز پڑھی اس کے بعد اپنی قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مطعم اور اس کے بیٹوں نے نگرانی کا حق ادا کیا۔ اور عرب کی عادت تھی کہ جس کی امان کا ذمہ اٹھا لیں تو اسے نبھانے کی کوشش کرتے تھے اس لیے ابوسفیان نے کہا کہ اے مطعم جسے تو نے امان دی

ہے ہم نے بھی اُسے امان دی۔

جنات کی اطلاع: اسی پناہِ مطعم کے دوران جنات مکہ معظمہ میں پہنچ چکے تھے لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی فرمایا کہ جنات آپ کی تلاوتِ قرآن مجید بار بار سن رہے ہیں۔ (گویا کہ اس سے حضور علیہ السلام کو تسلی دلائی گئی)

جنات کی گھر کو واپسی اور دوبارہ حاضری: جنات کے سات نمائندے تھے وہ بطن نخلہ میں چند روزہ قیام کے بعد اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گئے اور انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات سنائے جس پر تمام جنات نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری کا پروگرام بنایا جبکہ ابھی آپ مکہ معظمہ میں تھے اس بار تین سو یا بارہ ہزار جن آئے۔ اور وہ حجون میں آ کر ٹھہرے۔ حجون[1] وہ جگہ ہے جہاں مکہ کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک جن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور! ہماری تمام برادری حجون میں پہنچ چکی ہے اور آپ کی زیارت کی خواہش مند ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں رات کا ایک وقت عطا فرمایا۔ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں جنات کو قرآن مجید سناؤں اور انہیں احکامِ الٰہی بتاؤں اور انہیں رات کا فلاں وقت دیا۔ چنانچہ اس رات کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حجون کے قریب پہنچے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دائرہ کھینچا اور مجھے فرمایا کہ تم اس دائرہ کے باہر سے نہ جانا جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہاں دائرہ کے اندر رہنا۔ اگر تم اس دائرہ سے نکلو گے تو پھر تا قیامت مجھے نہیں دیکھو گے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) تم اگر یہاں سے نکلو گے تو پھر تجھے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ یہ فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھ گئے اور قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا۔ اس وقت آپ نے سورۃ اقرأ باسم ربک یا سورۃ رحمٰن پڑھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنات کا بہت بڑا شور سنتا تھا تو مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر ہوئی۔

---

[1] آجکل اس کا نام جنت المعلیٰ ہے۔

فائدہ: اللغط " بالغین المعجمة والطاء المہملہ" آواز کا شور جس سے کوئی بات سنائی نہ دے ۔ اور جنات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا لیا تھا پھر علیحدہ ہو گئے اور جماعت جماعت بنا کر حاضر ہوتے تھے ۔ جس وقت ایک جماعت حضور کی زیارت کر کے واپس لوٹتی تو ایسے معلوم ہوتا جیسے بادل سیاہ آسمان پر نظر آتا ہے ۔ اس وقفہ سے میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تھا ۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو فرمایا اے ابن مسعود کچھ دیکھا ۔ عرض کی ہاں ! مجھے بہت کالے سیاہ نظر آتے تھے ، ایسے محسوس ہوتے تھے جیسے جاٹ قوم ہو ۔

فائدہ: الزط ایک جن کا نام ہے اس کا واحد زطی آتا ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) ایک جنات کی جماعت ہے جو نعیبین سے آئے ہیں میں نے عرض کی حضور وہ شور کیوں مچاتے تھے ۔ اور میں آپ کو دیکھتا تھا کہ آپ انہیں ڈنڈے سے دور ہٹاتے تھے اور فرماتے تھے بیٹھ جاؤ ۔ اس کا سبب کیا تھا ۔ آپ نے فرمایا ، وہ اپنے قاتل مقتول کا فیصلہ میرے سامنے پیش کر رہے تھے ، میں نے ان کا فیصلہ کیا ۔ (اس سے وہ خوش ہو رہے تھے)

اہل اسلام جنات کی غذا : ایک روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جب انہیں قرآن مجید سنایا تو اس سے " السلام علیکم " کہا تو جواب دیا تو شور اٹھایا ۔ اس کے بعد میرے سے پوچھا کہ ہمارا کھانا کیا شے ۔ میں نے کہا کہ تمہارا رزق ہڈیاں ہیں اور تمہارے جانوروں کے لئے گوبر ہے ۔ اہل اسلام جنات جس حلال گوشت کی ہڈی کو کھانے کے لئے اٹھاتے ہیں تو وہ ہڈی گوشت بن جاتی ہے اور جس گوبر اور مینگنی کو اٹھاتے ہیں تو وہ سرسبز گھاس اور دانے بن جاتے ہیں تا کہ ان کے جانور کھائیں ۔ اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے سے روکا ہے ۔

کفار جنات کی غذا : کافر جنات کی غذا یہ ہے کہ مردار ہڈی پر گوشت پاتے ہیں تو اسی حرام گوشت کو کھاتے ہیں ۔

ابلیس کی علامات

جب ابلیس کو آسمان سے زمین پر اتارا گیا تو اس کو علم کے بجائے سحر دیا گیا اور اس کی قرائت شعر ۔

درقیامت نرسد شعر بفریاد کسے
گرسراسر سخنش حکمت یونان گردد

ترجمہ ۔ قیامت میں شعر کسی کی فریاد رسی نہ کرے گا اگرچہ سراسر اس کا سخن حکمت ہو۔
اس کی کتابت سوئی سے بدن چھونا اور اس کے اندر سرمہ چھڑکنا اور اس کی غذا ہر مردود ہے اور وہ چیزیں جن پر اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو اور اس کا مسکن حمام اور اس کی نشستگاہ بازار ہیں اور اس کی آواز سرود اور گانے بجانے کے آلات اور اس کی شکارگاہ عورتیں لیکن اس کی اکثر رہائش حمام میں ہوتی ہے ۔ بازاروں میں بعض اوقات آنا جانا ہوتا ہے ۔

فائدہ: جنات میں جو اسلام قبول نہیں کرتا وہ شیطان کی جماعت میں شامل ہے جیسے کہ پہلے مذکور ہوا ۔ انسان العیون میں جنات کی غذا کے متعلق تین اقوال ہیں ۔
(۱) جنات غذا کو چباتے اور نگلتے ہیں اور پانی کو غٹ غٹ کرکے پیتے ہیں ۔
(۲) وہ کھاتے نہیں بلکہ وہ غذا کو سونگھتے ہیں ۔ اس سونگھنے سے ان کی بھوک مٹ جاتی ہے ۔
(۳) جنات کے دو گروہ ہیں ۔ کچھ کھاتے پیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں بلکہ غذا کو سونگھتے ہیں ۔
یہی ان تمام کا خلاصہ ہیں اور آکام المرجان میں ہے کہ عام نصوص میں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کھاتے پیتے ہیں اور رقیق و لطیف اشیاء کھانا پینا مانع نہیں اور ملائکہ لطیف اجسام ہیں وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں ۔ اسی پر جملہ اہل اسلام کا اجماع ہے اور اخبار و احادیث صحیحہ میں بھی اسی طرح وارد ہے اور علماء کرام نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنات کے لئے بھی مبعوث ہوئے اور جنات بھی آپ کی شریعت کے مکلف ہیں ان میں گنہگار بھی ہیں اور نیک بھی اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا اور وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کا قرآن سنا اور وہ آپ کی صحابیت سے مشرف ہوئے اور آپ کی زیارت و صحبت سے شرفیاب ہوئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صحابی بھی تھے (کذا فی شرح النخبۃ لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ: "قالوا" جنات نے اپنی قوم کی طرف رجوع کرکے کہا "یاقومنا انا سمعنا کتابا" اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے ۔
(سوال) انہوں نے سالم قرآن مجید نہیں سنا تھا بلکہ بعض سورتوں کو سنا تھا پھر کتابا

کیوں فرمایا؟
(جواب) کل بول کر جز مراد لینا جائز ہے اس لیے یہاں بھی وہی قاعدہ سمجھیے" انزل من بعد" وہ کتاب نازل ہوئی ہے ''موسیٰ'' موسیٰ علیہ السلام کے بعد۔
(سوال) جنات کو موسیٰ علیہ السلام کا نام لینے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی؟ حالانکہ حضور علیہ السلام سے پہلے تورات موسیٰ علیہ السلام کے بعد انجیل و زبور اتر چکی تھیں۔
(جواب۱) جنات صرف موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے۔
(جواب۲) مفتی سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جنات کا قول ویسے ہے جیسے ورقہ بن نوفل نے کہا ''ھذا الناموس الذی نزل اللہ علی موسیٰ علیہ السلام'' یہ جبریل وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا حالانکہ وہ نصرانی تھا اور نصرانی موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے تھے جو جواب اس ورقہ کے قول کا ہوگا وہی یہاں پہلا جواب تو یہ دیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی چونکہ رسالت محقق تھی اگرچہ لفظاً نصرانی نہیں مانتے تھے لیکن کتاب کی حیثیت سے ضرور مانتے تھے بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے۔ ان کی رسالت کو یہودی نہیں مانتے تھے کیونکہ ان کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں تھا۔ دوسرا جواب یہ کہ نصاریٰ تورات کے بعض احکام کو مانتے تھے اور بوقت ضرورت اس سے تائید حاصل کرتے تھے۔ یہ دونوں وجہیں یہاں جنات کے لئے بھی بیان کی جا سکتی ہیں۔
(جواب۳) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جنات کو عیسیٰ علیہ السلام کا علم نہ تھا اور نہ انہوں نے آپ کا نام سنا تھا۔ (جواب۴) انسان العیون میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اگرچہ انجیل وغیرہ نازل ہوئیں لیکن وہ توراۃ کی مقرر تھی اس کے لئے ناسخ نہیں تھی اس معنے پر جنات نے کہا ''من بعد موسیٰ''۔
(جواب۵) صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ توراۃ ہی وہ پہلی کتاب ہے جو احکام و شرائع پر مشتمل تھی بخلاف باقی دوسری کتابوں کے کہ ان میں احکام و شرائع وغیرہ نہیں تھے وہ صرف ایمان و توحید پر مشتمل تھیں اسی لیے انہیں صحائف کہا جاتا اگرچہ مجازاً گاہ گاہ انہیں کتب کہا جاتا تھا جیسا کہ تیسیر جلیلہ میں اس کی تصریح ہے چونکہ قرآن مجید اور تورات ہر دوتوں ایمان اور احکام و شرائع کے جامع ہیں اس لیے جملہ کتب الٰہیہ کا مجموعہ انہی میں ملتا ہے اس لیے صرف ان دونوں کو حقیقی معنی کے اعتبار سے کتاب کہا جاتا ہے اسی بنا پر ہی جنات نے موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی۔
فائدہ: اس میں موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات اور قرآن مجید کی شرافت و جلالت

شان کا بیان ہے۔
"مصدقا لما بین یدیہ" وہ تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہُوا یعنی یہ قرآن مجید تورات و انجیل و دیگر کتب سماویہ کے موافق ہے جیسے ان میں نبوت و معاد و تطہیر الاخلاق وغیرہ کا بیان ہے۔ اس میں بھی وہی کچھ ہے "یھدی الی الحق" حق یعنی عقائد صحیحہ میں رہبری کرتا ہے "والی طریق مستقیم" اور وہ سیدھے راستے کی راہ دکھاتا ہے ایسا راستہ کہ جس میں ٹیڑھا پن نہیں اس سے شرائع اور اعمال صالحہ مراد ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عطاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید باطن میں حق کی جانب اور ظاہر میں صراط مستقیم کی طرف پہنچاتا ہے۔

"یاقومنا اجیبوا داعی اللّٰہ" اے ہماری قوم اللہ کے داعی کا فرمان مانو۔ داعی اللّٰہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مراد ہیں یا وہ احکامات جو انہوں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنے اس لیے کہ قرآن جیسے ہادی ہے ایسے ہی وہ داعی بھی۔

"وآمنوا بہ یغفرلکم" اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ وہ تمہیں بخش دے گا "من ذنوبکم" تمہارے بعض گناہ۔

(مسئلہ) اس سے وہ گناہ مراد ہیں جو خالص حقوق الٰہیہ سے ہوں ورنہ حقوق العباد ایسے نہیں بخشے جائیں گے جب تک صاحب حق معاف نہ فرمائے یا اسے کسی طریقہ سے راضی نہ کیا جائے۔

(مسئلہ) ذمی اگر مسلمان بھی ہو جائے تو اس سے حقوق اللہ تعالیٰ معاف ہو جائیں گے لیکن حقوق العباد معاف نہ ہوں گے۔ ایسے ہی حربی کا مسئلہ ہے کہ اگرچہ وہ دار الاسلام میں ہر طرح سے با امن ہو جائے گا لیکن حقوق بندگان سے اسے معافی نہیں ملے گی۔

(مسئلہ) کفر اور توبہ کے حقوق شدید ترین امر ہیں۔ قیامت میں یا تو صاحب حق کے گناہ اس کے حقوق کے عوض اس کے سر پر رکھے جائیں گے یا اس کی نیکیاں صاحب حقوق کو دی جائیں گی اور کافر کے لئے کوئی نیکیاں نہیں ہوتیں اور نہ ہی جانوروں کے لیے کوئی گناہ ہوتے ہیں اسی لیے ان کے حقوق کے بجائے عذاب دیا جائے گا "ویجرکم من عذاب الیم" اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔ وہ عذاب جو کافر کے لئے تیار کیا گیا ہے اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔

"ومن لا یجب داعی اللہ فلیس المعجز فی الارض" اور جو اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا یعنی زمین کے کسی کونے میں چلا جائے اللہ تعالیٰ سے نہیں بھاگ سکے گا اگرچہ زمین کے اندر بھی گھس جائے" ولیس لہ من دونہ اولیاء" اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا" اولیاء" جمع کا صیغہ لفظ "من" کے معنی کے لحاظ سے ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نجات دہندہ نہیں خواہ درمیان میں کتنا ہی وسائط و ذرائع لائے جائیں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان خود بخود نجات نہیں پا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو اور اولیاء جمع کا صیغہ مقابلۃ الجمع بالجمع باب سے ہے کیونکہ احاد الی الاحاد کی تقسیم ہوا کرتی ہے۔ "اولئک" یہی لوگ جنہوں نے داعی الی اللہ کی دعوت کو قبول نہ کیا "فی ضلال مبین" کھلی گمراہی میں ہیں یعنی ان کی گمراہی ایسی واضح ہے کہ کسی سے مخفی نہیں اس لیے کہ جو داعی سے روگردانی کرتا ہے اس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ اسے گمراہی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضور علیہ السلام اور ملائکہ کرام

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گذشتہ شب میرے ساتھ ملائکہ کرام کا ایک عجیب معاملہ ہوا وہ اس طرح ہوا کہ ملائکہ کرام میرے گرد جمع ہو گئے یہاں تک کہ کوئی سر کی طرف کھڑے ہو گئے اور کوئی پاؤں کی جانب اور کوئی دائیں اور کوئی بائیں جانب اور آپس میں کہنے لگے کہ آپ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھیں سوتی ہیں لیکن آپ کا قلب مبارک بیدار رہتا ہے اس لیے آپ سمجھنے کی کوشش فرمائیے جو کچھ ہم عرض کریں۔ اس کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی مثال سے واضح کرو ایک نے کہا کہ آپ کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو ایک سرائے بنا کر اپنا داعی بھیجکر لوگوں کو اپنی دعوت کے لئے بلائے تو جو بھی اس کی دعوت قبول کرے گا تو اس کی سرائے میں داخل ہو کر طعام کھائے گا اور جو دعوت قبول نہ کرے گا تو وہ نہ سرائے میں داخل ہو گا اور نہ ہی کچھ کھائے گا ایسے شخص پر مالک ناراض ہو گا۔ یاد رکھیے کہ یہاں داعی سے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں جو بھی آپ کی دعوت قبول کرے گا وہ بہشت میں داخل ہو گا اور جو آپ کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ بہشت میں داخل نہیں ہو گا اور نہ ہی اس کے میوہ جات کھا سکے گا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ ناراض بھی ہو گا۔

(مسئلہ) آیت میں تصریح ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف بھی مبعوث ہوئے ہیں اس طرح سے پہلے کوئی نبی علیہ السلام مبعوث نہیں ہوا جو جن و انس ہر دونوں کے لئے پیغمبر ہوں۔ ہاں سلیمان علیہ السلام جنات پر صرف حکومت کرتے تھے، ان کے لئے نبی نہیں تھے۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنات کے لئے مبعوث نہیں ہوئے امام بیہقی نے شعب الایمان کے باب چہارم میں تصریح فرمائی ہے۔ اور اس کے پندرہویں باب میں بھی یہی لکھا ہے کہ جنات حضور علیہ السلام کی شرح پر عمل کرنے کے مامور نہیں تھے اور امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں اپنے برہان نسفی نے اس قول کا اجماع نقل فرمایا ہے۔

فائدہ: امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں ابن حامد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا اور بعض علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ ملائکہ عبادت کے مکلف نہیں اور نہ ہی انہیں وعد کی ضرورت ہے نہ وعید کی اور وہ انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہیں اور اس پر امت کا اتفاق ہے سوائے ابلیس کے اور ہاروت و ماروت کے کہ وہ معصومیت کے زمرہ میں نہیں یہ اس کے مذہب میں ہے جو انہیں ملائکہ میں شامل کیا ہے۔

تحقیقی مذہب

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ارسلت الی الخلق کافۃ" میں اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوق کا رسول ہوں۔ "الخلق" میں انس و جن کے علاوہ جملہ حیوانات، نباتات اور پتھر شامل ہیں اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خصائص کبریٰ میں اسی مذہب کی ترجیح دی ہے کہ ملائکہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت میں داخل ہیں۔ اور فرمایا کہ میرے سے پہلے امام تقی الدین شیخ سبکی قدس سرہٗ نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا بلکہ انہوں نے تو تمام رسل و انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک مکمل کائنات کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ثابت کیا ہے اور اس مذہب کو بارزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے راجح بتا کر فرمایا کہ نہ صرف جن و انس اور انبیاء و رسل علیہم السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں بلکہ جملہ حیوانات و جمادات بھی آپ کے امتی ہیں بلکہ یوں کہو کہ وہ خود اپنی ذات کے بھی رسول ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(مسئلہ) محدثین کا اختلاف ہے کہ کیا ملائکہ بھی صحابۂ رسول ہیں یا نہ ۔ امام بلقینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملائکہ صحابہ میں داخل نہیں اور دیگر علماء کرام امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح ملائکہ کو صحابہ میں شامل کرتے ہیں لیکن اشکال یہ ہے کہ پہلے تو امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اجماع امت کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملائکہ کی طرف مبعوث نہیں ہوئے پھر وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ملائکہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی ہیں جب وہ سرے سے ملائکہ کو امتی نہیں مانتے تو پھر صحابی کیسے کہہ سکتے ہیں ۔

(مسئلہ) اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اہل ایمان جنات کو نیکیوں کا ثواب ملے گا یا صرف جہنم سے نجات کافی ہے جیساکہ فرمایا "یغفر لکم ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم" یہاں پر ان کے لئے صرف مغفرت اور عذاب نار سے نجات کا وعدہ ہے اور بس ۔ یہی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اعمال صالحہ کا ثواب جنات کو نہیں ملے گا ان کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ انہیں جہنم سے نجات مل جائے ۔ اس کے بعد جیسے جانوروں کا حکم ہے کہ حساب وکتاب کے بعد وہ مٹی ہو جائے یہ بھی مٹی ہو جائیں گے ۔

(مسئلہ) حضرت امام نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر تیسیر میں لکھا کہ اس مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توقف فرمایا ہے ۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بندوں سے جس طرح کا وعدہ فرمایا اس کے مطابق قیامت میں وعدہ پورا فرمائے گا لیکن جنات کے لئے کوئی وعدۂ کرم نہیں سوائے اس کے کہ فرمایا "یغفر لکم ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم" اور صراحت پر قطعی فیصلہ ہوتا ہے لیکن جہاں صراحت نہ ہو وہاں قطعی بات نہیں کہی جا سکتی اس لیے ان کے لئے جنت اور اس کی نعمتوں کے لئے دلیل قطعی چاہیئے اس لیے اس مسئلہ میں بھی توقف ضروری ہے ۔

فائدہ: حضرت مفتی سعدی مرحوم نے فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ نہیں فرماتے بلکہ توقف فرماتے ہیں ۔ قطعی طور نہیں فرمایا کہ جنات کو اعمال صالحہ کا ثواب ملے گا یا نہ جیساکہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا گمان ہے یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنات کے ثواب کی کیفیت غیر معلوم ہے اس کا یہ معنے نہیں کہ سرے سے انہیں ثواب بھی نہیں ملے گا ۔

فائدہ: ہم امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہ اس لیے یونہی کر بیٹھے ہیں کہ

یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے مسلمانوں کو تو جنات النعیم سے حصہ ملے اگرچہ ہم اس کی کیفیت سے بے خبر ہیں ایسے ہی جنات کے اہل اسلام کو جنات النعیم سے بالکلیہ کیسے محروم رکھا جا سکتا ہے ہاں یوں کہا جائے کہ ہم ان کے ثواب کی کیفیت سے بے خبر ہیں اس کی نظیر ملائکہ کرام ہیں ان کو بھی جنت جزا کے طور نہیں بلکہ وہ اس کی نعمتوں سے سرشار ہوں گے اور وہ بھی ان کے حال کے مناسب یہی قول علماء کے اقوال مختلفہ سے صحیح تر ہے۔

(مسئلہ) رویت باری تعالیٰ ملائکہ کرام کو نہیں ہوگی ایک روایت میں جنات کو بھی نہیں (انسان العیون) لیکن تحقیق یہ ہے کہ ملائکہ کو بھی رویت باری تعالیٰ ہوگی لیکن کسی اور جانب سے اور انسانوں کو جانب دیگر جن علماء کرام نے ان سے رویت کی نفی کی ہے تو وہ اس معنے پر ورنہ مطلقاً نفی رویت ناموزوں سی بات ہے اس لیے کہ ملائکہ تو اہل حضور و شہود ہیں انہیں کیسے رویت سے محروم رکھا جائے گا۔ ایسے ہی اہل ایمان جنات کے متعلق سمجھیے یعنی قیامت میں اہل اسلام جنات کو بھی رویت باری تعالیٰ نصیب ہوگی اگرچہ ان کا درجہ انسانوں کے اولیاء کرام سے بہت کم ہوگا بعض علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(مسئلہ) بزازیہ میں ہے کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اہل اسلام جنات کے ثواب میں توقف فرمایا ہے اور اپنے توقف کی استدلال آیہ "ویغفر لکم ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم" فرمایا ہے کیونکہ آیت میں صرف مغفرت اور عذاب جہنم سے نجات کا وعدہ ہے اور بس۔ اور یہ دونوں باتیں ثواب کو متلزم نہیں۔

معتزلہ کا مذہب

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں نیکوں کو نیکی کے ثواب کا وعدہ فرمایا اور اسے اس کا ثواب دینا لازم اور ضروری ہے تو ظالم کو اس کے ظلم یعنی مجرم کو جرم کا عذاب ضروری ہوگا چنانچہ فرمایا "واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا" بہر حال بہت سے ظالم جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

اہلسنت کا جواب

اہلسنت نے اس کا جواب یہ دیا ہے اعمال صالحہ کا ثواب دینا اس کا فضل و احسان ہے۔ اس پر کوئی شے واجب نہیں اور نہ ہی مستحق کے استحقاق کے مطابق جزا دینا اس پر ضروری ہے۔

(سوال) "فبای الآء ربکما تکذبان" کی تصریح سے تو تمہارے مذہب کی تردید ہوتی ہے اس لیے کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنی بہشت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کی تکذیب کا بیان دونوں جن وانس کے لئے اس سے ثابت ہوا کہ جنات کو بھی بہشت کی نعمتیں نصیب ہوں گی۔

(جواب) تم نے ہمارے مذہب کو سمجھا نہیں ہم جنات کے لئے جنت کی نعمتوں کے قائل ہیں لیکن اس کی کیفیت میں توقف کرتے ہیں کہ کیا جنات کو بہشت میں کھانے پینے اور لذائذ نصیب ہوں گے یا ملائکہ کی طرح صرف خدمت۔ زیارتنا۔ اہل جنت وغیرہ پر مامور ہوں گے جیسا کہ " ید خلون من کل باب" میں تصریح ہے کہ ملائکہ بہشت میں ہوں گے ضرور لیکن خدمتِ اہل جنت کے لئے۔ ایسے ہی اہل اسلام جنات کا حال ہوگا یا کیونکہ اس معاملہ میں ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ توقف فرماتے ہیں۔

آخری فیصلہ

صحیح وہ ہے جو بحر العلوم (تفسیر) میں لکھا ہے کہ اہل اسلام جنات کو بہشت میں ثواب ملے گا اور برائیوں کی بھی سزا ملے گی۔ اور بنی آدم کی طرح وہ بھی مکلّف اور احکام شرعیہ کے لئے مامور ہیں جیسا کہ اسی سورہ کے مضمون " ولکل درجات مما عملوا " سے ثابت ہوتا ہے اور یہاں پر مغفرت ذنوب وجہنم سے پناہ پر اقتصار محض ان کی تذکیر کی مناسبت کی وجہ سے ہے اور چونکہ انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈرانے اور وعظ سنانے کے لئے تشریف لائے تھے اس وجہ سے موضوع کے مطابق آیت نازل ہوئی ورنہ اس کا وہ معنی نہیں کہ انہیں کسی نیکی کا ثواب وغیرہ عطا بھی نہ ہو۔ (ھذا ھو الحق)

استدلال دیگر

حضرت حمزہ بن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ کیا جنوں کو بہشت میں ثواب عطا ہوگا آپ نے فرمایا ہاں ضرور عطا ہوگا اس کی دلیل آیت " لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان " ہے۔ بہشت میں انسان عورتیں انسان مردوں کو اور جنی عورتیں جن مسلمانوں کو ملیں گی۔

فائدہ: لفظ طمث سے بہشت کی نعمتوں کا جنات کے لئے استدلال کیا گیا ہے اس لیے کہ حور عین کا ہاتھ لگانا یا اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا بہشت میں ہی ہوگا۔

آکام المرجان کی تحقیق

حضرت سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ نے اپنی کتاب آکام المرجان فی احکام الجان میں لکھا کہ مومن جنات کے بہشت میں داخل ہونے میں اختلاف ہے اور اس کے متعلق چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں :۔

● (۱) جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہل ایمان جنات بہشت میں داخل ہوں گے پھر اختلاف ہے کہ کیا بہشت میں داخل ہو کر نعمتیں کھائیں گے یا نہ ۔ امام ضحاک نے فرمایا کہ وہ کھائیں گے اور پئیں گے۔

● امام مجاہد سے یہی سوال ہوا کہ کیا اہل اسلام جنات بہشت میں داخل ہوں گے اور وہاں کھائیں پئیں گے یا نہ ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے لیکن نہ کھائیں گے نہ پئینگے ہاں انکے قلب پر تسبیح و تہلیل و تقدیس کا القاء ہوگا اس سے وہی لذت پائیں گے جو اہل جنت کو طعام و شراب کی لذت نصیب ہوگی ۔

● اور حارث محاسبی کا مذہب ہے کہ جنات بہشت میں داخل ہوں گے لیکن وہ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے اور ہم انہیں دیکھیں گے یعنی دنیا کے احوال کے برعکس کہ وہ ہمیں دیکھتے ہیں لیکن ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے ۔

● (۲) بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنات بہشت کے ایک کونے میں پڑے ہوں گے انہیں تمام انسان دیکھیں گے لیکن وہ انسانوں کو نہیں دیکھ سکیں گے ۔

● (۳) جنات کو اعراف میں رکھا جائے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اہل ایمان جنات کو ثواب بھی نصیب ہوگا اور عذاب بھی لیکن باوجودیکہ وہ حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہوں گے لیکن بہشت میں نہیں جائینگے بلکہ انہیں اعراف میں رکھا جائے گا اور اعراف بہشت کی دیوار ہے اس میں نہریں بھی جاری ہیں اور اس میں درخت بھی ہیں اور ثمرات بھی ۔ صاحب الفردوس الکبیر نے ذکر فرمایا ہے ۔

فائدہ : امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے۔

اعجوبہ : حدیث شریف میں ہے کہ جنات تین قسم ہیں :۔

(۱) سانپ ۔ بچھو ۔ حشرات الارض کی شکلوں میں ۔

(۲) ہوا کی طرح ہوا میں اڑتے رہتے ہیں ۔

(۳) تیسری قسم جو مشہور ہے انہی پر ثواب بھی ہے اور عذاب بھی ۔

ایسے ہی انسان تین قسم ہیں :۔

(۱) جانوروں کی طرح کما قال اللہ " لھم قلوب لا یفقھون بھا (الی ان قال) اولٰئک کالانعام بل ھم اضل الآیۃ

(۲) ان کے اجسام تو بنی آدم کی طرح ہیں لیکن ان کی ارواح شیطان جیسی ۔

(۳) ایسی پاک جنس جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سایہ میں ہوگی جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا ۔ (رواہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ)

(۴) چوتھا مذہب ہے توقف ۔

چاروں مذاہب مذکورہ کے استدلالات کی تفصیل

مذہب اول کے علماء کا استدلال آیات عامہ کما قال " وازلفت الجنۃ للمتقین" اور حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص " لا الٰہ الا اللہ " کی خالصاً گواہی دے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا تو جیسے ایسے احکام کے مخاطب انسان ہیں ویسے ہی جنات اور وعید کے مخاطب جنات بھی ہیں ۔ اس پر امت کا اجماع ہے تو پھر وعدہ کے مخاطب بھی ان کو ہونا لازمی ہے ۔ ان علماء کی دلیل قوی آیت " ولمن خاف مقام ربہ جنتان" ہے ایسے ہی سورۂ رحمٰن شریف کے آخر تک اس لیے کہ اس آیت میں خطاب ہر دونوں (انس و جن) کو ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کی منت دونوں گروہوں پر ظاہر فرمائی ہے اور ہر دونوں کو بہشت کی نعمتوں کی وصف سنائی اور دونوں کو ان کا شوق دلایا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نعمتوں کے احسان کا اظہار دونوں گروہوں سے ہے تو دونوں گروہ بہشت میں جائیں گے بشرطیکہ مومن ہوں ۔ نیز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اے میرے صحابیو تمہارے سے تو جن بھی بہتر ہیں کہ جب میں نے ان میں سورۂ رحمٰن پڑھی تو وہ مجھے احسن طریقہ سے جواب دیتے تھے چنانچہ کہا " ولا بشیءٍ من اٰلائک ربنا نکذب" اے اللہ ہم تیری کسی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے ۔

دوسرا مذہب ابن حزم کا ہے اور اس نے آیت " اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ " الآیہ سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت میں مطلقاً ہر مومن کا ذکر فرما کر ان سے بہشت اور اس کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے اور عموم میں ہم اپنے طور کیسے خاص کریں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس نے حکم تو عام فرمایا ہے لیکن جنات مراد

نہیں یہ کہنا بھی ناموزوں ہے فلہذا ماننا پڑے گا کہ جنات بھی بنی آدم اہل ایمان کی طرح نعمتوں سے سرشار ہوں گے۔

تیسرے مذہب والوں نے اپنی دلیل طمث پر اکتفا کیا۔

چوتھے مذہب والوں کا استدلال مندرجہ ذیل ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی مخلوق پیدا فرمائی :۔

(۱) کلھم بہشتی ۔

(۲) کلھم دوزخی جیسے شیطان ۔

(۳) وہ لوگ جو بہشت میں ہوں گے وہ انسان بھی ہوں گے اور جن بھی ۔

(۴) ایسے ہی دوزخیوں کے لئے یہی ہوگا کہ ان میں بعض انسان ہیں اور بعض جن ۔

پانچواں ایک اور مذہب بھی ہے جس کی عقل سے تائید ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں اسے مانا جائے ۔ وہ یہ کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جو بھی ایمان لائے گا وہ ضرور بہشت میں جائے گا اس وعدۂ کرم کے بعد عقل نہیں مانتی کہ ہم جنات کو بہشت کا نہ مانیں کیونکہ اس کریم کے وعدہ کریمہ کے منافی ہوتا ہے ۔

(سوال) ملائکہ میں سے ایک نے کہا " انی الہ من دون اللہ " تو اسے دوزخی ہونے کا فرمایا حالانکہ ملائکہ کو دوزخی کہنے کا کیا معنے ۔

(جواب) اس سے ابلیس مراد ہے جس نے اپنے لیے الوہیت کا دعویٰ کیا اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ومن یقل منہم انی الہ من دونہ فذلک نجزیہ جھنم " اگر ہم اسے ملائکہ سے بھی نہ مانیں تب بھی آیت میں شرط ہے اور یہ ضروری نہیں کہ شرط کا وقوع ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " لئن اشرکت لیحبطن الخ دوسرے گروہ نے فرمایا کہ جب ان کے لئے بہشت کے داخلہ کا ذکر نہیں فرمایا تو وہ بہشت میں داخل ہوں گے ۔

(جواب) یہ کہاں کا اصول ہے کہ جہاں شے کا ذکر نہ ہو یا کسی کو اس کا علم نہ ہو تو وہ شے سرے سے ہو بھی نہ

(دوسری دلیل) " ولوا الی قومہم منذرین " سے معلوم ہوا کہ وہ قوم میں جا کر ڈرانے پر مامور ہوئے اگر وہ بہشت میں داخل ہو سکتے تھے تو انہیں بشارت بھی سنائی جاتی ۔

(جواب) چونکہ وہ مقام مقام انذار تھا اس لیے انذار کا ذکر ہوا ورنہ بشارت کی نفی ضروری

نہیں کیونکہ سابق انبیاء علیہم السلام بھی تو اپنی امتوں کو صرف انذار فرماتے اگر صرف انذار کا ذکر بشارت بہشت کی نفی کرتا ہے تو پھر پچھلی امتوں کے لئے بہشت میں داخلہ کی نفی کرنی پڑے گی انبیاء علیہم السلام کی تقریریں ملاحظہ ہوں:۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: "انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم" اور ہود علیہ السلام نے فرمایا: "عذاب یوم عظیم" اور شعیب علیہ السلام نے فرمایا: "عذاب یوم محیط" وغیرہ وغیرہ۔

بلکہ اس آیت "یغفرلکم" الخ سے ان کا بہشتی ہونا ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ جس کے گناہ مغفور ہوگئے اور اسے عذاب سے محفوظ رکھا گیا تو لازماً وہ بہشتی ہو اس لیے کہ جب وہ شرائع کا مکلف ہوا اور وہ انہیں بجالائے تو یقیناً اس کو بہشت عطا ہو۔

قول ثالث و رابع کی دلیلیں پہلے مذکور ہوئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تفسیر عالمانہ: "اولم یروا" ہمزہ انکاری اور واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے یہاں پر رؤیت قلبی مراد ہے یعنی کیا انہوں نے تفکر نہ کیا اور مشاہدہ وعیان سے انہیں یقینی علم نہیں ہوا "ان اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض" بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا فرمائے اور ابتداءً ہی ایسے پیدا فرمائے ان کی کوئی مثال پہلے نہیں تھی "ولم یعی بخلقھن" اور وہ ان کی تخلیق سے تھکا نہیں اور نہ ہی اسے اس سے کسی قسم کی تکلیف ہوئی اور نہ ہی وہ اس سے عاجز ہے۔

(حل لغات) یہ "عییتُ بالامر" سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو معاملہ کی وجہ معلوم نہ ہو اور اعییت بمعنی تعبت یعنی میں تھک گیا۔ القاموس میں ہے اعیی الماشی بمعنی کل یعنی چلنے والا تھک گیا۔ اور تاج المصادر میں ہے کہ یہ علم (بکسر العین) کے باب سے ہے یعنی عاجز ہوجانا عیَ وعیّ اس کا صیغہ صفت عیی بروزن فعیل آتا ہے اور وعی (بالفتح) یعنی ضرب کے باب پر بھی آتا ہے۔ "الاعیا" بمعنی عاجز ہونا اور عاجز کرنا۔ اور کہا جاتا ہے "اعیی علیہ الامر" اسے معاملہ نے عاجز کردیا۔

کسائی نحوی کی تعلیم کا موجب

منقول ہے کہ امام کسائی نے نحو کا فن بڑھاپے میں پڑھا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دن وہ کہیں جارہے تھے چلتے چلتے تھک کر ایک مقام پہ آرام کے لئے بیٹھے اور کہا "عییت"

(بالتشدید) غلطی یہ کی کہ افعال ہمزہ کے بجائے باب تفعیل پڑھا تو انہوں نے کہا بابا تو ہماری مجلس سے اٹھ جا اس لیے کہ تو غلط بولتا ہے۔ امام کسائیؒ نے کہا تو پھر کس طرح کہنا چاہیے تھا انہوں نے کہا اگر تو تعب (تھکان) مراد لیتا ہے تو تمہیں "اعییت" کہنا تھا اگر انقطاع حیلہ و تعجیز مطلوب ہے تو "عییت" (مخفف کرکے) کہنا تھا۔ کسائی اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور ان سے پوچھا کہ یہ علم مجھے کس سے حاصل کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا "زید" سے چنانچہ ایک عرصہ تک زید سے پڑھتے رہے پھر خلیل بن احمد کے ہاں جاکر تکمیل کی۔

فائدہ: فقیر حقی (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہاں پر عیّ سے لغوب مراد ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں دوسرے مقام یہ فرمایا: "ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض ومابینھما فی ستۃ ایام ومامسنا فی اللغوب" اور قرآن مجید کی آیات ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں اور "اعیاء" اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے اس لیے کہ یہ ضعف و فساد کا مقتضی ہے "بقادر" یہ ان کی خبر ہے ان کی خبر پر باء کا داخل ہونا دلالت کرتا ہے کہ ان اور اس کے مدخول پر نفی اثر انداز ہے اب معنے یہ ہوا کہ "الیس اللہ بقادر علے ان یحی الموتی" کیا اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرنے پہ قادر نہیں ؟ اس کے جواب میں فرمایا "بلیٰ انہ علی کل شیٔ قدیر" ہاں وہ ہرشے پہ قادر ہے۔ علیٰ وجہ العموم اس کی قدرت کی تقریر کرتا ہے گویا وہ دعویٰ تھا یہ اس کی دلیل ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ ہرشے پہ قادر ہے تو وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے کیونکہ مُردے بھی شیٔ من الاشیاء ہیں اور یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بعض مقدور سے متعلق ہو اور بعض سے نہ ہو۔ اور لفظ بلیٰ کا قاعدہ ہے کہ نفی پر داخل ہو کر نفی کا ابطال کرتی ہے جیسا کہ مشہور ہے اور رضی سے منقول ہے کہ یہ کبھی ایجاب کا فائدہ دیتا ہے" ویوم یعرض الذین کفروا علی النار" اور اس دن کہ کافروں کو دوزخ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے یعنی دوزخ میں انہیں عذاب کیا جائے گا جیسا کہ اسی سورت میں گذرا اور یوم ظرف ہے اس کا عامل مقدر ہے دراصل "یقال لھم یومئذ" تھا یعنی اس دن انہیں کہا جائے گا "الیس ھذا" کیا یہ وہی عذاب نہیں جسے تم دیکھ رہے ہو "بالحق" یعنی وہ عذاب حق ہے جسے تم جھٹلاتے تھے اس میں انہیں تہکم و توبیخ ہے یعنی جسے انہیں استہزاء کیا تھا ایسے ہی ان کے ساتھ بطور تہکم و توبیخ فرمایا جائے گا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے وعد و وعید کے متعلق کہا تھا "ومانحن بمعذبین قالوا بلیٰ" کافر کہیں گے ہاں واقعی یہی حق ہے "وربنا" بخدا وہی ہمارا پروردگار ہے۔

اسے قسم سے اس لیے موکد کیا کہ انھوں نے اپنی خلاص کی امید ہوگی یعنی خیال کرتے ہوں گے کہ جیسے ہم دنیا میں حق کا اعتراف کرکے نقصان سے بچ جاتے تھے ایسے ہی یہاں بھی چھٹکارا پا جائیں گے لیکن یہ ان کا خیال غلط ہے "قال" اللہ تعالیٰ یا دوزخ کا داروغہ فرمائے گا "فذوقوا العذاب" عذاب چکھو یعنی عذاب کو اسی طرح محسوس کرو جیسے کوئی چکھنے والا شے کا احساس کرتا ہے" "بما کنتم تکفرون" بوجہ اس کے کہ تم دنیا میں کفر کرتے تھے" یہ باء سببیہ ہے۔ یہ امر ان کی اہانت اور توبیخ کے لئے ہے یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے وعدو وعید کی تکذیب اور انکار وکفر کی وجہ سے زجر و توبیخ کیا جائے گا۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا امر کو زجر و توبیخ سے کوئی تعلق نہیں ہاں ہم نے زجر و توبیخ "بما کنتم تکفرون" سے سمجھا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں وہ بعد و فراق کے عذاب میں معذب تھے جو انہوں نے کمالات کو قبول کرنے اور قربات کو پہنچنے کی استعداد فاسد کرتے تھے لیکن حواس ظاہرہ کے غلبہ اور حواس باطنہ کے کند ہونے کی وجہ سے دنیا میں عذاب کی کڑواہٹ اور اس کی گرمی کو محسوس نہیں کرتے تھے جیسے نیند والا چیونٹی اور مچھر وغیرہ کے کاٹنے کو محسوس نہیں کرتا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ تمام لوگ نیند میں اس وقت جاگیں گے جب فوت ہوں گے۔

فائدہ: موت واقع ہوگی اس میں کسی کو شک نہیں ایسے ہی موت کے بعد زندہ ہونے کے متعلق شک نہیں اگر منکر انکار کرتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ اس کی جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیند سے جاگنے کو موت سے اٹھنے سے تعبیر کیا ہے اسی لیے وارد ہے کہ نیند موت کی مانند ہے۔

فائدہ: حیات کی اقسام:۔

(۱) حیات فی القبور، اس وقت انسان میں روح پھونکی جائے گی۔

(۲) حیاۃ فی القبور، اس وقت اسرافیل صور پھونکیں گے۔

(۳) حیات فی القلوب، یہ حیات فیض روحانی سے عطا ہوتی ہے۔

(۴) حیاۃ الارواح، یہ حیات سرِ ربانی سے نصیب ہوتی ہے۔

روحانی و جسمانی عذاب سے دخول جنت سے چھٹکارا ہوگا۔ وہ بھی وصل الٰہی ربانی

کی وجہ سے لیکن وصالِ حق ریاضات و مجاہدات سے نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ جنت کو تکالیف سے گھیرا کیا گیا ہے۔

حکایت رابعہ بصریہ

منقول ہے کہ ایک دن حضرت حسن بصری و حضرت مالک بن دینار اور حضرت شفیق بلخی رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ بی بی صاحبہ اس وقت بیمار تھیں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا وہ شخص اپنے دعویٰ میں ہرگز سچا نہیں ہوسکتا جو اپنے مالک و مولیٰ کے طمانچہ مارنے پر صبر نہیں کرتا۔ حضرت شفیق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں صادق نہیں ہوسکتا جو اپنے مولیٰ کی مار پر شکر نہیں کرتا اور حضرت مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا نہیں ہوسکتا جو اپنے مولیٰ کے مارنے سے لذت محسوس نہیں کرتا۔ حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی کہ آپ بھی کچھ فرمائیے، بی بی نے فرمایا کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا نہیں جو مشاہدہ حق میں اپنے مولیٰ کی ضرب کو نہیں بھلاتا اور اس پر تعجب بھی نہیں کرتا اس لیے کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مشاہدہ سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے لیکن درد محسوس نہ پایا اگر کوئی شخص ذاتِ حق کے مشاہدہ پر درد محسوس کرتا ہے تو اس پر حیف ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے دعویٰ یعنی طلبِ حق میں سچا ہے وہ اپنی تمام مصیبتوں سے نہیں گھبراتا وہ وہی چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے ؎

عاشقانرا کہ در آتش می نشاند قہر دوست
تنگ چشم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ ۔ عاشق کو قہرِ دوست کا آگ میں بٹھانے میں تنگ نظر ہوں گا اگرچہ چشمۂ کوثر کو دیکھوں۔

سبق: صادق کی علامت یہ ہے کہ وہ دنیا میں نارِ مجاہدہ میں نفس کو عذاب میں ڈالتا ہے بلکہ وہ اپنے نفس کو نارِ کبریٰ یعنی نارِ عشق و محبت میں بالکل جلادے جس کا وجود نارِ عشق سے صاف تھرا ہوگیا وہ آخرت میں نارِ جہنم سے محفوظ ہوگا اور اس کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے۔ (منہ العون والامداد)

تفسیر عالمانہ: "فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل" اور اسی طرح صبر کیجیے جیسے انبیاء و رسل کرام علیہم السلام نے صبر کیا۔ یہ فاء شرطِ محذوف کی جزا ہے۔

(**حل لغات**) العزم لغت میں بمعنی جد و جہد اور وہ قصد جس میں یقین ہو یعنے جب

کافروں کا یہی انجام بکار ہے جو مذکور ہوا ہے تو جو کچھ آپ کو ان کی طرف سے مصائب و تکالیف پہنچتی ہیں اس پر صبر کیجیے اسی طرح جیسے اولوا العزم رسل کرام علیہم السلام نے صبر کیا کیونکہ آپ بھی ان کی طرح اولوا العزم ہیں بلکہ آپ ان سے اعلیٰ و افضل ہے اس معنے پر یہ تبیین کا ہے اس لیے کہ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام اولوا العزم تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصائب و تکالیف نازل ہوتے انہیں بطیب خاطر سر پہ اٹھا لیتے تھے ۔

فائدہ: تکملہ میں ہے کہ اس طرح کہنا مناسب نہیں اس لیے کہ یہ آیت کی تخصیص کے خلاف ہے حالانکہ یہاں تخصیص مراد ہے یعنی مخصوص رسل کرام مراد ہیں ۔ بعض نے کہا کہ یہ من تبعیضیہ ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام دو قسم ہیں :-

(۱) اولوا العزم ۔

(۲) غیر اولوا العزم ۔ اس لیے کہ اولوا العزم سے وہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام مراد ہیں جو اصحاب شرائع تھے جنہوں نے احکام شرعیہ کو مضبوط اور پختہ کرنے میں جد و جہد کی اور مخالفین کی عداوت و دشمنی پر صبر کیا۔ ان کے چند مشاہیر یہ ہیں : ۔

(۱) نوح

(۲) ابراہیم

(۳) موسیٰ

(۴) عیسیٰ ۔ علیہم السلام ۔ بعض شعراء نے انہیں نظم کیا ۔

اولوا العزم نوح والخلیل بن آزر
وموسیٰ وعیسیٰ والحبیب محمد

ترجمہ ۔ اولوا العزم نوح اور خلیل بن آزر اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔

فائدہ: الاسئلۃ المقحمہ یہ قول ہی صحیح ہے بعض نے کہا کہ اولوا العزم وہ پیغمبر علیہم السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکالیف و مصائب پر صبر کریں جیسے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اذیت پر صبر کیا چنانچہ مروی ہے کہ نوح علیہ السلام کو قوم اتنا مارتی تھی کہ آپ بیہوش ہو جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نارِ نمرود اور اپنے بیٹے کے ذبح پر اور اسماعیل علیہ السلام نے ذبح ہونے پر اور یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادے کی گمشدگی اور یوسف علیہ السلام نے کنوئیں اور

قید کی تکلیف پر اور ایوب علیہ السلام نے ضرر رسانی پر۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی تکالیف پر صبر کیا جب انہوں نے کہا ”انا لمدرکون“ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا ”ان معی ربی سیھدین“ اور یونس علیہ السلام نے بطنِ حوت میں صبر کیا اور داؤد علیہ السلام اپنی لغزش پر چالیس سال روتے رہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مکان کے بغیر زندگی بسر کی اور فرماتے تھے کہ دنیا گناہ گاہ ہے اس سے گذر جاؤ یہاں مکان بنانے کی ضرورت نہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جملہ انبیاء علیہم السلام اولوا العزم تھے سوائے یونس علیہ السلام کے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیے بغیر قوم سے چلے گئے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرمایا۔ ”ولا تکن کصاحب الحوت“ اور آدم علیہ السلام بھی اولوا العزم میں شامل نہیں کما قال اللہ ”ولقد عھدنا الی اٰدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما“ اور حواشی ابن الشیخ آدم علیہ السلام کو اولوا العزم میں شامل نہ کرکے اس آیت کو دلیل بنانا صحیح نہیں اس لیے کہ آیت کا یہ معنےٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کا ارادہ اپنے خلاف نہیں پایا اور یونس علیہ السلام کو بھی اولوا العزم میں شامل نہ کرنا ناموزوں ہے اس لیے کہ ان کا قوم سے چلا جانا بے صبری نہیں تھا بلکہ عذاب الٰہی سے بچنے کی وجہ سے تھا۔ ان ہر ایک کے دلائل پر اعتراضات ہیں جیسا کہ اہل فہم پر روشن ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ وہ بارہ انبیاء علیہم السلام ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے جو اس وقت شام میں مقیم تھے بنی اسرائیل نے انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ہاں پیغام عذاب بھیجا انبیاء علیہم السلام پر شاق گذرا کہ امت پر عذاب نازل ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تم پر عذاب نازل ہو اور بنی اسرائیل بچ جائیں۔ چاہو تو تمہیں نجات ہو جائے اور قوم پر عذاب نازل۔ انبیاء علیہم السلام نے آپس میں مشورہ کیا سب نے طے کیا کہ بنی اسرائیل کو نجات مل جائے اور وہی عذاب ہم پر نازل ہو ان پر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرمایا اور بنی اسرائیل کو زمین کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ ان انبیاء علیہم السلام میں بعض کو آرے سے چیرا گیا اور بعض کے سر اور چہرے کا چمڑہ ادھیڑا گیا اور بعض کو سولی پر چڑھایا گیا، بعض کو آگ میں جلایا گیا وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم واحکم۔

فیصلہ: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ جس پر بھی اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی وہی صاحبِ فضیلت ہے البتہ وہ ایک دوسرے پر بعض خصائص سے فضیلت رکھتے ہیں

اگرچہ وہ اصل وحی و نبوت میں متساوی ہیں کما قال اللہ "تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض" ایسے ہی ان کی آزمائشوں میں فرق تھا کہ بعض کو بہت زیادہ تکالیف و مصائب پہنچے بعض کو تھوڑے بہرحال تکالیف و مشقات میں ہر ایک نبی علیہ السلام مبتلا ہوا اس لیے کہ دعوت الٰہی کا دارومدار بھی ابتلاء پر ہے۔ اسی معنے پر سب کے سب اولوا العزم تھے۔ بعض اعلیٰ تھے بعض ان سے کم۔ یہ قاعدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں اعلیٰ مرتبہ والے اولوا العزم ہیں ان کے بعد رسل کرام ان کے بعد انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام سے افضل و اعلیٰ ہیں جیسا کہ "وانک لعلیٰ خلق عظیم" سے معلوم ہوتا ہے اور خلق عظیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس میں شدتِ ابتلاء و آزمائش کا ہونا ضروری ہے اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جتنا مجھے ایذاء دیا گیا ہے اتنا کسی کو نہیں دیا گیا اسی لیے عزم عزم میں فرق ہے اور "ولا تکن کصاحب الحوت" مچھلی والے کی طرح نہ ہو۔ اور "اذ ذھب مغاضبا" ہر دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ یونس علیہ السلام سے کچھ نہ کچھ بے صبری ہوئی ایسے ہی یوسف علیہ السلام کا قول "فاسئلہ مابال النسوۃ" بھی دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی صفائی کے لئے فرما ہی دیا ایسے ہی لوط علیہ السلام کا قول "لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید" بھی دلالت کرتا ہے کہ ان کے ذہن سے یہ بات اتر گئی کہ ان کے رکن شدید تو اللہ تعالیٰ ہیں تو پھر غیر کو رکن شدید تصور کرنے کا کیا معنے ایسے ہی عزیر علیہ السلام کا قول "انٰی یحیی ھذہ اللہ بعد موتہا" وغیرہ وغیرہ۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام مراتب ابتلاء و درجات، معارف اور طبقات عزم میں مختلف ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اولوا العزم وہ ہے جس کے ارادہ میں فسخ نہ ہو یعنی جو ارادہ کرے اس پہ ڈٹ جائے اور اپنے مطالبہ کو پورا کر کے سانس لے۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ مرتبہ کیسے پایا۔ انہوں نے فرمایا، عزیمت کاملین کی پیروی سے۔

"ولا تستعجل لہم" اور کفار مکہ کے عذاب کے لئے عجلت نہ کیجیے کیونکہ وہ خود ایسے کردار ادا کر رہے ہیں یعنی تمتعات حیوانیہ کی استعداد پیدا کر کے عذاب الیم میں خود بخود مبتلا ہوں گے ہم انہیں اسی لیے مہلت دے رہا ہوں تاکہ وہ خود ہی عذاب کے لئے مستعد ہوں۔ گویا جو لوگ ارشاداتِ الٰہیہ سے روگردانی کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ عذاب کی مہلت دے کر بالآخر انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اسی لیے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک عجلت عذاب اور صبر سے روکا "کانہم یوم یرون ما یوعدون" گویا اس دن جبکہ جس سے ڈرائے جا رہے ہیں

یعنی عذاب کو دیکھیں گے" لم یلبثوا" دنیا اور ان کے نفع پانے میں نہیں ٹھہرے۔ "الاساعۃ"
مگر تھوڑی دیر یعنی معمولی سے چند لمحات "من نھار" دن کے جبکہ وہ شدتِ عذاب اور اس
کی طویل مدت کو دیکھیں گے۔ بعض انہیں عذاب کی شدت دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کو بھلا دے
گی اگرچہ دنیا میں بہت لمبی مدت گذار کر مرے ہوں گے لیکن آخرت کی مدت کے مقابلے میں وہ
مدت انہیں ذرہ برابر محسوس ہو گی بلکہ وہ دنیوی مدت اخروی مدت کے بالمقابل کالعدم
متصور ہو گی خلاصہ یہ کہ جسمانی متنعمات روحانی عذاب کا سبب بنتے ہیں ایسے ہی برزخ اور
قیامت میں جسمانی عذاب کا سبب بھی یہی ہیں ؎

غبار قافلہ چوں نمایاں نیست
دو اسپہ رفتن لیل و نہار را دریاب

ترجمہ۔ جب قافلہ کا غبار نمایاں ہو تو رات دن کے جانے دو اسپہ (جانے والوں کو
حاصل کرو)

"بلاغ" یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یہ وہ ہے جس کے لئے تمہیں وعظ کیا گیا ہے۔
پند و نصیحت کافی ہے کیونکہ نا اہلوں کو مار کر سیدھا کیا جاتا ہے اور سمجھداروں کو اشارہ
کافی ہوتا ہے۔

"فھل یھلک" اس عذاب سے جو ان پر واقع ہو گا نہیں تباہ و برباد ہوں گے
"الا القوم الفاسقون" مگر وہ قوم جو فاسق ہے یعنی جو لوگ طاعت الٰہی سے دور اور
خارج ہیں اور پند و نصیحت قبول نہیں کرتے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض اہل تاویل نے کہا کہ فاسقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو طلب
ماسواء اللہ میں اللہ تعالیٰ کی طلب کے عزم سے خارج ہیں۔ اس
نصیحت کرنے میں وعید ہے۔

تیسیر الولادت کا تعویذ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کو بچہ جننا مشکل ہو جائے تو
پاک صاف برتن پر یہ آیات لکھی جائیں[1]۔

---

[1] تفصیل فقیر اویسی کے مجربات میں دیکھیے۔

(۱) کانہم یوم یرون مایوعدون الخ

(۲) کانہم یوم یرونہا الخ

(۳) کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب ۔ ان آیات کو دھو کر تھوڑا سا اس عورت کو پلایا جائے اور اسی پانی سے اس کے پیٹ اور فرج پر چھڑکا جائے ۔ (بحر العلوم)

تیسیر الولادت کا دوسرا عمل : عین المعانی میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس عورت پر بچہ جننا مشکل ہو جائے اس کے لئے مندرجہ ذیل دو آیتیں پیالہ پر لکھ کر عورت کو پلائی جائیں اور وہ دو آیات مع بسم اللہ یہ ہیں :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الہ الا اللہ الحکیم الکریم لا الہ الا اللہ العلی العظیم سبحان اللہ رب السمٰوٰت السبع و رب العرش العظیم ۔ کانھم یوم یرون مایوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار فھل یھلک الا القوم الفاسقون کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاہا ۔

تیسرا عمل برائے تیسیر الولادت : شرعۃ الاسلام میں ہے کہ جب عورت پر بچہ جننا مشکل ہو جائے تو اس کے لئے سفید شیشہ یا سونے کے پیالے میں مندرجہ ذیل دُعا لکھ کر پانی سے دھو کر پلائی جائے۔

بسم اللہ الذی لا الہ الا ھو العلیم الحکیم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العٰلمین کانھم یوم یرون الخ

حکایت عیسیٰ علیہ السلام اور تیسیر الولادت کا چوتھا عمل : حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ایک گائے سے گذر ہُوا وہ گائے دردِ زہ میں مبتلا تھی اس نے عرض کی اے کلمۃ اللہ! میرے لئے دعا فرمایئے تاکہ میں اس درد سے نجات پاؤں ، عیسیٰ علیہ السلام نے مندرجہ ذیل دعا پڑھی :۔ "یاخالق النفس من النفس خلّصھا" عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے گائے نے بچہ جنا ۔ یہ دعا عورت کی عسر ولادت ایسے ہی ہر جانور گھوڑی گائے وغیرہما کے لئے لکھی جاسکتی ہے ۔

تعویذ لکھنے کے دلائل

آکام المرجان میں ہے کہ ہر طرح کی بیماری کے لئے سیاہی سے آیاتِ قرآنی لکھنا جائز ہے اور اس کو دھو کر پلانا بھی جائز ہے ۔ امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے جواز پر نص فرمائی ہے ۔

(مسئلہ) اُن تعویذات وغیرہ کے لکھنے سے احتراز کیا جائے جن کے معانی معلوم نہ ہوں اور نہ ہی وہ جو مختلف ادیان کی مختلف زبانوں میں سے ہوں اِس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ کفر یہ کلمات

ہوں۔

(مسئلہ) تعویذات خون اور ایسے ہی نجس چیزوں سے تعویذ لکھنا حرام بلکہ کفر ہے اسی طرح قرآن مجید کی آیات کا الٹا پڑھنا اور ان کے حروف کو الٹا لکھنا وغیرہ۔

فائدہ: قرآن مجید کے لطائف میں سے ہے کہ سورت کو عذاب شدید کے ذکر پر ختم کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ عذاب کفار و مشرکین کو ہوگا۔

سُورۃ محمّد

سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا دوسرا نام قتال بھی ہے اور یہ سورۃ مدنیہ ہے۔ بعض کے نزدیک مکیہ ہے۔ اس کی انتالیس یا اڑتیس آیات ہیں۔

رُكُوعَاتُهَا ٤	(٤٧) سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ (٩٥)	آيَاتُهَا ٣٨

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا
الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً
حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا
بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ
وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا
اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ز وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ○
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحیم والا۔
”جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے عمل برباد کئے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور اس پر ایمان لائے جو محمد پر اتارا گیا اور وہی ان کے رب کے پاس سے حق ہے اللہ نے ان کی برائیاں اتار دیں اور ان کی حالتیں سنوار دیں۔ یہ اس لئے کہ کافر باطل کے پیرو ہوئے اور ایمان والوں نے حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے ہے اللہ لوگوں سے ان کے احوال یونہی بیان فرماتا ہے تو جب کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو مضبوط باندھو پھر اس کے بعد چاہے احسان کر کے چھوڑ دو چاہے فدیہ لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے بات یہ ہے اور اللہ چاہتا تو آپ ہی ان سے بدلہ لیتا مگر اس لئے کہ تم میں ایک کو دوسرے سے جانچے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہ فرمائے گا جلد انہیں راہ دے گا اور ان کا کام بنا دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا انہیں اس کی پہچان کرا دی ہے اے ایمان والو اگر تم دین خدا کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا اور جنہوں نے کفر کیا تو ان پر تباہی پڑے اور اللہ ان کے اعمال برباد کرے یہ اس لئے کہ انہیں ناگوار ہوا جو اللہ نے اتارا تو اللہ نے ان کا کیا دھرا اکارت کیا تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے ان سے اگلوں کا کیسا انجام ہوا اللہ نے ان پر تباہی ڈالی اور ان کافروں کے لئے بھی ویسی کتنی ہی ہیں یہ اس لئے کہ مسلمانوں کا مولیٰ اللہ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔“

تفسیر عالمانہ : ”اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ“ وہ لوگ جو کافر ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی اسلام اور طریق حق سے منہ موڑا یہ ”صد صد ودًا“ سے مشتق ہے یہ اپنے ماقبل کی تاکید و تفسیر ہے یا صَدَّ صَدًّا سے ہے بمعنی وہ لوگ جنہوں نے عوام کو اسلام سے روکا جیسے یوم بدر میں کافروں نے بہت سے لوگوں کو طمع و لالچ میں پھنسا کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی عداوت اور دشمنی پہ ابھارا۔ اس معنے پر یہ ”الذین کفروا“ عموم کے لئے مخصص ہوگا لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ہر کافر اور راہ حق سے روکنے والے کے لئے عام ہے ”اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ“ اللہ تعالیٰ نے ان کے

اعمال کو ایسا ضائع اور باطل فرمایا کہ ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔ اس کا یہ معنےٰ نہیں کہ وہ ان کے اعمال کا کوئی وجود تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مٹایا بلکہ اس کا معنےٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نیک عمل و باطل کو ضائع فرمایا۔ انہوں نے جتنی نیکیاں کیں مثلاً صلہ رحمی، مہمان نوازی، قیدی آزاد کرنے و دیگر اچھے اعمال سب بیکار گئے اس لیے کہ ان کے اعمال کے وقت ایمان نہیں تھا اور اعمال کی عدم قبولیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت اور اہل اسلام کے ساتھ بغض کی وجہ سے ہے۔ یہ تفسیر "فتعسالھم واضل اعمالھم" کے موافق رہے ہے۔

"وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور یہ آیت ہر مومن اور ہر نیک عمل والے مہاجرین و اہل کتاب وغیرہم کو عام ہے ایسے ہی جملہ کتب الٰہیہ پر ایمان لانے کے اعتبار سے بھی عام ہے "وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ" اور ایمان لائے ساتھ اس کے جو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہُوا۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیوں مخصوص کیا گیا حالانکہ پہلے جملہ میں آپ پر ایمان کا ذکر ہو چکا ہے۔

جواب: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت شان اور آپ پر نازل شدہ کتاب کی بزرگی کی اہمیت کا اظہار مطلوب ہے جیسے ملائکہ کے ذکر کے بعد جبریل علیہ السلام کے ذکر میں ان کی عظمت کا اظہار مطلوب ہے اس معنے پر قرآن پاک پر ایمان لانے کی تاکید ہے اس لیے کہ بہ نسبت دوسری کتب کے اس پر ایمان لانا اصل ہے اسی لیے مؤکد فرمایا۔

"وَهُوَ" اور وہ جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا "الْحَقُّ" حق ہے "مِنْ رَّبِّهِمْ" درانحالیکہ وہ ان کے رب تعالیٰ سے ہے اس طرح سے قرآن میں حقیت کی حصر ثابت ہوئی اور حق باطل کا بالمقابل ہے "كَفَّرَ عَنْهُمْ" اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے "سَيِّاٰتِهِمْ" ان کے گناہ یعنی ایمان و عمل صالح کی وجہ سے ان کے گناہوں کو چھپایا۔

"وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ" اور ان کے دینی دنیوی احوال کو ہمیشہ کے لئے سنوارا اور نیکی کی توفیق بخشی۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ "البال" یعنی وہ شے جس کی پرواہ کی جائے اسی لیے کہا جاتا ہے "ما بالیت بکذا" میں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اور کبھی اس حال کو بال سے تعبیر کرتے ہیں جس پر انسان وقت بسر کرے۔

اسی لیے کہا جاتا ہے "ما خطر ببالی" یعنی میرے دل میں ایسے ہی کھٹکا۔

القاموس میں ہے کہ "البال" بمعنی الحال "ذٰلِكَ" یہ اشارہ اضلال اعمال وتکفیر السیات و اصلاح البال کی طرف ہے یہ مبتدا اور اس کی خبر "بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ہے یعنی یہ بسبب اس کے ہے کہ بیشک کافروں نے "اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ" باطل یعنی شیطان کی اتباع کر کے وہی کیا جو سب کو معلوم ہے یعنی کفر اور راہ حق سے اہل اسلام کو روکا ضلال مذکور کی سببیت کا بیان مسببیت کے بیان کو متضمن ہے اس لیے کہ ان امور کی اتباع کا اصل وہی شیطان ہے" وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اور بسبب اس کے کہ اہل ایمان نے اتَّبَعُوا الْحَقَّ" حق کا اتباع کیا یعنی وہ حق کہ جس کے سوا کوئی چارہ نہیں "مِنْ رَّبِّهِمْ" وہ حق ان کے رب سے ہے پھر انہوں نے وہ کیا جو سب کو معلوم ہے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ تکفیر و اصلاح مذکور کی اتباع کی سببیت بعد ذکر سببیت اتباع ایمان و اعمال صالحہ کی سببیت کا بیان ان کی مسببیت کے بیان کو متضمن ہے اس لیے کہ یہی ان کا مبدا و اصل ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ تصریح و اشارہ کے ساتھ دو مقام پہ بیان کرنے سے تعارض نہیں۔

"كَذٰلِكَ" ایسے ہی عجیب مثل "يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ" بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں۔

امام راغب نے کہا کہ "ضرب الدراھم" کا چابک مارنے پر اعتبار کیا گیا ہے اسی اعتبار سے ضرب المثل بھی کہتے ہیں اور اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی شے کو ایسے طریقہ سے بیان کرنا جس کا اثر اس کے غیر پر ظاہر ہو۔ یہاں پر فریقین (اہل ایمان و کفر) کے وہ احوال و اوصاف جو عجیب و غریب ہیں جنہیں بطور مثال بیان کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ اول گروہ یعنی کافروں نے باطل کا اتباع کیا جنہیں خسارہ اور نقصان ہوا اور دوسروں یعنی اہل ایمان نے حق کا اتباع کیا جس کی وجہ سے انہیں کامیابی اور فلاح نصیب ہوئی۔

دعا نبوی: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا فرماتے تھے:۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ	"اے اللہ ہمیں حق دکھا اور اس کی اتباع عطا فرما اور باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق بخش۔"

حق کے معانی و مطالب: حق کئی معانی میں مستعمل ہے:۔

(۱) شے کے موجد کو کہتے ہیں کہ جس نے بتقاضائے حکمت اسے بنایا اسی لیے اللہ تعالیٰ کو

حق کہا جاتا ہے۔

(۲) موجد (بالفتح) کو حق کہا جاتا ہے کہ وہ بتقاضائے حق پیدا ہوئی اسی معنے پر اللہ تعالیٰ کے فعل کو حق کہا جاتا ہے مثلاً الموت حق والبعث حق اور اس میں جمیع موجودات داخل ہیں اس لیے کہ وہ عبث نہیں کیونکہ وہ حکیم مطلق کی تخلیق (فعل) ہے اور اس کا کوئی فعل عبث نہیں ہاں بعض موجودات جیسے شیطان وغیرہ اگر باطل ہیں تو ان کا بطلان اضافی ہے۔

(۳) اس اعتقاد کو بھی حق کہتے ہیں جو حقیقت کے عین مطابق ہو مثلاً کہا جاتا ہے، ہمارا اعتقاد ہے کہ بعث وثواب وعقاب اور جنت ونار حق ہے۔

(۴) اس فعل وقول کو بھی جو واقع کے مطابق ہو مثلاً کسی کو کہا جائے کہ تیرا قول وفعل حق ہے۔

فائدہ: انہی معانی کے بالمقابل اور نقیض کو باطل کہتے ہیں اسی معنے پر کہا جاتا ہے کہ ایمان حق ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے حکم فرمایا ہے اور کفر باطل ہے اس لیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ایسے ہی اعمال صالحہ حق اور معاصی باطل ہیں۔

مسئلہ: ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے مطلقاً اجتناب کیا جائے اور عمل صالح وہ ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اسی لیے اکابر مشائخ اس کے لئے جدوجہد فرماتے ہیں اس لیے کہ وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو سعادت دارین کی کنجی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا سوال اور اللہ تعالیٰ کا جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ سب سے کمزور تر تیرا بندہ کونسا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بندہ عمل کے بغیر جنت اور دعا کے بغیر رزق کا طالب ہے۔ پھر پوچھا کہ بخیل تر بندہ کون؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بندہ جس سے سائل سوال کرے اور وہ اسے طعام کھلانے کی قدرت بھی رکھتا ہے لیکن نہیں کھلاتا اور وہ جو اپنے بھائی مسلم کو السلام علیکم نہیں کہتا ؎

گویند باز گشت بخیلاں بود بخاک
حاشا کہ ہیچ جا نہ پذیرد بخیل را

ترجمہ: "بخیل مٹی میں جا کر کہیں گے ہائے افسوس بخیل کو کوئی جگہ قبول نہیں کرتی۔"

فقیر حقی (صاحبِ روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ وہ انفاق و اطعام مفید ہے جو محض طلب رضائے الٰہی پر مبنی ہو ورنہ بدر میں کفار مکہ نے انفاق و اطعام کی کوئی کمی نہیں کی تھی لیکن وہ الٹا ان کے لئے نقصان و خسارہ کا موجب بنا کیونکہ ان کا انفاق رضائے الٰہی کے بجائے شیطان کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی لیے ان کے جملہ اعمال اکارت ہوئے۔ ایسے ہی ہر امساک بُرا نہیں بلکہ وہ جس میں حقدار کو حق نہ دیا جائے ورنہ " ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما " اس میں اللہ تعالیٰ نے غیر محل میں خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہاں کار خیر میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہوتا۔

مسئلہ : بدعت سیئہ ہر طرح سے باطل ہے اس لیے اس کا ارتکاب ٹیڑھا پن اور سنت مصطفویہ کے خلاف ہے اگرچہ اسے کتنا ہی اچھا کر کے کیا جائے اور کفر و بدعت سیئہ و جملہ معاصی اقبح الاشیاء ہیں جیسے ایمان اور سنت کی پیروی اور طاعت الٰہی احسن الاشیاء ہیں۔

بشر حافی کو زیارتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم : حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ کو خواب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا اے بشر حافی تجھے اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند مرتبہ کس وجہ سے عطا فرمایا عرض کی یا رسول اللہ آپ فرمائیں مجھے علم نہیں۔ آپ نے فرمایا اس لیے کہ تو میری سنت کی پیروی اور نیک لوگوں کو دوست اور اہل اسلام کی خیر خواہی اور میرے اصحاب و اہل بیت سے محبت کرتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

اولیاء کاملین کی عقیدت و اتباع : حق کی اتباع اولیاء کی اتباع سے نصیب ہوتی ہے کیونکہ یہی حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں اور انہی کو حق کا دامن نصیب ہے اور یہی حضرات صحیح راستہ پر ہیں جو ان کی اتباع کرے گا وہ یقیناً حق پر ہوگا اور جو اہل باطل کی اتباع کرتا ہے وہ یقینی گمراہ ہوتا ہے۔ اللہ والے ہی جمال الٰہی والے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں اور دوسرے یعنی گمراہ لوگ جلال الٰہی والے ہیں ان سب کا سردار شیطان ہے۔

سبق : عاقل وہ ہے جو رجوع الی الحق اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ " وکونوا مع الصّٰدقین " ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو حق سے حق کی خدمت کرتے ہیں اور بطلان و بطالت و زیغ مطلق سے بچائے۔ وہی حق اور باقی ہے اور اسی کی طرف سب کا رجوع ہے۔

تفسیر عالمانہ : " فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا " اللقاء بمعنے دیکھنا اور جنگ کرنا اور پہنچنا۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللقاء ادراک بالحس اور بالبصر کو بھی کہا جاتا ہے اور بصیرت کے ساتھ بھی یعنی جب ثابت ہوا کہ کفار کے اعمال اکارت ضائع ہوں گے اور وہ ہمیشہ خسارے میں رہیں گے اور اہل ایمان دائمی فلاح و صلاح میں ہوں گے تو مسلمانو! جب تم انہیں جنگ کے وقت ملو " فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط " یہ دراصل " فاضربوا الرقاب ضربا " تھا فعل کو محذوف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کھڑا کر کے اسے مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور الف و لام اضافت کا بدل ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ کافروں کی گردنیں تلوار سے اڑا دو اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قتل کر دو۔ قتل کو ضرب الرقاب سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ ان کی سخت سے سخت مذمت ہو " ضرب الرقاب " گردن جسم سے علیحدہ کرنا اور جسم کا وہ عضو جسم سے ہٹا لینا جو جسم کا اصل اور سب سے اونچا اور بلکہ جملہ اعضاء سے معزز تر ہے اس میں مجاہدین کو رہبری ہے کہ جنگ میں آسانی سے جس طرح ہو سکے اسی طرح کفار کو فی النار و السقر کیا جائے۔

حدیث شریف : میں ہے میں اس لیے مبعوث نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو وہ عذاب نہ دوں جیسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو عذاب دیتا ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ میں ان کی گردنیں اڑاؤں اور ان کو قید کروں " حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ " یہ اثخان سے مشتق ہے بمعنی بکثرت قتل کرنا اور خوب۔

حل لغات : ان کے " اثخنۃ الجراحات " سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ایسا جکڑا جائے کہ اس پر حرکت کرنا مشکل ہو جائے۔ اور کہا جاتا ہے " اثخنہ المرض " یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی پر مرض کی سخت تکلیف ہو۔ یہ ثخانۃ سے ہے۔ بمعنی غلظ و کثافت المفردات میں ہے کہ " ثخن شیئ فھو ثخین " یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے گاڑھی ہو جائے اور چلنے میں آگے کو مکمل طور نہ بڑھ سکے اسی سے استعارۃً کہتے ہیں " اثخنتہ ضربا و

استخفافاً" جملۂ قرآنیہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم انہیں بکثرت قتل کرو یہاں پر مضاف محذوف ہے یا اس کا معنے یہ ہے کہ جب تم نے انہیں قتل سے دوبھر کر دیا یہاں تک کہ اب انہیں کھڑا ہونا مشکل ہوگیا ہے۔ "فَشُدُّوا الْوَثَاقَ" الوثاق بالفتح والکسر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے کسی کو باندھا جائے جیسے بیڑی اور لوہے کی زنجیر وغیرہ۔

الوسیط میں ہے الوثاق الایثاق کا اسم ہے۔ اوثقہ ایثاقاً و وثاقاً یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو قید (بیڑی) وغیرہ باندھا جائے تاکہ چھوٹ کر بھاگ نہ جائے اب معنے یہ ہوا کہ انہیں باندھو اور ان کو پورے طور قابو کرو۔ یعنی کافروں کو پکڑو پھر انہیں مضبوط باندھو۔ حضرت ابو اللیث نے فرمایا یعنی جب تم ان پر غالب ہوجاؤ اور انہیں قید کرلو تو ان کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے سے باندھ دو تاکہ بھاگ نہ جائیں۔ یہاں پر قتل کے بعد کا ذکر مبالغہ کے لئے ہے "فَإِمَّا مَنًّا" پھر یا تو منت لگا کر چھوڑ دو وہ اس طرح کہ کافروں سے کچھ لیے بغیر چھوڑ دیا جائے۔ "بعد الوثاق" باندھنے کے بعد" "وَإِمَّا فِدَاءً" یا فدیہ لے کر یعنی ان سے کچھ نقدی وغیرہ لے کر انہیں آزاد کیا جائے یا اس کے مقابلہ میں مسلمان قیدی کو آزاد کرایا جائے۔

حل لغات : یہ فداہ یفدیہ فدی و فداء سے ہے۔ اسی سے ہے فداہ و افتداہ و فادرہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو کوئی شے دے کر اپنے آپ کو چھڑا لے "الفداء" دی ہوئی شے کو کہتے ہیں کبھی بالقصر بھی مستعمل ہوتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

المفردات میں ہے کہ الفدیٰ والفداء وہ شے کہ جسے انسان خرچ کر کے اپنے آپ کو دکھ تکلیف سے بچائے جیسے کہا جاتا ہے "فدیۃ بمالی وفدیۃ بنعئ وفادیۃ بکذا" شیخ رضی نے کہا کہ ان مذکورہ بالا یعنی بیڑی وغیرہ سے باندھنے اور قتل کرنے اور غلام بنانے اور منت چھوڑ دینے اور فدیہ لینے میں کوئی ایک ہو اور یہی مطلوب ہے یعنی حاکم وقت کو ان چاروں میں سے کسی ایک پر اختیار ہے کہ کافر بالغ قیدیوں میں سے جو چاہے کرے۔

مسئلہ : یہ اختیار امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت ہے لیکن ہم احناف کے نزدیک منسوخ ہے اس کا ناسخ "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" ہے یہ آیت بدر کے موقعہ پر نازل ہوئی لیکن پھر منسوخ ہوگئی۔ اب حکم صرف اتنا ہے کہ بالغ کافر قیدیوں کو قتل کر دیا جائے یا غلام بنایا جائے۔

مسئلہ : الدرر میں ہے کہ کفار سے فدیہ لے کر انہیں دار الحرب واپس بھیجنا حرام ہے اس

یے کر کافر قیدیوں کو دار الحرب میں واپس بھیجنا انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے پر تقویت دینے کے مترادف ہے۔ یہ ایسے مکروہ ہے جیسے انہیں جنگی ہتھیار بیچے جائیں اور مفت چھوڑ دینے میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔

مسئلہ: جنگ سے فراغت سے پہلے مال لے کر چھوڑ دینا بھی جائز ہے لیکن قیدی مسلمان ہو کر اسے جنگ کی فراغت سے پہلے آزاد کرنا درست نہیں۔

مسئلہ: ہمارے علماء کے نزدیک جنگ کی فراغت کے بعد مال لے کر چھوڑ دینا جائز نہیں اور نہ ہی قیدی کے بدلے لے کر آزاد کرنا جائز ہوگا یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایات مروی ہیں۔

مسئلہ: امام مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آجکل نہ تو کفار قیدیوں کو مفت چھوڑنا چاہیئے اور نہ ہی فدیہ لے کر اب تو صرف یہ مطالبہ ہو کر وہ مسلمان ہو جائیں یا ان کی گردن اڑا دی جائے۔

مسئلہ: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کافر قیدیوں سے فدیہ لے کر ہرگز نہیں چھوڑوں گا اگرچہ وہ مجھے سونے کے دو مُد بھی دیں۔ یہ اس وقت فرمایا جب آپ کو لکھا گیا کہ فلاں قیدی کافر کے لیئے اگر اجازت ہو تو اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے قتل کر دو اور میرے نزدیک مشرکین کو قتل کرنا دنیا و دولت سے محبوب ترین ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح مکہ کے دن ابن الاخطل کو قتل کرا دیا اگرچہ وہ اس وقت کعبہ کے پردوں کو چمٹا ہوا تھا۔

"حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا" اوزار الحرب سے جنگ کے آلات مراد ہیں۔ اگرچہ جنگ آلاتِ جنگ نہیں رکھتی بلکہ اس کا اہل رکھتا ہے لیکن یہ اسناد مجازی ہے اور اوزار سے وہ آلات، اور ہتھیار و دیگر جنگ کی ضروری چیزیں جو کہ جنگ میں لازمی ہوتی ہیں مراد ہیں جیسے گھوڑے اور تلواریں وغیرہ۔ اوزار وزر بالکسر کی جمع ہے بمعنی بوجھ اور وہ چیزیں جو انسان اٹھائے۔ اسلحہ کو اوزار اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جنگ کے دوران اٹھایا جاتا ہے اس معنے پر گھوڑوں کو اٹھانے میں شامل کرنا تغلیباً ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حتّٰی ان چاروں مذکورہ بالا امور کی غایت ہے یا مجموعہ امور کی غایت ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کافروں کو اس حالت پر نہ چھوڑا جائے تاکہ وہ شر پسند لوگوں میں شامل نہ ہو سکیں بلکہ ان کی ہر طرح کی شوکت

اور ان کا غلبہ ختم ہو جائے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ اہل حرب کے ہتھیار ختم کر دیئے جائیں تاکہ ہر جگہ اسلام کا بول بالا ہو یہاں تک کہ جنگ کا نام ونشان بھی ختم ہو جائے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قریب ہوگا اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت آخری جنگ دجال سے لڑے گی۔

مسئلہ: جب تک کفر ہے دار الحرب قائم رہے گا۔

"ذٰلِكَ" معاملہ ایسے ہی ہے یا ایسے ہی کرو۔

"وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ" لو ماضی کے لئے ہے اور مضارع پر بھی داخل ہوتا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو "لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ" ان سے جنگ کے بغیر بھی بدلہ لے سکتا ہے کہ بلا سبب وہ تباہ دبرباد ہو جائیں مثلاً دھنس جائیں یا زلزلہ میں تباہ ہو جائیں یا ان پر پتھراؤ ہو جائے یا ڈوب کر مر جائیں یا بکثرت موت کا شکار ہو جائیں وغیرہ وغیرہ اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے بذریعہ ملائکہ بدلہ لے لے مثلاً ان کی سخت آواز سے مر جائیں یا وہ گلا گھونٹ دیں یا ان سے ایسے طریقے سے لڑیں کہ وہ انہیں دیکھ بھی نہ سکیں جیسے غزوۂ بدر میں ہوا "وَلٰكِنْ" لیکن وہ ایسے نہیں چاہتا "لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ" تاکہ تمہارے بعض کو بعض سے آزمائے اسی لیے تمہیں کافروں سے لڑنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ تم ان سے جہاد کر کے اجر عظیم کے مستحق بنو اور کافروں کو آزمایا کہ وہ تمہارے ساتھ لڑنے کا عذاب عظیم پائیں یا ان کے بعض کفر سے توبہ کر لیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ کافر نفس کو جہاں پاؤ مار مٹاؤ اس لیے کہ وہ جہاں بھی سر اٹھاتا ہے دنیا اور اس کی نعمتوں سے لذت میں مبتلا کرتا ہے فلہذا اس کا سر چھوڑ دو اور اسے دنیوی لذتوں سے دور رکھو یہاں تک کہ جب تم اس پر غلبہ پا جاؤ تو اسے شریعت کی بیڑیوں سے جکڑو اور آداب طریقت سے اُسے مضبوط باندھو اس لیے کہ ان (شریعت وطریقت) کے پروں سے اڑ کر عالم حقیقت تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد یعنی عالم حقیقت میں پہنچنے کے بعد اسے مفت چھوڑ دو یعنی اس سے مجاہدات وریاضت نہ کراؤ یا اس سے فدیہ لے کر چھوڑو یعنی اسے کثرت عبادات میں لگا دو جس میں مجاہدات وریاضات نہ ہوں لیکن یہ اس وقت ہے جب تم نفوس پر غلبہ پا جاؤ۔

مسئلہ: نفوس کو مخالفت کی تلوار کے ساتھ قتل کرنا جائز ہے۔ ارباب طلب حق کے مذہب میں ہے کہ جس طرح بن پڑے نفس سے لڑائی کی جائے (اس سے) لڑا جا سکتا ہے او۔ اس مسئلہ میں کسی بھی ارباب طریقت کو کوئی اختلاف نہیں اور نفس کی لڑائی کا ہر طریقہ قابل قبول ہے کیونکہ مقصد تو یہی ہے کہ طالب کو مطلوب اور محب کو محبوب یعنی عاشق کو معشوق کا وصال نصیب ہو جائے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ نفس پر غلبہ پایا جائے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ نفس کو روزوں کی مار سے لتاڑا جائے اگرچہ بعض دن روزے رکھے جائیں اور بعض دن ترک کیے جائیں اس لیے کہ روزوں سے ہی نفس مغلوب پڑتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس معاملہ میں کسی کامل مرشد یا صاحب فراست یا اللہ والے سے مشورہ ضرور لے تاکہ ناکامی نہ ہو اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نفوس کو بغیر سعی اور جد و جہد کے اپنی تجلی جلال سے مغلوب کر دے۔

تفسیر عالمانہ: "وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بدر اور احد اور دیگر جنگوں میں شہید ہوئے "فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ" تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا انہیں ثواب عطا فرمائے گا "سَيَهْدِيْهِمْ" دنیا میں انہیں ارشد الامور کی طرف اور آخرت میں ثواب کی رہبری کرے گا۔ حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ انہیں منکر نکیر کے سوال کے جواب با صواب کی ہدایت دے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل شہادت سے نکیرین کے سوال نہیں ہوں گے "وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ" اور ان کا حال عصمہ و توفیق سے سنوارتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سین تاکید کا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ انہیں یقیناً ان کے مقاصد اخرویہ کی ہدایت دے گا اور ان کے مخالفین کو راضی کر کے ان کے احوال کو سنوارے گا کیونکہ جہاد و شہادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بزرگی و شرافت ہے "وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ" یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی اسے ویدخلھم الجنۃ سے کوئی تعلق نہیں اب معنی یہ ہوا کہ دنیا میں ان کے اچھے اوصاف کا چرچہ ہو جائے گا اور لوگ اس کی زیارت کے مشتاق ہونگے یا یہ کہ لوگوں کو اس کے اوصاف معلوم کرا دے گا اور وہ معلوم کر لیں گے کہ یہ بہشت میں ایسے مرتبے کو پہنچے گا ان کے خیال میں اس کے متعلق تصور راسخ ہو جائے گا کہ گویا وہ بہشت کا پیدائشی مکین ہے۔

حدیث شریف میں ہے بہشت میں بہشتی کا مکان اس کے دنیوی مکان سے زیادہ مشہور ہوگا۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ عرفہا " ای جعل لہ عرفا بمعنی رائحۃ طیبۃ" اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بہشت کو سنوارے گا اور اسے بہتر سے بہتر بنائے گا۔ بعض نے اس سے بہشت کے حدود مراد لیے ہیں یعنی ان کے لئے بہشت کا ایک علیحدہ حصہ منفرد فرمائے گا عرف الدار سے ہے۔ یعنی بہشت میں شہداء کی علیحدہ کالونی ہوگی۔ اس معنے پر بہشت مختلف کالونیوں پر منقسم ہوگی۔

فضائل شہداء: (۱) شہید کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ بہشت میں ہر بہشتی داخل ہونے کے بعد اس سے نکلنے کا نام نہ لے گا سوائے شہید کے کہ وہ آرزو کرے گا کاش اسے دنیا میں واپس لوٹایا جائے اور وہ راہ حق میں شہید ہو اور پھر شہید ہوا یسے ہی بار بار زندہ ہو کر جام شہادت نوش کرے۔ یہ اس لیے کہ شہداء کو بہت بڑے مراتب سے نوازا جائے گا تو پھر وہ اس طرح کی آرزو کرے گا۔

(۲) شہداء کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ شہید کے جملہ حقوق اللہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ قرض کے سوا شہید کے جملہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

فائدہ: قرض سے بندوں کے حقوق مثلاً غصب اور باطل طریقہ سے کسی سے کچھ لینا اور قتل عمد اور کسی کو ناحق زخمی کرنا اس طرح کے دیگر جرائم ایسے ہی غیبت۔ چغلی۔ ٹھٹھہ مخول ان جیسے اور اعمال اس لیے ضروری ہے کہ ان کے مستحقین کو یہ امور مرنے سے پہلے ادا کر دیئے جائیں۔

فائدہ: قرطبی نے فرمایا کہ " قرض " جو انسان کو بہشت کے داخلہ سے روکے گا اس سے وہ مال مراد ہے جو مرنے کے بعد چھوڑ جائے اور اس کے لئے ادائیگی قرض کی وصیت نہ کر جائے یا قرض کی ادائیگی پر قدرت بھی رکھتا تھا اسے ادا کیے بغیر مر گیا یا بیوقوفی اور فضول خرچی کے طور کسی سے قرض لیا اور ادا کیے بغیر مر گیا۔

مسئلہ: وہ قرض جسکا لینا بوجہ مجبوری تھا مثلاً فاقہ اور تنگدستی کے وقت لیا اور ادا کی قدرت نہ رکھتا تھا اور ادا کیے بغیر مر گیا تو اسے بہشت سے نہیں روکا جائے گا وہ شہید ہو یا غیر شہید بلکہ اس کا قرض اللہ تعالیٰ خود ادا فرمائے گا یا اس کے مخالف کو راضی کرے گا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگوں سے اس ارادہ پر قرضہ لیتا ہے کہ اسے ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض خود ادا کرتا ہے اور جو ضائع کرنے

اور نہ دینے کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ہلاک اور تباہ کرے گا۔

مسئلہ: آیت میں جہاد کی ترغیب ہے جہاد اصغر ہو یا اکبر۔

فائدہ: جسے ظاہری دشمن قتل کرے وہ شہید ہے اور جسے باطنی دشمن یعنی نفس قتل کر دے وہ طرید ہے کسی شاعر نے کہا ہے

وآنکہ گشت کافران باشد شہید
کشتۂ نفس ہست نزد حق طرید

ترجمہ: جسے کافر قتل کر دیں وہ شہید ہے اور نفس کا قتل کیا ہوا طرید کہلاتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے نفس امارہ و شیطان کے ساتھ جنگ کرنے میں فتح و نصرت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ" اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرو گے "یَنْصُرْكُمْ" تو اللہ تعالیٰ تمہیں دشمنوں پر فتح عطا فرمائے گا" "وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" اور جنگوں کے مواقع پر یا حجت اسلام پر تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

نصرت کے اقسام: نصرت دو قسم ہے:-

(۱) نصرۃ العبد یعنی بندے کی مدد کرنا یوں کہ اس کے لئے دین کے دلائل واضح کر دیئے جائیں اور دین پر شبہ ڈالنے والوں کے شبہات دُور کیے جائیں اور احکامِ شرع کی شرح کر دی جائے اور اس کے فرائض و سنن اور حلال و حرام کا علم دیا جائے اور ان پر عمل آسان کر دیا جائے اور دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی توفیق بخشی جائے حقیقۃً جیسے وہ خود جنگ و جہاد میں شامل ہوا اور جیسے مسلمانوں کے لشکر کو اس کے جھنڈے تلے جمع کر دیا جائے یا اس کی دعا سے مسلمانوں کو فتح و نصرت اور کافروں کو شکست ہو مثلاً دعا مانگے اور کہے" اللّٰهم نصر من نصر الدین واخذل من خذل المسلمین" اے اللہ جو دین کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو مسلمانوں کو رُسوا کرے تو اُسے رسوا کر اور اسے جہاد اکبر کی توفیق بخشے مثلاً وہ نفس پر غلبہ پاکر اسے پچھاڑ دے بلکہ ایسا مٹائے کہ اس کے اندر خواہش کا نام و نشان تک مٹ جائے۔

(۲) نصرۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے انسانوں پر رحم و کرم فرمائے مثلاً رسل کرام بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں اور آیات و معجزات ظاہر فرمائے اور نعیم و جحیم کا راستے دکھائے

اور حضرت کریم کی رہبری فرمائے اور جہاد اکبر و اصغر کے امر کا علم دے اور اپنی رضا کی طلب میں اس کی سعی کی توفیق بخشے اسے خواہش نفسانی کے تابع نہ ہونے دے اور اسے اعدائے دین پر غلبہ عطا فرمائے اور کلمۂ الٰہی کے اعلاء میں اعداء کو ذلیل و خوار کرے اور وجود فانی کو وجود باقی میں صفات جمال و جلال کے تجلیات کے ساتھ فناء کرنے کی توفیق بخشے۔

تفسیر صوفیانہ: اکابر مشائخ نے فرمایا کہ تین امور سے سالک کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں:-

(۱) اللہ تعالیٰ کے عطیات کے ساتھ شرک۔

(۲) غیر اللہ سے ڈرنا۔

(۳) غیر اللہ سے امید۔

اور تین امور سے ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے:-

(۱) فضل الٰہی ہر وقت مدنظر رکھنا۔

(۲) نعمت الٰہی پر شکر کرتے رہنا۔

(۳) جمیع احوال میں اپنی کوتاہیوں کا احساس کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ جن امور کی اللہ تعالیٰ پر ذمہ داری ہے اس پر پورا اعتماد کرنا۔ ذرہ برابر بھی وہم و گمان نہ کرنا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ حسب استطاعت دین متین کی مدد کرے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

پیمان شکن ہر آئینہ گردد شکستہ حال

ان العھود لدی اھل النھی ذمم

ترجمہ: پیمان توڑنے والا یقیناً شکستہ حال ہوتا ہے۔ عقل والوں کے نزدیک معاہدہ بڑی ذمہ داریاں ہیں۔

"وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّھُمْ" اور خواری کے لئے خواری و رسوائی اور ہلاکت اور نامرادی ہے اور وہ انہیں منہ کے بل گرا دے گی۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے یہ دراصل "اتعسھم اللہ فتعصوا" تھا اور "الاتعاس" بمعنی ہلاک کرنا اور منہ کے بل گرانا۔

الارشاد میں ہے کہ "فتسعا" اس فعل سماعی سے منصوب ہے جس کا حذف کرنا واجب ہے دراصل "ففال تعسا لھم" تھا التعس بمعنی الھلاک والعثار والسقوط والشر والانحطاط

اہل عرب کہتے ہیں "رجل ناعس ونعس" ازباب منع وسمع "تعسہ اللہ واتعسہ" [عـہ] "عرب والوں سے منقول ہے" "وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ" اس کا عطف تعسًا پر ہے اسی کی طرح یہ بھی اسم موصول کی خبریت کے حیز میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کم اور باطل اور نابود کر دیئے۔

"ذٰلِكَ" وہ امور جو مذکور ہوئے جیسے تعس و اضلال اعمال "بِاَنَّهُمْ" بسبب اس کے کہ انہوں نے "كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن اور اس کے بیان کردہ توحید و احکامِ شرع جو ان کے مزاج کے خلاف تھے انہیں ناگوار گذرے کیونکہ وہ احکام ان کے نفوس کے ناموافق تھے "فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ" اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال حبط کیے وہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام" سے کراہت کی اسے مکرر لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ قرآن کے احکام کا انکار کفر ہے اور اعمال سے طواف اور عمارت مسجد حرام اور اکرام ضعیف اور عاجزوں اور مظلوموں کی مدد کرنا اور یتامیٰ و مساکین کی خبر گیری کرنا و دیگر وہ امور جو بظاہر نیکی پر دلالت کرتے ہیں مراد ہیں اور یہ صرف کفار مکہ سے مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک ہر کافر بے دین کے اعمال کا یہی حال ہے "اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا" کیا کفارِ عرب چل کر نہیں دیکھتے "فِي الْاَرْضِ" زمین پر یعنی گھروں میں بیٹھے نہ رہیں بلکہ ارض شام و عراق و یمن کی طرف چلیں "فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط" تو دیکھیں ان لوگوں کا انجام جو ان سے پہلے گذرے ہیں یعنی وہ امتیں جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی جیسے عاد و ثمود اور اہل سبا اس لیے کہ ان کے آثار ان کے حالات کی خبر دیتے ہیں "دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" یہ جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال سابق کلام سے پیدا ہوا وہ یہ کہ جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو پھر ان کا کیا ہوا۔ جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے اہل و عیال اور اموال کو تباہ و برباد کر ڈالا۔

حل لغات: "دمرہ" بمعنی اہلکہ اور کہتے ہیں "دمر علیہ" بمعنی "اہلک علیہ" یعنی اسے تباہ و برباد کیا اور طیبی نے فرمایا کہ یہ اطباق کے معنے کو متضمن ہے اسی لیے علیٰ کے ساتھ متعدی ہوا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تباہ و برباد کیا۔ تو ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ بچا

عـہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا اور برباد کیا۔

اور حواشی مفتی سعدی مرحوم میں ہے کہ " دمّر اللہ علیہم " بمعنی اوقع اللہ تدمیر علیہم یعنے تباہی و بربادی کو ان پر ڈالا " وَ لِلْكٰفِرِيْنَ " اور ان جملہ کفار کے لیئے ان کے عادات کی وجہ سے " اَمْثَالُهَا " ان جیسے انجام یا سزائیں ہیں یعنی جیسے پہلے کافروں کو سزائیں ملیں انہیں بھی ویسے ہی ملیں اور جمع اس لیے ہے تاکہ ان کی مماثلت سے مناسبت ہو کر جیسے انہیں مختلف طور سے سزائیں ہوئیں ان کو بھی اسی طرح کی سزائیں ملیں گی ۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ نفوس اتارہ جب صفات مذمومہ سے موصوف ہوں تو انہیں قرآنی احکامات ناگوار گذرتے ہیں اس لیے وہ احکام ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوتے ہیں اور نفوس پر شرع کی موافقات اور متابعتِ انبیاء علیہم السلام بارگراں ہوتا ہے اس لیے شرک اور ریاء و تصنع اور خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے ان کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں کیا وہ ارض بشریت پر چل کر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں یعنی ان قلوب و ارواح کا کیا انجام ہوا جنہوں نے خواہشات کی تابعداری کی اور حبّ دنیا میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ریاء کی وادی اور بدعت و ضلال کے جنگل میں تباہ و برباد کیا اور کافرین یعنی بدقلوب نفوس کے لیئے ان جیسی گمراہی اور ہلاکت ہے ۔

تفسیر عالمانہ : " ذٰلِكَ " یہ اشارہ ان کافروں کے اس مثالی عذاب کے ثبوت کی طرف جو ان سے پہلے والوں پر ہوا بعض نے کہا یہ اشارہ اہل ایمان کی نصرت اور فتحمندی اور کافروں کے مقہور و مغلوب ہونے اور ان کی تباہی و بربادی کی طرف ہے " بِاَنَّ اللّٰهَ " اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ " مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا " اہل ایمان کا مولیٰ اور ان کے دشمنوں پر انہیں فتح و نصرت دینے والا ہے ۔ ظاہراً بھی باطناً بھی ان کے ایمان کی وجہ سے " وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ " اور اس لیے کہ کافروں کا " لَا مَوْلٰى لَهُمْ " کوئی حامی و ناصر نہیں کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان سے ان کا عذاب ان سے دور کر سکے اس ولایت سے نصرت مراد ہے ۔ ولایت بمعنے عبودیت کی نفی نہیں کیونکہ جملہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبد اور وہ ان سب کا مولیٰ ہے چنانچہ " ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق " یعنی ان کا مالک حق ہے اور وہی ان کا خالق ہے یا اس کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا مولیٰ نہیں اس لیے کہ ان کا اعتقاد بتوں کے لیئے ہے اور وہ ان کی پرستش کرتے ہیں اگرچہ فی نفس الامر اللہ تعالیٰ ہی ان کا مولیٰ ہے ۔ اس لیے علماء کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید میں یہی آیت اہل ایمان کی سب سے بڑی امید گاہ ہے اس لیے کہ فرمایا " مولی الذین اٰمنوا " الخ یعنی جملہ اہل ایمان

کا مولیٰ۔ اس میں نہ زاہدوں کی تخصیص ہے اور نہ عابدوں کی اور نہ اصحاب اوراد کی اور نہ اہل اجتہاد کی مومن اگرچہ عاصی ہو تب بھی مومن ہے۔ (ذکرہ القشیری قدس سرہ)

فائدہ: شکر دو قسم ہے:۔

(۱) اہل دعا۔

(۲) اہل وغا۔

اہل وغا باب دیانت و تقویٰ ہیں وہ اپنے قوت بازوؤں سے منصور و مظفر ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے الطاف سے محروم نہیں ہوتے اور اہل دعا باب دنیا اور اپنے ظاہری حال میں اپنی ضعیفی و کمزوری کی وجہ سے ان کی دعا مستجاب ہوتی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دروازے سے محروم نہیں لوٹایا جاتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "انکم تنصرون بضعفائکم" بیشک تم اپنے ضعفاء کے صدقہ مدد کیے جاتے ہو، حضرت سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دعا ضیفان امیدوار

زبازوئے مردی بہ آید بکار

ترجمہ: کمزور امیدوار کی دعاء مرد کے بازو پکڑ کر کام میں لاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موجود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کا ماسوا بہ نسبت وجود کے واجب الوجود ہونے کے معدوم ہے اور کفار معدوم کی پرستش کرتے ہیں جیسے بت اور طاغوت وغیرہ اس لیے ان کی منجانب اللہ مدد و نصرت نہیں ہوتی اور مومن چونکہ موجود حقیقی کی عبادت کرتا ہے اس لیے اس کی شدائد میں اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے۔ کفار چونکہ قلعوں اور ہتھیاروں پر سہارا کرتے ہیں اور اہل ایمان چونکہ قادر قوی فتاح پر توکل کرتے ہیں اس لیے ہر حال میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

کرامت حضرت زید رضی اللہ عنہ: مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے کسی شخص کے ساتھ طائف کی طرف سفر کو نکلے۔ آپ کو معلوم نہ تھا کہ وہ منافق ہے، ایک ویرانے میں پہنچ کر سو گئے لیکن بیدار ہو کر منافق نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مشکیں باندھ دیں اور ارادہ کیا کہ وہ آپ کو قتل کرے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا "یا رحمٰن اعنی" اے اللہ میری مدد فرما۔ منافق نے غیب سے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے اے فلاں اسے مت قتل کر، منافق نے ادھر ادھر دیکھا کوئی بھی نظر نہ آیا پھر

ارادۂ قتل کیا تو وہی آواز کان میں آئی تو قتل کا ارادہ ترک کر دیا، ایسے ہی بار ثالث وہی آواز سنی لیکن کہنے والا نظر نہیں آتا تھا اب منافق نے قتل کا عزم بالجزم کیا تو ایک سوار نے اس کی گردن اڑادی اور پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر کہا میں جبریل (علیہ السلام) ہوں اس وقت میں ساتویں آسمان پر تھا جب تو نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے جبریل (علیہ السلام) میرے بندے کو بچائیے۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ تورات میں درج ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا السلام جہاں جنگ کرے گی ان کے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جبریل علیہ السلام ہر جنگ میں شامل ہوتے ہیں خواہ وہ صحابہ کرام کی جنگیں ہوں یا امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کے غزوات، بشرطیکہ ان کی جنگ مبنی برحق و انصاف ہو۔ جبریل علیہ السلام جس غزوہ میں شامل ہوتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ وہاں لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھیں پرنم ہوتی ہیں بلکہ ان کی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ ایسی جنگ میں دعا مستجاب ہوتی ہے اور فتح و نصرت یقینی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں منصور و مظفر لوگوں سے بنائے۔ (آمین)

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ

هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝

ترجمہ: "بیشک اللہ داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیئے باغوں میں جن کے نیچے نہریں رواں، اور کافر برتتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھائیں اور آگ میں ان کا ٹھکانا ہے اور کتنے ہی شہر کہ اس شہر سے قوت میں زیادہ تھے جس نے تمہیں تمہارے شہر سے باہر کیا ہم نے انہیں ہلاک فرمایا تو ان کا کوئی مددگار نہیں تو کیا جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اس جیسا ہوگا جس کے بُرے عمل اُسے بھلے دکھائے گئے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلے احوال اس جنت کا جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے ہے اس میں ایسی پانی کی نہریں ہیں جو کبھی نہ بگڑے اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہ بدلا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جس کے پینے میں لذت ہے اور ایسی شہد کی نہریں ہیں جو صاف کیا گیا اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور اپنے رب کی مغفرت کیا ایسے چین والے ان کی برابر ہو جائیں گے جنہیں ہمیشہ آگ میں رہنا اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے کہ آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور ان میں سے بعض تمہارے ارشاد سنتے ہیں یہاں تک کہ جب تمہارے پاس سے نکل کر جائیں علم والوں سے کہتے ہیں ابھی انہوں نے کیا فرمایا یہ ہیں وہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی اور اپنی خواہشوں کے تابع ہوئے اور جنہوں نے راہ پائی اللہ نے ان کی ہدایت اور زیادہ فرمائی اور ان کی پرہیزگاری انہیں عطا فرمائی تو کاہے کے انتظار میں ہیں مگر قیامت کے کہ ان پر اچانک آجائے کہ اس کی علامتیں تو آ ہی چکی ہیں پھر جب وہ آجائے گی تو کہاں وہ اور کہاں ان کا سمجھنا۔ تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو اور اللہ جانتا ہے دن کو تمہارا پھرنا اور رات کو آرام لینا۔"

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ اللّٰہَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ؕ" اس میں اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا بیان ہے اور آیت کا ثمرہ بنایا گیا ہے کہ آخرت میں اہل ایمان کے لئے کون سے ثمرات مترتب ہوں گے یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور نیک عمل والوں کو بہشت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں "وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَتَمَتَّعُوۡنَ" اور کافر دنیا میں چند روز اپنے مال و متاع سے نفع حاصل کریں گے" "وَیَاۡکُلُوۡنَ" حریص اور آخرت سے غافل ہو کر کھائیں گے" "کَمَا تَاۡکُلُ الۡاَنۡعَامُ" جیسے جانور اپنی چراگاہوں میں کھاتے ہیں اور انہیں اپنے انجام کا پتہ نہیں ہوتا کہ وہ آج گھاس کھا رہے ہیں تو کل ان کی گردن پہ چھری ہوگی۔

الانعام نعم (بفتحتین) کی جمع ہے یہ اونٹ اور گائے اور بھیڑ بکری کو کہتے ہیں" "وَالنَّارُ مَثۡوًی لَّہُمۡ"ؐ اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ مثوی بمعنے منزل ثواء واقامۃ یعنی یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

سوال: ان اللہ یدخل الذین الخ اور الذین کفروا الخ میں تقابل کیا ہے؟

جواب: یہ قبیل احتباک سے ہے۔ اعمال صالحہ اور دخول جنت کا ذکر حذف للفاسدۃ و دخول نار کی دلیل ہے اور تمتع و مثوی حذف التمتع و ماوی کی دلیل ہے۔

فائدہ: امام قشیری نے فرمایا کہ جیسے جانور بلا امتیاز کھاتے ہیں کہ وہ جہاں سے ملے کھا لیتے ہیں ایسے ہی کافر حلال و حرام کی تمیز کے بغیر کھاتا ہے جیسے جانور کے کھانے کا کوئی وقت مقرر نہیں جب آیا کھاتے گئے ایسے ہی کافر بھی بسیار خور ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک میں۔ اور جیسے جانور غفلت میں کھاتا ہے ایسے ہی جو شخص کھاتے وقت اللہ کو یاد نہیں کرتا اس کے اور جانور کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

فائدہ: حضرت حدادی نے فرمایا مومن و کافر کے کھانے کے درمیان یہ فرق ہے۔ مومن تین وجوہ کو مد نظر رکھ کر کھاتا ہے:۔

(۱) طیب طعام میں اتقاء۔

(۲) ادب۔

(۳) کسی سبب سے

اور کافر کے بھی تین وجوہ سامنے ہوتے ہیں :-

(۱) حرص و ہوا۔

(۲) شہوت سے۔

(۳) غفلت کے ساتھ عیش و عشرت۔

فائدہ: مومن آخرت کا ساز و سامان تیار کرنے کے لئے کھاتا ہے، منافق زیب و زینت کے درپے ہوتا ہے، کافر نفع اٹھانے کے لئے کھاتا ہے اور دوسروں سے بھی طعام کو روکتا ہے۔

لطیفہ: کھانے میں یہ خیال مد نظر ہو کہ اس کے کھانے کے بعد نکلے گا کیا یعنی گوبر۔ گندگی۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ کافروں کو کھانے پینے کی مشغولی رہتی ہے اور مومن اس مشغولی سے ہٹ کر یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ کھانا صرف زندگی بسر کرنے کے لئے کھائے یعنی اتنا کھائے کہ اس سے بدن کا قوام بحال رہے اور اس کے ذریعے سے عبادت الٰہی ادا کی جاسکے اور قوت نفسانی کو اتنی تقویت دینی چاہیئے جس سے وہ قدرت ربانی پر استدلال کر سکے ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ زندگی صرف کھانے پینے میں بسر ہو جائے اور "ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا" الخ سے مصداق ہو جائیں اور جانوروں کی طرح صرف کھانے پینے کے پیچھے لگا رہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردنست

تو معتقد کہ زیستن از بہرِ خوردنست

ترجمہ: کھانا صرف زندگی گذارنے اور ذکر کرنے کے لئے ہے تو اس خیال میں ہے کہ شاید زندگی صرف کھانے کے لئے ہے۔

فائدہ: خلاصہ یہ کہ کافروں جو صرف بطون و فروج کی شہوت پرستی میں لگے رہتے تھے انہیں آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوتی اسی لیے وہ زندگی کے ایام کفر و معاصی میں ضائع ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا میں کھانے پینے کے لئے ایام گذارتے ہیں۔ اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں طاعات و عبادات میں زندگی بسر کرتے ہیں اس لیے وہ ہر وقت ریاضات و مجاہدات میں لگے رہتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بلند و بالا مکانات بہشت میں تیار فرمائے ہیں یہاں سے "الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر" دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے

جنت۔ جب مومن کو محسوس ہوگا کہ یہ دنیا قید خانہ ہے اور اس کی نعمتیں مٹ جائیں گی اس لیے وہ اپنے نفس کو طاعت و عبادتِ الٰہی میں مصروف رکھے گا بدیں وجہ اس کا انجام بہشت کے عالیشان مکانات ہیں اور وہ ان مٹ ہیں یعنی باقی رہنے والے اور کافر چونکہ آخرت کا منکر ہے اس لیے وہ دنیا میں لذات کے درپے رہتا ہے اس لیے آخرت میں جہنم میں جائے گا اور اسے زقوم کھلایا جائے گا۔

فائدہ: اکابر مشائخ جو کچھ میسر آتا وہی کھاتے پیتے اور پہنتے۔

حکایت اویس رضی اللہ عنہ: سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ تمام راستوں سے روٹی کے ٹکڑے اور پرانے کپڑے چن کر طعام و لباس کیلئے بسر اوقات فرماتے۔ ایک دن آپ کے کھانے میں کتا شریک ہوگیا تو آپ نے اسے فرمایا بھائی اپنے آگے سے کھاؤ اور میں اپنے آگے سے۔ مرنے کے بعد اگر میں بہشت میں چلا گیا تو تیرے سے بہتر ہوں گا (خدانخواستہ) اگر میں دوزخ میں گیا تو پھر تو مجھ سے بہتر ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بھوک اور پیاس سے اپنے نفسوں کے ساتھ جہاد کرو اس میں مجاہد جیسا اجر و ثواب ملتا ہے اس لیے کہ بھوک اور پیاس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کوئی عمل محبوب تر نہیں۔ (مختصر الاحیاء)

مثنوی شریف میں ہے ؎

زیں خورشہا اندک اندک باز بر
زیں غذائے خر بود نے آں حر
تا غذائے اصل را قابل شوی
لقمہائے نور را آکل شوی

ترجمہ: اس دنیا میں خوراک تھوڑی تھوڑی حاصل کر۔ اس لیے غذا زائد گدھا کی خوراک نہ کہ اعلیٰ انسان کی تاکہ تم اصلی غذا کے لائق ہو نور کے لقمے کھانے والے ہو۔

جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

جوع باشد غذائے اہل صفا
محنت و ابتلائے اہل ہوا

جوع تنویر خانۂ دل تست
اکل تعمیر خانۂ گِل تست
خانۂ دل گذاشتی بے نور
خانۂ گِل چہ میکنی معمور

ترجمہ : بھوک اہل صفا کی غذا ہے ۔ اہل ہوا کے لئے محنت اور دکھ ہے ۔ بھوک تیرے دل کا نور ہے ۔ کھانا مٹی کے گھر کی آبادی ہے ۔ دل کے گھر کو تو بے نور چھوڑ رہا ہے اور مٹی کے گھر کو کیوں آباد کر رہا ہے ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) اندازہ خور زاد اگر مردمی
چنین پر شکم آدمی یا خُمی

(۲) درون جائے قوتست و ذکر و نفس
تو پنداری از بہر نانست و بس

(۳) ندارند تن پروران آگہی
کہ پر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ (۱) خرچ اندازہ پر رکھ اگر تو آدمی ہے ، اتنا پیٹ بھر کر کھانا کیا تو آدمی ہے یا مٹکا ہے ۔

(۲) اندر قوت اور ذکر اور سانس کے لئے ہے ، تیرا خیال ہے کہ وہ روٹی کے لئے ہے اور بس ۔

(۳) تن پرور لوگ کوئی خبر نہیں رکھتے ہمیشہ معدہ پُر ہو تو وہ حکمت سے خالی ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ : مریدین کے اوصاف میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مجاہدہ کرے یعنی نفس کو سخت سے سخت تکالیف بدنیہ میں مبتلا کر دیا جائے مثلاً بھوک اور پیاس اور ننگا رہنا یا پھٹے پرانے کپڑے پہننا ۔ سالک کو چار موتوں کا دکھ درد اٹھانا لازم ہے :۔

(۱) موت ابیض یعنی بھوک ۔

(۲) موت احمر یعنے خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت ۔

(۳) موت اسود یعنی تکالیف و مصائب برداشت کرنا۔
(۴) موت اخضر یعنی پھٹے پرانے کپڑے پہننا تاکہ نفس کی سرکوبی ہو یہ بھی اس طرح ہو کر اس لباس سے شہرت کا شائبہ نہ ہو اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو شہرتوں سے روکا ہے :۔
(۱) لباس نرم اور قیمتی ۔
(۲) لباس گرم اور اقوی کیونکہ اس طرح کے لباس سے انسان اپنے دوسرے بھائیوں سے ممتاز صورت اختیار کر لیتا ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں عامی انسان ان کی طرح ہو کر زندگی بسر کرو ۔

ملفوظ ابراہیم بن ادھم : حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رات کو نفس کی خواہش کے خلاف ایک لقمہ کم کھانا ساری رات کے قیام سے بہتر ہے وہ بھی حلال لقمہ ورنہ حرام غذا تو الٹا نفس کی شرارت میں اضافہ کرتی ہے۔
پیٹ کو اگرچہ حلال لقمہ سے پر کرنے سے اور کوئی برا عمل نہیں ہے ۔

بھوک کے فوائد : بھوک سے بہت بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں منجملہ ان کے چند یہ ہیں:۔
(۱) خاموشی ۔
(۲) قلتِ کلام ۔
(۳) جملہ خواہشاتِ نفسانی کا مٹ جانا ۔
(۴) وسوسہ شیطانی سے حفاظت ۔
(۵) ان جملہ خرابیوں سے بچاؤ جو پیٹ بھر کر کھانے سے پیدا ہوتی ہیں ۔

فائدہ : معدہ جملہ اعضاء کے لئے بمنزلہ حوض کے ہے ۔ اس سے ہی تمام اعضاء اپنی پیاس بجھاتے ہیں ۔حیاتِ جسمانی کی پانی غذا ہے یعنی جسمانی حیات غذا پر موقوف ہے اس لیے حضرت سہل قدس سرہ نے فرمایا کہ خلوت کا راز پانی میں ہے جیسے کسان یکبارگی کھیتی میں پانی چھوڑ دے تو وہ کھیتی خراب ہو جائے گی ایسے ہی اسے پانی نہ دے تب بھی کھیتی ضائع ہو جائے گی ایسے ہی انسان کے پیٹ کا معاملہ ہے کہ اسے اگر بھر دیا جائے اگرچہ لقمہ حلال سے تب بھی نقصان ہے اگر بالکل بھوکا رکھا جائے تب بھی ۔ اس لیے لازم ہوا کہ اعتدال سے کھایا جائے ۔ ہم اللہ

تعالیٰ سے حمایت و رعایت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: "وَكَاَيِّنْ" یہ کلمہ کاف و ایّ سے مرکب ہے بمعنی کم خبریہ کے حضرت جامی قدس سرہ نے شرح کافیہ میں لکھا ہے کہ کایّن اس لیے مبنی ہے کہ تشبیہ کا کاف ایّ پر داخل ہوا اگرچہ ایّ معرب تھا لیکن دوسرے جزء کے ساتھ مل کر یک جزء ہونے کی وجہ سے اس میں افرادی معنے پیدا ہوگیا اس لیے اس کا مجموعہ مفرد کی طرح ہوگیا بمعنی کم خبریہ کے اس اعتبار سے گویا وہ ایسا اسم ہے جو مبنی علی السکون ہے اس کے آخر میں لفظ مَنْ کی طرح نون ساکن ہے۔ یہ تنوین تمکن کا نہیں اس لیے آخر میں نون کی صورت میں لکھا جاتا ہے حالانکہ نون تنوین کی کوئی صورت نہیں اور یہ محلاً مرفوع مبتدا ہے۔

"مِنْ قَرْيَةٍ" یہ کایّن کی تمیز ہے "هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ" یہ قریہ کی صفت ہے "الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ج" یہ قریتک کی صفت ہے اس سے مکہ معظمہ مراد ہے یہاں مضاف محذوف ہے اور دونوں جگہ پر مضاف محذوف ہے اور دونوں مضاف کے قائم مقام ہیں جیسا کہ آنے والی خبر یعنی "اَهْلَكْنٰهُمْ" دلالت کرتی ہے یعنی کتنی بہت بڑی بستیاں جو آپ کی اس بستی سے بہت بڑی طاقتور تھیں جس سے آپ کو کافروں نے ہجرت پہ مجبور کیا ہم نے ہلاک کر دیں۔

فائدہ: قریۃ کو شدت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ بستی اجاڑنے کے لئے اولیٰ ہے ایسے ہی دوسری بستی کو حضور علیہ السلام کی ہجرت سے موصوف کرنے میں اس بستی کی غلطی کی قوت و شدت کی طرف اشارہ ہے "فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝" پہلے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بالکل نجات نہیں پا سکتے اگرچہ وہ کتنی ہی جد وجہد کریں اب بتایا گیا ہے کہ ان کی نجات ممتنع ہے اگرچہ اپنی مدد کے لئے دوسروں کو مددگار اور حامی بنائیں اور یہ فاء کی ترتیب کے لئے ہے یعنی مذکور غیر کو مذکور ذات پر مرتب کرنا مطلوب ہے یہ حال ماضیہ کی حکایت ہے۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایسے ہی حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے وقت مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے مکہ تو مجھے اور میرے اللہ تعالیٰ کو تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے مشرکین نے یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو میں تجھے کبھی چھوڑ کر نہ جاتا۔

فائدہ: اس معنے پر یہ آیت مکیہ ہے اور آیات مدنیہ میں داخل ہے۔ (کیونکہ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی تمام آیات مدنیہ ہیں سوائے اس آیت کے)

تفسیر صوفیانہ: آیت میں روح کی طرف اشارہ ہے اور قریہ سے جملہ جسم مراد ہے اس لیے کہ بہت سے اجسام روح سے مضبوط اور قوی تر ہوتے ہیں لیکن اسے بھی اللہ تعالیٰ نے موت دے کر تباہ و برباد کیا اس کی موت کو دفع کرنے کے لئے اس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوا چونکہ روح خارج از جسم بہت بڑی طاقت اور قوت والی ہے اس لیے موت دے کر ضعیف جسم سے نکال لینا ضروری ہوا کما قال اللہ " اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ " جہاں بھی تم ہو گے تمہیں موت پہنچے گی اگرچہ بہت بڑے مضبوط قلعوں میں ہو گے یہاں پر بروج سے موٹے اور پُر خون اور گوشت والے اجسام مراد ہیں ؎

سیل بے زنہار را در زیل پل آرام نیست
ما بغفلت زیر طاق آسمان آسودہ ایم

ترجمہ: بے ہنگام سیلاب کے لئے پل کے نیچے آرام نہیں لیکن ہم غفلت سے آسمان کے طاق کے نیچے آسودہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ: " اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ " فاء کا فعل مقدر پر عطف ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ من سے وہ مومن مراد ہیں جو دین واسلام کا دامن مضبوط پکڑتے ہیں یعنی ایسے نہیں جیسے مذکور ہوا بلکہ حق اسے نصیب ہے کہ جو شخص بھی دلیل مضبوط اور برہان واضح پر ہے اس سے قرآن مجید اور جملہ معجزات اور حجج عقلیہ مراد ہیں " كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ " جس کے لئے بُرے اعمال مزین نظر آتے ہیں۔ بُرے اعمال سے شر اور دیگر معاصی مراد ہیں اس لیے کہ سنوارنے والے بدترین ہیں یعنی شیطان اور نفس امارہ۔ خلاصہ یہ کہ ہدایت یافتہ اور گمراہ برابر نہیں ہو سکتے " وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ " اسی تزیین کی وجہ سے انہوں نے اپنے خواہشات کی اتباع کی جنہوں نے انہیں سیدھے راستے سے پھیرا اور مختلف گمراہیوں میں منہمک ہوئے اور خود انہیں اپنے اس انہماک میں شک ہے کہ نامعلوم وہ ہدایت پر ہیں یا گمراہی میں چہ جائیکہ انہیں حجت حاصل ہو تو جوان کی ہدایت پر دلالت کرے اور ضمیر جمع کی مَنْ کے معنے کی وجہ سے ہے اور پہلے ضمائر کو مفرد اس لیے لایا گیا کہ مَنْ لفظ مفرد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اہل قلب واہل نفس کی طرف اشارہ ہے چونکہ اہل قلب بُرے اخلاق سے پاک ہونے کی وجہ سے وہ شواہد حق کو دیکھتے ہیں اور وہ ہر

معاملہ میں بصیرت سے کام لیتے ہیں اور اہل نفس کو بدعات اور برے اعمال بھلے لگتے ہیں اِس لیے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پاتے ہیں نہ بہشت کی طرف بلکہ وہ اپنے بُرے عقائد اور گندے اعمال کی وجہ سے گدھے سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیّنہ سے وہ نور مراد ہے جو انسان کو الہام و وسوسہ کا فرق بتاتا ہے اور یہ صرف ان حضرات کو نصیب ہوتا ہے جو اہل حقائق ہیں اور اس کا اصل حضور علیہ السلام کو حاصل ہوا، کما قال اللہ " لقد رایٰ من اٰیٰت ربہ الکبریٰ " اور فرمایا " ماکذب الفؤاد ماراٰی"

حضور علیہ السلام کی شان: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جتنے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے ایسے کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہ ہوئے اس لیے کہ آپ اسم رحمٰن کے مظہر ہیں اور رحمٰن اسم علیم کے بعد صادر ہوا اس لیے جملہ معلومات کو اسم رحمٰن حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو زینتِ دنیا ناپسند تھی کیونکہ دنیوی امور زوال پذیر ہیں اس لیے آپ کو ان سے کوئی تعلق نہ تھا اس لیے کہ مظہر رحمانی انقضاء کے منافی اور ابدیت کے موافق ہے ؎

از ما مجو زینت ظاہر کسی چون صدف
ما اندرون خانہ بگوہر گرفتہ ایم

ترجمہ: ہم سے زینت ظاہری تلاش نہ کر کہ ہم صدف کی طرح ہیں کہ ہمارے اندر بہترین جوہر ہیں۔

تفسیر عالمانہ: " مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط" اس جنت کی مثال جس کا متقیوں کے لئے وعدہ کیا گیا ہے۔ اہل ایمان کو متقی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ اشارہ ہو کہ تقویٰ اور عمل صالح ایمان کے ابواب سے ہیں اور تقویٰ کہتے ہیں ادائے واجبات و ترک سیات کو اور مثل سے مراد یہ ہے کہ جنت ایک عجیب الشان چیز ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ دراصل عبارت " مثل الجنۃ الموعودۃ للمؤمنین الخ ہے یعنی بہشت وہ عجیبۃ الشان شئے ہے جس کے متعلق تم سنتے ہو اور قرآنی آیات سے تمہیں اس کے متعلق معلومات ہیں وہ یہ ہیں۔ " فِيْهَآ " وہ بہشت جس کے متعلق اہل تقویٰ کو وعدہ دیا گیا ہے اس میں " اَنْهٰرٌ " نہریں ہیں۔ یہ نہر بالسکون کی جمع ہے

کبھی اسے متحرک بھی پڑھا جاتا ہے) بہنے والے پانی کے جاری ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے" مِّن مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ" یہ اسن الماء سے ہے از باب ضرب و نصر یا از علم یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی کا ذائقہ اور بو متغیر ہو جائے "عین المعانی" میں ہے کہ یہ اسن بمعنی غشی علیہ ہے یعنی وہ کنواں جس پر بدبو کا غلبہ ہو اور "القاموس" میں ہے الآسن من الماء الآجن یعنی وہ پانی جس کا ذائقہ اور رنگ متغیر ہو یعنی بہشت کا وہ پانی ہو گا جس کے طویل مدت تک ٹھہرنے کے باوجود نہ اس کا رنگ متغیر ہو گا نہ ذائقہ اور نہ بو بخلاف دنیا کے پانی کے کہ وہ ایک مدت کے بعد متغیر ہو جاتا ہے اگرچہ برتنوں میں بھی ہو باوجودیکہ مختلف ذائقے رکھتا ہے اور باوجودیکہ زمین کی ایک جنس پر ہوتا ہے اور زمین بسیط بھی ہے اور وہ پانی اس کو متصل بھی ہے اور کبھی اصل خلقت کے اعتبار سے پانی متغیر ہوتا ہے اور کبھی عارض کی وجہ سے یعنی اس کے چشمے اور کنوئیں کوئی عارضہ پیدا ہو گیا تو وہ پانی متغیر ہو گیا۔ (کذا فی المناسبات)

صاحب روح البیان کی تحقیق: فقیر حقی (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہ تو اپنے مقام پہ حق ہے کہ تمام دنیائے عالم کا پانی کا سرچشمہ وہ مبارک پتھر ہے جو بیت المقدس میں ہے اور وہ اپنی اصل خلقت کے لحاظ سے ٹھنڈا میٹھا اور پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ ہاں اس کے اندر تغیر مختلف مقامات سے جاری ہونے کی وجہ سے آجاتا ہے کیونکہ جن مقامات سے یہ پانی گذرتا ہے وہ تمام یکساں نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے " وفی الارض قطع متجاورات" اور ظاہر ہے کہ زمین کے متجاور ہونا فی نفس الامر متحد ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ زمین کے مختلف ٹکڑے ہیں۔

صوفیانہ فائدہ: ایسے ہی علوم کو سمجھیے کہ وہ جب طبع غیر مستقیم سے گذرتے ہیں تو اپنے سے متغیر ہو جاتے ہیں پھر وہ اگرچہ بظاہر علوم ہیں لیکن انہیں حقیقت میں جہل کہا جاتا ہے جملہ اہل ہوا اور اہل بدعت اور گمراہوں کے علوم اسی قسم سے ہیں۔

" وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ " اور دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا ذائقہ متغیر نہ ہو گا وہ گاڑھا ہو گا کہ جس سے زبان کو ثقالت محسوس ہو اور نہ ہی کھٹا ہو گا غرضیکہ تمام خرابیوں سے پاک ہو گا دنیوی دودھ کی طرح نہ ہو گا خلاصہ یہ کہ بہشت کا دودھ اصل خلقت کے لحاظ سے متغیر نہیں ہو گا۔ ہاں اگر بہشتی اپنی خواہش سے جس کا تغیر چاہیں گے تو وہ اسی طرح ہو جائے گا " وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ " اور شراب کی نہریں ہوں گی اور خمر انگور کے

اس نچوڑ کو کہتے ہیں جو نشہ پیدا کرے ہر نشہ آور شے کو خمر کہا جاتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

"لَذَّةٍ لِلشَّرِبِيْنَ ۝" لذت لذ کی مؤنث ہے بمعنی لذیذ جیسے طب بمعنی طبیب یا مصدر ہے جس سے نعت مطلوب ہے بمعنی لذیذۃ یعنی وہ شراب نہ مکروہ ہوگا اور نہ اس کا ذائقہ خراب اور نہ بدبودار اور نہ نشہ آور ہوگا جیسا کہ دنیا کے شراب میں ہوتا ہے بلکہ وہ شراب سراسر لذت ہی لذت ہوگا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

ترجمہ: "ہم نے پیالہ میں عکس رخ یار دیکھا۔ اے ہمارے مستی والے شراب کی لذت سے بے خبر۔"

حضرت صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا ؎

بادۂ جنت مثال کوثر ست اے ہوشیار
نیست اندر طبع کوثر آفت سکر و خمار

ترجمہ: "بادۂ جنت سے حوض کوثر ایک مثال ہے اے ہوشیار۔ کوثر کی طبع میں سکر و خمار کی آفت نہیں۔"

"وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ" اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ عسل شہد کی مکھی کا لعاب اور قے ہے۔ قال ظہیر الفارابی ؎

بدان غرض کہ دہن خوش کنی ز غایت حرص
نشستہ منتظر کہ قے کند زنبور

ترجمہ: "غایت حرص سے اس خیال میں ہے کہ منہ خوشذائقہ ہوگا منتظر بیٹھا ہے کہ بھڑ کب قے کرے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی حقیر ترین شے آدم زادے کا اعلیٰ ترین لباس ہے یعنی ریشم کے کیڑے کا لعاب اس کا ریشمی لباس ہے اور انسان کی اعلیٰ ترین غذا شہد کی مکھی کا گوہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد مکھی کے منہ کی غیر جگہ نکلتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شہد مکھی کے پیٹ سے نکلتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ اس کے منہ سے نکلتا ہے یا کسی دوسری جگہ سے (کذا فی حیوۃ الحیوان)

اس کی تحقیق ہم نے سورۂ نحل میں بیان کی ہے ''مُّصَفًّى'' وہ ایسا شہد ہوگا جس میں نہ موم ہوگی نہ ہی مکھی کے فضلات کی ملاوٹ اور نہ ہی دوسری خرابیاں، اسے اللہ تعالیٰ نے صاف ستھرا کر کے پیدا کیا ہے۔ اس کا یہ معنے نہیں کہ پہلے اس میں کچھ ملاوٹ تھی پھر اسے صاف کیا گیا بلکہ اس کا وہی معنے ہے کہ اس میں ابتداءً سرے سے کسی قسم کی ملاوٹ نہیں تھی۔

فائدہ: خالص اور صافی میں یہی فرق ہے کہ خالص وہ ہوتا ہے جس میں ملاوٹ کو دور کر کے صاف کیا جائے اور صافی وہ ہے جو ابتداءً صاف ہو جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو اس سے بہشت کی طرف شوق دلانا مطلوب ہے تاکہ مثال دے کہ اس کی لذتوں کی طرف شوق ہو کہ جیسے دنیا کی شرابوں سے انسان لذت اندوز ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر بہشت میں لذت اندوز ہوں گے کیونکہ جس سے لذت حاصل کی جائے وہ اگر ہر طرح کی الائش اور ملاوٹ اور ناخوشگوار امور سے پاک ہو اور پھر وہ دائمی ہو تو اس کی طرف طبیعت کو بہت بڑا شوق دامنگیر ہوتا ہے۔

لطیفہ: چونکہ بلاد عرب میں پانی کی قلت ہوتی ہے اس کی لوگوں کو شدید ضرورت ہوتی ہے اس لیے بہشت کی نعمتوں کا آغاز ''انھار'' سے ہوا اور پھر چونکہ پانی کا متغیر ہو جانا قدرتی امر ہے اس لیے فرمایا کہ بہشت کا پانی متغیر نہ ہوگا۔ اس کے بعد دودھ کا ذکر ہے اور وہ چونکہ قلیل ہوتا ہے لیکن بہشت میں نہروں کی صورت میں جاری ہونا ایک عجیب و غریب امر ہے اس لیے انہار کے بعد مذکور ہوا اور شراب ایک مہنگی اور کمیاب شئے ہے اس لیے اسے تیسرے نمبر پر بیان فرمایا اور شہد ایک اعلیٰ نعمت ہے اور پھر قلت کے ساتھ پائی جاتی ہے اس لیے اس پر نعمتوں کے ذکر کا اختتام فرمایا۔

اعجوبہ: کعب الاحبار نے فرمایا کہ دجلہ بہشت کی نہروں میں سے ایک ہے اور فرات بہشتیوں کی دودھ والی نہر ہے اور دریائے نیل ان کے شراب والی نہر ہے اور سیحان ان کے شہد کی نہر ہے اور یہی چاروں نہریں کوثر سے خارج ہوتی ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بہشت میں جو نہریں ہیں وہ صرف ان اسماء سے موسوم ہیں ورنہ ان کی حقیقت ہماری نہروں سے الگ ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کعب الاحبار نے بہشت کی نہروں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے کناروں پر کرسیاں بچھی ہوئی ہیں اور ان کے اردگرد قبے ہیں اور ان کا پانی آنسو سے زیادہ صاف اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے نرم تر اور ہر لذیذ سے لذیذ تر ہے۔ ان میں سے ہر ایک نہر کا عرض پانچسو سال کی مسافت ہے جو ہر محل اور کوٹھی کے نیچے گذرتی ہیں ان سے کپڑے تر ہوتے ہیں اور ان

کے پینے سے پیٹ کا درد نہیں ہوتا ان میں سب سے بڑی نہر کوثر ہے جس کا گارہ مشک خالص اور اس کے کناروں پر موتی اور یاقوت ہیں۔

فائدہ صوفیانہ: ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ جیسے بہشت میں چار نہریں شجر طوبیٰ کے نیچے سے گذرتی ہیں ایسے ہی عارف کے دل میں شجرۂ طیبہ (جس کی جڑ ثابت اور ٹہنی آسمان میں ہے) کے نیچے چار نہریں جاری ہیں چنانچہ قلب کے چشمے سے انابت کا پانی اور سینے کے چشمے سے صفوت کا دودھ خمخانۂ سر سے خمر محبت اور جگر روح سے عسل مؤدت جاری ہوتی ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

آب صبرت جوئے آب خلد شد
جوئے شیر خلد مہر تست ودد
ذوق طاعت گشت جوئے انگبیں
مستی وشوق تو جوئے خمر بیں
ایں سببہا چوں بفرمان تو بود
چار جو ہم مر ترا فرماں نمود

ترجمہ: صبر کا پانی خلد کی نہر کا پانی ہے بہشتی دودھ کی نہر محبت اور دوستی سے ہے۔ ذوق طاعت شہد کی نہر ہے مستی وشوق شراب کی نہر ہے اسی سبب سے تجھے فرمان ہے چار نہروں کے متعلق تجھے حکم فرمایا ہے۔

دوسرا فائدہ صوفیانہ: آیت میں پانی سے حیات قلب اور دودھ سے فطرت اصلیہ جو بدعت کی کھٹائی اور خواہشات نفسانی کی خرابی سے تبدیل نہیں ہوتی اور شراب سے خوشش محبت الٰہی اور شہد سے حلاوت قرب مراد ہے۔

صاحب روح البیان کا صوفیانہ قول: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ اس ترتیب سے ایک اور وجہ معلوم ہوتی ہے وہ اس طرح کہ قلب کو علم سے زندگی ملتی ہے اس کے بعد فطرت اصلیہ کی قوت کا ظہور ہوتا ہے اس کے بعد سالک محبت اکوان سے نجات پاکر محبۃ الرحمٰن کی طرف ترقی کر کے جوار الٰہی اور مقام قرب تک پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ تجلی علمی چار صورتوں (پانی، دودھ، شراب وشہد) میں

واقع ہوتی ہے جو پانی کی تجلی سے بہرہ ور ہوا اسے علم لدنی سے نوازا جاتا ہے اور جو دودھ کی تجلی سے نوازا گیا اسے امور شریعت کے علم سے بہرہ ور کیا جاتا ہے اور جو شراب کی تجلی سے نوازا جاتا ہے اسے علم یا کمال عطا ہوتا ہے اور جو شہد کی تجلی سے بہرہ یاب ہوتا ہے تو اسے بطریق وحی علم نصیب ہوتا ہے اور جسے قابلیت کے مطابق حاصل ہوتا ہے پھر اسے ایسا علم نصیب ہوتا ہے جس کا اسے پہلے علم حاصل نہیں تھا اس پر وہ بہت بڑا پیاسا ہو جاتا ہے اسی لیے مشائخ نے فرمایا طالب علم دریائی پانی پینے والے کی طرح ہے کہ جیسے دریائی پانی پینے سے الٹا پیاس بڑھتی ہے ایسے ہی علم کے طالب کی علم کی پیاس میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

شربت الحب کاسًا بعد کاس

فما نفد الشراب ولا رویت

ترجمہ: میں نے محبت کے پیالے پر پیالے پئے لیکن نہ شراب ختم ہوا نہ پیاس بجھی۔

اور "قل رب زدنی علما" میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: بایزید بسطامی قدس سرہ کے شعر میں عدم ریّ یعنی پیاس کا نہ بجھنا مجازی معنے ہے حقیقی معنے مراد نہیں۔

مشائخ نے فرمایا کہ جو وفا کے پیالے پیتا ہے وہ بحالت غیبت لیکن غیر کو نہیں دیکھتا اور جو صفا کے پیالے پیتا ہے وہ ہر قسم کی غیریت و کدورت سے صاف ہو گیا اور جو فنا کا پیالہ پیتا ہے وہ ہمیشہ بے قرار رہا اور جو بحالت بقا پیتا ہے وہ ہمیشہ بقا سے مانوس ہوا اس کے بعد وہ کسی کو نہیں چاہتا کیونکہ وہ اپنے محبوب کے دیدار سے کسی کی عطا کا خواہش مند نہیں رہتا کیونکہ کبریائی اور جلال میں محو ہو گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ: (ربط) مشروبات کے ذکر کے بعد اب ماکولات کو بیان فرمایا چنانچہ فرمایا "وَلَهُمْ" اور ان متقیوں کے لئے "فِيهَا" بہشت میں "مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ" ہر طرح کے ثمرات ہوں گے اور ساتھ ہی انہار مذکورہ اقسام بھی ہوں گے اور ثمرات ایسے بکثرت ہوں گے جس میں قلت اور انقطاع نہ ہو گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر ہر قسم کے دو جوڑے مراد ہیں جیسا کہ دوسری آیت "فیھما من کل فاکھۃ زوجان" میں زوجان مصرح ہے اور یہ ثمرۃ کی جمع ہے ہر وہ اشیاء کھانے کے لائق درختوں سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ نفع جو کسی شئے سے حاصل ہو اسے بھی ثمرہ کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "ثمرۃ العلم العمل الصالح" اور "ثمرۃ العمل الصالح الجنۃ"

"وَمَغْفِرَةٌ" اور بہت بڑی مغفرت "مِّنْ رَّبِّهِمْ" جو ہونے والی ہے ان کے پروردگار کی طرف سے کیونکہ وہ ان کے ساتھ احسان و کرم فرماتا ہے اس لیے کہ جو ان سے پہلے گناہ سرزد ہوئے وہ سب کے سب ایسے معاف فرماتا ہے کہ پھر ان کی وجہ سے نہ انہیں عذاب دے گا اور نہ عتاب فرمائے گا اور نہ ہی بہشت میں ان کی دی ہوئی نعمتوں میں کمی کرے گا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ محض تاکید کے لئے ہے جیسا کہ اس کا نکرہ ہونا بتاتا ہے اور اس کی عظمت کے لئے اگرچہ نکرہ ہونا کافی ہے لیکن اس کا رب تعالیٰ کی طرف مضاف ہونا اس کی فخامت و عظمت میں مزید اضافہ ہوا اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس کا عطف صنف محذوف پر ہے در اصل عبارت "ونعیم المطة المغفرة وسبیتہ" تھی اس لیے کہ مغفرت دخول جنت سے پہلے ہوگی۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ اس کا عطف اضاف متقدرہ پر ہے تاکہ معلوم ہو کہ بہشت کی نعمتیں دے کر بہشتیوں پر اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ کبھی آقا اپنے غلام کو نعمتیں دے کر ناراض بھی ہوتا ہے۔

صوفیانہ فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر ثمرات سے مکاشفات اور مغفرت سے وجود کے گناہ چھپانا مراد ہے جیسا کہ کسی شاعر نے فرمایا۔

ع وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب

ترجمہ: تیرا وجود گناہ ہے اس پر اور کسی گناہ کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

؎ پندار وجود ما گناہیست عظیم
لطفے کن و ایں گنہ ز ما در گذران

ترجمہ: دیکھ ہمارا وجود بہت بڑا گناہ ہے لطف کر کہ یہ گناہ ہمارے سے ٹل جائے۔

"كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ" یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے در اصل "امن هو خالد فی الجنة الخ" یعنی وہ جو بہشت میں رہے کیا اس کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ ہی دوزخ میں رہے گا اس لیے کہ بہشت میں بندے کو اپنے وعدۂ کریمانہ کے مطابق داخل فرمایا ہے تو پھر اپنے وعدہ کے خلاف کر کے اسے کیسے بہشت سے نکالے گا اور وہ جو اپنے نامت اعمال کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگا اور وہ دوزخ کے شعلے بجھنے والے نہیں اور نہ ہی اس کے قیدی کو چھوڑا جائے گا اور نہ اس کے مسافر سے انس کیا جائے گا کما قال "والنار مثوی لهم" خلاصہ یہ کہ بہشتی دوزخی کی طرح نہیں ہو سکتا۔ "وَسُقُوا" یہ صیغہ جمع باعتبار مَنْ کے معنیٰ ہے یہ بہشت کی پینے کی مذکورہ نعمتوں سے بدل ہے اور وہ پلائے جائیں گے "مَاءً حَمِيمًا" گرم سخت گرم پانی "فَقَطَّعَ" تو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اس لیے کہ وہ بہت زیادہ

گرم ہوگا ”اَمْعَآءَهُمْ“ ان کی آنتیوں کو امعاء معی (بالکسر والقصر) کی جمع ہے پیٹ میں طعام کے مخزن کا نام ہے کیونکہ آنتیوں میں طعام آتا جاتا ہے لیکن ان میں طعام معدہ میں پہنچنے کے بعد آتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جب پانی ان کے قریب پہنچے گا تو ان کے چہرے جل جائیں گے؟ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا اور جب آنتیوں میں پہنچے گا تو آنتیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دبر سے نکل جائیں گی۔

سبق: اے غافل اس سے عبرت پکڑیئے اور اللہ واحد قہار کا خوف کیجیے کیا شراب اور ٹھنڈا میٹھا اچھا یا سخت گرم اور کڑوا پانی!

نکتہ: اللہ تعالیٰ انہیں اس عذاب میں اس لیے مبتلا فرمائے گا کہ دنیا میں ان کے قلوب معارف الٰہیہ سے خالی اور غفلت و جہل سے پُر رہے۔

نکتہ: آخرت کی نعمتیں دنیا کی معنوی نعمتوں سے بنتی ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم بن دینار قدس سرہ نے فرمایا کہ لوگ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں لیکن اکثر بیچارے اطیب اشیاء کے ذوق سے محروم گئے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اطیب الاشیاء سے کیا مراد ہے، آپ نے فرمایا معرفت الٰہی دنیا کی تمام اشیاء سے اطیب شے ہے جسقدر معرفت الٰہی کا ذائقہ دنیا میں نصیب ہوگا اسی مقدار میں آخرت میں اس کا ذوق حاصل ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ آخرت کی نعمتوں کے کمال کا دار و مدار دنیا میں معرفت الٰہی کے ذوق پر ہے۔

فائدہ: سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ معرفتِ الٰہی جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین سے بہتر ہے۔

سبق: بد قسمت کا کیا حال ہوگا جسے آخرت میں دار جہنم میں بند کر دیا جائے جس کی آگ غضب رب قہار سے سلگائی جائے گی اور اس کی کیفیت خود سمجھیے جسے جہنم میں گرم پانی پلایا جائے گا دیکھیے جسے گرم حمام میں بند کر دیا جائے تو اسے موت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا پھر سوچیے اس دنیا میں جب پیاس ستاتی ہے تو کسی قسم کا ٹھنڈا پانی بھی اسے نہیں بجھا سکتا لیکن آخرت کی پیاس تو اس سے کئی گنا زائد ہوگی اس لیے دنیا کی نعمتوں پر مغرور نہیں ہونا چاہیے جبکہ دنیا کے انہماک کا انجام جہنم اور گرم پانی ہے۔

حکایت: دور سابق میں مومن و کافر مچھلی کا شکار کرنے گئے تھے جب کافر نے شکار کیا تو اپنے معبودوں کا نام لیا تو اسے بہت سی مچھلیاں ہاتھ لگ گئیں لیکن مومن نے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کیا مگر خالی رہا شام کو ایک مچھلی ملی لیکن وہ بھی ہاتھ سے نکل کر پانی میں واپس

چلی گئی۔ کراماً کاتبین شام کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ نے مومن کا بہشتی مقام دکھایا تو فرشتوں نے کہا مومن کو یہ سستا سودا نصیب ہوا کیا ہوا اسے مچھلی نہ ملی لیکن اس مقام کے مقابلہ میں وہ کچھ نہیں اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں کافر کا مقام دکھایا تو فرشتے بولے کافر کو مچھلی کا شکار ملا تو کیا ہوا جب اس مقام پہ آئے گا تو پچھتائے گا ؎

نعیم ہر دو جہان پیش عاشقاں بدو جو
کہ آن متاع قلیلست واین بہائے کثیر

ترجمہ: دونوں جہانوں کی نعمتیں عاشق کے سامنے صرف دو جو کے برابر ہے اس لیے کہ یہ متاع قلیل ہے اور وہ قیمتی شے ہے۔

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ" بعض ان میں وہ ہیں جو آپ کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں۔

حل لغات: اہل عرب "استمع الیہ" اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی بات کی طرف کان لگائے۔

شان نزول: منافقین بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر آپ سے قرآن سنتے لیکن اس میں غور و فکر نہ کرتے بلکہ سنا ان سنا کر دیتے "حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ" ضمیر جمع مَنْ کی وجہ سے ہے اور اس سے پہلے ضمیر مفرد مَنْ کے لفظ کی وجہ سے تھا یعنی یہاں تک کہ جب وہ آپ سے فارغ ہو کر باہر جاتے ہیں "قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" تو اہل علم سے پوچھتے ہیں ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت ابن عباس و حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

"مَاذَا قَالَ اٰنِفًا" ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا' ان کا یہ سوال ٹھٹھا مخول کے طور تھا اگرچہ بظاہر اس سے وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے تھے "انفا" بروزن صاحب وصحب ہر دونوں طریق سے مستعمل ہوتا ہے کہ "انف الشیٔ" سے ہے ہر وہ گھڑی جو پہلے گذری اسے انف بمعنے ناک سے ماخوذ ہے۔

امام راغب نے فرمایا کہ اہل عرب کہتے ہیں "استانفت الشیٔ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو ابتداء سے پکڑے اسی سے انفا لیا گیا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے کہا کہ آنف کا استعمال صرف وقت سے مخصوص ہے اور وہ ظرف حال پر دلالت کرتا ہے لیکن اب یہ اس ساعت کا اسم ہے جو اس ساعت سے پہلے ہو جس میں بھی تم ہو جیسا کہ صاحب کشاف نے کہا اور قاموس میں ہے کہ آنف بروزن صاحب وکتف دونوں طریقے پڑھے جاتے ہیں بمعنے

مذ ساعۃ یعنی وہ پہلا وقت جو گذشتہ ساعات میں سے ہمارے قریب ہے۔ یہاں سے وہ اعتراض اٹھ گیا جو کہا جاتا ہے کہ آنف بمعنے وقت حاضر ہے اور وہ یہاں موزوں نہیں کیونکہ وہی معنے مراد ہے جو صاحب قاموس نے فرمایا ہے اسی قاعدہ کو مدنظر رکھ کر بعض لوگ کہتے ہیں "مر انفا" بعض فلاں شخص ابھی گذر رہا ہے یا اسی گھڑی میں گذر رہا ہے یعنی تم چاہو تو فی ھذہ الساعۃ کہو اور چاہو تو کہو مر قریبا ایک ہی مطلب ہے بمعنے اول الوقت "اُولٰٓئِكَ" وہ موصوفین جن کا ذکر ہوا "الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" وہ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی ہے وہ اس لیے کہ ان کے قلوب خیر کی طرف متوجہ نہیں۔ اسی معنے پر خاتم کو طابع بھی کہتے ہیں۔

امام راغب نے کہا کہ "طبع" بمعنے کسی شے کی صورت بنانا جیسے سکے یا درہم پر مہر وغیرہ اور یہ ختم سے اعم اور نقش سے اخص ہے اور خاتم وطابع ایک ہی شے یعنی وہ شے کہ جس سے مہر لگائی جائے اور طابع طبع کا فاعل ہے "وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ" اور انہوں نے اپنی باطل خواہشات کی اتباع کی پھر وہی کام کیے جو سب کو معلوم ہیں جن میں ذرہ برابر بھی خیر اور بھلائی نہیں تھی۔

"وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا" اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت کی راہ پائی ان سے اہل ایمان مراد ہیں "زَادَهُمْ هُدًى" انہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت میں بڑھایا یعنی ان کے قلوب میں خیر و بھلائی کا الہام فرمایا اور ہدایت کی توفیق بخشی "وَاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ" اور انہیں تقوٰی وطہارت عطا فرمائی یعنی انہیں تقوٰی اور پرہیزگاری پیدا فرمائی یا ان کے لئے وہ طریقے واضح فرمائے جن سے وہ پرہیزگاری اور تقوٰی کے مطابق عمل کرتے۔ ابن عطا قدس سرہ نے فرمایا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہدایت کی طلب میں سچے ہیں جنہیں ہم نے مقام ہدایت تک پہنچایا اور ہادی تک پہنچنے کے لئے ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا "فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ" تو کیا وہ منافقین وکافرین انتظار کر رہے ہیں "اِلَّا السَّاعَةَ" مگر قیامت کا یعنے قیامت کا ہی انتظار کر رہے ہیں "اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً" ان کے ہاں اچانک آئے گی بغتۃ بمعنے مفاجات یہ الساعۃ سے بدل الاشتمال ہے یعنی ان کے ہاں قیامت اچانک آئے گی، اس آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ لوگ نہ تو گذشتہ امتوں کے احوال سے نصیحت پذیر ہوتے ہیں اور نہ ہی قیامت کے حالات اور ان کی ہولناک خبروں سے عبرت پکڑتے ہیں انہیں جو باتیں سنائی جائیں معمولی طور بھی دھیان نہیں دھرتے بلکہ وہ تو صرف قیامت کے وقوع کے منتظر ہیں۔

"فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا" یہ مناجات کی تعلیل ہے مطلقاً قیامت کے اچانک آنے کی تعلیل نہیں یعنے اب ان کے انتظار کرنے کا کوئی ایک امر بھی باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ ان کے ہاں قیامت اچانک آ پہنچے کیونکہ جب ان کے ہاں قیامت کی نشانیاں آئی ہیں تو انہوں نے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا بلکہ قیامت کے وقوع کے ان مبادی کو کچھ بھی نہ سمجھا اشراط شرط (بالتحرک) کی جمع ہے بمعنے علامت یہاں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ مراد ہے اور آپ کی امت بھی کیونکہ آپ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی امت کے بعد کسی اور امت نے نہیں آنا۔ اس معنے پر آپ کی بعثت مبارکہ علامت ہے اس امر کی کہ اب دنیا کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں" فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ؕ" یہ ان کی خطا اور ان کی رائے کے فساد کا بیان ہے کیونکہ یہ قیامت کے آنے تک نصیحت قبول کرنے کو مؤخر کر رہے ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو نصیحت کسی طرح بھی مفید نہیں بلکہ ان کا نصیحت قبول کرنا محالات سے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

"یومئذ یتذکر الانسان و انی له الذکریٰ" یعنے انہیں نصیحت کس کام کی جب قیامت آئے گی "انی لھم" خبر مقدم اور "ذکراہم" مبتدا مؤخر ہے اور "اذا جاءتھم" جملہ معترضہ ہے اسے خبر و مبتدا کے درمیان میں اس لیے لایا گیا ہے تاکہ قیامت کے جلد تر آنے پر تنبیہ ہو۔

نکتہ: یہاں قیامت کے آنے پر "بغتۃً" سے مقید نہ کرنا پتہ دیتا ہے کہ نصیحت سے نفع کے استحالہ کا دار و مدار مطلقاً قیامت کے آنے میں ہے اس کے اچانک آنے میں نہیں۔

قیامت کے علامات: حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقوع کی تعیین کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا مسئول عنہا سائل سے اعلم نہیں ہاں اس کی چند علامات یاد رکھو:۔

(۱) کمر توڑ مہنگائی۔

(۲) بکثرت بارشیں لیکن ان سے انگوریاں پیدا نہیں ہوں گی یعنے بے ہنگام بارشیں ہوں گی۔

(۳) فتنے عام ہوں گے۔

(۴) زنا کی اولاد کی بہتات ہوگی۔

(۵) مال اور دولت کی عزت و عظمت ہوگی۔

(۶) مساجد میں فاسقوں کی آوازیں بلند ہوں گی۔

(۷) برے لوگوں کو اہل حق پر غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امانت کا ضیاع ہو سمجھ لو قیامت آ گئی۔ عرض کی گئی امانت کے ضیاع کا کیا معنے؟ آپ نے فرمایا جو امور نااہلوں کے سپرد کیے جائیں۔

فائدہ: کلبی نے کہا کہ قیامت کے یہ علامات ہیں:۔

(۱) مال کی کثرت۔

(۲) تجارت کی کثرت۔

(۳) جھوٹی گواہیاں۔

(۴) قطع رحمی

(۵) باعزت لوگوں کی قلت۔

(۶) بدمعاشوں کی کثرت۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم تو چاہتے ہو کہ وہ دولت ملے جو گمراہی کا موجب بنے اور فقر وہ جس سے خدا بھول جائے اور مرض نصیب ہو جس سے فساد ہو اور بڑھاپا جو قبر کا منہ دکھائے یعنی موت تک نہ چھوڑے اور دجال جو چھپا ہوا شر ہے اور قیامت جو کالی سیاہ اور سخت کڑوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مرتے ہی قیامت قائم ہو جاتی ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت تیار رہے کہ مرنے کے بعد قیامت قیام ہو تو اسے تکلیف نہ ہو بلکہ انسان پر لازم ہے کہ وہ قیامت کبریٰ کے لئے ہر وقت مستعد رہے کیونکہ یہ وہ کیمیا ہے کہ اس سے ماسوی اللہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے بلکہ اپنا وجود مجازی فنا ہو کر مٹ جاتا ہے تو اس کے بعد وجود حقیقی کا راز کھلتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رضا کی طرف جلدی کرنے والوں سے بنائے اور ہمیں اعضائے قوی عطا فرمائے جو اس کے امر بجا لائیں اور وہ اوقات بخشے جو اس کی طرف لیجائیں اور اس کے غیر سے دور رکھیں۔

"فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں یعنے اس ذات کے سوا کسی کی عبادت ہو سکتی ہی نہیں۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ سعادت کا دار و مدار توحید اور طاعتِ الٰہی پر ہے اور بدبختی اور شقاوت کی جڑ شرک اور معصیت ہے۔ جہاں تک ہو سکے توحید و طاعت پر جمے رہو۔ یہی توحید وہ عقیدہ ہے جو تمام عقائد کا سرتاج ہے اور انسان پر سب سے پہلے یہی عقیدہ واجب اور لازم ہوتا ہے۔

اس لیے فَاعْرِفْ کے بجائے فَاعْلَمْ فرمایا ہے کیونکہ انسان کبھی کسی شے کو جانتا تو ہے لیکن اس کا احاطہ نہیں کر سکتا جب اس کا علم شے کو محیط ہو جاتا ہے تو پھر اسے اس شے کا عرفان حاصل ہوتا ہے (اس لیے عرفان ۔ معرفت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا اسے عارف نہیں کہا جاتا، عالم ۔ علیم کہا جاتا ہے ۔

سوال : اللہ تعالیٰ کا احاطہ ناممکن ہے پھر ہمارے لیے اس کا علم کیسا ؟

جواب : ہم اس کے صفات کو جانتے ہیں توصفات کے جاننے سے اللہ تعالیٰ کی کنہ کے جاننے کو مستلزم نہیں اس لیے اسے سوا اس کے کوئی نہیں جانتا ۔

سوال : بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ بعض عرفاء مرتبۂ الوہیت کو جانتے ہیں تو تم کیسے کہتے ہو کہ اس کی کنہ کو کوئی نہیں جانتا ۔

جواب : انہیں اکابر مشائخ کا فرمان جو مرتبۂ الوہیت کا عارف ہے یہ اس کی کنہ کو جاننا نہیں بلکہ مرتبۂ احدیت ہے اس کو تعین اول کہا جاتا ہے اور تعین اوّل کا علم اس کی ذات کی کنہ کے علم کو مستلزم نہیں اور نہ ہی اس کے ہویت کے غیب کا علم لازم اور نہ ہی اس کی صفات کا احاطہ ممکن اس تعین اول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو قدر و منزلت اور قابلیت کے لحاظ سے تمام مخلوق سے اکمل ہیں، کو فرمایا " فاعلم " الخ یعنی جان لو اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اس میں آپ کو اور آپ کی امت (متبعین میں سے) کو تنبیہ ہے ۔ جانو اسے اپنی معرفت کے امکان کی مقدار میں اس کے جناب قدس سے اور جتنا اس پر کامیابی ممکن ہے اور وہ ہے مرتبۂ الوہیت یعنی تعین اول اس کے ماوراء حضرت الغیب المطلق اور غیب الھویت کونین کی طاقت سے باہر ہے اس لیے اس کے ماوراء نہ اسم ہے نہ رسم اور نہ نعت ہے نہ وصف اور نہ اس پر کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے کون تقیدی قوت میں نہیں کہ وہ اپنے تقاضائے تقیید سے بڑھ کر علم دے اس تقریر سے ثابت حضرت الغیب المطلق اور غیب الھویت کا ادراک ناممکن ہے لیکن چونکہ حصول التوحید جو نفس کا کمال ہے موجب للاجابت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا " فاعلم " الخ اسی بنا پر انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کی تکمیل کے بعد اس کے غیر کی تکمیل میں سعی کرے تاکہ عبادت میں مخلوق کا تعاون نصیب ہو ۔

تفسیر عالمانہ :-

ذنب سے استغفار کا مطلب : " وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ " اور اپنوں کے لئے

غفران طلب فرمائیے اگر اپنے لیے مانگتا ہے تو اسفل مرتبہ سے کیونکہ آپ جب عالی مرتبہ پر فائز ہوتے تو سفلی مرتبہ سے استغفار فرماتے یا اس سے وہ ترک اولیٰ مراد ہیں جو آپ کے شان کے لائق نہ ہوں جیسا کہ مشہور ہے "حسنات الابرار سیآت المقربین" ابرار کی نیکیاں مقرب حضرات کی سیات ہیں، یا اس میں آپ کو تواضع کی تعلیم ہے اور کسر نفسی کا سبق ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ عمل صالح میں جد و جہد ضروری ہے "وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ" اور اہل ایمان مرد عورتوں کے لئے استغفار کیجیے یعنی اپنی امت کے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا کیجیے اور انہیں ترغیب دیجیے کہ وہ عمل کریں جو ان کی بخشش کا موجب ہوں کیونکہ وہ لوگوں میں اس آپ کی دعا کے زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ وہ جو عمل کریں گے اس کا اجر آپ کو بھی ملے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ ترتیب کنندہ اور نیک عمل کی ترغیب و تعلیم دینے والے کو عمل کرنے والے کی طرح اجر و ثواب ملتا ہے۔

سوال ۔ استغفار کے صلہ کا اعادہ کیوں جبکہ دونوں کا متعلق جنس کے باوجود مختلف ہے اور پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیوں ؟

جواب ۔ اس طرف اشارہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب میں اصل مومنین و مومنات ہیں پھر وہ اپنے نبی علیہ السلام کی استغفار کے بہت محتاج ہیں ۔ الاستغفار بمعنی سوال المغفرت و طلب الستر یا تو گناہ کے ارتکاب سے یعنی گناہوں کے ارتکاب سے بچا اس سے عصمت و حفظ کی طلب مراد ہو گی یا عقوبتِ ذنب کے پہنچنے کی معافی کا سوال تو پھر اس سے عفو مراد ہو گی ۔

نبی علیہ السلام کی تین حالتیں :

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تین حالتیں ہیں :۔

(۱) مع اللہ ۔ اس لیے آپ کو حکم ہوا "وحدہ" اس کی توحید بیان کر ۔

(۲) مع نفسہ ۔ اس لیے آپ کو حکم ہوا کہ واستغفر لذنبک

(۳) مع المومنین ۔ اس لیے آپ کو ان کے لئے استغفار کا حکم ہے ۔

نکتہ : یہ آیت قرآن مجید میں سب سے زیادہ امید دلاتی ہے کہ ہماری بخشش ضرور ہو گی (انشاء اللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری بخشش مانگنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر بلکہ یقین ہے کہ آپ کی اس دعا کو قبول ضرور فرمایا جائے گا کیونکہ اگر اس کا ایسا

ارادہ نہ ہوتا تو بخشش مانگنے کا حکم نہ دیا ہوتا۔

ہر کرا چون تو پیشوا باشد

نا امید از خدا چرا باشد

چون نشان شفاعت کبریٰ

یافت بر نام نامیت طغرا

امتان با گناہگاریہا

بتو دارند امید واریہا

ترجمہ: جس کا آپ جیسا پیشوا ہو وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے ناامید ہو، جب شفاعت کبریٰ کا نشان پایا آپ کے نام نامی نے طغرا، امت گنہگاری کے باوجود آپ سے ہی امیدیں وابستہ رکھتی ہے۔

"وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰکُمْ ہ" (اور اللہ تعالیٰ تمہارا دن کو پھرنا اور رات کو آرام کرنا جانتا ہے۔) متقلب وہ مکان جہاں دنیا کے کاروبار اور معاشی امور طے کرنے کے بعد ٹھہرا جائے کیونکہ تجارتی اور معاشی امور میں مراحل ہوتے ہیں جنہیں طے کرنا پڑتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہارے چلنے پھرنے کو جانتا ہے کہ تم ایک حال سے دوسرے حال کی طرف کیسے لوٹتے ہو۔ مثویٰ سے آخرت میں ٹھہرنے کی جگہ بھی مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہاری ٹھہرنے کی جگہ جانتا ہے کہ وہ بہشت ہے یا دوزخ اس لیے وہ تمہیں ان امور کا حکم فرماتا ہے جو تمہارے لیے دنیا و آخرت میں بہتر ہیں فلہٰذا تم اس میں جلدی کیا کرو جس کا تمہیں حکم ہو یہی تمہارے لیے دونوں جہانوں میں اہم ہے۔

آیت میں خطاب کس کو؟ (۱) بحر العلوم میں ہے "فاعلم واستغفر" کا خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے اور یہی ظاہر ہے اور ہر اس کو بھی ہے جو اہل ایمان ہے اور وہ استغفار کا علم اور اہلیت رکھتا ہے اس کی تائید آیت کے تتمہ میں ہے کہ وہاں جمع کا صیغہ فرمایا (متقلبکم ومثوٰکم)

(۲) کشف الاسرار میں ہے کہ اے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپ نے بنظر و استدلال معلوم کیا توحید کے بارے میں بھلائی میں سے اسے خوب جان لو اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ یگانہ ہے اپنی ذات وصفات میں۔

(۳) حقائق سلمی میں ہے کہ جب عالم کو کہا جائے اِعْلَمْ (جان) تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معلوم شدہ امر کو یاد کر۔

(۴) حضرت ابو الحسین نوری قدس سرہ نے فرمایا وہ علم جس میں (بلفظ اِعْلَمْ) آپ کو خطاب کیا گیا ہے اس سے علم الحروف مراد ہے اور علم الحروف لام الالف میں اور لام الف کا علم الف میں الف کا علم نقطے میں ہے اور نقطے کا علم معرفت اصلیہ میں اور معرفت اصلیہ کا علم الاول میں اور علم الاول کا علم مشیت میں اور مشیت کا علم غیب الھویت میں ہے وہی جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فاعلم کے خطاب میں دعوت دی ہے۔ اس تقریر پر انه کی ضمیر کا مرجع غیب الھویت ہے۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام کو جب کہا اَسْلِمْ تو عرض کی اَسْلَمْتُ لیکن جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا گیا فَاعْلَمْ تو آپ نے کیوں نہیں کہا عَلِمْتُ (میں نے جان لیا)

جواب: خلیل علیہ السلام ابھی سالک راہ تھے جیسا کہ خود کہا "انی ذاھب الی ربی" میں اپنے رب کے ہاں جا رہا ہوں اس لیے وہ ابھی وادیٔ تفرقہ میں تھے تو ان کو وہی جواب موزوں تھا اور حضور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ربودۂ حق تھے نقطۂ جمع سے آپ کو نوازا گیا تھا جیسے "اسری بعبدہٖ" میں واضح ہے کہ معراج پر خدا تعالیٰ نے آپ کو بلا کر واپس آنے ہی نہیں دیا یعنی اپنے مشاہدات میں ہر وقت مصروف رکھا اس لیے آپ کے لئے یوں کہا کہ اٰمن الرسول الخ اور حقیقی ایمان بھی وہی ہے جس کا مومن کو علم تو ہے لیکن وہ خود حق تعالیٰ فرمائے کہ میرا بندہ مومن ہے اور اکیلے بھی معلوم ہے اور وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ علمتُ سے خبر دے۔

نکتہ: استغفار کا حکم گناہوں کے لئے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے استغفار کرو کہ تم کو معلوم ہو گیا کہ میں نے اسے جان لیا ہے تو اب اس قول سے استغفار کیجیے کہ یہ بھی تمہارے لیے ایک قسم کا ذنب ہے اس لیے وہ حق تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ؎

ترا کہ داند کہ ترا تو دانی تو
ترا نداند کس ترا تو دانی کسی

ترجمہ: تجھے کون جانے جیسے تو خود کو جانتا ہے تجھے کوئی نہیں جانتا تو اپنی ذات کا خود عالم ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "فاعلم" تم علم یقین سے جانو کہ کوئی معبود نہیں علم

تفسیر صوفیانہ: یقین یہی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ہم اسی طرح حق الیقین سے جانتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے صفت علم ذاتی سے جہولیت ذاتی بندے پر تجلی فرمائی تو اس کے نور علم سے بندے کی جہولیت کی ظلمت مٹ گئی جس سے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں پھر اسے کہا گیا اپنے گناہ سے بخشش مانگ یعنی اس گناہ سے کہ تو نے کیوں کہا کہ میں نے اسے جان لیا ہے۔ اور اہل ایمان مرد عورتوں کے لئے بھی کہ وہ بھی گمان رکھتے ہیں کہ انہیں علم ہو گیا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" وما قدروا اللہ حق قدرہ " انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر روح کے پھرنے کی جگہ کو کہ وہ کس طرح وصف خاص سے عدم سے وجود میں آیا ہے یعنی عالم ارواح میں مخصوص مقام میں اور ہر روح کا ٹھکانا اسفل السافلین یعنی وصف خاص کے ساتھ قالب خاص ہے پھر اس سے چلنا پھرنا اسفل السافلین قالب سے ایمان اور عمل صالح یا کفر اور برے عمل درجات روحانیہ کی طرف یا درکات نفسانیہ کی طرف اسی طرح اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا ٹھکانا اعلیٰ علیین یعنی قرب مخصوص میں یا سجین یعنی بُعد مخصوص میں۔ اس کی مثال اس پتھر اور ڈھیلے اور لکڑی کی سی ہے جن پر مکان بنایا جائے ٹھکانے مخصوص کے لئے یا کوئی جگہ دار میں سے تو اس کے ساتھ اور کوئی غیر اس کا شریک نہ ہوگا اس لیے روح کے ٹھکانے کی بھی ایک مخصوص جگہ جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

دوسری تقریر صوفیانہ: حضرت البقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے مطالعہ اور میرے وجود کے وصال میں اپنے وجود کے اظہار پر استغفار کر کیونکہ وجود حدثانی (فانی) کا وجود باقی کے سامنے ظاہر کرنا بہت بڑا گناہ۔

مسئلہ: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہاں ذنب سے صغائر اور وہ لغزشیں مراد ہیں جو صفات بشریت سے ہیں یہ اس کا قول ہے جو انبیاء علیہم السلام سے صغائر اور لغزشوں کا تعامل ہے۔

نبی علیہ السلام کو استغفار کا حکم تعلیم امت کے لئے تھا: معالم التنزیل میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو استغفار کا حکم (باوجودیکہ آپ مغفور تھے) اس لیے تھا تاکہ امت کو سنت کی اقتداء نصیب ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ اپنے ذنب سے استغفار کیجیے تاکہ آپ کی امت کو اقتداء نصیب ہو۔

بہتر بن مراد: تبیان میں لکھا ہے کہ عصمت کی طلب کیجیے تاکہ آپ کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے

محفوظ رکھے۔

فائدہ: بعض نے کہا اظہار بہ تقصیر عبودیت کی حقیقت میں سے ہے۔ ایسی عبودیت کہ اس کا ادراک کسی کو نصیب نہیں (سوائے آپ کے)

راز ہے جسے رازدان جانتا ہے: بعض اکابر نے فرمایا کہ جو ذنب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف مضاف ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ فاعلم میں ہے اسے سوائے رازدان کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ کی عارفانہ تقریر: ممکن ہے کہ ذنب کی نسبت آپ کی طرف مرتبۂ فرق کی حیثیت سے ہو کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مرتبۂ جمع کے بھی جامع ہیں اور مرتبۂ فرق کے بھی) اس لیے مجھے ریاض الجنۃ میں (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سر مبارک جانب سے) کہا گیا کہ مخلوق کو سجدہ روا نہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باطن شریف کے کہ وہ حق ہے اور وہ ذنب جو اہل ایمان مرد عورتوں کی طرف مضاف ہے وہ اس لیے کہ وہ علم التوحید میں بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قاصر ہیں۔

کلمۂ توحید کی فضیلت: یہ کلمہ توحید ایسی توحید ہے کہ نہ اس کی کوئی مثال ہے نہ اس کے برابر کی کوئی شے ہے ورنہ وہ واحد نہ ہوتا بلکہ دو یا اس سے زائد ہوتا جب یہ کلمۂ توحید حقیقی مراد ہو تو وہ میزان میں نہیں سما سکے گی کیونکہ نہ اس کا مماثل ہے نہ برابر تو پھر وہ اس میں کیسے داخل ہو اسی طرف حدیث صحیح کا اشارہ ہے وہ یہ ہے:-

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ساتوں آسمان اور اس میں رہنے والے میرے سوا ایسے ہی ساتوں زمینیں اور اس میں رہنے والے میرے سوا ایک پلڑے میں ہوں اور "لا الٰہ الا اللّٰہ" دوسرے پلڑے میں تو کلمۂ توحید کا پلڑا بھاری ہوگا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ کلمۂ توحید حقیقی میزان میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مماثل اور برابر کی کوئی شے نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لیس کمثلہ شیءٌ" (اس کی مثل کوئی شے نہیں)

فائدہ: اگر توحید رسمی مراد ہو تو وہ میزان میں داخل ہو جائے گی اس لیے کہ اس کی اضداد پائی جاتی ہیں جیسا کہ صاحبِ انسجلات کی حدیث میں ہے کہ ننانوے سجلات ایک طرف ہوں اور وہ کلمۂ توحید جسے فرشتے نے لکھا تو کلمۂ توحید رسمی کا پلڑا بھاری ہوگا اور اس سے یہی کلمہ مراد ہے جو لکھا پڑھا اور بولا جاتا ہے

کیونکہ یہ مخلوق ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ میزان شریعت میں داخل ہے اور اس کی ضد اور مخالف امر موجود ہے یعنی وہ گناہ جو سجلات میں مکتوب ہیں۔

نکتہ: اسے میزان کے پلڑے میں رکھنے میں اشارہ ہوگا کہ اہل موقف اس کی اہمیت سمجھیں تاکہ صاحب اسجلات کی بزرگی معلوم کریں۔

فائدہ: لیکن یہ بعض موحدین کے نار میں داخلہ کے بعد ہوگا اور موقف میں بھی باقی اہل جنت ہوں گے کیونکہ جنہیں اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرنا چاہے گا ان کا کلمہ توحید میزان میں نہیں رکھا جائے گا کیونکہ جہنم میں داخل کر کے شفاعت یا بعنایت الٰہیہ نکال کر بہشت میں بھیجے گا کیونکہ ان کے لئے بھی میزان میں کلمہ توحید رکھا جائے تو سرے سے انہیں جہنم میں داخل بھی نہ کرنا علاوہ ازیں قضائے حق کے بھی خلاف ہوگا اور وہ محال ہے اور میزان میں سجلات اور کلمۂ توحید رکھنا اس کے اپنے نرالے فضل ہیں اور ان کے لئے مخصوص ہیں جن کے لئے وہ چاہے گا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے عموماً افضل الاشیاء وضع فرمائی ہیں تاکہ اس کے بندے زیادہ سے زیادہ نفع اٹھائیں کیونکہ اس شے کی اضداد کثیرہ ہوتی ہیں اس لیے ان کے مقابلہ میں ایسی شئے ہو جو قوت سے بھرپور ہو کر ان اضداد کی ہر ضد کا مقابلہ کر سکے۔ ایسی قوت والی شئے صرف اور صرف کلمہ توحید ہے یعنی لا الہ الا اللہ اسی لیے یہ افضل الاذکار ہے۔

مسئلہ: صرف اللہ اللہ کے ذکر سے لا الہ الا اللہ کا ذکر افضل ہے ایسے ہی ھُوْ ھُوْ سے بھی کیونکہ یہ نفی و اثبات کا جامع اور زیادہ علم و معرفت پر حاوی ہے۔

سبق: لا الہ الا اللہ کے ذکر پر مداومت لازم ہے اس لیے کہ عمومی طور بڑی قوت والا ذکر ہے اس میں بہت زیادہ روشن نور اور بہت بڑے قرب والا ذکر ہے اور دنیا اور آخرت میں اسی سے نجات ہے اور کون ہے جسے نجات کی طلب نہ ہو اگرچہ اس کے طریقہ سے جاہل ہو۔

فائدہ: جس نے لا الہ سے عین الخلق کی نفی حکماً کی نہ علماً تو اس نے حق کو حکماً و علماً ثابت کیا اور جمیع اسماء سے الٰہ صرف ایک عین ہے اور وہ ہے اللہ کا مسمّیٰ جس کے ہاتھ میں رفع و خفض کی ترازو ہے۔

مسئلہ: صرف توحید بیکار ہے جب تک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت و رسالت نہ ہو اس لیے کہ ان دونوں کلمات (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) (صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم) میں قومی اتحاد و اغتناق ہے۔

کلمہ توحید و رسالت کے نکتے ہی نکتے : (۱) دونوں کلموں کو خط کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بارہ حرف بنتے ہیں

سال کے مہینوں کی تعداد پر اس میں اشارہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف مہینے کے گناہ معاف کراتا ہے۔

(۲) اگر دونوں کلموں کو نطق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو چودہ حروف بنتے ہیں جس میں اشارہ ہے کہ یہ کلمہ چودہ طبق کو نور سے پُر کر دیتا ہے۔

(۳) اگر خط و نطق دونوں کا اعتبار ہو تو پندرہ حروف بنتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ اس کے اسرار جو عرش والے نے مخفی رکھے ہیں ان سے کوئی واقف نہیں سوائے اس کے جسے وہی توفیق بخشے اور یہ کلمہ ایک عجیب و غریب راز ہے۔

(۴) یہ حکم شرعی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ یہ دونوں کلمے ایسے ہیں کہ ایک دوسرے سے ان کی جدائی ناممکن ہے جو شخص ان دونوں (توحید حق اور رسالتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اعتقاد و ایمان نہیں رکھتا اس کا اسلام پر ایمان قبول نہیں۔

مسئلہ : یہود و نصاریٰ کا ایمان و اسلام تب قبول ہوگا جب وہ یہودی یہودیت سے اور نصرانی نصرانیت سے برات ظاہر کرے اور بعد اس کے کہ وہ دونوں کلمۂ شہادتین کو دل اور زبان سے قبول کرے۔

مسئلہ : جب تک یہودی و نصرانی یہودیت و نصرانیت سے بیزاری کا اظہار نہ کریں ان کا کلمہ شہادت پڑھنا بیکار ہے اور نہ ہی ہم اسے مسلمان کہیں گے اگرچہ بار بار کلمۂ شہادت پڑھے کیونکہ کلمۂ شہادت کی یہی تفسیر ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمین کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

مسئلہ : یہ اس وقت ہے جب وہ شخص دار السلام میں ہے اگرچہ دار الحرب میں ہے اور اسے وہاں اٹھا کر دار الاسلام لایا گیا ہے اور اب وہ اسلام لاتا ہے تو پھر اظہار بیزاری از یہودیت و نصرانیت ضروری نہیں کیونکہ اس کا دار الحرب سے دار الاسلام میں آنا توبہ از یہودیت و نصرانیت کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ : ایسے ہی کوئی کہے کہ میں دین اسلام یا دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوا تو بھی قابلِ قبول ہے۔

دیگر مزید نکتے : اس کلمۂ اسلام کے بہت بڑے اسرار ہیں جو جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کو پُر کر سکتے ہیں اگر بیان کیے جائیں۔ چند ایک یہاں بطور نمونہ عرض کیے جاتے ہیں:۔

(۱) اس کے چار کلمات کی ترکیب تین حروف سے ہے جس میں اشارہ ہے کہ اللہ (ذات) ایک ہے اور طاق مخلوق ہے جسے اس نے ہر ایک کو جوڑا جوڑا کر کے پیدا فرمایا۔

(۲) کلمۂ اسلام کے چودہ حروف آسمان و زمین کی گنتی پر ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ ذات غیب محض ہے اور اس سے مقصود اس کا مسمیٰ ہے جو سب کا معبود ہے۔

(۳) لفظ اللہ کے پانچ حروف ہیں جو اسلام کے پانچ ارکان پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴) لفظ اللہ کے حروف طاق ہونے میں اس کی توحید کی دلیل ہے۔

(۵) اس میں کوئی حرف شفوی نہیں تاکہ اس کے ساتھ ملازمت ممکن ہو کیونکہ جو اس کی ملازمت رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو قریب تر اور اس تک پہنچنا اس پر ملازمت کے ساتھ اخلاص بھی ہو کیونکہ ذکر الٰہی کا ذاکر اس پر دوام بھی کر سکتا ہے اس طرح سے کہ اس کے ساتھی کو بھی علم نہ ہو اور یہ اخلاص کی ایک دلیل ہے اس میں اگر شفوی حروف ہوتے تو ہونٹ کی حرکت سے غیر باخبر ہو جاتا اور اس سے خلوص پر حرف آ سکتا ہے۔ یعنی ریاء کا شائبہ ہو سکتا ہے۔

(۶) یہ کلمہ مع القرینہ جب کلمۂ شہادت سے ملتا ہے تو اس کے سات کلمات بن جاتے ہیں جن میں اشارہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف جہنم کے ایک ایک دروازے سے روکنے کے لئے کافی ہے۔

(۷) اس کلمہ کے حروف علیحدہ علیحدہ مع القرینہ چوبیس ہیں ان میں اشارہ ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹے ہیں اور جو شخص یہ کلمات پڑھے گا تو وہ شب و روز کی تکالیف و مصائب سے محفوظ ہو جائے گا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نقطہ بصورت مگس است
و کلمہ شہادت از نقطہ معرا است

یعنی نقطہ کی شکل مکھی کی طرح ہے اور کلمۂ شہادت نقطہ سے پاک ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ وہ شہد ہے کہ جس پر نفس پرستوں اور شہوت رانوں کی مگس (طبع) کو

دخل نہیں ہے۔

کوئی بے علم ولی اللہ نہیں ہو سکتا: بعض عارفین نے فرمایا کہ کوئی شخص مرتبۂ شیخوخت (ولایت) کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کتاب وسنت کا عالم نہ ہو اور امراضِ نفس کے دفعیہ کے طریقہ کا عارف نہ ہو اور اسے پچاس مقاماتِ توحید کے انواع باختلافات سالکین کا خوب علم ہو اور اسے معلوم ہو کہ ان مقاماتِ توحید کے مبتدی کیسے ہوتے ہیں اور متوسط کیسے اور منتہی کیسے اور اس قاعدہ پر جملہ مشائخ کا اجماع ہے کہ مااتخذ اللہ ولیا جاھلا[۱] اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا اگر کسی کو ولی ولو اتخذہ ولیا لعلمہ (روح البیان ج ۹ ص ۵۱۴) بناتا ہے تو پہلے علم کی دولت سے نوازتا ہے۔

رقص کی تردید: حضرت شیخ الشہیر باقتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ حاجی بیرام قدس سرہ کے طریقہ میں توحید کے حال کے وقت رقص کا کوئی طریقہ نہیں اور نہ ہی ان کی طریقت میں رقص کا کوئی جواز ہے ہاں بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر ہم ذکر ضرور کرتے ہیں اور اس میں بھی ہم رقص نہیں کرتے اور ایسے ذکر کا حکم قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم" وہ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر اور بیٹھتے وقت اور اپنی کروٹوں پر۔ ہاں رقص اور شور مچانا دفع خواطر کے لئے بعض صوفیا نے وضع کیا ہے لیکن دفع خواطر کا توحید سے بڑھ کر اور کوئی علاج نہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارا طریقہ انبیاء علیہم السلام والا طریقہ ہے اور خود ہمارے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کے سوا اور کوئی تلقین نہیں کی۔

احیاء العلوم غزالی قدس سرہ کی تقریر: سیدنا امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ کامل وہ ہے جو اپنے نفس کو صرف حق سے ہی خوش رکھتا ہے لیکن

---

[۱] جیسے بہت سے اولیاء کرام ظاہری علوم کسی سے نہیں پڑھے لیکن ان کی ولایت سب کو مسلم ہے جیسے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ سیدنا دباغ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے جیسے اور بے شمار لیکن ہمارے دور ۱۴۰۸ھ پر جہالت کا اتنا غلبہ ہے کہ اکثر گدی نشین اور پیران عظام ومشائخ کرام کی اولاد اور ان متعلقین نفس کے غلام پرلے درجے کے جاہل اور دینی مسائل سے کورے لیکن جہلا اور خوشامدی مولویوں نے ان کو غوث وقطب کا لقب دے کر علم کا وقار اتنا گھٹا دیا کہ ایسے بعض جاہل پیروں اور ان کے جاہل مریدوں کے سامنے اہل علم کی کوئی قدر نہیں رہی۔ (اویسی غفرلہ)

یاد رکھیے کہ "حسنات الابرار سیأت المقربین" ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں جو علاج للقلوب اور نفس کو حق کی طرف نرمی سے چلانے کے وجوہ کے علم کو محیط ہے اسے معلوم ہے بلکہ یقین ہے کہ نفس کو ایسے ادویہ سے بڑھ کر اور کوئی نافع علاج نہیں اور یہ وہ علاج ہے اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔

(نوٹ) یاد رہے کہ امام غزالی قدس سرہ کی مراد ان وجوہ علاج سے یہ امور ہیں (۱) سماع (۲) غنا (مزامیر وغیرہ) (۳) مباح لہو ولعب وغیرہ وغیرہ۔

نفس کو بیدار کرنے کا طریقہ: حضرت شیخ افتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ جب نفس کو خواطر کا غلبہ ہو تو ذکر الٰہی کیجیے لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفی (لا الٰہ) کو جہر سے اور اثبات (الا اللہ) کو آہستہ جب اطمینان ہو جائے یہاں تک کہ اثبات کا نفی پر غلبہ محسوس ہونے لگے تو پھر نفی (لا الٰہ) کو آہستہ اور اثبات (الا اللہ) کو جہر سے پڑھیں کیونکہ مقصود اصلی یہی ہے۔

ذکر اللہ کرنے کا طریقہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ نفی لام سے ذکر کا آغاز ہو اور (لا) کہتے وقت چہرہ بائیں طرف ہو پھر اس سے چہرہ پھیر کر دائیں جانب لیجائیں پھر اثبات (الا اللہ) کو بائیں جانب ڈالیں (یعنی دل پر ضرب لگائیں)

نکتہ: اصل وجہ یہ ہے کہ انسان پر ظلمت بائیں جانب چھائی ہوئی ہے جب بائیں جانب سے ذکر شروع ہوتا ہے تو ظلمت دائیں جانب چلی جاتی ہے جب وہاں ذکر کی آواز پڑتی ہے تو بائیں جانب لوٹتی ہے اس لیے اس وقت اثبات (الا اللہ) پر زور لگایا جاتا ہے تاکہ ظلمات دور ہو۔

نکتہ: دائیں جانب ظلمت نہیں ہوتی کیونکہ یہ وہ تخلیہ ہے جو خلویت کا راز ہے اور نور بھی دائیں جانب جب ذکر کے وقت منہ اس طرف کر کے پھر بائیں جانب ضرب لگانے میں اس نور کے بائیں جانب لانا مطلوب ہوتا ہے جو کہ یہی ایمان کی جگہ ہے اس لیے کہ یہ جگہ سینے کے بائیں جانب ہے، اور یہ وہ تجلیہ ہے جو جلویت کا راز ہے۔

ازالۂ وہم: یہ اس کے منافی نہیں جو دوسرے صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ نفی دائیں جانب ہو اور اثبات بائیں جانب۔ اس لیے کہ ہم نے بھی حقیقۃً نفی از جانب یمین کا کہا ہے اگرچہ اس کا آغاز بائیں جانب سے ہے اور ایسا آغاز اس کے منافی نہیں جنہوں نے کہا کہ ذکر کا آغاز دائیں جانب ہو دراسے

اچھی طرح سمجھ لے)

آداب الذکر: ذکر کے آداب سے ہے کہ اندھیرے گھر میں ہو اور دل کی آنکھ سے ہی دو ابرو کو دیکھے اور یہ وہ راز ہے جو اس کے سامنے منکشف ہوتا ہے جس نے اس کا ذائقہ چکھا۔

ظالم کا بیڑا غرق: جو شخص پچھلی دو تہائی منگل کی شب کو ایک ہزار بار لا الٰہ الا اللہ ہمت کو جمع اور حضور قلب سے پڑھ کر ظالم کی طرف پھونکے تو اللہ تعالیٰ اسے جلد تباہ کر دے گا اور اس کا ملک بھی جلد تباہ کر دے گا اور اس پر آفات مسلط کر دے گا اور اسے مصائب میں مبتلا کرے گا۔

رزق میں وسعت: جو شخص ہر روز صبح کو لا الٰہ الا اللہ طہارت کاملہ سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس پر رزق کے اسباب آسان کر دے گا۔

عرش کی سیر اور اس کی غذا: جو نیند سے پہلے عدد مذکور پڑھ کر سوئے گا تو اس کی روح عرش کے نیچے شب باشی کرے گی اور وہاں کی غذا اپنی قوت کے مطابق حاصل کرے گی (شیطان قلوب) جو شخص کلمہ شریف (لا الٰہ الا اللہ) دوپہر کے وقت سو بار پڑھے گا اس کے لئے باطنی شیطانی طاقت کمزور پڑ جائے گی۔

حدیث شریف: اگر بادشاہ (صدر۔ وزیر اعظم) کو معلوم ہو کہ ذکر اللہ کے کیا فوائد ہیں تو وہ ان فوائد کو حاصل کرنے کے لئے کرسی چھوڑ دے اگر تاجر کو معلوم ہو تو تجارت چھوڑ دے اگر اس کی تسبیح کا ثواب اہل ارض پر تقسیم کیا جائے تو اہل دنیا کے ہر ایک فرد کو علیحدہ علیحدہ دنیا سے دس گنا ثواب حاصل ہوگا۔

حدیث شریف: اہل ایمان کے تین مضبوط قلعے ہیں:۔

(۱) ذکر اللہ

(۲) تلاوۃ القرآن

(۳) مسجد

فائدہ: مسجد سے اس کی اپنی عبادت گاہ مراد ہے وہ گھر ہو یا گھر کے باہر (ایسے ہی بعض اکابر مشائخ نے تاویل کی ہے۔)

ذکر کا فائدہ: حضرت حسن بصری قدس سرہ نے فرمایا کہ قلوب پر ذکر اللہ سے جھاڑو دو اس لیے سب

سے زیادہ زنگ قلوب پر چڑھتا ہے۔

فائدہ: المحادثہ بمعنی صفائی کرنا اور الدثور بمعنی چھری تلوار وغیرہ کا زنگ آلود ہو جانا، حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) یاد کن آنکہ در شب
اسری با حبیب خدا خلیل خدا

(۲) گفتگوئے از من رسول کرام
امت خویش را زبعد سلام

(۳) کہ بود پاک وخوش زمیں بہشت
لیک آنجا کسی درخت نکشت

(۴) خاک او پاک وطیب افتادہ
لیک ہست از درختہا سادہ

(۵) غرس اشجار آں لبعی جمیل
بسملہ حمدلہ است پس تہلیل

(۶) ہست تکبیر نیز ازاں اشجار
خوش کسے کش جزایں نباشد کار

(۷) باغ جنت تحتہا الانہار
سبز وخرم شود ازاں اشجار

ترجمہ۔ (۱) یاد کیجیے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا کہا۔ (۲) ہماری طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو فرمائی چنانچہ پہلے امت کو سلام کہے۔ (۳) اور فرمایا کہ بہشت مطہر اور خوش جگہ ہے لیکن افسوس کہ کسی امتی نے اس میں اپنے لیے کوئی درخت نہ بویا۔ (۴) اس کی زمین تو پاکیزہ ہے۔ افسوس ہے کہ درختوں سے خالی ہے۔ (۵) وہاں کے درخت بونے کی اچھی کوشش کر کے یہ ہے کہ بسم اللہ والحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ) زیادہ سے پڑھے جائیں (۶) اللہ اکبر کہنا بھی اس کے درختوں سے ہے خوش قسمت ہے وہ جس کا اس کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ (۷) باغاتِ بہشت ایسے ہیں کہ ان کے نیچے نہریں جاری

ہیں سبز اور خوش خنک درخت ہیں ان نہروں کی وجہ سے ۔

فضائل لا الٰہ الا اللہ

حدیث ع۱: میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ اور استغفار کی کثرت کرو اس لیے کہ شیطان نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا لیکن لوگوں نے مجھے لا الٰہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کر ڈالا جب میں نے ان کی یہ کاروائی دیکھی تو میں نے انہیں خواہشات سے ہلاک کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے سمجھا کہ وہ ہدایت والے ہیں اس لیے پھر وہ استغفار نہیں کرتے ۔

حدیث ع۲ میں ہے کہ ایمان کی تجدید کرو صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ہم کیسے ایمان کی تجدید کریں فرمایا لا الٰہ الا اللہ کی کثرت کرو ۔

حدیث ع۳: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور وصیت فرمائی کہ تمہارے پاس اہل کتاب آئیں گے اور تم سے مفتاح الجنت کے متعلق پوچھیں گے تو کہو جنت کی چابی لا الٰہ الا اللہ ہے ۔

حدیث ع۴ میں ہے کہ جب مسلمان کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ تو ساتوں آسمان کو چیرتا ہوا یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کہتا ہے ٹھہر جا ٹھہر جا تو عرض کرے گا کیسے ٹھہروں تو نے کہنے والے کو بخشا ہی نہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ تو ابھی تجھے لایا ہی نہ تھا تو میں نے اسے بخش دیا ۔

مسئلہ: دوسرے اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لئے مغفرت کی طلب سے اپنی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے ۔

حدیث ع۵: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اہل ایمان مرد و عورت کے لئے استغفار کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مرد و عورت کی تعداد پر نیکیاں لکھتا ہے

حدیث ع۶ میں ہے کہ جس کے پاس مال نہ ہو کہ اس سے صدقہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اہل ایمان مرد و عورت کے لئے استغفار کرے کیونکہ یہی اس کا صدقہ ہے ۔

حدیث شریف ع۷: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز ستر بار استغفار فرماتے ۔ ایک روایت میں سو بار ہے ۔

مسئلہ: استغفار اہل ایمان مرد و عورت کے لئے کی جائے بالخصوص شہداء کے لئے

مسئلہ: قبور کی زیارت کرے اور موتٰی (اہل اموات) کے لیے استغفار کرے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کا ابتدا انسان اپنی ذات سے کرے پھر دوسروں کا نام لے۔

انتباہ: ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ کسی کو حق نہیں کہ استغفار کے وقت سب سے پہلے اپنے سوا کسی اور کا نام لے۔ یہی پیغمبران عظام کا طریقہ ہے یہاں تک نوح و ابراہیم علیہما السلام کو دیکھیے کہ انہوں نے کہا "رب اغفرلی ولوالدی" (مجھے اور میرے والدین کو بخش (نوح علیہ السلام) (اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا) "واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام" "مجھے اور میری اولاد کو دور رکھ کہ ہم بت پرستی کریں (اور فرمایا) "رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ" (اے اللہ مجھے نماز پہ مقیم رکھ) ان دعاؤں میں انہوں نے خود کو پہلے ذکر کیا۔

مسئلہ: کوئی دعا کے لئے کہے تو اس سے یہ نہ سمجھے کہ وہ خود دعا مانگنے والا اس کا محتاج نہیں بلکہ چاہیے اپنے کو سوال میں مقدم کرے ورنہ عجب کا شکار ہو جائے گا اس لیے حکم ہے کہ دعا کے وقت اول خویش بعد درویش، اے اللہ ہمیں مغفورین سے بنا (آمین)

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۝ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ۝ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

ترجمہ: اور مسلمان کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نہ اتاری گئی پھر جب کوئی سورت اتاری گئی اور اس

میں جہاد کا حکم فرمایا گیا تو تم دیکھو گے انہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ تمہاری طرف اس کا دیکھنا ہے جس پر مردنی چھائی ہو تو اُن کے حق میں بہتر یہ تھا کہ فرمانبرداری کرتے اور اچھی بات کہتے پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر اللہ سے سچے رہتے تو ان کا بھلا تھا تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں بیشک وہ جو اپنے پیچھے پلٹ گئے بعد اس کے کہ ہدایت ان پر کھل چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں دنیا میں مدتوں رہنے کی امید دلائی یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں سے جنہیں اللہ کا اتارا ہوا ناگوار ہے ایک کام میں ہم تمہاری مانیں گے اور اللہ ان کی چھپی ہوئی جانتا ہے تو کیسا ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے ان کے منہ اور ان کی پیٹھیں مارتے ہوئے یہ اس لیے کہ وہ ایسی بات کے تابع ہوئے جس میں اللہ کی ناراضی ہے اور اس کی خوشی انہیں گوارا نہ ہوئی تو ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

تفسیر عالمانہ: ”وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا“ اور اہل ایمان کہتے ہیں وحی کے اشتیاق اور جہاد کے حرص پر کیونکہ اس میں دو اچھائیوں سے ایک ضرور ہوتی بہشت و شہادت اور فتحمندی و غنیمت ”لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ“ سورت کیوں نہیں نازل ہوتی یعنی ایسی کوئی سورۃ کا نزول کیوں نہیں ہوتا جس میں جہاد کا حکم ہو ”فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ“ پس جب کوئی سورت محکمہ نازل ہوتی ہے اور اس میں جنگ اور لڑائی کا ذکر ہوتا ہے۔ محکمہ سے وہ سورت مراد ہے جو نہایت واضح احکام پر مشتمل ہو اور اس میں کسی دوسری قسم کا شبہ و احتمال نہ ہو سوائے وجوب کے اور یہاں بھی اسی طرح ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں جہاد کا حکم واجب ہوتا ہے۔

قاعدہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ سورت جس میں قتال (جنگ اور لڑائی) مذکور ہو تو وہ سورت محکمہ ہوتی ہے وہ کبھی منسوخ نہیں ہوتی ”رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ“ دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی دنیا میں وہ ضعیف ہیں کسی وجہ سے یا منافقت کی وجہ سے یہی معنی زیادہ ظاہر ہے اس سے ایمان سے ظاہری زعمی مراد ہے۔ اور یہ کلام اسم ظاہر

ضمیر کے قائم مقام کھڑے کرنے کی قبیل سے ہے "یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْہِ مِنَ الْمَوْتِ ط" تیری طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت طاری ہو تو نیم بیہوشی کی حالت میں دیکھ رہا ہو یعنی بزدل اور پریشان ہو کر آپ کو دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی عادت ہوتی ہے کہ جس پر حیرت اور سکرات طاری ہو تو پھر وہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے کہ اس وقت اس پر ایک عجیب سی کیفیت ہوتی ہے جبکہ وہ ملائکہ کرام کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

حل لغات: الغشی بمعنی متحرکہ حساسہ قوی کا قلب کے ضعف اور اس کی طرف روح کے اجتماع سے معطل ہو جانا بسبب اس کے کہ اس کا اندر سے گلہ بند ہو جاتا ہے اور روح کے خروج کا اور کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

غشی کے اسباب: اس کے چند اسباب ہیں:۔

(۱) گلہ کے گھٹ جانے سے اس کا گلہ بھر جانا۔

(۲) سخت ایذا پہنچانے والی ٹھنڈی شے کا پہنچنا۔

(۳) سخت بھوک۔

(۴) سخت درد۔

(۵) عضو شارک جیسے قلب و معدہ میں کسی آفت کا پہنچنا۔ (مغرب)

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان کی علامات سے ہے جہاد کی تمنا اور موت کا شوق کہ اس طرح سے دیدار الٰہی نصیب ہوگا اور کفر و منافقت کی نشانیوں میں سے جہاد و موت سے کراہت کرنا۔

"فَاَوْلٰی لَھُمْ" تو انہیں خرابی ہو اور انہیں دوزخ نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ: حل لغات: اولی کا افعل کا صیغہ ہے اولی الولی بمعنی السقرب اس جملہ میں ان پر بد دعا ہے بایںطور کہ انہیں مکروہ امر قریب ہو بعض نے کہا کہ یہ فَعْلٰی کے وزن پر ہے آل سے ماخوذ ہے اس سے ان کے لیے بد دعا مراد ہے کہ ان کا معاملہ مکروہ امر کی طرف راجع ہو۔

فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولیٰ تہدید کا کلمہ ہے کہ اس سے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے اور اس کے لئے بولا جاتا ہے جو ہلاکت و تباہی کے کنارہ پر ہو اسے اس سے بچنے اور دور ہونے سے برانگیختہ کیا جائے یا اس سے اس کو کہا جاتا ہے جو ہلاکت سے نجات پالے تو پھر اسے رد کا کہا جاتا ہے کہ کہیں اس جیسے امر میں دوبارہ نہ پھنس جائے اکثر یہ مکرراً مستعمل ہوتا ہے گویا اسے انجام

امر پر غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے تاکہ جس امر سے ڈرایا جا رہا ہے اس سے وہ متنبہ ہو۔
"طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ" (فرمانبرداری اور اچھی بات کرتے) یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان کا کام تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرتے اور ان کے حکم یعنی جہاد وغیرہ کو قبول کرنے کے لئے اچھی بات کرتے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ فرمانبرداری ہی اور اچھی بات کرنا ان کی اپنی بھلائی تھی یا یہ اُن کے قول کی حکایت ہے اس کی تائید حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت سے ہوتی ہے ان کی قرأت میں، ہے "یقولون طاعة وقول معروف" جیسا کہ سورہ نساء شریف میں ہے کہ "ویقولون طاعة فاذا برزوا من عندك بيت طائفة منهم غير الذى تقول" اور کہتے ہیں ہم فرمانبرداری کریں گے تو جس وقت وہ علیحدہ ہوتے ہیں تو ایک گروہ ان کا اس کے خلاف باتیں کہتا ہے۔ "فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ" پھر جب حکم پکا ہو چکا۔

حل لغات: العزم والعزيمة بمعنی امجد یعنی پختہ اور یقینی امر کہ دل میں مضبوط ارادہ ہو کر یہ کام کر کے چھوڑنا ہے العزيمة تعویذ ہے گویا تیرا تصور ہے کہ تو نے شیطان پر گرہ ڈالدی کہ وہ تمہارے اوپر اپنا کوئی داؤ چلا سکے اب معنیٰ یہ ہوا کہ امر جہاد پکا ہو گیا اور جنگ کرنا فرض ہو گیا۔

سوال: عزم کو امر کی طرف اسناد کا کیا معنیٰ جبکہ یہ کام تو عزم کرنے والوں کا ہوتا ہے۔

جواب: یہ اسناد مجازی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا "ان ذلك من عزم الامور" بیشک یہ پکے امور سے ہے۔

فائدہ: ظرف کا عامل محذوف ہے کہ "خالفوا وتخالفوا" ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب امر قتال لازم ہو گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد کا پختہ ارادہ کر لیا تو ان منافقوں نے خلاف ورزی کی اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھ گئے "فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ" پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے رہتے یعنی اس کلام میں (جو وہ جہاد کے حرص کا کہہ رہے تھے) اس کے موجب کے مطابق صحیح اترتے یعنی حرص جہاد کے اظہار میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچ بولتے "لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ" تو ان کے لئے صدق کذب سے اور جہاد گھر میں بیٹھنے سے بہتر ہوتا۔

فائدہ: اس میں دلالت ہے کہ "لولا نزلت سورة" کی تمنا میں سب مشترک تھے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے دلوں میں مرض تھا یعنی منافقین۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے صدق واجابت جہاد اصغر میں لازم اور ضروری ہے جبکہ اس پر وہ متعین ہو جائے۔ ایسے ہی جہاد اکبر کی طرف مجبور ہو تو بھی اور یہ (جہاد اکبر)

ریاضات و مجاہدات بموافق اشارۂ مرشد یا بہ فہم عقل سلیم ورنہ بیت طبیعت و نفس میں بیٹھے رہنا محرومی کا موجب ہے کہ قلب و روح کی غنیمتیں نصیب نہ ہوں گی اور وجود کو خرچ کرنے سے ان امور کا حاصل کرنا ہے جو اس فانی وجود سے بہتر ہے وہ ہے شہود اور اصلی ایمان و یقین۔

حکایت : حضرت حسن بصری حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے حضرت حبیب عجمی نے دو ٹکڑے جو کی روٹی کے اور نمک پیش کیے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ابھی کھانے کے لئے تیار ہوئے تو کسی سائل نے دروازہ کھٹکایا کہ خدا کے لئے کھانا کھلاؤ حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہی دو ٹکڑے اور نمک فقیر کو دے دیئے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ دیکھتے رہ گئے اور فرمایا اے حبیب تو کیسا سنجیدہ انسان ہے لیکن اگر تھوڑا سا تمہیں علم نصیب ہوتا تو اس طرح کرتا کہ ایک ٹکڑا سائل کو دیتا اور ایک مہمان کے لئے چھوڑ دیتا حضرت حبیب عجمی خاموشی سے سنتے رہے کوئی جواب نہ دیا تھوڑی دیر گذری کہ ایک غلام دستر خوان سر پر رکھے حاضر ہوا جسمیں حلوا، سبزی اور بہترین روٹی (پراٹھے) لایا اور پانچسو درم نقد سمیت حضرت حبیب کی خدمت میں پیش کیا آپ نے پانچسو درم تو فقراء پر بانٹ دیئے اور دستر خوان حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ دیا حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑا کھا کر باقی واپس کر دیا حضرت حبیب نے فرمایا اے استاد تو نیک آدمی ہے اگر تھوڑا سا یقین بھی پاس رکھتے تو کیا ہی خوب ہوتے تمہیں معلوم ہے کہ علم کے ساتھ یقین کا ہونا ضروری ہے۔

فائدہ: یعنی جس کے پاس یقین کامل ہو اسے اللہ تعالیٰ اس کے کسی امر کی گمشدگی پر اس کا بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے بلکہ اپنے فضل و کرم اور جود و سخا سے اس کا بہتر تدارک فرماتا ہے۔

سبق : لازم ہے کہ جہاد اصغر و جہاد اکبر میں مال اور وجود ہر دونوں خوب سے خوب تر خرچ کیے جائیں۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ ۔ "افسوس کہ ہم دوست کے لئے عمر و مال خرچ نہ کر سکے کہ عشق کے کام میں ہم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔"

تفسیر عالمانہ : "فَهَلْ عَسَيْتُمْ" تو کیا قریب ہے کہ تم یعنی تم سے توقع ہے یا ان سے کہ جن کے قلوب میں مرض ہے تو کیا اے منافقو تمہیں توقع ہے "اِنْ تَوَلَّيْتُمْ"

یعنی اگر تم لوگوں کے امور کے متولی اور ان کے حکام اور افسر بن کر ان پر مسلط ہو جاؤ اس معنی پر تولیتم الولایۃ سے ہے۔

" اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ " یہ کہ زمین پر فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو۔) ملک گیری کی ہوس اور دنیا میں منہمک ہونے سے اس لیے کہ جو بھی تمہارے حالات دیکھتا ہے (کہ وہ ضعف فی الدین اور حرص علی الدنیا پر دال ہیں کہ جب تمہیں جہاد کا حکم ہوا جو کہ وہ ہر خیر و صلاح کو جمع کرتا اور ہر شر و فساد کو دفع کرتا ہے اور اس کے تم مامور بھی تھے تمہیں چاہیئے تھا کہ تم طاعت کرتے اور بیچ بات کرتے لیکن تم اس کے خلاف ہوئے) تو وہ امید رکھتا ہے کہ جب تمہاری باگیں ڈھیلی کر دی جائیں تو تم فساد فی الارض اور قطع رحمی کا علم کرنے والے ہو گے۔

حل لغات : الرحم یعنی عورت کی رحم جو بچے کی پیدائش کی جگہ یعنی بچہ دانی جہاں نطفہ ٹھہر کر پیٹ میں نشو و نما پاتا ہے پھر عرف میں قرابت اور ولادت کے رشتہ کو رحم کہا جاتا ہے بطریق استعارہ بوجہ اس کے کہ وہ ایک رحم سے خارج ہوئے۔"

فائدہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تولیتم (بضم التاء والواو وبکسر اللام) پڑھا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم پر ظالم لوگ حاکم مقرر ہوں اور تم ان کے ساتھ مل کر ظلم و ستم کرو اور فتنہ و فساد میں تم ان کی معاونت کرو جیسا کہ آجکل شہروں میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ: ابوحیان نے فرمایا کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ہے کہ اے منافقو اگر تم جنگ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری سے روگردانی کر کے زمین پر فساد برپا کرو اور اہل اسلام کی ان کے دشمنوں پر مدد نہ کرو اور قطع رحمی کرو کیونکہ تمہارے اکثر رشتے اہل اسلام کے ساتھ ہیں جب تم ان کی معاونت نہ کرو گے تو لازماً قطع رحمی ہو گی" اُولٰٓئِکَ " یہ اشارہ مخاطبین کی طرف ہے بطریق التفات کے خبر دینا ہے کہ ان کی اہانت مذکورہ کا تقاضا ہے کہ یہ لوگ رتبۂ خطاب کے لائق ہی نہیں اور ان کے ذلیل حالات کی حکایت میں دوسروں کو نصیحت ہے۔ یہ مبتداء ہے اس کی خبر" الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ " وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور رکھا" فَاَصَمَّهُمْ " حق کے سننے سے انہیں بہرہ کر دیا بوجہ ان کے اپنے برے اختیار کے" الاصمام" بمعنی بہرہ کرنا۔

" وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ " اور ان کی آنکھیں اندھی کیں کہ وہ ان آیات کے مشاہدہ سے اندھی ہیں جو انفس و آفاق میں ہیں" الاعماء" بمعنی اندھا کرنا

سوال۔ " امراذانهم" کیوں نہیں فرمایا۔

جواب۔ کانوں کی بندش سے ضروری نہیں کر سنائی بھی کچھ نہ دے (جیسے آجکل کے دور میں سماعت کے آلے تیار ہوئے ہیں کہ بہرہ پن کے باوجود اس آلہ سے بہرہ سنتا ہے) اسی لیے "اذانھم" نہیں فرمایا۔

سوال۔ "اعماھم" کیوں نہیں فرمایا تاکہ کلام بھی مختصر ہوتا اور مقصد بھی پورا ہو جاتا۔

جواب۔ آنکھوں کے نہ ہوتے دیکھنا ختم نہیں ہوتا۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا احمام الاذان اذہاب الاذان کا غیر ہے اس لیے ایک کے ہونے سے دوسرے کا ہونا ضروری نہیں اور صمم اور اعمٰی ہر دونوں سے دو اعضاء (کان۔ آنکھ) موصوف ہوتے ہیں اسی طرح ان کے بالمقابل سماع و ابصار سے اور انہی ہر ایک سے عرف مستمر میں ان کا صاحب موصوف ہوتا ہے اور قرآن مجید ہر دونوں استعمالوں کا اصمام میں اختصار اور اعماء میں اطناب فرمایا علاوہ ازیں فواصل کی رعایت بھی ملحوظ تھی۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اہل طلب و اصحاب مجاہدہ کی طرف اشارہ ہے کہ اگر طلب حق سے اعراض کرو یہ کہ قلوب کی زمین کو فاسد کر ڈالو بایں طور کہ ان کی استعداد ختم کر دو کہ فیض الٰہی کے لائق نہ رہیں اور یہ کہ حب فی اللہ کے حضرات سے انقطاع نہ کرو اگر ایسا کرو گے کہ تم ان لوگوں کے سلک سے منسلک ہو جاؤ گے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔

ڈر لگتا ہے بے پرواہی سے: حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر صاحب صدق و وفا ہزار سال متوجہ الی اللہ رہے لیکن ایک لحظہ روگردانی کرے تو جو مراتب فوت ہو جائیں گے وہ ان مراتب سے بہت زیادہ ہوں گے جنہیں وہ حاصل کرے گا۔

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے ادب و گستاخ کی سزا: فقیر حقی (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ میں مزار حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ حاضر ہوا تو سرہانے اقدس کی طرف بیٹھتا اور مشاغل میں رہتا جتنا عرصہ رہنا نصیب ہوا یہی میرا معمول تھا اندریں اثناء بعض عوام کی بے ادبی اور گستاخی سے میرے آنسو بہ نکلے اور گریہ کے غلبہ سے میں گویا کہ اپنے سے بے خبر ہو گیا اندریں اثناء میرے کانوں میں سنائی دیا کہ یہی آیت (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ) یعنی جو لوگ مزارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک بے ادبی کر رہے ہیں وہ اہل آداب کے مقامات سے محروم ہیں[1]۔

---

[1] بزرگوں کا دور تھا جس میں سراپا ادب اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور آج نجدیوں کو دیکھتے تو نا معلوم صاحبِ روح البیان خون کے آنسو بہاتے کیونکہ اس دور میں بے ادبی و گستاخی کا دور دورہ ہے۔

حضرت مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) از خدا جوئیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

(۲) بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(۳) ہر کہ بے باکی کند در راہ دوست
رہزن مردان شدہ نامرد اوست

ترجمہ۔ (۱) خدا سے ادب کی توفیق کی درخواست ہے کیونکہ بے ادب لطفِ رب سے محروم ہے۔ (۲) بے ادب نہ اکیلا خود برباد ہوا بلکہ اس نے زمانہ بھر میں آگ بھڑکائی۔ (۳) جو دوست کے حق میں بے ادبی کرتا ہے وہ رہزن اور نامراد انسان ہے۔

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ" تو کیا قرآن میں غور نہیں کرتے؟

تفسیر عالمانہ: حل لغات: التدبر بمعنی امور کے انجام میں دیکھنا اب معنی یہ ہوا کہ تو کیا قرآن کو دیکھ کر اس میں جو مواعظ و زواجر ہیں انہیں غور و فکر کریں تاکہ تباہ کن معاصی و جرائم میں نہ پڑیں "اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا" کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟ اس لیے ان تک بالکل ذکر پہنچتا ہی نہیں بلکہ ان کے دل خود قفل ہیں یعنی ایسی شے ان کے دلوں پر ہے جو قفل کی مانند ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مہر لگائی ہوئی ؎

در کہ خدا بست بروئے عباد
ہیچ کلیدش نتواند کشاد
قفل کہ رو بر در دلہا زند
کیست کہ بردارد و در وا کند

ترجمہ۔ جس در کو اللہ تعالیٰ بندوں پر باندھے اسے کوئی چابی نہیں کھول سکتی۔
وہ تالا جو اللہ تعالیٰ دلوں پر مارے کسے طاقت ہے کہ اسے اٹھا کر دروازہ کھولے۔

حل لغات: اقفال قفل کی جمع وہ لوہا جس سے دروازہ بند کیا جائے (القاموس)

فائدہ: الارشاد میں فرمایا کہ ام منقطعہ ہے اس میں بل کا معنیٰ ہے اور اہل بمعنی توبیخ سے ساتھ عدم تدبر کے توبیخ کی طرف انتقال ہے کہ ان کے قلوب مقفل ہیں کہ وہ تدبر کو قبول نہیں کرتے نہ تفکر کو۔

ہمزہ تقریر و تنکیر کے لئے ہے ۔ دلوں پر تالے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل ہولناکیوں ہیں اور ان کے حالات دگرگوں ہیں فساد و جہالت میں ان کے معاملات مبہم ہیں گویا کہا گیا ہے کہ ان کے دل ہیگانہ وار ہیں کہ ان کے حالات سے بے خبری اور قساوت میں اس انتہا کو پہنچی ہے کہ اندازہ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: اس سے بعض کے قلوب مراد ہیں یعنی منافقین اور دلوں کی طرف اقفال کی اضافت میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ تالے ان کے لئے مخصوص ہیں جو صرف ان کے لئے مناسب ہیں دوسرے اقفال کی جنس سے نہیں جو کہ لوہے سے تیار کیے جاتے ہیں اس لیے کہ یہ کفر کے تالے ہیں کہ لگائے جانے کے بعد پھر نہیں کھولے جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے کہ اس میں ہر بیماری کی شفا ہے تاکہ یہ انہیں حسن عرفان تک پہنچائے اور انہیں ہجران کی قید سے نجات دلائے کیا ان کے دلوں پر تالے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے خواہشات نفسانی والوں کے دلوں پر تالے لگائے ہیں جو ان میں تنبیہ کی زواجر داخل ہی نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان پر علم کا شعاع پڑتا ہے اور نہ ہی انہیں فہم خطاب نصیب ہوتا ہے جب دلوں پر تالے پڑ جاتے ہیں تو نہ ان سے شک و انکار نکل سکتا ہے اور نہ ان میں وہ صدق و یقین داخل ہو سکتا ہے جس کی انہیں دعوت دی جاتی ہے۔

حکایت: حضرت بشر حافی قدس سرہ اپنی ہمشیرہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا بہن میں کوٹھے کی چھت پر جانا چاہتا ہوں یہ کہہ کر ایک دو قدم اٹھائے اور کوٹھے پر چڑھ گئے اور سارا دن کھڑے کھڑے گذار دیا۔ شام کو نیچے اترے اور نماز باجماعت کے لئے تشریف لے گئے پھر دوسری صبح اسی طرح پھر بہن کے گھر تشریف لائے۔ بہن نے پوچھا بھائی کل سارا دن مکان کی چھت پر کھڑے کھڑے گذار دیا اس کی کیا وجہ تھی کہا بہن بغداد میں تین بشر نامی ہیں:-

(۱) یہودی
(۲) آتش پرست
(۳) بت پرست

اور میرا نام بھی بشر ہے الحمد للہ مجھے دولتِ اسلام نصیب ہوئی لیکن میں حیران ہوں کہ میں نے کونسا عمل کیا کہ جس سے مجھ پر فضل و کرم ہوا کہ دولتِ ایمان و اسلام سے نوازا گیا اور وہ تینوں (بشر نامی) محروم رہے۔

سبق: دلوں سے تالوں کا کھل جانا اللہ تعالیٰ علام الغیوب کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ مقام

قرب و قبول اور رتبۂ شہود و وصول ہر ایک کو میسر نہیں ہوتا اور قرآن مجید میں تدبر نہ کرنا رسوائی کی علامت اور مقتضیات الاعیان سے ہے ورنہ ہر طلب حصولِ مقصد تک پہنچاتی ہے حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؎

تو از افشاندن تخم امید دست مدار
کہ در کرم نکند ابر نوبہار امساک

ترجمہ۔ بیج زمین میں ڈال کر ہاتھ امید سے نہ اٹھا اس لیے کہ ابر نوبہار جود و کرم میں بندش نہیں کرتا۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ" بیشک وہ جو اپنے پیچھے پلٹ گئے۔

حل لغات: الارتداد بمعنی اس راہ سے واپس لوٹنا جس پر وہ چلا لیکن (ردۃ) کفر سے مخصوص ہے اور الارتداد کفر میں اور اس کے غیر میں بھی مستعمل ہوتا ہے "الادبار" دبر کی جمع ہے قبل کی ضد اس سے دو عضو مخصوص مراد لیے جاتے ہیں اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اس راہ سے (کہ جس میں تھے) کفر کی طرف لوٹے ان سے وہ منافقین مراد ہیں جو مرگ قلوب وغیرہ سے موصوف ہیں یعنی افعال و احوال و قبیحہ سے موصوف ہیں کیونکہ انہوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانا اور کفر کیا (ورنہ وہ خدا و آخرت پر تو ایمان رکھتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ و بالیوم الاٰخر) لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے بے ایمان فرمایا کما قال (وما ھم بمؤمنین) "مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى" (بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی) دلائل ظاہرہ و معجزات قاہرہ سے "الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ" (شیطان نے انہیں فریب دیا) من بعد سے جملہ شروع ہے اور یہ اپنے متعلقات سے مل کر ان کی خبر ہے یعنی ان پر عظائم کا سوار ہونا آسان ہے۔

حل لغات: سول سے ہے بمعنی استرخاء (ڈھیلا پڑ جانا) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سول وہ حاجت جس کے لئے نفس کو حرص ہو۔ التسویل بمعنی شیطان کا فریب دینا یعنی نفس کو وہ شے سنگار کر دکھانا جس پر اس کا حرص ہے یعنی قبیح شے کو حسین کر کے دکھلانا۔ "وَاَمْلٰى لَهُمْ" (اور انہیں دنیا میں مدتوں رہنے کی امید دلائی) انہیں آرزوؤں اور تمناؤں کی طرف کھینچا بعض نے کہا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مہلت دی اور انہیں عذاب میں مبتلا نہ فرمایا۔

حل لغات: امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الاملاء بمعنی امداد مدت طویلہ کو ملاوۃ من الدھر و ملوۃ من الدھر کہا جاتا ہے "ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ" یہ ارتداد اس لیے

انہیں نصیب ہوا کر" قَالُوْا "خفیہ طور کہا" لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ " انہیں کے لئے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قرآن ناگوار ہے) یعنی یہود اس لیے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول قرآن ناگوار تھا باوجودیکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے ہیں یہ ان کا حسد تھا اور انہیں طمع تھا کہ قرآن ان پر نازل ہوگا " سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ " بعض امور میں ہم تمہاری اطاعت کریں گے یہ وہ جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا " الم تر الی الذین نافقوا یقولون لاخوانهم الذین کفروا من اهل الکتاب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احدا ابدا وان قوتلتم لننصرنکم "(کیا منافقوں کو نہیں دیکھا وہ اہل کتاب میں سے ہیں اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں کو کہتے ہیں البتہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کی بھی اطاعت نہ کریں گے) اس سے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے وہ لوگ مراد ہیں جو کافروں سے دوستی اور یارانہ رکھتے تھے اور بعض امور سے ان کی مراد یہی ہے کہ وہ کسی کی اطاعت نہ کریں گے۔

فائدہ: آیت ان کے کفر کا اظہار ہے اور ان کے ساتھ جنگ کے اعلان اور انہیں ان کے گھروں سے نکالنے سے پہلے ان کی کارروائی کی خبر دے گئی ہے اس لیے کہ وہ اس وقت اپنی کارروائی کا انکار کرتے تھے بوجہ اس ضرورت کے جو انہیں درپیش تھی کیونکہ اظہار ایمان میں انہیں بڑے منافع و فوائد حاصل ہوتے تھے " وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ " اور اللہ تعالیٰ ان کے مخفی رازوں کو جانتا ہے یعنی وہ باتیں جو ان یہودیوں نے کافروں کے ساتھ پوشیدہ طور کہہ رکھی تھیں " فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ " تو پھر ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب انہیں فرشتے فوت کریں گے)۔ یعنی دنیا میں تو حیلے اور مکر و فریب سے کام چلا لیتے ہیں لیکن جب عزرائیل علیہ السلام اور ان کے اعوان ان کی ارواح قبض کریں گے تو پھر کونسا حیلہ و مکر و فریب کریں گے " يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ " ان کے چہروں اور پیٹھوں پر کوڑے ماریں گے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے کافروں کے چہروں پر اس لیے کوڑے ماریں گے کہ ان سے وہ حق سے روگردانی کرتے تھے اور پیٹھوں پر اس لیے کہ انہوں نے اہل حق کو پیٹھ کر کے حق سے منہ موڑا۔

فائدہ: جملہ حالیہ ہے توفتهم کے فاعل سے انہیں تصور دلانا ہے کہ مرتے وقت ان کا بہت برا حال ہوگا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو بھی کسی گناہ کی حالت میں مرا تو اس کا بھی یہی حشر ہوگا کہ فرشتے اس کے چہرہ اور پیٹھ پر کوڑے ماریں گے (معاذاللہ) (ذٰلِکَ) ایسا خوفناک مرنا یعنی ان کی ارواح کا ایسی خوفناک حالت میں قبض ہونا "بِاَنَّهُمْ" بسبب اس کے ہے کہ "اتَّبَعُوا مَا اَسْخَطَ اللّٰهَ" انہوں نے ان امور کی اتباع کی جو اللہ تعالیٰ کو غضب میں لانے والے تھے جیسے کفر و معاصی یعنی ایسے امور کا ارتکاب کیا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے موجب بنے "وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ" اور اس کی خوشنودی سے کراہت کی یعنی ایسے امور سے کراہت جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ یعنی ایمان وطاعت سے انہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور یہود کے ساتھ ساز باز کر کے طاعتِ الٰہی سے نکل گئے "فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ" تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے یعنی وہ طاعات جو بحالتِ ایمان بجالائیں یا اس کے بعد والے اعمال صالحہ جو کہ اگر ایمان پر قائم رہ کر عمل میں لاتے کر وہ ان سے نفع نہ پا سکے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ کفر و معاصی حبطِ اعمال کے موجب اور عذابِ الٰہی کے باعث ہیں۔

فاجر کی قبض کا ہولناک منظر: حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ فاجر کی روح جسم سے ایسے نکالی جائے گی جیسے اون کے تر گدے سے لوہے کی سلاخیں (معاذاللہ) اور فاجر مردہ سمجھے گا کہ شاید اس کا پیٹ کانٹوں سے بھر گیا ہے اور اس کی روح سوئی کے سوراخ سے نکالی جا رہی ہے اور وہ خود گویا پہاڑ کے چٹان کے دو پڑوں کے درمیان پھنسا ہوا ہے (پناہ بخدا)

حضرت کعب الاحبار کا بیان: حضرت کعب الاحبار سے پوچھا گیا کہ موت کا کیا منظر ہوگا؟ آپ نے فرمایا یوں سمجھیے کہ کانٹے دار درخت کی ٹہنی مردے کے پیٹ میں ڈال کر اسے بڑی قوت والا آدمی کھینچ رہا ہے اس سے اندازہ کر لیجیے کہ اس سے کیا کچھ ٹکڑے ٹکڑے ہوگا اور کیا کچھ بچے گا۔

حدیث شریف: حضرت محمد سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سکرات الموت کا ایک جھٹکا تین سو تلوار کی کاٹ کے برابر ہے اندریں اثنا ملائکہ مردے کو ایک زہریلا تیر چبھو دیں گے جو جہنم کی آگ سے ہوگا اس سے مردے کی روح جسم سے گھٹ کر رہ جائے گی اور کوشش کرے گی کہ وہ جسم سے باہر نکلے جونہی وہ باہر نکلے گی تو اسے فرشتے پکڑ لیں گے اس منظر سے مردہ کا اصلی مادہ یوں گرجے گا جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتے سے باہر نکل کر آواز کرتی ہیں اسے ملائکہ ربانیہ گرفت میں لے لیں گے اور یہی عذاب کے فرشتے ہوں گے یہ کافر اور فاجر کا حال ہے۔

مومن کی موت کا خوش منظر: مومن نیک کا حال مذکورہ بالا حال سے مختلف ہوگا کیونکہ وہ اہل رضا

سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جنازہ کا حال: حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں طائف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نمازِ جنازہ کے وقت موجود تھا۔ آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی تو ہم نے دیکھا کہ ایک سفید پرندہ جو اڑتا ہوا آیا اور آپ کے کفن مبارک میں داخل ہو گیا پھر کفن میں تلاش بسیار کے باوجود وہ پرندہ ہمیں نہ ملا جب آپ کو قبر کے اندر لٹا کر اوپر سے مٹی ڈالی گئی اور قبر کی تکمیل کے بعد ہم نے سنا بولنے والا نظر نہیں آتا تھا، وہ کہتا تھا "یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی خوشی لوٹ اور میرے بندوں میں داخل ہو کر بہشت میں چلا جا)

سبق: دانا آدمی پر لازم ہے کہ وہ موت کے لئے ہر وقت تیار رہے کوئی وقت بھی ضائع نہ کرے۔ حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ہے

ترا گر حاصلے ہست از حیات خود غنیمت دان

کہ من از حاصل دوران غم بے حاصلی دارم

ترجمہ۔ تجھے زندگی میں کچھ وقت مل گیا ہے اسے غنیمت جان۔ زمانہ سے جو تجھے کچھ حاصل نہ ہوا میں اس بے حاصلی سے غم کے آنسو بہا رہا ہوں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ○ وَلَوْ نَشَاۗءُ
لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اَعْمَالَكُمْ ○ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟
اَخْبَارَكُمْ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ○
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ○ فَلَا تَهِنُوْا
وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ڰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ○
اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ
لَا يَسْـَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ○ اِنْ يَّسْـَٔــلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ○

هَا اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ ع

ترجمہ: ”کیا جن کے دلوں میں بیماری ہے اس گھمنڈ میں ہیں کہ اللہ ان کے چھپے بیر ظاہر نہ فرمائے گا اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان کو دکھادیں کہ تم ان کی صورت سے پہچان لو اور ضرور تم انہیں بات کے اسلوب میں پہچان لوگے اور اللہ تمہارے عمل جانتا ہے اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنیوالوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمالیں بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ہدایت ان پر ظاہر ہو چکی تھی وہ ہر گز اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے اور بہت جلد اللہ کیا دھرا اکارت کردے گا۔ اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا پھر کافر ہی مر گئے تو اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا تو تم سستی نہ کرو اور آپ صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں تمہیں نقصان نہ دے گا دنیا کی زندگی تو یہی کھیل کود ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو وہ تم کو تمہارے ثواب عطا فرمائے گا اور کچھ تم سے تمہارے مال نہ مانگے گا اگر انہیں تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے تم بخل کروگے اور وہ بخل تمہارے دلوں کے میل ظاہر کردے گا ہاں ہاں یہ جو تم ہو بلائے جاتے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرے وہ اپنی جان پر بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج اور اگر تم منہ پھیرو تو وہ تمہارے سوا اور لوگ بدل لے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔“

تفسیر عالمانہ: ”اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (کیا انہیں کہ جن کے دلوں میں مرض ہے گمان ہے) یعنی منافقین کیونکہ منافقت قلبی مرض ہے جیسے شک وغیرہ ”اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ“ ”یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے کینے پر ہرگز نہیں نکالیں گے“ اس معنی پر ام منقطعہ اور ان مخففہ اضغان ضغن (بالکسر) بمعنی جسقدر کسی کی عداوت دل میں بند کرنا اور اس کے نقصان کے لئے فرصت کا انتظار کرنا اسی سے ناقہ (اونٹنی) کو مشابہت دیتے ہیں۔ (ذات ضغن) اب معنی یہ ہوا کہ کیا تمہارا ان لوگوں کے لئے گمان ہے جن کے دلوں میں کینہ اور اہل ایمان کے حق میں ایسی عداوت ہے کہ

اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے وہ کینے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان سے عداوت ہے ان سے ہرگز نہیں نکالے گا ان کے معاملات پوشیدہ رہیں گے یعنی یہ ان امور میں داخل ہے جو ہمیشہ احتمال ہوتے ہیں۔

فائدہ: بعض روایات میں ہے کہ کینے والا نہیں مرتا جب تک کہ رسوائی و فضاحت نہ اٹھائے یہ منجملہ ان لوگوں سے ہے جس نے مخصوص اظہار کیا ہو کہ کسی نہ کسی وقت اس کی بدبو ضرور ظاہر ہوگی یہ اس طریق سے ہے کہ جیسے خوشبو کے اٹھانے والے کا حال ہے اس سے خوشبو ضرور ظاہر ہوتی ہے اسے روکنے سے نہیں روکا جا سکتا ؎

اگر مسک خالص نداری مگوے
وگر ہست خود فاش گردد

ترجمہ ۔ اگر خالص مشک تیرے پاس نہیں تو نہ کہہ ۔ اگر ہے تو وہ خود ظاہر ہوگی۔

"وَلَوْ نَشَآءُ" اگر ہم دکھانا چاہیں "لَاَرَيْنٰكَهُمْ" تو ہم آپ کو وہ دلائل سے دکھادیں گے تو ان متعین افراد کو تم جان لو گے یعنی ایسی علامت بتادیں گے جس سے دیکھتے ہی تم جان لوگے کہ یہ وہی بے ایمان ہیں "فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ" تو تم انہیں اس علامت سے پہچان لو گے جو ہم تمہیں بتائیں گے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ السومہ (بالضم) والسیمہ والسیماء والسیمیاء (تمام بالکسر ہیں) بمعنی علامت السوم میں اس کے متعلق مذکور ہو چکا ہے۔

منافقین کے متعلق حضور علیہ السلام کو علم تھا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ماخفی علی الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد هذه الآیۃ شیٔ من المنافقین کان یعرفهم بسیماهم (روح البیان ج ۹ ص ۵۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کے نزول سے منافقین کا حال مخفی نہ رہا آپ انہیں ان کی علامات سے پہچانتے تھے[1]

منافقین کا پردہ فاش: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بعض غزوات میں تھے اس میں نو منافقین تھے رات کو سوئے صبح کو ہر ایک کے چہرے پر نمایاں لکھا تھا

---

[1] اس میں صریح رد ہے دہابیہ دیوبندیہ فرقہ کا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے بارے میں کوئی علم نہ تھا اور دلیل میں کہتے ہیں "لا تعلمهم نحن نعلمهم" یہ آیت نفی کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے فلہٰذا ان کا عقیدہ غلط اور باطل ہے۔

(ھذا منافق) یہ منافق ہے اور لام جواب کی ہے معطوف میں مکررًا لائی گئی ہے محض تاکید مراد ہے اور فاء ترتیب المعرفۃ علی الاراء کے لئے ہے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ اُن ہر ایک کی پیشانی پر لکھا تھا ھذا منافق (یہ منافق ہے)۔

فائدہ: آجکل دیوبندیوں وہابیوں کے ماتھے میں عمومًا سیاہ داغ پڑجاتا ہے یہ اسی وراثت میں انہیں نصیب ہوا ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھیے وہابی دیوبندی کی پیشانی)۔

"وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ط" (اور تم انہیں بات کے اسلوب میں پہچان لوگے)

فائدہ: لام قسم محذوف کا جواب ہے۔

حل لغات: "لحن القول" بمعنی بات کا مفہوم و معنیٰ اور اس کا اسلوب اور اس کا تعریض و توریت کی طرف مائل ہونا اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ان کا تعریض و توریت کی وجہ سے باتوں کے درست طریقہ سے موڑنے کو جانتے ہو اسی محاورہ سے ہے جو خطا والے کے لئے کہا جاتا ہے "لَاحِنَ" خطاء کی بوجہ اس کے کلام کے صواب کی سمت سے ہٹ جانے کے

حدیث شریف میں ہے کہ "لعل بعضکم الحن بحجتہ من بعض" یعنی بعض تمہارا اپنی بات کو حجت سے مضبوط کرکے دوسرے سے مدعا لے جائے۔ المفردات میں ہے کہ اللحن بمعنی کلام کو اس کے اس طریق سے ہٹانا جس پر وہ جاری تھی یا اعراب کے ازالہ سے یا تصحیف کرکے اور لحن مذموم ہے اور یہی استعمال کے لحاظ سے اکثر ہے یا لحن یہ ہے کہ کلام کو تصریح سے ہٹانا یا اسے اپنے اصلی معنیٰ سے ہٹا کر تعریض و مفہوم کی طرف لے جانا اور یہ من حیث البلاغت اکثر ادباء کے نزدیک محمود ہے یہ معنی مراد ہے شاعر کے قول سے کہ "خیر الاحادیث ما کان لحنا" وہ بات نہایت اچھی ہے جس میں لحن ہو یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "لتعرفنھم فی لحن القول" میں اور یہی محاورہ ہے جو ایک زیرک انسان کے لئے کہا جائے جس کا کلام مفہوم کا مقتضی ہو کر (لَحِنٌ) اور المختار میں ہے کہ اللحن بمعنی خطاء فی الاعراب از باب قطع (منع، اللحن (بفتح الحاء) بمعنی زیرکی از باب طرب (سمع)

حدیث شریف میں ہے "لول احدکم الحن بحجتہ بمعنی افطن بھا"

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لحن القول ان کی وہ بات ہے جو کہتے کہ ہمیں "مالنا ان اطعنا من الثواب" ہمیں کیا اجر و ثواب ملے گا اگر ہم اطاعت کریں" لیکن یہ بالکل نہ کہتے کہ "ما علینا ان عصینا من العقاب" اگر ہم گناہ کریں تو کتنا گناہ ہوگا یعنی وہ صرف لالچ و طمع میں وقت بسر کرتے۔

سچے جھوٹے مرید کی نشانی: اکابر مشائخ (پیرانِ عظام) فرماتے ہیں کہ ہم مرید کی صداقت اور خوشامد (چاپلوسی) اس کی باتوں سے سمجھ جاتے ہیں[1] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولتعرفنھم فی لحن القول ط واللّٰہ یعلم اعمالکم" اور اللہ تمہارے اعمال جانتا ہے) تو وہ تمہارے اعمال کی وہی جزاء دے گا جیسا تمہارا قصد ہوگا اس میں اہل ایمان کو وعدہ اور زجر دینا ہے کہ تمہارا حال بہتر ہے بخلاف منافقین کے کہ ان کا حال بُرا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ امراض قلب میں سے ایک مرض گھٹیا خیال اور جھوٹا گمان بھی ہے کیونکہ منافقین کا گمان تھا کہ ان کے خبیث ارادوں سے اللہ آگاہ نہیں اور نہ ہی وہ انہیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہر کرے گا حالانکہ یہ بات نہ تھی جیسے انہوں نے سمجھ رکھا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دے کر ان کی تلبیسات کو واضح فرمایا علاوہ ازیں

المؤمن فانہ ینظر بنور الفراسۃ و العارف بنور التحقیق والنبی علیہ السلام ینظر باللہ فلا یستتر علیہ شئ

مومن نور فراست سے دیکھتا ہے اور عارف نور تحقیق سے اور نبی علیہ السلام اللہ سے دیکھتا ہے اسی لیے ان پر کوئی شے چھپی نہیں رہتی۔

(روح البیان جلد ۹ ص۵۱۷)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ وہ اعمال جو خباثت باطن سے خارج ہوں انہیں محبوبانِ خدا جانتے پہچانتے ہیں کیونکہ اس اندرونی خباثت پران کے ہاں شواہد ہوتے ہیں۔

حکایت: حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ کیا "کراماً کاتبین" غیب جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ سائل نے عرض کی تو پھر وہ ان اعمال کو کیسے لکھتے ہیں جن کا تعلق قلوب سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر عمل کی علامت ہے جیسے ہر مجرم کی ایک نشانی ہوتی ہے جب وہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بدبو خارج ہوتی ہے اس لیے ایسے ہر عمل کی کوئی نشانی ضرور

---

[1] اسی لیے حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ (چاچڑاں (کوٹ مٹھن)) فرمایا کرتے کہ میرے صرف اڑھائی مرید ہیں۔ اپنا صاحبزادہ خواجہ محمد بخش عرف نازک کریم کامل اور سید ولایت شاہ (اوچی) کامل اور نواب صادق محمد (آف بہاول پور) آدھا حالانکہ آپ کے ہزاروں کی تعداد میں مرید تھے اور نواب صاحب بھی باوجودیکہ جان نثار تھے لیکن پھر بھی آپ نے اسے آدھا مرید بتایا۔ یہ تو پرانا دور تھا اب پندرھویں صدی کا کیا حال ہوگا۔ (اویسی غفرلہ)

ہوتی ہے (جس سے کراماً کاتبین کو لکھنے کا موقعہ مل جاتا ہے)

حکایت: حضرت حارث بن اسد المحاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جب کوئی ایسا طعام پیش کیا جاتا جو مشکوک ہوتا تو آپ کی انگلیوں پر پسینہ نمودار ہو جاتا۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کی والدہ جب انہی بایزید سے حاملہ ہوئیں تو حرام طعام کی طرف جب ہاتھ بڑھاتیں تو انہیں غیبی نداء آتی کہ تورع (بچ جانا چاہیئے) یا انہیں قے آنے لگتی یا طعام خون ہو جاتا یا اس پر سیاہ سانپ یا خنزیر بیٹھا نظر آتا وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: اس قسم کی بیشمار حکایات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاءؒ اصفیاء سے خاص فرمائی ہیں۔

سبق: تم پر مراقبہ لازم ہے اور ہر امر بالخصوص گفتگو کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا لازم ہے یہ بھی منجملہ حکمتوں کے ایک ہے اور جہنم میں لوگ اوندھے گرائے جائیں گے تو سب سے زیادہ اسباب اسی زبان کے کرتوت ہوں گے۔

فائدہ: حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا من عد کلامہ من عملہ قل کلامہ اور چار چیزوں کو لازم پکڑو:

(۱) مسلمانوں کے لئے غائبانہ دعا مانگنا۔

(۲) مسلمانوں کے لئے سینہ صاف رکھنا۔

(۳) فقراء کی خدمت کرنا۔

(۴) دوسروں کو اپنے اوپر فوقیت دینا۔

فائدہ: دوست کے ساتھ خاموشی سے گذارو جب تک جدائی کا سبب نہ ہو جب ایسا دیکھو تو اسے رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر نصیحت کرو اگر وہ نصیحت قبول کرے جبکہ اسے نہایت نرمی اور پیار سے سمجھاؤ۔ ورنہ اس سے معذرت کر کے علیحدہ ہو جاؤ (اسی میں بھلائی ہے)۔

فائدہ: اگر دوست اچھی نصیحت کرے تو اسے قبول کرو اور اس کی بات میں بات نہ کرو (یعنی اس کی بات نہ کاٹو)۔

سخن را سر است اے خردمند وبین
میاور سخن در میان سخن
خداوند بیر و فرہنگ و ہوش
نگوید سخن تا نہ بیند خموش

ترجمہ ۔ "سخن سر اور جڑ ہے اے عقلمند، سخن کو سخن کے درمیان نہ لا۔ صاحب تدبیر اور دانائی اور ہوش کا۔ بات نہیں کرتا جب تک دوسرے کو خاموش نہیں دیکھتا۔

تفسیر عالمانہ: "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ" اور ہم تمہیں آزمائیں گے جنگ کا حکم دے کر اور اس طرح کی دیگر سخت تکالیف۔

سوال ۔ امتحان تو وہ لے جسے علم نہ ہو اللہ تعالیٰ کے امتحان لینے کا کیا معنیٰ؟

جواب ۱ ۔ یہ ان کے انجام کو ظاہر کے لئے ہے نہ کہ معلوم کرنا کہ یہ کیسے ہیں اور کبھی امتحان انجام ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

جواب ۲ ۔ یا ہم ان سے وہ معاملہ کریں گے جیسے ایک امتحان لینے والا کرتا ہے تاکہ اظہار عذاب زیادہ بلیغ ہو "حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ" یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے مجاہدین اور صابرین کو) علم فعلی سے ان کے جہاد کی مشقتوں کو جن سے جزا متعلق ہو اس کی تحقیق گذر چکی ہے اس پر مزید کی ضرورت نہیں۔

"وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ" اور تاکہ ہم آزمائیں تمہاری خبروں کو" اخبار سے مخبر بہا مراد ہے یعنی وہ تمہارے جن سے تمہاری آزمائش ہو تاکہ ان کا حسن و قبح ظاہر ہو اس لیے خبر مخبر عنہ کے درجہ پر ہوتی ہے اگر وہ اچھا ہو یہ خبر اچھی اگر وہ قبیح ہو تو یہ بھی قبیح۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اخبار کے امتحان سے اعمال کے امتحان کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت علامہ کاشفی نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہاری خبروں کو آزمائیں کہ تم کہا کرتے ہو ہم ایماندار ہیں ہماری آزمائش سے تمہارا سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جائے گا۔

حکایت: حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو رو کر کہتے "اللّٰھم لا تبلنا فانك ان بلوتنا ھتکتہ استارنا وفضحتنا" اے اللہ ہمیں نہ آزما اس لیے اگر تو ہمیں آزمائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے پردے کھل جائیں گے اور ہم رسوا ہوں گے۔"

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ امتحان کی آگ سے ولایت کا سونا کھرا ہوگا اس لیے کہ آزمائش سے پہلے ولایت ایسے ہے جیسے سونے کی ظاہری صورت کو دیکھ کر اس کے ساتھ لہو و لعب کی جائے ظاہر ہے کہ امتحان و آزمائش کے وقت مردوں کے جواہر کھلتے ہیں۔ اس سے مومن و منافق کا امتیاز ہوتا ہے اور امتحان کے وقت ہی انسان کی یا عزت ہوتی ہے یا ذلت۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے تا ابد انسان کے جواہر کی خصوصیات سے باخبر ہے کیونکہ اس نے اسے

جن اوصافِ سعادت وشقاوت پر پیدا فرمایا تو وہی اپنی مخلوق کو جانتا ہے وہی لطیف خبیر ہے اور زمانہ کے اختلاف سے جواہر کے احوال میں تبدیلی آسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر شے کو ایک ہی حالت میں دیکھتا جانتا ہے اور یہ احوال کی تبدیلیاں اس کی حالت کو تبدیل نہیں کرسکتیں اور کسی سے امتحان لینا بھی اس کے حالات سے دوسروں کو باخبر کرنا مطلوب ہے۔

فائدہ: اکابر مشائخ نے فرمایا کہ عارفین بصائر سے دیکھتے ہیں وہ اشیاء جنہیں عوام ابصار (آنکھوں) سے دیکھتے ہیں اور عارفین بصائر (بصیرت قلبی) سے وہ امور نادرہ دیکھتے ہیں جنہیں دوسرے عام لوگ کسی طرح سے بھی ادراک نہیں کرسکتے۔ باوجود ایں ہمہ وہ اپنے نفوس سے مطمئن نہیں ہوتے ایسے ہی وہ مقدوراتِ رب سے اپنے نفوس پر مطمئن نہیں کہ نامعلوم اس کے مقدورات کس رنگ میں ظاہر ہوں۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا مرتبہ علیا (اللہ۔ اللہ) سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ تیس دفعہ معاہدہ فرمایا کہ تیرے ساتھ کوئی خفیہ تدبیر نہ ہوگی۔ آپ سے پوچھا گیا تو پھر اب آپ مطمئن ہوں گے کہ آپ کے ساتھ کوئی ایسی بات نہ ہوگی آپ نے فرمایا ان معاہدوں کے بعد اب بھی میری وہی حالت ہے جو معاہدوں سے پہلے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ عزیز حکیم (غلبہ اور حکمت والا ہے)۔

سبق: جب ایک عارف کامل کا یہ حال ہے تو اے نادان جاہل غافل کا کیا حال ہونا چاہیے اس لیے ہر وقت بیداری وہشیاری کی ضرورت ہے ؎

بر غفلت سیاہ دلان خندہ می زند

غافل مشو ز خندہ دندان نما صبح

ترجمہ۔ سیاہ دل لوگوں کی غفلت پر ہنسی آتی ہے اس لیے صبح دندان نما کے ہنسنے سے غافل نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا" (بیشک جو لوگ کافر ہیں اور راستہ سے روکنے والے ہیں، یعنی لوگوں کو روکتے ہیں "عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اللہ کے راستہ سے یعنی دین اسلام سے جو رضائے الٰہی تک پہنچاتا ہے "وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اختلاف کیا" ان سے دشمنی بھی اور مخالفت کی اور ان کی جانب کے خلاف دوسری

(کفر) جانب ہوگئے اور مخالفت قیامت تک ہر شر کی جڑ ہے "مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى" بعد اس کے کہ ان کو ہدایت ظاہر ہوگئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کا مشاہدہ کیا جیسے کہ تورات میں مسطور تھے اور آپ سے ظاہرات و معجزات دیکھے اور وہ آیات پڑھی سنیں جو آپ پر نازل ہوئیں۔

فائدہ: ان سے قریظہ و نضیر یا وہ لوگ مراد ہیں جو بدر میں اس امید پر آئے کہ مسلمانوں کو کچل دیں گے یعنی رؤسائے قریش "لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ" اپنے کفر اور راستہ سے روکنے سے اللہ تعالیٰ کو نقصان نہ دے سکیں گے "شَيْئًا" کسی قسم کا بھی "یعنی ان کے کفر وغیرہ خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کا کوئی ضرر نہ پہنچے گا بلکہ ان کا شر اور ضرر ان پر لوٹے گا یا شئی کو کوئی ضرر ہو مراد ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مخالفت سے کسی قسم کا نقصان نہ دیں گے۔

فائدہ: یہاں مضاف محذوف کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم مطلوب ہے اور ساتھ یہ بھی بتانا ہے کہ ان کی مخالفت ایک خطرناک پہلو ہے۔

"وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ" اور ان کے اعمال حبط کرے گا۔

فائدہ: سین محض تاکید کے لئے ہے اور اعمال سے ان کے وہ منصوبے مراد ہیں جو انہوں نے دین اسلام کے مٹانے کے لئے کھڑے کیے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں تدبیریں سوچیں چنانچہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ الٹا انہیں پہلی سزا یہ ملی کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے۔

فائدہ: ان سے قریظہ اور رؤسائے قریش کے اکثر لیڈر جو بدر میں مارے گئے اور ان بدبختوں یعنی مخالفت کرنے والے یہودیوں کو شہر بدری کی سزا ابھی ملی جیسے قبیلۂ نضیر کے لوگ۔

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقائد اور شرائع کلی میں کسی ایک بات میں بھی ان کی مخالفت نہ کرو "وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ" اور اپنے اعمال باطل نہ کرو ان کافروں کی طرح کفر و نفاق و ریاء اور من مرضی اور عجب وغیرہ سے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ عجب (خود بینی) نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو۔

(۱) در ہر عملیکہ عجب رہ یافت
رو پیش زرہ قبول بر تافت

(۲) اے گشتہ بکار خویش مغرور
وز درگہ قرب گشتہ مہجور

(۳) تا چند ز عجب و خودنمائی
وز دبدبۂ منی ومائی

(۴) معجب مشو از طریق تلبیس
کز عجب بچہ فتاد ابلیس

ترجمہ ۔ (۱) جس عمل میں عجب نے راہ پایا، اس کا منہ قبول الٰہی سے پھر گیا۔
(۲) اے فلاں تو اپنے عمل پر مغرور ہے، درگاہ حق کے قرب سے تو مہجور ہے۔
(۳) کب تک عجب و خودنمائی میں مبتلا رہے گا، مَیں مَیں کے دبدبہ میں سے کب نجات پائے گا۔
(۴) دھوکہ میں آکر عجب والا نہ ہو، دیکھیے عجب سے ابلیس نے کتنی سزا پائی ۔

ردالمعتزلہ والخوارج: اس میں خوارج و معتزلہ کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا وہ یہ کہ کبائر کے ارتکاب سے نیکیاں برباد جاتی ہیں یہاں تک کہ ان کے جمہور مولوی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ایک کبیرہ کا ارتکاب کرے تو اس کی زندگی بھر کی تمام نیکیاں برباد گئیں مثلاً کسی نے زندگی طاعات الٰہی میں گذار دی لیکن شومئ قسمت سے اس نے کسی وقت ایک گھونٹ شراب پی لیا تو اس کی زندگی کی تمام نیکیاں برباد گئیں گویا اس نے اس سے قبل اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت نہیں کی (معاذ اللہ)۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم اور آپ کی سنت کے خلاف عمل کیا تو وہ باطل ہے اس کا اسے کوئی ثمرہ اور ثواب نہ ملے گا کیونکہ اس نے اگرچہ وہ کام نیکی سمجھ کر کیا ہے تب بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ اس نے وہ کام اپنی طبیعت پر کیا ہے اور انسانی طبع ظلمانی ہے اور جو حکم شرع پاک نے دیا ہے وہ نورانی ہے تاکہ شرع کے نور سے طبع کی ظلمت مٹ جائے اس لیے شرع کے ہر حکم پر عمل سے ثمر اور ثواب نصیب ہوتا ہے اور ثمر سے مراد یہ ہے کہ اسے ظلمات طبع سے نکال کر نور حق کی طرف لے جائیں گے۔

سبق: اے عزیز طاعت الٰہی و نبوی کو لازم پکڑ اور شرع پاک کے ہر حکم کو بجالا اور مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے حکم رائیگاں سمجھنے سے دور ہو۔

حکایت: حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے تھے کہ وہاں سے

حضرت حبیب عجمی کا گذر ہوا امام حنبل نے فرمایا میں اس سے ایک سوال کروں گا امام شافعی نے فرمایا
ان سے سوال نہ کرو یہ لوگ عجیب حال کے مالک ہوتے ہیں (نہ معلوم کوئی ایسا جواب ملے جو ہم کو سمجھ نہ آئے)
لیکن امام احمد حنبل نے سوال کر دیا کہ حضرت اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جس سے ایک نماز قضا ہو گئی
لیکن اسے یاد بھی نہیں۔ آپ حبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایسے شخص کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہوا
اسے ادب سکھانا چاہیئے یہ کہہ کر چلے گئے انہیں سمجھ کچھ نہ آیا۔ حضرت امام شافعی نے امام احمد حنبل سے فرمایا کیا
میں نے عرض نہیں کیا تھا کہ یہ لوگ عجیب حال رکھتے ہیں ان سے سوال نہیں کرنا چاہیئے۔

شرعی جواب: اس شخص کو چاہیئے کہ اس دن کی تمام نمازیں قضا کرے جو قضا ہو گی وہ بدل بنے گی
باقی نوافل۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اطاعت اور فرمانبرداری کا سوال کرتے ہیں اور اس کی بارگاہ سے
محرومی سے پناہ۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" بیشک جنہوں نے اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کفر کیا
"وَصَدُّوْا" اور لوگوں کو روکا "عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" اللہ کے راستہ سے جو اللہ تعالیٰ کی رضا و
خوشنودی تک پہنچانے والا ہے "ثُمَّ مَاتُوْا" پھر وہ مر گئے اور اسی حالت پر دنیا سے جدا ہوئے
"وَھُمْ کُفَّارٌ" حالانکہ وہ کافر ہو کر مرے "فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ" تو آخرت میں انہیں اللہ
ہرگز نہ بخشے گا کیونکہ وہ کفر پر مرے تو جس حالت میں مرے اسی حالت پر اٹھیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں
وارد ہے جیسے مرو گے جیسے زندگی گذارو گے اور ویسے اٹھو گے جیسے مرو گے۔ اور یہ حکم عام ہے کہ جو کفر کی
حالت میں مرے گا اس کا یہی حشر ہو گا اگرچہ اس کا نزول خاص لوگوں (یعنی جو بدر میں جنہم کے گڑھے میں گرے
یا قوم عاد قدیم) کے حق میں ہوا۔

فائدہ: بیئر (کنواں) سے وہ گڑھا مراد ہے جس میں وہ کفار مقتولین بدر پھینکے گئے یا وہ کنواں مراد ہے جس سے
بدر کے دن مشرکین نے پانی پیا (آج اس کنوئیں کو دیکھو اس سے بدبو آتی ہے ایسے ہی میں نے بدر کے مقیمین
سے سنا ہے جبکہ میں وہاں سے گذرا[1])۔

"فَلَا تَھِنُوْا" تو سستی نہ کرو۔

---

[1] یہ حضرت صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں ہوگا آج کل تو اس کنواں کا نام و نشان تک نہیں۔
ہم جب ۱۹۷۹ء کو زیارتِ گنبدِ خضراء اور حج کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوئے بدر کے واقفین سے معلوم کیا تو بتایا گیا
کہ اب تو بدبو نام کی کوئی شے نہیں۔ (اویسی غفرلہ)

حل لغات: " الوھن " بمعنی الضعف فاء فصیحیہ ہے یعنی جب تم پر وہ جو تلاوت کیا جاتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے وہ ان کے اعمال ضائع کرتا ہے اسی لیے انہیں ہرگز نہ بخشے گا سو سستی نہ کرو یعنی کمزور نہ ہو کیونکہ جس پر اللہ کا غضب ہو وہ کامیاب نہ ہوگا۔

" وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ " اور نہ بلاؤ صلح کی طرف " فعل مجزوم ہے اس کا عطف تھنوا السلم (بفتح السین وکسرہا) دونوں لغتیں ہیں بمعنی الصلح یعنی کافروں کو صلح کی طرف جلدی نہ بلاؤ کیونکہ اس میں ذلت ہے یعنی ان سے جلدی صلح کی طلب ذلت وخواری اور کمزوری کی نشانی ہے " وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ " حالانکہ تم بلند و بالا ہو۔

حل لغات: " الاعلون " اعلیٰ کی جمع ہے بمعنی اغلب۔ یہ دراصل الاعلون تھا صرفیوں کے نزدیک فتح وضمہ کا اجتماع مکروہ ہے یعنی الاعلون بمعنی اغلبون۔

فائدہ: کلبی نے فرمایا کہ انجام بکار غلبہ تمہارے لیے ہے اگرچہ بعض اوقات میں وہ غلبہ بھی پا جائیں اور یہ جملہ حالیہ ہے نہی کے لئے مقررہ ہے اور وجوب الانتہاء وجوب کے لئے مؤکدہ ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا قول " وَاللّٰهُ مَعَكُمْ " اور اللہ تمہارے ساتھ ہے کیونکہ ایمان والے اغلب ہیں اس لیے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کا مددگار ہے یعنی یہی اللہ تعالیٰ کی مدد ان امور سے اجتناب کی بہت بڑی قوت ہے جو ذلت وخواری کا سبب ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ان اہل اسلام کو ان کے اعمال کے مکمل اجروثواب عطا فرماتا " وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ " اور اللہ تمہارے اعمال ضائع کرتا ہے۔

حل لغات: " الوتر " بمعنی کم کرنا اور ضائع کرنا یعنی ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ وترت الرجل بمعنی قتلت یعنی میں نے ایسے قتیل کو قتل کیا کہ اب نہ اس کی اولاد ہو نہ بھائی ہو اور نہ کوئی قریبی قرابت والا ہو اور اسے میں نے اکیلے قتل کیا الوتر سے ہے بمعنی الولد

القاموس میں ہے " وتر الرجل " بمعنی افزعہ " اسے ڈرایا " وادرکہ " اور اس نے پالیا مکروہ (ناگوار امر) کو ووترہ مالہ بمعنی نقصہ ایاہ یعنی اسے اس کے مال کو نقصان کیا۔

نکتہ: ترک اثابت (ثواب نہ دینے) کو اعمال کے مقابلہ میں وِتر سے تعبیر اس لیے کیا کہ وتر بمعنی معتدبہ شے چھین لینا یعنی انفس واموال ضائع کردینا علاوہ ازیں اعمال بھی ثواب موجب نہیں جیسا کہ اہلسنت کا قاعدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے بخشے گا جس کا ظہور ان اعمال کے ثواب کی صورت میں ہوگا اس کے لئے جو اس کے لطف وکرم کا مستحق ہوگا ترک اثابت کو بمنزلہ اضاعت اعظم حقوق کے اور انہیں تباہ وبرباد کرنے کے ہے۔

حدیث قدسی ۱؎: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انما ھی اعمالکم ثم اؤدیکم ایاھا" تمہارے اعمال میرے ہاں محفوظ ہیں وہ تمہیں ادا کروں گا۔

فائدہ: ھی قصہ کی ضمیر ہے یعنی تمہارے اعمال کی جزاء میرے ہاں محفوظ ہے وہ تمہیں کامل اور پوری ادا کروں گا۔

حدیث قدسی ۲؎: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا مروی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام فرمایا ہے اور وہ بندوں پر حرام کیا ہے اس لیے اے میرے بندو ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ ظلم سے منزہ ہے اور جزائے اعمال کم کرنے سے منزہ ہے تو بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنی خیر مانگے بلکہ اسے چاہیئے اس سے عمل کی جزاء نہ مانگے کیونکہ وہ اکرم الاکرمین ہے وہ مطلوب سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ دوست خود روش بندہ پروری داند

ترجمہ۔ تو عبادت گداگروں کی طرح اجر کی شرط پر نہ کر کیونکہ وہ کریم بندہ پروری کی روش خوب جانتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) عاشقانرا شادمانی وغم اوست
دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست

(۲) غیر معشوق ار تماشائی بود
عشق نبود ہرزہ سودائی بود

(۳) عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ترجمہ۔ (۱) عشاق خوشی وغم اسی کا ہے، انہیں اسی کی خدمت کی اجرت و مزدوری چاہیئے۔ (۲) معشوق کے سوا باقی سب تماشا ہے اگر غیر معشوق میں مبتلا ہے تو وہ عشق نہیں مذاق ہے۔ (۳) عشق وہ شعلہ ہے کہ جب اٹھتا ہے تو سوائے معشوق کے سب کچھ جلا دیتا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ اگر مسلمانوں میں قوت و طاقت ہے تو ان پر لازم ہے کہ وہ کافروں کی طرف صلح کا ہاتھ نہ بڑھائیں کیونکہ اس طرح سے ترک جہاد لازم آئے گا اگر ان میں طاقت نہیں تو صلح کرنے میں حرج نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" و ان جنحوا للسلم فاجنح لہا" (اگر وہ صلح کے پر بچھائیں تو تم بھی صلح کا پر بچھا دو) یعنی اگر وہ صلح کی طرف مائل ہیں تو ان سے صلح کر لو (اسی طرح تفسیر مذکور کے علاوہ دوسری تفاسیر میں بھی ہے)

مسئلہ: اس میں مسلمانوں کو کافروں سے صلح سے منع کیا گیا ہے اور مفسرین نے کہا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کافروں سے صلح کر کے مکہ معظمہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ (حدیبیہ سے واپس لوٹ گئے) ایسے ہی حدادی نے اپنی تفسیر سورۃ النساء میں فرمایا کہ کافروں سے صلح اور لچک جائز نہیں اور نہ ہی ان کو جزیہ کے بغیر کفر پر چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب مسلمانوں میں ان سے غلبہ پا جانے کی قوت و طاقت ہو۔ اگر وہ ان کے مقابلہ سے عاجز اور اپنے نفوس و اولاد پر ان سے خطرہ ہے تو صلح کر لینا اور جزیہ لینے کے بغیر ان کا مقابلہ نہ کرنا جائز ہے اس لیے ترک جہاد سبب قوت کے نا جائز ہے لیکن وہ سبب نہ رہا تو جہاد کا وجوب بھی اٹھ گیا جب سبب ہٹ جائے یعنی عجز نہ رہے تو ان سے صلح کا حکم بھی نہ رہے گا۔

فائدہ: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مکہ معظمہ غلبہ سے فتح ہوا نہ کہ صلح سے اگر صلح سے فتح ہوتا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ نہ فرماتے کہ جو بھی دار ابو سفیان میں داخل ہوگا اسے امن ہے الخ

" اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا " بیشک اہل بصیرت کے نزدیک حیات دنیا ہے" لَعِبٌ وَّلَھْوٌ" کھیل تماشہ ۔ باطل اور دھوکہ اس کا نہ اعتبار ہے اور نہ اسے ثبات ہے سوائے چند (تھوڑے) لوگوں کے یعنی یہ دنیا کھیل تماشہ کا گھر ہے اور ناپائیدار ہے اس میں مشغول ہونا بیکار و بے اعتبار ہے۔

حدیث شریف میں ہے " اللہ تعالیٰ نے فرشتہ پیدا فرمایا ہے جس نے دنیا پیدا کرنے پر شروع کیا لَا اِلٰہَ قیامت قائم ہو گی جب اِلَّا اللہُ کہے گا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ دنیا از اوّل تا آخر اور خود وہ اور جو کچھ اندر ہے درحقیقت اس کا کوئی وجود نہیں یہ ایک عارضی امر ہے جو زائل ہو جائے گا بس وہی اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہے۔

تفسیر عالمانہ: "وَاِنْ تُؤْمِنُوْا" اور اے لوگو ایمان لاؤ اس پر جس پر ایمان لانا واجب ہے "وَتَتَّقُوْا" اور بچو کفر و معاصی سے "یُؤْتِکُمْ اُجُوْرَکُمْ" دے گا تمہیں اجر" یعنی تمہارے ایمان و تقویٰ کا اجر دے گا ان باقیات صالحات سے جن میں للچانے والے للچاتے ہیں۔

مسئلہ: آیت میں آخرت کے بلند اور باقی مراتب کی طلب پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور دنیا کمینی فانی سے نفرت دلائی گئی ہے ؎

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بود ست بعد از تو ہم

ترجمہ۔ ملک وجاہ و حشم پر تکیہ نہ کر، اس لیے تجھ سے پہلے بہت لوگ گذرے ہیں تیرے بعد بھی بہت سے لوگ آنے والے ہیں ؎

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری
بخر جان من ورنہ حسرت خوری

ترجمہ۔ دنیا سے آخرت خریدی جا سکتی ہے، پیارے اسے جلد خرید لے ورنہ افسوس کھائے گا۔

"وَلَا یَسْئَلْکُمْ اَمْوَالَکُمْ" اور تمہارے سے مال نہیں مانگتا" جمع کی اضافت صیغۂ عموم سے ہے اس سے تمام مال مراد ہے کہ جس سے تمہاری معاش میں خلل واقع ہو جائے اور اس سے مقصود بہت تھوڑا مال ہے وہ چالیسواں (زکوٰۃ) اور دسواں (عشر) جسے تم نے فقراء کو ادا کرنا ہوگا اور اس سے تمہارا جی بھی خوش ہوگا "اِنْ یَّسْئَلْکُمُوْھَا فَیُحْفِکُمْ" اگر تمہارے سے مال مانگے تو تمہارے کل مال کی طلب سے تمہیں مشقت میں ڈالے گا یعنی اگر فرمادے کہ تم اپنا سارا مال راہ خدا میں لٹا دو تو تمہیں دکھ ہوگا۔

حل لغات: الاحفاء والالحاف میں مبالغہ ہے اور شے کی انتہا تک پہنچنے کا معنیٰ دیتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "احفی شاربہ ای استاصلہ ای قطعہ من اصلہ" یعنی اس نے مونچھیں جڑ سے کاٹ دیں۔

"تَبْخَلُوْا" ان سے تم بخل کرتے اور مال راہِ خدا میں نہ دیتے "وَیُخْرِجْ" یعنی اور اللہ نکالے (ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے) اس کی تائید اس قرأۃ سے ہوتی ہے جس میں نون متکلم سے پڑھا گیا

ہے یا یہ ضمیر بخل کی طرف راجع ہے اس لیئے بخل ہی اضغان (کینے) کا سبب ہے "اَضْغَانَکُمْ" تمہارے کینے اور اس کی تفسیر اسی سورۃ میں گذر چکی ہے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے مال روکنے پر تمہارے کینے ظاہر کرے اور قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم تھا کہ ابن آدم مقابلہ کرے گا اس کے ساتھ جو اس کا مال لے گا۔

فائدہ: اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے مال کی محبت نکالے گا۔ یہ اس شخص کا مرتبہ ہے جو اپنے نفس کو بخل سے بچائے رکھے اور وہ حضرات جو کونین کی گرد و غبار سے پاک اور طلب حق میں ان کا مرتبہ بلند ہے تو وہ مال کا ایک قطرہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ وہ اپنی روح خرچ کرنے کو تیار کر دیتے ہیں اور وہ خرچ و اخراج پر التزام رکھتے تھے اور مکاتب (عبد) وہ ہے جو اس کے پاس ایک درم باقی نہ رہے

"ھَا" تنبیہ کے لیئے ہے بمعنی آگاہ ہو جاؤ اور کان دھرو "اَنْتُمْ" یہ علیحدہ کلمہ ہے اور مبتدا ہے اس کی خبر "تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" خبردار تم وہ ہو جو بلائے جاتے ہو تاکہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ جملہ مستانفہ ہے پچھلے مضمون کے لیئے مقررہ ہے اس میں اشارہ ہے کہ انہیں بعض اموال کے خرچ کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور یہ خطاب انہیں ہے جو پچھلے مضمون (ان یسئلکموھا) سے موصوف ہیں جب یہ دعوت عام ہوئی تو ان کے بعض نے بخل کیا یا یہ جملہ ھٰؤلاء کا صلہ ہے بمعنی الذین اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے وہ لوگو جو بلائے جاتے ہو اس میں بہت بڑی توبیخ اور ان کے حال کی تحقیر ہے۔

مسئلہ: انفاق عام مراد ہے خواہ جنگ میں یا ادائیگی زکوٰۃ وغیرہما (اس میں ایصال ثواب کی خیرات اور اعراس بزرگان وغیرہ بھی شامل ہے) "فَمِنْکُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ" (تو تمہارے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں) مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مَنْ شرطیہ نہیں یعنی یہ لوگ وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ یہ شرطیہ ثانیہ پر دلیل کے حیز میں ہے گویا اس پر دلیل ہی ہے کہ تم ادائے زکوٰۃ چالیسویں حصے کے لیئے بلائے جاتے ہو تو تمہارے بعض وہ ہیں جو اس سے بخل کرتے ہیں (زکوٰۃ ادا نہیں کرتے) "وَمَنْ یَّبْخَلْ" (اور وہ جو بخل کرتا ہے) یہ مجزوم ہے کیونکہ یہ مَنْ شرطیہ ہے "فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ" تو بیشک وہ بخل کرتا ہے اپنی ذات سے کیونکہ انفاق کا نفع اور امساک (نہ خرچ کرنے) کا نقصان اس کا خود اپنا ہے۔

حل لغات: بخل کا صلہ من و عن ہر دونوں آتے ہیں کیونکہ یہ تعدی امساک کے معنیٰ کو متضمن ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ خیر و بھلائی کو بخل کر کے اپنی ذات سے اس کے فوائد روک رہا ہے۔

"وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ" اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تم سے اور تمہارے اموال سے بخلاف اس کے ماسوا کے کہ

وہ کسی نہ کسی معاملہ میں ایک دوسرے کے ضرورت مند ہیں "وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ" اور تم فقراء اس کے اور اس خیر و بھلائی کے جو اس کے ہاں ہے تو جس کا وہ تمہیں حکم فرماتا ہے وہ اسی لیے ہے کہ تم اس کے فوائد کے محتاج ہو اگر تم حکم مانو اس میں تمہارا فائدہ ہے اگر روگردانی کرو تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔

ملفوظ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ: آپ نے فرمایا فقر عبودیت کے اور غنا الوہیت کے لائق ہے۔ فقیر فقیری (ولایت) فقر کو مستلزم ہے بھی یہاں پر ایک فقر سے غنا تام مراد ہے۔

تلقین ابن مشیش قدس سرہ: آپ نے ابوالحسن شاذلی قدس سرہ کو فرمایا کہ اگر تو اسے فقر سے ملے تو بھی اسے صنم اعظم کے ساتھ ملا۔ فقر تام یہ ہے کہ اس کے غیر سے تمام سے مستغنی ہو جاؤ تب تم غنی کے صفت سے موصوف ہو گے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی لذاتہ بذاتہ ہے اس کے غنا سے ایک یہ ہے کہ اپنی قدرت سے اپنی مراد پر احکام جاری کرتا ہے اور اپنے تمام ماسوا سے مستغنی ہے اور ہم سب ابتداء میں اس کے محتاج ہیں تاکہ وہ ہمیں پیدا کرے اور وسط میں تاکہ ہماری تربیت کرے اور انتہاء میں تاکہ ہمیں اپنی انانیت سے بے پرواہ کر کے اپنی ہویت میں بقا بخشے اور وہ ہم سب سے از ازل تا ابد مستغنی ہیں اور ہم سب فقراء اور از ازل تا ابد اس کے محتاج ہیں ؎

مراورا رسد کبریا منی
کہ ملکش قدیمیست وذاتش غنی

ترجمہ۔ اسی کو لائق ہے کبریائی اور میں ہونا کہ اس کا ملک قدیم اور اس کی ذات غنی ہے۔

نکتہ: چونکہ وہ خود غنی وجواد ہے بندوں کے لئے بھی چاہتا ہے کہ وہ بھی اس کی صفات سے موصوف ہوں اس لیے انہیں بذل و انفاق کا حکم فرمایا کیونکہ سخاوت بہشت اور رضائے الٰہی و قربت حق کی طرف لے جاتی ہے۔

رسول غیب دان کی غیب دانی پر کافر مسلمان ہوگیا: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ روم کے سفر سے واپس لوٹے اور چند قیدی پکڑ کر بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام پیش کیا انہوں نے اسلام قبول نہ کیا ان کے اسلام کے انکار پر ان کی گردن زنی کا حکم صادر فرمایا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو قتل کرانا شروع کیا آخر میں ایک نوجوان

کی باری آئی جسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے قتل نہ کرو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور! یہ تمام کافروں میں شدید ترین کافر ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابھی جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نوجوان کو قتل نہ کرو کہ یہ ان سب میں بہت بڑا جوانمرد (سخی) ہے اور جوانمرد (سخی) کو قتل کرنا اچھا نہیں۔ جب اس نوجوان نے دیکھا کہ اسے چھوڑ دیا گیا تو اس نے خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے کیوں قتل نہیں کیا گیا۔ آپ نے فرمایا میرے ہاں وحی آئی ہے کہ یہ شخص اگرچہ کافر ہے لیکن جوانمرد (سخی) ہے اور سخیوں کو ہم قتل نہیں کرتے اور قیامت میں جوانمرد (سخی) مومن سے حساب وکتاب بھی نہ ہوگا وہ شخص کہنے لگا اب مجھے معلوم ہوا کہ دین اسلام حق ہے کیونکہ میری جوانمردی (سخاوت) کا کسی کو میرے سوا علم نہیں فلہذا مجھے یقین ہے آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہے اس لیے میں پڑھتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نوجوان نے خلعتِ ایمان جوانمردی (سخاوت) کی برکت سے حاصل کی ہے ؎

جوانمرد اگر راست خواہی ولیست

کرم پیشۂ شاہ مردان علیست

ترجمہ۔ جوانمرد (سخی) اگر سچ پوچھتے ہو تو ولی اللہ ہے اس لیے کہ سخاوت اور احسان و مروت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پیشہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: "وَاِنْ تَتَوَلَّوْا" اور اگر تم روگردانی کرو گے) اس کا عطف "اِنْ تُؤْمِنُوْا" پر ہے یعنی اگر تم ایمان وتقویٰ اور دعوت اسلامی اور انفاق فی سبیل اللہ کی رغبت سے روگردانی کرو گے "یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ" تو تمہارے بدلے اللہ تعالیٰ تمہارا سوا اور قوم لائیگا یعنی تمہیں دنیا سے اٹھالے اور تمہارے بجائے اور دوسرے لوگوں کو پیدا کرے "ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ" اور وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔ ایمان وتقویٰ وانفاق سے روگردانی میں تمہارے جیسے نہ ہوں گے بلکہ وہ ان امور میں رغبت کرنے والے ہوں گے۔

فائدہ: یہاں پر کلمۂ ثم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مخاطب ایسی بات کا ہونا بعید از قیاس سمجھتا ہے کیونکہ جب لوگ احوال میں اور طبعی طور مال کی طرف میلان میں ایک دوسرے سے مشترک ہیں تو پھر ہمارے ان عادات کے برعکس وہ کیسے ہوں گے۔

فائدہ: تتولوا کا خطاب قریش مکہ کو ہے اور بالبدل انصار بھی اس میں شامل ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے

اس ارشاد گرامی فان یکفر بھا فقد وکلنا بھا قوما لیسوا بھا بکافرین (اگر ان سے کفر کیا جائے گا تو ان کے لئے اور ایسی قوم بھیجیں گے جو ان سے کفر نہ کریں گے) کی طرح ہے یا یہ خطاب عرب کو ہے اور یا البدل اس میں عجم بھی شامل ہے ایسے ہی اہل فارس بھی۔

اہل فارس کی فضیلت: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیت ھذا میں لفظ قوم کے بارے میں سوال ہوا کہ وہ کون لوگ ہوں گے اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے قریب تشریف فرما تھے آپ نے ان کی ران اقدس پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ اور اس کی قوم مراد ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے اگر ایمان ثریا (کہکشاں) سے لٹکا ہوا ہو تو اسے فارس کے لوگ حاصل کرلیں گے۔

فائدہ: ثریا نجم معروف ہے (یعنی کہکشاں) اس سے ثابت ہوا کہ اس سے وہ اہل فارس مراد ہیں جو مسلمان ہیں اور اس میں اس قبیلہ کی فضیلت کا بیان ہے۔

حدیث شریف ۲: میں ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی دو بہترین مخلوق ہیں:۔ (۱) قریش عرب میں اور (۲) فارس عجم (کشف الاسرار)

حدیث شریف ۳: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھ کر فرماتے تمہیں مبارک ہو اے بنو فروخ یعنی اے فارس والو (لباب)

فائدہ: بنو فروخ سے اہل فارس مراد ہیں اور القاموس میں ہے کہ "الفروخ ہمچو التنور اخوا سماعیل واسحاق وابو العجم جو کہ وسط البلاد میں ہیں۔

خواجگان جیسے شیخ سعدی وغیرہ قدس سرہ: اس میں اس قوم کی منقبت ہے جنہیں خواجہ وغیرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جو اہل فارس میں اکابر و اعاظم مشائخ میں سے اولیاء اللہ ہیں اور وہ فارس میں بے شمار ہیں۔ انہی میں ایک حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ وغیرہ ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہ کا اعجوبہ: آپ کو اپنے ملک کا قطب بنایا گیا لیکن آپ نے فجر سے ظہر تک اس خلعت کو پہن کر اسے ترک کر دیا (الواقعات المحمودیہ)

فائدہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تبدیلی کفار کے بجائے ہوتی یعنی کافروں کے بجائے اور لائے جائیں گے تو وہ مومن ہوں گے۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ اگر سارے کے سارے بھی کافر ہو جائیں اور ایمان سے روگردانی کرلیں تو بھی کوئی فرق نہ آئے گا اللہ تعالیٰ قادر ہے ان کے

بجائے اور لاسکتا ہے چنانچہ فرمایا" ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ "(اور کیوں نہیں کہ ہوں لوگ ایک ہی گروہ)

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ بساط عبودیت کی حقیقت پر صرف اہل سعادت کو ہی استقرار ہے اور بس کیا نہیں دیکھتے ہو اللہ کیا فرماتا ہے و ان تتولوا الخ اور آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو ملول پیدا کیا گیا اور حق تعالیٰ کی طلب میں غیر ثابت ہے ان کے بعض کا خاصہ ہے کہ وہ طلب حق میں حسن استعداد روحانی کی وجہ سے بڑی جد و جہد کرتے ہیں اور اثنائے سلوک میں مجاہدہ نفس اور مخالفت خواہشات میں خوب ہوتے ہیں کہ پیاسے (روزے سے) گذار رہے ہیں ۔ اور شب بیدار رہتے ہیں یہاں تک کہ مکائد شیطان سے اور طلب رحمت میں نفس کو اپنے تابع کر لیتے ہیں ۔ طلب حق سے وہ روگردانی کر کے رسوا ہو جاتے اور کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جاتے اگر ان کا جذبۂ عنایت و حسن رعایت معاونت نہ فرماتی (یہ خاصانِ خدا ہیں) اگر یہ لوگ طلب حق میں صداقت نہ کریں تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اور ایسی قوم لائے جو طلب میں صادق اور قدم عبودیت میں ثابت ہو اور انہیں جذبات العنایت اپنے دامن میں لے لے اور ہدایت کی توفیق دیئے جائیں یہی رغبتِ شدید اور خوفِ خداوندی سے بھرپور ہوں اور اعراض بعد اقبال اور انکار اور ترک شکر و ثناء میں تمہارے جیسے نہ ہوں بلکہ وہ تم سے جمیع احوال میں درجہا بہتر ہوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ جیسے چاہے پیدا کر سکتا ہے اور عظیم حکمت کا مالک ہے وہی کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے ۔ (تاویلات نجمیہ)

سورۃ الفتح

بلاخلاف مدنیہ ہے اور اس کی ستائیس ۲۷ آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شانِ نزول عام حدیبیہ میں مکہ مکرمہ سے واپسی پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ علامہ زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورۃ الفتح از اوّل تا آخر حدیبیہ کے متعلق ہے مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی اور بقاعی مرحوم نے فرمایا کہ یہ سورۃ ضجنان (بفتح الضاد والمعجمہ والجیم والنونین) میں نازل ہوئی اور القاموس میں ہے کہ ضجنان ہمچون سکران مکہ مکرمہ کے قریب ایک پہاڑ ہے اور انسان العیون میں ہے کہ یہ سورۃ کراعیہ الغمیم میں نازل ہوئی اور یہ جگہ عسفان سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور عسفان ہمچون عثمان مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ دور ایک جگہ ہے۔

سوال ۔ جب یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہی نہیں ہوئی تو پھر اس کا مدنیہ نام کیسا؟

جواب ۔ مفسرین کی اصطلاح میں مدنیہ وہ سورۃ ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی خواہ کہیں بھی ہو اور مکیہ وہ ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہو۔[1]

---

[1] حواشی سعد المفتی ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَ
يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ ○ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا
عَزِيْزًا ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ
اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ○ لِّيُدْخِلَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ ○ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ○ وَلِلّٰهِ
جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَ
تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ
اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ
فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا
بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے
تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی
راہ دکھا دے اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں
میں اطمینان اتارا تاکہ انہیں یقین پر یقین بڑھے اور اللہ ہی کی ملک ہیں تمام لشکر آسمانوں اور زمین
کے اور اللہ علم و حکمت والا ہے تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں
میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے
اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے اور عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک
مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ پر گمان رکھتے ہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ نے ان پر
غضب فرمایا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار فرمایا اور وہ کیا ہی برا انجام ہے

اور اللہ ہی کی ملک ہیں آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اور اللہ عزت و حکمت والا ہے
بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور
اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو وہ
جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ
ہے تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے برے کو عہد توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے
اللہ سے کیا تھا تو جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔"

تفسیر عالمانہ: "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ" فتح البلد سے مراد ہے اس پر غلبہ پاکر یا صلح سے
فتحیاب ہونا اور صلح بھی جنگ سے ہو یا بغیر جنگ کے کیونکہ جبتک اس پر
فتح نہ ہو تو وہ گویا متعلق (بند) ہوتا ہے۔ یہ فتح باب الدار سے ہے، دار کا دروازہ کھلنا اور علین المعانی
میں ہے الفتح وہ کشادگی جو غم کو دور کرنے والی ہو اس لیے کہ جب تک مطلوب حاصل نہ ہو وہ ایسے ہے
جیسے کوئی شے بند پڑی ہو جب حاصل ہو جائے تو ایسے ہو گیا جیسے وہ کھل گیا ہے اور المفردات میں
ہے کہ الفتح بمعنے ازالۃ الاغلاق والاشکال اور وہ دو قسم ہے:۔

(۱) آنکھ سے اس کا ادراک ہو سکے جیسے فتح الباب والغلق والقفل والمتاع اللہ تعالیٰ نے فرمایا" **ولما فتحوا متاعھم**" اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا۔"

(۲) بصیرت سے اس کا ادراک ہو جیسے فتح الغم یعنی غم کو ہٹانا یہ دو قسم ہے:۔

(۱) امور دنیویہ میں جیسے کہا جاتا ہے" **غمہ وفقر یزال باعطاء المال ونحو**" اس کا غم ٹل جاتا ہے اور مال وغیرہ سے اس کا فقر ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) علمی مغلقات کا واضح ہونا مثلاً کہتے ہیں" فلان فتح من العلم بابا مغلقا" فلاں نے علم کا مشکل باب کھولا یعنی اسے حل کیا۔

سوال۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جمع متکلم کا صیغہ کیوں فرمایا؟

جواب۔ بندوں کے جملہ افعال ایجاداً و خلقاً اسی کی طرف منسوب ہیں اسی لیے جمع کا صیغہ لایا گیا۔

فائدہ: اس سے فتح مکہ مراد ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی گئی۔

سوال۔ اسے ماضی سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ واقعہ تو نزول سے بعد کو ہوا۔

جواب - یہ قرآن مجید کی عادت ہے کہ جن امور کا تحقق یقینی ہو اسے ماضی سے تعبیر کرتا ہے تاکہ خوشخبری میں تاکید مزید ہو یہی راز ہے حرف قد تحقیقیہ لانے میں - نیز اس میں مخبر کی دی ہوئی خبر کی عظمت شان بعینہٖ ہی فعل ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے اور خوشخبری بھی صرف اسی فعل کی دی جا رہی ہے اور بس تاکہ معلوم ہو کر خوشخبری براۓ فتح اللہ سبحانہٗ سے صادر ہوئی ہے یہ مفتوح کی خصوصیت سے نہیں -

فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انا فتحنا سے فتح مکہ مراد لی گئی ہے بلکہ یوں کہو اس سے وہ علوم والہدایات جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مفتوح ہوئے وہی مراد ہیں کیونکہ یہی ثواب اور مقام محمود کا ذریعہ ہیں جو غفران الذنوب کا سبب بنتے ہیں (اس کے علاوہ اور امور بھی ہم آگے چل کر عرض کریں گے) "فَتْحًا مُّبِيْنًاo" ایسی فتح جو بالکل واضح اور مکشوف الحال ہے یا حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی - بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ صلح مراد ہے جو آپ نے کفار قریش سے غزوہ حدیبیہ میں فرمائی -

تحقیق الحدیبیہ: حدیبیہ بروزن دُوَیْہِیَہ اسے مشدد بھی پڑھا جاتا ہے - یہ ایک کنواں تھا مکہ (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے) کے قریب ہیں یا کدو کا پیڑ جو اس وقت وہاں موجود تھا (قاموس) اس کے نام یا اس کے سبب سے اس جگہ کا نام پڑ گیا -

صلح حدیبیہ کی خواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھی کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت حلق کرا کر یا قصر سے یعنی بعض ان کے حلق، سر منڈوا کر اور بعض کتروا کر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں اور آپ نے داخل ہو کر کعبہ پاک کی چابی لی اور خود اور صحابہ کرام نے طواف اور عمرہ کیا - اس خواب کی آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے - اس کے بعد آپ نے مکہ معظمہ جانے کے ارادہ سے صحابہ کرام کو خوشخبری سنائی کہ ہم عمرہ کے لئے جائیں گے سب نے سفر کی تیاری کر لی آپ گھر سے غسل فرما کر دو کپڑے احرام کے پہن کر قصوٰی (اونٹنی) پر سوار ہوئے آپ کے ساتھ ایک ہزار چار سو صحابہ تیار ہو گئے یہی صحیح ہے لیکن دیہاتی لوگ قریش کے خطرہ سے مکہ معظمہ جانے سے رک گئے - آپ نے ستر اونٹ قربانی کے لئے ساتھ لیے آپ مدینہ طیبہ سے یکم ذیقعدہ سنہ ۶ھ بروز پیر روانہ ہوئے جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے یہی اہل مدینہ کا میقات ہے یہاں کی مسجد میں دوگانہ پڑھ کر احرام کی نیت فرمائی آپ کے ساتھ اکثر صحابہ نے احرام کی نیت کر لی بعض نے جحفہ میں جا کر احرام کی نیت کی یہ اہل شام کا میقات ہے -

سوال ۔ آپ یہاں سے احرام باندھ کر کیوں چلے ؟

جواب ۔ تاکہ کفار مکہ اور اس کے گرد و نواح کو معلوم ہو کہ آپ جنگ کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کی نیت سے تشریف لا رہے ہیں ۔

معجزہ چشمے لہرائے دریا بہے : راستہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں پانی ختم ہو گیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم وضو فرما رہے تھے تو صحابہ جمع ہو گئے آپ نے فرمایا کیا ہے ! عرض کی پانی نہیں تاکہ ہم وضو کریں اور پیاس بجھائیں ۔ آپ نے پیالے میں ہاتھ رکھا تو وہ چشمۂ آب کی طرح ابلنے لگا (ہر انگلی مبارک سے علیحدہ علیحدہ چشمۂ آب جاری ہو گیا ۔ صحابہ کرام نے وضو کیا اور پیاس بجھائی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ہم اس وقت لاکھ ہوتے تب بھی کفایت کر جاتا ۔

معجزۂ محمدی و معجزۂ موسوی : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے پتھر سے پانی نکلنے سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی انگلیوں پاک سے پانی نکلنا عجیب تر ہے اس لیے کہ پتھروں سے پانی کا نکلنا معہود و معروف ہے بخلاف گوشت و پوست کے کہ اس سے پانی کا نکلنا نرالا ہے ۔

ازالۂ وہم وہابیہ[1] : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پیالہ میں ہاتھ ڈالے بغیر پانی نکال سکتے تھے لیکن نہیں کیا

تأدبا مع اللہ لانہ المنفرد بابداع المعدومات من غیر اصل

اللہ تعالیٰ کے ادب سے کہ صرف وہی ہے جو اصل (مادہ) کے بغیر معدومات وجود بخشتا ہے ۔

جاسوسِ نبوی : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت بشر بن سفیان کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ وہ اہل مکہ کے حالات سے آگاہی حاصل کریں کہ وہ ہمارے آنے سے کیا تأثر

---

[1] جب ہم اہلسنت یہ روایت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اختیار باذن اللہ میں پیش کرتے ہیں تو وہابیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اختیار ہوتا تو آپ پیالہ میں ہاتھ ڈالے بغیر ہی پانی کے چشمے بہا دیتے تو اس کا جواب صاحب روح البیان نے صدیوں پہلے لکھ دیا کہ آپ باختیار ایزدی یوں بھی کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب فرمایا لیکن وہابی کیا جانیں کہ ادب کیا ہے اور پیالہ میں ہاتھ رکھنا تو دیکھا لیکن یہ نہ دیکھا کہ انگلیوں مبارکہ سے پانی کے چشمے بہا دیئے ۔ سچ ہے الوہابیۃ قوم لایعقلون ۱۲

(اویسی غفرلہ)

لے رہے ہیں حضرت بشر بن سفیان نے حالات کا جائزہ لے کر بارگاہ رسول میں مقام عسفان میں واپس حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ جب سے کفار مکہ نے آپ کی تشریف آوری کا سنا ہے وہ تو بپھر گئے ہیں اور ادنی لباس پہن لیا ہے ۔ یہ ان کی آپ سے اظہار کینہ و عداوت کی علامت ہے اور انہوں نے مکہ معظمہ کے گرد و نواح میں آپ کے خلاف خوب زہر پھیلایا ہے اور عرب کے بڑے قبائل کو آپ کے خلاف متنفر اور خوب ابھارا ہوا ہے اور ان قبائل نے سامان اور عورتوں اور بچوں کو یکجا جمع کر رکھا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ بھاگنے والے نہیں بلکہ جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں اب وہ وادی ذی طوی میں ہیں ۔

فائدہ: طوی طاء کی ہر تینوں حرکتوں سے اور منصرف ہے (القاموس) اور عزم بالجزم رکھتے ہیں کہ وہ آپ کو ہمیشہ ہمیشہ تک مکہ معظمہ میں غلبہ کے طور داخل نہیں ہونے دیں گے ۔

صحابہ کرام کی جان نثاری کا پروگرام: حضرت بشر بن سفیان کی تقریر سُن کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اعلان فرمایا کہ مسلمانو! مکہ معظمہ میں داخلے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اگر کوئی ہمیں کعبہ معظمہ کی حاضری سے روکے تو کیا تم جنگ لڑو گے یا پیٹھ پھیرو گے ؟ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کی

یارسول اللہ لانقول لک کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ علیہ السلام اذھب انت وربک فقاتلا انا ھہنا قاعدون ولکن اذھب انت وربک فقاتلا انا ھکما مقاتلون ۔

یارسول اللہ ہم آپ کو بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے جیسے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تم جاؤ اور تمہارا خدا جاؤ لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم عرض کرتے ہیں آپ اور آپ کا خدا جنگ لڑے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔

حدیبیہ کی طرف کوچ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی جان نثاری کا بیان سن کر مکہ معظمہ کی طرف چلنے کا حکم صادر فرمایا کہ چلو اللہ کا نام لے کر لیکن یہ بتاؤ تمہارے میں کوئی ایسا ہے جو ہمیں صحیح راستہ کی رہبری کرے کہ کافروں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ سے مکہ معظمہ آسانی سے پہنچ سکیں ایک صحابی اسلم قبیلہ کا ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کی یہ خدمت میں ہی سرانجام دوں گا چنانچہ وہ ایک راستے سے لے چلا جو نہایت پُرسکون اور آرام دہ تھا چلتے چلتے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ راستہ لو جس سے ہم حدیبیہ میں پہنچ جائیں چنانچہ وہی راستہ اختیار کیا گیا اور نہایت ہی سکون و آرام کے ساتھ حدیبیہ میں پہنچ گئے ۔

معجزہ کنوئیں میں چشمۂ آب لگا دیا: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام حدیبیہ

یہں پہنچے تو کنوئیں سے پانی کی ضرورت پوری کرنے رہے لیکن کنوئیں کا پانی ختم ہوگیا ادھر گرمی سخت ستا رہی تھی۔ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صحابہ نے پانی کی شکایت کی تو آپ نے اپنا تیر مبارک کمان سے نکال کر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اسے کنوئیں کے درمیان میں گاڑ دیں یا آپ نے اس میں کلی فرمائی پھر کیا ہوا کہ کنواں پانی سے بھر گیا اور آج تک اس کا پانی ختم ہونے کا نام نہیں یقیناً یہ صدیوں کی بات ہے آج نجدیوں کی نحوست سے نہ وہ کنواں رہا نہ پانی فالی اللہ المشتکی' اویسی غفرلہٗ

تفاسیر میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوب پانی حاصل کیا اور جانوروں کو خوب سیر کرایا۔

فائدہ: انسان العیون میں ہے کہ جب حضرت براء بن عازب نے کنوئیں سے تیر نکال لیا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام نے وہاں سے کوچ کیا تو کنواں خشک ہوگیا۔[1]

کفار مکہ سے گفتگو کا آغاز: جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر سکون فرمایا تو آپ کی خدمت میں بدیل بن ورقاء حاضر ہوا اور یہ اپنی برادری کا سردار تھا عرض کی آپ کس لیے تشریف لائے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ کعبہ معظمہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں بدیل بن ورقاء نے واپس جا کر تمام کیفیت کفار مکہ کو بتائی وہ نہ مانے حلیس بن علقمہ کو بھیجا یہ احابیش (قبیلہ) کا سردار تھا اس سے بھی وہی گفتگو ہوئی اس نے واپس جا کر حال سنایا اس کی بات پر بھی اعتماد نہ کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آدابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: کفار مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا یہ طائف کا رئیس اعظم اور بہت بڑا دولت مند تھا جب عروہ واپس لوٹا تو اس نے کفار مکہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آدابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یوں نقشہ کھینچا:۔

لایغسل ید یہ الا ابتدروا وضوءہ ای کادوا یقتلون علیہ ولا یبصق بصاقا الا ابتدروہ ای یدلک ومن وقع فی یدہ و وجھہ وجلدہ ولایسقط من شعرہ شئ	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وضوء کے دھوون کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر گر پڑتے ہیں آپ تھوکتے ہیں تو فوراً اٹھا کر اپنے ہاتھوں چہروں اور جسموں پر (تبرک کے طور) ملتے

---

[1] واللہ اعلم ممکن ہے ایسے ہی ہو کیونکہ جس مقصد کے لئے چشمہ بہایا گیا جب مقصد پورا ہوگیا پھر اسی طرح ہوگیا ہو جیسے پہلے تھا ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ

الا اخذ وہ و اذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ ولا یحدون النظر الیہ تعظیما لہ[1]

ہیں ان کا بال گرتا ہے تو اسے محفوظ کر لیتے ہیں آپ جب بولتے ہیں تو سب پر سناٹا چھا جاتا ہے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے یہ ان کی تعظیم رسول کی بنا پر ہے۔"

عروہ کی رپورٹ اور قبول اسلام :

عروہ ثقفی نے کفار مکہ کے ہاں واپس جا کر کہا کہ "یا معشر قریش انی جئت کسریٰ فی ملکہ وقیصر فی ملکہ والنجاشی فی ملکہ واللہ ما رأیت ملکاً فی قوم قسط مثل محمد فی اصحابہ اخاف ان لا تنصروا علیہ" (روح البیان ج ۹ ص۲۰)

"اے قریشیو! میں کسریٰ و قیصر و نجاشی کے ہاں بھی گیا لیکن میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم میں اتنا معزز و معظم نہیں پایا جتنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہوں میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و احترام کو دیکھا ہے۔" مجھے خطرہ ہے کہ تم ان پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ اہل مکہ (کفار) نے کہا اے ابو سیفور ہمیں ایسا نہ کہو ہم تو انہیں اس سال مکہ معظمہ میں ہرگز نہیں آنے دیں گے آئندہ سال اگر وہ چاہیں تو آسکتے ہیں۔ عروہ نے کہا مجھے تم پر نزولِ مصیبت نظر آرہا ہے یہ کہہ کر اپنے آدمیوں کو لے کر طائف چلا گیا پھر بعد کو مسلمان ہو گیا (رضی اللہ عنہ)۔

کفار مکہ کی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیامبروں کے ساتھ بدسلوکی :

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خراش بن امیہ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے کفار مکہ کی طرف بھیجا اونٹ کا نام ثعلب تھا تاکہ اشراف مکہ کو آپ کا پیغام پہنچائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں لڑنے نہیں آئے کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کو زخمی کر دیا اور خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کرنے کا ارادہ کیا لیکن احابیش (قبیلہ) کے روکنے سے رُک گئے حضرت خراش رضی اللہ عنہ نے واپس آکر رپورٹ عرض کی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مکہ معظمہ کو روانگی :

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آپ جا کر اہل مکہ کے سرداروں کو فرمائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں لڑنے نہیں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور آپ کو معلوم ہے کہ قریش سے مجھے سخت عناد ہے جانتے ہی مجھ سے سوائے قتل کر دینے کے اور کوئی بات نہ کریں گے اور میرے قبیلہ بنو عدی بن کعب کا کوئی فرد بھی نہیں جو میری

---

[1] روح البیان ج ۹ ص۲۰ تحت آیۃ فتح ۱۲ - اویسی غفرلہ

طرفداری کرے اور کفار مکہ کو جتنا میرے ساتھ بغض وعداوت ہے اور کسی کے ساتھ نہیں اور وہ تو میرے خون کے پیاسے ہیں میرا مشورہ ہے کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجیں جو مجھ سے اس معاملہ میں بہتر ثابت ہونگے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلاکر مندرجہ ذیل کلمات ارشاد فرمائے جو مبنی بر علم غیب ہیں۔

علم غیب نبوی کا ثبوت: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مکہ کے سرداروں کو فرمانا کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں لڑنے نہیں اور فرمایا کہ مکہ معظمہ میں مقیم مردوں اور عورتوں کو خوشخبری سنادو کہ

ان اللہ قرب ان یظھر دینہ بمکہ حتی لایستخفی فیھا الا بالایمان (روح البیان ج ۹ ص ۴۲)

"اللہ عنقریب مکہ معظمہ میں ایسا غلبۂ اسلام فرمائے گا یہاں تک کہ یہاں کوئی بھی ایمان دار چھپ کر نہ رہے گا۔"

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت لے کر دس صحابہ رضی اللہ عنہ کو باجازت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ کر کے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف اس لیے اجازت لی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب کی ملاقات کریں گے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مکہ معظمہ میں پہنچنے سے پہلے ابان بن سعید سے ملاقات ہوئی آپ نے اسے ساتھ لے لیا تاکہ رؤسائے مکہ کو پیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچائیں جب آپ نے ان سب کو پیام پہنچایا تو سب نے کہا کہ ہم تو (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمیشہ تک مکہ معظمہ میں نہیں آنے دیں گے[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پیام رسانی سے فارغ ہوئے تو رؤسائے مکہ نے کہا:۔

---

[1] اس سے اندازہ لگائیے کہ مکہ معظمہ اور کعبہ مکرمہ میں کفار مکہ نے کیوں پابندی لگائی ہے صرف اس لیے کہ اس پر ان کا قبضہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ نجدیوں نے جو ۱۳۰۶ھ سے علمائے اہلسنت پر حجاز مقدس کی حاضری پر پابندی لگائی ہے تو کیا اس سے واضح نہیں ہوتا کہ نجدیوں کو کفار مکہ کی وراثت میں پابندی لگانی پڑی اور ہمارے علمائے کرام پر پابندی سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نصیب ہوئی۔ اس سے اُن جُہال کا اعتراض رفع ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با اختیار ہیں تو پھر نجدیوں کو اپنے مصلّیٰ (حرمین شریفین) سے کیوں نہیں ہٹاتے کیا حدیبیہ میں حضور علیہ السلام میں اختیار ثبوت نہیں تھا نہیں تھا تو جہالت اگر تھا تو استعمال کیوں نہ کیا تو (ما ھو جوابکم فھو جوابنا) اس میں حکمت تھی تو اب بھی اسی حکمت پر محمول کر لو۔ اویسی غفرلہ

ان شئت فطف بالبيت فقال ماكنت لا فعل حتى يطوف رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (روح البیان ج ۹ ص۲)

"اگر چاہو تو اے عثمان تم کعبہ کا طواف کر لو آپ نے فرمایا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طوافِ کعبہ نہ فرمالیں گے میں طواف ہرگز نہ کروں گا۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر اور وہابیہ دیوبندیہ کا اعتراض: قریش مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تین دن تک واپس نہ جانے دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے ایسے ہی وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنے رشتہ داروں کو ملنے گئے تھے، آپ نے فرمایا "لا نبرح حتی نناجز القوم ای نقاتلهم" ہم یہاں سے ہرگز نہ ہٹیں گے یہاں تک کفار مکہ سے جنگ نہ کریں اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے بیعت کا حکم فرمایا آپ نے اعلان فرمایا:۔

"ایها الناس البیعة البیعة" اے لوگو! بیعت کے لئے حاضر ہو جاؤ"۔ اس پر سیدنا جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور سب نے اللہ کا نام پکارا اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپ نے شجرۂ سمر (بضم المیم مشہور درخت کیکر) کے نیچے بیٹھ کر سب سے بیعت لی کہ جنگ سے نہ بھاگیں گے یہاں تک کہ فتح نصیب ہو یا شہادت[1] اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیعت کا ہاتھ بڑھایا (اس قول کی بنا پر کہ اگر خبر غلط ہو) آپ نے اپنا سیدھا ہاتھ مبارک بائیں پہ رکھ کر فرمایا۔[2]

---

[1] اس واقعہ پر اعتراضات کے جوابات آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہوں۔ اویسی غفرلہ

[2] **سوال وہابی دیوبندی:** بیعت رضوان میں وہابی دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا کہ عثمان غنی شہید ہوئے یا نہ تو اڑتی خبر پر اعتماد کر کے بیعت کا اعلان کیوں کیا؟

جواب[1] اویسی رضوی: تفسیر روح البیان میں ہے کہ بیعت کا حکم اللہ نے دیا تو کیا اللہ تعالیٰ کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا علم تھا تو بیعت کا حکم کیوں فرمایا اگر کہو کہ اللہ کے حکم میں حکمت تھی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حکمت مان لی جائے تو کونسا فرق پڑے گا۔

جواب[2]: حضور علیہ السلام کو علم تھا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ زندہ ہیں تبھی تو آپ نے ان کی طرف سے بیعت کا ہاتھ بڑھایا۔ یہ بیعت بتاتی ہے کہ آپ کو ان کے زندہ ہونے کا علم تھا ورنہ مردے کی طرف سے تو بیعت نہیں ہوتی۔ دراصل حکمت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ جمیع امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ جس طرح اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین و اسلام کے لیئے قربانی فرض ہے

(باقی آئندہ صفحہ پر)

اللّٰھم ان ھذہ عن عثمان فانہ فی حاجتک وحاجۃ رسولک (روح البیان ج ۹ ص۵) ”اے اللہ یہ ہاتھ بیعت کا ہے کیونکہ عثمان تیری اور تیرے رسول کی ضرورت پوری کرنے گیا ہے۔

فائدہ: اسے بیعت رضوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فائدہ: بیعت کا مطلب ہم آگے چل کر عرض کریں گے۔

اصحاب بیعۃ الرضوان کی فضیلت: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اصحاب بیعۃ الرضوان کا کوئی ایک فرد بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

(۲) فرمایا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ نے) کہ جو بھی بدر یا حدیبیہ میں حاضر ہوا وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔

فائدہ: سب سے پہلے حضرت سنان بن ابی سنان اسدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور عرض کی کہ میں اس پر بیعت کرتا ہوں جو میرے دل کی تمنا ہے فرمایا تیری تمنا کیا ہے؟ عرض کی کہ میں آپ کے سامنے تلوار چلاؤں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح دے یا میں شہید ہو جاؤں یہ سن کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم اسی طرح بیعت کرتے ہیں جیسے سنان بن ابی سنان (رضی اللہ عنہ) کہہ رہے ہیں۔

فائدہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین دن کے بعد واپس حاضر ہوئے تو انہوں نے بیعت (کی تجدید) کی۔

کفار مکہ اور مسلمانوں کی مڈبھیڑ: حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی کر رہے تھے تو کفار مکہ قریش نے چالیس آدمی بھیجے جن کا سربراہ مکرز بن حفص تھا وہ اس لیے آئے تاکہ رات کے وقت چکر لگائیں تاکہ لشکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فرد ہاتھ لگ جائے تو اسے گرفتار کرلیں یا انہیں غافل پائیں تو ان پر ہلہ بول دیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پکڑ لیا صرف مکرز بن حفص بھاگ گیا۔ ان کو پکڑ کر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ قریش مکہ کو اپنے آدمیوں کی گرفتاری کا علم ہوا تو ان کی ایک جماعت نے آکر مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے مسلمانوں میں سے ابن زنیم شہید ہو گئے مسلمانوں نے بارہ قریش مکہ کو گرفتار کر لیا اندریں اثناء کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سہیل بن عمرو کو بھیجا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اے میرے یار و اب تمہارا کام آسان ہو گیا آپ نے سہیل کے لفظ سے یہ فال لی اور آپ کی عادت کریمہ تھی کہ آپ ایسے الفاظ سے فال لیتے تھے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)
ایسے ہی محبوب بندۂ خدا کے لئے بھی جان دینا فرض ہے تاکہ بندۂ خدا کے عزت و احترام اور اعزاز کا یقین ہو۔
(اویسی غفرلہ)

فائدہ: یہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کی دلیل ہے کہ جب کام انتہا کو پہنچا تو آپ نے ایسے کلمات ارشاد فرمائے ورنہ پہلے بھی تو کفار کے آدمی آتے رہے۔ (اویسی غفرلہ)

کفار مکہ کی صلح کی پیشکش: سہیل بن عمرو نے کہا یا (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے صحابہ عثمان اور ان کے ساتھیوں کا ایسے ہی دوبارہ آپ کے دوسرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا قید کرنا ہمارے پروگرام میں نہیں ہے بلکہ ہم اسے غلط کاری سمجھتے ہیں یہ جو کچھ ہوا ہے ہمارے میں چند بیوقوفوں کی کارروائی ہے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں آپ نے جو ہمارے قیدی پہلی اور دوسری دفعہ قید فرمائے ہیں انہیں چھوڑ دیں آپ نے فرمایا ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے جب تک تم ہمارے ساتھیوں کو رہا نہ کرو گے سہیل نے کہا ہم انہیں چھوڑ دیں گے، سہیل اپنے ساتھیوں کو لے کر قریش مکہ کے ہاں پہنچا اور کہا کہ مسلمانوں کو چھوڑ دو تب ہمارے قیدی رہائی پائیں گے قریش نے حضرت عثمان اور آپ کے دس ساتھیوں کو چھوڑ دیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے قیدیوں کو رہا فرمایا لیکن کفار مکہ نے بیعت رضوان کا سنا تو انہیں شاق گذرا اور انہیں خطرہ ہوا کہ مسلمان ہمارے ساتھ جنگ کریں گے ان کے اہل رائے نے کہا کہ اب مسلمانوں کے ساتھ صلح کے بغیر چارۂ کار نہیں اور صلح اسی طرح ہو کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں اگلے سال بیشک عمرہ کے لئے آجائیں یہ طے کر کے دوبارہ سہیل بن عمرو مکرز بن حفص اور حویطب بن عبد العزیٰ کو بھیجا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کی بات کریں اور عرض کریں کہ اس سال آپ واپس چلے جائیں تاکہ عرب نہ کہیں کہ مسلمانوں نے اچانک حملہ کر دیا وغیرہ بیشک آپ اگلے سال تشریف لائیں ہم آپ کے متعرض نہ ہوں گے۔

صلح سے مسلمانوں میں اضطراب: جب سہیل دوبارہ آتا ہوا نظر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب کافروں کا صلح کا خیال ہے تبھی تو اسے دوبارہ بھیجا ہے (یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی دلیل ہے جبھی تو آپ نے قبل از وقت خبر دی ورنہ اس سے قبل بھی سہیل ہی تو آیا تھا۔ اویسی غفرلہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صلح کا سن کر مضطرب ہوئے اور کہا "علام نعطی الدنیہ" ہم یہ ذلت کیسے اختیار کریں۔

فائدہ: الدنیۃ بفتح الدال وکسر النون وتشدید الیاء بمعنی الفضیحۃ (رسوائی) والخصلۃ (مذمومہ) دین کے بارہ میں وہ مشرک اور ہم مسلم۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رضامندی کا اشارہ فرمایا اور فرمایا تم پر اتباع رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرض ہے (سب نے اس پر سر تسلیم خم کیا۔

صلحنامہ کا مضمون: صلحنامہ لکھنے کے لئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا لکھو " بسم اللہ الرحمن الرحیم " سہیل نے کہا ہم بسم اللہ کے اضافی الفاظ الرحمن الرحیم کو نہیں جانتے آپ لکھوائیے " باسمک اللّٰھم " اے اللہ تیرے نام سے شروع " آپ نے وہی لکھوایا پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ لکھو " ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللّٰہ " یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے صلح کی۔ سہیل نے کہا اگر ہم گواہی دیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم آپ سے جنگ کیوں کرتے اور آپ کو کعبہ کی حاضری سے کیوں روکتے آپ اپنا اور آپنے باپ کا نام لکھوائیے "۔ آپ نے فرمایا اے علی (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ کا لفظ مٹا دے "۔ انہوں نے عرض کی واللہ ما امحوک ابدا " بخدا میں اس کو ہمیشہ تک نہیں مٹا سکتا[لہ] " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مجھے دکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دکھایا تو آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے لفظ رسول اللہ پر لکیر کھینچی اور فرمایا لکھ یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی اور فرمایا اس میں کونسا فرق پڑتا ہے میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی۔ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

صلح کے شرائط:

(۱) دس سال جنگ بند تاکہ لوگ امن سے زندگی بسر کریں ایک دوسرے سے نہ لڑیں۔

(۲) جو کافر قریش سے مسلمان ہو کر اپنے متولی کی اجازت کے بغیر (حضور) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں آئے آپ اسے واپس لوٹا دیں گے وہ مرد ہو یا عورت اور جو مسلمان (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے مرتد ہو کر قریش مکہ کے پاس آئے گا وہ اسے واپس نہ لوٹائیں گے وہ مرد ہو یا عورت۔

(۳) جو (حضور) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے معاہدہ میں داخل ہو وہ انہی کے معاہدہ میں ہوگا اور جو قریش مکہ کے معاہدہ میں داخل ہو وہ انہی کے معاہدہ میں داخل ہوگا اور یہ ہمارا معاہدہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ کوئی بھی عداوت کا آغاز نہ کرے گا بلکہ ایفائے عہد کی کوشش کریگا اور نہ اس میں چوری ہوگی نہ خیانت۔

(۴) اس سال مسلمان واپس چلے جائیں اگلے سال تشریف لائیں تو تین دن کے لئے قریش مکہ

[لہ] ہمارے دور میں مساجد سے " یا محمد۔ یا رسول اللّٰہ " کا لفظ مٹا دیتے ہیں اور سُنّی مسلمان بار بار لکھتے ہیں اس کا فیصلہ واقعہ ہذا میں موجود ہے کہ کافروں کا کام ہے مٹانا اور مسلمان کا کام ہے لکھنا۔ مٹانے والے سوچ لیں وہ کس کھاتے میں ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

آپ کو مکہ کا شہر خالی کر دیں گے آپ اس میں تین دن صحابہ کرام کے ساتھ بسر کریں اور عمرہ ادا کریں۔

صلحنامہ کے بعد کی کیفیت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امید تھی کہ وہ اسی سال طواف کریں گے اسی خواب مبارک کے سہارے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے بتا چکے تھے (حالانکہ خواب کا مقصد داخلہ مکہ تھا اس میں اسی سال کی بات نہ تھی صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے ایسے ہی سمجھ رکھا تھا) اس خواب کے سہارے پر یہ صلحنامہ انہیں ناگوار گذرا بالخصوص یہ شرط کہ جو کافر مکہ سے مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اسے واپس لوٹا دیا جائے گا چونکہ بیعت الرضوان اس سے پہلے ہو چکی تھی اس لیے خاموش رہے انکار بھی نہ کر سکتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صلحنامہ سے فراغت پا کر اس پر چند مسلمانوں کو گواہ بنایا اور خود اپنی قربانی ذبح فرمائی اور ان لوگوں پر گوشت تقسیم فرمایا جو حدیبیہ میں تھے جو کافروں کی رکاوٹ سے مکہ معظمہ میں عمرہ کے لئے نہ جا سکے ایک روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ معظمہ کی طرف بیس اونٹ (قربانی) ناجیہ رضی اللہ عنہ کو دیکر بھیجے تاکہ وہاں انہیں مروہ میں جا کر ذبح کر کے فقراء مکہ پر تقسیم فرمائیں۔

تبرک کے بال مبارک اور اس کی برکات: قربانی کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور آپ کے سر مبارک کے بال حضرت خداش رضی اللہ عنہ نے اتارے وہ خداش قریش کے ہاں بھیجے گئے تھے جن کا ذکر پہلے گذرا ہے خداش رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال مبارک درخت پر رکھدیے جنہیں صحابہ کرام نے تبرک کی نیت سے محفوظ کر لیا حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے ان مبارک بالوں کو ایک ڈبیہ میں محفوظ کر لیا انہیں دھو کر مریضوں کو پلاتی تو شفا ہو جاتی (اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے)۔

حدیبیہ سے حرم میں صحابہ کے بال پہنچائے گئے: جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قربانی کی اور باآواز بلند "اللہ اکبر" پڑھ رہے ہیں اور سر مبارک کے بال بھی اتروا لیے تو پھر یہ سب اٹھے قربانی کی اور سر منڈوائے اور بعض نے قصر (بال ترشوائے) ان میں حضرت عثمان اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہما تھے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ! حلق کرانے والوں پر رحم فرما بال ترشوانے والوں پر نہ فرما کہ بال ترشوانے والوں کو دعا میں شامل نہ فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کو امید نہ تھی کہ وہ اب طواف کریں گے بخلاف بال ترشوانے والوں کے کہ ان کا ظاہری حال یہ بتاتا ہے کہ گویا انہوں نے بقیہ

بال چھوڑ دیئے اس امید پر کہ وہ اسی سال طواف کر کے سر منڈائیں گے۔ بہرحال جنہوں نے سر منڈوائے ان کے بال ہوا نے اڑا کر حرم کے احاطہ میں پھینک دیئے اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوش ہو گئے کہ ان کے عمرے قبول ہو گئے۔

برکت طعام کا معجزہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں انیس یا بیس دن قیام فرمایا اس کے بعد مدینہ پاک کو واپس ہوئے جب حرمین کے درمیان یا بروایت انسان العیون کراع الغمیم (جگہ کا نام) یا کسی اور جگہ تک پہنچے تو سورۃ فتح نازل ہوئی اور صحابہ کرام کو بھوک کی شکایت ہوئی اور ارادہ کیا کہ اونٹوں کے کوہان اتار کر بھوک مٹائیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دسترخوان اور ہر ایک اپنا کمبل بچھاؤ پھر اعلان فرمایا جتنا جو کچھ کھانے کی شے کسی کے پاس ہے اس دسترخوان اور کمبلوں پر بچھا دے چنانچہ سب نے ایسے ہی کیا آپ نے اس پر دعا فرمائی[1] پھر فرمایا اپنے برتن لاؤ اور جتنا جی چاہے اس سے لے جاؤ چنانچہ اس سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوب سیر ہو کر کھایا لیکن وہ طعام جوں کا توں تھا۔

پانی کا پیالہ رحمت کا پرنالہ: یہاں پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے فرمایا "ھل من وضوء" کیا وضوء کے لئے پانی ہے۔

فائدہ: الوضوء (بفتح الواو) وہ پانی جس سے وضوء کیا جائے" وہ صاحب پانی کا ڈول لے آئے جس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ نے اس کا پانی پیالہ میں انڈیل دیا اور اس میں ہی اپنا پنجہ مبارک رکھا۔ راوی فرماتے ہیں کہ ہم سب نے (جو کہ ایک ہزار چار سو تھے) خوب اچھی طرح وضوء کیا۔

فضائل سورۃ الفتح: (۱) جب سورۃ فتح نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دن مجھ پر محبوب تر ان تمام اشیاء سے ہے جن پر سورج طلوع کرتا ہے۔

(۲) ایک روایت میں ہے کہ جب سورۃ فتح نازل ہوئی تو مجھے اتنی خوشی ہوئی جیسے سرخ اونٹ مل گئے۔

فائدہ: الحمر یکون المیم احمر کی جمع ہے النعم (بفتحتین) بہت سے اونٹوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کا اس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں اور عرب میں یہ نفیس ترین مال سمجھا جاتا ہے نفیس شے پر اس کی

---

[1] اس سے طعام آگے رکھ کر دعا مانگنے کا ثبوت ملا۔ جسے وہابیہ دیوبندیہ ایصال ثواب (عرس اور اہل اموات کے لئے خیراتیں جیسے قلخوانی۔ جمعراتیں وغیرہ) کے طعام پر دعا مانگنے کو بدعت کہتے ہیں۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

مثال دی جاتی ہے اور آپ کے ہاں اس سورۃ کے نزول سے بڑھ کر اور کوئی شے نفیس نہیں تھی اس لیے یہ کہہ کر سورۃ الفتح تلاوت فرمائی پھر آپ نے صحابہ کرام کو اور صحابہ کرام نے آپ کو مبارک باد کہی۔

حکایت: کسی نے کہدیا کہ یہ عجیب فتح ہے کہ ہمیں بیت اللہ جانے سے روکا گیا اور ہماری قربانیاں حرم تک نہ پہنچ سکیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بئس الکلام" یہ بری بات کہی گئی ہے بلکہ یہی تو بہت بڑی فتح ہے کیونکہ مشرکین نے بخوشی و رضا اپنے شہر تمہارے سپرد کردیئے اور انہوں نے صلح خود طلب کی اور تم سے پناہ کے طالب ہوئے اور جو تم کو ناگوار گذرا اس سے انہوں نے معذرت کی تم کو ان پر فتح یاب فرمایا اور تمہیں اجر دے کر سالم و غانم واپس کیا تو کیا یہ سب سے بڑی فتح نہ ہوئی۔ کیا تم احد کو بھول گئے ہو کہ میں تمہیں بلاتا رہا اور تم کہاں جارہے تھے، کیا یوم الاحزاب کو بھول گئے ہو جب کافر تمہارے ہاں اوپر اور نیچے کی طرف سے آئے اور آنکھیں کھلیں اور قلوب حلقوم تک آگئیں اور تم اللہ پر قسم و قسم کے گمان کرنے تھے مسلمانوں نے کہا "صدق اللہ ورسولہ" اللہ و رسول (جل جلالہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سچ فرمایا واقعی یہ بہت بڑی فتح ہے (یعنی صلح حدیبیہ) اے اللہ کے نبی بخدا جو آپ سوچتے ہیں ہماری سوچ کہاں آپ ہی تو اللہ تعالیٰ کے اسرار سے زیادہ واقف و عالم ہیں۔

مکالمۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **و فاروق** رضی اللہ عنہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم مکہ معظمہ میں با امن داخل ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں لیکن میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال (بلکہ مطلق فرمایا تھا اس سال نہ سہی اگلے سال سہی) جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور کعبہ معظمہ کی چابی ہاتھ میں لی تو فرمایا یہ وہ وعدہ ہے جو میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا ایسے ہی بعض نے کہا)۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً یہ فرمایا تھا کہ "قال جبریل فانکم تاتونہ وتطوفون بہ ای لانہ جاء للوحی بمثل ما ذکر" فرمایا جبریل نے کہ تم مکہ معظمہ میں آؤ گے اور طواف کرو گے۔ یعنی یہ حکم آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا۔

ازالۂ وہم شیعہ: شیعہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے صحابہ شک میں مبتلا ہو گئے تھے اس کے جواب میں صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلح کے بارے میں شک نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کی گفتگو مبنی بر اعتراض تھی بلکہ اپنی تشفی و تسلی کے لئے پوچھا تھا جو انہیں دل میں خیالات پیدا ہوئے کہ اس کی حکمت کیا ہوگی جیسا کہ تقاضائے بشریت ہے کہ طبیعت کے خلاف امر پر سوالات ابھرتے ہیں اور اس سے کوئی فرد بشر خالی نہیں کیونکہ یہ ایک کہ معاملہ

تھا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ولایت کا یہ ایک ادنیٰ مرتبہ ہے کہ مرید شیخ پر اعتراض نہ کرے اور یہاں ولایت نہیں نبوت کا معاملہ ہے اور مریدین بھی عوام نہیں صحابہ ہیں جو لاکھوں اغواث و اقطاب سے اعلیٰ مراتب و کمالات کے مالک ہیں ۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں و مصلحتیں ہوتی ہیں یہاں بھی ایسے ہی ہے کہ سورہ کو انا فتحنا الخ سے شروع فرمایا یعنی صیغہ ماضی سے کہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ صلح سے ظاہری فتح ہوگی اور اس کی حقیقت آئندہ فتح مکہ کے بعد ظاہر ہوگی اور ہر دونوں فتح ہیں ۔

سوال ۔ علماء کرام نے فرمایا کہ یہاں فتح سے عرفی فتح مراد نہیں کہ کسی شہر کو قبضہ کرنے کو فتح کہا جاتا ہے اور اسے کیسے فتح کہہ سکتے ہیں اور یہ فتح کیسی جبکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کو بیت اللہ کی حاضری سے روکا گیا تو حدیبیہ میں ہی قربانیاں کیں اور احرام کھولے ۔

جواب ۔ یہاں فتح کے لغوی معنیٰ مراد ہیں اس لیے کہ وہ آپ کے نزول حدیبیہ کے وقت وہ منغلق اور متعذر تھی لیکن پھر جب معاملہ بیعت رضوان کا ہوا تو مشرکین کو معلوم ہوا کہ مسلمان تو اب مر مٹنے پر متفق ہوچکے ہیں اور جہاد کے ان کے ارادے پختہ ہیں اب وہ لڑنے مرنے سے نہیں ڈرتے تو ان کے اوسان خطا ہوگئے یہاں تک کہ وہ طلبِ صلح پر مجبور ہوگئے اس سے ان پر مسلمانوں کا غلبہ مسلم و متحقق ہو گیا اس کے علاوہ صلح دیگر امور کا بھی سبب بن گئی جو اس سے پہلے منغلق تھے مثلاً صلح کی وجہ سے کفار و مسلمین کا میل جول ہوا اور ان کی باتیں سنیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحابہ کی جان نثاری دیکھی تو ان کے دلوں میں اسلام گھر کر گیا یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد تھوڑی سی مدت میں بیشمار لوگ مسلمان ہوگئے جس سے اسلام کا نام بلند ہوگیا ۔ مشہور ہے کہ اس سال میں اتنے مسلمان ہوئے جتنے پچھلے تمام سالوں میں ہوئے تھے بلکہ ان سے بھی زائد اسی صلح کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے عرب کے معاملہ میں فارغ ہوگئے کہ ان سے جہاد کیا تو کسی قسم کا اشکال درپیش نہ ہوا اور آسانی سے ان پر فتح کرتے چلے گئے بالخصوص خیبر اور اس سے اہل اسلام کو بکثرت غنائم حاصل ہوئے اور روم و فارس میں اسی سال گھمسان کی جنگ ہوئی تو رومی فتحیاب ہوئے اور ان کی فتح بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں داخل ہے کیونکہ رومیوں کے غلبہ کی کئی سال پہلے آپ نے خبر غیبی دے رکھی تھی اس کی تفصیل ہم نے سورہ روم میں بیان کردی ہے یہ خبر بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے بارے میں ہے لیکن وہابی دیوبندی ٹولہ کو علم غیب نبوی سے انکار ہے تعجب ہے) جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کا صدق ظاہر ہوا تو یہ بھی منجملہ فتح کے ہے اور رومیوں کی فتح سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے کیونکہ اس

سے اہل کتاب کا مجوس (آتش پرستوں) کی فتح کا مسئلہ ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح کے دیگر فتوحات جلیلہ اور نعم عظیمہ۔

"لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ" یہ فتح کی غایت ہے اس حیثیت سے کہ یہ حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سعی پر مرتب ہے جو آپ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے فرماتے تھے جیسا کہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جنگیں لڑیں اور بہت بڑے مشقت بھرے امور سرانجام دیئے۔ بعض نے کہا چونکہ اللہ تعالیٰ نے تعلیل الفتح بالمغفرت کی وجہ ظاہر نہیں فرمائی اس لیے انباء پر فتح سے فتح کو مجاز مرسل بنایا گیا ہے پس فتح معلول افعال مؤدیہ الی المغفرۃ پر مرتب ہے اور مغفرت علت اور ان افعال پر حامل ہے تو ان افعال مرتبہ پر اسے علت بنانا صحیح ہے جیسا کہ زمخشری نے فتح کو مغفرت کی علت بنائی ہے اور یہ مذہب حق کے زیادہ موافق ہے کیونکہ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال اغراض سے معلل نہیں اس معنیٰ پر یہاں پر لام اپنی حقیقت پر نہ ہوگی بلکہ یہ صیرورۃ وعاقبۃ کی ہے یا حول کو علت غائیہ کے ساتھ تشبیہ کے لئے ہے اس کے مرتب ہونے میں اس کے متعلق نیز علت غائیہ کو دو جہتیں علیت ومعلولیت کی حاصل ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر یہ اصول ثابت ہے اسی لیے نہ تو ان پر ملامت کی جائے جو معلولیت کی جہت پر نظر رکھتا ہے جیسے زمخشری کیونکہ اس کی صحت واضح اور ظاہر ہے[1]۔ اسم ذات جو جامع جمیع صفات ہے کے ساتھ التفات میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلک غایت میں جو افعال اللہ تعالیٰ سے ظاہر ہوں وہ غیر ہوں گے دوسروں سے لیکن صادر ہوگا تو اس کی کسی صفت سے مرتب ہو کر۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ لیغفر لک و ینصرک ہر دونوں کے فاعل اسم ظاہر لانے میں اشارہ ہے کہ ہر دونوں یعنی مغفرت ونصرت الوہیت پر متفرع ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف وہی معبود بالحق ہے اور بس۔

فائدہ: المغفرت بمعنے ستر الذنوب اور محو الذنوب ہے۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ عارفین کے نزدیک مغفرت عقوبت زیادہ سخت ہے اس لیے کہ عقوبت

لطیفہ: جزاء ہے اور استیفاء کے بعد راحت ہوتی ہے یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو اپنا حق پورا حاصل کرلے اور غفران میں یہ نہیں وہ اس لیے کہ جب تمہیں یقین ہو کہ حق تیری طرف متوجہ ہے۔ اور اس نے مطالبہ

---

[1] حواشی سعدی المفتی ۱۲۔

ترک کر کے تجھ پر انعام و احسان فرمایا اس سے تم ہمیشہ شرمسار اور زود حیاء رہو گے یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مغفرت فرماتا ہے تو اس کے ذہن سے غلطی کا احساس دور فرما دیتا ہے یعنی بخشش کے بعد اسے وہ کردار ہر وقت ذہن میں نہیں ہوتا کیونکہ اگر ذہن میں ہو تو ہر وقت حیلہ میں وقت بسر ہو گا اور حیاء والے کے لئے حیلہ سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہیں۔ یہاں تک حیاء والا چاہتا ہے کہ کاش وہ نہ ہوتا چنانچہ مریم بی بی رضی اللہ عنہا جو کامل ولیہ تھیں نے کہا "یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا" (کاش میں اس سے پہلے مرجاتی یا ہوتی بھولی بسری) یہ تو مخلوق سے حیاء کا حال ہے اور اللہ تعالیٰ سے حیاء کا کیا حال ہو گا ان جملہ امور میں جو اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت میں سرزد ہوتا ہے۔

حکایت: حضرت فضیل قدس سرہ نے ایک سال حج پڑھا لیکن تمام دن عرفات میں خاموش رہے جب سورج غروب ہوا تو کہا میرے لیے بہت بڑی مصیبت ہو گی اگر تو نے مجھے معاف فرمایا۔

فائدہ: اس کہانی سے بھی اسی احیاء کی مصیبت مراد ہے، حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؎

ہرگز نداد شرم مرا رخصت نگاہ
در ہجر و وصل روئے بدیوار داشتم

ترجمہ ۔ مجھے شرم نے کبھی رخصت نہ دی کہ میں نگاہ اٹھاؤں یہی وجہ ہے کہ ہجر و وصال ہر دونوں حالتوں میں میں نے اپنا چہرہ دیوار میں ڈالے رکھا۔

"مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (تفسیر اول) وہ جو ترک اولیٰ کی تمہاری کوتاہیاں پہلے گزریں اور وہ جو بعد کو اور ترک اولیٰ کو ذنب (گناہ) اس لیے کہا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب جلیل کے لائق نہیں کہ آپ سے ترک اولیٰ کا صدور ہو اور یہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے قبیل سے ہے، ابو سعید خراز قدس سرہ نے ایسے ہی فرمایا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

آنکہ عین لطف باشد بر عوام
قہر شد بر عشق کیشاں کرام

ترجمہ ۔ وہ جو عوام کے لئے عین لطف ہوتا ہے وہ عشق والے بزرگوں کے لئے قہر و غضب ہوتا ہے۔

(تفسیر دوم) نبوت سے پہلے اور بعد کو وہ امور جو تمہارے سے سرزد ہوئے جن پر عوام گناہ کا اطلاق کرتے ہیں ہم نے تمہیں بخش دیئے۔

شرح مواقف میں ہے کہ نبوت کے قبل و بعد کی قید از بندہ ہے ورنہ اس کا ذکر آیت میں نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ آپ سے قبل نبوت ایسے دو صغیرہ سرزد ہوئے ہوں جو ایک دوسرے آگے پیچھے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں صغیرہ قبل نبوت ہوں اور ان پر تقدم و تاخر کا اطلاق اضافی ہو یہی معنیٰ ظاہر ہے۔

مسئلہ: اہل کلام کہتے ہیں کہ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام نبوت سے قبل و بعد باجماع اہل اسلام کفر سے معصوم ہیں اور وحی کے بعد جملہ کبائر سے عمداً معصوم ہوتے ہیں ہاں سہواً ہو تو اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ: صغائر عمداً جمہور کے نزدیک جائز نہیں اور سہواً بالاتفاق جائز ہیں۔

مسئلہ: وحی سے پہلے کبائر کے صدور پر امتناع کی کوئی دلیل عقلی و نقلی نہیں۔

(تیسری تفسیر) حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "ما تقدم من ذنبك" سے ابا آدم اور اماں حواء کی خطاء مراد ہے یعنی ہم نے (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری برکت سے ان کی خطا معاف فرما دی۔

حدیث آدم علیہ السلام: جب حضرت آدم علیہ السلام نے خطاء کا اعتراف کیا تو عرض کی یا اللہ میں تجھ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم (علیہ السلام) تو نے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیسے جانا حالانکہ میں نے انہیں ابھی پیدا ہی نہیں کیا عرض کی جب تو نے مجھے پیدا کر کے اپنی روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر عرش کے قوائم پر لکھا دیکھا "لا اله الا الله محمد رسول الله" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے میں سمجھ گیا کہ تو نے اسے اپنے نام سے ملایا ہے جو تیرے ہاں مخلوق میں محبوب ترین ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا واقعی وہ مخلوق میں میرے زیادہ محبوب ہیں میں نے تجھے بخش دیا یاد رکھیے "لولا محمد ما خلقتك" (رواہ البیہقی) اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا (اسے بیہقی نے روایت کیا)۔

فائدہ: اور "وما تاخر" سے مراد امت ہے یعنی آپ کی دعاؤ شفاعت سے آپ کی امت کے گناہ بخش دیئے۔

نکتہ: حضرت سلمی قدس سرہ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی خطاء حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس لیے منسوب فرمائی کہ آدم علیہ السلام کی خطاء کے وقت آپ ان کی پشت میں

تھے اور امت کے گناہ آپ کی طرف اس لیے منسوب ہوئے کہ آپ ان کے مقتدا ہیں (بوجہ نسبت ان کے آپ کی طرف کیا گیا)۔

(چوتھی تفسیر) حضرت ابن عطا قدس سرہ نے فرمایا کہ لیلۃ المعراج جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے اور جبریل علیہ السلام پیچھے ہٹے تو آپ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کیا مجھے یہاں چھوڑ دو گے اور میں اکیلا آگے جاؤں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ آپ کا جبریل علیہ السلام کو سکون کا سبب سمجھنا اچھا نہیں یہ بھی ایک لغزش تھی جسے ہم نے تمہیں معاف فرما دیا۔

(پانچویں تفسیر) حضرت سفیان ثوری نے کہا "ما تقدم" وہ غلطیاں جو آپ سے زمانۂ جاہلیت میں ہوئیں "وما تاخر" وہ جو بعد نبوت کے سرزد ہوئی تھیں ہم نے سب معاف کر دیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے یہ اسی محاورہ سے ہے جو بطریق تاکید کہا جاتا ہے کہ "اعطیٰ من راٰہ ومن لم یرہ" دیا اس کو جسے دیکھا یا نہ دیکھا تھا یعنی واقف غیر واقف سب کو عطا کیا اور "ضرب من لقیہ ومن لم یلقہ" جو اسے ملا یا نہ ملا سب کو مارا یعنی خوب مارا۔ لیکن یہ ادبی محاورہ سے خارج ہو جائے گا بہتر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ عمل جو تم نے وحی سے پہلے کیے الخ۔

(چھٹی تفسیر) بعض نے کہا کہ "ما تقدم" سے غزوہ بدر کی اور "ما تاخر" سے حنین کی جنگ کی لغزش مراد ہے غزوہ بدر کی لغزش یہ تھی[1] کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی "اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض ابدا" اے اللہ اگر تو اس مختصر جماعت کو آج ہلاک کر دے گا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔" اسے بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس جماعت کی ہلاکت کے بعد میری عبادت ہمیشہ بند ہو جائیگی یہ "ما تقدم من ذنبک" کی لغزش ہے اور حنین کی جنگ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلامی کی شکست کے بعد حاضر ہوئے۔ اور آپ نے لشکر کفار کو کنکریاں پھینکیں اس سے کفار کو شکست ہوئی تو آپ نے فرمایا "اگر میں کافروں کو کنکریاں نہ مارتا تو انہیں شکست نہ ہوتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی" "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" "تو نے کنکر نہیں پھینکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکے یہ "ما تاخر" میں سے ہے لیکن یہ واقعہ تو بعد کو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے اس لیے فرمایا تاکہ بطور وعدہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی لغزش ہوئی تو معاف ہو جائے گی۔

---

[1] یہ لغزش نہ تھی بلکہ ناز تھا جسے فقیر نے حاشیہ غوث الاعظم شب معراج میں تفصیل سے لکھا ہے ۱۲۔

(ساتویں تفسیر) ابو علی رودباری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ سے کوئی ایسی لغزش ہوئی بھی تو ہم اسے معاف کردیں گے۔

فائدہ: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ چھٹی اور ساتویں تفسیریں ناقابل قبول ہیں۔

ساتویں تفسیر کی توضیح: چونکہ ساتویں تفسیر حضرت ابو علی رودباری قدس سرہ نے فرمائی ہے اور آپ بہت بڑے عارف باللہ تھے فلہٰذا آپ سے بعید از عقل توجیہ کا سرزد ہونا بعید از عقل ہے فلہٰذا فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہ تفسیر "من عرف اللہ عرف کل شئ" جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس نے ہر شے کو پہچان کے قبیل سے ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت حقیقۃً غیر متصور ہے ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ کا صدور غیر متصور و غیر ممکن ہے اس لیے کہ آپ اپنے اوقات میں یا واجب میں مشتغل رہتے تھے یا مندوب میں اس کے سوا آپ سے دوسرا تصور ممکن ہی نہیں تھا آپ کی کیفیت جیسی تھی کہ جیسے ان سے مخالفت حکم الٰہی ناممکن ہے ایسے ہی آپ سے

تفسیر ۸ از صاحب روح البیان: میرے نزدیک ایک اور معنیٰ ہے وہ یہ کہ مغفرت سے یہاں پر ازلی و ابدی حفظ و عصمت مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تاکہ اللہ تمہاری متقدم و متاخر گناہ سے حفاظت فرمائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے "ماتقدم" فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانۂ لاحق میں معصوم ہیں ایسے ہی آپ زمانۂ سابق میں محفوظ و معصوم ہیں، اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

صاحب فتوحات مکیہ کی تفسیر ۹: فتوحات مکیہ میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ذنوب سے بخشش مانگنا حقیقۃً گناہوں سے بخشش مانگنا نہ ہوتا جیسے ہمارا کام ہے کہ ہم گناہوں پر استغفار کریں بلکہ وہ ایک ایسا امر ہے جو ہماری عقول سے کوسوں دور ہے اس لیے کہ ہمارا وہ ذوق ہی نہیں کہ ہم اسے اچھی طرح سمجھ سکیں فلہٰذا ہمیں لائق نہیں کہ ہم ان کے ذنوب کو اپنے ذنوب پر محمول کریں۔

مسئلہ: دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا بندوں سے گناہ کا مؤاخذہ ان کی تطہیر اور ان کے لئے رحمت ہے لیکن انبیاء علیہم السلام سے بوجہ حفظ و عصمت کے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مؤاخذہ اس سے ہوتا ہے جو مذنب (مجرم) ہو اور سزا کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پہلے غلطی صادر ہو تو پھر سزا نافذ ہو اس لیے کہ عقوبت جرم کے بعد آتی ہے تو کبھی ہر گناہ پر نئی سزا متقرر ہوتی ہے اور کبھی سزا جرائم کی جڑ کاٹ دیتی ہے کبھی عفو د

غفور پر اسم رحیم کا غلبہ ہو جاتا ہے تو سرے سے جرم ہٹ جاتا ہے جس سے سزا کا نام تک ختم ہو جاتا ہے بلکہ مذنب سے گناہ کا نام ونشان نہیں رہتا اس لیے گناہگار تو تب ہو جب اس میں گناہ کا شائبہ ہو جب گناہ ہی نہ ہو تو گنہگار کیوں [1]

تفسیر[۱۰] از امام شعرانی : حضرت امام شعرانی قدس سرہ نے فرمایا کہ " لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر " میں گناہ کی نسبت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس لیے ہے کہ آپ کی شریعت نے حکم فرمایا ہے کہ فلاں شے گناہ ہے اور فلاں ثواب اگر آپ کی طرف وحی ربانی نہ آتی تو گناہ کا پتہ کیسے چلتا جتنا گناہ آپ کی امت کے ہیں وہ آپ کی اور آپ کی شریعت کی طرف اسی اعتبار سے منسوب ہیں ایسے ہی ہر نبی علیہ السلام کی طرف منسوب گناہ ان کا نہ ہوگا بلکہ امت کا گناہ مراد ہوگا۔

سوال ۔ آدم علیہ السلام کو تو صاف لفظوں میں کہا گیا ہے " وعصی ادم ربہ الخ "

جواب ۔ وہ گناہ بھی درحقیقت آپ کی اولاد کا تھا جو آپ کی پشت میں تھا اور لیغفر لک اللہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تطمین قلب کے لئے کہا گیا ہے کہ آپ کو تسلی ہو کر آپ کی تمام امت کے وہ گناہ بخش دیئے گئے جو آپ کی شریعت میں مقرر ہیں خواہ دنیا میں حدود قائم کرنے سے جیسے حضرت ماعز (صحابی) رضی اللہ عنہ پر حد قائم کی گئی یا ویسے ہی ۔

درسِ عبرت : یہی ہمارا اعتقاد ہے اور اس پر قائم رہنا واجب ہے جیسے اکابر امت نے جوابات دیئے ہیں ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے بلکہ اسی کے مطابق جوابات کی توثیق جد و جہد کرنا لازم ہے یہ وہ عقیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے بلکہ جو ہمارے ساتھ اس عقیدہ کی وجہ سے پیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی پیار ہے ہم اسی اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ملیں گے [2] ان شاء اللہ ۔

تفسیر[۱۱] صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انا فتحنا لک الخ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کے اس فتح کی طرف اشارہ ہے جو تجلی صفات جمالیہ وجلالیہ کے ساتھ حضرت ربوبیت کی طرف کھلا نیز وہ جو جمیع قلوب پر بندش تھی تو آپ کے ذریعے ان پر دروازے کھلے " لیغفر لک الخ کا معنی ہے تاکہ اپنے انوار جلال کے ساتھ آپ کو چھپائے " ما تقدم من ذنب " الخ وہ جو گذرا آپ کی روح کی ابتدائی تخلیق میں تمہارے وجود کے ذنب سے یہی وہ پہلی شے ہے جس سے قدرت

---

[1] الجواہر والدرر للشعرانی ۱۲ ۔ [2] الکبریت الاحمر ۱۲ (ف) الحمد للہ یہی عقیدہ اور ایسے مقامات پر اس طرح کا طریقہ ادب موجودہ دور میں ہم اہلسنت کو نصیب ہے ۱۲ ۔ اویسی غفرلہٗ ۔

کا تعلق ہوا چنانچہ فرمایا " اول ما خلق اللہ روحی" سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا۔
ایک روایت میں ہے " اول ما خلق اللہ نوری" سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔
"وما تاخر" یعنی تمہارے وجود کا ذنب یہ اس لیے ذنب ہے کہ اس سے شرکتہ فی الوجود ہوئی اور غفران
سے مراد ستر ہے یعنی نور وحدت کے ساتھ اس کی دوئی کے آثار مٹا کر اسے چھپایا۔

فائدہ : بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فتوح تین ہیں :۔

(۱) الفتح القریب یعنی فتح باب القلب یعنی مقام نفس سے ترقی کرنے سے قلب کا دروازہ کھلا یعنی مکاشفات غیبیہ و انوار یقینیہ حاصل ہوئے اور اس میں آپ کے ساتھ اکثر اہل ایمان (اولیاء اللہ) شریک ہیں (یعنی انہیں بھی اس قسم کا فتح باب القلب ہوتا ہے)۔

(۲) الفتح المبین انوار الروح اور قلب کے اپنے مقام پہ ترقی کرنے سے یہاں پر نفس ترقی کر کے قلب کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کے صفات مظلمہ انوار قلبیہ میں چھپ جاتے ہیں بلکہ یوں سمجھو کہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں " لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر " میں اسی مقام کی طرف اشارہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ باب قلب کی فتح سے ہم نے پہلے صفات مظلمہ چھپائے یعنی مٹا دیئے اور متاخرہ سے وہ ہیات نورانیہ جو انوار قلبیہ سے حاصل ہوئے جو تلونیات میں ظاہر ہوتے ہیں تو قلب کے انوار چھپ جاتے ہیں فتح قریب سے یہ انوار مٹ نہیں جاتے اگرچہ پہلی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اس لیے مقام قلب کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک مقام روح تک اسے ترقی نصیب نہ ہوا اور روح کے مقام کے انوار کا قلب پر مکمل غلبہ نہ ہو اس وقت تلوین القلب ظاہر اور تلوین النفس بالکل ختم ہو جاتی ہے اسی فتح پر مغانم المشاہدات الروحیہ والمسامرات السریہ حاصل ہو جاتے ہیں۔

(۳) الفتح المطلق اس کا اشارہ اذا جاء نصر اللہ والفتح الخ میں ہے۔ فناء مطلق اور شہود ذاتی و ظہور نور احدیٰ کے ساتھ عین الجمع میں مستغرق ہونے پر باب الوحدۃ کھلتا ہے۔

نسخہ روحانی : یہ دروازہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل تابعداری کے بعد کھلتا ہے بلکہ اس کے ساتھ مغانم و فتوحات کی بہتات نصیب ہوتی ہے جتنا اتباع میں حسن ہو گا اتنا ہی بواسطۂ روحانیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیضان انوار الہیہ کی کثرت ہو گی حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

میندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے

ترجمہ۔ پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے راہ اختیار کیا وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا۔ اسے سعدی یہ گمان بھی نہ کر کہ راہ صفا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے بغیر حاصل ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے فلاسفہ و براہمہ و رہانبہ نے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس تک پہنچنے کا دعویٰ کیا لیکن بلاواسطہ انبیاء علیہم السلام بلکہ اپنے عقل کے بل بوتے اور ریاضت و مجاہدہ سے تو وہ ہرگز منزل مقصود تک نہ پہنچے۔

تفسیر عالمانہ: "وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ" اور مکمل کرے تم پر اپنی نعمت دین کے اعلاء اور ملک (دنیوی) نبوت کے ساتھ ملا کر و دیگر بیشمار دینی دنیوی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائیں "وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝" تبلیغ رسالت و اقامت مراسم ریاست واصل استقامت میں تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اگرچہ آپ کو یہ پہلے بھی حاصل تھا لیکن سبل الحق اور ان کے مناہج پر استقامت کا اتضاح جو پہلے حاصل تھا "وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝" اور تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ مدد عطا فرمائے جس میں عزت و غلبہ ہے۔

سوال۔ سابقہ عبارات میں اللہ ہی فاعل ہے اور یہاں بھی لیکن وہاں ضمیر پر اکتفا کیا گیا اور یہاں اسم اللہ ظاہر کیا گیا اس کی وجہ؟

جواب۔ تاکہ معلوم ہو کہ اسم اللہ خاتم الغایات ہے اور تاکہ شان نصر کا کمال معلوم ہو اسی لیے اسے نصرًا عزیزًا سے مؤکد کیا گیا ہے یعنی ایسی نصرت کہ جس میں عزت و عظمت ہو اور دشمنوں کے غلبہ سے بچانے والی ہو اور عزیزًا نسبت کا معنیٰ دیتا ہے یعنی ذو عزت۔

فائدہ: النصر العزیز وہ ہے کہ جس میں اعداء کا غلبہ اور ان پر فتح و نصرت ہو اور غیر عزیز نصرت وہ ہے جس میں صرف حمایت و دفع العدو ہو اور بس[1]۔ یا اس سے نصرت قوی اور مضبوط مراد ہے اس سے مصدر کو موصوف کیا گیا جو کہ اس کے صاحب کی صفت ہے بمعنی المنصور یہ مجاز ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہے اور اسے اسم فاعل کے معنیٰ میں موصوف نہیں کیا گیا اس لیے کہ اس سے یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا

---

[1] فتح الرحمٰن ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

کیونکہ اس سے متکلم کا حال بیان کرنا مطلوب نہیں بلکہ مخاطب کا حال بیان کرنا مطلوب ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسی نصرت جس کا صاحب عزیز ہے۔

فائدہ: اس سے وہ نصرت مراد ہے جو فتح مکہ کی فتح سے مرتب ہوئی جیسے ہوازن وغیرہ اور آپ کی امت کی فتح کسریٰ و قیصر بادشاہوں پر۔

نکتہ: انبیاء علیہم السلام کا مخالفین سے قتال اس لیے کہ وہ اپنی فطرت سے ہٹ گئے یعنی انسان کی فطرت ہے توحید الٰہی پر زندگی بسر کرنا لیکن وہ اس سے ہٹ گئے ان کا ہٹنا مخالفت کا سبب بنا جس کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام نے ان سے جنگ کی اس لیے کہ توحید کی مخالفت سے ان سے اعمال و احوال فاسد ہو گئے ایسے فاسد مادہ کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ اس سے اسبابِ دنیا کے نظام میں خلل آجاتا ہے جسے درست رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا نبیٔ زمانہ کے ذمہ ہوتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ ہر نبی جملہ مخلوق کے لئے موجب رحمت بن کر آیا ہے نہ کہ تلوار لے کر کیونکہ اگر وہ صرف تلوار لے کر آتے تو رحمت کے مظہر نہ ہوتے ایسے ہی ان حضرات اولیاء و علماء کی شان ہے جو انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہو کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

نکتہ: حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے یعنی فتح مبین کی کئی قسمیں بتا کر ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ نعمت ظاہر فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو بہت بڑا پیار ہے اس لیے کہ فتح مبین اجابت و مغفرت کی اور اجابت و مغفرت محبت کی و اتمام نعمت کی اور محبت و اتمام نعمت اختصاص و ہدایت کی اور اختصاص و ہدایت تحقیق بالحق و النصر کی اور تحقیق بالحق والنصر ولایت کی علامت ہے اور مغفرت سے عیوب سے بری رکھنا اور اتمام نعمت سے درجہ کاملہ تک پہنچانا اور ہدایت سے مشاہدہ اور نصرت سے رویۃ الکل من الحق مراد ہے۔ اور رؤیۃ الکل من الحق کا یہ مطلب ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی نصیب ہو۔ اس میں اس کے غیر کو کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں وجود حقیقی کے لئے وجود مجازی کو خرچ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

"هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ" (اللہ وہ ہے جس نے تسکین قلبی آتاری) اس میں جو فتح مبادی کے صحابہ کرام کو بخشے مثلاً ثابت قدم رہنا اور مطمئن ہونا "فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ" تسکین قلبی وغیرہ اہل ایمان کے قلوب میں نازل فرمائی" بوجہ صلح اور خوف کے بعد امن کے کیونکہ یہ اس وقت چند گنتی کے تھے اس لیے کہ یہ محض عمرہ کے لئے آئے تھے اور دشمن تو پہلے جنگ کی تیاری کر چکا تھا اور وہ خود بھی قوت و شوکت

اور جنگی سامان سے لیس تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ کے لئے ڈٹ گئے اور موت ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ صلح حدیبیہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت پریشانی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے طمانیت و تسکین سے انہیں سکون و قرار بخشا اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم لوگ پریشانی اور بے چینی میں مبتلا تھے کہ یہ صلح نہ ہوتی تو بہتر تھا یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو اور زیادہ بے چین تھے جیسا کہ ہم نے تفصیل سے لکھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے سکون و قرار اور اطمینان قلبی سے بدل دیا۔

فائدہ: انہیں یہ بے چینی اور اضطراب اس لیے ہوا کہ وہ چاہتے تھے کہ ہم کفار سے لڑتے کہ انہوں نے خواہ مخواہ کعبہ کو جانے سے روکا اور ہم بغیر مقصد و مرام کے واپس لوٹے حالانکہ ہمیں کعبہ میں حاضری کی سخت امنگ تھی اور یہ بھی ہمیں امید تھی کہ ہم اس سال ہی پرامن طریق سے عمرہ کریں گے جبکہ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب سنایا کہ اس سال تم پرامن طریقہ سے عمرہ کرو گے (جیسا کہ گذرا)

"لِيَزْدَادُوٓا" تاکہ زیادہ کرے "اِيْمَانًا" یہ "يَزْدَادُوا" کا مفعول ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا "وازدادوا تسعا" "مَعَ اِيْمَانِهِمْ" ایمان میں ایمان کے ساتھ بڑھیں یعنی جس یقین پر ہیں اس پر ان کا اضافہ ہو اور اپنے عقیدہ میں راسخ ہوں اور اطمینان قلبی نصیب ہو اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ثقلین کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان ترجیح پا جائے گا۔

فائدہ: "مع ایمانہم" کا لفظ مع اپنے حقیقی معنی پر نہیں اس لیے کہ یہاں یہ مطلب ہی نہیں کہ ان کا یقین ان کے یقین سے ملایا گیا ہے کیونکہ اجتماع المثلین ممتنع ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے یقین کو چند ایسے قوی اسباب میسر ہوئے جو یقین کی پہلی حالت سے قوی تر ہیں اس لیے کہ اخفی النظریات سے اجلی البدیہیات کی طرف ایسے مراتب ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں اسی لیے اضافہ یقین میں منافات لازم نہیں آتی اس کی مثال بیاض کی ہے کہ اس کے مراتب غیر منتہی ہیں جیسا کہ سب کو معلوم ہے یا اس میں استعارہ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ان شرائع سے سکون نازل کیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے تاکہ وہ ان سے ایمان میں بڑھیں اور انہیں وحدانیت اور یوم آخرت پر مزید یقین نصیب ہو۔ اس تقریر پر لفظ مع اپنے حقیقی معنیٰ پر ہوگا اور قرآن کا نزول ہوا بھی اسی لیے تاکہ جن امور سے ایمان کا تعلق ہے ان کے دل زیادہ سے زیادہ مضبوط اور قوی ہوں اس معنی پر اجتماع المثلین لازم نہیں آئے گا۔

احکام کی ترتیب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے توحید کا درس دیا پھر نماز کے احکام بتائے پھر زکوٰۃ کا حکم فرمایا پھر حج کا پھر جہاد کا

یہاں تک کہ اہل ایمان کا دین مکمل ہُوا چنانچہ باری تعالیٰ نے فرمایا ”الیوم اکملت لکم دینکم“ اس سے ان کے ایمان مع ایمان میں اضافہ ہوا۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ان کا ایمان شرائع و احکام کے نزول سے بڑھتا تھا اس کے بعد تحقیق یہی ہے کہ ایمان گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے ہاں اس کے نور میں اضافہ ہوتا اور اعمال صالحہ اور قوت احوال کی کثرت سے قوت پکڑتا ہے اس کی مثال جوہر فرد کی ہے کہ وہ من حیث الجوہر الفرد وہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے ایسے ہی ایمان کو سمجھیئے۔

سوال ۔ مذکور بالا تقریر آیات قرآنی کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ومن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ“ (جو طاغوت سے کفر اور اللہ پر ایمان لاتا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ طاغوت کے ساتھ وہی بعینہٖ ایمان باللہ ہے تو ایمان فرد جوہر کی طرح نہ ہوا۔

جواب : بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ حقیقی ایمان تو وہی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا کہ جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں جس کا تحقق خاتمہ پر ہوتا اس کے درمیانی فاصلہ میں ایمان گھٹتا بڑھتا ہے کیونکہ ایمان کا دار و مدار خاتمہ پر ہے کیونکہ یہی خاتمہ سابقہ کا عین ہے۔ اس تقریر پر ایمان گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے کے قول کو اس پر محمول کیا جائے جو اسے فطرت پر حاصل ہوا اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے کے قول کو اس حالت پر محمول کیا جائے جو حالت سابقہ و خاتمہ کے درمیان حاصل ہُوا ہے کہ اس درمیانی مسافت میں اسے تکالیف کے متعلق معلومات حاصل ہوتے ہیں (اس تقریر کو خوب سمجھ لو کہ یہ نفیس تقریر ہے)۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت الهدائی قدس سرہ نے مجالستہ المنیفہ میں لکھا کہ ”سیلزدادوا ایمانا“ سے ایمان وجدانی ذوقی عینی اور ایمان ”مع ایمانہم“ سے علمی غیبی مراد ہے اس لیے کہ سکینہ ایک نور قلبی ہے جس سے مشاہدہ کا سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے اور یہ علم الیقین کے بعد عین الیقین کے مبادی کا نام ہے گویا ایسے لوگ وجدان یقینی کے ساتھ لذت و سرور پاتے ہیں ”المفردات“ میں ہے کہ سکینہ ایک فرشتہ ہے جو مومن کے قلب کو سکون اور امن بخشتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ”سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر بولتا ہے“۔

سکینہ تین قسم ہے: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سکینہ تین قسم ہے ہر تینوں میں اشتراک لفظی ہے:۔ (۱) وہ سکینہ جو بنو اسرائیل کو نصیب ہوئی جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا کہ ”ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم“ (بیشک اس کے ملک کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گی اس میں تمہارے رب تعالیٰ سے سکینہ ہوگی) مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ ایک ہوا ساکنہ طبعیہ جود وصفوں کے بالمقابل ہونے کے وقت اپنی آواز سے دشمنوں کے قلوب پر رعب

ڈالتی تھی یہ بنو اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کے لئے معجزہ اور ان کے بادشاہوں کے لئے کرامت تھی۔
(۲) صنع باری تعالیٰ سے ایک لطیفہ تھا جو محدث کی زبان پر القاء کیا جاتا جیسے انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر فرشتہ وحی القاء فرماتا جس میں اسرار و کشف سر ہوتا۔
(۳) یہی سکینہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور اور صحابہ کرام کے قلوب پر نازل ہوئی یہ ایک نور و قوت و روح کی جامع شے تھی جس سے خوفزدہ کو سکون اور حزین کو تسلی نصیب ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " و انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین "۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نزول الملائکہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم و اہل ایمان برابر ہیں لیکن جو شے نازل کی جاتی اس میں یہ مختلف ہیں ۔ وہ اس طرح کہ جو اولیاء کے قلوب پر الہام ہوتا ہے وہ کوئی مستقل شریعت نہیں ہوتی بلکہ وہ اتباع نبی علیہ السلام اور ان کی شرع فہمی کی باتیں ہوتی ہیں جو انہیں اپنے علم سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ جو فیض و نور و سکینہ اللہ تعالیٰ سے نازل ہوتا ہے وہ یا تو بواسطہ ملائکہ ہوتا ہے یا بلاواسطہ علاوہ ازیں نبی و ولی میں دیگر بھی بہت بڑے فرق ہیں کیونکہ جس طرح نبی ولی سے افضل و اولیٰ ہیں ایسے ہی ان کے واردات ولی کے واردات سے افضل و اولیٰ ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و سکینہ کا سوال کرتے ہیں ؎

ہر آنکہ یافت ز فضل خدا سکینت دل
نماند در حرم سینہ اش تردد و غل

ترجمہ ۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تسکین قلبی پائی اس کے سینہ کے حرم میں نہ تردد رہتا ہے نہ کھوٹ ۔

تفسیر عالمانہ: " وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (اور آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں) الجنود جند (بضم الجیم) کی جمع ہے وہ ٹولہ جو جنگ کے لئے تیار کیا گیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کا لشکر جو اس سے مخصوص ہے جو عالم کے امور کی تدبیر کرتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے کبھی ان کو دوسرے پر مسلط کرتا ہے اور کبھی ان کی صلح کراتا ہے جیسے اس کی مشیت ہوتی ہے جو ہزاروں حکمتوں و مصلحتوں پر مبنی ہے حضرت علامہ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے آسمانوں میں فرشتوں کا لشکر ہے اور زمین میں مجاہدین اہل ایمان اس کے لشکر ہیں تو اے ایمان والو جہاد کرو اور اس کی نصرت کی امید واثق رکھو ۔ اور نہ صرف آسمانوں اور زمینوں میں اس کے لشکر ہیں بلکہ جملہ عالم کا ذرہ ذرہ اس کا لشکر ہے ۔ وہ کریم اپنے اولیاء کرام کو دشمنوں کے بالمقابل شکست نہیں دیتا ؎

نصرت ازو طلب کہ بمیدان قدرتش
ہر ذرہ پہلوانی و ہر پشہ صفدریست

ترجمہ۔ اسی سے مدد طلب کر کیونکہ اس کی قدرت کے میدان میں ہر ذرّہ پہلوان اور ہر مچھر شیر ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی لشکر ہے جس طرح چاہے اس کے ہر ذرّہ کو بدلہ لینے کے لئے مقرر فرمائے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے روکنے پر اللہ تعالیٰ کو لشکر کی کمی نہ تھی اور نہ ہی اسے مدد دینے میں کمزوری تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے علم و مشیت میں حکمت تھی (جو بعد کو ظاہر ہوتی)۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جن سے چاہے اپنے دین کے لئے فتح و نصرت کی توفیق بخشے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ آسمانوں کے آسمان ارواح عارفین کے ہمم اور ارض قلوب محبین کے قصور اور ان کے انفاس اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جو ہر ایک اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے بدلہ لیتے ہیں جیسا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے دعا فرمائی کہ "لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا" (اے اللہ زمین پر کسی کا جھونپڑا نہ چھوڑ) آپ کی دعا سے تمام زمین پر رہنے والے کافر تباہ و برباد ہوئے صرف وہی بچے جو ایمان لائے اور موسیٰ علیہ السلام نے قبطیوں کے لئے دعا فرمائی کہ "ربنا اطمس علی اموالھم و اشدد علی قلوبھم" اے اللہ ان کے دل پتھر ہو گئے ایمان نہ لائے یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھا۔

حدیث شریف: جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دشمنانِ اسلام کی طرف کنکریاں پھینکیں تو فرمایا "شاھت الوجوہ" (ذلیل ہوں چہرے) تو کفار باذن اللہ شکست کھا گئے۔

فائدہ: ایسے ہی اس ولی اللہ کی شان ہے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وارث ہے) کہ وہ تمام اہل انفاس پر غالب ہے بلکہ عرش اعلیٰ سے تحت الثریٰ تک ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے یہاں تک کہ اگر اللہ نے چیونٹی کو بہت بڑے سانپ پر مسلط کرنا چاہے تو وہ اسے ہلاک و تباہ کر ڈالے گی۔

اعجوبہ: ریچھنی بچہ جن کر دو روز اسے زمین سے اوپر لٹکائے رکھتی ہے تاکہ اسے چیونٹیاں نہ کھا جائیں اس لیے جب ریچھ کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے پھر وقفہ وقفہ سے اس

کے اعضاء کا ظہور ہوتا ہے۔

اعجوبہ: چوہے اور بچھو کو ایک شیشی میں یکجا بند کیا جائے تو چوہا بچھو کا ڈنک کاٹ لیتا ہے اسی لیے وہ اس کے ایذاء سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس مضمون کی تائید میں نمرود کا مچھر کافی ہے۔

انتباہ: مثنوی شریف میں ہے ؂

(۱) جملہ ذرّات زمین و آسمان
لشکر حق اند گاہ امتحان

(۲) باد را دیدی کہ با عادان چہ کرد
آب را دیدی کہ طوفان چہ کرد

(۳) آنچہ بر فرعون زد آں بحر کین
وآنچہ با قارون نمود است این زمین

(۴) آنچہ با پیلبانان پیل کرد
وآنچہ پشہ کلۂ نمرود خورد

(۵) وآنکہ سنگ انداخت داؤدے بدست
گشت شش صد پارہ و لشکر شکست

(۶) سنگ می بارید بر اعدائے لوط
تا کہ در آب سیہ خوردند غوط

(۷) دست بر کافر گواہی می دہد
لشکر حق می شود سر می نہد

(۸) گر بگوید چشم را کورا فشار
درد چشم از بر آرد صد دمار

(۹) گر بدندان گوید او بنما وبال
پس بہ بینی تو زندان گوشمال

ترجمہ۔ (۱) زمین و آسمان کے جملہ ذرّات امتحان کے وقت اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔
(۲) کیا تو نے ہوا کو نہیں دیکھا کہ اس نے قوم عاد سے کیا کیا۔ پانی کو نہیں دیکھا کہ اس نے طوفان

کے وقت کیا کیا۔
(۳) فرعون کو دریا نے کیسے غرق کیا زمین نے قارون کو کیسے دھنسا۔
(۴) ہاتھی والوں کے ساتھ ابابیل نے کیا کیا۔ ایک مچھر نے نمرود کی کھوپڑی کھالی۔
(۵) داؤد علیہ السلام نے ایک پتھر مارا تو جالوت کئی ٹکڑے ہوا اور اس کا لشکر بھاگ گیا۔
(۶) لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے تو آب سیاہ میں غوطے کھا کر مرے
(۷) قیامت میں کافر کا اپنا ہاتھ گواہی دے گا وہی حق تعالیٰ کا لشکر ہے جس کے آگے کافر سر تسلیم خم کرے گا۔
(۸) اللہ تعالیٰ اگر آنکھ کو فرمائے کہ وہ پانی نچوڑے تو آنکھ کا درد ہی تیرا ستیاناس کردے گا۔
(۹) اگر دانتوں کو فرمادے کہ اس کا برا حال کردے تو تیرا حال تباہ ہوگا ایسے ہی ناک سے فرما دے تو وہی تیرا قید خانہ بن کر تیرا برا حال بنادے گا۔

سبق: اللہ تعالیٰ پر توکل ضروری ہے کیونکہ وہی ہر ضعیف کا مددگار اور ہر عاجز کا حاجت روا ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے بھی جس پر مسلّط کرنا چاہے کرسکتا ہے یہاں تک کہ انسان پر اگر اس کا اپنا نفس مسلط کردے تو وہی اسے تباہ کردے گا۔ اگر اس کے اعضاء کو اس پر مسلط کرنا چاہے تو اس کے اپنے اعضاء اسے تباہ و برباد کردیں گے اگر نفس کو قلب پر غلبہ دے تو نفس اسے متابعت خواہشات و طاعت شیطان کی طرف کھینچ کرلے جائے گا ایسے ہی اگر اس کے قلب کو اس کے نفس و اعضاء پر مسلط کردے تو وہ انہیں ادب کی طرف لے جائے اور عبادت پر مداومت کرادے اور عبودیت میں اخلاص پر مجبور کردے گا۔

تفسیر عالمانہ: ”وَكَانَ اللّٰهُ“ اور اللہ تعالیٰ ازلاً و ابداً ”عَلِيْمًا“ جمیع امور میں بہت بڑے علم والا ہے ”حَكِيْمًا“ تقدیر و تدبیر میں حکیم ہے۔

فائدہ: کان بمعنی کان و یکون ہے یعنی انہی صفات پر دلالت کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی خاص ماضی کے لئے علیم و حکیم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ ” و للہ جنود السمٰوٰت میں سمٰوٰت کے جنود سے انوار قدسیہ و امدادات روحانیہ اور ”جنود الارض“ سے صفات نفسانیہ و قوائے طبعیہ مراد ہیں اسی لیے ان کے بعض ایک دوسرے پر غلبہ پاجاتے ہیں۔ جب کسی پر آسمان کے جنود غلبہ پاجاتے ہیں تو اسے سکینہ اور کمال الیقین نصیب ہوتا ہے اگر کسی پر جنود الارض کا غلبہ

ہوتا ہے تو وہ شک و ریب میں پڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فریق اول کے اندرونی اسرار اور ان کی استعداد اور ان کے مقتضیات اور ان کی فطرت کی صفائی کو خوب جانتا ہے ایسے ہی فریق ثانی کے نفوس کی کدورت کو بھی اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اپنی حکمت میں کامل ہے۔

تفسیر دوم صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں زمین و آسمان کے تمام لشکر وہی اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں یہی اس کے بندوں کی اس کی معرفت پر فتحیابی کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ ہر اس بندے کو خوب جانتا ہے جو اس کی معرفت پر فتحیابی کی مدد کے لائق ہے۔ اور جو لائق ہے اس پر جو حکم ازل میں فرما چکا اپنی حکمت کامل کے مطابق جو حکم فرمایا صحیح فرمایا۔

تفسیر عالمانہ: "لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا" (تاکہ اللہ مومن مرد و عورتوں کو ان باغات میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔) یہ اس معنیٰ پر ہے جس پر "جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ" الخ دلالت کرتا ہے یعنی تصرف و تدبیر کے لحاظ سے آسمانوں اور زمینوں کے لشکر صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں یعنی اس نے وہ تدبیر کی کہ اہل ایمان کو کافروں پر مسلط کیا تاکہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں تو وہ انہیں بہشت میں داخل فرمائے "وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" اور تاکہ ان کے گناہوں کو مٹائے۔ یہ "لیغفر لك الله" الخ کے مقابلہ میں ہے یعنی تاکہ انہیں بہشت میں داخل کرنے سے پہلے ان کے گناہ بخشے اور وہ کسی پر ظاہر بھی نہ ہونے دے تاکہ وہ بہشت میں پاک اور صاف ہو کر داخل ہوں۔

سوال۔ ادخال بہشت کو تکفیر سیأت سے مقدم کیوں کیا گیا حالانکہ ان کے وجود کی ترتیب اس کے برعکس ہے اور عقلاً یہ تقدیم صحیح نہیں کیونکہ پہلے تطہیر ہوتی ہے سنگار بعد کو ہوتا ہے۔

جواب۔ اصل مطلب کو جلد بیان کرنا مطلوب ہے۔ اور ایسے مواقع پر ایسی تقدیم جائز ہوتی ہے "وَكَانَ ذٰلِكَ" اور ہے یہ مذکور ادخال و تکفیر "عِنْدَ اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ کے ہاں "فَوْزًا عَظِيْمًا" بہت بڑی کامیابی کیونکہ اب اس کی قدر و منزلت کسی کو معلوم نہیں اس لیے کہ حصول نفع اور دفع ضرر کے لئے ہمتوں کا انتہا اسی پر ہے۔

فائدہ: الفوز بمعنی سلامتی کے ساتھ فتحمندی کا ہونا۔ ترکیب نحوی میں عند اللہ فوزاً سے حال ہے اس لیے کہ یہ در اصل صفت ہے لیکن جب مقدم ہوئی تو حال بن گئی اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے علم و قضاء میں ہے۔

"وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ" تاکہ مدینہ کے منافق مرد اور عورتوں کو "وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ"

اور مکہ کے مشرک مرد عورتوں کو عذاب دے اس کا عطف یدخل پر ہے اور تعذیب سے مراد کافروں اور منافقوں کی وہ شکست مراد ہے جو اہل ایمان کو مدد ملی تو ان کو غیظ و غضب حاصل ہوا وہ ان کے لئے عذاب تھا۔

نکتہ: منافقین کی تقدیم علی المشرکین میں اشارہ ہے کہ منافقین بہ نسبت کفار کے عذاب کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنگ پر نہ گئے پھر واپسی پر عذر کرنے لگے اور وہ باتیں کہیں جو زبان پر کچھ اور دل میں کچھ۔ اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں میں سچے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے تھے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یوم ینفع الصٰدقین صدقھم" اس دن سچے لوگوں کو ان کا صدق نفع دے گا یعنی وہ سچ فائدہ دے گا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ کہ وہ جو لوگوں کی نظروں میں تو سچ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹ ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مشرکین کے ساتھ اپنے اموال و نفوس اور زبانوں سے جہاد کرو۔"

فائدہ: اس میں بھی تحقیق و تصدیق کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دلیل کے بغیر دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے ؎

برہان بباید صدق را

ورنہ ز دعوا ہا چہ سود

ترجمہ۔ صدق کو برہان چاہیئے ورنہ صرف خالی دعووں کا کیا فائدہ۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ " (وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ برا گمان رکھتے تھے)

ترکیب: یہ دونوں طائفوں (منافقین و مشرکین) کی صفت ہے اور "ظن السوء" منصوب علی المصدریہ ہے اور ظن کی سوء کی طرف اسی طرح کی اضافت ہے جیسے سَیفُ شجاعٍ میں ہے اور یہ درحقیقت مضاف الیہ موصوف صفت ہیں دراصل عبارت یوں تھی "سَیفُ رَجُلٍ شجاعٍ (بہادر مرد کی تلوار) ایسے ہی یہ بھی دراصل "ظن الامر السوء" (برے امر کا گمان) ان کی بدگمانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں مکہ پر فتح دے گا اور نہ ہی مدینہ شریف میں جان بچا کر واپس آئیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول و المؤمنون الی اھلیھم ابدًا" بلکہ تمہارا گمان تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اہل ایمان گھر کو ہمیشہ تک واپس نہیں آئیں گے۔

فائدہ: کشف الکشاف میں ہے کہ ظن السوء رجل صدق کی طرح ہے یعنی ان کا گمان برا فاسد اور مذموم تھا۔

قاعدہ: بصریوں کے نزدیک موصوف کی صفت اضافت کی طرف جائز نہیں اور نہ ہی برعکس یعنی صفت موصوف کی طرف مضاف نہیں ہوتی ہے کیونکہ موصوف و صفت ایک شے ہوتی ہے تو انہیں سے کسی ایک کو دوسرے کی طرف مضاف کرنا شے کا اپنی ذات کی طرف مضاف کرنا ہے (اور اضافۃ الشئ الی نفسہ بالاتفاق ناجائز ہے)

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں بدگمانی کرتا ہے خواہشات پوری کرنے اور بدعات پھیلانے سے ایسے ہی اس کے افعال و احکام میں ظلم اور عبث سے بعض عارفین نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمانی کی مثال اس شخص کی ہے جس پر شیطان کا تسلط ہو جائے اور وہ اس سے امتحان لے اور آزمائش میں ڈالدے پھر جب شیطان اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور رحمت لے کر آیا ہے اور آیا اس لیے ہوں تاکہ بھلائی میں تیرا ہاتھ بٹاؤں اور تجھے بھلائی کی رہبری کروں تاکہ تو اللہ کے ہاں بلندیوں پر ہو یعنی تجھے عرش بریں کی صدر نشینی نصیب ہو چونکہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان نیک ہے اسی لیے شیطان کے اس فریب پر اللہ کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر جائے گا اللہ تعالیٰ اس کے نیک گمان کی برکت سے اس کے اس شیطان کو فرشتہ بنادے گا جیسا کہ حکایت ذیل کی دلالت کرتی ہے۔

حکایت: جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ایک ایسی جگہ تیار کی جس کا میدان زمرد اخضر اور جس کی کھیتی لؤلؤ و جواہر تھے اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان مطلوب تھا سلیمان علیہ السلام نے خیال کیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو مجھے اس نے اپنے فضل و کرم دنیا میں عطا فرمایا ہے اسی خیال سے شکر کے طور سجدہ میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی اس نیک گمانی پر یہ انعام بخشا کہ (وہ تیار کردہ زمین بھی) اور ارض مقدسہ عطا فرمایا۔

فائدہ: برے گمان کی مثال اس شخص کی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کا فرشتہ بھیجے تاکہ وہ اس کی بھلائی کی رہبری کرے لیکن وہ کہے تو فرشتہ نہیں بلکہ شیطان ہے تاکہ مجھے گمراہی میں مبتلا کردے۔ اس کی اس بدگمانی پر اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو اس کے لئے شیطان بنادے گا صرف اسی بدگمانی کی نحوست سے

حدیث شریف ۱: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔

حدیث شریف ۲: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال سے تین یوم پہلے فرمایا کہ اے میرے یارو موت سے پہلے اچھا گمان رکھنا تمہاری موت اللہ تعالیٰ کے

ساتھ حسن ظن پر واقع ہو۔ یہی یقین کی نشانی ہے۔

عقیدۂ صحابی درعلم غیب رسول ﷺ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا کہ تجھ پر موت نہیں آئے گی جب تک تو مصر کا حاکم نہ ہو۔ ایک دفعہ جنگ میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو وہ صحابی ان میں موجود تھا کہا کہ مجھے فلاخن میں ڈال کر کفار کی طرف پھینک دو میں ان کے ہاں پہنچ کر ان کے ساتھ جنگ کروں گا اور قلعہ کا دروازہ بھی کھولوں گا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ایسی جرأت کیوں فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ تجھے مصر کی حکومت ملے گی اب تک میں مصر کا والی (حاکم) نہیں ہو سکا اس لیے مجھے یقین ہے کہ کفار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔

سبق: غور فرمایئے کہ صحابی کو کتنی قوت ایمانی نصیب ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کسی کو فلاخن میں ڈال کر پھینکنے سے (اولاً) انسان جانبر نہیں ہو سکتا (اگر بچ بھی گیا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اور پھر اس کے بالمقابل کفار جو اُن کی جان کے پیاسے ہیں لیکن صحابی تھا وہابی نہ تھا۔ اویسی غفرلہ)

؎ ظاہر و باطن آئینۂ یکدیگر اند

سینہ صاف تر از آب روانم دادند

ترجمہ۔ ہمارا ظاہر و باطن ایک دوسرے کے لئے آئینہ کی طرح ہے ہمیں سینہ آب رواں سے بھی زیادہ صاف عطا فرمایا ہے۔

"عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ" (ان پر بری گردش ہے) یعنی اہل ایمان کے لئے جس طرح کا گمان کرتے اور ان کے لئے بری گردش کا انتظار کرتے ہیں تو وہی خود انہیں گھیر لے گا اور ان پر ہی گردش گرے گی ان کے سوا اور کسی پر منتج وارد نہ ہوگی اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو جھوٹا ثابت فرمایا ہے جو کچھ اہل ایمان کے لئے گمان کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسے الٹ کر ان پر دے مارا کہ ان کے سوا کسی پر نہ گرا اور نہ ہی وہ ہمیشہ کے لئے کامیاب ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا "و یتربص بکم الدوائر علیہم دائرۃ السوء" وہ تمہارے لیے بری گردشوں کا انتظار کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہی بری گردش میں مبتلا کر دیا یعنی وہ اس گمان میں تھے کہ اہل ایمان بری گردش میں مبتلا ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے معاملہ الٹ دیا کہ وہی بری گردش ان پر گری اور اہل ایمان کو فتح و نصرت سے نوازا۔

فائدہ: حضرت مولانا ابوالسعود (مفسر) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا[1] کہ "علیہم دائرۃ السوء" ان

---

[1] سورہ توبہ میں مفسر نے اپنی تفسیر میں لکھا ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

کے لیئے بد دعاء ہے کہ جو کچھ وہ اہل ایمان کے لیئے چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے خود انہیں اسی بری گردش میں مبتلا فرما دیا یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے یہود کو فرمایا "غلت ایدیھم" (ان کے ہاتھ بندھے ہوں) (یہ کلمہ بھی یہود کے لیئے بد دعاء کا ہے) جبکہ انہوں نے بکواس کی کہ "ید اللہ مغلولۃ" اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں (ان کے جواب پر بد دعاء کے طور پر فرمایا "غلت ایدیھم")

سوال ۔ بد دعاء ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیئے عجز ثابت ہوتا ہے کیونکہ عرف میں ہے کہ بد دعاء وہ کرتا ہے جو عاجز ہو اور اللہ تعالیٰ عجز سے منزہ اور پاک ہے؟

جواب ۔ اس سے بندوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ کفار و مشرکین کو بد عا کرنا جائز ہے جیسے قاتلھم اللہ "(اللہ تعالیٰ انہیں مارے) وغیرہ ۔

حل لغات : ابن الشیخ نے فرمایا کہ السوء (بالفتح) صفت مشبہ ہے ساء یسوء سے ہے از باب نصر ینصر اس کا بالمقابل حسن یحسن حسنا فھو حسن ہے یہ فعل لازم بمعنی قبیح ہے یعنی فاسد اور ردی ہوگیا بخلاف ساءہ یسوءہ سوء مساءۃ بمعنے احزنہ یعنے اسے غمگین کیا یہ سرہ (بمعنی اسے خوش کیا) کی نقیض ہے یہ متعدی ہے اس کی ماضی بفتح العین آتی ہے اس کی ماضی کا وزن اور فعل لازم کی ماضی کا وزن ایک ہے لیکن فعل متعدی کا اصل فعل (بفتح العین) اور فعل لازم کا اصل بضم العین ہے اس کا فاعل فعل آتا ہے صعب صعوبت فھو صعب کی طرح ۔ اور السو بالضم اسی فعل لازم کا مصدر ہے اور السوء (بالفتح) اسم فاعل فعل لازم اور مصدر متعدی کے درمیان مشترک ہے۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ سُوء (بالضم و بالفتح) دونوں لغتیں ساء کے مصدر کی ہیں اور ان کا ایک معنیٰ و مطلب ہے جیسے "الکرہ" (بالفتح و بالضم) اور "الضعف" (بالضم و بالفتح) کا ایک ہی مطلب معنیٰ ہے ہاں فرق اتنا ہے کہ السوء (بالفتح) ہو تو اس کا مضاف وہ ہو جس کی مذمت مطلوب ہے اور بالضم ہو تو اس کا مضاف تو اس شر کے قائم مقام ہوتا ہے جو خیر کی نقیض ہے اسی لیے یہاں اس کا مضاف ظن ہے کہ وہ مذموم ہے اور دائرۃ اگرچہ محمود ہے تو یہ حق تھا کہ یہ اس کا مضاف نہ ہو لیکن دائرہ کی تاویل کر کے مذموم کے معنیٰ میں لیا گیا ہے ۔ ہاں اگر السوء (بالضم) کی طرف مضاف ہو تو بھی مذموم کے معنیٰ میں ہوگا کیونکہ وہ جو کافروں کو پہنچی وہ بھی ایک مکروہ شے اور مشدہ نہ تھی اس معنیٰ پر اس پر بھی اسم سوء کا وقوع صحیح ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا "ان اراد بکم رحمۃً او اراد بکم سُوءً" اس نے تمہارے لیے رحمت کا ارادہ کیا یا اس نے تمہارے لیے برائی کا ارادہ کیا۔[1]

---

[1] کذا فی بعض التفاسیر ۱۲ ۔ روح البیان ۔

تحقیق الدائرۃ : مرکز میں خط محیط کو دائرہ کہا جاتا ہے پھر عرف عام میں اس کا اطلاق اس حادثہ و مصیبت پر ہونے لگا کہ جس پر وہ واقع ہو اسے محیط ہو جائے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں وہ مصیبت دائرہ کی طرح گھیر گئی یا مصیبت میں مبتلا ہو اس کے دائرے میں پھنس گئے کہ اس سے جان چھڑانا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔

فائدہ: یاد رہے کہ دائرہ کا اکثر استعمال مکروہ امر میں ہوتی ہے جیسے لفظ دولت کی اکثر استعمال اس محبوب امر میں ہوتی ہے جو دست بدستی بدلتی رہے یعنی کبھی کسی کے پاس کبھی کسی کے ہاں دائرۃ السوء کی اضافۃ العام الی الخاص کے قبیل سے ہے یہ اضافت بیانیہ ہے۔ خاتم فقر کی طرح ہے یہ دراصل دائرۃ من شر لا من خیر" دائرہ کا اطلاق شر پر ہوتا ہے اس کا اطلاق خیر پر نہیں ہوتا۔

فائدہ: حضرت ابوالسعود رحمہ اللہ نے فرمایا دائرۃ السوء بمعنی نوبت سُوء مصدر ہے پھر اس کا اطلاق ہر ضرر اور شر پر آتا ہے مذمت کے لئے دائرہ کا مضاف ہے جیسے کہا جاتا ہے "اجل سوء" کیونکہ جس پر مصیبت وارد ہوتی ہے وہ مذموم سمجھا جاتا ہے اس تقریر پر یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ سے ہے مبالغہ کے طور مصدر کو صفت کے معنیٰ میں کر کے دائرہ کا مضاف الیہ بنایا گیا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا "ما کان ابوک امرأ سوء" (تیرا باپ برا آدمی نہ تھا)۔

فائدہ: دائرہ خود برائی کے معنیٰ کو مقتضی ہے کیونکہ دائرۃ الدہر ہوتا ہی مکروہ امر کے لئے ہے۔ اسی معنیٰ پر یہ اضافت بیانیہ اور تاکید ہو گی جیسے کہا جاتا ہے شمس النہار

"وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ" (اور ان پر اللہ تعالیٰ نے غضب) اس کا عطف اس پر ہے جو اس کے آخرت میں مستحق ہیں اور ان پر غضب ہے جس کے وہ دنیا میں مستوجب ہوئے۔ بعض نے کہا غضب الٰہی بمعنی اللہ تعالیٰ کا ان کے لئے آخرت میں ارادہ عقوبت بوجہ ان کے دنیا میں شرک و منافقت میں رہنے کے۔ یاد رہے کہ غضب دو طرح ہے۔ صورۃً و نتیجۃً۔ صورۃً یہ کہ غضب والے کی شکل کا تغیر اس امر سے کہ جس سے اسے اذیت پہنچی۔ اور نتیجۃً یہ کہ مغضوب علیہ کو ہلاک و تباہ کر دینا یا اسے ایذاء پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے غضب سے نتیجۃً غضب مراد ہے اس میں کنایہ ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

"وَلَعَنَہُمْ" اور اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی یعنی اپنی رحمت سے دور کیا۔ "وَاَعَدَّ لَہُمْ جَہَنَّمَ" اور ان کے لئے جہنم تیار کی واو دونوں فعلوں میں (باوجودیکہ یہاں فاء کا لانا بہتر تھا) سببیت کی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ماقبل مابعد کا سبب ہے اس لیے کہ لعنت ان کے اعداء

جہنم کی تیاری اور غضب لعنت کا سبب ہے اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہر دونوں فعل وعید میں مستقل اور اصل کوئی بھی ایک دوسرے کے تابع نہیں " وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا " اور جہنم برا ٹھکانا ہے ۔ المصیر بمعنے المرجع یعنی دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے ۔

تفسیر عالمانہ: " وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ " (اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے لشکر) " وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا " اور ہے اللہ بہت بڑی عزت اور ہر شے پہ قدرت رکھنے والا " حَكِيۡمًا " بہت بڑی حکمت والا ۔ جو کچھ کرتا ہے حکمت کے عین مقتضی پر کرتا ہے اور وہ مبنی برصواب ہوتا ہے ۔

سوال ۔ یہ مضمون پہلے گذر چکا ہے اسے دوبارہ کیوں لایا گیا اس سے تکرار لازم آگیا ۔

جواب ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لشکر میں کثرت ہے کہ اس کا ایک لشکر تو وہ ہے جو اہل ایمان کو نہایت تعظیم و تکرم سے بہشت میں لاتا ہے ۔ ایک وہ بھی ہے جو کفار کو عذاب دے کر جہنم میں داخل کرتا ہے پہلے کا نام جنود الرحمۃ ہے دوسرے کا نام جنود العذاب ہے اس دوسرے سے یہی مراد ہے جیسا کہ لفظ عزیز اشارہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ لفظ عزیز کو وہاں لاتا ہے جہاں عذاب و انتقام کا بیان ہو ۔

فائدہ: برہان القرآن میں ہے پہلا انزال السکینہ و ازدیاد ایمان المومنین سے متصل ہے تو وہ علم و حکمت کے قائم مقام ہے اس کا تقاضا فتح و نصرت تھی جیسا کہ " ینصرک نصرًا عزیزًا " میں اشارہ فرمادیا اور دوسرا و تیسرا جو اس کے بعد مذکور ہیں وہ عذاب و غضب اور سلب الاموال و سلب الغنائم کے متصل ہیں اسی لیے یہ علم و حکمت اور عزت و غلبہ کو تقاضا کرتے ہیں ۔

اعجوبہ: کشف الاسرار میں ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے کسی نبی علیہ السلام اور اہل ایمان کا مقابلہ کرتا ہے تو اس کے مقابلہ میں جس قسم کا لشکر چاہتا ہے بھیجتا ہے مثلاً نمرود کے مقابلہ کو مچھر اور بلقیس کے لئے ھُدھُد وغیرہ کو بھیجتا ہے ۔

شان نزول: مروی ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابی ابن سلول نے کہا کہ مانا کہ (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے) شکست دے دی لیکن فارس و روم کا مقابلہ کر کے دکھلائیں تو پتہ چلے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا " وللہ جنود السمٰوٰت والارض " الخ یعنی اللہ تعالیٰ کا لشکر فارس و روم سے بڑھ کر ہے ۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ آسمانوں و زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مملوک

اور اس کے تابع اور قبضہ میں ہیں اور وہ اس کے ایسے سپاہی ہیں جیسے ایک بادشاہ کے ہوتے ہیں اس کا تکرار اس لیے ہے کہ اہل ایمان کو وعدۂ الٰہی کے ایفاء کا یقین اور منافقوں اور مشرکین کو اپنی شکست وذلت کی وعید سن کر خوف الٰہی پیدا ہوتا کہ وہ تکذیب وغیرہ سے باز آسکیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ قلوب کے آسمانوں اور نفوس کی زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل اور عجیب مصنوعات ہیں جس سے وہ اپنے اولیاء کی ان کے نفوس پر مدد فرماتا ہے تاکہ اس کے قرب کمال میں کامیاب ہوں اور اپنے اعداء کو ذلیل وخوار کرے اور انہیں خواہشات کی وادیوں میں تباہ وبرباد کرے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں جیساکہ اس کا مابعد دلالت کرتا ہے چنانچہ فرمایا "وکان اللہ عزیزا" اور اللہ تعالیٰ عزیز ہے وہ اپنے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہے "حکیما" اور حکیم ہے اس میں کہ وہ اپنے اولیاء کرام کو عزت بخشتا ہے۔ (التاویلات النجمیہ)

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے بہشت کے درجات کے مطابق دوزخ کے ایک سو درجات بنائے ہیں اس میں ہر درجہ کے لئے ایک مخصوص گروہ مقرر فرمایا ہے وہ لوگ جن پر غضب الٰہی ہے انہیں کے لائق ان کو درد والم پہنچے گا۔ عذاب دینے کے لئے مخصوص فرشتے مقرر ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس غضب اور عذاب سے پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس کی نعمتوں اور ثواب کا سوال کرتے ہیں۔

فائدہ: یاد رہے کہ غضب کے تین درجات ہیں:۔

(۱) امداد علمی کا انقطاع تسلیط الجہل والہوٰی والنفس والشیطان والاحوال الذمیمہ کو مستلزم ہے ایسے لوگوں کو آخری سانس سے قبل فائدہ نصیب ہوتا ہے یہ اس کے حق میں ہے جس کا سعادت پہ خاتمہ ہوگا

(۲) بعض ایسے ہیں جنہیں جہنم کے دخول کے وقت نصیب ہوتا لیکن اس کے لئے شفاعت کا دروازہ کھلتا ہے تو بچ جاتا ہے۔

(۳) بعض وہ ہیں جنہیں دائمی دوزخ میں رہنا ہے، حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

دارم از لطف ازل جنت فردوس طمع
گرچہ دربانئ میخانہ فراواں کردن

ترجمہ۔ اس کے لطف ازل سے مجھے جنت فردوس نصیب ہو۔ اگرچہ میں نے میخانہ کی بہت دربانی کی۔

اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے غفور اور رحیم ہے جو توبہ کرے اور صراط مستقیم کی طرف لوٹے۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا" (بیشک ہم نے آپ کو شاہد بنایا) مفسر روح البیان نے اس کے مقدر فرمایا ہے "علی امتك" (آپ کی اپنی امت پر) اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی تمام امت پر حاضر ہیں کیونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کی امت ہے جیسا کہ خود فرمایا (ارسلت الی الخلق کافۃ (مسلم) میں تمام مخلوق (کے ذرہ ذرہ) کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور شاہد بمعنے حاضر ہے[1] (اضافہ اویسی غفرلہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتا ہے "لیکون الرسول علیکم شہیدا" "تاکہ ہوں رسول تمہارے لیے حاضر و ناظر یعنی اس کے لئے جو ان کی تصدیق کرے اور ان کے لئے جو ان کی تکذیب کرے یعنی آپ کی گواہی ان کے حق میں مقبول ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خواہ آپ ان کے فائدہ کی گواہی دیں یا ضرر کی جیسا کہ حاکم کے سامنے شاہد عدل کی گواہی مقبول ہوتی ہے اور یہ حال مقدرہ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام تحمل و اداء کے وقت شاہد ہیں اور زمان ارسال کے بعد ہے بخلاف دوسرے معطوف علیہ کے کہ وہ احوال مقدرہ نہیں "وَمُبَشِّرًا" اور طاعت والوں کو ثواب اور جنت کی اور اہل طلب کو وصول کی خوشخبری سنانے والے "وَنَذِيْرًا" اور معصیت والوں کو دوزخ اور عذاب سے اور روگردانی کرنے والوں کو قطعیت اور ہجران سے ڈرانے والے۔

تورات کا مضمون: تورات میں ہے "یا ایھا النبی انا ارسلنٰك شاھدا ومبشرا ونذیرا وحرز اللامیین الخ" اے نبی علیہ السلام بیشک ہم نے تمہیں شاہد و مبشر و نذیر اور امی لوگوں کا نگران بنا کر بھیجا ہے تم میرے عبد مقدس اور رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے نہ ترش رو اور نہ سخت گیر اور نہ ہی بازار میں فضول چلنے والے برائی کو برائی سے دفع نہیں کرتے بلکہ معاف اور درگذر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک ٹیڑھی ملت درست نہ ہو یہاں تک کہ کہا جائے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس سے اندھی آنکھیں کھلیں گی اور بہرے کان سنیں گے اور بند شدہ قلوب راہ پائیں گی ؎

سر خیل انبیاء و سپہدار اتقیاء
سلطان بارگاہِ دنی قائد امم

ترجمہ۔ انبیاء کے سردار اور اتقیاء کے امام۔ بارگاہ دنیٰ کے سلطان اور امتوں کے قائد۔

---

[1] اس کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "تسکین الخواطر فی تحقیق الحاضر والناظر" میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہ)

"لتؤمنوا باللّٰہ" یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی امت کو ہے اس معنیٰ پر یہ خطاب تخصیص کے بعد تعمیم کے قبیل سے ہے کیونکہ "یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا" کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب تھا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "یا ایھا النبی اذا طلقتم النسآء" (اے نبی (علیہ السلام) جب تم عورتوں کو طلاق دو) اس ندا ہوسے صرف نبی علیہ السلام مراد ہیں اس کے بعد خطاب عام کیا تو تغلیب المخاطب علی الغائبین کے قبیل سے ہوگا۔ اور وہ جملہ اہل ایمان ہیں۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام کو اپنی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گواہی دی کہ انی عبد اللّٰہ ورسولہ بیشک میں اللّٰہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں (صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔

ردّ وہابیہ: سہیلی نے امالی میں لکھا کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہلے اپنی نبوت کا علم ہوا بعد کو جبریل علیہ السلام کی معرفت اور ایمان کا علم بعلم ضروری ہے۔ جب آپ نے اپنی نبوت کو جان لیا تو اس پر ایمان لائے تو پھر اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل ہوا جیسا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا "اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ" (رسول (صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم) ایمان لائے اس پر جو ان کے رب تعالیٰ سے ان کی طرف اترا)۔

فائدہ: یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب صرف امت کو ہو۔

سوال۔ اگر یہ خطاب صرف امت کو ہے تو پھر پہلے خطاب کی تخصیص صرف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیا توجیہ ہوگی۔

جواب: رئیس القوم کے خطاب میں اس کے اتباع تبعاً شامل ہوتے ہیں اسی لیے جائز ہوتا ہے کہ رسول سے خصوصی خطاب میں ان کے اتباع بھی اس میں داخل ہوں۔ کیونکہ صرف اتنا مقصود ہے کہ وہ حکم اتباع کو سنایا جائے۔

"وتعزروہ" اور اس کی تعظیم کرو اور اس کو تقویت دو اس کے دین اور رسول صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کرکے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ التعزیر بمعنے النصرۃ من التعظیم یعنی کسی کی عظمت کے پیش نظر اس کی مدد کرنا جیسے اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا وتعزروہ اور التعزیر اس سزا کو بھی کہتے ہیں جو حد (سزا شرعی) سے کم مرتبہ میں ہو اس کا مطلب بھی پہلے معنیٰ کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ یہ سزا بطور تادیب کے ہے اور تادیب

بھی نصرۃ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن پر قہر و غضب کیا جاتا ہے اس لیے کہ افعال الشر انسان کے دشمن ہیں جب اسے ان سے باز رکھا جائے گا تو گویا تم نے اس کی مدد کی اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انصر اخاک ظالما او مظلوما" اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم، عرض کی گئی کہ مظلوم کی مدد تو بجا لیکن ظالم کی مدد کیسی؟ آپ نے فرمایا کہ ظالم کو ظلم سے بچانا اس کی مدد ہے۔ القاموس میں ہے کہ تعزیر کی سزا حد کی سزا سے کم ہوتی ہے یا اس سے سخت تر اور التعزیر بمعنی تضخیم و تعظیم قبیل اضداد سے ہے اور بمعنے اعانت جیسے العزر اور بمعنے تقویت جیسے انصر۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ التعزیر بمعنے المنع اس لیے کہ وہ برائی پر عود کرنے سے روکتی ہے۔ اب آیت کا معنیٰ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے روکو یعنی اس کے دین اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تاکہ اس پر اس کا دشمن قوت نہ پا سکے "وَتُوَقِّرُوْهُ" اور اس کی تعظیم و توقیر کرو اس اعتقاد سے کہ وہ جمیع صفات کمال سے موصوف اور جمیع وجوہ نقصان سے منزہ ہے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ التوقیر بمعنے التعجیل الوقار بروزن سحاب بمعنے سکون و حلم (وصل) الوقر سے ہے یعنی وہ ثقل جو کان میں ہو (یعنی بہرہ پن) "وَتُسَبِّحُوْهُ" اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ کرو اس سے جو اس کے لائق نہیں یعنی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نہ ہی اس کی اولاد ثابت کرو اور نہ وہ صفات ہی اس کے لئے بناؤ جو مخلوق کی ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ اس کی نماز پڑھو۔ السبحۃ سے ہے بمعنے دعاء و صلوٰۃ نفلی (القاموس) میں ہے کہ التسبیح بمعنے صلوٰۃ اسی لیے ہے "فلولا انہ کان من المسبحین" اگر وہ نماز پڑھنے والوں سے نہ ہو۔ "بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا" صبح و شام بکرہ بمعنے اول النہار اور اصیل بمعنے آخر النہار اس سے دو امور مراد ہیں کیونکہ اس لفظ سے ہمیشہ دوام لیا جاتا ہے۔

نماز پنجگانہ کا ثبوت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ اس سے صبح و ظہر و عصر کی نماز مراد ہے اور عین المعانی میں ہے بکرہ سے صبح کی نماز اور اصیل سے باقی چار نمازیں مراد ہیں۔ آیت سے ثابت ہوا کہ نمازیں پانچ ہیں (اس سے منکرین حدیث اور پرویزیوں کا رد ہوا جو کہا کرتے ہیں کہ نمازیں صرف تین ہیں۔ اویسی غفرلہ)۔

اہلسنت کی تائید: بعض اہل تفاسیر نے فرمایا کہ وتعزروہ و توقروہ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اس سے تفکیک لازم آتی ہے وہ اس لیے کہ رسولہ و تسبحوہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔

اور یہ قطعی امر ہے باوجود اینہمہ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے تعزروہ وتوقروہ کی ضمیر لوٹائی جا سکتی ہے[1] اور آپ کی تعظیم و توقیر سے آپ کی سنت کی اتباع مراد ہے ظاہراً بھی باطناً بھی کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) موجودات کا خلاصہ ہیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہ صدیوں

تیرے صدقے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: پہلے مندرجہ ذیل فیصلہ دے گئے اگر کوئی مان لے تو دور حاضرہ کے اکثر مسائل اختلافیہ حل ہو سکتے ہیں فرماتے ہیں[1] کہ

وھو المحبوب الاصلی وماسواہ تبع لہ فلھذا ارسلہ اللہ شاھدا فانہ لما کان اول مخلوق خلقہ اللہ تعالیٰ کان شاھدا بوحدانیۃ الحق وربوبیۃ و شاھدا ما اخرج من العدم الی الوجود من الارواح والنفوس و الاجرام والارکان والاجسام والاجساد والمعادی والنباتا والحیوان والملک والجن والشیطان والانسان وغیر ذلک لئلا یشذ عنہ ما یمکن للمخلوق درکہ من اسرار افعالہ وعجائب صنعہ و غرائب قدرتہ الحیث لایشادکہ فیہ غیرہ (روح البیان ج ۹ ص ۱۸ مطبوعہ بیروت)

وہ محبوب اصلی ہیں اس کے ماسوا ہر شے اس کی طفیل ہے اس لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے شاہد بنا کر بھیجا اس لیے کہ آپ اول المخلوق ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اسی لیے آپ اللہ تعالیٰ کی توحید و ربوبیت کے پہلے شاہد ہیں اور آپ اس ہر چیز کے شاہد ہیں جو عدم سے وجود میں آئی وہ ارواح ہوں یا نفوس ہوں وہ ارکان ہوں یا اجسام واجساد وہ معادن ہوں یا نباتات ہوں وہ حیوانات ہوں وہ ملک ہوں یا جنات وہ شیاطین ہوں یا انسان وغیرہ وغیرہ تاکہ آپ سے مخلوق کی تخلیق کے اسرار میں سے کوئی راز مخفی نہ رہے وہ اسرار افعال ہوں یا عجائب صنعت ہو یا غرائب قدرت کہ اللہ تعالیٰ کا ان میں کوئی شریک نہیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہ

علم غیب کلی کا دعویٰ از رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: مذکورہ بالا عبارت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں[2] کہ اسی نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ "علمت ما کان وما یکون" میں نے جان لیا جو کچھ ہوا اور ہوگا۔

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ [2] اضافہ اویسی غفرلہ

فائدہ: اس حدیث شریف کی دلیل میں صاحب روح البیان[1] نے لکھا کہ "لانه شاهدا لكل وما غاب لحظة وشاهد خلق آدم عليه السلام والاجله قال كنت نبيا وآدم بين الماء والطين[2] کیونکہ آپ کل کے شاہد ہیں آپ سے کوئی شے ایک آن کے لئے غائب نہیں آپ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے شاہد ہیں اسی لیے فرمایا " میں نبی تھا اور آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے"۔ یعنی میں پیدا ہو چکا اور مجھے علم تھا کہ میں نبی ہوں گا اور میرے لئے نبوت کا حکم ہو چکا اور آدم علیہ السلام اس درمیان میں تھے کہ ان کی روح اور جسم پیدا ہو گئے لیکن ان کے اتصال سے گویا وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

جملہ مخلوق پر شاہد ہونے کا معنیٰ: آیت انا ارسلنٰک شاهدا کے معنیٰ میں ہمارے دور میں کچھ کا کچھ بتایا جاتا ہے جو حقیقت کے بالکل منافی ہے۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ شاهد کا معنیٰ بتاتے ہیں وشاهد خلق آدم کے بعد لکھا کہ

فشاهد خلقه وما جرى عليه من الاكرام والاخراج من الجنة بسبب المخالفة وما تاب عليه الى آخر ما جرى عليه وشاهد خلق ابليس وما جرى عليه من امتناع السجود لآدم والطرد واللعن بعد طول عبادته ووفور علمه بمخالفة امر واحد فحصل له بكل حادث جرى على الانبياء والرسل والامم فهوم وعلوم[3]

تو آپ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے شاہد اور جو ان پر جاری ہوا اکرام اور بسبب مخالفت کے بہشت سے نکالنے کے اور جب انہوں نے توبہ کی اور جو ان کے حالات گذرے آپ ہر ہر معاملہ کے شاہد ہیں اسی طرح تخلیق ابلیس کے اور جو اس پر گذرا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا دور ہٹایا گیا اور بہت بڑی عبادت اور وافر علم کے باوجود بارگاہ حق سے دور کیا گیا ان تمام حالات کے آپ شاہد ہیں آپ کو ہر وہ حوادث جو انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی امتوں پر گذرے اور ان کے تمام حالات اور ان کے علوم و فہوم کے آپ شاہد ہیں۔

نبی نور اور نور گیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: صاحب روح البیان قدس سرہ مذکور بالا عبارت لکھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت مقدسہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:۔

ثم انزل روحه فى قالبه ليزداد له نور على — پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک آپ کے جسم

---

[1] ج ۹ ص ۱۹ [2] اضافہ اویسی ۱۲ [3] روح البیان ج ۹ ص ۱۸

نور فوجود کل موجود من وجودہ و علوم کل نبی و ولی من علومہ حتی صحف آدم و ابراھیم وموسیٰ وغیرھم (علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) من اھل الکتب الالہیۃ[1]

میں نازل فرمائی تاکہ آپ کے نور میں اضافہ ہو ہر موجود کا وجود آپ کے وجود سے ہے اور ہر نبی علیہ السلام کے علوم ایسے ہی ہر ولی کے علوم یہانتک کہ آدم و ابراہیم و موسیٰ وغیرہم علیہم السلام و دیگر کتب الٰہیہ کے علوم آپ کے علم سے ہیں۔

ہر امتی نگاہِ نبوت میں: مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھا کہ

وقال بعض الکبار ان مع کل سعید رقیقۃ من روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی الرقیب العتید علیہ فاعراضہ عنہا بعدم اقبالہ علیہا سبب لانتہاکہ ولما قبض الروح المحمدی عن آدم الذی کان بہ دائما لایضل ولا ینسی جری علیہ ماجری من النسیان ومایتبعہ والیہ الاشارۃ بقولہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا یزنی الزانی حین یزنی و ھو مؤمن[2]

بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ ہر سعادتمند کے ساتھ نبی علیہ السلام کی روح رفیق ہے آپ کی روح نگہبان و نگران ہے جس سے آپ منہ پھیر لیں اس سے سعادت دور ہوجاتی ہے اس لیے کہ اس نے گستاخی و ہتک کی ہے جب تک آدم علیہ السلام کے ساتھ روح محمدی رہی تو محفوظ رہے جب ان سے روح قبض کی گئی پھر ان سے وہی ہوا جو مشہور ہے اسی طرف حدیث شریف میں اشارہ زانی نہیں حالانکہ وہ مومن ہو۔

یعنی زانی سے نور ایمان ہٹ جاتا تو پھر وہ زنا کرتا ہے۔ (معاذ اللہ)

ہر نبی ولی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہر نبی علیہ السلام کو ولایت و نبوت ہر دونوں سے نوازا جاتا ہے اگر وہ رسول ہوں تو ان کو ولایت۔ نبوت۔ رسالت ہر تینوں سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے وہ اپنی رسالت کو جانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں وہ اپنی طرف یا اپنے اہل و عیال کی طرف یا تمام کی طرف رسول ہوتے ہیں پس رسول علیہ السلام مرسل الیہم کی ضروریات کے مطابق وہ اپنی رسالت کے عالم ہوتے ہیں ان کے ماسوا آشنا جانتے ہیں کہ وہ ولایت سے سرفراز ہیں جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان

---

[1] روح البیان ج ۹ ص ۱۸ [2] ایضاً۔

رابطہ حاصل ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ کل قیامت جتنا امت زیادہ ہوگی اتنا ہی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی فضیلت کا اظہار ہوگا۔ اسی لیے قیامت میں بعض انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے توان کے ساتھ مستقل امت ہوگی بعض کے ساتھ صرف اپنی برادری ہوگی بعض کے ساتھ ایک گروہ ہوگا بعض کے ساتھ دس سے کم آدمی ہوں گے بعض کے ساتھ صرف ان کا صاحبزادہ ہوگا بعض وہ ہوں گے جن کے پاس کوئی بھی نہ ہوگا کیونکہ جتنا تبلیغ کی کوئی بھی ان کی بات ماننے کو تیار نہ ہوا۔

واہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ ہی نور من اللہ ہیں:

چونکہ ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نور من نور اللہ ہیں اسی لیے آپ نے عالم کے ظاہر و باطن کو منور فرمایا اسی لیے آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ سعادتمند ہے[1] اسی لیے آپ کی امت کی اسّی صفیں ہوں گی اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام از آدم تا عیسیٰ علیہ السلام کی کل چالیس صفیں ہوں گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں مبشر کہا کیونکہ آپ تمام سرخ و سیاہ کی طرف بھیجے گئے اور انہیں فرمایا گیا کہ آپ ان کو خوشخبری سنائیں کہ جو بھی آپ کی اتباع کرے وہ مرتبۂ محبوبیت سے نوازا جائے گا یہ وہ مرتبہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے خلاف صرف آپ کے لئے مخصوص ہے۔ اور آپ کو نذیر بنا کر بھیجا تاکہ آپ اپنی امت کو بتائیں کہ وہ دوسری امتوں کی طرح اللہ تعالیٰ سے منقطع نہ ہو جائیں کہ دوسری اکثر امتیں منقطع ہوئیں تو کسی کے نہ رہے حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

مرد تا روی نیارد ز دو عالم بخدا
مصطفےٰ وار گزیں ہمہ نشود

ترجمہ۔ انسان جب تک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح جملہ عالم سے روگردان نہ ہو وہ حضور کی طرح کبھی برگزیدہ نہ ہو سکے گا۔

ہم اللہ سے اس کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے سامنے کھڑے ہونے کے دافر حصّہ کا سوال

---

[1] اصل عبارت ملاحظہ ہو تاکہ شرک کے مفتیوں کی شرارت کا علم ہو۔ صاحب روح البیان نے یوں لکھا کہ "ولما جاء نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورٌ من نور اللہ نور العالم ظواهرها وبواطنها فكانت امته اسعد الامم (پارہ ۲۶ سورہ فتح ص۱۹/۹۷) ترجمہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس سے خود سمجھ لیں کہ جو لوگ کہتے ہیں حضور کو نور من نور اللہ کہنا شرک ہے تو پھر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا رائے ہے بینوا توجروا۔ اویسی

کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ" (بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں)
حل لغات: المبایعۃ بمعنے بیع کرنا یا بیعت اور عہد کرنا یعنی وہ لوگ جو آپ سے درخت کے نیچے قریش سے جنگ کرنے کا عہد کرتے ہیں یعنی وہ جو حدیبیہ میں آپ سے بیعت کرتے ہیں۔

فائدہ: معاہدہ کو مبایعت کا اس لیے نام دیا گیا ہے کہ اسے معاوضہ مالیہ کے ساتھ مشابہت ہے

امام اہلسنت مجدد دین و ملت شیخ احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے

تفسیر امام احمد رضا: آیت ھذا کی تفسیر میں لکھا کہ

دین اسلام بھیجنے قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمہارا مولیٰ تبارک و تعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے۔ اول[۱] یہ کہ لوگ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔ دوم[۲] یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کریں۔ سوم[۳] یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔ مسلمانو ان تینوں جلیل القدر باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ اس لیے کہ بغیر ایمان تعظیم بکار آمد نہیں۔ بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضاتِ کافرانِ لئیم میں تصنیفیں کر چکے۔ لکچر دے چکے مگر جبکہ ایمان نہ لائے کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے، پھر جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو عمر بھر عبادت الٰہی میں گذارے سب بیکار و مردود ہے بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر و عبادتِ الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لا الٰہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں، مگر ازاں جا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کیا فائدہ اصلاً قابل قبول بارگاہِ الٰہی نہیں اللہ عزوجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے۔ وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ٭ جو کچھ اعمال انہوں نے کیے ہم نے سب برباد کر دیئے"۔ ایسوں ہی کو فرماتا ہے عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ ٭ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً ٭ عمل کریں اور مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا یہ کہ بھڑکتی آگ میں بیٹھیں گے"۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم مدارِ ایمان و مدارِ نجات و مدارِ قبول اعمال ہوئی یا نہیں کہو ہوئی اور ضرور ہوئی۔ (از تمہید ایمان ص۲-۳)

آیت ھذا کی مزید تشریح و تفسیر فقیر کی جمع کردہ تفسیر امام احمد رضا میں دیکھیے۔

کہ جیسے مبایعت میں مال کا بدلہ مال ہوتا ہے یہاں بھی ایک قسم کا بدلہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت اور مشرکین سے جنگ کرنے پر ثابت قدمی کا وعدہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ثواب ورضامندی خداوندی کا وعدہ بخشا۔

حکایت: بعض انصار نے بیعت عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ اپنے لیے اور اپنے رب تعالیٰ کے لئے ہم سے جو کچھ لینا چاہیں فرمادیں آپ نے فرمایا میں اپنے رب تعالیٰ کے لئے تو یہ شرط کرتا ہوں کہ تم نے صرف اسی کی عبادت کرنی ہے اور اس کا کوئی شریک نہ بنانا اور اپنے لیے یہ کہتا ہوں کہ مجھے دشمنوں سے ایسے بچانا جیسے تم خود کو اور اپنی اولاد اور عورتوں کو بچاتے ہو اس پر حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی تو اس معاہدہ پر ہمیں ملے گا کیا۔ آپ نے فرمایا جنت۔ عرض کی یہ سودا ہمیں قبول ہے ہم اس سے نہ بدلتے ہیں اور نہ ہی اس بیعت کو واپس کریں گے۔

"اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ" (بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرتے ہیں یعنی جو آپ کی بیعت کر رہا ہے وہ گویا اللہ سے بیعت ہو رہا ہے گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جنت کے لئے اپنی جانیں پیش کر دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ (بیشک اللہ نے ان سے ان کے نفس اور اموال خریدے بہشت کے بدلے میں) اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس کی توثیق یوں ہوگی کہ وہ اوامر و نواہی کے پابند ہوں گے۔

فائدہ: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ انہیں ثواب اللہ تعالیٰ سے ہی نصیب ہوگا اسی لیے وہ گویا اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت ہوئے اور حضور علیہ السلام تو ان کے درمیان ایک سفیر (وسیلہ) ہیں اسی لحاظ سے گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں یہی تقریر ہوگی۔ "یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" (اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) حرف تشبیہ محذوف ہے تاکید میں مبالغہ کی وجہ سے اور ہاتھ کا ذکر اس لیے ہے کہ بیعت کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑتے تھے جیسا کہ اہل عرب کی معاقدہ و معاہدہ کے وقت عادت ہوتی تھی اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ کی شرافت کی عظمت کا اظہار ہے جب وہ اہل ایمان بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر آپ کا مبارک ہاتھ اوپر ہوتا تھا کہ آپ کے ہاتھ پاک کو ید اللہ (اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کہا گیا) جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت رضوان میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے تو اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہے اور یہ دولت عظمیٰ سوائے

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اور کسی صحابی کو نصیب نہ ہوئی۔ بیعت رضوان میں ان کا حاضر نہ ہونا حاضر ہونے سے بہتر ثابت ہوا۔

فائدہ : بعض علماء نے فرمایا کہ یہ استعارہ تخییلیہ ہے ہاتھ اور باقی صفات اجسام سے اور لفظ اللہ یداللہ میں استعارہ بالکنایہ ہے ان بیعت والوں سے جو بیعت کے وقت ہاتھ بڑھاتے تھے اور لفظ ید استعارہ تخییلیہ ہے اس سے مراد وہ صورت منتزع جو ہاتھ کے مشابہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور اہل ایمان کے ہاتھوں کے اجتماع کی مشاکلت سے تخییلیہ کے حسن میں اضافہ ہوا ہے۔

فائدہ : ہر دونوں قولوں پر لفظ ید یداللہ فوق ایدیھم سے ماقبل کی تاکید مراد ہے اسی سے مقصود تقریر ہے اس مضمون کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقد و عہد بعینہٖ اللہ تعالیٰ سے ہے ان میں کسی کا فرق نہیں (کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نائب اعلیٰ اور خلیفہ اعظم ہیں، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اویسی غفرلہ)

فائدہ : تحقیق یہ ہے کہ اگرچہ یہ بظاہر ایک تمثیل ہے لیکن یہ بھی عوام کو سمجھانے کے لئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کے ساتھ کر رہے ہو وہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ سے کر رہے ہو بغیر کسی فرق و تفاوت ہے تو یہ عقد جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صورۃً ہے یا حقیقۃً تمہاری عقد اللہ تعالیٰ سے ہے اس کا اشارہ آئندہ آئے گا (انشاء اللہ)

حل لغات : المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں فلاں ید فلاں یعنی وہ اس کا مددگار ہے اسی لیے اولیاء اللہ ایدی اللہ (اللہ تعالیٰ کے ہاتھ) کہا جاتا ہے اسی محاورہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ان الذین یبایعونک (الآیۃ)

اس کی تائید حدیث قدسی سے ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ

حدیث قدسی : لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و یدہ التی یبطش بھا۔

میری طرف نوافل کے ذریعہ بندہ قریب ہوجاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

اب ید کا معنی قوت و نصرت ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کی قوت و نصرت ان کی قوت و نصرت پر تھی گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہا گیا کہ اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ تعالیٰ کی نصرت و قوت پر بھروسہ کیجیے نہ کہ اپنے یاروں کی قوت و نصرت پر ہاں ان سے اللہ تعالیٰ کی نصرت و قوت کی بیعت لے لیجیے تاکہ جنگ کے وقت انہیں قوت و ثبات نصیب ہو۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ہر دونوں جگہوں میں ید بمعنے احسان و بیعت ہے اب معنی یہ ہوا

فائدہ: کہ ہدایت الی الایمان میں ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ایسے ہی بیعت الرضوان بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ان پر تھا تو جو کچھ کرنا تھا انہوں نے کر دکھلایا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا کہ "بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان" بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی۔

حضرت سدی نے فرمایا کہ وہ بیعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑتے

فائدہ: تھے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کے اوپر تھی کہ یہ بیعت توڑیں گے نہیں اور نہ اسے بیکار چھوڑیں گے یہ اس محاورہ سے ہے کہ جب آدمی بیع کرنے کے ارادہ پر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ رکھتے تو ایک تیسرا اپنا ہاتھ ان کے درمیان میں رکھ دیتا تاکہ وہ انہیں بیع کو پکا کرنے تک ان کی حفاظت کرے ایسے ہی (بلا تمثیل) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت منجملہ ان آیات کی طرح ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا

من توشدم: "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اس کی وجہ حقیقی وہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فانی فی اللہ ہیں اپنے وجود سے بالکل فنا چکے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات افعال میں گم تھے اسی لیے آپ سے جو کچھ صادر ہوتا وہ گویا اللہ تعالیٰ سے ہی ہوا ہے اسی لیے آپ کی بیعت اللہ تعالیٰ کی بیعت ہوئی جیسے آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔

سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مقام جمع کی بات ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرتبہ

تفسیر صوفیانہ: جمع کی کسی کے لئے تصریح نہیں فرمائی سوائے اس ذات کے جو جملہ موجودات سے اشرف و اخص ہے اسی لیے قیامت میں آپ کہیں گے امتی امتی بخلاف دوسروں کے کہ وہ نفسی نفسی کہیں گے کیونکہ آپ میں اپنا وجود نہ رہا تھا اور یہی حالت اولیاء کی ہے جو آپ کی امت میں ہو گزرے یا ہوں گے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے (ورنہ وہابی ہو جاؤ گے) اب معنٰی یہ ہوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ یعنی اس کی قدرت ظاہرہ جو قدرت نبوی ان کی قدرت ظاہرہ میں جو ان کی ہاتھوں میں ظاہر ہوئی کیونکہ آپ اسم اعظم محیط جامع کے مظہر ہیں باقی تمام اسماء اسی اسم محیط کے گھیرے میں ہیں اس معنٰی پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات کے لئے بمنزلہ سلطان کے ہیں۔ مقام عین الجمع میں ید اللہ فوق ایدیھم مزید تصریح ہے ماقبل سے معنی اطلاقی کے حصول کے لئے

آئینہ جمال اور مظہر کمال: ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے آئینہ اور

جملہ کمالات الٰہیہ کے مظہر ہیں یہ صرف ہمارا عقیدہ نہیں بلکہ اسلاف صالحین کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ صاحب روح البیان صدیوں پہلے لکھ گئے کہ

والحاصل ان اللہ جعل نبیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہرالکمالاتہ ومرآۃ تجلیاتہ ولذا قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من رآنی فقد رای الحق

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو اپنے کمالات کا مظہر اور اپنی تجلیات کا آئینہ بنایا ہے اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا۔

نائب خدا اور خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب اعظم وخلیفہ اول ہیں یہ عقیدہ اسلاف صالحین کا ہے۔ صاحب روح البیان نے لکھا:۔

ولما فنی علیہ الصلوٰۃ والسلام عن ذاتہ وصفاتہ وافعالہ کان نائبا عن الحق فی ذاتہ وصفاتہ وافعالہ کما قیل ع

نائبست ودست اودست خدا[1]

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ذات وصفات وافعال سے فانی ہوئے تو حق تعالیٰ کے ذات وصفات وافعال میں نائب ہوئے جیسے کہا گیا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

انا الحق وسبحانی ما اعظم شانی لیس فی الجبۃ غیر اللہ: اسی مقام پر حضرت منصور حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ''انا الحق'' (میں خدا ہوں) اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ''سبحانی ما اعظم شانی'' (میں ہی سبحان ہوں اور میری بڑی شان ہے) اور حضرت سعید خراز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لیس فی الجبۃ غیر اللہ'' (جبہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں) اور ان کا ایسا کہنا مبنی بر فناء تھا جس کی وجہ سے وہ معذور تھے اسی لیے انہیں ایسے کلمات پر کافر نہ کہا جائے گا۔

بشریت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حقیقی بشریت نہیں: ہم اہلسنت کہتے ہیں ؎

حقیقت محمد کی پا کوئی نہیں سکتا
یہاں چپ کی جا ہے بتا کوئی نہیں سکتا

---

[1] روح البیان ج ۹ ص ۳، ج ۲ ص ۲

اور آپ کی بشریت کے بھی ہم قائل ہیں لیکن وہ آپ کی حقیقی بشریت نہیں بلکہ عارضی ہے چنانچہ صاحب روح البیان نے فرمایا ہے کہ

قال الواسطی اخبر اللّٰہ لھٰذہ الآیۃ ان البشریۃ فی نبیہ واضافتہ لاحقیقۃً فظاھرہ مخلوق و باطنہ حق[1]

واسطی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت عارضی - اضافی ہے حقیقی نہیں آپ کا ظاہر مخلوق اور باطن حق ہے -

وہ سجدہ کیجیے جو سر کو خبر نہ ہو : ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظاہر کے احکام اور ہیں باطن کے اور چنانچہ صاحب روح البیان نے لکھا کہ

ولذا یجوز السجدۃ الباطنہ دون ظاھرہ من عالم التقیید و باطنہ من عالم الاخلاق و اذا کانت الصلوٰۃ جائزۃ علی الموتی فما ظنک بالاحیاء (فاعرف جدا) فانہ جازت الصلوٰۃ علی الموتی لانھم علی حقہ من الحقیقۃ المحمدیۃ الجامعۃ الکلیۃ[2]

اسی لیے آپ کے باطن کو سجدہ جائز ہے ظاہر کو نہیں کیونکہ عالم ظاہر مقید ہے آپ کا باطن عالم اخلاق سے ہے جب مردگان کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے تو پھر زندوں (انبیاء و اولیاء) کے لئے کیسے ہوگا اس لیے کہ وہ حقیقۃً حقیقت محمدیہ سے ہیں -

تفسیر عالمانہ : "فَمَنْ نَّكَثَ" تو وہ جو توڑتا ہے -

حل لغات : "النکث" رسی اور ناگرہ وغیرہ توڑنا نقض عہد کے لئے استعارہ کیا گیا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بس وہ جو عہد و بیعت کو توڑے گا اور اس کے پختہ اور مضبوط ہونے کے بعد زائل کرے گا "فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ" تو وہ توڑتا ہے اپنے لیے یعنی اس کے توڑنے کا نقصان اسے خود ہے کیونکہ اسے وہی خود توڑ رہا ہے تو نقصان بھی اسے ہی ہوگا نہ کسی اور کو -

"وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ" (اور جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتا ہے -)

حل لغات : "علیہ" کی ہا مضموم ہے اس لیے کہ یہ واو کے محذوف ہونے کی وجہ سے ہا اپنی

---

[1] روح البیان ج ۹ ص ۲۱ ، [2] ایضاً

حالت پر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ اصل میں ھُوَ تھا اس طرح اسے لام اللہ پر پڑھی جا سکے گی اور اس سے لفظ اللہ کی تعظیم و تضخیم کا اظہار ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو اپنے معاہدہ کو پورا کرتا ہے اور اس پر پابند رہتا ہے اور اسے تکمیل کرتا ہے "فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝" تو اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا) یعنی جنت اور اس کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے جمال با کمال کا دیدار۔

فائدہ: نکث سے مراد ابتداء معاہدہ نہ کرنا یا معاہدہ کر کے توڑنا دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

حدیث شریف: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شجرہ کے نیچے موت پر بیعت کی اور معاہدہ کیا کہ ہم کسی بھی جنگ سے منہ نہیں موڑیں گے اور بفضلہ تعالیٰ ہم سب اس معاہدہ پر پورے اترے سوائے جد بن قیس کے کیونکہ وہ منافق تھا بیعت کے وقت وہ اپنے اونٹ کے کجاوے میں چھپ گیا تھا۔ اپنی قوم کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر نہ ہوا باوجودیکہ انہوں نے اسے بیعت کے لئے بلایا بھی لیکن حاضر نہ ہوا۔

چاہ کندہ را چاہ درپیش: تین شخص ایسے ہیں کہ ان کے اپنے فعل کا ضرر خود انہی کو پہنچتا ہے:-
(۱) مکر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ" برا فریب اپنے اہل کو گھیر لیتا ہے۔

(۲) ظلم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انما بغیکم علیٰ انفسکم" تمہاری بغاوت کا ضرر خود تمہارے اوپر لوٹ آئے گا۔

(۳) نقض عہد: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ" وہ عہد شکنی کرتا ہے تو اس کا نقصان خود اٹھائے گا۔

فائدہ: عہد و پیمان کے بارے میں بزرگوں نے فرمایا ؎

پیمان شکن کہ ہر کہ پیمان بشکست
از پائے در افتادہ بر ان رفت ز دست
آنرا کہ بدر دست بود پیمان الست
نشکستہ بہیچ حال ہر عہد کہ بست

ترجمہ۔ عہد نہ توڑ کیونکہ جس نے عہد توڑا وہ ذلیل ہوا اور ہاتھ سے باہر ہوا یعنی خوار ہوا ہوا کے ہاتھ میں ہے پیمان الست۔ اس نے کسی حالت میں بھی کوئی عہد نہ توڑا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ازدم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ ۔ صبح ازل سے شام عہد تک، دوستی و محبت میں ایک عہد و میثاق پر ہونا چاہیئے۔
اور فرمایا ؎

پیمان شکن ہر آئینہ گردد شکستہ حال
ان العہود الذی اہل النہم ذمم

ترجمہ ۔ عہد توڑنے والے کا یقیناً برا حال ہوگا کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک عہد نبھانا بڑی ذمہ داری ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ بیعت اسی میثاق سابق کا نتیجہ ہے جو ابتدائے فطرت سے (روز الست) لیا گیا۔ اسی لیے اس کا توڑنا نقصان اور اس کی وفا نفع دیتی ہے۔

بیعت کی قسمیں: حضرت شیخ اسماعیل بن سودکیں (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ بیعت لینے والے تین قسم کے ہیں:۔

(۱) انبیاء و رسل علیہم السلام۔
(۲) مشائخ جو انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث اور صحیح جانشین ہیں۔
(۳) بادشہ ۔ ان تینوں کا حقیقی بیعت والا ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کی اس اتباع کے گواہ ہیں جن کے وہ مامور ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اس کی اتباع کا معاہدہ کریں یہی وجہ ہے کہ ان تینوں کے لیے[1] چند شرائط ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ امر الٰہی کو قائم کریں گے۔ اور بیعت کرنے والوں کے بھی ان امور میں شرائط ہیں جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نائبین کی بیعت کر سکیں۔

بیعت والوں کے شرائط: انبیاء و رسل اور مشائخ اولیاء عظام تو کسی گناہ کا حکم نہیں فرمائیں گے اس لیے کہ انبیاء و رسل تو گناہوں سے بالکل معصوم اور مشائخ و اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور وہ بادشہ جو کسی ولی اللہ سے وابستہ ہوتے ہیں تو وہ بھی گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر جو بادشہ بے مرشد ہوتے ہیں وہ دونوں کی ذلت اور رسوائی اٹھاتے ہیں ایسے

---

[1] اویسی غفرلہٗ کہتا ہے ہمارے دور میں بیعت لینے والوں کی بہتات ہے۔

بادشہ کی معصیت میں اطاعت نہ کی جائے ہاں اس کی (حکومت کے امور میں) بیعت کرنا جائز ہے یہانتک موت آجائے۔ اور ان ہر تینوں کی ان کے متعلقات میں بیعت توڑنے کی سزا جہنم ہے، اس میں وہ ہمیشہ رہے گا نہ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت میں کلام کرے گا اور نہ نظر کرم سے دیکھے گا اور اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

فائدہ: حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ اس کی آخرت کی سزا ہے اور دنیا کی سزا وہ ہے جو حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے اپنے شاگرد (مرید) کے لئے فرمایا جس نے آپ کی بیعت کے بعد مخالفت کی اس کے لئے آپ نے فرمایا کہ ''دعوا من سقط من عین اللہ'' اسے چھوڑوں جو اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے گر گیا۔

مرشد کے دھتکارے ہوئے کا انجام: بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے جس شاگرد (مرید) سے اظہار ناراضگی فرمایا اس کا یہ حشر ہوا کہ چند دنوں کے بعد اسے ہیجڑوں میں دیکھا پھر چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

مرشد (استاذ) کی دعا: اس کے بالمقابل جس شاگرد کو (مرید) استاذ شیخ دعاؤں سے نوازے اس کی سعادت کا کیا کہنا جیسا کہ حضرت دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد (مرید) کا حال مشہور ہے کہ اسے آپ نے فرمایا کہ تنور (جلتی آگ) میں چھلانگ مار دے اس نے فوراً چھلانگ مار دی تو اس کے لئے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی۔

سبق: بیعت کے مطابق پورا اُترنے سے ایسی سعادتیں کرامتیں نصیب ہوتی ہیں۔

مسئلہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آیت ھذا سے طریقۂ بیعت مشائخ اور ان کی تلقین کا ثبوت ملا ایسے قطب الارشاد کہلاتے ہیں کہ وہ مریدین کو تجلی علمی کے بعد تجلی عینی تک پہنچاتے ہیں۔

انتباہ: جو لوگ خود تجلیات سے محروم ہیں وہ ناقص ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی بیعت کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ ارشاد و تسلیک کی قدرت نہیں رکھتے (پھرے آنکہ خود گم است کرا رہبری کند ٭ جو خود گم ہے وہ دوسرے کو کیا خاک رہبری کرے گا۔ اویسی غفرلہ)

بیعت کا ثبوت احادیث مبارکہ سے: (۱) حضرت شداد بن اوس اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے میں کوئی غریب یعنی اہل کتاب تو نہیں ہم نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا دروازہ بند کردو آپ نے فرمایا ہاتھ اٹھا کر کہو" لا الٰہ الا اللہ" ہم نے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک نیچے کیے تو ہم نے بھی ہاتھ نیچے کر دیئے پھر فرمایا الحمد للہ (شکر خدا) اور فرمایا" اے اللہ تو نے مجھے اس کلمہ کو پہنچانے کے لئے مبعوث فرمایا اور وعدہ فرمایا کہ جو اس کا اقرار کرے اس کے لئے بہشت ہے (سو میں نے اسے پہنچا دیا اب تو اپنا وعدہ پورا فرما) اور تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا" پھر ہمیں فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو کہ تم سب کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا[1]

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سات یا آٹھ یا نو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو فرمایا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت نہیں کرتے ہو چونکہ ہم اسلام میں نئے داخل ہوئے اس لیے آپ کی راز کی بات نہ سمجھ سکے تو عرض کر دیا حضور ہم تو آپ سے پہلے بیعت ہو چکے ہیں دوبارہ آپ نے فرمایا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت نہیں ہوتے ہم نے فوراً ہاتھ بڑھا دیئے اور عرض کی حضور ہم کس بارہ میں بیعت کریں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور پانچ نمازیں قائم اور میری اطاعت کرنا پھر آہستگی سے فرمایا کہ کسی سے سوال نہ کرنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس دن بیعت ہونے والوں میں سے بعض کو دیکھا کہ سواری سے چابک گر جاتا تو کسی کو اس کے اٹھانے کا سوال نہ کرتے بلکہ سواری سے اتر کر اسے خود اٹھاتے[2] (رواہ مسلم والترمذی والنسائی)۔

(۳) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے خبر دی ہے کہ ہم نے دکھ سکھ اور خوشی اور رنج میں آپ کی بات ماننے پر بیعت کی ہے اور بسر و چشم تسلیم کیا ہے (کہ نا اہل کو کوئی کام سپرد نہ کریں گے) اور اس کے اہل سے وہ امر نہ چھینیں گے اور جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے اللہ تعالیٰ کے کام میں کوئی خوف نہ کریں گے[3]

شرح الحدیث: اس کے اہل سے اس کا کام نہ چھینیں گے کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اہل کو اس کی صلاحیت پر وہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے گا ہم اس سے چھینیں گے نہیں بلکہ اس

---

[1] ترویح القلوب لعبدالرحمٰن البسطامی قدس سرہ [2] الترغیب والترہیب للمنذری روح البیان۔
[3] عوارف المعارف للسہروردی قدس سرہ ۱۲ روح البیان۔

کے ہی سپرد کریں گے اور حق بات کہیں گے جہاں بھی ہوں گے یعنی دوست اور دشمن اور اپنے پرائے کی موجودگی میں حق بات کہنے سے نہ رکیں گے۔[1]

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کے وقت ہاتھ کو ہاتھ میں دینا چاہیئے لیکن یہ صرف مردوں کے لئے ہے۔

عورتوں کو مرید کرنے کا طریقہ : عورتوں سے بیعت لینی ہو تو ہاتھ نہیں ملانا چاہیئے اس بارہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاط ملاحظہ ہو۔

مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عورتیں حاضر ہوئیں اور بیعت کے لئے عرض کی ساتھ یہ بھی کہا کہ آپ اپنا ہاتھ مبارک دیں تاکہ ہم اسے پکڑ کر بیعت کریں آپ نے فرمایا میرا ہاتھ کبھی بھی کسی غیر عورت کو نہیں لگا ہاں میرا ایک ہی عورت کو جو کہنا ہے وہ سو عورتوں کو بھی کفایت کرے گا اس کے بعد آپ نے انہیں بیعت کیا۔

صحابیات کو تبرک کی طلب : بیعت کے بعد عورتوں نے تبرک طلب کیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ پانی میں رکھ کر اٹھا لیا پھر عورتوں نے اسی پانی کے برتن میں ہاتھ ڈبویا[2] اور ترجمہ، فتوحات مکیہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تا وفات کسی غیر محرم عورت کو ہاتھ نہیں لگایا ہاں عورتوں سے زبانی بیعت فرماتے تھے آپ، کا ایک عورت سے بیعت کا زبان سے کہنا اور سو عورتوں سے بیعت کا کہنا برابر تھا۔

عقبہ ثانیہ کی بیعت : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقبہ ثانیہ میں ستر مردوں سے بیعت لی اور دو عورتوں کی مصافحہ کے بغیر بیعت لی اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی غیر محرم عورت سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے ان سے زبانی بیعت ہوتی تھی اگر بہت زیادہ ہوتیں تب بھی سب کو زبانی فرما دیتے تھے کہ جاؤ تمہاری بیعت ہو گئی۔[3]

مسئلہ : الاحیاء میں ہے کہ عورتوں کو مساجد اور مجالس ذکر سے منع کیا جائے جبکہ خوف ہو کہ فتنہ ہو اس لیے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں روکتی تھیں انہیں عرض کیا گیا

---

[1] حواشی زین الدین الحسامی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲ - روح البیان [2] کذا ذکرہ الشیخ عبد العزیز الدبرینی فی الروضۃ الانیقۃ [3] یعنی احیاء العلوم للغزالی رحمہ اللہ ۱۲ - اویسی غفرلہ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو انہیں جماعات میں جانے سے نہیں روکتے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آجکل کے حالات کو ملاحظہ فرماتے[1] جو کچھ عورتوں نے حالات پیدا کر لیے ہیں تو آپ بھی انہیں روک دیتے۔

فائدہ: عورتوں کا مجالسِ وعظ و ذکر میں حاضر ہونا اگرچہ بلا حجاب ہوں تو انہیں دیکھنا منع ہے جب خطرہ ہو اور برائی میں مبتلا ہونے کا خوف ہو اس سے اندازہ لگائیے کہ ان کے ہاتھ کو پکڑ کر بیعت لینا کتنا خطرناک ہوگا جیسے ہمارے دور کے رسمی پیر اور بدعت (برائی) کے مارے کر رہے ہیں کہ مریدنیوں سے پردہ نہیں کراتے اور ان کے ساتھ خلوت، اور کھلم کھلا میل جول رکھتے ہیں بلکہ بعض تو ایسے بدمعاش ہوتے ہیں کہ وہ خوشبو اس ارادہ پر لگاتے ہیں کہ ان کی محافل و مجالس میں عورتیں زیادہ سے زیادہ آئیں پھر وہ اسی حالت میں ان سے بیعت لیتے ہیں جیسا کہ ہم نے بعض جگہ دیکھا ہے[2]

---

[1] عالم دنیا میں ہوتے ہوئے ورنہ آپ تو مزار شریف میں آج بھی ہر شئے کو دیکھ رہے ہیں ۱۲۔ اویسی غفرلہ

[2] صاحب روح البیان قدس سرہ نے تو سنا ہے لیکن ہم تو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں انہوں نے ایک آدھے ایسے بدمعاش کا نام سنا ہوگا ہم تو سینکڑوں کو دیکھ رہے ہیں بلکہ آجکل تو یہ دھندا زوروں پر ہے بلکہ اکثر صاحبان کا پیری مریدی میں ایسا کرنا عین طریقت ہے ایسے اندھے پیروں کو بھی ویسے ہی اندھے مرید ملتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے اندھے پیروں مریدوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ کاش کوئی مرد مومن پیدا ہو جو اسلام کو ایسے گندے دھبوں اور کالے داغوں سے صاف کر کے صحیح اور سچی پیری مریدی کو فروغ بخشے (آمین) ورنہ اب تو یہ حال ہے کہ جو بھی کسی پیر صاحب کے بارے میں اس کی کسی غیر شرعی حرکت پر آواز اٹھاتا ہے تو اس غریب کو نہ صرف مطعون ٹھہراتے ہیں بلکہ اس کی عزت گھٹانے اور اس کے معاشرہ تنگ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ سے سنت نبوی کا نمونہ:

امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ سنت نبوی کے ایک نمونہ تھے بلکہ دوسروں سے بھی یہی دیکھنا چاہتے۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا پیر خلافِ شرع عمل کرتا اس سے قطع تعلق فرماتے ورنہ کم از کم اس کی اس برائی پر آگاہ فرما کر اس سے اپنی دوستی کے دم بھرنے سے بیزاری کا اظہار فرما دیتے تاکہ اس غلط پیر کو اپنی غلطی کا احساس ہو۔

جس کا پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے: اب ہم پھر موضوع کو شروع کرتے ہیں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا:۔

من لم یکن لہ استاذ فامامہ الشیطان — جس کا استاذ (شیخ) نہ ہو اس کا امام (شیخ) شیطان ہے۔

(روح البیان ج ۹ ص ۳۲)

نکتہ واعجوبہ: حضرت استاذ ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ اپنے شیخ ابو علی الدقاق قدس سرہ کا قول نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو درخت خود بخود کسی کے بونے کے بغیر پیدا ہو جائے اس کے پتے تو پیدا ہو جائیں گے لیکن پھل نہ دے گا آزمایا گیا ہے کہ ایسے ہی بار ہا ہوا ہے ایسے درخت وادیوں اور پہاڑوں میں پیدا ہوتے ہیں اگر اس ایسے درختوں پر میوے ہوتے بھی ہیں تو ان میں وہ چاشنی نہیں ہوتی جو بلغات اور ہاتھوں سے لگائے ہوئے درختوں میں ہوتی ہے بالخصوص وہ درخت جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے۔

نکتہ ومسئلہ: شریعت مطہرہ اس کتے کے شکار کو حلال کہتی ہے جو شکار کا تعلیم یافتہ ہو بخلاف غیر تعلیم والے کہ اس کا شکار حرام ہوتا ہے۔

فائدہ: ہم نے مشائخ کرام سے سنا ہے کہ جسے استاذ کا ہاتھ نصیب نہ ہو وہ ہمیشہ ناکام رہے گا۔

تعلیم نبوی اور صحابہ کرام: ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست علوم و آداب حاصل کیے جیسا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مسئلہ سکھاتے یہاں تک کہ رفع حاجات کے آداب اور طریقے بھی۔

فائدہ: الخراءۃ بکسر الخاء المعجمۃ بمعنے قضاء حاجت۔

سبق: طالب حق کو ضروری ہے کہ وہ ایسے ادیب کامل و استاذ حاذق (شیخ کامل) سے آداب سیکھے جو نفوس کی آفات اور اعمال کے فسادات اور دشمن کی گھاتیں بتائے بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کرائے۔ جب ایسا استاذ کامل (مرشد و رہبر) مل جائے تو پھر اس کی صحبت کو لازم پکڑے اور اس سے آداب شریعت و طریقت حاصل کرے تاکہ اس کے باطن کے اثرات، اس کے باطن پر اثر انداز ہوں اور اس کا باطن زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور وہ فیض اسے یوں پہنچے گا جیسے ایک دیا دوسرے دیا سے روشن کیا جاتا ہے اور خود بھی اپنے نفسانی خیالات و تصورات و خواہشات سے بالکل خالی ہو جائے کیونکہ شیخ کامل کے سامنے تسلیم و رضا یوں ہو جیسے اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہونا

چاہیئے کیونکہ مشائخ کا سلسلۂ تسلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا ہے اور وہاں سے اللہ تعالیٰ تک مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ
والذی یبصر لمن وجہی رآی

(۲) چوں چراغے نور شمعی را کشید
ہر کہ دید انرا یقیں آں شمع دید

(۳) ہمچنیں تا صد چراغ از نقل شد
دیدن آخر لقائے اصل شد

(۴) خواہ نور از واپسیں بستان جان
ہیچ فرقے نیست خواہ از شمعدان

ترجمہ۔ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے دیکھا مجھے اس کی قسم جو دیکھتا ہے واقعی اس نے میرا چہرہ دیکھا۔
(۲) جیسے نورِ شمع سے چراغ نور کھینچتا ہے جس نے چراغ کو دیکھا اس نے یقیناً شمع کو دیکھا
(۳) ایسے صد چراغ روشن ہوں تو سب کا دیکھنا گویا اصل کا دیکھنا ہے۔
(۴) اب چاہے آخری سے روشنی لو اے جان من خواہ اول سے اس میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر حجر اسود اللہ تعالیٰ کا سیدھا ہاتھ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زمانہ نہ پا سکا وہ حجر اسود کو ہاتھ لگا لے اس طرح سے گویا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بیعت ہو گیا۔

حدیث شریف: ایک اور روایت میں ہے کہ زمین میں رکن اللہ تعالیٰ کا سیدھا ہاتھ ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے جس طرح تم اپنے ایک دوسرے کا مصافحہ کرتے ہو۔

شرح الحدیث: حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ جب بادشاہوں کی حاضری دی جاتی ہے تو سب سے پہلے اس کے ہاتھ چومے جاتے ہیں جب حاجی یا عمرہ والے کو بتایا کہ حجر اسود کو چومیں تو اسے بمنزلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے متعین کیا گیا اس کا چومنا گویا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو چومنا ہے اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ مثل کا مالک ہے ایسے ہی جو اس کے ہاتھ کو چومتا ہے اس کا بھی اللہ

تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہو جاتا ہے جیسے بادشاہ اپنے سے مصافحہ کرنے والے کو عطیات و تحائف سے نوازتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اہل حق کے نزدیک کعبہ میں مرتبۂ ذات احدیت کی طرف اشارہ ہے اور ذات احدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر متجلّی ہوئی جمیع اسماء وصفات سمیت اس معنیٰ پر کعبہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت مبارکہ اور حجر اسود آپ کا ہاتھ پاک ہوگا۔ اور کعبہ کی حقیقت کا سر (مخفی راز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک ہے اور حجر اسود کی حقیقت کا سر (مخفی راز) آپ کا مقدس ہاتھ ہے۔

ولی اللہ کعبہ سے افضل: یہی وجہ ہے کہ

الانسان الکامل	انسان کامل (ولی اللہ) کعبہ سے افضل ہے ایسے
افضل من الکعبۃ وکذا یدہ اولیٰ من الحجر	ہی اس کا ہاتھ حجر اسود سے

(روح البیان ج ۹ ص ۲۳)

کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد وہ تجلیات آپ کے وارثین کی طرف منتقل ہوئیں اسی لیے وہ کعبہ وحجر اسود کی حقیقتوں کے اسرار کے مظاہر ہیں۔

شریعت وحقیقت: اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حجر اسود کو چومنا شریعت اور اولیاء کے ہاتھ چومنا حقیقت (طریقت) ہے اور ان کی بیعت درحقیقت بعینہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیعت ہے جب بیعت والے کی بیعت دودھ پینے اور دودھ چھڑانے کے دوران ہو تو وہ اس وقت تک بیعت والے سے جدا نہ ہو جب تک اس کا مقصد حاصل نہ ہو جائے اور حصولِ مقصد کا وقت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم کا دروازہ کھل جائے اگر کوئی اس وقت سے پہلے ہی بیعت والے (مرشد) سے جدا ہو گیا تو اسے راستے میں کئی بیماریاں گھیر لیں گی وہ دنیا کے امور میں جلد پھنس جائے گا اور خواہش نفس کی گرفت میں جائے گا یہ ایسے جیسے ولادت کے بعد بچے کا بے وقت دودھ چھڑایا جائے تو وہ بچہ جوانی کو پہنچنے تک کئی بیماریوں کا شکار رہے گا ایسے ہی علم ظاہر کا حال ہے اسی لیے ظاہری علم کے طالب علم کو تکمیل ضروری ہے اس کے بعد استاذ کامل سے اجازت چاہے کہ وہ تدریس کی مسند پر بیٹھے۔

امام ابو یوسف کا استاذ ابو حنیفہ کی طرف سے امتحان: الاشباہ میں ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ

نے اپنے استاذ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بلا اجازت مسند تدریس پر بیٹھ گئے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو بھیج کر ان سے پانچ سوالات پوچھے جو مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) دھوبی نے پہلے تو مالک سے کپڑے کا انکار کر دیا پھر دھو کر لایا ۔ کیا وہ مزدوری کا حقدار ہے یا نہ؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا حقدار ہوگا ۔ سائل نے کہا آپ نے غلط کہا ۔ قاضی صاحب نے فرمایا تم غلطی پر ہو سائل نے کہا اگر وہ انکار کے بعد دھو کر لایا تو مزدوری کا حقدار نہیں اگر انکار سے پہلے دھو کر رکھا تھا تو مزدوری کا حقدار ہوگا ۔ (یہی مفتٰی بہ اور صحیح ہے)

(۲) نماز فرض سے شروع ہوتی ہے یا سنت سے ؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا فرض سے، سائل نے کہا غلط ہے پھر کہا سنت سے سائل نے کہا غلط ہے ۔ سائل نے کہا صحیح یہ ہے کہ دونوں سے کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض اور رفع الیدین سنت ہے ۔

(۳) سائل نے پوچھا کہ پرندہ اگر ہوا سے اس ہانڈی میں گرے جو آگ پر تھی جس میں گوشت اور شوربا ہے کیا اس ہانڈی کا گوشت اور شوربا دونوں حلال ہیں یا ایک یا دونوں حرام ہیں ؟ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا دونوں کھائے جائیں ۔ سائل نے کہا غلط ہے پھر فرمایا نہ کھائے جائیں کیونکہ دونوں حرام ہیں، سائل نے کہا غلط ہے پھر فرمایا اگر پرند گرنے سے پہلے ہانڈی پکی ہوئی تھی تو اسے تین بار دھو کر بوٹیاں کھائی جائیں اور شوربا انڈیل دیا جائے اگر بعد کو پکی ہے تو سارے کا سارا انڈیل دیا جائے ۔

(۴) ایک مسلمان کی زوجہ ذمیہ مرگئی حالانکہ وہ حاملہ تھی، اسے کس گورستان میں دفنایا جائے ؟ امام ابو یوسف نے فرمایا مسلمانوں کے گورستان میں ۔ سائل نے کہا غلط ہے پھر کہا اہل ذمہ کے گورستان میں ۔ سائل نے کہا غلط ہے ۔ اس پر ابو یوسف رحمہ اللہ حیران ہوئے تو سائل نے کہا اسے یہودیوں کے گورستان میں دفنایا جائے لیکن اس کا چہرہ قبلہ سے ہٹایا جائے تاکہ بچہ کا چہرہ قبلہ رخ ہو اس لیے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں جب ہوتا ہے تو اس کا چہرہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے ۔

(۵) کسی کی ام ولد مالک کی اجازت کے بغیر کسی سے نکاح کرے اور وہ اجازت دیئے بغیر فوت ہوگیا تو اس پر عدت مالک کی چاہیئے یا نہ کیونکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسے مالک کی وجہ سے عدت ہے ۔ سائل نے کہا غلط ہے پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس پر کوئی عدت نہیں ۔ سائل نے کہا غلط ہے پھر سائل نے بتایا کہ اگر زوج ثانی نے اس سے دخول کیا ہے تو عدت واجب نہیں ہو ورنہ ہے ۔ اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنی کوتاہی سمجھ کر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ پھل پکنے لگے اس کے استعمال کا یہی نتیجہ ہے ۔

حکایت سعدی تمدیمرہ: ایک شخص کشتی لڑنے میں بینظیر تھا تین سو ساٹھ داؤ پیچ لگا سکتا تھا۔ ہر نئی کشتی میں نیا پیچ لڑتا۔ اس کے دل کا لگاؤ ایک شاگرد سے ہو گیا (محبت ہو گئی) اسے تین سو انسٹھ پیچ سکھائے ایک پیچ نہ بتایا بالآخر شاگرد بھی کشتی لڑنے میں مشہور زمانہ ہو گیا کسی کو اس کے ساتھ مقابلہ کی طاقت نہ رہی۔ ایک دن بادشہ وقت کو کہا کر استاذ کو بھی مقابلہ کی تاب نہیں صرف اسے فضیلت حاصل ہے تو بوجہ استاذ ہونے کے بادشہ کو یہ بات ناگوار گذری حکم فرمایا استاد و شاگرد کو میدان میں لاؤ۔ نوجوان فیل مست ہو کر میدان میں اترا۔ بادشاہ اور وزراء و امراء اور مشیران کار سب جمع ہوئے۔ جوان کی حالت یہ تھی کر اگر اس کے سامنے پہاڑ آجاتا تو اسے بھی اکھاڑ کر ایک طرف پھینک دیتا استاد و شاگرد کا آمنا سامنا ہوا تو استاد نے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور نیچے دے مارا۔ شور برپا ہوا کہ نوجوان گر گیا استاد بازی لے گیا۔ بادشاہ نے استاد کو خلعت اور انعام بخشا اور شاگرد کو ملامت کی کہ تجھے استاد کے مقابلہ سے حیاؤ شرم چاہیئے تھی تو نے اپنے مربّی کا مقابلہ کیا بالآخر ذلت اٹھائی۔ شاگرد نے کہا کہ استاد نے قوت بازو سے مجھ سے بازی نہیں جیتی بلکہ کسی گہرے پیچ سے مجھے پچھاڑا ہے۔ استاد نے کہا واقعی میں نے اس سے ایک داؤ چھپا رکھا تھا کہ اگر یہ میرے مقابلہ کے لئے آئے تو استعمال کروں گا سو وہی استعمال کیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد استاد کی موجودگی میں کبھی نہیں بڑھ سکتا، استاد کو شاگرد پر ہر حیثیت سے فوقیت حاصل ہے۔ ؎

مریداں بقوت زطفلان کمند
مشائخ چو دیوار مستحکم اند

ترجمہ۔ مرید قوت میں بچوں سے کم ہیں۔ مشائخ مضبوط دیوار کی طرح ہیں۔

مسئلہ: "کشف النور عن اصحاب القبور" میں ہے کہ یہ مخصوص لباس جو صوفیہ کرام جسے مختلف طور طریقے سے عمل میں لاتے ہیں مثلاً مختلف ٹکڑے ٹکڑے کر کے گدڑی استعمال کرتے ہیں اور ایسے ہی اُونی کپڑے اور رنگ ورنگ کپڑے پہنتے ہیں اس سے ان کا مقصد تبرک ہوتا ہے جو اپنے مشائخ سابقہ سے حاصل کرنے کی غرض سے پہنتے ہیں انہیں ایسے لباسوں سے نہ روکا جائے اور ان کا حکم دیا جائے۔

مسئلہ: وہ فقہائے کرام و محدثین عظام جو اپنا مخصوص عمامہ استعمال فرماتے ہیں ایسے ہی وہ عسکری (فوجی۔ سپاہی وغیرہ) مخصوص عمامے اور مخصوص لباس (وردیاں وغیرہ)

عمل میں لاتے ہیں آیسے ہی خواص عوام کے لباس مخصوص سب کے سب مباح ہیں ان میں اگرچہ بعض لباسوں کو سنت (نبوی، علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلامؐ) (یا بالکل مناسبت نہیں اگر ہے تو) تو ہم اسے بدعت بھی نہ کہیں گے۔

بدعت کی تعریف: بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نبی علیہ السلام کی سنت کے خلاف گھڑا جائے۔ ایسے ہی وہ عمل صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے کے بھی مخالف ہو۔[1]

مسئلہ: یہ مخصوص عمامے اور لباس اور مختلف ہیئآت بدعۃ فی الدین نہیں بلکہ بدعۃ فی العادۃ ہیں اور نہ ہی یہ سنت کے خلاف ہیں جیسا کہ فقہاء کرام نے سنت کی تعریف کی ہے کہ وہ سنت وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت کے طور عمل فرمایا ہے نہ کہ بطور عادت۔

فائدہ: یاد رہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کے طور کوئی مخصوص عمامہ استعمال نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی عادت کے طور مخصوص لباس پہنتے بلکہ آپ کا ارادہ صرف اور صرف ستر عورت اور گرمی اور سردی کا ضرر دفع کرنا تھا اور بس۔ اسی لیے آپ سے اونی اور روئی وغیرہ کا لباس ہر دونوں طرح منقول ہے اعلیٰ لباس بھی منقول ہے اسفل بھی۔ اسی لیے کسی لباس سے مخالفت سنت لازم نہیں آتی اگرچہ ملبوسات وغیرہ میں اتباع افضل ہے اور وہی مستحب ہے۔

فائدہ صوفیانہ: "عوارف المعارف" میں ہے کہ شیخ (مرشد) کے ہاتھوں خرقہ (اور دیگر قسم کا لباس یا عمامہ وغیرہ) پہننا تسلیم و تفویض کی علامت ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ وہ شیخ کے حکم کا پابند ہے اور شیخ کے حکم کی پابندی اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی پابندی ہے۔ بلکہ اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت متابعت کا احیاء ہے۔

حکایت: بی بی ام خالد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک مخصوص لباس لایا گیا جس میں ایک چھوٹی سی سیاہ ساڑھی بھی تھی وہ لمبائی چوڑائی میں مربع (برابر) تھی اس میں دو نشان تھے اور جس میں ایسے نشان نہ ہوں اسے ساڑھی نہیں سمجھا جاتا تھا آپ نے فرمایا یہ لباس کسے پہنایا جائے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا کہ ام خالد کو لاؤ۔ مجھے

---

[1] ہم بدعت کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں جو صاحب روح البیان صدیوں پہلے بیان فرما گئے چنانچہ ان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو: لان البدعۃ ھی الفعلۃ المخترعۃ فی الدین علی خلاف ما کان علیہ النبی علیہ السلام وکانت علیہ الصحابۃ والتابعون رضی اللہ عنہم ج ۹ ص ۲۴

بلایا گیا میں حاضرِ حضور ہوئی اور مجھے پہنا کر فرمایا " البسی و اخلقی " (اسے پہن اور پرانا کر) دوبار فرمایا۔ آپ نے اس ساڑھی کی طرف نظر کرم فرمائی اس میں ایک نشان زرد اور دوسرا سرخ تھا اور فرماتے رہے اے ام خالد " ھذا اسناء " (یہ حسن) یہ حسن ہے السناء لسان حبشہ میں حسن کو کہا جاتا ہے۔

خرقہ پوشی کا ثبوت : مخفی نہ رہے کہ وہ خرقہ پوشی جو صوفیہ کرام میں دور حاضر میں مروج ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں بحیثیت کذائیہ (طریقہ معلومہ) سے نہ تھا یہ طریقہ اور اس کے ساتھ ایسے اجتماع اور اس کا اہتمام نہ تھا بلکہ اسلاف صالحین خرقہ جانتے نہ تھے اور نہ ہی اس طریقہ سے مریدین کو خرقہ پہناتے تھے اور جس نے ایسا خرقہ پہنایا تو ان کا مقصد بھی صحیح اور اس کا اصل سنت سے ہے اور شرع میں اس کے شواہد ہیں اور جو نہیں پہنتے پہناتے ان کی رائے بھی صحیح ہے اور ان کا بھی اس امر میں مقصد صحیح ہے بہر حال مشائخ کے جملہ طور طریقے سیدھے راہ اور صواب پر مبنی ہیں کیونکہ ان میں ان کی نیت صحیح ہے۔

خرقۂ حسن بصری رحمہ اللہ کا ثبوت : شیخ زین الدین الحافی رحمہ اللہ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ صحیح بلکہ بزرگوں سے منقول ہے کہ مشائخ کی اجازات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں اور آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خرقہ پہنایا اور انہوں نے حضرت حسن بصری و کمیل بن زیاد رضی اللہ عنہما کو پہنایا اور المقاصد الحسنہ میں ہے کہ محدثین تو حضرت علی سے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما سے سماع حدیث کے قائل نہیں چہ جائیکہ انہیں خرقۂ خلافت حاصل ہوا ہو[1]۔

فائدہ : حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ ظاہری لباس اتنا کافی ہے کہ وہ ستر عورت کو کفایت کرے اس سے بڑھ کو زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ زیب و زینت کا سبب بنے اور باطنی لباس تقویٰ ہے وہ ہے محارم سے بچنا اور باطنی لباس یہی ہے کہ مکارم اخلاق سے مزین ہو مثلاً کثرت نوافل ایسے ہی درگذر اور اصلاح۔ اس لیے اولیاء اللہ دونوں لباسوں سے مزین ہوتے ہیں تاکہ ظاہر و باطن کے دونوں حسن کے جامع ہو کر ثواب پائیں اسی لیے وہ خرقہ پہنتے پہناتے ہیں لیکن ان کی

---

[1] حضرت حسن بصری کا خرقۂ خلافت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس کے ثبوت میں ایک رسالہ لکھا ہے حضرت مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہ نے بھی رسالہ لکھا بنام فخر الحسن فقیر اویسی نے بھی ایک کتاب صرف اس موضوع پر لکھی ہے بنام علی حسن۔

کڑی نگرانی لباس باطن پر رہتی ہے اسی کو وہ اصل سمجھتے ہیں اور میرے نزدیک حق یہ ہے (جو میرے دل میں
اللہ تعالیٰ نے ڈال دیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کو مخصوص لباس پہنائے جس کی خبر حدیث
قدسی میں ہے ”ما وسعنی ارضی ولا سمائی ووسعنی قلب عبدی“ (میں زمین میں نہیں سماتا اور
نہ ہی آسمانوں میں ہاں میں اپنے بندے کے دل میں سماتا ہوں) اس لیے کہ کپڑا پہننے والوں سے وسیع
ہوتا ہے۔

فائدہ: ان دونوں لباسوں کو عمل میں لانا حضرت شیخ شبلی اور حضرت خفیف کے زمانہ اقدس سے
شروع ہوا اور ہمارے زمانہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اسی لیے ہم صوفیانہ لباس پہنتے پہناتے
ہیں تو انہی مشائخ کا طبقہ ہے لیکن ہمیں چاہیئے کہ ان کی محبت سے بہرہ ور ہوں اور ان کے عادات
مبارکہ کو اپنائیں تاکہ ظاہر و باطن برابر ہو (اللہ تعالیٰ ہمیں باطن کا لباس تقوٰی عطا فرمائے
جس میں ہماری بھلائی ہو اور ہماری جزئیات و عقائد و اعمال و احوال درست فرمائے یہاں تک کہ
یقین آئے وہی اہل دین کا معین و مددگار رہے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ
بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ
ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن
يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَ
ظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ○ وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا
أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ○ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ
وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ○ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ
إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن
تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا
يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ
شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا
كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○ لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى
الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ○ ع

ترجمہ: اب تم سے کہیں گے جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے مال اور ہمارے گھر والوں نے جانے سے مشغول رکھا اب حضور ہماری مغفرت چاہیں اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں تم فرماؤ اللہ کے سامنے کسے تمہارا کچھ اختیار ہے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تمہاری بھلائی کا ارادہ فرمائے بلکہ اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے بلکہ تم تو سمجھے ہوئے تھے کہ رسول اور مسلمان ہرگز گھروں کو واپس نہ آئیں گے اور اسی کو اپنے دلوں میں بھلا سمجھے ہوئے تھے اور تم نے برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے اور جو ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول پر بے شک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار رکھی ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اب کہیں گے پیچھے بیٹھ رہنے والے جب تم غنیمتیں لینے چلو تو ہمیں بھی اپنے پیچھے آنے دو وہ چاہتے ہیں اللہ کا کلام بدل دیں تم فرماؤ ہرگز تم ہمارے ساتھ نہ آؤ اللہ نے پہلے سے یونہی فرما دیا ہے تو اب کہیں گے بلکہ تم ہم سے جلتے ہو بلکہ وہ بات نہ سمجھتے تھے مگر تھوڑی ان کے پیچھے رہ گئے ہوئے گنواروں سے فرماؤ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں پھر اگر تم فرمان مانو گے اللہ تمہیں اچھا ثواب دے گا اور اگر پھر جاؤ گے جیسے پہلے پھر گئے تو تمہیں دردناک عذاب دے گا اندھے پر تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر مواخذہ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں اور جو پھر جائے گا اسے دردناک عذاب فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ: "سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ" عنقریب پیچھے رہنے والے تمہیں کہیں گے۔

حل لغات: سین استقبالیہ ہے اور المخلفون تخلیف سے ہے بمعنے کسی کو پیچھے چھوڑنا اہل عرب کہتے ہیں خلفتہ (بالتشدید) بمعنے میں نے اسے پیچھے چھوڑا خلفوا اثقالہم تخلیفا بمعنے سامان کو پیٹھ کے پیچھے رکھنا اور فارسی میں بمعنے واپس گذشتن بمعنے پیچھے چھوڑنا اور مخلفون سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ سے دور ہیں یعنے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے محروم ہیں جو دیہاتوں میں رہتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور رکھا ہوا تھا جیسا کہ فرمایا "کرہ اللہ انبعاثہم فثبطہم" اللہ تعالیٰ کو ان کا چلنا ناگوار ہے اسی لیے انہیں بٹھا دیا۔

"وقیل اقعدوا مع الخالفین" اور انہیں کہا گیا کہ پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

عرب و اعراب کا فرق : "المفردات" میں ہے عرب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو کہا جاتا ہے اور اعراب اس کی جمع ہے۔ لیکن پھر بادیہ نشینوں پر اس کا استعمال غالب ہو گیا اسی لیے اعراب کی جمع اعاریب اور اعرابی عرف ان عربوں کا اسم ہو گیا جو دیہاتوں میں رہتے ہیں۔

"القاموس" میں ہے کہ العرب بالضم یا لتحریک عجم کی ضد اور یہ مؤنث ہے وہ عربی جو شہروں میں رہتے ہوں اور اعراب وہ عربی جو دیہاتوں میں ہوں اس کی جمع اعاریب آتی ہے۔

"المختار الصحاح" میں ہے العرب عربی لوگوں کا ایک گروہ اس کے منسوب کو عربی کہا جائے گا اس سے شہری (عربی) کہا جائے گا اور اعراب بھی عربی ہیں لیکن وہ جو دیہاتوں میں رہتے ہوں اس کے منسوب کو اعرابی کہا جائے گا۔ اعراب عرب کی جمع نہیں بلکہ وہ (عرب) اسم جنس ہے۔

فائدہ : ابن الشیخ نے سورہ توبہ میں فرمایا کہ عرب بنی آدم کی ایک خاص صنف ہے وہ شہری ہوں یا دیہاتی ہاں اعراب کا اطلاق دیہاتی عربوں پر ہوتا ہے اس معنیٰ پر اعراب اعرابی کی جیسے عرب عربی کی اور مجوس مجوسی کی اور یہود یہودی کی جمع ہے یعنی جمع میں صرف یاء نسبت کو حذف کر دیا جائے تو وہ جمع کا صیغہ ہو جاتا ہے۔

عرب و اعراب کا فرق قرآن مجید اور حدیث شریف سے استدلال : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے ظاہر ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حب العرب من الایمان" عربوں کی محبت ایمان کی علامت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الاعراب اشد کفرا و نفاقاً" اعراب میں کفر و نفاق زیادہ ہے۔

ان دونوں دلیلوں میں عرب کی تعریف اور اعراب کی مذمت ہے اور اعراب وہ ہیں جو بستیوں میں رہتے ہیں اس معنیٰ پر عرب اعراب سے اعم ہے بعض نے کہا کہ عرب وہ ہیں جنہوں نے شہروں اور بستیوں کو وطن بنایا ہو اور اعراب وہ ہیں جو صرف دیہاتوں میں رہتے ہوں اس معنیٰ پر عرب اور اعراب ایک دوسرے کے متباین ہیں۔

آیت ھذا میں الاعراب سے کون مراد ہیں : آیت ھذا میں غفار و مزینہ و جہینہ و اشجع و اسلم دئل (بالکسر) قبائل کے وہ دیہاتی مراد

ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے رہ گئے جب آپ نے مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے قبائل کے دیہاتیوں اور صحرانشینوں کو بلایا کہ عام حدیبیہ کے سال مکہ مکرمہ کو چلیں اور صرف عمرہ کرنا ہے اہل مکہ سے جنگ کا ارادہ نہیں ہے لیکن انہوں نے عذر کیا اس خیال سے کہ شاید قریش سے جنگ چھڑ جائے یا وہ آپ کو مکہ معظمہ میں نہ آنے دیں ان کے انکار کے باوجود آپ نے احرام باندھا اور قربانی ساتھ لی تاکہ معلوم ہو کہ آپ کا جنگ کا ارادہ نہیں ہے باوجود اسکے تب بھی یہ لوگ گھر میں بیٹھ گئے بلکہ کہا کہ ہم ایسے لوگوں کے منہ میں جائیں جنہوں نے یہاں مدینہ پاک میں آکر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا اب یہ کیسے ہوگا جب ہم ان کے گھروں میں پہنچ جائیں گے (تو پھر وہ ہمیں ختم نہیں کر دیں گے) ان کی اس غلط خیالی کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی بتایا کہ یہ آپ کے مدینہ شریف کے واپسی تک منتظر رہیں گے اور پھر کہیں گے "شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا (ہمیں اموال اور اہل و عیال نے مشغول رکھا اور ہمارے ہیں کوئی ایسا لائق نہیں تھا کہ ہمارے گھریلو امور سنبھال سکے۔

الشغل وہ عارضہ جو انسان کو منہمک کر دے اموال مال کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جو دراہم

حل لغات: و دنانیر اور سونے اور چاندی یا اناج یا روٹی یا حیوان یا کپڑوں یا ہتھیار کا مالک ہو سکتا ہو اور اسے مال اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دلوں کو ذاتی طور اپنی طرف کھینچتا ہے۔ التلویح میں ہے کہ مال وہ شے ہے جس کی طرف طمع مائل ہو اور ضرورت کے لئے اسے خرچ کیا جا سکے اور مال وہ مقیمین شے جس پر مہر لگائی گئی ہو یا مال ہر وہ شے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس میں بخل و امساک کو دخل ہو سکے " اہلون" اہل کی جمع ہے انسان کا کنبہ اور قریبی رشتہ داریاں کبھی اہل کی جمع اہال و آہال بھی آتی ہے اسے حرکات سے بھی پڑھا جاتا ہے جیسے ارضیات کو بالسکون و بالحرکات ہر دونوں طریقے سے پڑھنا جائز ہے جیسے "ارض" میں تا مقدر ہے ایسے ہی اہل میں کہ یہ در اصل " اھلۃ" تھا اس کا حکم تمرۃ والا ہے کہ اس کی جمع کے میم کو متحرک پڑھنا جائز ہے " فَاسْتَغْفِرْ لَنَا" بس آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے ہماری اس کوتاہی کی بخشش مانگیے جو ہم آپ کے ساتھ نہ جا سکے اور گھر بیٹھے رہے یہ ہماری مجبوری تھی ہمارے بس کی بات نہ تھی " یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ " کہتے ہیں وہ جو ان کے دلوں میں نہیں) یعنی یہ اپنے عذر میں جھوٹے ہیں ایسے ہی استغفار کا اظہار کرتے ہیں ان کا کہنا کہ ہم پکے مسلمان ہیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے استغفار کے طالب ہیں اس بارے میں جھوٹے اور کذاب ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ قلوب جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں ان کے اہل اپنی زبان سے جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کے قلوب میں نہیں ان کا کہنا حقیقت سے خالی ہے اور ان کے قلوب کو اس حقیقت کا شعور ہے جو زبان سے کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ کہتے کچھ ہیں اور ان کے ارادے اس کے خلاف ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ ہمیں اموال اور اہل وعیال نے مشغول رکھا یہ مجازی ہے یہ عذر بہانہ ہے ہاں ان کا ذکر الٰہی سے غافل رہنا ان کی یہ مشغولی ان کے لئے حقیقت ہے کیونکہ واقعتہً ان کے اموال اور اہل وعیال نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انہیں غافل رکھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا نہ لاسکے اور نہ ہی اس کی نواہی سے بچ سکے اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری انہیں نصیب ہوئی حالانکہ انہیں امر الٰہی تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری میں رہیں اسی میں ان کی فلاح ونجات تھی حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خاطر بنقش صفحہ دھر

جریدہ وار ہمی زی وسادہ وش باش

ترجمہ۔ صفحہ دہر میں دل پر لکھ دے کہ جریدہ کی طرح جی اور سادہ ہو کر زندگی بسر کر۔

تفسیر عالمانہ: "قُلْ" ان کے رد میں فرمائیے جب وہ اپنی باطل باتیں کر کے عذر کریں "فَمَنْ یَّمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا" تو کون ہے جو مالک ہو اللہ تعالیٰ سے کسی شے کا یعنی تمہارے میں کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر وقضاء سے بچا کر تمہیں فائدہ دے سکے "اِنْ اَرَادَ بِکُمْ ضَرًّا" اگر وہ ارادہ فرمائے کہ وہ تمہارے اموال اور اہل وعیال کو نقصان پہنچائے یہاں تک کہ تم خود بھی گھر رہ کر بھی پوری حفاظت کے باوجود انہیں ضرر سے نہیں بچا سکتے "اَوْ اَرَادَ بِکُمْ نَفْعًا" (یا وہ تمہارے لیے نفع کا ارادہ فرمائے) یعنی کون تمہیں ضرر دے سکتا ہے اگر وہ تمہارے اموال اور اہل وعیال کو محفوظ رکھنے کا ارادہ فرمائے اگرچہ تم موجود بھی نہ ہو جب یہ حال ہے تو پھر تمہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ جانے میں کونسی ضرورت در پیش تھی "بَلْ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا" (بلکہ اللہ تعالیٰ تو تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے) یعنی جو کچھ کہہ رہے ہو وہ غلط بلکہ بات دراصل یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر کارروائی کو جانتا ہے منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ جانا اور گھر بیٹھے رہنا اور اس کے تمام اسباب اور موجبات۔

مسئلہ: جو بھی امر الٰہی اور متابعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر سلامتی کی طلب میں

بیٹھ جائے وہ بھی آیت کے حکم میں ہے ایسا شخص ضرر و بلاء سے چھٹکارا نہ پا سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جنگ کے بغیر بھی ضرر پہنچانے پر قادر ہے اس لیے اخلاص کے ساتھ صدق و عمل ضروری ہے اور صرف اللہ تعالیٰ پر توکل چاہیئے کیونکہ اس میں ہی نجات ہے۔

حکایت حسن بصری رحمہ اللہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو حجاج ظالم کے ملازم گرفتار کرنے آئے آپ حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ کی خانقاہ میں چھپ گئے ملازموں نے حضرت عجمی رحمہ اللہ سے پوچھا تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ وہ اسی خانقاہ میں ہیں ملازموں نے ہر چند تلاش کیا لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نہ ملے بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ان کے سات بار ہاتھ لگ چکے تب بھی مجھے نہ پا سکے ملازم تھک ہار کر حضرت عجمی رحمہ اللہ سے کہنے لگے کہ آپ پر حجاج (ظالم) کی سزا پڑی تو ناراض نہ ہوتا کہ آپ نے جھوٹ بولا آپ نے فرمایا میں نے سچ کہا کیونکہ حسن بصری (رحمہ اللہ) اسی خانقاہ میں گئے تھے اب میرا کیا قصور ہے وہ دوبارہ تلاش کے لئے خانقاہ میں گئے تب بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نہ پا سکے جب وہ چلے گئے تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ باہر تشریف لائے اور حضرت عجمی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آج آپ نے حق استاذی ادا کیا کہ مجھ پر چغلی کھائی آپ نے فرمایا کہ استاذ ناراض نہ ہوں مجھے یقین تھا کہ آپ کو اور مجھے سچ نجات دے گا اگر میں جھوٹ بولتا تو ہم دونوں پکڑے جاتے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست
کہ از دروغ سیہ روئی گشت صبح نخست

ترجمہ۔ سچ کی کوشش کر کہ تیرے نفس سے سورج چمکے گا اس لیے کہ جھوٹ کی وجہ سے ہی پہلی صبح کا منہ سیاہ ہوا۔

قرآنی آیات کی برکت: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ تو نے کونسا عمل کیا کہ جس سے ہم گرفتار کرنے والوں سے بچ گئے عجمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ۹ بار آیۃ الکرسی اور ۹ بار آمن الرسول اور ۹ بار قل ھو اللہ احد پڑھ کر بارگاہ حق میں عرض کی کہ یا اللہ حسن بصری (رحمہ اللہ) کو میں نے تیرے سپرد کیا تو ہی اس کی حفاظت فرما۔

سبق: اللہ تعالیٰ ایسے ہی اولیاء و صادقین کی حفاظت و مدد فرماتا ہے اور ایسے ہی اپنے کافر دشمنوں کو چھوڑتا اور ذلیل کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: "بَلْ ظَنَنْتُمْ" الخ یہ "کَانَ اللّٰہُ" الخ سے بدل ہے اور اس کا مفسر ہے اس کے ابہام کے لئے جو اس میں ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ اے پیچھے رہنے والو تمہارا گمان تھا کہ "اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ" یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس نہیں لوٹیں گے "اِلٰٓی اَهْلِيْهِمْ" مدینہ پاک کو اپنے اہل کی طرف "اَبَدًا" ہرگز بایں طور کہ ان کی مشرکین جڑ کاٹ ڈالیں گے تو تم ڈر گئے کہ اگر تم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو تمہیں بھی وہی پہنچتا جو انہیں پہنچے گا اسی لیے تم پیچھے رہ گئے وہ بات نہیں جو تم باطل عذر پیش کر رہے ہو "وَ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ" (مزین ہوا وہی گمان تمہارے دلوں میں) یعنی شیطان نے وہی گمان سنگارا اور تم نے اس کی بات مان لی اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ تم نبی علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو تصور میں نہ لائے۔ "وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ" اور تم نے گمان برا کیا۔ اس سے وہی پہلا گمان مراد ہے اور تکرار توبیخ کو سخت کرنے اور اس پر برائی کو پکا کرنے کے لئے ہے ورنہ اس سے عطف الشئ علی نفسہ لازم آتا ہے یا یہ عام ہے کہ اس میں وہی گمان بھی مراد ہے اور دیگر گمان فاسدہ بھی منجملہ ان کے وہ گمان بھی ہے جو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کو نہ ماننا ورنہ آپ کی رسالت پر یقین رکھنے والا ایسے مکروہ فعل کا ارتکاب نہیں کرتا اور نہ یہ گمان کر سکتا ہے کہ مشرکین آپ کی جڑ کاٹ دیں گے اس تقریر پر تکرار لازم نہیں آیا "وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا" اور تم ہو قوم ہلاک ہونے والی اللہ تعالیٰ کے ہاں اور تم اس کے غضب و عذاب کے مستحق ہو۔

حل لغات: بور بائر کی جمع ہے از بار بمعنی ہلک جیسے عائذ کی جمع عوذ آتی ہے وہ اونٹنی اور گھوڑی جس نے ابھی بچہ جنا ہو یا یہ معنیٰ ہے کہ تم اپنے نفوس و قلوب و نیات کو فاسد کرنے والے ہو تمہارے دلوں میں کسی قسم کی بھلائی نہیں اس لیے کہ بعض لغات میں بور بمعنے فاسد بھی آیا ہے بعض نے کہا کہ البور بار کا مصدر ہے جیسے الہلک ہلک کا مصدر ہے ان دونوں کا صیغہ اور معنیٰ ایک ہے اسی لیے یہ واحد و جمع اور مذکر و مؤنث سب کی صفت واقع ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے رجل بور و قوم بور اور المفردات میں ہے البوار بمعنے حد سے زیادہ گھاٹا چونکہ ایسا گھاٹا فساد تک پہنچاتا ہے اسی لیے اس معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "کبد حتی فسد" گھٹانے میں بڑا یہاں تک کہ فاسد ہو گیا اسی لیے البوار بولکر الہلاک مراد لیتے ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص یہی گمان کرے کہ اس جنگ میں نقصان ہوگا تو وہ ضرور قتل کیا جائے گا یا زخمی ہوگا یا اسے ایسی مصائب میں مبتلا ہوگا جن سے وہ کراہت کرتا ہوگا پھر وہ جنگ سے بھی پیچھے رہے گا کیونکہ وہ ہلاک ہونے والوں میں ہوگا

اور اس کے دل پر شیطان مسلط ہو جائے گا جو اس کے دل میں حیٰوۃ دنیا سنگار تا ہے اسی لیے ایسا شخص وہ آخرت کی زندگی کے بجائے دنیا کی حیٰوۃ پسند کرتا ہے حالانکہ آخرت کی زندگی شہدا کے لئے تیار کی گئی ہے اور انہیں جنت میں بلند مراتب اور جوار حق کے قربات نصیب ہوتے ہیں ؎

مکن ز غصہ شکایت در طریق طلب
براحتے نرسید آنکہ زحمتی نکشید

ترجمہ ۔ طریق طلب میں غصہ سے شکایت نہ کر وہ راحت کو ہرگز نہیں پہنچتا جو زخم نہیں کھاتا ۔

تفسیر عالمانہ : "وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" اور جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا ۔

فائدہ : یہ نیا کلام اور مبتدا ہے اللہ تعالیٰ سے ہی کلام ہو رہا ہے من شرطیہ یا موصولہ ہے جو ان کے پیچھے رہے ہوؤں کی طرح ایمان نہیں لاتا "فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا" تو ہم نے کافروں کے لئے تیار کیا ہے بھڑکتی آگ کا عذاب" جو صرف انہیں ملے گا ۔

سوال ۔ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے کا کیا فائدہ ؟

جواب ۔ خبر دینا نہ کہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا جامع نہیں وہ کافر ہے اور ایسی بھڑکتی آگ کے عذاب کا مستحق ہے یعنی ایسی آگ جس سے شعلے نکل رہے ہوں گے اس کی تنکیر ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ایسی بھڑکتی ہوئی آگ ہے کہ جس کی حقیقت اور کنہ کو کوئی نہیں مانتا یا یہ کہ وہ مخصوص آگ ہے جیسے فرمایا " نارا تلظی " شعلوں والی آگ اس معنیٰ پر تنکیر سریع کی ہوگی ۔

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اللہ تعالیٰ کے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے ملک اور جو ان کے اندر ہے وہ بھی اسی کی ملک ہے وہ ہر شے میں جسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے ۔ ممالک علوی وسفلی کے امور کی باگ ڈور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے "يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ" جس کے لئے بخشنا چاہے بخش دے یہ اس کا فضل ہے "وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ" جسے عذاب دینا چاہے عذاب دے یہ اس کا عدل ہے ۔ ان میں (فضل وعدل میں) کسی قسم کا کسی کو دخل نہیں نہ ہی عدلاً یہ حتمی فیصلہ ہے اس میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کے استغفار کی طمع نہیں کرنی چاہیئے "وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا" اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے بہت بڑی مغفرت ورحمت والا ہے جس کے

لئے چاہے یا نہ چاہے مگر جس کے لئے مغفرت کا اس کی حکمت کا تقاضا ہو بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اور کافر اس کی مغفرت کے بالکل حقدار نہیں۔

سوال ۔ اس کی نظیر سورۃ احزاب میں ہے "لیجزی اللہ الصادقین بصدقھم ویعذب المنافقین ان شآء او یتوب علیھم ان اللہ کان غفورا رحیما" تاکہ سچوں کو ان کے صدق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جزا دے اور منافقین کو عذاب دے اگر چاہے یا ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اگر وہ سچے دل سے توبہ کریں اگر توبہ نہ کریں تو انہیں عذاب میں مبتلا فرمائے گا اس لیے کہ شرک ناقابل بخشش ہے ہاں توبہ اگرچہ بار ہو وہ تمام عمر کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے بلکہ اس کے ہر گناہ کے عوض نیکی عطا ہوتی ہے ۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

حدیث شریف : کہ بیشک اللہ تعالیٰ بندے مومن کی توبہ سے اس بندے کی خوشی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی گمشدہ شے مل جائے یا پیاسے کو پانی مل جائے یا جس عقیم والد کو بچہ مل جائے ۔

جس نے خالص توبہ کی اللہ تعالیٰ اس کے نگران فرشتوں کو اس کے گناہوں سے بھلا دیتا ہے اور اس کی

فائدہ : زمین جس پر اس سے گناہ سرزد ہوا سے گناہ اور اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے ؎

گر آئینہ زر آہ گردد تباہ

شود روشن آئینہ دل باآہ

تو بیش از عقوبت در عفو کوب

کہ سودے ندارد فغان زیر چوب

ترجمہ سانس سے شیشہ خراب ہو جاتا ہے لیکن دل کا آئینہ آہ سے صاف ہوتا ہے ۔ سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا اس وقت فغان و فریاد فائدہ نہ دے گی جب ڈنڈا سر پر پڑا ۔

اسی معنیٰ پر حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

ترا چہ سود بروز جزا وقایۂ وجند

کہ از وقایہ عفوش حمایتے نرسد

ترجمہ ۔ تجھے روز جزا میں بچاؤ اور نجات نصیب نہ ہو گی جب تجھے اللہ تعالیٰ سے معافی کی حمایت نصیب نہ ہو ۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جس نے نفس کی آگ اور اس کی صفات کے شعلے بجھائے ذکر الٰہی کے پانی اور ترک شہوات سے تو اس کا قلب چین پائے گا اور اس کا نفس جہنم کی آگ سے بچ جائے گا یہی حال اس کا جو اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے ورنہ اس کے نفس کی آگ اور اس کی صفات کے شعلے قلب پر غلبہ پا جائیں گے۔ جس سے وہ جل کر راکھ ہو جائیں گی جس کا کوئی نام و نشان تک نہ رہے گا یہ اس کا حال ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہیں لاتا" وللہ ملک السموٰت " الخ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں قلوب کے آسمان اور نفوس کی زمین جس نفس کو چاہے بخش دے اور اس کا تزکیہ کرے اور صفات ذمیمہ سے پاک کرے اور اسے نفس مطمئنہ اور جذبات الٰہیہ کے قابل بنائے اور فرمائے " ارجعی " لوٹ اللہ تعالیٰ کی طرف اور جس قلب کے لئے چاہے عذاب دے یعنی اس پر نفس کے صفات کا غلبہ دے کر اسے بدل دے جیسے اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہیں لاتا اور اللہ تعالیٰ اس قلب کے لئے غفور و رحیم ہے جس کے لئے چاہے اور نفس کا مالک بنا دینا جس کے لئے چاہے بنا دے کہ نفس اس کے قلب کے قابو میں ہو اور جس سے چاہے قلب کا ملک چھین کر اسے نفس کے ملک کر دے۔

تفسیر عالمانہ: " سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ " (عنقریب تمہیں پیچھے رہے ہوئے کہیں گے) جن کا ابھی ذکر ہوا " اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا " (جب تم لوٹو گے غنیمتوں کی طرف تاکہ تم انہیں حاصل کرو)

حل لغات: یہ ماقبل کی طرف ہے نہ کہ شرط " انطلقتم " بمعنے " ذھبتم " جب جاؤ گے کہا جاتا ہے انطلق فلان تب بولتے ہیں جب کوئی پیچھے جائے انطلاق سے ہے بمعنے خالی کرنا قید سے کہا جاتا ہے " حبس طلقا " ۔ اسے بلا قید اور بغیر زنجیر کے قید کیا۔ المغانم مغنم کی جمع ہے بمعنی غنیمت یعنی تمہارے خیبر کی غنیمت کی طرف لوٹنے کے وقت تاکہ تمہیں انہیں حاصل کرو جیسے تمہیں وعدہ کیا گیا تو یہ کہیں گے اور اس غنیمت کی تمہاری خصوصیت اس لیے ہے کہ تم سے مکہ معظمہ کی غنیمت چوک گئی جب تم صلح کر کے خالی واپس لوٹے تمہیں اس سے کچھ نہ ملا۔

فائدہ: سین قرب پر دلالت کرتا ہے اور اس سے خیبر مراد ہے کہ صلح کے بعد قریب زمانہ میں ہی غنیمت پائی گئی۔

سوال۔ تمہاری یہ تقریر کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ خیبر سے پہلے مہاجرین حبشہ حضرت جعفر کے ساتھ آئے ہوئے حضرات کو عطا فرمایا ایسے ہی دوسیوں اشعریوں کو عطا فرمایا حالانکہ یہ لوگ صلح حدیبیہ میں شامل نہیں

تھے اور تم کہتے ہو کہ یہ صلح حدیبیہ میں شامل ہونے والوں کو خوشخبری ہے۔

جواب ۔ یہ اہل حدیبیہ کی دلجوئی کے لئے ہے اگرچہ خیبر کا بعض حصہ صلح کے طور بھی حاصل ہوا اور وہ بھی آپ نے ان حضرات پر تقسیم فرمایا۔ (حواشی مفتی السعدی رحمہ اللہ)

"ذَرُوْنَا" ہمیں چھوڑو "یذر الشیٔ" بمعنے "یترکہ ویقذفہ" کسی شے کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دینا اس کا فعل ماضی مستعمل نہیں ہوتا۔

"نَتَّبِعْكُمْ" ہم تمہاری اتباع کریں گے اور خیبر کی جنگ میں ہم تمہارے ساتھ رہیں گے "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ" ان کا ارادہ ہے کہ وہ تمہاری بات بدل دیں یعنی چاہتے ہیں کہ وہ ان غنائم میں (جو اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے مخصوص کی ہیں) تمہارے شریک ہوں۔

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی الحجہ ۶ھ میں حُدَیبیہ سے واپس ہوئے ذی الحجہ کے بقایا ایام اور ۷ھ کے محرم کے اوائل میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اس کے بعد خیبر کی جنگ پیش آئی اس وقت وہی لوگ ساتھ تھے جو صلح حدیبیہ میں تھے خیبر فتح ہوگیا اور اس سے مال غنیمت بکثرت حاصل ہوا آپ نے حسب وعدۂ الٰہی ان صحابہ پر تقسیم فرمایا جو حدیبیہ میں تھے اس مضمون میں کلام اللہ سے اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ مراد ہے جو آپ کو اہل حدیبیہ کے لئے خیبر کی فتح کا کیا گیا نہ کہ قولہ تعالیٰ "لن تخرجوا معی ابدا" میرے ساتھ ہمارے یہ ہرگز نہیں نکلو گے) کیونکہ یہ ارشاد غزوۂ تبوک کے لئے ہے۔

"قُلْ" انہیں ناامیدی دیکر فرمائیے "لَنْ تَتَّبِعُوْنَا" تم ہرگز ہماری اتباع نہیں کروگے۔

فائدہ: یہ نفی بمعنے نہی ہے اس سے مبالغہ مطلوب ہے اور سعدی مفتی نے فرمایا کہ لن بمعنے لیس تکبید کے لئے ہے تابید اس وقت مراد ہوتی ہے جب نفی سے نفی مراد ہو اب مطلب یہ ہوا کہ تم ہمیشہ ہمیشہ ہماری اتباع نہ کرنا یا ان کی یہ ہمیشگی بوجہ مرض قلبی کے ہے۔

فائدہ: ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خیبر کو ہمارے ساتھ خود بخود چلو تو تمہاری مرضی ہے لیکن چلو گے تو بھی مال غنیمت نہیں پاؤ گے "کَذٰلِکُمْ قَالَ اللّٰہُ" ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مِنْ قَبْلُ" حدیبیہ سے لوٹنے سے پہلے "فَسَیَقُوْلُوْنَ" یہ نہی سن کر مومنین کو وہ کہیں گے "بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا" بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے بلکہ تم ہمارے ساتھ حسد کے طور کہہ رہے ہو تاکہ تم ہمیں غنیمت خیبر میں شریک نہ کرو۔

حسد کی تحقیق: حسد بمعنے کسی کے استحقاق کا زوال چاہنا اس کے زوال کے لئے سعی بھی کی جاتی ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ مومن غبطہ کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے۔

قاعدہ حسد: بعض اکابر نے فرمایا کہ جنس واحد میں ہوتا ہے دو جنسوں والوں میں ایک دوسرے پر حسد نہیں ہو سکتا اسی لیے سب سے پہلی ہی آزمائش اور امتحان انسان سے ہُوا کہ اس کی طرف اس کی جنس سے انبیاء علیہم السلام بھیجے تاکہ منکر پر حجۃ قائم کی جاسکے اس کی غیر جنس سے انبیاء نہیں بھیجے گئے چنانچہ فرمایا" ولو جعلنٰہ ملکا لجعلنٰہ رجلا " اگر ہم اس انسان (بشر) کی طرف کوئی رسول فرشتہ بھیجتے تب بھی وہ مرد کی شکل میں ہوتا تاکہ وہ پہچان نہ سکیں کہ یہ فرشتہ ہے کیونکہ اگر وہ سمجھ جائیں کہ یہ فرشتہ ہے تو پھر اس پر حسد نہ ہو سکے گا۔

" بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ " بلکہ تھے وہ نہیں سمجھتے۔

حل لغات: " المفردات " میں ہے الفقہ بمعنے علم شاہد سے علم غائب تک پہنچنا یہ علم سے اخص ہے کیونکہ ہر فقہ علم ہے لیکن ہر علم فقہ نہیں) فقہ علم شریعت کے احکام کو کہا جاتا ہے اور فقہ بمعنے " فہم فقہاءً " (اس نے سمجھا) اِلَّا قَلِيْلًا ۵ " مگر تھوڑا سمجھنا وہی جو انہوں نے دنیوی امور کو سمجھا انہیں جہل مفرط اور امور الدین میں سوء فہم سے موسوم کیا گیا ہے۔

فائدہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں میں کم قیمت وہ ہے جو علم کم رکھتا ہے۔

فائدہ: اہل علم کی صحبت سے علم میں اضافہ ہوتا ہے اسی لیے منافقین کو اللہ تعالیٰ نے فقہ سے بے خبری کے ساتھ موصوف فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے محرومی کی وجہ سے اسی لیے علماء (با عمل) کی صحبت ضروری ہے تاکہ دنیا پیٹھ کے پیچھے ڈالی جاسکے اور آخرت کی طرف رغبت کی جاسکے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ" اطلبوا العلم ولو بالصین " علم حاصل کرو اگرچہ چین سے۔

فائدہ: جتنا منزل مقصود دور ہوگی اتنا زیادہ قدم اٹھیں گے۔

حکایت: بعض علماء فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بوڑھے کو عصا کے سہارے طواف کرتے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں فرمایا خراسان سے مجھ سے پوچھا تم گھر سے یہاں تک کتنا عرصہ کے بعد پہنچے ہو میں نے کہا دو یا تین مہینوں میں۔ فرمایا تو پھر تمہیں ہر سال حج پر حاضر ہونا چاہیئے۔ میں نے پوچھا آپ کو کعبہ شریف تک پہنچنے میں کتنا عرصہ گذرتا ہے فرمایا پانچ سال میں۔ کہا تو پھر اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت فضل ہے اسی کا نام ہے سچی محبت انہوں نے ہنس کر یہ شعر پڑھا ؎

زرمن ہویت و ان شطت بک الدار
زخالِ من دونہ حجب واستار
لا یمنعک بعد من زیارتہ
ان المحب لمن یہواہ زوار

ترجمہ - جس سے تیری محبت ہے اس کی زیارت کر اگرچہ تیرا گھر بہت دور ہو دوری کے پردے اور حجابات مٹا دے پھر اس کی زیارت سے کوئی شے نہ روکے گی کیونکہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کی بہت زیادہ زیارت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا حسد کی جگہ ہے اور حسد نفس رذیل کی صفات میں سے ایک ہے۔

حدیث شریف مع شرح : "ولا تحاسدوا" اور حسد نہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت والوں پر وہ نعمت مالی ہو یا علمی یا کچھ اور ہاں غبطہ (رشک) جائز ہے اس مال پر جو راہ خدا میں خرچ کیا جائے اور علم پر جس پر عمل ہو اور اس کی نشر و اشاعت کی جائے۔

"ولا تناجشوا" (اور نہ ہی کسی کی بیع پر قیمت بڑھاؤ) النجش بمعنے کسی کے سامان میں قیمت بڑھ کر بتانا حالانکہ اس کی خرید کی نیت نہ ہو بعض نے کہا النجش بمعنے کسی کو خیر کے بجائے برائی پر اکسانا۔

"ولا تباغضوا" اور ایک دوسرے سے بغض نہ کرو ہاں اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے بغض ہو تو جائز ہے۔

فائدہ : الشیخ کلابازی قدس سرہ نے فرمایا کہ لا تباغضوا بمعنے اھواء و مذاھب میں مختلف نہ ہو جاؤ اس لیے کہ بدعت فی الدین اور ضلال عن الطریق بغض کا سبب ہے۔

"ولا تدابروا" اور نہ قطع تعلق کرو۔ تدابر بمعنے تقاطع وہ یہی ہے کسی سے منہ پھیر کر اسے پیٹھ دے جانا "الفائق" یا تدابر کا معنیٰ ہے گلہ شکوہ کرنا اسی لیے اخوت کو تقابل سے موصوف کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اخوانا علے سرر متقابلین" وہ بھائی ہو کر تختوں پر بیٹھے ہوں گے ایک دوسرے کے آمنے سامنے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "کونوا عباد اللہ اخوانا" (اللہ کے بندو ہو جاؤ بھائی بھائی بن کر) حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شوقے نہ پدرا بہ پسر می بینم
دختر انرا ہمہ جنگست وجدل با مادر
پسر انرا ہمہ بدخواہ پدر می بینم

ترجمہ - جو بھائی بھائی پر رحم نہیں کرتا - باپ کی بیٹے سے مجھے کوئی شوق نظر نہیں آتا - لڑکیوں کو ماؤں سے ہر وقت جنگ اور جھگڑا ہے - بیٹوں کو باپوں کا بدخواہ دیکھ رہا ہوں۔

"قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ" (پیچھے رہے ہوئے اعراب کو فرمائیے)

تفسیر عالمانہ: تکرار ان کی بار بار مذمت کی وجہ سے ہے تاکہ معلوم ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی محرومی کتنا سخت قباحت وشناعت پر مبنی ہے "سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ" عنقریب تم ایک ایسی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے "اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ" جو جنگی اعتبار سے سخت قوت وطاقت والی ہے۔

فائدہ: اس سے بنو حنیفہ (سفینہ کی طرح ایک قبیلہ ہے[1]) مراد ہے یا مسیلمۃ الکذاب کی قوم اہل یمامہ مراد ہیں یا یہ بھی اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ" (تم ان سے جنگ کرو گے یا مسلمان ہو جاؤ گے) دلالت کرتا ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا سوال ہوا کہ پھر کیا ہو گا تو فرمایا ان دونوں میں سے ایک ضرور ہو گا ان مرتدین اور عرب کے مشرکین کے سوا باقی لوگوں کی جنگ جزیہ پر ختم ہو گی جیسے دوسروں سے ان کے اسلام لانے پر جنگ ختم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اولی باس شدید سے مطلقاً مرتدین ومشرکین مراد ہیں۔ وہ عرب کے مشرکین ہوں یا عجم کے یعنی دو طائفہ مذکور کے سوا یعنی اہل کتاب ومجوس کا حکم یہ نہیں کہ ان کے ساتھ جنگ ہو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں بلکہ ان سے جزیہ بھی قبول کیا جا سکتا ہے بخلاف عرب وعجم کے مرتدین ومشرکین کے کہ ان سے جزیہ قبول نہ ہو گا بلکہ ان کے ساتھ جنگ جاری رہے گی یہاں تک کہ اسلام قبول کریں اور یہ حکم امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عجم کے مشرکین سے بھی جزیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ جیسے اہل کتاب ومجوس سے ہاں جن سے اسلام لانے تک تلوار چلتی رہے گی وہ صرف عرب کے مشرکین ومرتدین ہیں۔

---

[1] القاموس ۱۲

مسئلہ: آیت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صادقہ کی دلیل ہے کیونکہ مخلفین کو "اولی باس شدید" کی جنگ کی دعوت صرف آپ کے دورِ خلافت میں ہوئی اس کے بعد کے خلفاء میں کسی کو یہ موقعہ نہیں ان سے جنگ کرنے والوں کو ثواب کا وعدہ فرمایا۔

کماقال "فان تطیعوا" اور اس سے مخالفت پر وعید سنائی کماقال "و ان تتولوا" الخ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ واجب کردے وہی امام برحق ہوتا ہے اس معنیٰ پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ امام برحق ہوئے ہاں اگر (اولی باس شدید) سے اہل حنین (ثقیف وہوازن) مراد ہوں تو پھر آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت اسی آیت سے ثابت نہ ہوسکے گا کیونکہ ثقیف وہوازن سے جنگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ میں ہوئی ہے کیونکہ آپ نے فتح مکہ کے بعد ان (ثقیف وہوازن) سے جنگ کی تھی اس معنیٰ پر مخلفین غزوۂ خیبر سے ممنوع اور اہل حنین کی جنگ کے لئے مدعوین ہوئے تو اس تقریر پر مخلفین کی نفی اتباع کا دوام مخصوص عن البعض ہوجائے گا کہ وہ صرف غزوۂ خیبر کی حاضری سے روکے گئے (کذا قال محی السنۃ)۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ ان سے فارس وروم مراد ہیں اور "یسلمون" بمعنے ینقادون ہے اور یہی ہوا کہ روم کے نصاریٰ اور فارس کے مجوسی سے جزیہ قبول کیا گیا اس تقریر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ثبوت بھی آیت سے ملا کیونکہ روم وفارس سے آپ کی دورِ خلافت میں جنگیں ہوئیں۔ اور آپ ہی نے لوگوں کو ان سے جنگوں کی دعوت دی "فَاِنْ تُطِیْعُوْا" اگر تم اس کی اطاعت کرو جو تمہیں اولی باس شدید کے ساتھ جنگ کی دعوت دیتا ہے "یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ" اللہ تمہیں دے گا "اَجْرًا حَسَنًا" اچھا اجر یعنی دنیا میں غنیمت اور آخرت میں جنت "وَاِنْ تَتَوَلَّوْا" اگر تم دعوت سے روگردانی کرو اور داعی کو پیٹھ دو "کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ" جیسے تم نے حدیبیہ میں روگردانی کی "یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا" تو تمہیں اللہ دونا عذاب دے گا، بوجہ دوگنے ہونے تمہارے جرم کے۔

فائدہ: اس مقام کی تفصیل یوں ہوگی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا "لن تتبعونا" (تم ہماری ہرگز اتباع نہیں کروگے) انہیں سے جنہوں نے منافقت سے توبہ کی تو ان کی توبہ کی قبولیت کی ایک علامت بتائی وہ یہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال شریف کے بعد انہیں (اولی باس شدید) بڑی قوت والوں کی جنگ کے لئے دعوت دی جائے گی جو اس وقت کے امام کی دعوت قبول کرے گا اور ان بڑی قوت والوں سے جنگ کرے گا تو اس کی توبہ قبول اور اچھا اجر عطا کیا جائے گا۔

فائدہ: اگر ان سے یہ امتحان نہ ہوتا تو منافقت پر ان کی حالت دائمی رہتی جیسے ثعلبہ کا حال ہوا کیونکہ وہ

منافقت سے زکوٰۃ ادا نہ کرسکا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا آپ نے قبول نہ فرمائی یہانتک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوگیا تو بعد کو صحابہ کرام میں سے کسی نے اس کی زکوٰۃ قبول نہ کی اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کا حال جان لیا تھا کہ اس کی حالت نہیں بدلے گی اسی لیے اس کی قبولیت توبہ کی کوئی علامت نہیں بتائی۔

سوال ۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ثعلبہ کی توبہ قبول کرلی یہ کیوں ؟

جواب ۔ یہ ان کا اجتہاد تھا اور مجتہد کی خطاء پر بھی اسے ثواب ملتا ہے فلہذا وہ اپنے اس اجتہاد میں معذور بلکہ ماجور ہیں۔

جواب اویسی : یہ قول ضعیف بھی ہے جیسا کہ روایت کے (قال بعضہم) سے معلوم ہوتا ہے۔
جواب ۲ : ممکن ہے آپ نے اس کے خلوص کی کوئی علامت دیکھی واللہ عند اللہ (اور اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اجتہاد کے خطا پر بھی اجر و ثواب : قرآن مجید میں ہے کہ حضرت داؤد و حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ السلام نے اس کھیتی کا فیصلہ فرمایا کہ جسے کسی کی بکریاں چر گئیں (النفش بمعنے بکریوں کا رات کے وقت کھیتی چرنا) داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ فرمایا " ففہمناھا سلیمان " تو وہ فیصلہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھایا اور ہم نے دونوں کو حکم اور علم دیا۔

فائدہ : اس واقعہ اور اسی طرح دوسرے دلائل سے ہم نے قاعدہ فقہیہ ثابت کیا کہ ہر مجتہد مصیب ہے یعنی اس کی خطاء پر بھی ثواب عطا ہوتا ہے اگرچہ اس بارہ میں کوئی نص نہ ہو اسی لیے حکم شرعی ہے کہ مجتہد کے کسی حال اور لباس و حکام وغیرہ پر اعتراض نہ ہو سوائے ان امور کے کہ جنکی شرعی اجازت ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑا جائے کیونکہ ان میں بہت سے روزہ دار سچی توبہ کرنے والے اور عبادتگذار اور حمد کرنے والے سجدہ کرنے والے اور تسبیح پڑھنے والے اور استغفار کرنے والے اور رحق والے ہوتے ہیں۔ ان پر اعتراض و انکار وحشی بننے کا خطرہ ہے اور وحشت یاب خالق سے منقطع ہونے کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے بعض کی وجہ سے دوسروں پر رحم فرماتا ہے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

مکن رے زاہد پاکیزہ سرشت
کہ گناہ دگران بر تو نخواہد نوشت

(۲) من اگر نیکم وگر بد تو برو خود را باش
ہر کسے آن درود عاقبت کار کہ کشت

(۳) نا امیدم مکن از سابقۂ لطف ازل
تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

ترجمہ۔ (۱) اے پاکیزہ سرشت زاہد نفرت نہ کر (گنہگاروں سے) کہ کسی کا گناہ تیرے نام نہ لکھا جائے گا۔

(۲) میں نیک ہوں یا بُرا تو جا اپنا کام کر۔ جس نے جو بویا وہی اٹھائے گا۔

(۳) مجھے سابقۂ ازل سے ناامید نہ کر تجھے کیا معلوم کہ قلم نے تیرے نام کیا لکھا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ نفوس جو عبادت و اطاعت سے پیچھے رہے ہوئے ہوں کہ وہ نہ فرائض ادا کریں نہ نوافل انہیں اگر جہاد فی سبیل اللہ یا جہاد اکبر کی دعوت دی جائے (اور جہاد اکبر سے شیطان و نفس اور دنیا سے جہاد مراد ہے) کہ تم ان سے جنگ کرو کہ نفس کو خواہشات اور ترک دنیا اور اس کی زینت سے روکو۔ اگر وہ اس حکم کو مانیں اور اطاعت کریں تو انہیں اجر حسن ملے گا اگر وہ طاعات و عبادات سے روگردانی کریں تو انہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا کہ وہ دنیا میں بھی درد پاتے رہیں گے اور آخرت میں بھی پائیں گے۔

تفسیر عالمانہ: "لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی" (نہیں ہے اندھے پر) **ربط:** جب اللہ تعالیٰ پیچھے رہنے والوں کو سزا سنائی تو اس آیت میں ضعفاء و معذوروں سے تنگی کی نفی فرمائی اس لیے کہ اعمیٰ پر کوئی نہیں اعمیٰ بمعنٰے "فاقد البصر" آنکھ نہ رکھنے والا۔ "حَرَجٌ" (کوئی گناہ) نہیں پیچھے رہنے سے جنگ سے کیونکہ نابینا اس پرندے کی طرح ہے جس کے پر نہ ہوں جو اس پر حملہ کرے اسے نہیں روک سکے گا اور تکلیف شرعی کا دار و مدار استطاعت (مداومت ظاہری) پر ہے۔

حل لغات: "الحرج والحراج" بمعنٰے "مجتمع الشیٔ" جیسے درخت تنگی کی ایک قسم کا اجتماع ہوتا ہے اسی لیے اسے حرج و حراج سے تعبیر کرتے ہیں ایسے ہی اثم گناہ کو بھی۔

"وَلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ" اور نہیں لنگڑے پر کوئی حرج، بوجہ اس کی اس بیماری لازمی کے جو اسے دائمی طور لاحق ہے جیسے ایک یا دونوں پاؤں کا نہ ہونا۔

مسئلہ: اس لیے جس کے دونوں پاؤں نہ ہوں اس کا چوتھا فرض (پاؤں نہ دھونا ساقط (معاف)

ہے (جب ایک معمولی عبادت کے لئے اسے معافی ہے تو بہت بڑی عبادت کیوں معاف نہ ہو)۔
الاعرج بمعنے لنگڑا یہ اعروج سے ہے وہ اس لیے کہ لنگڑا نیچے والی کیفیت سے اوپر کو ہو کر (اچھل کر) چلتا ہے اور عرج ہمچون فرح اسے بولتے ہیں جس کے لنگڑا پن میں پیدائشی کیفیت پیدا ہو جائے اور گفتار (صحیح)، بسیار خور جانور کو بھی عرجاء کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں پیدائشی لنگڑا پن سے اور عرج ہمچوں دخل بمعنے ارتقی یعنی اوپر کو چڑھا اور ہر وہ جو جس کے پاؤں میں عارضہ لاحق ہو تو وہ لنگڑا ہو کر چلے یعنی چلتے نیچے اوپر ہو یعنی وہ لنگڑا پن اس کا پیدائشی نہ ہو اور غیر پیدائشی لنگڑا جسم کے تین حصوں (طریقوں سے چلتا ہے)۔ (القاموس)

"وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ" اور نہ ہی مریض پر کوئی حرج ہے کیونکہ اس میں جنگ پر جانے کی قوت نہیں۔

فائدہ: ان تینوں سے حرج کی نفی میں ان کے اعذار کے اعتبار اور ان کی رخصت کے دائرہ کو توسیع کا اظہار ہے "وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ" اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ اور امر و نواہی میں سراً و علانیۃً اطاعت کرتا ہے "يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ" اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جنت کو اسی لیے جنت کہتے ہیں کہ وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پردہ اور حجاب ہے کیونکہ وہ شہوات نفسانیہ کا محل ہے۔ جب وہ اپنے بندوں کو دیدار سے سرشار فرمائے گا تو انسان سے شہوات کے تصورات ختم ہو جائیں گے اور یہ درمیانی پردے ہٹ جائیں گے۔ اس وقت دیدار کرنے والے جنت کے تصورات سے بھی فارغ ہو جائیں گے۔

سبق: انسان جب خودی کے تصور میں ہے دیدار ربانی مشکل ہے چاہیے کہ انسان خود کو درمیان سے ہٹا دے کیونکہ یہی خود دیدار الٰہی کے آگے پردہ ہے۔ اے عزیز تو ئی کا بادل اپنے سورج سے ہٹا پھر اپنی حقیقت کو دیکھ۔

تفسیر عالمانہ: "وَمَنْ يَتَوَلَّ" جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرمان سے روگردانی کرتا ہے "يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا" (تو) اسے دردناک عذاب دے گا) ایسا کہ کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا اور وہ ہو گا بھی غیر منقطع یہ در اصل

وہ عذاب ہے کہ بندہ اپنے آقا کے دیدار سے ہمیشہ محروم کر دیا جائے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی سے ہوتا ہے اور نافرمانی عدم شفاعت کا موجب ہے ۔

مسوز آتشی محرومیم کہ ہیچ عذاب
زروئے سوز والم چون عذاب حرمان نیست

ترجمہ ۔ اے آتش محرومی مجھے نہ جلا اس لیے کہ محرومی جیسا اور کوئی درد اور عذاب نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اصحاب اعذار اور ارباب طلب کی طرف اشارہ ہے کہ جسے عارض مانع ہوتا ہے تو وہ اسے بلا عزیمت سیر سے عاجز کر دیتا ہے لیکن اس کی ہمت فی الطلب اور رغبت فی السیر و توجہ الی الحق باقی رہتی ہے تو کوئی حرج نہیں کیا ہوا اسے عارض مانع ہوا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " من یطع اللہ ورسولہ" یعنی بقدر استطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو اسے ان باغات میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں " ومن یتول " اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرتا ہے اور عہد طلب کو توڑ دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

فائدہ: اپنے وقت کے مشائخ کا بے نظیر شیخ حضرت ابوعبداللہ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی آپ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے راستہ کا عرفان حاصل کر کے اس پر چل کر واپس لوٹا تو اسے اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ ایسا کسی کو نہ دیا ہوگا اس لیے مشائخ فرماتے ہیں طریقت کا مرتد شریعت کے مرتد سے زیادہ گنہگار ہے ۔

فائدہ: حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر صدیق اللہ تعالیٰ کی طرف ہزار بار متوجہ ہو لیکن صرف ایک لحظہ توجہ ہٹائے گا تو جتنا مرتبہ پایا اس سے زیادہ کھویا۔

دوسری صوفیانہ تفسیر: بعض مشائخ نے فرمایا کہ آیت میں اعمیٰ حقیقی کی طرف اشارہ ہے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھے نہ اسے آخرت کی طرف دائیں آنکھ سے دھیان ہو اور نہ ہی دنیا کو بائیں آنکھ سے دیکھے وہ رخصتوں کے استعمال سے معذور ہے اور نہ ہی رفاہیت میں داخل ہونا جانتا ہے جیسے اکابر نے فرمایا کہ محقق کا نفس کبھی بھوکا نہیں ہوتا سوائے حالت اضطرار کے بالخصوص جب وہ مقام ہیبت میں اور کسر اشہوات کے درپے ہو اس وقت بہت کھاتا ہے کیونکہ اس وقت اس کے دل میں عظمت الٰہی اور اس کے شہود کی وجہ سے حقائق کے شعلوں کی شدت ہوتی ہے دراصل یہ مقربین کا حال ہے لیکن کبھی وہ اس وقت تھوڑا کھاتا ہے بوجہ اہل وعیال کو خوش کرنے کے

ورنہ وہ بوجہ انس باللہ کے بہت تھوڑی غذا پر گذارنے کو ترجیح دیتا ہے اور ایسے کوائف سالک میں جمع ہوتے ہیں۔

اور آیت میں " الاعرج " حقیقی مراد ہے وہ ہے جو منزل مشاہدہ تک پہنچ چکا ہو اس کے سیوف وحدت سے پاؤں کاٹے جاتے ہیں اور اطلاق کی تلوار اس کے دوئی اور تقیید پاؤں کاٹ کر رکھ دیئے جاتے ہیں پھر بوجہ فنائیت کے اس کے آلات بیکار ہو جاتے ہیں اس لیے وہیں پر بیٹھ رہتا ہے یہ افراد مشاہدین کا درجہ ہے ان کے لئے کوئی حرج نہیں اگر وہ مجاہدین کے مقام میں نہ آئیں یہاں صوفیہ کے قول کا راز معلوم ہوا وہ فرماتے ہیں " الصوفی لامذھب لہ " صوفی کا کوئی مذہب نہیں جس کا مذہب نہ ہو اس کی کوئی سیر نہیں اور جس کی سیر نہ ہو اسے کسی آلہ کی ضرورت نہیں۔

اور " المریض " سے حقیقی بیمار مراد ہے اور وہ وہ ہے جسے محبت و عشق نے بیمار کیا ہو وہ معذور ہے اگر وہ روحانیات کو استعمال کرے یعنی سماع اور خوشبو عمل میں لائے اور حسین اشیاء دیکھے کیونکہ ایسے بیمار کا علاج از قبیل عشق و محبت ہوتا ہے اس لیے کہ جب اسے عشق نے بیمار کیا ہے تو اس کا علاج بھی عشق سے ہوگا جیسے کسی نے کہا ہے

تداویت من لیلیٰ بلیلی من الهوا
کما یتداوی ہو شارب الخمر بالخمر

ترجمہ ۔ میں نے عشق سے محبوب سے لگی ہوئی بیماری کا علاج محبوب سے کیا جیسے شرابی کا علاج شراب سے ہوتا ہے۔

فائدہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جسے مجاہدہ میں عذر ہو تو اللہ تعالیٰ رخصت سے ایسے خوش ہوتا ہے جیسے عزیمت پر عمل کرنے سے (اسے اچھی طرح سمجھ لے)۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ
قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ
كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ
كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ
اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا
قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ

مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ○ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ
أَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ○ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ
الْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ
لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ
فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○
إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ
عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَ
أَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○

ترجمہ ۔ بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے
تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام
دیا اور بہت سی غنیمتیں جن کو لیں اور اللہ عزت و حکمت والا ہے اور اللہ نے تم سے وعدہ کیا
ہے بہت سی غنیمتوں کا کہ تم لوگے تو تمہیں یہ جلد عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور
اس لیے کہ ایمان والوں کے لئے نشانی ہو اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے اور ایک اور جو تمہارے
بل کی نہ تھی وہ اللہ کے قبضہ میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر کافر تم سے لڑیں تو ضرور
تمہارے مقابلہ سے پیٹھ پھیر دیں گے پھر کوئی حمایتی نہ پائیں گے نہ مددگار اللہ کا دستور ہے کہ
پہلے سے چلا آتا ہے اور ہرگز تم اللہ کا دستور بدلتا نہ پاؤ گے اور وہی ہے جس نے ان کے
ہاتھ تم سے روک دیئے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے وادی مکہ میں بعد اس کے کہ
تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے وہ وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا
اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور رکے پڑے اپنی جگہ پہنچنے سے اور اگر یہ نہ
ہوتا کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں جن کی تمہیں خبر نہیں کہیں تم انہیں روند ڈالو تو تمہیں ان کی
طرف سے انجانی میں کوئی مکروہ پہنچے تو ہم تمہیں ان کی قتال کی اجازت دیتے ان کا یہ بچاؤ اس
لیے ہے کہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے جسے چاہے اگر وہ جدا ہو جاتے تو ضرور ہم ان میں
کے کافروں کو دردناک عذاب دیتے جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں اڑ رکھی وہی زمانہ جاہلیت

کی اڑ تو اللہ نے اپنا اطمینان اپنے رسول اور ایمان والوں پر اتارا اور پرہیز گاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اس کے اہل تھے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ" البتہ بیشک اہل ایمان سے اللہ راضی ہے۔ بندے کی اللہ سے رضاء کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس کی جاری کردہ قضاء و قدر سے ناگواری خیال تک نہ لائے اور اللہ تعالیٰ کی بندے سے رضاء کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسے اس گروہ میں شامل کرے جو اس کے اوامر بجالاتے اور نواہی سے رکتے ہیں وہ وہی ہیں جن کا حال خود بیعت رضوان میں بیان فرمایا (رضوان والوں کی تعداد) بیعت رضوان کے شرکاء کل ایک ہزار چار سو تھے یہی صحیح ہے بعض نے کہا کہ وہ ایک ہزار پانچ سو پچیس تھے۔

بیعۃ رضوان کی وجہ تسمیہ: اس آیت کا نام بیعۃ الرضوان ہے جیسا کہ بعض اکابر نے فرمایا وہ اس لیے کہ رضا یعنے بندے کا اپنے ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں فنا کرنا یہی فنائے صفات کا کمال ہے وہ اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ حجابات صفات میں محجوب ہے اور صفات افعال میں اور افعال اکوان میں و آثار میں محجوب ہیں جس کے حجابات اکوان کے پردے ہٹ جاتے ہیں تو اس پر افعال جلوہ گر ہوتے ہیں وہ متوکل ہو جاتا ہے اور جس سے افعال کے حجابات ہٹ جاتے ہیں تو اس پر صفات جلوہ گر ہوتے ہیں وہ رضاء و تسلیم کا پیکر بن جاتا ہے جس سے صفات کے حجابات ہٹ جاتے ہیں تو اس پر خود ذات جلوہ گر ہوتی ہے فانی فی التوحید ہو جاتا ہے یہی موحد مطلق ہے اس وقت اس کا یہ مرتبہ ہوتا ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے پڑھے جب تک اس کو یہی شہود نصیب ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ توحید الافعال توحید الصفات پر اور توحید الصفات توحید الذات پر مقدم ہے انہی تین مراتب کی طرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سجدہ کی دعا میں اشارہ فرمایا کہ

واعوذ بعفوك من عقابك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك منك اے اللہ! تیری معافی کے ساتھ عقاب سے اور تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب اور تیری ذات کے ساتھ تیرے سے پناہ چاہتا ہوں۔

سبق: اسے خوب یاد کر لے کیونکہ معرفت کا لباب (خلاصہ) ہے۔

"اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" جبکہ تیرے سے درخت کے نیچے تیری بیعت کرتے تھے۔
ترکیب اذ رضی سے منصوب ہے۔ مضارع کا صیغہ اس کا تصور ذہن میں لانے کے لئے ہے اور تحت الشجرۃ

اسی سے متعلق ہے "الشجرۃ" وہ تنا جس کی ساق (پنڈلی) ہو۔ یہاں پر شجرہ سے ام غیلان یعنی کیکر کا درخت مراد ہے اسی لیے کہ حجاز کی وادیوں میں یہی بکثرت ہوتا ہے بعض نے کہا وہ بیری کا درخت تھا۔

بیعت کس لیے: اس پر بیعت لی گئی کہ وہ لوگ قریش سے جنگ کریں گے اور جنگ سے نہیں بھاگیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے حق کی راہ میں کٹ مریں گے۔

فائدہ: حضرت ابو عیسیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں کیونکہ ایک گروہ نے موت پر بیعت کی یعنی یہ کہا آپ کو شہید نہ ہونے دیں گے ہم سب آپ پر جان دیں گے دوسرے گروہ نے کہا ہم آپ سے بھاگ نہیں جائیں گے۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ جنگ سے نہ بھاگنا موت کو مستلزم نہیں اسی لیے ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔

اصحاب الشجرہ: اس بیعت والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جاتا ہے۔ جنگوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علامت کے طور مختلف اسماء سے پکارا جاتا مثلاً بعض کو اصحاب الشجرہ بعض اصحاب سورۃ البقرہ۔

فضائل اصحاب الشجرہ: مروی ہے کہ جب یہ حضرات بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان پہنچا کہ وہ آج آسمانوں کے دربانوں اور فرشتوں کو یہ نظارہ دکھا رہا ہے اور بطور فخر فرما رہا ہے کہ آسمان والے میرے مقربو اس گروہ کو دیکھو کہ وہ دین واسلام کے اعزاز اور کلمۂ حق کے اعلاء میں بدل وجان کوشش کرتے ہیں اپنی جان وجسم اور دلی قربان کو تیار رہتے ہیں اور جنگ کے وقت نیزہ کے نشان پر رخ سامنے کر دیتے ہیں اور ہر وقت سینہ سپر رہتے ہیں ؎

شراب از خون وجام کاسۂ سر
بجائے بانگ رود آواز اسپاں
بجائے دستۂ گل دشنہ وتیغ
بجائے قرطہ برتن درع وخفتان

ترجمہ۔ وہ لوگ شراب کے بجائے خون اور کاسہ کے بجائے سر آواز (شرابی) کے بجائے

گھوڑوں کے آواز اور دستر گل کے بجائے تیر و تفنگ لباس کے بجائے جسم پر زرہ اور سر پر خود رکھتے تھے۔

اے میرے مقربو گواہ ہو جاؤ کہ میں ان سے خوش اور راضی ہوں۔ قیامت میں ان سب کو امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی شفاعت کی اجازت دوں گا وہ جتنا چاہیں گے بخشوالیں۔

بخشش کا پروانہ: ان کی بیعت کا سن کر قیامت تک ہر وہ مومن جو دل میں خیال لائے گا کاش میں بھی اس بیعت میں شریک ہوتا اس کو بھی بخشش دوں گا۔

روئے زمین سے افضل: اس بیعت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب الشجرہ کو فرمایا کہ آج تم تمام اہل ارض سے افضل ہو۔

فائدہ: اس آیت میں حق تعالیٰ نے حدیبیہ کی بیعت کا تذکرہ فرمایا اور جو لوگ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس بیعت میں تھے ان کے حسب ذیل فضائل بیان فرمائے:-

(۱) حق تعالیٰ نے ان کو مومنین فرمایا اس سے بڑھ کر ان کے ایمان کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے جو شخص اس بیعت کے شرکاء کو مومن نہ کہے۔ اس کا مکذب قرآن ہونا کس قدر واضح ہے۔

(۲) حق تعالیٰ نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا اور وہ بھی حرف تاکید یعنی "لقد" کے ساتھ ظاہر ہے کہ خدا جس سے راضی ہو گیا اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی فرما دیا اس کا انجام یقیناً بخیر ہو گا اور اب کبھی اس سے خلاف مرضی الٰہی کوئی کام صادر نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر آئندہ ان لوگوں سے کوئی فعل خلاف مرضی الٰہی صادر ہونے والا ہوتا تو وہ ان کی اس بیعت سے ہرگز راضی نہ ہوتا چہ جائیکہ رضامندی کا اعلان۔ ہم لوگ جو آج کسی سے کسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں اور کل اس کی کسی خلاف مزاج حرکت پر ناخوش ہو جاتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم کو آئندہ کا علم نہیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جو آج ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ کل ہماری مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے گا تو ہم اس کی کسی بات پر ہرگز خوش نہ ہوں چہ جائیکہ اپنی خوشنودی کا اعلان کریں لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ خدا اس وقت ان کی بیعت سے خوش ہو گیا مگر بعد وفات پیغمبر کے جب انہوں نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی شروع کر دی تو خدا ان سے ناخوش ہو گیا۔ خدا کے عالم الغیب ہونے کا کھلا ہوا انکار ہے۔

(۳) حق تعالیٰ نے ان کے دلوں کی حالت کا علم بیان فرما کر ان کی نیک نیتی اور ان کے اخلاص کی گواہی دی۔ گویا منکرین کے اس وسوسہ کا پہلے ہی جواب دے دیا کہ ہم صرف ان کے ظاہری فعل

کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے بلکہ ہم کو ان کے دل کا حال معلوم ہے۔ اسی لیے ہماری رضامندی ان کے شامل حال ہوئی۔

(۴) حق تعالیٰ نے اُن پر سکینہ نازل فرمایا ہے ظاہر ہے کہ جس پر سکینہ نازل ہو جاتا ہے اس کے ایمان کو پھر جنبش نہیں ہوتی اور نہ اس کی استقامت میں فرق آسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا انعام خداوندی ہے جو ان کو حاصل ہوا۔

(۵) حق تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں تین چیزوں کے دینے کا وعدہ فرمایا۔ (۱) فتح قریب۔ (۲) مغانم کثیرہ۔ (۳) کچھ اور مغانم جو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر تھے۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ سے فتح مکہ اور خیبر کا مال غنیمت مراد لیا گیا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے کیونکہ فتح کے ساتھ قریب کا لفظ اور مغانم کثیرہ کے بعد عَجَّلَ کا لفظ اسی کو بتا رہا ہے کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور بہت جلد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہونی چاہئیں چنانچہ فتح خیبر تو حدیبیہ سے لوٹتے ہی حاصل ہوگئی۔ ذی الحجہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے اور محرم ۷ھ میں خیبر فتح ہوگیا اور مال غنیمت بکثرت ہاتھ آیا لیکن تیسری چیز یعنی وہ مغانم جن کو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر فرمایا گیا ہے اس کا مصداق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔ خیبر کے بعد کوئی غنیمت ایسی نہیں حاصل ہوئی جس کو غنائم خیبر کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دی جائے کہ عرب کے احاطۂ قدرت سے اس کو باہر کہا جائے۔ لامحالہ اس تیسری چیز سے فارس و روم کے فتوحات مراد لیے جائیں گے۔ کیونکہ ان دونوں سلطنتوں کی فتح البتہ ایک ایسی چیز تھی کہ عرب کے احاطۂ قدرت تو کیا بلکہ وہم و گمان سے بھی بالاتر تھی۔

یہ تیسری چیز خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں حاصل ہوئی اور خدا کا یہ وعدہ انہیں تینوں کے ہاتھ پر پورا ہوا۔

(۶) فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو اَثَابَهُمْ کے تحت میں بیان فرما کر اس امر کا اظہار فرما دیا کہ یہ انعام اس بیعت کا معاوضہ ہے، جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں ہیں ان کا کوئی حصہ اس انعام میں نہیں ہے چنانچہ خیبر کی غنیمتوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ کسی اور کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ تیسری نعمت کو اگرچہ کسی جماعت کے لئے مخصوص نہیں کیا مگر اس کو اہل حدیبیہ کے ہاتھ پر پورا کرنا ہزاروں خصوصیتوں سے بڑھ کر ہے۔

(۷) فرمایا کہ اب کوئی جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں فتحیاب نہ ہوگی بلکہ جو تمہارے

مقابلہ میں آئے گا پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا - اصحاب حدیبیہ کے مقابلہ میں کبھی کسی کافر کو فتح نصیب نہ ہوئی حتیٰ کہ ایران و روم جیسی زبردست سلطنتوں سے جب ان کا مقابلہ ہوا اس وقت خدا کی قدرت سب کو نظر آگئی اور یہ دونوں سلطنتیں دم کی دم میں زیر و زبر ہوگئیں -

(۸) ان انعامات کے وعدوں کے بعد فرمایا کہ یہ ہمارا قدیم قانون ہے اور ہمارے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی یہ اشارہ ہے - اس قانون خداوندی کی طرف جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین صادقین کے فتح و نصرت کے متعلق ہے جس کا بیان دوسری آیتوں میں بہت وضاحت کے ساتھ ہے قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ط

یعنی ہمارا وعدہ اپنے رسولوں سے پہلے ہی ہو چکا ہے کہ انہیں کو فتح ملے گی اور بہ تحقیق ہمارا لشکر غالب رہے گا -

(۹) بیعت حدیبیہ کی عزت افزائی کی انتہا یہ ہے کہ دوسری بیعتوں سے ممتاز کرنے کے لئے اس درخت کا بھی ذکر فرمایا جس کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی -

(۱۰) فتح مکہ اور فتح خیبر کو ایمان والوں کے لئے نشانی فرمایا یعنی یہ دونوں فتوحات آئندہ فتوحات کی دلیل ہیں یہ دونوں فتوحات یقین دلاتی ہیں کہ آئندہ فتوحات بھی اسی طرح پوری ہوں گی معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو فارس و روم کی فتوحات کا وعدہ ہے اور ان کی علامت و نشانی کے طور پر یہ فتوحات عطا ہوئی ہیں - اس سے فاتحان فارس و روم کی شان اظہر من الشمس ہو رہی ہے -

فائدہ: اس آیت سے اصحاب حدیبیہ کا مومن بلکہ کامل الایمان اور پسندیدۂ خدا ہونا اس صفائی اور وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے کہ کسی قسم کی تاویل اور چون وچرا کی گنجائش نہیں اور یہ بات بھی بلا شک و شبہ باتفاق فریقین ثابت ہے کہ تینوں خلفاء اس بیعت میں شریک تھے اور جن لوگوں نے ان کا انتخاب خلافت کے لئے کیا اور ان کو اپنا امام مانا وہ بھی اس بیعت میں شریک تھے لہٰذا اس آیت کی رو سے وہ سب پسندیدۂ خدا اور مومن مخلص ہوئے اور جو ایسا ہو اس کی خلافت یقیناً خلافت راشدہ ہے - ایسے لوگوں کی خلافت کو ظلم و جور کی خلافت کہنا کلامِ الٰہی کی تکذیب کرنا ہے -

شیعہ بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے کہ کوئی تاویل اس آیت کی نہیں ہو سکتی اور اصحاب حدیبیہ کے فضائل کا انکار بغیر اس آیت کی تکذیب کیے ہوئے ممکن نہیں لہٰذا انہوں نے اپنے اسی آخری کید سے یہاں بھی کام لیا ہے جس کو انہوں نے ہدایت قرآنی سے سرتابی کے لئے بڑے اہتمام سے تصنیف فرمایا ہے - کہتے ہیں کہ یہاں تحریف ہوگئی ہے - خدا نے اپنی رضامندی اس شرط کے ساتھ بیان کی تھی کہ مرتے دم تک اسی بیعت پر قائم رہیں مگر وہ لوگ قائم نہ رہے لہٰذا رضامندی بھی جاتی رہی لیکن صحابہ نے

شرط کے مضمون کو اس آیت سے نکال کر کہیں اور لگادیا اور اس آیت کو بغیر شرط کے کر دیا جس سے کلام الٰہی کا مفہوم بدل گیا۔ (تفسیر قمی صہ ۳۳۶ اور مولوی مقبول احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن صہ ۸۱۵)

ہمارے نادان شیعہ تحریف قرآن کا عذر کر کے سمجھتے ہوں گے کہ اس آیت رضوان سے ان کی گلوخلاصی ہوگئی اور اس آیت سے جو فضائل اصحاب حدیبیہ کے ثابت ہوتے تھے ان کا جواب ہوگیا مگر خدا کی قدرت کہ اس جواب سے بھی اُن کو رہائی نہیں مل سکتی۔ اولاً اگر اس آیت کے ساتھ کوئی شرط پوری نہیں ہوئی تو ضرور خدا کو پہلے ہی سے اُس شرط کے پورے نہ ہونے کا علم ہوتا کیونکہ خدا کو تمام آئندہ ہونے والی چیزوں کا علم ہے پس اس صورت میں نعوذ باللہ فریب دہی کا الزام خدا پر قائم ہوتا ہے۔ ایک ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط کر کے اپنی رضامندی کا اعلان کر دینا فریب نہیں تو اور کیا ہے۔

(۲) آیت میں سب صیغے ماضی کے ہیں رَضِیَ۔ اَنْزَلَ۔ اَثَابَ یعنے خدا ان سے راضی ہوگیا پھر سکینہ ان پر اتارا پھر بدلے میں ان کو فتح قریب وغیرہ دی حالانکہ اگر کسی شرط کے ساتھ یہ چیزیں مشروط ہوتیں تو بجائے ماضی کے مستقبل کے صیغے ہونے چاہئیں تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کے ساتھ کوئی شرط ہرگز نہ تھی۔

(۳) اگر کوئی شرط اس آیت میں ہوتی تو وہ رضامندی اور انزال سکینہ اور فتح قریب وغیرہ سب کے ساتھ لگتی اور بغیر اس شرط کے جس طرح رضامندی ان کو حاصل نہ ہوتی۔ اسی طرح انزال سکینہ اور فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں بھی ان کو نہ ملتیں حالانکہ فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں باتفاق فریقین قطعاً ان کو ملیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہرگز کوئی شرط اس آیت کے ساتھ نہ تھی۔ اور بالفرض اگر تھی تو وہ پوری ہوئی۔

(۴) اگر خدا کی رضامندی کسی ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی تو پھر عَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ بالکل لغو ہو جاتا ہے معاذ اللہ منہ کیونکہ اس جملہ کا مقصود تو یہ ہے کہ خدا اپنی رضامندی کی وجہ ظاہر فرمارہا ہے کہ چونکہ ہم دلوں کی حالت سے واقف ہیں اس لیے ان سے راضی ہوئے حالانکہ صورت مذکورہ میں رضامندی کا وجود ہی نہیں ہوا۔

خلاصہ: آیت کے الفاظ اور اس کا مضمون اور اس کی پیشین گوئی کا ظہور بتارہا ہے کہ ہرگز اس آیت میں کوئی شرط نہ تھی اور اگر تھی تو وہ پوری ہوگئی اور خدا نے جس طرح فتح قریب مغانم کثیرہ وغیرہ کا وعدہ ان سے پورا کیا اسی طرح قطعاً و یقیناً خدا کی رضامندی بھی ان کو حاصل ہوئی اور سکینہ بھی ان پر نازل ہوا۔

سوال شیعہ - بعضے نادان شیعہ گھبرا کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے مومنوں سے جو اس بیعت میں شریک تھے اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے نہ منافقین سے لہذا جو منافق اس بیعت میں تھے ان سے خدا کا راضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی نے اسی جواب کو پسند کیا ہے چنانچہ اپنے ترجمہ قرآن کے صفحہ ۸۱۸ میں اسی آیت رضوان کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :۔

"اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ ان تمام بیعت کرنے والوں سے خدا ہمیشہ کے لئے راضی ہوگیا اور یہ لوگ جنتی بن گئے کیونکہ اوّل تو خدا نے تمام بیعت کرنے والوں سے خوشنودی کا اظہار کیا نہیں بلکہ صرف مومنین سے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ وہ تو اس وقت خوش ہوا جس وقت ان لوگوں نے بیعت کی۔ اب رہی آئندہ کی حالت تو جیسی کرنی ویسی بھرنی تو خلاصہ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ خدا سچے ایمان داروں کے اس فعل سے ضرور خوش ہوا۔"

مولوی فرمان علی نے یہ تو مان لیا کہ خدا کی رضامندی ضرور اس آیت سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ دو باتیں بتاتے ہیں :۔

(۱) خدا کی رضامندی ہمیشہ کے لئے نہ تھی بلکہ وقتی تھی۔ بعد میں جب انہوں نے خلاف شرع کام کیے تو رضامندی جاتی رہی۔

(۲) خدا نے سب بیعت کرنے والوں سے رضامندی ظاہر نہیں بلکہ صرف مومنین سے۔

جواب پہلی بات کا ہم اوپر دے چکے ہیں۔ اجی حضرت خدا عالم الغیب ہے۔ جس شخص سے آئندہ خدا کی خلاف مرضی حرکات صادر ہونے والی ہیں خدا کو پہلے ہی سے اُس کا علم ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ اس شخص کی کسی اچھی سے اچھی بات سے بھی ہرگز ہرگز خوش نہیں ہوسکتا اور اپنی خوشی کا اعلان دے کر لوگوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا اہل سنت کا اعتقاد تو یہی ہے مگر شیعہ جو خدا کے لئے عقیدہ بدا کے قائل ہیں اُن کے مذہب کی بنا پر یہ بات ممکن ہے کہ ایک وقت خدا ان سے راضی ہوگیا اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی کر دیا مگر بعد میں جب ان لوگوں نے برے کام کیے تو خدا کو بدا ہوا اور خدا کی رائے بدل گئی اور وہ ناراض ہوگیا استغفر اللہ۔

دوسری بات اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آیت میں خدا نے ایمان والوں سے اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے اسی طرح فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو بدلہ بھی ایمان داروں ہی کا قرار دیا ہے لہٰذا جس طرح خدا کی رضامندی ایمان والوں کے ساتھ مخصوص رہی اسی طرح خیبر کا مال غنیمت بھی ان کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام بیعت کرنے والوں کو غنیمت خیبر میں حصہ دیا

اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب مومن تھے اور سب کو خدا کی رضامندی حاصل ہوئی اور یقیناً سب جنتی ہو گئے۔ اگر کہا جائے کہ غنیمت خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بوجہ خوف کے منافقوں کا حصہ لگایا اگر ایسا نہ کرتے تو منافق لڑ بیٹھتے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اسی طرح رسول کو خوف کی وجہ سے احکامِ خداوندی کا خلاف کرنے والا قرار دیا جائے تو دین بازیچۂ طفلاں بن جائے گا پھر دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح حدیبیہ میں نہ آنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غنیمت خیبر سے حصہ نہ دیا اور کوئی فتنہ برپا نہ ہوا اسی طرح حسن تدبیر سے ان منافقوں کو بھی علیحدہ کر سکتے تھے اور کوئی فتنہ نہ ہوتا۔

بہرحال شیعہ کے بنائے کوئی بات بنتی نہیں اور آیت برملا ندا دے رہی ہے کہ جن لوگوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ ان سب سے خدا راضی ہو گیا۔ سب پر سکینہ اترا اور سب قطعی جنتی ہیں۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔

اسی آیت رضوان کی اور خدا کی رضامندی کی تفسیر ہیں وہ احادیث جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حدیبیہ کی نسبت فرمایا اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ یعنی آج تم تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو نیز فرمایا کہ لَنْ يَّلِجَ النَّارَ اَحَدٌ مِّمَّنْ تَحْتَ الشَّجَرَةِ یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ دونوں حدیثیں وہی خاص مضمون بیان کر رہی ہیں جو آیت میں ہے۔ جس سے خدا راضی ہے اس کے بہتر ہونے میں کیا شک اور اس کے دوزخی نہ ہونے میں کیا تردد۔ لیکن جس کا ایمان خود مضطرب ہو اس کا کیا علاج۔

خضر (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کی موت کا ثبوت:

اسی حدیث سے بعض علماء نے ثابت کیا ہے کہ حضرت خضر (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) وفات پا گئے کیونکہ اگر انہیں زندہ مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ غیر نبی نبی پر افضل ہے[1] اور دلائل واضحہ سے ثابت ہے کہ حضرت خضر (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) نبی ہیں (کذا قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ)

جوابات:

(۱) فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ خضر (علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی نبوت حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی نبوت کی طرح ختم ہے (یعنی اب ان کے احکام کا اجراء نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ فی نفسہٖ نبی ہیں) اویسی غفرلہٗ

(۲) بالفرض ان کی حیات مان لی جائے تب بھی مذکورہ بالا سوال پیدا نہ ہو کیونکہ وہ نو اس وقت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع اور امت سے ہیں جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ لوکان اخی موسٰی حیا لما وسعہ الا اتباعی اگر بھائی موسیٰ علیہ السلام ظاہری زندگی کے لحاظ سے زندہ ہوتے تب بھی انہیں میری اتباع کے بغیر گنجائش نہ ہوتی۔ نیز یہ مسئلہ پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابیوں میں داخل ہیں اور آخری زمانہ میں نزول کے وقت آپ کی ہی امت میں داخل ہوں گے۔

(۳) اگر تم یوں کہو کہ وہ بیعت میں حاضر ہوں گے لیکن آپ کو کسی نے نہ دیکھا تو بات ظاہر ہے اگر یوں کہو کہ وہ اس وقت حاضر نہ تھے تو بھی ان پر صحابہ کرام کی فضیلت من کل الوجہ ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ بعض بزرگوں کو دوسرے بزرگوں پر من وجہ فضیلت ہوا کرتی ہے (سوائے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کہ آپ من کل الوجوہ تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں) اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

شجرہ رضوان کہاں: انسان العیون میں ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت ہوئی اس کا نام شجرۃ الرضوان مشہور ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانۂ خلافت میں خبر پہنچائی گئی کہ لوگ اس درخت (شجرۂ رضوان) کے نزدیک نمازیں پڑھتے ہیں (تبرک کے طور) آپ نے ان لوگوں کو وہاں سے بھگا کر اس درخت کو کٹوا دیا کہ کہیں بدعت نہ پھیل جائے۔[1]

---

[1] بدعت پھیل جانے کی وجہ وہ نہیں جو دیوبندیوں وہابیوں اور ان کے ہمنواؤں نے مشہور کر رکھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کٹوایا۔ اصل درخت کو کٹواتے تو ہم بھی تبرکات کے قائل نہ ہوتے بلکہ یقینی سے اس درخت کو کاٹا جو لوگوں نے اپنے گمان سے اسے اصل درخت سمجھ رکھا تھا اور ہمارے نزدیک وہ متبرک نہیں بلکہ جعلی (من گھڑت شے) ہے اس کی بنیاد ختم کر دینا ضروری ہے ذیل میں ہم دلائل قائم کرتے ہیں کہ یقیناً درخت اصلی پہلے سال ہی ناپید ہوگیا جس درخت کو عوام نے متبرک سمجھ رکھا تھا وہ ان کا محض گمان اور خیال تھا۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) صحیح بخاری میں حضرت سعد بن المسیب (جو کبار تابعین سے ہیں) اپنے والد سے جو بیعت الرضوان میں شریک تھے، روایت کرتے ہیں کہ جب ہم سال آئندہ یہاں آئے تو ہم حدیبیہ کے مقام کو نہ پہچان سکے۔ اس زمانہ میں مکہ مکرمہ پہنچنے کا (مدینہ منورہ سے) یہی راستہ تھا یعنی حدیبیہ ہو کر مکہ مکرمہ میں پہنچتے تھے اور آجکل حدیبیہ کا مقام سیدھے ہاتھ کی طرف رہ جاتا ہے۔ (۲) طارق ابن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ جب ہم

جوابات وہابیہ از صاحب روح البیان رحمہ اللہ : صاحب روح البیان قدس سرہ مذکورہ بالا بدعت کا خدشہ ظاہر کر کے اس کے جوابات لکھتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

جواب ۱ : روی الامام النسفی رحمہ اللہ فی التیسیر :-

انہا عمیت من قابل فلم ید روا این ذہبت — بیشک وہ درخت اگلے سال سے پہلے گم ہو گیا کسی کو معلوم نہ ہوا وہ کہاں گیا۔

(روح البیان ج ۹ ص ۳۴)

جواب ۲ : مذکورہ بالا جواب اجمالی تھا اب خود اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

---

ادھر سے گذرے تو ہم نے کچھ لوگوں کو ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پس میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے اور یہ مسجد یہاں کیسی بنائی ہے انہوں نے بتایا کہ یہ موضع شجرہ ہے اس مقام پر اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے درخت کے نیچے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(ترجمہ) "بیشک اللہ راضی ہو گیا ان ایمان والوں سے جنہوں نے آپ سے اے رسول بیعت کی درخت کے نیچے۔"

لوگوں نے یہاں مسجد بنالی ہے جس طرح تمام مدینہ منورہ اور اس کے راستے میں تمام مصطفوی آثار پر مسجد بنا کر ان کو محفوظ کر لیا ہے اور ان مقامات پر نماز ادا کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ طارق ابن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں مدینہ منورہ لوٹ کر آیا اور سعید بن المسیب کو یہ واقعہ بتایا۔ حضرت سعید نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ وہ ان لوگوں میں شریک تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی لیکن جب ہم آئندہ سال مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے اور اس مقام پر پہنچے تو خاص اس مقام کو جہاں درخت موجود تھا نہ ڈھونڈ سکے۔ حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا حیرت ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کو نہ پا سکے اور تم کو وہ جگہ مل گئی، گویا تم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دانشمند ہو حالانکہ ان حضرات کا علم اور ان کی معرفت تم سے کہیں بڑھ کر تھی۔ شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت سعید کا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و معرفت میں بڑھ کر کون ہو سکتا ہے بلکہ ان کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں نے محض گمان سے کسی جگہ کو حدیبیہ کے نام سے متعین و مخصوص کر دیا ہو گا ورنہ حقیقی تعین کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح انہوں نے تنبیہ کی ہے یا از روئے عجز و انکسار یہ فرما دیا ہے۔

یقول الفقیر یمکن التوفیق بین الروایتین بانهم لما عمیت علیهم ذهبوا یصلون تحت الشجرۃ علی ظن انها هی الشجرۃ البیعۃ فامر عمر رضی اللہ عنہ بقطعها (روح البیان ج ۹ ص ۳۵ مطبوعہ بیروت)

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں مطابقت یہ ہے کہ وہ درخت ان سے گم ہو گیا لوگ صرف اپنے گمان پر جا کر کسی ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ کر سمجھتے کہ یہ وہی ہوگا اسے (جعلی) درخت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹنے کا حکم فرمایا۔

دیوبندیوں وہابیوں کے خدشوں اور غلطیوں کا صدیوں پہلے قلع قمع: دور حاضرہ میں دیوبندی وہابی بالخصوص اہلسنت کے بہت سے معمولات میں ایسے غلط خدشات اٹھاتے ہیں جن سے ایک مسلمان کا دل ہل جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ شاید ان معمولات میں واقعی کوئی دین کو نقصان پہنچے گا حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ کی طرف سے صاحب روح البیان قدس سرہ ان خدشات کا قلع قمع کرتے ہیں چنانچہ لکھا کہ

وفی کشف النور لابن النابلسی واما قول بعض المغرورین بانها تخاف علی العوام اذا اعتقدوا ولیا من الاولیاء وعظموا قبرہ التمسوا البرکۃ والعونۃ منه ان یدرکهم اعتقادان الاولیاء توثر فی الوجود مع اللہ فیکفرون ویشرکون باللہ تعالیٰ فننهاهم عن ذالک ونهدم قبور الاولیاء ونرفع البنایات الموضوعۃ علیها ونزیل الستور عنها ونجعل الاهانۃ للاولیاء ظاهرا حتی تعلم العوام الجاهلون ان هؤلاء الاولیاء لو کانوا مؤثرین فی الوجود مع اللہ تعالیٰ من انفسهم الاهانۃ التی نفعلها معهم فاعلم ان هذہ الصنیع کفر صراح ماخوذ من قول فرعون

کشف النور لابن النابلسی میں ہے کہ بہرحال بعض دھوکہ سازوں کا کہنا کہ ہم کو خوف ہے کہ عوام جب کسی کو ولی اللہ اعتقاد کرتے ہیں تو اس کی قبر کی تعظیم کرتے اور اس سے برکت و مدد چاہتے ہیں انہیں یہ اعتقاد اس طرف نہ لے جائے کہ (معاذ اللہ) یہ لوگ خدا ہیں اس طرح سے وہ کافر و مشرک ہو جائیں گے اسی لیے ہم انہیں روکتے اور اولیاء کی قبور کو اور ان کے وہ قبے جو ان پر بناتے ہیں کو توڑتے اور ان کے غلاف قبور سے ہٹاتے ہیں بلکہ ان کی اہانت و تحقیر بظاہر کرتے ہیں تاکہ عوام جہال کو معلوم ہو کہ یہ اولیاء اگر مؤثر ہوتے تو وہ ہماری ان حرکتوں کو روکتے تو ان بدبختوں کے رد میں یقین کر لو کہ ان کا یہ کام کفر خالص اور فرعون کے اس عقیدہ سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا عقیدہ بتایا کہ وہ

علی ماحکاہ اللہ تعالیٰ لنافی کتابہ القدیم وقال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد وکیف یجوزھذا الصنیع من اجل الامر الموھوم وھو خوف الضلال (روح البیان ج ۹ ص ۳۴-۳۵)

کہتا مجھے چھوڑ دو موسیٰ کو قتل کرتا ہوں وہ اپنے خدا کو بلائے مجھے خطرہ کہ وہ تمہارا دین بدل دے گا اور زمین پر فساد ڈالے گا۔ ان بیوقوفوں کو سمجھاؤ کہ وہ اس وہمی تصور سے اولیاء کی توہین کیوں کیا کرتے ہیں۔ تمہارا یہ فعل گمراہی نہیں۔

جواب ۳: صاحب روح البیان نے وہابیہ کے وہم کو صدیوں پہلے اڑا دیا چنانچہ فرمایا کہ

ویقول الفقیر والتوفیق بین ھذا و بین ما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ ان الذی یصح ھو اتباع الظن لا الوھم (روح البیان ص ۳۵ ج ۹ مطبوعہ بیروت)

فقیر کہتا ہے کہ ان دونوں قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ اتباع ظن پر بھی جائز ہے نہ کہ وہم اور یہاں حضرت عمر نے جس کو کاٹا تھا وہ ظن نہیں بلکہ وہم تھا کیونکہ اصلی درخت تو تھا نہیں۔

"فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ" تو جان لیا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اس کا یبایعونک پر عطف ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا کہ یبایعونک بمعنے بایعوک ہے اس کا عطف رضی پر نہیں کیونکہ اس کے رضا مترتب علم مافی قلوبہم سے ہے یعنے ان کے اس صدق و اخلاص کا علم ہے جو حضور علیہ السلام سے بیعت کر رہے تھے۔

فائدہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے علم کا یہ فرق ہے کہ بندوں کو شے کے ظہور کے بعد علم ہوتا ہے اور وہ اس کی صورت حاصلہ کو دیکھ کر جانتے ہیں اور علم الحق کا وجود الخلق کے پہلے وجود کو ہے اللہ تعالیٰ کا علم کسی دوسرے تعلق کے بغیر ہوتا ہے بخلاف بندے کے کہ وہ تعلق غیر کا محتاج ہے "فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ" اس کا عطف رضی پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر طمانیت وسکون نفس نازل فرمایا ان کے دلوں کو مربوط کر کے بعض نے کہا صلح ہے

تفسیر صوفیانہ: حضرت البقلی رحمہ اللہ نے اپنی عرائس (البیعان) میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ازل اور اپنے اپنے سابق علم قدیم میں ان سے راضی ہوا اور اس کی رضا تا ابد اس کے لئے باقی رہے گی اس لیے کہ رضا اس کی صفت ازلیہ باقیہ ابدیہ ہے وہ کسی حادث سے متغیر نہیں ہوتی اور نہ ہی وقت و زمانہ سے اور نہ طاعت و معصیت سے اسی لیے وہ اصحابہا ہمیشہ ہمیشہ تک برگزیدگی میں باقی ہیں وہ کسی لغزش اور حرص وہوا اور شہوات میں اپنے درجات سے نہیں گرتے کیونکہ

اہل رضا اللہ تعالیٰ کی رعایت (نگرانی) میں محفوظ ہیں ان پر اہل بُعد کے صفات جاری نہیں ہوتے بلکہ وہ صفت رضائے الٰہی سے موصوف ہیں اسی لیے وہ اس سے راضی ہیں جیسے وہ ان سے راضی ہے یہ ان کے قلوب ہیں انوار اُنس میں ڈالنے کے بعد جیساکہ فرمانا" فانزل السکینۃ علیھم"۔

فائدہ: ابن عطاء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور انہیں اس نے راضی کیا اور مقام رضا ویقین و اطمینان تک پہنچایا پھر ان قلوب پر سکینہ نازل فرمایا تاکہ ان کے قلوب تسکین پائیں۔

تفسیر عالمانہ: " وَاَثَابَهُمْ " اور انہیں بدلہ دیا" اثابت بمعنے جزا دینا اور ثواب عمل میں سے وہ جزا ہے کہ جس کی طرف انسان رجوع کرے اس کا استعمال خیر وشر والوں میں ہوتا ہے لیکن اکثر و تعارف میں خیر میں مستعمل ہوتا ہے۔

الاثابتہ محبوب امور میں مستعمل ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس " فاثابکم غما بغم" تو پہنچایا انہیں غم غم کے بدلے ہیں، استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے " فَتْحًا قَرِيبًا " فتح قریب، یہاں سے فتح خیبر مراد ہے جو انہیں حدیبیہ کی واپسی پر نصیب ہوئی " مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا" بہت غنیمتیں حاصل کرتے تھے یعنی انہیں خیبر کی بہت سی غنیمتوں سے نوازا جو زمینوں اور درختوں پر مشتمل تھیں جو یہودیوں سے چھینی گئیں اور ان کے شہر بھی فتح ہوئے جو صحابہ حدیبیہ پر تقسیم کی گئیں " وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا " اور ہے اللہ تعالیٰ غالب " حَكِيمًا " حکمتوں والا یعنی احکام اور فیصلوں میں حکمت کے تقاضوں کی رعایت کرنے والا ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ وہ اپنے امر میں حکیم ہے کہ اس نے ان کے لئے فتح اور غنیمت کا اور اہل خیبر کے لئے قید اور شکست کا فیصلہ فرمایا۔

" وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً " تمہارے لیے بہت غنیمتوں کا وعدہ فرمایا یعنی وہ امور جو اہل ایمان کی طرف قیامت تک لوٹیں گے " الافاءۃ " بمعنے کسی کا مال غنیمت بنانا " وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ " اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے سے روکے یعنی اہل خیبر سے وہ ستر ہزار تھے اور ان کے حلیف بنو اسد و غطفان تھے جو ان کی مدد کے لئے آئے جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالا جو واپس لوٹ گئے۔

فائدہ: حلفاء (بالحاء المہملہ) حلیف کی جمع وہ جو مدد کے لئے معاہدہ کرے کیونکہ حلف بمعنے وہ عہد جو کسی قوم کے درمیان ہو۔ بعض نے کہا ایدی الناس سے مراد اہل مکہ کے ہاتھ روکے کہ ان سے صلح کرادی۔

"المفردات" میں ہے الکف بمعنے کف الناس ہر وہ شے جس سے قبض و بسط ہو

حل لغات: کہا جاتا ہے کففتہ بمعنے دفعتہ بالکف (میں نے اسے ہاتھ سے دفع کیا) عرف میں مطلق دفع کو کہتے ہیں۔ ہاتھ سے ہو یا کسی اور وجہ سے اسی لیے جس کی آنکھیں بند ہو جائیں اسے مکفوف البصر کہا جاتا ہے۔

فائدہ تفسیریہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر اس آیت کا نزول فتح خیبر کے بعد ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو ساری سورت آپ کے رجوع عن الحدیبیہ سے نازل نہیں ہوگی اگر قبل الرجوع حدیبیہ ہے تو یہ اخبار عن الغیب کے قبیل سے ہوگی ھذہ کا اشارہ غنیمتوں کو بمنزلہ حاضر مشاہد کے کیا گیا ہے اور اسے ماضی سے تعبیر کرنا تحقق کی بنا پر ہوگا۔

"وَلِتَكُونَ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ" اور تاکہ ہو اہل ایمان کے آیت (دلیل) اس کا عطف علت اخری پر ہے جو ایک دو فعلوں میں سے محذوف سمجھی جاتی ہے در اصل عبارت یوں ہے" فعجل لکم ھذہ وکف ایدی الناس عنکم لتغتنموھا و لتکون آیۃ للمؤمنین" یعنی تاکہ اہل ایمان کے لئے دلیل ہو جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی جانیں کہ وہ جس سے وعدہ فرماتے ہیں اسے پورا کر دکھاتے ہیں جبکہ آپ نے انہیں حدیبیہ کی واپسی پر بہت سی غنیمتوں کے حصول و فتح مکہ و دخول مسجد حرام کا وعدہ فرمایا۔ بعض نے کہا کہ یہ واو (ولتکون الخ میں) اعتراضیہ ہے اور لام (لتکون کی) فعل مؤخر محذوف کے متعلق ہے اب عبارت یوں ہوگی" ولتکون آیۃ للمؤمنین فعل ما فعل من استعجیل والکف" تاکہ ہو وہ آیت اہل ایمان کے لئے کر کر دکھلایا کہ انہیں بعجلت بہت سے غنیمتوں سے نوازا اور دشمنوں کو دفع کیا۔" وَيَهْدِيَكُمْ " اور اسی آیت کے ذریعے تمہیں ہدایت دے" صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ "سیدھے راستے۔

فائدہ: اس سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور ہر امر کے عمل اور نہی کے ترک میں اسی پر توکل مراد ہے۔

فائدہ: ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے مطمح نظر اور الوہیت پر نصیب ہوتا ہے۔ اس کے عزائم دنیوی امور سے متعلق ہیں۔ اسے مقاصد حاصل ہوں بھی تو یہ اگرچہ نقد سودا ہے لیکن ایسے مراد پانے والے آخرت کے درجات سے محروم ہوتے ہیں ہاں جس کے عزائم و مقاصد آخرت سے وابستہ ہوں اسے دونوں جہانوں میں وافر حصہ نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بسا اوقات اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے شہوات نفس کے دواعی کے ہاتھ باندھ دیتا ہے تاکہ وہ اہل جنت سے ہو جائیں جیسا کہ فرمایا" و نھی النفس عن

الھوی فان الجنۃ ھی الماوی" اور اللہ تعالیٰ نے نفس کو شہوات سے روکا تو بہشت ہی اچھا ٹھکانا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو نفس کے سپرد کردے تو وہ شہوات کا اتباع کرے گا اور یہی خواہشات درکات جہنم میں لے جانے والے ہیں اس لیے کہ نار جہنم کو شہوات گھیرے ہوئے ہیں اور ترک دنیا اور نیک شہوات نفس مومن کی علامت ہے کہ ان کے بعض بعض کی عادات سے ہدایت پاکر سیدھے راستہ تک پہنچ کر حضرت ربوبیت سے سرفراز ہوجاتے ہیں۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) پے نیک مرداں بباید شتافت
ہر آں کیں سعادت طلب کرد یافت

(۲) ولیکن تو دنبال دیو خسی
ندانم کہ در صالحاں کے رسی

(۳) پیمبر کسے را شفاعت گرست
کہ بر جادۂ شرع پیغمبر است

ترجمہ: (۱) نیک لوگوں کی اتباع کے درپے ہو جس نے یہ سعادت طلب کی اس نے پالی۔
(۲) لیکن تو تو شیطان کمینے کے پیچھے ہے مجھے معلوم نہیں کہ تو نیکوں تک کیسے پہنچے گا۔
(۳) نبی علیہ السلام بھی اس کی شفاعت کریں گے جو اس پیغمبر کی شریعت کے طریقہ (عقیدہ) پر ہو۔

غزوہ خیبر: چونکہ آیت رضوان میں مغانم کثیرہ کا وعدہ پورا کر دکھلایا اسی لیے اس کی تفصیل ضروری ہے اور وہ ہے غزوۂ خیبر اسی لیے حضرت اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان رحمہ اللہ نے اس کی تفصیل لکھی جو درج ذیل ہے[1]

خیبر کی وجہ تسمیہ: خیبر مدینہ پاک کے قرب میں ایک مشہور قلعہ ہے۔ (القاموس)
اور انسان العیون میں ہے کہ خیبر بروزن جعفر عمالق کے اس شخص کے نام پر مشہور ہوا جو سب سے پہلے وہ یہاں آکر بسا اس کا نام خیبر (یثرب کا بھائی) تھا اور یثرب مدینہ طیبہ میں مقیم ہوا اس کے نام سے وہ یثرب سے موسوم ہوا (اس کی تفصیل فقیر کی کتاب محبوب مدینہ میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہ)

فائدہ: یہود کی بعض لغات میں خیبر بمعنے الحصن (قلعہ) ہے اسی لیے اسے خیابر بھی کہتے ہیں کہ اس

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ۔

میں بہت سے خیابر[1] (قلعے) ہیں۔

خیبر[2] کا تعارف: خیبر بہت بڑا شہر ہے جس میں بہت سے قلعے اور سرسبز کھیتیاں اور کھجوریں بکثرت ہیں۔ مدینہ پاک سے آٹھ برد دور ہے اور ایک برید چار فرسخ ہوتا ہے (ایک فرسخ میں ایک میل کا فاصلہ گویا مدینہ پاک سے خیبر ۴۸ میل دور ہے) فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ دو میل ایک ساعت نجومیہ پر طے ہوتا ہے کیونکہ مدینہ پاک سے قبا شریف دو میل ہے اور اس کا سفر ایک ساعت نجومیہ سے طے ہوتا ہے اس معنیٰ پر خیبر کے آٹھ برد نجومی ساعات کے لحاظ سے اڑتالیس ساعات کا سفر ہوا۔ اور القاموس میں ہے کہ البرید دو فرسخوں اور بارہ میلوں کا ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر کے لئے تیاری: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو ذوالحج کے بقایا ایام مدینہ پاک میں گذار کر محرم ۷ھ کے آخری دنوں میں غزوۂ خیبر کا اعلان فرما دیا جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے وہ اعلان سنتے ہی حاضر ہو گئے۔ ان کے ساتھ وہ لوگ بھی تیار ہو گئے جنہیں مخلفین سے قرآن میں تعبیر کیا گیا ہے انہیں صرف غنیمت کی لالچ تھی اور بس آپ نے فرمایا تم صرف جہاد کی رغبت کے طور تو چل سکتے ہو تمہیں اس غزوۂ خیبر میں غنیمت کا حصہ نہیں ملے گا۔ اس کے بعد آپ نے منادی کو اعلان کا حکم فرمایا۔

معجزہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس جنگ (خیبر) میں کوئی کمزور آدمی نہ چلے اور نہ ہی سرکش سواری ساتھ لے جائے بعض نے اس حکم کے خلاف سرکش سواری ساتھ لے لی تو راستہ میں وہ سرکش سواری سوار کو اٹھا کر بھاگی جس سے سوار گرا تو ران ٹوٹ گئی اس سے ہی وہ مر گیا۔

اعلان: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تین بار اعلان کر دو کہ بہشت میں کوئی مجرم عاصی داخل نہ ہوگا۔

---

[1] ان کے قلعے یہ ہیں۔ (۱) خیبر (۲) کبسہ (۳) ناعم (۴) صعب (۵) سق (۶) غموص (۷) بطا کار (۸) سطح (۹) سالم

[2] خیبر یہودیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا بنی قینقاع۔ بنو قریظہ اور بنی نضیر جو مدینے کے اطراف میں آباد تھے اور پہلے سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے اُن کی سازشوں سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمایا۔ ۱۲

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روانگی کے وقت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے گئے۔[1]

خیبر میں: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خیبر میں صبح کے وقت پہنچے تو وہاں کے کسانوں کو دیکھا کہ وہ پھاوڑے۔ کدالیں اور ٹوکریاں لے کر نکلے تاکہ اپنے کھیتوں پر جا کر کام کریں۔ دور سے دیکھا کہ ایک بڑا لشکر نظر آیا سب بھاگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "خدا کی قسم یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں جو ایک بڑے لشکر کے ساتھ آرہے ہیں"۔
اس بڑے لشکر کو الخمیس سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ اس وقت پانچ حصوں پر منقسم تھا۔

فائدہ: (۱) مقدمہ۔
(۲) ساقہ۔
(۳) میمنہ۔
(۴) میسرہ۔ یہی پچھلے دو بمنزلۂ پرواز کے ہوتے ہیں۔
(۵) قلب۔

کسان دیکھتے ہی بھاگ کر قلعوں میں گھس گئے۔ انہیں تو گمان تک نہ تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لشکر میں دس ہزار سپاہ تھی۔ آپ نے کہا، اللہ اکبر خیبر ویران ہو گیا بیشک ہم جب نازل ہوتے ہیں تو ان ڈرائے ہوؤں کا آنگن بہت برا ہے یہ آپ نے بذریعہ وحی فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "فعجل لکم" آپ نے جنگ کا آغاز حصون نطات سے شروع فرمایا اور ان کی چھ چار سو کھجوریں کاٹ لی گئیں پھر آپ نے ان کے کاٹنے سے روک دیا۔ آپ اس میں سات دن رہے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا جسے جھنڈا دے کر بھیجتے وہ خالی واپس لوٹتا اس کے لیے حضرت ابوبکر و حضرت عمر و دیگر قریش نے جھنڈا ہاتھ میں لینے کا ارادہ کیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں آپ کو آنکھوں کا درد تھا آپ آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لعاب دہن آنکھوں میں لگایا۔

فاتح خیبر علی حیدر رضی اللہ عنہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفید جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیا اس میں سیاہ حروف "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ

---

[1] ایسے ہی دیگر بیس عورتیں بھی تھیں تاکہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کندہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کب تک ان سے جنگ کروں۔ آپ نے فرمایا یہانتک کہ شہادت دیں" اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ" جب وہ اس کی گواہی دیں تو انہوں نے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیے اس کے بعد حضور نبی علیہ السلام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو زرہ پہنائی اور تلوار ذو الفقار کمر میں باندھ کر قلعہ کی طرف روانہ فرمایا اور فرمایا کہ صرف ایک آدمی بھی تمہاری وجہ سے ہدایت پر آجائے تو حمر النعم (سرخ اونٹوں) سے بہتر ہے۔

فائدہ: حمر نعم وہ سرخ اونٹ قیمتی جو فی سبیل اللہ قربان کیے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت ناز و نزاکت سے جھنڈا لے کر چلے اور جا کر جھنڈا میدان میں گاڑ دیا یعنی مرحب کے بھائی حارث کے قلعہ کے نیچے اور یہ حارث شجاعت اور بہادری میں بہت بڑا مشہور تھا۔ جاتے ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس سے مڈبھیڑ ہو گئی اسے پہلے ہی وار سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا اس سے یہودیوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر قلعہ میں گھس گئے۔

صعوہ گر با عقاب سازد جنگ
دہد از خون خود پرش را رنگ

ترجمہ۔ ممولہ اگر عقاب سے جنگ کرے تو وہ اپنے پروں کو اپنے خون سے رنگ لگا رہا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ اور مرحب کا مقابلہ: اس کے بعد یہودیوں کا سردار مرحب رجز پڑھتا ہوا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح البطل المجرب

ترجمہ۔ خیبر کو معلوم ہے کہ میں ہی مرحب ہوں۔ کامل ہتھیاروں والا اور بہادر تجربہ کار۔

فائدہ: شاکی السلاح بمعنے کامل ہتھیاروں والا اور وہ جو بہادری میں مشہور ہو اور تمام بہادروں پر غلبہ رکھتا ہو۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ
ضرغام آجام ولیث قسورہ

ترجمہ ۔ میں وہ ہوں جس کا ماں نے حیدر (شیر) نام رکھا ہے ۔
مرحب نے حضرت علی المرتضیٰ پر حملہ کیا تو آپ کی ڈھال ہاتھ سے گر گئی آپ نے قلعہ کا دروازہ اکھیڑ کر اسے ڈھال بنا لیا اور وہ آپ کے ہاتھ میں رہا یہاں تک کہ مرحب مارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح کرا دیا ۔ حصون النطاہ کا ایک یہی قلعہ ناعم تھا جو فتح ہو گیا ۔ مرحب کے مارے جانے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ نے دروازہ پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا جو اسّی بالشت دور جا کر گرا اور یہ سب کچھ قدسی قوت سے تھا ۔ یہاں حضرت علی المرتضیٰ کی شجاعت اور بہادری کا جوہر کھلا کر آپ نے یہود کے مشہور دو بہادروں کو یکے بعد دیگرے قتل کر ڈالا ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

گرچہ شاطر بود خروس بجنگ
چہ زند پیش باز روئین چنگ
گربہ شیر است در گرفتن موش
لیک موش است در مصاف پلنگ

ترجمہ ۔ مرغ اگرچہ لڑائی میں چالاک ہے لیکن باز کے مضبوط ہاتھوں کے ساتھ کیا ہاتھ مارے گا ۔ بلی اگرچہ چوہا پکڑنے کی شیر ہے لیکن شیر (چیتا) کے سامنے تو چوہے سے بھی زبوں تر ہے ۔

قلعہ عصب : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرحب وغیرہ کے قتل ہو جانے کے بعد قلعہ ناعم سے قلعہ العصب کی طرف منتقل ہو گئے یہ بھی النطاۃ کے قلعوں میں سے ایک تھا یہاں دو دن محاصرہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح سے نوازا اور یہی قلعہ تمام قلعہ جات سے اناج از قسم جَو اور گندم اور کھجور اور زیتون وغیرہ اور جانور سامان وغیرہ میں بڑھ کر تھا اس کے بعد وہ اس قلعہ میں جو بمقام قلہ واقع تھا کی طرف منتقل ہو گئے ۔ یہی النطاۃ کے قلعوں میں سے آخری قلعہ تھا یہاں پر مسلمانوں نے یہود پر پانی بند کر دیا یہ قلعہ فتح ہو گیا تو مسلمان آگے قلعہ الشق (بفتح الشین المعجمہ، یہی اہل لغت کے ہاں کسرہ سے زیادہ مشہور ہے) تک پہنچے یہی پہلا قلعہ ہے جسے مسلمانوں ۔ نے فتح کیا اس کے بعد قلعہ البراء کا محاصرہ کیا یہ الشق کے قلعوں کا دوسرا قلعہ ہے یہاں سخت جنگ ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فتح فرما دیا الکتیبہ کے قلعوں کا محاصرہ کیا یہ تین قلعے ہیں :۔

(۱) القموص بروزن صبور ۔
(۲) الوطیح ۔

(۳) سلالم (بضم السین المہملہ)

خیبر کا سب سے بڑا قلعہ القموص ہے اور بہت مضبوط ہے اس پر مسلمانوں نے بیس دن محاصرہ کیا پھر یہ قلعہ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا اس میں بی بی صفیہ (ام المومنین رضی اللہ عنہا) قید میں آئیں اس کے بعد مسلمان قلعہ الوطیح (بالحاء المہملہ) تک پہنچ گئے اسے الوطیح ایک یہودی الوطیح بن مازن کے نام پر موسوم کیا گیا ہے وسلالم خیبر کا آخری قلعہ ہے اس پر مسلمانوں کا چودہ دن محاصرہ رہا اور یہ دونوں قلعے صلح سے فتح ہوئے اس لیے کہ جب یہاں کے لوگوں (یہودیوں) نے دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور کہا کہ بیشک ہمارے جنگی لوگوں کو قتل کر دو لیکن ہمارے بچوں کو اماں دی جائے اور ہم صرف انہی کپڑوں سے خیبر سے نکلیں گے جو ہم نے پہن رکھے ہیں۔

خیبر کا مال غنیمت: یہاں دونوں قلعوں سے ایک سو زرہیں اور چار سو تلواریں اور ایک نیزہ اور پانچ سو عربی کمانیں تیار شدہ مع حمائل اور دیگر قیمتی اشیاء میسر آئیں۔ یہاں کا سردار ابوالحقیق (مصغرا) تھا اس کے خزانے سے بھی اشیاء دستیاب ہوئیں۔

فدک کا قضیہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک (محرکۃ) والوں کی طرف اسلام کا پیام بھیجا (فدک خیبر میں ایک بستی ہے) انہوں نے اس شرط پر صلح کی کہ انہیں امان دی جائے اور جو کچھ ہمارا مال وہ بھی ہمارے پاس عطا ہو بعض نے کہا کہ آپ نے اس شرط پر صلح کی کھیتی باڑی وغیرہ کریں تو اناج وغیرہ نصف و نصف (آدھا تمہارا آدھا ہمارا) پہلی روایت پر فدک تمام آپ کے ملک میں تھا دوسری روایت پر نصف حصہ آپ کا نصف یہود کا۔

فدک کا مصرف: فدک کی آمدنی سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو ہاشم کے یتیموں، اور ان کے غریبوں مسکینوں کے بیاہ و نکاح پر خرچ کرتے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے تو بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے تمام فدک یا نصف حصہ مانگا تو آپ نے فرمایا میرا انکار اس حدیث کے

؎ اسے گرفتار کر کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا تیرا خزانہ کہاں ہے پہلے تو اس کے پاس بھیڑ کی کھال زر و جواہر اور نقد زیور سے بھری ہوئی موجود تھی جب اس کی دولت اور بڑھ گئی تو پھر ایک بھیڑ کی اور کھال بھر گئی پھر اس کے بعد گائے کی

مطابق ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" انا معاشر الانبیاء لا نورث" ہم انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہیں کہ ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا یعنی ہم کسی کے مورث نہیں" ما ترکنہ صدقۃ" جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ مسلمانوں پر صدقہ ہوتا ہے۔ پھر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنائم خیبر کی تقسیم کا حکم فرمایا وہ غنائم جو صلح سے پہلے دستیاب ہوئیں تمام مال غنیمت جمع کیا گیا ان میں سے آپ کے حصہ میں بی بی صفیہ بنت ملک الیہود (یہودیوں کا سردار یعنی بن اخطب از اولاد ہارون بن عمران (علیہ السلام یعنی موسیٰ علیہ السلام کے برادر محترم) قیدیوں میں تھیں) آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بخشی تو وہ مسلمان ہوگئیں۔ پھر بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب: ام المومنین بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے قبل فتح خیبر ایک خواب دیکھا کہ چاند ان کی گود میں آیا ہے[1] وہ چاند حضور علیہ السلام تھے۔

دعوتِ ولیمہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ ولیمہ دی، دستر خوان بچھ گیا جس پر حیس سے نوازا گیا یعنے کھجور پنیر گھی پکایا گیا تھا۔

زفاف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر سے واپسی پر مقام صہباء پر قیام فرمایا (اور صہباء ایک مشہور مقام ہے)۔

ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا پہرہ: اسی شب صہباء میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے تلوار گلے میں لٹکا کر ساری رات حضور علیہ السلام کے قبہ مبارک (آرامگاہ)

---

[1] اس خواب کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت صفیہ نے فتح خیبر سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ چودھویں کا چاند ان کی گود میں آگیا ہے، حضرت صفیہ نے اس خواب کو اپنے شوہر کنانہ سے بیان کیا، وہ یہ خواب سن کر بہت غضبناک ہوا اور کہا کہ شائد تمہاری یہ آرزو ہے کہ تم اس بادشاہ کی بیوی بن جاؤ جو آجکل ہماری جاگیر میں آیا ہوا ہے یہ کہہ کر اتنا سخت طمانچہ آپ کے مارا کہ آپ کی آنکھوں پر نیل پڑ گیا اور اس نیل کا اثر شب زفاف میں بھی آپ کے چہرے پر موجود تھا، اس نیل کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا تو تمام حقیقت حال حضرت صفیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔

کے ارد گرد پہرہ دیتے رہے یہانتک کہ صبح کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت ابو ایوب رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تمام رات بیداری اور پہرہ کیوں، عرض کی یا رسول اللہ آپ نے اس عورت کا شوہر اور اس کی قوم اور اس کا باپ قتل کرایا مجھے اس سے خوف ہوا کہ کہیں یہ عورت آپ کو گزند نہ پہنچادے کیونکہ یہ جاہلیت سے ابھی خارج ہو کر مسلمان ہوئی ہے اسی لیے میں تمام شب پہرہ دیتا رہا۔

ابو ایوب انصاری کو انعام نبوی: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا "اللھم احفظ ابا ایوب کما یحفظنی" اے اللہ اس کی ایسی حفاظت کر جیسے وہ میری حفاظت کرتا رہا۔

کیا یہ لوگ بریلوی ہیں: حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

فحرس اللہ تعالیٰ ابا ایوب بھذہ الدعوۃ حتی ان الروم لتحرس قبرہ ویستقون بہ فیسقون (روح البیان ص ۳۸ ج ۹ مطبوعہ بیروت)

تو اللہ تعالیٰ نے ابو ایوب کی نگہبانی فرمائی حضور علیہ السلام کی دعا مستجاب سے یہانتک رومی لوگ ان کے مزار کی نگرانی کرتے اور ان سے بارشیں طلب کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔

اس لیے کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ۵۰ھ میں شریک جنگ ہوئے تو قسطنطنیہ پہنچتے ہی آپ کا بیمیں پر وصال ہو گیا آپ نے یزید کو وصیت فرمائی کہ انہیں مدینۃ الروم کے قریب تر مقام میں ہی دفن کرنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

یزید سے بڑھ کر بدتر: عیسائیوں کے قلعہ کی دیوار کے ساتھ دفن کیے جانے پر پوچھا کہ جسے دفنا کر جا رہے ہو یہ کون آدمی تھا۔ مسلمانوں نے کہا کہ یہ اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور میزبان رسول تھے۔ عیسائیوں نے یزید سے کہا کہ ہم اس قبر کو تمہارے جانے کے بعد اکھاڑ دیں گے اور نعش نکال کر کی ہڈیاں توڑ دیں گے۔ یزید نے قسم کھا کر کہا کہ

لئن فعلوا ذلک لیھدمن کل کنیسۃ بارض العرب وینبش قبورھم (روح البیان ص ۳۵ ج ۹)

اگر تم ایسا کرو گے تو ہم عرب میں تمہارے گرجے گرا دیں گے اور ان کی قبور سے ان کے مردے نکال دیں گے (اور کسی عیسائی کو زندہ نہ چھوڑوں گا)

عیسائیوں نے یزید کا پرجوش جواب سن کر قسم کھا کر یقین دلایا کہ ہم اس قبر کی تعظیم و تکریم کریں گے

بلکہ حسب استطاعت اس کی حفاظت کریں گے۔[1]

روضۃ الاخبار میں ہے کہ حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاری

حضرت ابوایوب کا وصال: رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ میں ۵۱ھ میں فوت ہوئے جبکہ آپ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جنگ کے لئے تشریف لائے آپ بیمار ہوئے تو دوستوں کو فرمایا جب میں مرجاؤں تو مجھے یہاں سے اٹھا کر لے جانا ہاں اگر دشمن حائل ہوں تو یہاں دفنا دینا انہوں نے انہیں یہاں دفنایا آپ کی مزار قلعہ کے قریب مشہور و معروف ہے اور معظم ہے، وہی لوگ اس کی حفاظت کرتے "ویستشفعوبہ" اور اسے وسیلہ بنا کر حاجات از خدا طلب کرتے ہیں۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا

صاحب روح البیان رحمہ اللہ کی تحقیق: ہے کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مزار کا تعین الشیخ الشہیر بآقا شمس الدین قدس سرہ نے فرمایا جب وہ قسطنطنیہ کی فتح میں حضرت فاتح سلطان محمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کی مزار مرور ایام کی وجہ سے غیر معلوم ہوگئی تو انہوں نے اس کی نشاندہی فرمائی۔

(خیبر کا بقایا) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیدی عورتوں میں سے حاملہ کے ساتھ جماع وضع حمل تک روکا اور غیر حاملہ کے لئے بھی حیض سے استبراء کے بعد اجازت بخشی اور تھوم اور لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔

فائدہ: بعض لوگوں نے فرمایا کہ کسی نبی علیہ السلام نے کچا لہسن اور تھوم نہیں کھایا۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اس حکم میں حقہ و سگریٹ

حقہ و تمباکو نوشی: نوشی بھی ہے جو ہمارے دور میں مروج ہے بلکہ اس کی بدبو تھوم اور پیاز کی بدبو سے مکروہ تر ہے۔ ان کی بدبو سے مسجد میں داخلہ ممنوع ہے تاکہ لوگ اور ملائکہ کو ایذاء نہ ہو تو حقہ اور سگریٹ کی بدبو سے انہیں بچانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ پیاز اور تھوم تو غذاؤں میں ہیں بخلاف تمباکو کہ وہ

---

[1] دور حاضرہ ۱۴۰۸ھ میں بعض دیوبندی اور وہابی اور مودودی وغیرہم یزید بن معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو اپنا مقتداؤ امام مانتے ہیں اور یزید کی اس کارگذاری یعنی غزوۂ قسطنطنیہ کو اس کی امامت و اقتداء کے لئے بہت بڑی دلیل سمجھتے ہیں لیکن سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ کے مزار کے لئے اس کا کارنامہ قابل ستائش ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ صاحبان یزید کے اس کارنامے پر کیا انعام بخشتے ہیں ۱۲۔

غذاؤں میں سے نہیں بلکہ امراض کی جڑ ہے کیونکہ حقہ و سگریٹ مسلسل استعمال کرنے سے جو خطرناک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ صرف وہی جانتے ہیں جو حقہ و سگریٹ نوشی کی وجہ سے مبتلا ہوتے ہیں اسی لیے مزاج کو اس کی خباثت سے بچانا نہایت لازم ہے[1] اور حقہ و سگریٹ نوش لوگوں کے پاس جواز کی کوئی دلیل نہیں تو جیسے شراب ہر لحاظ سے حرام اور ممنوع ہے یہانتک کہ توبہ کے بعد بیمار ہو جائے تو بھی بیماری کے دفع کرنے کی نیت سے بھی نہ پئے اگر وہ اسی حالت میں مرجائے تو اس پر اسے اجر و ثواب ملے گا گناہ نہ ہوگا۔ ایسے ہی حقہ نوش اور سگریٹ والے کا حکم ہے حقہ و سگریٹ میں تو کوئی خوبی نہیں سوائے اس کے کہ خبیث طبیعت لوگ اسے استعمال کرتے ہیں ورنہ سلیم طبع والے تو اس سے نفرت کرتے ہیں۔

سبق: اے حقہ اور سگریٹ نوش بھائی اس سے توبہ کر اور اس کے ساتھ وعدہ کر کہ پھر تجھ سے ایسا فعل نہ دیکھے۔

مونچھیں کاٹنا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مونچھیں اور ناخن کاٹنے اور نورہ کے استعمال کا وقت بنایا یہانتک کہ انہیں چالیس دنوں تک نہ چھوڑا جائے۔

حبشہ کے مہاجرین: فتح خیبر کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمزاد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ارض حبشہ سے واپس تشریف لائے۔ آپ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے اور آپ کے ساتھ اشعری حضرات بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے لئے کھڑے ہوئے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور گلے لگا کر فرمایا مجھے دو خوشیوں میں سے معلوم نہیں ہوتا کہ فتح خیبر سے یا جعفر کے حبشہ سے آنے سے زیادہ خوش ہوں۔

سوال۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر کے لئے قیام تعظیمی سے روکا ہے چنانچہ فرمایا کہ

من سرہ ان یمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوا مقعدہ من النار — جو خوش ہو اس سے کہ لوگ اس کے آگے کھڑے رہیں تو اسے اپنی جگہ جہنم بنانی چاہیئے۔

تبصرہ اویسی: عموماً وہابی دیوبندی قیام تعظیمی (میلاد) اور اولیاء کرام واساتذہ عظام اور

---

[1] کیونکہ پیاز اور لہسن کے طبی لحاظ سے بہت فوائد ہیں اور تمباکو تو نہایت ہی ضرر رساں شے ہے اس کے مضرات بھی اطباء نے لکھے ہیں۔

والدین و دیگر معظمین کے قیام سے روک کر دلیل میں یہی حدیث شریف پڑھتے ہیں جس کا جواب صاحب روح البیان صدیوں پہلے دے گئے ہیں چنانچہ فرمایا۔

(جواب) لان هذا الوعید انما توجه للمتکبرین ولمن یغضب ان لا یقام له (روح البیان صد ۳۹ ج ۹) کیونکہ یہ وعید متکبرین کے لئے ہے اور اس کے لئے ہے جس کے آگے قیام نہ کیا جائے تو ناراض ہوتا ہو۔

ام حبیبہ سے نکاح: جو لوگ حبشہ سے آئے بی بی ام حبیبہ ام المومنین زوجۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنت ابی سفیان بھی تشریف لائیں کیونکہ یہ بی بی بھی اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئیں لیکن وہ مرتد ہوگیا اور نصرانی ہوکر مرا لیکن بی بی ام حبیبہ اپنے اسلام پر قائم رہیں اور خواب میں دیکھا کوئی انہیں کہہ رہا ہے کہ اے ام المومنین۔ اس سے میں نے سمجھا کہ میرے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح ہوگا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ محرم ۷ھ میں انہیں نکاح کا پیغام بھیجا اس کا ذریعہ حضرت نجاشی (یا بتخفیف) حبشہ کے بادشاہ کو بنایا اور وہ مسلمان ہو گیا تھا اس نے غائبانہ نکاح کر دیا اور مہر میں چار سو دینار دیئے (تفصیل فقیر پہلے عرض کر چکا ہے اویسی)

مدینہ میں حاضری: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو پھل خوب سرسبز تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوب پھل کھائے تو انہیں بخار کا حملہ ہو گیا اس کی شکایت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کی گئی آپ نے اس کی گرم پانی میں اشنان ملا کر ٹھنڈا کرنے کا فرمایا۔ اشنان کو مشکیزہ میں ڈال کر صبح کی اذان کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نہاؤ چنانچہ ایسے کیا گیا تو تندرست ہو گئے۔

معجزۂ درخت: اسی غزوہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضا حاجت کا ارادہ فرمایا تو دو درختوں کو حکم فرمایا (جو کہ ایک دوسرے سے دور کھڑے تھے) کہ اکٹھے ہو جاؤ آپ نے قضاء حاجت کے بعد فرمایا اپنی جگہوں پر چلے جاؤ چنانچہ وہ اپنی جگہ پر لوٹ گئے۔

بکری کے گوشت میں زہر: زہر ملا بکری کا گوشت کھانا بھی خیبر میں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زینب بنت الحارث (یہ حارث مرحب کا بھائی تھا) نے زہر ملائی تھی۔ جوڑے ہاتھ کے گوشت میں ڈالی تھی جب اسے معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوڑ سے ہاتھ کے کاندھے کے گوشت کو زیادہ پسند فرماتے ہیں اس نے وہ زہریلا گوشت خدمت بارگاہ میں ہدیہ کے طور بھیجا آپ نماز مغرب سے فارغ ہو چکے اور گوشت تناول فرمایا تو آپ کو جکر

آنے لگے ایسے ہی بشر کو بھی چکر آ گئے اور جنہوں نے آپ کے ساتھ وہ گوشت کھایا سب مر گئے ان میں وہی بشر ابن البراء رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے تین دن تک کاندھوں کے درمیان پچھنے لگوائے اور فرمایا سر میں پچھنے لگوانا صحت و عافیت میں مدد دیتا ہے اور مجھے یہودیہ کے زہر دینے کے وقت جبریل علیہ السلام نے حکم دیا تھا اس واقعہ کے علاوہ بھی آپ نے بار ہا پچھنے لگوائے اور یہ پچھنے سر کے درمیان میں اس مقام پہ لگوائے جاتے ہیں جسے منفذ کہا جاتا ہے۔ آپ کو جب یہودی نے جادو کیا اور آپ کی ذات اقدس پر جب جادو زیادہ اثر کر گیا تو آپ نے سر مبارک کے اوپر درمیانی حصہ میں پچھنے لگوائے۔

فائدہ: ہر ضرر رسان جادو کی بیماری میں پچھنے لگوانا بہت ہی مفید اور بہترین علاج ہے۔

سات بیماریوں کا ایک علاج: سر میں پچھنے لگوانا سات بیماری کی شفاء ہے (۱) جنون (۲) دردِ سر (۳) کوڑھ (۴) برص (۵) اونگھنا۔ (۶) وجع الفرس (۷) شبکوری۔

فائدہ طبیہ: گرم ملکوں میں خون نکلوانے کے بجائے پچھنے لگوانا زیادہ مفید ہے اس کا بہترین وقت ہر ماہ کے تیسرے عشرہ کے چہارمی تواریخ میں ہے کیونکہ یہی خون کے جوش کے ایام ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: سیدنا ابو ہریرہ سے مرفوعًا مروی ہے کہ چاند کی ۱۷ - ۱۹ - ۲۱ کی تاریخ کو پچھنے لگوانے میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔

فائدہ: منہ نہار پچھنے لگوانا دواء اور سیر ہو کر کھانے کے بعد بیماری اور ہفتہ اور بدھ کے دن مکروہ ہے۔

یہودیہ کا اقرار: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیہ کی طرف آدمی بھیجکر دریافت فرمایا کہ تو نے گوشت میں زہر کیوں دی۔ عرض کی آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا اسی نے جو میرے ہاتھ میں چوڑے کا گوشت ہے۔ عرض کی ہاں میں نے زہر ملائی ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں۔ عرض کی آپ نے میرے باپ۔ چچا۔ زوج کو قتل کر ڈالا اور میری برادری کو بھی ذلیل و خوار کیا میں نے خیال کرا کر آپ غیر نبی ہوئے تو زہر کھا کر مر جائیں گے تو ہم نجات پالینگے اگر آپ نبی ہوئے "فسیخبد" تو آپ اس کی خبر دیں گے۔ آپ نے اس کی سچی بات پر یہ فرمادیا ؎

زخوان معجز او گر نوالۂ طلبی
حدیث برۂ بریاں شنو کہ ماحضر ست

ترجمہ ۔ اگر معجزات کے دسترخوان سے اگر ایک نوالہ درکار ہے تو یہودیہ کی زہر آلود بکری کا قصہ سن یہ ماحضر ہے۔

جب بشر مرگیا تو آپ نے حکم فرمایا کہ اسے قتل کردو پھر وہ قتل ہو کر سولی پر لٹکائی گئی۔ (یہ ایک روایت ہے)

فائدہ: احیاء العلوم میں ہے کہ آپ نے جسے اپنے ساتھ گوشت کھلایا وہ سب مرگئے صرف آپ اس کے بعد چار سال تک زندہ (ظاہری) رہے۔

سوال ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر زہر نے کیوں اثر نہ کیا جب آپ کے لئے قیصر کی طرف سے زہر دیا گیا۔

جواب ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حقیقت کی کیفیت میں زہر نوش فرمایا بشریت کی حیثیت سے نہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ اس وقت حالت بشریت میں تنزل فرماتے اور یہی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے (کہ ایسے کوائف بشریت کے تنزل میں ہوتے ہیں) اور وہ تنزل بھی مرتبۂ روح میں ہوتا ہے اور یہی رعدل المراتب ہے اسی لیے آپ پر بارہ سال زہر نے اثر نہ کیا پھر جب آپ پر موت کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ ادنی المراتب کی طرف تنزل فرما ہوئے کیونکہ موت بشریت پر ہی طاری ہو سکتی ہے تو پھر جب آپ اس طرف تنزل فرما ہوئے تو زہر نے اثر کر ڈالا۔ دنیا سے تشریف لے جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہادت کا مرتبہ بھی پا

مرتبۂ شہادت: کر گئے اس لیے کہ آپ جامع المراتب ہیں یعنی نبوت و رسالت صدیقیت و شہادت۔

ازالۂ وہم: جس روایت میں بارہ سال کہا گیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا غزوہ خیبر ۷ھ میں ہوا اس کے بعد آپ چار سال دنیا میں بظاہر رونق افروز رہے فلہٰذا اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ ہم بارہ سال والے قول کو غلط نہ کہیں (کذا قال صاحب المحدثیہ)۔ یہ خلاف ہے اس کا جو احیاء العلوم میں ہے صحیح وہی ہے جو احیاء العلوم میں ہے کیونکہ قصۂ زہر خیبر میں ہوا اور خیبر کا واقعہ ۷ھ میں ہوا اس کے سوا کی وجہ ظاہر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

ؔ **سوالات وہابیہ جوابات اویسیہ:** ہم یہاں بکری کی بحث کے سوالات عرض کریں گے۔

سوال ۔ جیسا کہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے لکھا کہ یہودیوں نے پوچھ لیا تھا کہ حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بکری کے گوشت کا کونسا ٹکڑا زیادہ پسند ہے ۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ کو شانے اور دست کا گوشت بہت پسند ہے، انہوں نے ایک بکری کے بچے کے گوشت میں زہر ملا دیا' ایسا سخت زہر کہ جس

یہود کی جلاوطنی: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس میں اہل خیبر نے خیانت کی تو آپ نے فدک کے یہود اور نصاریٰ نجران کو شہر بدر کردیا اور فرمایا کہ حضور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸) کے کھاتے ہی انسان مرجائے۔ یہ سازش کرکے زینب بنت حارث[1] زوجہ سلام بن مشکم یہودی نے آپ کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے میں دست اور شانے کا گوشت زیادہ رکھا گیا تھا، زینب بنت حارث نے کھانا آپ کی خدمت میں لاکر رکھا، صحابہ کرام میں سے بھی کچھ حضرات آپ کی مجلس میں موجود تھے انہی حضرات میں حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھانا شروع فرمایا لیکن آپ نے اگلے دانتوں سے گوشت کو کاٹا لیکن اتنی دیر میں بشر بن براء نے دوسری بوٹی (اصل کتاب میں استخوان ہے) بھی کھالی، سید المرسلین نے فرمایا کہ اس گوشت کو اٹھالو کہ اس دست نے مجھے بتادیا ہے کہ اس کو زہر آلود کیا گیا ہے، حضرت بشرؓ نے بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے جس وقت لقمہ چبایا تو مجھے اس لقمہ کا نگلنا دشوار ہوگیا عجب تنفر سا پیدا ہوا لیکن میں نے اس کو منہ سے یوں نہیں اگلا کہ مبادا آپ کے مزاج مبارک میں اس سے تکدر پیدا ہو، ابھی حضرت بشر بن براء اپنی جگہ سے اٹھے نہیں تھے کہ ان کا رنگ سبز و سیاہ پڑگیا اور اسی وقت انہوں نے دم توڑ دیا[2] حضرت بشر بن براء کی شہادت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ جو رؤساء یہود یہاں موجود ہیں ان کو حاضر کرو اور زینب کو بھی لاؤ حکم کے بموجب ان سب کو حاضر کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور کو علم ہوتا تو آپ نے زہر آلود گوشت کیوں کھایا؟

تمہید جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سب سے خطاب کیا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں کیا تم سچ بولو گے، ان سب نے کہا کہ ہاں اے ابو القاسم ہم سچ بولیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا باپ کون ہے جو قبیلے کا سردار ہے انہوں نے کہا کہ فلاں شخص ہے۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹ بول رہے ہو تمہارا مورث اعلیٰ یا جد اعلیٰ فلاں شخص ہے یہ سن کر یہود نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا اور خوب فرمایا۔ اس پرسش سے غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ان کی راست گوئی کا امتحان لینا اور ان کو سچ بولنے پر تنبیہ کرنا تھا گویا یہ اس امر کی تمہید اور دیباچہ تھا کہ وہ زہر دینے کے معاملہ میں راست گوئی سے کام لیں۔ ان کا اول اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر جھوٹ بولنا یا تو عمداً تھا کہ یہ ان کی پرانی عادت تھی کہ

---

[1] حارث مرحب کا بھائی تھا جو حضرت علی کے ہاتھوں جنگ خیبر میں مارا گیا۔

[2] بعض روایت میں ہے کہ ایک سال تک بیمار رہے اس کے بعد انتقال ہوا۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔

فائدہ: جزیرۂ عرب وہ جسے بحر ہند و بحر شام اور دجلہ و فرات محیط ہیں یا مابین عدن اطراف شام طول میں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کذب و افترا میں مشاق تھے یا از روئے جہل و نسیان کہا جائے لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ انہوں نے عمداً جھوٹ بولا اور ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ معلوم کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقت سے آگاہی ہے یا نہیں جب ان پر بخوبی واضح ہوگیا کہ آنحضرت کو حقیقت حال سے آگاہی ہے تو انہوں نے اقرار کر لیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زہر خورانی کے بارے میں دریافت فرمایا۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آپ نے ایک اور سوال بھی فرمایا تھا اور وہ یہ تھا کہ اگر میں تم سے ایک سوال دریافت کروں تو تم صحیح اور سچ جواب دو گے انہوں نے کہا کہ بیشک اے ابا القاسم ہم سچ کہیں گے اور اگر ہم جھوٹ بھی بولیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا جیسا کہ ہمارا جھوٹ آپ پر بدر کے دن کھُل گیا تھا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ "اہل نار کون ہے" یعنی وہ جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، یہود نے جواب دیا کہ ہم تو صرف چند روز دوزخ میں رہیں گے "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً" اس کے بعد تم آؤ گے اور اس میں رہو گے یعنی مسلمان ہمارے بعد دوزخ میں پہنچیں گے پس یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اخسوا فیھا" فرمایا یعنی داخل ہو جاؤ تم آگ میں اور ارشاد کیا "لا نخلفکم فیھا ابدًا" یعنی ہم ہرگز تمہارے پیچھے آنے والے نہیں ہوں گے (خسا کُتّے کے بھگانے کو کہتے ہیں اور کتے کا جانا لازم مستبعد ہے[1])

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم سچ بولو گے اگر میں تم سے ایک سوال کروں انہوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا کیا تم نے اس بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا تھا، انہوں نے کہا جی ہاں، آپ کو اس کی خبر کس نے دی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس گوشت نے خبر دے دی (آپ کے اس دست کی طرف جو آپ کے مبارک ہاتھوں میں تھی اشارہ فرمایا)۔ پھر آپ نے فرمایا کہ زہر دینے کا سبب کیا تھا، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے اس عورت سے جس نے زہر دیا تھا دریافت فرمایا کہ تو نے زہر کیوں دیا اس نے جواب دیا (یا یہودیوں نے کہا) کہ ہمارا مدعا یہ تھا کہ اگر آپ کا دعوئ نبوت جھوٹا ہے تو زہر دے کر ہلاک کر دیں آپ سے ہم کو چھٹکارا مل جائے گا اور اگر آپ پیغمبر برحق ہیں تو آپ کو اس زہر سے گزند نہیں پہنچے گا۔

اس بارے میں راویوں کا اختلاف ہے کہ آپ نے اس عورت کو سزا دی یا چھوڑ دیا اور اس سے کچھ

فائدہ: نہ فرمایا۔ بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے آپ نے اس سے کچھ تعرض نہ فرمایا، حضرت

[1] یعنی اے یہود! تم جہنم میں جاؤ گے، ہم مسلمان انشاء اللہ اس سے محفوظ رہیں گے۔

اور جدہ سے عراق کے کناروں تک عرض میں (القاموس)۔

تفسیر عالمانہ: "وَاُخْرٰی" اس کا عطف ھذہ پر ہے یعنی تو جلد ہی کی تمہارے لیے بہی بہت سی غنیمتیں اور دیگر غنائم "لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا" جو تم ان پر قدرت نہیں رکھتے

جابرؓ سے بھی اسی طرح روایت ہے بعض اور روایتوں میں ہے کہ آپ نے اس کو قتل کرا دیا۔ بیہقی کہتے ہیں احتمال یہ ہے کہ آپ نے اولاً اس کو چھوڑ دیا ہوگا اور آپ نے پسند نہیں فرمایا ہوگا کہ اپنے نفس اور اپنی ذات کے لئے کسی کو قتل کریں لیکن جب حضرت بشر بن براء اس کے اثر سے فوت ہو گئے تو قصاص کے طور پر آپ نے اس کو قتل کرا دیا ہوگا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ بعض شافعی ائمہ کا مذہب اور مسلک یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو کھانے میں زہر دے دے اور وہ مر جائے تو اس پر قصاص واجب ہے لیکن ائمہ حنفیہ اور تمام جمہور ائمہ شافعیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ قصاص واجب نہیں ہے۔ پس ان کے خیال کے مطابق اگر قتل کی روایت صحیح بھی ہے تو اس کو سیاست پر محمول کیا جائے گا نہ کہ قصاص پر اور روایت قتل میں صلب کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس سے اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے (مزید تفصیل فقیر کی کتاب "سیرت حبیبِ کبریا" میں ہے)۔

یہودیہ مسلمان ہو گئی: امام زہری سے بھی مروی ہے کہ وہ یہودیہ (جس نے زہر دیا تھا) مسلمان ہو گئی اور اسے چھوڑ دیا گیا۔

یہود کے امتحانات: یہود ہمیشہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پر پرکھتے رہتے تھے چنانچہ اس عورت یہودیہ نے بھی وہی امتحان لیا چنانچہ اس کا بیان یہی ہے مواہب لدنیہ میں بھی ہے کہ اور مغازی سلیمان سے مدارج النبوۃ نے بھی لکھا کہ عورت مذکور یعنی زینب نے کہا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں کاذب ہوتے تو آپ کو اس طرح زہر دے کر میں نے آپ سے چھٹکارا دلایا ہوتا لیکن جب کہ ظاہر ہو گیا کہ آپ سچے ہیں تو میں گواہ کرتی ہوں اور تمام حاضرین کو میں آپ کے دین پر ہوں یعنی مسلمان ہوں اور پھر پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کے اسلام لانے کے سلسلہ میں امام زہری اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں موافقت ہے لیکن جب زہر کے اثر سے بشر بن براء کا انتقال ہو گیا تو اس کو قتل کیا گیا اس لیے کہ ان کی موت زہر کے اثر سے محقق ہو گئی۔

فائدہ: جیسے حضور علیہ السلام نے سینگی اور پچھنا لگوایا بعض صحابہ کرام میں جس نے بھی زہر بلا گوشت سے ایک لقمہ چبایا تھا ان کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی سر کے بیچ سینگی اور پچھنے لگوائیں۔ امام بخاری نے

تھے اس سے حنین کا غزوہ ہوازن کی غنائم مراد ہیں - ان پر عام الحدیبیہ تک تو قدرت نہ پاسکے البتہ فتح مکہ کے بعد اس پر قدرت پاسکے -

بی بی عائشہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام مرض میں فرماتے تھے کہ میں نے خیبر میں جو زہریلا گوشت کھایا تھا اس کا اثر ہمیشہ محسوس کیا لیکن اس وقت اس مرض میں میری ابہر کٹی جا رہی ہے -

فائدہ: ابہر دل کی ایک رگ کو کہتے ہیں کہ جس کی حرکت بند ہو جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے گویا اس زہر کی تکلیف اور اس کا اثر آپ کے مبارک بدن میں اب تک موجود تھا اس وقت اس نے سرایت کی اور اس کا ظہور آپ نے اس مرض میں اس کا اثر پایا اور محسوس فرمایا اس طرح اس زہر کا اثر جو ہجرت کے وقت غار میں سانپ کے ڈسنے سے آپ پر ہوا تھا وہ بھی انتقال کے وقت ظاہر ہوا (مزید سوالات و جوابات فقیر کی کتاب "علم غیب رسول" میں ہیں - (حاشیہ ختم)

(حاشیہ صفحہ ۲۹۹)

لہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس تک تو وہی عمل رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں طے ہوا لیکن ان میں سے خیانت صادر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ارض فدک سے نکال کر شام میں آباد کر دیا نصف زمین جو ان کے پاس تھی پچاس ہزار درہم میں خرید لی اور یہ رقم بیت المال سے ادا کر دی -

بخاری شریف میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پختہ ارادہ فرمالیا کہ یہودیوں کو جلا وطن کرنا ہے تو ابوالحقیق کا آدمی آیا اور کہا کہ اے امیر المومنین آپ ہمیں خیبر سے نکال رہے ہیں حالانکہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم کو یہاں رہنے دیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تو یہ سمجھتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھول گیا ہوں کہ آپ نے تجھ سے کہا تھا کہ تیرا حال کیا ہوگا جب تو خیبر سے اپنے اونٹوں کے بغیر راتوں رات نکالا جائے گا (یعنی تم لوگ کئی راتوں میں سے نکال دیئے جاؤ گے) یہ سن کر یہودی نے کہا کہ یہ بات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یونہی مزاحاً فرمادی تھی نہ کہ یقین اور پختگی سے ارشاد فرمایا تھا - یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے دشمن خدا تو جھوٹ بول رہا ہے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا وطن کر دیا اور ان کے مال و متاع یعنی گھر کا سامان - جانور - اونٹ یہاں تک کہ اونٹ کے پالان کی قیمت بھی ادا کر دی تھی -

فائدہ: ایک میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب تک ہم چاہیں گے اس پر عمل کریں گے (تم کو خیبر میں آباد رہنے دیں گے) اب ہم نہیں چاہتے کہ تم یہاں رہو - مزید واقعات و عجائبات فقیر کی "الاصابہ فی عقائد الصحابہ" میں دیکھیے -

فائدہ: اسے لم تقدروا سے اس لیے موصوف کیا گیا کہ اس میں اس سے قبل جولۃ یعنی ہزیمت و شکست اور رجوع الی القتال کا تکرار تھا تاکہ اس میں ترغیب ہو جال القوم جولۃ اس وقت بولتے ہیں جب اس کی حقیقت منکشف ہو تو پھر بار بار اس کی طرف رجوع کریں "قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِھَا" (بیشک اسے اللہ تعالیٰ محیط ہے) یہ اخریٰ کی دوسری صفت ہے، سہولت کا فائدہ دے رہی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے تو پھر اس میں سہولت ہی سہولت ہوگی۔ اس سے قبل اس کے حصول میں صعوبت محسوس ہوتی ہے یعنی اب یہ آسانی سے اس لیے حاصل ہوگی کہ قدرت ایزدی شامل حال ہوگی یعنی اس پر تمہیں اللہ تعالیٰ نے قدرت اور غلبہ اور تسلط بخشا، بعض نے اس کا یہ معنیٰ کیا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محفوظ رکھا اور دوسروں کو اس سے روکے رکھا یعنی تمام فتوحات اہل اسلام کو بخشیں، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

فتوحات کی تفصیل: انہی فتوحات میں فتح قسطنطنیہ و رومیہ و عموریہ و مدائن فارس و روم و شام ہیں۔ قسطنطنیہ کی تو مشہور فتح ہے اور یہ آج (زمانۂ ضعیف روح البیان کے دوران) سلاطین عثمانیہ کا (قسطنطنیہ) دار الخلافہ ہے۔ عموریہ (بفتح العین المہملہ وضم المیم المشددہ و بالراء) حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے المرأۃ میں لکھا کہ یہ وہی شہر ہے جسے اہل روم انکوریہ کہتے ہیں یہ بہت بڑا شہر ہے کسی زمانہ میں یہ شہر اسی ملک کے بادشاہوں کا مسکن تھا۔ اسے معتصم باللہ (عباسی خلیفہ) نے فتح کیا۔

حل لغات: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احاطہ دو قسم ہے:۔

(۱) اجسام میں جیسے "احطت بمکان کذا" میں نے فلاں مکان کو گھیرا اور حفظ (نگرانی) میں جیسے "کان اللہ بکل شیئٍ محیطا" اللہ تعالیٰ ہر شئے محیط یعنی حافظ (محافظ) ہے اس ہر شئے ہمہ جہات کا اور اس کا استعمال منع (روکنے) میں بھی ہوتا ہے جیسے "الا ان یحاط بکم" بمعنے "الا ان تمنعوا" یہ کہ تم اس سے منع کے جاؤ۔

(۲) علم میں جیسے "احاط بکل شیئ علما" احاطۃ بالشیئ علما کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شئے کے وجود اور اس کی جنس و قدر اور کیفیت اور اس کی وہ غرض جو اس سے مقصود ہے اور اس کی ایجاد کے بعد اسے جو اس کے لئے اور اس سے ہے اور یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لائق نہیں کیونکہ وہی اس کے وجود اور جنس وغیرہ کو جانتا ہے اسی لیے ان کے لئے فرمایا کہ "بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ" چونکہ وہ شئے کو اسی طرح سے محیط نہیں جیسے اس کی ذات ہے تو اسی لیے ان سے اس کی نفی فرمائی "وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے) کیونکہ اس کی قدرت ذاتی ہے اسی لیے ایسے نہیں ہوسکتا کہ کہا جائے کہ وہ بعض اشیاء پر قدرت رکھتا ہے اور بعض پر نہیں یعنی ہر شے کا منتہیٰ وہی ہے اس سے کوئی شے متجاوز نہیں ہوسکتی (اس میں تأمل کر) ۔

غزوہ حنین : غزوہ حنین (یہ طائف کے علاقہ میں ایک جگہ ہے) اسے غزوہ ہوازن بھی کہا جاتا ہے اوطاس بھی کہتے ہیں اس غزوہ کو اوطاس اس لیے کہتے ہیں کہ جنگ کا آخر الامر یہاں خاتمہ ہوا ۔

اس غزوہ کے اسباب : جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ سے فارغ ہوئے تو تمام قبائل عرب نے آپ کی اطاعت قبول کر لی سوائے ہوازن و ثقیف کے کہ یہ سرکش اور باغی تھے یہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ کے لئے حنین میں جمع ہوگئے ۔ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق خبر پہنچی تو تبسم[1] فرما کر ارشاد فرمایا کہ تلک غنیمۃ المسلمین غدا انشاء اللہ یہ غنیمت کل انشاء اللہ مسلمانوں کی ہوگی ۔ روح البیان صـ۳۱ ج ۹)

آپ نے بھی صحابہ کرام کو ہوازن کی طرف چلنے کا حکم فرمایا

لشکر اسلام : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر ہوازن کی طرف چل پڑے ، دشمنوں کے گھروں کے قریب پہنچ کر لشکر کی صف بندی فرمائی ۔ مہاجرین کا جھنڈا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن المنذر کو اور اوس کا اسید بن حضیر کو دیا اور خود شہبا ء خچر پر سوار ہوئے (اس خچر کا نام فضہ تھا صاحب اسیلقائے نے ہدیہ کے طور بھیجا) ، بعض نے کہا آپ دلدل پر سوار ہوئے یہ دلدل وہی ہے جو مقوقس نے بطور ہدیہ

---

[1] یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علم فی الغد کی ایک واضح دلیل ہے اور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ جو کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں وہ جھوٹا ہے ۔ (بخاری) اس سے ذاتی علم کی نفی ہے ایسے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان لڑکیوں کو روکنا جو کہہ رہی تھیں " فینا نبی یعلم ما فی غد " ہمارے ہاں وہ نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں) بھی موضوع کی طرف متوجہ کرنا تھا ایسے ہی آیت " ما تدری ماذا تکسب غدا " میں ذاتی جاننے کے متعلق ہے ورنہ ان جیسی روایات جن میں حضور علیہ السلام نے کل کی خبریں دی ہیں ان کا کیا ہوگا ۔

بھجوایا تھا) ۔ آپ نے دو زرہیں اور مغفر پہنا (درعان) وہ زائد لباس جو جنگ میں پہنا جاتا اسفدیہ (بالسین المھملہ والغین المعجمہ) وہ داؤد علیہ السلام کی زرہ جو آپ نے جالوت کے مقابلہ کے وقت زیب تن فرمائی تھی۔

حنین کا داخلہ: حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین میں صبح اندھیرے میں پہنچے اور وادی میں داخل ہوئے تو اہل حنین نے آپ کے لشکر پر حملہ کر دیا کیونکہ وہ وادی کی کمینگاہوں میں چھپے بیٹھے تھے، انہوں نے یکبارگی لشکر اسلام پر حملہ کر دیا اور وہ غضب کے تیرانداز تھے، ایک تیر بھی ان کا خطا نہ کرتا تھا۔ مسلمانوں نے یہ کیفیت دیکھی تو شکست کھا کر پیچھے ہٹ کر بھاگے یہانتک کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

شکست کے بعد فتح: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی سے دائیں جانب مڑ کر چند صحابہ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے حضرت فضل رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہا سے فرمایا زور زور سے پکاریئے۔ "یا معشر الانصار یا اصحاب السمرۃ" اے انصاریو! اور درخت والو یعنی وہ لوگو جنہوں نے درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت کی تھی۔ چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہا بلند آواز تھے یہانتک کہ آٹھ میل تک آپ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہا کی آواز سن کر "لبیک لبیک" پکارتی۔ اس پکار پر لشکر اسلام جمع ہوا اور جنگ شروع ہو گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑے سے نیچے اتر کر مٹھی بھر خاک جس میں سنگریزے تھے دشمنوں کی طرف پھینک دی اور فرماتے تھے "شاھت الوجوہ، حٰمٓ لا ینصرون" پھر فرمایا "انہزموا ورب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بخدا لشکر کفار شکست کھا گیا) آپ کی پھینکی ہوئی مٹی کے ذرات سے کافروں کے منہ بھر گئے جس سے شکست کھا کر بھاگے، مسلمانوں کا لشکر ان کے پیچھے چل پڑا اور جن کو قتل کر سکے قتل کرتے تھے اور ان میں سے باقیوں کو قید کر لیا۔

فائدہ: حنین سے بھاگ کر اوطاس میں پہنچے تو وہاں ان کافروں نے لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیچھے ابو عامر الاشعری (رضی اللہ عنہ) کو بھیجا اور خود اپنے لشکر میں تشریف لائے۔ اور چلتے ہوئے پوچھا کہ خالد بن الولید کے پاؤں کا کیا بنا۔

معجزۂ نبوی: عرض کی گئی کہ خالد کو بدستور تکلیف ہے آپ نے فرمایا کہ وہ کہاں ہے۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ کجاوہ کے سہارے بیٹھے ہیں کیونکہ پاؤں زخموں

کی وجہ سے سوج گیا تھا آپ نے لعاب دہن لگائی تو فوراً صحت یاب ہو گئے۔

مالِ غنیمت: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حنین کا تمام مالِ غنیمت جمع کرو چنانچہ مالِ غنیمت جمع کر کے جعرانہ (بالکسر والعین المہملہ) وہ مکہ معظمہ وطائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) وہ ربطہ بنت سعد کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ اسے جعرانہ بھی کہاجاتا "ولا تکونوا کالتی نقضت غزلہا" (اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو سوت کات کر توڑ دیتی ہے) میں جعرانہ مراد ہے وہ مال غنیمت یہاں جمع رہا یہانتک کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس ہوئے اور تشریف لاکر غنائم تقسیم فرمائیں۔

غنائم حنین کا شمار: حنین سے چھ ہزار قیدی اور اونٹ چوبیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد اور چاندی چار ہزار اوقیہ حاصل ہوئی۔

عمرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: یہاں جعرانہ میں آپ نے تیرہ راتیں بسر فرما کر عمرہ کا احرام باندھا اور فرمایا یہاں ستر انبیاء علیہم السلام نے عمرہ کیا۔

فائدہ: ہجرت کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار عمرے کیے:-

(۱) عمرۃ الحدیبیہ۔

(۲) عمرۃ القضاء۔

(۳) عمرۃ الجعرانہ۔

(۴) عمرہ مع حجۃ الوداع۔

فائدہ: حنین کے باقی واقعات وحالات سورہ توبہ کے اوائل میں تحت آیت "لقد نصرکم اللہ الخ گذرے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: "وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا" اور اگر تمہارے ساتھ اہل مکہ جنگ کرتے اور صلح نہیں کرتے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان لوگوں سے کفار حنین کے خلفاء بنو اسد وغطفان مراد ہیں "لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ" (البتہ پیٹھ پھیر جائیں گے) یعنی شکست کھا جائیں گے یعنی جنگ ہوگی ہی نہیں۔

فائدہ: "تولیۃ الادبار" پیٹھ پھیرنے سے شکست کھانا مراد ہے (کذا فی الفارسیۃ)

"آن نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پشت من"

وہ میں نہیں ہوں گا جسے جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جارہا ہو۔ دُبر الشیٔ خلاف القبل

شے کے دُبر سے قبل کا خلاف مراد ہے جیسے پیٹھ کا پچھلا حصہ " ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا " پھر کوئی مددگار نہ پائیں گے کہ ان کی نگرانی کرے " وَّلَا نَصِيْرًا ۝ " اور نہ ہی کوئی حامی جو ان کی مدد کرے۔ " سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ " اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ گذرے ہیں ان سے پہلے یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ قدیم سے ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو غلبہ دے جیسے سابقہ امم میں گذرا چنانچہ خود دوسری جگہ میں فرمایا " کتب اللّٰہ لاغلبن و رسلی " اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ میں (اللہ تعالیٰ) اور میرے رسل کرام غالب رہیں گے۔

ترکیب : سنۃ مصدر مؤکد ہے اس کا فعل محذوف ہے۔ " وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ " اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقہ میں ہرگز تبدیلی نہیں پاؤ گے کہ انبیاء علیہم السلام کا غلبہ نقل نہ ہو بلکہ دوسروں کو غلبہ ہو ؎

محالست چون دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ ۔ محال ہے کہ جب وہ تمہیں دوست رکھتا ہے تو پھر دشمن کے ہاتھ میں کیسے چھوڑے گا۔

فائدہ : جو کچھ ازل میں مقرر ہو چکا ہے محال ہے کہ اس کے خلاف ہو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں تبدل و تغیر نہیں کر سکتا ؎

تغییر بحکم ازلی راہ نیابد
تبدیل بفرمان قضا کار ندارد
در دائرہ امر کم و بیش نگنجد
با امر قدر چون و چرا کار ندارد

ترجمہ ۔ حکم ازلی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں اس لیے کہ قضاء و قدر کے فرمان میں تغیر و تبدل کو کوئی کام نہیں ۔ دائرہ امر میں کم و بیشی کو گنجائش نہیں، قدر کے ساتھ چون و چرا کو کوئی کام نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں نفوس متمردہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سالکوں کو نفوس کے قتال میں مدد دیتا ہے اور یہ مدد ازل میں مقدر فرمائی تھی جسے ہمیشہ تک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔ ان میں اس کی ایک مدد مظالم میں بھی ہے۔

حکایت: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں اللہ تعالیٰ منعم کے انعامات کا ذکر کرتے رہتے تھے کہ اس نے اپنے اولیاء پر کیسے کیسے انعامات فرمائے، ہمارے پڑوس میں ایک نابینا رہتا تھا، ہماری باتیں سن کر ایک دن ہمارے ہاں آیا اور کہا تمہاری باتوں سے بڑا لطف آتا ہے پھر اس نے اپنی آپ بیتی سنائی کہ میں کثیر العیال و اطفال تھا ایک دن لکڑیاں چننے کے لیے بقیع میں گیا وہاں ایک نوجوان دیکھا جس پر کتان کی پوشاک تھی اور ہاتھ میں جوتا لیے پھر رہا تھا، میں نے سمجھا مجنون ہے ارادہ کیا کہ اس سے سامان چھین لوں۔ میں نے کہا کپڑے اتار دیجئے، کہا خدا کی امان لیکن میں نے اسے دو تین بار کہا۔ کہا واقعی، میں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد اس نے دو انگلیوں کا میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تو میری آنکھیں گر گئیں میں نے کہا تمہیں خدا کی قسم بتائیے آپ ہیں کون فرمایا میرا نام ابراہیم الخواص ہے۔

سوال ۔ ابراہیم خواص نے چور کو بددعا کی لیکن ابراہیم بن ادھم کو کسی نے مارا تو آپ نے اسے بہشت کی دعاء دی ان دو ولیوں میں متضاد عمل کیوں؟

جواب ۔ ہر ولی کی نگاہ انجام پر ہوتی ہے، ابراہیم الخواص نے چور کا انجام خیر اسی میں دیکھا کہ وہ سزا کے بعد ہی تائب ہوگا اور ابراہیم بن ادھم نے دیکھا کہ اسے جنت کی دعا سے شرم و حیا نصیب ہوگا اسی لیے فضل و لطف سے اسے جنت سے نوازا۔ اسی لیے وہ مارنے والا ابراہیم بن ادھم کے ہاں معذرت خواہ ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ وہ سر کہ جس میں عذر خواہی کا خیال ہو اسے میں بلخ میں چھوڑ آیا ہوں کیونکہ نخوت و ناموس کا خیال شاہی سر میں ہوتا ہے اور وہ بلخ رہ گئی اب میں اس کے عوض مسکینی اور فقیری کے تصورات رکھتا ہوں۔ (اس لیے معذرت کی ضرورت ہی نہیں)

فائدہ: نصرت الٰہی باطنی بھی ہوتی ہے چنانچہ حکایت ذیل اس کی شاہد ہے۔

حکایت: احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طریق مکہ میں میں حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہ کے ساتھ تھا کہ مجھ سے زادِ راہ کا بٹوہ گر گیا، میں نے آپ سے گذارش کی تو آپ نے دعاء کی اے گمشدہ اشیاء کو واپس کرنے والے (ہمارا گمشدہ بٹوہ واپس کر دے)۔ ابھی تھوڑی دیر گذری کہ کسی نے کہا کس کا بٹوہ گر گیا ہے، میں نے کہا میرا۔ اس نے دکھایا تو واقعی میرا ہی بٹوہ تھا۔ میں نے اس سے لے لیا مجھے ابو سلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا اے احمد ہمیں بغیر پانی کے نہیں چھوڑے گا یعنی اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرماتا رہے گا۔ ہم تھوڑا آگے بڑھے تو اس مقام پر پہنچے جہاں سخت سردی پڑ رہی تھی ہمارے ہاں گرم کمبل تھے لیکن ایک نوجوان کو دیکھا جس پر صرف دو پھٹے پرانے کپڑے ہیں۔ اور وہ بھی پانی سے بھیگے ہوئے تھے جن سے پانی ٹپک رہا تھا ہم نے اس کی مدد کا ارادہ کیا اور اسے پیشکش کی۔ اس نے کہا فکر مت کرو سردی۔ گرمی ہر دونوں ہماری طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق

ہیں وہ انہیں حکم دے گا تو مجھے ڈھانپ لیں گی یا چھوڑ دیں گی اور حال یہ ہے کہ میں اس جنگل میں تیس ۳۰ سال سے چل رہا ہوں مجھے کبھی نہ گرمی نے ستایا ہے نہ سردی نے یہ اس کی مہربانی ہے جو ان کی تکلیف سے محفوظ ہوں ؎

مذاق بردمحبت جمعے کہ پشت گرم بعشق نیند
ناز سمور و منت سنجاب می کشند

ترجمہ ۔ محبت ان کے لئے مذاق ہے جو اپنی پیٹھ عشق سے گرم نہیں رکھتے وہی سمور و سنجاب کی ناز و منت کے حامل ہوتے ہیں ۔

اے دارانی کپڑوں کا اشارہ کرتا ہے کیا تو نے زہد چھوڑ دیا ہے زہد چھوڑے گا تو تجھے سردی تکلیف دے گی اے دارانی روتا ہے تو آواز کیوں کرتا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ تو اس سے استراحت و آرام کا طالب ہے ۔ ان کی یہ بات سن کر ابو سلیمان (دارانی) کہتا ہوا چل پڑا اور فرمایا کہ مجھے تو اس کے سوا اور کوئی جانتا ہی نہیں ۔

سبق : اس حکایت سے سبق ملا کہ ابو سلیمان دارانی نے جب بٹوہ ملنے سے یقین کر لیا کہ ہر وقت اس کی مدد نصیب ہو گی لیکن اسے نوجوان کو دیکھ کر حقیر سمجھا یہ ان کا عجب تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے اولیاء کو ملاحظہ اعمال (تکالیف) سے مدد کرتا ہے اور ان کی صفائی احوال کے باوجود دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دکھاتا ہے لیکن برے اخلاق سے ان کے نفوس کو پاک وصاف رکھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان کے راستوں پر چلائے ۔ وہی کریم اور بہت بڑے احسان والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ : "وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ" اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے کفار کے ہاتھ روکے "عَنْكُمْ" تم سے بایںطور کہ انہیں تمہارے سے بھاگنے پر اکسایا حالانکہ وہ تعداد میں تجھ سے زائد تھے اور طرفہ یہ کہ تم ان کے شہر میں تھے اور انہیں معلوم تھا کہ تم ان کو اہل و عیال اور اولاد سے دور کرنے آئے ہو "وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ" (اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے) کہ تم کو ان سے رجوع کرنے پر برانگیختہ کیا اور انہیں چھوڑ دیا "بِبَطْنِ مَكَّةَ" مکہ کے بطن یعنی مکہ کے داخلی مواضعات میں "مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ" تمہیں فتحمند کرنے کے بعد بایںطور کہ تمہیں فتحمند اور غالب بنایا "عَلَيْهِمْ" ان پر ۔ یعنی تمہیں فتح دی اور ان پر غالب کیا باوجودیکہ عادت ہے کہ جو فتح پاتا ہے وہ دشمن کو جڑ سے پھینک مارتا ہے لیکن یہاں ایسا نہیں ہوا ۔

حل لغات : الظفر یعنی الفوز دراصل یہ ظفر سے ہے بمعنے "نشب ظفرہ" اس کے ناخن ابھرے ۔

خالد سیف اللہ کب بنے : مروی ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل پانچسو لشکری لے کر حدیبیہ کو روانہ ہوا ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک

لشکر حضرت خالد کو دے کر اس کے مقابلہ کے لیے فرمایا اور ساتھ ہی ان کا آج ہی سیف اللہ (اللہ کی تلوار) نام رکھا چنانچہ حضرت خالد نے عکرمہ کے لشکر کو شکست دے کر مکہ مکرمہ کی طرف دھکیل دیا اور واپس آگئے (طبرانی و ابن ابی حاتم فی تفسیر ہما)۔

تردید از سعدی المفتی: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بیان صراحۃً غلط ہے اس لیے کہ کتب سیر وغیرہ اور صحاح میں مذکور ہے کہ یوم حدیبیہ میں خالد تو مشرکین کے لشکر میں تھا جسے دو سو بہادر دے کر کفار نے اسے مسلمانوں کے خلاف بھیجا وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ کے لیے آئے جب قریب پہنچا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان کا مقابلہ کیجیے، حضرت عباد بن بشیر مقابلہ کے لیے صف آرا ہوئے۔ یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ جب یہ حال ہے تو پھر کیسے مذکورہ بالا بیان صحیح ہو سکتا ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت خالد بن الولید حدیبیہ کے واقعہ کے بعد ۸ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔

فائدہ: ایسے ہی انسان العیون میں ہے کہ حضرت خالد بن الولید واقعہ حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔

انوکھی جنگ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں پر پتھر مروا کر فتحیاب فرمایا یہاں تک کہ انہیں ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ یوم حدیبیہ حملہ سے کافروں کی ایک جماعت مسلمانوں پر پتھر برسا رہی تھی، مسلمانوں نے پتھروں کا جواب پتھروں سے دیا تو کافر بھاگے یہاں تک کہ مکہ پہنچ کر گھروں میں گھس گئے چونکہ ایسی رکاوٹ انوکھی تھی اس لیے فرمایا "وھو الذی" الخ یا وہ کافر اسی آدمی تھے جو تنعیم کے راستہ سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر صبح کے وقت حملہ کرنے کے لیے اس ارادہ پر آئے تھے کہ اچانک حملہ کر دیں گے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو شہید کر دیں گے لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں گرفتار کر کے چھوڑ دیا اس معنیٰ پر بطن مکۃ سے وادی حدیبیہ مراد ہوگی کیونکہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم مکہ میں ہے۔

المفردات میں ہے کہ بطن بمعنے پیٹ (عضو معروف) ہے اور شے کی سفلی جہت کو بھی بطن ہے جیسے جہۃ علیا کو ظہر کہا جاتا ہے۔ بطن الامر اور بطن الوادی کو بطن (پیٹ) سے مشابہت کی وجہ سے اسی نام سے موسوم ہیں اور عرب کے بعض کو بطن بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ گویا کل عرب ایک شخص کی طرح ہے گویا ان کا ہر ایک قبیلہ بمنزلہ پیٹ اور ران اور کاندھے کی طرح ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اگرچہ حدیبیہ مکہ معظمہ سے جہت سفلی سے ہے کیونکہ وہ جدہ محروسہ کی طرف ہے اسی لیے بطن مکہ سے وہی طرف مراد ہوگی نہ کہ مکہ معظمہ کے داخلی مواضعات اب معنیٰ یہ ہوا (واللہ اعلم) کہ وہ اللہ جس نے انہیں روکا تم سے اور تمہیں ان سے حدیبیہ کی سفلی جہت سے بجانب مکہ بعد اس کے کہ تمہیں ان پر قدرت دی کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرتے تو تم ان پر غالب ہوجاتے (باذن اللہ تعالیٰ) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا چنانچہ فرمایا "ولو قاتلکم الخ اور روکنے کا راز آنے والی قریبی آیت میں اس کا ذکر آئے گا (انشاء اللہ)۔

"وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" اور ہے اللہ تعالیٰ ساتھ اس کے کہ تم عمل کرتے ہو یعنی تمہارا جنگ کرنا اور تمہارا کفار کو شکست دینا یا تمہارا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا اور تمہارا ان سے دوبارہ روکنا تعظیم حرم و صیانت اہل اسلام کی وجہ سے "بَصِيْرًا ۝" جانتا ہے۔ کوئی شے اس سے مخفی نہیں وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دیگا۔

فائدہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ "من بعد ان اظفرکم علیہم" سے فتح مکہ مراد ہے اسی سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دلیل لی ہے کہ مکہ معظمہ غلبہ سے فتح ہوا ہے نہ کہ صلح سے۔

سوال - سورۂ فتح تو فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی پھر امام صاحب کا استدلال کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب - یہ اس کے منافی نہیں اس لیے کہ پہلے کا نزول اخبار عن الغیب کے قبیل سے ہوتا ہے (گویا حضور علیہ السلام کے علم غیب کے دلائل سے ایک یہ بھی ہے) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "انا فتحنا لک فتحا مبینا" از قبیل اخبار عن الغیب ہے۔

سوال - ہاں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض ہوسکتا ہے جبکہ آپ نے دعویٰ فرمایا ہے کہ مکہ غلبہ سے فتح ہوا ہے نہ کہ صلح سے کیونکہ ضروری نہیں کہ کسی شہر کو غلبہ کے بعد حاصل کیا جائے بہت سے مواقع ایسے بھی ہوئے ہیں کہ وہ شہر صلح سے حاصل ہوا جیسا کہ زمخشری نے کہا کہ شہر فتح غلبہ سے ہو یا صلح سے یا جنگ سے حاصل ہو یا جنگ کے بغیر (تفسیر زمخشری تحت آیت "انا فتحنا لک فتحا) وکذا فی حواشی سعدی المفتی)

جواب - بحر العلوم رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انا فتحنا لک فتحا الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ غلبہ سے حاصل ہوا کیونکہ فتحنا کا کسی شہر کو غلبہ سے حاصل کرنے پر اطلاق ہوتا ہے جب وہ مطلق ہو۔

تائید صاحب روح البیان رحمہ اللہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ انا فتحنا از قبیل مطلق نہیں اگر مان لیا جائے تو بھی فتح مطلق اس پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی لیے سورۃ النصر میں اللہ تعالیٰ نے اسے نصرت سے ملایا ہے

اس لیے کہ نصرت محاربت اور غلبہ پر دلالت کرتی ہے نہ صرف فتح۔

مسئلہ: عین المعانی میں ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہم (احناف) کا مذہب ہے کہ غلبہ سے فتح ہوا ہے (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) اس پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کفار مکہ کو تلوار سے کاٹو۔

مسئلہ: لیکن اہل مکہ پر نہ جزیہ ہوگا نہ ان کی زمینوں سے خراج لیا جائے گا یہی احناف کا مذہب ہے ہر ان تمام شہروں کے لئے جو غلبہ سے حاصل ہوں اس لیے مشرکین عرب کے لئے دو امور تھے (۱) اسلام (۲) تلوار

مسئلہ: کوفہ کے گرد و نواح کی زمینیں ارض العجم کے حکم میں ہیں۔

قصہ فتح مکہ: یہاں پر فتح مکہ کا اجمالی طور قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ فتح مکہ کا واقعہ ۸ھ رمضان المبارک میں ہوا۔ اس کا سبب قریش کی طرف سے نقض عہد ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قبیلہ بنی بکر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو (منظوم) تیار کی اور وہ اسے ترنم سے پڑھتا (گاتا) تھا جسے قبیلہ خزاعہ کے کسی غلام (عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نے سن لیا اور قبیلہ خزاعہ کے لوگ مسلمان تھے اس غلام (عاشق رسول) نے اس ہجو کرنے والے قریشی (گستاخ نبی علیہ السلام) کو زخمی کر دیا اس سے دونوں قبیلوں میں شر پھیل گیا۔ بنو خزاعہ پر بنو بکر کے ساتھ قریش (کفار مکہ) نے مدد کی حامی بھری چنانچہ بنو بکر نے رات کے وقت بنو خزاعہ پر ہلہ بول دیا ان کے جوانوں کو قتل کر دیا لیکن اس میں ابو سفیان کا کوئی دخل اور رائے نہ تھی حالانکہ اس وقت یہی رئیس القریش تھے۔

خواب عجیب: جب ابو سفیان کو یہ خبر پہنچی تو کہا کہ میری زوجہ نے خواب دیکھا ہے جسے وہ بیان کرنا نہیں چاہتی (لیکن مجھے بتایا ہے) اس نے دیکھا کہ خون کا سیلاب حجون سے بہتا ہوا خنذمہ میں آگر رکا ہے (الخنذمہ بفتح الحاء والمجمہ مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے) الحجون بالحاء والمہملہ، یہ بھی مکہ کے اوپر والی طرف سے ایک پہاڑ ہے) ابو سفیان نے اس خواب کی تعبیر یہی دی کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ساتھ ضرور جنگ کریں گے لیکن قریش اب جنگ نہیں چاہتے تھے۔

حضرت عمر بن سالم خزاعی رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مدینہ طیبہ پہنچ کر تمام حالات سنائے، حضور علیہ السلام والصلوٰۃ نے فرمایا " نصرت یا عمرو بن سالم " تو فتحیاب

ہوا اے عمرو بن سالم۔ اس وقت آپ کی دونوں چشمان مبارک سے آنسو بہہ نکلے اور فرماتے رہے "خزاعة منی و انا منهم" خزاعہ میرے ہیں میں ان کا ہوں۔

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی دیکھا آپ نے قریش کو نقض عہد (عہد شکنی) پر کیسی جراءت ہو گئی۔ آپ نے فرمایا یہ عہد کو اسی وقت توڑتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنا ایک فیصلہ فرما چکا ہوتا ہے۔ عرض کی، خیر تو ہے۔ فرمایا، خیر ہے۔

قریش کی ندامت: اس عہد شکنی سے قریش نادم ہوئے اس ندامت کے پیش نظر ابو سفیان کو بھیجا تاکہ عہد سابق کو مضبوط کریں بلکہ اور مدت بڑھا دیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کا پیغام سن کر فرمایا کہ ہم اپنی مدت اور صلح تک کے پابند ہیں اس کے بعد معاہدہ ختم۔

ابو سفیان مایوس ہو کر لوٹا کیونکہ آپ نے نہ ابو سفیان کی بات مانی نہ صحابہ میں سے کسی اور کی، اس نے واپس مکہ پہنچ کر کہا کہ انہوں نے میری کوئی بات نہیں مانی لیکن میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا مطالعہ کیا وہ تو اپنے آقا کے بہت بڑے فدائی ہیں، میں نے بادشاہوں میں سے کسی ایک کی ایسی بارگاہ نہیں دیکھی جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ ہے اور ان نے صحابہ جیسے جان نثار میں نے کہیں نہیں دیکھے۔

مشاورتی کمیٹی: ابو سفیان کے چلے جانے کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ لیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ان سے درگزر فرمائیے آخر آپ کی برادری کے لوگ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! مکہ کو چلیے اور ضرور چلیے کیونکہ کفار کے یہی سرغنہ تو ہیں، آپ کو بکتے ہیں اور کہتے ہیں آپ کذاب و ساحر ہیں اور کوئی برے القاب نہیں جو آپ کو نہ کہتے ہوں۔ بخدا جب تک اہل مکہ آپ کے تابع نہ ہوں گے عرب کا کوئی خطہ آپ کے تابع نہیں ہو سکے گا۔ اسی وقت آپ نے فرمایا کہ ابو بکر ابراہیم علیہ السلام کی طرح نرم (اور رقیق القلب) ہیں اور عمر نوح علیہ السلام کی طرح امور حق کے لئے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں لیکن مشورہ عمر کا صحیح اور حق ہے (اس سے قبل یہ امر مخفی رکھا)۔

جنگ کی تیاری: مشورہ کے بعد آپ نے فتح مکہ کے لئے تیاری شروع کر دی اور اپنے صحابہ کو بھی تیاری کا اعلان فرمایا بلکہ دیہاتوں میں بھی ہر طرف مسلمانوں کو اطلاع بھجوائی کہ جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ماہ رمضان میں مدینہ پاک میں آ جائے۔ جب تمام لوگ

جمع ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے دعا مانگی، اے اللہ! قریش تک ہماری خبر نہ پہنچے یہانتک کہ ہم ان کے شہر تک پہنچ جائیں۔

لشکر نبوی کی تعداد اور روانگی: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دسویں یا دس کے آگے پیچھے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اس وقت کا دس ہزار لشکر تھا جس میں مہاجرین وانصار سب تھے اس سفر میں آپ نے رمضان کا روزہ کدید میں افطار فرمایا۔ کدید بروزن امیر عسفان وقدید کے درمیان ایک جگہ کدید بر وزن زبیر اس کے بعد روزہ نہ رکھنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا جو اس کے خلاف کرے گا وہ گنہگار ہوگا کیونکہ یہاں کی آب وہوا گرم ہے اور روزہ نہ رکھنے میں دشمن کے مقابلہ کے لئے قوت وطاقت بھی ہے۔

فوج کے جھنڈے: کدید میں ہی پڑاؤ ڈالا اور وہیں اپنا جھنڈا گاڑ دیا اور ہر ایک قبیلہ کو علیحدہ علیحدہ جھنڈا عطا فرمایا اس کے بعد چل پڑے مر الظہران سے گذرے مر الظہران ایک جگہ مکہ کے باہر ایک مرحلہ کا فاصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا مستجاب فرمائی کہ آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے لیکن قریش تاحال بے خبر تھے یہ بھی قریش پر شفقت تھی کہ وہ جنگ نہ کر سکیں خود بخود تابع ہو جائیں اور حکم فرمایا کہ ہر قبیلہ اپنی جگہ پر آگ روشن کرے ان سب کا نگران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

ہجرتِ عباس رضی اللہ عنہ: اس سے قبل حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جحفہ (بتقدیم الجیم) اہل شام کے میقات میں ملے اور اپنا مسلمان اور مہاجر ہونا ظاہر کیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اہل وعیال اور سامان کو مدینہ بھیج دیں اور خود ہمارے ساتھ مکہ معظمہ چلیں اور ساتھ ہی فرمایا اے چچا آپ کی ہجرت خاتم الہجرت ہے جیسے میری آخری نبوت خاتم النبوت ہے۔

ابوسفیان جاسوس: قریش مکہ نے ابوسفیان کو بھیجا کہ حالات سے آگاہی حاصل کریں اور کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ملیں تو ان سے ہماری اماں طلب کریں۔ جب ابوسفیان رات کے وقت مر الظہران میں پہنچا تو آگ روشن دیکھی تو کہا میں نے ایسی آگ روشن کبھی نہیں دیکھی سوائے میدان عرفات کے اور ایسا لشکر نہ دیکھا نہ سنا چونکہ ان کی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے قدیم سے دوستی تھی، انہیں ملے اور پنجہ ملا کر چل پڑے حضرت عباس انہیں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تاکہ ان

کے لئے امان کا سوال کریں۔

ابوسفیان کا اسلام لانا: جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے چچا اسے اپنی رہائش میں لے جائیے کل صبح کو میرے ہاں لانا جب صبح ہوئی تو ابوسفیان کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوسفیان کو اسلام پیش کیا۔ اس پر وہ متوقف ہوا، حضرت عباس نے فرمایا "ویحک اسلم" افسوس ہے اسلام قبول کر لے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے رسول ہیں ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی۔ حضرت عباس کے مشورہ کو ابوسفیان نے قبول کر کے سچے دل سے اسلام کا کلمہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمان ہونے کی توفیق بخشی۔ مسلمان ہونے کے بعد عرض کی یا رسول اللہ اگر قریش آپ کا مقابلہ نہ کریں بلکہ علیحدہ ہو کر بیٹھ جائیں اور آپ کے معارضے سے ہاتھ روک لیں تو کیا انہیں امان ہے یا نہ۔ آپ نے فرمایا جس نے ہمارے مقابلہ سے ہاتھ روک لیا اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا اسے امان ہے۔

ابوسفیان کا گھر دارالامان: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عباس نے عرض کی یارسول اللہ ابوسفیان فخریہ امر سے پسند کرتا ہے اس سے کوئی ایسی مروت فرمائیے جس سے وہ خوش ہو جائے۔ آپ نے فرمایا جو بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اسے امان ہے ایسے ہی جو مسجد حرام میں ہو اور جس نے دروازہ بند کر لیا اسے بھی اور جس نے ہتھیار ڈال دیئے اسے بھی اور جو دار حکیم بن حزم میں داخل ہوا وہ بھی (ابن حزم جاہلیت و اسلام میں اشراف قریش سے تھے) امان میں ہے۔

اسلام کا جھنڈا: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورویحہ (جس کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ مقرر کیا گیا تھا) کو جھنڈا دے کر حضرت بلال کو فرمایا کہ اعلان کر دو جو ابورویحہ کے جھنڈے تلے آئے گا اسے بھی امان ہے۔

فائدہ: یہ توسیع اس لیے فرمائی کہ امان والوں کی بہتات تھی کہ اس وقت ابوسفیان کے گھر اور مسجد حرام وغیرہ میں جگہ نہ رہی تھی۔ اور اعلان فرما دیا گیا کہ فلاں مرد اور عورتوں کو قتل کر دو اگرچہ وہ کعبہ کے پردوں سے بھی لٹکے ہوئے ہوں۔ ان میں ابن اخطل وغیرہ تھے کیونکہ کعبہ (عاصی مجرم اور جس پر حد قائم ہو) کو پناہ نہیں دیتا۔

اور جن کو قتل کرنے کا حکم فرمایا وہ نہایت درجہ کے سرکش اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت مخالف تھے خلاصہ یہ کہ آج آپ نے ایمان والے کو معاف کردیا اور جس نے کفر پر اصرار کیا اسے قیدی بنالیا۔

شوکت اسلام کا نظارہ :

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو ایک تنگ وادی کے سرے پر کھڑا کردیجیے یہانتک کہ اللہ کا تمام لشکر گذر جائے تاکہ یہ اسلامی شوکت کا نظارہ دیکھے سب سے پہلے خالد بن ولید بنی سلیم (مصغراً) جھنڈا لے کر گذرے اس کے بعد قبیلہ کے بعد قبیلہ مع اپنے جھنڈوں کے گذرتے رہے یہانتک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انصار و مہاجرین کے ساتھ تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے سے کہتے جاتے تھے ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ بالآخر تمام لشکر گذرا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا سبحان اللہ اے عباس یہ کون ہیں، آپ نے فرمایا یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے ساتھ مہاجرین و انصار تھے آپ کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا پھر ان سے لے کر ان کے بیٹے حضرت قیس کو دیا گیا اس لیے کہ وہ عرب میں بہت بارعب اور جنگی معاملات میں بہت بڑے صاحب رائے اور چالاک تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تشریف لائے تو آپ کے ساتھ سات سو مہاجرین جو تین سو گھوڑوں پر سوار تھے اور چار ہزار انصار جن کے ساتھ پانچسو گھوڑے تھے ابوسفیان نے کہا ان کے ساتھ کون مقابلہ کرسکتا ہے اور نہ ہی کسی کو کوئی طاقت ہے۔

بادشاہ نہیں نبی ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) :

ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کہا تیرا بھتیجا بہت بڑا بادشاہ بن گیا ہے۔ آپ نے فرمایا بادشاہ نہیں نبی ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کا امیر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مکہ معظمہ کے سفلی جانب سے کعبہ شریف میں جائیں اور فرمایا کسی سے جنگ نہ کرنا ہاں کوئی جنگ کرے تو پھر اجازت ہے ادھر قریش نے بھی چند آدمی جمع کر رکھے تھے جب حضرت خالد کعبہ معظمہ میں داخل ہونے لگے تو قریش نے روک لیا بلکہ تیر برسانے شروع کردیئے، حضرت خالد نے زور سے پکارا کر شاباش کسی کو نہ چھوڑو آرڈر سنتے ہی لشکر اسلام نے کفار قریش پر ہلہ بول دیا اس میں بہت سے لوگ مارے گئے اور بعض بھاگ گئے یہانتک کہ حضرت خالد مسجد حرام کے دروازے تک

پہنچ گئے اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" ان کو کچل دو یہانتک کہ مجھے صفا میں آکر ملو" حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں ناقہ قصواء پر سوار ہو کر داخل ہوئے، آپ کے پیچھے حضرت علی بن العاص عموی رضی اللہ عنہما (حضور کے نواسہ) تھے اور یہ جمعہ کا دن ہے بعض نے کہا سوموار کا دن تھا۔ آپ نے سیاہ عمامہ زیب سر فرمایا ہوا تھا۔ بعض نے عمامہ کے متعلق دوسرے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ مقام معرفت وفنا کے یہی زیادہ مناسب ہے۔ جب آپ کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو سر مبارک کجاوہ پر رکھ دیا یہ آپ نے تواضعاً اور فتح مکہ کے شکریہ میں کیا اور اتنی بڑی جماعت مسلمین ساتھ لانے سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر جھکایا۔ اس کے بعد فرمایا "اللّٰھم لاعیش الا عیش الاخرۃ" اے اللہ آخرت کا عیش چاہیئے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کعبہ شریف میں کداء بچوں سماء کی طرف یعنی کعبہ کے اعلیٰ جانب سے داخل ہوئے اور کعبہ شریف میں داخلہ سے پہلے غسل فرمایا اور چل پڑے اور سورہ فتح تلاوت فرما رہے تھے یہانتک کہ آپ نے کعبہ شریف کا سات بار طواف کیا بوقت طواف آپ سوار رہے سواری کی باگ محمد بن مسلم نے پکڑی ہوئی تھی۔ حجر اسود کا استلام عصا سے کیا جو آپ کے ہاتھ مبارک میں تھا۔

فائدہ: آپ نے سوار ہو کر طواف اس لیے کیا تاکہ دوسرے لوگ طواف کا طریقہ سیکھ لیں۔ پھر مقام ابراہیم کے ساتھ دوگانہ پڑھا جو اس وقت کعبہ شریف کے بالکل قریب تھا بعد کو اسی مقام پہ ہٹایا گیا ہے جہاں اب ہے۔

ازالۂ وہم: مقام ابراہیم میں وہی پتھر ہے جس میں بوقت تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قدم مبارک دھنس گیا اس کے بعد لوگوں کے ہاتھ لگانے کی وجہ سے اس کے نشانات مٹ گئے اس کے بعد وہ نشانات گم ہو گئے اب اسی پتھر کی جگہ تو ہے لیکن اصلی پتھر نہیں یہ جو رکھا ہوا پتھر ہے وہ جعلی ہے (واللہ اعلم)۔

تین سو ساٹھ بت: اس وقت کعبہ شریف کے باہر اندر اور اوپر تین سو ساٹھ بت رکھے تھے ہر قبیلے کا علیحدہ بت تھا۔ ہبل ان کا بڑا بت تھا وہ عقیق تھا جو کعبہ شریف کے دروازہ کے قریب تھا جسے باب السلام قدیم کے نیچے پھینک دیا گیا تاکہ اسے قیامت تک لتاڑیں اور بت پرستوں کو عبرت ہو جبکہ ابوسفیان غزوۂ احد میں فخراً کہتا تھا" اعل ھبل، اعل ھبل" (اے ہبل بلند ہو، بلند ہو اے ہبل) اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے ذلیل کر کے دکھایا

تاکہ معلوم ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اسے کون عزت دے سکتا ہے۔ پھر آپ لکڑی ہر بُت پر مارتے تھے وہ منہ کے بل گرتا تھا اور آپ پڑھتے تھے "جاء الحق وزھق الباطل" (حق آیا باطل مٹ گیا)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا حکم فرمایا تاکہ چھت پر رکھے ہوئے بتوں کو توڑ دیں۔

کعبہ کے اندر داخلہ: اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہونے سے پہلے آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عثمان بن ابی طلحہ کی طرف بھیجا تاکہ اس سے کعبہ کی چابی لے آئیں۔ دروازہ کھلنے پر آپ نے اندر داخل ہو کر دوگانہ پڑھا اور آپ نے کعبہ کے اندر ہر کونہ میں دعا فرمائی۔

فوٹو مٹا دیئے: کعبہ کے اندر بہت سے فوٹو رکھے تھے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل اور بی بی مریم اور ملائکہ کرام کے فوٹو بھی تھے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے مٹانے کا حکم فرمایا۔

کعبہ بیت الاصنام: کعبہ معظمہ اس وقت بیت الاصنام بنا ہوا تھا۔ ہزار ہا سال بیت الاصنام بنا رہا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعبہ کی تطہیر فرمائی اب وہ ہزار سال سے اہل اسلام کی سجدہ گاہ ہے۔

کعبہ کی دعا: کعبہ ہزار سال سے دعا مانگ رہا تھا کہ لوگ اس میں شرک کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے تطہیر کا وعدہ فرمالیا اور بتوں سے اسے پاک کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں کعبہ قلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فتح سے پہلے بیت الاصنام تھا پھر جب ملکوتی امداد نصیب ہوئی تو پھر دل پاک ہوا۔ یاد رہے کہ بہت بڑا بت انسان کا اپنا وجود ہے، حضرت شیخ عربی نے فرمایا ؎

بود وجود مغربی لات و منات او بود
نیست بنے چو بوہ او در ہمہ سومنات تو

ترجمہ۔ لات و منات تیرا وجود ہے اے مغربی۔ تیرے جیسا اور کوئی بت نہیں تمام سومنات تو خود ہے۔

حضرت خجندی نے فرمایا ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت کہ بشکنند بہ انصد عبادتست

ترجمہ ۔ غرور کا بت توڑ دے کیونکہ عشاق کے دین میں ایک بت توڑنا سو عبادت سے بہتر ہے ۔

اور فرمایا ۔

مدعی نیست محرم در یار
خادم کعبہ ابو لہب بود

ترجمہ ۔ مدعی محرم یار کا نہیں ۔ کعبہ کا خادم تو ابو لہب بھی رہا ہے ۔

بیعتِ نبوی :

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے دن صفا پر بیٹھ کر بیعت لیتے رہے ۔ بڑے چھوٹے مرد عورتیں اکر اسلام پر بیعت کرتے رہے یعنے کہتے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ ایسے ہی تمام احکام ماننے پر لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے ۔ حضور علیہ السلام نے تمام کو بیس سال کی ایذائیں معاف فرمادیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی ۔

تقریرِ نبوی : حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا ، اے لوگو ! بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے مکہ کو حرم بنایا ہے اور سورج و چاند کی تخلیق سے اور یہ تا قیامت حرم محترم ۔ کسی ایمان والے کے لئے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے اور اس کا درخت کاٹے نہ میرے سے پہلے حلال تھا نہ میرے بعد حلال ہے سوائے اس وقت کے یعنی یوم فتح کے بعد صبح سے شام تک جو اللہ تعالیٰ نے صرف میرے لئے حلال فرمایا یہ بھی یہاں کے سرکشوں پر غضب کی وجہ سے اس کے بعد قیامت تک اس کی حرمت ہے جیسے کل تھی ایسے ہی تا قیامت جو موجود ہے وہ غائب تک پہنچا دے ۔

قیامِ مکہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد اُنیس یا اٹھارہ دن وہاں مقیم رہے اور نماز قصر ادا فرماتے رہے اس کے بعد ہوازن و ثقیف کو چلے گئے جس کا ذکر

پہلے ہوچکا اور یہاں کا امیر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اس وقت ان کی عمر اکیس سال تھی اور یہی پہلے اسلام کے امیر مکہ ہیں وہی لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور یہاں کے معلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے جو لوگوں کو سنن و دیگر فقہی مسائل بتاتے تھے اسی سے خلیفہ بنانے کا ثبوت ملا اور اسی پر ہمارے زمانہ تک عمل ہے کیونکہ نبی علیہ السلام رفع جہل کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی علیہ السلام کے وارثین سے بنائے (آمین)۔

تفسیر عالمانہ: "هُمُ" وہ قریش مکہ "الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا یعنی اس سے روکا کہ تم کعبہ کا طواف کرو "وَالْهَدْيَ" اور قربانی کو روکا یہ منصوب ہے ان کا عطف ضمیر منصوب پر ہے یعنی کُمْ پر۔

حل لغات: الهدی بسکون الدال هدیۃ کی جمع ہے جیسے تمرو تمرۃ وجدی وجدیۃ یہ مخصوص ہے۔ اس قربانی کے ساتھ جو بیت اللہ کی طرف اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے بھیجی جائے جانوروں میں سے۔ ان میں سب سے آسان تر بکری اور اوسط گائے اور اعلیٰ اونٹ۔ اہل لغت کہتے ہیں "اهدیتُ لہ واهدیت الیہ" میں نے اس کی طرف قربانی کا جانور بھیجا یہ بہ تشدید الیاء بھی ہے۔ اس وقت ہدیّہ کی جمع ہوگی۔

"مَعْكُوفًا" (روکی ہوئی) یہ الہدی سے حال ہے بمعنے محبوسًا کہا جاتا ہے "عکفتہ عن کذا" اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو روکا جائے اسی سے ہے "العاکف فی المسجد" اس لیے کہ وہ خود کو باہر جانے سے روک لیتا ہے "اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ" (یہ کہ وہ اپنی جگہ پر پہنچتی) یہ الہدی سے بدل الاشتمال ہے یا منصوب ہے بنزع الخافض کہ دراصل "معکوفًا ای محبوسًا من ان یبلغ محلہ" تھا یعنی قید کی گئی اس سے کہ وہ اپنی جگہ پر پہنچتی جس میں اسے ذبح کرنا واجب تھا۔

حل لغات: المحل اسم ہے اس مکان کا جس میں قربانی ذبح کی جاتی ہے وہ الحلول سے ہے نہ کہ الحل سے جو کہ اکرمتہ کی نقیض ہے۔ المفردات میں ہے "حل الدین حلولاً" یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس قرض کی ادائیگی کا وقت آجائے وحللت بمعنے لمزلت یہ بوجھ اتارنے کے وقت بولتے ہیں المحلہ بمعنے مکان النزول (اترنے کی جگہ)۔

مسئلہ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے اس مسئلہ کا استدلال کیا ہے کہ محصر کی قربانی کا محل حرم شریف ہے کیونکہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں ہے۔

فائدہ: بحرالعلوم میں ہے حدیبیہ مکہ شریف حرم کی جانب سے نو میل ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خیمے حل میں اور آپ کا مصلی حرم شریف میں تھا وہیں پر آپ کی قربانیاں ذبح کی گئیں اور وہ ستر اونٹ تھے۔

فائدہ: یہاں روکنے کی جگہ سے منٰی کی وہ مقرر کردہ جگہ ہے جہاں قربانیاں ذبح کی جاتی ہیں یعنے حجاج کے لئے منٰی اور عمرہ والے کے لئے صفا۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک احکار کی دم کے لئے حرم کی کوئی خصوصیت نہیں جائز ہے کہ اسے وہاں ذبح کردے جہاں اسے روکا گیا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالٰی نے کفار مکہ کی سزا کے استحقاق تین وجوہ سے بیان فرمایا ہے:۔

(۱) کفر جو ان کے نفوس میں رچ چکا تھا۔

(۲) اہل ایمان کو عمرہ کے اتمام سے روکنا۔

(۳) قربانی کو اپنی جگہ پر پہنچنے نہ دینا۔

انہی افعال قبیحہ کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہوئے کہ ان سے جنگ کی جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے لیکن اللہ تعالٰی نے محض مکہ مکرمہ میں کمزور مسلمانوں کی وجہ سے کافروں اور مسلمانوں میں سے ایک دوسرے کو لڑنے سے روک لیا تاکہ وہ یہاں سے نکل جائیں یا مسلمان مکہ مکرمہ میں داخل ہوں تو ان کمزور مسلمانوں کو کسی قسم کا ایذاء نہ ہو جیساکہ فرمایا "وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ" (اگر نہ ہوتے مرد عورتیں اہل ایمان میں سے کہ جنہیں تم نہیں جانتے) یعنی تم سے جان پہچان نہیں رکھتے کیونکہ وہ کافروں کے ساتھ مل کر رہتے ہیں "لم تعلموهم" رجال و نساء کی صفت ہے اور ان سے وہی مرد عورتیں مراد ہیں جو مکہ معظمہ میں تھے وہ بہتر نفوس تھے جنہوں نے ایمان دل میں چھپا رکھا تھا۔

"اَنْ تَطَئُوْهُمْ" (یہ کہ تم انہیں روند ڈالو) ان تطئوھم "منھم" کی ضمیر سے یا ان تطئوھم کی ضمیر منصوب سے بدل الاشتمال ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ تم ان پر واقع ہو کر انہیں ہلاک کر ڈالو اس لیے کہ کسی پاؤں میں روندنا۔ ہلاک کرنے کو مستلزم ہے اسی سے ہے قول نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) "اللّٰھم اشدد وطاءتک علی مضر" اے اللہ اپنی ہلاکت کو مضر پر سخت کردے

یعنی انہیں سخت تباہ کردے۔
المفردات میں ہے کہ یا اس کا معنی یہ ہے انہیں ذلیل وخوار کردے۔ الوطئی بمعنے الجماع تو گویا
مراحۃً اسی معنی میں معروف ہو چکا ہے۔ "فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم" تو تمہیں ان کی جانب سے پہنچے اس
کا عطف ان تطؤھم پر ہے" مَعَرَّةٌ " ناگواری۔
معرۃ بروزن مفعلۃ عرہ سے ہے بمعنے "اعراہ" یعنے اسے عارض ہوتی ہے وہ

حل لغات : شے جو اسے کراہت اور مشقت میں ڈالتی ہے۔
المفردات میں ہے العروہ کھجلی جو بدن پر عارض ہوتی ہے اسی لیے کبھی المضرۃ کو معرۃ کہہ دیا
جاتا ہے اس معرۃ یعنی کھجلی سے تشبیہ دے کر جو جسم کو عارض ہو کر دکھ اور تکلیف پہنچاتی ہے یہاں وہ
مشقت اور مکروہ (ناگوار) مراد ہے جو از قسم دیت واجب تھیں یا کفارہ بوجہ ان کے قتل کرنے سے
کفارہ اور ان پر افسوس کھانا اور کافروں کا عار دلانا اور ان کی بری حالت اور ان کی کوتاہی میں بحث کرنے
کی کوتاہی کے گناہ سے وغیرہ وغیرہ۔
حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ (اوپر مذکورہ بالا اشعار زمخشری

مسئلہ : کے ہیں کہ یہ سراسر حقیقت کے خلاف ہیں کیونکہ) مذہب حنفی میں ایسے کافروں کے قتل
کرنے میں نہ دیت ہے نہ کفارہ زمخشری نے مذہب حنفی کے خلاف کیا ہے (یا حنفیت کو بدنام کرنے کے
خیال سے کیونکہ خود متعصب معتزلی تھا لیکن دیوبندیوں کی طرح حنفیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔)

فائدہ: بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دارالحرب میں اس مومن کے قتل کرنے پر کفارہ واجب فرمایا
ہے جس کے ایمان کی قاتل کو خبر نہ تھی چنانچہ فرمایا" فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن
فتحریر رقبۃ مؤمنۃ" (اگر تمہارا دشمن قوم سے ہو جسے تم نے قتل کر ڈالا، وہ مومن تھا تو ایک مومن
گردن آزاد کرنا ہے) " بِغَيْرِ عِلْمٍ " بے خبری سے یہ ان تطؤھم کے متعلق ہے یعنی تم ان سے
بے خبری میں انہیں قتل کر ڈالا اس وقت پھر تمہیں ناگواری ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان سے
ہاتھ روک لیے۔

فائدہ: ایسے حذف میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کفار مکہ پر سخت غضب تھا گویا یوں کہا گیا کہ اگر اہل ایمان
کا حق نہ ہوتا تو کفار مکہ سے وہ ہوتا جو بیان سے باہر ہے لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حذف تعمیم و
اضافہ کے طور ہے" لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ " تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرے یہ
اس کے متعلق ہے جس پر اس کا جواب دلالت کرتا ہے گویا اس کے بعد کہا گیا ہے۔ لکن کففها

عنهم الخ لیکن اسے ان سے روک لی تاکہ اس رکاوٹ سے (جو انہیں بلا خطر فتح مکہ تک پہنچانے والی ہے) اپنی رحمت واسعہ میں داخل کرے "مَنْ يَّشَآءُ" جسے چاہے اس سے اہل ایمان مراد ہیں اس لیے کہ وہ رحمت دنیویہ سے خارج تھے منجملہ ان کے امن ہے کیونکہ وہ کمزور اور کافروں کے ماتحت تھے اور رحمت اخروی سے اگرچہ بالکل محروم نہ تھے لیکن مراسم عبادت کی ادائیگی سے قاصر ضرور تھے پھر انہیں اس کی مکمل ادائیگی کی توفیق بخشنا گویا اپنی رحمت اخروی میں انہیں داخل کرنا ہے۔

"لَوْ تَزَيَّلُوْا" (اگر جدا ہوتے) یہ ضمیر دونوں فریقوں کے لئے ہے یعنی اگر جدا یا متفرق یا ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے "لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا" تو ہم کافروں کو دردناک عذاب دیتے کہ ان کے جنگیوں کو قتل کر دیتے اور ان کے بچوں کو غلام بنالیتے۔

فائدہ: یہ جملہ مستانفہ اور اپنے ماقبل کے لئے مقررہ ہے۔

آیت میں دو اشارے ہیں:۔

تفسیر صوفیانہ: (۱) نفس کی خاصیت ہے کہ وہ طالب مولیٰ کو اللہ تعالیٰ سے روکے اور ان خیرات و صدقات میں ریاؤ سمعۃ و عجب کی ملاوٹ ڈالے جو قرب الٰہی کا سبب بنتے ہیں تاکہ بندہ محل صدق و اخلاق قبول تک نہ پہنچ سکے۔

(۲) نفوس کی بقاء ارواح اور ان کے قویٰ کو خالص کرنے کے لئے ہے کیونکہ نفوس کے بعض صفات فیض الٰہی کے قابل ہیں اسی لیے نفوس کے صفات کو بالکلیہ مٹانا اچھا نہیں تاکہ فیض الٰہی کے قابل صفات ضائع نہ ہوجائیں وہ صفات تزکیہ سے فیض الٰہی کے قابل بنتے ہیں البتہ وہ صفات جنہیں جڑ سے اکھاڑنا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔ کبر، حرص و ہوا اور حسد اور کینہ بعض صفات شر سے تبدیل ہوکر خیر کا رنگ اختیار کر سکتی ہیں جیسے بخل سخاوت سے اور حرص قناعت اور غضب حلم سے اور بزدلی شجاعت۔ اور شہوت محبت سے۔

فائدہ: حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا دیکھ اللہ تعالیٰ کی اہل ایمان پر کتنی شفقت و رحمت ہے لیکن اس سے وہ اہل ایمان مراد ہیں جو حقوق الٰہی کی دل سے (دکھ اور سکھ میں) نگرانی کرتے ہیں اور اس کی بلاؤ مصیبت پر راضی رہتے ہیں پھر دیکھ وہ کیسے خطرات سے نگہداشت فرماتا ہے اور پوشیدہ طور سے صدمات قہر سے کس طرح بچاتا ہے اور کیسے اسے اپنی پناہ میں لیتا ہے یہاں تک کہ اس پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی اور کیسے غیروں کو محروم کرکے اسے ہی برکات و خیرات سے نوازتا ہے۔

سبق: اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر لحظہ بندگان الٰہی کی رعایت کریں اور انہیں بارگاہ حق میں وسیلہ بنائیں وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے مخفی وسیلے ہیں ؎

بخود سر فرو بردہ ہمچوں صدف
نہ مانند دریا بر آوردہ کف

ترجمہ۔ صدف کی طرح سر جھکائے رہتے ہیں۔ دریا کی طرح جوش مارنے والے نہیں۔

تفسیر عالمانہ: "اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" (جب کیا کافروں کے) اِذ اُذکُر سے منصوب علی المفعولیۃ ہے یعنی وہ وقت یاد کیجیے جب کیا کافروں یعنے اہل مکہ کے "فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْحَمِیَّۃَ" دلوں میں تکبر و نفرت۔

حل لغات: حمیۃ بروزن فعیلۃ حمی کذا حمیۃ سے جب کوئی کسی سے نفرت و کراہت کرے۔ المفردات میں ہے کہ یہ قوت غضبیہ سے کنایہ ہے جب وہ جوش کرے اور زیادہ ہو ساتھ تکبر و کراہت کے کہا جاتا ہے حمیت علی فلاں۔ میں نے فلاں پر غصہ و غضب کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غضب و غصہ کے وقت انسان کے دل کا خون کھولنے لگ جاتا ہے اور اس میں حرارت اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ جار مجرور یا تو جعل کے متعلق ہے اس وقت یہ القاء کے معنیٰ میں ہو گا یا محذوف کے متعلق ہے اور وہ جعل کا مفعول ثانی ہے اس وقت جعل بمعنے تعبیر ہو گا یعنے انہوں نے اس حمیت (تکبر و نفرت) کو اپنے دلوں میں راسخ و ثابت کیا "حَمِیَّۃَ الْجَاہِلِیَّۃِ (جاہلیت والاجوش) یہ الحمیۃ سے بدل ہے یعنے وہ جو جاہلیت کی ملت میں انہیں پایا جاتا تھا ملت جاہلیت کا وہ دور ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت مبارکہ نہیں ہوئی تھی یا وہ حمیت جو جاہلیت کی طبیعت سے پیدا ہونے والی ہے جو اذعان حق سے روکتی ہے۔

فائدہ: امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان جاہلوں کی حمیۃ یہ تھی، کہ وہ رسالت کے اقرار سے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پڑھنے سے انہیں روکتی تھی یا اس سے اہل ایمان کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روکنا مراد ہے اور حضرت مقاتل نے فرمایا اہل مکہ کہتے تھے کہ اہل ایمان نے ہمارے آباؤ ابناء اور بھائیوں کو قتل کیا اب ہم انہیں مکہ معظمہ میں کیسے داخل ہونے دیں بلکہ یہ عرب کہتے کہ وہ اگر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو ہم پر حیف ہے۔ لات و عزیٰ کی قسم ہے وہ مکہ معظمہ میں زندگی بھر داخل نہیں ہو سکیں گے یہ حمیت جاہلیت تھی کہ ان کے دلوں میں گھس گئی تھی۔ "فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ" تو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہل ایمان پر سکینہ نازل فرمائی۔ اس کا عطف جعل پر

ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واہل ایمان کی وہ نکوکاری جس کی انہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور کافروں کا وہ برا عمل جو کفار سے سرزد ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر ثبات و وقار اتارا تو انہیں وہ لاحق نہ ہوا جو کفار کو لاحق ہوا اسی لیے انہوں نے ان سے صلح کرلی اور اس پر راضی ہوئے کہ جو کچھ چاہیں لکھوالیں۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب سہیل نے بسم اللہ اور حضور علیہ السلام کے رسول اللہ لکھنے پر انکار کر کے کہا کہ لکھو "باسمك اللّٰهم" اور "هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله" تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرمایا جو کچھ یہ کہتے ہیں اسی طرح لکھو آپ نے سمجھا کہ مسلمان کافروں کی لکھائی پر راضی نہ ہوں گے بلکہ جوش میں آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ اتاری جس سے وہ وقار و حوصلہ میں آگئے ورنہ جس طرح کہ صلح لکھی گئی اس کے حق میں وہ نہ تھے جیسی سورۃ کے ابتدا میں تفصیل گذری ہے۔

"وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ" اور اللہ تعالیٰ نے انہیں لازم کیا کلمہ تقویٰ یعنی کلمۂ شہادت یہاں تک کہ وہ منہ سے کہا یہ الزام از لطف و کرم ہے نہ اکراہ و اجبار کا اور کلمۂ تقویٰ کی طرف اس لیے مضاف ہے کہ وہ (کلمہ) اس (تقویٰ) کا سبب ہے کیونکہ اس کلمہ کی وجہ سے بندہ شرک اور نار سے بچتا ہے اصل تقویٰ کا القاء ہے بمعنے بچنا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو قرآن میں متعدد مقامات پہ متقین سے موصوف فرمایا ہے تو اسی کلمہ کی وجہ سے۔

فائدہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ اسی امت کے شعار و خواص سے ہے خود اللہ تعالیٰ نے اسے اس امت کے لئے پسند فرمایا ہے اور مشرکین اس سے محروم ہیں۔ اسی لیے وہ صلحنامہ میں ان دونوں کلمات کے لکھوانے سے انکار کر دیا۔

فائدہ: حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا کلمہ تقویٰ سے وفاء بالعہد مراد ہے اس لیے کہ اہل ایمان نے اسے پورا کیا اور مشرکین نے توڑ دیا بلکہ الٹا حلیف المومنین سے جنگ کر دی اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر کلمۂ تقویٰ لازم کیا کہ انہوں نے اس عہد کو پورا کیا جو صلحنامہ کے ضمن میں تھا اور الزام کا معنیٰ ہے انہیں اس کلمۂ تقویٰ اور صلح پر ثابت قدم رکھا۔

فائدہ: اہل عربیۃ نے فرمایا کبھی کلمہ ایک لفظ پر بول کر اس سے وہ کلام کثیر مراد لیا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے مرتبط ہو تو وہ کلمہ ایک لفظ کی طرح ہو گیا ایسے ہی کامل قصیدہ کو کلمہ کہا جاتا ہے اسی محاورہ سے ہے کہ کلمۂ شہادت کو کلمہ کہا گیا۔

فائدہ : رضی نے کہا کہ مجازاً کلمہ کا استعمال قصیدہ اور جملہ پر ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کلمہ شاعر اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا " اتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا "

حل لغات : الکلمہ الکلم سے مشتق ہے بمعنے الجرح (زخم کرنا) اس لیے کہ کلمہ نفوس میں اثر انداز ہوتا ہے۔

صوفیانہ کلمہ : محققین کے نزدیک ارواح اور وہ ذرات جو مواد و زمان و مکان سے مجرد کلمہ ہے کہ عالم امر میں ان کا وجود کلمہ کن سے ہوا یہ بسبب بول کر مسبب مراد لینے کے قبیل سے ہے اس پر دلیل ارشاد باری تعالیٰ " انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم " ہے۔

فائدہ : آیت میں کلمۂ تقوی سے حقیقۃ تقوی اور اس کی ماہیت مراد ہے اس لیے کہ تقویٰ کی حقیقت یہی ہے کہ یہ لواحق مادیہ اور تشخصات سے مجرد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر تقویٰ لازم کیا تاکہ وہ قوت یقین اور تجرد تام اور صفائے فطرت اصلیہ کو حاصل کر سکیں۔

" وَكَانُوٓا اَحَقَّ بِهَا " (وہی اس کے زیادہ مستحق تھے) اللہ تعالیٰ کے سابق حکم اور علم قدیم میں ان کو اس کا زیادہ استحقاق سے موصوف کیا گیا اس معنیٰ پر افعل کا صیغہ مطلق زیادتی کے لئے ہوگا یا اپنے معنیٰ پر ہے تو معنیٰ ہوگا وہی کفار سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔

" وَاَهْلَهَا ط " (اور اس کے اہل) یہ عطف تفسیری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی اس کلمہ کے اہل اور مخصوص ہیں۔

حل لغات : اہل عرب کہتے ہیں اہل الرجل یعنی وہ جو اس سے مخصوص اور اس کی طرف منسوب ہو۔

اعجوبہ : بعض نے کہا ہم سے پہلے لوگ دن اور رات میں صرف ایک بار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ سکتے تھے اس سے زیادہ کہنے کا انہیں امکان نہ تھا۔

اعجوبہ : پہلے لوگوں سے جو اس کلمہ کو پڑھتا تو اس سے برکت و فضیلت کے حصول کی غرض سے آواز کھینچتا یہاں تک کہ سانس ختم ہو جاتی۔

امت مصطفویہ کے نصیب : لیکن امت مصطفویہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کی خوش بختی ہے کہ یہ کلمہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) جتنا چاہیں جب چاہیں بلا حساب اور بلا روک ٹوک (وقت کی پابندی کے بغیر) پڑھ سکتے ہیں۔

تین ایسے امور ہیں جن کے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس تک پہنچنے کا کوئی حجاب اور روک نہیں:-

فائدہ : (۱) مومن کے قلب سے نکلا ہوا کلمہ لا الٰہ الا اللہ -

(۲) والدین کی دعاء

(۳) مظلوم کی دعاء (کشف الاسرار) مثنوی شریف میں ہے ؎

بحر وحدانست جفت وزوج نیست
گوھر و ماہیش غیر موج نیست
اے محال واے محال اشراک او
دور ازاں دریا و موج پاک او

ترجمہ - وہ بحر وحدۃ جس کا کوئی ثانی نہیں اس کے گوہر و ماہی کے سوا اور کوئی موج نہیں
محال اور محال اس کا شریک بنانا شرک ہے وہ دریا اور اس کی موج پاک ہے۔

" وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا " اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جانتا ہے یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اس کا علم ہر شے کو محیط ہو اسی لیے ہر شے کی اس کے لائق جانے اور اسے اس کے حق کی طرف پہچانے اور یہ اس کے معلومات میں سے ہے کہ یہ کلمہ تمام امتوں میں سے اسے نصیب ہوگا جو اس کا مستحق ہے۔

حبیبِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف

روح البیان صفحہ ۵۱ ج ۹ میں ہے کہ

لان النبی علیہ السلام کان خلاصۃ الموجودات واصلھا وھو الحبیب الذی خلقت الموجودات بتبعیتہ والکلمۃ ھی صورۃ حبیبہ وامتہ احق بھا من الامم لانھم المحبوبون لتوصل المحب بالمحبوب وھم اھلھا لان اھل ھذہ الکلمۃ من یفنی بذاتہ وصفاتہ ویبقی باثباتھا معھا بلا انانیۃ فقولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس -

کیونکہ نبی علیہ السلام خلاصۂ کائنات اور اس کی اصل ہیں وہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جس کے طفیل میں تمام موجودات پیدا ہوئے اور کلمہ یہی حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی صورت ہے وہی بہ نسبت دوسری امتوں کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں تاکہ محب کو محبوب سے ملایا جائے اور وہی اس کے اہل ہیں کیونکہ اس کلمہ والے اس کی ذات وصفات میں فنا ہیں اور اس کے باقی رکھنے میں باقی ہیں بغیر انانیت کے انہیں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کنتم خیر امۃ الخ

" وکان اللہ بکل شیئ علیما " اور ہے اللہ تعالیٰ ہر شے کو ازل میں خوب جاننے والا - اسی

لیے ہر انسان کے وجود کی بنا اس طرح ہے جس کا وہ مستحق تھا۔ بعض ان میں اہل دنیا ہیں اور بعض اہل آخرت ہیں بعض اہل اللہ اور اس کے مخصوص بندے یعنی اولیاء اللہ (التاویلات النجمیہ)۔

فائدہ: ابو عثمان رحمہ اللہ نے فرمایا کلمۂ تقویٰ سے کلمۃ المتقین مراد ہے اور وہ لا الٰہ الا اللہ (کی شہادت) ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء المومنین کے سعادتمند لوگوں کو لازم فرمایا ہے اور وہی اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے اللہ تعالیٰ کے علم میں کیونکہ اس نے انہیں اس کے لئے پیدا کیا اور جنت اس کلمہ کے مستحقین کے لئے پیدا فرمائی۔

فائدہ: واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ بمعنی ،، نفس کو طمع والی اشیاء سے ظاہراً و باطناً بچانا۔

فائدہ: حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ جسے ازل میں عنایت السبق نے پایا تو اس پر عیون المواصلہ جاری ہوئے اور وہی کرامت ازل سے اس کا زیادہ حقدار ہے جس کی طرف اس نے سبقت کی۔

نکتہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فعل کا اسناد کفار کی جانب سے خود ان کی طرف فرمایا کما قال " اذجعل الذین کفروا " اور اہل ایمان کی جانب سے اپنی طرف فعل کا اسناد فرمایا کما قال " فانزل اللہ سکینتہ " اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا آقا ہے اور کافروں کا کوئی آقا نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی ہے جو ان کے امور کی کوئی تدبیر کرے اور اہل ایمان وہ ہیں جن کا مولیٰ اللہ تعالیٰ ہے اور وہی خود ان کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ: حمیتہ جاہلیت نفس میں ہوتی ہے اس لیے کہ وہی اخلاق مذمومہ کا مرکز ہے اور سکینہ و وقار اور ثبات و طمانیت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔

نکتہ: " انزل اللہ " میں فاء سے واو نہیں اس میں اشارہ ہے کہ تیری تکریم اس لیے ہے کہ تو نے اس کے احکام کی تکریم کی یہ گویا اس کی جزا ہے اس میں تنبیہ ہے کہ جب کوئی قوم سرکشی اور ظلم کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ مظلوموں سے احسان اور اس کی مدد فرماتا ہے کہ انہیں سکینہ و وقار اور کمال یقین سے نوازتا ہے۔ انہیں ظالمین کے جتانے اور ان کے کینے اور اضطراب کا بدلہ عین النعیم کی صورت میں نصیب ہوتا ہے اور ظالمین کو دردناک عذاب نصیب ہوگا اور یہ عذاب انہوں نے اپنے لئے خود اختیار کیا (یعنی نہ مظلوموں پر ظلم کرتے اور نہ وہ اس عذاب میں مبتلا ہوتے)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے دائمی نعمتیں منتخب فرمائیں

فائدہ: کلمۂ تقویٰ سے ہر وہ کلمہ مراد ہے جو نفس کو ضرر رساں امور سے بچائے جیسے اذکار یعنی توحید و

اسماءِ الٰہیہ (یہ وہ مقدس (کلمہ) ہیں جن سے نفس کے ضرر رساں امور سے بچاتے ہیں۔

حدیث شریف: میں وارد ہے کہ جس نے کلماتِ الٰہیہ کا ورد کیا وہ بہشت میں داخل ہوگا اور ان سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ افضل ذکر وہ ہے جسے میں کہتا ہوں اور جو مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کہہ گئے یعنے شہادت "ان لا الٰہ الا اللہ"

فائدہ صوفیانہ: اس سے زیادہ حقدار اور اس کے اہل یہی ہیں اس میں اسمائے الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ انہیں سکھائے جائیں یا ان کو ان کی تلقین کی جائے جو ان کے اہل ہیں کہ جن میں ان کی استعداد اور ان کا استحقاق ہے اور ان میں امانت و دیانت و صلاحیت کا مادہ ہے۔

حق گوئی (حکایت): حجاج ظالم کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ لائے گئے تو کہا آپ وہی ہیں جو مجھے گالی دیتے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں اس لیے کہ تو ظالم ہے اور تو نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے۔ حجاج نے کہا آپ کا کیا جواب ہے کہ اگر میں آپ کو بری حالت میں قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ یہ کام تیرے اختیار میں ہے تو میں تجھے معبود سمجھتا اور تیری عبادت کرتا لیکن میرا یقین اور عقیدہ ہے کہ تو اس پر بالکل قدرت نہیں رکھتا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے ایک ایسی دعا سکھائی ہے کہ جو بھی اسے پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوگا اور وہ دعاء میں نے صبح سے پڑھ لی ہے۔ حجاج نے کہا کیا آپ وہ مجھے نہیں سکھاتے۔ آپ نے فرمایا نہ تجھے سکھاتا ہوں اور نہ ہی تیری زندگی تک کسی کو سکھاؤں گا تاکہ وہ دعاء تم کو معلوم نہ ہو جائے[1] یہ کہہ کر حضرت انس باہر نکل آئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کرامت: حجاج کو کسی نے کہا کہ تو نے انہیں قتل کیوں نہ کیا، کہا میرا

---

[1] وہ دعا یہ ہے "بسم اللہ خیر الاسماء بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض ولا فی السماء (وھو السمیع العلیم) اسی روح البیان کے پارہ ۲۵ میں اس کا ذکر گذر چکا ہے ۱۲ (اویسی غفرلہ)۔

ارادہ تو تھا لیکن میں نے دیکھا کہ ان کے پیچھے دو بڑے شیر کھڑے تھے میں ان سے ڈر گیا۔

خیانتی شاگرد: ایک عالم دین کسی بزرگ کے پاس اسم اعظم سیکھنے گئے۔ بزرگ نے فرمایا یہ ڈھکی ہوئی شے ہے میرے فلاں مرید کو دے آئیے (پھر دیکھی جائے گی) وہ شے لے کر مولوی صاحب لے کر چلے خیال آیا دیکھوں تو سہی یہ ہے کیا جو اس بڑے بزرگ نے اپنے مرید کو بھیجی۔ ڈھکنا کھولا تو اس سے چوہا نکلا۔ غصے سے واپس آگیا۔ بزرگ نے دور سے فرمایا "یاخائن لان لم تکن امینا لفارۃ فکیف تکون امینا للاسم الاعظم" اے خیانتی جب تو ایک چوہے کی امانت کو پورا نہ کر سکا تو اسم اعظم کی امانت تو کیسے محفوظ رکھ سکے گا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے لئے دور و قریب کا کوئی فرق نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے لئے درمیان میں کوئی پردے ہوتے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں دور و نزدیک کی ہر شے کو دیکھ سکتے ہیں[1]

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اولیائے کبار اسماء و ادعیہ کی احتیاط رکھتے ہیں کہ وہ نا اہل کو نہیں سکھاتے تاکہ وہ نا اہل انہیں اغراض فاسدہ نفسانیہ کا ذریعہ نہ بنالیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

کسی را با خواجۂ تست جنگ
بدستش حرامے دہی چوب و سنگ
سنگ آخر کہ باشد کہ خوانش نہند
بفرما تا استخوانش نہند

ترجمہ ۔ جسے تیرے آقا سے جنگ ہے اس کے ہاتھ میں لکڑی اور پتھر دینا حرام ہے، ایسے کو پتھر کو بلکہ اس کے دستر خوان پر بجائے خوراک کے ہڈیاں رکھنی چاہئیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چند دزدی حرف مردان خدا
تا فروشی و ستانی مرحبا

---

[1] شمائم امدادیہ (ملفوظات حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ) اضافہ اویسی غفرلہ۔

چوں رخت را نیست در خوبی امید

خواہ گلگونہ نہ وخواہی سے مدید

ترجمہ۔ کتنی مدت تک مردان خدا کے حروف قدسیہ چوری کر کے بیچے گا اور واہ واہ چاہے گا۔ جب ایسے سامان میں خوبی کی کوئی امید نہیں اس کے لئے تھوڑی امید ہو یا زائد (کوئی فرق نہیں پڑتا صرف تیرا اپنا انجام برباد ہوگا)۔

فائدہ از اویسی غفرلہ: اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو عوام کو بزرگوں کے وظائف بتا کر یا ان کے بتائے ہوئے عملیات لکھ کر دنیا کماتے ہیں ایسے ہی وہ واعظ اور مفتی و عالم جو دنیا کمینی کے لالچ میں وعظ و فتوٰی اور مسئلہ بیچتا ہے ایسے ہی وہ رسمی پیر جو عوام کو مقدس سلسلہ کی آڑ میں لوٹتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ښ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ: بیشک اللہ نے سچ کر دیا اپنے رسول کا سچا خواب، بیشک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے امن و اماں سے اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے بے خوف تو اس نے جانا جو تمہیں معلوم نہیں تو اس سے پہلے ایک نزدیک آنے والی فتح رکھی، وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ، محمد

اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔

تفسیر عالمانہ: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا (بیشک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کا خواب سچا کر دکھلایا)۔

حل لغات: صدق دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے لیکن اول کی طرف بنفسہ دوسرے کی طرف بحرف جر مثلاً کہا جاتا ہے "صدقک فی کذا" یعنی اس نے اس بارہ میں تجھے نہیں جھٹلایا اور اس میں کبھی حرف حذف کر دیتے ہیں جیسے آیت ہذا میں کہ رسولہ مفعول اول ہے اور الرؤیا ثانی ہے کہ دراصل فی الرؤیا تھا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب کے بارہ میں سچا کر دکھلایا اس سے وہی خواب مراد ہے جس کا ذکر سورۃ کے اول میں ہو چکا ہے (مختصراً مندرجہ ذیل ہے)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب اور شان نزول: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کو تشریف لے جانے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپ مع صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) مکہ معظمہ میں با امن وامان تشریف لے گئے ہیں پھر بعض نے حلق کرایا اور بعض نے قصر۔ آپ نے صحابہ کرام کو یہ واقعہ سنایا تو صحابہ کرام خوش ہوئے اور اس خیال میں تھے کہ وہ عنقریب (اسی سال) مکہ معظمہ کو جائیں گے لیکن اسی سال تو وہ نہ جا سکے تو منافقین بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے تو نہ حلق کرائے نہ قصر (گویا صحابہ کرام سے مذاق وٹھٹھا کرتے تھے)۔ اور نہ ہی ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے اور نہ اسے دیکھا ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: نص قطعی سے ثابت ہوا کہ خواب حق ہے یہ کوئی باطل (خیالی بات) نہیں جیسے بعض متکلمین اور معتزلہ کا خیال ہے انہیں خدا غارت کرے (بحر العلوم)۔

فائدہ: اگر خواب حدیث نفس سے خالی ہو اور دماغ کی ہیئت بھی صحیح اور مزاج مستقیم ہو تو وہ خواب منجانب اللہ ہوتا ہے جیسے انبیاء و اولیاء و صلحاء کے خواب۔

حدیث شریف: میں ہے صالح خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے "بِالْحَقِّ" وہ صدق جو غرض صحیح اور اس حکمت بالغہ کے ساتھ متلبس ہے جو راسخ فی الایمان اور متزلزل کے درمیان امتیاز کرتی ہے یا حال اس خواب کا یہ ہے کہ وہ حق سے متلبس ہے وہ از قبیل اضغاث احلال (ضعیف خیالات) نہیں اس لیے کہ جو بھی دیکھا گیا وہ ضرور ہو کر رہے گا لیکن اس کا ایک وقت مقدر ہے اور وہ ہے آئندہ سال۔

فائدہ: یہ بھی جائز ہے کہ یہ قسم ہو حق کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم ہے اس سے باطل کی نقیض بھی مراد ہو سکتی ہے "اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" اگر اللہ نے چاہا۔

نکتہ: مدت حاضریٔ مکہ کو مشیت ایزدی سے متعلق کرنے میں امت کو تعلیم ہے تاکہ وہ بھی اپنے امور میں اسی طرح کہا کریں نہ یہ کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو اس معاملہ میں شک ہے وہ ایسے شکوک سے منزہ القدس ہے، یہ ثعلب کی تقریر ہے جو کہ سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کا استثناء کرنا اپنے لیے نہیں بلکہ بندوں کو سبق ہے کہ وہ اسی طرح کہا کریں۔

فائدہ: نیز اس میں تعریض ہے کہ اہل اسلام کا مکہ معظمہ میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے نہ کہ اپنی قوت و طاقت سے (الکواشی) اسی لیے استثناء فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ہر فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

فائدہ: استثناء اس لیے کہ بعض نے بوجہ موت یا بوجہ غائب ہونے وغیرہ وغیرہ کے داخل نہیں تو ان کا لفظ تشکیک کے لئے ہے نہ کہ شک کے لئے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ یہ استثناء تبرک کے طور ہے نہ کہ شک ہے بلکہ تحقیق ہے جیسے کہا جاتا ہے غفر اللہ لک (انشاء اللہ) تجھے اللہ بخشے گا (انشاء اللہ) یہاں پر استثناء تبرک کے طور ہے نہ کہ شک کے لئے ورنہ جس کا ایمان صحیح ہے وہ کب ایسے استثناء کر سکتا ہے جو کہ ایک محال امر ہے۔[1]

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گورستان سے گذرتے تو کہتے:۔ "السلام علیکم اہل القبور و انا انشاء اللہ بکم لاحقون" اے

---

[1] عین المعانی ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

اہل قبور السلام علیکم ہم انشاء اللہ عنقریب تمہیں ملنے والے ہیں۔
یہاں بھی استثناء تبرک کے طور ہے کیونکہ اہل قبور کا لحوق تو یقینی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ استثناء ایمان سے لاحق ہونا مراد ہے کہ انشاء اللہ تمہیں بحالت ایمان ملیں گے۔ اس تقریر پر آن شرطیہ ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعلیق اللحوق بالمشیت کی بناء لحوق بالمخاطبین سے بالخصوص مراد ہے کیونکہ ممکن ہے کہ متکلم ان مخاطبین (مُردوں) سے لاحق نہ ہو بلکہ کہیں اور جگہ پر فوت ہو تو وہیں پر مدفون ہو کر ان سے لاحق نہ ہوگا، علاوہ ازیں یہ استثناء بھی بوجہ امن کے ہے نہ کہ دخول سے کیونکہ دخول تو یقینی تھا یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ داخلہ امن سے ہوگا یا نہ۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اِنْ بمعنے اِذْ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا "ان اردن تحصنا" ابن عطیہ نے کہا کہ موقع محل کے لحاظ سے یہی معنیٰ صحیح ہے لیکن اِنْ بمعنے اِذْ کلام عرب میں کہیں نہیں ملتا۔

فائدہ: اس میں ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ یہ استثناء حکایۃً ہو کر خواب کے فرشتے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس طرح کہا تو حضور علیہ السلام نے اس کو ویسے کہا جیسے فرشتے نے خواب میں کہا تھا اس تقریر پر لتدخلن الخ رؤیا کی تفسیر ہے گویا وہ فرشتے کا قول ہے جو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عرض کیا کہ "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" فرشتے کا یہ استثناء تبرک کے طور ہے تو کوئی اشکال نہیں یا حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے یہ قول سنایا تبرک کے طور استثناء بھی فرما دیا۔

اور انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے تو اسی لیے لتدخلن الخ بھی وحی ہے یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو خواب سنایا تو پھر نیا جملہ شروع فرمایا تو استثناء کر کے فرمایا لتدخلن المسجد الحرام الخ "اٰمِنِیْنَ" دشمنوں سے امن والے ہو کر یہ لتدخلن کے فاعل سے حال ہے اور شرط جملہ معترضہ ہے ایسے قولہ تعالیٰ "مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ" درانحالیکہ تم اپنے سروں کے تمام بال منڈانے والے ہو۔

حل لغات: التحلیق والتحلاق بمعنے سر کے بال بہت زیادہ مونڈنا (تاج المصادر) الحلق ایک عضو مخصوص کا نام بھی ہے وحلقہ بمعنے قطع حلقمہ یعنی اس کا حلقوم کاٹنا اب بال مونڈنے سے مخصوص ہے جیسے کہا جاتا ہے "حلق شعرہ وحلق راسہ" یعنی سر سے بال ہٹائے۔[1]

---

[1] اور خوارج کی خصوصی علامت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "سیماھم التحلیق" (سر مونڈنا ان کی علامت ہے) تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب "وہابی دیوبندی کی نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی"

"ومُقَصِّرِیْنَ" اور اپنے بعض بال کاٹنے والا "القصر" طول کا خلاف "وقص شعو" یعنی اس نے اپنے بال کا حصہ کاٹا خلاصہ یہ کہ ان کے بعض سر منڈوائیں گے اور بعض قصر کریں گے ورنہ ایک ہی شخص میں حلق و قصر کیسے جمع ہو سکیں گے۔ قرآنی ترتیب نسبت حال البعض الی الکل کے قبیل سے ہے یعنی واو اجتماع الامرین لذہن سے ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ ان کا اجتماع مجموعہ قولہ میں ہے۔

فائدہ: محلقین و مقصرین احوال مقررہ ہیں اس تقریر سے حال الدخول وہی حال الاحرام کا سوال پیدا نہ ہوگا اور نہ ہی اس طریق سے حلق و تقصیر ایک ہی فرد میں اجتماع کا التزام آئے گا۔

مسئلہ: حلق کو تقصیر پر اس لیے مقدم فرمایا کہ حلق تقصیر سے افضل ہے۔ التقصیر بمعنے بالوں کا کچھ حصہ کاٹنا۔

حدیث شریف اور ثبوت تبرک: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ شریف میں سر مبارک کا حلق کرایا اور سر مبارک کے ایک طرف کے بال مبارک حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے[1] (حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے زوج مکرم تھے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ مکرمہ تھیں۔)

تبرکات کی تقسیم: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والے احباب کو انہی بال مبارک سے ہدیہ دیتے تھے[2]۔ (بال مبارک جو مختلف شہروں میں زیارت کے لئے مشہور و معروف ہیں یہ وہی ہدایا ہیں ان پر طعن و تشنیع وہابیوں دیوبندیوں کو نصیب ہے۔)

فائدہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف چہار بار بال حلق فرمائے اور یہ عادت جو عام مردوں میں سر منڈانے کا طریقہ مروج ہے وہ اس حدیث شریف کے ماتحت ہے کہ لتحت کل شعرۃ نجاسۃ فخللوا وانقوا البشرۃ نیچے ہر بال کے نجاست ہے تو بالوں کا خلال کیا کرو اور جسم کو صاف کیا کرو۔

سوال۔ تم نے سر منڈانے کے لئے مردوں کی قید کیوں لگائی؟

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے لئے تبرکات خود تقسیم فرماتے تھے ۱۲۔ اویسی غفرلہ، [2] اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تبرکات کا ہدیہ بھی تھا اور یہی طریقہ اہلسنت کو نصیب ہے ۱۲۔

جواب ۔ مردوں کے خلاف عورتوں کا سر منڈانا مثلہ ہے اور یہ حرام ہے جیسے مردوں کا داڑھی منڈانا مثلہ ہے (لیکن دورحاضرہ میں یہ مثلہ (ناک ۔ کان کاٹنے کی طرح عام ہے اگر کسی کو کہا جائے تو وہ جانی دشمن بن جائے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے (آمین)

"وَلَا تَخَافُوْنَ" حال مؤکدہ ہے لتدخلن کے فاعل سے یا مستانفہ ہے سوال کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جب مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے تو کیا بنے گا تو جواب دیا کہ اے مسلمانو! تم جب داخل ہو جاؤ گے تو پھر تم کسی سے نہیں ڈرو گے "فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا" اس کا عطف "صدق" پر ہے فاء ترتیب ذکری کے لئے ہے کیونکہ حکم کے لئے تعرض ذکر کے بعد ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم سے مراد علم فعلی ہے جو معطوف علیہ کے بعد امر حادث سے متعلق ہوا ۔ اب معنی یہ ہوا کہ رؤیا صادقہ کے دکھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جانا جو تم نہیں جانتے ۔ اس حکمت سے جدا علی ہے اس تقدیم کا صدق سے علم فعلی کی گواہی دیتا ہے "فَجَعَلَ" پس کیا اس کی وجہ سے "مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ" تمہارے لیے اس سے پہلے یعنی عمرۂ قضاء کے لئے دخول مسجد حرام سے پہلے مقرر فرمائی "فَتْحًا قَرِيْبًا" فتح قریب ۔ اس سے فتح خیبر مراد ہے جس کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حدیبیہ سے واپسی کے بعد پندرہ راتوں کے بعد تشریف لے گئے (عین المعانی)

فائدہ: جعل سے مراد اس وعدہ کا ایفاء جو انہیں بغیر پریشانی کے پورا کر دیا گیا تاکہ صدق رؤیا پر دلالت کرے کہ جیسے وعدہ کیا گیا وہ مکمل طور پورا ہو گیا تاکہ اس سے اہل ایمان کے لئے نشانی ہو سکے ۔

تردید قول جمہور: جمہور کا قول جس طرف اشارہ کرتا ہے اس سے فاء کا لانا غلط قرار دیتا ہے جبکہ جمہور نے کہا کہ "مالم تعلموا" میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ اگلے سال فتح مکہ ہو گی ۔ یہ اس لیے غلط ہے کہ فاء سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو اراءۃ الرؤیا سے قطعی طور پہلے ہے (کذا فی الارشاد) ۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خواب سے اہل ایمان اور منافقین کا امتحان لیا بایں طور کہ وعدہ فرمایا کہ اہل اسلام مسجد حرام میں داخل ہوں گے لیکن تاریخ کا تعین نہ فرمایا تاکہ کافروں کے کفر اور منافقوں کی منافقت اور اہل ایمان کی تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مع الایمان میں اضافہ ہو ۔ اسی لیے ہر دونوں پارٹیاں اس خواب کی صداقت کا انتظار کرنے لگیں جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خواب سچا کر دکھلایا تو دلیل سے ہی ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا اور دلیل سے ہی زندہ ہوا جو زندہ ہوا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فعلم مالم تعلموا" الخ یعنی اللہ

تعالیٰ کو علم ہے کہ منافقین کی منافقت کس امر سے بڑھے گی اور اہل ایمان کے ایمان کو کس امر سے تقویت نصیب ہوگی اس لیے اس خواب کی سچائی سے پہلے ایک اور فتح ظاہری و باطنی سے اہل ایمان کو نوازا یعنی خیبر کی فتح سے اسی لیے اہل ایمان پر ضروری ہے کہ وہ صبر کریں اس لیے کہ جملہ امور اپنے اوقات سے مرہون ہیں ؎

(۱) صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

(۲) نیست ہر مطلوب از طالب دریغ
جفت تابش شمس و جفت آب میغ

ترجمہ - (۱) اللہ تعالیٰ نے لاتعداد کیمیا پیدا فرمائے لیکن آدم علیہ السلام کے صبر جیسا اور کوئی صبر نہ دیکھا -

(۲) طالب سے کوئی مطلوب دور نہیں سورج کو روشنی لازم ہے اور بادل کو پانی -

فائدہ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم (کفار) کی ایذاؤں سے بہت صبر فرمایا ایسے ہی آپ کے وارثین کاملین (اولیاء) کا حال ہے -

حکایت : حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں بہشت میں داخل ہوا اس میں ایک محل دیکھا جس پر بہترین فروش بچھے ہیں اور اس کے دروازے پر پردے لٹکے ہوئے ہیں اور اس پر حسین و جمیل نوجوان بچے نگران کھڑے ہیں میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے جواب ملا یہ حضرت ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے - میں نے پوچھا یہ انہیں کس عمل کے بدلے ملا ہے، جواب ملا یہ انہیں اس تدریس و تعلیم کا صلہ ملا ہے جو وہ لوگوں کو (محض رضائے الٰہی کے پیش نظر) دین سکھاتے تھے اور پھر ان کی ایذاؤں پر صبر فرماتے تھے -

فائدہ : صدق اللہ تعالیٰ اور اس کے خواص بندوں (اولیاء) کی صفت ہے اور وہی ہدایت کے اسباب میں سے ہے -

حکایت : حضرت ابراہیم رحمہ اللہ کی عادت کریمہ تھی کہ جب سفر کو جاتے کسی کو نہ خبر دیتے اور نہ کسی کو آگاہی ہوتی صرف ایک لوٹا ساتھ لے کر چل پڑتے - حضرت حامد الاسود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک دن وہ حسب عادت لوٹا لے کر چلے تو میں ان کے پیچھے چل پڑا جب ہم قادسیہ میں پہنچے تو فرمایا حامد کہاں! میں نے عرض کی حضرت آپ کے پیچھے چلا آیا فرمایا میرا ارادہ ہے مکہ معظمہ جانے کا

(انشاء اللہ) میں نے کہا میں بھی چلوں گا۔ میں آپ کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک دن ایک نوجوان بھی ہمارے ساتھ ہو لیا لیکن اس نے رات دن میں ایک سجدہ بھی نہ کیا میں نے یہ بات حضرت ابراہیم خواص کو کہدی آپ نے اس سے فرمایا اے نوجوان تو نماز کیوں نہیں پڑھتا کیا تجھ پر حج فرض ہے مکہ معظمہ کو کیوں جا رہے ہو کیا تو مسلمان نہیں کہا میں نصرانی ہوں اور نصرانیت سے مجھے توکل کا حکم ہے اور میں نے توکل پر نفس کو قابو کر لیا ہے لیکن کچھ اس سے مجھے شک گذرا تو اسے اس جنگل میں لے آیا تاکہ اس کا امتحان لوں کہ یہاں اللہ تعالیٰ معبود کے سوا اور کوئی نہیں اب میں اسے اس امر پر پختہ پاؤں گا تو واپس چلا جاؤں گا، مجھے فرمایا اسے اس کے حال پر چھوڑ و ہمارے ساتھ چلتا ہے تو چلنے دو۔ وہ ہمارے ساتھ چلتا رہا یہانتک ہم بطن مرو (مقام کا نام) پر پہنچے، حضرت ابراہیم خواص نے لوٹا وغیرہ نیچے رکھا اور وضو کر کے بیٹھ گئے اس نوجوان سے نام پوچھا۔ اس نے کہا میرا نام عبدالمسیح ہے۔ آپ نے اسے فرمایا اے عبدالمسیح! یہ مکہ معظمہ کا حرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر داخلہ تیرے جیسوں پر حرام فرمایا ہے کما قال" انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" (بیشک مشرکین نجس (پلید) ہیں فلہذا وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں) اب تو اپنے نفس سے مشورہ کر لے کہ کیا اس حرم محترم میں داخلے کے لائق ہے یا نہ اور ہم حرم میں داخل ہوتے ہیں اگر تو ہمیں کہیں نظر آیا تو ہم برے پیش آئیں گے حضرت حامد الاسود نے فرمایا اس نوجوان کو ہم وہاں چھوڑ کر چل پڑے اور مکہ معظمہ سے ہوتے ہوئے عرفات میں پہنچے وہاں دیکھا کہ وہی نوجوان احرام کی حالت میں عرفات میں موجود ہے بلکہ ہماری تلاش میں ہے یہانتک کہ تلاش کر کے ہمارے ہاں پہنچ گیا اور پہنچتے ہی حضرت ابراہیم خواص کے سر مبارک کو چوما آپ نے فرمایا اے عبدالمسیح کیا گذری، عرض کی حضرت اب میں اس کا بندہ ہوں جس کے مسیح علیہ السلام بندے ہیں (یعنی میں مسلمان ہو گیا ہوں)۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے، کہا میں اسی اپنی جگہ پر بیٹھا تھا کہ میرے سامنے سے ایک قافلۂ حجاج گذرا، میں نے خود کو ملامت کی اور نصرانیت کا لباس اتار کر میں نے بھی احرام باندھ لیا پھر کیا دیکھتا ہوں کہ میں مکہ معظمہ کے سامنے حاضر ہوں اس کے بعد مجھے دین اسلام کے سوا تمام ادیان باطل محسوس ہوئے اس لیے فوراً مسلمان ہو گیا پھر نہا دھو کر احرام باندھا اور پھر آپ کی تلاش میں رہا الحمد للہ آپ کو پا لیا۔ حضرت ابراہیم خواص نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ دیکھیے نصرانیت میں چونکہ یہ شخص مخلص تھا اس لیے اخلاص کی برکت سے اسے دولت اسلام نصیب ہوئی۔ پھر وہ ہمارے ساتھ رہا یہانتک فقرائے مسلمین

میں اس کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق نصیب ہوتی ہے۔
"هُوَ" وہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک "اَلَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ" وہ جس نے اپنا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جلال صفات اور علوشان کے باوجود اپنے فضل وکرم سے رسول بھیجا کہ اس جیسا کوئی رسول نہ ہوا جیسا کہ اس کی اضافت سے واضح ہے "بِالْهُدٰی" وہ ہدایت و توحید سے متلبس ہے اس کا اشارہ "شهد ان لا اله الا الله" الخ کی طرف ہے۔ اس معنیٰ پر حرف جارہ محذوف کے متعلق ہے یا باء سببیہ ہے یعنی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت کی وجہ سے بھیجا اب اس کا تعلق ارسل سے ہوگا "وَدِیْنِ الْحَقِّ" اور دین حق کے ساتھ یہ اضافت الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے جیسے عذاب الحریق کہ دراصل الدین الحق والعذاب المحرق تھا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حق جو ثابت اور جملہ ادیان کا ناسخ و مبطل (باطل کرنے والا) ہے "لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ" (تاکہ اسے کل ادیان پر غلبہ دے) دین کی لام جنس کی ہے یعنی تاکہ دین حق کو بلند اور غالب کرے جنس دین پر ساتھ اس کے جملہ افراد کے اس سے وہ ادیان مختلفہ ہیں جو اس دین سے منسوخ ہوئے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ اعصار (ازمان) کے تبدل سے احکام متبدل ہوتے رہتے ہیں اور یہ دین وہ احکام بھی منسوخ کرنے پر غلبہ پائے گا جو باطل ہوں گے یا اس سے مسلمانوں کا تسلط مراد ہے کہ وہ تمام ادیان پر غلبہ پائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھلایا کہ اس دین اسلام کے مقابلہ میں ہر دین کو مقہور و مغلوب فرمایا اور قرب قیامت میں ہر سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نہ ہوگا اگر کوئی ہوگا تو ذمی تحت اعلم ہوگا۔ اور گذشتہ ادوار میں بھی مسلمانوں کی فتوحات علی البلاد اور مسلمانوں کا بادشاہوں پر غلبہ مشہور ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

فائدہ: آیت میں مزید تاکید ہے اس وعدہ کے ایفاء کی جو فتح مکہ کے لئے خواب میں بتائی اور اس میں اہل ایمان کو اطمینان و تسلی بھی ہے کہ وہ عنقریب بہت بڑے شہروں پر غلبہ پائیں گے بلکہ جملہ اقالیم پر اسلام کے جھنڈے لہرائیں گے جن کی نظروں میں فتح مکہ ایک معمولی فتح محسوس ہوئی چنانچہ وہ وعدہ پورا ہوا جس کی تفصیل ابھی گذری ہے۔

فائدہ: "لیظهره" میں اس سبب کا اثبات ہے جو ارسال (رسول) کا موجب ہے یہ لام شرعاً حکمت و سبب کی ہے اور عقلاً علت ہے کیونکہ اشاعرہ کے نزدیک افعال اللہ اغراض سے معلل نہیں لیکن مقاصد جلیلہ کو اپنے پیچھے لگانے والے ضرور ہیں۔ اس فعل کا کسی غایت

پر مرتب ہونا کسی ثمرہ کے نتیجہ پر ہوتا ہے اسی لیے محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی غرض سے معلّل ہے "وَكَفٰى بِاللّٰهِ" اور دین کے لئے اللہ کافی ہے اس لیے کہ اسے احاطہ ہے بجمیع صفات الکمال "شَهِيْدًا" (شہید) کہ جو وعدہ فرمایا وہ لامحالہ (ضرور) پورا ہوگا یا وہ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر شاہد ہے کہ ان سے معجزات ظاہر کرائے گا اگرچہ کفار ان کی رسالت کی گواہی نہ بھی دیں (تب بھی کوئی فرق نہ پڑے گا)۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کی گواہی یوں دی کہ فرمایا "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" حضرت محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

ترکیب: محمد مبتدا، رسول اللہ اس کی خبر یا بدل یا عطف بیان یا نعت ہے یعنی آپ ہدایت کے ساتھ مرسل ہیں۔

مسئلہ: رسول اللہ پر وقف تام ہے اور جملہ مشہود بہ پر مبنی ہے۔ بعض نے کہا کہ محمد مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اوپر کی بنائی ہوئی ترکیب پر معنیٰ ہے دین الحق محمد رسول اللہ ہیں۔

عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: صاحب روح البیان رحمہ اللہ کی عبارت ذیل ایمان دوز وہابیوں دیوبندیوں کے لئے برق سوز ہے[1] فرمایا:-

وفی تلقیح الاذہان اعلم اللہ سبحانہ محمدًا (علیہ السلام) انہ خلق الموجودات کلہا من اجلہ ای من اجل ظہورہ ای من اجل تجلیہ بہ حتی قال لیس شئ بین السمآء والارض الا یعلم انی رسول اللہ غیر عاصی الانس والجن (روح البیان ص ۵۵ ج ۹)

تلقیح الاذہان میں ہے کہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا کہ اس نے تمام موجودات تمہارے لیے پیدا فرمائے یعنی آپ کے ظہور کے لئے یعنی اس تجلی کے لئے جو آپ کو اللہ تعالیٰ سے ملی یہاں تک کہ آسمان و زمین کے درمیان کوئی شے ایسی نہیں جو نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے عاصی جن اور انسانوں کے۔

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ

ازلی نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) : ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمانۂ اوّل سے ہی نبی ہیں اور یہی حقیقت ہے لیکن وہابی دیوبندی اور ان کے ہمنوا کہتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) چالیس سال کی عمر کے بعد نبی ہوئے ہم کہتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اول زمانہ سے تھے چالیس سال کے بعد اظہارِ نبوت و اعلانِ رسالت فرمایا ۔ یہی عقیدہ صدیوں پہلے تھا ۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک نے یہ نئے مسئلے گھڑے جو دیوبندیوں و ہابیوں کو نصیب ہوئے[1] چنانچہ روح البیان ص۵۵ ج ۹ مطبوع بیروت میں ہے کہ

وقال الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہ لما تجلی اللہ وجد جمیع الارواح فوجد اولا روح محمد (نبینا) صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ثم سائر الارواح فلقن التوحید فقال لا الٰہ الا اللہ فکرمہ اللہ تعالیٰ بقولہ محمد رسول اللہ فاعطی الرسالۃ فی ذٰلک الوقت وقال علیہ السلام کنت نبیا وآدم بین الماء والطین (روح البیان ص۵۵ ج ۹) ۔

الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تجلی ڈالی تو تمام ارواح موجود ہوئے ان میں سب سے پہلے روح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) موجود ہوئی پھر باقی ارواح آپ کی روح کو توحید کی تلقین کی گئی آپ نے پڑھا لا الٰہ الا اللہ اللہ تعالیٰ نے اعزاز دیا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اسی وقت رسالت سے نوازا اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا (کنت نبیا الخ) میں نبی تھا اور ابھی آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے ۔

شرح الحدیث و رَدِّ وہابیہ و دیوبندیہ و ماضاہاہا : حدیث مذکور پر بھی یار لوگوں کو اعتراض ہے سنداً موضوع یا کم از کم ضعیف ہے اور معنیً بھی غلط کرتے ہیں کہتے ہیں کہ (کُنْتُ نَبِیًّا) میں اللہ کے ارادہ میں تھا یہ معنیٰ اس لیے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں تو ہر شے تھی ہم اہلسنت اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ کو بھی قدیم مانتے ہیں (خلافاً للمعتزلہ) جب ہر شے اللہ تعالیٰ کے ارادۂ قدیم میں تھی تو پھر حضور علیہ السلام نے اس مضمون کو فخراً کیسے بیان فرمایا اور آپ کی فضیلت اس سے کیسے ثابت ہوگی جب کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی امتیازی صورت میں مضمون

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ ۔

بیان کیا جائے تو اس میں خصوصیت کا ہونا ضروری ہے اور یہاں یہی خصوصیت ہے کہ آپ بوصفِ نبوت حقیقی وجود کے ساتھ موجود تھے یہی اسلاف صالحین کا عقیدہ ہے[1] چنانچہ روح البیان صـ۵۵ ج ۹ میں ہے کہ

ومعنی الحدیث انہ کان نبیًا بالفعل عالمًا بنبوتہ وغیرہ من الانبیاء ماکان نبیًا بالفعل ولا عالمًا بنبوتہ الاحین بعث بعد وجودہ ببدنہ العنصری و استکمال شرائط النبوۃ فکل من بعد وجود المصطفٰی علیہ السلام فھو نوابہ وخلفائہ مقدمین کالانبیاء والرسل اومؤخرین کالاولیاء اللہ۔

اور حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام بالفعل (وجود) نبی تھے اور اپنی نبوت کو جانتے بھی تھے ہاں بدن عنصری میں سب کے بعد مبعوث ہوئے اور اس وقت تشریف لائے جب آپ کی بعثت نبوت کے شرائط مکمل ہو گئے اسی لیے جو بھی اس عہدہ سے فائز ہوا وہ آپ کا نائب اور خلیفہ رہا مقدمین میں انبیاء و رسل علیہم السلام اور آپ کی نبوت کے اظہار کے بعد متاخرین یعنی اولیاء بھی آپ کے نائب اور خلفاء ہیں۔

انا من نور اللہ" (ردِ وہابیہ): اس حدیث شریف سے بھی بار لوگوں کو بڑا خطرہ ہے اسی لیے اسے موضوع اور ضعیف کہدینا دین کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں دوسرا خطرہ انہیں اس حدیث سے یہ ہے کہ "من نور اللہ" ماننے سے خدا تعالیٰ سے نبی علیہ کی جزئیت ثابت ہوگی یہ دونوں باتیں ان کی محض عذر لنگ ہیں[2] روح البیان صـ۵۶ ج ۹ اس کی مختصر تشریح اپنے مذکورہ بالا قول کی توثیق میں لکھتے ہیں کہ

قال علیہ السلام انا من نور اللہ والمؤمنون من فیض نوری (فھو الجنس العالی والمقدم وماعداہ التالی والمؤخر کما قال کنت اولھم واخرھم بعثا فرسول اللہ ھو الذی لایساویہ رسول لانہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور مؤمن میرے نور کے فیض سے آپ جنس عالی اور مقدم ہیں باقی تمام تالی و مؤخر ہیں جیسے خود فرمایا کہ میں سب سے پہلے ہوں وجود میں اور سب سے آخر ہوں بعثت میں

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ اور اس کی مزید تحقیق فقیر کی کتاب "اول کون اور الحبل المتین فی ان نبینا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کان نبیًا و آدم بین الماء والطین" ۱۲، [2] اضافہ اویسی غفرلہ ۱۲۔

رسول الی جمیع الخلق من ادرک زمانہ بالفعل فی الدنیا ومن تقدم بالقوۃ فیہا و بالفعل فی الاخرۃ یوم یکون الکل تحت لوائہ وقد اخذ علی الانبیاء کلہم المیثاق بان یؤمنوا بہ ان ادرکوہ واخذ الانبیاء علی اممہم (روح البیان ص ۵۶/۹۴)

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر کا کوئی رسول نہیں کیونکہ آپ تو جمیع مخلوق کے رسول ہیں جس نے بالفعل دنیا میں آپ کا زمانہ پایا جو لوگ آپ کے ظاہری زمانہ سے پہلے گذرے تو انہوں نے آپ کی نبوت کو بالقوت پایا اور آخرت میں بالفعل پائے گا جیسا کہ مروی ہے کہ سب کے سب آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں گے اگر ظاہری زمانہ پائیں گے تو پھر انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں سے یہی وعدہ لیتے رہے۔"

انا محمد واحمد: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد اور احمد ہوں۔ محمد بمعنے کثیر الحمد اس لیے کہ آسمان اور زمین والوں نے آپ کی حمد کی اور احمد بمعنے بہت بڑی حمد کرنے والے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہی اللہ تعالیٰ کے ایسے محامد بیان فرمائے کہ کسی کو نصیب نہ ہوئے[1] حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

محمدت چون بلا نہایت ز حق
یافت شد نام او از ان مشتق

ترجمہ - چونکہ انہیں حمد اللہ تعالیٰ سے بلا نہایت حاصل ہے اس لیے ان کا اسم گرامی اسی سے مشتق ہوا۔

ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی عرش پر ابوالقاسم اور آسمانوں میں احمد اور زمینوں میں محمد ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

نام محمد کی برکت: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو اور محمد نام والا ان کے مشورہ میں نہ ہو تو انہیں اس کام میں کوئی برکت نہ ہوگی۔[2]

---

[1] مشارق الانوار لابن الملک (روح البیان)، [2] فقیر اویسی غفرلہ کی تصنیف عربی نام "القول المجد فی فضائل محمد اور عرفی نام ہے "شہد سے میٹھا محمد نام" پڑھیے ۱۲۔

نکتے اسم محمد و احمد کے : احمد کے الف میں اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتح اور مقدم ہیں اس لیے کہ الف (ہمزہ) کا مخرج تمام مخارج میں پہلا ہے اور محمد کے میم میں اشارہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاتم اور موخر ہیں اس لیے کہ میم کا مخرج خاتم المخارج ہے جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نحن الاٰخرون السابقون" ہم آخری اور سبقت والے ہیں۔ نیز میم میں اشارہ ہے کہ آپ چالیس سال کی عمر میں اظہار نبوت فرمائیں گے۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ چار انبیاء علیہم السلام وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بچپن میں چار اشیاء کا اعزاز بخشا :-

(۱) یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں وحی سے۔

(۲) یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں حکمت سے۔

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ میں نطق (کلام) سے۔

(۴) سلیمان علیہ السلام کو فہم سے۔

اور ہمارے نبی علیہ السلام کی فضیلت عظمیٰ اور آیت کبریٰ کا کیا کہنا چند ایک معجزات جو بوقت ولادت ظہور پذیر ہوئے پڑھ کر خود اندازہ فرمائیے۔

معجزہ ۵ : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعزاز بخشا کہ آپ پیدا ہوتے ہی بارگاہِ حق میں سجدہ ریز ہوئے اور خود گواہی دی کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

فائدہ : ہر مسئلہ مسلمانوں میں اختلافی رہا سوائے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے کہ اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا (ہاں ہمارے دور میں ایک گروہ پیدا ہوا جس نے اس کلمہ کے متعلق اختلاف برپا کیا اس کی تفصیل فقیر نے "فضائل کلمہ" میں عرض کر دیا)۔ کیونکہ یہ کلمہ قابل اختلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنیٰ متحقق ہے اس لیے کہ اس میں کسی کو کلام نہیں۔

ختم نبوت : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرح صدر سے نوازا ہے اور ختم نبوت کا اعزاز بھی آپ کو بخشا اور ولادت کے وقت آپ کی خدمت ملائکہ کرام اور حور عین سے کرادی اور عالم ارواح ولادت سے پہلے آپ کو ہی نبوت سے معزز و مکرم فرمایا آپ کی خصوصیات و فضائل کے لیے یہی کافی ہے۔

سبق : مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی تعظیم اور آپ کی

سنت کو زندہ کرے اور آپ کی بارگاہ کی قربت کے لئے صلوٰۃ وسلام کے تحائف و ہدایا بکثرت پیش کرے ایسے ہی دوسرے اوراد و اعمال سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجات نصیب ہوں۔

حکایت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا: حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا شب و روز میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتیں اور فرماتیں اس سے میرا ارادہ ثواب کا تو جیسے ہی ہے لیکن اس سے بڑی غرض یہ ہے کہ میرے اس عمل سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو کر قیامت میں انبیاء علیہم السلام سے فرمائیں گے کہ تمہاری امت میں بھی کوئی ایسی عورت ہے جس نے شب و روز اتنی بڑی عبادت کی ہو[1] (رابعہ بی بی کے مزید حالات فقیر اویسی کی کتاب "رابعہ بصریہ" میں پڑھیے) اویسی۔

میلاد شریف اور ردِّ وہابیہ دیوبندیہ: وہابی دیوبندی محمد بن عبدالوہاب نجدی کی اقتداء میں میلاد شریف کو بدعت سیئہ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں یہ ان کی بدبختی کی دلیل ہے کیونکہ اسلاف صالحین مجلس میلاد کو موجب صد برکات اور سبب نجات سمجھتے ہیں چنانچہ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے پہلے تمام علماء کرام و فقہاء عظام اور محدثین و مفسرین رحمہم اللہ مجلس میلاد کو باعث ثواب اور موجب خیر و برکت کا فتویٰ دیتے رہے چنانچہ علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمہ اللہ اپنی تفسیر آیت "محمد رسول اللہ" کے تحت لکھتے ہیں:۔

ومن تعظیمہ عمل المولد اذا لم یکن فیہ منکر قال الامام السیوطی قدس سرہ یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام[2] (الحاوی للفتاوی ص اویسی غفرلہ) روح البیان ص ۵۶ ج ۹

آپ کی تعظیم میں ہے آپ کا میلاد منانا جبکہ اس میں خلاف شرع کوئی امر نہ ہو، امام سیوطی نے فرمایا کہ ہمارے لیے میلاد کے ذریعے اظہار شکر ضروری ہے۔

---

[1] ایسے ہی امام غزالی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو فرمائیں گے کہ تمہاری امت میں بھی کوئی ایسا عالم دین ہے۔ (امام غزالی کے مزید تفصیلی حالات فقیر کی کتاب "الغزالی" میں پڑھیے) اویسی غفرلہ [2] اس کا حاشیہ اگلے صفحات میں ملاحظہ ہو۔

ثبوت قیام وذکر علیہ الصلوٰۃ والسلام : حضرت امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ کے ہاں بہت سے آپ کے ہم زمان علماء کرام جمع ہوئے کسی نعت خوان نے صرصری رحمہ اللہ کے اشعار پڑھے وہ یہ ہیں ـ

(حاشیہ) نہ صرف سیوطی رحمہ اللہ بلکہ علمائے امت کا اس پر اتفاق رہا چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں :-

(۱) علامہ عابدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ـ

اھل مکۃ یذھبون الیہ فی کل عام لیلۃ المولد ویحتفلون بذالک اعظم من احتفالھم بالاعیاد ـ

" اہل مکہ ہر سال میلاد شریف کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد شریف (جائے ولادت) میں حاضر ہوتے اور عیدوں سے بھی بڑھ کر محفل قائم کرتے ـ" (جواہر البحار ص ۱۱۲۲)

(۲) علامہ سخاوی فرماتے ہیں ـ

لازال اھل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الکبار یعملون المولد ـ

" ہمیشہ اہل اسلام تمام علاقوں اور بڑے بڑے شہروں میں میلاد شریف کرتے ہیں ـ (سیرت حلبیہ ص ۸۰)

(۳) امام ابوشامہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ

" میلاد شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا اور میلاد شریف کرنے والے کی حضور سے محبت کا اظہار ہوتا ہے ـ وفیہ اغاظۃ الکفرۃ و المنافقین اور کفار و منافقین اس سے کڑھتے اور جلتے ہیں ـ" (جواہر ص ۱۱۲۲)

(۴) حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ـ

ومما جرب من خواصہ انہ امان فی ذالک العام وبشری عاجل بنیل المنیۃ والمرام فرحم اللہ امراء اتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیاد الیکون اشد علۃ علی من فی قلبہ مرض وعناد ـ (ماثبت بالسنۃ)

" یعنی مولود شریف کے خواص و برکات میں سے ایک یہ بھی مجرب چیز ہے کہ اس سال بھر میں امن و امان رہتا ہے اور (میلاد شریف کرنے والے کی) حاجتیں اور مرادیں جلد پوری ہوتی ہیں ـ پس اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شخص پر جو مولد مبارک کے مہینہ (ربیع الاول شریف) کی راتوں کو عیدیں بنائے تاکہ جن (بدبخت) لوگوں کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور بدعقیدگی کی بیماری ہے ان کے لئے شدت کی بیماری ہو ـ

قلیل المدح المصطفیٰ الخط بالذھب
علی ورق من خط احسن من کتب
وان تنھض الاشراف عند سماعہ
قیاما صفوفا اوجثیا علی الرکب

ترجمہ ۔ چاندی کے اوراق پر سونے کے پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تھوڑی

نذرانۂ محبت وخلوص : بہرحال تمام خوش نصیب حضرات اپنی اپنی حیثیت وتوفیق کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت وولادت شریفہ کی خوشی میں محفل میلاد شریف کا اہتمام کرتے اور اپنا مال وزر لٹاتے ہیں ۔ ۵۸۷ھ میں شاہ مصر نے محفل میلاد شریف کی جس میں دس ہزار مثقال سونا خرچ کرنے کا اندازہ ہے ۔ اور ابو سعید مظفر بادشاہ ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگا کر بڑی محفل کیا کرتے تھے ۔ نیز بادشاہِ مصر نے ایک بہترین سائبان بنوایا ہوا تھا جو صرف شب میلاد اور یوم میلاد میں لگایا جاتا تھا اور پھر سارا سال لپیٹا رہتا تھا ۔ اس سائبان کے نیچے بارہ ہزار آدمی بیٹھتے (انوار ساطعہ بحوالہ کتب معتبرہ)
ایک بڑے ولی اللہ حضرت شیخ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہر جمعہ کی رات چند من چاول پکا کر بارگاہِ رسالت میں نذرانہ پیش کرتے لطف یہ کہ چاول کے ہر دانہ پر تین مرتبہ قل ھو اللہ احد شریف پڑھا ہوتا تھا اور رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایام مولد میں ہر روز ایک ہزار تنکہ (ایک بڑا پیمانہ) زیادہ کرتے رہتے حتیٰ کہ بارہ ربیع الاول شریف کو بارہ ہزار تنکہ خرچ فرماتے ۔ (اخبار الاخیار ص ۲۲۷)

حسبِ توفیق : جن کو زیادہ توفیق نہ ہوتی اور کچھ نہ کر سکتے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کی خوشی میں چنے ہی تقسیم فرما کر حضور کی خوشنودی اور سعادت سے بہرہ ور ہوتے چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد ماجد شاہ عبد الرحیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں میں ہمیشہ ایامِ مولد شریف میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نیاز کا کھانا تیار کرتا تھا ۔ میلاد شریف کی خوشی کا ۔ پس ایک سال بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ آیا ۔ میں نے وہی چنے لوگوں میں تقسیم کر دیئے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور دیکھا تو وہی چنے حضور کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ شاد ومسرور ہیں ۔ (دُرِّ ثمین ص ۸)

فائدہ : ہمارے اسلاف بزرگانِ دین اور سلاطینِ اسلام کے کیسے پاکیزہ عقائدہ تھے اور میلاد شریف کی کیسی خیر وبرکت اور عظمت وشان ہے ۔

مدح بہترین کاتب لکھے تو پھر بھی کم ہے۔ بیشک عزت والے آپ کا ذکر جمیل سن کر کھڑے ہو جاتے ہیں صف باندھ کر یا دونوں بیٹھ جاتے ہیں۔
یہ اشعار سن کر حضرت امام سبکی رحمہ اللہ اور تمام مجلس کے جملہ علماء کرام اور عوام کھڑے ہو گئے اور اسی مجلس سے بہت بڑا انس پیدا ہوا اور جب اتنے بڑے امام قیام اور مجلس میلاد سے محظوظ

(حاشیہ)
حصولِ فیضِ رحمت ہے نزولِ خیر و برکت ہے
وصولِ عشقِ حضرت ہے قیامِ محفلِ مولد

محافلِ میلاد میں انوار کی بارش: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن حضور کے مولد میں حاضر تھا اور لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور جو "معجزے" آپ کی ولادت کے وقت اور بعثت سے پہلے ظاہر ہوئے وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ انوار "اَسْطَعَتْ دَفْعَةً وَاحِدَةً" یکبارگی انوار ظاہر ہوئے۔ پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انوار ان ملائکہ کے ہیں جو ایسی مجالس (میلاد) اور مشاہد مبارکہ پر متقرر ہیں نیز میں نے دیکھا کہ فرشتوں کے انوار، انوارِ رحمت سے ملے ہوئے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص۲۷)

مغفرت: خراسان کے ایک بادشاہ المعروف صفار خواب میں دیکھے گئے تو ان سے کہا گیا آپ کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا کس بات پر بخشش ہوئی تو انہوں نے کہا۔ ایک دن میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اپنے لشکروں پر نظر ڈالی تو مجھے ان کی کثرت بھلی معلوم ہوئی اور میں نے تمنا کی کہ کاش میں دربار رسالت میں حاضر ہوتا اور ان لشکروں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و مدد کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ بات پسند فرمائی اور مجھے بخش دیا۔ (شفا شریف ص۲۷ ج۲)

فائدہ: جب اتنا خیال آنے اور تمنا کرنے پر یہ کرم فرمایا گیا تو جو نیاز مند حضور ہی کے ذکر و فکر میں رہیں اور آپ کی عظمت کا مظاہرہ کریں ان کا کیا کہنا۔ حضرت محمد ابو المواہب شاذلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے مجلس میں یہ نعت پڑھی ؎

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ
بَلْ هُوَ يَاقُوتٌ بَيْنَ الْحَجَرِ

پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں لیکن حضور کی مثل کوئی بشر نہیں۔ آپ تو ایسے شان والے

ہو رہے ہیں تو ان کی اقتداء کی دلیل کافی ہے۔

بدعت حسنہ: حضرت امام ابن حجر ہیثمی نے فرمایا کہ

ان البدعۃ متفق علیٰ ندبہا وعمل المولد | بیشک یہ بدعت ایسی ہے جس کے مندوب ہونے

(فتاوی حدیثیہ) ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا قد غفر اللہ لک ولکل من قالہا معک۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیرے ساتھ جتنے یہ "نعت شریف" پڑھنے والے تھے سب کو بخش دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو المواہب رضی اللہ عنہ اپنے آخری دم تک ہمیشہ ہر مجلس میں یہ نعت شریف پڑھتے رہے۔ (طبقات اکبری ص۶۹ ج۲)

خوشا چشم بنگرد مصطفےٰ را
خوشا دل کہ دارد خیال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر کرم کریں۔ محفل میلاد شریف میں جلوہ فرمائیں

دولتِ دیدار: اور خوش نصیب حضرات کو دولتِ دیدار سے نوازیں تو سرکار کے خداداد علم و قدرت اور فضل و کرم سے کچھ بعید نہیں اور بزرگانِ دین سے ایسے واقعات منقول ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ میلاد شریف پڑھ رہے تھے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بھی شریک تھے۔ حاجی صاحب سنتے سنتے ایک دم کھڑے ہو گئے اور سب پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد حاجی صاحب سے سامعین نے پوچھا حضرت! میلاد شریف سنتے سنتے کیوں کھڑے ہو گئے تھے جبکہ قیام کا ذکر بھی نہیں آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ نے نہیں دیکھا۔ میری ان آنکھوں نے دیکھا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میرے ذوق و شوق اور محبت رسول نے فوراً کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے پر مجبور کیا۔ (اخبار رضوان لاہور ۱۴/۷ اپریل ۱۹۵۲ء)

فائدہ: معلوم ہوا جو لوگ حضور کا ذکر پاک کرتے اور محفل میلاد شریف قائم کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے جانتے اور کرم فرماتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سرکار کی خوشنودی حاصل اور رحمتِ خداوندی شامل ہوتی ہے۔ خوش بخت ہیں وہ حضرات جن کو یہ توفیق و سعادت میسر ہو اور بڑے بدنصیب ہیں وہ جو محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے ذکر پاک و عظمت و شوکت کو دیکھ کر جلیں اور اس کو روکنے کی ناکام کوشش کریں۔

قرآن وحدیث سے استدلال: قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے اصول وضوابط پر نگاہ ڈالی جائے تو بھی میلاد شریف کا استحسان و استحباب

واجتماع الناس له كذلك اى بدعة حسنة[1]

میں سب متفق ہیں اور میلاد شریف اور اس کے لیئے لوگوں کا اجتماع بھی ایسے ہی ہے یعنی بدعت حسنہ ہے۔

امام سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

لو يفعله احد من القرون الثلاثة و انما حدث ثم لازال اهل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الكبار يعملون المولد ويتصدقون فى لياليه بانواع

اسے (میلاد کو) قرون ثلاثہ میں کسی نے نہیں کیا یہ بعد کو حادث ہوا تو پھر تمام ملکوں اور بڑے بڑے شہروں میں میلاد ہونے لگا اور ہوتا رہا اس کی راتوں میں لوگ قسم و قسم کی خیراتیں کرتے اور

ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہر مسلمان یہ جانتا ہے کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود مولیٰ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور باقی تمام نعمتوں کی جان ہے۔ قرآن پاک میں الذين بدلوا نعمة الله كفرا (الآیۃ) میں بھی نعمتِ اللہ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ (بخاری شریف) اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے واما بنعمة ربك فحدث اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ کی جو سب سے بڑی نعمت ہے اس کا چرچا بھی سب سے زیادہ ہوگا اور پھر جس دن اور جس زمانہ میں نعمت کا ظہور ہوا اس دن اور زمانہ کی بھی خاص شان ہوگی چنانچہ اس کے متعلق قرآن و حدیث میں کئی دلائل موجود ہیں۔ عید میلاد شریف کی یہ مبارک تقریب اسی اصول کے ماتحت ہے خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پیر کے دن کے روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "فيه ولدت وفيه انزل علیّ" اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہوا۔ (مسلم شریف) قرآن پاک میں جگہ جگہ حضور کی تشریف آوری کا ذکر بڑی شان کے ساتھ فرمایا گیا اسی لیے سبھی مسلمان ائمہ کرام۔ بزرگانِ عظام۔ سلاطین اسلام ہمیشہ میلاد شریف کرتے اور ربیع الاوّل شریف کی راتوں کو بھی عیدیں مناتے رہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ جب سے محمد بن عبد الوہاب کی تحریک چلی اس وقت سے نجدی کی پیروی میں دیوبندی وہابی اور ان کے ہمنوا فرقے میلاد شریف کو بدعت سیئہ کے کھاتے میں ڈالنے لگے مزید تفصیل و تحقیق کے لیئے تصانیف اہلسنت کا مطالعہ کیجیے۔ (حاشیہ ختم)

(حاشیہ صفحہ ھذا)

[1] روح البیان ص ۵۶ ج ۹

الصدقات ویعتنون بقراءة مولده الکریم ویظهر من برکاته علیهم کل فضل عظیم[1]

قرأۃ میلاد کریم کی مجلسیں بناتے ہیں ایسی محفل والوں پر بہت بڑی برکات نازل ہوتی ہیں۔

میلاد شریف کی برکات: حضرت محدث ابن الجوزی[2] رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

ومن خاصته انه امان فی ذٰلك العام وبشری عاجلة بنیل البغیة والمرام[3]

میلاد کے خواص سے ہے کہ سال بھر اس گھر میں امان رہتی ہے اور حصول مقاصد کے لیے میلاد منانے والے کو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔

میلاد شریف پر پہلی تصنیف: بطریق معروف میلاد شریف کا آغاز بادشاہوں میں صاحب اربل نے کیا اور اس پر حضرت ابن وحیہ رحمہ اللہ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی بنام "التنویر بمولد البشیر النذیر" انہیں بادشاہ موصوف نے ایک ہزار دینار انعام سے نوازا اور حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا اگرچہ میلاد شریف بدعت حسنہ ہے لیکن اس کی اصل سنت سے ہے ایسے ہی حضرت حافظ امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا اور فاکہانی مالکی کا رد فرمایا جبکہ اس نے میلاد شریف کو بدعت مذمومہ کہا۔ (انسان العیون)

تفسیر عالمانہ: "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" اور وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر ہے "اَشِدَّآءُ" بہت زیادہ سخت ہیں شدید کی جمع ہے "عَلَی الْكُفَّارِ" کافروں پر جیسے شیر بکری پر "رُحَمَآءُ" رحمدل ہیں، یہ رحیم کی جمع ہے "بَیْنَهُمْ" آپس میں جیسے باپ بیٹے پر یعنی جو ان کے دین کی مخالفت کرتا ہے تو اس پر شدت اور سختی کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا "واذلة علی المؤمنین واعزة علی الکفار" وہ اہل ایمان کے لئے نرم دل اور کافروں پر سخت

---

[1] روح البیان ص۵۶ ج۹ [2] یہ وہی محدث ابن الجوزی (رحمہ اللہ) جو حضرت شیخ سعدی قدس سرہ کے استاذ مکرم اور پہلے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے بعد کو نہ صرف خوش عقیدہ بلکہ عاشق صادق اور خلیفہ کامل اکمل ہوئے۔ ان کے متعلق مزید تفصیل فقیر کی کتاب "الفیضان علیٰ روح البیان" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ [3] روح البیان ص۵۷ ج۹۔

اور غالب ہیں۔

نکتہ: اگر صرف "اشداء علی الکفار" کہا جاتا تو ان سے حد سے زائد درجہ کی سختی و شدت سمجھی جاتی "رحماء بینہم" کے اضافہ سے معلوم ہوا کہ ان میں سختی تھی بھی تو بحکم شرعی تھی اور موقعہ و محل کے مطابق ان میں نرمی اور رحمدلی بھی تھی تو گویا رحماء بینہم ان کی تکمیل کے رستوں کے اظہار کے لئے ہے۔

سختی و نرمی کا نمونہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سختی کفار پر اس حد پر تھی کہ ان کے کپڑے اور جسم اپنے کپڑوں اور جسموں سے مس کرنے کے روادار نہ تھے اور اہل ایمان سے نرمی اور رحمدلی کا یہ عالم تھا کہ جہاں بھی کوئی مسلم بھائی دیکھ پاتے تو اس سے مصافحہ و معانقہ ضرور کرتے۔

تورات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوصاف کریمہ: تورات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا کہ "قرن من حدید امین شدید" وہ لوہے کی زنجیر اور بہت سخت امین ہوں گے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ آپ بھی دینی امور میں سخت گیر تھے چنانچہ مرتدین کے مقابلہ کے لئے نکلے تو تلوار نیام سے نکال کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ آپ کی دینی امور میں سختی اور شدت کی دلیل ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نہ چنداں درشتی کن کہ از تو سیر گردند
و نہ چنداں نرمی کن کہ بر تو دلیر شوند
درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جراح و مرہم است

ترجمہ۔ نہ اتنی سختی کر کہ لوگ تجھ سے سیر ہو جائیں اور نہ اتنی نرمی کر کہ تجھ پر دلیر ہو جائیں سختی اور نرمی ہر دو نوں کا ہونا بہتر ہی ہے جیسے رگ کھول کر زخم کرتا ہے پھر وہی مرہم رکھتا ہے۔

اور کسی نے فرمایا ؎

ہست نرمی آفت جان سمور
و ز درشتی می برد جان خار پشت

ترجمہ۔ نرمی جان کے لئے جان جلانے والی آفت ہے اور سختی بھی جان لیوا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مومن آسان اور نرم ہے۔

نکتہ: اہل اسلام کو حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی اور سہولت سے موصوف فرمایا ہے کیونکہ یہی اخلاق حسنہ ہے۔
سوال۔ اہل عرب کا مقولہ ہے "لا تکن رطبا فتعصر ولا یابسا فتکسر" اتنا تر و تازہ نہ ہو تاکہ تجھے نچوڑ لیں اور اتنا سوکھا نہ ہو کہ تجھے توڑ دیں"۔ اسی کے موافق ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا تکن مرا فتعقی ولا حلوا فتسترط" کڑوا نہ ہو کہ تجھے تھوکا جائے اور میٹھا نہ ہو تاکہ تجھے نگلا جائے۔

حل لغات: "اعقیت الشیٔ" میں نے اس کے کڑواپن کی وجہ سے اسے تھوک دیا "استرطت" میں نے اسے نگل لیا" اس میں تو نرمی سے منع کیا گیا اور تم اس کی مدح کا پہلو لیے بیٹھے ہو۔
جواب۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ "خیر الامور اوسطھا" بہتر امور میں سے وہ ہے جو درمیانہ ہو اور فرمایا گیا "وکل طرفی الامور ذمیم" امور کے دونوں کنارے مذموم ہیں یعنی افراط و تفریط مذموم ہے ورنہ اعتدال و اقتصاد (میانہ روی) تو ہر امر میں مرغوب اور پسندیدہ ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے میانہ روی کا سوال کرتے ہیں)۔
"تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" "تم انہیں رکوع کرنے والے اور سجدہ گذار دیکھو گے"۔

حل لغات: رُکَّعٌ رَاکِعٌ کی اور سُجَّدٌ سَاجِدٌ کی جمع ہے یعنی جب بھی تم انہیں دیکھو گے وہ رکوع کرنے والے اور سجدہ گذار ہوں گے اس میں ان کی نمازوں پر مواظبت و مداومت کی طرف اشارہ ہے اور وہ دونوں (رکعا سجدا) حال ہے کیونکہ یہاں رؤیت سے رؤیتِ بصری مراد ہے اور فعل سے مداومت مراد لی گئی ہے اور جملہ دوسری خبر یا مستانفہ ہے "يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ" اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی تلاش میں رہتے ہیں" یہ یا دوسری خبر ہے۔ جملہ مستانفہ ہے اور ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ وہ حضرات دائمی رکوع و سجود سے چاہتے کیا ہیں۔ جواب ملا کہ وہ فضل الٰہی کے متلاشی ہیں یعنی انہیں رکوع و سجود سے ثواب اور خوشنودیٔ خداوندی چاہیئے۔

فائدہ صوفیانہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ رکوع و سجود سے وصل و وصول کے طالب ہیں (کیا خوب فرمایا) کہ

مجھے شعور کب تھا نماز کا مجھے ہوش کب تھا سجود کا
تیرے نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں[1]

اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے وہ چاہے عطا فرمائے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ رضوان بمعنے بہت زیادہ خوشنودی۔ "سِیْمَاهُمْ (ان کی نشانی) سِیْمَا فِعْلیٰ کے وزن پر سَامَہ سے ہے بمعنے اس نے اسے علامت والا کیا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کی علامت اور نشانی یہ ہے۔ اسے سِیْمِیَاءُهُم بھی پڑھا گیا ہے (سیمیا بالیاء بعد المیم والمد) دونوں لغات مستعمل ہیں اس کی تیسری ایک اور لغت بھی ہے وہ ہے السیماء (بالمد) وہ مبتداء اس کی خبر "فِیْ وُجُوْهِهِمْ" ہے ان کے چہروں میں ثابت ہے مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ" (سجدوں کے اثر سے) جار و مجرور کی ضمیر مضمر سے حال ہے اور اثر السجود بمعنے کسی شے کا حصول جو کسی دوسری شے کے وجود پر دلالت کرے (المفردات)، یعنی اس کثرت سجود کی وہ تاثیر جو ان کے چہروں میں اثر انداز ہے۔

ازالۂ وہم وہابیہ و دیوبندیہ: وہابی اور دیوبندی اپنے ماتھے اور پیشانیاں سجدے کے وقت رگڑ رگڑ کے کالے سیاہ بنا دیتے ہیں تاکہ عوام میں وہ نیک اور صالح انسان سمجھے جائیں، صاحب روح البیان رحمہ اللہ ایسے ماتھے اور پیشانی سیاہ کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فرمایا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "تعلموا صودکم" اپنی صورتوں پر نشان نہ لگاؤ یعنے ماتھے کو زمین پر رگڑ کر وہ علامت اور نشانی نہ بناؤ جو زمین کی رگڑ سے ماتھے پر نظر آئے کیونکہ یہ تو محض ریاء و منافقت کی علامت ہے[2]

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ[2]

[2] یہ علامت وہابیوں دیوبندیوں کے تبلیغیوں میں خصوصیت سے ہے اور دلیل لاتے ہیں اسی آیت کو حالانکہ آیت میں وجوہ ہے جباہ نہیں وجوہ بمعنے تمام چہرہ اس سے ان کے چہرے شب بیداری سے نورانی ہو جاتے ہیں جیسے ہم نے اللہ والوں شب بیداروں کے چہرے دیکھے ہیں کہ

قدرتی داغ: ہاں جو قدرتی سیاہ داغ پیشانی ہیں ان سجدہ گذار خوش قسمت انسانوں میں پیدا ہوتا ہے وہ رحمت وبرکت کی علامت ہے کیونکہ ان کے سجدے خالص ذات حق کے لئے ہوتے ہیں۔

سیدامام زین العابدین قدس سرہ: منقول ہے حضرت امام زین العابدین بن امام حسین بن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ماتھے مبارک پر سیاہ نشان تھا ایسے ہی حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی پیشانی مبارک پر سیاہ نشان تھا اسی لیے یہ دو الثفنات کے نصب سے مشہور تھے جو انہیں کثرت سجود کی وجہ سے یہ پاک نشان پیشانی مبارک ہیں ابھرا۔ ثفنات البعیر سے مشابہت کی وجہ سے ثفنات ثفنۃ (بکسر الفاء) سے ہے وہ داغ جو اونٹ کے گھٹنے پر ہوتا ہے بوجہ ایں کے کراس کے گھٹنے زمین پر بار بار ٹیکنے سے ایسا داغ پڑجاتا ہے اس کے ہاتھ بھی اسی طرح وہ شخص جس کے کام ہیں ہاتھ سخت ہوجائیں اس کے لئے کہتے ہیں ثفنت یدہ اس کا ہاتھ گاڑھا ہوگیا۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے سجدے: امام زین العابدین کے زیتون کے پانچسو تنے تھے آپ ہر تنے کے نزدیک روزانہ دوگانہ پڑھا کرتے تھے کسی شاعر نے کہا ؎

دیار علی والحسین وجعفر
وحمزۃ والسجاد ذی الثفنات

ترجمہ۔ علی وحسین وجعفر وحمزہ اور وہ سجاد جو ذی الثفنات (نشان والے) کی دیار۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت عطاء نے فرمایا کہ آیت ہیں وہ شخص بھی داخل ہے جو پانچوں نمازیں مداومت سے

بارونق اور نورانی کہ ان کے چہروں کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ یاد آجاتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے اذا رؤا ذکر اللہ (جب دیکھے جائیں تو خدا تعالیٰ یاد آجائے) اور وہابیوں دیوبندیوں تبلیغیوں کے چہرے دیکھو تو کراہت آتی ہے بلکہ بعض تو ایسے کریہہ النظر ہوتے ہیں کہ ان کے دیکھنے سے قے آنے کو ہوتی ہے البتہ ان کے ماتھے اور پیشانیاں ضرور سیاہ ہوجاتی ہیں اور یہی ایسے لوگوں کے لئے غضب اور قہر خداوندی کا نشان ہے تفصیل دیکھیے فقیر کی کتاب "وہابی دیوبندی کی نشانی" اویسی غفرلہ

ادا کرتا ہے۔

فائدہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ محبوں کا نشان سجدوں کے اثرات سے ہے کیونکہ وہ دنیا و عقبیٰ کے لیے سجدے نہیں کرتے بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مخلصانہ سر بسجود ہوتے ہیں۔

فائدہ: بعض بزرگوں کے رنگ کی زردی چہروں پر خشیت الٰہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا وضوء کے پانی کی تری اور زمین پر ماتھا ٹیکنے کی وجہ سے کہ وہ زمین پر سجدہ ریز ہوتے ہیں کہ کپڑوں پر۔

فائدہ: بعض نے کہا چہروں کی نورانیت شب بیداری کی وجہ سے ہے۔

حدیث شریف: میں ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے رات کے وقت سجدے بکثرت ہوتے ہیں دن کو اس کا چہرہ نورانی نظر آتا ہے۔

فائدہ: کیا دیکھتے نہیں ہو کہ جس کی رات کے وقت شراب نوشی اور لہو و لعب میں بیداری رہتی ہے اس کا چہرہ دن کو اس خوش بخت کی طرح نہیں ہوتا جو یادِ خدا میں بیدار رہتا ہے۔

مسئلہ و نکتہ: مسئلہ امامت میں حکم ہے کہ وہ امام ہو جو سب سے بڑا عالم یا زیادہ تجوید (قراۃ) دان پھر زیادہ پرہیزگار پھر زیادہ سن رسیدہ پھر حسین و شکیل یعنے وہ چہرہ جو شب بیداری سے حسین ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ بعض صحابہ کرام سے پوچھا گیا کہ تہجد والوں کا کیا حال ہے کہ وہ حسین چہرہ والے کیوں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ وہ رحمٰن سے خلوت کرتے ہیں تو انہیں باری تعالیٰ کا نور ایسے نصیب ہوتا ہے جیسے قمر کو سورج سے نور نصیب ہوتا ہے تو اسی لیے انہیں نور نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ: نفحات (الانس) میں ہے کہ جب ارواح قرب الٰہی سے صاف و شفاف ہوئے تو اسی قرب سے اجسام پر نور ظہور پذیر ہوتا ہے ؎

درویش را گواہ چہ حاجت کہ عاشقست
رنگ رخش ز دور بہ بین و بدان کہ ہست

ترجمہ۔ درویش کو گواہ کی کیا ضرورت اس لیے وہ تو عاشق ہے اس کے چہرے کا رنگ دور سے دیکھ پھر معلوم کر کہ وہ کیا ہے۔

فوائد: (۱) حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن وہ ہے جس کی توجہ اللہ کے لئے ہو اسی کی

طرف ہر وقت دیکھے کسی وقت اس سے منہ نہ پھیرے، اہل ایمان کی یہی نشانی ہے۔

(۲) حضرت عام بن القیس رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مومن کا چہرہ عمل کے باطن کی خبر دیتا ہے ایسے ہی کافر کا حال ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "سیماھم فی وجوھھم"

(۳) بعض نے کہا کہ ان کے چہرے میں ہیبت محسوس ہوتی ہے اس لیے کہ وہ اپنے آقا کی مناجات کے قرب میں ہوتے ہیں۔

(۴) ابن عطاء نے فرمایا کہ ان کے چہرے سے انوار چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(۵) حضرت عبدالعزیز مکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے چہرے کی رونق اور زردی دراصل وہ نورِ الٰہی ہے جو عبادت کی وجہ سے چمکتے ہیں یہی ان کی ظاہری اور باطنی کیفیت ہے جو ان کے چہروں سے صادر ہو رہی ہے۔ یہ کیفیت اہل ایمان سے ہی ظاہر ہوتی ہے وہ زنگی ہو یا حبشی۔

فائدہ: اس میں شک نہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت قیامت کو چمکتے ہوئے ماتھے اور نورانی اعضاء سے اٹھے گی اور یہ چمک اور نور وضوء کی وجہ سے ہوگا بعض کے چہرے چودھویں چاند کی طرح ہوں گے اور یہ نور قلب کی تاثیر اور عکس سے ہوگا اسی لیے کہا گیا ؎

آن سیاہی کز پے ناموس حق ناقوس زد
درعرب بوالیل بر د اندر قیامت بوالنہار

ترجمہ۔ وہ کیا ہی ناموس حق سے آواز دیتی ہے اب میں اگرچہ ابوالیل (سیہ رنگ) قیامت میں ابوالنہار (روشن چہرہ) ہوگا۔

تفسیر عالمانہ: "ذٰلِكَ" اس طرف اشارہ ہے جو نعوت وصفات بیان ہوئیں "مَثَلُهُمْ" ان کی وصف عجیب الشان یہ اس میں جاری ہوتی ہے جو مثالوں سے عجیب وغریب ہو "فِی التَّوْرٰىةِ" تورات میں یہ مثلھم سے حال ہے۔ اس میں عامل اشارہ (ذلك) کا معنیٰ ہے۔

تورات کی تحقیق: تورات اس کتاب کا نام ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ تورات عربی لفظ ہے اس کا اشتقاق روی الزند سے ہے بروزن فوعلۃ اس کی تاء (اولی)، واو سے تبدیل ہو کر آتی ہے اور اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس سے نور اور ضیاء ظاہر ہوتا ہے، بنی اسرائیل کے لئے اور القاموس میں ہے کہ ودیۃ النار

ودیتها" بمعنے وہ شے جو لپیٹی جائے کپڑا ہو یا لکڑی بروزن تفعلۃ بعض نے کہا فوعلۃ نہ کہ تفعلۃ کیونکہ تفعلہ بہت کم مستعمل ہوتا ہے "وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ" اور ان کی مثال (صفت) انجیل میں ہے۔ اس کا مثلهم اول پر عطف ہے اور مثلهم کا تکرار تاکید غرابت و تقریر کی زیادتی کے لئے ہے اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے یعنی ان کی نعت صفات اسی طرح تورات و انجیل میں لکھی ہوئی ہیں تاکہ دوسری امتوں کو ان کی شان و مرتبہ معلوم ہو اور ان کو مژدہ بہار

تحقیق انجیل: انجیل نجل الشئ سے ہے بمعنے "اظہرہ" اسے ظاہر کیا اور انجیل کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ دین کے مٹ جانے کے بعد اس نے اسے ظاہر کیا۔

"كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ" کھیتی کی طرح کہ جس نے ٹہنیاں نکالیں۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں زرع ہمچون منع بیج پھینکنا زرع اللہ بمعنے انبت یعنی اللہ نے لگایا۔ الزرع بمعنے الولد والمزدرع (کھیتی) اس کی جمع زروع آتی ہے اور کھیتی کی جگہ کو المزرعۃ کہا جاتا ہے یہ نئی تمثیل ہے یعنی وہ ایسے ہیں جیسے کھیتی جو کہ اپنی ٹہنیاں نکالے اس لیے کہ کھیتی سے ہر وہ سبزی جو اگتی ہے وہ بمنزلہ ماں کے ہے پھر اس سے جو ٹہنیاں وغیرہ نکلیں گی اور بڑھیں گی وہ اس کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوں گی۔

المفردات میں ہے "شطأہ" بمعنے کھیتی کی ٹہنیاں یعنے وہ جو اس سے آگے بڑھے گی اور کناروں میں پھیل جائیں گی۔ اس کی جمع اشطاء ہے۔ شطأہ بمعنے افراخ یعنی کھیتی کی شاخیں اور ٹہنیاں۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ زرع الخ ذالک کی تفسیر ہے کیونکہ ذالک کا اشارہ مبہم ہے کہ پہلا کلام مثلهم فی التوراۃ تک ختم ہے۔

"فَآزَرَهُ" تو قوی ہو جائے پودے کی شاخ اور ٹہنی۔ آزرہ میں زرع کی ضمیر معنوی ہے۔

فائدہ: امام نسفی رحمہ اللہ نے ضمیر معنوی آزر میں شطأ کی ہے اب معنی یہ ہوا کہ شاخ نے کھیتی کی جڑ کو مضبوط کر دیا بوجہ اس کو لپٹ جائے اور موٹے ہو جانے کے اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ضمیر مرفوع شطأ کی اور منصوب زرع کی ہے آزر از مُوَازَرَةٌ ہے بمعنے معاونۃ اس اعتبار سے آزر کا وزن فاعل ہوگا مادہ آزر بمعنے قوۃ ہے یا الایزار سے بمعنے الاعانۃ اس اعتبار سے اس کا وزن افعل ہوگا یہی ظاہر ہے کیونکہ اس کا مضارع یوازر نہیں سنا گیا بلکہ یُوزِرُ مشہور ہے "فَاسْتَغْلَظَ"

تو موٹا ہوگیا بعد اس کے کہ وہ رقیق (باریک) تھا یہ " اشحجر الطین " کے قبیل سے یعنی گارا پتھر ہوگیا۔ اس تقریر پر یہ سین تحول کا ہے " فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ " تو کھڑا ہوگیا اپنے پودے پر ساق کی جمع ہے یعنی اس کی جڑیں اور پودا۔

" یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ " کسانوں کو خوش کرتا ہے۔ یہ حال ہے یعنی درانحالیکہ پودے کو دیکھ کو وہ کسان خوش ہوتا ہے جس نے وہ کھیتی بوئی اس کی قوت اور پودے کے موٹے ہوجانے اور اس کے خوش منظر اور طول قامت سے یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بیان فرمائی ہے کہ ابتداء اسلام میں بہت تھوڑے تھے پھر بڑھ گئے پھر مضبوط و مستحکم ہوگئے پھر روز بروز ان کا کام ترقی کرتا گیا جسے دیکھ کر دیندار لوگ خوش ہوتے ہیں۔

تورات کا مضمون: تورات شریف میں ہے کہ عنقریب ایک قوم پیدا ہوگی جو کھیتی کی طرح اگیں گے اور نیکی کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔

سوال ۔ الاسئلہ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی اس کھیتی سے کیوں مثال دی ہے جو اپنی شاخ نکالے ان کی مثال گھوڑوں یا ان بڑے درختوں سے کیوں نہ دی جو پھلدار ہوتے ہیں؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام ابتدائے اسلام میں بہت تھوڑے تھے پھر کھیتی کی طرح بڑھتے گئے جو پہلے کمزور ہوتی ہے اس کے بعد بڑھ کر شاخ نکالتی ہے پھر بڑھ جاتی ہے اور بہت زیادہ ہوتی ہے اور کھیتی کا قاعدہ ہے کہ کاٹی جاتی ہے پھر بوئی جاتی ہے ایسے ہی مسلمانوں کا حال ہے کہ وہ ان میں کوئی فوت ہو رہے ہیں پھر ان کے قائم مقام اور پیدا ہو رہے ہیں بخلاف بڑے درختوں کے کہ وہ خود جب تک رہیں اگرچہ کئی سال پھر کاٹے گئے تو ختم علاوہ ازیں کھیتی کے ایک دانے سے کئی بالیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور ایسا ہونا صرف کھیتی میں ہے۔

فائدہ: انسان کے اعمال بڑھتے ہیں جیسے اس کا جسم بڑھتا ہے (کہ پہلے بچہ ہوتا ہے پھر جوانی تک اس کا جسم کتنا بڑھ جاتا ہے)۔

سادات برادری: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ (کربلا میں) اہل بیت کا کنبہ شہید ہوگیا سوائے ان کے صاحبزادہ حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کے کوئی باقی نہ بچا وہ بھی بیماری کی وجہ سے بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صلب (پشت مبارک) سے بیشمار سادات برادری پیدا فرمادی ہے۔ (اللہ تعالیٰ سادات کرام کو سدا سلامت رکھے (آمین) اویسی غفرلہ)

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے سادات کرام کے اخوات اور برادری میں برکت دی کہ حضرت امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد بیس سال سے کچھ اوپر زندہ رہے تو اس گھرانہ میں بچے ہی پیدا ہوتے بچیوں کی پیدائش رک گئی اور نہ ہی ان بچوں میں کسی کی وفات ہوئی۔

حق چار یار: حضرت عکرمہ نے فرمایا ''اخرج شطأہ'' سے حضرت ابوبکر صدیق ''فاٰزرہ'' سے حضرت عمر فاروق ''فاستغلظ'' سے عثمان غنی ''فاستویٰ علی سوقہ'' سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

''لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ'' ''تاکہ غصہ میں ڈالے کافروں کو'' الغیظ بمعنے سخت غضب وہ حرارت جو انسان قلب کے خون کے جوش سے پاتا ہے۔ غاظ یغیظ سے ہے۔ ایسے ہی اغتاظ غیظہ تغیظ اغاظ غائظ'' اسی کے مادے ہیں۔ (القاموس)

فائدہ: یہ علت ہے اس کی جس کی طرف ''یعجب الزراع'' الخ کا اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں (مسلمانوں) کو نشو و نما اور استحکام بخشا تاکہ ان کو دیکھ کر کفار غیظ و غضب میں جل مریں اور کفار عرب کے ہوں یا عجم کے۔

عمر دلیر رضی اللہ عنہ: کفار کے غیظ و غضب میں جل مرنے کی ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ کا اسلام قبول کرنے کے بعد کہنا کہ آج کے بعد ہم چھپ کر عبادت نہیں کریں گے۔

فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: حدیث شریف میں ہے کہ میری امت میں بڑا رحمدل ابوبکر اور دین اللہ میں قوی تر عمر اور حیاء میں صادق تر عثمان اور بڑا فیصلہ کرنے والا علی ہے اور بڑا قاری ابی بن کعب اور فرائض (میراث) دان زید بن ثابت اور حلال و حرام میں زیادہ علم والا معاذ بن جبل ہے کوئی سبزی سایہ نہیں ڈالتی اور کہیں غبار نہیں اڑتی کہ وہاں پر سچی گفتگو والا ابوذر سے بڑھ کر کوئی نہ ہوگا اور ہر امت کا امین ہوا میری امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

فائدہ: بعض نے کہا کہ لیغیظ، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ؀ '' کی علامت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان اور نیک عمل والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے'' اس لیے کہ جب کافر اہل ایمان کے لئے آخرت کے وہ انعامات سنتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار فرمائے ہیں تو غیظ و غضب سے جلنے لگ

جلتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی یہی عزت پا گئے اور آخرت میں بھی یہی عزت پائیں گے۔ (اسی سے غیظ و غضب میں زندگی بھر جلتے مرتے رہتے ہیں۔)

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کفار کی نظر تو صرف دنیا تک محدود ہے وہ تو آخرت کے قائل نہیں اسی لیے وہ اہل اسلام سے دنیوی جاہ و جلال سے غیظ و غضب اور حسد کی آگ میں جلتے ہیں البتہ آخرت میں چل کر جب اہل ایمان کے مراتب دیکھیں گے تو پھر غیظ و غضب میں جلیں گے جیسے اب ان کے انعامات سے جلتے ہیں۔ منھم میں من بیانیہ ہے جیسے "فاجتنبوا الرجس من الاوثان" میں من بیانیہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے گناہوں کی بخشش اور بہت بڑے اجر و ثواب کا۔ اس سے جنت اور اس کے درجات مراد ہیں۔

رَدِّ شیعہ: اس میں رد ہے ان سرکشوں (شیعوں رافضیوں) کا جو صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں آیت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے مومن فرمایا اور پھر ان سے وعدہ فرمایا کہ یہ فضل ربانی اور رضائے حق کے متلاشی ہیں تو ان سے ناگوار امور سے نجات اور محبوب کے وصال میں کامیابی کا وعدہ کریمہ فرمایا۔

عشرہ بشرہ و چار یار کا قرآنی اشارہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "محمد رسول اللہ والذین معہ" میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اس لیے کہ وہی غار میں آپ کے ساتھ تھے۔

مسئلہ: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحبتِ رسول کا منکر کافر ہے اور "اشداء علی الکفار" میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ آپ کفار مکہ کے لئے سخت گیر تھے "رحماء بینھم" سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ آپ رؤف رحیم اور ذو حیاء تھے "تراھم رکعا سجدا" سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں کہ ہر رات ایک ہزار رکعات کی تکبیرات کی آواز خادمانِ درگاہ سنتے تھے اور "یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا" سے باقی عشرہ بشرہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

روافض و شیعہ کی خبر نبوی[1] اور ان کا رد: حدیث شریف میں ہے (حضور نبی اکرم

---

[1] اس حدیث میں شیعوں کا رد ہے کہ وہ واقعی دشمنانِ صحابہ اور مدعیانِ حب علی ہیں ایسے وہابیوں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) اے علی تم جنت میں اور تمہارا گروہ بھی جنت میں ہے لیکن عنقریب ایک قوم آئے گی وہ تمہاری ولایت کا دم بھرے گی ان کا لقب رافضہ (رافضی) ہوگا جب تم انہیں پاؤ تو قتل کردو کیونکہ مشرک ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ ان کی کیا علامت ہے؟ فرمایا اے علی ان کے ہاں نہ جمعہ ہوگا نہ جماعت (نماز باجماعت نہیں پڑھیں گے) وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دیں گے۔

(۲) حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو صبح اٹھے اور اس کے دل میں صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغض ہوگا تو وہ اسی آیت (لیغیظ بھم الکفار) کا مصداق ہے۔

(۳) حضرت ام العالیہ نے فرمایا آیت ھذا میں عمل صالح سے حب صحابہ مراد ہے۔

(۴) حدیث شریف میں ہے (حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) اے علی! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ ابوبکر کو والی اور عمر کو مشیر اور عثمان کو سند اور اے علی تم تو پشت پناہ ہو (دین کی) کیا تم چار یار نہیں ہو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تم سے میثاق لیا ہے تمہارے ساتھ مومن ہی محبت کرتا ہے اور کافر بغض کرتا ہے تم چاروں میری نبوت کے خلفاء ہو اور میرے ذمہ کی عقد ہو ایک دوسرے سے انقطاع نہ کرنا اور نہ ہی ایک دوسرے کے عیب و نقص بیان کرنا۔ (کشف الاسرار)

(۵) حدیث میں ہے (حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) میرے صحابہ کو برا نہ کہو اگر تمہارا ایک احد (پہاڑ) کی مقدار خرچ کرے ان (صحابہ) کے ایک مد بلکہ اس کے آدھے کو نہ پہنچ سکے گا۔

فائدہ: مد صاع کی چوتھائی اور نصیف بمعنے شے کا آدھا حصہ اور نصیفہ کی ضمیر احدھم (صحابی) کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ مد کی طرف اب معنیٰ یہ ہوا تمہارا ایک کوئی بھی اس فضیلت کو نہیں پا سکتا جو میرا صحابی ایک مد طعام کا یا اس کا آدھا خرچ کرے اگر تم احد پہاڑ کی مقدار (طعام) خرچ کرو۔

(۶) ایک اور حدیث شریف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے صحابہ کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ جو ان سے محبت کرتا ہے تو میری وجہ سے اور جو ان سے بغض کرتا ہے تو میری وجہ سے اور جو انہیں اذیت دیتا ہے وہ مجھے ایذاء دیتا ہے اور جو مجھے ایذاء دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ایذاء

کا بھی رد ہے کہ آپ نے آنے والے حالات بتائے جسے ہم علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ اسے شرک کہتے ہیں ۱۲۔ اویسی غفرلہ،

دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذاء دیتا ہے وہ اسے عنقریب پکڑے گا عذاب و عقاب دینے کے لئے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ: علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ موجود تھے[1]۔

فائدہ: حدیث الاخوۃ میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے اخوان (بھائی) نہیں؟ آپ نے فرمایا تم تو میرے صحابی ہو میرے اخوان، بھائی (تواضعاً فرمایا) وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہ ہو گا ان میں سے کسی کا عمل تمہارے میں سے پچاس کے برابر ہو گا۔ عرض کی گئی ان کا پچاس ہمارے ایک کے برابر۔ آپ نے فرمایا نہیں تمہارے پچاس ان کے ایک کے برابر، اسی طرح تین بار اسے دہرایا گیا پھر فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بھلائی پر بڑے معین و مددگار پاتے ہو[2] (اور وہ بے یار و مددگار)۔

ازالۂ وہم: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والے امتی (اخوان بھائی) صحابہ کرام سے افضل ہوں حالانکہ یہ جمہور کے عقیدہ کے خلاف ہے تو اس کے جواب میں کہوں گا بوجہ فقدان اعوان ان کے ایک کا اجر تمہارے (صحابی) کے پچاس کے برابر ہو گا اس سے مطلقاً غیر صحابی کی فضیلت صحابی پر ثابت نہیں ہو گی اور نہ ہر وجہ سے اور ہر زمانہ کے لوگ صحابہ سے افضل ہو سکتے ہیں۔

اعجوبہ: قرآن پاک کے جملہ انتیس معجمہ حروف اسی آیت میں ہیں یعنی محمد رسول اللہ سے تا آخر سورۃ پہلا حروف المعجم محمد رسول کا میم اور آخری وعملوا الصالحات کی صاد ہے اور اس کی نظیر سورۃ آل عمران میں گذری ہے اور وہ آیت "ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاساً (الآیۃ)" ہے۔ قرآن میں کوئی دو آیات نہیں جن میں یکجا حروف معجمہ جمع ہوں سوائے ان دو آیتوں کے[3]۔

دعاء مستجاب: جو ان دو آیتوں کو پڑھ کر دعا مانگے اس کی دعا قبول ہو گی ان شاء اللہ۔

فضائل سورۃ الفتح: (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورۃ الفتح پڑھی وہ گویا فتح مکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا۔

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جو شخص رمضان کی پہلی رات میں نوافل میں سورۃ الفتح پڑھتا ہے اسی آنے والے سال اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہی مدد ہے۔

---

[1] الصواعق المحرقہ ۱۲، [2] تلقیح الاذہان ۱۲، [3] فتح الرحمٰن ۱۲، [4] ایضاً

سورۃ الحجرات

تفسیر سورۃ الحجرات اس کی اٹھارہ آیات دو رکوع ہیں باجماع اہل التاویل

(۱۸) اٰیاتہا (۴۹) سُوْرَۃُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۶) رکوعاتہا (۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ
وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
عَظِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○
وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ
تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ
وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ لا فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ○ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ
بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ

فَاِنْ جَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمہ ۔ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے، اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے، بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں بہت معاملوں میں اگر یہ تمہاری خوشی کریں تو تم ضرور مشقت میں پڑو لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں اللہ کا فضل اور احسان اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں اصلاح کر دو اور عدل کرو بیشک عدل والے اللہ کو پیارے ہیں مسلمان بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحمت ہو۔

تفسیر عالمانہ: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اے ایمان والو۔ ندا سے شروع کرنے سے مخاطبین کو تنبیہ ہے کہ اس مضمون میں امر عظیم ہے جس کا اہتمام ضروری ہے اور اس کی رعایت و حفاظت نہایت اہم ہے اور ایمان سے موصوف کرنے میں انہیں خوش کرنے کے لئے ہے اور خبر دینا ہے کہ وہ اس کی محافظت کی داعی ہے اور ضلال اندازی سے روکنے

والی ہے۔ "لَا تُقَدِّمُوْا" کسی امر میں مقدم نہ کرو "بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ" اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آگے یعنی تم خود کسی کام کو شروع نہ کرو یہانتک وہ فیصلہ فرمائیں یا اجازت دیں پھر یا تو تم وحی الٰہی پر عمل کرنے والے ہوگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء کرنے والے۔

حل لغات : یہاں یدین بمعنے جہتیں ہیں جو ہونے والی ہیں انسان کے ہاتھوں کی سمت سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ درمیان دو جہتوں کے ہے اور ان دونوں کے درمیان کی جہت سے آگے والی جانب مراد ہے مثلاً کہا جاتا ہے "جلستُ بین یدیہ" بمعنے میں اس کے آگے بیٹھا اور اس جگہ پر جو اس کے قریب اور اس کے دونوں ہاتھوں کے بالمقابل ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے لیے کہا جائے "بین یدی اللہ" تو اس وقت جہت و مکان مراد نہ ہوگا بلکہ اس وقت استعارہ تمثیلیہ ہوگا تشبیہ دی گئی بعض صحابہ کے کسی امر دینی کو جو اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ اور حکم سے پہلے کرلیں اس کے حال کے ساتھ جو راستہ پر چلنے میں کسی کے آگے چلے۔ اس سے چلنے والے کی نااہلی کا اظہار مطلوب ہوتا ہے کہ اس پر واجب تھا کہ وہ پیچھے چلتا لیکن وہ اس کے برعکس آگے چل پڑا اور اس کی تعظیم وتکریم بھی مطلوب ہوتی ہے جس کے آگے کوئی چلا مشبہ کی حالت کو اس سے تعبیر کیا گیا ہے جو مشبہ بہٖ کی حالت ہوتی ہے "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" اور ان تمام امور میں جو ادا کرنے کے لائق ہیں اور وہ جملہ امور جن سے رکنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اقوال و افعال میں "اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ" (بیشک اللہ سمیع ہے) تمہاری باتوں کو سنتا ہے "عَلِیْمٌ" تمہارے افعال کو جانتا ہے اسی لیے اس کا حق ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور اس کے احکام کی پابندی کی جائے۔

فائدہ : یہ بھی جائز ہے کہ "لا تقدموا" بمعنے "لا تفعلوا التقدیم بالکلیۃ" بالکل تقدیم کا کام نہ کرو اس لیے کہ فعل کا مفعول سے تعلق کا ارادہ نہیں کیا گیا اگرچہ وہ متعدی ہے حضرت مولانا ابوالسعود رحمہ اللہ نے ایسے ہی فرمایا اور مقام کی مناسبت سے یہی زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ یہی فائدہ دیتا ہے نہی عن التلبیس بنفس الفعل کا جو اس کے انتفاء بالکلیہ کا موجب ہے اور وہی مستلزم ہے اس کے تعلق بالفعل کے انتفاء کا یہ طریقہ برہانی ہے۔

فائدہ : یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تقدیم فعل لازم ہو بمعنے تقدم کے اسی سے مقدمۃ الجیش ہے وہ لشکر جو جنگ کے لیے آگے ہو اسی سے ہے وَجَّہَ بمعنے تَوَجَّہَ اور بَیَّنَ بمعنے تَبَیَّنَ۔

فائدہ: تقدم (آگے ہونے) اس لیے روکا گیا ہے کہ کسی کے آگے ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تابعداری کی صفت سے خارج ہوا اور وہ اس امر میں خود مختار متصور ہو۔ اس معنی پر اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا تقدم ایمان کے منافی ہوگا۔

شانِ نزول: حضرت مجاہد و حسن رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت قربانی کے دن نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنے کی نہی میں نازل ہوئی گویا کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے قربانی نہ کرو۔ وہ اس لیے کہ بعض لوگوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نماز عید ادا کرنے سے پہلے قربانی کردی انہیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم فرمایا یہی ہمارا (حنفیوں کا) مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے جب اتنا وقت گذر جائے کہ اس میں نماز پڑھی جا سکے تو پھر قربانی جائز ہے۔

دلائل احناف: حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ آج سب سے پہلا ہمارا کام یہ ہوگا کہ ہم نماز پڑھیں گے نماز سے فراغت پاکر قربانی کریں گے جو ایسے کرے گا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جو نماز سے پہلے قربانی کرے گا تو گویا اس نے گوشت حاصل کرکے اپنے گھر والوں کو کھلایا اسے اس قربانی کا ثواب نہ ملے گا۔

دوسری شانِ نزول: سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت شک کے دن کے روزے وغیرہ کی نہی میں نازل ہوئی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو۔

حکایت: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ہم شک کے دن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، آپ کے ہاں دودھ لایا گیا تو آپ نے مجھے پکارا (یعنی آؤ اور دودھ پی لو)۔

تیسری شانِ نزول: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ کہتے تھے اگر قرآن کا حکم یوں نازل ہوتا یا یوں کہا جاتا کاش یہ حکم یوں نازل ہوتا۔ کاش اللہ تعالیٰ ایسے کرتا۔ لائق یوں تھا کہ یوں ہوتا اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں پر یہ آیت نازل فرمائی۔

چوتھی شانِ نزول: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ طیبہ میں غزوات سے فراغت پا چکے تو مختلف وفود مختلف

شہروں سے آنے لگے کوئی کہتا مسئلہ یوں ہوتا وغیرہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا کہ ایسی باتیں نہ کرو یعنی اپنی طرف مسائل کے ہونے نہ ہونے کی ابتداء نہ کرو یہانتک کہ اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے ابتداء ہو۔

فائدہ: حق یہ ہے کہ آیت ان تمام امور کو عام ہے وہ قول ہو یا فعل اسی لیے اس کا مفعول محذوف ہے تاکہ سامع کا ذہن اسے ہر مسئلہ پر منطبق کر سکے جتنا اسے ممکن ہے قول ہو یا فعل مثلاً جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں کوئی سوال پیش ہو تو تم اپنی طرف سے جواب دینے میں سبقت نہ کرو۔ ایسے ہی جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں طعام پیش ہو تو تم کھانے میں سبقت نہ کرو ایسے ہی جب راستہ طے کر رہے ہو تو تم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے نہ چلو ہاں بوقت ضرورت اور مصلحت ہو تو پھر روا ہے ایسے ہی جہاں تک تقدیم کا تعلق ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سبقت ناروا ہے۔

مسئلہ: اصاغر کا اکابر کے آگے چلنا سوائے تین مقامات پر جائز نہیں:۔
(۱) رات کے سفر میں۔ (۲) لشکر کے مقابلہ میں۔
(۳) سیلاب کے پانی یا گہرے پانی کے معلومات کرنے میں۔

گستاخی کی سزا: دور سابق میں قانون الٰہی تھا کہ نوجوان بوڑھے کے آگے چلتا تو زمین میں دھنس جاتا۔

مسئلہ: اس نہی میں داخل ہے یہ حکم کہ علماء کرام و مشائخ کے آگے چلنا منع ہے کیونکہ یہ حضرات ورثۃ الانبیاء ہیں اس کی دلیل واقعہ ذیل ہے:۔

حکایت اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور بزرگی: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آگے چلتا دیکھ کر فرمایا:۔

تمشی امام من ھو خیر منک فی الدنیا والاٰخرۃ ماطلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین خیرا و افضل من ابی بکر رضی اللہ عنہ[1]

(روح البیان ص ۶۲ ج ۹)

"تو اس کے آگے چل رہا ہے جو دنیا و آخرت میں تجھ سے بہتر ہے اور انبیاء و مرسلین کے بعد جہاں سے سورج طلوع کرتا اور غروب کرتا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی بہتر اور افضل نہیں۔

---

[1] کشف الاسرار ۱۲۔

فائدہ: انہی آیات و روایات میں (بین یدی اللہ ورسولہ) سے صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی تعظیما اور محض تبرک کے لئے ہے اور متنبہ کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ برگزیدہ ذات ہیں کہ جن کے اسم گرامی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا اسم گرامی تو تحفۃً وتمہیداً ذکر فرمایا ہے تاکہ عوام کو معلوم ہو کہ رسول پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر و منزلت اور کیسا قرب اور نزدیکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ پر بطریق عطف ذکر فرمایا ہے جیسے اعجبنی کرم زید کے بجائے اعجبنی زید وکرمہ کہا جائے تو اس میں دلیل ہوتی ہے کہ زید کرم وعطا سے مخصوص ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت کا معنیٰ ہے "لاتقولوا خلاف الکتاب والسنۃ" (کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات نہ کہو)۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ باب الاکتفاء سے ہے جس کا خلاصہ مقصد یہ ہے کہ "لاتفعلوا خلافھما" اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف نہ کرو اس لیے کہ ان کے خلاف کرنا حدود اللہ وحدود الرسول سے تجاوز کرنا ہے یہی معنیٰ اسی آیت کا مجھے نیند اور بیداری میں الہام کیا گیا ہے (واللہ اعلم)۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے رافت ورحمت کا بیان ہے کہ باوجودیکہ بندے گناہوں میں سرمست ہیں لیکن پھر بھی انہیں مومنین کی صفت سے یاد فرمایا ہے یعنی "یاایھا الذین آمنوا" فرمایا ہے ورنہ "یاایھا الذین عصوا" فرمانا اسے ندائے مدح کہتے ہیں[1]۔

اس میں وعید بھی ہے اس کے لئے جو الہام و وسوسہ کے درمیان فرق نہ کرتے ہوئے بغیر علم کے اس پر حکم لگا کر کہتا ہے کہ اس پر عمل کرنا لازمی ہے کہ یہی حکم منجانب اللہ ہے اس سے اس کا مقصد ریاء وشہرت ہے اور بس۔

مومن کے ایمان کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ اپنی رائے وقیاس اور عقل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخ کامل کی رائے پر ترجیح نہ دے بلکہ ان کی رائے کے

---

[1] تفسیر ابو اللیث ۱۲۔

سامنے سر تسلیم خم کر دے بلکہ اسی میں بہتری سمجھے ان کی خدمت اور صحبت کے آداب کی رعایت کرے۔

آداب مریدین: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے سامنے کوئی بات نہ کرے۔ یہی بے ادبی اکابر کی نظروں میں گرا دیتی ہے۔ حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا جب تک شیخ کوئی بات نہ پوچھے خود لب کشائی نہ کرو اور جو کچھ وہ فرمائے سر تسلیم خم کر دو اس کے آگے ساکت وصامت (خاموش) رہو۔ اس کے حق ضائع کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کی تعظیم وتکریم میں کوتاہی نہ کرو اللہ تمہارے اقوال کو سنتا اور تمہارے افعال کو جانتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کے مرتبہ کے آگے اور کوئی مرتبہ نہ مانگو کیونکہ اس کا بالمقابل بلکہ اس جیسا اور کوئی نہیں کیونکہ اس کی آنکھ حیاء سے اور کان حکمت سے زبان ثناء وتسبیح سے دل رحمت سے ہاتھ سخاوت سے بال مشک وعنبر سے بھرپور ہیں ؎

قیمت عطار و مشک اندر جہان کاسد شود
چوں برافشاند صبا زلفین عنبر سائے تو

ترجمہ۔ عطر و مشک کی قیمت جہان میں بے قیمت ہو جاتی ہے جب تیری زلف سے صبا خوشبو لا کر پھیلاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" (اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو۔)

ربط: فعل وقول میں تجاوز کی نہی سے فراغت پا کر اب کیفیت قول میں تجاوز کی نہی میں شروع ہو رہے ہیں۔

تحقیق صوت: آواز وہ ہوا ہے جو دو قسموں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ دو قسم ہے:۔

(۱) اگر ہوا انسان کے اندر سے طبع کے دفع کرنے سے نکلے تو اسے نفس (بفتح الفاء) کہا جاتا ہے۔

(۲) اگر بالارادہ نکلے لیکن اسے دو جسموں کا تموج عارض ہوا ہے تو اس کا نام صوت ہے۔ صوت اختیاری دو قسم ہے۔ وہ صوت اختیاری جو انسان سے خارج ہوتا ہے دو

قسم ہے :-
(۱) ہاتھ کی ضرب جیسے سارنگی۔ باجے وغیرہ۔
(۲) وہ آواز جو منہ سے انسان نکالے تو وہ بھی دو قسم ہے :-
(۱) نطق۔
(۲) غیر نطق جیسے بانسری وغیرہ کی آواز پھر نطق دو قسم ہے :-
(۱) مفرد۔
(۲) مرکب۔ (علم نحو میں ان دونوں کی تحقیق بطریق اتم ہو چکی ہے)

آیت کا معنیٰ : اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ آواز کو اتنا حد کے آگے نہ پہنچاؤ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پہنچ رہی ہے اس معنیٰ پر یہ باء تعدیۃ کی ہے المفردات میں ہے کہ صوت کی نہی کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ نطق اور کلام کو اعم ہے ممکن ہے کہ اس سے صرف کلام مخصوص ہو جیسا کہ اس کا شان نزول دلالت کرتا ہے۔

"وَلَا تَجْهَرُوا لَهٗ بِالْقَوْلِ" اور تم اس کے سامنے جہر سے بات نہ کرو یعنی نہ بولو جب وہ بول رہے ہوں۔

حل لغات : الجہر حاسۃ البصر سے شئے کے ظہور کو کہا جاتا ہے جیسے "رأیتہ جہاداً" میں نے اسے کھلم کھلا دیکھا اور باحاسۃ سمع سے شئے کا ظہور ہو جیسے "سواء منکم من اسر القول ومن جہر بہ" (تم میں سے کوئی بات کو چھپائے یا ظاہر کرے) "کَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ" (مثل تمہارے جہر کے بعض کے لئے) یعنی وہ جہر جو تمہارے آپس میں ہوتا ہے بلکہ اپنی آواز ان کے سامنے پست رکھو اور ان سے گفتگو کے وقت ایسی ہو جیسے کسی سے سرگوشی کرتا ہے جیسے ہیبت والے عظیم شخصیت کے سامنے گفتگو کی جاتی ہے۔ آپ کی نبوت کی جلالت اور بزرگی کی رعایت کو نگاہ میں رکھو۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ انہیں ایک مخصوص جہر سے منع کیا گیا ہے اور وہ مقید ہے اس جہر سے جو ان کے مابین عادت کے طور ہوتا ہے نہ کہ مطلق جہر سے یہاں تک کہ وہ ہر گفتگو ایسی کریں جیسے سرگوشی کرنے والے کرتے ہیں یا بالکل خاموش رہیں پھر یہ دوسری نہی بھی مقید ہے وہ یوں کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بولیں تو یہ بھی بولنے نہ لگ جائیں۔

نہی اول و دوم کا فرق : مفسر روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں نہی کی دو قسمیں ثنائی

ہیں اب ان کا فرق بتاتے ہیں۔ فرمایا کہ نہی اول کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز کے اوپر آواز بلند نہ کریں۔ دوسری نہی کا مقصد یہ ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کی گفتگو ایسی نہ ہو جیسے وہ ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے بولتے ہیں بلکہ ان پر واجب ہے کہ آپ کے ساتھ بولنے کے وقت آواز پست رکھیں اس تقریر پر ثابت ہوا کہ نہی اول کے بعد نہی ثانی کا ذکر تکرار پر مبنی نہیں اسی لیے کشاف میں مزید توضیح کے طور بتایا کہ نہی اول یعنی لا ترفعوا الخ سے صرف اتنا سمجھا جاتا تھا کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بولیں تو اگر تمہیں بھی بولنا ہے تو اتنا اونچا نہ بولو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے تمہاری آواز بلند ہو جائے بلکہ تم آواز کو اتنا پست رکھو کہ ان کی آواز تمہاری آواز سے بلند ہو اور دوسری نہی یعنی لا تجھروا الخ کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہوں اور تم گفتگو کرو تو اتنا اونچا نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو بلکہ اتنا نرم بولو کہ گویا سرگوشی کر رہے ہو" اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ تاکہ تمہارے اعمال باطل نہ ہو جائیں بوجہ اسی جرأت کے۔

فائدہ: یہ یا تو نہی کی علت ہے بطریق تنازع الفعلین کے کیونکہ ادھر دونوں یعنی لا ترفعوا اور لا تجھروا اسی علت کو (من حیث المعنی) چاہتے ہیں۔ بصریوں کے نزدیک یہ فعل اول (لا ترفعوا) کی علت ہے اور کوفیوں کے نزدیک لا تجھروا کی۔ گویا یوں کہا گیا ہے" انتھوا عما نھیتم الخ جس کام سے تمہیں روکا گیا ہے اس سے رک جاؤ واسطے اپنے اعمال کے حبوط (ضائع ہو جانے) کے خوف کے یا اس سے ناگواری وکراہت کی وجہ سے یہ اس آیت کے محاورہ کی طرح ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یبین اللہ لکم ان تضلوا تمہیں بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یہاں مضاف اور لام تعلیل کی محذوف ہے یا یہ منہی عنہ کی علت ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ رک جاؤ اس فعل سے جو تم کرتے ہو واسطے ضائع ہو جانے تمہارے اعمال کے اس تقریر سے لام عاقبت کی ہو گی کیونکہ وہ رفع الصوت اور جہر سے اپنے اعمال کا ضیاع نہیں چاہتے تھے لیکن چونکہ بایں حیثیت کہ یہ فعل محبط اعمال ہے تو گویا وہ ان سے ہو چکا پھر اس پر لام علت داخل ہوئی تو پھر فعل مؤدی کو علت غائیہ سے تشبیہ دی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حبط اعمال نہیں چاہتے اسی لیے ان سے آئندہ نہ رفع صوت سرزد ہو گا اور نہ جہر بالقول۔

فائدہ: اس جہر اور رفع صوت سے ممانعت کی مراد یہ نہیں کہ وہ رفع اور جہر استخفاف (توہین

اور گستاخی) کو مقترن ہو کیونکہ وہ تو کفر ہے (یہاں یہ مراد ہے کہ اگر بلا ارادہ بھی رفع الصوت اور جہر بالقول کرو گے تو بھی اعمال ضائع جائیں گے۔

یہاں نزاکت تو دیکھو کہ چونکہ صحابہ کرام عام محاوراتی گفتگو کے تحت گفتگو میں رفع صوت اور جہر کے مرتکب ہو جاتے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو گوارہ نہ ہوا اس میں انتباہ فرمایا کہ یہاں ایسی گفتگو گوارہ نہیں اسی لیے یہاں کسی شئے سے مقید نہیں کیا گیا کیونکہ عمومی قاعدہ کے اعتبار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تحقیر و استخفاف (توہین اور گستاخی) کفر ہے ہاں امر رفع و جہر کا استخفاف کفر نہیں بلکہ وہ تو زیادہ سے زیادہ ایک برا عمل سمجھا جاتا ہے (یعنی نہی کے خلاف عمل کرنے سے کفر نہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہے) لیکن چونکہ یہ حکم کے خلاف عمل کرنے کی عادت بنا لینے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہانت و استخفاف کا پہلو نکلتا تھا اور پھر اس سے بے پرواہی برتنے کا احتمال تھا اور یہ باتیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں طریقوں (رفع الصوت و جہر بالقول) سے نہی فرما دی۔

مسئلہ: اس سے وہ رفع و جہر بھی مراد نہیں جو جنگ اور دشمن سے جھگڑے اور اس کے ڈرانے کے لئے آواز بلند کی جاتی ہے کیونکہ ایسا رفع الصوت اور جہر بالقول حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اذیت کا موجب نہیں اسی لیے نہی مذکور میں یہ داخل نہیں۔

عباس رضی اللہ عنہ کی اونچی آواز کا کمال: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو غزوہ حنین میں فرمایا (جب لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے) "اصرخ بالناس" لوگوں کو پکارو۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے چنانچہ مروی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک دفعہ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زور سے پکارا "یا صباحاہ یا صباحا" آپ کی اس سخت آواز سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو گئے آپ کی آواز آٹھ میل تک سنی جاتی تھی جیسا کہ تفصیل سورۃ الفتح میں گذری ہے۔

شان نزول ۲: یہ آیت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیوں کہ آپ کے کان بہرے تھے اور تھے بھی بلند اور بھاری اور زور والے بہت بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بولتے تو ان کی آواز سے آپ کو اذیت پہنچتی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی اور حضرت

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ گھر بیٹھ گئے ان کے نہ آنے سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبب پوچھا تو آپ کو عرض کیا گیا کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد خوف سے گھر میں بیٹھ گئے ہیں (اس خیال سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اونچا بولتا تھا اور بسا اوقات میرے اونچے بولنے سے آپ کو اذیت پہنچتی اس آیت کا مصداق ممکن ہے میں ہوں)۔ آپ نے انہیں بلوایا تو عرض کی میں تو اسی خوف سے گھر بیٹھ گیا ہوں کہ شاید یہ آیت میرے لئے اتری ہے آپ نے فرمایا :۔

لست هناك انك تعيش بخير وتموت بخير وانك من اهل الجنة

"تو اس کا مصداق نہیں بلکہ تو خیر و بھلائی کی زندگی بسر کرے گا پھر خیر و بھلائی سے فوت ہوگا اور تو بہشتی ہے۔

حدیث شریف کے راوی کا بیان ہے کہ

صدق رسول الله صلی الله علیه وسلم فان ثابتا مات بخير حيث قتل شهيد يوم مسيلمة الكذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ ثابت (رضی اللہ عنہ) بھلائی میں فوت ہوئے کہ شہید ہوئے تھے مسیلمۃ الکذاب کی جنگ میں۔

شہید بولتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے :

جب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ زرہ پہنے ہوئے تھے انہیں ان کی موت کے بعد کسی صحابی نے خواب میں دیکھا وہ انہیں فرماتے ہیں کہ

اعلم ان فلانا لرجل من المسلمين نزع درعي فذهب بها وهو في ناحية من العسكر وعنده فرس مشد وديرعي وقد وضع على درعي بوتة فائت خالدا ابن الوليد فاخبره حتى يسترد درعي۔

جان لو کہ فلاں مسلمان نے میری زرہ اتار کر لے لی اور وہ لشکر کے فلاں حصہ (کونہ) میں ہے اور اس کے پاس گھوڑا بندھا ہوا گھاس چر رہا ہے اس نے میری زرہ کو ہانڈی کے نیچے چھپا رکھا ہے حضرت خالد کے پاس جا کر کہو اور وہ میری زرہ اس سے واپس لوٹائیں۔

مردہ کی وصیت اور اس کا اجراء :

اس کے بعد انہی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اسی خواب میں اسی صحابی کو فرمایا کہ

ورئيت ابا بكر رضی الله عنه خليفة

اور حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقل لہ ان علی دینا لفلان حتی یقضی دینی وفلان من عبیدی حر

خلیفہ کے پاس جا کر کہہ کر مجھ پر فلاں کا قرض ہے وہ ادا کیجیے اور میرے فلاں غلام کو آزاد کیجیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ویسے عمل کیا جیسے شہید نے فرمایا: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی خواب کی وصیتیں سن کر اس صحابی نے اسی طرح کیا جیسے انہیں کہا گیا چنانچہ روایت میں ہے کہ

فاخبر خالدٌ ابا بکر تبلک الرؤیا فاجاز ابوبکر وصیتہ قال مالک بن انس رضی اللہ عنہ لا اعلم وصیۃ اجیزت بعد موت صاحبہا الا ھذہ للوصیۃ
(روح البیان ص ۶۵ ج ۹)[1]

حضرت خالد نے حضرت ابوبکر کو خبر دی ابوبکر نے وصیت پوری فرمائی مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے ایسی کوئی وصیت یاد نہیں کہ کسی کی موت کے بعد پوری کی گئی ہو مگر یہی وصیت

---

[1] یہ روایت ابن القیم نے کتاب الروح میں و دیگر محدثین نے اپنی تصانیف میں روایت کی اس سے صراحتہً چند فوائد حاصل ہوئے۔
(۱) صحابہ کرام حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معمولی گستاخی کو کفر اور موجب نارِ جہنم سمجھتے تھے۔
(۲) حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر امتی کے حالات سے باخبر ہیں اسی لیے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ان کے اجمالی حالات بتا دیئے۔
(۳) صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب باعطائہ اللہ حاصل ہے کہ جیسے فرماتے ہیں وہ یقیناً ویسے ہوتا ہے۔
(۴) انسان مرنے کے بعد بالکل مٹ نہیں جاتا بلکہ قلب مکانی کرتا ہے۔
(۵) مرنے کے بعد انسان کے علم و شعور میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
(۶) میت کا مرنے کے بعد اہل دنیا سے تعلق وابستہ رہتا ہے۔
(۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عقیدہ تھا کہ مردے بے خبر نہیں ہوتے تبھی تو حضرت

"وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○" یہ تحبط کے فاعل سے حال ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اور تمہارا حال یہ ہو کہ تم کو اعمال کے ضائع ہو جانے کا شعور نہ ہو۔

حل لغات : الشعور بمعنے علم و فطنت الشعر بمعنے علم دقیق یعنی حق کے ذریعہ جاننا اس میں مزید تحذیر اس امر سے کہ جس سے منع کیا گیا۔

سوال معتزلی ۔ زمخشری (معتزلی) نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ گناہ کبیرہ سے اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔

جواب ۱ ۔ یہ از باب تغلیظ ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ لایشعرون بمنزلہ اس کفر کے ہے جو اعمال صالحہ ضائع کرنے والا ہے اور یہ ان دوسرے کبائر کے قبیل سے نہیں۔

جواب ۲ ۔ یہ مثل "ولا تکونن ظہیرًا للکافرین" کے قبیل سے ہے یعنی جہر اور رفع صوت یہ دونوں استہانت (گستاخئ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مقترن ہیں بلکہ ان دونوں فعلوں سے خود کو منافقین کا ہیولی بناتا ہے اور یہ کفر ہے اسی لیے حبط اعمال لازمی امر ہے۔

حبط اعمال کے اقسام : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حبط اعمال کئی قسم ہے:۔ (۱) دنیوی اعمال ہوں جن کا قیامت میں کوئی فائدہ نہ ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وقدمنا الی ما عملوا فجعلناہ ھباءً منثورا" جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیئے۔

(۲) اعمال اخروی ہوں لیکن اس کے عامل کا قصد رضائے الٰہی نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کو قیامت میں لایا جائے گا اس سے سوال ہوگا کہ تو دنیا میں کس عمل میں مشغول رہا عرض کرے گا قرأت قرآن میں، اسے کہا جائے گا کہ تو اس لیے قرأت کرتا تھا تاکہ تجھے قاری کہا جائے سو تجھے قاری کہا گیا اب جاؤ جہنم میں چنانچہ اسے جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اطلاع پر چور سے ان کا سامان واپس کرایا۔

(۸) وصیت صرف زندہ انسان کی جاری ہو سکتی ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت جاری کر کے خلافت نبویہ کی حیثیت سے اختیار فی التشریع کا ثبوت بہم پہنچایا کہ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منجانب اللہ اختیار حاصل تھا ایسے ہی آپ کے وارثین بھی باذن اللہ اختیار رکھتے ہیں (ولکن الوہابیۃ والشیعۃ قوم لایعقلون) اویسی غفرلہ۔

(۳) عامل کے اعمال تو صالح ہوں لیکن جب مرا تھا تو اس کے بالمقابل اس کی برائیاں بھی ہوں گی (جن سے توبہ نہ کر سکا) اسی طرف خفت میزان کا اشارہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن خفت موازینہ" اور جس کے اعمال کا وزن خفیف ہو جائے گا۔)

حل لغات : حبط ہمچون سمع وضرب حبطاً وحبوطاً بمعنے بطل و احبطہ اللہ بمعنے ابطلہ اور امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا الحبط در اصل حبط سے ہے جانور کا گھاس بہت زیادہ کھا جانا یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھول جائے اور اس سے کوئی شے خارج نہ ہو۔

شان رسالت کی نزاکت : امام البقلی رحمہ اللہ نے عرائس (البیان) میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمجھایا کہ اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بوجہ کمال لطافت اور بوجہ مراقبہ جمال ملکوت کے اصوات جہریہ سے متغیر و منغص ہوتا ہے اور وہ اس لیے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شغل الٰہی میں بہت زیادہ مستغرق ہوتے ہیں اور ان کی ہر وقت بارگاہ حق میں حضوری ہوتی ہے اس لیے جب کوئی زور سے بولتا ہے تو اس سے ان کا قلب اطہر اذیت پاتا ہے اور اس سے سینہ فیض گنجینہ تنگ ہو جاتا ہے گویا اس سے ان کی سیادین ازل کی سیر میں کمی آجاتی ہے اس لیے انہیں تنگی محسوس ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے عمل سے ڈرایا اور یہ ظاہر ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشویش قلبی اعمال صالحہ کے ضائع ہونے کا سبب ہے اور عرش علیٰ سے تحت الثریٰ تک کوئی شے ایسی نہیں جو آپ کے قلب اطہر کے مقابلہ کی ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء و اولیاء کی قلبی محبت کی پاسداری اعمال الثقلین سے بڑھ کر ہے۔

ادب و تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : اس سے معلوم ہوا کہ امتی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب اور مریدین کو اپنے شیخ کا ادب ضروری اور لازمی ہے۔

نکتہ از صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ : فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ آپ کے کمال لطافت کی واضح دلیل آپ کی موت (وصال) ہے کہ آپ پر گراں تھی اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سے جتنا لطیف متاثر ہوتا ہے اتنا کثیف نہیں جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ہم نے بدو کو دیکھا کہ حکام نے اس کا چمڑہ ادھیڑ لیا لیکن اسے پرواہ تک نہ ہوئی یعنی معمولی طور بھی آہ و بکا نہ سنی گئی اگر اس کے برعکس کسی بڑے سے بڑے ولی کے ساتھ ہو تو وہ شور و فغان کرے گا ہاں جب اس کے عقل و شعور کی حس ختم

کرلی جائے (جیسے آجکل اپریشن کے وقت ٹیکوں یا دواؤں سے بیہوشی طاری کرکے کاٹ وغیرہ کی جاتی ہے)۔

ذکر بالجہر و بالسر کا راز: اس سے معلوم ہوا کہ جہر و خفاء ہر دونوں کا ایک محل و مقام ہے۔ شدید النفس کو جہر چاہیئے (اس لیے سلاسل طیبہ قادریہ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ (اویسیہ) مبتدی کے لئے ذکر جہر کا فرماتے ہیں) اور نرم طبع کو ذکر بالخفاء مفید ہے) اس لیے سلسلۂ نقشبندیہ میں ذکر خفی ہے کہ مریدین کے نفس کی سختی کو دوسرے طریقہ سے نرم کرلیتے ہیں) جیسے ذکر کی حالت میں ہوتا ہے (جیسے فقیر اویسی غفرلہ نے عرض کیا ہے) لیکن ہر ایک بھی صاحب مشاہدہ نہیں ہوتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی رمز شناسی: حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرو تو گویا تم آپ سے کوئی بات سمجھنے کے لئے بول رہے ہو (ظاہر ہے کہ سمجھنے والا جب اپنے مخاطب سے بات کرے گا تو آہستہ) یہی وجہ ہے کہ نزول آیت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہایت ہی آہستہ بات کرتے کہ نہ اتنا جہر ہوتا اور نہ حد سے زیادہ آہستہ۔

مسئلہ: بعض علماء کرام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس کے قریب زور سے بولنے کو مکروہ لکھا ہے۔ لانہ حی فی قبرہ (روح البیان ص ۶۶ ج ۹) اس لیے کہ آپ اپنے مزار میں زندہ ہیں۔ (اس میں نجدیوں وہابیوں اور ہر وہ فرقہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزار میں زندہ نہیں مانتے کا رد ہے۔)

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواجہ پاک (یعنی جالی مبارک) کے قریب زور سے بولنا مکروہ ہے[1] اور اس کا مقدار زائر اور مزار مبارک کے درمیان کم از کم چار ہاتھ کا فاصلہ ضروری ہے۔

---

[1] اسی لیے ترکوں نے تعمیر گنبد خضراء کے وقت موٹے الفاظ میں آیت "لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ الخ" لکھوائی تھی جو تاحال ۱۴۰۸ھ لکھی ہوئی نمایاں نظر آتی ہے۔

زائرین گنبد خضراء کو ہدایات: فقیر یہاں پر زائرین گنبد خضراء کے لئے نذر گذارتا ہے ممکن ہے کہ

مسئلہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ فقہاء عظام (علمائے اسلام) کی مجلسوں میں زور سے بولنا مکروہ ہے کیونکہ ان کی شرافت اور بزرگی کا لحاظ ضروری ہے کیونکہ وہی ورثۃ الانبیاء (علیہم السلام) ہیں۔

حکایت: حضرت حماد بن زید رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص ہنسا آپ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک کا درس دے رہے تھے آپ اس شخص پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث (گفتگو) کے سامنے زور سے بولنا ہنسنا

کسی خوش قسمت کو فقیر کی ہدایات سے فائدہ نصیب ہو تو اس کے طفیل اس بیکس بے نوا کو نجات نصیب ہو۔

(۱) جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی نیت کر کے سفر شروع کیا جائے تو اپنی نیت خالص کر لینا چاہیئے کہ اللہ کی رضا کے واسطے یہ سفر کر رہا ہوں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح لباب میں لکھا ہے کہ نیت کے خالص ہونے کی علامت یہ ہے کہ فرائض وسنن چھوٹنے نہ پائیں۔

(۲) اس سفر میں درود شریف کثرت سے پڑھیں اور نہایت توجہ سے پڑھیں۔ تمام علماء نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ اس مبارک سفر میں جتنی کثرت سے درود شریف پڑھا جائے گا اتنا ہی مفید ہوگا۔

(۳) جب مدینہ طیبہ قریب آجائے تو بہت زیادہ شوق وذوق میں غرق ہو جائے اور کثرت سے درود شریف پڑھا جائے اور جب مدینہ منورہ کی عمارات نظر آنے لگیں تو یہ پڑھا جائے اللّٰھم ھٰذا حرم نبیک فاجعلہ لی وقایۃ من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب۔

ترجمہ۔ اے اللہ یہ تیرے نبی کا حرم ہے اس کو میرے آگ سے بچنے کا ذریعہ بنا اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ بنا دے اور حساب کی برائی سے بچنے کا سبب بنا دے۔"

(۴) اس کے بعد اس شہر پاک کی خیر وبرکت حاصل کرنے کی دعا کریں اور اس کے آداب بجالانے کی توفیق کی دعا کریں اور حسب خواہش پریشانیوں سے بچنے کی دعا کریں۔

(۵) شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد میں حاضری دینی چاہیئے۔ اگر مستورات اور سامان وغیرہ کی مجبوری ہو تو دوسری بات ہے۔ تمام علماء کرام نے لکھا ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد میں داخل ہونا افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی حدیث شریف میں یہی آیا ہے کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو اول مسجد میں تشریف لے جاتے۔

آج بھی اسی طرح سمجھتا ہوں جیسے آپ کی ظاہری زندگی مبارک میں حرام تھا۔ یہ کہہ کر ناراضگی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس دن ناراضگی سے درس نہ دیا۔

مسئلہ: خلاصہ یہ کہ حدیث شریف اور محدث مکرم کے سامنے آواز بلند کرنا مکروہ ہے چہ جائیکہ ان کے سامنے ہنسی مذاق ہو کیونکہ ہنسی مذاق ان سے تمسخر اور ٹھٹھا مخول ہے اور بزرگوں کی مجلسیں ایسے فعل کی متحمل نہیں ہیں۔

---

(۶) بہتر یہ ہے کہ مسجد نبوی میں باب جبریل سے داخل ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس دروازے سے داخل ہونے کا تھا۔

(۷) مسجد میں داخل ہونے کے آداب میں ہے کہ داخل ہوتے وقت سب سے پہلے اپنا دایاں پاؤں اندر رکھیں اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا پڑھیں۔

(۸) اعتکاف کی نیت کریں۔

(۹) مسجد میں داخل ہونے کے بعد خشوع و خضوع اور عجز و انکساری کا پیکر بن جائیں۔

(۱۰) سب سے پہلے ریاض الجنۃ میں جائیں۔ یہ وہ جگہ ہے جو منبر شریف اور قبلہ شریف کے درمیان ہے۔ اس کو روضہ اس لیے کہتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری بیت اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ بہر حال ریاض الجنۃ میں پہنچ کر پہلے تحیۃ المسجد پڑھیں۔ حضور کی خدمت میں حاضری سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا اولیٰ ہے اس لیے کہ یہ اللہ کا حق ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق پر مقدم ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سفر سے سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا، تحیۃ المسجد پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا جاؤ پہلے تحیۃ المسجد پڑھو، پھر میرے پاس آنا۔

تحیۃ المسجد کی نماز میں پہلی رکعت میں "قل یآیہا الکافرون" اور دوسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" کی سورۃ پڑھنا اولیٰ ہے۔ اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت فرض نماز کھڑی ہونے کو ہے تو پھر فرض نماز میں شامل ہو جائیں تحیۃ المسجد نہ پڑھیں بلکہ فرض نماز میں شرکت کر کے اسی میں تحیۃ المسجد کی نیت کر لیں تو تحیۃ المسجد کا ثواب بھی مل جائے گا۔ اسی طرح ایسے وقت میں داخل ہوں کہ اس وقت نفلیں پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ فجر کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد داخل ہوں تو اس صورت میں تحیۃ المسجد نہ پڑھیں۔ بہر حال تحیۃ المسجد کا موقع ہے تو اس سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر

اگر ہمارے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ ہماری آج کی مجالس وعظ ودرس و
پناہ بخدا : اجتماع المولد[1] (میلاد شریف) وغیرہ وغیرہ میں تشریف لائیں تو ہماری بے العقد البو
کو دیکھ کر فوراً ان مجالس سے اٹھ کر چلے جائیں جبکہ ہماری (اکثر) مجالس میں منکرات (بے لغو الیان)
اور سوءِ ادب (غلطیوں) کی بھرمار ہوتی ہے۔

بے ادبی اور گستاخی کی نحوست : بزرگوں نے فرمایا "من ترک الاداب رد عن الباب" "جس نے آداب کا ترک کیا وہ باب حق سے محروم کر دیا جائے گا" اور فرمایا "ابلیس کی نو ہزار سال کی عبادت صرف بے ادبی سے ضائع ہوئی" ؎

ادا کرے کہ اس نے یہ نعمت جلیلہ عطا فرمائی اور دو رکعت شکرانہ کے طور پر پڑھیں۔

(۱۱) اس کے بعد قبر شریف کی طرف اس طرح سے چلیں کہ ہمہ تن پوری توجہ کے ساتھ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کریں اور قلب کو تمام لہو ولعب، قلب کی گندگیوں، تمام کدورتوں اور آلائشوں سے پاک رکھیں اس لیے جو دل ان تمام برائیوں میں ملوث ہو اس دل میں وہاں کی برکات کا کیا اثر ہوگا۔

(۱۲) جب مواجہ شریف میں حاضر ہوں تو تین چار گز کے فاصلے پر کھڑے ہوں۔ زیادہ قریب نہیں ہونا چاہیئے یہ ادب کے خلاف ہے اور نگاہ نیچی رکھیں۔ ادھر ادھر دیکھنا اس وقت سخت بے ادبی ہے اور خیال بھی منتشر ہو جاتا ہے۔

ابن امیر الحاج مدخل میں لکھتے ہیں "جتنے بھی تواضع اور آداب اس وقت لکھے جاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تواضع اور انکساری کرنا چاہیئے اس لیے کہ آپ کی ذات ایسی شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہوتی ہے۔ جس نے آپ کے در کا ارادہ کیا وہ مراد کو پہنچا اور جو آپ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا وہ نامراد نہیں رہا۔ جس شخص نے آپ کے وسیلے سے دعا کی وہ مقبول ہوئی اور جو مانگا وہ ملا۔"

قرآن شریف میں ہے "وما اتاکم الرسول فخذوہ" کہ اللہ کا رسول جو کچھ تمہیں دے اس کو لو۔" یہ آیت اگرچہ خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اس کا اطلاق عام ہے۔ قیامت تک کے لئے یہ آیت ہے تو اس لیے اس وقت اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی باطناً بہت سی برکات عنایت فرماتے ہیں، اہل دل حضرات کو اس کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ برکات صرف حیاتِ طیبہ کے لئے مخصوص ہو جائیں

[1] صاحب روح البیان کے دور میں میلاد کے جلسوں کا چرچا یونہی تھا جیسے آج ہم اہلسنت سرشار ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔

نگاہ دار ادب و طریق عشق و نیاز
کہ گفتہ اند طریقت تمام ادب است

ترجمہ ۔ ادب اور طریقۂ عشق و نیاز کی حفاظت کر اس لیے کہ بزرگوں نے فرمایا کہ طریقت ادب کا نام ہے [1]

ہم اللہ کریم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو بہت بڑے آداب سے مزین ہیں ۔

تفسیر عالمانہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَہُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ" (بیشک وہ لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں)

ربط: خلل اندازی سے ڈرانے کے بعد جس امر سے منع کیے گئے ہیں اس سے مکمل رک جانے کی ترغیب دی جا رہی ہے ۔

حل لغات: الغض بمعنے کنارے اور آواز (اور وہ جو برتن میں ہے) کو گھٹانا ۔ اہل عرب کہتے ہیں "غض طرفہ" اپنی طرف (آنکھ وغیرہ) کو کیا "غض السقاء" مشکیزے سے کچھ کم کر دیا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ از روئے ادب اور نہی کی مخالفت کے خوف سے اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست کرتے ہیں "اُولٰٓئِکَ" مبتدا ہے اس کی خبر ہے "امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ لِلتَّقْوٰی" وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کیا ہے ۔

حل لغات: "امتحن الذھب" سے ہے بمعنے "اذابہ ومیز ابریزہ من خبثہ" اس نے سونے کو آگ پر رکھ کر اس کے اصل کو کھوٹ سے جدا کیا ۔ یہ مقید کو مطلق کرنے کے قبیل سے ہے (یعنی سونا خالص کرنا، اسے میل کچیل اور کھوٹ سے صاف ستھرا بنانا) جس میں ارادہ بھی مطلق کا ہو سے

در بوتۂ امتحان کرم بگدازی
منت دارم کہ بے غشم می سازی

ترجمہ ۔ تو نے خالص کرم کے مقام میں مجھے چھوڑا مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے بغیر غل وغش

---

[1] فقیر کی اس موضوع پر تین تصانیف ہیں (۱) با ادب بانصیب (۲) بے ادب بے نصیب (۳) گستاخوں کا انجام بد ۔

(کھوٹ) کے بنایا۔

الاساس میں ہے کہ "مَحَنَ الْاَدِیْمُ مَدَّدَهٗ حَتّٰی وَسَّعَهٗ"

اسی سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "امتحن اللہ قلوبہم" کی تفسیر ہے یعنی ان کے قلوب کو کھول کر وسیع فرمایا۔

تفسیر فاروقی: سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قلوب سے شہوات کے تصورات ہٹا دیئے یعنی ان میں سے شہوات کی محبت نکال کر انہیں سوء (برے) اخلاق سے صاف اور مکارم اخلاق سے سنگار دیا یہاں تک کہ وہ عادات بشریہ سے بالکل فارغ ہو گئے۔[1]

"لَهُمْ" ان کے لئے آخرت میں "مَّغْفِرَةٌ" ان کے گناہوں سے بہت بڑی مغفرت ہے "وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝" اور بہت بڑا اجر ہے۔ اس کا نکرہ تعظیم کا یعنے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ثابت ہے اتنا کہ جس کا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ان کی آواز کی پستی اور دیگر طاعات کی وجہ سے۔[2]

---

[1] قرآن مجید تو صحابہ کرام بالخصوص شیخین (سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے حق میں یہ گواہی دیتا ہے جو اوپر مذکور ہوئی لیکن شیعہ رافضی کیا کہتے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "شیعہ سنی بھائی بھائی" میں ہے۔ اویسی

شیعہ کتب سے حوالہ جات: تمام اصحاب بدون تین چار کے سب مرتد ہو گئے تھے (فروع کافی ج ۳ ص۱۱۵ مطبع نولکشور)

(ف) مقداد بن اسود۔ ابوذر غفاری۔ سلمان فارسی یہی تینوں حضرات مسلمان تھے۔ باقی کوئی مسلمان نہ تھا۔ بقول شیعہ علی المرتضیٰ بھی مسلمان نہ تھے۔ معاذ اللہ۔

حضرت علی اول سے مسلمان نہ تھے حالت کفر چھوڑ کر ایک دن مسلمان ہوئے۔ (اصول کافی ص۱۵۳ مطبع نولکشور)

شیعہ مذہب میں حضرت علی کو بھی بوقت ضرورت گالیاں دے لیں تو جائز ہے (اصول کافی ص۴۸۴ مطبع نولکشور)

مزید فقیر کی کتاب "تبرا و تولا" کا مطالعہ کیجئے۔ [2] (شان نزول) خزائن العرفان میں ہے کہ آیہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ" کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض اور صحابہ نے بہت احتیاط لازم کر لی اور خدمت اقدس میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ: جملہ متانفہ ان کی مدح میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست آواز سے بولتے ہیں اور ان کی مذمت ہے جو اس کے برعکس کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اپنے شیخ اور مرشد کے سامنے آواز پست رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب اور اس کی خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہے لیکن یاد رہے کہ مشائخ کے سامنے آواز پست رکھنا بھی اہل سکینہ و اہل وقار کو نصیب ہے۔

صوفیانہ نسخے: حضرت حسین قدس سرہ نے فرمایا کہ جس کا دل اللہ تعالیٰ تقویٰ کے لئے خالص کرتا ہے تو اس کا شعار قرآن اور اس کا باطن ایمان اور اس کا دیا تفکر اور اس کی خوشبو تقویٰ اور اس کی طہارت توبہ اور اس کی نظافت حلال اور اس کی زینت ورع اور اس کا علم آخرت اور اس کا شغل استغراق الٰہی اور اس کا مقام مع اللہ اور اس کا روزہ موت اور اس کا افطار جنت اور اس کا جمعہ حسنات اور اس کا خزانہ اخلاص اور اس کی خاموشی مراقبات اور اس کی نظر مشاہدات ہوتی ہے۔

فرمودہ شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر: سیدنا محی الدین الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ تقویٰ سے ہر وہ عمل مراد ہے جو انسان کو جہنم سے بچائے جو جہنم سے بچ گیا اس سے حجابات ہٹ گئے اور جس سے حجابات ہٹ گئے اس کو محبوب حقیقی کا مشاہدہ نصیب ہو گیا۔

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کا دل ہمیشہ حرص سے پر رہتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کیے۔

حکایت صحابی: راوی فرماتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اپنی کھیتی تک سواری پر سوار ہو کر نہیں جاتے تھے حالانکہ ان کی وہ کھیتی ان کے گھر سے میلوں دور تھی اس طرح وہ ستر سال تک زندگی بسر کرتے۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کا دل کسی نہ کسی شے کی محبت میں ہمیشہ نیا رہتا ہے اگرچہ اس کی کمر بڑھاپے سے ٹیڑھی ہو جائے سوائے ان لوگوں کے جن کے دل اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کیے اور وہ بہت تھوڑے

ہیں" ؎

(۱) وجود تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد

(۲) ہمانا کہ دونان گردن فراز
درین شہر کبرست و سودا و آز

(۳) چون سلطان عنایت کند بابدان
کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ (۱) تیرا وجود (جسم) شہر ہے اور نیک و بد سے پُر ہے تو بادشاہ ہے تیری عقل تیرا وزیر ہے۔
(۲) تکبر کرنے والے کمینے لوگ تیرے شہر میں تکبر۔ سودا۔ حرص ہے۔
(۳) جب خود بادشاہ برے لوگوں پر نوازش کرے تو پھر کمزور لوگ کس طرح آرام سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

" اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ " (بیشک وہ جو تمہیں پکارتے ہیں۔) المناداۃ والندا ء بمعنے پکارنا مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ " حجروں کے باہر ان کے پیچھے یا آگے اس لیے کہ حجرے کا وراء وہ جہت ہے جسے حجرہ اپنی کسی بھی جہت سے اسے چھپا دے تو ضروری ہوا کہ وہ جگہ حجرہ سے خارج ہو نہ کہ داخل کیونکہ داخلی جگہ حجرہ کی اس سے جو اس میں ہے حجرہ کے حجم سے نہیں چھپا سکتا اس معنی پر وراء ان دونوں جہتوں (آگے۔ پیچھے) کے لئے معنوی طور مشترک ہے نہ کہ لفظاً۔ لیکن اسے جوہری وغیرہ نے از قبیل اضداد گنا ہے اس معنی پر ان میں اشتراک لفظی ہوگا۔ اور من ابتدائیہ ہے یہ دلالت کرتا ہے کہ ان کی پکار پیچھے یا آگے کی جہت سے تھی اس لیے کہ بحسب الجہت مبداء و منتہیٰ اس کے دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

الحجرات کی تحقیق: الحجرات سے امہات المؤمنین کے حجرے مراد ہیں اس لیے کہ ہر بی بی کے لئے علیحدہ علیحدہ تھا اس وقت نو بیبیاں تھیں۔ الحجرات حجرہ کی جمع ہے بمعنے محجورہ جیسے قبضہ بمعنے مقبوضہ یعنی وہ جگہ جسے انسان اپنے لیے دیوار وغیرہ سے روک لے اور دوسروں کو اس میں شرکت سے روکے الحجر سے ہے بمعنے المنع (روکنا) اسی لیے عقل کو حجر کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کو اس سے روکتا ہے جس کی اجازت اسے نفس دیتا ہے۔ حجرات سے پکارنے کا یا تو یہ

مطلب ہے کہ وہ ہر حجرہ کے آگے پیچھے پکارتے تھے اور حضور علیہ السلام نے انہیں جہاں بھی تھے اندر سے جواب عنایت فرمایا اس لیے کہ وہ حضور علیہ السلام کی تلاش میں ہر حجرہ پر مختلف ٹولیاں بن کر آپ کو پکارتے تھے کیونکہ انہیں خصوصی طور علیہ السلام کے مکان کا علم نہ تھا کہ کس حجرہ میں رونق افروز ہیں لئے اسی لیے بعض نے حجرات مبارکہ کے آگے بعض نے پیچھے کو کھڑے ہو کر پکارا اسی اقبال سے بعض کا فعل کل کی طرف منسوب ہوا۔

پکارا کس نے : بعض نے کہا یہ گستاخی اور بے ادبی یعنی جرأت کرکے بلا لحاظ آداب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس نے پکارا وہ عیینہ بن حصین الفزاری تھا وہ احمق تھا لیکن برادری کا سردار تھا۔

دوسرا اقرع بن حابس تھا وہ بنو تمیم کا شاعر تھا دونوں ستر آدمیوں کا وفد از بنو تمیم لے کر دوپہر کے وقت پہنچے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیلولہ فرمارہے تھے انہوں نے پکارنا شروع کر دیا اور مندرجہ کلمات کہے :۔

یا محمد اخرج الینا فنحن الذین مدحنا زین وذمنا شین۔ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ہاں تشریف لائیے ہماری مدح زینت اور ہماری ذم عیب ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا :۔

"ویحکم ذلکم" "تم پر افسوس ہے یہ جو تم کہہ رہے ہو کر مدحنا زین مدح ہمارا سنگار" وذمنا شین" اور ہماری مذمت عیب ہے۔"

سوال ۔ کہنے والے بعض تھے اور "ینادون" کی نسبت سب کی طرف کیوں ؟

لہ **شان نزول :** حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ نے فرمایا کہ "یہ آیت وفد بنی تمیم کے حق میں نازل ہوئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کے وقت پہنچے جبکہ حضور آرام فرمارہے تھے ان لوگوں نے حجروں کے باہر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا شروع کیا حضور تشریف لے آئے، ان لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور اجلال شان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان فرمایا گیا کہ بارگاہ اقدس میں اس طرح پکارنا جہل و بے عقلی ہے اور ان لوگوں کو ادب کی تلقین کی گئی۔ (خزائن العرفان)

جواب ۔ چونکہ مذکورہ کلمات سے سب راضی تھے کیونکہ ان کے سامنے یہی کلمات کہے جا رہے تھے اور وہ خاموشی سے سنتے رہے اسی لیے یہی ہوگا کہ "السکوت من الرضا" خاموشی رضا ہے ۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تاویل کی محتاجی اس وقت ہوگی جب صیغہ جمع سے استغراق افرادی مراد ہو اگر اس سے استغراق مجموعی مراد ہو تو پھر کوئی ضرورت نہیں اسی لیے نحویوں نے کہا کہ جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو وہ انقسام الاحاد بالاحاد کا فائدہ دیتا ہے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ بنو تمیم کے جفاکش (کسان) لوگ تھے اگر وہ اعور دجال کے ساتھ لوگوں سے بہت سخت لڑنے والے نہ ہوتے تو میں دعا مانگتا تاکہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے ۔

شانِ نزول: ان کی مذکور بالا بے ادبی پر سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی اور تاقیامت ان کی مذمت ہوتی رہے گی ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا اس ارشاد گرامی میں کہ "واکثرھم لا یعقلون" ان کے اکثر لایعقل تھے ۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ اکثر کی قید دلالت کرتی ہے کہ ان کے بعض ایسی بے ادبی سے بچنا چاہتے تھے لیکن عقلاء کی قلت میں اشارہ ہے کہ ان میں کوئی بھی عقلمند نہ تھا کیونکہ عرب کا محاورہ ہے کہ بسا اوقات قلت نفی کے قائم مقام ہوتی ہے اس معنیٰ کی حدیث سابق بھی تائید کرتی ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ سارے کے سارے لایعقل تھے اس لیے کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو ایسی جسارت نہ کرتے بلکہ ادب کرتے اور در اقدس پر بیٹھ جاتے یہانتک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف لاتے جیسا کہ فرمایا "وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا" اگر وہ صبر کرتے" الصبر بمعنے نفس کو اس کی خواہش سے روکنا "حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ" یہانتک کہ تم ان کے ہاں تشریف لاتے ۔

قاعدہ: لفظ لَوْ فعل کے ساتھ خاص ہے ۔ یہی مبرد و زجاج اور کوفیوں کا مذہب ہے اسی لیے لفظ لَوْ کے بعد جو اسم ہوگا وہ مرفوع ہوگا فعل مقدر کا نہ کہ وہ مبتدا ہوگا جیسے

سیبویہ نے کہا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر ان کا صبر و انتظار محقق ہوتا یہانتک کہ آپ خود باہر تشریف لاتے۔
فائدہ: لفظ ''حتیٰ'' سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ان کے صبر کا مغیا آپ کے تشریف لانے تک ہو کیونکہ وہ غایۃ الشیٔ لنفسہا کی تخصیص کے لئے ہے اسی لیے کہا جاتا ہے'' اکلت السمکۃ حتی راسہا '' (میں نے مچھلی کو اس کے سر تک کھایا) ''اکلت ثلثہا ونصفہا'' (میں نے آدھی یا تہائی مچھلی کھائی) نہیں کہا جاتا بخلاف الیٰ کے کہ وہ عام ہے اسی لیے ایہم میں اشارہ ہے کہ آپ اپنی مرضی سے باہر تشریف لاتے۔ نہ کہ ان کے لئے اور وہ بھی یوں ہو کہ آپ تشریف لاتے ہی ان سے آپ خود گفتگو فرمائیں یا ان کی طرف متوجہ ہوں یہی ان کے صبر کی انتہا ہے (ایسا نہ کہ آپ باہر آئیں اور وہ گفتگو شروع کر دیتے تب بھی بے ادبی ہے (سبحان اللہ کتنا نزاکت بارگاہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولکن الوہابیۃ قوم لایعقلون) اضافہ اویسی غفرلہ)

'' لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ '' ان کے لئے بہتر تھا یعنی صبر مذکور ان کی جلد بازی سے بہتر تھا کیونکہ اس میں حسن ادب اور تعظیم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایت ہے اور اسی میں ثواب اور ان کی تعریف اور مقصود کا حصول تھا کیونکہ وہ وفد لے کر بھی اسی لیے آئے تھے کہ وہ بنو العنبر کے قیدی چھڑائیں۔

فائدہ: القاموس میں ہے کہ العنبر بنو تمیم کے ایک قبیلہ کا باپ تھا۔

واقعہ سریہ بنی العنبر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو العنبر کے ہاں ایک سریہ بھیجا جس کے امیر حضرت عینیہ بن حصین رضی اللہ عنہ تھے۔ جب بنو العنبر کو معلوم ہوا کہ سریہ آ رہا ہے تو بھاگ گئے اور عیال کو چھوڑ گئے۔ حضرت عینیہ بن حصین رضی اللہ عنہ نے انہیں قیدی بنا کر بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا دیا ان کو چھڑانے کے لئے یہ لوگ دوپہر کے وقت مدینہ طیبہ میں آئے اسوقت آپ قیلولہ کے لئے دولتکدہ میں تشریف لے گئے جب بنو العنبر کے بچوں نے دیکھا تو شور مچایا اور رونے لگے ''الاجہاش'' بمعنے زور زور سے رونا'' کہا جاتا ہے ''اجہش الیہ'' فلاں نے فلاں کے سامنے جزع فزع کی۔ یہاں وہ رونا مراد ہے جو بچہ ماں کے ہاں روتا ہے چونکہ ہر ام المومنین کا حجرہ علیحدہ علیحدہ تھا تو یہ لوگ ہر حجرہ کے آگے پیچھے پکار کر کہتے ''یا محمد اخرج الینا'' اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائیے۔ ان کی پکار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہو کر باہر تشریف لائے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے بچوں کا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیجیے۔ اس وقت

جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ اپنے اور ان کے درمیان ایک حکم (فیصل) مقرر فرمائیے۔ آپ نے انہیں فرمایا کیا تم میرا اور اپنا حکم (فیصل) سبرہ بن عمرو کو مان لوگے وہ تمہارا ہم مذہب بھی ہے کہا ہاں۔ سبرہ نے کہا میں یہ فیصلہ کیسے کرسکتا ہوں جب ان میں میرا چچا اعور بن بشامہ بن ضرار موجود ہے وہ اس کے فیصلہ پر بھی راضی ہوگئے۔ اس نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ آپ ان کے بچوں کے آدھا کا فدیہ لے لیں اور آدھے آزاد کرلیں۔ آپ نے فرمایا درست ہے اسی طرح آپ نے ان کے آدھے بچوں کا فدیہ لے لیا اور آدھے آزاد کر دیئے۔

فائدہ: مقاتل نے فرمایا کہ (لکان خیرا لھم) کا معنٰی یہ ہے کہ آپ تو ان کے سارے بچے بلا فدیہ آزاد کرنا چاہتے تھے یہی ان کے لئے بہتر تھا لیکن انہوں نے غلطی کی تو خسارہ اٹھایا" **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** "اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے بہت بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے"۔ یہ بے ادب اگر توبہ اور اپنی اصلاح کرتے تو ان کے لئے اس کی رحمت و مغفرت میں کچھ کمی نہ تھی۔

حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ وہ اس کے لئے غفور ہے جو بے ادبی سے توبہ کرے اور

فائدہ: اہل ادب و تعظیم کے لئے رحیم ہے اس لیے کہ ادب رحمت کو کھینچتا اور بے ادبی نعمت چھینتی ہے ؎

سرمایہ ادب بکف آر کہ این متاع
آنرا کہ ہست سوء ادب نایدش بکف

ترجمہ۔ سرمایۂ ادب ہاتھ میں لے اس لیے کہ یہ اسباب جسے نصیب ہے اس کے ہاں بے ادبی نہیں آسکتی۔

فوائد: اس مقام پر چند فوائد قابل غور ہیں:۔

(۱) آیت میں انتباہ کیا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر و منزلت ہے اور ان کا ہر وقت اور ہر آن ادب ضروری ہے۔ ان بے عقلوں کو اگر قدر و منزلت معلوم ہوتی تو حضور علیہ السلام کو زور زور سے نہ پکارتے بلکہ عقل والے تو بارگاہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حاضری کے وقت دروازہ ناخنوں سے کھٹکاتے تاکہ بے ادبی نہ ہو[1]

---

[1] **صحابہ کرام کے آداب:** (۱) بخاری شریف میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضرت صائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا ایک شخص نے

علاوہ ازیں ان بے عقلوں نے حضور علیہ السلام کو عام انسانوں کی طرح پکارا وہ اس لیے کر ان کے آگے پردے غفلت کے تھے ورنہ وہ اگر اہل حضور و اہل شہود سے ہوتے تو یوں نہ پکارتے ؎

کار نادان کوتہ اندیشی است

یاد کردن کسے کہ در پیشی است

ترجمہ ۔ بیوقوف کا کام کوتہ اندیشی ہے ۔ یاد کرنا اسے نصیب ہے جو بلندی میں ہے ۔

مسئلہ: حضرت ابو عثمان مغربی قدس سرہ نے فرمایا کہ اکابر اور اولیاء بزرگوں کی مجلس کا ادب بہت بڑے اور اونچے مراتب تک پہنچاتا ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوتی ہے ۔

مسئلہ: جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ضروری ہے ایسے آپ کی سنت مطہرہ پر عمل کرنے والے علماء با عمل کا ادب بھی ضروری ہے ۔

مجھے ایک کنکر ماری، میں نے ادھر دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے ۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یہ جو دو آدمی بول رہے ہیں انہیں بلا کر لاؤ ۔ میں ان دونوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ طائف کے رہنے والے ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو تم کو مزہ چکھا دیتا ۔ تم حضور کی مسجد میں چلا کر بول رہے ہو ۔ بعض روایات میں حضرت عمر کے اس قصہ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ایسے کوڑے مارتا کہ بدن درد کرنے لگتا اب گویا اجنبی ہونے کی وجہ سے مسئلہ کی ناواقفیت کو عذر قرار دیا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب کہیں قریب کیل میخ کے ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو آدمی بھیج کر ان کو روکتیں کہ زور سے نہ ٹھوکیں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے مکان کے کواڑ بنانے کی ضرورت پیش آئی تو بنانے والوں کو فرمایا کہ شہر کے باہر بقیع میں بنا کر لائیں تاکہ ان کے بنانے کی آواز کا شور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے ۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب کا وہی معاملہ ہونا چاہیئے جو زندگی میں تھا ۔

حکایت: ہم نے بہت سے علماء کرام کو دیکھا کہ اپنے جیسے علماء کرام کے دروازوں پر بیٹھے رہتے دروازہ نہیں کھٹکاتے تھے جبتک کہ وہ حضرات خود باہر تشریف نہ لاتے یہ صرف ان کے احترام اور قدر و منزلت کے پیش نظر تھا۔

حکایت: حضرت ابو عبیدہ القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے کسی عالم دین کا دروازہ نہیں کھٹکایا جب تک کہ وہ خود تشریف نہ لاتے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ادبنی ربی فاحسن تادیبی" اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور خوب سکھایا۔

شرح: "ادبنی احسن تادیبی" اس حدیث کا خلاصہ ہے فاء تفسیر ہے ماقبل کی یعنی وہ تادیب احسن تادیب تھی۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ بڑوں کی توقیر چھوٹوں پر رحمت و شفقت اور لوگوں سے نرم کلام دانشمندی کی علامت ہے۔

آداب معیت: دوست کے ساتھ رہنا ہو تو عزت و احترام سے رہو اگر ہم کفو اور ہم مثل کے ساتھ رہنا ہو تو وفاء کا ثبوت دو اگر اپنے سے کم مرتبہ کے ساتھ رہنا ہو تو رحمت و شفقت سے پیش آؤ اگر عالم دین کے ساتھ رہنا ہو تو خدمت کرو اور تعظیم و تکریم میں رہو اگر جاہل کے ساتھ رہنا ہو تو سیاست سے کام لو اگر دولتمند کے ساتھ رہنا ہو تو استغناء برتو اگر فقیر کے ساتھ رہنا ہو تو دوستی کرو اگر صوفی کے ساتھ رہنا ہو تو تسلیم و رضا کے پیکر بن جاؤ۔

فائدہ: بعض حکماء نے فرمایا کہ لوگوں سے ایسا معاشرہ رکھو کہ اگر مر جاؤ تو وہ روئیں اگر تم غائب ہو تو تمہارے لیے ملال میں رہیں۔

(۲) آیت میں جہالت کی مذمت اور عقل و علم کی مدحت ہے۔ شرافت عقل ضرورت عقل و علم و حسن کو مکمل کرتی ہے یہانتک کہ سب کو معلوم ہے کہ اونٹ کتنا بڑا اور قوت میں تمام جانوروں سے بڑھ کر ہے لیکن انسان کے آگے سر خم کر دیتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر میں سرکشی کروں گا تو وہ عقل و علم سے مجھے زیر کرلے گا۔

عوام عرب و ترک: یہی وجہ ہے کہ عرب و ترک کے عوام اپنے بڑوں کی تعظیم و تکریم میں کسر نہیں چھوڑتے کیونکہ ان کا تجربہ ہوگا کہ یہ مشائخ (بڑے) ان سے علم و عقل میں بڑھ کر ہیں اسی لیے ماثور ہے کہ "الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ" شیخ اپنی

قوم میں ایسے ہے جیسے نبی اپنی امت میں" یہ بھی علم و عقل کی وجہ سے ہے نہ کہ شخصی قوت اور جمال و شوکت سے مثنوی شریف میں ہے ؎

کشتی بے لنگر آمد مرد شر
کہ زباد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را امان
لنگرے دریوزہ کن از عاقلان

ترجمہ۔ مرد کی کشتی لنگر کے بغیر ہوتی ہے کہ اسے باد مخالف کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا۔ لنگر عقل ہے اور عقلمند کے لئے عقل امان ہے۔ عقلمندوں سے ایسا لنگر مانگ۔"

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ عقلمند کا کلام دل سے ہوتا ہے جب وہ بولتا ہے تو پہلے دل پر نگاہ کرتا ہے اگر وہ کلام اس کے لئے مفید ہوتا ہے تو بولتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے اور بیوقوف احمق کا کلام زبان پر ہوتا ہے اور عقل گڑھے میں اس لیے کہ جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو گر جاتا ہے (یعنی بات بات پر ہزاروں ٹھوکریں کھاتا ہے)۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عقلمند کی زبان اس کے دل میں اور احمق کی زبان منہ میں ہوتی ہے اور ادب عقل کی صورت میں ہے اور بے ادبی اور گستاخی میں کسی قسم کی شرافت اور بزرگی نہیں اور جہالت سے بڑھ کر اور کوئی تھکا دینے والی بیماری نہیں جب انسان کی عقل مکمل ہو جاتی تو اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے ؎

ہر کرا اندکست مایۂ عقل
بیہودہ گفتنش بود بسیار
مرد را عقل چوں بیفزاید
در مجامع بکاہدش گفتار

ترجمہ۔ جس کے پاس عقل کا سرمایہ کم ہے اس کی بیہودہ گفتار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مرد کی جب عقل زیادہ ہوتی ہے تو مجمعوں میں وہ بہت تھوڑا بولتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ابن آدم کی ہر بات اسے ضرر رساں ہے سوائے امر بالمعروف

ونہی عن المنکر کے۔

حدیث شریف: جہنم میں زیادہ اوندھے گرنے والے زبان کی خرابیوں کی وجہ سے ہوں گے۔

(۳) بعض اکابر نے فرمایا کہ (ولو انھم صبروا الآیہ) میں تدبر کریوں نہ دیکھ کہ یہ تو دوسروں کے لیے نازل ہوئی ہے بلکہ تو اپنا تصور کر کہ تیرا قیامت میں اٹھنا کیسا ہوگا اور تو نے شفاعت کا دروازہ کس طرح کھٹکانا ہے، اسی لیے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اٹھنے کا انتظار کر اور صبر سے کام لے یہانتک کہ وہ خود تشریف لاکر تیری شفاعت کریں (تو خود انہیں پکار اور شور مچا کر بے صبری کا ثبوت نہ دے بلکہ خاموش رہ اور انتظار کر) کیونکہ شافع وہی ہیں اور قیامت میں ان کے سوا کوئی حامی کار نہ ہوگا۔

شفاعت کا منظر: قیامت کے دن تمام لوگ انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے کسی سے دامن مراد نہ بھریں گے یہانتک کہ بارگاہِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں گے۔

احادیث شفاعت: (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انا اول ولد اٰدم خروجا اذا بعثوا وانا قائدھم اذا وفدوا وخطیبھم اذا انصتوا وانا مبشرھم اذا ابلسوا وانا شفیعھم اذا حشروا ولواء الکرم بیدی وانا اکرم ولد اٰدم علی ربی ولا فخر یطوف علی الف خادم کانھم لؤلؤ مکنون (روح البیان صـ ج ۹)

ترجمہ۔ قبور سے نکلنے میں بنو آدم میں سب سے پہلا میں ہوں جب وہ قبور سے نکلیں گے اور میں ان کا قائد ہوں جب وفد بنا کر جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں جب وہ خاموش ہوں گے میں انہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جب وہ ناامید ہوں گے اور میں ان کا سفارشی ہوں جب میدان حشر میں آئیں گے اور کرم کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے ہاں تمام بنو آدم سے مکرم تر ہوں اس کا مجھے فخر نہیں میرے لیے ہزار خدام آتے ہوں گے گویا وہ خالص موتی ہیں۔

؎ سرخیل انبیاء و سپہدار اتقیاء
سلطان بارگاہِ دنیٰ قائد الامم

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام کے سردار اور اتقیاء کے امام بارگاہ دنی کے سلطان اور

امتوں کے فائد "

نکتہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہزار خدام ہیں یہ نکتہ ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہزار اسماء محقق ہیں۔

تفسیر عالمانہ: " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ " (اے ایمان والو اگر لائے تمہارے پاس فاسق) " بِنَبَاٍ " (کوئی خبر) " النبأ " بمعنے الخبر " یعنی ایسی خبر لائے جو وحشت ناک ہو اور دل دکھائے۔ تنکیر تعمیم کے لئے ہے۔

مسئلہ: اس میں انتباہ کیا گیا ہے کہ ہر فاسق سے احتراز ضروری ہے۔

سوال ۔ حرف شک کے ساتھ کیوں لایا گیا ہے حالانکہ حرف اذا لانا چاہیئے تھا۔

جواب ۱ ۔ تاکہ دلالت کرے اس پر کہ مومن کو لائق ہے کہ وہ ایسی طرز سے رہے کہ اس سے فاسق کسی قسم کا طمع و لالچ نہ کر سکے اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی جھوٹی بات کر سکے۔

جواب ۲ ۔ ابن الشیخ نے فرمایا کہ حرف شرط اس لیے لایا گیا کہ صحابۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایسی نادر الوقوع بات احتمالی طور ہو تو ہو یقینی طور نہیں " فَتَبَیَّنُوْۤا " اگر فاسق ایسی خبر لائے جو دل پر اثر انداز ہو تو اچھی طرح پہچان لو اور خوب تجسس کرو یہاں تک کہ تمہارے سامنے واضح ہو جائے کہ اس نے سچ کہا ہے یا جھوٹ لیکن صرف اس کی بات کا اعتماد نہ کرو کیونکہ ایسا آدمی نہ فسق سے بچتا ہے نہ جھوٹ سے جو کہ وہ بھی فسق سے ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ ولید بن عقبہ ابن ابی معیط (حضرت عثمان کا مادری برادر) جسے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کے بعد کوفہ کا حاکم بنایا اس نے صبح کی نماز بحالت نشہ چار رکعت پڑھا دی اور کہا چاہو تو اس سے اور زیادہ کروں اسے حضرت عثمان نے معزول کر دیا اسکو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی المصطلق کے ہاں صدقات و زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے بھیجا (اس اور ان کے درمیان پہلے سے کسی معاملہ میں کینہ اور بغض تھا لیکن وہ دورِ جاہلیت کی بات تھی ان کے کسی کو اس نے قتل کر دیا تھا) جب وہ ان لوگوں کے قریب پہنچے تو وہ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اس نے سمجھا کہ شاید وہ مجھے قتل کرنے کے لئے آ رہے ہیں ڈر سے بھاگ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے منکر ہیں بلکہ وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے جنگ کا خیال فرمایا تو یہی آیت نازل ہوئی۔

بعض نے کہا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو ولید بن عقبہ کی واپسی کے بعد ایک لشکر کے ساتھ ان کی طرف یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ لشکر کے ساتھ ان کے ہاں پہنچنے کا انہیں علم نہ ہو۔ اور رات کے وقت ان کے ہاں جانا پھر دیکھنا کہ ان سے شعائر اسلام کی ادائیگی ہو رہی ہے یا نہ اگر ہو رہی ہے تو پھر ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنا اگر ان میں شعائر اسلام کی ادائیگی نہ ہو تو ان کے ساتھ وہی کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی جنگ کرنا حضرت خالد نے اسی طرح کیا جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا چنانچہ ان کے ہاں آپ مغرب کے وقت پہنچے تو ان سے مغرب وعشاء کی اذانیں سنیں اور دیکھا کہ وہ لوگ شعائر اسلام میں بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی ادائیگی میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں آپ نے ان سے زکوٰۃ وصول فرمائی اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تمام حال عرض کر دیا تو یہی آیت نازل ہوئی۔

"اَنْ تُصِیْبُوْا" خطرہ ہے کہ تم پہنچو "قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ" کسی قوم کو بے خبری میں ان تصیبوا کی ضمیر سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہو گا کہ ڈرانا لیکن تم منسوب ہو جاؤ ساتھ جہالت کے ان کے حال اور کنہ سے "فَتُصْبِحُوْا" پس تم ہو جاؤ ان کی برأت کے اس سے جو ان کی طرف منسوب ہوئی "نٰدِمِیْنَ" شرمسار یعنی دائمی مغموم پھر ہاتھ ملتے رہو کہ کاش ہم یہ کام نہ کرتے (قاعدہ لغویہ) جہاں (نون - دال - میم) کا اجتماع ہو گا وہاں دوام کو معنی پایا جائے گا جیسے "ادمن الامر" اس نے کام میں مداومت کی (مدن المکان) وہ اس مکان میں مقیم ہوا۔ اسی سے ہے مدینہ (شہر) اور ندامت وہی غم ہے جو انسان کو ہمیشہ لاحق رہے جس سے وہ آرزو کرے کہ کاش وہ کام اس سے نہ ہوتا اس کا لزوم کبھی اس کی قوت اول الامر کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے موجب وسبب سے دل سے نہ ہٹنے سے اور کبھی اس کی بار بار کی یاد سے ان کے علاوہ دیگر اسباب بھی ہیں (جنہیں یہاں ذکر کرنے میں تطویل لاطائل ہے)۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جاہل اپنے کیے سے نادم ہوتا ہے لیکن کچھ مدت بعد۔

مسئلہ: امر کی ترتیب تبین (ظاہر ہونے) مخبر کے فسق میں اشارہ ہے کہ بعض مقامات پر خبر واحد عادل کا قبول کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کے ایک بار جھوٹ بولنے پر

پھر اس کی گواہی مسترد فرما دی پھر فرمایا جھوٹا گواہ عشار کے ساتھ جہنم میں ہوگا۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جھوٹی گواہی دی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جس نے دو کے درمیان انصاف کا فیصلہ نہ کیا تو اس پر خدا کی لعنت ہے۔ اور جس نے کسی کو کافر کہا اور دراصل وہ کافر ہے تو وہ کفر اس پر ہوگا اور اگر نہ ہو تو وہ کفر قائل کی طرف لوٹے گا۔ (کشف الاسرار)

ف: ایسے ہی کسی کو مشرک کہنا اگر وہ نہ ہو تو شرک کا فتویٰ شرک کے مفتی کو لوٹے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (ابن کثیر) اس سے دیوبندیوں وہابیوں کو شرک کی رٹ لگانے پر عبرت حاصل کرنی چاہیئے لیکن .... (اضافہ اویسی)۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جھگڑا ڈالنے والے اور چغلخور اور گلہ گو کی بات کی طرف کان لگانا یعنی اس کی بات نہ سننا چاہیئے۔ (کشف الاسرار)

سے (۱) کسی پیش من درجہان عاقلست
کہ مشغول خود وز جہان غافلست

(۲) کسی را کہ نام آمد اندر میان
بہ نیکوترین نام ونعتش بخوان

(۳) ازاں ہمنشیں تا توانی گریز
کہ مر فتنۂ خفتہ را گفت خیز

(۴) میان دو کس جنگ چون آتش است
سخن چین بدبخت ہیزم کش است

(۵) میان دو تن آتش افروختن
نہ عقلست خود درمیان سوختن

ترجمہ۔ (۱) میرے ہاں جہان میں وہ سمجھدار ہے جو اپنے میں مشغول اور جہان سے غافل ہے۔
(۲) جس کا تیرے سامنے نام لیا جائے اس کا اچھی طرح نام لے اور اس کی تعریف کر۔
(۳) اس ساتھی سے جہاں تک ہو سکے بھاگ جو سوئے ہوئے فتنہ کو جگاتا ہے۔
(۴) دو شخصوں کے درمیان جنگ آگ ہے۔ بدبخت چغلخور لکڑیاں ڈالنے والا ہے۔
(۵) دو شخصوں کے درمیان آگ بھڑکانا عقلمندی نہیں بلکہ خود اس میں جلنا ہے۔

فائدہ: تحقیق حال کا مکمل تجسس ضروری ہے تاکہ حقیقت حال معلوم ہو اور جانبین خرابی سے محفوظ ہوں اور جھوٹا دجال (غلط کر دینے والا) رسوا اور خوار ہو۔

حدیث شریف: حال کی تحقیق منجانب اللہ اور عجلت شیطان سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ نفس فاسق اور امارہ بالسوء کے بڑے مکر و فریب ہیں وہ انسان کو ہر وقت شہوات دنیا کی مختلف خبریں سناتا رہتا ہے ہوشیار انسان کو چاہیئے کہ حقیقت حال کا تجسس کرے اس سے پہلے قلوب کی قوم کے کسی فرد اور اس کی صفات کو نقصان نہ پہنچا دے بےخبری میں اس سے جو اس میں نفوس کی شفاء و حیات اور قلوب کا مرض اور ممات ہے اگر ایسا کر لیا تو پھر قیامت کی صبح میں اپنے کیے پر نادم اور شرمسار ہو گا۔

تفسیر عالمانہ: "وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِيۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ" اور جان لو کہ تمہارے درمیان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

فائدہ: صیغہ امر میں اشارہ ہے کہ مخاطبین کو اس میں بمنزلہ جاہلوں کے قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالمقابل بوجہ اس کے کہ ان کے سامنے وہ امور کر دکھلائے جو ان کی قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم کے خلاف ہے اور "لَوۡ يُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ" جملہ مستانفہ ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ "ان فیکم" اپنے اسم و خبر سے مل کر "اعلموا" کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے باعتبار اپنے مابعد "لو یطیعکم" الخ کے کیونکہ وہ فیکم کی دو ضمیروں میں سے ایک سے حال ہے اور اس کی پہلی ضمیر مرفوع مستتر ہے جو رسول اللہ کی طرف راجع ہے جس کا عامل محذوف ہے دراصل عبارت "کائن فیکم یا مستقر فی" اور دوسری ضمیر مجرور اور بار ہے یعنی "کُمۡ" اب معنی یہ ہوا کہ حال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے میں ہیں اور وہ ایسی حالت میں ہے تبدیل و تغیر چاہتے ہو یا تم ایسی ہر حالت پر ہو وہ یہی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سے حوادث (امور) میں تمہاری تابعداری کریں اگر وہ ایسا کریں تو تم جہد و ہلاکت میں پڑو گے۔ اس تقریر پر لو یطیعکم الخ اس حال کی تغییر کے وجوب کی دلیل ہے جو حال کے قائم مقام ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نے ولید کی بات سن کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایسی باتیں کیں کہ جس سے آپ بنو المصطلق کے ساتھ جنگ کی تیاری

کریں - لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات نہ مانی -

حل لغات : العنت (محرکۃ) بمعنی الفساد والاثم والہلاک اور انسان پر مشقت کا دخول (القاموس) اہل عرب کہتے ہیں "عنت فلان" فلاں ایسے امر میں واقع ہے جس سے ضائع ہونے کا خوف ہو (المفردات) یہ باب رابع سے ہے، جیسے (طَرِبَ یَطْرُبُ طَرَبًا) اور زمخشری نے کہا العنت بمعنے الکسر بعد الجبرة تکمیل کے بعد ٹوٹ جانا (تاج المصادر) میں ہے بمعنے نقصان والا ہونا اور ایسے میں واقع ہونا کہ جس سے باہر آنا مشکل ہو جائے اور ہڈی کا صحیح ہونے کے بعد ٹوٹ جانا اور اللہ تعالیٰ کے قول "لمن خشی العنت منکم" میں العنت بمعنے فجور و زنا ہے اسی محاورہ سے ہے - جب کوئی مسلمان دار الحرب میں قیدی ہو جائے تو اس کے لئے کہتے ہیں "اذا خشی العنت والفجور لاباس بان یتزوج امرأة منهم" (جب اسے زنا اور فجور کا خطرہ ہو تو اسے جائز ہے کہ وہ دار الحرب میں ان کی کسی عورت سے نکاح کر لے)

قاعدہ لغویہ: عین - نون - تاء کا اجتماع مشقت پر دلالت کرتا ہے -

فائدہ : "لو یطیعکم" کا مضارع دلالت کرتا ہے کہ ان کا امتناع عن العنت بوجہ استمرار عدم اطاعت الرسول کے ہے اس لیے ان کا مشقت میں پڑنا اس پر موقوف تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اطاعت کریں لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی اطاعت ممتنع ہے اسی لیے ان کا مشقت میں پڑنا بھی ممتنع ہے اس لیے کہ اس طرح اصلی مقصد الٹ ہو جاتا ہے اور رئیس کو مرؤس بنانا پڑتا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی اطاعت نہ کرنا نادر الوقوع ہے بلکہ محال و ممتنع ہے - قاعدہ علم البلاغۃ کا قاعدہ ہے کہ لو ماضی میں شرط کے لئے ہے یعنی حصول مضمون جزاء کی تعیین حصول مضمون شرط پر معلق ہے بالفرض اگر شرط منتفی ہے تو جزاء لازماً منتفی ہو گی اسی لیے اثبات اور زمانہ ماضی شرط میں نہیں تو جزاء میں بھی ایسے ہو گا کیونکہ ثبوت تعلیق کے منافی ہے اور مضارع ماضی کے - اسی لیے جب لو ماضی کو چھوڑے گا تو اس میں کوئی نکتہ ملحوظ ہو گا وہ یہی کہ اس میں زمانۂ ماضی کا استمرار مطلوب ہے اور وہ فعل اطاعت ہے وہ یہی ہے کہ تمہارا مشقت میں پڑنا اس لیے ممتنع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دائماً تمہاری اطاعت کرنا ممتنع ہے اس سے معلوم ہوا کہ مضارع یہاں استمرار کے لئے ہے اس پر لو کا دخول امتناع استمرار کا فائدہ دے رہا ہے -

"وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ" (لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان پیارا کیا ہے)

یہ تجرید خطاب کے لئے ہے اور اسے بعض کی طرف متوجہ کرنا ہے بطریق استدراک کے اور بیان کرنا ہے کہ یہ لوگ ان پہلے اوصاف والوں میں سے نہیں بلکہ اب ان کے محامد بیان کیے جا رہے ہیں یعنی وہ کاملین جو ہر کسی خبر پر اعتماد نہیں کرتے ۔

حل لغات : التحبیب بمعنے دوست کرنا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایمان کو تمہاری نظروں میں محبوب بنایا " وَزَيَّنَهُ " اور اسے سنوارا " فِي قُلُوبِكُمْ " تمہارے دلوں میں یہانتک کہ اس کی محبت تمہارے دلوں میں راسخ ہو چکی ہے اسی لیے تمام وہ اقوال و افعال عمل میں لاتے ہو جو اس کے لائق ہیں ۔

فائدہ : عین المعانی میں ہے کہ وہ ایمان تمہارے دلوں میں ہے نہ صرف زبانوں پر ۔ اس میں کرامیہ (فرقہ) کا رد ہے (کہ وہ ایمان صرف زبان کے اقرار کا کہتے ہیں) اور نہ ہی صرف اعضاء سے ۔ اس میں شفعویہ (فرقہ) کا رد ہے (وہ ایمان صرف اعمال صالحہ کو سمجھتے ہیں) " وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ " اور اسے ناگوار تمہارے سے کفر و فسق و عصیان کا صدور) اسی لیے تم ان امور یعنے آثار و احکام سے اجتناب کرتے ہو جن میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو ۔

حل لغات : التکریہ بمعنے بغض ڈالنا اور بغض حب کی نقیض ہے بمعنے نفس کا اس سے نفرت کرنا جو اسے ناگوار ہے اور حب بمعنے نفس کا اس طرف رغبت کرنا جو اسے پسند ہے ۔

فائدہ : چونکہ تحبیب و تکریہ بمعنے انہاء المحبۃ و الکراہتہ یعنے ان کا ان کی طرف پہنچانا اسی لیے انہیں لفظ الیٰ سے استعمال کیا گیا ہے ۔

فائدہ : فتح الرحمن میں ہے کہ تحبیب و تکریہ من اللہ کا معنیٰ ہے اس کا لطف و امداد کی توفیق بخشی اور کفر بمعنے انکار کر کے نعم الٰہی کو چھپانا ۔ فسوق بمعنے نفس پر ظلم کر کے میانہ روی سے نکل جانا ۔ عصیان بمعنے فرمانبرداری سے رکنا اور یہ تمام گناہوں کو شامل ہے اور فسوق کبیرہ گناہوں کے ساتھ خاص ہے " أُولَٰئِكَ " وہ لوگ جو " ولکن اللہ الخ " سے مستثنیٰ کیے گئے ہیں " هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝ " وہی ہیں اس سیدھے راستہ پر چلنے والے جو موصل الی الحق ہے ۔

فائدہ : آیت میں عدول و تلوین ہے کہ خطاب سے شروع کر کے صیغہ غیب پر ختم فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ جس کا یہی حال ہو وہی مدح کے لائق ہے (کذا قال ابو اللیث)

"فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً" (اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے) یہ حبب وکرہ کی تعلیل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ یہ راشدین کی تعلیل نہیں اس لیے کہ فضل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور رشد بھی اگرچہ اسی کا فعل ہے کیونکہ مسبب ہے اس کے فعل سے لیکن پھر بھی اس کا اسناد راشدین کی ضمیر کی طرف ہے اور رشد کا سبب تحبیب وتکریہ ہے اور فعل کے اسناد ظاہری کا اعتبار ہوتا ہے اور رشد کا فاعل اس وقت وہی لوگ (ممدوح) ہیں اسی لیے اس کا اسناد اسی طرف ہوگا نہ کہ اس کے ایجاد کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف۔ اور ظاہر ہے کہ اس وقت فعل رشد کا اسناد قوم (ممدوح) کی طرف ہے۔ جب یہ بات ہے اب سوال پیدا نہیں ہوتا کہ فضل وانعام اور رشد میں اتحاد ہوگیا لیکن ہم نے فرق بتادیا کہ فضل وانعام کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور رشد کا قوم کی طرف "وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ" (اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے وہی اہل ایمان کے احوال کو خوب جانتا ہے اسی لیے اپنی حکمت سے انہی پر ہی فضل وکرم ہوتا ہے اور انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے "حَکِیْمٌ" جو کچھ کرتا ہے اپنی حکمت کے تقاضا پر کرتا ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدق وکذب کو جانتا ہے اور اس کے کام بندوں کے حق میں مستحکم ہیں اور اس کی حکمتیں ہیں کہ بچی اور مضبوط خبریں دیتا اور فرماتا ہے کہ نار جہنم کا عذاب بندوں کے اپنے فتنوں اور اعمال کا نتیجہ ہے۔

؎

ہرگز سخنان فتنہ انگیز مگو
وآن درست کہ ہست فتنہ آن نیز مگو
خاموش کن وگرچہ چارہ نداری زسخن
شوخی مکن وتند مشو تیز مگو

ترجمہ۔ فتنہ انگیز باتیں ہرگز نہ کہہ اگرچہ وہ بات سچی ہے لیکن فتنہ انگیز۔ تب بھی نہ کہہ۔ خاموشی اختیار کر اگر بات کرنے سے نہیں رک سکتے تو شوخی نہ کر تند نہ ہو تیز بات نہ کہہ۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ مومن فسق ومعصیت سے محبت نہیں کرتا جب وہ کسی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو بھی شہوت وغفلت سے مبتلا ہوتا ہے نہ کہ گناہ سے محبت کی وجہ سے بلکہ بسا اوقات مومن گناہ میں مبتلا بھی ہوتا ہے لیکن حالت حضور میں

بھی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس میں ہی قضائے الٰہی کا نفاذ ہے (تو سر تسلیم خم ہے)۔

حکایت: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں کہ مجھے ایک صالح انسان نے خبر دی ہے کہ میں فلاں عالم دین کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن وہ اس وقت نفسانیت کے پنجہ میں گرفتار ہو کر کسی برائی کے ارتکاب میں تھا (شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں میں بھی اس عالم دین کی اس کیفیت سے آگاہ ہوں، مجھے اس کے ہاں ایک دفعہ اکٹھا ہونا پڑا) وہی صالح انسان کہتا ہے کہ جب میں اس کے مکان پر دروازہ کھٹکایا تو مجھے اندر آنے سے روک دیا اس لیے کہ وہ ایک نامشروع فعل کے ارتکاب میں مصروف تھا۔ میں نے کہا میں ضرور آؤں گا خواہ آپ نہ چاہیں جواب دیا کہ میں ایک نامشروع فعل کا ارتکاب کر رہا ہوں، میں نے کہا میں ضرور چلا آؤں گا۔ ناچار اجازت دے دی لیکن وہ اس وقت اس فعل نامشروع یعنی شرابخوری سے فارغ ہو چکے تھے کسی نے کہا کہ حضرت فلاں کو خط لکھو تاکہ تھوڑا سا شراب بھجوا دے فرمایا کہ میں نہیں لکھتا اور نہ ہی میں ایسا بُرا فعل چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اصرار کو میرا جی نہیں چاہتا۔ اب بھی جو گناہ کر لیتے ہے وہ بھی بخدا کہ جب بھی شراب کا پیالہ منہ سے لگاتا تو پی کر فوراً توبہ کر لیتا اور اپنی حالت کو دیکھتا تو یہی محسوس ہوتا کہ پھر نہیں پیوں گا لیکن جب ساقی شراب کا پیالہ لاتا تو شامت نفس سے مبتلا ہو کر پی لیتا لیکن بدستور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور تائب ہو جاتا اس ارتکاب پر میرا تصور تک نہ ہوتا کہ گناہ کروں لیکن مبتلا ہو جاتا۔ وہ صالح انسان فرماتا ہے کہ اس عالم دین سے مجھے تعجب آتا کہ گناہ میں مبتلا بھی ہے لیکن حضور حق سے بھی غافل نہیں۔

سبق: چاہیئے کہ انسان گناہ کے اصرار سے بچے بلکہ اپنی ہر حالت میں توبہ کر کے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو فوراً تائب ہو جانا چاہیئے ؎

طریقے بدست آرد صلح بجوی
شفیعی بر انگیز د عذرے بگو
کہ یک لحظہ صورت نہ بندد آں
چو پیمانہ پُر شد بدور زماں

ترجمہ۔ طریقہ صحیح ہاتھ میں کر کے صلح کی تلاش کر۔ سفارشی کھڑا کر اور عذر کہہ۔ کہ ایک لحظہ کی مہلت نہ ملے گی کہ جب دور زمان کا کاسہ پُر گیا (یعنی موت آگئی تو پھر توبہ کا وقت نہ ملے گا۔

تفسیر عالمانہ: "وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا" اور اگر دو گروہ اہل ایمان کے لڑیں۔

سوال۔ اقتتلتا ہونا چاہیئے کیونکہ طائفتان کا تقاضا ہے کہ تثنیہ مؤنث کا صیغہ ہو۔

جواب۔ چونکہ ہر گروہ ایک مجمع ہوتا ہے اسی لیے ان کے معنیٰ کا اعتبار کر کے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ طائفہ گنتی میں فرقہ میں کم ہوتا ہے جیسا کہ "فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ" سے معلوم ہوتا ہے۔

جوابِ ترکیب: طائفتان فاعل ہے اس کا فعل محذوف ہے کیونکہ ان شرطیہ کو فعل چاہیئے نہ کہ اسم وہ فعل لفظاً ہو یا تقدیراً" یہاں تقدیراً ہے کہ دراصل "وان اقتتل طائفتان من المومنین اقتتلوا الخ تھا چونکہ فعل اقتتل کا مفسر اقتتلوا جملہ میں آگیا ہے پھر مفسر محذوف کر دیا گیا تاکہ مفسِر مفسَر کا اجتماع لازم نہ آئے (اسی لیے اقتتلوا اپنے مقام پر صحیح ہے اب تاویل کی ضرورت نہیں)۔

حل لغات: القتل بمعنے روح کا جسم سے زائل کرنے "فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا" تو ان کے درمیان اصلاح کرو۔" اب بینہما میں تثنیہ کی ضمیر طائفتان کے لفظ کے اعتبار سے ہے

حل لغات: صلاح بمعنے حالت مستقیمہ نافعہ کا حصول الاصلاح بمعنے شے کو اسی حالت مستقیم نافعہ پر کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان دو گروہوں کی حالت درست کرو حکم الٰہی کی طرف نصیحت یاد عاء سے۔

ملفوظ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کی خیر خواہی کر کے اس سے تعلق جوڑا اور اس کی دنیوی حیثیت کو سنوارا تو اس نے تعلق کا حق ادا کیا۔

فائدہ: حضرت معروف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بندوں کا سب سے بڑا خیر خواہ ملائکہ کو پایا ہے اور سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان کو دیکھا۔

نسخے ہی نسخے: جس نے سلاطین سے خیر خواہی کو اور اطباء سے مرض کو اور بھائیوں سے آپس کے انتشار کو چھپایا اس نے اپنے نفس سے خیانت کی۔

مسئلہ: جب لوگوں میں فساد برپا ہو ان کی اصلاح کرنا افضل طاعات و اتم القربات سے

ہے ایسے ہی مظلوم کی مدد کرنا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ کام نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے نماز اور صدقہ سے افضل ہے۔ عرض کی گئی ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے فرمایا جھگڑے والوں کی اصلاح۔

لقمان حکیم کی حکمت: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو فرمایا کہ جو کہے کہ شر شر کو مٹاتا ہے اس کی بات جھوٹ سمجھ اگرچہ وہ ہر کسی بات میں سچا ہے کیونکہ دو آگیں جلا کر دیکھو کیا وہ جلاتی ہیں یا کیونکر۔ ہاں یوں ہوسکتا ہے کہ آگ کو پانی بجھاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم مسلم کا بھائی ہے تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے نہ اسے عیب لگاتا ہے نہ اس کے مکان وغیرہ پر اپنا مکان اونچا بناتا ہے جس سے اس کی ہوا وغیرہ رک جاتی ہے (ہاں اگر اس کی اجازت ہو تو پھر جائز ہے) اور نہ ہی ہانڈی اس سے روکتا ہے ہاں اگر اس سے اس کو سالن کا حصہ دے تو پھر کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اپنے بچوں کے لئے ایسے میوے خریدے جس سے دوسروں کے بچے منہ دیکھتے رہیں ہاں اگر ان کو بھی اس سے حصہ دے تو درست ہے۔

مسئلہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ دوسروں کی مصلحتوں میں کوشش کرنا بہترین قربات میں سے ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام اندھیروں میں چل کر اپنی اہلیہ کے لئے آگ تلاش کرنے کو نکلے تاکہ وہ سردی سے بچیں اور اپنی ضروریات پوری کریں جو اس کے بغیر وہ ضروریات پوری نہ ہوسکتی تھیں تو اس سے کیسا بہترین نتیجہ نکلا کہ انہیں سماع کلامِ ربانی نصیب ہوا جو آگ سے بلاواسطہ اس کا کلام سن رہے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اس میں کلام کی جو ان کی عین ضرورت تھی یعنے آگ میں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور تک نہ تھا بلکہ ان کا تو خیال تھا کہ اپنے عیال کی ضروریات کو پورا کروں لیکن ان ضروریات کی سعی میں اللہ تعالیٰ نے انہیں انتباہ فرمادیا کہ میرے بندوں کی مصلحتوں میں سعی کرنے سے ایسا انعام نصیب ہوتا ہے اسی لیے وہ آئندہ اس کے بندوں کی مصلحتوں کو پورا کرنے میں اور زیادہ حرص کریں۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان دشمنوں سے فرار بھی اسی قبیل سے ہے کہ وہ آپ کے

قتل کی طلب میں تھے اور آپ ان سے بھاگے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے آپ کو حکم اور رسالت سے نوازا چنانچہ فرمایا کہ" ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی حکما وجعلنی من المرسلین " (تو میں تم سے بھاگا جب میں تم سے ڈر کر نکلا تو میرے رب تعالیٰ نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں سے بنا دیا) یاد رہے کہ آپ کا فرار بھی غیر کی مصلحت کے لئے تھا وہ غیر ان کا نفس ناطقہ مالکہ تھا جو ان کے بدن کی تدبیر میں لگا رہتا تھا یہ بھی یاد رہنا چاہیئے اکابر (انبیاؑ و اولیاؒ) کا فرار اپنے لیے نہیں بغیروں کی خیر خواہی کے لئے ہوتا ہے اسی لیے کہنا پڑے گا کہ موسیٰ علیہ السلام کا فرار نفس حیوانیہ کے لئے تھا (نہ کہ اپنی ذات کے لئے)

(۳) خضر علیہ السلام کا (سکندر کے زمانہ میں) نکلنا بھی اسی لیے تھا کہ آپ لشکر کے لئے پانی کی تلاش میں نکلے جو آپ کے ساتھ تھا جو پانی کے پیاسے تھے کیونکہ پانی سرن سے ختم ہو چکا تھا تو آپ بھاگتے بھاگتے چشمہ حیوۃ تک پہنچ گئے اس سے آپ نے پانی پیا تو آج تک انہیں دائمی زندگی مل گئی حالانکہ انہیں اس وقت علم نہ تھا کہ جو اس پانی کو پیئے گا وہ دائماً زندہ رہے گا جب واپس آکر لشکر کو بتایا تو وہ آب (حیات) کی تلاش میں نکلے تاکہ وہ بھی پیاس بجھائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں سے وہ چشمہ چھپا دیا۔ اور وہ آب حیات نہ پا سکے جیسا کہ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

سکندر را نمی بخشند آبے
بزور و زر میسر نیست ایں کار

ترجمہ ۔ سکندر کو آبحیات نہیں بخشتے کیونکہ زور و زر سے ایسے کام حاصل نہیں ہوتے ۔

سبق : دیکھئے انہیں ایسی سعی سے کتنا انعام ملا تمہیں بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے ۔

شان نزول : یہ آیت اوس و خزرج کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں سعف (کھجور کی سوکھی ٹہنیاں) اور نعال (جوتوں) سے جنگ کرنے پر نازل ہوئی ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن انصار کی ایک جماعت سے گذرے ان میں عبد اللہ بن ابی منافق بھی تھا آپ گدھے پر سوار ہو کر انہیں کچھ نصیحتیں دے رہے تھے آپ کے گدھا نے وہاں پیشاب کیا یا لید کی عبد اللہ

بن ابی منافق نے ناک پر ہاتھ رکھ کر کہا اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) چلے جائیے اپنے گدھے کی بدبو سے ہمیں بچائیے اس کی بدبو سے ہمیں آپ نے ایذا دو دیا جس نے تمہیں دعوت دی ہے اس کو جاکر وعظ سناؤ یہ بات (گستاخی) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سن لی اور عبداللہ بن ابی منافق کو فرمایا:۔

الحمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقول ھذا واللہ ان بول حمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطیب رائحۃ منک (روح البیان صؔ ۷۹ ج ۹)	تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گدھا مبارک کے لئے ایسے کہتا ہے بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گدھا کا پیشاب تجھ سے زیادہ خوشبو ناک ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو عبداللہ بن ابی منافق خزرجی کی بات سن کر چلے گئے لیکن عبداللہ ابن ابی منافق اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اوسی رضی اللہ عنہ کے درمیان بات بڑھ گئی یہاں تک کہ ایک دوسرے کے درمیان گالی گلوچ اور سخت کلامی ہوئی۔ دونوں کی برادری نے جب ان کی سخت کلامی سنی تو دونوں قبیلے کے لوگوں نے ڈنڈوں یا جوتوں سے اور ہاتھا پائی یا تلوار تک لڑائی شروع کر دی تو یہ آیت اتری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس تشریف لائے اور انہیں یہی آیت پڑھ کر سنائی اور پھر آپ نے ان کی آپس میں صلح کرادی۔

سوال ۔ آیت میں مومنین کا لفظ صریح ہے اور عبداللہ بن ابی تو منافق تھا اس پر مومن کا اطلاق کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب ۔ واقعی عبداللہ بن ابی منافق تھا لیکن اس کی برادری کے لوگ تو اکثر مومن تھے اور آیت میں طائفۃ کا لفظ ہے تو آیت میں وہی مومن مراد ہیں۔

جواب۲ ۔ مومنین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ایمان ظاہر کیا عبداللہ بن ابی منافق سہی لیکن ایمان تو ظاہر کرتا تھا آیت میں مطلق مومن ہے۔ حقیقی ہو یا مدعی۔

فائدہ: بعض نے اس کے علاوہ اور شانِ نزول بھی بیان کیے ہیں تو اس کے لئے یہی کہا جائے گا کہ ساری روایات اگرچہ صحیح سہی تو ممکن ہے کہ ان تمام واقعات کے بعد آیت نازل ہوئی ہو۔

فائدہ: ابن بحر نے فرمایا کہ قتال جوتوں سے نہیں ہوتا اور نہ ہی صرف ہاتھا پائی کا نام قتال ہے تو ممکن ہے اس قسم کی لڑائی بعد کو کوئی ہو۔ (واللہ اعلم)

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تحقیق: فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہ) کہتا

ہے کہ قتل بمعنے ایسا فعل کہ جس سے روح نکل جائے جیسے آلہ حرب سے مارنا یا لوہے والی شے سے مارنا اگرچہ لکڑی سے مارنا وغیرہ وغیرہ کہ جس سے انسان کے اجزاء ٹکڑے ہو جائیں اور سعف (کھجور کی خشک ٹہنیاں) بھی ان لکڑیوں سے گنی جاتی ہے جو جسم کے کاٹنے کا کام کرتی ہیں اور جوتے بھی بسا اوقات وہی کام کر جاتے ہیں جو لکڑی کر سکتی ہے جیسے ہم نے بارہا مشاہدہ کیا ہے بالخصوص گنواروں کے جوتے علاوہ ازیں قتال کبھی مجازاً مطلقاً لڑائی اور ایک دوسرے کو مارنے پر مستعمل ہوتا ہے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ اقدس میں اس قسم کے جھگڑے عموماً ہو جاتے تھے اسی بنا پر اسے قتال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نکتہ: اِنْ حرف شرط کے ساتھ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ مومن سے ایسا کام ناممکن ہے اگر بالفرض ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے علاوہ ازیں خصوصی حکم۔

شانِ نزول: عموم کے منافی نہیں تو یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے) "فَاِنْ بَغَتْ" پھر اگر کوئی بغاوت اور تجاوز کرے۔

حل لغات: اہل لغت کہتے ہیں "بغی علیہ بغیًا" اس پر غلبہ اور ظلم اور حق سے عدول کیا اور بلندی اختیار کی (القاموس) در اصل بغی بمعنے اس شے کی طلب جس کا وہ مستحق نہیں کیونکہ بغی بمعنے طلب آتا ہے "اِحْدٰىهُمَا" ایک ان کا اور ہے وہ بھی مبطل "عَلَى الْاُخْرٰى" دوسرے پر اور ہے یہ حق والا اور وہ باطل والا نصیحت بھی قبول نہیں کرتا "فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ" جو باغی ہے اس سے لڑو یعنی باغی گروہ سے لڑو "حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ" یہاں تک کہ وہ باغی گروہ امر الٰہی کی طرف لوٹ آئے کیونکہ فئ بمعنے حالت محمودہ کی طرف رجوع ہے اور "امر اللہ" اللہ تعالیٰ کا وہ حکم مراد ہے جو اس نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا یعنی صلح صفائی اور عداوت اٹھا دینا یا امر الٰہی اس کا وہ امر جو اس نے طاعت کا فرمایا ہے جس پر "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" دلالت کرتا ہے۔ پہلی مراد واحد الامور اور دوسری پر واحد الاوامر مقصود ہوگا۔

سوال۔ سایہ کو فئ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب۔ سورج کے زوال کے بعد سایہ دوسری طرف رجوع کرتا کیونکہ سورج جونہی بلند ہو جائے گا سایہ اتنا ہی گھٹتا جائے گا یہاں تک کہ سورج خط نصف النہار تک جب پہنچے گا سایہ ختم ہو جائے گا پھر جونہی ڈھلے گا سایہ دوسری طرف رجوع کرنا شروع کر دے گا۔

سوال ۔ سایہ کو زوال کی طرف کیوں مضاف کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں فیءُ الزوال ۔
جواب ۔ چونکہ سورج کا زوال ہی سایہ کے وجود کا سبب ہے اسی لیے اس کی طرف مضاف ہوتا ہے ۔

فائدہ : غنیمت کو بھی فیءُ کہا جاتا ہے اس لیے وہ مال کفار سے زائل ہو کر مسلمانوں کی طرف رجوع کرتا ہے اس لیے اسے فیءُ سے تعبیر کرتا ہے ۔

سوال ۔ چونکہ رجوع تو اس طرف ہوتا جو پہلے وہ شے اس میں ہو یہ مال تو پہلے مسلمان کا نہیں تھا پھر اس پر فیءُ کا اطلاق کیسے صحیح ہوگا ؟
جواب ۔ چونکہ مسلمانوں کو مال سے ہی طاعت الٰہی پر قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ مال اس طاعت کا ایک سبب ہے اور ہر شے اللہ تعالیٰ کی ہے تو گویا وہ طاعت کی وجہ سے اصل مال مسلمانوں کا تھا جو ان کی طرف لوٹتا ہے ۔

حکایت : اصمعی (ادیب) چند بچوں پر گذرے ان میں ایک لڑکا بچوں سے جنگل میں کھیل رہا تھا اور تھا وہ فصیح و بلیغ اصمعی نے اس سے امتحان کے طور کہا " این ابیك " چونکہ یہ جملہ غلط تھا وہ لڑکا خاموش رہا پھر کہا " این اباك " یہ جملہ بھی غلط تھا اس لیے خاموش رہا پھر کہا " این ابوك " (تیرا ابو کہاں ہے) چونکہ یہ جملہ صحیح تھا اس لیے جواب میں کہا " فاء الی الفیفاء لطلب الفیءُ فاذا فاء الفیءُ فاء " بمعنے رجع ۔ یعنی لوٹا وہ ترجمہ جنگل میں کچھ لینے گیا اس وقت لوٹے گا جب سایہ ڈھلے گا ۔

" فَاِنْ فَاۗءَتْ " پس اگر وہ لڑائی سے باز آجائے تمہاری جنگ کے ڈر سے " فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ " تو ان کی آپس میں اصلاح کرو انصاف سے یعنی ان کے درمیان حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کرو ۔ ان کے ساتھ بائیکاٹ پر اکتفا نہ کرو کہ تمہاری اس ڈھیل سے ان کے درمیان کسی وقت جنگ نہ چھڑ جائے ۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

جوئبار ملک را آب سر شمشیر تست
خوش درخت بنشان بیخ بدخواہاں بکن

ترجمہ ۔ ملک کی نہر کا پانی تیری تلوار ہے ۔ اچھا درخت بو اور دشمنی کی جڑ کاٹ دیتا ہے ۔

فائدہ : کیخسرو نے کہا کہ صلح کا طالب ہے اس سے جنگ کرنا بہت بڑا گناہ ہے ۔

اس دوسری آیت میں عدل کی قید اس لیے ہے کہ اس میں ظلم واقع ہونے کا گمان ہے
نکتہ: کیونکہ جنگ چھڑ جانے کے بعد عدل ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور یہ عموماً کینہ اور بغض پیدا کرتا ہے پھر اسے اور مؤکد فرمایا " وَاَقْسِطُوْا " اور جو عمل کرو اور جس امر سے رکو اس میں انصاف کرو۔

حل لغات: " اقسط " بمعنے ازال " القسط " اس نے ظلم کو ہٹایا ، القسط (بالفتح) بمعنے الجور (ظلم) کہا جاتا ہے اذا جاء القسط (بالکسر العدل) زال القسط (بالفتح الجور) جب عدل آتا ہے ظلم ہٹ جاتا ہے۔ بعض نے کہا اقساط بمعنے کسی کو اس کا حصہ دینا اور یہی انصاف ہے " اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ " بیشک اللہ تعالیٰ انصاف والوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان انصاف والوں سے جو حقدار کو حق دیتے ہیں تو انہیں بہتر جزا دے گا حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا ؎

عدل را شکر ہست جان فزا
عدل مشاطہ رعیت ملک آراہو
عدل کن زانکہ در ولایت دی
در پیغمبری زند عادل

ترجمہ۔ " عدل کی جزا جان فزا ہے عدل ملک کی دایہ ہے سنوارنے والی۔
عدل کر اس لیے کہ دل کے ملک میں عادل پیغمبری کا دروازہ ہے "۔
حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

شاہ بہ بود از طاعت صد سالہ وزہد
قدر یکساعت عمرے کہ درو داد کند

ترجمہ۔ بادشاہ کے لئے سو سال کی طاعت اور زہد سے بہتر ہے زندگی کی وہ ایک ساعت جس میں وہ انصاف کرے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس میں انصاف کی عادت ہو وہی حقیقۃً بادشاہ ہے اس لیے کہ ایسے کو خطاب الٰہی نے خلیفہ بنایا کیونکہ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں عہد الٰہی کے بغیر ہی اپنے طور عدل کیا تو انہیں بھی حق کی طرف اسناد نصیب ہوا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا " ولدت فی زمان الملک العادل " میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا اس سے کسریٰ

(نوشیرواں) مراد ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوشیرواں کو بادشاہ کہہ کر اسے عادل سے موصوف فرمایا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ نوشیرواں کافر تھا اس نے انصاف تو کیا لیکن منزل شرع سے ہٹ کر لیکن وہ نائب حق ٹھہرا لیکن ہزاروں پردے اس کے آگے لٹکے رہے یعنی حق سے دور ومحجوب ہو کر لیکن اس حکم سے وہ بادشاہ خارج ہیں جو رعایا میں انصاف نہ کر سکے جیسے فرعون اور ان کی طرح دیگر ملوک کہ وہ حدود اللہ میں منازعت کرنے والے اور جناب الٰہی کے ساتھ مقابلہ کرنے والے جبکہ وہ اس کے رسولوں سے مقابلہ کیا ایسے بادشاہ نہ خلفائے الٰہی میں رسل کرام علیہم السلام کی طرح اور نہ اس کے نائب جیسے ملوک عادلین بلکہ شیاطین کے بھائی ہیں کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

شہ کسریٰ از ظلم ازان سادہ است
کہ در عہد او مصطفیٰ زادہ است

ترجمہ۔ بادشاہ کسریٰ کا دور ظلم سے اس لیے خالی ہے کہ اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: گویا نوشیرواں کے دور کا عدل وانصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا عکس تھا[1] اسے اچھی طرح سمجھ لے (تا کہ وہابیت کا شکار نہ ہو سکے)۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ بغاوت سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ ان دو گروہوں میں بغاوت کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن کہا ہے زیادہ سے زیادہ اسے فاسق کہا جا سکتا ہے وہ بھی صرف اس وقت جب جنگ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن کی صفت سے موصوف فرمایا ہے (رد معتزلہ وخوارج) اس سے معتزلہ وخوارج کے مذہب کا رد ہوا کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہو جاتا ہے (اس سے شیعہ وروافض کا بطلان بھی ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک جس نے بھی ائمہ دوازدہ کے خلاف کیا وہ کافر ہو گیا خواہ وہ اہلبیت کے افراد بھی کیوں نہ ہوں تفصیل کے لئے دیکھیے فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب"۔ اضافہ اویسی غفرلہ)۔

---

[1] روح البیان کی اصل عبارت یوں ہے "کان عدلہ من انعکاس نورانیتہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فاعرفہ ھذا (ص ۶ ج ۹)

ارشاد سیدنا علی المرتضیٰ در تردید شیعان بے وفا: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا (اہل جمل و صفین کی جنگ کے بارہ میں اور آپ ہی اس سوال کے بعد جواب پر ہمارے مقتدا ہیں اور آپ ہی اس کے زیادہ حقدار ہیں جو فرمائیں اور ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم ان کی اقتداء کریں)۔

سوال - اَمُشْرِکُوْنَ هُمْ (کیا وہ مشرک ہیں)

جواب - لا من الشرک فروا (نہیں وہ تو شرک سے بھاگ کر اسلام میں آئے)

سوال - امنافقون هم (کیا وہ منافق ہیں)

جواب - لا ان المنافقین لایذکرون اللّٰہ الا قلیلا (نہیں، منافقین تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں۔)

سوال - فما حالهم (تو پھر وہ کون ہیں ہم انہیں کیا سمجھیں۔

جواب - اخواننا بغوا علینا (وہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے اوپر بغاوت کی)

نتیجہ از اویسی غفرلہ: جب ہمارے امام اور پیر و مرشد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکریوں کو اور بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر جملہ اصحاب جمل (جنگ) کو بھائی فرما رہے ہیں پھر ہمیں کس نے حق دیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو کافر کہیں۔ اس سے تو الٹا ثابت ہو رہا ہے کہ جو جنگ صفین و جنگ جمل والوں کو کافر یا لعنتی یا برا بھلا کہتا ہے تو وہ الٹا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغاوت کر رہا ہے کیونکہ وہ انہیں نہ کافر مانتے ہیں نہ منافق بلکہ بھائی کے خطاب سے نوازتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا جو ایسا باغی جنگ ترک کر دے تو گویا اس نے بغاوت کا ارتکاب نہ کیا اس لیے کہ وہ صلح صفائی کر کے امر الٰہی کی طرف رجوع کر چکا ہے۔

تبصرہ اویسی غفرلہ: جنگ جمل اور صفین نہ صرف بند ہوئی بلکہ حضرت علی اور حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی صلح صفائی ہو گئی لیکن شیعہ و خوارج تا حال اس جنگ کے قصے چھیڑ کر خود باغی بن رہے ہیں۔ جنگ جمل کی سربراہ ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں آپ کے فضائل و مناقب و کمالات بیشمار ہیں۔

مسئلہ: جو باغی کے مقابلہ میں ہے اس کی مدد کرنا واجب ہے جبکہ باغی کو نصیحت اور مصالحت کی کوشش کی گئی اور وہ نہ مانا جس پر " فاصلحوا بینہما " دلالت کرتا ہے اس لیے کہ بغاوت کے وقت دونوں گروہوں کو نصیحت و مصالحت کی پیشکش ضروری ہے جب نہ مانیں تو پھر حق والے کی مدد لازم ہے اور بہت سے امور نصیحت و مصالحت میں بخیر و خوبی سرانجام ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: شرعی باغی وہ ہے جو امام عادل سے بغاوت کرے اور اس کی تفصیل فقہ کے باب البغات میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طائفتان سے روح و قلب اور عقل و طبع اور ہوا و شہوت مراد ہے کیونکہ طبع و ہوٰی و شہوت کی بغاوت عقل و قلب و روح پر ہوتی ہے ان کا سالک سیوف مراقبہ و سہام مطالعہ اور انوار موافقہ سے مقابلہ کرتا ہے تاکہ روح و عقل غالب اور ہوٰی و شہوت مغلوب ہو جائیں۔

دوسری تقریر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب نفس شہوات کے استیلاء و استعلاء سے قلب پر ظلم کرتا ہے تاکہ وہ فساد پذیر ہو تو پھر مجاہدہ کی تلوار سے اس کا مقابلہ کیا جائے یہانتک کہ نفس کی شہوات چور چور ہو جائیں اگر وہ طاعت کے لیے مان جائے تو پھر اسے معاف کر دیا جائے کیونکہ وہ اب باب الٰہی کی طرف جانے والا ہے لیکن قلب اور نفس کے درمیان انصاف ضروری ہے تاکہ قلب نفس پر ظلم نہ کر سکے (اور نہ ہی اس کے برعکس) اس لیے کہ (حدیث شریف میں ہے) تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اصلاح بال و اعتدال حال کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ " بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔"

حل لغات: " اخوة " اخ کی جمع ہے جو ولادت میں ایک دوسرے کے شریک ہوں یا رضا (دودھ پینے میں) ایسے ہی مجازاً قبیلہ کی شرکت کی وجہ سے بھائی بھائی ہوتے ہیں ایسے ہی دین میں یا کسی صنعت میں شرکت کی وجہ سے یا معاملات میں یا معیت و پیار میں ایسے ہی دیگر مناسبات سے ایک دوسرے کے بھائی کہلاتے ہیں۔

خلّت واخوت کا فرق: جب صداقت قوی ہو جاتی ہے تو اسے اخوت کہا جاتا ہے اور جب اس میں اضافہ ہو تو وہ خلت ہوتی ہے۔

فائدہ: حضرت جنید قدس سرہ سے اخ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا در اصل وہی تو خود ہے صرف قالب کا فرق ہے کہ وہ اور ہے اور تو اور (یعنی بھائی کے لئے وہی دکھ سکھ سمجھے جو اپنی ذات کے لئے) بعض اہل لغت نے فرمایا کہ اخوۃ اخ کی جمع ہے نسب سے اخوان اس اخ کی جمع ہے جو صداقت سے ہو اور وہ ایک دوسرے کی جگہ پر مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔

حدیث شریف: مں ہے آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مومنون دراصل ایک نسبت سے منسوب ہیں یعنی ایمان کی طرف جو دائمی حیات کا موجب ہے۔ جیسے اخ نسبی بھی ایک نسبت کی طرف منسوب ہے یعنی اب (باپ) کی طرف جو حیات فانی کا موجب ہے۔ آیت میں تشبیہ بلیغ ہے جو ایمان کو اب سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے اب حیات ظاہری کا موجب ہے ایسے ہی ایمان حیات باطنی کا سبب ہے "فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" تو دو بھائیوں کی آپس میں صلح وصفائی کراؤ۔ فاء خبر دیتی ہے کہ اخوت دینی اصلاح کی موجب ہے۔ مظہر کو مضمر کے بجائے اور پھر ماموریں کی طرف اضافت میں مبالغہ ہے وجوب اصلاح کی تاکید میں اور اس پر تخصیص مطلوب ہے۔ اور تثنیہ کے صیغے میں اشارہ ہے کہ جب دو کی اصلاح ضروری ہے تو ان سے بڑھ کر اور زیادہ ضروری ہے۔ جب دو کا جھگڑا ضرر رساں اور فساد کا موجب ہے تو ان سے بڑھ کر زیادہ لوگوں کا جھگڑا اور فساد کتنا نقصان دہ اور ضرر رساں ہوگا "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" اور اللہ سے ڈرو" ان امور میں جو بجا لاتے ہو اور جن سے رکتے ہو اصلاح کے معاملہ میں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اخوت دینی کے بارہ میں کہ ان کے عہود کی حفاظت کرو اور ان کے حقوق کی رعایت کرو حضور اور غیب اور حیات وممات میں۔

تفسیر عالمانہ: "لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" تاکہ تم رحم کیے جاؤ یعنی تمہیں اپنے تقویٰ پر امید رکھنی چاہیے کہ تم پر رحم کیا جائے جیسے تم رحم کے مستحق ہو۔

اخوت نسبی و دینی کا فرق : اخوت دینی اخوت نسبی سے افضل اور اہم ہے کیونکہ اخوت نسبی تغیر پذیر ہے لیکن اخوت دینی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر اخوت نسبی اخوت اسلامی سے خالی ہے تو وہ اخوت ختم ہو جاتی ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مسلمان مر جائے تو اس کا کافر بھائی اس کی میراث سے محروم ہے ایسے ہی برعکس یعنی کافر مر جائے تو مسلمان بھائی اس کی میراث نہیں لے سکتا اس لیے کہ کفر کا مادہ فاسدہ اخوت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا خلاصہ یہ کہ اصل شرع ہے اور اسی کا اعتبار ہے یہی وجہ ہے کہ زانی کے دو مختلف عورتوں سے پیدا شدہ بچے ایک دوسرے کے وارث نہیں اگرچہ ایک باپ زانی کے دونوں نطفے ہیں لیکن میراث سے محروم ہیں کہ دونوں کا شرعی رشتہ نہیں۔

نکتہ : یہی تقریر آیت مذکورہ میں موجود ہے اس لیے کہ انما حصر کا فائدہ دیتا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ اخوت ہے بھی اہل ایمان کی اور بس یعنی حصر کے تقاضا پر مومن و کافر کی طرح بھائی نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ : مرتد کی کمائی (بحالت اسلام) کے وارث اس کے مسلمان رشتہ دار ہیں کیونکہ یہ مال ارتداد سے پہلے کا حاصل کردہ ہے اس لیے اس کا وارث مسلمان ہو سکتا ہے ہاں اس کی ارتداد کے دور کی کمائی مال نئے ہے وہ بیت المال میں جمع کی جائے گی کیونکہ یہ حالت ارتداد کی کمائی اسے اسلام کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں ہر نسب و حسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے حسب و نسب کے اس سے مراد دینی حسب و نسب ہے نہ کہ آب و گل کا رشتہ ورنہ آپ کے نسب کی وجہ سے قیامت میں ابولہب کو بھی فائدہ پہنچتا۔ (کشف الاسرار)

نبوی نسب تین قسم ہے : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ نسبی تین قسم ہے:۔

(۱) قرابت صوری

(۲) معنوی

(۳) صوری و معنوی

(۱) **قرابت صوری** بوجہ آب و گل کے ہے جیسے جملہ سادات کرام ایسے آپ کے دین اور

علم سے تعلق رکھنے والے جیسے علماء کرام صلحاء عظام اور جملہ عابدین اور تمام مومنین ان سب کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت صوری نصیب ہے۔

(۲) قرابت معنوی اولیاء کرام کو نصیب ہے کیونکہ ولی اللہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روحانی بیٹا ہے کیونکہ اس نے آپ کے جملہ طور اطوار کو قبول کر کے آپ سے معنوی طور رشتہ قائم ہوا اس لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا "سلمان منا اھل البیت" سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت سے ہے (یعنی ان کا ایک فرد ہے) اس میں قرابت معنوی کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) قرابت صوری و معنوی: اس میں خلفاء و ائمہ داخل ہیں کیونکہ یہ حضرات دنیا میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم مقام ہیں خواہ ظاہری زمانہ کے لحاظ سے آپ سے پہلے گذرے جیسے سابقہ انبیاء و رسل (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) یا بعد کو آئے جیسے کاملین اولیاء کرام یہی تمام قرابتوں میں اعلیٰ مرتبہ کی قرابت ہے اس کے بعد قرابت روحانیہ کا مرتبہ ہے پھر قرابت دنیویہ کا آخر میں قرابت جسمانیہ (آب و گل کا) اگر یہ اور یہ سب کو جمع کرے تو سبحان اللہ (نور علیٰ نور)

تفسیر صوفیانہ:

بعض مشائخ نے فرمایا کہ ارواح عالم ملکوت سے اور اجسام عالم ملک سے پھر انہی اشباح یعنی اجسام میں ارواح پھونکی گئیں لیکن اجسام کو ارواح کے مخالف اور ان کے مساکن بنائے پھر ان کی طرف عقول کا لشکر بھیجا تاکہ ان سے شرور کو دفع کر سکیں اس سے عقول مجردہ اور اخرویہ مراد ہیں۔ ورنہ عقول عزیزیہ و دنیویہ دفع شرور کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ یہ الٹا نفس کی رعایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا امتحان لینا چاہا تو ان پر نفوس امارہ کو برانگیختہ فرمایا تاکہ اس پر درجات ایمان و اخوت کے حقائق ظاہر فرمائے اور انہیں حکم فرمایا کہ عقل و روح و قلب کی نفس پر غلبہ کے لئے مدد کریں یہاں تک کہ نفس شکست کھا جاتے کیونکہ مومن بنیاد کی طرح ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ ملنے ملانے سے مضبوط ہوتی ہے تو وہ سارے مومن گویا ایک جان ہیں اس لیے کہ ان کا مصادر کا صرف ایک مصدر ہے یعنی آدم علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کی روح کا مصدر نور الملکوت اور ان کے جسم کا مصدر جنت کی مٹی ہے (جیسا کہ بعض الاقوال دلالت کرتے ہیں) اسی لیے روح ملکوت کی طرف اور جسم جنت کی طرف جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "کل شیءٍ یرجع الی اصلہ" ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ ۲: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اخوت نسبی اس وقت ثابت ہوتی ہے جب ان کے دو نطفوں کا منشاء ایک صلب ہو تو ایسے ہی اسلامی اخوت کا منشاء صلب نبوت ہے اور ان کی حقیقت نور اللہ ہے ان کے درمیان اصلاح کا معنیٰ ہے وجوہ قلب سے استار بشریہ کے حجابات کا اٹھ جانا تاکہ قلب کی کھڑکی سے دو نور آپس میں مل جائیں تاکہ وہ نفس واحد کی طرح ہو اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المؤمنون نفس واحد الخ مومن ایک نفس کی طرح ہیں اگر ایک عضو کو شکایت ہو تو اعضاء میں بخار اور بیقراری ہو ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

ترجمہ۔ بنی آدم ایک دوسرے کا عضو ہیں کیونکہ تخلیق میں دراصل ایک جوہر ہیں۔
جب کسی عضو کو زمانہ درد پہنچاتا ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں رہتا۔

حقوق اخوت دینی: دینی اخوت کے حقوق یہ ہیں:۔
(۱) جو کچھ اپنے لیے پسند کرے اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چاہے جو کچھ اپنے لیے برا جانے اپنے بھائی کے لئے بھی وہی شے بری سمجھے۔
(۲) اسے اپنا محتاج نہ بنا اگر وہ کسی وقت مدد چاہے تو اس کی مدد کر وہ ظالم ہے یا مظلوم یعنی ظالم ہے تو اسے ظلم سے منع کر یہ بھی تیری اس کے لئے امداد ہے۔

حدیث شریف: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ گالی دیتا ہے جب تک اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہتا ہے اور جو اپنے مسلم بھائی سے دکھ دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قیامت کے دکھ دور کرے گا اور جو اپنے مسلمان بھائی کو ڈھانپتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے ڈھانپے گا۔

(۳) اس کے حالات کی خبر گیری میں کمی نہ کرنا کہ ہر وقت اس کی مشکل میں کام آئیں یہانتک کہ اسے تیرے سے سوال کرنے کی نوبت نہ آئے اور نہ ہی اسے معذرت کا موقعہ آئے بلکہ ایسے وقت گذرے کہ اسے عذر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اگر اسے کوئی مشکل ہو اور تم پوری نہ کرو تو خود

کو ملامت کرو کہ اس کو ایسا وقت کیوں آیا۔

(۴) اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اس کی معذرت قبول کرو۔

(۵) بیمار ہو تو اس کی طبع پرسی کرو۔

(۶) جب کوئی بات بتائے تو اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرو اور نہ ہی اس پر حجت قائم کرو ؎

لا یسألون اخاھم حین یندبھم
فی النائبات علی ما قال برھانا
اذا استنجدوا لم یسألوا من دعاھموا
لایۃ حرب ام بای مکانی

ترجمہ۔ بھائی سے نہیں پوچھتے جب وہ پکارتا ہے مصائب میں کہ اس کا پکارنا کس دلیل سے ہے۔ جب مدد مانگے جاتے ہیں تو نہیں پوچھتے کہ انہیں کس نے بلایا کس جنگ یا کس جگہ بلایا۔

الاستنجاد بمعنے مدد مانگنا۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ صدیق کیا ہے فرمایا وہ اسم تو ہے لیکن مسمّٰی نہیں۔ حضرت

حکایت: فضیل نے حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا مجھے ایسا دوست بتائیں کہ جس کو میں دکھ سکھ کا ساتھی بناؤں۔ آپ نے فرمایا وہ گمشدہ شے جس کا ملنا مشکل ہے۔ حضرت ابو اسحاق شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

سألت الناس عن خلٍّ وفی
فقالوا ما الی ھذا سبیل
تمسک ان ظفرت بودّ حر
فان الحر فی الدنیا قلیل

ترجمہ۔ میں نے لوگوں سے دوستی اور کسی کے ساتھ کے بارے میں پوچھا تو کہا ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہاں اگر تجھے اچھا دوست مل جائے تو اس دوستی کو مضبوط کر کیونکہ اچھے دوست دنیا میں بہت کم ہیں۔

اعجوبہ: بزرگوں نے فرمایا سب سے طویل سفر اس کا ہے جو صالح دوست کا متلاشی ہے۔

فائدہ: ایک اعرابی نے کہا اے اللہ مجھے سچے دوست سے محفوظ رکھ اسے کہا گیا یہ کیسی دعا ہے، فرمایا کہ بہ نسبت دشمن کے دوست سے زیادہ خطرہ ہونا چاہیئے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

اخوان ھذا الزمان جواسیس العیوب — دنیا والے دوست تو عیوب کے متلاشی ہیں۔

نکتہ: کسی نے کیا خوب فرمایا کہ نیک دوست تیرے نفس سے بہتر ہے اس لیے کہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے اور نیک دوست خیر اور بھلائی کا مشورہ دے گا۔

فائدہ: کسی نے کہا کہ دنیا تمام دو بغض والوں کے لئے گنجائش نہیں رکھتی لیکن دو دوست صرف ایک بالشت پر گذارہ کر لیتے ہیں جیسا کہ حکماء نے فرمایا کہ

دہ درویش بگلیمے بخسپند
و دو پادشہ در اقلیمے نگنجد

ترجمہ۔ دہ درویش ایک گلیم میں سو سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک اقلیم میں گذارہ نہیں کر سکتے۔

مسئلہ: اخوت (بھائی چارہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے حضور علیہ السلام نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا جو آج تک جاری ہے اگر کوئی اس پر عمل کرے تو[1]

---

[1] لیکن یہ بھائی چارہ اور اخوۃ حق مذہب مہذب اہلسنت سے ہو، بد مذاہب سے ہمارا کسی قسم کا بھائی چارہ اور اخوت اور رواداری جاری نہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور میں عوام بلکہ خواص علم و عمل کا دم بھرنے والے بلکہ پیری مریدی کا دھندا کرنے والے اکثر اس مرض میں مبتلا ہیں کہ اپنوں سے بڑائی اور بد مذہبوں سے یارانہ۔ اس کی سزا قیامت میں بھگتیں گے ہاں اللہ تعالیٰ معاف فرمادے تو مالک ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ
وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ
لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ
يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ
الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ
اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ
اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ
لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ کرو اور ایک دوسرے کے بُرے نام نہ رکھو کیا ہی بُرا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت

والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے ۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے ، گنوار بولے ہم ایمان لائے تم فرماؤ تم ایمان تو نہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو تمہارے کسی عمل کا تمہیں نقصان نہ دے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں تم فرماؤ کیا تم اللہ کو اپنا دین بتاتے ہو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے ، اے محبوب وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو بیشک اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سب غیب اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ۔"

تفسیر عالمانہ :

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ" اے ایمان والو ٹھٹھا نہ کرو ۔"

حل لغات :

السخریۃ بمعنے کسی دوسرے انسان کی تحقیر اور استخفاف اور اسے اس کے درجہ سے گرانا اور اسے ان سے سمجھے جن کو کچھ نہیں سمجھا جاتا یعنی اس سے ٹھٹھا مخول کرنا "یعنی لایسخر بمعنی لایستہزئ ہے" (ٹھٹھا مخول نہ کرے) "قَوْمٌ" تمہارے میں سے کوئی ایک قوم" اسم جمع ہے ایک مرد کے لئے بولا گیا ہے" مِنْ قَوْمٍ" دوسرے کے ساتھ جو وہ بھی تمہارے ہیں تنکیر یا تعمیم کی ہے یا تبعیض کی اور اس سے مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی کسی سے مذاق (ٹھٹھا مخول) نہ کرے کیونکہ یہ عام ایک دوسرے سے ہوتا رہتا ہے تو نہیں ہونا چاہیئے ۔

سوال ۔ قوم من قوم سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے ٹھٹھا مخول نہ کرے اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ ایک فرد دوسرے فرد سے ٹھٹھا مخول کرسکتا ہے گویا اس کے لئے شرعًا اجازت ہو گئی حالانکہ یہ بھی ناجائز ہے ۔

جواب : اس کلام کے طرز بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بھی دوسرے ایک سے ٹھٹھا مخول نہ کرے لیکن چونکہ یہ فعل عمومًا جماعت میں ہوا کرتا ہے جس پر وہ ہنسی وغیرہ کرتے اور اس سے خوش ہوتے ہیں اس لیے اس) عمومیت کے اعتبار سے لفظ قوم لایا گیا ہے وہ اس لیے کہ اگرچہ تمسخر ایک دو ہی کے درمیان ہوتا ہے لیکن چونکہ دوسرے اس گفتگو سے خوش ہیں تو گویا وہ بھی ٹھٹھا مخول

کرنے والے ہیں اسی لیے وہ گناہ میں ان کے شریک ہیں اسی لیے فرد کو نہی کے بجائے سب کو نہی کی گئی ۔ یعنی بنسبت فعل البعض الی الکل اسی لیے ہے کہ وہ کل اس بعض کے فعل پر اغلباً راضی ہیں یا یہ کہ فعل ان سب کے سامنے ہو رہا ہے وہ اسے روکنے کے بجائے خاموش ہیں تو گویا وہ اس سے راضی ہیں ۔

فائدہ: القوم مردوں سے مخصوص ہے کیونکہ وہ عورتوں پر قوام (غالب ہیں) اسی لیے اناث (عورتوں) کو نساء کہا جاتا ہے نسوۃ (بفتح النون) سے مشتق کر کے بمعنے ترک العمل اس کی تائید زہیر کے قول سے ہوتی ہے ۔

وما ادری ولست اخال

اقوم آل حصن ام نساء

ترجمہ ۔ میں نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے خیال گذرتا ہے کہ آل حصن قوم (مرد) ہیں یا عورتیں ہیں ۔

"عَسٰی" شاید "اَنْ یَّکُوْنُوْا" وہ ہوں "خَیْرًا مِّنْهُمْ" ان سے اچھے " یہ نہی عن التمسخر کی تعلیل ہے یعنی شاید جن سے ٹھٹھا مخول کیا جا رہا ہے وہ تمسخر اڑانے والوں سے اللہ تعالٰے کے نزدیک بہتر ہوں عَسٰی کی خبر نہیں اس لیے کہ اس کے اسم نے اسے خبر سے غیر محتاج بنا دیا ہے "وَلَا نِسَآءٌ" اور نہ ہی مومن عورتیں ٹھٹھا مخول کریں" نساء امرأۃ کی اسم جمع ہے" مِنْ نِّسَآءٍ" عورتوں سے ۔

نکتہ: یوں کیوں نہیں کہا گیا " لا تسخر امرأۃ من رجل " اور نہ عورت مرد کے ساتھ تمسخر کرے ایسے ہی اس کے برعکس کہ " ولا یسخر رجل من امرأۃ " اور نہ ہی مرد عورت سے تمسخر کرے ۔ اس لیے کہ یہ مجلسیں شرعاً کہیں نہیں کہ مرد و عورتیں ٹھٹھا مخول کریں یہی وجہ ہے کہ شریعت نے عورتوں کو جماعت مسجد اور مجالس ذکر سے روکا ہے کیونکہ تمسخر ہمجنس کا ہمجنس سے ہوتا ہے ۔

"عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ" شاید جس سے تمسخر کیا گیا "خَیْرًا مِّنْهُنَّ" تمسخر کرنے والیوں سے بہتر ہو" اس لیے کہ تمسخر فریقین کا دارو مدار ان ظاہری صورتوں اور شکلوں اور اوضاع و اطوار پر نہیں جس پر تمسخر ہو رہا ہے بلکہ وہ اصل امور تو قلوب میں پوشیدہ ہیں اسی لیے کسی کے فعل پر استحقار کی جرأت نہ کی جائے کیونکہ بندوں کی خیریت کا تعلق اللہ تعالٰی کے ہاں ہے اسی لیے جسے اللہ تعالٰی نے توقیر و تعظیم دے رکھی ہے اس کی تحقیر کر کے خود اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ کسی کے ظاہر کا اعتبار نہیں اسی لیے کسی کو بنظر تحقیر و استہانت و استحقار و استخفاف نہیں دیکھنا چاہیے کیونکہ کسی پر استحقار (حقارت کی نگاہ سے دیکھنا در اصل نفس کے عجب کو ظاہر کرنا ہے جو اس میں پوشیدہ ہے جیسے ابلیس نے آدم علیہ السلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا تو اس کا عجب ظاہر ہو گیا خود کہا "انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین" میں اس سے بہتر ہوں کہ مجھے تو نے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے"۔ اس لیے ہمیشہ تک لعنتی ہو گیا اسی بنا پر وارد ہے کہ جو کسی کو حقارت سے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اس سے بہتر ہے تو وہ اپنے وقت کا ابلیس ہے اور جس پر حقارت کی نگاہ کی ہے وہ وقت کا آدم ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ" آیت میں قوم سے اہل محبت و ارباب السلوک مراد ہیں کیونکہ وہ اسی لقب سے مخصوص ہیں چنانچہ فرمایا "فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ" (عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جو ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے) یہی وجہ ہے کہ ارباب الطلب کی منتہی مبتدی و متوسط کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے "عسٰی ان یکونوا خیرًا منہم" شاید وہ ان سے بہتر ہوں کیونکہ دار و مدار خاتمہ پر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اولیائی تحت قبائی لایعرفہم غیری" (قدسی حدیث) میرے اولیاء میری قباء کے نیچے ہیں انہیں میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔"

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہت سے اجڑے بالوں والے غبار آلودہ سمٹے پرانے کپڑوں والے جن کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا لیکن ان کی شان یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھائیں تو وہ ان کی بات پوری کر دیتا ہے۔

معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند و بالا: حضرت معروف کرخی قدس سرہ نے اپنے شاگرد (مرید خلیفہ) حضرت سری سقطی کو فرمایا کہ اگر تمہارا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے ہاں ہو تو اسے میری قسم دے (کام کر دے گا)

بحرمتہ معروف کرخی: اسی لیے اکثر لوگ اپنے خطوط کے اوپر لکھتے ہیں بحرمتہ معروف الکرخی (رضی اللہ عنہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر معروف کرخی رضی اللہ عنہ: اہل بغداد کہتے ہیں کہ "قبر معروف تریاق مجرب" حضرت معروف کی قبر تریاق اور مجرب ہے (دعاؤں کی قبولیت کے لیے)۔

نکتہ: نسآءٌ سے عوام مسلمان مراد ہیں اس لیے خواص کو اللہ تعالیٰ نے رجال سے تعبیر فرمایا کما قال "رجال لا تلہیھم تجارۃ" وہ لوگ جنہیں تجارت غافل نہیں کرتی اور فرمایا "رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ" وہ مرد جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا معاہدہ سچ کر دکھلایا۔" اب معنیٰ یہ ہوا کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی مسلمان کو حقارت سے دیکھے شاید وہ اس سے بہتر ہو۔

فائدہ: "اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدنیا الخ (کیا تو زمین میں اسے پیدا کرتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا) کے حقارت آمیز کلمات میں فرشتے بھی ابلیس کے شریک تھے اور وہ عجب جو ان کے نفوس میں پوشیدہ تھا لیکن ملائکہ نے اپنے اعجاب پر اصرار نہ کیا اور توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تاکہ ان کے عجب کا علاج ہو کیونکہ سجدے میں سجدہ کرنے والے کا عجز و نیاز ظاہر ہوتا ہے اور مسجود الیہ کا اعزاز و اکرام چونکہ اس سے پہلے ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی ذلت اور اپنی عزت کا اظہار کیا اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم فرمایا تاکہ علاج بالاضداد ہو اس طرح سے ملائکہ کرام سے عجب زائل ہو گیا لیکن شیطان ابلیس اپنے قول و فعل پر ڈٹ گیا اور توبہ نہ کی اسی لیے اسے اللہ نے طرد و لعن سے ہلاک کر دیا۔

سبق: یہی حال ہے اس مسلم کا جو اپنے بھائی مسلمان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے ؎

مکن بچشم حقارت نگاہ بر من مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

ترجمہ۔ "چشم حقارت سے مجھ مست پر نگاہ نہ ڈال اس لیے کہ معصیت اور زہد اسی کے مشیت سے ہے۔"

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی اس لیے کہ آپ کے کان بہرے تھے

ان کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قریب بیٹھتے تھے اگر دیر سے حاضر ہوتے تب بھی اس کی معذوری کو دیکھ کر ہر ایک اسے جگہ دے دیتا اور وہ جہاں بھی ہوتے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قریب آ کر بیٹھتے ایک دفعہ وہ نماز باجماعت کی ایک رکعت سے رہ گئے جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر ایک صحابی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور جو بعد کو آتا جگہ نہ ہوتی تو وہیں پہ کھڑے کھڑے حضور نبی پاک (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا وعظ سن لیتا، ور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سلام پھیرتے ہی حسب عادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قریب بیٹھنے کے لئے لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آپ کے قریب پہنچ گئے لیکن حضور علیہ السلام اور ان کے درمیان ایک اور آدمی بیٹھا تھا اسے فرمایا جگہ دے دے اس نے انکار کیا تو فرمایا "من ھذا" یہ کون ہے، اس نے کہا "فلاں بن فلاں" آپ نے کہا "بلکہ فلاں بن فلانہ" اس سے آپ کی مراد اسے عار دلانا تھی جیسے زمانۂ جاہلیت میں کہا کرتے وہ شخص آپ کے اس جملہ سے شرمسار ہوا اور خجالت سے سر جھکا دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شان نزول ۲: مروی ہے کہ نساء من نساء حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اس لیے کہ بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھوٹے قد والی کہہ کر عار دلائیں بعض نے کہا کہ ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کہا کتنی حسینہ جمیلہ ہے اگر ان کا قد مبارک چھوٹا نہ ہوتا۔

شان نزول ۳: بعض نے کہا کہ یہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ فتح مکہ کے بعد وہ اسلام قبول کر کے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو مسلمانوں نے جب اسے دیکھا تو کہا

ھذا ابن فرعون ھذہ الامۃ "یہ اس امت کے فرعون کا بیٹا ہے۔"

اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا

لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات "زندوں کو مُردوں کی وجہ سے ایذا نہ دو۔"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ ہمیشہ در صدد عیب جوئی خویشم
نبودہ ایم پے عیب دیگراں ہرگز

ترجمہ۔ "ہم ہمیشہ اپنی عیب جوئی کے درپے رہے کبھی دوسروں کے عیب کا وقت ہی نہ ملا۔"

مسئلہ: حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب یہ آیت عام ہے کہ کسی کو بھی کسی پر تمسخر اڑانا جائز نہیں مرد ہوں یا عورتیں۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاء گفتگو پر مؤکل ہے یہانتک کہ مجھے خطرہ ہے کہ کتّے سے بھی مذاق کروں تو کہیں میں خود کتا نہ ہوجاؤں

نکتہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو صفت خداوندی دیکھنی چاہیئے نہ کہ مخلوق (مصنوع) کو کیونکہ مخلوق (مصنوع) کے ہاتھ میں حسن و قبیح وغیرہ نہیں۔

حکایت: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ آپ کیسے قبیح ہیں۔ آپ نے فرمایا یاد و نقش پر عیب نہیں لگا رہے ہو بلکہ نقاش کی مذمت کر رہے ہو، ہم اس کے امر پر واقفیت کا سوال کرتے ہیں اور اس کے قہر و جلال سے پناہ مانگتے ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نظر کردن بدرویشاں منافی بزرگی نیست
سلیمان باحیسان حشمت نظرہا کرد باموش

ترجمہ۔ درویشوں پر نظر کرنا بزرگی کے منافی نہیں، سلیمان علیہ السلام نے اتنی بہت بڑی جاہ و حشمت کے باوجود چیونٹی کو نظر کرم سے نوازا۔"

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ ادنیٰ مرتبہ والوں کو نظر کرم سے نوازنا تواضع ہے۔

تفسیر عالمانہ: "وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" (اور اپنے نفسوں پر عیب نہ لگاؤ۔)

حل لغات: اللمز بمعنے زبان سے طعن مارنا (تاج المصادر میں ہے عیب لگانا اور آنکھ وغیرہ سے اشارہ کرنا" اس کا ماضی مضارع فعل یفعل آتا ہے" لیکن اب زبان سے تمسخر کے ساتھ مخصوص ہے دوسری نہی عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے گویا یہ دوسری جنس ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہے اسی لیے کہا گیا ہے ؎

جراحات اسنان لہا التئام
ولا یلتام ماجرح اللسان

ترجمہ:۔ "نیزوں کے زخم اچھے ہو سکتے ہیں لیکن زبان کے زخم اچھے نہیں ہو سکتے"۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا بعض دوسرے پر عیب نہ لگائے اس لیے کہ اہل ایمان سب کے سب ایک ہی نفس ہیں اور تمام افراد منتشرہ اسی ایک نفس کے اعضاء ہیں ایک کو کوئی مصیبت پہنچے تو گویا سب کو مصیبت پہنچی جب انسان کا ایک عضو بخار سے شکوہ کرتا ہے تو اس کا سارا جسم شاکی ہوتا ہے اور نیند نہیں کرتا، جب کوئی مومن غائب ہو جائے سمجھے گویا وہ خود غائب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ولا تلقوا بایدیکم " اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو"۔ عیب برکس کہ کنی ہم تو ہمی گردد باز۔ " وہ عیب جو تم دوسرے پر لگاتے ہو وہ تیری طرف لوٹ آئے گا۔[1]

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفسکم اس لیے فرمایا ہے کہ مومن ایک ہی نفس کی طرح ہیں اگر وہ کسی کے ساتھ برائی کریں تو وہ گویا اپنے ساتھ کر رہے ہیں اگر وہ کسی سے بھلائی کریں تو وہ سمجھیں کہ گویا وہ اپنے ساتھ بھلائی

---

[1] یہانتک کہ اگر کوئی کسی کو لعنتی کہے یا کافر یا مشرک تو وہ اس کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت اور کفر اور شرک قائل کے سر ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے جن امور کا خدشہ ہے۔ اُن میں ایک یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی (عالم) ہوگا، جو قرآن بہت پڑھے گا حتیٰ کہ وہ قرآن کی رونق سے پورے طور پر سیراب ہوگا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا بھی اسلام ہوگا اللہ تعالیٰ اسے کسی ایسے عیب یعنی زعم میں مبتلا کر دے گا کہ قرآنی اثرات اس سے جدا ہو جائیں گے پھر وہ شخص قرآن کو پس پشت ڈال کر اپنے قرب وجوار کے مسلمانوں کو مشرک قرار دے گا اور ان کے قتل کے درپے ہوگا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں، میں نے سوال کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان دونوں میں سے فی الواقع مشرک کون ہوگا مشرک کہنے والا یا وہ جس کو مشرک کہا گیا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے کو مشرک کہنے والا خود مشرک ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

(نوٹ) سنہ ۱۴۰۸ھ تک ہم دیکھ رہے ہیں کہ دیوبندی۔ وہابی۔ نجدی۔ مودودی اور ان کے ہمنوا فرقے بات بات پر شرک کا فتویٰ جڑ دینے کے عادی بن چکے ہیں۔ ان کی عادت کا پیشوا محمد بن عبدالوہاب نجدی عرب میں اور اسماعیل دہلوی ہندوستان میں ہے۔

کر رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا" ان احسنتم احسنتم لانفسکم" اگر احسان کرو گے تو احسان کرو گے اپنے لیے"۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عیب رندان مکن اے زاہد پاکیزہ سرشت
کرگناہ دیگراں بر تو خواہند نوشت

ترجمہ۔ رندوں کو عیب نہ لگا اے زاہد سرشت والے۔ اس لیے کہ دوسروں کا گناہ تجھ پر نہ لکھیں گے۔

تفسیر عالمانہ ۲: یہ بھی ہے کہ آیت کا معنیٰ ہو وہ فعل نہ کرو جس سے کسی کو عیب لگاؤ اس لیے کہ جو شخص وہ فعل کرتا ہے جس سے عیب کا مستحق ٹھہرتا ہے تو گویا وہ اپنے نفس پر عیب لگا رہا ہے کیونکہ وہی اپنے نفس کے عیب لگنے کا سبب ہے ورنہ خود کو اپنی زبان سے عیب لگانے کا کیا معنیٰ یہ اطلاق المسبب و ارادۃ السبب کے قبیل سے ہے۔

تفسیر عالمانہ ۳: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے پر عیب نہ لگاؤ کیونکہ یہ بھی ایک سبب ہے کیونکہ تم نے جس پر عیب لگایا ہے وہ بھی تمہارے عیب بیان کرے گا تو گویا تم اپنے نفوس کے خود عیب بیان کرنے والے ہو گے۔ یہ آیت اسی طرح ہے جیسے صحیحین میں حدیث شریف ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ماں باپ کو کون گالی دیتا ہے، آپ نے فرمایا جو کوئی کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو گویا اس نے اپنے ماں باپ کو خود گالی دی ہے۔

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تقریر: حضرت صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ فقیر کے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ امام راغب رحمہ اللہ نے المفردات میں فرمایا کہ اللمز بمعنی الاغتیاب (غیبت کرنا) وتتبع المعائب کسی کے عیوب کے درپے ہونا اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم لوگوں کو عیب نہ لگاؤ ورنہ وہ تم پر عیب لگائیں گے تو پھر تم ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو اپنا عیب خود بتاتے ہیں۔

ازالۂ وہم: آیت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جو فاسق وفاجر کا فسق وفجور ظاہر کرتا ہے (تاکہ لوگ اس کے فسق وفجور کی خرابی سے عبرت پکڑیں) یہ غرض صحیح ہے کہ لوگ اس سے اور اس کے فسق وفجور سے ڈر کر بچ جائیں گے ورنہ زبان کو روکنا بہتر ہے کہ زبان پاک ہے اسے ایسے گندے انسان اور اس کے فسق وفجور سے ملوث کرنا اچھا نہیں اسی لیے بعض مشائخ کرام کا معمول رہا کہ انہوں نے شیطان پر بھی لعنت نہ کی لے اس لیے کہ اس میں سوائے زبان کو فضول بات میں ملوث کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ اس سے مخالفت کا اظہار ضروری نہیں کہ صرف لعنت سے ہو (اور وجوہ بھی اس سے دشمنی کے اظہار کے ہیں بلکہ اس سے دشمنی کا اصل مقصد یہی ہے کہ اس کی (قولاً وفعلاً وعملاً) مخالفت کی جائے۔

حدیث شریف: مبارک ہو اسے جو اپنے عیب کے دیکھنے میں مشغول ہے بجائے لوگوں کے عیوب دیکھنے کی مشغولی میں۔

نکتہ: آیت میں اشارہ ہے کہ کوئی انسان (سوائے انبیاء واولیاء کاملین کے) عیب سے خالی نہیں۔ سقراط سے پوچھا گیا کہ کوئی ایسا انسان بھی ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو تو اس نے کہا کہ اگر انسان میں کوئی عیب نہ ہوتا تو اس پر موت ہی نہ آتی ۲ے اسی لیے شاعر نے کہا

ولست بمستبق اخالا تلمہ
علی شعث ای الرجال المہذب

میں باقی نہیں رہوں گا (مر جاؤں گا) اے برادر اسے (یعنی اس کی اپنی ذات) ملامت نہ کر اس کے عیوب پر بھلا لوگوں میں کون ایسا ہے جو عیوب سے پاک وصاف ہو" یعنی لوگوں میں کوئی بھی گناہوں سے پاک صاف نہیں کیونکہ ان میں کوئی نہ کوئی عیب ونقص ضرور ہوں گے اگر کوئی

لے اسی سے ہمارے دور کے یزید پرست (بعض دیوبندی اور وہابی۔ مودودی فرقہ) لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ شیطان گمراہ کن ہے جب اس پر لعنت جائز نہیں تو یزید اگر لعنت کا مستحق ہو تب بھی اس پر لعنت جائز نہ ہوگی، ۲ے یہ اس نے من حیث الحکمت کہا ورنہ موت تو ایک فیصلۂ ربانی ہے کیا ملائکہ پر موت نہیں تو کیا وہ عیب دار ہیں تو ایسے ہی انبیاء واولیاء پر یہ قیاس جاری نہ کیا جائے (فافہم ولا تکن من الوہابیین)

گناہوں سے پاک وصاف دوست چاہتا ہے اسے چاہیئے جاکر دنیا میں تلاش کرے لیکن اسے ملے گا نہیں تو پھر اسے میرے عیوب کی ستاری چاہیئے۔ حضرت صائب نے فرمایا ہے

زدیدن کردہ ام معزول چشم عیب بینی را
اگر بر خار می پیچم گل بے خار می بینم

ترجمہ۔ "میں نے آنکھوں کو عیب بینی سے فارغ کر لیا ہے یہانتک کہ اگر کانٹوں پر چلتا ہوں تو بھی ان کانٹوں کو پھول تصور کرتا ہوں۔"

اور فرمایا ہے

بعیب خویش اگر راہ بردمی صاحب
بعیب جوئی مردم چہ کار درشتمی

ترجمہ۔ "اگر میں اپنے عیوب کو اے صائب دیکھ پاتا تو لوگوں کے عیوب دیکھنے میں مجھے کیا کام تھا۔"

تفسیر عالمانہ: "وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ" اور ایک دوسرے کو القاب نہ دو۔

حل لغات: انبز (بسکون الباء) نبزہ کا مصدر ہے بمعنے لقبہ یعنی کسی کا لقب سے یاد کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایک دوسرے کو لقب (برے) سے یاد نہ کرو کیونکہ التنابز بمعنے ایک دوسرے کو لقب سے بلانا (و بفتح الباء بمعنے لقب مطلقاً اچھا ہو یا برا۔ اسی محاورہ سے ہے

حدیث شریف: "قوم نبزھم الرافضۃ" (ایک قوم پیدا ہوگی جن کا لقب رافضی ہوگا[1]) یہاں نبز سے لقب مراد ہے۔ پھر یہ لفظ عرف میں قبیح لقب سے مخصوص ہے یعنی وہ لقب جو پکارے ہوئے کو ناگوار گذرے اور لقب ہوتا بھی وہی ہے جو کسی کا علم کے بعد نام رکھا جائے جو اس کی اس مدح یا ذم پر دلالت کرے جو اس میں ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کسی کو برے لقب سے کوئی نہ بلائے۔

---

[1] یہ شیعوں کا لقب ہے جس سے آجکل اسی لقب سے یہ فرقہ گھبراتا ہے حالانکہ یہی لقب انہیں سیدنا امام جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی عطا فرمایا۔

مسئلہ: اس وعید میں وہ لقب شامل نہیں جو محدثین کرام نے بعض محدثین عظام کے لئے مقرر کر رکھا ہے جیسے سلیمان اعمش اور واصل الاحدب وغیرہ کیونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے کیونکہ ان کو اس لقب سے یاد کرنا استخفاف و تحقیر مطلوب نہیں اور نہ ہی ایذاء کے طور بولا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اچھے لقب سے یاد کرنا جائز ہے جیسے محی الدین (جیلانی) شمس الدین بہاء الدین (محکم الدین) وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے مسلمان بھائی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے اچھے نام سے یاد کیا جائے "بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ" برا ہے فسق سے یاد کرنا ایمان قبول کرنے کے بعد۔

فائدہ: اسم سے یہاں پر نہ وہ اسم مراد ہے جو لقب ہوتا ہے اور وہ کنیت کا بالمقابل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ جو فعل و حرف کے مقابلہ میں آتا ہے بلکہ مرتفع ذکر کے معنیٰ میں ہے اس لیے کہ یہ سمو سے ہے بمعنے ارتفاع کہا جاتا ہے 'طار اسمہ فی الناس بالکرم او باللوم' اس کا نام لوگوں میں جود وسخا یا ملامت سے مشہور ہے یعنی اس کا ذکر ہے "الفسوق" مخصوص بالذم ہے بئس کا اور کلام میں مضاف محذوف ہے اور وہی فسوق کا اسم ہے یعنی ذکرہ محذوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ برا ذکر ہے مشہور کیا ہوا اہل ایمان کے لئے یہ کہ کسی کو برائی سے یاد کریں ایمان قبول کرنے کے بعد اور مشہور ہونا اس برے نام سے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ برا ہے وہ نام جو انسان کو ایمان سے خارج کر دے۔

مسئلہ: اس سے یا تو مراد یہ ہے کہ اہل ایمان کی طرف کفر و فسق کی نسبت نہ کی جائے چنانچہ مروی ہے کہ یہ آیت ام المومنین صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کے حق میں نازل ہوئی جبکہ روتی ہوئی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھے عورتیں کہتی ہیں یا یہودیہ بنت یہودیین اور عین المعانی میں ہے کہ عرض کی مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے یہودیہ بنت یہودیین، آپ نے فرمایا تو کہہ دیتی کہ میرے ابا ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام اور میرے زوج مکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

یا یہ مراد ہے کہ بُرے القاب کیسے ہی ہوں کفر کے ہوں یا فسق کے ان سے مطلقاً
مسئلہ: کسی کو نہ یاد کیا جائے اسے ایمان میں جمع کرنا قبیح ہے" اس حکم میں ہے کہ کسی
کو کہا جائے زید یہودی اور عمرو نصرانی بکر کافر وغیرہ وغیرہ۔
آجکل (صاحب روح البیان قدس سرہ کے زمانہ میں) تو رومی اہل ایمان کو
مسئلہ: عربی نصارٰی کہتے ہیں یہ ان کی زیادتی اور وہ اسم مذمت میں داخل ہیں اس لیے
کہ انہیں انساب کا فخر کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ فضیلت تقوٰی سے ہوتی ہے کسی نے کیا
خوب فرمایا ؎

وما ینفع الاصل من ہاشم
اذا کانت النفس من باہلہ

ترجمہ۔" اصل ہاشمی ہو تو کیا فائدہ جب نفس طبیعت باہلہ (قبیلہ) سے ہو"
اور کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

چہ غم ز منفعت صورت اہل معنیٰ را
چو جان ز ردم بود کو تن از حبش محاباش

ترجمہ۔ اہل معنیٰ کو ظاہری صورت سے کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوتا اس لیے کہ
جان رومی (روشن) ہونی چاہیئے جسم کو کہہ کہ حبشی ہو تو کوئی حرج نہیں"۔
جس نے کسی کو کسی گناہ کی عار دلائی حالانکہ وہ اس سے توبہ کر چکا تھا
حدیث شریف: تو اللہ تعالٰی اسے اس گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا
کرے گا۔
اگر کسی نے کسی نیک انسان کو کہا "یا فاسق" یا "یا فاجر" یا "یا خبیث"
مسئلہ: یا "یا مخنث" یا "یا مجرم" یا "یا مباحی" یا "یا جیفہ" یا "یا بلید" یا
"یا ابن الخبیثہ" یا "یا ابن الفاجرہ" یا "یا سارق" یا " یا لص" یا "یا کافر" یا
"یا زندیق" یا "یا ابن القحبہ" یا "یا ابن قرطبان" یا "یا لوطی" یا "یا ملاعب" یا
"یا الصبیان" یا "یا آکل الربا" یا "یا شارب الخمر" حالانکہ وہ اس سے بری الذمہ ہو
یا کہے "یا دیوث" یا " اے بے نماز" یا " اے منافق" یا " اے خائن" یا " یا مادی
الزوانی" یا " اے مادی اللصوص" (چوروں کا مرکز) یا " اے حرامزادہ" کہنے والے پر

تعزیر ہوگی (فتاوی الزینبیہ)

مسئلہ: کسی شخص کے متعلق سوال ہوا کہ کسی کو کہا "یا فسق" اس سے اس کا ارادہ ہے کہ اس کا فسق دلائل (گواہ وغیرہ) سے ثابت کرے اس سے اس کی مراد یہی ہے کہ وہ تعزیر سے بچ جائے کیا اس کے دلائل (گواہ وغیرہ) سنے جائیں گے یا نہ جسے یا فاسق کہا ہے اگر وہ صالح (نیک آدمی) ہے تو کچھ نہ سنی جائے گی اگر عوام میں سے ہے تو اس کے دلائل (گواہ وغیرہ) سنے جائیں گے اگر دلائل (گواہ وغیرہ) نہ ہوں تو اس پر تعزیر ہے۔

"وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ" اور وہ جو نہی عنہ سے توبہ نہیں کرتا "فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ٥" تو وہی ظالم لوگ ہیں ۔ ظلم طاعت کے بجائے معصیت کا ارتکاب اور خود کو عذاب کے سامنے لانا اور ظالم فاسق سے اور فاسق کافر سے اعم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: "ومن لم یتب" اور وہ جو شیطانی باتوں اور اس کے افعال سے توبہ نہیں کرتا یعنی وہ اپنے نفس کو عجب میں ڈالتا ہے اور دوسروں کو حقارت سے دیکھتا ہے وہی لوگ ظالم ہیں انہیں لعنت اور دھتکار کے سلک میں ابلیس کے ساتھ ملایا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "الا لعنۃ اللّٰہ علی الظّٰلمین" خبردار اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ظالموں پر۔"

مسئلہ: اس میں واضح دلیل ہے کہ جو گناہوں سے توبہ نہیں کرتا وہ ظالمین میں شامل کر لیا جاتا ہے اس لیے جملہ قبائح و معاصی سے خالص توبہ ضروری ہے خصوصاً جن گناہوں کا ذکر یہاں ہوا ہے ۔ ؎

سرمایۂ نجات بود توبۂ درست
باکشتیٔ شکستہ بدریا چہ می روی

ترجمہ ۔ سچی توبہ نجات کا سرمایہ ہے ۔ ٹوٹی ہوئی کشتی کو دریا میں لے جانے کا کیا فائدہ ۔

فائدہ: جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اس کی گرفت بہت جلد ہوگی ایسے ہی گرفت کے قریب مظلوم کی آہ و فغاں ہے اور زود اثر تیر مظلوم کی دعا ہے ۔

فائدہ: گناہوں کے مراتب پر توبہ کے مراتب ہیں بعض گناہ تو صرف استغفار سے بخشے جاتے ہیں یہ کفر سے کم درجہ والے گناہ ہوتے ہیں ۔ بعض گناہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کے

متقاضی ہوتے ہیں تجدید نکاح اس کے لیے جس کے نکاح میں گناہ سے پہلے عورت منکوحہ ہے۔

فائدہ: بعض زاہدین نے ہر گناہ کے بعد احتیاطاً تجدید ایمان اور کفر سے بیزاری کا اظہار روا رکھا ہے[1]

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا کرتے تھے "اللھم انی اعوذبک من ان اشرک بک شیئًا وانا اعلم واستغفرک لما لا اعلم" اے اللہ! میں اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرے ساتھ شریک ٹھہراؤں کہ میں اسے جانتا ہوں اور استغفار کرتا ہوں اس کے لیے کہ میں اسے نہیں جانتا۔"

مسئلہ: سب کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام وحی سے پہلے اور اس کے بعد باجماع العلماء کفر سے معصوم ہیں اور وحی کے بعد عمداً جملہ کبائر سے بھی معصوم ہیں تو ان کی توبہ و استغفار اس سے ہو گی جو ان سے خلاف اولیٰ وغیرہ امور سرزد ہوں جس کی ہم نے سورۃ الفتح کے اول میں تفصیل دی ہے۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا میں (لا اعلم) میں اشارہ ہے کہ کبھی انسان سے لاشعوری میں گناہ ہو جاتا ہے لیکن یہ امت کے حق میں ہے کیونکہ عام آدمی سے لاشعوری میں کفر ہو سکتا ہے اور گناہ کبیرہ وغیرہ بھی اس لیے ضروری ہے کہ گناہ کبیرہ وغیرہ سے توبہ و استغفار ہو تو کفر کی توبہ کے وقت بھی تجدید اسلام احتیاطاً ہونی چاہیے کیونکہ احتیاط اکثر امور میں ہوتی ہے سوائے چند نادر مواقع کے۔

ازالۂ وہم: عادت کے طور کلمۂ شہادت پڑھتے رہنا کفر کو نہیں اٹھاتا جب تک کہ اس سے قولاً و فعلاً رجوع (توبہ) نہ ہو اور وہ قول و فعل بھی رضائے الٰہی کے طور ہو محض رسم اور دکھاوے سے نہ ہو یعنی گناہ کا تصور سامنے رکھ کر اس سے توبہ کرے ایسے ہی جس فعل و قول سے استغفار ہو تو ان کا تصور بھی ذہن میں ضروری ہو۔

تفسیر صوفیانہ: اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ صدور الکفر عوام و خواص سے عام ہوتا ہے جب تک غایۃ الغایات تک نہ پہنچیں اور غایۃ الغایات مرتبۂ

---

[1] زہرۃ الریاض ۱۲۔

ذات احدیہ کا نام ہے اسی طرف حضرت سہل تستری قدس سرہ کا ارشاد اشارہ کرتا ہے کہ اگر وصال ہوجائے تو پھر لوٹنا مشکل ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ابلیس سے کفر کا صدور ہوگیا حالانکہ وہ طاعات و عبادات میں یکتا تھا بلکہ عرفان سے بھی اسے وافر حصہ نصیب تھا لیکن مارا گیا ایسے ہی بہت سے اہل عرفان کا منہ کالا ہوا ۔ یہ بھی ہے کبھی کفر کے بعد معصیت کی طرف رجوع ہوتا ہے اس لیے توبہ لازم ہے کیونکہ ایسے لوگ ابھی عالم ذات تک نہیں پہنچتے اگر پہنچ جاتے تو ان سے کفر کا صدور ممکن نہ ہوتا اس لیے کہ عیانی ایمان کے بعد کفر کہاں اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " اللھم انی اسألک ایمانا یباشر قلبی ویقینا لیس بعدہ کفر " اے اللہ میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا جو قلب پر اثر انداز ہو اور اس یقین کا سوال ہے جس کے بعد کفر صادر نہیں ہوسکتا (اسے اچھی طرح جان لے)۔

تفسیر عالمانہ: " یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ " (اے ایمان والو بہت سے گمان سے بچو) یعنی اس سے ایک کنارہ پر اور دور ہوجاؤ اس لیے اجتناب یعنے ایک طرف ہوجانا۔

حل لغات: الظن اس شے کا نام ہے جو علامت سے حاصل ہو جب قوی ہوجائے تو اسے علم کہا جاتا ہے جب بہت کمزور پڑ جائے تو وہم کی حد سے تجاوز نہیں کرتا جس شے میں ابہام کثیر ہوجائے اس میں احتیاط واجب ہے اور ہر ظن میں تامل ضروری ہے یہانتک کہ واضح ہوجائے کہ یہ کون سے قبیل سے ہے توضیح مقام یہ ہے کہ کثیر ظن کا بیان ہے جو کہ وہ گمان بھی ہے تو اجتناب کا حکم ظن سے ہے لیکن وہ ظن بکثرت واقع ہوتا ہے اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ظن کثیر میں سے اس کا فرق کریں جس سے ہم نے اجتناب کرنا ہے اگر اسے معرفہ کے طور کہا جاتا مثلاً اجتنبوا الظن الکثیر تو اس وقت معنیٰ یہ ہوتا کہ اس ظن سے اجتناب کرو جسے مخاطب جانتا ہے کیونکہ وہ ظن ہے کثیر ہے قلیل نہیں اگر اسے نکرہ لایا جاتا تو اس کی تنکیر افراد اور کیفیت مراد ہوتی تو اس وقت اس ظن سے اجتناب مراد ہوتا جو اس ظن کے افراد ہیں جن کی صفت کثیر لیکن ہیں غیر معین یعنی ان کے بعض۔

نکتہ: اس ظن سے مکلف کرنے کا بہت بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ مکلف کو ہر وقت محتاط رہنا ضروری ہے یہانتک کہ کسی گمان پر جرأت نہ کرے جب تک کہ بات واضح نہ ہوجائے کہ کس کی اس نے اتباع کرنی ہے اور کس سے اس نے اجتناب نہیں کرنا اگر اسے معرفہ لایا جاتا

تو معنیٰ ہوتا کہ اس ظن کی حقیقت سے اجتناب کرو جس کی صفت کثیر ہے یا اس کے تمام افراد سے اجتناب کرو نہ کہ اس کے قلیل افراد سے اور حرام وہ ظن ہے جو موصوف بلام الجنس یا بلام الاستغراق ہے لیکن یہ مکلف کے لئے محتاط رہنے کے لئے نہیں کیونکہ وہ حرام تو معین ہوگیا اور صرف اس سے اجتناب کرنا ہوگا نہ کہ اس کے غیر سے اور وہ ہوگا قلیل خواہ ظن ہوا ہو یا صحیح یہ معنیٰ بالکل غلط ہے بخلاف اس کے کہ ظن کو نکرہ کرکے اسے کثرت سے موصوف کیا جائے وہ معنیٰ صحیح ہے کیونکہ اس وقت احتیاط اس گمان سے ہوگی جو اس حقیقت کے افراد کا بعض مبہم ہے اور اس کی احتیاط مکلف کو ضروری ہے یہانتک کہ واضح ہو کہ یہ کون سے گمان سے ہے کہ جس سے احتیاط ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کے لئے حسن ظن کی اتباع واجب ہے۔

حدیث شریف: اچھا گمان ایمان سے ہے۔

مسئلہ: بعض مسائل ایسے ہیں جن میں قطعی فیصلہ نہیں بلکہ اس میں ظن ہے جیسے وتر واجب ہیں کیونکہ خبر واحد سے ثابت ہیں ان کے لئے نص قطعی نہیں اس لیے ہم نے حسن ظن پر انہیں واجب کہا، اسی لیے اس کا منکر کافر نہیں مبتدع اور گمراہ ہے کہ وہ خبر واحد کو رد کرتا ہے لیکن قضاء ہو جائیں تو ان کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ عملی طور فرض ہیں۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے وتر اور اضحیۃ کی اصل کا منکر کافر ہے۔

مسئلہ: بعض ظنون کفر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور جو اس کے لائق کمالات ہیں ایسے ہی نبوت کے متعلق گمان کفر ہے مثلاً کہے میرا تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہے لیکن یہ گمان ہے کہ نا معلوم آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہ کافر نہ ہوگا (کیونکہ پہلے جملہ کی وجہ سے ایمان سے خارج نہ ہوگا)

ردمرزا قادیانی: کوئی کہے کہ نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول ہیں لیکن میں نہیں مانتا کہ وہ خاتم الرسل ہیں اور نہیں مانتا کہ آپ کے دین میں قیامت تک نسخ نہ ہو۔

رد ناصبی اور شیعہ، خوارج و معتزلہ: ایسے ہی وہ گمان جو قطعی فیصلہ کے منافی ہو مثلاً حسنین کریمین اولادِ رسول (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کا انکار کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء کا منکر ہو یا آپ کی امت کے اولیاء کے وجود کا انکار کرے۔

تردید مرزا قادیانی: منکر ختم نبوت اس حدیث کا منکر ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا نبی بعدی" میرے بعد کوئی نبی نہیں" نہ تشریعی نہ متابع (ظلی) اس قسم کے گمان حرام ہیں۔

مسئلہ: قطعی احکام ہیں گمان کفر ہے ایسے ایمان والوں پر برا گمان بالخصوص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وارثین کاملین یعنی عارفین باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وظننتم ظن السوء" اور اے منافقو تم نے ان کے لئے برا گمان کیا "وکنتم قوما" اور تم ہو قوم ہلاک ہونے والی" اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر حرام فرمایا مسلمان کی عزت اور خون اور یہ کہ اس پر بدگمانی کی جائے۔

فائدہ: اس عزت سے مراد یہ ہے کہ اس کی وہ جانب جو وہ اپنے نفس اور حسب کی حفاظت کرتا ہے لازم ہے کہ اس کی تنقیص نہ کی جائے۔ حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

بدگمانی لازم بدباطنان افتادہ است
گوشہ از خلق جا کردم کمیں پنداشتند

ترجمہ۔ بدباطنوں پر بدگمانی لازم ہے میں نے مخلوق سے علیحدگی اختیار کی تو انہوں نے اسے کمزوری سمجھا۔

مسئلہ: بعض گمان مباح ہیں جیسے امور معاش یعنی امور دنیا اور معاش کے مہمات بلکہ ان امور میں بدگمانی موجب سلامت اور مہمات کے انتظامات میں سے اور اہمیت کی حامل ہے جیسے کسی نے کہا ؎

بدنفس مباش و بدگمان باش
وز فتنہ و مکر در امان باش

ترجمہ۔ بدنفس اور بدگمان ہو اور فتنہ و مکر سے امان میں ہو۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے گمان مباح کی مثال وہم ہے جو نماز۔ روزہ اور قبلہ کے متعلق گمان ہو جاتا ہے تو اس میں تحری (سوچنا) ضروری ہوتا ہے

پھر غلبۂ ظن کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: تفسیر الکاشفی میں ہے کہ تحری امر قبلہ میں پھر صحیح سوچ پر عمل کرنا امور اجتہادیہ سے ہے اور یہ مندوب ہے۔

فائدہ: استحری جگنے الطلب اور شرع میں عبادات میں سوچنے کے بعد غلبۂ رای پر عمل کرنا جبکہ حقیقی امر پر عمل کرنا مشکل ہو جائے "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" بیشک بعض گمان گناہ ہیں) یعنی اس سے سزا کا مستحق ہو جائے اور یہی بعض کثیر ہے اور بطریق استیناف تحقیقی امر اجتناب کی علت ہے۔

حل لغات: اثم وہ عمل جس کے ارتکاب سے بندہ سزا کا مستحق ہو اس کا ہمزہ واو سے مبدل ہے (دراصل وِثْمٌ تھا) اس کا مضارع "یثیم" ہے بمعنے یکثر الاعمال" گویا وہ اعمال زیادہ کرتا ہے۔

سوال - اس میں تو مذہب اعتزال کی طرف میلان نظر آتا ہے؟

جواب - اگر اس میں تشبیہ نہ ہوتی تو یہی سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مصنف نے یہاں زمخشری کا اتباع کیا ہے لیکن اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس کلمہ کی تعریف میں ہمزہ جدا نہیں ہوتا یعنی اس کی گردان اثم یا ثم آتی ہے (نذکر وثم یکم) بخلاف داوی کے وہ از باب ضرب یضرب ہے اور یہ از باب علم یعلم ہے۔

میں (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ خود زمخشری نے اسے الاساس (کتاب) میں اسے از باب مهموز ذکر کیا ہے۔

مسئلہ: آیت دلالت کرتی ہے کہ اکثر گمان گناہ کی طرف لے جاتے ہیں کیونکہ شیطان گمان دل پر القاء کرتا ہے تو اسے نفس گمان فاسد بنا لینا ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک حقیقت ہوتا ہے وہ وہی ہے جو نفس کی طرف سے نہ ہو بلکہ وہ فراست صحیحہ ہوتی ہے یعنی وہ شے جو قلب نور یقین سے دیکھے اور وہ عالم غیب سے ہوتا ہے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ ہر امت میں محدثین یا مروعین ہوتے ہیں (راوی کو شک ہے کہ محدثین فرمایا یا مروعین) اگر اس امت میں کوئی ہے تو ان میں ایک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

فائدہ: محدث وہ کہ جس کی ہر رائے مصیب ہو گویا اس نے جو بات کی امر الٰہی سے کی اور مروح وہ ہے جس کی روح یعنی قلب میں امر الٰہی القلو کیا گیا ہو۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ گمان کا اقدام نہ کیا جائے جب تک اس شخص کی شخصیت کو نہ سمجھا جائے اگر وہ صلاح سے موسوم ہے تو پھر اس پر معمولی وہم سے بدگمانی نہ کی جائے بلکہ اس میں احتیاط برتی جائے (انتباہ) گمان برا نہ سمجھے جب تک کہ خیر و بھلائی کی طرف چارہ ہو حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

سیلاب صاف شد زہم آغوشیٔ محیط
با سینۂ کشادہ کہ کدورت چہ میکند

ترجمہ۔ آغوشیٔ محیط سے سیلاب صاف ہوا۔ سینہ کشادہ ہو تو میل کچیل کچھ نہیں کرتی۔

مسئلہ: فساق (جن کے ہاں فسق کے سوا اور کچھ نہ ہو) ان پر ان کے فسق کی حیثیت پر بدگمانی کرنے میں حرج نہیں۔

مسئلہ: حضرت امام غزالی قدس سرہ کی منہاج العابدین میں ہے کہ جب انسان کا ظاہر اچھا اور برائیاں مستور ہوں تو اس کی نماز و صدقہ قبول کرنے میں حرج نہیں اس میں بحث کی ضرورت نہیں مثلاً یہ کہتے رہو کہ زمانہ کا حال تبدیل ہو گیا ہے کیا خبر اس کی نماز و صدقہ وغیرہ کیسا ہے ایسے مرد مسلم پر بدگمانی صحیح نہیں اس لیے کہ مرد مسلمان پر نیک گمان کے ہم مامور ہیں۔

حدیث شریف: جس کے پاس رزق خود بخود (فقیر مانگے) آئے اور وہ اسے ٹھکرا دے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کو واپس کر رہا ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امراء کے نذرانے (تحائف) ریاکار ٹھکراتا ہے یا احمق۔

حکایت: بعض مشائخ کی عادت تھی کہ وہ ضروریات کے لئے قرض اٹھا لیتے پھر انہیں نذرانوں (تحائف) سے ادا کرتے (تقویٰ کی وجہ سے)

توضیح از اویسی غفرلہ: چونکہ عموماً امراء (حکام۔ گورنمنٹ کا مال حرام یا مخلوط ہوتا ہے اسی لیے اسے متقی (پرہیزگار) استعمال نہیں کرتے اس کے

جواز کی صورت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی چنانچہ خود صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

حیلہ شرعیہ : ایسے اموال (دراہم و دنانیر) کے متعلق حیلہ یوں ہے کہ شئے تو مال مطلق سے خریدے پھر اس کے ثمن کی ادائیگی حبس مال کرے۔

قاعدہ از امام اعظم رحمہ اللہ : حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بادشاہ اور ظالم حکّام وغیرہ کی دعوت کو جائے ورنہ صاف جواب دیدے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے دل سے فتویٰ لے۔

فائدہ : حضرت شیخ ابو العباس قدس سرہ نے فرمایا کہ دور حاضرہ کے فقرا اور مشائخ یعنی پیر صاحبان) ظالم حکام و امراء کا مال کھارہے ہیں یہ وہی ہیں جن میں یہودیت گھس گئی ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "سماعون للکذب اکّالون للسحت ۝ وہ جھوٹی باتوں کو خوب سنتے ہیں اور مالِ حرام خوب اڑاتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ اگر اپنے دور کے بعض پیر صاحبان کے لئے یہ کہہ دے تو حق بجانب ہے کہ وہ محض حکومت کا کھلونا بن کر رہ جاتے ہیں الا قلیلا منہم)

فائدہ : حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظن دو قسم ہے:۔

(۱) گناہ وہ یہی ہے کہ کسی کے حق میں بدگمانی کرکے اسے بیان کردینا۔

(۲) گناہ نہیں وہ یہی ہے کہ بدگمانی کے بعد خاموش رہنا اور مراد اس بعض الظن سے وہی ہے جو بدگمانی کے بعد اعلان اور بیان کرنا۔

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم گمان کے زمانہ میں ہیں اور اس وقت ان پر بدگمانی حرام[1] ہے لیکن تیرا زمانہ ایسا ہے کہ چپ کرکے عمل کیے جا لیکن لوگوں پر جتنا چاہے گمان کرلے لیکن اسے بیان مت کر کیونکہ یہ لوگ ظن کے اہل ہیں اور واقعی گمان کے مصداق بھی ہیں۔ (قاعدہ صوفیانہ) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اشرار کی صحبت اخیار سے بدگمانی پیدا کرتی ہے۔

---

[1] اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے ۱۲

متوکل (خلیفہ) نے حضرت دقاق رحمہ اللہ کی کنیز مدینہ میں طلب کی اور حضرت
حکایت: دقاق حضرت جنید رضی اللہ عنہما کے ہم زمان تھے اور مصر میں رہتے تھے
جب لونڈی بلائی گئی تو آپ اس سے محبت کی وجہ سے پریشان ہو گئے۔ لونڈی نے کہا
حضرت اطمینان رکھیے میں آپ کی خیانت نہیں کروں گی اللہ تعالیٰ پر احسن ظن کیجیے میں
انشاء اللہ باعزت واپس جاؤں گی۔ لونڈی متوکل کے ہاں پہنچی تو متوکل نے کہا کیا گاتی ہو
کہا " ان ھذا اخی لہ تسع وتسعون نعجۃ ولی نعجۃ واحدۃ " اس کی ننانوے
دنبیاں ہیں اور میری صرف ایک ہے یہ سن کر متوکل اصل مقصد سمجھ گیا اسی لیے باعزت واپس
لوٹا دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
حدیث شریف: آلہٖ وسلم اپنی ایک زوجہ مکرمہ سے باتیں کر رہے تھے وہاں سے ایک
شخص گذرا آپ نے اسے بلا کر کہا اے فلاں یہ میری زوجہ صفیہ (رضی اللہ عنہا) تھیں۔ وہ
مجھے بحالت اعتکاف رمضان کے پچھلے عشرہ میں (مسجد میں) ملنے آئی ہے۔ اس نے عرض
کی یارسول اللہ میں آپ پر وہ گمان نہیں کر سکتا جو دوسروں پر کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بیشک
شیطان ابن آدم میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ (احیاء العلوم)

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ تہمت والی جگہوں سے بچنا لازم ہے تاکہ لوگوں کو بدگمانی نہ ہو اور نہ
ہی ان کی زبانیں غیبت سے ملوث ہوں اور اسی میں تزکیۂ نفس ہے کیونکہ مکر اور برائی اور اغواء
اور فتنہ و فساد ڈالنے میں نفس و شیطان عجیب و غریب واقع ہوئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے
سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی امان میں رکھے۔

"وَلَا تَجَسَّسُوْا" (اور لوگوں کے عیوب تلاش نہ کرو) یہ در اصل "لا تتجسسوا" تھا بقاعدۂ
صرف تفعل کی ایک تاء گرادی گئی بمعنے "لا تتجسسوا عن عورات المسلمین وعیوبہم"
مسلمانوں کے عیوب و نقائص تلاش نہ کرو۔

حل لغات: تفعل از الجس بمعنے طلب کیونکہ کسی خبر کے تجسس میں طلب اور اس کی تلاش
ہی ہوتی ہے جب اسے تفعل پر لایا گیا تو اس میں تکلف پیدا ہو گیا جب کہا
جائے گا "جسست الخبر" میں نے خبر تلاش کی جب تفعل پر لایا گیا تو اس میں تکلف معنیٰ ہوگا جیسے
التلمس جو لمس سے ہے بمعنے ہاتھ لگانا تاکہ شے کا حال معلوم ہو جب تلمس کہا جائے گا تو اس میں

تکلف کا معنیٰ لانا پڑے گا۔ اب تجسس کا معنیٰ ہوا شئے کی طلب در طلب (تلاش کرنا) کبھی لمس
مطابق طلب کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جیسے" وانا لمسنا السماء" یعنی ہم نے آسمان کو طلب کیا
اور اسے حاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے الحس سے بمعنے حس کا اثر اور اس کی غایت چونکہ
دونوں قریب المعنی اس لیے دونوں کا اطلاق حواس کے مشاعر کے لئے بھی ہوتا ہے اور ان کے
لئے جیم اور باء ہر دونوں طرح کہنا جائز ہے۔ المفردات میں ہے الجس دراصل بمعنے پسینہ
پوچھنا ہے اس سے نبض کے ذریعہ صحت اور بیماری کا حال معلوم کیا جاتا ہے اور الجاسوس
الجس سے ہے وہ اس وقت حس سے اخص ہے اس لیے کہ حس وہ ہے جو کسی ذریعہ سے حاصل
ہو اور حس اس سے عام ہے کہ خبر و غیر خبر سے حاصل ہو۔ الاحیاء میں ہے کہ التجسس بالجیم (بمعنے
اخبار سے آگاہی حاصل کرنا) اور التحسس بالحاء المهملة بمعنے المراقبة بالعین۔ انسان العیون
میں ہے کہ التجسس اخبار کے لئے مستعمل ہوتا ہے (بالحاء المهملة) یعنی کوئی شخص اخبار سے
خود بخود تلاش کرے اور بالجیم اخبار کی تلاش غیر سے کرے اسی لیے حکم ہے کہ" تحسسوا ولا تجسسوا"
خود خبریں حاصل کرو اور دوسروں سے حاصل نہ کرو۔" تاج المصادر میں ہے کہ التجسس والتحسس
بمعنے خبر ڈھونڈھنا۔ القاموس میں ہے الجس تجسس کی طرح خبر ڈھونڈنا اسی سے جاسوس و
الجسیس ہے بمعنے شر کی مخفی خبریں تلاش کرنے والا، اب "ولا تجسسوا" کا معنیٰ ہوا "ظاہری
خبریں لے لو پوشیدہ باتوں کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو یا معنیٰ یہ ہے کہ باطنی امور کو تلاش نہ کرو اور عیوب
کے پیچھے نہ پڑو" اور الحاسوس بمعنے جاسوس ہے یا الحاسوس وہ جو خیر کی خبر تلاش کرے اور الجاسوس
وہ جو شر کی خبر کا متلاشی ہو۔

حدیث شریف: میں ہے مسلمانوں کے عیوب کے درپے نہ ہو اس لیے کہ جو مسلمانوں کے عیوب
کے درپے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہوگا یہاں تک کہ
اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے گا اگرچہ اس کے اپنے گھر میں ہی، حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

خیانتہائے پنہاں می کند آخر برسوائی
کہ دزد خانگی را شحنہ در بازار می گیرد

ترجمہ۔ مخفی خیانتیں بالآخر رسوائی کی طرف لے جائینگی اس لیے کہ چور کو کوتوال
گھر میں سے بھی پکڑ سکتا ہے۔

حدیث جبریل علیہ السلام: سیدنا جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

عرض کی کہ اگر ہمیں زمین پر عمل کرنے کا حکم ہوتا تو ہم تین عمل کرتے :۔

(۱) مسلمانوں کو پانی پلانا ۔

(۲) عیالدار کی مدد کرنا ۔

(۳) مسلمانوں کے عیب چھپانا ۔

حکایت : حضرت زید بن وہب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے عرض کی کہ آپ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرات گرتے نظر آتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہمیں کسی کے پوشیدہ حالات کی آگاہی سے روکا گیا ہے اگر کچھ ظاہر ہو جائے تو پھر ہم گرفت کر سکتے ہیں ۔

حدیث شریف[۱] میں ہے " اللھم استر عوراتنا و آمن روعاتنا " اے اللہ ہمارے عیوب ڈھانپ اور ہمیں خطرات سے امن میں رکھ ۔

فائدہ : عورات عورۃ (بالتسکین) کی جمع ہے انسان کا ستر اور وہ عیوب اور نقائص جس کے ظاہر ہونے پر حیا و ننگ محسوس کرے ۔

حدیث شریف[۲] میں ہے کہ اللھم لا تؤمنا مکرک ولا تنسنا ذکرک ولا تھتک عنا سترک ولا تجعلنا من الغافلین " اے اللہ ہمیں اپنی گرفت سے بے خوف نہ کر اور اپنا ذکر ہمیں نہ بھلا اور اپنے ستر کی ہمارے سے ہتک نہ کر اور نہ ہی ہمیں غافلوں سے بنا ۔

فائدہ : حضور علیہ السلام نے فرمایا جو یہی دعا پڑھکر سوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاں ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی محبوب گھڑی میں بیدار کرتا ہے ۔ (المقاصد الحسنہ)

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ محتسب کو جائز ہے کہ وہ بازار والوں کی خیانت سے خود بخود آگاہی حاصل کرے بغیر اس کے کہ کوئی خبر دے ۔

سوال ۔ یہ بہ تقریر مذکور بالا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ تجسس سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے ۔

جواب ۔ طلب الخیر شر و اذیت پہنچانے کے لئے ناجائز ہے ۔ ہاں طلب الخیر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے جائز ہے اور نہ ہی یہ حدیث شریف کی نہی میں داخل ہے ۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ صورت تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حکایت کے مخالف ہے فلہذا ناجائز ہے ۔

جواب : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد تھا کہ اس کی خطا کی تلاش کے ہم نہ آمر ہیں نہ مامور اور محتسب چونکہ حکومت کی طرف سے مامور ہوتا ہے اسی لئے اس کے لئے جائز ہے۔

سوال : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول (تاخذہ بہ) ہم اس کی گرفت کریں گے بتاتا ہے کہ آپ نے حکومت کے حکم کی حیثیت سے فرمایا کیوں کہ یہ قول یا حاکم کہہ سکتا ہے یا وہ شخص جو حکومت کی طرف سے مامور ہو۔

جواب : واقعی حضرت ابن مسعود مامور از حاکم تھے لیکن الولید کی گرفت اس لئے نہ کی کہ خبر دینے والے نے عیب جوئی و تنقیص کے رنگ میں خبر پہنچائی اور اس وقت وہ عیب کی حیثیت کو سامنے رکھ کر ٹال گئے۔ اگر خود اس کام کو نہی عن المنکر کے طور کرتے تو پھر ان کے لئے جائز ہوتا یا آپ نے ولید کے حق میں چشم پوشی کو بہتر سمجھا کہ ممکن ہے کہ وہ اس فعل سے خود بخود باز آجائے اور محتسب کو اس ارادہ پر چشم پوشی جائز ہوتی ہے۔

حکایت : سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رات کو گشت کر رہے تھے تو آپ نے دیئے کی روشنی سے دیوار کے اندر جھانکا تو دیکھا کہ اندر لوگ شراب پی رہے ہیں اب آپ سوچ میں پڑ گئے کہ انہیں گرفتار کرنا چاہیے یا نہ آپ اس شش و پنج میں مسجد شریف میں تشریف لے گئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا آیئے آپ کو ایک منظر دکھاؤں۔ انہیں بھی اسی سوراخ سے دکھایا کہ شراب پیا جا رہا ہے آپ نے پوچھا اب ان کے متعلق کیا کرنا چاہیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی یہ خطا ہم نے غیر شرعی طریق سے دیکھی ہے جب ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ولا تجسسوا ہم نے چونکہ ان خطاؤں کو جھانکا ہے جنہیں اللہ نے ہمارے سے پوشیدہ رکھا ہے اور وہ بھی اسے چھپ کر پی رہے ہیں ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کے چھپائے ہوئے عیوب کو برسرِ میدان لائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا آپ سچ فرماتے ہیں۔ انہیں اس حال پر چھوڑ کر دونوں واپس آگئے۔

مسئلہ : محتسب کو جائز نہیں کہ وہ تجسس کرے اور نہ ہی کسی کی دیوار پھلانگے اور نہ ہی کسی کے گھر بلا اجازت داخل ہو۔

سوال : جو شخص گھر میں بیٹھ کر بدعات سیئہ کی اشاعت کرتا ہے محتسب اس کے گھر میں بلا اجازت جا سکتا ہے تم کہتے ہو کہ مجرم کے گھر میں وہ بلا اجازت نہیں جا سکتا۔

جواب : یہ بھی اس بدعتی کی بدعات کے لئے ہے جس کی بدعات ظاہر ہو چکی ہیں جس کی بدعات سربستہ اپنے گھر میں ہیں اس کے گھر میں بھی بلا اجازت نہیں جا سکتا۔ کیوں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے چھپایا ہے ہم کون لگتے ہیں اس کے بندے کے عیوب کو ظاہر کرنے والے۔

صوفیانہ اسباق مذکورہ بالا احکام غیروں کے عیوب کے ہیں ہاں اپنے عیوب کی تلاش کرنی چاہیے بلکہ اصلاح وتزکیہ کے لئے لازم اور ضروری ہے اسی لئے صوفیہ کرام نے فرمایا کہ عیوب النفس کا انکشاف کرامات وخوارق عادات سے اولیٰ ہے اس لئے کہ جب تک وہ عیوب نفس میں موجود ہوں گے تزکیہ نفس نصیب نہ ہوگا اور نہ ہی ایسے انسان کو کرامت فائدہ دے گی بلکہ ایسے سے ظہور کرامات اسکو عجب و دگردن بڑھانا غرور وغیرہ مراد ہے) میں ڈال دے گا (ہم اللہ تعالیٰ سے نفس کے غرور وشرور وفجور سے پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ولا یغتب بعضکم بعضا (اور نہ ہی بعض تمہارا بعض کی غیبت کرے (حل لغات) الاغتیاب بمعنی غیبت (گلہ کرنا) الغیبۃ (بالکسر) اغتیاب کا اسم (حاصل مصدر) ہے اسے بفتح الغین پڑھنا غلط ہے اس لئے فتح الغین مصدر ہے بمعنی الغیبوبۃ اب معنی یہ ہوا کہ پیٹھ کے پیچھے کسی کو کوئی برائی سے یاد نہ کرے۔

غیبت کیا ہے؟ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ غیبت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ بھائی کو ایسی برائی سے یاد کرنا جو اسے ناگوار گزرے اگر وہ برائی اس میں ہے تو اس کا نام غیبت ہے اگر نہیں تو اس کا نام بہتان ہے یعنی تو نے اس کے لئے وہ بات کی جو اس نے نہیں کی خلاصہ یہ کہ غیب واغتیاب یہ ہے کہ کسی میں چھپا ہوا ہے تو اس کے پس پشت ظاہر کرے اگرچہ بات سچی ہو (اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہاں کوئی ضرورت شرعی ہو تو جائز ہے) کہ جو نہی وہ اسے سنے تو اس سے اسے غم ہو۔ وہ عیب جو تو نے اس کے پس پشت بیان کیا ہے اگر جھوٹ ہے تو وہ بہتان ہے۔ یہی باتیں علاقے ویران اور برباد کرتی ہیں۔ ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا (کیا تمہارا ایک دوست چاہتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے) میتاً منصوب ہے لحم سے حال ہے۔ وہ گوشت جو زندہ سے جدا کیا جائے اسے (مردار) سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیث شریف: وہ گوشت جو زندہ سے جدا کیا جائے وہ میت (مردار) ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا میتاً اخیہ سے حال ہے یہ اس مذہب پر ہے جو مضاف الیہ سے حال مطلقاً جائز سمجھتا ہے۔

فائدہ: نافع نے میتاً کو مشدد پڑھا ہے

فائدہ: یہ کلام تمثیل وتصویر ہے اس کی جو گلہ گو سے خارج ہوتا ہے اور بحیثیت گلہ کرنے والے کے لئے نہایت فحش اور طبعاً وعقلاً وشرعاً نہایت قبیح شے ہے۔ اغتیاب کو مغتاب (جس کا گلہ کیا گیا)

کی بے عزتی کے درپے ہونے کو مردار کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور مشبہ بہا کی ہیئت کذائیہ کو مشبہ کی ہیئت کذائیہ سے تعبیر کیا اور ظاہر ہے کہ مشبہ بہا کی ہیئت کھانے کی چیزوں سے قبیح ترین شے ہے جس سے ثابت ہوا کہ تمثیل مذکور گلہ کرنے کے لئے قبیح ترین صورتوں میں سے ہے اس لئے کہ انسان کا گلہ کیا جائے تو اس کا دل اپنی بے عزتی سے ایسے درد محسوس کرتا ہے جیسے کسی کے زندہ جسم سے گوشت کاٹا جائے بلکہ انسان کا دل تو جسم و خون سے زیادہ برگزیدہ ہے تو سمجھدار جیسے زندہ آدمی کا گوشت کھانا گوارہ نہیں کرتا تو پھر وہ بطریق اولیٰ کسی کا گلہ کرنا گوارہ نہ کرے گا بالخصوص مردار کھانا نفوس کے لئے انتہائی کراہت اور طبائع کے لئے انتہائی نفرت ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ غیبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

فائدہ: میتاً میں ازالہ وہم ہے وہ یہ کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ منہ پر گالی دینا تو دل کی ایذا کا موجب ہے اسی لئے حرام ہے لیکن غیبت تو گناہ نہ ہونی چاہیے اس لئے کہ مغتاب (جس کا گلہ کیا گیا) کا دل نہیں دکھتا اس لئے کہ اس کا اسے علم نہیں ہوتا اس کے دفعیہ کے لئے فرمایا کہ مردار بھائی کے گوشت کھانے سے بھی اس کا دل نہیں دکھتا تو پھر اس کے کھانے سے کتنا کراہت ہوتی ہے اسی لیے لازم ہے کہ حقوق اخوت کے پیش نظر اس کے پس پشت اس کا گلہ نہ کرنا چاہیے (حواشی ابن الشیخ)

صاحب روح البیان کی تحقیق: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ مانا کہ اغتیاب سے مغتاب کا دل نہیں دکھتا بوجہ بے خبری کے لیکن **حکماً** اس کا دل دکھانا ہے کیوں کہ جب اُسے سنے گا تو مغموم ہوگا علاوہ ازیں ہمارے (اہل سنت کے) نزدیک میت کو درد پہنچتا ہے اگر اس میں روح نہیں جیسے دانت کہ وہ ایک ہڈی ہے لیکن اسے درد ہوتا ہے اگرچہ اس میں حیات نہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے۔

فکرھتموہ تو اس سے کراہت کرتے ہو' **فاء** مابعد کو ماقبل کی تمثیل سے مرتب کرنے کے لئے ہے گویا کہا گیا کہ جب گلہ گوئی میں ایسی خرابی ہے تو پھر تمہیں اس سے کراہت کرنی چاہیے یہاں لفظ قد مقدر ہے تاکہ فاء جزا ء پر داخل کیا جا سکے اس سے بے گلہ کرنے والوں کو گلہ کرنے سے کراہت و نفرت دلانا مقصود ہے گویا کہا گیا کہ جب تمہارے نزدیک مردار کھانے سے ایسی کراہت و نفرت محسوس ہوتی ہے تو پھر تمہیں گلہ گوئی سے بچنا چاہیے۔

واتقوا اللہ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ساتھ ترک اس کے جس کے تم مامور ہو اور ساتھ ندامت

کہ اس سے جو تمہارے سے اس کے قبل صادر ہوا اس کا ان او امر و نواہی پر عطف ہے جو پہلے گزریں
ان اللہ تواب رحیم بے شک اللہ تعالیٰ تو بہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور تائب پر بھی
رحمت کر اسی نے گویا گناہ کیا ہی نہیں اور یہ کسی مخصوص تائب کے لئے نہیں بلکہ ہر قسم کا تائب اگرچہ اس
نے کتنا ہی اور بہت بڑے گناہ ہوں۔ صیغہ مبالغہ (تواب) کے متعلقات کے اعتبار سے ہے۔

شان نزول وقصہ گلہ گو مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب اوس کی جنگ کو تشریف
لے گئے تو آپ کی عادت کریمہ تھی کہ دو دولتمندوں کا ایک مسکین خدمت گار
فرمادیتے تاکہ وہ ان کا کھانا تیار کرے اور دوسری ضروریات بھی پوری کرے۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دو شخصوں (دو دولتمندوں کا) خادم مقرر فرمایا
ایک دن حضرت سلمان گھر پر ... کر سوگئے ان کے لئے کچھ تیار نہ کر سکے جب وہ دونوں واپس آئے اور طعام
مانگا تو فرمایا مجھے نیند کا غلبہ رہا اسی لئے کھانا تیار نہ کر سکا انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھانا
مانگ کر لایئے آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ اسامہ سے پوچھئے کیونکہ
حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خازن تھے ان سے پوچھا تو فرمایا طعام ختم ہے واپس آئے تو انہوں
نے کہا اسامہ کے پاس طعام تو ہوگا لیکن بخل کیا اچھا دوسرے صحابہ کے پاس جایئے ممکن ہے ان کے پاس ہو
ان کے پاس گئے تو انہوں نے بھی انکار کیا واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم تمہیں بیر سمیحہ کے ہاں بھیجتے تو اس کا
پانی نیچے چلا جاتا۔

فائدہ: سمیحہ بروزن جہنیہ (بالحاد المہملہ) وہ ایک کنواں تھا مدینہ پاک میں جس کا پانی بہت گہرا تھا
(قاموس) پھر وہ دونوں دولتمند چل پڑے تاکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے طعام تلاش کریں کیوں کہ انہیں
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طعام کا فرمایا تو پھر کیوں نہ دیا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا مالی اری خضرة اللحم فی افواهكما
مجھے کیا ہے کہ میں تمہارے منہ سے گوشت کی سیاہی دیکھ رہا ہوں۔

فائدہ: اہل عرب اسود کو اخضر (سبز) اور اخضر کو اسود کہہ دیا کرتے تھے اور خضرة اللحم
پہلی قسم سے ہے یعنی سیاہی۔ گویا حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے گوشت سے مردار کا گوشت مراد لیا اس لئے
کہ اس پر دیر گزرنے کی وجہ سے وہ سیاہ ہوجاتا ہے اور انہیں گلہ کرنے کی قبیح ترین تمثیل دی۔

فائدہ: یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے گوشت سبزی سے نضارة یعنی رونق مراد لی ہو یعنی اس کے

کھانے سے نضارۃ (رونق لذت محسوس کرنا) دیکھتا ہوں۔
یہاں بھی خضرۃ سے بمعنی نضارۃ ہے یعنی بارونق دنیا میٹھی اور بارونق ہے

حدیث شریف تروتازہ اور نعمتوں والی

بقایا قصہ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ہم نے تو آج گوشت نہیں کھایا اور آپ نے فرمایا تم دونوں نے اسامہ وسلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا گوشت کھایا ہے

یعنی تم نے ان کا گلہ کیا ہے ؎

(۱)
آنکس کہ لواء غیبت افراختہ است
از گوشت مردگان غذا ساختہ است

(۲)
وآنکس کہ بعیب خلق پرداختہ است
زانست کہ عیب خویش نشناختہ است

ترجمہ: (۱) جس نے غیبت کا جھنڈا بلند کیا ہوا ہے اس نے لوگوں کے گوشت سے غذا بنائی ہوئی ہے
(۲) وہ جو لوگوں کے عیب میں مشغول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عیب نہیں پہچانے۔

حدیث شریف میں ہے الغیبۃ اشد من الزنا غیبت زنا سے بدتر ہے۔
عرض کی گئی یارسول اللہ کیسے آپ نے فرمایا اس لئے کہ زانی زنا کرکے توبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن گلہ کو نہیں بخشا جائے گا جب تک اسے وہ نہ بخشے جس کا اس نے گلہ کیا ہے۔ (کشف الاسرار)

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ گلہ لوگوں کے کتوں کی سالن ہے

حکایت و اعجوبہ ابو طیب طاہری بنی سامان کی ہجو کرتا تھا اسے نصر بن احمد نے کہا کب تک روٹی لوگوں کے گوشت سے کھاتا رہے گا اس کے بعد اس نے ہجو چھوڑ دی

حضرت صائب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

کسی کہ پاک نسازد دہن ز غیبت خلق
ہماں کلید درد ز خست مسواکش

ترجمہ: وہ جو اپنا منہ غیبت سے پاک نہیں رکھتا یہی اس کی دوزخ کی کنجی ہے جو اس کے منہ میں مسواک کی طرح ہے۔

حکایت سعدی رحمۃ اللہ علیہ میں ابھی بچہ تھا تو بہت عبادت کرتا تھا شب خیز اور زہد عبادت پر حریص تھا اور پرہیزگار بھی غضب کا تھا ایک رات باپ مرحوم کی خدمت میں تھا ساری رات عبادت میں گزار دی اور تلاوت قرآن کرتا رہا۔ چند لوگ ہمارے قریب مزے سے سو رہے تھے میں نے باپ سے کہا انمیں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اٹھ کر صرف ایک دوگانہ پڑھے خواب غفلت میں ایسے غرق ہیں کہ گویا مُردے ہیں۔ والد مرحوم نے فرمایا بیٹے اگر تم ساری رات سوتے تو اس عبادت سے بہتر تھا کہ تو غیبت میں گرفتار ہوا ؎

نہ بیند مدعی جز خویشتن را
کہ دارد پردۂ پندار در پیش
اگر چشم دلت را بکشائی
نہ بینی ہیچکس عاجز تر از خویش

ترجمہ: مدعی صرف خود کو دیکھتا ہے اس گمان سے جو اس کے اندر ہے۔
اگر دل کا دروازہ کھولو تو اپنے سے کسی کو بھی عاجز نہ دیکھوگے۔

حدیث معراج حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شب معراج ایک ایسی قوم پر گزرا جو اپنے چہرے اور سینے چھیلتے تھے میں نے کہا یہ کون ہیں جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے اور ان کی عزت آبرو پر حملہ کرتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے پانچ آدمیوں کے (درحقیقت) روزے ٹوٹ جاتے ہیں۔[۱]
(۱) جھوٹا
(۲) غیبت کرنے والا
(۳) چغل خور
(۴) شہوت سے غیر عورت اور بے ریش لڑکا کو دیکھنے والا

---

[۱] شرعاً روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ ایسے امور سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے ۱۲ اویسی غفرلہ

پہلا گلہ گو سب سے پہلے ابلیس نے آدم علیہ السلام کا گلہ کیا۔

حکایت ، حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ اگر کسی کا (اچانک) گلہ ہو جاتا تو ایک دینار صدقہ کرتے۔

مسئلہ ، یہاں ایک تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ (عمداً) گلہ سننے والا گلے کہنے والے کی طرح ہے

حکایت ، حضرت میمون رضی اللہ عنہ نے خواب میں زنگی کے مردار کو دیکھا انہیں کہا گیا کہ اسے کھائیے کہا کیوں کہا گیا کہ آپ نے فلاں کے غلام کا گلہ کیا فرمایا کہ میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ کہا گیا آپ نے اس سے گلہ تو نہیں کیا لیکن اس کا گلہ سنا تو ہے اور اس سے آپ راضی تھے اس کے بعد حضرت میمون نے کسی کا گلہ نہ کیا۔ اگر کوئی آپ کے سامنے گلہ کرتا تو آپ سننا گوارہ نہ کرتے (بلکہ گلہ گو اپنی مجلس میں بیٹھنے نہیں دیتے۔

مسئلہ ، بعض متکلمین نے فرمایا کہ غیبت تب ہے جب کسی کو ضرر رسانی اور کسی کی عزت گھٹانے کے ارادہ پر ہو ہاں اگر افسوس کے اظہار کے ارادہ پر ہو تو غیبت نہ ہوگی۔

مسئلہ ، بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے جرائم و معاصی تنبیہ کے ارادہ پر ظاہر کرے تو جائز ہے۔ (الواقعات)

فائدہ ، اس کی علت یوں بیان کی کہ غیبت وہی ہے جب کسی کی عزت گھٹانے اور ضرر رسانی کے ارادہ پر ہو۔

مسئلہ ، حضرت امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ فقہاء کرام نے غیبت کو بہت بڑا گناہ اور خطرناک بیماری بتائی ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ کسی کی غیبت نہ کرنی چاہیے کیوں کہ عیب کے ذکر میں غیبت بن تو ہے کون ہے جو نیت و ارادہ پر کنٹرول کر سکے اسی لیے اس سے بچنا لازمی ہے یہی تقویٰ و احتیاط کو قریب تر ہے۔

مسئلہ ، ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ غیر معروف لوگوں کی پس پشت غیبت جائز ہے ہاں معروف لوگوں کی غیبت حرام ہے۔

مسئلہ ، کوئی مرد نماز پڑھتے ہوئے کسی کی ہاتھ یا زبان سے غیبت کرے یعنی قرأت میں ایسے الفاظ پڑھے جو ان الفاظ سے اس کی غیبت صادر ہوتی ہے تو یہ غیبت میں داخل نہ ہوگا۔

مسئلہ : اگر ایسے طریقے سے بادشاہ (حاکم وقت) کو کسی مجرم کے جرم کی خبر دی تاکہ وہ اس مجرم کو جرم کی سزا دے تو بھی غیبت نہ ہوگی۔

مسئلہ : المقاصد الحسنہ میں ہے کہ تین ایسے اشخاص ہیں کہ جن کے جرائم لوگوں کو سنائے جائیں تو جائز ہے۔

(۱) حاکم ظالم۔

(۲) فاسق معلن (کھلم کھلا گناہ کرنے والا) کا فسق ظاہر کرنا۔

(۳) ایسا بدعتی کہ جو اپنی بدعت کی عام دعوت دیتا ہے یعنی ان کے ان جرائم وگناہوں کا ذکر جس میں وہ مبتلا ہیں نہ کہ دوسرے عیوب۔

مسئلہ : حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فاجر کا فجور بیان کرنا اس نیت سے کہ لوگ اس فجور (گناہ) سے بچ جائیں یا اسے تنبیہ ہو کہ وہ اس گناہ سے باز آجائے۔ تو یہ غیبت نہ ہوگی۔

مسئلہ : جو حیاء کی چادر منہ سے اتارے اس کا گلہ بھی جائز ہے[1] (بشرط مذکور)

مسئلہ : جب فاسق کا فسق بیان کرنا جائز ہے تو کافر کا کفر بیان کرنا بطریق اولیٰ جائز ہے ایسے ہی بد مذاہب کی بدمذہبی (وہابیت مرزائیت۔ رفض وغیرہ کا ذکر ان سب سے زیادہ ضروری ہے کیوں کہ عوام انہیں مسلمان سمجھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔[2]

مسئلہ : بعض مشائخ کا یہ مسلک ہے کہ اس میں احتیاط ضروری ہے وہ فرماتے ہیں کہ خلق کی برائیوں کو کسی طریقہ سے مطلقاً نہیں بیان کرنا چاہیے۔

حکایت حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا گیا کہ آپ حجاج کے حق میں کوئی بات تو فرمائیں فرمایا کہ میں اس کے بارہ میں کچھ کہوں تو کیا فائدہ کیوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے توحید (کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی برکت سے چھوڑ دے اور اگر مجھے اس کے گو غیبت سے پکڑ لے تو پھر کیا ہوگا۔[3]

مسئلہ : اسی لئے بعض بزرگ یزید کی لعنت سے بچتے تھے

مسئلہ : حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ابلیس کو کبھی لعنتی نہیں کہا اگرچہ وہ واقعی لعنتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی لعنت کی صراحت فرمائی جب ایک واقعی لعنتی کو لعنت نہیں کہتا تو پھر اسے کیوں لعنتی کہوں جس کا لعنتی ہونا مشتبہ ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا انجام اور خاتمہ کیسے ہوا۔

---

[1] تفسیر الکواشی ۱۲ ، [2] مشارق الانوار لابن الملک ۱۲ [3] ایضاً [4] احیاء العلوم

تفسیر عالمانہ یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی اے لوگو بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا مرد اور عورت یعنی آدم وحوا د علی نبینا وعلیہم السلام سے یا ہم نے تمہیں تمہاری ماں باپ سے پیدا کیا نسبت انسانیت میں تم سب برابر ہو مرد اور عورت کے ہونے کے لحاظ سے تو پھر نسب پر فخر کرنے کا کیا فائدہ ہے

الناس من جہۃ استمثال اکفاء
ابو ھمو آدم و الاُم حواء
فان یکن لھمو من اصلھم نسب
یفاخرون بہ الطین و الماء

ترجمہ: لوگ ظاہر لحاظ سے سب ایک ہیں ان کا باپ آدم اور ماں حوا ہیں (علی نبینا وعلیہما السلام) اگر وہ اپنی اصل سے فخر کرتے ہیں تو بھی غلط ہے کیوں کہ ان کی اصل تو مٹی اور پانی ہے۔

ے از نسب آدمیانی کہ تفاخر ورزند
از راہ دانش وانصاف چہ دور افتادند
نرسد فخر کسی را بنسب بر دگری
چونکہ در اصل زیک آدم وحوا زادند

ترجمہ: لوگ اگر نسب سے فخر کرتے ہیں تو انصاف وعقل کے حکم سے وہ بہت دور پڑے ہیں نسب سے کسی کا فخر دوسرے کو نہیں پہنچتا کیوں کہ سب آدم وحوا (علی نبینا علیہم السلام) زادے ہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے بعد اذان کا حکم فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ پر چڑھ کر اذان پڑھی تو عتاب بن اسید (آپ طلقاء میں سے تھے) نے کہا

الحمد للّٰہ الذی قبض ابی ھذا الیوم — الحمد للہ میرا باپ فوت ہو گیا

کہ اس نے یہ وقت نہ دیکھا) اور حارث بن ہشام نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے کہتے

بلال رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہیں ملا۔

دوسرا شانِ نزول حضرت ابو بکر بن ابی داؤد نے اپنی تفسیر القرآن میں لکھا کہ یہ آیت ابو ہند کے حق میں نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو بیاضہ کو حکم فرمایا کہ ان کا کسی عورت سے نکاح کرو تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم اپنی لڑکیاں غلاموں کو دے دیں تو یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ اصل کفو دینی ہے یعنی صلاح وحسب وتقویٰ وعدالت ہے۔ اگر مرد مبتدع اور عورت سُنیہ ہو تو یہ کفو نہ ہوگی۔

مسئلہ : الرستغفنی سے سوال ہوا کہ اہلسنت و معتزلہ[1] کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے یا نہ آپ نے فرمایا جائز نہیں (جمع الفتاوی)

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ (اور تمہیں ہم نے شاخ شاخ اور خاندان خاندان پر بنایا)

حل لغات شعوب شعب (بفتح الشین) وہ بڑی جماعت جو ایک اصل کی طرف منسوب ہوں اور شعب قبیلہ کا جامع ہے قبائل کا جامع عمارہ ہے (عمارة بکسر العین) کی جمع ہے) عمائر کا جامع بطون ہے بطون کا جامع افخاذ ہے۔ افخاذ کا جامع فضائل ہے فضائل کا جامع عشائر ہے عشیرہ کے بعد کوئی نہیں کہ جس سے اسے موصوف کیا جا سکے (کشف الاسرار) مثلاً خزیمہ شعب ہے کنانہ قبیلہ ہے قریش عمارة۔ ہے اور قصی بطن ہے اور ہاشم فخذ ہے اور عباس فصیلت ہے۔ اور شعب کو اس لیے شعب کہتے ہیں کہ اس سے قبائل کی یوں شاخیں نکلتی ہیں جیسے درخت کی ٹہنیاں اور قبائل کو اس لیے قبائل کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اب کے آمنے سامنے ہے بعض نے کہا کہ شعوب عجم کے بطون کو کہا جاتا ہے اور قبائل عرب کے بطون اور اسباط بنی اسرائیل کو شعوب قحطان سے ہیں اور قبائل عدنان سے۔

لِتَعَارَفُوْا (تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو) تعارفو دراصل تتعارفوا تھا، ایک تا محذوف ہے

---

[1] دورِ حاضرہ میں معتزلہ کے اصول وہابی، دیوبندی، مودودی، پرویزی، چکڑالوی نے اپنائے ہوئے ہیں عوام ان کے ساتھ رشتہ ناطہ کے بعد پچھتاتے ہیں جب وہ اپنے اصول کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ شرعی طور ان سے مناکحت رشتہ ناطہ حرام ہے چونکہ ہمارے دور میں عوام میں زیادہ تر وہابی دیوبندی پھیلے ہوئے ہیں اسی لئے ہم عرض کرتے ہیں۔ ان فرقوں سے بچیوں کا بیاہنا اپنے ہاتھوں انہیں جہنم میں جھونکنا ہے ایسے ہی شیعوں اور مرزائیوں وغیرہ وغیرہ سے۔

اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ تمہارا بعض بعض کو پہچانے بحسب انساب کے کوئی بھی اپنے آباء کے بغیر کسی دوسرے کی طرف منسوب نہ ہو نہ کہ اپنے آباء و قبائل پر فخر کرو اور انساب میں تفاوت و تفاضل کا دعویٰ کرو۔

فائدہ: حضرت علامہ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو شخص اگر ہمنام ہوں تو قبیلہ وغیرہ سے متمیز ہو سکیں مثلاً کہا جائے زید تمیمی اور زید قریشی وغیرہ۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار (متقی) ہو یہ نہی تفاخر بالاکساب کی تعلیل ہے جو کلام سابق سے مستفاد ہے۔ بطریق استیناف تحقیقی کے گویا کہا گیا کہ اللہ کے ہاں مکرم تر وہی ہے جو زیادہ متقی پرہیزگار ہے اگرچہ وہ عبد حبشی اور کالا سیاہ ہو جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ اگر تم نے فخر کرنا ہے تو تقویٰ اور فضل الٰہی اور اس کی رحمت بلکہ اس کی ذات سے فخر کرو کیا تم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی نہیں پڑھا۔ آپ نے فرمایا۔

انا سید ولد آدم ولا فخر میں جملہ اولاد کا سردار ہوں لیکن اس سے میں فخر نہیں کر رہا یعنی مجھے سیادت و رسالت کا فخر نہیں بلکہ عبودیت پہ ناز ہے کیوں کہ یہی حقیقی شرف (بزرگی) ہے اور اسی عبدیت کی شرافت کی وجہ سے کلمہ شہادت میں عبدہٗ کو مقدم کیا گیا ہے جیسے اشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ بیشک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے عبد مقدس اور رسول محترم ہیں)۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک بازار سے گزرتے ہوئے ایک زنگی کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ مجھے کوئی خریدے لیکن میری ایک شرط ہے وہ یہ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقتداء میں نماز پنجگانہ سے نہ روکے اس کے بعد آپ نے اسے غیر حاضر پایا معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے آپ اس کی طبع پرسی کے لئے تشریف لے گئے چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ وہ موت کی کشمکش میں ہے آپ تشریف لے گئے دیکھا تو وہ چند لمحات کا مہمان ہے اس کی نومیدگی پر آپ نے خود نہلایا (یعنی خصوصی اہتمام فرمایا اور دفنایا یہ بات مہاجرین و انصار کو بہت بھاری محسوس ہوئی کہ آپ نے ایک سیاہ حبشی کے لئے اتنا بڑا اہتمام کیوں فرمایا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوب جانتا ہے اور تمہارے اعمال کا بھی خبیر تمہارے باطنی احوال سے بھی آگاہ ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے اپنی حواشی میں لکھا کہ اگرچہ نسب شرعاً و عرفاً معتبر ہے لیکن سیدہ کا نکاح نبطی سے ناجائز ہے۔

فائدہ : القاموس میں ہے انبط (محرکۃ) ایک قبیلہ ہے جو عراقیوں کے درمیان پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اسی طرف منسوب کرکے کہا جاتا ہے ھو نبطی (محرکہ) وہ نبطی ہے) لیکن اس کی کوئی قدر نہیں تقویٰ ایمان کے سامنے چھپا تا کیوں کہ ایمان و تقویٰ اس سے عزیز اور مکرم تر ہے۔ نسب ایمان و تقویٰ کے سامنے لیسے چھپ جاتا ہے جیسے ستارہ سورج کے سامنے۔ یہی وجہ ہے کہ قریشی اگر فاسق ہو تو اس کی مومن متقی کے سامنے وہ کسی قدر و منزلت نہیں۔ اگرچہ وہ عبد حبشی ہو۔ [1]

(نکتہ) دنیا میں بہت سے امور فخر و ناز کے لائق نہیں لیکن نسب ایک ایسی شے ہے جو سب سے بالاتر ہے اس لئے کہ وہ ثابت اور دائمی اور غیر مقدور التحصیل ہے (یعنی انسان کے بس سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سادات کرام نسبی لحاظ سے ہم سب سے بالاتر ہیں اگر وہ علم و عمل کی دولت سے آراستہ و پیراستہ ہوں تو سبحان اللہ کیا کہنا)۔ بخلاف دوسرے اسباب کے مثلاً مال کہ وہ کبھی مسکین غریب کو بھی حاصل ہو جاتا ہے اسی لئے اس پر فخر کرنے والا اسپر فخر کرے تو کیوں ایسے ہی اولاد یا غات۔ جاگیریں وغیرہ کا حال ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی نسب کا ذکر فرما کر اس کا تقویٰ کے سامنے نیچا کر دکھلایا تاکہ معلوم ہو کہ جو شے ثابت اور دائمی تھی وہ بھی تقویٰ کے بالمقابل کچھ نہیں تو پھر باقی اسباب افتخار کس شمار میں۔

حدیث شریف میں ہے بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے اسی لئے کسی عربی کو عجمی پر اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر اور نہ ہی سرخ کو کالے پر اور نہ ہی کالے کو سُرخ پر فضیلت ہے سوائے تقویٰ کے اور اسی پر علماء کا اجماع ہے (بحر العلوم)

فارسی کا مقولہ مشہور ہے: "ہر کرا تقویٰ بیشتر قدم اور مرتبۂ فضل بیشتر" جس کا تقویٰ زیادہ فضیلت میں اس کا مرتبہ بیشتر ہے۔

ایک عربی کا مقولہ بھی ہے "الشرف بالفضل والادب، لا بالاصل والنسب" بزرگی فضل علم اور ادب سے ہے نہ کہ اصل و نسب سے۔

با ادب باش تا بزرگ شوی
کہ بزرگی نتیجۂ ادب است

ترجمہ: باادب ہو تاکہ بزرگ ہو جاؤ اس لئے کہ بزرگی ادب کا پھل ہے۔

---

[1] اس سے دور حاضرہ کے بعض گدی نشین اور پیرزادے کچھ تو سبق حاصل کریں کہ فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے باوجود اہل علم و عمل کی ان کی نظروں میں کوئی قدر و منزلت نہیں اور کچھ اس بیماری میں عوام اور خوشامدی مولوی ہیں جو وہ ان کے ذہنوں کو برباد کر رہے ہیں وہ گدی نشین اور پیرزادے بجائیکہ فاسق و فاجر ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل علم و عمل کے سامنے وہ کسی قطار و شمار میں نہیں لیکن اس کا علم قیامت میں ہوگا (انشاء اللہ)

فائدہ بعض اکابر مشائخ نے فرمایا کہ بزرگی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے ہاں نسب کی وجہ سے ہے نسبت سے نہیں کیوں کہ نسبت (انسانی) کے لحاظ سے سب ایک ہیں لیکن اس کے ہاں مکرم تر زیادہ تقویٰ والا ہے

مسئلہ : اعمال ظاہرہ سے بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جا سکتی کیوں کہ کبھی تابع متبوع سے کسی دوسری وجہ سے فضیلت میں بڑھ جاتا ہے اگر فضیلت کا موجب ذاتی طور یا کسی مقام کی وجہ سے ہوتی تو ابلیس کو آدم علیہ السلام پر فضیلت ہوتی کیوں کہ اس نے خود دعویٰ کیا کہ "خلقتنی من نار وخلقتہ من طین" تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے بنایا ہے لیکن چونکہ شرافت و بزرگی اختصاص الٰہیہ ہے اسے منجانب الحق کوئی نہیں جانتا ابلیس اپنے مقالہ میں جھوٹا ہے کیوں کہ وہ اس اختصاص سے بے خبر تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے توشرافت وخیریت حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص فرمادی تھی۔

حکایت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوا کہ لوگوں میں کون زیادہ اور بڑا برگزیدہ ہے آپ نے مٹی سے دو مٹھی بھر کر فرمایا ان میں کون بہتر اور اشرف ہے عرض کی گئی ہے کوئی نہیں آپ نے دونوں کو پھینک کر فرمایا "الناس کلھم تراب واکرمھم عند اللہ اتقاھم" تمام لوگ مٹی سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ؎

ابی الاسلام لا اب لی سواہ

اذا افتخروا بقیس او تمیم

ترجمہ : میرا باپ اسلام ہے اس کے سوا میرا اور کوئی باپ نہیں جب دوسرے لوگ قیس و تمیم پر فخر کرتے ہیں (تو میں اسلام پر فخر کرتا ہوں)

حدیث شریف میں ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے قلوب ونیات کو دیکھتا ہے۔ ؎

رہ راست باید نہ بالائے راست

کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ : راہ سیدھا چاہیے نہ کہ سواری بلند اس لئے کہ کافر بھی تو بظاہر ہمارے جیسا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں متقی و مومن ہیں اور فاسق و فاجر کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کی بزرگی دولتمندی ہے اور آخرت کی تقوٰی ۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لوگ قیامت میں اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے کئے جائیں گے انہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دنیا میں خوب بولتے رہے لیکن میں خاموش رہا آج تم چپ رہو میں بولوں گا ۔ میں نے تو اپنی نسب کو بلند کرنا چاہا لیکن تم نے اپنی نسبوں کو بلند کیا میں نے کہا (میری نسب یہ ہے کہ) تم میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم تر وہ ہے جو زیادہ متقی ہے تم نے اس سے بار بار انکار کر کے کہا نہیں فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں ہے تم نے اپنی نسبوں کو بلند کیا اور میری نسب کو گھٹایا آج میں اپنی نسب (تقوٰی والے) کو بلند کرتا ہوں لیکن تمہاری نسب کو گھٹاتا ہوں آج ہی دیکھ لیں گے محشر والے کہ متقیوں کو کہاں رکھا جائے گا ۔ (کشف الاسرار)

مسئلہ : حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار ایسے ہوں گے جن کا قیامت میں اللہ تعالیٰ کوئی اعتبار نہ کرے گا ۔

(۱) زہد خصی

(۲) تقوٰی جندی

(۳) امانۃ عورت کی

(۴) عبادت غیر بالغ کی اس سے اکثریت مراد ہے (اس لئے ان کی یہ عبادتیں مجبوری ہونگی) (المقاصد الحسنہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یاایھا الناس انا خلقنکم الخ میں قلوب و نفوس کی تخلیق کی طرف اشارہ ہے کہ من ذکر سے قلوب اور من انثی سے نفوس مراد ہیں ۔ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا الخ میں اشارہ ہے انہیں دو صنفیں ہیں ۔

(۱) شعوب ان کا میلان ام (اصل) یعنی نفس کی طرف ہے ان پر صفات نفس کا غلبہ ہوتا ہے ۔

(۲) قبائل ان کا میلان اب یعنی روح کی طرف ہوتا ہے اور ان پر روح کی صفات کا غلبہ ہوتا ہے ۔

" لِتَعَارَفُوْا " تاکہ تم اصحاب القلوب وارباب النفوس کو پہچانو نہ یہ کہ گنتی بڑھاؤ اور انہیں رغبت کرو اور عقول اور اخلاق روحانیہ طبعیہ پر فخر و ناز کرو کیوں کہ وہ ظلمانیہ ہیں یہ کسی فخر و ناز کے لائق نہیں جب تک ان کے ساتھ ایمان و تقوٰی نہ ہو کیوں کہ افعال و اخلاق و احوال نور ایمانی و تقوٰی سے منور ہوتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں ریاء اور ان اخلاق و عادات کی ملاوٹ نہ ہو جو خواہشات نفسانیہ سے ہیں اور نہ ہی وہ احوال جو اجاب کی طرف منسوب ہیں اگر تقوٰی وایمان خالص نصیب ہو تو اس پر فخر و ناز

کیا جاسکتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ کرم تقویٰ ہے۔ پس تمہارا زیادہ متقی وہ ہے جو اخلاق انسانیہ سے بعید تر اور اخلاق کے قریب تر ہو۔

فائدہ: (التقویٰ بمعنے تحرز بچنا) اور متقی وہ اپنے رب کی مہربانی سے اپنے نفس سے بچے وہی اللہ کے ہاں دوسروں سے مکرم تر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط اعراب نے کہا ہم ایمان لائے) الاعراب دیہاتیوں کو کہا جاتا ہے اس کی تفصیل سورۃ الفتح میں گزری ہے۔

سوال: یہاں اعراب کے فعل میں صیغہ مونث کیوں اگرچہ جمع کسر ہے لیکن صیغہ (جمع) مذکر ہے حالانکہ قال نسوۃ جمع مکسر ہے لیکن مونث کے صیغے کے باوجود اس کے فعل میں تاء تانیث ہے۔

جواب: صیغہ مونث (قالت) میں ان کی کم عقلی کی دلالت کے لئے ہے بخلاف زنان مصر جو زلیخا[1] (رضی اللہ عنہا) سے باہم گفتگو ہوئیں وہ نوجوان اور عقلمند تھیں ان کے لئے صیغہ مذکر لانے میں اسی طرف اشارہ ہے۔

شانِ نزول یہ آیت بنی اسد کے چند آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی وہ مدینہ شریف میں قحط کے سال میں حاضر ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھا اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا کہ دوسرے عرب اکیلے اور سوار ہو کر آتے ہیں اور ہم پیدل اور بچوں اور اہل عیال کو لیکر حاضر ہوئے ہیں اور وہ آپ سے جنگ کے لئے آتے ہیں چنانچہ بنو فلاں وغیرہ آپ سے لڑے اور ہم آپ کے پاس جنگ کے ارادہ پر نہیں آئے بلکہ صرف ایمان لانے کے لئے حاضر ہوتے ہیں اس سے وہ اپنی صداقت کا اظہار کر کے منت واحسان جتلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے لئے جواب کا فرمایا کہ "قل" ان کا رد کر کے فرمایئے، لم تؤمنوا ۔ ایمان نہ لائے آؤ کیوں کہ ایمان اس تصدیق باللہ ورسولہ کا نام ہے، جو حقیقت مصدق سے پورے اعتماد کے ساتھ ہو اور قلب مطمئن ہو اور وہ ابھی تمہیں نصیب نہیں ہوا ورنہ

---

[1] زلیخا بعد کو مسلمان ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئیں اور ولیہ کاملہ تھیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے فقیر کی کتاب "دفع التعسف فی نکاح زلیخا بیوسف (نکاح زلیخا)" مطبوع ہو چکی ہے۔

تم اسلام لانے اور جنگ نہ کرنے کا احسان جتلاتے جیسا کہ اس سورۃ کے آخر کا حصہ بتلاتا ہے یعنی تصدیق وہ صحیح ہے
جیسی کفر کی قباحت اور جنگ کی شناعت کا علم پہلے ہو اور ایسی تصدیق ایمان کے اظہار اور ترک جنگ کے احسانات
جتلانے کی محتاج نہیں کیوں کہ عاقل وہ ہے جو قبیح کو معلوم کرکے اس کے ترک کا احسان نہیں جتلاتا۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے۔

حل لغات اسلم بمعنی صلح و سلامتی میں داخل ہو۔ ابسح کی طرح ہے۔ یعنی یوں کہو کہ ہم صلح و
سلامتی اور فرمانبرداری میں داخل ہوئے اپنے نفوس کی ہلاکت کے خوف سے، کیونکہ اسلام
انقیاد اور صلح و سلامتی میں داخلے کا نام ہے جیسے ان کا اظہار شہادت و ترک محاربۃ دلالت کرتا ہے یعنی ان کا فرمانبردار
ہونا اور اسلام میں صلح و سلامتی کے لئے داخل ہونا ہے۔

سوال: کلام کا تقاضا یوں تھا کہ کہا جاتا لا تقولوا آمنا ولکن قولوا اسلمنا او لم تومنوا ولکن اسلمتم
تاکہ استدراک کے دونوں جملے ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔

جواب ۱: تاکہ لفظی ایمان کی نہی سے احتراز ہو اور یہ قبیح ہے بالخصوص اس ذات سے جو دعوت اسلامی
کے لئے مبعوث ہوئے ان کو ایسا کہنا نامناسب ہے کہ وہ کسی کو کہے کہ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔

جواب ۲: تفادی ہے یعنی انہیں بتاتا ہے کہ اگرچہ تمہارا یہ کہنا محض باتیں ہیں لیکن پھر بھی بظاہر قابل قبول ہے

جواب ۳: سعدی المفتی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ احتباک ہے۔ اور یہ قرآن مجید کے اختصارات سے ہے
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ اور ابھی تمہارے قلوب میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ یہ قولوا سے
حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ لیکن کہو کہ ہم اسلام لائے درانحالیکہ تمہارے دل تمہاری زبانوں کے موافق نہیں۔

نکتہ: لفظ لما میں توقع کا معنی ہوتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ بعد کو ان کے ایمان کے لئے توقع
کرنی چاہیے۔ چنانچہ بعد کو وہ ایمان لائے۔ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اگر تم اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ طور اطاعت کرو اور منافقت ترک کر دو۔ لَا يَلِتْكُمْ
مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کمی نہ کرے گا۔

حل لغات لات یلات لیتاً سے ہے بمعنی نقص کے نقص نقصا، حضرت امام فخر الدین رازی
رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ لا یلتکم کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ لاؤ جو تمہارے ضعف کے باوجود
تمہارے لائق ہے کہ نیکیاں ہوں تو ان میں اخلاص ہو اور منافقت کو ترک کرکے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم
سے وہی جزا عطا فرمائے گا جو اس کے لائق ہے یعنی اگرچہ تمہارے اعمال میں نقص و تقصیر ہو تب بھی اپنے
فضل و کرم سے بہتر جزا عطا فرمائے گا اسے یوں سمجھو کہ بادشاہ وقت کے پاس اگر کوئی بہتر میوہ تحفہ کے طور

وہ اسی کی قیمت مثلاً بازار میں ایک درم ہو لیکن بادشاہ اسے ایک درم یا ایک دینار عطا فرمائے تو یہ بادشاہ کے بخل پر دلالت کرے گا کیوں کہ اس نے وہی قیمت دی جو رواجی تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ وہ تمہارے اعمال کی مثل تمہیں جزا دے بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں نقص و تقصیر کو نہ دیکھتے ہوئے اپنے فضل و کرم سے اتنا جزار عطا فرمائے گا کہ اس کی توقع نہیں رکھتے تھے جیسا کہ اگلا جملہ دلالت کرتا ہے اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے اس کا جو مطیعین سے کوتاہی ہو جائے " رحیم " اور ان پر اپنے فضل و کرم سے رحم کرنے والا ہے۔

مسئلہ: تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ ایمان درحقیقت تصدیق بالقلب کا نام ہے اور صرف اقرار باللسان اور شرائع کا اظہار کا نام ایمان نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حقیقت ایمان کی یہ نہیں کہ صرف زبان سے کہدیا جائے بلکہ وہ ایک نور ہے جو قلوب میں داخل ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ بندے کا دل اسلام کیلئے کھولتا ہے جیسا کہ خود فرمایا افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نور کی صفت بیان فرمائی کہ یہ نور بندے کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ قلب فراخ اور واسع ہو جاتا ہے عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی کوئی علامت ہے جس سے ہم معلوم کر سکیں کہ یہ وہی دل ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ دل ہے جس کا دار الغرور سے جی بھر جائے اور دار الخلود کی طرف رجوع رکھے اور موت کے نزول سے پہلے اس کے لئے تیار ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولما یدخل الایمان فی قلوبکم اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا محل قلب ہے۔

مسئلہ: جمہور محققین کا مذہب ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے زبان کا اقرار اس کی شرط ہے اس کا جز نہیں تاکہ دنیا میں احکام کا اجراء ہو مثلاً یہ کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے کیوں کہ دل تو ایک مخفی شئے ہے کیسے معلوم ہو کہ یہ مومن ہے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے اسی لئے اس کی علامت چاہیے اور وہ یہی زبانی اقرار ہے۔

مسئلہ: جو شخص زبان سے اقرار نہیں کرتا لیکن دل میں تصدیق رکھتا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے کیوں کہ اس کے قلب میں تصدیق ہے لیکن احکام دنیا کے لحاظ سے وہ نشانی نہیں رکھتا یعنی زبان سے اقرار نہیں کیا۔

فائدہ: بعض لوگوں نے کہا کہ اقرار ایمان کا رکن ہے تو اس کے قانون پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک تارک الاقرار مومن نہ ہوگا اور نہ ہی دوزخ سے نجات کا مستحق ہوگا۔

مسئلہ: جس نے زبان سے اقرار کیا لیکن دل سے تصدیق نہ کی جیسے منافق تو وہ احکام دنیا کے لحاظ سے مومن ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں یہ جو ہم نے کہا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے صرف احکام دنیا کے اجراء کے لئے اقرار شرط ہے یہ مختار مذہب ہے شیخ ابو منصور احمد رحمہ اللہ تعالیٰ یعنی ماتریدی کا مذہب ہے جو اہل بیت کے نزدیک معروف ہے۔

ابو منصور ماتریدی کی موید نصوص کا بیان

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں۔

(۱) اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ

(۲) وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيمَانِ

(۳) وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ

احادیث مبارکہ

(۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللھم ثبت قلبی علی دینك ای علی تصدیقك اے اللہ میرا دل اپنے دین اور اپنی تصدیق پر ثابت رکھ۔

(۲) جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قتل کیا جس نے کہا تھا (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیرا تھا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اسے لغت میں اس کی تصدیق جو غائب ہے اور شرعاً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تصدیق بالقلب اور عمل باللسان کا نام ہے اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک عقد بالجنان ونطق باللسان وعمل بالارکان کا نام ایمان ہے۔

فائدہ: ابن الملک نے شرح المشارق میں فرمایا کہ اقرار باللسان ایمان کا نہ جز ہے نہ شرط ہاں بعض علماء کے نزدیک بلکہ وہ مسلمین کیلئے شرط ہے تاکہ وہ مصدق پر احکام جاری کر سکیں کیوں کہ ایمان تو قلب کے عمل کا نام ہے اور وہ اقرار کا محتاج نہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ اقرار ایمان کا جزو ہے نصوص کے ظواہر اسی پر اشارہ کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ ایمان کا ایسا جزو ہے جس کے متعلق عرضیۃ و تبعیۃ کا شائبہ ہے اسی لئے بحالت اختیار اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہاں تک باوجود قدرت کے اس کا تارک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن نہ ہوگا اگرچہ مان لیا جائے کہ وہ مصدق ہے ہاں حالت اضطرار میں چونکہ اس کی عرضیۃ کی جہت کا اعتبار ہے اسی لئے وہ ساقط ہوجائے گا یہی ہے ان کے قول کا مطلب جو انہوں نے فرمایا کہ اقرار ایک زائد رکن ہے اور زیادتی کا یہی معنیٰ ہو سکتا ہے کہ وہ بوقت اکراہ علی کلمۃ الکفر سقوط کا احتمال رکھے۔

سوال: عمل بالعضو کو ایمان کے جزء بنانے میں کیا حکمت ہے یعنی صرف اقرار کو بنایا گیا ہے اور باقی اعضاء کا کیوں اعتبار نہیں۔

جواب: چونکہ انسان ایمان سے موصوف کیا گیا ہے جب اس میں تصدیق ہو اور تصدیق باطنی عمل ہے پھر اس کے ظاہر یعنی زبان کے اقرار کو اسمیں داخل کیا گیا تاکہ اس کی تصدیق قلبی سے موصوف ہونے میں کمال ہو اور یہ کام زبان کر سکتی ہے کیونکہ وہی دل کی ترجمان ہے یا یہ کہ آسان عمل اور دوسرے اعضاء کی بہ نسبت دل کی تصدیق کو یہی زیادہ ظاہر کر سکتی ہے۔ ہاں اس کافر کے اسلام کا حکم دیا جائے گا جو نماز باجماعت ادا کرتا ہے اگرچہ اس کی زبان سے اقرار کا مشاہدہ نہیں ہوا کیوں کہ نماز باجماعت ایمان سے خالی نہیں۔

فائدہ: شیخ عزالدین بن عبدالسلام المقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کلمہ شہادت (اشہدان لاالٰہ الا اللہ و اشہدان محمد عبدہٗ) کا زبان سے کہنا واجب ہے جو اس کے وجوب کو جانتا اور زبان سے بولنے کی طاقت ہے لیکن زبان سے نہیں کہتا تو ممکن ہے اس کا زبان سے نہ کہنا ایسے ہے جیسے نماز کی فرضیت ماننے کے باوجود ادا نہیں کرتا تو یہ بھی مومن ہوگا لیکن جہنم کی اگر سزا پائے تو اس میں ہمیشہ نہ رہے گا کیوں کہ ایمان تو صرف تصدیق کا نام ہے اور زبان اس کی ترجمان ہے۔ یہی زیادہ ظاہر ہے۔

حدیث شریف میں ہے دوزخ سے وہ بھی نکالا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہے۔ اور زبان پر عدم ذکر قلب سے ایمان کو خارج نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ زبان سے اقرار ایک واجب شے ہے اور وجوب کا عدم ایمان کے منافی نہیں جیسے دوسرے واجبات کا تارک ایمان سے خارج نہیں ہوتا ایسے ہی یہ۔

فائدہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایمان کو اسباب کی ضرورت نہیں اسلام کو ضرورت ہے مسلم خلق کا متمم ہے لیکن مومن کو کسی کی تسلیم کی حاجت نہیں ہے۔

فائدہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ مسلم عموم شریعت میں یہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ بچ جائیں وہ مسلمان ہے اور خصوص شریعت میں یہ ہے کہ اس کی زبان ہر اس شے پر سالم رہے جو وہ بیان کرتی ہے اور اس کا ہاتھ ہر اس سے سالم رہے جو اس سے عمل کیا جا سکتا ہے اور مومن کا باطن منور ہوتا ہے اگرچہ گنہگار ہو اور کافر کا باطن ظلمات و تاریک ہے اگرچہ وہ مکارم اخلاق سے مزین ہو۔

مسئلہ: جو کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں تو اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے لائق نہیں پہچانا۔

مسئلہ: بعض اکابر نے فرمایا کہ جو دلیل کا محتاج ہو کر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ اس کا ایمان نظری ہے ضروری نہیں وہ شک و شبہ کے دھارے میں ہے کہ کسی وقت بھی وہ پھسل سکتا ہے بخلاف ایمان ضروری کے کہ جب مومن اپنے دل میں پاتا ہے تو پھر اس کے دل سے اسے کوئی شے نہیں ہٹا سکتی۔

مسئلہ: یہی حکم ہے اس علم کا جو نظر و فکر سے حاصل ہو وہ کسی شے کے داخلہ سے محفوظ نہیں۔ اگر کسی وقت اس پر شک و شبہ پڑ جائے تو وہ علم جہل سے تبدیل ہو جائے گا بلکہ حیرت میں مبتلا ہو جائے گا اور اس پہ کوئی اعتراض وارد ہوا تو ہو سکتا ہے اسی لئے ہر محجوب (عامی انسان) کو تقلید ضروری ہے اور وہ جو علم حق کا طالب ہے اس کے آگے پیچھے باطل نہ آسکے گا اور علم حق طاعات و نوافل کے التزام سے نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے حق اللہ تعالیٰ محبوب بنائے پھر اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوگا اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور جمیع احکام شریعت پہچانے گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے نہ کہ عقل سے اگر اس سے کثرت طاعات وعبادات نہیں ہوسکتیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ پر سہارا کرے جو اس کا حکم ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اس میں تاویل کو راہ نہ دے یہ تقلید عقل سے اولیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا

بیشک مومن وہ ہیں جو اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا یعنی ایمان لاکر اپنے نفسوں کو شک میں نہیں ڈالا ان امور میں جن پر ایمان لائے اور نہ تہمت دی اس کو جس کی تصدیق کی بلکہ اعتراف کیا کہ حق اس کے ساتھ ہے۔

حل لغات

لم یرتابوا۔ ارتیاب سے ہے رابہ اس کا مجرد ہے بمعنی اوقعہ الخ اسے شک فی الخبر میں ڈالا مع تہمت [illegible] کے یہاں سے ریب و شک کا فرق معلوم ہو گیا کہ ان ظن والیقین کے درمیان متردد ہونا اس میں تہمت نہ ہو اس میں اشارہ ہے کہ ان میں ایک ایسا مرض ہے جو ان کے ایمان کی نفی کرتا ہے وہ ہے ارتیاب۔

نکتہ: ثم ارتابوا ثم اس لئے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ عدم ارتیاب کی شرط ایمان میں معتبر ہے لیکن اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ایمان لانے کے وقت ہو بلکہ اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ بعد کو بھی ہو سکتی ہے یہ آیت وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثم استقاموا کے ثم کی طرح ہے کہ اموال و نفس کے ساتھ جہاد میں استقامت ضروری ہے۔ زمانہ ماضی میں بھی اور زمانہ مستقبل میں بھی فی سبیل اللہ سے طاعت مراد ہے کیوں کہ اللہ کی طاعت کی کئی قسمیں ہیں مثلاً عبادات

(۱) خالص بدنیہ

(۲) خالص مالیہ

(۳) مخلوط یعنی بدنیہ بھی مالیہ بھی جیسے حج و جہاد

(اولیئک) وہ لوگ جو اوصاف جمیلہ مذکورہ سے موصوف ہیں۔ هم الصادقون وہی سچے ہیں یعنی دعوئ ایمان میں سچے ہیں نہ ان کے غیر یہ مضمون، بنو اسد قبیلہ کے لوگوں نے سچے ایمان والوں کے ساتھ

شرکت کا دعویٰ کیا اور سمجھا کہ وہ بھی دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔ کے متعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت تمام ان جمیع مجامع القویٰ کو شامل ہے جن میں سے ہر ایک کو ان کی تہذیب و اصلاح و تطہیر واجب ہے کیوں کہ تمام فلاح وسعادت کی کامیابی انہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد افلح من زکاھا کامیاب ہے وہ جس نے اس کا تزکیہ کیا اور وہ قوتیں یہ ہیں

(۱) قوۃ تفکر (۲) قوۃ شہوت (۳) قوۃ الغضب

جب یہ تینوں اصلاح پذیر ہو کر مضبوط ہو جاتی ہیں تو عدل حاصل ہوتا ہے جس سے آسمان و زمین قائم ہیں اور یہی مکارم شریعت اور تزکیہ نفس و حسن خلق محمود کا مجموعہ ہیں پہلی صفت یعنی قوۃ تفکر اصل اور تمام صفات سے بزرگ ہے اسی لئے اسے ان دو سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ والرسول مع نفی ارتیاب مع العلم الیقینی اور حکمت حقیقیہ کا حصول مشکل ہے جب تک قوت تفکر کی اصلاح نہ ہو اور مجاہدہ بالاموال عفت و جود پر موقوف ہے جو وہ بھی تابع ہیں اصلاح قوۃ شہوت کی اور مجاہدہ بالانفس علی الشجاعۃ والحلم تابع ہیں اصلاح قوۃ حمیہ غضبیہ کی کہ اس قوت پر قہر و جبر کر کے دین کے لئے اس کا سر جھکایا جائے، اس پر اللہ کا ارشاد خذ العفو وامر بالعرف واعرض من الجاھلین معافی کا طریقہ دلالت کرتا ہے کیوں کہ ظالم کو معاف کرنا علم و شجاعت کا کمال ہے اور محروم کرنے والے کو عطا کرنا کمال عفت وجود ہے اور قطع تعلق والے کے ساتھ تعلق جوڑنا کمال فضل و احسان ہے۔

فائدہ: کمالات نفس انسانیہ انہی قوائے ثلاثہ پر اور ان کے فضائل اربعہ میں منحصر ہیں اس لئے کہ عقل کا کمال علم اور عفت کا کمال ورع اور شجاعت کا کمال مجاہدہ اور عدل کا کمال انصاف ہے محققین کے نزدیک یہی دین کے اصول ہیں۔

مسئلہ: آیت میں دعاوی کا رد اور صدق سے موصوف ہونے کی ترغیب ہے اسی لئے بعض نے کہا کہ لولا الدعاوی ماخلقت المھاوی (اگر دعاوی نہ ہوتے تو خواہشات نفسانیہ نہ ہوتیں) جس نے کوئی دعویٰ کیا تو وہ خواہشات میں پڑا اگرچہ سچا ہو کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس کے لئے دلیل طلب کی جاتی ہے اگر اس کا دعویٰ نہ کرتا تو اس سے دلیل طلب نہ کی جاتی حضرت حافظ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

حدیث مدعیان و خیال ہمکاران ہمان
حکایت زرہ و زور بوریا بافست

ترجمہ:- مدعیوں کا دعویٰ اور خیالی لوگوں کا خیال اس طرح ہے جیسے بوریا بننے والے کو زرہ و زور کے خیالات دل میں ہوتے ہیں۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابابکر سچی بات اور انیلئے عہد اور حفظ امانت کو لازم پکڑنا کیوں کہ یہی انبیاء علیہم السلام کی وصیت ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

ترجمہ: صاف دل والے سے صدق کا طریقہ سیکھ اور سرو چمن سے راستی سیکھ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاجروں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ اے تاجرو! بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت میں فاجر کرکے اٹھائیگا سوائے اس کے جو سچ بولتا ہے اور صحیح تعلق رکھتا اور امانت ادا کرتا ہے۔

حدیث شریف تاجر ہی فاجر ہے عرض کی گئی کیوں یارسول اللہ حالانکہ اسے تو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے آپ نے فرمایا اس لئے کہ یہ لوگ قسمیں کھاتے گناہ کرتے اور بات کہتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

کعبہ در کام نختین کند استقبالت
از سر صدق اگر ہمنفس دل باشی

ترجمہ: تیری مراد پورا کرنے میں تیرا کعبہ استقبال کرے گا سر صدق سے اگر دل (حق) کے ساتھ تیری موافقت ہو۔

فائدہ: جب ظاہر صدق پر مبنی ہو تو باطن بھی سچا ہو جاتا ہے اس لیئے برتن سے وہی شے خارج ہوتی ہے جو اس میں ہے اور ہر ایک وہی ظاہر کرتا ہے جو اس کے اندر ہے۔

تفسیر عالمانہ قل۔ (شان نزول) مروی ہے کہ جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو وہی دیہاتی آئے اور قسم کھا کر کہا کہ وہ پکے سچے مومن ہیں ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ فرمایئے اے (محبوب) (محمد) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین (ایمان) کی خبر دیتے ہو۔

سوال: باد بدینکم میں نہیں لانی چاہیے تھی کیوں کہ تعلیم خود متعدی ہے

جواب: یہ تعلیم بمعنی اعلام و اخبار ہے اب معنی یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کو اس دین کی خبر دیتے ہو جس پر تم ہو اور کہتے ہو آمنا ہم ایمان لائے۔

نکتہ : اعلام و اخبار کے بجائے تعلیم لانے میں ان کی انتہائی شناعت کا بیان ہے اور استفہام توبیخ و انکار کے لئے ہے یعنی تم اپنا دین اللہ کو نہ جتلاؤ وہ اسے جانتا ہے کیوں کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ امور دینیہ کی واقفیت رکھنا معتبر بلکہ واجب ہے اور اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اس سے مدد طلب کرے اور اسی سے کلام طلب کیا جائے اور اس کے امر کی اتباع کی جائے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اور اللہ تعالےٰ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔) یہ تعلمون کے فاعل سے حال ہے ان کی تشنیع کی تاکید کے لئے ہے (وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہ اور ہر شے کو خوب جانتا ہے منجملہ اس کے ان کا وہ کفر ہے جو اظہار ایمان کے وقت انہوں نے چھپایا اسی لئے اسے کسی کی خبر دینے کی محتاجی نہیں ماقبل کے مضمون کی تقریر ہے یعنی وہ جملہ اشیاء کو خوب جانتا ہے۔

فائدہ : آیت ہذا میں ان کی جہالت کا مزید انکار و توبیخ ہے کہ جتنا انہوں نے اپنے احوال کو چھپانے اور مخفی رکھنے کی کوشش کی لیکن نہ چھپا سکے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے قلوب کے آسمانوں کو کہ کتنا ان میں عبودیت کی استعداد ہے اور وہ ان کے نفوس کی زمین کو کہ انہیں کتنا عبودیت سے تمرد ہے اور اللہ تعالیٰ ہر اس شے کو کہ جس پر قلوب و نفوس کی جبلی طبیعت ہے) جانتا ہے کیوں کہ آدم علیہ السلام کی تخمیر کے وقت ان میں اس نے خود یہی امور امانت رکھے۔

فائدہ : بعض اکابر نے فرمایا کہ کسی حال اور مقام کو اپنی طرف منسوب نہ کر اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کو خبر دے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر آن نئی شان ہے تغیر و تبدل میں وہ بندے اور اس کے قلب میں حائل ہے بہت سے امور کی جو تو نے کسی کو خبر دی تو وہ بسا اوقات زائل کر دیتا ہے اور جسے تو دائمی سمجھتا ہے وہ اسے علیحدہ کر سکتا ہے پھر تو نے جسے اپنے احوال کی خبر دی (اب ان کے نہ ہونے سے) اس کے سامنے رسوا و شرمسار ہو گا ہاں انہیں اپنے دل میں محفوظ رکھ لیکن کسی کو ان کی خبر نہ دے۔ اگر اس کے ثبات و دوام و بقاء کا تجھے علم ہو جائے تو بھی کسی کو نہ بتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر اور اس سے شکر کی توفیق کا سوال کر اگر اس کے ثبات وغیرہ نہ ہو تب بھی کسی کو نہ بتلانے میں یہ فائدہ ہو گا کہ تیرے علم و معرفت اور نور و تیقظ اور تادیب میں اضافہ ہو گا

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ بعض انسان ایسی باتوں کی جو اس میں نہیں یا ان سے زائل ہو جانے والی ہیں (ہم اللہ تعالیٰ سے برے حال اور دعوٰی کمال سے پناہ مانگتے ہیں) کی خبر دے بیٹھتا ہے۔

انتباہ : خبردار۔ خبردار۔ دعاوی صادقہ و کاذبہ سے بچتے رہو دعاوی کاذبہ تو منہ کالا کر دیتے ہیں اور دعاوی صادقہ نور ایمان کو بجھا دیتے ہیں یا کم از کم اسے کمزور ضرور کر دیتے ہیں۔ خبردار۔ خبردار۔ مشاہدات

(حصول کے بعد) کسی کو نہ بتانا اور اچھی صورتیں (غیر عورتیں اور بے ریش لڑکے) کی طرف نہ دیکھنا کیونکہ یہ سب کا سب
نفسانی اور شہوات کی چیزیں ہیں اور جس نے صوفیہ کرام کے طریقہ میں وہ بدعت (دنیا کام) کیا جو ان کے طریقے
میں نہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ ایسا انسان نہ ہمارے سے ہے اور نہ ہمارے میں شمار ہے۔

درس عبرت

برادرانِ اسلام! حق کی اتباع کرو نئے طریقوں سے بچو اطاعت الٰہی و رسولہ (جل جلالہ و صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم) میں لگے رہو اور دین سے نہ نکل جاؤ اور اس کی توحید پر ڈٹ جاؤ شرک
نہ کرو اور صرف حق کی تصدیق کرو اور (مصائب و مشکلات کے وقت) (اللہ تعالیٰ سے) شکایت نہ کرو اور نہ ہی
جزع فزع کرو حق پر ثابت قدم رہو دین حق میں تفرقہ نہ ڈالو (فرقہ پرستی جیسے وہابی۔ دیوبندی، مودودی، شیعہ
مرزائی و دیگر گمراہ فرقوں میں شامل ہونا صرف حق مذہب مہذب اہلسنت پر قائم رہو) اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو
دیر ہو نہ ملنے پر ملال نہ کرو بلکہ اس کی رحمت کا انتظار کرو نا امید نہ ہو جاؤ آپس میں بھائی چارہ قائم کرو۔ ایک
دوسرے کی دشمنی سے بچو طاعت حق پر اتحاد پیدا کرو حق سے جدا نہ ہو جاؤ گناہوں سے پاک رہو نیکیوں کو گناہوں
میں ملوث نہ کرو بلکہ اپنے قلوب کے بواب (نگران) خود ہو جاؤ تاکہ اس میں اوامر الٰہی کے بغیر اور کوئی شے
داخل نہ ہو اور ڈرتے باطل کی طرف نہ جھکو خدا کا خوف کرو اور اس کے عذاب سے اس میں نہ رہو
بلکہ خطرہ میں رہو (یعنی خوف اور رجاء میں رہو) اپنے حال کی اچھی چھان بین کیا کرو اس سے ہرگز ہرگز غفلت
نہ برتو۔

تفسیر عالمانہ

یَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (تجھ پر منت لگاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے)
یعنی اسلام لانا تجھ پر احسان جتلانے کی بات کہتے ہیں۔

حل لغات

المنّۃ وہ نعمت جو عطا کرنے والا (جس پر عطا کی ہے) سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے یہ المنّ
سے ہے بمعنی القطع (کاٹنا) اس لیے کہ اس سے ہر قسم کی ضرورت و حاجت کاٹ دینا ہے قطع نظر
اس کے کہ وہ اس کا عوض دے یا نہ۔ بعض نے کہا کہ مِنّۃ بمعنی بھاری نعمت اس المن سے ہے جس سے
شے کا وزن کیا جاتا ہے یعنی دو رطل مثلاً کہا جاتا ہے مَنّ علیہ مِنّۃً بمعنی اس پر نعمت کے ساتھ بوجھ ڈالا۔

فائدہ: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ المنۃ بمعنی النعمۃ الثقیلۃ یہ دو قسم ہے۔
(۱) فعل سے اس وقت اس کا تعلق صلہ آئے گا مثلاً کہا جائے گا منّ علی فلاں بمعنی اس نے نعمت کا بوجھ
ڈالا اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان
پر بہت بڑی نعمت کا بوجھ ڈالا اور درحقیقت یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے لائق ہے۔
(۲) قول سے اور رگ ان کے درمیان نہایت قبیح ہے صرف کفران نعمت کے وقت اس کا استعمال ہوتا

ہے اس کے تبع پر عربی مقولہ مشہور ہے کہ " المنة تهدم الصنيعة " (منت جتلانے سے کیا کرایا ضائع ہو جاتا ہے)
چونکہ کفران کے وقت اس کا اطلاق ہوتا ہے اسی لئے عربی مقولہ بولنا ایسے مواقع پر برمحل سمجھا گیا مثلاً اذا کفرت النعمة حسنة المنة جب کفران نعمت ہو تو اس وقت منۃ کا بولنا صحیح ہے اسی سے ہے یمنون علیك الخ
خلاصہ یہ کہ بندوں سے منۃ بالقول اور اللہ تعالیٰ سے بالفعل ہوتی ہے اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی ہدایت سے نوازتا ہے۔ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم فرمایئے تمہاری اسلام لانے سے مجھ پر منت نہ لگاؤ۔ یعنی تم اسلام لانے پر مجھ پر منت لگاؤ یا نہ لگاؤ اس کا منصوب ہونا نزع الخافض پر ہے۔
بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ بلکہ اللہ تعالیٰ کی منت ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی جیسے تمہارا گمان ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف خود پہنچ گئے۔ ان کنتم صادقین اگر تم سچے ہو اپنے ایمان کے دعویٰ میں اس کا جواب محذوف ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی صرف اسی کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں اسلام سے نوازا کلام الٰہی کے سیاق اور نظم و ترتیب سے لطف و کرم کا اظہار ہے۔ کیونکہ جب ان سے ایمان کی بات سنی گئی اور ساتھ ہی ان کی منت کا اظہار بھی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ایمان کی نفی کر کے فرمایا کہ تمہارے اسی طریقہ کو اسلام تو کہا جا سکتا ہے لیکن ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ فرمایا يَمُنُّونَ عَلَيْكَ یعنی تم جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو وہ دراصل اسلام ہے یعنی صلح و سلامتی میں داخل ہونا ہے اور یہ منت لگانے کے لائق نہیں کیونکہ شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی اسے منت میں شمار کیا جا سکتا ہے بلکہ اگر ان کا دعویٰ ثابت ہو جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنی طرف انہیں ہدایت بخشی نہ کہ ان کا احسان۔

سوال : کسی بزرگ سے سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تو احسان و منت جتلانے سے نہ صرف روکتا ہے بلکہ اسے گھٹیا اخلاق کہا ہے۔ (اور خود اپنا احسان جتلا رہا ہے۔)

جواب : اللہ تعالیٰ کی اس منت سے جتلانا مراد نہیں کیونکہ وہ تو کریم و جواد ہے جو اس کی اطاعت کرے اس پر بیکراں جود و کرم ہوتا ہے ایسے ہی نافرمان پر بھی اس کی جود و کرم کے دروازے کھلے پھر اس سے منت جتلانا مراد کیسی۔

حدیث شریف[1]، میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ تمہیں تو مکارم اخلاق کی رہبری کرے اور خود اس کے خلاف کرے۔

حدیث شریف[2]، میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ وہ تمہیں تو ربا سے روکے لیکن خود کا تم سے مطالبہ کرے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا جس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے تیمم سے نماز پڑھ لی پھر مجھے پانی ملا کیا نماز لوٹاؤں آپ نے جواب میں مذکور

ارشاد فرمایا)

آیت کا معنیٰ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب تم اسلام لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احسان جتلانے شروع ہو جاؤ تو ایسی منت جتلانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے تمہارا نہیں اگر تمہاری طرف سے کمینہ اخلاق کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال تمہارے منہ پر مارے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تم پر احسان جتلاتے ہیں کہ ان کا ظاہر تمہیں ماننا ہے تو فرماؤ تمہارے ظاہری طور ماننے کی مجھے ضرورت نہیں کیوں کہ یہ تمہارے نفوس کی طبیعت متمردہ سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت بخشی جب ازل میں تمہارے دلوں میں ایمان لکھا تو اس پر نور ایمان منعکس ہوا تمہارے دلوں کے مصباح سے تمہارے نفوس کے مشکوٰۃ کی طرف تو وہ اسلام کے نور سے منور اور روشن ہوا۔

پس تمہارا ظاہری اسلام اس ایمان کی فرع ہے جو میں (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے باطن میں امانت رکھا اگر تم سچے ہو دعوئی ایمان میں۔

فائدہ: سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احسان جتلانا بندوں سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے ایسا نہیں بلکہ اس میں تذکیر نعم ہے اور شکر منعم پر برانگیختگی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

شکر خدا کن کہ موفق شدی بخیر

ز انعام وفضل تو نہ معطل گذاشتت

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی

منت شناس از دو کہ بخدمت بداشتت

ترجمہ: خدا کا شکر کر اس نے تجھے توفیق بخشی خیر و بھلائی کی اپنے فضل و انعام سے تجھے ضائع نہیں رکھا۔ اسی لئے منت نہ رکھ کہ میں بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں اس کی منت سمجھ کہ اس نے تجھے اپنی خدمت میں رکھا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کے غیب جانتا ہے یعنی وہ جو[1] بندوں سے آسمانوں اور زمینوں میں غیب

---

[1] سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیب کیسا جب کہ اس کے لئے غیب و حاضر یکساں ہے جواب میں فرمایا کہ وہ غیبت بھی اس لئے ہے کہ وہ بندوں سے غیب ہے یہی جواب وہابیوں دیوبندیوں کو دیا جائے جب وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے غیب بتا دیا تو پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ رسول غیب جانتا ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ غیب ہے امت کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے۔ اویسی غفرلہٗ

اور ان سے مخفی ہے وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پوشیدہ ہوں یا ظاہر کو دیکھتا ہے تو پھر وہ امور اس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں جو تمہارے دلوں میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (جو ظاہر میں عمل کرتا ہے) کے عمل کو دیکھتا ہے یہ تمہارے اس باطن کا نتیجہ ہے جو اس نے تمہارے باطن میں امانت رکھا ہے۔ ؎

در زمین گر نیشکر ور خود نے است
ترجمان ہر زمین نبت دی است

ترجمہ: زمین گنا ہے یا ہر زمین کی ترجمان اس کی کھیتی ہے۔

مسئلہ : جو اپنے دل میں خیال لاتا ہے کہ وہ صاحب اعمال و احوال ہے تو وہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مشرک ہے اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اعمال و احوال اس کے نفس کے لئے ہیں تو یہ اس کا مکر ہے (کہ اللہ کی عبادت لالچ میں کر رہا ہے) اگر اسے یوں خیال کرتا ہے کہ یہ اعمال و احوال اس کے رب سے اس کے لطف و کرم سے اور صرف اسی کے لئے ہیں تو یہ توحید خالص ہے اللہ تعالیٰ اپنے احسان و فضل سے ہمیں ایسی عبادت کی توفیق بخشے۔

فائدہ : حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی غیب نہیں کیوں کہ غیب پوشیدہ شے کو کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تو جملہ غیوب عیاں ہیں پھر اس سے کوئی شے کیسے پوشیدہ ہو سکتی ہے جب کہ وہ ان تمام کا موجد (پیدا کرنے والا) ہے وہ ہر شے کو بصر قدیم سے دیکھتا ہے اس کے لئے بصر و علم ایک شے ہے

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ سورۃ الحجرات سے تا آخر کا نام مفصل ہے اسی کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے توراۃ کے بجائے السبع الطول عطا فرمایا ہے

فائدہ : الطوال بھول بیاں اس سے سورۃ بقرہ سے اعراف تک مراد ہے یعنی اس میں سورۃ یونس یا انفال و براۃ ساتویں سورۃ ہے کیوں کہ اس کے نزدیک سورۃ انفال و براۃ ایک سورۃ ہے (القاموس) اور فرمایا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انجیل کے بجائے مئین عطا فرمائی ہیں اور زبور کے بجائے المثانی بخشی ہے اور مفصل اپنے فضل و کرم سے زائد (نعمت) عطا فرمائی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ الذکر الاول میں سے مجھے سورۃ بقرہ عطا فرمائی گئی اور طٰہٰ اور طواسین (جو سورتیں طٰس و طٰسم سے شروع ہوتی ہیں) الواح موسیٰ علیہ السلام سے ہیں اور میں فواتح الکتاب و خواتیم البقرہ عطا کیا گیا ہوں جو تحت العرش سے ہیں اور مفصل ایک زائد عطیہ ہے۔

فائدہ ، فتح الرحمٰن میں ہے کہ راجح مذہب شافعی رحمہ اللہ میں سورۃ الحجرات مفصل کی پہلی سورۃ ہے اور اقوال معتمدہ میں سے ایک قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی ہے اور آپ سے ایک اور معتمد قول

مروی ہے وہ یہ کہ مفصل کا اول (ق) سورۃ قاف ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے مفصل سے اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی تو مفصل قرآن حوامیم (جو سورتوں میں حٰمٓ ہے) کے اختتام تک ہے اس کے بعد قصار ہے تا آخر قرآن۔

فائدہ: مفصل القرآن کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں مفصولات اکثر ہیں یعنی ایک سورۃ سے دوسری سورۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بکثرت ہیں کیوں کہ وہ چھوٹی سورتیں ہیں جس کی ایک تفصیل دوسری کے قریب قریب آجاتی ہے گویا اس میں تفصیل بکثرت آگئی ہے اسی لئے وہ قرآن کا حصہ مفصل ہوا۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ مفصل ساتویں منزل کا ساتواں حصہ اور اسے مفصل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں فصول بکثرت ہیں اور وہ سورۃ محمدؐ یا فتح یا ق سے تا آخر القرآن اور طوال مفصل بروج تک اور الاوساط بروج سے لم یکن تک اور القصار لم یکن سے آخر القرآن تک اُسے کسی شاعر نے یوں فرمایا ؂

طوال از لاتقدم تا عبس دان
پس اوسط ز عبس تا لم یکن بخواں
قصار از لم یکن تا آخر آید
بخوان این نظم را تا گردد آسان

ترجمہ: طوال از لاتقدم (حجرات) سے عَبَسَ تک جان پھر اوساط عبس سے لم یکن تک پڑھ۔
قصار لم یکن سے آخر تک ہے یہ نظم یاد کرلے تاکہ آسانی ہو۔

فائدہ: جمہور کا کہنا ہے کہ طوال مفصل سورۃ الحجرات سے بروج تک اور الاوساط سورۃ بروج سے لم یکن تک اور القصار لم یکن سے آخر القرآن تک۔

بدعت حسنہ پر عمل کرنے سے دُعاء قبول

مروی ہے[1] کہ قرآن کو قرائے زمانہ حجاج بن یوسف (ظالم) میں تیس پاروں پر تقسیم کرنے کے بعد سات اقسام مقرر فرمائیں۔

---

[1] یہ دو بدعتیں (۱) تیس پاروں پر تقسیم (۲) سات اقسام کی تقسیم، ہر مسلک سنی - غیر سنی یعنی وہابی، دیوبندی وغیرہ کو مسلم لیکن اس پر فتویٰ کیوں نہیں لگایا جاتا کہ کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لیجائے گی۔ صرف ضد ہے تو میلہ دعرس و درود وسلام وغیرہ سے یہ کیوں خود سوچئے (۱۲- اویسی غفرلہٗ)

فائدہ : سلف صالحین رحہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری بیان کردہ ترتیب سے قرآن مجید پڑھا جائے تو جو دعا مانگے گا قبول ہو گی وہ ترتیب وہی ہے جسے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پڑھا کرتے تھے۔ نقشہ ملاحظہ ہو

نمبر شمار	یوم	نام منزل	نمبر شمار	یوم	نام منزل
۱	جمعہ	سورۃ فاتحہ تا انعام	۲	ہفتہ	اعراف تا یونس
۳	اتوار	ھود تا طٰہٰ	۴	سوموار	انبیاء تا عنکبوت
۵	منگل	روم تا زمر	۶	بدھ	مومن تا واقعہ
۷	خمیس (جمعرات)	حدید تا اختتام			

فائدہ : یہ نقشہ فقیر اویسی غفرلہ نے آسانی کیلئے بنایا

فائدہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ قرآن کی سات منزلیں بطریقہ ذیل ہیں۔ نقشہ

نمبر شمار	یوم	منزل	نمبر شمار	یوم	منزل
۱	جمعہ	پہلی تین سورتیں	۲	ہفتہ	پانچ سورتیں
۳	اتوار	سات سورتیں	۴	سوموار	نو سورتیں
۵	منگل	گیارہ سورتیں	۶	بدھ	سولہ سورتیں
۷	ازسورۃ ق تا آخر جمعرات	ازسورۃ ق تا آخر			

فائدہ : فتح الرحمان میں ہے کہ ساٹھ منزلیں ہیں۔

بدعت ۳ : بعض نے کہا حجاج نے جب مصحف (قرآن) پر نقطے لگائے تو اسی نے منازل بھی مقرر کئے اسی کام پر حضرت حسن (بصری) اور یحیٰی بن یعمر مامور ہوئے۔

بدعت ۴ : اعشار (ہر دس آیات پر نشان لگانا) کی وضع میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ مامون عباسی (خلیفہ) کے حکم سے ہوئی بعض نے حجاج کا کہا۔

فائدہ : حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مصحف (قرآن مجید کا مجموعہ) نقطوں سے خالی تھا (نقطے حجاج نے لگوائے تو گویا قرآن مجید کا ہر نقطہ لکھنا بدعت ہے اور قرآن مجید میں بے شمار نقطے ہیں اس معنیٰ پر ہم اور دیوبندی وہابی نقطوں کے شمار کے مطابق بدعتی ہوئے ہم اہل سنت تو بدعت حسنہ کے قائل ہیں لیکن دوسرے تنگ ہیں اب بچنا نا ممکن

مشورہ ہے کہ یا بدعت حسنہ کے قائل ہو جاؤ یا جہنم میں جاؤ کیوں کہ تم ہی تو کہتے ہو کہ کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں سے جلنے والی ہے) (اضافہ اویسی غفرلہ)

اعراب کی بدعات [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف (قرآن مجید کا مجموعہ) اعراب سے خالی تھا اس کی وجہ یہ بھی (واللہ اعلم) کہ وہ لوگ اس سے بے نیاز تھے کیوں کہ وہ خود صاحب زبان تھے اسی لیے ان سے قرآن مجید کا غلط پڑھنا ناممکن تھا اسی لئے اس زمانہ میں علم نحو بھی نہ تھا اور اعراب مصحف (قرآن مجید) میں ابوالاسود دئلی تابعی بصری نے لگائے۔

حکایت : حضرت ابو الاسود دئلی نے کسی سے سنا وہ قرآن کی آیت ان اللہ بری من المشرکین ورسولہٗ کی لام کو مکسور پڑھ رہا تھا آپ کو یہ بات سخت ناگوار لگی اس کے بعد آپ نے قرآن کے تمام حروف پر اعراب لگائے۔

ابتدائی اعراب کی علامات مصحف (قرآن مجید) کے اعراب کے علامات نقطوں کی صورت میں سرخ سیاہی سے لگائے جب کہ دوسرے حروف سیاہ رنگ کے تھے مثلاً زبر کا سرخ نقطہ حرف کے اوپر اور کسرہ کا نقطہ حرف کے نیچے اور ضمہ کے دو نقطے حرف کے اندر اور غنہ کے دو نقطے۔

خلیل نحوی کی بدعت تاحال خلیل بن احمد الفراہیدی نے اسی بدعت کو یوں تبدیل کیا کہ نیچے والے نقطے والے کھینچ کر کسرہ کی اور اوپر والے نیچے کو کھینچ کر فتحہ کی اور ضمہ کو زبر کے اوپر کا بصورۃ اوٗ بنایا ایسے ہی شَدّ و مَدّ اور ہمزہ و سکون کی اعلامات

---

[1] : وہابیوں دیوبندی کا یہ اصول بالکل غلط بلکہ اسلام دشمنی کا ثبوت ہے کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا یا آپ کے زمانہ میں نہیں ہوا وہ بدعت ہے اور حرام ہے اگر ایسا ہے تو پھر قرآن مجید کے اعراب جو ہزاروں تک پہنچتے ہیں پھر علم نحو کی ایجاد اور اس کے قواعد ایسے علم صرف کی ایجاد اور اس کے قواعد ہزاروں تک پہنچتے ہیں اسی طرح لاکھوں کروڑوں بدعات کا ارتکاب کیا جا رہا ہے یا تو ان کو بدعات ترک کرنے چاہیں یا پھر اہلسنت کا قاعدہ مانیں کہ جو قرآن و حدیث اور ان کے اصول کے منافی نہیں بلکہ مؤید ہے وہ بدعت حسنہ ہے اس کو عمل میں لانے سے ثواب ملتا ہے ——— یاد رہے کہ اعراب کے مختلف طریقے تھے ابتداء میں اور طرز تھی بعد کو اور طریقہ مقرر کیا گیا اس کی تفصیل وغیرہ اور حوالہ جات احسن البیان میں دیکھئے ۱۲

ایجاد کیں۔[1]

فائدہ: نقطوں اور اعرابات کی وضع نصر بن عاصم نے بحکم حجاج بن یوسف (ظالم خونخوار) نے کی جب وہ عراق و خراسان کا امیر تھا اس کا سبب یہ ہوا کہ قرآن مجید میں بہت سے اغلاط داخل ہو کر عراق تک ایسے غلط لکھے ہوئے قرآن مجید پہنچے اور اس سے قبل مصحف عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو زمانہ عبدالملک بن مروان تک چالیس سے اوپر چند سال صحیح پڑھا جاتا تھا جب حجاج کو غلط لکھے ہوئے قرآن مجید عراق میں ملے تو حکم دیا حروف قرآنیہ پر علامات اعراب اور نقطے لگائیں۔ نصر نے یہ کام اپنے ذمہ لگایا کہ کسی حرف پہ نقطہ کسی پر دو نقطے کسی پر تین اور کسی کو خالی رکھا اسی لئے اسے نصر الحروف کہا جاتا۔ سب سے پہلے باء تاء پر نقطے لگائے۔ بعض نے اس سے کراہت کا اظہار کیا ہو گا تو اس کے جواب میں کہا گیا ہو گا کہ لا باس بہ یہ کوئی حرج نہیں یہ نقطہ حروف کا نور ہیں۔

ایک اور بدعت آیت کے اختتام کی علامت پر سب سے پہلے چند نقطے لگائے گئے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں آیت ختم ہو گئی) اس کے بعد آیت کے آغاز و اختتام کے علامات بنائے گئے (جیسے ٥ ۔ ط ۔ م ۔ ز ۔ لا وغیرہ وغیرہ) خلاصہ یہ کہ اس کا پہلا موجد ابو الاسود کی ہے) رحمہ اللہ پھر اس کو آگے بڑھانے والا نصر بن عاصم ہے (رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہ اس نے حروف پہ نقطے وغیرہ لگائے۔

---

[1] اس سے اہلِ فہم کچھ تو ذہن پہ زور دیں کہ خلیل کی یہ ایجادات آج تک قرآن مجید میں موجود اور مروج ہیں اور یہ بھی معلوم تک نہیں کیا گیا کہ یہ خلیل نحوی کون تھا لیکن آنکھیں بند کر کے عمل کیا جا رہا ہے لیکن نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور اولیائے کرام سے کوئی بھی مسئلہ عشق و محبت اور سیرت و عقیدت سے متعلق ہے تو اس کے لئے ہزاروں کیڑے نکالے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے چونکہ (مثلاً) اذان سے پہلے فلاں حاکم۔ بادشاہ نے شروع کرایا اور چونکہ میلاد مروج فلاں بادشاہ کرتا تھا اور وہ چونکہ ایسا ایسا تھا فلہذا حرام ہے اور یہاں قرآن مجید میں ہزاروں بدعات حجاج جیسے خونخوار ظالم نے جاری کیں اور تا حال وہ مروج بلکہ اسلام کا گویا جزو اعظم ہے اور سہارا یہ کہ اس طرح سے قرآن مجید آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے فلہذا جائز ہے اور وہاں کیوں نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیائے کرام کی یاد اور اشاعت دین اور اس کے باقی رکھنے کا ایک سبب ہے اسی لئے جائز ہونا چاہیے لیکن اندر کی بیماری کو کون دور کرے کہ وہاں تو سب جائز اور یہاں ناجائز یہ کیوں صرف اس لئے کہ فی قلوبھم مرضاً ان کے دلوں میں مرض ہے۔ (اویسی غفرلہٗ)

اس کے بعد خلیل بن احمد نے اعرابات وغیرہ کی موجودہ صورت کی بدعت جاری کی۔

کئی بدعات مذکورہ بالا محنت کے باوجود پھر بھی عوام سے غلطیاں ہو جاتیں۔ ان کے ازالہ کا حل کوئی نظر نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ حفظ القرآن کا طریقہ جاری کیا گیا جسے لوگ اساتذہ سے زبانی یاد کریں اسی طرح سے علماء و ائمہ نے قرآن مجید کے حروف و قرأت کو محفوظ کیا یہ کامیاب ہوئے یعنی کہ اسے اغلاط سے پاک و صاف رکھ کر اسے اصلی صورت میں محفوظ رکھنے پر کامیاب ہوئے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

خط عربی کا پہلا موجد سب سے پہلے خط (معروف) عربیۃ کا طریقہ یعرب بن قحطان نے جاری کیا کیونکہ آپ عربی، سریانی میں گفتگو فرماتے تھے۔ پھر نسخ کا طریقہ المقتدر باللہ ثم جو (القاہر باللہ کا وزیر تھا) نے نکالا۔ اسی نے سب سے پہلے خط کوفی خط عربی میں ڈھالا اس کے بعد ابن البواب نے خط عربی طرز میں لکھا ابن المقلہ کے طریقہ کو مہذب بنایا اور اس کی رونق و حسن میں اضافہ کیا۔ اس کے بعد یاقوت المستعصمی خطاط نے فن خط کو پروان چڑھا کر مکمل کیا۔ اس کے بعد حمد اللاماسیوی نے خط کے طریقہ کی انتہا کردی کہ اب کے بعد تمام ایجادیں ان کی مرہون منت رہینگی اور تا حال ان کی محنت کام آرہی ہے اگر کوئی نیا طریقہ نکالے گا تو بھی ان کے بتلائے طریقوں میں استفادہ کے بغیر چارۂ کار نہ ہوگا کسی قائل نے خوب فرمایا۔

خط حسن جمال مرأی
ان کا العالم فاحسن

الدر من النبات احلی
والدر مع البنات ازین

اختتام سورۃ از صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و برکات سے کمالات کی اللہ تعالیٰ سے توفیق نصیب ہوتی ہے اور خاتمہ انواع سعادات سے ہو تفسیر سورۃ الحجرات ربیع الاول شریف کے اوائل میں ۱۱۱۴ھ میں ختم ہوئی۔

بفضلہ تعالیٰ واحسانہ العظیم فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس سورۃ الحجرات کے ترجمہ سے ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۸۸ء بروز جمعۃ المبارکہ صبح سوا ایک بجے غریب کدہ اویسیہ بہاولپور پاکستان میں فراغت پائی۔ الحمدللہ علی ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ واہلہ العظیم۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۞ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ

عَجِيْبٌ ۞ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۞ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ

عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۞ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۞ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا

اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا

فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۞

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۞ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا

طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۞ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۞ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۞ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۞ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ

وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۞ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ

لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۞

ترجمہ: عزت والے قرآن کی قسم بلکہ انہیں اس کا اچنبا ہوا کہ ان کے پاس انہی میں کا ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا تو کافر بولے یہ تو عجیب بات ہے کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی ہو جائیں گے پھر جئیں گے یہ پلٹنا دور ہے ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان میں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک یاد رکھنے والی کتاب ہے بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا تو وہ ایک مضطرب بے ثبات بات میں ہیں تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا ہم نے اسے کیسے بنایا اور سنوارا، اور اس میں کہیں رخنہ نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں لنگر ڈالے اور اس میں ہر جا بارونق جوڑا اگایا سوجھ اور سمجھ ہر رجوع والے بندے کے لئے اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا تو اس سے باغ اگائے اور اناج کہ کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے درخت جن کا گابھا بندوں کی روزی کے لئے اور ہم نے اس سے مردہ شہر جلایا اور یونہی قبروں سے تمہارا نکلنا ہے ان سے پہلے جھٹلایا نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے ہم قوموں اور بن والوں اور تبع کی قوم نے اور ان میں ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہو گیا تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے شبہ میں ہیں۔

تفسیر عالمانہ

ق: یہ سورۃ جس کا نام قٓ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ قسم اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور محمد بن کعب نے فرمایا کہ اسمائے الٰہی کا پہلا نقطہ ہے جیسے القادر، القدیر، القدیم، القاہر، القہار، القریب

القابض۔ القاضی۔ القدوس۔ القیوم یعنی میں قادر ہوں الخ۔ بعض نے کہا یہ قرآن کے اسماء سے ہے بعض نے کہا یہ قسم ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی مثلاً فرمایا بحق القائم بالقسط قسم ہے اس ذات کی جو عدل و انصاف قائم کرنے والی ہے۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے قل یا محمد اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیے والقرآن المجید بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ادائے رسالت کے وقت اور ہمارے امر و نہی کے وقت ٹھہریئے اور ان سے تجاوز نہ کیجئے اور اہل عرب کی عادت ہے کہ جملوں کو چھوڑ کر ان کے صرف ایک حرف پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے کہا ؎

قلت لها قفی فقالت ق۔ میں نے اسے کہا ٹھہر جا جواب دیا ٹھہر گئی ہوں ق وقفت کی طرف اشارہ ہے بعض نے کہا کہ مفاعلہ کے باب کا امر ہے قفا اثرہ سے ہے یعنی اتبعہ یعنی وہ اس کے پیچھے ہوا اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن پر عمل کیجئے اور اس کی اتباع کیجئے بعض نے کہا کہ یہ قضی الامر وما هو کائن سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو گیا اور وہ جو ہونے والا ہے جیسے حٰم میں مفسرین نے تاویل کی ہے یہاں بھی وہی ہے بعض نے کہا کہ یہ دراصل بحق القلم الذی یرقم القرآن فی اللوح المحفوظ وفی المصاحف اس قلم کے حق کی قسم جو قرآن کو لوح محفوظ اور مصاحف میں لکھتا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ حروف مقطع کلام منظوم و منثور کے فرق کیلئے ہوتے ہیں۔ اور امام الہدیٰ نے فرمایا کہ سامع ان حروف کے سنتے ہی سوال کرتا ہے کہ اس کے بعد جو آئے گا وہ کلام منثور ہو گا نہ کہ منظوم اس میں ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید تو شعر ہے۔

فائدہ: الانطاکی نے فرمایا کہ قٓ اس کے اس قرب الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق نحن اقرب الخ۔ یعنی قرب الٰہی کی قسم ہے یعنی قاف نحن اقرب الیه من حبل الورید کے راز کی خبر دیتا ہے اور حضرت عطا نے فرمایا قٓ سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے قسم ہے محبوب (علیہ السلام) کی قوت قلب کی کہ وہ خطاب اور مشاہدہ کا حامل ہے اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بلند کا اظہار ہے کہ آپ پر خطاب و مشاہدہ اثر انداز نہیں ہوتے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے ہوا کہ وہ طور میں تجلی نور کی تیز چمک سے بیہوش ہو کر گر پڑے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ہر سالک جو سیر الی اللہ میں ہے کا ایک مقام ہے قرب میں جب وہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے ق والقرآن المجید کی واو قسمیہ ہے اب یہی معنیٰ ہوا کہ قرآن کی قسم اپنی جگہ پر ٹھہر جا اس سے آگے تجاوز نہ کر۔

فائدہ: بعض نے کہا اس کا اشارہ مرتبۂ احدیہ (ھو اللہ) کی طرف ہے اور مرتبہ احدیہ ہی تعین اول ہے اور حق میں اللہ الصمد کی طرف اور وہ مرتبہ صمدیہ تعین ثانی ہے اور الصافات باقی تعینات کی طرف اشارہ ہے اور وہ باقی تعینات تعین ثانی کے تابع ہیں۔

شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) کہتا ہے کہ حق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قیام کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے تخلیق کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے صف اول میں کیا۔ کل شئے سے مفارق اور ہر ترکیب سے منفرد اور کون کی ہر شئے اور ہر وصف سے منقطع ہو کر پھر اس قیام کی طرف جب آپ عالم غیبی روحانی سے مقام شہادی جسمانی کی طرف قدوم کے وقت ہوا جس آنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے (وہی آپ تھے) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ جب آپ کو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا تو آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اے جابر میرے نور کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر کے مقام قرب میں بارہ ہزار سال اپنے سامنے قیام کا حکم فرمایا۔ یہی حروف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عدد کی تفصیل ہے کیوں کہ ان ہر دونوں جملوں کے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ بارہ حروف ہیں اس کے بعد بارہ ہزار سال مقام حب میں ایسے ہی مقام خوف۔ رجاء میں بارہ ہزار سال اس کے بعد بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے ہر ہر پردے میں ایک ہزار سال مقیم رکھا یہی مقامات العبودیۃ ہیں انہیں حجاب الکرامت والسعادۃ والہیبۃ والرحمۃ والرأفۃ والعلم والحلم والوقار والسکینہ والعبد الصدق والیقین کہا جاتا ہے اسی نور محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) نے ہر حجاب میں ایک ایک ہزار سال عبادت کی اجمالی طور میں ان کی تعداد بہتر ہزار سال ہے پھر جب ان کے ساتھ اٹھائیس منازل ملالی جائیں (جن کا اشارہ جلد اول (روح البیان) میں ہو چکا ہے) تو ان کا مجموعہ ایک سو ہو جاتا ہے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے حق وہ ایک سو رحمتیں اور ایک سو جنت کے درجات ہیں جو وہ صرف اور صرف فی الحقیقۃ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہیں اس لئے کہ اس کے ماسوا باقی سب اس کے تابع ہیں جیسے ہم امتی (بحمد اللہ علیٰ ذٰلک) ان کے تابع ہیں مقامات دور صوریہ میں جو وہ بھی ایک سو ننانوے ہیں۔

وہی اول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہم اول المخلوق کے قائل ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ جملہ اہل ایمان آپ کے نور کے فیض سے فیضیاب ہو رہے ہیں یہی صاحب روح البیان صدیوں پہلے فرما گئے[1]۔ چنانچہ فرمایا۔

---

[1] اضافہ اُویسی غفرلہٗ ۱۲

"لانہ اول من خلقہ اللہ ثم خلق المومنین من فیض نورہ"

"کیوں کہ آپ پہلے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر آپ کے فیض کے نور سے اہلِ ایمان کو پیدا فرمایا"۔

ایسے ہی وہ اہلِ ایمان (ان درجات علویہ کے تابع ہیں جو مراتب سلوکیہ سیریہ پر مبنی ہیں) آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہیں۔ انہی پر منازل میں سے قرآن میں وارد ہے کیوں کہ کلام نفسی رفتہ رفتہ نازل

ہوتا رہا یہاں تک کہ اسے روح القدس نے اسی عالم شہادی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور پر

نازل کیا عام وخاص سے یہ صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت وبزرگی کے پیشِ نظر ہے۔ اور آپ نے

انہی مقامات کی طرف قرآن مجید کے ساتھ ترقی فرمائی جیسا کہ صاحب قرآن کو (قیامت میں) کہا جائے گا۔ پڑھ

اور چڑھ اور آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں اسکی آہستہ تلاوت کرتا تھا اس لئے کہ تیری وہی آخری منزل

ہے جو تو آخری آیت تلاوت کرے گا۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق (سیرت)

قرآن تھا اسی لئے آپ کو بزرگی اور شرافت قرآن کی وجہ سے عطا فرمائی گئی (اس کو اچھی طرح سمجھ لے کیونکہ

یہ تقریر علیات ایزدی سے ہے)

فائدہ : یہ بھی ممکن ہے کہ قٓ سے قاف العقل مراد ہو اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے

میرے بندے عقل کے قاف سے بچو اور عشق کے شین کو لازم پکڑو۔

جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا کہ ؎

قفل در نشاط وسرور است قاف عقل

دندانۂ کلید بہشت است شین عشق

ترجمہ : خوشی وراحت کے تالے کی کنجی عقل کی قاف ہے لیکن بہشت کی کنجی کا دندانہ عشق کا شین ہے

جبل قاف : علماء کی ایک جماعت نے فرمایا کہ قاف ایک پہاڑ ہے جو تمام زمین کو ایسے محیط ہے

جیسے آنکھ سیاہی (چشم) کو گھیرے ہوئے وہی تمام دنیا کے تمام پہاڑوں سے بڑا

ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے زمرد اخضر سے پیدا فرمایا ہے یا زبرجد سے اسی سے ہے آسمان کی سبزی اور

آسمان اسی کو چھٹا ہوا ہے کوئی شہر اور بستی ایسی نہیں جس کی اس میں جڑ نہ ہو اس پر ایک فرشتہ موکل ہے

جو ہر جڑ پر انگلی رکھے ہوئے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم (بستی یا شہر) کی تباہی کا ارادہ فرماتا ہے

تو اسی فرشتے کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اسی جڑ کو کھینچتا ہے جس سے وہ بستی اور شہر مکینوں سمیت

تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں شیاطین اسی زبرجد کی طرف پہنچ کر اسی سے تھوڑے سے موتی لیکر لوگوں کی طرف پھینکتے

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) رفت ذوالقرنین سوئے کوہ قاف

دید او را کز زمرد بود صاف

(۲) گرد عالم حلقہ گشتہ او محیط

ماند حیران اندران خلق بسیط

(۳) گفت تو کوہی دگر ہا چیستند

کہ بہ پیش عظم تو بازیستند

(۴) گفت رگہائے من اند آن کوھہا

مثل من نبیتند در حسن و بہا

(۵) من بہر شہرے رگے دارم نہاں

بر عروقم بستہ اطراف جہان

(۶) حق چو خواہد زلزل شہر مرا

گوید او من بر جہانم عرق را

(۷) پس بجنانم من آن رگ را بقہر

کہ بدان رگ متصل گشتت شہر

(۸) جون بگوید بس شود ساکن رگم

ساکنم و ز روئے تفل اندر تگم

(۹) ہمچو مرہم ساکن بس کار کن

چوں خرد ساکن و زو جنبان سخن

(۱۰) نزد آنکس کہ نداند عقلش این

زلزلہ ہست از بخارات زمین

بجز اشعار (۱) سکندر ذوالقرنین، کوہ قاف کی طرف گیا دیکھا کہ وہ زمرد سے بھی زیادہ صاف ہے۔
(۲) جملہ عالم کو حلقہ کی طرح محیط ہے (گھیرے ہوئے) ہے اتنی بڑی مخلوق سے حیران رہ گیا۔
(۳) پوچھا پہاڑ تو تو ہے باقی کیا ہے کہ تیری عظمت کے آگے کچھ بھی نہیں۔
(۴) کہا تمام پہاڑ میری رگیں ہیں حسن اور رونق میں وہ میری طرح نہیں
(۵) میں نے ہر شہر میں ایک رگ پوشیدہ رکھی ہوئی ہے تمام جہان کے اطراف میری رگوں سے وابستہ ہیں۔

(۶) جب اللہ تعالیٰ کسی شہر کیلئے زلزلہ چاہتا ہے تو مجھے فرماتا ہے کہ اس شہر کی رگ کو حرکت دے۔
(۷) میں زور سے اس رگ کو جھٹکا دیتا ہوں جو اسی شہر کے قریب ہے۔
(۸) پھر کہتا ہے بس تو میری رگ ساکن ہو جاتی ہے بظاہر ساکن ہوں لیکن باطناً دوڑ رہا ہوں
(۹) جیسے مرہم کہ بہت کام کرتی ہے یا جیسے عقل کہ خود ساکن ہے لیکن اس سے مسلسل سخن جاری ہیں۔
(۱۰) جسے اس کی خبر نہیں اس کے نزدیک یہ زلزلے زمین کے بخارات ہیں۔

زلزلہ کا موجب

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زلزلہ تین وجہوں سے ہوتا ہے
(۱) اللہ ہیبت کی نگاہ زمین پر ڈالتا ہے۔
(۲) بنو آدم کے گناہ کی کثرت ہو جاتی ہے۔
(۳) وہ مچھلی متحرک ہوتی ہے جس پہ ساتوں زمینیں ہیں مخلوق کو تنبیہ و تادیب کیلئے۔

کوہ قاف کے عجائبات

حضرت ذوالقرنین نے کہا اے کوہ قاف مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی کوئی کہانی سنا اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی شان عظیم ہے میرے آگے پانچ سو سال کی مسافت پہ بہت بڑے بڑے برفانی جبل ہیں جو ایک دوسرے کو تھامتے رہتے ہیں اگر وہ نہ ہوں تو میں جہنم کی آگ سے جل سڑ کر راکھ ہو جاؤں (العیاذ باللہ) سکندر نے کہا کچھ ہمارے بارے میں عظمتِ الٰہی کی بات سنا کہا اے ذوالقرنین اللہ تعالیٰ کا کام بہت عظیم ہے ہمارے اندازۂ وہم وفہم سے باہر ہے اس کی عظمت کی خبر کون دے سکتا ہے اور نہ کسی میں طاقت کہ اسے بیان کرے سکندر نے کچھ تو سنا خواہ کم سے کم ہو کہا کہ میرے آگے زمین ہے جس کا طول بھی پانچ سو سال کی راہ ہے اور اس کا عرض بھی پانچسو سال کا۔ اس میں صرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور ہیں وہ برف کے اگر وہ زمین درمیان میں نہ ہو تو میں دوزخ کی گرمی سے قلعی کی طرح پگھل جاتا۔ سکندر نے کہا جاب کوہ قاف کچھ اور نکتہ بتایئے کہا اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال لکھیا کہنا۔

ملائکہ کی تخلیق

سکندر کے کہنے پہ مزید گفتگو آگے بڑھائی کہ جبریل علیہ السلام سخت ہیبت میں کمربستہ کھڑا ہے ہر لحظہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و سیاست سے درگاہ جبروت میں کانپتا ہے اور اس سے ایک گرج اٹھتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی گرج سے ایک لاکھ فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ وہ صف بستہ ہو کر بارگاہ حق کی ہیبت کے خوف سے سر بگم بیان کئے ہوئے حق کے فرمان کے منتظر کھڑے ہو جاتے ہیں صرف ایک بار انہیں بارگاہ حق سے آواز آتی ہے کہ بولو۔ وہ سب کے سب پڑھنے لگ جاتے ہیں" لا الٰہ الا اللہ" اس سے زائد کچھ نہیں کہتے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یوم یقوم الروح و الملائکۃ صفا " الیٰ قولہ 'صوابا' یہاں صواباً سے لا الٰہ الا اللہ" مراد ہے۔

آسمان کی سبزی

بعض نے کہا کہ آسمان کی سبزی اس پتھر سے ہے جو زمین کی تہہ میں ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ انها ان تك مثقال حبة من خردل فتكن فى صخرة الخ، بے شک وہ اگر ذرہ برابر ہو (رائی کے دانہ کے برابر) اور وہ صخرہ (پتھر) میں ہو آسمان سبز اس لئے بنایا تاکہ آنکھوں کی روشنی کو قوت ملے۔

آنکھوں کی جلاء بڑھانے والی اشیاء

(۱) سبزی کو دیکھنا
(۲) جاری پانی دیکھنا
(۳) حسین چہرہ دیکھنا
(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سوتے وقت سیاہ سرمہ آنکھ میں لگانا۔
(۵) سفید رنگ کے سوا باقی ہر رنگ آنکھ کو جلا بخشتا ہے۔

اسکندریہ کی سنگِ بنیاد

خالد بن عبد اللہ نے کہا ذوالقرنین نے اسکندریہ کی سنگِ بنیاد رکھی تو اس کی دیواریں اور فرش سنگِ مرمر کا بنوایا اس لئے کہ وہاں کے لوگوں کا لباس سیاہ تھا تاکہ سنگِ مرمر کی سفیدی سے ان کا لباس نکھرے اسی لئے راہب لوگ سیاہ لباس پہنتے تھے (روضح المسالک

پہاڑوں کی تخلیق

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو ہلنے لگی بلکہ ایک طرف جھک گئی۔ اللہ تعالیٰ زمین کے ان بخارات غلیظ کثیف سے جو زمین سے اوپر کو چڑھتے ہیں بوجہ اس کے ابال کے سے پہاڑ بنا کر کھڑے کر دیئے تاکہ زمین ساکن ہو اور اس کی وہ حرکت ختم ہو جائے جس سے وہ ہچکولے کھا رہی تھی۔ اسے جبل محیط کا طوق پہنایا اور وہ سبز رنگ کا ہے اور جبل کو بہت بڑے سانپ کا طوق ڈالا جس کا چہرہ دُم کو مس کر رہا ہے۔

ابدال کا ایک قدم

• حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ میں نے اس ابدال کو دیکھا جو جبل قاف پر چڑھ گیا میں نے اس سے پوچھا کہ کوہ قاف کتنا اونچا ہے فرمایا اشراق میں نے اس کے نچلے حصے میں پڑھی اور عصر اس کی چوٹی پر اس سے میں سمجھ گیا اس کا ایک قدم ہوا کیوں کہ ابدال کا ایک قدم مشرق سے مغرب تک ہوتا ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) کہتا ہے شاید یہ بسط فی الیسیر کے قبیل سے ہے ورنہ احادیث سے ثابت ہے کہ آسمان دنیا کوہ قاف کے متصل ہے اور آسمان و زمین کے درمیان پانچسو سال کی مسافت ہے یہی مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت ہے جب یہ حال ہے تو پھر وہ خطوات متضاعفہ اس مسافت میں کب گنجائش رکھتے ہیں۔

فائدہ :۔ خبر میں ہے کہ کوہ قاف کی آسمان میں سات شاخیں ہیں ہر آسمان کے لئے علیحدہ شاخ ہے ساتوں آسمان مقبب (قبہ دار) ہیں ہر آسمان کا قبہ اپنی شاخ سے ملا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے کوہ قاف کے آگے چھ اور کوہ قاف پیدا فرمائے ہیں جس کا ذکر ہو رہا ہے یہ ساتواں ہے ہر کوہ قاف نے اطراف ارض میں صخرہ (پتھر) پر میخیں گاڑی ہوئی ہیں کوہ قاف زمین کے ارد گرد ہوا پر کھڑا ہے۔

کوہ قاف کی تخلیق کا فائدہ بعض نے کہا کہ کوہ قاف کو اللہ تعالیٰ نے اس قلعہ کی طرح پیدا فرمایا جو گویا ملک پر جھانکنے والا ہے تاکہ اہل ارض دوزخ کی گرم ہوا سے محفوظ ہوں (دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے)

قطب الاقطاب فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس میں قطب الاقطاب رضی اللہ عنہ کے وجود کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمام لوگوں کو جھانکنے والے کی طرح ہے اپنے جمعیت اتم اور عالی رتبہ کی حیثیت سے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ عالم کو صوری و معنوی آفات سے بچاتا ہے جیسے کوہ قاف جملہ جبال کو جھانکنے والے کی طرح ہے اس سے ہی اللہ تعالیٰ صبح و شام اہل ارض کی حفاظت فرماتا ہے۔

فائدہ : کوہ قاف کے آگے بحر محیط ہے جو کوہ قاف کو گھیرے ہوئے ہے اس کے آگے ایک اور کوہ قاف ہے دوسرا آسمان کا قبہ اس پر ہے اسی طرح اس کے آگے اور بحار (دریا) ہیں۔ جبل قاف کے ساتھ آسمانوں کی گنتی کے مطابق جو ہر آسمان کا قبہ اپنے نامزد دریا پر ہے۔

ملائکہ کی ڈیوٹی :۔ ان دریاؤں میں اور ان کے سواحل میں اور ان کی وہ خشک جگہ جو ان کے قبوں کے پیچھے ہیں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ وہی اللہ کی عبادت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

جبل قاف سے نہریں کوہ قاف سے تمام دنیا کی نہریں جاری ہیں جس سے ہر نیک و بد سیراب ہو رہا ہے بندہ جہاں جائے وہاں پانی پائے گا۔

فائدہ : اسی کوہ قاف کے آگے کا کوہ قاف عالم آخرت سے تعلق رکھتا ہے (وہ دنیا کے حکم میں نہیں)

چاندی کی زمین بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ قاف کے آگے ایک سفید زمین پیدا فرمائی ہے جو چاندی کی طرح صاف و شفاف ہے اس کا طول چالیس دن (شمسی) کے راہ کے برابر ہے اس میں فرشتے ہیں جو آنکھیں کھولے عرش پہ نگاہ رکھے ہوئے ہیں ان میں کوئی فرشتہ اپنے دائیں سے بائیں کو نہیں جانتا بوجہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت کے انہیں معلوم تک نہیں کہ آدم کون ہے اور ابلیس کون ان کا قیامت تک یہی حال ہے۔

قیامت کی زمین

بعض نے کہا قیامت میں ہماری یہی زمین اسی زمین کی طرح تبدیل ہو جائے گی۔

فائدہ: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھ ہزار عالم پیدا فرمایا ان کا ایک ہی عالم دنیا ہے اسی عالم دنیا کی زمین میں انس وجن کے سوا ایک ہزار امت پیدا فرمائی ہے چھ ہزار دریاؤں میں اور چار ہزار خشکی پر اور وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ سے فیض یاب ہو رہے ہیں ؎

چناں پہن خوان کرم گسترد
کہ سیمرغ درقاف قسمت خورد

ترجمہ:۔ جود وکرم کا دسترخوان اتنا فراخ بچھایا ہے کہ سیمرغ قاف (پہاڑ) میں اپنی قسمت کھا رہا ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ قسم ہے قرآن کی جو تمام کتب سے مجد وشرف والا ہے اس طرح سے یہ نسبت لاین وتمامروالی ہے یا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ مجید کا کلام ہے یعنی قرآن کو مجد سے وصف کرنا مجازی ہے ورنہ دراصل یہ وصف تو کلام والے کی ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ جو اس کے معانی جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ہاں مجید وشرف والا ہے اس وقت یہ اسناد سببی ہے جیسے کہا جاتا ہے بنی الامیر المدینۃ۔

فائدہ: امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ المجید وہ شرافت والی ذات کہ جس کے افعال جمیل اور جس کی عطاء ونوال جزیل (بڑی) ہے اس تقریر پر شرف ذات کے ساتھ جب حسن فعال بھی مقترن ہو تو وہ مجید وماجد ہوتا ہے لیکن ان میں سے ایک مبالغہ پر زیادہ دلالت کرتا ہے (یعنی مجید) اور قسم کا جواب محذوف ہے وہ یہ کہ اے محمد (علیہ السلام) آپ عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں۔ **بَلْ عَجِبُوْٓا** قریش کے فرعونوں اور ان کے سرکشوں کو تعجب ہے۔

اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ یہ کہ ان کے ہاں ایک ڈرانے والا وہ آیا ہے جو ان کی جنس میں سے ہے نہ کہ ملائکہ کی جنس سے جس سے جواب خبر دیتا ہے اسی سے اضراب ہے یعنی انہوں نے اس میں شک وتردد کیا اور نہ صرف شک وتردد پر اکتفاء کیا بلکہ اس کے خلاف جرأت کی اور اسے عجائبات سے بنا ڈالا بعض نے کہا کہ اس کا جواب محذوف ہے اس کی دلیل یہی لفظ بَلْ ہے کیوں کہ وہ ماقبل کی نفی کیلئے آتا ہے یہاں بھی مضمر فعل کی نفی دلالت کرتی ہے اصل عبارت یوں تھی قسم بجبل قاف الخ قسم ہے جبل قاف کی جس پر تمہاری دنیا کی بقاء ہے اور قسم ہے قرآن کی جس پر تمہارے دین کی بنیاد تھا انہوں نے برہان ومعرفت سے نہیں جھٹلایا بلکہ انہوں نے تعجب کیا۔

فائدہ: التعجب بمعنی نفس کا کسی امر خارج عن العادۃ پر نظر کرنا **فَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا**

شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۔ تو کافروں نے کہا یہ عجیب شے ہے یہ ان کے تعجب کی تفسیر اور بیان ہے کہ ان کا تعجب
انکار کو مقترن ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ساتھ منذر ہیں خلاصہ یہ کہ کافروں
نے کہا کہ مانا کہ منذر ہماری جنس کا ہے لیکن ہم سے کوئی کیوں نہ ہوا اور ساتھ جس سے یہ ڈراتے ہیں یعنی مرنے کے
بعد اٹھنا یہ بھی ایک عجیب امر ہے کیوں کہ یہ تو بڑی مشکل سی بات اور عادت کے خلاف ہے۔ یہ ان کی بہت
بڑی جہالت کی دلیل ہے کیوں کہ انہیں تعجب ہوا کہ رسول بشر کیوں اور پتھر کو معبود بنانا واجب سمجھ لیا اور مرنے
کے بعد اٹھنے کا انکار کیا حالانکہ روزمرہ کا معمول دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں جو شے ہے وہ فانی ہے اور ہر روز
دیکھ رہے ہیں کہ دن جاتا ہے تو رات آتی ہے خود یہ کام ان کے سامنے ہے کہ کئی ویران زمینیں آباد ہوئیں
ان سے انگوریاں اور درخت اُگ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: کافرین کی ضمیروں میں اشارہ ہے کہ یہ جملہ افعال کا انہی کی طرف اسناد ہے یعنی جتنے افعال
ہیں اُن کے ہیں ایسے ہی جو امور صحت و استقامت سے خالی ہیں وہ ان سب کا اسناد ان کی طرف ہے اس لئے
کہ ایسے ٹیڑھے اقوال ان سے ہی سرزد ہو سکتے ہیں اسی لئے ان کے لئے اظہار کی ضرورت نہیں۔

سوال: بالا آخر انہیں ظاہر تو کیا ہے۔ ابھی کہا فقال الکافرون الخ۔

جواب: یہ بات کو پختہ کرنے کے لئے ہے کہ ایسے ٹیڑھے اقوال کہنے والے یہی ہیں اور ایسے اقوال
کہنا کفر ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا (کیا جب وقت ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے) کیا جب ہم
مریں گے اور ہماری ارواح اور اجسام ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے پھر ہمارے
اور مٹی کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا پھر ہم لوٹیں گے اور اٹھیں گے جیسے نذیر و منذر کہتے ہیں اس میں اُن
ہمارے خیال میں بہت بڑا فرق ہے کہاں موت اور کہاں حیات ہمزہ انکار کا ہے یعنی نہ ہم لوٹیں گے اور نہ
اٹھیں گے ذٰلِكَ یہ اشارہ محل النزاع کی طرف ہے یعنی مضمون الجر کی طرف ایسا لوٹنا (رجع) (لوٹنا)

حل لغات الرجع متعدی ہے بمعنی اسرد بخلاف الرجوع یعنی لوٹنا حیات کی طرف یا اس کی طرف
جس میں ہم ہیں بَعِیْدٌ دور کی بات ہے وہم و فکر یا امکان یا صدق سے بعید
بے انہونی بات ہے کیوں کہ ہماری مٹی اور عام مٹی سے امتیاز غیر ممکن ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ بے شک ہمیں معلوم ہے کہ جو زمین ان سے کم
ہوتی ہے) یہ ان کے بعید سمجھنے (بعث و نشور کو) کا رد اور ان کے اوہام کا ازالہ ہے یعنی ہم بہت قدرت
کے مالک ہیں کیوں کہ جس کا علم اس حد تک ہے کہ اسے وہ بھی معلوم ہو کہ ان کی موت سے کتنا قدر زمین گھٹ

جاتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان کے گوشت و پوست اور ہڈیاں کھاتی ہے تو پھر اس کے لئے کیا بعید ہے کہ وہ انہیں اکٹھا کر کے اٹھائے جیسے وہ پہلے تھے۔

نکتہ مِنۡ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ زمین انسان کی ریڑھ کی ہڈی نہیں کھاتی کیوں کہ وہ بمنزلہ بیج کے ہے بنی آدم کے رجاء کے لئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ابن آدم کا جسم گل سڑ جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے اسی سے پیدا کیا گیا اسی سے مرکب ہوتا ہے۔

فائدہ: العجب بفتح العین وسکون الجیم بمعنی دُم کی جڑ یعنی شے کا پچھلا حصہ انسان کے اس حصے میں ایک ہڈی ہے جسے کوئی سوراخ نہیں وہ ذرہ برابر ہے یا رائی کے برابر ہے وہ بدن سے باقی رہتی ہے وہ گلتی سڑتی نہیں جب اللہ تعالیٰ انسان کو لوٹانے کا ارادہ فرمائے گا تو پھر اسی سے اسے بدن کو مرکب فرما کر اسے زندہ کرے گا۔

رد الوہابیہ ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام اجسام سمیت زندہ ہیں ان کے اجساد طاہرہ کو مٹی نہیں کھاتی ہے خلافاً للوہابیۃ چنانچہ سب کے وہابیوں کا پیشوا اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بہتان تراش کر لکھا کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں (معاذ اللہ) اس عقیدہ کی تردید صدیوں پہلے صاحب روح البیان نے فرمائی کہ:

ای غیر ابدان الانبیاء والصدیقین والشہداء فانہا لا تبلی ولا تتفسخ الی یوم القیمۃ علی مانص بہ الاخبار الصحیحۃ (روح البیان ص ۱۰۴ ج ۹) ترجمہ:- اولیاء وانبیاء وصدیقین وشہداء کے ابدان کے سوا اس لئے کہ وہ نہ تو پھٹتے ہیں اور نہ گلتے ہیں بلکہ وہ قیامت تک اسی طرح رہیں گے جیسے ہیں جیسا کہ اخبار و احادیث صحیحہ میں ہے۔

مسئلہ: ابن عطیہ نے فرمایا کہ وہ اجسام جنہیں زمین گھٹا کر کھا رہی ہے کی حفاظت اسی لئے تاکہ بعینہٖ انہی اجسام کو قیامت میں لوٹایا جائے یہی وہ حق ہے بعض اصولی اس طرف بھی گئے ہیں کہ وہ اجسام جو قیامت میں اٹھائے جائیں گے وہ ان کے غیر ہوں گے حضرت ابن عطیہ نے فرمایا یہ میرے نزدیک کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے کیوں کہ اگر مان لیا جائے کہ وہ اجسام ان اجسام کے غیر ہیں تو پھر قیامت میں انسان کے چمڑے اور ہاتھ اور پاؤں کافروں پر کیسے گواہی دیں گے اور دیگر وہ امور جو دنیا کے احکام سے متعلق رہیں کیسے صحیح ہوں گے۔

مسئلہ: شیخ الاسلام حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ جب اجسام گل سڑ جائیں گے تو جب اللہ تعالیٰ قیامت میں ان کے اعادہ کا ارادہ فرمائے گا تو کیا اصلی اجسام ہوں گے یا اور پیدا فرمائے گا آپ نے فرمایا انہی اجسام وغیرہ کو واپس لوٹائے گا کوئی اور اجسام نہ ہوں گے اور فرمایا وھذا ھو الصحیح

ف: اضافہ اویسی غفرلہٗ:

بلکہ فرمایا اگر کوئی اس کے خلاف کہتا ہے تو وہ میرے نزدیک خطار پر ہے کیوں کہ اس کا یہ قول قرآن وحدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔

مسئلہ: اہلِ کلام (متکلمین نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان عناصر اصلیہ کو جمع فرمائے گا جو پیدائش کے وقت ساتھ تھے یعنی عناصر اربعہ اور روح اسی جسم میں لوٹائے گا اس کا اعادۃ المعدوم نام رکھو یا کوئی اور۔

سوال: کوئی کہے کہ قیامت میں جسم اوّل کا غیر ہے اس کی دلیل حدیث شریف میں ہے کہ اہل جنۃ جرد مرد (بالوں سے خالی یعنی صاف ستھرے جسم والے) اور جہنمی کا یہ حال ہوگا کہ اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اس سے تو تناسخ لازم آتا ہے (یعنی ایک روح دو جسموں سے متعلق ہونا) اور یہ باطل ہے۔

جواب: تناسخ تب لازم آئے جب مان لیا جائے کہ جسم ثانی جسم اوّل سے پیدا شدہ نہ ہو (جب ہم کہتے ہیں کہ یہ اجزار کی ضخامت اسی جسم کی ہے اور تناسخ میں دوسرا جسم ماننا ضروری ہے۔)

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ جسم کا لوٹنا انہی اجزار اصلیہ پر ہوتا ہے اور بعض زائد اجزار پر بھی اور اس سے وہی ریڑھ کی ہڈی مراد ہے تو گویا یہ وہی پہلا جسم ہی ہے اس تقریر پر تناسخ لازم نہیں آتا اور قاعدہ ہے وصف کے تغایر سے ذات کا تغایر لازم نہیں ہوتا۔

خضر علیہ السلام کا اعجوبہ وارد ہے کہ خضر (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) ہر ایکسو بیس سال پر نوجوان ہو جاتے ہیں حالاں کہ ان کے بڑھاپے اور جوانی کا ایک ہی جسم ہے۔

ابلیس کی جوانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابلیس پر عرصہ دراز گزرتا ہے تو بوڑھا ہو جاتا ہے پھر اسے تیس سالہ نوجوان بنایا جاتا ہے۔[1]

مسئلہ: قیامت میں اجسام کے حشر کے متعلق علمار کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا انسان قیامت میں اسی پہلی کیفیت پر پیدا ہوں گے مثلاً، نکاح، تناسل، توالد یا اس سے قبل مٹی سے پھر نفخ روح جیسے آدم و حوا اور ان کی اولاد کا سلسلہ تخلیق ہوا وغیرہ وغیرہ جیسے عالم بشری میں سلسلہ تھا اور وہ تھوڑی سی مدت میں ہوجائیگا جیسا کہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے اسی طرف شیخ ابو القاسم بن قسی گئے ہیں انہوں نے اپنی کتاب "خلع النعلین زیرآیت" کما بدأکم تعودون میں لکھا ہے۔

فائدہ: بعض نے فرمایا یہی اصح ہے جو حدیث سے ثابت ہے چنانچہ مروی ہے کہ جو آسمان سے بارش

---

[1] یہ واقعات ثابت ہوجائیں تو جیسے ان کے اوصاف بدلنے سے تناسخ لازم نہیں آتا تو ایسے ہی قیامت میں اجسام کے تغایر سے تناسخ لازم نہیں آتا۔

ہوگی وہ پانی منی کے مشابہ ہوگا اسی سے انسان کی نشاۃ آخرت ہوگی جیسے اس کی نشاۃ دینوی نطفہ سے ہوئی اور وہ قطرات بحرالحیاۃ سے آباء کے پشتوں پر گرینگے ۔ اس سے ہی نشاۃ آخرۃ ہوگی جیسے نشاۃ دنیا میں بحر حیات کے قطرات سے جسم رحم میں پلتا رہتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ پہلی نشاۃ کو اللہ تعالیٰ نے بلا مثال (جو پہلے پائی جاتی ہو) کے پیدا فرمایا اور جیسے چاہا اسے مرکب فرمایا ایسے ہی آخرت میں بھی ایسے پیدا فرمائے گا کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو وہ ریڑھ کی ہڈی سے جو باقی رہے گی اسی پر آخرۃ کی نشاۃ مرکب فرمائے گا۔

فائدہ : کما بدأکم تعودون ' اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کا اشارہ اسی طرف ہے کہ تمہاری تخلیق ایسی ہے کہ اس کی کوئی مثال پہلے نہ تھی تو ایسے ہی آخرت میں ہوگا باوجودیکہ یہ نشاۃ کا گویا محسوس ہو رہا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل جنۃ و نار کی نشاۃ آخرت کا ذکر ایسے طریقے سے بیان فرمایا ہے کہ وہ نشاۃ دنیا کے مخالف ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی **وھو اھون علیہ** (اور وہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے) ہماری تقریر مذکور کے منافی نہیں کیوں کہ اگر پہلی تخلیق نکر و تدبیر کے اختراع سے ہو تو دوسری بھی ایسے ہی ہو کہ جب اسے آخرت میں لوٹائے تو فکر و تدبیر کے اختراع سے یہ اس کے لئے ہے جو اپنی تدبیر و فکر سے امور انجام دیتا ہو اور اللہ تعالیٰ تو تدبیر و فکر سے منزہ ہے وہ کس سے استفادہ کرے بلکہ وہ تو کل عالم کو فائدہ دینے والا ہے نہ کسی سے فائدہ اٹھاتا ہے نہ اس کا علم کسی دوسری شے سے بڑھتا ہے وہ تو غیر متناہی اشیاء کی تفصیل علم کلی سے جانتا ہے علم التفصیل اجمال کا عین ہے ۔ اس کے لئے تفصیل و اجمال کیسا اور ایسی ذات کے لئے ایسے ہی ہونا چاہیے ۔

تقریر غزالی

امام ابوحامد غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ ریڑھ کی ہڈی جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے وہ نفس ہے کہ جس پر آخرت کی نشاۃ ہوگی یہ ایسے ہے جیسے ایک درخت جس کی ٹہنیاں اور جڑیں بے شمار ہیں لیکن ایک چھوٹے سے دانے سے پیدا کئے گئے ہیں جسے مٹی میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ ایسے ہی انسان کا جسم ریڑھ کی ہڈی کے بیج سے ہے وہی گلنا سڑنا قبول نہیں کرتی ۔ اسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نفس سے تعبیر کرتے ہیں کیوں کہ وہ انسان کا مادہ و عنصر ہے (ایسے ہی بعض علماء نے تاویل کی ہے ۔)

بایزید کی تقریر

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ ریڑھ کی ہڈی سے مراد جوہر فرد اور وہ جزء واحد ہے جو تقسیم اور گلنے سڑنے کو قبول نہیں کرتا اس میں قوۃ قابلیہ ھیولانیہ ہے بلکہ وہی ھیولی نفس حیوانیہ کی صورت ہے ۔ جو عناصر کے ان اجزاء کی حامل ہے جو ہیکل محسوس میں ہیں اسے خالق اللہ تعالیٰ باقی رکھتا اور اسے تغیر اور گلنے سڑنے سے عالم کون و فساد میں محفوظ فرماتا ہے بلکہ نشاۃ دنیویہ میں سب سے پہلے اسی کو پیدا فرمایا جس کے ابدان حیوانیہ بڑھے اور اسی پر ھیکل انسانی کا دارومدار

ہے اور آخرت تک باقی رہے گی جس سے آخرت کی نشاۃ ہوگی وہ تبدیل نہ ہوگی۔

فائدہ : یہ صرف احتمالات ہیں احکام اخرویہ کے متعلق اصول شرعیہ کے قادح نہیں اور یہ ایسی توجیہات معقولہ ہیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی مراد یہی ہو اسکے قول عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی سے)

تقریر شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر : مجھے کشف سے معلوم ہوا اس میں مجھے کسی قسم کا شک نہیں وہ یہ کہ عجب الذنب سے مراد وہ ہے جس پر نشاۃ انسانی قائم ہے وہ گلنے سڑنے اور فساد کو قبول نہیں کرتی کیوں کہ وہ جواہر و ذوات جو عدم سے وجود میں آئے ان کے اعیان معدوم نہیں ہوتے لیکن ان پر اخرویہ و برزخیہ امتزاجات سے مختلف ہوتی رہتی ہیں اور امتزاجات سے وہ عوارض مراد ہیں جو عزیز علیم کی تقدیس سے انہیں عارض ہوتے ہیں حسیہ صورتیں قبول ارواح کی استعداد پیدا کر لیتی ہیں جیسے گھاس میں آگ کے اشتعال کی استعداد ہوتی ہے ایسے ہی صور برزخیہ میں ارواح کو قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے تو پھر اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکتے ہیں وہ پھونک صور برزخیہ پر گزرتا ہے تو وہ ان کی روشنی کو بجھا دیتا ہے اس کے بعد دوسری پھونک مارتے ہیں تو وہ ان صورتوں پر گزرتا ہے جو اشتعال کیلئے مستعد ہیں یعنی نشاۃ آخرت کے لئے تو وہ ارواح سے روشن ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے **فاذا ھم قیام ینظرون** ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں آمنین سے بنائے بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ **وعندنا کتاب حفیظ** اور ہمارے ہاں محفوظ کتاب ہے۔ یعنی بہت بڑی حفاظت کرنے والی کل اشیاء کی تفاصیل کیلئے یا وہ محفوظ ہے تغیر سے۔ اس سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کے علم بکلیات الاشیاء والجزئیات کی تمثیل ہے ساتھ اس شخص کے علم سے جس کے پاس ایسی کتاب ہو جو ہر شے کو محیط ہو جس سے ہر شے حاصل کی جا سکے یا اس کے علم کی تاکید ہے (کہ وہ تمام اشیاء کی تفاصیل کو جانتا ہے) اس لئے یہ تفاصیل لوح محفوظ میں ثابت ہیں اور وہ لوح محفوظ اس کے ہاں ہے۔

بل کذبوا بالحق بلکہ انہوں نے حق کی تکذیب کی) ان کی شناعت سابقہ بیان کے بعد ان کے بعد اس سے زیادہ شنیع فعل کی طرف اضراب وانتقال ہے بلکہ ان کا یہ فعل بہت زیادہ خطرناک ہے یعنی نبوت کی تکذیب جو معجزات باہرہ سے ثابت ہے اس لئے کہ ان کی تکذیب ایک ایسے امر کے لئے ہے جو ثابت اور حق ہے لیکن بلا سوچے انہوں نے اس کی تکذیب کر ڈالی فلہذا یہ ان کے لئے بہت زیادہ خطرناک ہے بخلاف ان کے اول فعل کے یعنی ان کا تعجب کرنا اتنا خطرناک نہیں جتنا تکذیب ہے۔ **لما جاءھم** جب ان کے پاس آیا تو بغیر سوچے سمجھے تکذیب کر دی محض اپنے آباء کی تقلید پر اور سوچ بچار سے انہیں کچھ سمجھ آیا تو پھر ان کی تکذیب سرکشی اور عناد کی وجہ سے تھی۔

نکتہ : فعل جار توبیخ کے لئے ہے اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالی کی بلندی دیکھی اور معجزات جو آپ کی حقانیت کے شاہد تھے بھی دیکھے لیکن پھر بھی تکذیب سے باز نہ آئے یہ ان کا حسد اور بغاوت تھی۔ فَهُمْ فِىٓ أَمْرٍ مَّرِيجٍ (تو وہ ایک مخلوط امر میں ہیں)

حل لغات مریج مرج الخاتم فی اصبعہ انگشتری اس کی انگلی میں ادھر ادھر ہوئی بمعنی جرج (بالجیمین دو جیموں سے) ہمچون فرح بمعنی قلق وجال واضطرب الخ یعنی اس کی انگلی کی کمزوری سے انگشتری ادھر ادھر ہوئی اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ ایسے امر مضطرب میں ہیں جسے کوئی قرار نہیں غلبۂ آفات الحس والوہم والخیال کے اوپر ان کے عقول کے اسی لئے وہ حق کی طرف راہ نہیں پلتے یہی وجہ ہے کہ کبھی جادوگر اور کبھی کاہن اور کبھی مفتری وہ کسی ایک ایک بات کو جم کر نہیں کہتے یہی ان کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان عالی کے متعلق صراحۃً اضطراب تھا اور پھر انہیں قرآن میں بھی ان کا اضطراب تھا کہ اسے کبھی شعر سے منسوب کرتے وغیرہ[1] اس کا سبب یہی تھا۔

---

[1] جس زمانے میں جناب رسالت مآب مبعوث ہوئے۔ اس وقت عرب میں شعر وشاعری کا بڑا چرچا تھا اور عربوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا اور حتیٰ کہ وہ اپنی زبان کے مقابلہ میں ساری دنیا کی زبانوں کو گونگی کہا کرتے تھے ان کے یہاں شعر موزوں کر دینا ایک بالکل معمولی بات تھی اُن کی لڑکیاں اور لونڈیاں ایسے اچھے برجستہ اشعار نظم کر دیتیں کہ اب بڑے بڑے ادیب غور وفکر کے بعد بھی نہیں کہہ سکتے۔ ایسی حالت میں خداوند عالم نے حضرت رسولِ کریمؐ کو جہاں اور معجزات عطاء کئے وہاں ایک قوی۔ مستحکم، پائدار اور قیامت تک قائم رہنے والا معجزہ یہ بھی عطاء فرمایا کہ قرآن کو نازل کیا اور وہ بھی اس دعوے کے ساتھ کہ کسی کو اگر اس کے کلام خدا ہونے میں شک ہو تو اس کے مثل کیا اس کی ایک صورت کے مثل ہی بنا لائے یا بنوا لائے۔ یہ امر مشرکین عرب کے نزدیک بہت باوقعت ثابت ہوا کیوں کہ ایک ایسا شخص جس نے نہ کسی سے کچھ پڑھا ہو نہ ایک سطر عبارت لکھی ہو نہ شعر نظم کیا ہو یکبارگی اتنا بڑا دعویٰ کرتا ہے تو ایسے شخص کا مقابلہ ادبی کمال کی موجودگی میں ان کے لئے ناممکن نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان لوگوں نے جہاں آنحضورؐ پر ساحر، کاہن اور مجنون ہونے کا الزام لگایا۔ وہاں سے بعض نے آنحضورؐ کو شاعر بھی کہا اور آپ کے منہ سے ادا ہونے والے کلام کو شاعری سے موسوم کیا۔ کیوں کہ قرآنی الفاظ کی جزالت اور سحر آفرینی لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اُترتی جا رہی تھی۔ باتوں کا دلوں پر اثر ہوتا تھا ان سے کہیں زیادہ کلام خدا سے لوگ متاثر ہو رہے تھے۔ چنانچہ معترضین نے آپ پر شاعر ہونے کا الزام لگایا۔ مگر خدا نے واشگاف الفاظ میں اس کی تردید کر دی۔ چنانچہ سورہ لیٰسین کی آیات ۶۹ میں ارشاد قدرت ہے اور ہم نے نہ اس (پیغمبر) کو شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ شاعری اس کی شان کے لائق ہے یہ (کتاب) تو بس (نری) نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فائدہ : یاد رہے کہ اضطراب ہی اختلاف کا موجب ہے کیوں کہ یہی اضطراب اس کی بطلان کی بہت بڑی دلیل ہے ایسے ہی ثبات و خلوص اتفاق کا موجب ہے اور یہی اس کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو قوم حق کو چھوڑتی ہے اس کا معاملہ ہمیشہ اضطراب میں رہتا ہے ایسے ہی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس پر یہ اضافہ فرمایا کہ ان پر ان کا دین ملتبس ہو جاتا ہے۔

حکایت : سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہودی نے کہا کہ تم نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیوں دفنایا انہیں نہ دفناتے تو تمہارے میں اختلاف برپا نہ ہوتا آپ نے فرمایا انما اختلفنا عنہ لا فیہ ہمارا اختلاف ان کی وجہ سے ہے نہ کہ ان کی ذات میں اور تم تو (اے یہودیو) وہ ہو کہ ابھی دریا سے نکل کر تمہارے پاؤں بھی خشک نہ ہوئے تھے تو کہنے لگے اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ " ہمارے لئے معبود مقرر فرما جیسے ان کے معبود ہیں) اس جواب سے یہودی لاجواب ہو گیا۔

حکایت : بزرجمہر حکیم کو لوگوں نے کہا آل ساسان کا معاملہ کیوں گڑبڑ ہوا جب تمہارا جیسا دانا انہیں موجود تھا جواب دیا کہ انہوں نے نا اہلوں کو بہت بڑے اہم امور سپرد کر دیئے پھر ان کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

پندم اگر بشنوی اے پادشہ
درہمہ دفتر بہ ازیں پند نیست

جز بخردمند مفرما عمل
گرچہ عمل کار خردمند نیست

ترجمہ (۱) میری نصیحت اگر تم سنو اے بادشہ، تمام دفاتر میں اس سے بڑھ کر اور کوئی نصیحت نہیں۔
(۲) عقلمند کے سوا کسی دوسرے کو کام سپرد نہ کر۔ اگرچہ کام عقلمند کے لائق نہیں۔

حلاج منصور رحمۃ اللہ علیہ کی حقانیت حضرت حلاج منصور رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مسلمان علماء نے مضطرب ہو کر ان کے قتل کا فتویٰ دیا تو ملک کے حالات مضطرب

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) تاکہ جو زندہ (دل عاقل) ہو اسے (عذاب سے) ڈرائے اور کافروں پر (عذاب) کا قول ثابت ہو جائے اور حجت باقی نہ رہے۔ اس کے علاوہ مخرب اخلاق باتیں نظم کرنے والے اور بے ہودہ جہالات پھیلانے والے شعراء کے بارے میں سورۂ الشعراء کی آیات ۲۲۴ تا ۲۲۶ میں ارشاد ربانی ہے ۔"(۱) اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ جنگل میں سرگرداں مارے مارے پھرتے ہیں اور یہ لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں۔"

ہو گئے یہاں تک کہ وقت کے وزیر کے مکانات جلا دیئے گئے پھر اسے قتل کر دیا گیا پھر بادشاہ کی باری آ گئی اس کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ سب کو معلوم ہے۔

مولانا رومی قدس سرہ کے والد مرحوم کی کہانی

وزیر نے سلطان العلماء یعنی حضرت مولانا رومی قدس سرہ کے والد گرامی کو بلخ سے شہر بدر کرایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا تختہ الٹ دیا اور انہیں ایسی ذلت میں مبتلا کیا کہ ان پر زندگی دو بھر ہو گئی بالآخر ان کے بہت بڑے دشمن نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ ان میں تفسیر کبیر کے مصنف بھی تھے لیکن انہوں نے خود کو چھپا کر جان بچائی لیکن پھر بھی نہ بچ سکے ان کا حال دشمن کو معلوم ہو گیا اسی لئے انہیں چھپنے سے کوئی فائدہ نہ ہوا حضرت مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا،

ے
درچنان ننگے و انگہ ایں عجب
فخر دین خواہد کہ گویندش لقب

ترجمہ: ایسا (ننگ و عار) پھر اس سے کیا تعجب وہ چاہتا ہے کہ اس کا لقب فخر دین ہو۔

کفار مکہ کفار مکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں مضطرب ہوئے کہ آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُلٹا انہیں قتل کرا کے مکہ اہل ایمان کے قبضہ میں دیدیا۔

اَفَلَمْ يَنظُرُوْٓا (تو انہوں نے نہیں دیکھا) یعنی کیا ان پر غفلت چھا گئی ہے کہ نہیں دیکھ رہے ورنہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیوں۔ اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ (آسمان جو ان کے اوپر ہے) یہاں تک کہ اسے ہر وقت دیکھ رہے ہیں یعنی عدم سے وجود کی ایجاد اور خلق عالم میں قدرت الٰہی کے آثار ہر وقت دیکھ رہے ہیں۔ اور فَوْقَهُمْ يَنظُرُوا کا ظرف یا اسماء سے حال ہے كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا ہم نے اسے کیسے بنایا یعنی اسے ستون کے بغیر اونچا کیا وَ زَيَّنّٰهَا اور اسے ہم نے سنگارا ستاروں سے جو عجیب نظام سے مرتب ہیں۔ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ اور اس میں کہیں رخنہ نہیں صفائی سے اور ہر عیب و خلل سے سلامتی سے جیسے دوسری جگہ فرمایا هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُورٍ (کیا دیکھتے ہو اس میں کوئی رخنہ ہے) یہ اس کے لئے دروازوں کے مخالف نہیں اور نہ ہی اس کے اوپر چڑھنے کے راستوں کے منافی ہے کیونکہ دروازے اور راستے عیب میں سے نہیں اور نہ ہی انہیں خلل سمجھا جاتا ہے۔

فائدہ: غالباً اس جملہ کی تاخیر فواصل الآیات کی وجہ سے ہے۔

حل لغات الفروج فرج کی جمع ہے دو چیزوں کے درمیان کا خلا جیسے دیوار کا سوراخ اور دو پاؤں کے درمیان کا سوراخ یعنی مرد و عورت کی شرمگاہ اور یہ لفظ شرمگاہ کے لئے ایسا کثیر الاستعمال ہے گویا فرج شرمگاہ کے لئے صریح ہے اور استعارۃً ثغر اور ہر خوف والی شے کو کہا جاتا ہے

اور جو قبا پھٹی ہوئی اسے بھی فروج اسی لئے کہا جاتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فروج قبا زیب تن فرما کر پھر اسے اتار دیا ۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا اور ہم نے پانی پر زمین کو بچھایا پھیلایا پانچ سو سال کی مسافت تک جس کا آغاز کعبہ معظمہ سے ہوا۔

سائنس دور حاضرہ

اس سے معلوم ہوا کہ زمین دراز ہے گیند کی طرح گول نہیں[1] لیکن یہ بھی ہے کہ گیند کی طرح ہو کیوں کہ اس کی وسعت اس کے منافی نہیں۔ جیسا کہ ہم نے اپنے مقام پر اس کی تحقیق کی ہے۔ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ اور ڈالے اس میں لنگر یعنی پہاڑ جن کی وجہ سے زمین مضبوط بندھی ہوئی ہے اگر اس پر پہاڑ نہ ہوتے تو وہ ہچکولے کھاتی ہوئی مختلف جہات کی طرف جھک جاتی جیسے پہلے تھی

تردید سائنس دور حاضرہ

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی تو ہچکولے کھانے لگی ملائکہ کرام نے کہا اگر اس کی یہی حالت رہی تو کوئی بھی اس پر نہیں ٹھہر سکے گا پھر پہاڑ کھڑے کئے گئے اس سے اس نے استقرار پایا[2] ملائکہ کرام حیران رہ گئے کہ یہ کس سے پیدا کئے گئے۔

حل لغات

رواسی رسا الشئی سے ہے بمعنی ثبت اور پہاڑوں کو اس سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ پہاڑوں کو ہلتی زمین کو قرار دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

اولیاء کے طفیل

اسمیں اشارہ ہے کہ رجال اللہ (اولیاء کرام) زمین کے اوتاد (میخیں) ہیں اور آسمانوں کے لئے معنوی عمد (ستون) ہیں جب وہ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو زمین پر کوئی ایک بھی اللہ۔ اللہ کہنے والا نہ ہوگا پھر زمین بھی نہیں رہے گی۔[3]

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ اور ہم نے اگائے۔ اس میں ہر طرح کے جوڑے زوج بمعنی صنف (قسم) مثلاً کہا جاتا ہے ازواج من نبات شئی، مختلف انگوریوں کی قسمیں یعنی ایک دوسرے کی ہمشکل قسمیں۔ بَهِيْجٍ

---

[1] زمین کے لئے سکون (ساکن ہونا) اہل اسلام کا قول ہے اور یہی حق ہے۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہ

"زمین در حب رو ساکن فلک در عشق رو شیدا"

ترجمہ (زمین اس کی محبت میں ساکن اور فلک اس کے عشق میں شیدا۔)

یہی دور سابق کی سائنس کہتی تھی چنانچہ صرف اسی موضوع پر سر سید علی گڑھی (نیچری) نے کتاب لکھی ہے۔ جبل متین در سکون زمین جو مقالہ شانزدہم لاہور میں حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ لیکن سائنس دان ایک بات پر قائم نہیں رہتے ان کے اصول بدلتے رہتے ہیں الحمد للہ اسلامی اصول اٹل ہیں نہ بدلے اور نہ ہی قیامت تک بدل سکتے ہیں۔ ع
زمانہ بدلے لاکھ مگر قرآن نہ بدلا جائے گا۔ [2] کشف الاسرار - [3] اویسی غفرلہ

رونق وار حسین خوش ذائقہ پھل۔ انگوریاں، درخت۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا " ذات بہجة " رونقدار اور اس کے حسن سے رونق پاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ البہجہ یعنی خوش رنگ، اور اس سے سرور کا ظاہر ہونا کہا جاتا۔ ابتہج بکذا یعنی سُر بہ امر وہ اس سے خوش ہوا اور خوشی آنا اور اس کے چہرے پر ظاہر ہوئے (المفردات) تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى راہ دکھانے اور نصیحت کے لئے) یہ دونوں افعال مذکورہ کی معنیٰ علت ہیں بطریق تنازع کے فعل اخیر سے منصوب ہیں یا بطریق استیناف کے فعل مقدر سے منصوب ہیں یعنی ہم نے کیا جو کچھ کیا راہ دکھانے اور نصیحت کیلئے یعنی عبرت دلانے اور استدلال کے لئے ان کا منصوب علی المصدریہ بھی ہو سکتا ہے اس وقت ان کا فعل مقدر ہے یعنی نبصرھم بقرة ونذرھم ذکری۔ لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ہر اس بندے کیلئے جو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کے عجیب صنائع میں غور و فکر کرنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اسمیں مقام تبصرہ و ذکریٰ تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صرف عبودیت اور انابیت جو طریقت کی بناد و اساس ہے بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ان احسانات کی معرفت جو بندے پر ہیں کا نام تبصرہ ہے اور انہیں ہر حال میں اپنے نفس کو بتانا ذکریٰ ہے تاکہ شکر میں مشغول رہے کہ اس کے ساتھ کتنا بہترین معاملہ کیا گیا ہے بعض نے فرمایا کہ تبصرہ و ذکریٰ دونوں نام ہیں شریعت و طریقت کے تبصرہ حقیقت ہے اور ذکریٰ شریعت ہے وحقیقت مکاشفہ شریعت خدمت ہے اور حقیقت عزبت ہے بر مشاہدہ اور شریعت بےپایہ ہے وحقیقت بےخودی ہے اہلِ شریعت فرائض گذار اور معصیت شعار اور صاحبان حقیقت از خویشتن گریزان اور صرف ایک طرف بھاگنے والے اہل شریعت کا قبلہ کعبہ ہے اور اہلِ حقیقت کا قبلہ عرش کے اوپر اہلِ شریعت میدان حساب موقف (محشر) ہے اور اہل حقیقت کا میدان حساب حضرت سلطان اہل شریعت کا ثمرہ بہشت ہے اور اہلِ حقیقت کا ثمرہ لقائے ورضائے رحمٰن۔

(سبق) عاقل پر لازم ہے کہ وہ ذکر حکیم میں مشغول اور اس کی صفت عظیم میں غور و فکر کرے اور اس کی ایسی توحید کا قائل ہو جو اس کی جناب کریم کے لائق ہو اور اسکی طرف ایسا رجوع کرے کہ قیامت اسے کسکا اور رجوع نہ کرنا پڑے۔

حکایت: ایک بوڑھا حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے بے شمار گناہ کئے میں اب چاہتا ہوں کہ گناہوں سے توبہ کروں آپ نے فرمایا بڑی دیر سے آیا ہے بوڑھے نے کہا بہت جلد آیا ہوں آپ نے فرمایا وہ کیسے عرض کی کہ جو موت سے پہلے توبہ کرلے وہ جلد آیا آپ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو بہت خوب آیا ہے۔

بار ہائے خویش اجرے سبک گردان کہ نیست
تنگنائے مرگ را گنجائے این بار ہا

ترجمہ: اپنے بوجھ کو ہلکا کر اس لئے کہ موت کی تنگ گلی میں ایسے بڑے بوجھوں کی گنجائش نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

بیا تا بر آریم دستی ز دل
کہ نتوان بر آورد فردا ز گل

ترجمہ: آئیے تاکہ دل سے ہاتھ اٹھالیں کیوں کہ کل مٹی سے ہاتھ باہر نکلنا مشکل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَٰرَكًا اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اُتارا یعنی لوگوں اور جانوروں کی حیات اور ویران زمین کی آبادی کو بہت بڑا مفید ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ بارش کا پانی زمین کے اجزاء میں سال بھر رہتا ہے جس سے انگوری نکلتی ہے۔ فَأَنۢبَتْنَا بِهِۦ تو ہم نے اگائے اسے پانی سے جَنَّٰتٍ، باغات یعنی بہت بڑے درخت ثمرہ دار، محل کا ذکر کے حال مراد لی ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا فاخرجنا به ثمرات تو ہم نے اس کے ذریعے ثمرات نکالے۔ وَحَبَّ ٱلْحَصِيدِ اور کھیتی کے دانے یہاں موصوف محذوف ہے یہ بصریوں کا مختار مذہب ہے مسجد الجامع کے قبیل سے ہے تاکہ اضافۃ الشئی الی نفسہ لازم نہ آئے الحصید بمعنی کھیتی کاٹی ہوئی الحصید بمعنی محصود ہے لیکن یہاں مجازاً کھیتی کے معنیٰ میں ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس کھیتی کے دانے جس کی شان ہے کہ وہ کاٹی جائے جیسے گندم، جو، دیگر وہ اجناس جن سے انسان کی غذا تیار ہوتی ہے اور حب دانے کی تخصیص اس کے مقصود بالذات ہونے کے ہے۔ وَٱلنَّخْلَ اس کا عطف جنات پر ہے اگرچہ اس کا اندراج جنات میں ہو چکا ہے لیکن اس کی فضیلت و بزرگی کی وجہ سے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے اس کے بعض اوصاف سورۃ یٰسین میں مذکور ہو چکے ہیں اور الحب کو درمیان میں لانے میں اس کے استقلال کی تاکید اور باقیوں سے اسے ممتاز ظاہر کرنے کے علاوہ فواصل آیات کی رعایت بھی ہے۔ بَاسِقَٰتٍ لمبی آسمان کی جانب اور عجیب الخلقۃ ہیں۔ باسقات صفت مقررہ ہے کیوں کہ انبات کے وقت تو کھجور لمبی نہیں ہوتیں۔

حل لغات

بسقت الشجر ہوتا ہے ہے بمعنی طالت (طویل ہو گئی ہے)۔ المفردات میں ہے الباسق وہ شے جو اوپر کو جائے اسی سے ہے بسق فلاں علیٰ اصحابہ وہ اپنے ساتھیوں سے اونچا ہوا اور یہ بھی جائز ہے کہ باسقات بمعنی حوائل ہو بسقت الشاۃ بمعنی حملت (بکری حاملہ ہوئی) اس معنیٰ پر ارباب اغفال ہے۔ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ اس کے میوے گابھے تہ بہ تہ۔ نضید بمعنی منضود ہے یہاں تمام گابھوں کا تہ بہ تہ ہونا مراد ہے یا اس میں کثرۃ ثمرات مراد ہے یہ جملہ النخل

سے حال ہے۔

حل لغات نضدت المتاع بعضہ علی بعض بمعنی القیتہ یعنی میں سامان کے بعض کو بعض پر ڈالا اور المنضد وہ سریر (چارپائی۔ تختہ وغیرہ) جس پر سامان ڈالا جائے اسی سے طَلۡعٌ نَضِيدٌ استعارہ کیا گیا ہے۔

(المفردات) النضد والتنضید ایک دوسرے پر رکھنا الطلع وہ شے کسی دوسری شے سے اس طور نکلے کہ گویا وہ دو جوتے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور جو شے ان کے درمیان ہو اسے منضود کہا جائے گا یا وہ شے جو ثمرہ ہے سب سے پہلے ظاہر ہو اس کی کھال کو الکفری (بضم الکاف والفاء وتشدید الراء) کہا جاتا ہے اور جو اس کے اندر کے حصے میں ہے اسے الاغریض کہا جاتا ہے بوجہ اس کی سفیدی کے۔ (القاموس)

بحر العلوم میں ہے کہ الطلع وہ شے جو کھجور سے طلوع کرے قبل اس کے کہ وہ چر جائے اسے الکم کہا جاتا ہے اور جو اس کم سے ظاہر ہو اسے طلع بھی کہتے ہیں وہ ایک سفید شے ہے جس کا رنگ دانتوں کے اور اس کی بو منی کے مشابہ ہوتی ہے۔ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ (رزق بندوں کے لئے) یعنی ان کا رزق ہے یہ علت ہے فانبتنا کی۔

نکتہ: پہلے رَبَّنَا کی تعلیل تبصرہ وذکری اور اس میں رزقاً لہٗ میں اشارہ ہے کہ انسان ان چیزوں سے نفع اٹھاتے وقت رزق سمجھنے کے بعد تبصرہ وذکری پر نگاہ رکھے ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن بہر خوردن است

ترجمہ: کھانا جینے اور ذکر کرنے کے لئے ہے تیرا خیال ہے کہ جینا صرف کھانے کے لئے ہے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ پہلی آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال ہے کہ وہ اتنا بڑی چیزوں پر قادر ہے اس میں جنات کا ذکر بطریق تبع ہے اسی لئے اس کی تعلیل تبصرہ وتذکرہ مناسب ہے دوسرے انبتنا میں بیان ہے کہ ان بڑی چیزوں سے نفع اٹھانا چاہیے۔ اسی لئے اس کی تعلیل رزقاً للعباد مناسب ہے اسی نے اسے پہلی سے موخر کیا گیا۔ کیونکہ شے کے منافع اس کی پیدائش پر مرتب ہوتے ہیں۔

اعجوبہ بہشت کی کھجوریں جڑ سے لے کر تا آخر پھل سے تہ بہ تہ ہونگی بخلاف دنیوی کھجوروں کے کہ ان کا ثمر صرف آخری حصہ پر ہوتا ہے اور آخرت کی کھجوروں کا یہ حال ہے کہ جب ان کا ثمر توڑ لیا جائے گا تو فوراً اگ آئے گی جب کہ وہ مکھن سے نرم تر اور شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی یہ دنیوی کھجوریں آخرت کی

کھجوروں کی یاد دہانی کے لئے ہیں اور یہ ہر دونوں بندگان خدا کی رزق ہیں۔ چنانچہ فرمایا ولھم رزقھم فیھا بکرۃ وعشیا ' ان کے لئے رزق ہیں صبح اور شام و احیینا بہ اور اس کے ذریعے ہم نے آباد کیا۔ بَلْدَۃً مَّیْتًا شہر ویران۔

سوال: بلدۃً مونث میتاً مذکر پھر موصوف وصفت میں مطابقت کیسی۔

جواب: بلدۃ مؤول ہے بتاویل بلد ومکان یعنی ویران زمین کہ جس پر آبادی نہ ہو۔ یعنی ہم نے اس ویران زمین کو بڑھایا اور قسم وقسم کی انگوریاں اور پھل پھول اُگ گئے یہاں تک کہ خشکی کے بعد لہراتی ہوئی رونق دار بن جاتی ہے۔

حدیث شریف: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بارش ہوتی یہاں تک کہ پرنالے چل پڑتے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ اس سال تم پر قحط نہیں آئے گی۔

کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ ایسے نکلنا ہے" اس جملہ میں خبر مقدم ہے۔ بوجہ قصر کے اور ذلک کا اشارہ اس حیات کی طرف ہے جو اَحْیَیْنَابِہٖ میں ہے۔ یعنی تمہاری اس عجیب حیاۃ" کی طرح تمہارا مرنے کے بعد اٹھنا ہوگا

حدیث شریف: مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ چالیس راتیں مینہ برسائے گا جو مردوں کی منی کی طرح ہوگا جو زمین میں داخل ہوگا تو اس سے انسانوں کے چمڑے، رگیں، ہڈیاں پیدا ہوں گی اس کے بعد انہیں زندہ کرکے زمین کے اندر سے اٹھائے گا۔

نکتہ: اخراج النبات من الارض کو احیاء سے اور حیاۃ الموتیٰ کو خروج سے تعبیر کرنے میں اثبات کی تفخیم شان اور امر بعث کی آسانی کی طرف اشارہ ہے اور اخراج النبات واحیاء الموتیٰ میں مماثلت کو محقق کرنا ہے تاکہ قیاس کا طریقہ واضح اور لوگوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اگر کوئی تامل کرے دانہ کے احیاء کے بارے میں تو مرنے کے بعد اٹھنے کا مسئلہ سمجھ آجائے گا اس لئے کہ مردہ دانہ کی طرح مٹی میں ہوتا ہے تو جس طرح وہ قادر اس دانہ کو مٹی سے باہر کرکے ایک لہراتا ہوا کھیت بنا سکتا ہے تو وہ مردوں کو قبور سے نکال کر زندہ کر سکتا ہے ؎

کدام دانہ فرو شد کہ بر نیامد بانہ
چرا بدانہ انسانیت گمان باشد
فرو شدن چو بدیدی بر آمدن بنگر
غروب شمس و قمر را چرا زیان باشد

ترجمہ، وہ کونسا دانہ ہے جو زمین میں جاکر باہر نہ آئے تو انسانیت کے دانہ پہ گمان کیوں۔ دانے کا زمین جاتے دیکھتا ہے تو نکلتا ہوا بھی دیکھ سورج و چاند کو غروب سے نقصان نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ فیض الٰہی کا پانی ارواح کے آسمان سے اُترتا ہے تو اللہ تعالیٰ انہی قلوب کو حیاۃ بخشتا ہے اور ایسے ہی قلوب میں محبت کا وہ دانا اُگاتا ہے جس کی ماسوی اللہ سے محبت نہیں ہوتی اور ایسے ہی شجرہ التوحید پیدا کرتا ہے کہ اس کے نہ برتہ گا بھے یعنی قسم قسم کے معارف یہ سب ان بندوں کے رزق ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتے ہیں وہی انہیں کھلاتا پلاتا ہے اور وہ اس فیض کے ذریعے ویران قلب کے شہر کو نور الٰہی سے زندہ کرتا ہے جیسا کہ فرمایا " اومن کان میتا فاحیناہ وجعلنا لہ نوراً الآیۃ کذالک الخروج ایسے ہی نکلتا ہے ظلمات الوجود سے واجب الوجود کے نور کی طرف (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

تفسیر عالمانہ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ اہل مکہ سے پہلے تکذیب کی قَوْمُ نُوحٍ نوح علیہ السلام کی قوم نے اس سے بنی شیث و بنی قابیل مراد ہیں انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ اور کنویں والے۔ رس ایک کنواں تھا عدن میں ان لوگوں کے لئے جو ثمود کا بقایا تھے ان کا بادشاہ عادل اور اچھی سیرت والا تھا اس کا نام عین بمعون زبیر تھا وہ کنواں سارے شہر کو پانی پلاتا تھا ایسے ہی تمام دیہاتوں کو بلکہ ان کے تمام جانور (بکریاں، بھیڑیں، گائیں کیونکہ اس پر ہر طرف سے لکڑیاں رکھ دی گئی تھیں (بکرات، بکرہ، بالفتح کی جمع ہے یعنی وہ دائرہ دار لکڑی اس کے درمیان میں بڑی لکڑی ہوتی جس پر پانی کھینچا جاتا اس پر بہت آدمی مقرر تھے جو حوضوں میں پانی ڈالتے رہتے تھے۔ (ابازن) بالزاء والنون، نگر سے بنائے ہوئے حوض کے مشابہ (کھالے) جو لوگوں کے لئے ہر وقت پانی تیار رکھتے۔ القاموس میں ہے کہ الابزن (مثلثۃ الاول) وہ حوض جس میں غسل کیا جاتا ہو آبزن کا معرب، دوسرا ایک حوض جانوروں کے لئے تھا کا ئیں بکریوں کا علیحدہ تھا اور کیڑے مکوڑوں کا علیحدہ۔ پانی کھینچنے والے رات دن ان حوضوں کو پُر کرنے میں لگے رہتے جو باری باری ان حوضوں کو پُر کرتے رہتے تھے اور ان لوگوں کیلئے سوائے رس کنویں اور کوئی پانی نہ تھا جب بادشاہ نے طویل عمر پائی لیکن فوت ہی گئی تو اسکو کرتیل ملا تاکہ اس کی شکل وصورت نہ بگڑے اور نہ ہی بدبو پھیلے اور وہ ہر میت سے یہی کرتے لیکن بادشاہ تو ان کے ہاں عزیز ترین تھا اسی لئے اور زیادہ اہتمام کیا گیا مگر اس کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکے یہی سمجھا کہ اس کے مرجانے کے بعد ہمارا معاشرہ و معاش بگڑ جائے گا۔ اسی لئے اس کے فراق میں تمام لوگ شب و روز روتے تھے شیطان نے اسے غنیمت سمجھ کر بادشاہ کی شکل میں متشکل ہو کر ایک عرصہ کے بعد آیا اور کہا کہ میں مرا نہیں لیکن تمہارے سے اوجھل ہو گیا تاکہ دیکھوں میرے بعد تم کیا کرتے ہو اس سے وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ شیطان نے کہا کہ درمیان میں ایک پردہ لٹکا دو

تاکہ میں تمہارے ساتھ بوقت ضرورت باتیں کرسکوں اور موت کا بھی کسی کو علم نہ ہو۔ اس کے ساتھ خواص کو کہا کہ یہاں ایک بت نصب کرو وہ نہ کھائیگا نہ پئے گا اور نہ ہی مرے گا اور یہی ان کا معبود ہے۔ ایسے ہوا جیسے شیطان نے کہا پھر شیطان ان کے بادشاہ کی زبان میں بولتا جس کی اکثر نے تصدیق کر دی لیکن تھوڑے ایسے رہ گئے جنہوں نے اس کی تصدیق نہ کی وہی مومن تھے بعض ان میں شک میں پڑ گئے۔ اب کیفیت یہ ہو گئی جو کسی کو سمجھاتا تو وہ مقہور و مغضوب ٹھہرتا یہانتک کہ سب اس کی عبادت میں متفق ہو گئے۔

حنظلہ بن صفوان نبی علیٰ نبینا و علیہ السلام

ان لوگوں کی طرف حضرت حنظلہ مبعوث ہوئے آپ نے سمجھایا کہ یہ بت ہے اس میں روح نہیں اس میں شیطان بولتا ہے وہی ان سب کو گمراہ کر رہا ہے ورنہ معبود حقیقی تو ایسی صورتوں سے منزہ اور پاک ہے اور بادشاہ بھی کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا کیسے شریک ہوسکتا ہے نبی علیہ السلام نے انہیں خوب ڈرایا۔ دھمکایا اور خوب وعظ و نصیحت فرمائی اللہ کا عذاب و عتاب اور اس کی سزا سے خوب آگاہ کیا لیکن ان بدبختوں نے ماننے کے بجائے نبی علیہ السلام کو اذیتیں دیں بلکہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے لیکن آپ ان کی نصیحت و وعظ سے باز نہ آئے ان بدبختوں نے نبی علیہ السلام کو شہید کر کے اسے کنوئیں میں ڈال دیا۔ ان کی اس بدبختی سے ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ رات کو تو پانی سیر ہو کر پیا صبح کو اٹھے تو کنوئیں سے پانی غائب تھا۔ اب روئے اور خوب روئے پانی کے نہ ہونے پر عورتیں نہ بچے، جانور مرنے لگے پھر موت عام ہونے لگی یہاں تک کہ سب کے سب لقمۂ اجل ہو گئے اب ان کے گھروں اور مکانوں میں لومڑیاں۔ درندے جانور وغیرہ بس گئے ان کے باغات اجڑ گئے اور اموال و اسباب تباہ ہو گئے باغات کی جگہ پر کانٹے دار درخت پیدا ہو گئے۔ ان کے شہروں اور بستیوں میں ہُو کا عالم تھا۔ شیروں وغیرہ کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی قہر و غضب اور ان گناہوں پر اصرار سے پناہ مانگتے ہیں جو اس کے عذاب و عتاب کا سبب بنے۔ (آمین)

فائدہ: بعض نے کہا کہ رس ایک کنواں تھا جو یمامہ کے قریب واقع تھا یا باذربیجان کا کنواں مراد ہے یا وہ ایک وادی تھی جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ع۔ فہو کوادی الرس کالید للفم

ترجمہ:۔ وہ وادی اس کی طرح ایسے ہے جیسے ہاتھ منہ کیلئے

اس کی مکمل تشریح سورۃ الفرقان میں گزری تفصیل کا خواہاں اسی روح البیان کی سورۃ الفرقان کا مطالعہ کرے۔

لہ: تکملہ ناقلا عن تفسیر المقری ۱۲:

وَثَمُوْدُ ہ اور ثمود کی قوم کے جن کی طرف صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے ثمود بن عاد یعنی دوسرے عاد کا بیٹا اور پہلا عاد ارم تھا اور یہی پہلا عاد تھا (وَعَادٌ) اور عاد نے تکذیب کی ہود علیہ السلام کی (وَفِرْعَوْنُ) اور فرعون نے تکذیب کی حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیٰ نبینا علیہم السلام کی لیکن فرعون سے فرعون کی قوم مراد ہے تاکہ ماقبل و مابعد کے درمیان مناسبت رہے [1]۔

وَاِخْوَانُ لُوْطٍ اور لوط علیہ السلام کے رشتہ داروں نے لوط علیہ السلام کی تکذیب کی یہاں پر اخوان سے اصہار مراد ہیں اصہار صہر کی جمع ہے داماد اور بہنوئی کو کہا جاتا ہے یہاں وہی مراد ہیں۔
بعض نے کہا کہ آپ کی قوم مراد ہے جو آپ کے نسب کے لوگ تھے نہ کہ آپ کے دینی اخوان۔

اعجوبہ حضرت عطاء نے کہا کہ قیامت میں ہر نبی علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ اٹھے گا سوائے لوط علیہ السلام کے کہ آپ اکیلے اٹھیں گے یعنی آپ کے ساتھ برادری کے لوگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ آپ کے غیر ہوں گے [2]

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ (اور جھاڑی والے) وہ جن کے ہاں شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ اہل مدین کے علاوہ تھے وہ ایکہ میں رہتے تھے یعنی جنگل جہاں صرف بیری اور پیلو کے درخت تھے۔ اس کی تفصیل سورۃ الحجر میں گزری ہے۔

وَقَوْمُ تُبَّعٍ (اور تبع کی قوم) تبع حمیری مراد ہے یعنی یمن کا بادشاہ اس کا تفصیلی بیان سورۃ دخان میں گزرا ہے [3]۔ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ۔ ان سب نے رسل کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام کی ان امور

---

[1] کیوں کہ ماقبل و مابعد میں قوم کا ذکر ہے اسی لئے یہاں بھی قوم فرعون مراد ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ خود فرعون مراد نہیں یہ غلط ہے کیوں کہ فرعون نے بھی تکذیب کی تھی اور وہ بھی مراد ہے اس لئے کہ قوم ادنیٰ غیر مذکور مراد ہے تو اعلیٰ مذکور کیوں مراد نہ ہو اور علم اصول کا قاعدہ ہے کہ اعلیٰ کے ذکر سے ادنیٰ متضمناً مراد ہوتی ہے سو یہاں بھی وہی ہے یہ تفصیل ہم نے اسی لئے کی ہے کہ بعض جہلاء فرعون کے مومن ہونے کے قائل ہیں۔ تفصیل ہم نے پارہ ۱۱ کے حاشیہ پر لکھدی ہے ۱۲ اویسی غفرلہ

[2] کیوں کہ آپ کی برادری کے لوگ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُمتی تھے آپ سدوم و دیگر بستیوں کی طرف غیر لوگوں میں بھیجے گئے (اویسی غفرلہٗ)

[3] فقیر نے سورۃ دخان میں کچھ عرض کر دیا تھا یہاں بھی مختصراً عرض کر دوں۔
کتاب المستطرف اور حجۃ اللہ علی العالمین اور تاریخ ابن عساکر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں ظہور فرمانے سے ایک ہزار سال پیشتر یمن کا بادشاہ تبع اول حمیری ایک دفعہ اپنی سلطنت کا دورہ کرنے کو نکلا۔ وہ ایک لاکھ تیس ہزار

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کی تکذیب جو وہ اللہ تعالیٰ سے لائے یعنی جتنا قریں ابھی مذکور ہوئی ہیں سب نے رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو جھٹلایا۔

مسئلہ : ان میں سے ایک نبی کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے یہ اس وقت ہے جب تبع کو بھی پیغمبر مانا جائے

بقیہ حاشیہ : سوار اور ایک لاکھ تیس تیرہ ہزار پیادہ اپنے ہمراہ لئے اس شان سے نکلا کہ جہاں پہنچتا اس کی شانِ شوکت شاہی دیکھ کر مخلوقِ خدا چاروں طرف سے دیکھنے کو جمع ہو جاتی تھی۔ یہ بادشاہ جب دورہ کرتا ہوا مکہ معظمہ پہنچا تو کوئی بھی اسے دیکھنے نہ آیا۔ شاہ یمن تبع اوّل حمیری بہت ہی حیران ہوا اور اسے بہت غصہ آیا۔ غصہ کی حالت میں وزیر اعظم سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا اس شہر میں ایک گھر ہے۔ جسے بیت اللہ کہتے ہیں۔ اس کی اور خادمانِ کعبۃ اللہ کی جو کہ یہیں کے باشندے ہیں۔ تمام لوگ بے حد عزت کرتے ہیں اور جتنا آپ کا لشکر ہے اس سے کہیں زیادہ دُور و نزدیک سے اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں اور یہاں کے باشندوں کو تحائف بطور نذرانے پیش کرتے ہیں پھر ان کا لشکر ان کی نظر میں کیا ہے۔ یہ سن کر شاہ یمن آگ بگولا ہو گیا اور غصہ کی حالت میں قسم کھا کر کہنے لگا۔ میں اس گھر کو کھدواؤں گا اور یہاں کے باشندوں کو ایک ایک کر کے قتل کر دوں گا۔ یہ کہنا ہی تھا کہ تبع اوّل حمیری کی ناک۔ آنکھوں اور منہ سے خون بہنے لگا اور اس کے جسم سے ایک بدبودار مادہ بہنا شروع ہو گیا۔ جس کی وجہ سے کسی کو بھی اس کے قریب بیٹھنے کی جرأت نہ رہی اس کے مرض کا علاج کروانا بھی بے سود معلوم ہوا۔ شام کے وقت بادشاہ کے ہمراہی علماء کے ساتھ ایک عالم ربانی تشریف لائے اور نبض دیکھ کر فرمایا۔ مرض فلکی ہے اور آپ لوگ علاج خاک کر رہے ہیں۔ اسے تبع اوّل حمیری آپ نے اگر کوئی بُری نیت کی تھی تو اس سے توبہ کیجئے تو شاہ یمن نے دل ہی دل میں بیت اللہ شریف اور خدام کعبہ کے متعلق اپنے ارادہ سے توبہ کی تو بکرتے ہی اسکا وہ خون اور مادہ بہنا بند ہو گیا اور پھر صحت کی خوشی میں بیت اللہ شریف کو ریشمی غلاف پہنایا اور ہر شہر کے ہر باشندے کو سات سات اشرفی اور سات سات ریشمی جوڑے نذر کئے پھر یہاں سے چلا جب مدینہ منورہ پہنچا تو ہمراہی علماء جو کتب سماویہ کے عالم تھے۔ وہاں کی مٹی کو سونگھا اور کنکریوں کو دیکھا علماء

آخرالزمان کی ہجرت گاہ کی وہ علامتیں جو انہوں نے پڑھی تھیں ان کے مطابق اس سرزمین کو پایا تو باہم عہد کر لیا کہ ہم یہیں مر جائیں گے اور اس سرزمین کو نہ چھوڑیں گے۔ اگر ہماری زندگی نے یاوری کی تو کبھی نہ کبھی جب نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تشریف لائیں گے تو اسی بہانے خدا وند تعالیٰ ہمیں بھی زیارت کا شرف بخش دیں گے۔ ورنہ ہماری قبروں پر ضرور کبھی نہ کبھی ان کی جوتیوں کی مقدس خاک اڑ کر پڑ جائے گی تو ہماری نجات کے لئے کافی ہے۔ یہ بات سُن کر بادشاہ نے یثرب ہی میں ان عالموں کے لئے چار سو مکان بنوائے اور اس بڑے عالم ربانی کے پاس حضور کی خاطر ایک دو منزلہ عمدہ مکان تعمیر کروایا اور وصیت کر دی کہ جب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں انکو عرض کر دیں۔

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحے پر)

اگر اس کی نبوت ثابت نہ ہو اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس میں واحد کی ضمیر کل کی وجہ سے ہے اور سب کے جھٹلانے کا معنیٰ یہ ہے کہ توحید و مرنے کے بعد اٹھنے اور حشر کے احکام میں تمام انبیاء علیہم السلام متحد و متفق تھے اور تبع کی قوم کی تکذیب کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے سابق رسل کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام کی تکذیب کی اور چونکہ تبع رضی اللہ عنہ

(بقیہ حاشیہ) حضورؐ غریب کی جگہ کو آرام گاہ بنا کر میری روح کو تسلی بخشیں۔ اور ان چار سو علماء کی کافی مالی مدد بھی کی اور کہا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو۔ پھر خود ایک خط لکھ کر بڑے عالم ربانی کو دیا۔ اور کہا یہ میرا خط اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دینا اور اگر زندگی بھر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا موقعہ نہ ملا۔ تو اپنی اولاد کو وصیت فرما دیجئے کہ نسل بہ نسل میرا یہ خط محفوظ رکھیں حتیٰ کہ سرکار ابد قرار کی خدمت اقدس میں پیش کیا جائے یہ کہہ کر بادشاہ واپس ہوا وہ خط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہزار سال بعد پیش کیا گیا۔ کیسے ہوا اور خط میں کیا لکھا تھا سنیے اور عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیجئے۔ تبع اول حمیری کے خط کا مضمون یہ تھا۔

ترجمہ: کمترین مخلوقات تبع اول حمیری کی طرف سے بخدمت شفیع المذنبین المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اے اللہ کے حبیبؐ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور میں آپ کے دین پر ہوں۔ پس اگر مجھے آپ کی زیارت کا موقعہ مل گیا تو بہت اچھا و غنیمت اور اگر میں آپ کی زیارت نہ کر سکا تو میری شفاعت فرمائیے اور قیامت کے روز مجھے فراموش نہ کیجئے۔ میں آپ کی پہلی اُمت میں سے ہوں اور میں آپ کے ہاتھ پر آپ کی آمد سے پہلے ہی بیعت کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپؐ اس کے سچے رسولؐ ہیں"

شاہ یمن کا یہ خط نسل بہ نسل ان چار سو علماء کے اندر جان کی حیثیت سے محفوظ چلا آیا۔ یہاں تک کہ ایک ہزار سال کا عرصہ گزر گیا۔ ان علماء کی اولاد اس کثرت سے بڑھی کہ مدینہ کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور یہ خط دست بدست مع وصیت کے اس بڑے عالم ربانی کی اولاد میں سے حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور آپ نے وہ خط اپنے خاص غلام ابو لیلیٰ کی تحویل میں رکھا۔ جب حضور مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور مدینہ کی الوداعی وادی ثنیات کی گھاٹیوں سے آپؐ کی اونٹنی نمودار ہوئی مدینہ کے خوش قسمت لوگ جوق در جوق حضورؐ کی زیارت کو آرہے تھے اور کوئی اپنے مکان کو سجا رہا تھا تو کوئی سڑکوں اور گلیوں کو سجا رہا تھا۔ اور ننھے ننھے بچے بمعہ اپنی ماؤں اور بہنوں کے پروردگار عالم کے محبوب سرور کائنات کے گیت گا رہے تھے کوئی حضور اقدس کی دعوت کا سامان کر رہا تھا اور سب یہی اصرار کر رہے تھے کہ حضور میرے گھر کو عزت بخشیں۔ ہمارے نبی پاک نے فرمایا۔ میری اونٹنی کو چھوڑ دو جس گھر میں یہ ٹھہرے گی اور بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ چنانچہ دو منزلہ مکان

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ان کی تعلیم کی دعوت دیتے تھے اسی لئے ان کی تکذیب گویا انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ہے۔

فَحَقَّ وَعِيدِ ، تو میری وعید ان پر واجب اور نازل ہو گئی یہ عذاب کا کلمہ ہے ویسے وعید بالخصوص شر۔ پر مستعمل ہوتا ہے بخلاف وعد کے کہ خیر و شر ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

مسئلہ : آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کفار کی تکذیب سے ملال نہ کیجئے کیوں کہ آپ پہلے نبی نہیں کہ جس کی تکذیب ہوئی ہو آپ سے پہلے رسل کی بھی امتیں تکذیب کرتی تھیں آپ ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے جیسے پہلے رسل کرام علیہ السلام صبر کرتے تھے وہ بھی اپنی مراد میں کامیاب ہوئے آپ بھی صبر کر کے مراد پائیے۔ آیت میں کفار مکہ کو تہدید ہے یعنی اے اہل مکہ ڈرو اس عذاب سے جو پہلی اُمتوں کو عذاب مبتلا کیا گیا تمہیں بھی عذاب میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔ فلہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب نہ کرو کیوں کہ اشتراک فی العمل اشتراک فی الجزاء کا موجب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ عموماً اہلِ زمان میں خواہشات نفسانیہ وطبیعۃ حیوان کا غلبہ ہوتا ہے کیوں کہ وہ اہل حق ہوتے ہیں اہل عقل نہیں ان کے نفوس متمرد اور حق سے بعید اور باطل کے قریب ہوتے ہیں جونہی ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کا رسول تشریف لاتا ہے تو وہ اس کی اور اسکے لائے ہوئے احکام کی تکذیب کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات انہیں شہید کر ڈالتے ہیں اسی لئے ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ اس میں اولیاء کرام کو بطریق اشارہ تسلی اور ان کے منکرین کو تہدید ہے۔ بخدا عوام اولیاء کے لئے بمنزلہ امت کے ہوتے ہیں لیکن صبر کشادگی کی کنجی ہے تو جیسے کفار قسم وقسم کے عذاب میں مبتلا ہوئے کہ کوئی مسخ ہوئے کوئی زمین میں دھنسے گئے ایسے ہی اولیاء کے منکرین کا حال ہے کہ انہیں قسم وقسم کی رسوائیوں میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن وہ اسے سمجھتے ہی نہیں

(بقیہ صفحہ سابقہ) جو شاہ یمن نے حضور کی خاطر بنوایا تھا اور اس وقت حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تحویل میں تھا اس میں حضور انور کی اونٹنی جا کر ٹھہر گئی جب ابو لیلیٰ حاضر خدمت ہوا تو حضورؐ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ ابو لیلیٰ۔ یہ سن کر ابو لیلیٰ حیران ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں محمد رسول اللہ ہوں۔

شاہ یمن کا جو میرا خط تمہارے پاس ہے لاؤ وہ مجھے دو۔ چنانچہ ابو لیلیٰ نے وہ خط دیا اور حضورؐ نے خود پڑھایا اور فرمایا۔ صالح بھائی تبع کو آفرین اور شاباش ہے۔

سبق : اس سے ثابت ہوا ہمارے نبی پاک بعید اور ماضی کی سب باتیں جانتے تھے۔ حضور مقبولؐ کا سارے زمانے میں ڈنکا بج رہا ہے اور خوش قسمت لوگوں نے ہر دور میں آپؐ سے فیض حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی تعلیم مقدس پر عمل کرنے کی توفیق دے آمین۔ (حاشیہ ختم)

کیوں کہ دراصل ایسے منکرین کے باطن کو مسخ کردیا جاتا ہے اور ان کے دیکھنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان کی ارض بشریہ کثیف و ظلمانی بنا دی جاتی ہے اسی لئے وہ اپنی سزا کیا جانیں بلکہ ان کا گمان ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی ہلاکت سے ناجی ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے اندھاپن اور حیرت میں بہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں تصدیق کرنے والوں سے بنائے اور اہل یقین کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے اور اولیاء کرام کے برکات سے ہمیں نوازے اور ان کی حرکات کے آثار سے ہمیں مشرف فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

اَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط تو کیا ہم پہلی تخلیق سے تھک گئے۔

حل لغات: اعی بالامر یعنی کسی کام سے عاجز ہونا، اہل عرب کہتے ہیں۔ عی بالامر وعی بہ وہ وجہ امر کی طرف راہ نہ پا سکا۔ اس کی مزید تحقیق ولم یعی بخلقهن (سورۃ احقاف کی پارہ ۲۶) میں گزری ہے ہمزہ انکار کا اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جس پر عی دلالت کرتا ہے کہ اس میں قصد و مباشرہ کا معنی ہے دراصل عبارت یوں تھی اقصدنا الخلق الاول افعيينا بالخلق الاول، خلق اوّل سے پہلی تخلیق ہے یعنی کیا ہم اس سے عاجز آگئے جس سے تمہیں دوسری تخلیق (قیامت میں اٹھانے) کے متعلق ہماری عاجزی کا وہم ہے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ خلق اوّل سے آدم علیہ السلام مراد ہیں جس کے متعلق کفار کو اقرار تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کیا ہم پر کوئی کام مشکل ہے کہ ہم قیامت میں تمہیں زندہ اٹھانے سے عاجز ہیں یا ہم پر تمہارا محشر میں زندہ اٹھانا مشکل ہے ایسا ہرگز نہیں۔ (بَلْ هُمْ فِىْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۔) بلکہ وہ خلق جدید کے بارے میں التباس میں ہیں۔

حل لغات: الجدید جددت الثوب سے ہے یعنی میں نے اصلاح کی خاطر کپڑے کو کاٹا۔ وثوب جدید بمعنی المقطوع (کاٹا ہوا کپڑا) پھر اس شے کے لئے مستعمل ہونے لگا۔ جس کا پیدا ہونا نیا ہو اور آیت میں خلق جدید قیامت میں اٹھنے کی طرف اشارہ ہے اور خلق کو جدید سے موصوف کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ جزاء و سزاء کے لحاظ سے قریب العہد ہے اسی لئے لیل ونہار کو جدیدان و الاجدان کہا جاتا ہے (کہ وہ وقت کے گزرنے کے لحاظ سے قریب ہیں) جملہ کا جملہ مقدرہ پر عطف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے گویا کفار کے حق میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہماری تخلیق اوّل پہ قدرت کے منکر نہیں بلکہ وہ شک و شبہ اور نئی تخلیق کے بارے میں خلط ملط ہیں کہ وہ عادت کے خلاف ہے کیوں کہ اس دار دنیا میں مُردوں کا لوٹنا عادت کے خلاف ہے تو پھر وہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا بھی ایسے

ہکا ہوگا یہ ان کا قیاس فاسد ہے جیسا کہ اہل فہم پر مخفی نہیں۔

فائدہ : حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ مشرکین مکہ معترف تھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرتا ہے پہلے بھی اس نے سب کو پیدا کیا ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وہ ایک بہت بڑی مخلوق کو بے مادہ و بے مدد پیدا فرما سکتا ہے تو پھر وہ ان کے اعادہ پر کیوں قدرت نہیں رکھتا جب کہ ان کے مواد موجود ہیں اسی لیے اسے طاقت ہے کہ وہ ان مواد میں حیات لوٹا دے دراصل بات یہ ہے کہ کافر شک و شبہ میں ہیں بوجہ شیطانی وساوس کے انہیں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ خلق نو پر قادر نہیں یعنی وہ بعث و نشر نہیں کر سکتا۔ اسے وہ کافر عادت کے مخالف سمجھتے ہیں۔

فائدہ : خلق کی تنکیر اس کی تفخیم شان کے لئے ہے اور خبر دینا ہے کہ عادت کے خلاف ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ ایسی تخلیق ہے کہ اس میں بحث نہیں کرنا چاہتے اور اسکے سمجھنے کا اہتمام نہ کیا جائے صرف شبہ اور خلط و ملط میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ

یاد رہے کہ یہ خلق جدید دنیا میں بھی حاصل ہے اعراض میں بھی اجسام میں بھی یہی صوفیہ اور متکلمین کا مذہب ہے کیوں کہ ہر آن انتفاء الاجسام و مشاہدہ بقاء الاجسام بتجدد الامثال کے قائل ہیں یعنی دوسرے اجسام کے ایسے ہی وہ ہر آن انتفاء الاعراض و مشاہدہ بقاء الاعراض بتجدد الامثال کے قائل ہیں یعنی اعراض دیگر کے یعنی وہ اعراض میں جائز ہے کہ وہ غیر قائم ہیں ایسے ہی جواہر میں بھی جائز ہے کہ وہ قائم بذاتہا ہیں، یہی معنی ہے حضرت مولانا رومی قدس سرہ کا آپ نے مثنوی شریف میں فرمایا کہ ؎

۱	صورت از معنی چو شیر از بیشہ دان یا چو آواز و سخن ز اندیشہ وان
۲	این سخن و آواز و اندیشہ خواست تو ندانی بحر اندیشہ کجاست
۳	لیکن چو موج سخن دیدی لطیف بحر آن دانی کہ باشد ہم شریف
۴	چون ز دانش موج اندیشہ بتاخت از سخن و آواز وصورت بساخت

۵ : از سخن صورت بزاد و باز مرد
موج خود را باز اندر بحر برد

۶ : صورت از بے صورتی آمد بروں
باز شد کہ انا الیہ راجعون

۷ : پس ترا ہر لحظہ مرگ رجعتیست
مصطفےٰ فرمود دنیا ساعتیست

۸ : فکرما تیریست از ہوا در ہوا
در ہوا کے پایہ آید تا خدا

۹ : ہر نفس نو مے شود دنیا و ما
بے خبر از نو شدن اندر بقا

۱۰ : عمر ہمچوں جوئے نو نومی رسد
مستری می نماید در جسد

۱۱ : آں ز تیزی مستمر شکل آمداست
چوں شرر کش تیز جنانی بدست

۱۲ : شاخ آتش را بجنبانی بساز
در نظر آتش نماید بس دراز

۱۳ : ایں درازی مدت از تیزیٔ صنع
می نماید سرعت انگیزیٔ صنع

ترجمہ ۱ : صورت کو جنگل کا شیر سمجھ یا جیسے آواز اور سخن فکر کی پیداوار ہیں۔

۲ : یہ سخن و آواز فکر سے اٹھتے ہیں یہ تجھے معلوم نہیں فکر واندیشہ کا دریا ہے کہاں۔

۳ : لیکن جب تونے سخن کی لطیف موج دیکھی اس کے دریا کے متعلق بھی تمہیں خیال گزرا کہ وہ بھی ایک برگزیدہ شئے ہے۔

۴ : جب دانش سے اندیشہ کی موج دوڑی، سخن و آوازہ نے صورت تیار کرلی۔

۵ : سخن سے ایک صورت پیدا ہوئی پھر فوراً مر گئی۔ اپنی موج کو پھر دریا میں لے گئی۔

۶ : صورت بے صورتی سے آئی ہے باہر پھر بھی ادھر جائے گی اللہ نے فرمایا کہ کہو کہ ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

۷ : پس تجھے ہر لحظہ موت اور لوٹنا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دنیا ایک گھڑی ہے۔
۸ : ہمارا فکر ہوا میں اڑتے ہوئے کی طرح ہے۔ ہوا میں اڑنے والی شئے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کیا مرتبہ۔
۹ : ہر سانس نئی دنیا بنتی ہے لیکن ہم بے خبر ہیں کہ وہ کس طرح نئی دنیا اور بقا پاتا ہے۔
۱۰ : ہماری عمر ہر نئی نہر میں پہنچتی ہے اور جسم میں ہمیشگی باقی ہے۔
۱۱ : وہ تیزی دائمی کیوجہ سے ایک شکل خاص رکھتی ہے جیسے چنگاری جلانے والے کے ہاتھ میں تیزی سے صرف ایک شکل نظر آتی ہے۔
۱۲ : آتش کی شاخ کو حرکت دیتے ہو تو وہ آتش بہت دراز نظر آتی ہے۔
۱۳ : یہ درازی تیز چلانے کی وجہ سے ہے اور یہ تیزی بھی کسی کاریگری سے ہے۔

فائدہ : حضرت امام شعرانی قدس سرہ نے کتاب الجواہر میں لکھا کہ تقلیب العالم ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ہر لحہ واقع ہے کوئی فرد بھی ایک حالت پہ قائم نہیں رہتا لیکن یہ تغیر صفات میں ہوتا ہے نہ کہ اعیان میں اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خلاق (پیدا کرنے والا) ہے

طواف کعبہ اولیاء کرام کو ہم کہتے ہیں کہ کعبہ ولی اللہ کی زیارت کے لئے آتا جاتا ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ کی اس موضوع پر مستقل تصنیف ہے۔ بنام **القول الجلی فی ان الکعبۃ تذھب الی زیارۃ الولی** کئی بار مطبوع ہوئی یہی حضرت العلام الامام محمد اسماعیل حقی حنفی بار ہا لکھ چکے ہیں۔ اور یہاں بھی لکھا کہ :

ومنہ یعرف طواف الکعبۃ ببعض الرجال و استقبالھا لھم کما وقع ذلک لرابعۃ العدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا وغیرھا۔ (روح البیان ص۱۱۳ ج ۹)

اس سے ثابت ہوا کہ بعض اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے کعبہ طواف کرتا اور ان کے استقبال کو جاتا ہے جیسے رابعہ بصری عدویہ رضی اللہ عنہا) و دیگر اولیائے کرام کے لئے ہوا۔
اور اس مقام کی حقیقت واضح نہیں ہوسکتی جب تک کشف تام نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ملک اعلام سے فیض و الہام نصیب نہ ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ○
إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ○ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ
عَتِيدٌ ○ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ○ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ
الْوَعِيدِ ○ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ○ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا
عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ○ وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ○ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ
كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ○ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُرِيبٍ ○ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي
الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ○ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ○
قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ○ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ
لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ○ ع

ترجمہ : اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو اور آئی موت کی سختی حق کے ساتھ یہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا اور صور پھونکا گیا یہ ہے وعدۂ عذاب کا دن اور ہر جان یوں حاضر ہوئی کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ بے شک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا تو آج تیری نگاہ تیز ہے اور اس کا ہم نشین فرشتہ بولا یہ ہے جو میرے پاس حاضر ہے حکم ہوگا تم دونوں جہنم میں ڈال دو ہر بڑے ناشکرے ہٹ دھرم کو جو بھلائی سے بہت روکنے والا حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا جس نے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ٹھہرایا تم دونوں اسے سخت عذاب میں ڈالو اس کے ساتھی شیطان نے کہا ہمارے رب میں نے اُسے سرکش نہ کیا ہاں یہ آپ ہی دور کی گمراہی میں تھا فرمائیگا میرے پاس نہ جھگڑو میں تمہیں پہلے ہی عذاب کا ڈر سنا چکا تھا میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں ؏

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو اور ہم جانتے ہیں وہ جو اس کا نفس وسوسہ کرتا ہے (یعنی وہ جو اس کا نفس بات بناتا ہے یعنی وہ باتیں جو نفس دل میں ڈالتا ہے الوسوسہ یعنی آواز خفی اور دل کا ردی خطرہ اسی سے ہے وساوس الحلی اور ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے اور

باء صلہ کی ہے جیسے صوت بکذا و حس بہ" میں باء صلہ کی ہے یا ضمیر انسان کی طرف لوٹتی ہے تو معنیٰ یہ ہوگا اور باء تعدیہ کی ہوگی یعنی نفس انسان کو بناتا ہے وسواس والا۔

فائدہ: الکشاف میں ہے کہ با معدیہ ہے کیوں کہ اہل عرب کہتے ہیں حدث نفسہ ایسے ہی کہتے ہیں حدثتہ بنفسہ۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جیسے انسان کے پیدا کرنے سے پہلے اس کے حالات جانتا ہے اسے علم ثبوتی کہا جاتا ہے ایسے ہی اس کے پیدا کرنے کے بعد بھی اس کا نام علم فعلی ہے اور اس کے علم میں ہے کہ انسان کے نفس کا وسوسہ کیوں کہ یہ بھی اس کی مخلوق میں سے ہے اور مخلوق کی کوئی شئے اس سے مخفی نہیں ایسے ہی نفس کے ان شہوات کو بھی جانتا ہے جن کے پورے کرنے کی خواہش کرتا ہے ایسے ہی اس کا سوء خلق اور اعتقاد فاسد اور دیگر نفس کے ان صفات کو جن سے وسوسہ کرتا ہے تاکہ اس سے انسانی قلب و وقت مشوش ہوں۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کا وہ وسوسہ جس سے گندم دانہ کھایا اگرچہ یہ شیطان کے القاء سے تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم سے تو مخفی نہ تھا۔

ردِ وہابیہ بعض اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے باطن سے شیطان کو کسی قسم کا سروکار نہیں کیوں کہ ان کے خواطر میں شیطان کا کوئی حصہ نہیں ہاں ان کی ظاہر حس پر اثرات ڈال سکتا ہے لیکن وہ اس کی باتوں میں نہیں آتے۔

مسئلہ: اولیاء کرام کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اس نے انہیں بھی شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھتا ہے لیکن ان کے قلوب انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہوتے کیوں کہ یہ صاحب شریعت تو نہیں بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ صاحب شریعت ہیں اسی لئے ان کے بواطن بھی معصوم ہیں۔

شب و روز میں وساوس کی تعداد بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر بنی آدم کو دن اور رات میں نفس کے ستر ہزار بار خطرات وارد ہوتے ہیں ان ملائکہ کرام کی تعداد پر جو روزانہ ستر ہزار بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں اس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔

علماء کی شان ہر روز ہر انسان کے روزانہ کے خواطر سے ستر ہزار فرشتے پیدا کر کے انہیں بیت المعمور کی طرف بھیجا جاتا ہے جب ستر ہزار کی ایک ٹولی بیت المعمور سے خارج ہوتی ہے تو وہ ان دوسروں کے ساتھ ہو جاتی ہے جو پہلے اسی انسان کے خواطر سے پیدا ہو کر بیت المعمور میں گئے

تھے اسی طرح جمع ہو کر اسی انسان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں جن سے وہ نکلے تھے لیکن شرط یہ ہے کہ اس انسان کا قلب ذکر الٰہی سے ہمیشہ معمور ہو یاد رہے کہ قلب معمور کے خواطر سے پیدا شدہ ملائکہ دوسروں کے خواطر سے پیدا شدہ ملائکہ شکل وصورت طرز ادا میں جدا حیثیت رکھتے ہیں وہ قلب لائق ہو یا نہ لیکن قلوب سب کے سب اسی بیت المعمور سے پیدا کئے اسی لئے وہ ہمیشہ معمور رہتی ہیں ہر وہ فرشتہ ایسے معمور قلب سے پیدا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں صالح صورت میں ہوتا ہے جب اس پر نظر عنایت فرماتا ہے۔ اگرچہ وہ خطرہ ملک کی صورت میں ہوتا ہے جو تسبیح پڑھ رہا ہوتا ہے کبھی انسان خود نہیں جانتا کہ اس کے دل میں کونسا خطرہ آیا تھا۔

ونحن اقرب الیہ اور ہم انسان کو رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں یعنی اس کے حال کو خوب جانتے ہیں اس کی طرح جو اس کی رگ جان کو قریب تر ہو علم کو ذات کے بجائے قریب تر بتانا مجاز ہے۔ کیوں کہ وہ اسی کا موجب ہے ملزوم بولکر لازم مراد لیا گیا ہے اور حبل الورید زیادہ قریب والی شے کی تمثیل ہے جیسے کہا جاتا ہے

ھومنی بمقعد الازار وہ میرے ازار بند کی طرح میرے قریب ہے اور اسے اپنی ہیئت وصورت کی وجہ سے رسی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس کی اضافت بیانیہ ہے۔ زمخشری نے کہا لامیہ ہے اور یہ اضافت لجین الماء کی طرح بھی ہوسکتی ہے بایںمعنی کہ حبل اپنے حقیقی معنیٰ میں ہو۔

الورید وہ دو رگیں ہیں جو گردن کے اگلے حصّہ کو گھیرے ہوئے ہیں اور وتین کے متصل ہیں الوتین وہ قلب کی رگ ہے جب وہ کٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے اور الوریدان سر سے قلب کی طرف وارد ہوتی ہیں۔ اس معنیٰ پر ورید بمعنی وارد ہے اور بعض نے کہا ورید اس لئے ہے کہ روح حیوانی اس میں وارد ہوتا ہے اس معنیٰ پر ورید بمعنی مورد ہے۔ المفردات میں ہے کہ الورید ایک رگ ہے جو جگر اور قلب کے ساتھ متصل ہے اور یہی روح کی آمد و رفت کی جگہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ میں انسان کو اس کی روح سے زیادہ قریب ہوں۔

فائدہ : ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حبل الورید ایک رگ ہے دل کے قریب اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندے کو اس کے دل کے علم سے زیادہ قریب ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے چونکہ شہ رگ انسان کو بہ نسبت دیگر اجزاء کے اسے زیادہ قریب ہے اسی لئے اسمیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے نفس سے زیادہ قریب ہے تو جیسے انسان جس وقت نفس کو طلب کرے اسے پا لیتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی اسے

قریب ہے جب اسے چاہے پا لیتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فاذا سألک عبادی عنی فانی قریب جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں قریب ہوں اور زبور میں ہے الا من طلبنی وجدنی خبردار جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے پا لیتا ہے ۔

۱: نحن اقرب گفت من حبل الورید
تو بکندی سر فکرت را بعید

۲: اے کماں تیرہا بر ساختہ
صید نزدیک وتو دور انداختہ

ترجمہ: ۱: نحن اقرب من حبل الورید (میں شہ رگ سے زیادہ قریب ہوں) فطلیا تو اپنی کند مزاجی پر بعید سمجھتا ہے۔

۲: اے تیر کو شکار کے لئے تیار کرنے والے شکار تو تیرے قریب ہے اور تو تیر دور پھینک رہا ہے۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ۔

۱: دوست نزدیکتر از من بمنست
وین عجبتر کہ من از وے دورم

۲: چکنم باکہ توان گفت کہ او
در کنار من و من مہجورم

ترجمہ: ۱: دوست نزدیکتر خود مجھ سے بھی اور یہ عجیب بات ہے کہ میں اس سے دور ہوں۔

۲: کیا کروں اور کس سے کہوں کہ وہ میری بغل میں ہے لیکن میں ہجر وفراق میں ہوں۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ زیادہ قرب زیادہ بعد کی طرح حجاب ہوتا ہے اب سوچنا یہ ہے کہ جب وہ ہمیں شہ رگ سے زیادہ قریب ہے تو وہ ستر ہزار پردہ کہاں جو اس کے اور ہمارے درمیان ہے اسے اچھی طرح سوچ لے۔

فائدہ: حضرت البقلی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو اپنے نفس پر غور کی نگاہ کرے تو اسے ذلیل سے ذلیل پائے گا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کیلئے بندے کو کس طرح آگاہ فرمایا ہے کہ "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا ۔ کیوں کہ نفس سے ذلیل تر اور کوئی شے نہیں امید ہے تم میری تقریر سمجھ

گئے ہوں گے اگر یہ بات نہ ہو تو یقین کرلے کہ فعل صنعت سے اور صفت ذات سے قائم ہے تو من حیث الجمع سوائے اس کے اور کون ہے۔

ازالہ وہم ہماری اس تقریر سے حلول کا وہم نہ کرنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات حوادث میں حلول و محل سے منزہ ہیں۔ یہی رمز العاشقین ہے کیا مجنوں کی بات تم نے نہیں سُنی۔

ے انا من اھوٰی و من اھوی انا
نحن روحان حللنا بدنا
فاذا ابصرتنی البصرتہ
واذا البصرتہ البصرتنا

ترجمہ: میں جسے چاہتا ہوں اور جو مجھے چاہتا ہے ہم دو روح ایک جسم میں ہیں جب وہ مجھے دیکھتا ہے تو میں اسے دیکھتا ہوں اور جب وہ دیکھتا ہے تو میں دیکھتا ہوں۔

فائدہ: حضرت الواسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نحن اقرب بمعنی " نحن اولیٰ و احق بہ " ہے یعنی ہم نے اسے افتراق کے بعد جمع کیا اور اسے عدم سے وجود میں لائے اور اس میں روح پھونکی اسے اس کے نفس سے وہی زیادہ قریب ہے نیز فرمایا کہ بی عرفت روحک "عرفت نفسک"۔ مجھ سے ہی تیری روح اور نفس نے پہچانا۔ اس سے اظہار نعوت ہے طاقت انسانی کے مطابق ورنہ درحقیقت انسان کو وہ طاقت کہاں کہ وہ اس کی بات سن سکے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرب حق تعالیٰ بے چون و بے چگو نہ ہے۔ اے عزیز وہ جان جو تیرے جسم میں ہے تو اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا تو پھر تجھے اس ذات کا ادراک کیسے حاصل ہو جس کی کیفیت چرا و چگو نہ سے منزہ و مقدس ہے۔ یہی تقریر مثنوی شریف میں مذکور ہے ے

۱: قرب بیچو نست جان ترا بنو
قرب حق را چوں بدانی اے عمو
۲: قرب نے بالا و پستی رفتن است
قرب حق از حبس ہستی رستن است

ترجمہ ۱: بیچوں کا قرب ایسے ہے جیسے تیری جان تیرے ساتھ لیکن اے اندھے تم قرب حق کو کیا جانو۔
۲: قرب اوپر نیچے جانے کا نام نہیں قرب حق اپنی ہستی سے جان چھڑانے کا نام ہے۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ قرب حق بحق یہ ہے کہ جو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واسجد و اقترب سجدہ کر اور قریب ہو۔

اور حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ نوافل سے میرا قرب پا لیتا ہے اس قرب کا اول ایمان و تصدیق اور آخر احسان ہے اور تحقیق ہی مقام مشاہدہ ان تعبد اللہ کانک تراہ ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

فائدہ : بندے کا اللہ تعالیٰ سے قرب دو قسم ہے۔

(۱) عام مخلوق کو علم و قدرت ۔۔ سے جیسا کہ فرمایا وھو معکم اینما کنتم وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو یعنی قدرت و علم سے۔

(۲) خواص درگاہ کو خصائص سے کہ ان پر شواہد لطف ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ پہلے ایسے بندوں کو غیب کو قربت بخشتا ہے کہ وہ جہاں سے نجات پا لیتے ہیں پھر قرب مجد حقیقی عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ آب و گل کی قید سے گزر کر ہستی موہوم کے تصورات بھی ختم کر ڈالتے ہیں اور اس کا قاعدہ ہے کہ اصل نیستی پر زیادہ ظہور فرماتا ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ مرتبہ کے حصول کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اول بھی وہی ہے آخر بھی وہی جہاں علائق مرتفع اور اسباب منقطع اور رسوم باطل و حدود لاشی اور ارشادات ختم و خبر عدم ہو جاتے ہیں حق یکتا بخود باقی ہو جاتا ہے وہی خیر اور باقی رہنے والا ہے ؎

(۱) رأیت حبی بعین قلبی
فقال من انت قلت انتا

(۲) انا الذی جزت کل حد
بحو اینی فاین انتا

ترجمہ (۱) میں نے محبوب کو قلب کی آنکھ سے دیکھا تو اس نے فرمایا تو کون ہے میں نے کہا تو۔

(۲) میں وہ ہوں کہ ہر حد پار کر گیا ہوں ایسا محو ہوں کہ جہاں میں وہاں تو۔

؎ موج بحر لمن الملک بر آید ناگاہ
غرق گردند دران بحر چہ درویش و چہ شاہ
خرمن ہستی موہوم چنان سوز اند
آتش عشق کہ نہ دانہ بماند نہ کاہ

ترجمہ: (۱) لمن الملک (کس کا ملک) کے دریا کی اچانک موج آئی تو اس دریا کی موج سے بادشاہ و گدا غرق ہو گئے۔

(۲) خرمن ہستی کو عشق ایسا جلاتا ہے کہ نہ دانا رہتا ہے نہ گھاس۔

تقریر وحدۃ الوجود از بایزید بسطامی

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نفس سے ایسے علیحدہ ہو گیا جیسے سانپ سے کھال پھر میں نے خود کو دیکھا تو میں نہیں تھا وہی تھا۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ جو اپنے نفس کی شہوات وخواہشات اور خیالات سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی شئے نہیں رہتی اور نہ اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خیال ہوتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب قلب میں اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ مستغرق ہو جائے تو پھر اس کے سوا اور کیا ہو گا اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ بندہ خدا بن جاتا ہے (معاذ اللہ) کا نہ ھو اور ھو ھو میں بڑا فرق ہے، کبھی کا ھُوَ کو ھُوَ ھُوَ سے تعبیر کر دیتے ہیں جیسے تم کہتے ہو' زید اسد" مقام تشبیہ میں تو اس میں یہ کوئی نہیں کہتا کہ زید شیر ہو گیا بلکہ زید کی شجاعت کے مبالغہ میں زید اسد کہہ دیا جاتا ہے اور اسی سے عینیت مراد نہیں بلکہ تشبیہ مطلوب ہے۔

سوال : سلوک و وصول کا کیا معنیٰ ہے۔

جواب : سلوک بمعنی تہذیب الاخلاق والاعمال والمعارف ہے وہ ہے ظاہر و باطن کی تعمیر میں مشغول ہونا اسمیں بظاہر تو انسان اپنے رب سے علیحدہ ہو کر نفس کے ساتھ مشغول ہے لیکن درحقیقت اپنے باطن کے تصفیہ میں مصروف ہے۔ تاکہ اسے وصول کی استعداد نصیب ہو اور وصول یہ ہے کہ بندے کو تجلی حق منکشف ہو جائے تو پھر صرف اسی میں مشغول و مستغرق ہو اگر وہ اپنی معرفت کو غور سے دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہی حاصل ہو گی اور اپنے خیالات پر نظر ڈالے کہ اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے خیالات و تصورات کے اور کچھ نہ ہو تو سمجھے کہ اب وہ کل کا کل اللہ تعالیٰ میں مشغول و مستغرق ہے اور اس وقت اگر اپنا کچھ خیال بھی گزرے تو اس ارادہ پر کہ وہ عبادت سے ظاہر کو اور باطن کو تہذیب الاخلاق سے سنوار رہا ہے اور یہ ہر دونوں طہارۃ کے طریقے ہیں اور یہ دراصل ابتدائی مراحل ہیں اور انتہائی مرحلہ یہ ہے کہ خودی کو فارغ کر دے یعنی اپنے نفس سے بالکل فارغ ہو جائے صرف اللہ تعالیٰ کا ہو جائے یہاں تک کہ گویا وہی ہے یہی وصول ہے۔[1]

تفسیر عالمانہ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے اذ کر محذوف کے متعلق اور منصوب ہے یہی اولیٰ ہے تاکہ نحن اقرب الخ مطلق رہے یا اقرب میں جو فعل کا معنیٰ ہے اس سے متعلق ہے۔

---

[1] : شرح الاسماء الحسنیٰ للامام غزالی قدس سرہ ۱۲ :

اَلتَّلَقِّیْ یعنی حفاظت وکتابت کے لئے کوئی شے لینا اور حاصل کرنا۔ اب معنی یہ ہوا کہ

حل لغات وہ لطیف ہے اسی کا علم ایسی چیزوں تک پہنچتا ہے جو مخفی ہے مخفی ہوں لیکن اس سے کوئی شے مخفی نہیں وہ انسان کو ہر قریب سے قریب تر شے سے زیادہ قریب ہے جب کہ دو نگران فرشتے حاصل کرتے ہیں جو انسان پر مقرر ہیں جو کچھ بولے وہ اسے لکھ لیں اور محفوظ رکھیں اور دوسری ترکیب پر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے حاصل کرنے سے بے نیاز ہے کیوں کہ اس کا علم ان اشیاء کو بھی محیط ہے جہاں تک وہ فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے اور بندے کو معلوم ہے کہ یہ فرشتے اس کے اعمال لکھ رہے ہیں اور انہیں محفوظ رکھیں گے جب قیامت کا دن ہوگا اور لوگوں پر اعمال یا گواہ گواہی دے رہے ہوں گے یا ان کے یا اعمال صحیفوں میں لکھ اس کے پیش کئے جائیں گے تاکہ انسان کو نصیحت ہو کہ باوجودیکہ وہ کریم اس کے اعمال کی تفصیل سے باخبر ہے اور وہ محیط بکل شئی ہے پھر فرشتے بھی اس پر لکھنے کے لئے مقرر ہیں تو چاہیے کہ وہ گناہوں سے بچ جائے اور نیکیوں میں رغبت کرے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے ایک ہے کہ وہ بندے کے لئے کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں کے بیٹھنے کی جگہ تیری دو داڑھوں کے درمیان ہے تیری زبان ان کی قلم اور تیری تھوک ان کی سیاہی ہے اور تو ایسے کام میں ہے جو تیری مدد نہ کریں تو نہ خدا تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے نہ فرشتوں سے۔

فائدہ یہ بھی جاننا ہے کہ فرشتوں کی تلقی قرب کے بیان کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بندے کے بہت زیادہ قریب اور اس کے اعمال سے مطلع ہوں کیوں کہ ہمارے نگران اور کاتبین فرشتے بندے پر مقرر ہیں۔
عَنِ الْیَمِیْنِ دائیں یہ اشرف الجوارح (تمام اعضاء سے بزرگ تر) ہے اور اس میں قوت تامہ ہے۔
وَعَنِ الشِّمَالِ اور بائیں جانب (وہ یمین کی بالمقابل ہے) قَعِیْدٌ بیٹھنے والے ہیں یعنی وہ دائیں بائیں جانب ہمنشین کی طرح بیٹھے ہیں۔ قعید یمین سے محذوف ہے اس لئے ثانی یعنی شمال کے بعد والا اس پر دلالت کرتا ہے بعض کہتے ہیں فعیل واحد جمع ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیسے الملائکۃ بعد ذٰلک ظہیر اور وہ بعد اس کے ملائکہ آپ کے معاون ہیں۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ (نہیں بولتا کوئی بات)

حل لغات لفظ یعنی وہ جو منہ سے نکلے بھلا یا برا اور القول کلمہ وکلام سے اعم ہے اِلَّا لَدَیْہِ مگر اس کے نزدیک (رَقِیْبٌ) محافظ ہے، فرشتہ اس کے انتظار میں ہوتا ہے کہ بولے اسے وہ لکھے اگر اچھی بات ہے تو وہ دائیں جانب والا لکھتا ہے ورنہ بائیں والا۔ عَتِیْدٌ تیار رہے لکھنے کے لئے جو اسے لکھنے کا حکم ہے نیکی ہو یا برائی وہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں جہاں ہو۔

سوال : رقیبان عتیدان ہونا چاہیے کیوں کہ وہ دونوں (کراماً کاتبین ہر وقت اس کے ساتھ ہیں. جہاں ہو) مفرد کیوں لائے گئے۔

جواب : چونکہ ہر ایک اپنی ڈیوٹی کا ذمہ دار ہے ایسا نہیں ایک کا کام دوسرا کرے جیسا کہ عتید کے لفظ سے توہم ہوتا تھا۔

سوال : صرف قول کی تخصیص کیوں حالانکہ کراماً کاتبین تو ہر عمل لکھتے ہیں

جواب : قول عام ہے اس کا اطلاق فعل پر بھی ہوتا ہے بدلالۃ النص۔

مسئلہ : کراماً کاتبین ہر عمل لکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کا بیماری کے وقت کراہنا (وغیرہ) بعض نے کہاکہ کراماً کاتبین وہ عمل لکھتے ہیں جس پر اجر ووزر (جزاء وسزا) مرتب ہو یہی زیادہ ظاہر ہے جیسے حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسنات کا کاتب دائیں جانب اور سیئات کا کاتب بائیں جانب ہے اور دایاں بائیں کا امین والمیر ہے جب بندہ نیکی کرتا ہے تو دایاں اس کے عوض دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب بندہ بُرائی کرتا ہے تو دایاں بائیں سے فرماتا ہے سات ساعات انتظار کرے شاید تسبیح یا استغفار کرے۔

مسئلہ : بعض نے فرمایا کہ قضاحاجت کے وقت فرشتے اس سے علیحدہ ہوجاتے ہیں ایسے ہی جماع (ہمبستری) کے وقت اسی لئے بیت الخلاء اور قضاحاجت کے وقت بولنا سخت مکروہ ہے کیوں کہ فرشتے اس جگہ (بیت الخلاء) کے حاضری سے سخت نفرت کرتے ہیں کیوں کہ انہوں نے اس کی بات کو لکھنا بھی ہے۔

مسئلہ : قضائے حاجت والے کو اگر کوئی السلام علیکم کہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسے دل سے جواب دینا چاہیے زبان سے نہیں تاکہ فرشتوں کا لکھنا لازم نہ آئے اور وہ امور قلبیہ نہیں لکھتے اسی طرح اگر بیت الخلاء میں چھینک آئے تو الحمد للہ کہے تو بھی دل سے۔

مسئلہ : جماع کے وقت بھی بولنا مکروہ ایسے ہی اس وقت ہنسنا بھی مکروہ ہے ایسے مواقع پر زبان کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

حدیث شریف : اس کا اسلام بہتر ہے جو لایعنی باتیں ترک کرتا ہے۔ ۵

(۱) الٰہی ازصرفۂ زر میکنی
صرفۂ گفتار کن ار میکنی

(۲) مصلحت تست زبان زیر کام
تیغ پسندیدہ بود در نیام

ترجمہ (۱) بے وقوف ہے جو سونے کو خالص بناتا ہے اگر بنائے تو گفتگو کو خالص کر۔

(۲) تیری مصلحت کے لئے ہے یہ زبان تالو کے نیچے۔ تلوار نیام میں ہی بہتر رہتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے ملائکہ اللیل والنہار (صبح و شام) تمہارے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔ دن والے فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں رات والے تمہارے پاس رہتے ہیں۔ جب تم صبح کی نماز پڑھتے ہو تو دن والے فرشتے اترتے ہیں اور تمہارے ساتھ صبح کی نماز پڑھتے ہیں تو رات والے فرشتے چلے جاتے ہیں اور دن والے تمہارے پاس رہتے ہیں جب فرشتے اعمالنامہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتے ہیں تو کسی کے عمل نامہ کے اوّل و آخر میں نیکی ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے اے فرشتو گواہ ہو جاؤ میں نے بندے کے اوّل و آخر کی درمیانی کوتاہیاں معاف کر دیں۔ (کشف الاسرار)

حدیث شریف اپنی لثات کو ستھرا اور صاف رکھو۔

فائدہ: لثات لثہ (بالکسر و فتح الثاء المخففۃ) کی جمع ہے وہ گوشت جو دانتوں کے اوپر ہے یعنی جہاں سے دانت پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں العمور وہ تھوڑا سا گوشت جو دانتوں کے درمیان ہے عمر (بفتح العین) کی جمع۔

شرح الحدیث اس گوشت (جگہ) کو ستھرا اور صاف رکھنے کا حکم اس لئے ہے کہ اس میں طعام وغیرہ بچ کر رہ جائے تاکہ بدبو پیدا نہ ہو۔ کیوں کہ یہی تلاوت قرآن کا راستہ اور ملائکہ کے بیٹھنے کی جگہ ہے یعنی انسان کے دو جبڑوں کے درمیان۔

حدیث شریف میں ہے کہ ما یلفظ من قول الا لدیہ میں لدیہ سے اس کے دونوں جبڑے مراد ہیں۔ [1]

حدیث شریف میں ہے کہ نقوا براجمکم براجم صاف ستھرے رکھو۔ براجم انگلیوں کے جوڑ اور وہ عقد گرہ جو انگلیوں کی پشتوں پر ہیں برجمہ (بفتح الباء والجیم وسکون الراء بینہما) انگلی کے جوڑ کی پشت کہ جس میں میل کچیل جمع ہوتی ہے گرہ کی پشت کو برجمہ کہا جاتا ہے اور وہ جوڑ انگلیوں کا جو گرہوں کے قریب ہے یعنی انگلیوں کا پورا اس معنیٰ پر ہر انگلی کے دو براجم اور تین رواجب ہیں سوائے انگوٹھے کے کہ اسکا ایک برجمہ اور دو رواجب ہیں ان کی صفائی کا حکم اسی لئے ہے کہ انہیں میل نہ جم جائے تاکہ جنابت دور نہ ہو سکے کیوں کہ میل چمڑے اور پانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

---

[1]: تفسیر القرطبی سورۃ البقرۃ ۱۲:

جنبی انسان سے فرشتوں کی نفرت

جنبی انسان سے فرشتے دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ نہلئے (پاک ہو) حضرت مجاہد سے ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضری نہ دی جب حاضر ہوئے تو آپ نے وجہ پوچھی تو عرض کی۔

کیف آتیکم وانتم لا تقصون اظفارکم ولا تاخذون من شواربکم ولا تنقون براجمکم ولا تستاکون اس کے بعد پڑھا وما نتنزل الا بامر ربك (سفینۃ الابرار)

ترجمہ: میں تمہارے ہاں کیسے آؤں تم تو ناخن نہیں کٹواتے اور نہ ہی مونچھوں کے بال لیتے ہو اور نہ ہی تم انگلیوں کے سوراخوں کو صاف رکھتے ہو اور نہ ہی مسواک کرتے ہو اور ہم تیرے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

حدیث شریف

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مونہوں کو خلال سے صاف ستھرا رکھو کیونکہ وہ دو فرشتوں (کراما کاتبین) کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور ان کی سیاہی تمہاری تھوک اور ان کی قلمیں تمہاری زبان ہے اور ان پر کوئی شے اتنا سخت مگر وہ نہیں جتنا تمہاری دانتوں کا بقایا طعام ہے۔[1]

نکتہ: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے جنب اور بے وضو کو اپنے گھر (مسجد) میں آنے سے روکا ایسے ہی اپنی کتاب کو ہاتھ لگانے سے۔ چنانچہ فرمایا

ولا جنبا الا عابری سبیل اور فرمایا لا یمسہ الا المطھرون۔

اور نہ ہی جنبی آدمی مگر راستہ طے کرنے والا اور اسے ہاتھ نہ لگائیں مگر پاک لوگ۔

باوجودیکہ یہ مباح امور ہیں تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو ہمیشہ پلیدیوں اور حرام خوری اور شبہات میں ڈوبا رہتا ہے اس کے باوجود پھر بھی مدعی ہے کہ وہ خادم الٰہی (اسلام) ہے اور اس کا ذاکر شاکر بندہ ہے اور اسی کے تصور میں ڈوبا ہوا (سب غلط ہے صرف باتیں اور جھوٹے دعاوی ہیں)[2]

درس عبرت

بھائیو! قلب میں مباحات کے تفکرات ڈالنے سے ظلمت چھا جاتی ہے تو بتاؤ جس کا ہر قدم اور ہر فکر و تدبیر حرام میں غرق ہے جب مشک پانی کی رنگت اور ذائقہ ہی بدل دے تو اس سے وضو ممنوع تو جس پانی میں کتا منہ ڈبوے اس کی پلیدی کا کیا حال ہوگا[3]

حدیث شریف

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بیت المقدس میں ہے جو ہر رات اعلان کرتا ہے کہ جو حرام کھائے گا اس کے نہ فرائض قبول ہوں گے نہ نوافل۔

---

[1] (اسئلۃ الحکم) [2] الاسرار المحمدیہ ۱۲ [3] (دریاق الذنوب لابی الفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ)

فائدہ : صرف نافلہ عبادت اور عدل فرائض کو کہا جاتا ہے (احیاء العلوم)

مسئلہ : آیت میں دلیل ہے کہ کفار کی بھی عملنامہ کی کتاب ہے اور اس پر بھی نگران (کراماً کاتبین) مقرر ہیں۔

سوال : کافر کی تو کوئی نیکی ہے نہیں تو پھر دائیں جانب والا فرشتہ کیا لکھے گا۔

جواب : پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ دائیں جانب والے فرشتے کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ بائیں جانب والے فرشتے کا شاہد ہے کیوں کہ اسی کی اجازت سے ہی بائیں جانب والا فرشتہ لکھتا ہے تو اس معنیٰ پر کچھ بھی نہ لکھے تو بھی مذکورہ ڈیوٹی تو اس کے ذمہ ہے (بستان العارفین)

نکتہ : دائیں جانب والے فرشتے کی حاضری کافر کے ایمان کے احتمال کیلئے ہے کہ ممکن ہے وہ ایمان لائے تو وہ اپنی اصلی ڈیوٹی دے (یہی ظاہر ہے حال کے مطابق ہے)

فرشتے قبر کے مجاور

اللہ تعالیٰ ہر مومن بندے پر دو فرشتے مقرر فرماتا ہے تاکہ وہ اس کے اعمال لکھیں جب وہ بندہ فوت ہو جاتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں یارب اب ہم کہاں جائیں اجازت ہو تو ہم آسمان پر آجائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آسمان پہلے ہی فرشتوں سے پُر ہے وہ تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں عرض کریں گے تو پھر ہم کہاں جائیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی قبر پر قیامت تک کھڑے تکبیر وتہلیل کہتے رہو اور اس کا ثواب اس کے عملنامے میں لکھتے جاؤ۔

عجیب بندے

بعض اکابر نے فرمایا اللہ تعالیٰ بعض مومن اہل برزخ کی مثالی صورت پیدا فرماتا ہے جو اس کی صورت میں وہ عمل کرتا رہتا ہے جس سے اسے دنیا میں زیادہ ذوق تھا پھر اس کا ثواب اسی کے لئے تا قیامت لکھا جائے گا۔

حکایت : حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی شکل وصورت کا ایک بندہ ان کی قبر میں نماز پڑھتا دیکھا گیا لوگوں کا گمان ہوا وہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ کوئی شخص تھا جو ان کے عمل کا عامل تھا جس کا ثواب ان کے نام جاتا تھا۔

فائدہ : ایسے ہی مثالی خیالات جو اہل برزخ کی صورت میں دنیا والوں کو خواب یا بیداری میں نظر آتے ہیں جب کوئی کسی کی مثال کا شخص دیکھے تو وہ یا تو فرشتہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس ولی اللہ کی شکل میں پیدا کرکے دکھاتا ہے یا کوئی مثالی صورت ہوتی ہے جو اس ولی اللہ کی صورت میں آکر لوگوں کی حوائج وضروریات بحکم الٰہی پوری کرتی ہے کیوں کہ اولیاء اللہ کی ارواح برزخ میں باہر کہیں نہیں جاتیں (واللہ اعلم) ہاں انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ دنیا و آخرت ہر دونوں طرف جھانکتی رہتی ہیں۔ (کتاب الجواہر للشعرانی)

حکایت صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کسی صحابی نے کسی قبر پر خیمہ نصب کیا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے تو اس جگہ سے سورۃ الملک کسی انسان سے پڑھتے سن کر بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا۔ سورۃ الملک مانعہ ہے یعنی نجات دہندہ ہے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی ہے[1]

سیر ارواح فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ بعض آثار دلالت کرتی ہیں کہ بعض ارواح زمین پر سیر کرتی ہیں جیسے صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ:

ان لی وذیرین فی الارض ابا بکر وعمر

میرے زمین میں دو وزیر ہیں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ جب تشریف لائیں گے تو اصحاب الکہف اور دیگر کاملین اولیاء کی ارواح ساتھ ہوں گی۔

فائدہ: نیز بعض روایات میں مشہور ہے کہ وہ بعض دن اور راتوں اور مہینوں میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے سیر کرتی ہیں لیکن ان کی تاویل کرنی چاہیے اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے قرب کی قدر نہیں جانتا تو وہ اپنے خصائل ذمیمہ وافعال ردیہ کی وجہ سے مجھ سے بعید ہے اور میں بھی پسند نہیں کرتا کہ میں اس کا نگہبان ہوں بلکہ اس پر دو نگران فرشتے مقرر کرتا ہوں جو کچھ بولتا ہے وہ اسے لکھ لیتے ہیں کیوں کہ اس پر فرشتہ نگران ہر وقت تیار رہتا ہے وہی اس کی حرکات کی قلم اور اس کی نیت کی سیاہی سے اس کے قلب کے صحیفہ پر لکھتا ہے اگر اس کی حرکات شرعیہ اور نیت صاف ہوتی ہے تو اس کی کتابت نورانیہ ہوتی ہے اگر اس کی حرکات طبیعہ حیوانیہ اور اس کی نیت خواہشات و شہوات کے مطابق ہوتی ہے تو اس کی کتابت ظلمانیہ نفسانیہ آتی ہے اسی لئے بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ۔

کراماً کاتبین کا تبادلہ اور نگران فرشتوں کی تفصیل

بعض نے کہا کہ اس میں اس کے کمال عنایت در حق بندگان کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے ہر بندے پر دو نگران مقرب فرشتے مقرر فرمائے تاکہ شب و روز اس کی حفاظت کریں جب انسان

---

[1] حل الرموز ۱۲

بیٹھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے دائیں جانب کھڑا ہو جاتا ہے دوسرا بائیں جانب جب سوتا ہے تو ایک سر کی طرف دوسرا پاؤں کی طرف جب چلتا ہے تو ایک آگے دوسرا پیچھے۔ اس طرح ایک جوڑا دن کو ایک جوڑا رات کو۔ بعض نے کہا یہ کراماً کاتبین (اعمال کے لکھنے والوں) کے علاوہ ہیں بلکہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ ہر دن نیکی لکھنے والے تبدیل ہوتے رہتے ہیں مثلاً جس نے کل گذشتہ لکھا تھا وہ اور تھا اور جو آج لکھے گا وہ اور ہوگا اور برائی لکھنے والا تبدیل نہیں ہوتا نیکی والوں کی تبدیلی بندے کو نیکی کے گواہوں کی کثرت بڑھانے کے لئے اور برائی کے گواہوں کو گھٹانے کے لئے ہے بعض کہتے ہیں کہ برائیوں کے کاتبین بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں تاکہ برائی کے جاننے والے فرشتے کم ہوں اور متفرق برائیوں کا علم متفرق فرشتوں کو ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور سکرات حق کے ساتھ آئے گی سکرۃ موت کی اس شدت اور سختی جو عقل کو لے جانے والی ہے کیلئے استعارہ ہے۔

سوال: موت کو استعارہ بالکنایہ کیوں نہیں بنایا گیا پھر اس کے لئے تخیلاً سکرۃ کا اثبات ہوتا ہے۔

جواب: یہاں استعارہ تحقیقیہ زیادہ موزوں ہے۔

سوال: زمانہ ماضی سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ فعل زمانہ مستقبل میں ہوگا۔

جواب: تحقق اور نہایت قرب کی وجہ سے گویا وہ آچکی اور موجود ہو گئی جیسے کہا جاتا ہے اتاکم الجیش جب کہ اس کے آنے کا وقت قریب ہو یا بالحق کی با تعدیہ کی ہے جیسے جاء الرسول بالخبر۔ قاصد خبر لایا یہاں بھی یہی معنیٰ ہے کہ سکرت موت کو لائی یعنی موت کی وہ شدت حاضر ہو گئی جو انسان کو سکران (نشہ والا) بنا دیتی ہے اس حیثیت سے کہ وہ اسے ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی عقل پر غالب ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس کی کتاب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے یا اس کی حقیقت اور حال روشن اس وقت ہوگا کہ بندہ سعادت مند ہے یا بدبخت (معاذ اللہ) یا باء ملابست کی ہے جیسے تنبت بالدھن میں یا ملابست کی ہے یعنی موت کی شدت حق کے ساتھ متلبس ہے اور اس میں حکمت ایزدی ہے اور مقصد اعلیٰ واحسن ہے بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ موت آئی اور حاضر ہوئی اللہ کے حکم سے وہ حق ہے۔

حکایت

ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی میں فتنہ سے محبت کرتا ہوں اور حق سے کراہت کرتا ہوں اور اس کی گواہی دیتا ہوں جسے میں نے دیکھا نہیں آپ نے اسے قید کر دیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا کیوں کہ وہ فتنہ سے محبت کرتا ہے تو اس کی مراد مال و اولاد ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور جسے دیکھا نہیں اور اس کی گواہی دیتا ہے تو وہ اللہ کے واحد ہونے کی گواہی دیتا ہے جسے

اس نے دیکھا نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لولا علی لھلک عمر اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

ذٰلک لسانِ حال سے اسوقت زبانِ قال نہ ہو گی یا ملائکہ موت کے کہیں گے اے انسان ما موصولہ ہے وہ امر جو تو دنیا میں منہ تحید اس سے بھاگتا تھا۔

حل لغات حاد عنہ یحید حید اً سے ہے جب کوئی کسی شے سے اعراض کرے اور بھاگے یعنی اے انسان تو اس سے ڈر کر بھاگتا تھا اور اس سے کراہت کرتا تھا بلکہ تیرا گمان تھا کہ تجھ پر نازل نہ ہوگی کیوں کہ تجھے دنیا سے محبت تھی جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا، اولم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال کیا تم نہیں تھے قسمیں کھاتے تھے اور زبان سے بکبر کرکے اتراتے ہوئے جہالت وسفاہت سے کہتے تھے یا تم زبانِ حال سے ایسا کہتے تھے کہ آنا بڑے اونچے اور مضبوط مکانات تیار کئے اور لمبی چوڑی آرزوئیں اور تمنائیں کیں اور تمہارے دل ذرہ بھر بھی دنیا سے رخصت ہونے کا خیال تک نہ کرتے تھے گویا تمہارا خیال یہی تھا کہ تمہیں زوال نہیں آئے گا جس طرح کہ تم حظوظ دنیویہ سے نفع اٹھا رہے تھے اس تقریر پر آیت کا خطاب اس انسان کو ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے بطریق التفات کے۔

فائدہ: طبعی طور ہر انسان کو موت سے کراہت و نفرت ہے۔ جس پر حدیث ذیل دلالت کرتی ہے

حدیث شریف[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکرات موت طاری ہوئی تو میں رونے لگی اور کہا ؎

من لا یزال دمعہ مقنعا

لا بدلہ مرة انہ مھراق

ترجمہ: وہ کہ جس کے آنسو رکے رہے ایک دن لازماً وہ آنسو بہیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے افاقہ پایا تو فرمایا: بَل جَاءَت سَکرَةُ المَوتِ بِالحَقِّ ذٰلِکَ مَاکُنتَ مِنہُ تَحِیدُ بلکہ سکرات الموت حق کے ساتھ آئی ہے یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔

حدیث شریف بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال میرے گھر اور میرے گلے اور سینے کے درمیان ہوا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے میری تھوک اور آپ کی لب جمع فرمائی آپ کے وصال کے وقت (میرا بھائی) عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما میرے ہاں تشریف لائے ان کے پاس مسواک تھا اور میں

---

[1] روح البیان ج ۹ ص ۱۱۸ مطبوعہ بیروت۔ لبنان۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سہارا دے کر بیٹھی تھی میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ میرے بھائی کی طرف دیکھ رہے تھے اس سے میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک چاہتے ہیں میں نے عرض کی یہ مسواک آپ کے لئے لوں آپ نے سر مبارک کے اشارہ سے فرمایا ہاں۔ میں نے بھائی سے مسواک لے لیا۔ آپ نے مجھ سے لے کر منہ مبارک میں رکھا تو سخت تھا میں نے عرض کیا اسے نرم بنا لوں آپ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ آپ کے سامنے پانی کا پیالہ رکھا تھا آپ اپنا ہاتھ مبارک اس میں ڈال کر چہرہ اقدس پر ملتے تھے اور فرماتے تھے لا الٰہ الا اللہ للموت سکرات موت کی سختیاں ہیں پھر ہاتھ مبارک (دعا کیلئے) کھڑا کیا اور فرماتے تھے الرفیق الاعلیٰ رفیق بلند قدر نصیب ہو یہاں تک کر آپ کا وصال ہو گیا۔ اور آپ کے ہاتھ مبارک نیچے آ گئے۔

فائدہ: زمخشری نے کشاف میں لکھا کہ یہ اشارہ حق کی طرف ہے اور خطاب فاجر کو ہے یہی ظاہر ہے کیونکہ کلام فجار کے بارے میں ہے۔

حدیث قدسی شریف

حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ حدیث قدسی شریف میں ہے۔ میں کسی شے کے متعلق توقف نہیں کرتا جو کرنے والا ہوں ڈاسے کرگز رتا ہوں (رودت بتشدید الدال میں اپنے ان ملائکہ کے بارہ میں تردد نہیں کرتا جو ارواح قبض کرنے جاتے ہیں۔ مثل اس کے جو میں توقف کرتا ہوں ارواح مومنین کے قبض کرنے میں مثلاً کہتا ہوں کہ فلاں مومن کی روح قبض کرو پھر کہتا ہوں ذرہ ٹھہر جاؤ بعض نسخوں میں رددت کے بجائے تردد ہے لیکن چونکہ تردد ذات باری تعالیٰ کے لئے محال ہے اسی لئے اس کے نتیجہ کا مطلب لیا گیا ہے یعنی توقف (اس لئے کہ تردد دو چیزوں کے درمیان تحیر کا نام ہے) یہ وہ کرتا ہے جسے علم نہ ہو کہ ان دو کاموں میں کونسا بہتر ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نہایت محال اور اس کے شان کے لائق نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ میں اپنے کسی کام میں توقف نہیں کرتا مثل توقف مومن کی روح قبض کرنے میں اسمیں توقف کرتا ہوں اور اسے وہ کرامات اور نعمتیں دکھاتا ہوں جو میں نے اس کے لئے تیار کی ہیں یہاں تک کہ اس کا دل موت کی طرف مائل میرے دیدار کے شوق میں ہو جائے (یکرہ الموت) وہ موت سے کراہت کرتا ہے۔ یہ جملہ استئنافیہ ہے ایسے ہے کہا ہے اللہ تعالیٰ تجھے اس امر توقف سے کیوں فرمایا کہ میرے بندہ کو توشۂ مدت کا خیال ہے حالانکہ موت تو لقائے ربانی کی طرف پہنچاتی ہے تو پھر وہ موت سے کراہت کرتا ہے تو کیوں۔ وانا اکرہ مساءتہ مجھے اس کی اس اذیت اور تکلیف سے جو اسے موت کی وجہ سے پہنچتی ہے ناگوار ہے ولا بدمنہ حالانکہ وہ اسے ضروری ہے یعنی موت بندے کو لازم ہے کیونکہ وہ ہر نفس کے لئے مقدر ہے۔ (شرح مشارق الانوار ابن الملک)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اگرچہ حالت موت بظاہر بندے کیلئے سخت نظر آتی ہے لیکن در حقیقت

باطن میں اسے وہ بڑی عزت و نعم و ناز میں ہوتا ہے اور دوست سے ہر لمحہ اسے نئی خلعت نصیب ہوتی ہے اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تحفۃ المومن الموت موت مومن کا تحفہ ہے۔

فائدہ : صاحب صدق کو موت سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

حکایت سیدنا امام حسین نے سیدنا امیرالمؤمنین علی المرتضٰے رضی اللہ عنہما کو جنگ کا لباس پہنتے ہوئے دیکھ کر کہا یہ تو جنگیوں کا لباس ہے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹے تیرا باپ اس سے نہیں گھبراتا کہ وہ موت پر گرے یا اس پر موت گرے صدق موت کا زاد راہ اور موت راہ بقا اور بقا سبب لقائے الٰہی ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات چاہتا ہے۔

حکایت • حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نوے سال کی عمر میں نیزہ ہاتھ میں لیتے تو ان کا ہاتھ کانپتا تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا دنیا کا آخری کھانا پینا دودھ ہوگا آپ جب غزوہ صفین میں حاضر ہوئے تو نیزہ ہاتھ میں لیا تو آپ کو پیاس کی شدت محسوس ہوئی پانی مانگا تو آپ کو دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی یاد آگیا (دنیا سے رخصت ہوتے وقت تیری آخری غذا دودھ ہوگی) فرمایا کہ لو میری سعادت کا دن آگیا دودھ پی کر میدان کارزار میں چلتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ الیوم نلقی الاحبۃ محمداً وحزبہ آج محبوبوں کی ملاقات ہوگی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی مقدس جماعت سے[1]

مثنوی شریف میں ہے

(۱) ہمچنیں باد اجل با عارفان
نرم و خوش ہمچوں نسیم یوسفاں

(۲) آتش ابراہیم را دندان نزد
چوں گزیدہ حق بود چوں نش گزد

(۳) پس حال از نقل عالم شادمان
وز لقایش شادمان ایں کودکان

(۴) چونکہ آب خوش ندید آن مرغ کور
پیش او کوثر نماید آب شور

---

[1] : صحابہ رضی اللہ عنہم کا پاک عقیدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم غیب کا تھا تبھی تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے دودھ کو یاد کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی سنایا۔

ترجمہ ۱: یادِ اجل عارفوں کے لئے ایسے نرم و خوش ہے جیسے نسیم یوسف

۲: ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے ایذا نہ دیا جب وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ تھے تو بھلا نہیں آگ کب ستاتی۔

۳: اللہ والے نقل عالم سے خوش ہوتے ہیں ان کی نعار پر پہنچے ہی خوش ہوتے ہیں ورنہ عقل والے تو راضی بہ رضا ہوتے ہیں۔

۴: اندھے پرندے کو پانی اچھا نہیں لگتا تو اسے آب کوثر بھی کڑوا پانی محسوس ہوتا ہے

صاحب مثنوی قدس سرہٗ کی موت صاحب مثنوی قدس سرہ کو جب سکرات الموت طاری ہوئی اور حضرت ملک الموت (علیہ السلام) کو دروازہ پر دیکھ کر فرمایا:

پیش ترا پیش تر جان من

پیک درحضرت سلطان من

ترجمہ ا: تیرے آگے اور بہت جلد میری روح حاضر ہے کیوں کہ یہ پیام حضرت سلطان کا ہے (تو میں حاضر ہوں)

ملائکۃ الموت کی تعداد علماء فرماتے ہیں کہ روح نکالنے والے چار فرشتے ہیں۔

(۱) روح کو دائیں پاؤں سے کھینچتا ہے۔

(۲) بائیں پاؤں سے

(۳) سیدھے ہاتھ سے

(۴) بائیں ہاتھ سے

پھر سب مل کر پوروں اور انگلیوں کے سروں سے نکالتے ہیں۔ مومن فرمانبردار کی روح ایسے نکلتی ہے جیسے شیشی سے پانی کے قطرات اور فاجر کی روح ایسے جیسے کانٹا اون سے یہاں تک کہ وہ خیال کرے گا کہ شاید اس کا پیٹ کانٹوں سے پُر ہو گیا ہے گویا اس کی رُوح سوئی کے سوراخ سے نکالی جا رہی ہے گویا آسمان زمین پر گر پڑا ہے اور وہ درمیان میں پسا جا رہا ہے۔

سوال: اگر سکرات کے وقت میت کا یہی حال ہے تو پھر وہ درد سے چیختا چلاتا کیوں نہیں جب کہ معمولی درد سے انسان کتنا شور مچاتا ہے۔

جواب: مضروب (درد و الم والا) اس لئے چیختا چلاتا ہے کہ اس کی زبان اور قلب میں قوت و طاقت ہوتی ہے لیکن میت (مردہ) سے باوجود شدت درد کے آواز ختم ہو جاتی ہے اسی لئے سنائی نہیں دیتی۔ اس لئے کہ سکرات کا درد انتہا پر پہنچ کر میت کے دل پہ اثر انداز ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے بدن کے رونگٹے رونگٹے میں غلبہ پا کر ہر قوت کو ختم کر ڈالتا ہے اور ہر عضو بے جان ہو کر رہ جاتا

ہے یہانتک کہ اس میں فریاد و زاری کی طاقت نہیں رہتی۔

صالح و ظالم مرد حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ ہر میت ان ہر دو فرشتوں کو دیکھتی ہے جو اس کے محافظ (کراماً کاتبین) ہیں یعنی اعمالنامہ لکھتے ہیں اگر انہوں نے اس سے اچھی صحبت پائی تو کہتے ہیں جزاک اللہ خیر الجزاء اللہ تعالیٰ تجھے نیک جزا بخشے تو نے ہمیں نیک مجلس میں بٹھایا اور عمل صالح میں پہنچایا اگر وہ میت بدعمل ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تجھے بری جزا دے تو نے ہمیں بری مجلس میں بٹھایا اور گندی باتیں سنائیں اسی لئے اس کی آنکھ کھل جاتی ہے یہاں تک کہ پھر وہ گویا دنیا میں نہیں لوٹے گی۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در لغست فرمودہٗ دیو زشت
کہ دست ملک بر تو خواہد نوشت
روا داری از جہل و ناپاکیت
کہ پاکان نویسند ناپاکیت

ترجمہ افسوس ہے کہ فرمودہ دیو زشت کو پاک فرشتے کا ہاتھ تیرے اوپر لکھے گا
۱۲ تو یہ جائز رکھتا ہے کہ پاک لوگ تیری ناپاکی لکھیں۔

مرنے سے پہلے بہت سے خوش قسمت وہ ہوتے ہیں جنہیں سکرات کے اجزاء سے پہلے ملکوتی ملک نظر آنے لگ جاتا ہے وہ فرشتوں کو اپنے اعمال کی حقیقت میں دیکھتا ہے اگر اس کے اعمال نیک ہوں تو اسے وہ فرشتے حسین شکل میں نظر آتے ہیں اگر اعمال برے ہوں (معاذ اللہ) تو اسے ملائکہ قبیح اور ڈروانی صورت میں نظر آتے ہیں پھر اعمال کا حسن و قبیح ہی اس کے مراتب پر اثر انداز ہوتا ہے اعمال کا درجہ و مرتبہ جس طرح کا ہوگا نتیجہ اسی طرح کا ہوگا۔

مسئلہ: دنیا میں کوئی بشر بھی ملائکہ کو اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکتا ہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جبریل علیہ السلام اصلی صورت میں دو دفعہ نظر آئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے جب انسان دنیا سے آخرت کو جاتا ہے تو ہر ایک کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض کو خوف بڑھ جاتا ہے اس کو انجام کا علم اس وقت ہوتا ہے جب روح نکل جاتی ہے بعض وہ ہیں جنہیں روح کے خروج سے پہلے بعض اخروی امور منکشف ہوجاتے ہیں تو سکون نصیب ہوتا ہے اور اس کا دل محفوظ ہوتا ہے۔ ایسے خوش بخت انسان پر سکرات آسان ہوتی ہے اسی لئے وہ مرتے دم جان پہچان رکھتا ہے اور بلا تکلیف اد

درد و الم کہ اس کی روح جسم سے نکلتی ہے وغیرہ وغیرہ اسی معنیٰ پر کسی نے کہا ہے

انا ان مت فالہوی حشو قلبی
وابتداء الہوی بموت الکرام

ترجمہ : میں اگر مرا تو محبوب میری قلب میں ہے اور محبت کی ابتدار بزرگوں کی موت پر ہوتی ہے۔

غوث پاک رضی اللہ عنہ کی موت کا حال

سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض مشائخ سے منقول ہے کہ آپ پر جب نزع طاری ہوئی تو چہرہ اقدس زمین پر رکھ کر فرمایا یہی وہ حق ہے جس سے ہم مجلس میں تھے فرمایا وہ ناز یعنی مراتب جس پر ہم دنیا میں تھے ان میں نقص تھا۔ کامل مراتب تو یہی ہیں جو بوقت موت نظر آرہے ہیں گویا موت کے وقت آپ کو تمام و کمال مراتب سے مکمل کرکے رخصت کیا گیا اور کامل و مکمل حال میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

ایک مولوی کی موت

مولانا حمید الدین مرض الموت کے وقت سخت مضطرب تھے آپ سے پوچھا گیا کہاں ہیں آپ کے علوم و معارف فرمایا تم مجھ سے قلب اور احوال قلب کا پوچھتے ہو لیکن وہ تو غیر موجود ہے آپ کو وہ اضطراب اسی وجہ سے تھا۔

نکتہ : بعض باکمال لوگوں کے زندگی کے وقت خوب اور خوش گفتگو ہوتی ہے لیکن جب وفات کا وقت آتا ہے تو سخت تشویش میں ہوتے ہیں اور گفتگو کا قرینہ بدل جاتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب کوئی بیماری میں یا بڑھاپے میں پہنچتا ہے تو اس کی وہ حالت نہیں رہتی جو تندرستی اور جوانی میں تھی اور یہ حالت نزع تو ایسی حالتوں سے کئی گنا سخت اور بڑھ کر ہے۔ اسی لئے بعض موت کے وقت مقام قبض و ہیبت میں منتقل ہوتے ہیں

حکایت

بعض دوستان خدا موت کے وقت ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے لمثل ہذا فلیعمل العاملون اسی طرح ہی ہے عمل والوں کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کریں۔

حکایت

بعض بزرگ موت کے وقت روتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ افسوس اتنا طویل عمر ہم نے گنوادی اور کچھ نہ کمایا۔ وہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس وقت تجلیات ربانی ان کے سامنے ہوتی ہیں۔

سبق : جب ارباب الاحوال کا یہ حال ہے تو فکر کیجئے تو کس باغ کی مولی ہے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

بعض علماء نے فرمایا کہ سکرات الموت احوال و اعمال کے مطابق ہوتی ہے ان کا حسن و قبح موت کے وقت ظاہر ہوتا ہے مثلاً غیبت کرنیوالے کے لب دوزخ کی قینچی سے کاٹے جاتے ہیں اور غیبت سننے والے کے کانوں پر جہنم کے انگارے ڈالے جاتے ہیں حرام کھانے والے کے آگے زقوم (کڑوا) درخت جہنم کا رکھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بندے کے اعمال

کا نتیجہ سکرات الموت کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

فائدہ: میت پر لحظہ بہ لحظہ سکرات کے جھٹکے لگتے ہیں (جسے ہچکی سمجھا جاتا ہے) یہاں تک کہ روح قبض کی جاتی ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال (موت) کے وقت کیا فرماتے تھے

حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال (موت) کے وقت فرماتے تھے اللھم ھون علیٰ محمد سکرات الموت اے اللہ! حضرت محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سکرات الموت آسان فرما۔

سبق: عوام جو سکرات الموت اور اس کی ہولناکیوں سے اس لئے پناہ نہیں مانگتے (یعنی اس سے غفلت میں رہتے ہیں) کہ ان پر جہل کا غلبہ ہے شے کے وقوع سے پہلے اس کا ادراک یا نبوت کو حاصل ہوتا ہے یا ولایۃ کو یہی وجہ ہے کہ موت کے وقت عظیم خوف انبیاء علیہم السلام پر دیکھا گیا یا اولیاء کرام پر ؎

یا من بدنیاہ اشتغل

وغرہ طویل الامل

الموت یاتی بغتۃ

والقبر صندوق العمل

ترجمہ: اے وہ شخص جو دنیا میں مشغول ہے اور اسے لمبی آرزو نے دھوکہ دیا ہے اچانک موت آئے گی اور قبر عمل کی صندوق ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

سپہر بر شدہ پرویز نیست خون افشان

کہ ریزہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز ست

ترجمہ: آسمان سر پر آ گیا لیکن پرویز نے خون کے آنسو نہ بہائے وہ سر کسریٰ اور پرویز کے تاج کے ٹکڑے پر خوش ہے۔

سبق: اے برادر آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کوئی بھی موت سے نہ بچا اور تو بھی نہ بچ سکے گا۔ موت ایک پیالہ ہے اور سب نے اس سے پینا ہے ؎

خانہ پُر گندم و یک جو نفرستادہ بگور

غم مرگت چو غم برگ زمستانی نیست

ترجمہ: گھر گندم سے پُر ہے لیکن قبر میں ایک جو تک نہ بھیجا موت کا غم تجھے سردی سے پتے جھڑنے کی مقدار بھی نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ (اور صور پھونکا جائے گا) اس سے نفخ ثانی مراد ہے یعنی وہ صور جو قبر سے اٹھ کر میدانِ حشر میں حاضر ہونے کے لئے پھونکا جائے گا اور صور پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں (تفصیل گزر چکی ہے)

ذٰلِكَ وہ وقت نفخ صور یہاں مضاف محذوف ہے یَوْمُ الْوَعِيْدِ وہ ایفائے الوعد کا دن ہے یعنی جس دن کا دنیا میں تمہیں وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا کہ وہ دن یقیناً آئے گا اور اس سے وعیدیں سنائی گئیں یا اس سے وقوع الوعید مراد ہے جب کہ وعید سے عذاب موعود مطلوب ہو۔

سوال : وعید کی تخصیص کیوں حالانکہ وہاں وعدہ بھی تو ہے۔

جواب : چونکہ اس کی ہولناکی کا اظہار مطلوب ہے اسی لئے صرف اس کا ذکر کیا گیا یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کفار کے حالات سے ابتداء کی گئی ہے۔

(وَجَآءَتْ) اور میدانِ حشر میں اسی دن آئے گا كُلُّ نَفْسٍ تمام نفوس نیک اور بُرے مَعَهَا محلاً منصوب علی الحالیۃ ہے کیوں کہ لفظ کل کا مضاف الیہ معرفہ کے حکم میں ہے گویا کہا گیا ہے کل النفوس سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ چلانے اور گواہی دینے والا ہوگا۔ چلانے اور گواہی کے کوائف نفوس کے اعمال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوں گے یعنی ایک فرشتہ انسان کو میدان حشر کی طرف لے کر چلے گا اور ایک اس کے اعمال کا گواہ ہوگا اعمال اچھے تو گواہ اچھا اعمال بُرے تو گواہ سخت۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ کافر کا سائق جہنم کی طرف لے کر چلے گا اور اس کا گواہ اس کے بُرے اعمال کی گواہی دے گا اور مومن کا سائق جنت کی طرف لے کر چلے گا اور اس کا گواہ نیکی کی گواہی دے گا۔

فائدہ : کیا وہی کراماً کاتبین سائق وشہید ہوں گے یا یہ اور ہوں گے اس میں اختلاف ہے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ کیا وہ ایک فرشتہ ہوگا جو دونوں صفتوں کا جامع ہوگا گویا کہا گیا ہے کہ اس کے ساتھ فرشتہ ہوگا جو اسے چلائے گا اور اس کے اعمال بد کی گواہی دے گا۔

فائدہ : الواسطی نے فرمایا سائق اس کا حق اور اس کا شہید بھی حق ہے یعنی دنیا و آخرت میں اس کا ہونا حق ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بے شک تو تھا غفلت میں اس سے۔

حل لغات الغفلۃ وہ معنیٰ جو حقیقت امور کی واقفیت سے انسان کو روکے۔ (المفردات) میں ہے یعنی وہ سہو جو قلت تحفظ و تیقظ سے طاری ہو اب معنیٰ یہ ہوا کہ انسان کو قیامت میں یا یوم النشور میں اور عرضِ الٰہی کے وقت بے شک تھا تو اسے شخص دنیا میں اسی دن

کی ہوئی کیوں سے غفلت میں تھا۔

فائدہ : فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس دن سے غافل تھا جو تجھ پر نازل ہونے والا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے انسان تم کفر کے انجام سے غافل تھے اور عین المعانی میں ہے من ھذا کا اشارہ سائق وشہید کی طرف ہے بعض نے کہا کہ یہ خطاب کافر سے ہے۔ بعض نے کہا کنت بکسرا تاء ہے کیوں کہ نفس مؤنث ہے ایسے ہی آنے والے تمام خطابات یا خطاب ہر ایک کو ہے کیوں کہ کون ہے وہ جو آخرت سے غافل نہ ہو (انبیاء واولیاء کے سوا)

فَكَشَفْنَا تو ہم نے ہٹایا اور اٹھا دیا عَنْكَ غِطَاءَكَ تجھ سے تیرا پردہ جو تیری آنکھ پر تھا۔

حل لغات

غطاء سے وہ حجاب مراد ہے جو امور آخرت پر پردہ ڈالنے والا ہے یعنی غفلت اور محسوسات میں انہماک اور ان سے الفت اور صرف انہی پر نظر جمائے رکھنا المفردات میں ہے کہ غطاء وہ شے جو کسی دوسری شے کے اوپر ڈالی جائے جیسے لباس وغیرہ ایسے ہی الغشاء پھر جہالت کے لئے استعارہ کیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَكَشَفْنَا عَنْكَ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے شخص ہم نے تیری آنکھوں سے جہل اور غفلت کا پردہ ہٹایا جو سنتا تھا اب تجھے دکھلائے جائیں گے یعنی ان کی حقیقت کا تو ادراک کرے گا۔

فائدہ : الکواشی میں ہے غطاء سے قبر مراد ہے یعنی قیامت میں انسان کو کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے قبر کی اندھیریوں سے نکالا فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ تو آج تیری آنکھ نافذ یعنی تیز ہے تو اسے آنکھوں سے دیکھے گا جس کا تجھے انکار تھا اور دنیوی زندگی میں اس کو بعید از قیاس سمجھتا تھا اب آنکھوں سے پردے دور کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی قیامت میں انسان کو کہا جائے گا کہ دنیا میں تو اخروی امور کا انکار کرتا تھا اب تجھ سے پردے ہٹ گئے تو انہی امور کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے لیکن اب اگر تو مان لے گا تو تجھے کوئی فائدہ نہیں یہ اس وجہ ارشاد گرامی کی طرح ہے فرمایا اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا کیسا بہتر سننے اور دیکھنے والے ہیں اس دن کہ وہ ہمارے ہاں آئیں گے۔

حل لغات

حدید اسی محاورہ سے ہے کہا جاتا ہے حددت السكين میں نے چھری تیز کی۔ اب من حیث الخلقۃ یا من حیث المعنیٰ اچھی شے کو کہا جاتا ہے جیسے بصر وبصیرۃ حدید یعنی آنکھ اور قلبی بصیرت تیز ہے یا کہتے ہیں ھو حديد النظر وحديد الفهم فلاں تیز نگاہ اور تیز فہم ہے لسان حدید لسان صارم وماض کی طرح یعنی فلاں تیز زبان ہے یہ اس کے لئے بولتے ہیں جس کی گفتگو بہت مؤثر ہو لوہے کی طرح۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اگرچہ انسان کو عالم غیب وعالم حس پیدا کیا گیا ہے لیکن اگر وہ عالم شہادت میں ہے تو اس پر عالم حس کا غلبہ ہوتا ہے تو عالم محسوس

اس ظاہرہ سے دیکھتا ہے باوجودیکہ اس کے اجناس مختلف ہیں لیکن وہ عالم غیب کے ادراک سے کوسوں دور ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جس کے پردے دل کی آنکھ سے ہٹا کر اس کی بصیرت کو تیز فرماتا ہے تو وہ رشد و ہدایت کو دیکھتا اور شر سے بچتا ہے یہ اہل ایمان ہیں یہی اہل سعادت ہیں اور بعض کے دل سے پردہ قیامت میں اُٹھے گا تو پھر اس وقت ایمان لانا ان کو فائدہ نہ دے گا یہی کفار ہیں یہی اہل شقاوت ہیں ؎

۱ : گرت رفت از اندازہ بیرون بدی
چو گفتی کہ بد رفت نیک آمدی

۲ : فراشو چو بینی درِ صلح باز
کہ ناگہ درِ توبہ گردد فراز

ترجمہ ۱ : اگر تیری برائیاں حد سے زائد ہیں جب اتنا اعتراف کرتا ہے کہ یہ برا عمل ہے

۲ : عاجزی کر جب دیکھتا ہے کہ صلح کا دروازہ کھلا ہے ورنہ توبہ کا دروازہ اچانک بند ہو جائے گا۔

ملفوظات علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر پردے ہٹ جائیں تب بھی میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا ؎

۱ : حال خلد و جحیم دانستم
بیقین آنچنانکہ می باید

۲ : گر حجاب از میانہ بر گیرند
آن یقین ذرہ ینفزاید

ترجمہ ۱ : میں نے بہشت اور دوزخ کا حال جان لیا یقین سے جیسا کہ لائق ہے۔

۲ : اب اگر درمیان سے حجاب اٹھ جائیں تو ذرہ برابر بھی میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔

شرح ملفوظ علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ پردے جو اہل غفلت کے آخرت میں دور ہوں گے وہ اہل اللہ کے لئے دنیا میں ہوئے ہیں اور ان کے لئے آخرت کے دیکھنے والی بات آج منکشف ہے اسی لئے کہ وہ علم الیقین سے ترقی کر کے علم الیقین تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اسی دار دنیا میں اسی ترقی کی وجہ سے ان کا وقت خوشگوار بسر ہوتا ہے کیونکہ وہ اسی دنیا میں ہی بہشت میں ہیں بلکہ ہر دن ان کے لئے درجات کی ترقی رہتی ہے۔

• **نکتہ** : اس میں اشارہ ہے کہ اہل نار سے ان کی آنکھوں سے وہ پردے ہٹا دیئے جائیں گے جو

عین الیقین والیمان سے مانع تھے اور وہ ان کے ظاہر و باطن کے عرصہ دراز جہنم میں رہنے سے جلادینے سے ہوگا پھر وہ جمال دیکھیں گے جو عارفین اس دنیا میں دیکھا کرتے اس کے بعد عذاب کا خطرہ اُٹھ جائے گا اس لیئے مشاہدہ یار کے وقت جلنا آسان ہوتا ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ زنانِ مصر یوسف علیہ السلام کے دیدار سے ہاتھ کاٹ رہی تھیں لیکن انہیں محسوس نہ ہو رہا تھا جب حسن یوسف کی تجلی کا یہ حال ہے تو پھر حسن حقیقی کے شہود کے بعد کیا حال ہوگا لیکن اہلِ نار کو اس مشاہدہ کے بعد احتراق کا احساس نہ سہی پھر بھی دیگر نعمتوں سے محروم رہیں گے جیسے کھانا پینا نکاح وغیرہ۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لو ورنہ جاہل صوفی کی طرح غلط باتیں کروگے)

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ قَرِينُهُ اور اس کا ساتھی اسے کہے گا یعنی شیطان جو اس کو وسواس ڈال کر برائی کراتا تھا۔

هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ یہی وہ جو میرے پاس اور میری ملکیت اور میری قدرت میں ہے حاضر ہوا سے میں نے جہنم (اغوا و اضلال (گمراہ کرنے) سے تیار کیا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا یہ اشارہ اس فرشتے کا ہوگا جو انسان کا نگران (کراماً کاتبین) ہے جو وہ اس کے عملنامے کی کتاب کی طرف اشارہ کرکے کہے گا یہ میرے پاس لکھا ہوا حاضر ہے تیار رہے اللہ کے ہاں حاضری کے لیئے اگر وہ بندہ اہلِ ایمان اور جنتی ہے تو اس کی نیکیوں کی کتاب حاضر کی جائے گی کیوں کہ اس کی برائیاں مٹائی جا چکی ہوں گی اگر وہ کافر اور دوزخی ہے تو اس کی برائیوں کی کتاب پیش کی جائے گی کیوں کہ اس کی نیکیاں تو کفر کی وجہ سے ضائع ہو چکی ہوں گی۔

فائدہ: ما اگر موصوفہ ہو تو عتید اس کی صفت ہے اگر موصولہ ہو تو عتید اس سے بدل ہے یا خبر بعد خبر ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ شیطان کی کسی وقت بھی اطاعت نہ کرے اور نہ ہی اس کے اغواء کی طرف متوجہ ہو کیوں کہ وہ تو دوزخ اور قہر جبار کی طرف بلاتا ہے۔

شب معراج میں بڑھیا سے ملاقات

مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج راستہ کے ایک کنارہ پر بڑھیا کو دیکھ کر فرمایا اے جبریل (علیہ السلام) یہ بڑھیا کون ہے عرض کی آگے چلئے آپ۔ جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا چلے تو ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے راستہ کے کنارہ پر کوئی بلا رہا ہے کہ اے (حضرت) محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادھر کو گئے پھر آپ ایک جماعت پر گزرے تو انہوں نے آپ کو سلام عرض کیا کہ السلام علیک یا اوّل السلام علیک یا آخر یا حضرت۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی آپ ان کو سلام کا جواب دیجئے آپ نے انہیں

سلام کا جواب دیا۔ اب جبریل علیہ السلام نے عرض کی وہ بڑھیا دنیا تھی اس کی اب اتنی عمر رہ گئی ہے جتنا اس بڑھیا کی۔ اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور وہ جو آپ کو اپنی طرف بلا رہا تھا وہ ابلیس تھا اور جنہوں نے سلام عرض کیا وہ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) تھے۔

نکتہ: ابلیس کی تخلیق صرف دشمن و دوست کے امتیاز اور بد بخت اور نیک بخت کے افتراق کے لئے ہے انبیاء علیہم السلام پیدا فرمائے تاکہ نیک بخت ان کی اقتدا کریں اور ابلیس کی تشبیہ بالعدو گئی تاکہ ان کے درمیان امتیاز ہو کہ نیک بخت کون ہے اور بد بخت کون۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابلیس دوزخ کا دلال ہے اور خلاف ورزی کرانے کا رہبر اور اس کی پونجی دنیا ہے جب اس نے دنیا کافروں کو پیش کی تو انہوں نے پوچھا اس کی قیمت۔ کہا ترک الدین انہوں نے اس سے دین دے کر دنیا خرید لی کافروں نے کہا ہمیں اس سے کچھ مزہ تو چکھاوے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ یہ ہے کیا۔ ابلیس نے کہا اس کے لئے کوئی شے گروی رکھو انہوں نے اپنی آنکھیں اور کان شیطان کے ہاں گروی رکھ دیئے اسی لئے ارباب دنیا دنیا کی خبروں کی طرف کان لگاتے اور اس کی زینت کو لوٹتے ہیں کیونکہ ان کے کان اور آنکھیں ابلیس کے ہاں گروی ہیں۔ اسی لئے شیطان نے سمع و بصر گروی لینے کے بعد انہیں دنیا کا ایسا مزہ چکھایا کہ اب انہیں زاہدوں سے نہ دنیا کا عیب سننا گوارہ ہے اور نہ ہی اس کے عیوب دیکھ سکتے ہیں بلکہ اس کے نقش و نگار اور اسباب پر فریفتہ ہیں اسی لئے کہا گیا ہے حبک الشئی یعمی ویصم۔ (محبت تجھے بہرہ اور اندھا کر دیتی ہے) بخلاف زاہدوں کے انہوں نے دنیا ترک کر دی اور اس سے مکمل طور منہ پھیر لیا لیکن دنیا سے رغبت کرنے والوں نے دنیا کو گلے لگایا اسی لئے ان کے دلوں میں دین کی باتیں اچھی نہیں لگتیں اور دنیا کی باتیں ان کو شہد و شیریں محسوس ہوتی ہیں۔

لطیفہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس لئے پیدا فرمایا تاکہ مومن اپنے مولیٰ کی رعایت و حفاظت کی پناہ میں رہے کیونکہ بھیڑیا نہ ہوتا تو بکریوں کے لئے چرواہے کی ضرورت نہ ہوتی۔

فائدہ: ابلیس نے ظلمت و خباثت سے پیدا فرمایا اسی لئے اس کی طبع عداوت کی خوگر ہے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت و عصمت، کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ اسے جہنم میں ڈالو یہ اللہ کا خطاب سائق و شہید کو ہے۔ یا جہنم کے داروغہ فرشتوں میں کسی دو فرشتوں کو یا کسی ایک فرشتے کو جو دونوں صفتوں کا جامع ہے یا جہنم کے خازن کو پھر تثنیہ کا صیغہ دو فعل کے قائم مقام ہے جیسے تکرار کے لئے لایا جاتا ہے اس سے صرف تاکید مطلوب ہوتی ہے گویا اسے کہا گیا الق الق ڈالدے ڈالدے

دوسرے فعل کو حذف کرکے اس کے فاعل اور پہلے فعل کے فاعل کو تثنیہ کی ضمیر کی صورت میں لایا گیا ہے جسے فعل اوّل سے متصل کیا گیا یا یہ الف نون تاکید کا عوض ہے اجراء الوصل مجری الوقف کے قبیل سے ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسے القین بھی پڑھا گیا ہے یعنی نون خفیفہ سے جیسے لنسفعن کہ جب اس پر وقف ہوگا تو اسے الف کے ساتھ پڑھا جائے گا (یعنی لنسفعا) اس کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ عرب کا دستور ہے کہ سفر میں اکثر دو ساتھی ہوتے ہیں اور یہ رفاقت کا ادنیٰ درجہ ہے اس لئے اکثر ان کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔

خلیلی وصاحبی قفا ولو اسعدا اے میرے ساتھی اور دوست ٹھہر اور مدد کر، ان کی عادت ہے تثنیہ کے صیغہ سے واحد کو مخاطب کرنا جیسے امرأ القیس نے کہا ہے

۱ : خلیلی مرا بی علی ام جندب
لتقضی حاجات الفؤاد المعذب

۲ : الم ترانی کلما جئت طارقا
وجدت بہا طیبا وان لم تطیب

ترجمہ ۱ : اے میرے دو ہمدم جندب کو حکم دو تاکہ وہ میری درد بھری دل کی مراد پوری کرے۔

۲ : کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب میں رات کو آتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں اگرچہ وہ اس سے ناخوش ہے۔

بیت اول میں تثنیہ کا صیغہ اور بیت ثانی میں واحد کا صیغہ ہے۔

کل کفار : ہر وہ جو منعم اور اسکی نعمتوں کا زیادہ ناشکرا اور توحید کا منکر اور ایمان سے روگرداں بعض نے کہا کفار وہ ہے جو دوسروں کو کفر کی ترغیب دے (عنید) حق سے عناد کرنے والا حق کو جان کر اس سے انکار کرنے والا۔ عناد قبیح ترین کفر کو کہا جاتا ہے حضرت قتادہ نے فرمایا عنید بمعنی طاعت سے منحرف اور حضرت سدی رحمۃ اللہ نے فرمایا عنید عند سے مشتق ہے وہ ہڈی جو حلق میں پھنس جائے یا بمعنی خود بین اور المعاند خود بینی گویا یہ عندی کذا" سے ہے (عین المعانی)

المفردات میں ہے العنید بمعنی خود بین اور المعاند خود بینی پر فخر و نازاں العنود وہ جو اعتدال سے ہٹ جائے یعنی حق سے ہٹ جائے اور اسے جاننے کے باوجود رد کرے، مناع للخیر اور مال کو حقوق کی ادائیگی سے بہت زیادہ روکنے والا فرض (زکوٰۃ) ہو یا نفلی صدقات یعنی شر و امساک اس کی طبیعت بن چکی ہو جیسے کافر کو کفر ایسی عنید جس کا عناد طبیعت بن چکا ہو یا بمعنی جنس خیر کا بہت روکنے والا یہ کہ اس کے اہل کو پہنچے یعنی مال ان کے پہنچنے کو حائل ہو جائے اس معنیٰ پر المنع بمعنی عطیہ کا روکنا کہا جاتا ہے رجل مانع و مناع بمعنی بخیل کبھی اسے حمایت پر بھی بولتے ہیں اسی سے ہے مکان منیع بعض نے کہا یہاں پر

وغیرہ بمعنی اسلام ہے۔

شان نزول یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی جب وہ اپنے بھتیجوں کو اسلام سے روکتا اور کہتا تھا جو مسلمان ہوا اسے زندگی بھر خیر و بھلائی (مال وغیرہ) سے محروم رکھوں گا

حد سے تجاوز کرنے والا۔ الاعتداء سے ہے بمعنی حق سے تجاوز کرنا یعنی ظالم اور حق سے تجاوز کرنے والا اور اپنے اہل کا دشمن (مریب) اللہ تعالیٰ کے حق میں شک کرنے والا ایسے ہی دین میں اس معنی پر یہ نسبت کا صیغہ ہے بمعنی ذی شک و ریب یعنی شک میں ڈالنے والا بعض نے بمعنی متہم کہا۔

الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بنایا۔ یہ مبتدا متضمن بمعنی شرط ہے اور اس کی خبر فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ہے تو اسے عذاب شدید میں ڈالو یہ یا کل کفار سے بدل ہے اور فالقیاہ تکرار ہے تاکید کے لئے اور فاء میں اشارہ ہے کہ انہیں جہنم میں ڈالنا انہی صفات کی وجہ سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے لوگ حساب کے انتظار میں ہوں گے کہ جہنم سے ایک گردن نکلے گی جو کہے گی کہ میں تین شخصوں کے لئے مامور ہوں۔

(۱) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنانے والا

(۲) ناحق قتل کرنے والا

(۳) جبار و عنید

پھر لوگوں میں سے تینوں قسم کے لوگوں کو درمیان میں ایسے اٹھائے گی جیسے پرندہ زمین سے دانہ اٹھالیتا ہے پھر انہیں نار جہنم میں پھینک دے گی۔

فائدہ : تفسیر الفاتحہ الفناری میں ہے کہ حساب سے پہلے ایک آگ کی گردن نکلے گی اور لوگ حساب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے جو اپنے عرق میں غرق اور خوف سے ہراساں ہوں گے یہاں تک کہ دل پھٹنے کو ہوں گے تو اچانک وہی گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں اور فصیح زبان سے بولے گی اے میدان حشر والو میں تمہارے میں تین قسم کے لوگوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں یہ تین بار کہے گی ان تینوں میں ایک جبار عنید ہے۔ اسے صفوں میں سے ایسے اچک لیگی جیسے پرندہ تل کے دانے کو جب اس قسم کے لوگوں میں کوئی بھی میدان حشر میں نہ رہیگا پھر دوبارہ اعلان کرے گی کہ میں ان لوگوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے تھے انہیں بھی ایسے ہی اچک لے گی جیسے پرندہ تل کے دانے اٹھاتا ہے جب اس قسم کے لوگوں میں کوئی بھی نہ بچے گا پھر تیسری بار اعلان کرے گی کہ اے میدان حشر والو میں ان لوگوں

کے لئے مقرر ہوں جو اللہ کی تخلیق کی نقل اُتارتا ہے اس کے بعد تصویر کھینچنے والوں (فوٹو گرافرز) کو اچک لے گی۔
فائدہ: اہل تصاویر سے وہ فوٹو گرافرز مُراد ہیں جو عبادت گاہوں کی تصویریں بناتے ہیں تاکہ ان کی پرستش کی جائے۔ یا ان مجسموں کی کہ جن کی پرستش کی جائے۔ اتعبدون ما تنحتون میں بھی مجسمہ سازی مُراد ہے کیوں کہ وہ لکڑیوں اور پتھروں کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں اس کے بعد وہ فوٹو گرافرز رہ جائیں گے کہ وہ فوٹو پرستش کے لئے تو نہیں ویسے شوقیہ یا دوسرے مقاصد کے لئے (جیسے ہمارے عام فوٹو گرافرز اور تصویر کھینچنے والے) ان کو میدان حشر میں حکم ہوگا کہ جن کی تصویریں (فوٹو) بنائے تھے۔ ان میں روح پھونکو تاکہ وہ زندہ ہو جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکیں گے جیسے مصوروں تصویر کھینچنے والوں (فوٹو گرافروں) کے لئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ مصور (فوٹو گرافر) میدان حشر میں کافی عرصہ ٹھہرے رہیں گے اس انتظار میں کہ نا معلوم ہمارے لئے کونسی سزا مقرر ہوئی ہے اور ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ عرق میں غرق ہوں گے[۱]

تفسیر صوفیانہ آیت میں خواہشات اور دنیا کی طرف اشارہ ہے کہ جو ان کی پرستش کرتا اور انہیں معبود بناتا ہے اسے طلب دنیا پر حرص و غفلت کی سزا میں مبتلا کیا جائے گا۔

حضرت عطار رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

چشم گرسنہ سیر ز نعمت نمی شود
غربال را ز کثرت حاصل چہ فائدہ

ترجمہ: بھوک کی آنکھ نعمت سے سیر نہیں ہوتی چھلنی کو کثرت اناج کا کیا فائدہ

تفسیر عالمانہ قَالَ قَرِيْنُهٗ اس کا ساتھی اسے کہے گا۔ واؤ عاطفہ درمیان میں نہیں لائی گئی کیوں کہ پہلا خطاب انسان کو تھا اس کے قرین (شیطان) سے اور اس سے متصل تھا دوسرا جملہ مستانفہ ہے جس میں اس نے مخاطب کے ساتھ اتصال کے بغیر اللہ تعالیٰ سے کلام کیا مثلاً کہا (ربنا) الخ ایسے ہی لا تختصموا آنے والی آیت میں واؤ کا نہ لانے کی بھی یہی وجہ ہے ایسے ہی ما یبدل القول الخ میں بھی واؤ عاطفہ نہ لانے کی بھی یہی وجہ ہے کہ سب ایک نہج پر

---

[۱] فوٹو کشی۔ تصویر بنانے کی تفصیل فقیر کے رسالہ "اسود التعزیر فی تصویر التصویر" میں ہے (اویسی غفرلہٗ)

ہیں (برہان القرآن) یعنی وہ شیطان جس نے کافر کو دنیا میں بہکایا تھا۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جب کافر کو دوزخ میں ڈالیں گے تو کہے گا میرا اس میں کیا قصور جب کہ مجھ پر شیطان مسلط تھا اس نے ہی مجھے گمراہ کیا شیطان کو لایا جائے گا وہ آ کر اسکی تکذیب کرے گا اس گفتگو اور سوال محذوف پر "لاتختصموا" پر دلالت کرتا۔ (ربنا) اے ہمارے پروردگار ما اطغیتہ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا یعنی میں نے اسے گراہی میں نہیں ڈالا۔ الطغیان معنی عصیان میں حد سے متجاوز ہونا (ولکن کان) لیکن وہ خود بخود (فی ضلال بعید) بعید گمراہی میں تھا۔ یعنی حق سے کوسوں دور تھا کہ اس کا حق کی طرف لوٹنے کا امکان نہ تھا۔ پھر میں نے اغوار اور دعوت سے بلا اجبار واکراہ گمراہی میں اس کی مدد کی جیسے اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون دوسری جگہ پہ بیان فرمایا کہ شیطان گمراہوں کو کہے گا۔ "وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی" اور تم پر کوئی غلبہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے اسے قبول کر لیا۔

فائدہ: یاد رہے کہ شیطان کا اغوار اس پر اثر انداز ہوتا ہے جس کی اپنی رائے میں خلل اور فسق و فجور کی طرف مائل طریق حق سے بھٹکا ہوا اور حق تک پہنچنے میں کوسوں دور ہو۔

حدیث شریف میں ہے بے شک میں رسول ہوں میرے پاس کوئی ہدایت سپرد نہیں کی گئی یعنی میرا کام راہ بتلانا ہے آگے کسی کے لئے ہدایت پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے یعنی مفہوم انک لاتھدی من احببت کا ہے ورنہ آپ ہادی کس لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت کیلئے بھیجا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ انک لتھدی الی الصراط المستقیم (سورہ شوریٰ) بے شک تم سیدھے راستے کی ہدایت دیتے ہو۔ پھر فرمایا اگر ہدایت میرے سپرد ہوتی تو تمام دنیا والے ہدایت پر ہوتے (اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت کا اندازہ لگائیے کہ آپ کتنا کریم شفیق تھے کہ دنیا پر کسی کو گمراہ دیکھنا نہیں چاہتے۔

فائدہ: ابلیس کے ہاتھ میں بھی گمراہی نہیں اگر اس کے ہاتھ میں گمراہی ہوتی تو کوئی بھی دنیا میں ہدایت پیہ نہ ہوتا وہ تو صرف گمراہی سے مزین ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت و گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔

قال (فرمائے گا) یہ سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور اس شیطان کو کیا کہے گا جس نے کافر کو گمراہ کیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

لاتختصموا لدی میدان حشر اور حساب و جزاء میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے سامنے نہ جھگڑو کیونکہ اب جھگڑے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں بعض نے کہا کہ یہ جھگڑا کفار کا آپس میں ہوگا۔

سوال: یہاں جھگڑنے سے روکا جارہا ہے دوسری آیت جھگڑے کا ثبوت ہے چنانچہ فرمایا انکم یوم القیمۃ تختصمون بے شک تم قیامت میں جھگڑوگے۔

جواب: یہ عالم مومن کے لئے ہے جب کہ وہ آپس میں جھگڑیں گے تو ان کا جھگڑا سنا جائے گا اور کافروں کے جھگڑے کی نفی میدان حشر کے متعلق ہے اسی لئے آیت ان ذٰلک لحق تخاصم اھل النار بے شک یہ حق ہے جھگڑا اہل نار کا کفار کا یہ جھگڑا جہنم میں ہوگا اور وہ جھگڑنا بھی "لاتختصموا" کے منافی نہیں اس طریقہ سے آیات میں تطابق و توافق ہے نہ کہ تخالف۔

وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ اور بے شک میں نے تمہاری طرف پہلے ہی وعید بھیجی تھی یعنی کتابوں میں لکھ دیا اور رسل کرام علیہم السلام سے کہلوایا کہ دنیا میں طغیان سے بچ کر رہو اب تمہاری مجھ پر کوئی حجت نہیں فلہذا نجات کے متعلق معمولی امید بھی نہ رکھو جس حال میں ہو اسی میں رہوگے اب تمہارا باتیں بنانا اور عذرداری کرنا کسی کام کی نہیں جملہ حالیہ ہے نہی کی تعلیل ہے اب معنی یہ ہوا کہ جھگڑا نہ کرو کیوں کہ تمہارے ہاں ثابت ہوچکا اور تم جان چکے کہ میں نے تمہیں وعید سنادی تھی جیسا کہ ابلیس کو کہا تھا کہ "لاملئن جہنم منک وممن تبعک منہم اجمعین" اے ابلیس میں تمہیں اور تیرے تابعداروں سے جہنم کو پُر کردوں گا۔ اس کے باوجود تم نے ابلیس کی تابعداری کی اور حق سے منہ موڑا فلہذا اب جھگڑنا کیسا یہ جھگڑنے کا وقت نہیں یہ معنی اس لئے مقدر کیا گیا تاکہ حال بنانا صحیح ہو کیوں کہ حال کا ذی الحال کے قریب ہونا واجب ہے اور تقدیم الوعید دنیا میں اور اختصام آخرۃ میں ان کو آپس میں کوئی مقارنت نہیں۔ بار زائدہ یا تعدیہ کی ہے اور قدم بمعنی تقدم ہے۔

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ میرے ہاں قول یعنی وعد و وعید کی کوئی تبدیلی نہیں اب جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے یہ میرا وہ فیصلہ ہے جو میں نے ازل سے کر دیا۔ اب اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوگی۔

سوال: مجرموں کو معاف فرمادیتا ہے اگر ازل میں لکھا ہوتا تو پھر اب ان کی معافی کا کیا معنی۔

جواب: یہ بوجہ اسباب کے ہے جنہیں لکھ دیا تھا کہ اگر انہیں کام میں لائیں گے تو معافی ہو سکے گی تو یہ تبدیلی نہیں۔ علاوہ ازیں عفو کے دلائل وعید کو خاص کردیتے ہیں یعنی وہ وعید قابل تبدیلی نہیں جو کافروں کے متعلق ہے اسی لئے وعید کافروں کے لئے عام ہے۔

مسئلہ: جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بعض علماء کا مذہب ہے کہ خلف الوعید اللہ تعالیٰ سے جائز ہے بخلاف وعد کے (کہ وہ ناجائز ہے) (شرح العضد) اسے حدیث شریف رد کرتی ہے۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو کسی کام پر ثواب کا وعدہ ہے تو وہ ضرور پورا ہوگا اور کسی کو کسی برائی پر سزا کی وعید ہے تو پھر وہ اختیار میں چاہے سزا دے یا نہ اہل عرب اسے عیب نہیں سمجھتے

اور نہ اسے برا کہتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کرے تو بلکہ وہ اسے فضل وکرم سمجھتے ہیں بلکہ خلاف وہ ہے کہ وعدہ کرے پھر اسے عمل میں نہ لائے جیسے کسی نے کہا ہے

وانی اذا وعدتہ او عدتہ

لمخلف ایعادی و منجز موعدی

ترجمہ: اور بے شک جب میں نے اسے ڈرایا یا وعدہ دیا تو میں ڈرانے کے خلاف کرسکتا ہوں لیکن وعدہ ضرور پورا کرتا ہوں۔

فائدہ: حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا کہ الوعد والوعید حق، وعد و وعید حق ہے۔ وعدہ حق العباد علی العباد ہے اس کا وہ ضامن ہے کہ اگر وہ کام کریں تو وہ اسے ضرور پورا کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے ایفائے عہد کرنے والا اور الوعید اللہ تعالیٰ کا حق ہے بندوں پر مثلاً فرمایا یہ کام نہ کرنا ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا اسے بندوں نے کرلیا اب چاہے تو معاف کردے چاہے تو گرفت فرمائے کیوں کہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کے شان کے لائق یہی ہے کہ عفو و کرم فرمائے کیوں کہ وہ غفور رحیم ہے لیکن مشرک کو ہرگز نہیں بخشے گا اس لئے کہ مشرکین کو جو وعید سنائی تھی اسے وہ کر گزرے گا۔ اس کے ماسوا جسے چاہے بخش دے اس سے ثابت ہوا کہ اہل ایمان کے حق میں وعید کے خلاف کرتا ہے لیکن اہل حقائق کا دیگر کلام ہے جو اپنے مقام پر مذکور ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی بلاد آزمائش سے معافی دے۔

وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور میں بندوں کے لئے ظلم کرنے والا نہیں اور بندوں پر گناہ کے بغیر ظلم کرنے والا نہیں۔

سوال: جب گناہ کے بغیر کسی کو عذاب نہ کرنا ظلم نہیں ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اہل سنت کے قواعد میں ہے تو پھر اس سے ظلم کی نفی کا کیا معنیٰ۔

جواب: کمال نزاہت کا بیان ہے کہ وہ ذات وہ ہے کہ اس کے متعلق ایسا تصور بھی محال ہے۔ صیغہ مبالغہ اس معنیٰ کی تاکید کے لئے ہے کہ اس سے ظلم کا تصور کہاں۔

فائدہ: لفظ ظالم عبد (واحد) کے لئے اور ظلام عبید (جمع) کے لئے آتا ہے اور یہ کماً مبالغہ کے لئے ہے نہ کہ کیف کے لئے۔

سوال: بعض نے فرمایا کہ ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اس سے ظلم محال ہے لیکن جواز تو ثابت ہوتا ہے کیوں کہ نفی ظلامیتہ کی ہے یعنی بڑا ظالم نہیں تو (معاذ اللہ) ظالم تو ہوسکتا ہے

جواب: محققین نے یہی اختیار فرمایا ہے کہ مبالغہ نفی پر مسلط ہے نہ قید پر جیسے کہا جاتا ہے۔

ما انا یکذب میں جھوٹا نہیں ایسے ہی اس کا اصل بھی یہیں بظالم تھا پھر اس کی نفی مبالغہ کی طرف منتقل ہوئی ہے تو مبالغہ نفی کی طرف منتقل ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے ظلم کی نفی ہے۔ دو گنی تاکید کے ساتھ اگر نفی صیغہ مبالغہ پر داخل ہو یا منظور کہ ظالم کو اپنے معنیٰ میں دوگنا کیا گیا نفی کے بغیر اس کے بعد ہی اس پر نفی داخل ہوئی تو معنیٰ یہ ہوگا کہ ظلم کا دوگنا ہونے کی نفی کی گئی ہے اس سے اصل کی نفی لازم نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ تو مطلقاً ظلم سے منزہ ہے خود فرماتا ہے میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام فرمایا ہے اور اپنے بندوں پر بھی فلہذا اے میرے بندو ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو اور فرماتا ہے میرا غضب اس پر سخت ہو جاتا ہے جو ایسے شخص پر ظلم کرتا ہے جس کا میرے سوا کوئی حامی کار اور مددگار نہیں۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میری دو دعائیں ہیں ان میں سے ایک کی قبولیت کی امید رکھتا ہوں جیسے اس کی دوسری سے ڈرتا ہوں۔

(۱) مظلوم کی دعا کہ جس کی میں مدد کروں۔

(۲) کمزور کی دعا کہ جس پر میں ظلم کروں۔

حکایت سمرقند کے بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے دارالعلوم کے طالبعلموں سے امتحان خود لیتا اور باباران کے تین درجے تھے (۱) اعالی (۲) اوساط (۳) ادانی (دھترڈ)

امتحان کیلئے مدرسین کے سوا دیگر ایسے علماء فاضل جو عدل وانصاف والے ہوں مقرر کرتا تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو کر کسی کا نمبر گھٹا بڑھا نہ دوں وہ اسے کفر فی الدین سمجھتا تھا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں خواہی کہ ضر دا بری بہتری
مکن دشمن خویشتن کہتری

کہ چون بگذرد برتو این سلطنت
بگیرد بقہر آن گدا دامنت

ترجمہ (۱) جب تم چاہتے ہو کہ کل سرداری لے جاؤ تو تم دشمن کو حقیر نہ سمجھو

(۲) کہ جب تجھ سے یہ سلطنت چھن جائیگی تو گدا دامن گیر ہو کر تجھے قہر و جبر سے پکڑے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ بہشت میں اور یہ دوزخ میں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں اور یہ قول تبدیل نہ ہوگا یعنی جنتی کو جنت اور دوزخی کو دوزخ ضروری ہوگی اگر اس کے برعکس ہو جائے یعنی بہشتی دوزخ میں اور دوزخی دوزخ میں تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا اسلئے کہ جنت دارالجمال اور وہ مومنین کا ٹھکانہ ہے اور نار دارالجلال اور کافروں کا ٹھکانہ ہے جیسے قلب اوصاف حمیدہ کا اور نفس اوصاف ذمیمہ کا مرکز ہے اسی لئے نفس کے اوصاف قلب کی جنت میں داخل نہ ہوں گے ایسے ہی اس کے برعکس اس کے نور و ظلمت کا اجتماع محال ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ○ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ
غَيْرَ بَعِيْدٍ ○ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ○ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ
بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ○ نِ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ○ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا
مَزِيْدٌ ○ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ
هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ
شَهِيْدٌ ○ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ
لُّغُوْبٍ ○ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ
الْغُرُوْبِ ○ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ○ وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ
مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ○ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ○ اِنَّا نَحْنُ
نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ○ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ
عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ○ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ
يَّخَافُ وَعِيْدِ ○

ترجمہ: جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے کیا تو بھر گئی وہ عرض کرے گی کچھ اور زیادہ ہے اور پاس لائی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے کہ ان سے دور نہ ہوگی یہ ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ہر رجوع لانے والے نگہداشت والے کے لئے جو رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہے اور رجوع کرتا ہوا دل لایا ان سے فرمایا جائے گا جنت میں جاؤ سلامتی کے ساتھ یہ ہمیشگی کا دن ہے ان کے لئے ہے اس میں جو چاہیں اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے اور ان سے پہلے ہم نے کتنی سنگتیں ہلاک فرمادیں کہ گرفت میں ان سے سخت تھیں تو شہروں میں کاوشیں کیں ہے۔ کہیں بھاگنے کی جگہ بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنایا اور تکان ہمارے پاس نہ آئی تو ان کی باتوں پر صبر کرو اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج چمکنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور کچھ رات گئے اس کی تسبیح کرو اور نمازوں کے بعد اور کان لگا کر سنو جس دن پکارنے والا پکارے گا ایک پاس جگہ سے جس دن چنگھاڑ سنیں گے حق کے ساتھ یہ دن ہے قبروں سے باہر آنے کا بیشک ہم جلائیں اور ہم ماریں اور ہماری طرف پھرنا ہے جس دن زمین ان سے پھٹے گی تو جلدی کرتے ہوئے نکلیں گے یہ حشر ہے ہم کو آسان ہم خوب جان رہے ہیں جو وہ کہہ رہے ہیں اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں تو قرآن سے نصیحت کرو اسے جو میری دھمکی سے ڈرے۔

تفسیر عالمانہ **یَوْمَ** اے سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی قوم کو یاد دلایئے یہ ان سب کو مشتمل ہے جو یاد دلانے کے لائق ہیں اس دن **نَقُوْلُ** ہم کہیں گے اپنی عظمت سے **لِجَہَنَّمَ** جہنم کو یعنی دارالعذاب (اور اللہ پاک ہے) بعض گنہگاروں کو **ھَلِ امْتَلَاْتِ** کیا تو پُر ہو گئی ان سے جو میں نے تجھ میں ڈالے ہیں اور میں نے اپنا وعدہ پورا کر لیا جیسا کہ کہا تھا۔ لاملئن جہنم اور میں جہنم کو پُر کروں گا اور بہشت و دوزخ ہر دونوں کو کہا تھا کہ تم دونوں کو پُر کروں گا یہ سوال اللہ تعالیٰ سے اپنی خبر کی تصدیق اور وعدہ کی تحقیق کے لئے اور اہل عذاب کی آگاہی اور تمام بندوں کو تنبیہ کے لئے ہے **وَتَقُوْلُ** اور جہنم کہے گی جواب دیتے ہوئے استفہام تاد یاً ہے تاکہ جواب سوال کے موافق ہو **ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ** کیا کچھ اور ہے یعنی جن و انسان اور ۔ مزید محید کی طرح مصدر ہے اس معنی پر معفول کے صیغہ کی طرح ہے یوم ظرف ہے فعل مقدر کے لئے جو مؤخر ہے یعنی وہ اس میں ایسے سنگین حالات اور ہولناکیاں ہوں گی جن کا بیان نہیں ہو سکتا ۔

فائدہ ۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ سوال و خطاب مبنی بر حقیقت ہے یا مجاز ہے بعض نے کہا مبنی بر حقیقت ہیں کہ دوزخ کو اللہ تعالیٰ اسی طرح بولنے کی طاقت دے گا جیسے انسان کے اعضاء کو یہی مختار مذہب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پہ قادر ہے اور جملہ امور آخرت کے چھوٹے بڑے دنیا کے امور سے مختلف ہیں فلہٰذا ان کا ان پر قیاس نہ کیا جائے احادیث بھی ان کی حقیقت پر دلالت کرتی ہیں اسی لئے حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف عدول کی کوئی وجہ نہیں مثلاً حشر میں دوزخ کی آوازیں اور اس کا ہجوم لوگوں پر اور اسے ملائکہ کا زنجیروں سے کھینچنا اور اس کا مومن کو کہنا کہ اے مومن مجھ سے جلد گزر جا اس لئے کہ تیرا نور میرے شعلے بجھا رہا ہے اور دیگر روایات دلالت کرتی ہیں کہ دوزخ میں حقیقی حیات ہے تو پھر تعجب کیوں دونوں داروں (جنت اور دوزخ) کے متعلق جو ان سے عجیب شانیں اور نادر افعال ظاہر ہوں گے بلکہ حقیقی حیات تو آخرت میں ہے بعض نے کہا کہ دوزخ کا سوال و جواب بطریق تمثیل و تخییل ہے تاکہ دوزخ کے امور کی ہولناکی مدنظر ہو یعنی اس کا ہول دل پر اثر انداز ہو اور تنبیہ ہو یعنی اس کی یہ حیثیت ہے کہ اگر اس کو یہ کہا جائے گا تو وہ یہ کہے گی اور اس کا حال نطق (بولنے) جیسا ہے ۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں ؎

امتلا الحوض و قال قطنی

مہلا مرویدا قد ملأت لبطنی

ترجمہ : حوض بھر گیا اور کہا ٹھہر و رک جاؤ میرا پیٹ پُر ہو گیا ہے ۔

یعنی دوزخ کی وسعت و پہنائی اور اس کے اطراف و اقطار کے باوجود جب اس میں جن وانس

فوج در فوج ڈالے جائیں گے یہاں تک کہ وہ بھر جائے گی یہاں تک کہ اب اس میں کسی شے کی گنجائش نہ رہے گی اور نہ ہی بڑھائی جا سکے گی۔ اس تقریر پر استفہام تقریر کے معنی اور زیادتی کی نفی کے لیئے ہے گویا وہ کہے گی کیا اب مجھ میں کوئی ایسی جگہ ہے جو اسمیں گنجائش ہو یعنی کہے گی کہ میں پُر ہو گئی ہوں اور میرے متعلق جو تیرا وعدہ تھا وہ مجھے حاصل ہو گیا اب اس مرحلہ میں ہوں کہ میرے میں سوئی کے برابر بھی جگہ نہیں یعنی میں پُر ہو گئی اب زیادتی کی کوئی گنجائش نہیں گویا اس سے ایک مثال کے طور پر کہا گیا کہ جہنم پُر ہو جائے گی یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق ہے فرمایا انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین (اے عیسیٰ علیہ السلام کیا تم نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ۔) یہ سوال بھی تقریر کا ہے نہ کہ استفہام کا ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم فتح مکہ فرمایا ھل بقی لنا عقیل دارا یعنی کوئی دار باقی نہیں رہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہنم کفار اور عاصیوں پر غیظ و غضب کے طور کہے گی گویا وہ زیادہ سے زیادہ کفار اور عاصیوں کا مطالبہ کرے گی یا اس سے سوال اس کی زیادتی کی حقیقی استدعا کے لئے ہے کیوں کہ وہ اتنا فراخ ہے کہ اسمیں جتنا مخلوق گرائی جائے گی تو اس میں ایسے نظر آئے گی جیسے انگشتری کا حلقہ دریا میں۔ یعنی دوزخ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گی اور ڈالو اور ڈالو اللہ تعالیٰ اس میں کافروں کو ڈالے گا تو پُر ہو جائے گی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ بتانا ہے کہ جہنم اتنا وسیع ہے کہ اس میں جتنا داخل ہوتے جائیں گے پھر بھی اس میں بہت سی جگہ فارغ پڑی رہے گی۔

سوال: یہ تقریر تو لاملئن جہنم کے خلاف ہے کیوں کہ اس میں وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو پُر کرے گا اور تمہاری تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جگہ ابھی بچ جائے گی۔

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ جہنم میں جوں جوں بندے ڈالے جائیں گے توں توں وہ کہتی جائیگی ھل من مزید (کچھ اور) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک (واللہ اعلم) اس میں رکھے گا تو دوزخ کا تمام حصہ ایک دوسرے سے مل جائے گا یعنی اس کا پُر ہونا مکمل ہو جائے گا اب سوال دفع ہو گیا۔

این قدم حق را بود کو را کشد
غیر حق را کہ گمان او کشد

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ قدم ڈالے گا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کیا معلوم کہ وہ کیسے ڈالے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حتیٰ کہ رب تعالیٰ یا رب العرش اپنا قدم اسمیں رکھے گا تو وہ کہے گی قط۔ قط۔ مجھے کافی ہے مجھے کافی ہے (بس) تیری عزت کی قسم۔

حل لغات یزوی بزاو معجمہ بصیغہ مجہول بمعنی یضم و یجمع یعنی پُر ہو کر ایک حصہ دوسرے حصے سے مل جائے گا۔

حدیث شریف کا آخری حصہ ہے کہ بہشت میں جگہ بچ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جسے جنت کے بقایا حصہ میں ٹھہرائے گا۔

بہشت و دوزخ کا مناظرہ

(حدیث شریف) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت و دوزخ کا جھگڑا ہوگیا دوزخ نے کہا میرے میں بہت بڑے متکبر اور جابر لوگ آئیں گے اور بہشت نے کہا میرے میں نہایت ہی کمزور داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اے بہشت تو میری رحمت ہے تیرے ساتھ اپنے بندوں پر رحم فرماؤں گا جسے چاہوں گا اور دوزخ سے فرمایا اے دوزخ تو میرا عذاب ہے اپنے بندوں کو تیرے ساتھ عذاب دوں گا جسے چاہوں گا اور تم دونوں کو پر کروں گا دوزخ میں جب جہنمیوں کو ڈالا جائے گا تو وہ کہے گی ھل من مزید (کیا اور کوئی ہے) تو بالکل پُر نہ ہو سکے گی تو اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں اس میں رکھے گا تو وہ کہے گی قط۔قط (بس۔بس) اس وقت وہ پُر ہو جائے گی اور اس کا ایک حصہ سمٹ کر دوسرے حصہ سے مل جائے گا اور اپنی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ لیکن بہشت میں بچی ہوئی جگہ کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا

اللہ تعالیٰ کے قدم کی تحقیق

(۱) القاموس میں ہے حتی یضع رب العزت فیھا قدمہ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے اشرار بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا اور وہی اللہ تعالیٰ کے قدم ہیں دوزخ کے لئے جیسے اخیار لوگ اللہ تعالیٰ کے قدم ہیں جنت کے۔

(۲) قدم رکھنے سے اسے ہٹانا اور دفع کرنا مراد ہے یعنی دوزخ کے ہاں اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا جو اسے زیادہ طلبی سے روکے گا جیسا کہ بحرالعلوم میں ہے کہ وضع القدم علی الشیئ روکنے اور دفع کرنے کے لئے مثال دی گئی ہے

(۳) بعض نے کہا اسے اللہ تعالیٰ دوزخ پر جبروت سے اہانت کا کوڑا مارے گا اور دوزخی دو قسم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے (۱) گرمی شدید (۲) زمہریر (سخت سردی)۔

ابلیس کو عمومی عذاب زمہریر کا ہوگا کیونکہ جس شے پر جس شے کا غلبہ ہوگا اس کو اس کے برعکس عذاب ہوگا کیونکہ ابلیس کی اصل خلقت نار سے ہے اسی لئے اسے زمہریر سے عذاب دیا جائے گا۔

(۴) ابن ملک نے فرمایا کہ وضع القدم سے مراد اسے دفع کرنا اور اس کا جوش مٹانا ہے جیسے تم کہتے ہو وضعت اجلی علی فلاں یعنی میں نے اس پر قہر و جبر کیا۔

(۵) الکواشی میں ہے کہ قدم سے مراد وہ شے ہے جو سبقت کر جائے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے سبقت رحمتی علی غضبی میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی۔

(۶) بعض نے کہا کہ القدم ایک قوم ہے جس کا نام قدم ہے ایسے ہی الرجل سے لوگوں کی ایک جماعت مراد ہے اگرچہ اس کی وضع ٹڈیوں کی ایک کثیر جماعت کے لئے ہے لیکن بطور استعارہ لوگوں کی جماعت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ بعید از قیاس بھی نہیں۔

(۷) بعض نے کہا کہ اس سے بعض مخلوق کے قدم مراد ہیں اور اپنی طرف اضافت سے اس کی تعظیم مراد ہے جیسے فرمایا۔ فنفخنا فیہ من روحنا (تو ہم نے اس میں روح پھونکی) اس میں پھونکنے والے تو جبریل علیہ السلام تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

(۸) عین المعانی میں ہے کہ القدم قدیم کی جمع ہے جیسے ادیم کی جمع ادم ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ جو پہلے تھے یا وہ لوگ جنہیں جہنم میں پہلے بھیجا۔

(۹) ایک روایت قدمہ (بکسر القاف) یعنی وہ قوم جو آدم علیہ السلام سے پہلے دنیا میں تھی اور رجلی کا لفظ بھی مروی ہے یعنی لوگوں کی ایک جماعت۔

(۱۰) بعض نے کہا کہ قدم ایک جماعت ہو گی جسے اللہ تعالیٰ جہنم کے لئے پیدا فرمائے گا۔

فائدہ : قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہی تمام تاویلات سے زیادہ ظاہر ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اہل جنت کی جگہیں جہنم میں خالی ہو جائیں گی اور یہ بھی منقول نہیں کہ اس کے اہل انہی جگہوں کے وارث ہوں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ اپنے عذاب کے لئے جسے چاہے عذاب دے ہاں اہل جنۃ اہل نار کی خالی جگہوں کے وارث ضرور ہوں گے یہ جگہیں انہیں اس کے سوا ہوں گی جو انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے عطا ہوں گی اور انہیں کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے لئے جسے چاہتا ہے مخصوص فرماتا ہے یہ اس کے قول سبقت رحمتی علی غضبی" میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی) کے نتائج سے ہے اسی لئے ان خالی جگہوں کیلئے ایک مخلوق پیدا فرمائے گا (جسے قدم سے تعبیر کیا گیا) جن کا ایسا مزاج ہو گا کہ اگر وہ بہشت میں اس مزاج کے ساتھ داخل ہوں تو بھی انہیں بہشت عذاب محسوس ہو اسی لئے ایسوں کو دوزخ کی خالی جگہوں میں رکھے گا۔

سوال : جب ان کا مزاج ناری ہے تو انہیں عذاب تو ہو گا نہیں پھر جہنم میں رکھنے کا کیا فائدہ۔

جواب : جہنم کو پُر کرنے کا وعدہ ہے اس میں یہ ضروری نہیں کہ عذاب بھی ہو یہ اس کی قدرت ہے کہ بندوں کو جہنم میں بھیجے اور انہیں عذاب بھی نہ ہو۔

فائدہ : بعض اکابر نے فرمایا کہ جہنم میں کوئی ایسے درکات نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مخصوص کر رکھے ہوں اور نہ ہی عذاب جو اللہ تعالیٰ اسے مخصوص ہو کیوں کہ ہم نے کوئی ایسی روایت نہیں دیکھی جس میں ہو۔

اختص بنعمتہ من یشاء (مخصوص عذاب جسے چاہے دے) جیسے ہم نے رحمت کے لئے پڑھا ہے۔ یختص برحمتہ من یشاء (اپنی رحمت سے مخصوص فرماتا ہے جسے چاہتا ہے) خلاصہ یہ کہ اہل نار اپنے اعمال سے ہی عذاب پائیں گے دوسروں کے عذاب میں مبتلا نہ ہوں گے۔ ہاں اہل جنۃ کو ان کے اپنے اعمال سے بھی نعمتیں نصیب ہوں گے دوسروں کے اعمال سے بھی جو یہ ایک خصوصی جنّت سے نوازا جائے گا

(اہل جنۃ کی تین جنتیں) اہل سعادت کو تین جنات نصیب ہوں گی۔

(۱) جنات الاعمال جیسے اہل شقاوت کو اعمال کی جہنم نصیب ہو گی۔

(۲) جنۃ الاختصاص

(۳) جنۃ المیراث یہ وہی ہے کہ جو درجات اہل نار کے نام نامزد تھے اب وہ تو اپنے اعمال کی نحوست سے دوزخ میں چلے گئے ان کے درجات اہل جنۃ کو بطور میراث نصیب ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیاً) یہ وہ بہشت ہے جو ہم متقی و پرہیزگار بندوں کو وراثت کے طور عطا فرمائیں گے۔

فائدہ: یاد رہے جن وانس کے ہر فرد کے لئے بہشت میں اللہ تعالیٰ نے مقام مقرر فرمایا ایسے ہی دوزخ میں یہ بوجہ اس کے امکان اصلی سے ہے کیوں کہ قبل از وجود ممکن تھا کہ وہ ہمیشہ عدم میں رہتا یا اسے دولت وجود نصیب ہو اسی حقیقت پر اس میں نعمت کے قبول اور عذاب کے قبول کی ہر دونوں صلاحیتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولو شاء لہدٰاکم اجمعین" اگر چاہے تو وہ سب کو ہدایت دے (اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک میں ہدایت کی صلاحیت ہے ایسے ہی گمراہی کی) یعنی تمام انس وجن دونوں ہدایت وگمراہی کی صلاحیت کو قبول کرنے والے ہیں لیکن ازل میں ایک بات طے کرلی اور اس کا علم ہر ایک کے لئے سبقت فرمایا اور اس کی مشیت کا نفاذ ہو چکا اب اس کے امر کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے حکم کو کوئی پیچھے ہٹا سکتا ہے

فائدہ: کسی آیت و روایت میں نہیں کہ ان اہل نار کے کوئی اور وارث ہوں گے جو بہشت میں چلے گئے اور ان کی جگہیں خالی ہوگئیں یہی اس کا عام فضل ہے کہ خالی جگہوں کا وارث اہل نار میں سے کو نہ بنایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر ناری اپنے اعمال سے ہی نار میں جائے گا۔ اور وہ جگہیں جنہیں اہل جنت چھوڑ گئے کہ اگر وہ ناری ہوتے تو وہ انہیں ہوتے ان جگہوں کے لئے اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرمائے گا خود ان میں رہے گی لیکن وہ مخلوق ایسے مزاج کی ہو گی کہ اگر وہ بہشت میں ہوتی تو انہیں بہشت کی رہائش عذاب بن جاتی یہی سر ادہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کی کہ دوزخ میں اللہ تعالیٰ اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی قط۔ قط۔ (حسبی حسبی) بس بس پھر اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

کیا تو بھر گئی ہے عرض کرے گی کچھ اور ہیں (یہی مراد ہے جو اوپر مذکور ہوا) یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہر دونوں کو پُر کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ اسے مخلوق سے پُر کرے گا اور یہ بھی شرط نہ تھی کہ جو دوزخ میں داخل ہو گا اسے عذاب دے گا اور جو بہشت میں ہو گا اسے نعمتیں دے گا۔

جنۃ کی وسعت جنت بہ نسبت دوزخ کے زیادہ وسیع ہے اس لئے کہ آسمان اور زمینیں اس کی صرف چوڑائی ہیں تو اس کے طول کو خود سمجھ لیجئے۔ بہشت دوزخ کے لئے بمنزلہ محیط الدائرہ کے ہے اور نار کا عرض اس خط کی مقدار میں ہے جو فلک الکواکب الثابتہ کے دو قطر کے دائرہ کو جدا کرتا ہے کہاں دوزخ کی تنگی کہاں بہشت کی وسعت اس کی وسعت کا سبب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص کرم سے جنات عطا فرمائے گا اسی اختصاص الٰہی کی وجہ سے بہشت وسیع بنائی گئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہشت میں ابھی کافی جگہ بچ جائے گی جس کے لئے اللہ نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو اس میں آکر بسیں گے یہی جنات الاختصاص ہے اسے دوسرے قدم سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم بہشت میں رکھے گا تو وہ پُر ہو گی یعنی یہی نئی مخلوق جو بہشت میں آکر آباد ہو گی جسے ہم نے جنات اختصاص سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ: یہ بھی اس کا خاص کرم ہے کہ دوزخ میں دوزخی صرف اپنے اعمال سے ہی داخل ہوں گے۔

سوال: قرآن میں ہے زدناهم عذابا فوق عذاب ہم انہیں بڑھائیں گے عذاب پر عذاب۔

جواب: ہاں یہ ائمہ مُضلین (گمراہ کرنے والے) کیلئے ہے مخصوص گروہ کا حکم عام نہیں ہوتا۔

اعجوبہ انقضائے مدت سزائے اعمال کے بعد وہی دوزخ دوزخیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے درد و آلام کا احساس جاتا رہے گا باوجودیکہ وہ دوزخ میں ہوں گے اور دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے اس سے نہ نکلنے کا حکم ہے صرف ان سے وہ روح خالی کر لی جائے گی جو درد و آلام کا احساس کرتی ہے پھر نہ مریں گے نہ جئیں گے ایک ایسا گروہ بھی ہے کہ اسے عذاب و عمل کے درمیان مدت کی مقدار خیالی نعمت عطا فرمائے گا جیسے انسان خواب میں خود کو نعمتوں میں پاتا ہے تو وہ بھی خیالی نعمتیں ہیں ان کے اجسام کے چمڑے آگ کی جلن محسوس نہیں کریں گے کیوں کہ اس دوران ان سے آگ کے اثرات ان کے حق میں مفقود ہوں گے ان کا حال ان لوگوں کا ہو گا کہ جو دوزخ میں (دائمی رہنے کے) اہل نہیں تھے محض سزا کے طور بھیجا گیا تو وہ دوزخ میں پہنچتے ہی مر جائیں گے اسی لئے وہ آگ کے اثرات محسوس نہیں کریں گے (یہ تمام حدیث مکمل امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہے یہ بھی اس کا فضل و رحم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) کہتا ہے کہ انسان کامل (ولی اللہ) دو قدم ہوتے ہیں۔ (۱) قدم الجلال (۲) قدم الجمال
پہلے سے دوزخ کو پُر کرتا ہے دوسرے سے بہشت کو۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ جہنم اہل طبیعت اور نفس کا مقام ہے۔ یعنی نفس قدم جلال کا مظہر ہے اور جنۃ اہل روح اور سر کا مقام یعنی وہ قدم جمالی کا مظہر ہے اور اعراف اہل قلب کا مقام ہے کیوں کہ اعراف و قلب کو آپس میں مناسبت ہے اس حیثیت سے کہ جیسے اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان برزخ ہے ایسے ہی قلب طبیعت و نفس اور روح و سر کے درمیان برزخ ہے اور انسان کامل کے لئے ایک نشاۃ جنانیہ رُوحانیہ اور ایک نشاۃ دنیویہ جسمانیہ ہے اور بہشت میں مرتبہ روح و سر سے داخل ہو گا تو اس کی صورت طبیعہ ونفسیہ نشاۃ عنصریہ کے ساتھ متعلق رہے گی اللہ تعالیٰ جہنم کو اس بقیہ کے ساتھ پُر فرمائے گی یعنی اس کی جلالیت کے مظاہر اسی سے ظاہر ہوں گے اسی سے انہیں پُر کرے گا یہاں تک کہ وہ کہے گی قط۔ قط۔ (بس بس) جب تک انسان میں یہ تجلی ظاہر نہیں ہوتی تو جہنم کہتی رہتی ہے ھل من مزید قدم الجبار سے بھی یہی مراد ہے (کذا فی الحدیث)

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے الفکوک میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے خبر دی گئی ہے کہ وہ قدم جو جہنم میں رکھا جائے گا وہ اس عالم دنیا میں کاملین (اولیاء کرام) کے صورتوں میں موجود ہے کہ نشاۃ جنانیہ میں ان کی مصاحبت نہیں کرتا اسے قدم سے اس لئے کنایہ کہا گیا کہ اسے انسان کے ساتھ ایک شریف مناسبت ہے وہ اس لئے کہ قدم انسان کا صورۃً اعضاء کا آخری ہے ایسے ہی انسان کی صورۃ عنصریہ کا مطلق صورۃ انسانیہ کا آخری اعضاء ہے کیوں کہ تمام عالم کی صورتیں مطلق حقیقۃ انسانیہ کی صورۃ کے اعضاء ہیں اور یہ نشاۃ (دنیا) آخری صورت ہے جس سے حقیقت ظاہر ہوتی ہے اسی سے ہی جملہ صورتیں ایسی قائم ہیں تم کہہ سکتے ہو کہ گویا وہ اعضاء کی طرح ہیں۔

دوسری تقریر شیخ اکبر قدس سرہٗ کی

فرمایا کہ جنت انسان کامل کے لئے گنجائش نہیں رکھتی (یعنی انسان کامل کی پہنائی فراخی بہشت سے زائد ہے) انسان کامل کا جنت میں اتنا ہے جو جنت کے لائق ہے اور اسی طرح ہر عالم میں ہے جتنا اس عالم کے لائق اور وہ جو عالم حق سے استمداد کرتا ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق انسان سے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر انسان سے جہنم خالی ہو تو سرے سے جہنم رہے ہی نہ اسی طرف قدم جبار کا اشارہ ہے وہ قدم جو حدیث میں مذکور ہے۔

صاحب عرائس البیان رحمۃ اللہ کی تقریر

حضرت الشیخ روز بہان البقلی قدس سرہ نے عرائس البیان میں لکھا کہ جہنم جنۃ کی طرح اللہ تعالیٰ کی مشتاق ہے۔ اللہ تعا

اس کے شوق کو دیکھ کر تجلی خاص کے ساتھ اس پر قدم کے قہر کے سطوات کا بوجھ رکھتا ہے تو عظمت حق سے پُر ہوجاتی ہے وہ اسی عظمت سے لاشی ہو جاتی ہے اسی آن جہنمیوں کو خاص لطف نصیب ہو جاتا ہے جلال عظمت اور قدم قدیم کے انوار کی رؤیت سے اسی وقت اس کی آگ پھول گلاب کی طرح ہو جاتی ہے تو پھر جیسے نفس کو کوئی شے سیر نہیں کر سکتی اور ہمیشہ زیادتی کی طلب میں رہتا ہے ایسے ہی اس کی وہ صورۃ جو دارالعذاب ہے بھی زیادتی کی طلب رہے گی تو وہ دونوں ایک ہی طریقے کے ہیں لفظ اور معنیٰ کی طرح ہے یعنی نفس انسانی دنیا و شہوات کا حریص ہے جب اسے اس میں سے کچھ مل جائے پھر اس سے پوچھا جائے کچھ گزارا ہوا ہے وہ کہتا ہے کوئی اور بھی شہوات کی چیزیں ہیں تو دیدو یہی وجہ ہے کہ عام ابن آدم کے پیٹ کو مٹی ہی سیر کرے گی ؎

۱ : آن شنیدستی کہ در صحرائے غور

پارسائے در افتاد از ستور

۲ : گفت چشم تنگ دنیا دار را

یا قناعت پر کند یا خاک گور

ترجمہ :(۱) وہ تو تم نے سُنا ہو گا کہ غور کے جنگل میں ایک نیک آدمی سواری سے گر پڑا۔

(۲) کہا کہ دنیادار کی تنگ آنکھ کو یا قناعت پر کرے یا قبر کی مٹی۔

نکتہ : حرص انسانی حب الٰہی کا پوست ہے بلکہ عین محبت ہے جب وہ دنیا اور شہوات کی طرف متوجہ ہو تو اس کا نام حرص ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے قرب کی طرف متوجہ ہو تو اس کا نام محبت ہے جو حرص دنیا و شہوات میں جتنا بڑھتا ہے اتنا حب الٰہی سے کم ہو جاتا ہے اور جتنا حرص سے کم ہوتا ہے اتنا محبت میں بڑھتا ہے جب محبت کی آگ کے شعلے اٹھتے ہیں تو دنیا و آخرت کی محبوب اشیاء کے ڈالنے سے اس کے شعلے نہیں بجھتے بلکہ لکڑیوں کی طرح جل جاتی ہیں اور پھر اس کا بعض دوسرے سے ملتا ہے تو کہتا ہے۔

قط۔ قط، بس، بس (تا ویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ اور قریب کی جائے گی جنت (لغات) الازلاف یعنی نزدیک کرنا لِلْمُتَّقِيْنَ متقین یعنی کفر و معاصی سے بچنے والوں کیلئے یہاں تک کہ وہ موقف (میدان حشر) سے اسے دیکھ رہے ہوں گے اور جو اس کے اندر قسم قسم کے بہترین چیزیں ہیں سب سے آگاہ ہو جائیں گے اس پر خوش ہوں گے کہ اب ہم اس کے اندر جا کر فائز ہوں گے غَيْرَ بَعِيْدٍ نہ دور، یہ ازلاف کی تاکید ہے یعنی وہ جگہ دور نہ ہو گی یہاں تک کہ اسے آنکھوں سے دیکھیں گے داخل ہونے سے پہلے یعنی ایسی شے جو دور ہو جیسے تم کہتے ہو "قریب غیر بعید" وہ قریب ہے

دور نہیں وعزیز غیر ذلیل وہ معزز ہے ذلیل وخوار نہیں وغیرہ وغیرہ ۔ وہ مثالیں جو تاکید کے لئے بولی جاتی ہیں ۔ غیر بعید کا منسوب ہونا علی الظرفیۃ یا حال ہو کہ ہے یعنی حال کو نہا غیر بعید" درانحالیکہ وہ بہشت دور نہیں ہوگی ۔ پس ازلاف بمعنی دیکھنے کے قریب کرنا اور غیر بعید دخول کو قریب کرنا تو پھر ان پر حساب دینا آسان ہو جائے گا بعض خوش قسمت تو وہ ہوں گے جن کا حساب ہوگا ہی نہیں ممکن ہے کہ اس کی تذکیر بوجہ مصدر کے وزن کی وجہ سے ہو کیوں کہ اس میں تذکیر وتانیث یکساں ہیں جیسے زئیر وصلیل یا جنۃ کو بستان کی تاویل میں لیکر غیر بعید لایا گیا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں خواص المتقین کے قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اجسام سے دنیا میں ہیں لیکن قلوب سے آخرت میں ہیں ۔ ع :

جنت نقد است اینجا عیش وعشرت وحضور

جنت قریب ہے یہاں عیش وعشرت وحضور ہے ۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ متقین کو بہشت ایسی قریب کی جائے گی جیسے دوزخ کو زنجیروں سے کھینچ کر میدان حشر میں جہنمیوں کے لئے لائی جائے گی بعض نے کہا کہ جنت کے قریب کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ جنتیوں کو اس کی طرف جانا آسان ہوگا اور متقین سے خواص حضرات مراد ہیں اور وہ تین قسم ہیں ۔

(۱) پیدل وہ حضرات جن کے بارے میں کہا گیا **وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا** اور اپنے رب سے ڈرنے والوں کو جنت کی طرف ٹولیاں بنا کر چلایا جائے گا اور یہ عوام المومنین ہوں گے ۔

(۲) دوسرے وہ حضرات ہوں گے جو اپنی طاعات کی سواریوں پر سوار ہو کر بہشت کی طرف جائیں گے ۔ وہ طاعات حیوانوں کی صورت میں بنا دی جائیں گی یہ خواص المومنین ہوں گے ۔

(۳) خاص الخاص وہ حضرات ہوں گے جنہیں بہشت قریب کر دی جائیگی انہیں جنت بعید نہیں بلکہ وہ بعید ہیں کہ ملیک مقتدر کے ہاں مقعد صدق میں ہوں گے یعنی ایسے لوگوں کو بہشت سے اونچے مقام میں رکھ کر بہشت قریب کر دی جائے گی اور انہی کے لئے کہا گیا کہ بہشت ان سے بعید نہیں ۔

تفسیر عالمانہ

ھٰذَا مَا تُوعَدُونَ یہ وہ ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے رہے یعنی ان متقین کا یہ حال ہوگا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف یا ملائکہ کرام کی زبان سے کہا جائے گا جب جنت اور اس کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا رہا یہ ہذا کا اشارہ ثواب کی طرف یا ازلاف کی طرف اور اس کا ہونا خبر کی وجہ سے ہے یا جنۃ کی طرف اشارہ ہے اور تذکیر لفظ ما کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مشار الیہ وہ مسمیٰ ہے کہ جس کے متعلق کسی لفظ کا کھٹکا نہیں جو

اس پر دلالت کرے چہ جائیکہ اسمیں تذکیر و تانیث کا وہم ہو اس لئے کہ تذکیر و تانیث تو عربی الفاظ کے احکام میں سے ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلما رای الشمس بازغۃ قال ھذا ربی جب سورج کو چمکتا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، اسمیں ہذا کا اشارہ شمس ہے اور وہ مؤنث ہے) ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی فلما رای المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ و رسولہ جب مؤمنوں نے احزاب (گروہ دیکھے) تو کہا یہ وہی ہے جس کا ہمیں اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وعدہ دیا تھا یہاں پر بھی ھذا کا اشارہ احزاب کی طرف ہے جو جمع کا صیغہ اور ھذا اسم اشارہ واحد کا ہے ۔

فائدہ صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ اشارہ مقعد صدق کی طرف ہے اگرچہ بظاہر جنۃ کی طرف ہے لِكُلِّ اَوَّابٍ المتقین سے بدل ہے حرف جار کا اعادہ کر کے یعنی یہ ہر رجوع الی اللہ والے کیلئے ہے اسے اواب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اولاً شرک سے توحید کی طرف پھر معصیت سے طاعت کی طرف پھر (تیسری بار) خلق سے حق کی طرف رجوع کرتا ہے ۔

فائدہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آواب وہ ہے جو جس مجلس سے بھی اٹھے تو لازماً استغفار کرے المفردات میں ہے کہ اواب بمعنی تواب ترک معاصی و فعل الخیرات کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اسی لئے توبہ کو اوبۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

فائدہ : اوب و رجوع میں فرق یہ ہے کہ اوب رجوع کی ایک قسم ہے وہ یہ کہ اوب صرف اسی جاندار کے لئے کہا جائے گا جسے لوٹنے میں قوت ارادیہ ہو اور رجوع عام ہے کہ اس میں قوت ارادیہ ہو یا نہ ہو ۔ مثلاً آب اوباً و ایاباً و مآباً والمآب اس کا مصدر ہے اور اسم زمان و مکان بھی ہے ۔

حَفِيظٍ اپنی توبہ کو توڑنے سے حفاظت کرنے والا اور اپنے عہد کے لئے خلاف عہد پر نگرانی کرنے والا ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ درحقیقت ان متقین کے لئے جنہیں اواب حفیظ سے موصوف کیا گیا ہے مقعد صدق کا وعدہ ہے اور اواب وہ شخص جو اپنے جمیع احوال میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی طرف رجوع نہ کرتا ہو حفیظ وہ جو اپنے جملہ سانس اللہ تعالیٰ کے ساتھ چھوڑے یعنی سوائے اسکی طلب کے اور کسی جگہ پر انہیں صرف نہ کرے اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو ۔

(۱) اگر تو پاس داری پاس انفاس
بسلطانی رسانندت ازیں پاس

(۲) ترا یک پند بس در ہر دو عالم
کہ بر ناید ز جانب خدا دم

ترجمہ: (۱) اگر تو انفاس (سانس) کی حفاظت کرے گا تو وہ تجھے سلطان یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچائے گا۔

(۲) دونوں جہانوں میں تجھے صرف ایک نصیحت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تیرا کوئی ایک سانس ضائع نہ ہو۔

فائدہ: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اوّاب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے رجوع رکھے کہ قلب میں اللہ کی طرف سکون ہو معولی وسوسہ بھی اس کے دل میں نہ گھسنے پائے۔ اور حفیظ وہ جو طاعات و اوامر پر محافظت رکھے۔

فائدہ: حضرت محاسبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اوّاب وہ جو اللہ کی طرف دل سے رجوع کرے اور حفیظ وہ جو قلب کے رجوع الی اللہ پر نگرانی کرے کہ وہ اس کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو۔

فائدہ: حضرت وراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اوّاب حفیظ وہ ہے جو اپنے اوقات وخطرات قلبیہ اور الہامات کا محافظ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو دن کے پہلے حصے میں چار رکعت پر محافظت کرے وہی اوّاب وحفیظ ہے۔

تفسیر عالمانہ

مَنْ یہ اور اس کے بعد جتنا مَن آئیں وہ بدل ہیں۔ وہ جو خَشِیَ الرَّحْمٰنَ رحمان سے ڈر جائے۔

حل لغات الخشیۃ یعنی وہ خوف جس میں کسی کی عظمت بھی دل میں ہو اور عین المعانی میں ہے کہ برائی اور اس کے موجب کی یاد سے دل کا کانپنا الواسطی نے فرمایا کہ خشیۃ خوف سے رقیق تر ہے کیوں کہ خوف عام کو ہوتا ہے جو سزا اور عذاب سے ڈرتے ہیں اور خشیۃ طبع میں اللہ تعالیٰ کی دوزخ سے ڈرنا یہ علماء کے لئے ہے ان کے باطن کی نظافت کی وجہ سے جسے خشیۃ نصیب ہوتی ہے اس سے انابت نہیں ہوتی اور جسے انابت نصیب ہوتی ہے اس سے تکالیف پر صبر کم نہیں ہوتا اور جس کو تکالیف پر صبر نصیب ہوتا ہے اسے رضا معدوم نہیں ہوتی۔

فائدہ: بعض نے فرمایا کہ انسان کو سب سے پہلے خشیۃ نصیب ہوتی ہے پھر اجلال پھر تعظیم پھر ہیبت پھر فنا۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ رحمٰن سے خشیۃ الفراق اور قہار وجبار سے خشیۃ العقوبۃ (بالغیب) غائبانہ: محذوف کے متعلق اور خشی کے فاعل سے حال ہے یا اس کے مفعول سے یا اس کے مصدر کی صفت ہے یعنی وہ خشیۃ جو غیب سے متلبس ہے بایں حیثیت کہ اس کے عقاب سے ڈرتا ہے درانحالیکہ وہ خود اس سے غائب ہے یا اس کے عقاب سے بعد غیب کے بعض نے کہا کہ وہ آنکھوں سے غائب ہے کہ کوئی اسے نہیں دیکھ

سکتا کیوں کہ اس کے لئے تو نہاں و آشکارا برابر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ بالغیب یعنی نور قلب سے شواہد حق کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس سے ڈرتا ہے اور رحمانیہ کا عنوان اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس کے عذاب سے ڈرنے کے باوجود اس کی رحمت پر امید رکھتے ہیں یا اس لئے کہ انہیں علم ہے کہ اسکی رحمت وسیع ہے ان کے خوف کے باوجود وہ اپنی رحمت کو ان سے نہ روکے گا یا وہ اس کے ارشاد گرامی نبیٔ عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم میرے بندوں کو خبر دو کہ بے شک میں غفور رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک ہے) کے موجب پر عمل کرتے ہیں یعنی خوف و رجاء میں رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَجَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِيۡبٍ اور لایا رجوع کرنے والا دل

سوال، دل کو انابت سے موصوف کیا گیا حالانکہ یہ صفت تو مکلف بندے کی ہے۔

جواب: اشارہ فرمایا کہ قلب کے بغیر رجوع بے کار ہے اور رجوع سے رجوع الی اللہ مراد ہے ساتھ اس کے جو اسے پسند اور جس سے وہ راضی۔

حل لغات المفردات میں فرمایا کہ نوب بمعنی شے کا باری باری رجوع کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف انابہ کا معنی ہے اس کی طرف رجوع کرنا توبہ و اخلاص العمل سے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ قلب جو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرے اور ماسوی اللہ سے روگردان اور اس کی طرف مکمل طور متوجہ ہو۔

تفسیر عالمانہ اُدۡخُلُوۡهَا اس میں داخل ہو جاؤ یہاں فعل محذوف ہے یعنی انہیں کہا جائے گا۔ جمع کا صیغہ باعتبار من کے معنیٰ کے ہے (کہ وہ معنیً جمع ہے) بِسَلٰمٍ محذوف کے متعلق ہے اور وہ ادخلوہا کے فاعل سے حال ہے یعنی بہشت میں داخل ہو جاؤ درانحالیکہ تم شمس ہو عذاب سے سلامتی اور زوال النعم اور حلول النقم سے سلامتی کے ساتھ یا تم پہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے سلام ہو۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ اس ممتد زمانہ کی طرف ہے جس میں مذکورامور واقع ہوئے يَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ۔ وہ ہمیشگی اور جنت میں بقاء کا دن ہے اس لئے کہ اس کی تا ابد کوئی انتہاء نہیں۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ الخلود بمعنی شے کا فساد کے عارض ہونا بری ہونا اور اس کا اس پر ہمیشہ اسی حالت پہ ہونا جس پر وہ ہے ہر وہ شے کہ جس پر تغیر و فساد دیر سے آئے اسے خلود سے موصوف کرتے ہیں جیسے اہل عرب کا قول الایام خوالد یہ ان کے طویل المیعاد ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ بقاء دائمی کے لئے اور بہشت کے خلود کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اشیاء اس حالت میں رہینگی جس پر وہ ہیں ان میں

کون وفساد عارض نہ ہوگا۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ مطلب بعید نہیں (واللہ اعلم) کہ سلامتی کے زمانہ کی طرف اشارہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ جس عذاب اور زوال النعم سے جو انہیں سلامتی نصیب ہو گی وہ ان کے لئے دائمی اور ہمیشہ ہے نہ یہ کہ انہیں کسی وقت کے داخلہ تک ہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَاءُونَ ان کے لئے وہ ہے جو فنون مطالب سے جو چاہیں گے سوائے اس کے جس کی رکاوٹ کو حکمت تقاضا کرتی ہے یعنی وہ جو دنیا میں ہمیشہ خبیث تھی جیسے لواطت وغیرہ وہاں ایسی خباثت کو نہیں چاہیں گے جیسے تفصیل گذری کہ اللہ تعالیٰ اہل جنۃ کو شہوت محال اور منہی عنہ سے بچائیگا۔ **فِيهَا** يَشَاءُونَ کے متعلق ہے یا موصول سے حال ہے۔

فائدہ: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں کہا جائے گا کہ تم دنیا میں کہا کرتے تھے کہ وہی ہوگا جو منظور خدا ہے اب جو تم چاہو گے وہی ہو گا کیوں کہ احسان کی جزاء احسان ہی ہے۔

وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ اور ہمارے ہاں نعمتوں کی تھوڑ نہیں وہ جو چاہیں گے وہی ملے گا اور وہ ملے گا جو ان کے تصورات میں نہ تھا اس میں وہ نہیں جو ایسی کرامات چاہیں گے جو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں کھٹکا کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے مانگتے اس نہج تک پہونچیں گے جہاں ان کی مشیت ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ بھی عطا فرماتا جائے گا پھر وہ بڑھ کر ایسی نعمتیں بخشے گا جو ان کے پاس نہیں جن کا انہوں نے سوال نہ کیا ہو گا اور نہ ہی وہاں تک ان کی آرزوں کی پہنچ ہو گی۔

اعجوبہ: بعض نے کہا کہ اہل بہشت پر بادل حور برسا کر کہے گا وہ کہیں گی ہم وہی مزید ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ولدینا مزید) اور ہمارے ہاں مزید ہے

حل لغات

زیادہ لغت میں شے کے ساتھ دوسری وہ شے ملانا جو اس جیسی ہے۔

فائدہ: طرق مختلف سے مروی ہے کہ یہ زیادتی "نظر الی وجہ اللہ" ہے

اس میں اشارہ ہے انعام اور ان احوال کی طرف جن کا دنیا میں تصور تک نہ تھا۔

(دیدار یعنی) بعض نے کہا مختار مذہب یہ ہے کہ اس سے دیدار الٰہی مراد ہے کہ اہل بہشت بہشت میں جمعہ کے دن جمع ہوں گے تو جو کچھ مانگیں گے اللہ تعالیٰ وہی عطا فرمائے گا اور اپنے جلوہ دیدار سے بھی نوازے گا اور بہشت میں جمعہ کا نام یوم المزید ہے۔

حدیث شریف

میں ہے بہشت میں وہ نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی فرد بشر کو ان کا تصور آسکتا ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا اس سے مشاہدہ ذات مراد ہے۔ دنیا میں جو طاعات کی ہوں گی ان کا اسی طرح آخرت میں نتیجہ نکلے گا جیسے دنیا میں کسی کام کا پھل ملتا ہے۔ آخرت میں یہ نتیجہ اسے نصیب ہوگا جسے اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے گا اس دنیا میں ہمارا نتیجہ یہ ہے کہ طاعات و مجاہدات کریں تاکہ وہ ہمیں تجلیات و مشاہدات تک پہنچائیں۔

تفسیر صوفیانہ: جو ہمارے وصال کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اسے جنت سے تعبیر کرتا ہے تو وہ بھی ہمارے ہاں پہنچے گا اور ہمارے ہاں پہنچے گا تو اہل جنت کی نعمتوں سے زائد ہوگا۔ جو چاہے گا پائے گا۔

حدیث قدسی: مضمون مذکور حدیث شریف سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا من کان لی کنت لہ ومن کنت لہ یکون لہ ما کان لی جو میرا ہے میں اس کا ہوں اور جس کا میں ہوں تو جو میرا ہے وہ سارا اسی کا ہے۔

اور قرآن مجید میں ہے[عہ] من کان یرید حرث الاخرہ نزولہ فی حرثہ

سوال: دنیا میں تو زیادہ کا اطلاق راس المال پر زائد ہوتا ہے آخرت میں راس المال کہاں اور زیادتی کا کیا معنیٰ۔

جواب: آیت کریمہ میں موعود الجنۃ سے زائد انعام مراد ہے نہ کہ درجات الجنۃ کہ اس کے لئے راس المال تلاش کیا جائے اور یہ زیادہ بھی مزید علیہ کی جنس سے نہیں تاکہ اسے راس المال والی زیادتی کا خیال کر کے سوال اٹھایا جائے۔

فائدہ: اصل اور زیادتی کا ایک جنس ہونا ذیل کی حدیث سے ثابت ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ صلوۃ ان اللہ زادکم صلوۃ الا وھی الوتر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز اور بڑھائی ہے اور وہ ہے وتر۔ یہاں مزید علیہ کی جنس سے ہے اور چونکہ فرائض کا ثبوت نص قطعی سے ہوتا ہے اور خبر واحد سے فرائض ثابت نہیں اسی لئے وتر کو واجب قرار دیا گیا اور زیادہ علی القرآن خبر سے نہیں ہو سکتا اسی لئے اسے وجوب تک محدود رکھا گیا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی عطا کے لئے مزید علیہ کی تلاش کیسی جب کہ اس کی عطا کسی دنیوی جنس سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی بلکہ وہ ایسی مناسبتوں سے بزرگ اور بالاتر ہے جیسے اس کی رضامندی کو "رضوان اللہ اکبر" کہا گیا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ اس کا دیدار بہت بڑی شے ہے جو عطیات بہشت میں نصیب ہوں گے ان پر مزید زیارت و دیدار الٰہی لدینا مزید کی تفسیر ہے۔

عہ: پارہ ۲۵ ع ۴

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جلوہ خاص سے نوازے گا جب اہل جنت دیدار الٰہی سے سرشار ہوں گے تو بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے اس کے بعد ملائکہ کرام کو حکم ہوگا کہ انہیں بہشت میں لے جاؤ اب انہیں بہشت کا دو وجہوں سے راستہ نہ ملے گا۔

(۱) رویت الٰہی سے ان پر استغراق کا غلبہ ہوگا۔

(۲) جو انعامات دیدار الٰہی کے تجلیات سے انہیں نصیب ہوئے ہیں اب ان کو بہشت کے راستے سے بےخبری ہوگئی ہے اگر ان کو ملائکہ کرام بہشت کا راستہ نہ دکھائیں تو انہی اپنی منازل و درجات کو نہیں پہچان سکیں گے جب اپنی منازل میں واپس لوٹیں گے تو حورول اور ولدان میں حسن کا اضافہ پائیں گے پھر ان سے پوچھیں گے تم میں یہ حسن وجمال کا اضافہ کہاں سے۔ وہ کہیں گے تمہارے حسن وجمال میں بھی تو اضافہ ہے تم جب گئے تھے تو کچھ اور تھے واپس آئے ہو تو کچھ اور ہو۔ اس سے مکمل طور راز سمجھ لے کہ دیدار الٰہی کو (لدینا مزید) کیسے کہا گیا کہ وہ کس طرح حسن وجمال اور علوم و کمال میں اضافہ کرتا ہے۔

فائدہ: دیدار الٰہی میں بقدر اعمال مختلف درجات ہوں گے۔

دیدار الٰہی کہاں ہوگا

بعض اکابر نے فرمایا کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ جنت سے اپنے دیدار کیلئے مقام الکثیب پر بلائے گا اور مقام کثیب وہ جنات عدن سے ہے از مشک ہے اور مقام پر منبر اور سریر (تخت اور کرسیاں اور دیگر اونچی جگہیں بنائی جائیں گی۔ دیدار الٰہی کا شوق سے ہی اپنی استعداد کے مطابق دوڑیں گے بعض سواریوں پر ہوں گے بعض پیدل۔ یہ بھی طاعت وعبادت کے مطابق ہوگا بعض تیز رفتار بعض متوسط بعض بالکل آہستہ چلیں گے۔ یہ سب اسی کثیب پر جمع ہوجائیں گے ہر ایک اپنے مقام کی طرف جائے گا جس کا انہیں منجانب اللہ علم ہوگا کہ اس مقام و مرتبہ کے سوا کسی دوسری طرف جانا نہ ہوسکے گا جیسے بچہ لاعلمی کے باوجود صرف پستان کی طرف دوڑتا ہے یا جیسے مقناطیس کی طرف لوہا اگر دوسرے مقام کی طرف جانا چاہے تو بھی نہ جا سکے گا یعنی جہاں کا قصد کرے گا اگرچہ اسے دوسرے مقام سے عشق بھی ہوجائے تب بھی اپنے مرتبہ و مقام کے سوا اس کے مقصد اور آرزو کا منتہی اور ٹھکانا کہیں نہیں ہوگا بلکہ اسے اپنے مرتبہ و مقام کا ہی عشق ہوگا اور وہی اسے تمام مراتب و مقامات سے بلند و بالاتر محسوس ہوگا اگر ایسا نہ ہو تو وہ دار الم و تنغیص ہوگی یعنی غم و الم اور طبیعت منغض کرنے والی دار ہوگی پھر اسے جنت و نعیم کہنے کا کوئی جواز نہ ہوگا خلاصہ یہ کہ ہر ایک اپنی منزل و مقام کا پابند ہوگا۔

بعلم نظر کوش جامی کہ نیست
ز تحصیل علم دگر حاصلے

ترجمہ: علم کی کوشش کر اے جامی اس لئے کہ تحصیل علم کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔

حضرت مغربی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

نخست دیدہ طلب کن پس آنگہے دیدار
ازانکہ یار کند جلوہ بر اولو الابصار

ترجمہ: پہلے آنکھیں مانگ پھر دیدار۔ اس لئے کہ یار کا جلوہ آنکھوں والوں پر ہوتا ہے۔

حضرت خجندی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

بارونے تو چیست جنت و حور
ہر چیز نکو نماید از دور

ترجمہ: تیرے دیدار کے بالمقابل جنت و حور کیا شے ہیں جو بھی دور سے اچھی نظر آتی ہے وہ تیرے دیدار کے سامنے کچھ نہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا اور کتنا ہم نے ہلاک کیے کَمْ یہاں تکثیر کیلئے اور خبریہ اور اہلکنا کا مفعول بہ ہے اور مِنْ قَرْنٍ اس کا میز اس کے ابہام کو بیان کرتا ہے قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ان سے پہلے کئی لوگ۔ قرن وہ لوگ جو ایک دوسرے کے بعد آئیں یعنی بہت سے لوگ جنہوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی تمہاری قوم سے پہلے یعنی کفار مکہ سے پہلے ہم نے تباہ کیے جو حسب الواقع هُمْ وہ اَشَدُّ مِنْهُمْ ان سے یعنی کفار مکہ سے زیادہ سخت تھے۔ بَطْشًا ازروئے قوت وہ عظیم تر تھے ازروئے جسم بھی جیسے قوم عاد و ثمود و فرعون اور جملہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ کَمْ کی صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ قرون ماضیہ میں جو نفوس متمرد (سرکش) تھے انہیں ہم نے تباہ کیا۔ اسمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اظہار ہے تاکہ خیر اور بھلائی کے قبول کرنے والے نفوس کو سبق حاصل ہو اور قلوب سلیمہ اس سے نصیحت پذیر ہوں

تفسیر عالمانہ

نَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ تو وہ پھلے شہروں میں۔

حل لغات: القاموس میں ہے نقب فی الارض النقب ونقب کی طرح بمعنی زمین میں چلے اور نقب عن الاخبار بمعنی خبروں سے بحث کی یا ان کی خبر دی النقب وماصل پہاڑ میں سرنگ لگانے کو کہتے ہیں تاج المصادر میں ہے کہ التنقیب بمعنی رات کو راستوں پر گشت لگانا۔ المصادر میں

ہے شہروں میں جانا اب معنی یہ ہوا کہ شہروں میں انہوں نے سوراخ کیا اور پہاڑ یعنی راستے نکالے اور پاؤں میں روندا اور ان کے رہنے والوں کو تابع اور ان پر غلبہ کیا اور شہروں کے گرد و نواح پر تصرف اور زمین کے ہر کونے پر پہنچے موت کے خوف سے پہلی تقریر فاسببیہ ہے اس میں دلالت ہے کہ ان کی شدت گرفت نے انہیں سرکش بنایا اور تصرف اور جبر و قہر پر قدرت کی دوسری تقریر پر فا محض تعقیب کی ہے اور نقب تنقیب کا اصل معنیٰ ہے " التنقیر عن الامر " کسی امر کا کھوج لگانا اس سے بحث کرنا اور اس کی طلب کرنا اسی لیئے کشف الاسرار میں ہے کہ وہ شہروں میں دور تک چلے گئے اور امور کا کھوج نکالا اور اسباب میں لگے رہے ۔

امراء القیس نے کہا ؎

لقد نقبت فی الآفاق

حتی رضیت من الغنیمۃ بالایاب

ترجمہ : میں نے ملکوں کے بڑے دورے کیئے بالآخر واپس لوٹنے کو غنیمت جانا ۔

خلاصہ یہ کہ وہ لوگ شہروں میں پھیلے اور بہت دور تک پہنچے زمین کے کئی راستے طے کیئے اور بڑے بڑے شہروں میں کاروبار چلائے اور دور کے سفر کیئے بہت بڑے اموال اسباب کمائے اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ وہ شہروں کے راستے طے کیئے ۔ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ کیا ہے کوئی چارہ ۔

نقبوا کی واو سے حال ہے یہ وقع فی حیص بیص سے ہے بمعنی شدت میں گرا ۔

حل لغات حاص عن الحق حق سے ہٹ کر شدۃ و مکروہ امر میں گرا ۔ القاموس میں ہے المحیص یعنی المہرب (بھاگنے کی جگہ) یعنی شہروں میں چلتے چلتے کہتے پھرتے تھے کیا ہے کوئی بھاگنے کی جگہ یعنی کیا کوئی ان کے لیئے امر الٰہی اور اس کے عذاب اور موت سے نجات کی جگہ محیص مبتدا اور اس کی خبر مضمر یعنی لہم ہے اور من زائدہ ہے اب معنی یہ ہوا کیا ہے ان کے لئے کوئی بھاگنے کی جگہ موت سے یا کوئی پناہ ہے قضائے الٰہی سے کہ جب فنا کا حکم نازل ہوا تو کوئی شے ان کی دستگیری نہ کر سکی ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جملہ مستانفہ ہو اور اس سے مراد نفی ہے یعنی دیکھو کہ کوئی ان کا موت سے نجات پا گیا یعنی نہ وہ نجات پا سکے اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا ملا ۔ پس اگر اہل مکہ اپنے اسی حال پر اصرار کرتے رہے تو ان کا حشر بھی وہی ہو گا جو پہلے لوگوں کا ہوا انہیں ڈر کرنا چاہیئے ورنہ انجام ہلاکت اور نتیجہ عذاب ہو گا ۔

سبق آدم علیہ السلام کے ساتھ زمانہ نے وفا نہ کی نوح علیہ السلام بڑی عمر پانے کے باوجود موت سے نہ بچے خلیل علیہ السلام پر بھی بالآخر موت آئی سلیمان علیہ السلام کو بھی موت نے نہ چھوڑا تو پھر تم کس شمار میں ؎

۱: نہ بر باد رفتے سحر گاہ وشام
سریر سلیمان علیہ السلام
۲: باآخر ندیدی کہ برباد رفت
خنک آنکہ با دانش وداد رفت

ترجمہ ۱: کیا صبح وشام سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا پر نہیں چلتا تھا
۲: بالآخر تم نے دیکھا کہ وہ برباد ہوا خوش ہے وہ جو دانش وانصاف سے دنیا سے رخصت ہوں۔

دیگر سبق محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی موت کے فرشتے نے دستک دی تو پھر تم کون ہو کہ بچ جاؤ۔ دیکھئے تمہیں اگر نوح علیہ السلام کی عمر اور قارون کا مال اور سلیمان علیہ السلام کا ملک مل جائے تب بھی موت کے جھٹکے سے نہ بچ سکو گے مثلاً کسریٰ کو سات ہزار سال گزرے (یہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ کے دور تک حساب ہے آج تک تو کچھ مزید گزر رہا ہے) اس وقت سے لوگ سفر میں ہیں کئی لوگ آباء کی پشت سے امہات کے پیٹوں میں آئے پھر ارحام سے زمین پر پہنچے پھر زمین کے اوپر سے نیچے (قبروں) میں چلے گئے روئے زمین گورستان بن گئی نیچے والے (قبروں والے) حسرت میں اوپر والے (زندہ لوگ) حیرت میں ہیں کہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے سر اٹھا کر آسمان سے پوچھ کہ تو نے کتنے بادشاہ دیکھے ان میں کوئی یاد بھی ہے ایسے ہی زمین پر نگاہ ڈال کر اس سے پوچھ کہ تو نے کتنا زمین اپنے پیٹ میں ڈالے سے

۱: سل الطارم العالی الذری عن قطینہ
نجا ما نجا من بؤس عیشہ و لینہ
۲: فلما استوی فی الملک داستبعد الوری
رسول المنایا تلہ لجبینہ

ترجمہ ۱: روح اپنے گھونسلے سے اڑ کر بہت بلندیوں پر پہنچا وہ اچھی اور بری معاش سے نجات پا گیا۔
۲: جب وہ ملک میں پہنچا اور مخلوق سے دور ہو گیا تو موت کے قاصد نے اسے (جسم) کو ماتھے بل گرایا۔

س: جہان اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

ترجمہ: اے عزیز یہ ملک ہمیشگی کا نہیں دنیا سے وفا کی امید نہیں۔

سبق: اے توقعات کا عاشق اے موت سے غافل جو کام کرنے کا ہے اس کا تو تجھے فکر نہیں جس

راہ پر چلنا ہے اس کا زاد (خرچ) تو تو نے جمع نہیں کیا دنیا کے شغل میں تو مست ہے لیکن موت کا ساز و سامان تیار نہیں کر رہا۔ اے مسکین موت تیرے درپے ہے اسے یاد کر تیرا اصل گھر قبر ہے اسے آباد کر۔ خواہ مخواہ دنیا کا سامان جمع کر رہا ہے۔ جو تیرے مال کا مستحق ہے اس سے تو روکتا ہے۔ مجھے کیا طمع ہے کیا تو نے اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس وقت آنکھ کھلے گی جب ملک الموت آئیں گے تیری جان لے کر چلے جائیں گے تیرا گوشت چمڑا مٹی میں مل جائے گا تیرا مال لٹ جائے گا اگر کوئی نیکیاں ہیں تو تیرے سے تیرے خصم چھین لیں گے تیرے جسم کو کیڑے کھائیں گے۔ اگر اچانک موت کے وقت تیرا خصم (شیطان) ایمان چھین لے تو پھر تو کیا کرے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہوشیاروں اور ان لوگوں سے بنائے جو دین و یقین پر ثابت قدم ہیں اور انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کا رفیق بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی بے شک اس میں البتہ نصیحت ہے ذٰلِکَ کا اشارہ ان گئے قصے کی طرف ہے جو مذکور ہوا یا اس طرف ہے جو اس صورۃ میں عبارات و اخبار اور اہلاک القریٰ مذکور ہوا۔ ذکریٰ یعنی تذکرہ و وعظ لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اس کے لئے جس کا دل ہے۔ وہ دل جو سلیم ہے جس سے اس کا ادراک کرتا ہے جس کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اور جن چیزوں میں تفکر لائق ہے اس میں تفکر کرتا ہے جسے یہ حاصل ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی تباہی کا موجب کفر ہی ہے اسی لئے وہ مشاہدہ آثار سے نصیحت دیئے بغیر کفر سے ہٹ جاتا ہے۔

قلب کی تحقیق

المفردات میں ہے کہ قلب انسانی کو اس کے کثرت تقلیب کی وجہ سے قلب کہا جاتا ہے اور قلب ان معانی سے عبارت ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں روح علم و شجاعت وغیرہ سے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس کے قلب یعنی علم و فہم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے عقل مراد لی ہے وہ اس لئے کہ عقل قلب کے قویٰ اور خدام میں سے ایک ہے (کتاب الجواہر للشعرانی) ظاہر ہے کہ جسے معمولی عقل حاصل ہے وہ نصیحت قبول کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افلا تعقلون حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ قلب سے مراد عقل ہے کیوں کہ انسان جو کچھ عقل میں لاتا ہے تو دل سے اسی لئے اسے قلب سے تعبیر کیا گیا۔

سوال : الاسئلۃ الاقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا "لمن کان لہ قلب" کیوں کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسانوں میں قلب نہیں حالانکہ تمام انسانوں میں قلب کا ہونا ضروری ہے۔

جواب : یہاں قلب سے عقل مراد ہے کیوں کہ قلب عقل کا محل اور منبع (سرچشمہ) ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانہ نزلہ علی قلبک (تو اس نے اسے تیرے دل پہ اتارا) اور میں نے بعض مشائخ

سے فرمائے سنا کہ جس کے اندر وہ قلب ہے جس میں ایمان کا ٹھکانہ ہے تو دُکھ اور شکو میں نہیں بدلتا۔

فائدہ: تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جس کا دل زندہ ہے اور کشف الاسرار میں ہے کہ جس کا دل حقائق اخبار میں متفکر یا عقل بیدار از خواب غفلت ہے۔

حضرت شیخ شبلی قدس سرہ نے فرمایا کہ قرآنی وعظ کیلئے وہ باخدا دل چاہیے جو آنکھ جھپکنے کی دیر تک بھی یاد خدا سے غافل نہ ہو۔ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ یا ڈالے کان اس طرف جو اس کے سامنے وحی ناطق تلاوت کرے ساتھ اس کے جو اس پر جاری ہوا ہے جو اس طرح کرتا ہے وہ بڑے امور سے واقف ہو کر ان موجبات سے ہٹ جاتا ہے جو کفر کی طرف پھلانے والی ہیں۔

لفظ اَوْ مانعۃ الخلو کا ہے نہ کہ مانعۃ الجمع کا (یعنی دونوں جگہ ایک جگہ ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں یعنی لمن کان لہ قلب بھی ہو اور القی السمع بھی) کیونکہ القاء سمع سلامۃ القلب کے بغیر بے فائدہ ہے جیسے فرمایا کہ "وَهُوَ" درانحالیکہ وہ کان ڈالنے والا) یہ فاعل سے حال ہے۔ **شَهِيْدٌ** حاضر ہے۔

رد وہابیہ دیوبندیہ[علہ] الشہید من الشہود بمعنی الشاہد ای الحاضر الخ یعنی شہید شہود سے ہے بمعنی الشاہد یعنی حاضر یعنی اپنے ذہن کو حاضر کر کے اس کے معانی سمجھے اس لئے کہ جس نے ذہن کو حاضر کر کے نہ سمجھا تو وہ گویا غائب ہے یا وہ اپنے صدق سے شاہد و حاضر ہے تو پھر وہ قرآن کے ظواہر سے نصیحت حاصل کرتا اور اس کے زور اجر کو سُن کر کفر سے ہٹتا ہے۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَوْ تقسیم کے لئے ہے کہ متفکر یا تالی ہے یا سامع ہے یا فقیہ ہے یا متعلم یا اسے یوں کہا جائے کہ او تقسیم کرتا ہے کہ عالم وہ ہے جو اپنی استعداد کامل پر مضبوط ہے کہ تعلیم کے بعد اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے بشرطیکہ وہ بالکلیہ اسے قبول کر کے اس کے موانع زائل کر دے۔

تفسیر صوفیانہ عارفین میں سے بعض اکابر نے فرمایا کہ بے شک اس قرآن (جو امور متخالفہ مثلاً اللہ کے لئے تنزیہ و تشبیہ کا اثبات کرتا ہے) میں نصیحت ہے کہ وہ فی نفسہ حق ہے مختلف شئون میں متقلب ہونے میں اس کے لئے جس کا دل ہے دل کو اس لئے قلب کہا جاتا ہے کہ وہ انواع صور و صفات متخالفہ میں اسے تقلب تجلیات کے اختلاف کی وجہ سے۔

سوال: لمن کان لہ عقل کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: اس لئے کہ عقل لغت وحقیقت میں بعنی قید ہے لغت میں تو یوں کہ اہل لغت کہتے ہیں عقل البعیر بالعقال کے رسی کے ساتھ اونٹ باندھا گیا یعنی اسے مقید کیا گیا وعقل الدواء البطن ای حقد

علہ: یہ عنوان فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس لئے قائم کیا ہے کہ ہم نے حاضر و ناظر کا ثبوت آیات شہود سے پیش کیا ہے جس کا وہابیہ دیوبندیہ فرقہ نے انکار کیا ہے ۱۲: اویسی غفرلہٗ۔

یعنی دیوار نے پیٹ باندھا اور حقیقت میں عقل قید اس لئے ہے کہ عقل عاقل کو مقید کرتا ہے اس کے ساتھ کہ اس کی طرف اسے فکرو نظر پہنچاوے۔

تو وہ گویا نعت واحد میں محصور ہو گیا اور حقیقت حصر سے انکار کرتی ہے اسی لئے کہ قرآن صرف اس کیلئے نصیحت نہیں جس کی ایسی عقل ہو جو اسے اس سے مقید رکھے جو اس کی طرف اسے فکر پہنچائے اور نہ ہی قرآن سے وہ نصیحت حاصل کرتا ہے ساتھ اس کے جو قرآن میں وہ آیات ہیں جو تنزیہ و تشبیہ پر دلالت کرتی ہیں بلکہ وہ ان آیات کی تاویل کرے گا جو اس کے عقل و فکر کے خلاف ہیں مثلاً وہ آیات جو تشبیہ پر دلالت کرتی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو عقل والے ہیں یہی ان اعتقادات جزئیہ تقییدیہ کے معتقد ہیں یہی لوگ دوسروں کو کافر اور انہیں لعنتی کہتے ہیں جو ان کی عقل و فکر کے خلاف ہیں۔

حق کی بات

حق وہ ہے جو عارف کے ہاں ہے وہ یہ کہ قلب انواع صور و صفات میں متقلب ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ موجود میں اس کے سوا اور ہے کوئی نہیں یہ موجودات کی صورتیں سب کی سب اسی کی صورت ہیں عارف کے نزدیک معرفت حق کے لئے جمیع صور دنیا و آخرت میں کوئی تخصیص نہیں وہ اپنے قلب متقلب کی معرفت کی وجہ سے کوئی تخصیص نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لمن کان له قلب" کیونکہ اس کا قلب اشکال میں متقلب ہے تو وہ جانتا ہے کہ حق صورتوں میں متقلب ہے معرفت کی یہ وہ قسم ہے جس میں کسی کو انکار نہیں بشرطیکہ اسے تجلی و شہود سے حق کی معرفت نصیب ہو یعنی اسے معلوم ہو کہ صور میں اس کی تجلی ہے اور وہ ان سب میں مشاہدہ کرتا ہے درانحالیکہ وہ عین مقام الجمع میں مستقر ہے اس حیثیت سے کہ اس کے شہود میں تفرقہ کی صورتیں اسے کوئی شے کسی طرف شاغل نہیں ہوتی وہ اہل ایمان اعتقادی جنہیں تجلی و شہود سے معرفت نصیب نہیں وہ ان کے مقلد ہیں جنہوں نے انبیاء و رسل (علیہم السلام) کی تقلید کی ان امور میں جن کی انہوں نے انہیں خبر دی وہ انہیں وہ دلیل عقلی کی طلب کے بغیر مان لیتے ہیں (جیسے ہم عوام (مسلمان) بخلاف ان کے جنہوں نے اصحاب افکار اور اخبار واردہ کاشفہ عن الحق کے متاولین کی تقلید کرنے والوں کے کہ وہ انہیں ادلہ عقلیہ و ارتکاب احتمالات بعیدہ پر محمول کرتے ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے انبیاء و رسل علیہم السلام کی تقلید کا حق ادا کیا ہے (جیسے اولیاء کرام) "او القی السمع" سے یہی حضرات مراد ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہی انبیاء و رسل علیہم السلام کی السنۃ مبارکہ سے اخبار سنی اور جو کچھ سنتے ہیں حضور قلب

سے سنتے ہیں اور اپنے حضرت خیال میں ان کی نگہداشت کرتے ہیں یعنی لائق بھی اسی طرح ہے کہ جو کچھ سُنے حضرت خیال میں اس کی پوری نگہداشت کرے اس طرح سے امید ہے کہ وہ تجلیات مشابیہ کے حصول میں کامیاب ہو جائے گا ایسا نہ ہو کہ وہ ان تجلیات کو بالفعل حاصل کرے اس کے بعد نگہداشت نہ کرے اسی لئے مذکور حکم سے بعض انبیا و رسل کے مقلدین خارج ہیں۔

انتباہ یاد رہے کہ اس شہود سے رویت بصری مراد نہیں بلکہ وہ جو شاہدہ کمال کے مشابہ ہے اور مشاہدہ کمال مشاہدہ صور متخیلہ (جو حضرت خیال میں ہیں) کا نام ہے اور جو نظر فکری کا مقلد ہے اس کے لئے ضروری نہیں وہی القی السمع وھو شہید کا مصداق ہو اصحاب فکر کے مقلد وہی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا اس لئے کہ متبوعین نے تابعین واقعہ کے خلاف کی دعوت دی تھی اور وہ غلطی سے ان کے پیچھے لگ گئے ان کی تابعداری کی سزا متبوعین کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے تابعین سے بیزاری کا اظہار کر دیا لیکن رسل کرام علیہم السلام کبھی بیزاری کا اظہار نہیں کریں گے کیوں کہ انہوں نے انہیں حق وصدق کی دعوت دی اور لوگوں نے ان کی تابعداری کی برکت سے متبوعین کے انوار کا عکس تابعین کو نصیب ہو گا اسی لئے متبوعین تابعین سے اظہار برات نہیں کریں گے۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

فائدہ: لباب میں ہے کہ قلب مومن عرب ہے اور شہید مومن اہل کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔

فائدہ: شیخ ابو سعید خراز قدس سرہ نے فرمایا کہ قرآن کے سننے کے وقت یہ تصور ہو کہ گویا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رہا ہے اس پر ذرہ آگے بڑھ کر یہ تصور کرے کہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے سن رہا ہے پھر آگے ترقی کرے یہ تصور کرے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے سُن رہا ہے۔

فائدہ: شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا کہ ارشاد مذکور صحیح اور اس کی تائید قرآن مجید میں لفظ شہید سے ہوتی ہے کیوں کہ شہید وہی ہوتا ہے جو بولنے والے سے براہ راست سنے کیوں کہ اس کی نقیض غائب ہے اور غائب مخبر (خبر دینے والے) سے سُنتا ہے اور حاضر خود متکلم سے۔

فائدہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا قرآن کو اتنا بار بار پڑھتا ہوں یہاں تک کہ خود متکلم (اللہ تعالیٰ) سے سنتا ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قلب چار قسم ہے

(۱) قلب الیاس (ناامید)

(۲) قلب الکافر

(۳) قلب المقفول، (جس کے تالے بند ہوں۔) یہ منافق کا قلب ہے۔

(۴) قلب المطمئن، یہ مومن کا قلب ہے یہی وہ قلب سلیم ہے جو کونین کے تعلقات سے فارغ ہے یہی قلب المحبین والمحبوبین کا ہے یہی صفات جمال وجلال الٰہی کا آئینہ ہے۔

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن میں نہ زمین میں سماتا ہوں اور نہ آسمان میں لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سماتا ہوں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اولقی السمع وھو شہید اور جو دل ایسا نہیں تو اس کا کان ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سنے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے اظہار لطف وقہر سے عبرت حاصل کر سکے گا۔

فائدہ: حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ وہ قلب جو عین التعظیم سے معائنہ کرے تو وہ پگھل کر ماسوی اللہ سے منقطع ہو جائے گا اور جو عین التعظیم سے معائنہ کرے گا تو اس کا دل نرم اور اچھا ہو جائے گا۔

فائدہ: قلب ایک گوشت کا لوتھڑا ہے یہی انوار کا محل اور رجاء سے زوائد (انعامات) کا مورد ہے اسی سے ہی جرت حاصل ہوتی ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے جسم کا امیر بنایا ہے اور فرمایا ان فی ذلک لذکری بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے قلب ہے اسی کو اپنے پروردگار کا اسیر بنایا اور فرمایا یحول بین المرء وقلبہ اور وہ مرد اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ قلوب کے کچھ مراتب ہیں

(۱) بعض قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور وہ اسی کے قیدی ہیں۔

(۲) بعض قلوب حیران ہیں۔

(۳) بعض قلوب جو اس کے شوق میں اڑتی ہیں۔

(۴) بعض قلوب اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والی ہیں۔

(۵) بعض قلوب اللہ تعالیٰ کی ذات میں صاحب الآمال ہیں

(۶) بعض فراق اور شدۃ اشتیاق میں گریاں کناں ہیں

(۷) بعض دار الغفار میں تنگ ہیں

(۸) بعض وہ ہیں جن کو رازداری سے خطاب کرتا ہے تو اس سے درد و آلام کا کڑواپن دور ہو جاتا ہے

(۹) بعض اس کی طرف محبت کے سیر میں ہیں۔

(۱۰) بعض اس کی طرف پہنچنے کی کوشش میں ہیں عزائم صدق سے۔

(۱۱) میٹھی غذاؤں میں اسکی خدمت میں مصروف ہیں۔
(۱۲) محبت و درد کے پیالے پیکر تمام بندوں بلکہ جملہ مخلوق سے علیحدہ ہو کر صرف اسی میں مستغرق ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قلب کی شرافت

دل کی بزرگی پر ذیل کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ ایک لفظ کا تفکر عبادۃ الثقلین سے بہتر ہے۔

فائدہ: جب بندہ درگاہِ حق میں آتا ہے لیکن اس کا دل شغل دنیا میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کی طاعت پر رسوائی کی لکیر کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں ہٹ جا یہاں سے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جس کا دل نماز میں حاضر نہ ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور جسے نماز میں درجۂ دیدار نصیب نہ ہو وہ اپنے مقصد میں تا حال ناکام ہے اور نہ ہی اسے نماز سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو گی کیوں کہ جس سے وہ مناجات کر رہا ہے اسے نہ دیکھا پس جو شخص وہ باتیں نہیں سنتا جو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نماز میں واردات غیبیہ ڈالتا ہے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کا ذکر "اوالقی السمع" میں ہے اور جو نماز میں اپنے پروردگار کے ساتھ نہیں اور نہ ہی اس سے کچھ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے تو وہ سرے سے نمازی ہی نہیں اور نہ ان لوگوں سے جن کا ذکر "اوالقی السمع وھو شہید" میں ہے۔ یعنی نماز کا ادنیٰ مرتبہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اگر کوئی نماز پڑھتے ہوئے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھتا اور نہ ہی اسے مشاہدہ روحانیہ یا رویتِ عیانیہ قلبیہ یا مثالیہ خیالیہ یا اس کے قریب کا وہ مرتبہ نصیب ہوتا جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ (ان تعبد اللہ کانک تراہ) (اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں ہو کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے) ایسے ہی نماز پڑھتے وقت کلامِ مطلق کو بغیر واسطہ روحانیت کے یا کسی واسطہ سے نہیں سنتا اور نہ ہی اسے وہ حضورِ قلبی نصیب ہوتا ہے جسے حدیث میں فرمایا گیا کہ فان لم تکن تراہ فاعلم انہ یراك اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو یقین کرلے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے) تو وہ نمازی ہی نہیں اسے نماز صرف عذاب الٰہی وآخرت میں اسے بچائے گی اور بس۔ کیوں کہ بندہ خوف الٰہی کے مطابق اپنے رب کے قریب ہوتا ہے اور اسی قرب کا نام حضور ہے ؎

نزدیکاں را بیش بود حیرانی
کایشاں دانند سیاست سلطانی

ترجمہ: نزدیک والوں کو زیادہ حیرانی ہوتی ہے کیوں کہ بادشاہ کی سیاست کو وہی خوب جانتے ہیں۔

فائدہ: وہ وزیر ہمیشہ بادشاہ سے خوفزدہ رہتا ہے جسے بادشاہ کی حضوری نصیب ہے نہ کہ وہ

جو بادشاہ کے جانوروں کا رکھوالا (دور رہنے والا) اس لئے کہ وزیر کا سینہ اسرار سلطانی کا خزینہ ہے اور
خزانہ کی مہر کا ٹوٹنا خطرناک تصور کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نماز پڑھتے وقت آپ کے قلب اطہر سے ایسی آواز سنائی دیتی جیسے ہانڈی سخت آگ کی وجہ سے آواز کرتی (آپ کا یہ حال اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتا)

فائدہ: ازیز بمعنی جوش بعض نے کہا اس کی آواز المرجل بمعنی تانبے کی ہانڈی ؎

خوش نماز و نیاز کسے کہ از سر دارد
بآب دیدہ و خون جگر طہارت کرد

ترجمہ: وہ نماز و نیاز مبارک جو ادائیگی کے لئے آنکھ کے پانی اور جگر کے خون سے طہارت کرتا ہے۔

شیطان اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رازدان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن شیطان کو دیکھا کہ وہ خوب رو رہا ہے میں نے پوچھا کہ اے ملعون تیرا رونا کیسا۔ کہا اس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) لعنت کا دروازہ مجھ پر کھولا۔

(۲) اہل ایمان کا دل مجھ سے بند رکھا کہ جب مومن کے دل کی طرف رخ کرتا ہوں تو آگ سے جلایا جاتا ہوں۔

وحی داؤد علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی الٰہی آئی کہ اے داؤد (علیہ السلام) تیری زبان راز کی بازاری دلال ہے اور اس کا دعویٰ دارالملک کے ہاں ہے اور دین کا کوئی محل نہیں ہاں دل محل راز ہے کہ اس میں سے ہی اسرار احدیت و ازلیت کی خوشبو آتی ہے۔

حکایت عزیز مصر نے برادران یوسف کو کہا کہ اپنا سامان وغیرہ اٹھا کر واپس چلے جاؤ کہ تم میں یوسف کی خوشبو نہیں۔

فائدہ: ان فی ذلک لذکریٰ کا یہی راز ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ "القی السمع" میں السمع کی حقیقت یہ ہے کہ جو انفس و آفاق کی باتیں ہیں وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے سُنی سمجھی جائیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنی کتاب عالم کبیر میں پڑھتا ہے اور کبھی انسان کی ذات میں اسی لئے اسے اچھی طرح سن اور ہر وقت اپنے مالک کے خطاب کے لئے تیار رہ جہاں بھی ہو اور کان کے بوجھ یعنی بہرا پن سے محفوظ رہ کیوں کہ بہرا پن ایک آفت ہے جو کتاب کبیر سے

اللہ تعالیٰ کی تلاوت تجھے نہیں سننے دیتی کتاب کبیر سے قرآن مراد ہے اور انسان محل الجمع ہے اس کا جو عالم کبیر میں پھیلا ہوا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں (اور جو ان کے اندر ہے) پیدا کیا مخلوق کی تمام قسمیں فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ (چھ دنوں میں) یعنی زمین دو دنوں میں اس کے منافع دو دنوں میں اور آسمان دو دنوں میں اگر وہ چاہتا کہ وہ ان سب کو آنکھ جھپکنے سے پہلے پیدا فرما دیتا لیکن اس میں ہمیں سبق ہے کہ دیر میں خیر ہے اور عجلت شیطان کا کام ہے سوائے چھ مقامات کے۔ چھ کاموں میں جلد بازی ضروری ہے۔

(۱) ادائیگی نماز میں جب وقت ہو

(۲) دفن المیت میں جب حاضر ہو

(۳) تزویج البکر میں جب بالغ ہو جائے۔

(۴) ادائے قرض میں جب وقت اور معیاد پوری ہو جائے۔

(۵) مہمان کو کھانا دینا جب آجائے۔

(۶) گناہ سے توبہ میں

فائدہ : بعض عارفین نے فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ کے مکانات کی وسعت ہو تو اسے دروازوں سے آنا چاہیے اور فضل کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے جن اسباب سے ہو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا گارہ اپنے دونوں ہاتھوں (قدرت) سے گوندھا پھر اسے برابر کرکے درست بنایا پھر اس میں روح پھونکی اور اسے اسمار کے علوم سے نوازا۔ ایسے ہی جملہ اشیاء کو ترتیب و نظام سے پیدا فرمایا ورنہ وہ قادر ہے کہ آدم علیہ السلام کو ابتداء ہی سے ایسے بنا دیتا کہ گارے کی ضرورت ہوتی نہ دوسرے اسباب کی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے ارواح کے آسمان اور اشباح کی زمیں اور جو ان کے اندر نفوس و قلوب و اسرار و سرالاسرار ہیں چھ دنوں میں پیدا فرمائے یعنی چھ مخلوقات میں سے چھ انواع اور یہ محصور ہیں ان میں جو ہم نے بیان کیا یعنی (۱) روح (۲) اشباح (۳) نفوس (۴) قلوب (۵) اسرار (۶) سرالاسرار۔

کوئی اور مخلوق ایسی نہیں جو ان چھ انواع میں داخل نہ ہو (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

تفسیر عالمانہ وَمَا مَسَّنَا اور نہیں پہنچی مجھے ان کے پیدا کرنے سے مِنْ لُّغُوْبٍ تکان۔

حل لغات : امام راغب نے فرمایا لغوب بمعنی تھکان کہا جاتا ہے آتانا ساعیا لاغبا خائفا تعبا میرے پاس دوڑتا ہوا تھکا ہوا خوفزدہ اور تھکا ہوا آیا" القاموس میں ہے کہ لغب لغبا و لغوبا منع وسمع وکرم کی طرح اعی اشد الاعیاد تھکا اور خوب تھکا تاج المصادر میں ہے اللغوب بمعنی ماندہ شدن تھکا ہوا ہونا و فعل یفعل فعولا فعلا ایضاً ضعیف لغت ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ نہ تھکا اور نہ رنج ہوا اگر ایسا ہو تو اس کے ضعف پر اور ضعف فساد پر دلالت کرتا ہے تو جب ہمارا یہ تصرف بغیر تھکان اور رنجش کے ہے اور تم تمام تصرفات کو دیکھ رہے ہو کہ میرا ہر شے پر برابر طور امر نافذ اور کامل تصرف ہے۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہمیں کوئی تھکان نہیں پہنچی کیوں کہ یہ سب کچھ امر کن سے پیدا کیا گیا جیسا کہ فرمایا کہ" وما امرنا الا کلمح البصر " اور نہیں ہمارا امر مگر ایسے جیسے آنکھ کا جھپکنا تو پھر اسے تھکان کا کیا معنیٰ اور وہ صمد ہے اسمیں آثار حدوث کا حادث ہونا ممتنع ہے۔

رد یہودیوں کا اسمیں جاہل یہودیوں کا رد ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کو اتوار سے جمعہ تک پیدا کیا تو پھر ہفتہ کے دن آرام فرمایا تھکان آتاری اور عرش معلےٰ پر لیٹ گیا پاک ہے اس کی ذات اس سے جو کہتے ہیں ھو علوا کبیرا۔

فائدہ : اس امت میں جو فرقہ مشبہ پیدا ہوا ان کا اصل بھی یہودی ہیں کہ اس فرقہ نے اپنے اصول انہی یہودیوں سے لئے۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے کہا کہ یہ آیت دوسری آیت اولم یروا ان اللہ الذی خلق السموٰت والارض ولم یعی بخلقھن بقادر علی ان یحیی الموتیٰ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائی اور وہ ان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا اور وہ قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے) کی طرح ہے جیسا کہ آیت کا بعد اس پر دلالت کرتا ہے چنانچہ فرمایا فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ تو صبر کیجئے اس پر جو وہ کہتے ہیں یعنی جو کچھ مشرکین مرنے کے بعد اٹھنے کے متعلق کہتے ہیں وہ باطل باتیں جن کی بنیاد انکار و استبعاد ہے اس لئے کہ جو ذات ان آسمانوں اور زمینوں وغیرہ کو بلاکم وکاست پیدا کر سکتا ہے تو وہ انہیں اٹھانے پر بھی قادر ہے اور وہ ان سے بدلہ بھی لے سکتا ہے یا اس کے قائل یہود ہیں کہ وہ کفر بک رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تفسیر المناسبات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت پر یہ امور دلالت کرتے ہیں اور ان آسمانوں و زمینوں کے اندر کی اشیاء بھی مکمل طور اس کے سامنے ہیں اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمی وسعت پر بھی کہ وہ جس طرح دشمنان خدا کو ڈر سناتے ہیں ویسے ہی واقع ہو جاتا ہے اور

جس طرح محبوبانِ خدا کو خوشخبری سناتا ہے اسی طرح ہوتا ہے تو جب یہ بات ہے تو پھر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا کہ فاصبرؔ یعنی آپ کافروں وغیرہ کی تمام باتوں پر صبر کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ نفوس کی تربیت صبر سے ہوتی ہے جو کچھ جاہل کہتے ہیں اس پر صبر ضروری ہے ان کی جملہ مکروہ اور ناخوشگوار باتیں سُننے سے نفوس کا صفات مذمومہ سے تزکیہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ذکر و تسبیح و تمجید پر بھی مداومت ضروری ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کیجئے ممکنات کے عجز اور خبر دینے کے خلاف کے عجز سے منجملہ ان کے مرنے کے بعد اٹھنے کی خبر بھی ہے کہ وہ اس سے جو یہ لوگ تشبیہ دیتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ تھک جاتا ہے معاذ اللہ) درانحالیکہ تم متلبس ہو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس پر جو اُسنے تم پر انعام فرمایا اصابۃ حق وغیرہ کا۔

فائدہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے الامالی میں فرمایا کہ حمد کو ہمیشہ تسبیح سے ملانے میں راز یہ ہے مثلاً فرمایا وان من شی الا یسبح بحمد ربہ (کوئی شے نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کہتی ہو۔ معرفت الٰہی دو قسم ہے۔

(۱) معرفۃ ذات (۲) معرفت اسماء وصفات اور ان دونوں کی معرفت ایک دوسری کو لازم ہے کہ ایک کا اثبات دوسری کے بغیر ناممکن ہے یاد رہے کہ اثبات الذات از مقتضائے عقل اور اثبات اسماء وصفات از مقتضائے شرع ہے عقل سے مسمّٰی (ذات) ثابت ہوا اور شرع سے بھی اور عقل میں اس ذات کا تصور نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے حدوث کے جملہ نشانات و علامات کی نفی نہ ہو اور وہ تسبیح سے ہو سکتا ہے اسی لئے وہ مقدم ہے کیوں کہ مقتضائے عقل مقتضائے شرع سے مقدم ہے اس لیئے کہ شرع منقول بعد حصول النظر والعقول کے بعد آئی ہے اور نظر پر عقول نے رہبری کی ہے اس کے بعد ہی ذات کا علم ہوا تو پھر اسماء کا علم ہوا اسی لئے تسبیح کے بعد حمد وثنا لائی جاتی ہے اسی لئے ہم اس تسبیح کے مامور ہیں جس میں حمد بھی ہو۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ طلوع شمس سے پہلے اور غروب سے پہلے یہ دونوں وقت فجر و عصر سے موسوم ہیں اور ان کی فضیلت مشہور ہے۔ ان دونوں میں تسبیح بہت بڑی فضیلت رکھتی ہے اور سورۃ طٰہٰ میں ہے۔ قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا اس میں تماس کی رعایت کی گئی ہے کیونکہ غروب شمس کا ہی ہوتا ہے جیسے طلوع بھی اسی کا وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ اور رات کے کچھ حصے میں بھی تسبیح کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ " من اللیل" فعل محذوف کا مفعول ہے جس کا عطف سبح بحمد ربک پر ہے جس کی تفسیر فسبحہ کر رہا ہے اور من تبعیضیہ ہے اور اس میں فعل مذکور بھی عمل

کرسکتا ہے اور فا فصل کو اپنے مابعد پر عمل کرنے سے نہیں روکتی جیسے سورۃ قریش (پ ۳۰) میں اس کی تفصیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: بعض مشائخ کبار نے فرمایا کہ قبل طلوع الشمس سے اول النہار اور قبل الغروب سے تا آخر النہار اور وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ کے تمام شب مراد ہے یعنی بقدر وسعت ہر وقت ذکر تسبیح و تحمید میں لگا رہنا چاہیے۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ) کہتا ہے کہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض اولیاء سالہا سال نہیں سوئے اور ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ دوام ذکر و تسبیح نصیب ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین هم علی صلاتهم دائمون اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نماز پر مداومت کرتے ہیں۔

فائدہ: اس سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے قلب کی مداومت مراد ہے نہ کہ قالب (جسم) کی کیوں کہ اکثر اولیاء اللہ کو سوتے اور قیام اللیل کرتے ہر دونوں طرح دیکھا گیا جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی لیکن ایسے حضرات کے قلوب بیدار ہوتے ہیں اور نماز سے مراد توجہ الی اللہ ہے اسی لئے ایسے لوگ رات دن کے جملہ لمحات میں متوجہ الی اللہ رہتے ہیں وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ اور سجود کے بعد یعنی نمازوں کے بعد اور ان کے اواخر میں۔

حل لغات: ادبار دُبُر کی جمع ہے ادبرت الصلوٰۃ بمعنی انقضت الصلوٰۃ (نماز ختم ہو گئی) سے ہے۔

فائدہ: رکوع و سجود کو بھی صلاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ نماز کے بہت بڑے ارکان ہیں جیسے وجہ کو ذات سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ اشرف الاعضاء ہے۔

فائدہ: تفسیر المناسبات میں ہے کہ "وسبح اور تسبیح کیجئے درانحالیکہ تم متلبس ہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ قبل طلوع الشمس یعنی صبح کی نماز میں جو اس کے لائق ہے تسبیح و تحمید وغیرہ میں سے وقبل الغروب اور سورج کے غروب سے پہلے ظہر و عصر کی نماز میں اس وقت میں عصر کی نماز اصل اور ظہر اس کے تابع ہے۔ اور جب وہ وقت ذکر کیا گیا جو حب الٰہی کے لئے محبوب تر ہے کیوں کہ وہ انتشار کا وقت ہے کہ وہ ضروری امور انجام دیتے ہیں کہ جن پر امور کا توام ہے اور راحت جسمانیہ کے آرام کے لئے واپس لوٹنا ہے ایسے ہی کھانے پینے اور لہو و لعب اور انتشار کے بعد جمع ہونے اور مل بیٹھنے کیلئے علاوہ ازیں ان دونوں وقتوں میں مخلوق کے پھیلنے اور چلنے پھرنے اور پھر جمع ہونے میں دلالت ہے اس کے پیچھے ان اوقات کو بھی ملایا گیا جو راحت کے اوقات ہیں کہ جنہیں لیٹنا اور سونا ہے تو فرمایا ومن اللیل یعنی رات کے بعض اوقات میں **فسبحه**

تو تسبیح کیجئے مغرب و عشاء و قیام اللیل کیلئے کیوں کہ رات خلوات کا وقت ہے اور اس میں مناجات کیلئے لذیذ تر ہے جب فرائض کا ذکر فرمایا کہ ان کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں تو انہیں ضمناً نوافل بھی مذکور تھیں لیکن صراحۃً ان کا ذکر ضروری تھا اسی لئے ان کے بعد "وادبار السجود" میں نوافل کا ذکر فرمایا السجود سے فرائض مراد ہیں جو کہ باب نماز میں مکمل ترین شئے ہے فرائض کے بعد سنن و نوافل اور تسبیح قولی ہوتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ عبادت میں مشغول ہونا اپنے مالک سے طلب رحمت اور تسبیح پڑھنے میں گویا طلب نصرۃ ہے مکذبین پر تر اور نماز مدد کے لئے اور ازالہ تھکان کے لئے عظیم ترین تریاق ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی ہولناک امر حائل ہوتا تو نماز میں مشغول ہو جاتے۔

حل لغات حزبہ الامر بمعنی نابہ واشتد علیہ او ضغطہ فلان کو فلان امر حائل ہوا اور اسے پریشان کیا اور فزع الیہ بمعنی لجاء پناہ لی۔

تفسیر الخلفاء الراشدین سیدنا عمر و سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے ادبار السجود سے صلوۃ مغرب کے بعد دو رکعت مراد لی ہے اور ادبار النجوم سے صلوۃ فجر سے قبل دو رکعت مراد ہے جمہور مفسرین کا بھی یہی مذہب ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صلوۃ مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعت پڑھی تو اس کی نماز علیین میں لکھی جائے گی۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فجر کی دو رکعت یعنی سنت صبح دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب اور فجر کی دو سنتوں میں سے پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکفرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

فائدہ: یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

مسئلہ: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وادبار السجود سے فرائض کے بعد زبان سے تسبیح پڑھنا مراد ہے

حدیث شریف: میں ہے کہ جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ اور تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہی یہ کل ننانوے بار ہوا پھر سو پورا کرنے کیلئے کہا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر تو اس کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ برابر ہوں۔

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ دنیادار

ہم سے بازی جیت گئے یعنی درجات بلند اور نعیم مقیم سے سرفراز ہوں گے آپ نے فرمایا وہ کیسے عرض کی وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح جہاد کیا اور اپنے زائد مال سے خرچ کرتے ہیں جو ہمارے بس سے باہر ہے آپ نے فرمایا میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تم پہلے لوگوں اور آنے والوں سے سب سے بازی لے جاؤ ہاں اگر وہ بھی اسی طرح عمل کرے گا جیسے تم کو بتاؤں تو انہیں بھی وہی مرتبہ ملے گا وہ یہ کہ ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ اور دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر کہو (کشف الاسرار)

نکتہ از صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ صرف تین چیزوں کے بیان کرنے میں راز ہے وہ یہ کہ صحابہؓ نے سوال میں تین چیزوں کا ذکر کیا یعنی صلوٰۃ، جہاد، انفاق، اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین امور کا ذکر فرمایا اور آخری حدیث شریف میں دس بار فرمانے کا راز وہی ہے کہ آیت میں ہے کہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا (جو ایک نیکی کرے اسے دس کا ثواب ملے گا) اور ہر ایک ذکر (حمد۔ تکبیر۔ تسبیح) کو اسی طرح دوگنا کرنے سے اسماء الحسنیٰ کی تعداد کے مطابق ہو جاتا ہے یعنی ننانوے احادیث کو ملایا گیا تو ایک سو ہو گیا اور ایک عشرہ کا دوگنا کرنے کا یہی طریقہ اختیار کیا جائے تو ایک ہزار ہو جائے گا تاکہ اشارہ ہو اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء کی طرف اسی لئے تسبیح وتحمید وتکبیر کے زائد (یعنی تینتیس دفعہ) میں اعداد کے اصول کی طرف اشارہ ہے جنہیں ایک بار لا الٰہ الا اللہ ملانے سے پورا ایک سو ہو گیا اس طرح سے اصول اعداد کا اصول سے یعنی ایک سو سے اور فروع کا مقابلہ ایک ہزار سے ہو۔

سوال: اہل ثروت بھی تو یہ تسبیح وتہلیل وتکبیر پڑھتے ہیں تو پھر فقراء (مساکین) کو ان پر کوئی فضیلت نہ ہوئی۔

جواب: ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب فقیر خلوص دل سے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے اور دولتمند بھی اسی طرح خلوص دل سے کہے تو دولتمند کا فقیر کے ساتھ مقابلہ نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ دولتمند اس کے ساتھ دس ہزار درم خرچ کرے ایسے ہی تمام نیکیوں کا حال ہے اس سے فقراء کی اغنیاء پر افضیلت ثابت ہوئی (الحمد للہ علیٰ ذٰلک)

مسئلہ: آیت نوافل کی فضیلت ثابت ہوئی۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابو الدرداء کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے عویمر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے اجتناب کرنا اور فرائض ادا کرنا اس طرح سے تم عاقل ہو گے پھر اعمال صالحہ کے زوائد ادا کرنا اس طرح سے تم کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب

ہو جائے گا اور اس سے عزت بھی عطا ہو گی۔

حدیث شریف ۲: نوافل کو اچھا کر کے پڑھو تاکہ تمہارے فرائض کی تکمیل ہو۔

حدیث شریف ۳: مرفوع حدیث میں ہے نوافل مومن کا ہدیہ ہے جو وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف بھیجتا ہے تو چاہیے انہیں بہتر طریق سے ادا کرے۔

حدیث شریف ۴: میں ہے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیجئے۔

حدیث قدسی ۵: میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بندہ میرا قرب جتنا فرائض کی ادائیگی سے حاصل کرتا ہے اتنا اور کسی عبادت سے نہیں حاصل کرتا اس کے بعد اسے میرا قرب نوافل سے نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں۔

فائدہ: نوافل سے نماز کے نوافل کے علاوہ دوسری عبادات بھی مراد ہیں ان میں سلوک صوفیہ بھی ہے کہ اس سے سالک اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے کہ اس سے وہ حجابات مانعہ دور ہو جاتے ہیں جو اسے دیدار الٰہی سے روکتے ہیں۔

فائدہ: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرب الٰہی سے قرب روحانی مراد ہے کہ بندے کے دل سے جہل وطیش وغضب اور حاجات بدنیہ بقدر طاقۃ بشریہ کی میل کچیل دور ہو جائے اور بندہ اخلاق الٰہیہ جیسے علم وحکمت ورحمت سے متخلق ہو جائے۔

فائدہ: فتوحات مکیہ کے ترجمہ میں ہے کہ ادائیگی فرائض میں عبودیت اضطراری اور نوافل میں عبودیت اختیاری ہے اور نفل رکعت سے زائد کو کہا جاتا ہے اور خود انسان اپنے وجود کے لحاظ سے زائد ہے بر وجود حق تعالیٰ اس لئے کہ اے انسان تو نہ تھا لیکن وہ تھا تیرے وجود سے ایک وجود حادث (زائد) ہوا اس معنیٰ پر نفل سے تیرے وجود کی طرف اشارہ ہے کہ یہ زائد ہے اور عمل فرائض اشارہ بوجود حق تعالیٰ ہے کہ وہ اصل کلی ہے بس ادائیگی فرائض میں بندہ حق تعالیٰ کے لئے ہے اور ادائیگی نوافل میں برائے خود ہے اس وقت کہ تو اس کے کام میں ہے لیکن جب نوافل ادا کرتا ہے تو اپنے کام میں ہے اسی لئے وہ تیرے سے محبت کرتا ہے اس محبت کا ثمرہ "کنت سمعہ وبصرہ" ہے لیکن اس سے اندازہ کیجئے کہ جب تو اس کے کام میں ہو گا یعنی ادائیگی فرائض میں تو پھر اس کی تیرے ساتھ کتنی محبت ہو گی اور وہ اس کا ثمرہ کیا ہو گا۔

مسئلہ: جس فریضہ میں کمی واقع ہو گی تو اس فرض کے بعد والے نوافل سے کمی پوری کی جائے گی۔

حدیث شریف: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے فرائض پر نگاہ رکھو اگر مکمل ادا

کرتا ہے تو اسے کامل لکھو اگر ناقص ادا کرتا ہے تو دیکھو میرے اس بندے نے کوئی نوافل بھی پڑھے ہیں تو انہی نوافل سے اس کے فرائض کی تکمیل کر دو۔

فائدہ : جب رکوع وسجود و دیگر افعال کہ ان کے سوا نماز نامکمل ہے ان کی ادائیگی نوافل سے فرائض کے تمام مقام ہو جاتی ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے فرائض کو نوافل کے درمیان رکھا ہے تاکہ فرائض میں کمی ہو تو نوافل سے تکمیل کی جا سکے۔

فائدہ : اکابر فرماتے ہیں جو چاہتا ہے کہ اسے وہ علم حق نصیب ہو کہ جس کے آگے پیچھے باطل نہ آسکے تو وہ نوافل وطاعات کی کثرت کرے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ محبوب بنائے پھر وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اللہ تعالیٰ سے حاصل کرے گا۔ ایسے ہی شرع کے جملہ احکام کی معرفت اسے اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوں گے نہ کہ عقل سے اگر وہ نوافل وطاعات کی کثرت نہیں کر سکتا تو وہ اپنے رب تعالیٰ کی ان خبروں کی تقلید کرے جس کی اسکے اولیاء نے خبر دی ہے یہ اس سے بہتر ہے جو عقل کی تقلید کرتا ہے۔

نوافل المشائخ

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ ادبار السجود میں صلوٰۃ الرغائب وصلوٰۃ براۃ وصلوٰۃ القدر وغیرہ داخل ہیں اس لئے کہ صلوٰۃ الرغائب مغرب کے بعد شب جمعہ اول از ماہ رجب پڑھی جاتی ہے اور صلوٰۃ البراۃ عشاء کے بعد پندرہ شعبان میں پڑھی جاتی ہیں یہ نمازیں محققین مشائخ کی مستحسنات سے ہیں کیوں کہ یہ نوافل ہیں یعنی فرائض وسنن پر زائد ہیں یہ اس تقدیر پر ہے کہ انکی اصل صحیح شرع میں نہ ہو اسی لئے اس نماز پر مشائخ کو کلام ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کی اصل ہے کیوں کہ اکثر قول ہے کہ یہ نوافل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی ہیں ان کا اصل صحیح شرع میں ہے ہاں ان کا ظہور حادث ہے لیکن یہ حدوث ان کی اصالت میں نقصان دہ نہیں علاوہ ازیں مشائخ کرام کا عمل اس کی سند کے لئے کافی ہے کیوں کہ وہ حضرات ذوالجناحین (دو پر والے) ہیں اور میں نے اس موضوع پر ایک علیحدہ تصنیف لکھی ہے جو اپنے موضوع میں شافی ووافی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاسْتَمِعْ اے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنئیے اسے جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے احوال قیامت سے استمع کا مفعول حذف کر کے پھر اس یوم الخ میں اُس دن کی ہولناکی اور خطرناکی کی طرف اشارہ جیساکہ حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ وہ سات دن ہیں یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے معاذ توجہ سے سن جو میں تجھے کہوں اس کے بعد آپ نے اسے حدیث سنائی۔

حل لغات : السمع مسموع کا کان لگا کر ادراک کرنا السامع والمستمع میں فرق یہ ہے کہ مستمع وہ ہے

جو قصداً کسی شے کی طرف کان لگا کر نا سننے اور سامع وہ ہے جس کے کان میں کوئی شے اتفاقاً پہنچے جس کے سننے کا قصد نہ ہو اس معنیٰ پر ہر مستمع سامع ہے لیکن ہر سامع مستمع نہیں یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ (اس دن کہ پکارنے والا پکارے گا) دراصل ینادی المنادی تھا ایسے ہی ابو عمرو و نافع و ابن کثیر نے پڑھا ہے المنادی بالیاد وہ فرشتہ جو صور پھونکے گا یعنی اسرافیل علیہ السلام اور الندا بمعنی نفخ اوما ہے نداء سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا وہ خروج از قبور اور حشر کے لئے علم ہے اور وہ نداء کانوں میں ایسے پہنچے گی جیسے مؤذن کی اذان کی آواز پہنچتی ہے یا وہ آواز جو لشکر (فوج) کو کوچ کے وقت کانوں میں آتی ہے بعض نے کہا وہ حقیقی نداء ہو گی وہ (اسرافیل علیہ السلام) پتھر پر کھڑے ہو کر کانوں میں انگلی دبا کر کہیں گے۔ اے پرانی ہڈیو! اے ٹوٹے ہوئے جوڑو! اے ریزہ ریزہ شدہ گوشت کے ٹکڑو اور متفرق بالو تمہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے فیصلہ کے لئے ایک دوسرے سے جڑ جاؤ۔

بعض نے کہا کہ اسرافیل پھونکیں گے بعض نے کہا حشر کے لئے جبرائیل علیہ السلام اعلان کریں گے مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ (قریب کی جگہ سے) آسمان کی طرف اور پتھر سے صخرہ بیت المقدس ہے اس لئے کہ بیت المقدس آسمان کو بہ نسبت دوسری زمینوں کے قریب تر ہے۔ بارہ میل یا اٹھارہ میل ہے یہی زمین کا وسط ہے جیسا کہ سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا یا مکان قریب سے مراد یہ ہے کہ ان کی نداء سب کو برابر طور پہنچے گی اس معنیٰ پر وہ گویا سب کو قریب ہوں گے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اسے قریب اس لئے کہا گیا ہے کہ اسے ہر انسان اپنے کان سے سنے گا بعض نے کہا وہ آواز قدموں کے نیچے سے سنائی دے گی بعض نے کہا اپنے بالوں کی جڑوں سے سنی جائے گی یہاں تک کہ ہر بال سے علیحدہ علیحدہ آواز ہو گی۔ شاید یہ آواز اعادہ کی اسی طرح ہو گی جیسے ابتدا رکن کی آواز تھی یوم الخ یہ یوم ینادِ سے بدل ہے یسمعون سنیں گی ارواح یا بعض نے کہا کہ اس سے اجسام مراد ہیں اس لئے کہ انہیں چالیس سال میں تیار کر لیا جائے گا۔

عین المعانی الصَّيْحَةَ سنیں گے آواز کو یہ مرنے کے بعد اٹھنے کی آواز ہے یعنی نفخہ ثانیہ الصیحہ اور الصیاح انتہائی طاقت ور آواز بِالْحَقِّ حق کے ساتھ یہ صیحۃ کے متعلق ہے اور اس سے حال ہے اور ظرف کا عامل وہ جس پر دلالت کرتا ہے ذٰلِكَ وہ روز يَوْمُ الْخُرُوْجِ قبور سے نکلنے کا دن ہے اور یہ بھی قیامت کے اسماء میں سے ایک ہے اور یوم العید کو بھی یوم الخروج کہا جاتا ہے کیوں کہ اسے اس کے مشابہت ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس دن وہ لوگ وہ آواز سنیں گے جو حق سے متلبس ہے جو کہ وہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے قبور سے نکل کر حساب کیلئے حاضر ہوں گے اسکے بعد بہشت یا دوزخ

میدان حشر کا منظر

کشف الاسرار میں ہے کہ جب یہ پکار پڑے گی تو مخلوق میں اضطرار پھیل جائے گا گوشت و پوست بوسیدہ اور ہڈیوں کے ریزے جو مٹی میں مٹی ہو چکے ہوں گے اور ذرہ ذرہ ہو کر ایک دوسرے سے جدا ہو چکے ہوں گے ان کے بعض مشرق میں اور بعض مغرب میں بعض جنگلوں میں بعض دریاؤں میں بعض کو بھیڑیے کھا چکے ہوں گے بعض پرندوں کا لقمہ بن گئے ہوں گے آواز سنتے ہی سب ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور ہر ذرہ اپنی جگہ سے اڑ کر اپنے اجزاء میں مرکب ہوں گے ہفت اقلیم از ابتداء آفرینش تا یوم قیام یکسو یکجا آئیں گے خود اکٹھے ہوں گے اور خود جڑ جائیں گے اپنی اصلی صورتوں میں تیار ہو جائیں گے اعضاء و اجزاء مرتب و مرکب ہوں گے ذرہ برابر کم و بیش نہیں ہوں گے کسی ایک کا بال دوسرے کو نہ لگے گا نہ اپنا بال اپنی غیر جگہ پر پیوست ہو گا وہ دن بہت بڑا ہیبتناک ہو گا وہ حشر و نشر کا دن ہے وہ خیر و شر کی جزا کا ہے ترازو وحساب کا اور کرسی قضاء کی سامنے ہو گی ہیبت کا فرش بچھا ہو گا تمام مخلوق ہیبت سے گھٹنوں بل آئے گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وتری کل امۃ جاثیۃ (تم تمام لوگوں کو گھٹنوں بل دیکھو گے) دوزخ غرائیگی اس نے فرمایا تکاد تمیز من الغیظ قریب ہے کہ غیظ و غضب سے پھٹ جائے زبانیہ فرشتے مجرموں کو گرفتار کر کے چل رہے ہوں گے جیسا کہ فرمایا خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ اسے پکڑو اور اسے زنجیر سے جکڑو پھر اسے دوزخ میں داخل کرو ہر کس اپنے حال میں پریشان ہو گا۔ اپنے پرائے سے بیزار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لکل امرأ منہم یومئذ شان یغنیہ ہر کس اس دن ایسے حال میں ہو گا کہ اسے کسی دوسرے کی خبر نہ ہو گی۔

تلاش مدینہ اور انوار مدینہ

منقول ہے کہ روز محشر سب سے پہلے حضرت جبریل و حضرت میکائیل علیہما السلام زمین پر تشریف لائیں گے ابھی کوئی بھی اپنے قبور سے باہر نہیں آیا ہو گا ان حضرات کے ہاں براق اور پوشاک اور تاج ہو گا جو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لائیں گے۔ لیکن اس دن کی ہولناکی سے ایسے گھبرائے ہونگے کہ انہیں معلوم نہ ہو سکے گا کہ روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہے زمین سے پوچھیں گے تو زمین کہے گی میں خود گھبراہٹ میں ہوں مجھ سے نہ پوچھو مجھے اب یہ بھی خبر نہیں کہ میرے اندر کیا ہے اور کون ہے اور کہاں ہے۔ جبریل علیہ السلام مشرق و مغرب کا کونہ کونہ چھان ڈالیں گے لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکے گا اچانک دیکھیں گے کہ خوابگاہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انوار چمک رہے ہیں وہاں جبریل علیہ السلام پہنچیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزار سے باہر رونق افروز ہیں چنانچہ خود فرمایا انا اول من تنشق عنہ الارض میں پہلا وہ ہوں کہ جس سے زمین پھٹے گی۔

امت کا غم خوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے اے جبریل (علیہ السلام) میری امت کا کیا حال ہے عرض کریں گے حضور! آپ زمین سے باہر ہیں اور وہ ابھی زمین میں ہیں آپ پوشاک پہنیئے تاج سر پر زیب فرمایئے اور براق پر سوار ہوں کمر شفاعت باندھ کر میدان حشر میں تشریف لے چلیئے امت بھی آجائے گی۔

سربسجود ہو گئے نبی علیہ السلام

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان حشر میں پہنچتے ہی سربسجود ہوجائیں گے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں گے حق سے ندا آئے گی اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج کا دن خدمت (عبادت) کا نہیں بلکہ عطاء و نعمت کا دن ہے سجود کا دن نہیں سخا و جود کا دن ہے سر اٹھا سرورا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور شفاعت کا سہرا تیرے گلے میں ہے تو کہتا جا میں چھوڑتا جاؤں۔ اس لئے کہ تونے دنیا میں وہ کر دکھلایا جو میں نے کہا آج ہم آپ کو وہی دیں گے جو آپ چاہیں گے ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ تجھے تیرا رب وہ دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے سلسلۃ الذہب میں لکھا کہ ؎

۱ : سُوئیم افگن ز رحمت نظرے
بازکن بر رُخم ز فضل درے

۲ : لب بجنبان پے شفاعت من
منگر در گناہ و طاعت من

۳ : ماندہ ام زیر بار عصیان پست
رفتم از پائے اگر نگیری دست

۴ : رحم کن بر من و نفیری من
دست دہ بہر دستگیرئ من

ترجمہ ۱ : میری طرف رحمت کی نگاہ ہو، مجھ پر اپنے فضل سے دروازہ کھول دے۔
۲ : میری شفاعت کے لئے لب کو حرکت دے میرے گناہ اور طاعت نہ دیکھ۔
۳ : میں عاجز آگیا ہوں گناہوں کے بوجھ سے میں پاؤں پر گر جاؤں گا اگر تم امداد نہ کروگے۔
۴ : مجھ پر اور میری نفیری پر رحم فرما میری امداد کے لئے ہاتھ دے (مدد کر)

تفسیر عالمانہ

انا نحن نحیی و نمیت (بے شک ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں) دنیا میں اس میں ہمارا کوئی شریک نہیں اسم لا کر پھر ضمیر کا تکرار محض

تاکید و اختصاص اور یہ کام اس کے انفراد کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ نطفہ مردہ کو ہم زندگی بخشتے اور پھر ان سب کو دنیا میں موت دیتے ہیں وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ اور ہماری طرف آخرت میں جزا کے لئے لوٹنا ہے نہ ہمارے غیر کی طرف نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک اسی لئے ہمارے ہاں پہنچنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ اوقات ذکر کے انقطاع کے بعد مراقبۂ قلوب کی طرف کہ وہ ہوا تف الغیبیہ و الہامات ربانیہ و اشارات الٰہیہ مکان قریب سے سنیں اور مکان قریب سے قلب مراد ہے اس دن کہ نفوس جانب حق سے نصیحۃ سنیں جب کہ وہ اپنے صفات سے جلوہ گر ہو گا وہ ظلمات بشریت سے نور روحانیہ وربانیہ کی طرف نکلنے کا دن ہے بیشک ہم ہی مردہ قلوب کو زندہ کرتے اور زندہ نفوس کو موت دیتے ہیں اور ہماری طرف اس کا لوٹنا ہے جس کا نفس مر جائے اور قلب زندہ ہو جائے۔

فائدہ: ایک حشر و نشر عام ہے وہ اجسام کا قبور سے نکل کر یوم نشور میں میدان حشر میں حاضر ہونا ہے دوسرا حشر و نشر خاص ہے وہ ارواح اخرویہ کا قبور اجسام دنیویہ سے نکل کر روحانی سیر و سلوک سے حیاۃ دنیا میں عالم روحانی کی طرف جانا اور یہ موت بالارادہ ہے کہ موت اضطراری سے پہلے (جو صورۃ حیوانیہ سے نکلتا ہے) صفات حیوانیہ نفسانیہ سے نکلنا تیسرا حشر و نشر اخص ہے وہ قبور انانیۃ روحانیہ سے ہویۃ ربانیہ کی طرف جانا جیسے موت دو قسم ہے اضطراری و اختیاری ایسے ہی ولادت دو قسم ہے۔ اضطراری وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اس میں بندے کو کسی قسم کا دخل نہیں دوسری ولادت اختیاری وہ کسب سے حاصل ہوئی وہ وہی ہے جس کی طرف حضرت عیسٰی علیٰ نبینا و علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ ملکوت السمٰوٰت میں ہرگز داخلہ نہیں ہو سکتا جب تک انسان کی دو دفعہ ولادت نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ اس دن کہ لوگوں سے زمین پھٹے گی یہاں پر ایک تا محذوف ہے کہ یہ دراصل تتشقق تھا بمعنی تتصدع (پھٹے گی) جیسے المصادر میں ہے کہ التشقق بمعنی چر جانا (پھٹ جانا) اب معنی یہ ہوا اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے کہ اس دن کو کہ زمین پھٹے گی اور لوگوں سے دور ہو جائے گی اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں (سراعًا) تیز دوڑتے ہوئے۔ یہ مجرور سے حال ہے۔

حل لغات سراعًا سریعہ کی جمع ہے السرعۃ بمعنی تیز دوڑنا بطئی کی نقیض ہے اس کا استعمال نام دا افعال میں ہوتا ہے مثلاً سرع فہو سریع و اسرع فہو مسرع اب معنی یہ ہوا کہ اس دن

داعی کے بلانے پر تیز دوڑنے والے ہوں گے اس وقت دائیں بائیں بھی نہیں دیکھیں گے یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا مُھطِعِیْنَ اِلَی الدَّاعِ سر جھکا کر تیز دوڑنے والے ہوں گے داعی کی طرف (ذٰلِكَ) ان کا قبور سے زندہ کرنا حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ہمارے لئے آسان ہے ان کا قبور سے اٹھا کر جمع کر کے چلانا کہ ہم انہیں کہیں گے کُنْ تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یہ کفار کے قول کے بل برابر کا مقابل ہے انہوں نے کہا ذٰلِكَ رجع بعید یہ واپس لوٹنا بعید ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا غلط کہتے ہیں بلکہ وہ بہت آسان ہے۔

فائدہ: حرف جارہ و مجرور کی تقدیم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تخصیص کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ ایسی باتیں اس کے لئے آسان ہوتی ہیں جو انہیں جانتا اور ان پر ذاتی طور قادر ہو کہ اس کے آگے کلی بات نہ آئے جیسے فرمایا کہ دما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ تمہارا پیدا کرنا اور تمہارا قبور سے اٹھانا ایک ہی نفس جیسا ہے نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ہم ان کی باتوں کو زیادہ جانتے ہیں یعنی ان میں جو مرنے کے بعد اٹھنے اور آیات ناطقہ کی تکذیب وغیرہ کرتے ہیں ان کی ایسی باتوں میں کوئی بھلائی نہیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی اور کفار کو تہدید ہے وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ اور تم ان پر جبر کرنے والے نہیں کہ تشدد سے ان کو منوائیں یا جو چاہیں وہ منوالیں تم تو صرف نصیحت کرنے والے ہو جیسے فرمایا انما انت مذکر (تم تو نصیحت کرنے والے ہو) لست علیہم بمصیطر تم ان پر مسلط نہیں کہ انہیں مجبور کر کے منوالو۔

حل لغات: الجبر بمعنی کسی شے کی اصلاح جبر و تشدد سے اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہے الجبار یعنی وہ ذات جو بندوں کو اس پر مجبور کرے جو وہ چاہے۔ فَذَكِّرْ تو نصیحت کیجئے بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ قرآن کے ساتھ جو میرے وعید سے ڈرتا ہے یعنی جو قرآن کے مواعظ کو عظیم کیوں کہ ایسے لوگ اسی سے نفع حاصل کر سکتے ہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا فذکر فان الذکری تنفع المومنین نصیحت فرمایئے اس لئے کہ نصیحت اہل ایمان کو نفع دیتی ہے ان کے علاوہ ہم ان کو ان کے اقوال و اعمال کے مطابق سزا دیں گے اور قسم قسم کے عقاب و عذاب میں مبتلا کریں گے جیسے فرمایا وما انت تنذر من اتبع الذکر وخشی الرحمٰن بالغیب اور تم ڈراؤ اسے جو ذکر کی تابعداری کرے اور رحمٰن سے غائبانہ ڈرے۔

حل لغات: الوعید عذاب سے ڈرانا اور نفس عذاب کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے گزرا۔

تفسیر صوفیانہ

بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا کہ خاشعین کو اس کی عظمت سے اور خائفین کو اس کی کبریائی سے قرآن کے

ذریعے ڈرائیں کیوں کہ قرآن کے اہل وہی ہیں اور اہل قرآن ہی اہل اللہ (اولیاء اللہ) ہیں۔

انتباہ : یہاں وہ اہل قرآن مراد نہیں جو حدیث کے منکر ہیں جو خود تو اہل قرآن کہلواتے اور لکھواتے ہیں جیساکہ وہ اس نام سے اہل اسلام کو ورغلاتے ہیں وہ گمراہ ہیں پرویزی اور چکڑالوی ہیں یہاں اہل قرآن سے اولیاء اللہ مراد ہیں اللہم اجعلنا منہم (اضافہ اویسی غفرلہ)

یہی اہل قرآن اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں وہی حقائق خطاب کو جانتے عبودیت کی صفت سے وہی قرآن کے ذریعے معاون خاص میں پہنچ کر حق کو حق کے ساتھ دیکھتے ہیں جہاں ان کے آگے حجاب نہیں اور قرآن کے ذریعے ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں۔

فائدہ : حضرت احمد بن ہمدان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن سے وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اپنے ایمان و اسلام اور اپنے ہر نفس کے نگہبان ہیں یاد رہے کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ تخویف و انذار ان لوگوں پر موثر ہیں جو خائفین ہیں جو خائف نہیں وہ اسمیں کامیاب نہ ہوگا کیوں کہ آسمانی پرندہ پروں سے اڑتا ہے اور اس کا اڑنے کا انجام اس کا اپنا گھونسلہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ کا خطاب قلب سے ہے یعنی اے دل تو نفس اور اس کے صفات پر اپنے نفس کے ساتھ مسلط نہیں بلکہ ہماری مدد سے تو ان پر تسلط کر سکتا ہے اور قرآن سے یعنی اس کی دقیق معانی اور حقائق اسرار سے نصیحت کیجئے جو میری وعید سے ڈرتا ہے یعنی ان نفوس کو جو قرآنی نصائح اور اس کی وعید کے قابل ہیں کیوں کہ ہر نفس اس کے قابل نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ : در خیر باز ست ہرگز و لیک
نہ ہر کس توانا ست بر فعل نیک

۲ : کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود

۳ : زعلمش ملال آید از وعظ ننگ
شقائق بباران نروید ز سنگ

۴ : بکوششی نروید گل از شاخ بید
نہ زنگی بہ گرما بہ گردد سفید

۵۔ نیاید نکو کاری از بدرگان
محالست دوزندگی از سگان

۶۔ توان پاک کردن زژنگ آئینہ
ولیکن نیاید زسنگ آئینہ

ترجمہ ۱۔ خیر و بھلائی کا دروازہ کھلا ہے لیکن ہر کس کو نیک کام کی قدرت نہیں دی جاتی۔
۲۔ جسے بھی سر میں خیال غلط ہے گمان نہ کر کہ وہ حق سنے۔
۳۔ اسے علم و وعظ سے عار اور شرم آئے گی۔ پھول پتھر سے نہیں اُگتے۔
۴۔ بید کی لکڑی سے کوشش کے باوجود گلاب پیدا نہ ہوگا نہ ہی زنگی غسلخانہ میں سفید ہوجائے گا۔
۵۔ بداصل سے نیکی سرزد نہ ہوگی کتے سے سینا محال ہے۔
۶۔ آئینے سے زنگ دور ہوسکتی ہے لیکن پتھر سے آئینہ تیار نہیں کیا جاسکتا۔

سورۃ ق کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ میں بہت زیادہ اوقات سورۃ ق پڑھا کرتے اس لئے کہ اس میں ذکر الٰہی اور اس کی ثناء ہے پھر بتایا گیا ہے کہ جو تمہارے دلوں پر وسواس ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے بلکہ اسے فرشتے لکھتے ہیں اور نہ صرف وسوسہ بلکہ ہر طاعت و عصیان لکھتے ہیں پھر اس میں موت اور سکرات کی تذکیر اور قیامت اور اس کے ہولناک حالات کی یاد دہانی پھر بندوں کے اعمال کی شہادت اس کے بعد جنۃ و دوزخ کی تذکیر پھر مرا ٹھنے پر آواز سنانے اور اٹھنے اور قبور سے نکلنے کی خبر پھر نمازوں پر مواظبت کا بیان ہے۔

خطبہ کی ایک بدعت خطبہ کے آخر میں "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (الآیۃ) پڑھنے کا ابتدار حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور تمام خطباء پر لازم کردیا تا حال وہی بدعت جاری ہے۔[1]

---

[1] (یعنی صاحب روح البیان رحمۃ اللہ کے زمانہ تک) بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ تا حال ۱۴۰۸ھ ہر خطیب اسے پڑھتا ہے یہاں تک کہ دیوبندی وہابی بھی جو بدعت سے ڈراتے ہیں لیکن اس سے جسے نبی علیہ السلام اور اولیاء کرام کے کمالات سے تعلق ہو ورنہ وہ ہر قسم کی بدعت پر عمل کرتے ہیں بلکہ ان کا بدعات کے بغیر گزارہ ہی نہیں اور نبی علیہ السلام اور اولیاء کرام سے متعلق بدعات حسنہ سے چڑ کیوں یہ خود سوچیئے کہ کیوں۔ (اویسی غفرلہ)

مسئلہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سورۃ قٓ پڑھتے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اذا الشمس کورت تا۔ ار حضرت ، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ سورۃ النساء کا آخر یستفتونک فی النساء الخ اور حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہٗ • سورۃ کافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھا کرتے (ذکرہ ابن الصلاح)

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے سورۃ قٓ کی تلاوت کی اللہ تعالیٰ اس پر تارات موت اور سکرات کے حملے آسان فرمائے گا۔

فائدہ : تارات بمعنی افاقات اور نسیان (مدہوشی وغیرہ) حواسی سعدی المفتی رحمۃ اللہ

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ فراغت اور سورۃ قٓ

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا اس سورۃ کی تفسیر سے فراغت اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمانہ کی مدد سے جمادی الاولیٰ کے اوائل میں ۱۱۱۲ھ میں ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ کی فراغت

: بفضلہ تعالیٰ وکرمہ فقیر نے اس سورۃ قٓ کے ترجمہ سے ۴ جمادی الآخرۃ ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۸۸ء بروز یک شنبہ صبح دس بجے فراغت پائی۔

الحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور ۔ ــــــــ پاکستان

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ

اس کی ساٹھ آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ○ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ○ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ○ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ○
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ○ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ○ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ○
اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ○ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ○ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ○ الَّذِيْنَ
هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ○ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ○ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ
يُفْتَنُوْنَ ○ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ○
كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَفِيْٓ
اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ○ وَفِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ فَوَرَبِّ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ○

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

ترجمہ : قسم ان کی جو بکھیر کر اڑانے والیاں پھر بوجھ اٹھانے والیاں پھر نرم چلنے والیاں پھر حکم سے بانٹنے والیاں بے شک جس بات کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور سچ ہے اور اور بے شک انصاف ضرور ہونا آرائش والے آسمان کی قسم تم مختلف بات میں ہو

اس قرآن سے وہی اوندھا کیا جاتا ہے جس کی قسمت ہی میں اوندھا یا جانا ہو مارے جائیں دل سے تراشنے والے جو نشے میں بھولے ہوئے ہیں پوچھتے ہیں انصاف کا دن کب ہوگا اس دن ہوگا جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے اور فرمایا جائے گا چکھو اپنا تپنا یہ ہے وہ جس کی تمہیں جلدی تھی بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہیں اپنے رب کی عطائیں لیتے ہوئے بے شک وہ اس سے پہلے نیکو کار تھے وہ رات میں کم سویا کرتے اور پچھلی رات استغفار کرتے اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بے شک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا واؤ قسمیہ ہے الذاریات اور اس کے مابعد جملہ صفات وہ ہیں جن کے موصوف محذوف ہیں اور یہ صفات ان کے قائم مقام ہیں یہ دراصل والریاح الذاریات تھا ذروًا مصدر ہے اس کا عامل الذاریات ہے۔

حل لغات ذرت الریح الشی ذروًا و اذرتہ بمعنی ارتنا ذعبتہ ہوا نے شے کو اڑایا اور میں اسے لے گئی تاج المصادر میں ہے کہ الذری بمعنی اڑانا اور الریاح سے وہ ہوا مراد ہے جو مٹی وغیرہ اڑائے اور دلنے کو گھاس (بھوسہ) وغیرہ سے علیحدہ کرے (کعب) (تفسیر الکاشفی)

اعجوبہ: الاحبار نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ زمین سے صرف تین دن تک ہوا روک لے تو تمام زمین پر بدبو ہوگی۔

دوزخی بہشتی ہوا: حضرت عوام بن حوشب نے فرمایا کہ جنوب کی ہوا بہشت سے آتی ہے تو اس کا گزر جہنم پر ہوتا ہے اس کا غم جہنم کی وجہ سے اور اس کی برکات جنت کی وجہ سے ہیں باد شمالی جنت سے نکل کر دوزخ سے گزرتی ہے اسی لئے اس سے راحت جنت کی وجہ سے اور اس کا شر دوزخ کی وجہ سے ہے بعض نے کہا کہ باد شمالی جنۃ عدن سے نکل کر اس کی بہترین خوشبو لے کر ارواح صدیقین کو پہنچتی ہے۔

فائدہ: عبد اللہ بن شداد سے ہے کہ ہوا روح اللہ سے ہے جب اسے دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے

اس کی خیر مانگو اور اس کے شر سے پناہ طلب کرو۔

علم غیب نبوی کا ثبوت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن سخت ہوا چلی یہاں تک کہ سواروں کو سواریوں سے نیچے اتار پھینکا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

هذه ريح ارسلت لموت منافق فقدمنا المدينة فاذا راس من رؤس المنافقين قد مات (روح البیان صـ ۱۳۶ ج ۹) [۱]

یہ ہوا چلی ہے منافق کی موت کی وجہ سے جب ہم مدینہ پاک میں آئے تو سنا کہ ایک بڑا لیڈر منافق مر گیا ہے۔

ہوا کہاں سے آتی ہے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہوا کے ٹھکانے کرّوبین (مقرب فرشتے) کے پروں کے نیچے ہیں وہ کرّوبین کرسی کے حامل ہیں تو ہوا وہاں سے نکل کر سورج پر آتی ہے پھر وہاں سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچتی ہے وہاں سے جنگلوں میں پھیل جاتی ہے صرف باد شمالی نبات النعش کی کرسی سے مغرب شمس کی طرف جاتی ہے۔

نعش کی تحقیق نعش کے چار ستارے مربع مستطیل کی شکل میں ان کے پیچھے تین ستارے ہیں انہیں بنات النعش کہا جاتا ہے اور صرف دبور کی ہوا مغرب الشمس سے آتی ہے مطلع سہیل کی طرف اور صرف جنوب کی ہوا مطلع سہیل سے مطلع الشمس کی طرف آتی ہے اور صرف صبا مطلع شمسی سے نبات النعش کی طرف جاتی ہے نہ وہ اس کی حد میں آتی ہے نہ وہ۔

آٹھ ہوائیں : ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ریاح (ہوائیں) آٹھ ہیں چار عذاب کی ہیں چار رحمت کی وہ جو رحمت کی ہیں یہ ہیں

(۱) ناشرات (۲) مبشرات (۳) ذاریات (۴) مرسلات

اور وہ جو عذاب کی ہیں یہ ہیں :

(۱) عاصفات (۲) قاصف (۳) صرصر (۴) عقیم

---

[۱] **فائدہ از اویسی غفرلہ** حدیث شریف سے ہم اہل سنت استدلال کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے درمیانی حجابات نہیں ہیں وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے ہاتھ کی ہتھیلی پر رائی کا دانہ اسے حاضر و ناظر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور علم غیب کلی سے بھی۔

فائدہ : ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ جو ہوائیں قرآن میں ریاح کے الفاظ سے مذکور ہیں۔

حدیث شریف : حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک قوم کو کھانے پینے اور لہو و لعب سے رات گزارے گی ان پر سزا یہ ہو گی کہ وہ بندر اور خنزیر سے مسخ ہو جائیں گے (معاذ اللہ) میری امت میں ایک قوم کو خسف و قذف کی سزا ملے گی ان کے سرود گانے میں مست ہونے اور شراب پینے اور دف وغیرہ بجانے اور ریشم کے پہننے کی وجہ سے اور میری امت میں ایک قوم کو زندہ ہوا اڑائے جائیگی جیسے عاد کی قوم زیر و زبر ہوئی (الامتاع فی احکام السماع)

حل لغات : نسف یعنی گھاس مکانات کا جڑسے اکھیڑنا اور کسی شے کو ہوا میں اڑانا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اس باد صبا کی طرف اشارہ ہے جو نفحات الطاف کیلئے مشتاقین کے گریہ کو عزت کے آگن میں لے جاتی ہے پھر وہ نفحات حق اسرار محبت کے مشام میں لاتی ہے جس سے وہ غلبات اللوعہ سے راحت پاتے ہیں اسی معنیٰ کو کسی نے اشعار میں بیان فرمایا ہے

وانی لاستہدیٰ الریاح نسیمکم
اذا اقبلت من ارضکم بھبوب
واسأ لہا حمل السلام الیکمو
فان ھی یوماً بلغت فاجیبی

ترجمہ ۱: ہوائیں تمہاری نسیم سے ہدیہ پاتی ہیں جب وہ تمہاری زمین کی طرف سے آتی ہے
۲: میں ان کے ہاتھ تمہاری طرف سلام بھیجتا ہوں کبھی تو سلام پہنچیں گے اور تم اس کا جواب دینا

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا :

نسیم الصبح زرمنی ربی نجد وقبلہا
کہ بوئے دوست می آید ازان پاکیزہ منزلہا

ترجمہ ۱: اے باد صبا میرے سائیں کو مل کر آنا اور اس کی طرف سے کیوں کہ دوست کی منزل کی خوشبو خوب ہوتی ہے۔

حضرت کمال خجندی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: صبا ز دوست پیامے ببوئے ما آورد
بہمدمان کہن دوستی بجا آورد

۲: برائے چشم ضعیف رمد گرفتہ ما
زخاک مقدم محبوب توتیا آورد

ترجمہ ۱: صبا میرے دوست سے پیام لائی ہے پرانے یاروں سے دوستی بجالائی ہے۔
۲: میری آنکھ بیماری میں ضعیف ہوکر گرفتار ہے محبوب کے قدموں کی خاک لائی ہے کہ وہ سرمہ بناکر آنکھ درست کروں۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ ذاریات سے وہ عورتیں مراد ہیں جو بہت زیادہ بچے جنتی ہیں کیوں کہ وہ بھی ہوا کی طرح بچوں کو چھوڑتی ہیں۔ یذرین (بضم الیاء بمعنی یذرون)

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اسی لطیف معنی کی وجہ سے اگلے الفاظ لائے گئے ہیں حاملات۔ جاریات بایںمعنی کہ حاملات سے حاملہ عورتیں مراد ہیں اس سے بچے جننے والی عورت کی بانجھ عورت پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کالی عورت زیادہ بچہ جننے والی سفید بانجھ عورت سے بہتر ہے نیز لفظ سوداء بچے جننے والی عورت کی سیادت مراد بھی ہوسکتی ہے جیسے حجراسود کا سواد سیادت پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ اس کا اسود سیادت سے ہے۔

نکتہ: بچہ جننے والی عورت مظہر الآثار و مطلع الانوار ہے ایسے ہی وہ انسان جو زیادہ دین کے پیروکار بنائے یعنی انسان کامل (ولی اللہ) وہ مصدر کی طرح ہے افعال کے لئے اور انسان ناقص اسم جامد کی طرح کوئی صلاحیت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ وہ آیت (دلیل) بنے دوسری آیات تکوینیہ کی طرح اس کی مثال لفظ انما ہے کیوں کہ وہ صرف حصر وتاکید کا فائدہ دیتا ہے اور وہ بھی عمل کے روکنے کے لئے ہوتا ہے اور بس (اس اشارہ کو سمجھ لے)

تفسیر عالمانہ

فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا قسم بوجھ اٹھانے والوں کی۔

حل لغات: الوقر بالکسر اسی کا نام جسے اٹھایا جائے یہاں بارش مراد ہے اور الحاملات کا مفعول ہے اب معنی یہ ہوا کہ ان بادلوں کی قسم جو بارش کو اٹھاتے ہیں۔

اعجوبہ: حضرت خالد بن معدان نے فرمایا کہ بہشت میں ایک درخت ہے جو بادل کے پھل دیتا ہے جب وہ پھل پکتا ہے تو کالا سیاہ ہوکر بارش کو اٹھاتا ہے اور سفید کچا ہوتا ہے اس میں بارش نہیں ہوتی اور حضرت کعب نے فرمایا کہ بادل بارش کی چھلنی ہے اگر بادل نہ ہو تو بارش خراب ہوجائے کہ زمین کو ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہو۔

فائدہ: حضرت حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) بادل کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو فرماتے کہ اس میں تمہارا رزق ہے لیکن تم اس کے جرائم اور خطاؤں کی وجہ سے محروم ہوتے ہو۔

فائدہ: حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ بارش کے ہر قطرہ سے انگوری اور گھاس وغیرہ پیدا ہوتا ہے اور دریا میں بارش کے ہر قطرہ سے موتی بنتے ہیں بارش کے قطرات سے زمین کی زندگی ہے گویا بارش زمین کی روح ہے ایسے ہی الفیض الالہی انسان کی دل اور روح کی حیات ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ الطاف ربوبیتہ کے بادل مراحم ربوبیتہ کے بارش کو اٹھاتی ہے پھر وہ بارش اہل ایمان کے قلوب پر برستی ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا قسم ہے آسانی سے جاری کرنے والوں کی یسرا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ان کشتیوں کی قسم جو دریاؤں میں آسانی سے اور آہستہ چلتی ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ دریا زق۔ فرشتے کے ہاتھ میں جو وہ اس سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتا اگر وہ اس سے ایک لمحہ غافل ہو جائے تو وہ زمین پر پھیل کر اسے تباہ کر دے

حدیث شریف میں ہے کہ دریا میں یا غازی سوار سوار ہوتا ہے یا حاجی یا عمرے والا اس لئے کہ دریا کے نیچے آگ ہے۔ اور نار کے نیچے دریا ہے اور پھر دریا کے نیچے نار ہے

فائدہ: حضرت کعب نے فرمایا کہ ہر رات دریا مخلوق کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے اے اللہ مجھے اجازت دیدے تاکہ خطا کاروں کو غرق کر دوں اللہ تعالیٰ اسے سکون کا حکم دیتا ہے جس سے وہ ساکن رہتا ہے

حکایت

حضرت سلیمان بن داود علیہما السلام سے دریا کے فرشتے کے متعلق پوچھا گیا تو دریا سے ایک جانور نکلا جو صبح سے نکلنا شروع ہوا دوپہر تک نکلتا رہا فرمایا یہ ہے لیکن ابھی اس کا آدھا حصہ باہر آیا ہے اس پر سلیمان علیہ السلام نے دریا کے فرشتے اور دریا سے پناہ مانگی

تفسیر صوفیانہ

اس میں محبین محبوبین کے وجود کی کشتیوں کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے راستے عنایت کی ہواؤں کے چلنے کی طرف ہیں جو انہیں آسانی سے بحر توحید میں لے جاتی ہیں۔

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا امور کی تقسیم کرنے والوں کی قسم۔

حل لغات

امرا امور کا واحد ہے لیکن یہاں جمع کے معنیٰ میں ہے مفعولیۃ کی وجہ سے منصوب ہے المقسمات سے فرشتے مراد ہیں اور جمع مونث سالم کا صیغہ ملائکہ کے لئے بتاویل جماعات ہے یعنی ان فرشتوں کی قسم جو امور کو یعنی بارش اور رزق وغیرہ کی تقسیم کرتے ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہ فالمدبرات امرا کی طرح ہے۔

مدبرات فرشتے: حضرت عبدالرحمن بن سابط رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مدبرات فرشتے چار ہیں۔

(۱) جبریل علیہ السلام (۲) میکائیل علیہ السلام (۳) اسرافیل علیہ السلام (۴) ملک الموت علیہ السلام
بارش کے قطرات اور انگوریوں کے ملک الموت علیہ السلام قبض ارواح کے مدبر ہیں اور اسرافیل علیہ السلام ان کو وہ احکام پہنچاتے رہیں جو وہ ان کے معمور ہیں۔

رد وہابیہ ان امور کو ان فرشتوں کی طرف اس لئے منسوب کیاگیا ہے کہ یہ ان امور کے ظہور کے اسباب ہیں جیسے جبریل علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے فرمایا لاھب لک غلاماً زکیاً تاکہ میں تمہیں پاک ستھرا بیٹا عطا کروں حالانکہ بچہ عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن چونکہ جبریل علیہ السلام اس کے ظہور کے سبب ہیں اسی لئے اسے ان کی طرف منسوب کر دیا[۱]

فائدہ: فالمقسمات کی فا قسم بیان کرنے کی ترتیب کے لئے ہے باعتبار ان کے درمیان میں تفاوت کے دلالت کرنے میں قدرت کے کمال پر یعنی بظاہر ان کی قسم یاد کرنا محلوف علیہ کی تاکید مقصود ہے محلوف علیہ کے مرنے کے بعد اٹھنا مراد ہے کہ اس کا وقوع تحقیقی ہے لیکن اصلی مقصود ان کی قسم یاد کرنے میں ان کی تعظیم و تکریم کا اظہار ہے اور ساتھ کمال قدرت کا بیان بھی ہے جس سے محلوف علیہ یعنی مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال مطلوب ہے گویا یوں کہا گیا کہ جو ذات ان اشیاء کو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے تو پھر وہ ان کے اعادہ پر کیوں قادر نہیں یہ اس طرح ہے کہ کوئی شخص اسے کہے جس نے اس پر انعام کیا ہے کہ "وحق نعمک الکثیرۃ انی لا ازال اشکرک" مجھے تیری بے شمار نعمتوں کی قسم بیشک میں تیرا شکر گزار ہوں گا۔

فائدہ: صورۃ قسم میں لانے میں نعمتوں کی تعظیم کی دلیل ہے اور ساتھ ہی استدلال ہے کہ ان نعمتوں کا ہمیشہ شکر کرنا چاہیے جب وہ ایسے ہے تو پھر مناسب ہوا کہ وہ امور پہلے لائے جائیں جو اس کی کمال قدرت پر زیادہ دال ہوں مثلاً ہوا کا ذکر پہلے فرمایا وہ بہ نسبت بادلوں کے زیادہ دال ہے کیونکہ ہوائیں بادلوں کی اسباب ہیں اور بادل بوجہ اپنی ماہیت میں غرابت اور کثرت منافع اور ان کی حامل ایک رقیق شے ہے زیادہ دال ہے بہ نسبت کشتیوں کے اور یہ تینوں چونکہ محسوسات سے ہیں اسکے لئے ملائکہ

---

[۱] ایسے ہی پھر وہ جملہ امور جو ہم اہلسنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اولیاء کرام کی طرف منسوب کرتے ہیں تو وہ بھی اسی ظہور امور کے اسباب کی وجہ سے ہیں لیکن وہابی دیوبندی فرقہ چونکہ انبیاء و اولیاء کے لئے دل سے کمالات کو تسلیم نہیں کرتے اسی لئے وہ ایسی نسبت کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

سے زیادہ واں ہیں کیوں کہ وہ حس سے غائب ہیں۔ علاوہ ازیں منکر (عجیب امر) ہے کیوں کہ جو چیز حس سے غائب ہو اس سے عموماً انکار کیا جاتا ہے اسی لئے بظاہر اس سے مکمل طور استدلال نہ ہو سکے گا۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تفاوت علی طریق تنزل ہے جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں ہے "رحم اللہ المحلقین والمقصرین" اللہ تعالیٰ حلق اور قصر والوں پر رحم فرمائے۔ اسی طرح یوں بیان کیا جائے گا کہ ہواؤں میں قدرت دلالت الٰہی زیادہ ظاہر ہے بہ نسبت بادلوں کے اور بادل بہ نسبت کشتیوں کے اور یہ تینوں ملائکہ کے جو ارزاق وغیرہ تقسیم کرنے والے ہیں کیوں کہ اس وقت گفتگو منکرین سے ہو رہی ہے اور ممکن ہے کہ وہ اس دلیل کا انکار کر دے پھر اسے کیسے زیادہ ظاہر دلیل کہا جا سکتا ہے بہ نسبت ان کے جو محسوسات سے ہیں صاحب الکشف نے بھی اس تقریر کو پسند فرمایا ہے یا اسے یوں کہا جائے کہ ہر پہلی سے دوسری دلیل ترقی پر ہے آخری دلیل زیادہ ظاہر ہے پھر اس میں منکر کے انکار کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا اس تقریر پر مقسمات امر پہلی دلیلوں سے فوقیت رکھتی ہے کہ روحانیت باوجود لطیف ہونے جسمانیات میں کس طرح تصرف کرتی ہیں باوجودیکہ وہ جسمانیت کثیف سے کثیف تر ہیں اور جاریات بھی کچھ معمولی نہیں کہ اس میں قدرت کاملہ پر کتنا زبردست دلیل ہے کہ جاریات باوجودیکہ عناصر سے مرکب ہے اور پھر اس میں صفت باری کس طرح کارفرما ہے اور پھر دیکھنا یہ ہے کہ ہوائیں باوجودیکہ نہایت لطیف ہیں لیکن کتنا بڑی بوجھل اشیاء کو اٹھا کر نہایت تھوڑی دیر کہاں سے کہاں تک جا کر پھینکتی ہے جیسا کہ ہم زوردار ہواؤں کے چلنے کے وقت آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر حاملات کو دیکھئے کہ وہ اجزاء ہوائیہ اور مائیہ (پانی والی) سے مرکب ہے اور کچھ تھوڑے سے آگ اور مٹی کے اجزاء بھی ان میں ہیں اور ان میں آثار علویہ عجیب وغریب ہیں طرفہ یہ کہ یہ حاملات (بادل) ہوا کی امداد کے بغیر کام کر ہی نہیں سکتے (اس میں خوب غور و فکر کیجئے)

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ آیت میں ترتیب میں راز یہ ہے کہ ہوائیں ان بادلوں کے اوپر ہیں جو بارش کو اٹھانے والے ہیں اور یہ اس پانی کے اوپر ہیں جو کشتیوں کو اٹھاتا ہے اور وہ زمین کے اوپر ہے ظاہر یہ ہے کہ ان سب میں ملائکہ کی تدبیر کارفرما ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں اشارہ فرمایا کہ یہ امور اترتے تو آسمان سے ہیں لیکن ان کی تاثیر کا ظہور زمین پر ہے اور وہ اوپر سے نیچے والی شے میں ظاہر ہو رہی ہے اس سے ہی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ وقوع البعث (مرنے کے بعد قبور سے اٹھنا) حق ہے اس لئے کہ جو ذات تاثیرات علویہ کو زمین کے آثار میں ظاہر کرنے پر قادر ہے

(یعنی بعث دقبور سے اٹھنے) پر بھی قادر ہے کیوں کہ یہ بھی آثار ارضیہ سے ہے (واللہ اعلم)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ملائکہ مقربین اہل وصال وقیام کی تلاش میں آسمان سے زمین پر اترتے ہیں انواع امور لیکر یہی ان سے ان کے احوال پوچھتے ہیں کہ فراق و وصال میں ان کی کیفیت کیا ہے تو وہ کہتے ہیں ؎

بربکما یا صاحبی قضیا لبی
اسائلکما عن حالکم فاسألا نیا

ترجمہ: تمہیں رب کی قسم اے میرے دوستو میرے پیچھے آؤ میں تم سے تمہارا حال پوچھوں تم میرا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ (بے شک وہ جو تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ حق ہے) یہ جواب قسم ہے ما موصولہ اور عائد محذوف ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو تم بعث (مرنے کے بعد اٹھنے) اور حساب وثواب وعقاب کا وعدہ دیئے جاتے ہو حق ہے یعنی سچا اور درست جسمیں خلاف نہیں۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ وعدہ کو صدق سے موصوف کرنا عیشۃ راضیۃ کی طرح ہے کیوں کہ اسم فاعل مفعول بہ کی طرف مسند ہے کیوں کہ اس کا معنیٰ ہے کہ وعدہ سچا اور عیش پسندیدہ ہے۔

فائدہ: اور ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ ہے وعدہ ذو صدق ہے اس لئے کہ یہ صیغہ نسبت کیلئے ہے جیسے تامر یعنی کھجور والا ایسے ہی وعدہ صدق والا اسی لئے موعود صادق نہیں ہوتا بلکہ صادق وعدہ ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ما مصدریہ ہو بمعنی وعدکم یا وعیدکم (تمہارا وعدو وعید) کیوں کہ توعدون کے لئے یا وَعَدَ کا مضارع مجہول ہے یا اَوْعَدَ کا دوسرا یعنی اوعد مقام کے لئے زیادہ موزوں ہے کیوں کہ کلام منکرین سے ہو رہا ہے۔

وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ (اور بے شک جزا واقع ہو گی) یعنی اعمال صالحہ کی جزا وہ لازماً ہو گی کیوں کہ جو ذات اتنا بہت بڑے عجیب امر پر قادر ہے جو طبائع کے مقتضیٰ کے خلاف محسوس ہوتے ہیں تو وہ قادر ہے بعث (مرنے کے بعد اٹھنے) کے وعدے پر بھی۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مطیعین سے جنت کا اور تائبین کو محبت کا اور اولیاء کرام کو قربت کا اور عارفین کو وصال کا اور طالبین کو وجدان کا وعدہ فرمایا چنانچہ فرمایا جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے پالیے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ ضرور واقع ہو گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کون بڑا ایفائے عہد کرنے والا ہو گا اور یاد رہے کہ

فاسقین کو وعید ہے نار کی اور گناہوں پر اصرار کرنے والوں کو بغض کی اور اعداء کو بُعد اور جاہلین غافلین کو فراق کی اور بطالین کو فقدان کی۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے قسمیں کیوں یاد فرمائیں مومن تو صرف سنتے ہی اللہ تعالیٰ کی بات ماننے کو تیار رہتا ہے اس کے لئے قسم کی ضرورت نہیں اور کافر کے لئے قسم کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ وہ تو سرے سے کوئی بات مانتا ہی نہیں۔

جواب: قرآن لغت عرب اور ان کی عادات پر اترا ہے اور ان کی عادت ہے کہ بات قسم سے ہو تو اسے موکد سمجھتے ہیں اور حکم کا فیصلہ شہادت سے کرتے ہیں یا قسم سے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح سے اپنی کتاب میں انہیں منوایا ہے تاکہ انہیں بعد کو حجت بازی کا موقع نہ ملے مثلاً کسی مقام پہ فرمایا شہد اللہ الخ اور قسمیں بھی یاد فرمائیں۔

فائدہ: قسم معظم اسماء کی ہوتی ہے اسی لئے اپنے نام کی قسمیں قرآن مجید میں سات مقامات پہ یاد فرماتی ہیں باقی قسمیں اپنی مخلوق میں جیسے اسی سورۃ میں ہے وغیرہ وغیرہ جیسے والتین والزیتون اور والصافات اور والشمس والضحیٰ واللیل وغیرہ وغیرہ۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی قسم کیوں یاد فرمائی حالانکہ غیر اللہ کی قسم سے خود روکا ہے جیسا کہ ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ خبردار بغیر دین اسلام کے کسی دوسرے دین کی قسم نہ کھانا مثلاً کہو کہ اگر ایسا ہوا تو میں دین اسلام سے بیزار ہوں۔ اگر کہہ دیا تو تجھ پر تجدید دین ضروری ہے (احتیاطاً) غرضیکہ غیر اللہ کی قسم سے شرعاً ممانعت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کی درجنوں قسمیں یاد فرمائی ہیں۔

جواب ۱: یہاں غیر اللہ کی قسموں میں مضاف محذوف ہے یعنی دراصل ورب الذاریات ورب التین ورب الشمس تھا۔

جواب ۲: اہل عرب ان اشیاء کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور انہی کی قسمیں کھاتے تو چونکہ قرآن انہی کے دستور پر اترا ہے اسی لئے ان کو سمجھانے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

جواب ۳: قسم اس کی ہوتی ہے جسے قسم کھانے والا شے کو معظم سمجھے اور اس کی بزرگی کا قائل ہو اور وہ معظم قسم کھانے والے سے مرتبہ میں بھی بلند ہو اگرچہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شے بلند نہیں لیکن کبھی اپنی ذات و صفات کی قسمیں یاد فرمائیں اور کبھی اپنی مصنوعات کی تاکہ یہ مصنوعات خالق و باری و صانع و حکیم پر دلالت کریں۔

جواب ۴: بعض مشائخ نے فرمایا کہ مصنوعات کی قسم صانع کی ذات کو مستلزم ہے کیوں کہ مفعول کا

ذکر فاعل کو لازم ہے اس لئے کہ مفعول کا وقوع فاعل کے بغیر محال ہے اسی لیئے ان اشیاء کی قسم موزوں تھی۔
جواب ۳: وہ خود مالک ہے جس کی چاہے قسم یاد فرمائے لیکن بندوں کو ضروری ہے کہ وہ صرف اور صرف اسی کی قسم کھائیں۔
جواب ۴: بعض مشائخ نے فرمایا کہ قسم یا فضیلت کی وجہ سے ہوتی ہے یا ان کے منفعت کی وجہ سے اور مصنوعات (مخلوق) جن کی قسمیں یاد فرمائیں ان دونوں سے خالی نہیں ہیں۔ (واللہ و رسولہ الاعلیٰ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم)

تفسیر عالمانہ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ قسم ہے۔
حل لغات: حبک حباک کی جمع ہے یا حبیکہ کی جیسے مثال کی مثل اور طریقہ کی طرق اور حبک سے وہ راستے مراد ہیں جو محسوس نہیں یعنی سوار جن راستوں پہ چلتے ہیں یا معقولہ مراد ہیں ان سے وہ راستے مراد ہیں جن پر اہل نظر چلتے ہیں جن سے وہ معارف حاصل کرتے ہیں جیسے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حبک یعنی راستے بعض انہیں وہ ہیں جو ستاروں وغیرہ سے طے ہوتے ہیں مثلاً کہکشاں سے؛

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت میں آسمان المجرہ سے پھٹیگا اور انہیں وہ ہیں جو بصیرت سے یہ راستے طے کرتے ہیں اس کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں ان فی خلق السموٰت والارض الی قولہ، ربنا ما خلقت ھذا باطلاً، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ کہ قسم ہے آسمان کی جو حسین اور درست مخلوق ہے۔
فائدہ: بتیان میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اُس سے ساتواں آسمان مراد ہے اسی کی اللہ تعالیٰ قسم یاد فرماتا ہے۔
اِنَّكُمْ بے شک تم اے اہل مکہ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ البتہ قول مختلف میں ہو یعنی قرآن میں اختلاف اور اس کے مخالف و متناقض ہو مثلاً کہتے ہو کہ وہ شعر ہے سحر ہے افترا ہے اساطیر الاولین پہلے لوگوں کی بناوٹی کہانیاں ہیں وغیرہ وغیرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہتے ہو کہ شاعر ساحر مفتری اور مجنون ہیں (معاذ اللہ) اور قیامت کے بارے میں بھی تمہارے بعض تو قطعی طور اقرار کرتے ہیں اور بعض قطعی طور منکر ہیں بعض کہتے ہیں گمان پڑتا ہے کہ شاید ہو یہ ان کا تحیر اور یہ تمہاری سخت جہالت کا نشان ہے اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حبک سے استوار مراد ہو جیسا کہ ضحاک سے بھی یہی منقول ہے کہ کفار کی باتیں درست نہیں بلکہ متناقض و مختلف ہیں
فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن

آسمان سے نازل ہوا ہے اور نبوت بھی آسمانی امر ہے انہوں نے اس سماوی امر میں اختلاف کیا اور کہا کہ یہ تو ارضی (زمین) کا معاملہ ہے جو مختلف ہے حالانکہ یہ ان کا گمان و خیال سراسر غلط ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اس آسمان قلب کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ والی ہے انہیں فرمایا کہ اے طالبان صادق تم طلب کے بارے میں مختلف باتیں کرتے ہو تمہارے بعض ہمیں سے طلب کرتے ہیں وہ جو ہمارے ہاں ہیں قربات کے کمالات سے اور بعض تمہارے وہ ہیں جو ہمارے سے طلب کرتے ہیں جو ہمارے ہاں ہیں علوم و معارف سے اور تمہارے بعض وہ ہیں جو ہم سے طلب کرتے ہیں ہماری جمیع صفات۔ اگر تم نے طریقہ پر استقامت رکھی اور ثابت قدم رہے اور طلب جاری رکھی تو ہر قصد کرنے والا اپنے مقصد تک ضرور پہنچتا ہے یُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ

حل لغات افکہ عنہ یا فکہ افکا یعنی صرفہ و قلبہ قلّب رایہ اس نے اپنی رائے بدل ڈالی اور اسے پھیرا وغیرہ۔

(القاموس) میں ہے کہ رجل مافوک یعنی وہ شخص جو حق سے ہٹ کر باطل کی طرف پھر جائے (المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ پھیرا جاتا ہے قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ جو پھیرا گیا اس لئے کہ ایسی روگردانی سے اور کوئی زیادہ خطرناک اور سخت تر روگردانی نہیں یعنی دو باقی دوسری روگردانیوں کو اس سے گویا کوئی نسبت نہیں اور مصدر کا معرفہ ہونا اپنے حقیقی معنی میں اور من عموم کیلئے ہے اب معنی ہوا کہ جو شخص ایسی حقیقی معروفیت سے موصوف ہوا تو وہ بالکل قرآن یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹایا گیا اور اسے یہ صفت لازم ہوگئی یہ عکس النقیض سے ہے یعنی جو قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہٹایا گیا تو وہ ایسی صفت سے موصوف نہ ہوا نتیجہ نکلا کہ جو اس روگردانی کا مغایر ہے تو وہ اس کا اس روگردانی سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ یہ روگردانی حد درجہ کی سخت تر اور سخت ہیبت ناک ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو روگردان ہوا اللہ تعالیٰ کے علم اور قضاء و قدر میں یعنی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان بالکتاب، و ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم ہے تو وہ یقینی محروم ہے ؎

دلہا محزون و جگر ہا خون ست
تا حکم ازل درحق ہر کس چون ست

ترجمہ: قلوب محزون اور جگر خون ہے اس لئے کہ نامعلوم تیرے حق میں ازل کا حکم کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ ارباب الطلب کے ڈاکو بکثرت ہیں بعض تو وہ ہیں جو انہیں سرے سے طلب سے روکتے ہیں جیسے نفس و خواہشات نفسانی اور دنیا اور اس کی زینت اور اس کی شہوات اور اس کی جاہ و نعمت طلبی تو ایسے ارباب طلب اپنے مقصد سے مکمل طور محروم ہوئے اور اسے خواہشات نفسانیہ سے ہلاک کر ڈالا اسی لیئے کہا جاتا ہے" نعوذ باللہ من الحور بعد الکور" ایسے لوگوں کے لیئے منادی عزت ندا دیتا ہے کہ بہت سے ان جیسے دنیا سے جدا ہوئے تو خالی ہاتھ گئے۔

تفسیر عالمانہ

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ اٹکل والے مارے جائیں"

یہ ان پر بددعا ہے جیسے " قتل الانسان مااکفرہ" انسان پر خدائی مار ہو کیسا ناشکرا ہے واقعی یہ دراصل ہے تو قتل و ہلاکت کی بد دعا لیکن یہ صفت کے قائم مقام ہے اس سے ان کی قباحت کی گئی ہے۔

حل لغات

الخرص کسی غیر حقیقی بات کو فرضی بنا لینا اسی سے ہے، خرص شمار، کھجوروں کا اندازہ یعنی کھجور تر کا کھجور پر تخمینہ ایسے ہی وہ بات جو نہ علم سے کہی جائے نہ غلبۂ ظن سے نہ سماع سے (جسے اردو میں اٹکل پچو کہا جاتا ہے) بلکہ وہ اپنے گمان اور تخمین پر اعتماد کرتا ہے جیسے اٹکل بازوں کا اٹکل اور تخمینہ کا کام ہے جو ایسے طریقے سے بات کرے اسے جھوٹا کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا قول واقع کے مطابق ہو جیسے منافقین کو اللہ تعالیٰ نے جھوٹا کہا جب کہ انہوں نے گواہی دی کہ نشہد انک لرسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا" ان المنافقین لکاذبون" بے شک منافق جھوٹے ہیں، خلاصہ یہ کہ جھوٹے اٹکل پچو اور تخمینہ اور گمان والوں کا کوئی اعتبار نہیں اسی لئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف باتیں کہنے والا کہا گویا کہا گیا ہے کہ خدا کی مار ہو ان اٹکل اور پچو سے بات کرنے والوں پر گویا یہ الف ولام عہدی ہے۔ اور اشارہ ان کی طرف ہے اور ان کے ہم نواؤں کاہنوں کی طرف۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ وہ لوگ ہیں" ہم مبتدا اور اس کی خبر فِيْ غَمْرَةٍ ہے یعنی جہل اور گمراہی میں ہیں جو انہیں امر آخرت سے ڈھانپتا ہے اور بے خبر بناتا ہے۔

حل لغات

الغمر بمعنی شے کا اثر زائل کرنا اسی سے ہے وہ پانی جو بہت زیادہ ہو جو جگہ کا نشان زائل کر دے اسے غمر اور غامر کہا جاتا ہے اس غمرہ سے مرد سخی اور تیز دوڑنے والے گھوڑے کو تشبیہ دی جاتی ہے اس لئے انہیں غمر کہا جاتا ہے ایسے ہی سخی مرد اور تیز رفتار گھوڑے کو دریا سے تشبیہ دیتے ہیں اور الغمرۃ وہ پانی جو اپنے ٹھہرنے کی جگہ کو چھپا دے اب اس جہالت کی کہاوت بن گئی ہے جو جہالت والے کو بالکل بے یاد سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے" فاغشیناھم" تو ہم نے انہیں ڈھانپ دیا

اور شدائد کو بھی غمرات کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا غمرات الموت اور شاعر نے کہا ؎

قال العواذل فی غمرة
صدقوا ولکن غمرتی لا تنجلی

ترجمہ: ملامت گروں نے کہا کہ میں سختی میں ہوں انہوں نے سچ کہا لیکن میری شدت دفع نہیں ہوگی۔

سَاهُوْنَ غافل ہیں یہ خبر کے بعد خبر ہے اور یہ اور غمرہ ایک شے ہیں لیکن بعض نے فرق کیا ہے وہ اس طرح کہ غمرہ غفلت سے زائد ہوتی ہے اور سہو سے کم ہوتی ہے۔

فائدہ: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سہو بمعنی غفلت سے خطا کا ہونا[1] وہ دو قسم ہے

(۱) اس کے اسباب و موجبات انسان سے نہ ہوں جیسے جنون میں کسی کو گالی دینا۔

(۲) انسان خود اس کا موجب و مولد ہو جیسے شراب پی کر بلاقصد کوئی برائی کرنا۔

پہلا معاف ہے دوسرا معاف نہیں دوسرے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے کما قال " ہم فی غمرة ساھون۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ خراصون وہی ہیں جنہوں نے مکہ کے اردگرد کے لوگوں کو نہ آنے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے لوگوں کو پھیرنے کی قسمیں کھا رکھی تھیں یعنی اہل مکہ نے مکہ کے اردگرد آدمی مقرر کر رکھے تھے کہ آنے والے لوگوں اور قافلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ جانے دیں جھوٹ موٹ بول کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حصول فیض سے لوگوں کو محروم کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو لعنت فرمائی ہے۔ حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض لوگ ان کی باتیں مان کر واپس چل جاتے لیکن بعض نہیں مانتے تھے وہ مکہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض پاتے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو صرف دعویٰ کے گمان اور غرور سے دھوکہ میں ہیں وہ ملعون ہیں یعنی اہل طلب کے مقامات سے ہٹائے ہوئے ہیں اس لئے کہ انہیں کچھ طلب نہیں کیوں کہ انہیں طلب ہوتی تو وہ ضرور پالیتے جو دوسروں نے مراتب حاصل کئے۔

---

[1]: یہ معنیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بتانا گمراہی ہے کیوں کہ حضور غفلت اور خطا سے پاک ہیں آپ کے لئے عدم التفات کے معنیٰ میں ہوگا یا اسے صورۃً سہو کہا جائے گا۔

حکایت

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں جمعہ کے دن وضو کرکے جامع مسجد کو گیا اور یہ میرا ابتدائی سلوک کا دور تھا مسجد پُر تھی اور خطیب صاحب منبر پر تشریف لے جانے والے تھے میں نے غلطی بلکہ بے ادبی اور گستاخی کی کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا صف اول میں پہنچ گیا ایک نوجوان جو نہایت حسین اور خوشبو سے معطر بیٹھا تھا میں اس کے دائیں بیٹھ گیا وہ کوئی صوفی منش تھا اس کا لباس اون کا (صوفیوں والا) تھا مجھے دیکھ کر فرمایا سہل کیا حال ہے میں نے کہا الحمد للہ خیریت سے ہوں اس کے حال پوچھنے پر میں متفکر ہو گیا کہ یہ صاحب میرے واقف بھی نہیں لیکن خیر وعافیت یوں پوچھی گویا میں اس کا گہرا دوست ہوں اسی حال میں تھا کہ مجھے پیشاب نے زور پکڑا بلکہ اس کی سوزش محسوس ہوئی اس نے مجھے سخت پریشان کر دیا یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ یہاں پر ہی پیشاب نہ نکل جائے اور دوبارہ لوگوں کو پھلانگنا بھی مناسب نہ سمجھا اور اس حالت میں بیٹھنا نماز نہ ہونے کا یقین تھا پھر اسی نوجوان نے مجھے فرمایا کیا آپ کو پیشاب کا تقاضا ہے میں نے کہا ہاں۔ احرام کی چادر جو اس نے جسم پر ڈالی ہوئی تھی اس سے مجھے ڈھانپ لیا اور فرمایا قضا حاجت سے فراغت پاکر جلد واپس آنا تاکہ نماز سے رہ نہ جاؤ بس کیا دیکھا کہ دروازہ کھل گیا ہے اور میں ایک باغ میں ہوں اور کوئی کہنے والا کہتا ہے اے بندہ خدا اس باغ میں داخل ہو جا اس میں داخل ہو کر ایک محل شاندار اور مضبوط اور اونچا دیکھا باغ میں کھجوریں ہیں اور دور سے بیت الخلاء نظر آیا میں وہاں گیا اس کا پانی شہد سے میٹھا تھا اندر جاکر قضائے حاجت سے فراغت پاکر وضو کیا سامنے ایک تولیہ لٹکا ہوا تھا اور مسواک بھی۔ میں نے نہ صرف وضو بلکہ غسل کیا اور تولیہ سے جسم صاف کیا پھر کسی نے پکارا کہ وضو وغیرہ کر لیا ہو تو آجاؤ اور کہو ہاں۔ میں نے کہا ہاں فارغ ہو گیا ہوں پھر کیا دیکھا کہ اس نوجوان نے احرام کا وہی حصہ مجھ سے علیحدہ کیا جو اس نے مجھ پر ڈالا تھا پھر خود کو وہاں پایا جہاں بیٹھا تھا اور مجھے اٹھتا، بیٹھتا آتا جاتا کسی نے دیکھا تک نہیں پھر میں اور حیران اور متفکر ہوا کہ نہ معلوم یہ کون ہیں اور کیا واقعی میں یہاں سے آیا گیا ہوں بھی یا نہ۔ اقامت ہوئی میں نماز کے لئے کھڑا ہوا لیکن اس نوجوان کا تصور کہیں نہیں جاتا تھا۔ فراغت کے بعد میں نے اس نوجوان کا دامن پکڑا اور اس کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ وہ ایک مکان میں داخل ہونے لگا مڑ کر دیکھا اور فرمایا اے سہل ابھی تک تمہیں اس کا یقین نہیں جو تم نے دیکھا میں نے کہا ایسے ہی ہے فرمایا تو پھر اندر آجایئے میں اندر گیا تو دیکھا وہی مکان ہے وہی باغ ہے وہی کھجوریں ہیں وہی غسلخانہ اور بیت الخلاء وغیرہ ہے جس تولیہ سے میں نے جسم پونچھا وہ بدستور وہیں ہے بلکہ جیسے اسے تر چھوڑ کر گیا تھا اسی طرح تر ہے میں نے کہا آمنت باللہ میرا اللہ پر ایمان ہے مجھ سے کہا اے سہل

جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اس کی ہر شے اطاعت کرتی ہے اللہ تعالیٰ کو تلاش کر دل جائے گا اس سے میری آنکھیں آنسو میں ڈوب گئیں آنکھوں کو ملا آنکھیں کھولیں تو وہ نوجوان کہیں چلا گیا پھر دیکھا نہ وہ محل مکان ہے اور نہ باغ اس کے بعد مجھے تا دم زیست حسرت رہی جو مجھ سے زندگی ضائع ہوگئی اس دن کے بعد پھر میں عبادت میں مشغول ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

يَسْـَٔلُوْنَ کفار سوال کے طور کہتے ہیں۔

اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ وہ دن کب ہے جس میں اٹھائے جائیں گے) یہاں مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے اس تقریر کے بعد اب سوال نہ ہوگا کہ ظرف حذف کے بغیر اور کسی کی خبر واقع نہیں ہوتا یہاں کیسے خبر واقع ہوا۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہاں زمانہ سے خبر دی گئی ہے یعنی کافر پوچھتے تھے کہ جزا کس دن واقع ہوگا اور ان کا یہ پوچھنا حقیقتہً معلوم کرنا مطلوب نہ تھا بلکہ مذاق کرتے ہوئے کہتے کہ اسے تو بہت جلد آنا چاہیے اے نبی علیہ السلام وہ دن کب آئے گا۔

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ اس دن وہ آگ پر جلائے جائیں گے یہ ان کے سوال کا جواب ہے اور یوم کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے جس پر سوال دلالت کرتا ہے فرمایا ہاں وہ دن تب واقع ہوگا جب وہ لوگ جہنم کی آگ پر جلائے جائیں گے اور وہ عذاب دیئے جائیں گے ایسے جیسے سونا آگ میں پگھلایا جاتا ہے۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں فتنت الشئی بمعنی احرقت خبثہ میں نے شی کا کھوٹ جلایا تاکہ اس کا خلاصہ (اصل) ظاہر ہو اور چونکہ سراپا خبث (کھوٹ) ہے اسی لیئے سارا جل جائے گا یہ بھی ہے کہ مبتدا کی خبر محذوف ہے کہ دراصل ھو یوم ھم الخ تھا اور اس سے اس کا انجام مراد ہوا اس کا منصوب ہونا اس کے غیر متمکن کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے ہے۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ دیکھو اپنا فتنہ) یعنی انہیں کہا جائے گا یہی قول جب وہ عذاب دیئے جائیں گے اور کہنے والے دوزخ کے خازن (داروغہ) ہوں گے یا یوں کہیں گے کہ چکھو اپنی تکذیب کی جزا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یہ فرمایا " ثم لم تکن فتنتہم " پھر نہ تھا ان کا فتنہ۔ یعنی کفر اور اس سے اس کا انجام مراد ہے۔

حل لغات امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دراصل فتنہ بمعنی سونے کا آگ میں داخل کرنا ہے تاکہ خالص سونا ظاہر ہو جائے اور جو اس میں کھوٹ ہے وہ جل جائے ایسے ہی انسان کو آگ میں داخل کرنے کو بھی کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذُوْقُوْا فتنتکم " یعنی چکھو اپنا عذاب اور کبھی

فتنہ عذاب کے ماحصل کو بھی کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " الا فی الفتنۃ سقطوا " خبردار وہ فتنے میں گرے اور کبھی اسے آزمائش کے لئے بولتے ہیں جیسے " وفتناک فتونا " اور ہم نے تجھے خوب آزمایا " ھذا الذی کنتم بہ تستعجلون " یہ وہی ہے جس کی تم جلدی کے طالب تھے یعنی یہ وہی عذاب ہے جو تم دنیا میں اس کی جلدی کا مطالبہ کرتے اور کہتے کہ " متی ھذا الوعد " یہ وعدہ کیا ہے اور یہ تم استہزاءً کہتے (ترکیب) یہ جملہ مبتدا و خبر سے مل کر مقولہ ہے قول مضمر کا اور ھذا کا اشارہ اس فتنہ کی طرف ہے جو عذاب کے معنیٰ میں ہے یہ بھی جائز ہے کہ ھذا فتنتکم سے بدل بتاویل عذاب ہے الذی اس کی صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اہل مکر اور ان مدعیوں کی طرف اشارہ ہے جو حصول مقصد میں تاخیر پاکر پوچھتے ہیں اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ جزاء کا دن کب ہے وہ شب و دنیا کی ظلمت میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ جزا کا دن آئے تو جبروت کی عزت نے کبریا و عظموت اس دن وہ نار شہوات میں عذاب بعد و قطیعتہ میں عذاب دیئے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا اپنے اس فتنے کے عذاب کو چکھو جس نے تمہارے سلوک کی طلب پر ڈاکہ زنی کی تھی یہ وہی ہے جس سے تم طلب حق میں ملال کرتے اور مقصود یابی میں عجلت کرتے تھے

حکایت حضرت ابوالحسن شاذلی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں اور میرا ایک ساتھی غار میں طلب حق میں تھے اور ایک عرصہ ہمیں وہاں گزر گیا اور اس خیال میں تھے کہ ابھی چند روز کے بعد ہم پر راہیں کھل جائیں گی ایک دن ایک شخص ذو ہیبت ہمارے ہاں تشریف لایا ہم نے سمجھا کوئی ولی اللہ ہے ہم نے پوچھا " کیف حالک " تیرا کیا حال ہے فرمایا اس کا کیا حال پوچھتے ہو جو اس تصور میں ہو کہ کل راہیں کھلیں گی یا پرسوں وغیرہ وغیرہ اے نفس کیوں اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں کرتا اس کی بات سُن کر ہم نے توبہ کی اس کے بعد ہم پر راہ کھل گئی۔

سبق : اس میں اشارہ ہے کہ طلب حق کے راستہ میں عجلت بازی نہیں کرنی چاہیے بس خلوص سے کام میں لگا رہنا ضروری ہے انبیاء علیہم السلام کی رہبری کے مطابق جیسے مرشد کا حکم ہو۔ یہاں تک کہ سالک خود اپنے وجود سے ایسا چھٹکارا پالے اور حجابات اُٹھ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے کمال فیض الوجود سے مشاہدہ نصیب ہو جائے ورنہ نفس کے اشاروں سے عمل صالح بھی اپنے وجود کے تصورات میں اضافہ ہی اضافہ ہوگا ؎

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اند راہ

تا رہروان بر ہنمائی نمی رسند

ترجمہ ، جنہوں نے راہ گم کیا وہ واقف نہ ہوں گے جب تک رہبر ان کی رہبری نہیں کریں گے۔

مرشد کے بغیر

اس راہ کو طے کرنے کے لئے مرشد کا ہونا ضروری ہے کیوں کہ مرید ضعیف ہے اور مرشد اس کے لئے مضبوط دیوار کی طرح ہے جیسے شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مریدان ز طفلاں بقوت کمند
مشائخ چو دیوار مستحکم اند

ترجمہ: مرید بچوں کی طرح ہیں جنہیں قوت سے ہی سہارا ملتا ہے مشائخ تو دیوار مضبوط کی طرح ہیں۔

حضرت صائب رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

بر ہدف دستی ندارد تیر بے زور کمان
ہمت پیراں جوانا نرا منزل می برد

ترجمہ: بے زور کمان والا تیر نشان تک نہیں پہنچ سکتا بزرگوں کی دعائیں ہی جوانوں کو منزل تک پہنچاتی ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے ہاں کا راہ خود دکھائے اور اپنی توفیق سے اپنے تک ہمیں خود پہنچائے بے شک وہ کریم رحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ

"ان المتقین" بے شک وہ جو پرہیزگار ہیں یعنی کفر و عصیان اور جہل اور میل الی ماسوا المولیٰ سے بچتے اور ایمان و طاعت اور معرفت اور توجہ الی الحضرۃ العلیاء سے موصوف ہیں "فی جنات" ان باغات میں ہیں جن کی کنہ کوئی نہیں جانتا تنکیر تعظیم کا اور تکثیر کا بھی ہوسکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "ان لہ لابلاً" (بے شک اس کے اونٹ بہت ہیں) "وان لہ لغنماً" بے شک اس کی بکریاں بہت ہیں اور عرب والے کھجوروں کو جنۃ کہتے ہیں "وعیون" اور جاری نہریں ہوں گی یعنی وہ نہریں جنہیں وہ خود آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے نہ یہ کہ وہ ان نہروں کے اندر ہوں گے

فائدہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ متقی دنیا میں رضا کے باغات میں چلتا پھرتا اور لوگوں کے چشموں میں تیرتا ہے۔۔

تفسیر صوفیانہ

بعض نے فرمایا کہ ان کے دلوں کے باغات میں اور دنیا میں حکمت کے چشمے ہیں اور وہ فضل کے باغات میں اور کرم کے چشمے ہیں تو کل انہیں تجلیات و درجات نصیب ہوں گے آج وہ مناجات و قربات میں ہیں "اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ" لیں گے وہ جو انہیں پروردگار عطا فرمائے گا یہ ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی انہیں جو اللہ تعالیٰ سے ثواب نصیب ہوگا اسے وہ قبول کریں گے اور وہ اس پر راضی ہوں گے مطلب یہ کہ جو کچھ انہیں

عطا ہوگا وہ نہایت اچھا اور پسندیدہ اور قبول کرنے کے قابل ہوگا اس میں نہ سخت ٹھنڈک ہوگی کیوں کہ بہتر اور اچھی شئے حد سے زائد ٹھنڈک کو قبول نہیں کرتی۔ اسی محاورہ سے ہے " دیا خذ الصدقات" اور وہ صدقات کو قبول کرتا ہے یہاں یاخذ بمعنی یقبل و یرضیٰ ہے۔

فائدہ : بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آج دنیا میں جو کچھ انہیں اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ اسے قبول کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں جب کہ ان پر اس سے گوناگوں الطاف ہوتے ہیں تو پھر جب وہ طاعت میں ہوتے ہیں تو پھر کل قیامت میں لیں گے جنت میں گوناگوں نعمتیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوں گی اس کے بعد اس عطا کی علت بیان فرمائی کہ وہ کیوں ایسے انعامات کے مستحق ہوں گے چنانچہ فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ بے شک وہ تھے جنت میں داخل ہونے سے پہلے دنیا میں۔ مُحْسِنِيْنَ نیک کرنے والے كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ اور تھے رات کے وقت بہت تھوڑا سوتے

حل لغات ہجوع بمعنی رات کو سونا دن کو سونے کا نام ہجوع نہیں ما زائدہ ہے تقلیل کے معنیٰ کی تاکید کے لئے ہے کیوں کہ یہ تقلیل کا فائدہ دیتا ہے جیسے اکلت اکلاً ما " بہت نے بہت تھوڑا کھایا اور قلیلاً ظرف ہے اور یہجعون کانو کی خبر ہے یعنی وہ رات کے وقت بہت کم سوتے تھے یا وہ مصدر محذوف کی صفت ہے کہ دراصل یہجعون ہجوعاً قلیلا الخ یعنی رات کے اوقات میں بہت کم سوتے تھے یعنی رات کو وہ اکثر اوقات نماز پڑھتے اور ذکر کرتے اور بہت تھوڑا سوتے بطال دکذاب اور ان غافل لوگوں کی طرح نہیں جو صبح تک سوئے رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل اشارہ نے فرمایا کہ یہ اہل احسان کی طرف اشارہ ہے اہل احسان اہل محبت و اہل مشاہدہ ہیں کیوں کہ وہ رات کو نہیں سوتے یہاں قلت سے عدم مراد ہے اور ان کے عدم النوم کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نوم العالم عبادۃ۔ عالم باعمل کی نیند عبادت ہے جو ہمیشہ عبادت میں ہو اسے نائم نہیں کہا جاتا۔

شان نزول بعض نے کہا کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی (رضی اللہ عنہم) وہ رات کو مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھ کر مسجد قبا کو چلے جاتے جو مسجد نبوی سے (تخمیناً) دو میل ہے اور یہ سفر ایک گھنٹہ کا ہوتا۔

فائدہ : حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ جب تک عشاء کی نماز نہیں پڑھتے نہیں سوتے لیکن یہ وقت دراز کرتے یعنی نماز عشاء تاخیر سے ادا کرتے۔

فائدہ : سیدنا جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو مغرب و عشاء کے درمیان نہیں سوتا یہاں تک کہ عشاء کی نماز ادا کرے وہ بھی انہی لوگوں میں سے ہے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ رات کو کونسے وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے فرمایا آدھی رات میں لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ کسی نے فرمایا ؎

نرگس اندر خواب غفلت یافت بلبل صد وصال
خفتہ نابینا بود دولت بہ بیداران رسد

ترجمہ : نرگس غفلت خواب میں لیکن بلبل بیداری میں کئی وصال پاتی ہے سویا ہوا اندھے کی مانند ہے دولت جاگنے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ : دردِ پشتم داد حق تا من ز خواب
بر زجہم در نیم شب با سوز و تاب

۲ : دردہا بخشید حق از لطف خویش
تا نخسپم جملہ شب چو گاؤ میش

ترجمہ ۱ : درد نے میری مدد کی کہ میں خواب سے بیدار ہوا اور آدھی رات میں سوز و تاب سے روتا رہا۔
۲ : دردِ حق نے بخشا اپنے لطف سے تاکہ میں بھینس کی طرح تمام رات سوتا نہ رہوں۔

حکایت : حضرت داؤد بن رشید جو محمد بن حسن کے شاگردوں میں سے ہیں فرمایا کہ ایک رات کو میں اٹھا تو مجھے سردی نے پکڑ لیا میرے پاس کپڑے اوڑھنے کے نہ تھے کہ جس سے سردی دفع ہوتی اپنی غربت سے رو پڑا اور پھر سو گیا نیند میں میں نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے دوسروں کو ہم نے سلا دیا اور تجھے اٹھایا تو تم روتے ہو۔ بیدار ہوئے تو پھر نہ سوئے۔

حکایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کو کسی شاگرد نے کہا کہ آپ تمام شب جاگتے رہتے ہیں آپ نے فرمایا پہلے تو ایسے نہیں تھا لیکن اب میں نے ارادہ کر لیا کہ شب کو نہیں سوؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا** جو کام نہیں کرتے اسپر لوگ دوست رکھتے ہیں کہ نہ کرنے کے باوجود ان کے لئے لوگ تعریف کریں میں نہیں چاہتا کہ میں ان لوگوں سے ہو جاؤں کہ کام بھی کریں لیکن مدح و ثنا کے خواہشمند رہیں اس کے بعد آپ نے تیس سال عشاء کی نماز سے صبح کی نماز ادا کی۔

توبہ کا سبب ایک ولی اللہ کا قصہ حضرت الشیخ ابو عمر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری توبہ کا سبب ایک کبوتر کی بولی ہے جو وہ بوقت شب کہہ رہا تھا اے غافلو اٹھو اپنے رب کریم کی طرف وہ کریم بھی ہے اور رحیم بھی اور بہت بڑا اجر بخشتا ہے اور بہت بڑے گناہ معاف فرما دیتا ہے جب میں نے اس کی بولی سنی تو بے خود ہو گیا جب ہوش میں آیا تو دل کو حب دنیا سے خالی پایا اندریں اثناء مجھے خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی تو مجھے حضور غوث اعظم الشیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضری کا فرمایا میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور خود کو آپ کے سپرد کر دیا یہاں تک کہ میں نے خیر و برکت کی جھولیاں بھر لیں۔

تفسیر عالمانہ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور بوقت سحر وہ استغفار کرتے ہیں

حل لغات: السحر رات کا آخری چھٹا حصہ چونکہ صبح کی روشنی سے اشتباہ پڑتا ہے اسی لئے سحر کہا گیا جادو سے تشبیہ دے کر کہ اسمیں باطل کا حق سے اشتباہ ہوتا ہے یعنی وہ لوگ باوجود قلت منام اور کثرت تہجد بوقت سحر استغفار پر مداومت کرتے ہیں گویا انہوں نے ساری رات جرائم میں گزاری ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اپنی عبادت سے عجب نہیں کرتے بلکہ اپنی عبادت کو کسی شمار میں نہیں سمجھتے ؎

طاعت ناقص ما موجب غفران نشود
راضیم گر مدد علت عصیان نشود

ترجمہ: ہماری ناقص طاعت بخشش کا سبب نہ بنے گی میں راضی ہوں اگر علت عصیان مدد نہ کرے۔

فعل کی بنا اس ضمیر ہم پر رکھنا جو تخصیص کے لئے مفید ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ وہی اس کا حق رکھتے ہیں کہ جو دائمی استغفار کی صفت سے موصوف ہوں گویا وہی ہیں بوقت سحر استغفار کرنے والے اور بس۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ تقدیم الظرف اہتمام اور رعایۃ فاصلہ کے لئے ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ رات کو کافی دیر تک ذکر الٰہی میں معروف رہ کر تھوڑی دیر آرام کرتے تو پھر سحر کے وقت اٹھ کر اس آرام کرنے کی کوتاہی پر استغفار کرتے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ صبح تک عبادت میں مشغول ہونے کے بعد استغفار اسی لئے کرتے ہیں کہ گویا وہ عاصی ہیں خود کو حقیر اور ذلیل اور اپنی عبادات کو لاشی

اور حقیر مجو کرسے

۱۔ عذر تقصیر خدمت آوردم
کہ ملازم طاعت استظہار

۲۔ عاصیان از گناہ توبہ کنند
عارفان از عبادت استغفار

ترجمہ: ۱۔ میں اپنی تقصیر خدمت کا عذر لایا ہوں کیوں کہ میرے ہاں طاعت کی کوئی طاقت نہیں۔
۲۔ گنہگار گناہوں سے توبہ کرتے ہیں عارفین عبادت سے استغفار
یعنی عارفین عبادت میں اپنی کوتاہی تصور کرتے ہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ استغفار کیا ہے آپ نے فرمایا کہو

اللھم اغفرلنا وارحمنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم

ترجمہ: اے اللہ ہمیں بخش ہم پر رحم فرما ہماری توبہ قبول کر بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

ایصال ثواب برائے مردگاں

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کا مرتبہ بلند کرتا ہے تو بندہ پوچھتا ہے یا اللہ میرا یہ مرتبہ کیوں بلند ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کی ہے یعنی کہا ہے "رب اغفرلی ولوالدی"

حدیث شریف

میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے سب سے محبوب تر وہ بندے ہیں کہ بوقت سحر استغفار کرتے ہیں یہ وہ بندے ہیں کہ میں بعض زمین کے حصے پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہوں تو ان استغفار کرنے والوں کی وجہ سے عذاب کو ہٹا دیتا ہوں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا سے

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
از یمن دعائے شب و روز سحری بود

ترجمہ: ہر خزانۂ سعادت جو اللہ تعالیٰ نے حافظ کو بخشا ہے یہ شب و روز کی سحرگاہ کی دعا کی برکت سے ہے۔

اور فرمایا سے

در کوئے عشق شوکت و شاہی نمی خرند
اقرار بندگی کن و دعوئ چاکری

ترجمہ: عشق کی گلی میں شاہی و شوکت کسی کام کے نہیں وہاں بندگی اور نوکری کا اقرار کر۔

مثنوی شریف میں ہے

۱: گفت آنکہ ہست خورشید راہ او
مرف طوبیٰ ہر کہ زلت نفسہ

۲: ظل ذلت نفسہ خوش مضجعست
مستعاراں صفا را مہجعست

۳: گر ازیں سایہ روئے سوئے منی
زود طاغی گردی وراہ گم کنی

ترجمہ: ۱: فرمایا کہ جس کا رہبر روشن منیر ہو اور اسے مبارک ہو جس کا نفس عاجز ہوا
۲: جس کا نفس ذلیل ہوا وہ بھی خوش قسمت ہے راہ صفا کی استعداد والوں کیلئے اچھی شے ہے
۳: اگر اس سایہ سے راہ طرف سرکشی کے لے جائے تو تم جلد تر طاغی اور گمراہ ہو جاؤ گے۔

فضائل تہجد و دعا صبحگاہی

کلبی و مجاہد نے فرمایا کہ "و بالاسحار ھم یستغفرون" یعنی یُصَلُّوْنَ یعنی سحر کے وقت نماز پڑھتے ہیں وہ اس لئے کہ یہ طلب مغفرت کا وقت ہے۔

حدیث شریف

جو رات کو بیدار ہوں یہ جوامع الکلم میں ہے اس لئے کہ کہا جاتا ہے "تعار من اللیل" بمعنی استیقظ فلان نیند سے آواز کرتے ہوئے بیدار ہوا (الصحاح) یہ بیداری اکثر مع گفتگو ہوتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ انسان کی یہ گفتگو تسبیح و تہلیل ہو اور یہ اس سے پایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس ہو چنانچہ فرمایا تو بیدار ہو کر کہے۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر الحمد للہ و سبحان اللہ و اللہ اکبر و لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس کے بعد کہے اللھم اغفرلی یا دعا مانگے یعنی اللھم اغفرلی، پچھلے کلمات سے متعلق ہے یا یہ علیحدہ نہیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللھم اغفرلی ان کلمات کے اختتام پر ہی دعا مانگے تو اس کی دعا مستجاب ہو گی یہ جزا از شروط مذکورہ پر مرتب ہے اور مراد یہ ہے کہ اس کی دعا کی قبولیت یقینی ہے کیوں کہ احتمال ہوتا تو وہ تو اس دعا کے غیر میں بھی ہے۔

فائدہ: اگر رات کو جاگنے والا یہ دعا نہیں مانگتا تب بھی اسے اس ذکر کا تو ثواب مل جائے گا لیکن حضور علیہ السلام نے اس کی اگرچہ تصریح نہیں فرمائی تب بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز قبول ہوگی فرائض ہوں یا نوافل یہ مقبولیت بھی یقینی ہے اور یہ بھی اسی ذکر پر مرتب ہوگی جو ابھی مذکور ہوا۔

حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص تجلیات سے ہر شب کو تہائی رات گزرنے کے بعد آسمان دنیا میں نزول اجلال فرماتا ہے تو اعلان فرماتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں ہے کوئی جو مجھ سے کچھ دعا مانگے تو میں اس کی دُعا قبول کروں اور ہے کوئی مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اس کا سوال پورا کروں کوئی ہے بخشش مانگنے والا تو میں اسے بخشوں۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو نماز تہجد پڑھ کر کہتے اللھم لک الحمد انت الحق ووعدک حق ولقائک حق وقولک حق والجنۃ حق والنار حق والنبیون حق ومحمد حق والساعۃ حق اللھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ما قدمت وما اٰخرت وما اسرار وما اعلنت انت المقدم وانت الموخر لا الٰہ الا انت ولا حول ولا قوۃ الا بک۔

فائدہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ کونسی رات افضل ہے عرض کی میں نہیں جانتا ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بوقت سحر عرش الٰہی حرکت میں آتا ہے اور وہ حرکت میں نہیں آتا مگر تجلیات الٰہیہ کی کثرت کی وجہ سے جو کہ وہ تجلیات شب بیداروں کو نصیب ہوتی ہیں تو وہ ان سے خوش ہوتا ہے (جو ان کے طفیل اسے بھی تجلیات کا دیدار نصیب ہوتا ہے) ایسے ہی وہ تجلیات گناہوں سے رونے والوں اور اس وقت (سحر کے وقت) بخشش مانگنے والوں کو نصیب ہوتی ہیں یا ان لوگوں کو معاف کرنے اور بخش دینے اور دعاؤں کو قبول کرنے سے خوش ہوتا ہے یا تعجب کرتا ہے کہ بندے بھاگنے والے بھاگتے ہیں باوجودیکہ اسے کسی کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی ان بھاگنے والوں کو الطاف وکرم سے نوازتا ہے حالانکہ بندوں کو محتاجی تھی تو وہ خود اس سے الطاف وکرم طلب کرتے لیکن وہ طلب کے بجائے اس سے بھاگے تو بھی لطف وکرم سے نوازا۔ علاوہ ازیں وہ غفلت میں ہیں اور نیند میں مست لیکن وہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خود بلاتا ہے کہ ہے کوئی بخشش مانگنے والا اور ہے کوئی توبہ کرنے والا اور ہے کوئی ندامت والا وغیرہ وغیرہ ایسے ہی اس پر تعجب کرتا ہے کہ بندے باوجودیکہ ایسے وقت میں غافل اور نیند میں ہیں اور ان کو محرومی میں کوئی کمی نہیں

رہی لیکن وہ انہیں برکتوں اور رحمتوں سے بھر پور فرماتا ہے یا اس لئے کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ اپنی قضاؤ قدر کو جاری فرماتا ہے کہ کسی کو برکات تو کسی کو شرور۔

فائدہ: رات دوستوں کے لئے ہے کہ وہ مناجات میں مشغول ہوں اور عاصیوں کے لئے کہ وہ طالب نجات ہوں اور راتوں میں بیدار رہ کر اپنی غلطیوں کا احساس ظاہر کریں اور پریشان ہوں اور افسوس کھائیں یا عشاق اشتیاق و فراق کی باتیں کریں جیسے انہوں نے کہا ہے کہ ؎

۱: کم لیلۃ فیک لا صباح لہا
افنیتہا قابضاً علی کبدی

۲: قد غصت العین بالدموع وقد
وضعت خدی علی بنان یدی

ترجمہ ۱: کتنا راتیں تھیں جن کی صبح نہ ہوئی میں نے انہیں جگر پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں پر کاٹا۔

۲: آنکھیں آنسو بہاتی رہیں اور میرا چہرہ میرے ہاتھ کی انگلیوں پر۔

اور رات کی شب بیداری کمال انس اور روح کی راحت سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کہا ؎

سقی اللہ عیشا نغیرا مضی
زمان الہوی فی العبی والجنون
لیالیہ تحکی انسداد اللحا
ظ للعین عند ارتداد الجنون

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مبارک عیش کے جام پلائے ورنہ خواہش کا دور بچپن اور جنوں میں گزرا وہ راتیں آنکھوں کے پلکوں سے ملا کر گزر جاتی تھیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احیاء اللیل کا اس لیے حکم فرمایا کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کے ملنے والوں کے لئے زیادہ قریب ہے اور اس کی وہی طاقت رکھتا ہے جو صابر صادق یعنی ہر دکھ کو بسر و چشم اور بدل و جان قبول کرنے والا ہو۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رات کا اٹھنا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض فرمایا اور تم پر نہیں [اس کی وجہ وہی ہے جس سے وہابی دیوبندی چڑتے ہیں۔ جسے صاحب روح البیان صدیوں پہلے لکھ گئے (اویسی غفرلہٗ)]

چنانچہ فرمایا کہ:

وذلك لانہ روح العالم ومدارہ فکیف یکون للہ ولی بخیل بنفسہ وعلی اللہ متکاسل وبتکاسلہ یخرب العالم ویشتمل جہل اھلہ کما ان الروح اختل الجسد وقواہ [1]

ترجمہ: وہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کی روح ہیں اور آپ پر ہی کل عالم کا مدار ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوست اپنے نفس سے پیار کیسے کر سکتا ہے اور وہ سُست بھی ہو تو کیوں اس کی سُستی سے جملہ عالم خراب ہو جائے گا بلکہ اس کے اہل سب کے سب جہل میں پھنس جائیں گے جیسے روح کے نہ ہونے سے جسم و قویٰ میں خلل پڑ جاتا ہے۔

اسی لئے اولیاء اللہ عبادت میں بہت زیادہ مشغول رہتے ہیں اور قاعدہ ہے جتنا بندے کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اتنا ہی تکلیف وغیرہ میں زیادہ مبتلا ہوتا ہے (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

حکایت: حضرت الیاس علیہ السلام کے ہاں حضرت ملک الموت تشریف لائے تو آپ رونے لگے ملک الموت نے کہا آپ روتے کیوں ہیں اب تو آپ اپنے پروردگار کی خدمت حاضر ہوں گے آپ نے فرمایا میں روتا اس لئے ہوں کہ سردی کی راتوں میں اور گرمیوں کے دنوں میں اللہ والے نمازوں روزوں اور قیام کے مزے لوٹیں گے اور میں مٹی کے نیچے (قبر میں) ہوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ قیامت تک ہم نے تمہیں مہلت دیدی ہے تم بے شک شب بیداری اور قیام وصیام کے مزے لوٹو۔ آپ کی اس خدمت (عبادت) سے میں بہت خوش ہوں۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا:

دع التکاسل تغنم وقد جری
مثل کہ زاد راہروان چستی و چالاکی

ترجمہ: سُستی چھوڑ وقت کو غنیمت سمجھ کیوں کہ مثال مشہور ہے کہ راہروں کا زاد راہ چستی و چالاکی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَفِیٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ اور ان کے اموال میں حق ہے بہت زیادہ نصیبہ ہے جو وہ اپنے نفوس پر واجب کرتے ہیں یعنی اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں

---

[1] (روح البیان ص ۱۵۶ ج ۹)

اور لازم قرار دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے اور عوام پر شفقت کرنے کے لئے اور حق سے وہ وجوب مراد نہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اموال پر واجب ہے ہماری تقریر سے وہ سوال دفع ہو گیا کہ جو شے بندے پر واجب ہے اور وہ اسے ادا کر رہا ہے تو پھر وہ مدح کا مستحق کیوں جب کہ اس نے تو فقراء کو وہی دیا ہے جو اس کے ذمے ضروری تھا ایسے ہی وہ بھی مدح کے مستحق نہیں جو غنی ہو کر زکوٰۃ ادا نہیں کرتے لیکن فقراء کو صدقات، خیرات نفلی دیا کرتے ہیں (یعنی مدح کے مستحق وہ ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقات وخیرات سے فقراء و مساکین کی خدمت کرتے ہیں)

لِلسَّائِلِ کے لئے ضرورتمند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے۔

(وَالْمَحْرُوْمِ اور محروم یعنی وہ جسے لوگ غنی سمجھ کر اسے صدقہ نہیں دیتے اور وہ بھی سوال نہیں کرتا اس معنی پر وہ صدقات وخیرات سے محروم ہو گیا۔

فائدہ: القاموس میں ہے المحروم بمعنی الممنوع من المال وہ جو مال سے روکا گیا ہے اور وہ جو جس کا مال نہ بڑھے (المفردات) وہ کہ جس پر رزق کی وسعت نہ ہو جیسے دوسروں کو وسعت حاصل ہے بلکہ وہ خیر وبھلائی سے ممنوع ہے۔

سوال: بحر العلوم میں ہے کہ یہاں سائل ومحروم کی تخصیص کیوں؟

جواب: اس لئے کہ ان لوگوں کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ اور وہ حقوق ہیں جو انسان پر لازم ہیں نفقات وغیرہ میں سے جیسے والدین کا نفقہ جب وہ فقیر ہوں ایسے ہی محروم ایسے جو بھوک سے مر رہا ہو ایسے ہی مسافر وغیرہ کا کھانا وغیرہ۔

حدیث شریف فقراء کی وجہ سے اغنیاء پر قیامت میں سخت خرابی ہو گی کہ اے ہمارے پروردگار انہوں نے ہم پر ظلم کیا کہ ہمارے حقوق ادا نہ کئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا فقیر و آج میں تمہیں قریب اور اغنیاء کو اپنے سے دور کرتا ہوں اس کے بعد آپ یہی آیت تلاوت فرمائی۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ مال خرچ کرنا ضروری ہے اور یہ بھی حسن اخلاق سے ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ دوزخی چہ بہشتی چہ آدمی چہ ملک
بمذہب ہمہ کفر طریقتست امساک!

ترجمہ: دوزخی بہشتی اور آدمی وملک سب کا مذہب ہے کہ امساک کفر ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

از زر وسیم راحتے برسان
خویشتن ہم تمتعی برگیر
چونکہ این خانہ ازتو خواہد ماند
خشتے زسیم و خشتے وزرگیر

ترجمہ : زروسیم سے راحت پہنچا خود کو اور اس سے نفع اٹھا۔
چونکہ یہ گھر تجھ سے باقی رہے گا فلہذا اسے ایک اینٹ سونے سے دوسری چاندی سے تیار کر۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کے تین سو ساٹھ کے اخلاق ہیں انہیں میں سے کسی ایک کے ساتھ (توحید شرط ہے) اللہ تعالیٰ کو ملا تو ضرور بہشت میں داخل ہوگا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ کوئی ایسا خوش قسمت بھی ہوگا جس کو وہ کامل اخلاق حاصل ہوں گے اور مجھ میں بھی انہیں سے کوئی ایک نصیب ہے یا نہ آپ نے فرمایا کہ تیرے میں تمام عادات موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب تیری سخاوت ہے۔

حکایت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ شبلی قدس سرہ نے اپنے مریدین کو توکل کا حکم فرمایا تین دن تک ان کے پاس کھانے کی کوئی شے میسر نہ آئی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسب کا حکم کس لئے فرمایا کماؤ اور کھاؤ جیسا کہ فرمایا هو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے لئے زمین نرم بنائی تم اس کے کاندھوں پر چلو اور اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ، ان میں سے ایک نے کمائی کا پروگرام بنایا لیکن بھوک نے اسے چلنے نہ دیا بڑی مشکل سے ایک عیسائی کی دکان کے قریب جا کر بیٹھے وہ دکاندار طبیب تھا اس نے فقیر کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ بھوکا ہے اپنے نوکر کو فرمایا اس کے لئے کھانا لا۔ فقیر نے دکاندار کو فرمایا میرے جیسے چالیس بیمار اور بھی ہیں۔ دکاندار نے کہا ان چالیس کو بھی کھانا کھلاؤ۔ نصرانی کا نوکر سب کا طعام لے کر چلا اور وہ درویش بھی اس کے ساتھ تھا جب طعام حضرت شبلی قدس سرہ کے درویشوں کے پاس پہنچا آپ نے فرمایا کھانے سے پہلے بدلہ اتار دو مل کر کھانا بھیجنے والے کے لئے خیر و بھلائی کی دعا کرو سب نے مل کر دعا کی دکاندار کو ان کے اس حسن اخلاق کا علم ہوا تو حضرت شبلی قدس سرہ کے ہاں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

فائدہ : اس سے هل جزاء الاحسان الا الاحسان (احسان کی جزاء احسان ہی ہے) جیسے نصرانی حکیم (طبیب) نے طعام کھلایا تو حضرت شبلی قدس سرہ نے اس کے بدلہ میں دعا کر کے اسے دولت اسلام

سے نوازا یعنی بزرگوں کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو مقامات وکمالات اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائے اس میں طالبین صادقین کا حق ہے جب وہ اطراف عالم سے حاضر ہو کر اس کی طلب کریں تو ان کا حق بنتا ہے کہ ان میں صلاحیت ہے تو انہیں بھی راہ سلوک پہ لگا دو۔ محروم سے مراد وہ ہے جو ان مقامات وکمالات کی قدر وقیمت نہیں جانتا لیکن جب وہ غریب اس کی طلب میں آئے ہیں تو پھر اللہ والوں کے زمہ کرم ہے کہ اپنے فیض وکرم سے ان کی خالی جھولی بھر دیں (جیسے حضور غوث پاک اور دیگر ایسے اولیاء کرام نے چوروں کو ابدال بنایا) اسی کا نام ہے دین کی خیر خواہی کیوں کہ اولیاء کرام بمنزلہ طبیب کے ہیں اور المحروم بمنزلہ مریض کے تو طبیب پر لازم ہے کہ وہ مریض کی خاطر داری کرے اور اس کی نبض صحیح طریق سے دیکھے اس کی بیماری کی مکمل تشخیص کرے اس کے آنے والے خطرات پر نظر ڈالے پھر اسے ان سے بچنے کی تدابیر بتلائے اور ایسے ادویہ سے اس کا علاج کرے جن سے اسے نفع ہو اور اس کا مرض زائل ہو اور وہ مکمل طور صحتیاب ہو جائے (تاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ اور زمین میں یقینی والوں کے لئے آیات (نشانیاں) ہیں۔ الایقان بمعنی بے گمان ہونا۔ یعنی دلائل واضحہ ہیں صانع کے وجود وعلم وقدرت وارادت وحدۃ اور اس کی بہت زیادہ رحمت پر کہ اسکی رحمت عام ہے مثلاً زمین کو دیکھو کہ وہ بچھے ہوئے فرش کی طرح ہے اور اس میں مختلف راستے ہیں جنھیں مختلف ملکوں میں پہنچنے کے لئے آسانی ہے اور اس پر سیاح آرام سے چل پھر کر کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتے ہیں اس میں نرم ٹکڑے بھی ہیں اور پہاڑ بھی اور اس میں دریا بھی ہیں اور جنگل بھی اور قطعات ملے جلے بھی اور جاری نہریں بھی اور عجیب وغریب کانیں بھی اور یہ بہترین انگوریاں اگاتی ہے گوناگوں درخت پیدا کرتی ہے رنگ اور بو اور مزہ میں مختلف قسم کے پھل فروٹ اور پھول نکالتی ہے اس پر جانور پھیلے ہوئے ہیں جو اپنی ترتیب وسلیقے سے رہتے ہیں اور انسانوں کے منافع ومصالح اسی میں رکھے ہیں کہ کن چیزوں سے تندرست رہ سکتے ہیں اور کن چیزوں سے بیمار ہوتے ہیں سب کام مصلحتوں اور حکمتوں سے زمین پر موجود ہیں۔

فائدہ: کلبی نے فرمایا کہ گذشتہ صدیوں کے آثار قدیمہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت اور نصیحت کے موجبات واسباب ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ زمین وہ ہے جو کل بوجھ اٹھاتی ہیں ایسے ہی عارف مؤمن (یقین کرنے والا) ہر ایک کا بوجھ اٹھاتا ہے جو ایسے بوجھ سے ثقالت کرتا ہے یا اس سے دور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف چلاتا ہے اسی لئے وہ اپنی نسبت (طیب ہونے) من الحقیقۃ ومطالعہ حق بہ عین تفرقہ میں رہتا ہے لیکن اہل حقائق اسی صفت سے موصوف نہیں ہوتے۔ بعض وہ زمین کے حصے ایسے ہیں جنہیں گندگی اور کوڑا کرکٹ ڈالو تب بھی اس سے خوشبودار گل گلاب اور رنگارنگ پھول پیدا ہوتے ہیں ایسے ہی عارف کامل کا حال ہے کہ ہر قسم کے ظلم وجفا برداشت کرتا ہے لیکن پھر بھی خلق خدا کو خوشبو (دعاؤں) سے نوازتا ہے۔ زمین کے بعض ٹکڑے وہ ہیں جن پر سیم وتھور نے ڈیرے جمائے ہوتے ہیں اسی لئے وہ زمین کھیتی باڑی اور مکانات کی تعمیر سے محروم ہوتی ہے ایسے ہی بعض انسان ایمان سے محروم ہوتے ہیں کہ ان کے قلوب بمنزلہ سیم وتھور والی زمین کے ہیں ان کو ایمان واسلام کی دعوت دیکر جدوجہد کرنا ایسے ہے جیسے سیم وتھور والی زمین میں بیج ڈال کر ضائع کیا جائے۔

حضرت الشیخ الاکبر کی تقریر دلپذیر حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ گندم کا بہتر بیج سیم وتھور والی زمین میں ڈال کر ضائع نہ کر یعنی حقائق کا بیان جو قلب کی اور روح کی غذا ہے بمنزلہ گندم کے بہترین بیج کے ہے اور جسم بمنزلہ زمین کے ہے خلاصہ یہ بیج اس جسم میں نہ ڈال یعنی ایسے حقائق اس جسم (شخص) کو بیان نہ کر جو سیم وتھور کی طرح بیکار ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حقائق کے قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے یعنی وہ جو جمیع اشیاء میں حق مشاہدہ نہیں کرتے۔

فائدہ: حقائق البقلی میں ہے کہ آیات الارض سے اس کی ذات وصفات کا مرآت الاکوان میں ظہور مراد ہے جیسے کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے لئے ظاہر ہوا۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام پر معیصہ میں جلوہ ظاہر ہوا۔

فائدہ: المعیصہ (بکسر المیم) ایک شہر کا نام ہے جو طرسوس والبیس کے نزدیک بحر رومی کے ساحل پر واقع ہے۔ یا جبال مکہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جلوہ ظاہر ہوا۔

فائدہ: کیا نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا کہ

جاء اللہ من سیناء واستعین بساعۃ واشرق من جبال فاران

ترجمہ: اللہ کا جلوہ سیناء سے آیا (اور میں اسی گھڑی کے وسیلہ سے مدد مانگتا ہوں) اور وہ فاران سے چمکا۔

فائدہ: فاران سے جبال مکہ معظمہ مراد ہیں القاموس میں ہے الفاران سے جبال مکہ مکرمہ مراد ہیں جن کا ذکر تورات میں ہے انہیں سے ایک جبل بکر بن القاسم ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں میں آیات ہیں اس لئے عالم کائنات کی کوئی ایسی شے نہیں جس کی نظیر نفوس میں نہ ہو جیسا کہ کہا گیا ہے کہ انسان عالم کبیر کا نمونہ ہے اسی لئے اسے عالم صغیر کہا جاتا ہے اس کی تطبیق مع تفصیل ہم نے سورۃ حم السجدہ کی آیت سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ میں ذکر کردی ہے علاوہ ازیں انسان اپنی ساخت میں منفرد ہے مثلاً اس کی ہیئات ناصفہ اور مناظر بہیہ اور ترکیبات عجیبہ اور اس کے افعال بدیعہ کا تمکن اور اس سے صنائع مختلفہ کا استنباط اور اسمیں کمالات متنوعہ کا استجماع دیکھ لیجئے۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے زمین میں انواع حیوانات و اشجار و جبال و نہار کے عجیب دلائل ہیں ایسے ہی "وفی انفسکم" ان کے لئے آیات ہیں اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائبات جو اللہ تعالیٰ کی حکمت وقدرت وتدبیر و ارادہ پر دلالت کرتے ہیں اس تقریر پر تخصیص کے بعد تعمیم ہوگئی کیونکہ انفس الناس زمین میں سے ایک ہیں گویا کہا گیا کہ موحدین عاقلین کے لئے زمین پر عموماً اور تمہارے نفوس میں خصوصاً ان کے لئے آیات ہیں کیونکہ ہر عاقل کے لئے منظور فیہ سے قریب تر اس کا اپنا نفس ہے یا اس کی اپنی اولاد لیسے ہی اس کا باطن و ظاہر بھی صانع کے وجود پر واضح دلائل ہیں ایسے ہی اپنے وجود کی ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا پیدائش سے کر وفات تک بھی وجود باری تعالیٰ کے واضح دلائل ہیں۔ کسی بزرگ نے فرمایا ؎

ففی کل شئی لہ آیۃ
تدل علی انہ واحد

ترجمہ: ہر شے دلیل ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے۔

فائدہ: اس لئے کہ ہر شے اپنے جسم اور روح سے ایک ہے اس کے کثرت اجزاء و اعضاء کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ہر عدد (کتنا ہی بڑا ہو) اسے وحدۃ سے موصوف کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ عشرۃ واحدۃ ومائۃ واحدۃ علاوہ ازیں ہر جسم کا منتہیٰ وہ جزء ہے جو لا تجزی ہے (کہ اس کے بعد اس کی تقسیم محال ہے) جسے نقطہ کہا جاتا ہے (نتیجہ نکلا کہ ہر جسم (کثرت اجزاء و اعضاء کے باوجود) واحد ہے۔ ایسے ہی الف کہ یہ مرکب ہے تین نقطوں سے یا پانچ یا سات سے ایسے ہی تمام حروف و افعال ترکیبہ کا حال ہے (ثابت ہوا کہ کل شئے سے مراد ہر جسم ہے۔)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان جمیع صفات حق کا آئینہ ہے اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے خود کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ لیکن ہر انسان خود کو نہیں پہچان سکتا جب تک کہ کمال کو نہ پہنچے اور اس کمال پہ ہے کہ نفس کو کامل مکمل صاف شفاف آئینہ بنا دے یہاں تک کہ وہ صفات حق کے تجلی کے قابل ہو جائے پھر اسی آئینہ ہو جانے پر نفس کو پہنچ جائے گا اور رب تعالیٰ بھی اس آئینہ میں جلوہ گر ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "سنریہم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق" عنقریب ہم انہیں اپنی آیات آفاق اور ان کے نفوس میں دکھائیں گے یہاں تک انہیں ظاہر ہوگا کہ بیشک وہ حق ہے ۔

جہان مرآت حسن شاہد ماست

فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: یہ جہاں ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے اسی لئے اے مخاطب ہر ذرہ سے اس کے چہرے کا مشاہدہ کر۔

تفسیر عالمانہ

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو) یعنی تو کیا تم آنکھوں سے دیکھو کر بصیرت سے نہیں دیکھتے ہو حتیٰ کہ عبرت پکڑو اور صانع کی صنعت پر دلیل پکڑو اور نقش سے نقاش پر استدلال کرو ایسے ہی اسکی صفات پر۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ استفہام بمعنی امر ہے یعنی نظر عبرت سے دیکھو اور صنعت باری تعالیٰ کے کمال کے علامات کا مشاہدہ کرو اور حقائق سلمی میں مذکور ہے کہ جو ان آیات کو اپنے نفس میں نہیں دیکھتا اور صفحۂ وجود میں آثار قدرت کا مطالعہ نہیں کرتا تو اس نے حظ زندگانی ضائع کر دیا بلکہ زندگی سے اس نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ۔

۱: نظرے بسوئے خود کن کہ تو جان دلربائی

مفگن بخاک خود را کہ تو از بلند جائی

۲: تو ز چشم خود نہانی تو کمال خود چہ دانی

چو دُر از صدف بروں آکہ تو بس گراں بہائی

ترجمہ ۱: خود کو دیکھ کہ تو دلربا جان ہے خود کو مٹی میں نہ ڈال کیوں کہ تو بلند جگہ کا فرد ہے

۲: تو اپنی آنکھ سے پوشیدہ ہے پھر تو اپنے کمال کو کس طرح جان سکے گا۔ صدف سے موتی کی طرح باہر آ پھر تو اپنی قیمت کا اندازہ کر۔

فائدہ: حضرت واسطی نے فرمایا کہ عوام کو عرفان نصیب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال سے ان کے لئے فرمایا "وفی انفسکم افلا تبصرون" اور خواص سے اس کی ذات سے ان کے لئے فرمایا "الم تر الی ربک" کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔

بحر علم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ٹھاٹھ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

سلونی عما دون العرش فان ما بین الجوانح علم جم ھذا لعاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی فمی ھذا ما رزقنی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فو الذی نفسی بیدہ لو اذن للتوراۃ والانجیل ان یتکلما فاخبرت بما فیھما تصدقانی علی ذلک،

ترجمہ: "عرش سے نیچے تمام چیزوں میں سے جو چاہو پوچھو میرے اندر بے شمار علوم امانت رکھے ہوئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب مبارک میرے منہ میں ہے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا اسی ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر توراۃ انجیل میں بولنے کی اجازت ہو تو میں ان کی تمام خبریں دوں تو وہ خود میری تصدیق کریں گی۔"

مجلس میں ایک یمانی تھا اس نے کہا کہ اس مرد نے (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) لمبا چوڑا دعویٰ کیا ہے میں اسے اسی مجلس میں رسوا کروں گا وہ کھڑا ہو گیا اور کہا:

یا علی اسال

اے علی میرا ایک سوال ہے فرمایا پوچھ لیکن سمجھنے کے لئے عناد اور ضد نہ کرنا اس نے کہا آپ نے ہی مجھے جوش دلایا ہے بھلا بتلایئے آپ نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا میں اس رب کی عبادت کرتا ہی نہیں جسے میں نہ دیکھوں۔ اس نے کہا وہ کیسے۔ آپ نے فرمایا اسے آنکھیں مشاہدۂ عیان سے نہیں دیکھتیں ہاں قلوب حقیقۃ الایمان سے دیکھتی ہیں میرا رب واحد لاشریک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں وہ فرد ہے اس کی کوئی مثل نہیں اسے نہ مکان حاوی ہے اور نہ اسے زمان گھیرے ہوئے ہے اسے حواس ادراک نہیں کر سکتے اور نہ وہ قیاس میں آ سکتا ہے یہ سن کر یمانی بے ہوش ہو کر گرا جب اسے ہوش آیا تو کہا میری توبہ آئندہ میں عناد اور ضد سے سوال نہ کروں گا۔

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کی کہانی

کسی نے خواب میں سیدنا معروف کرخی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حور و قصور جنت سے منہ پھیر کر عرش کو ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے ہیں۔ دیکھنے والے نیک بزرگ (ولی اللہ) نے رضوان جنت سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں فرمایا یہ معروف کرخی ہیں جو اللہ کے اشتیاق میں فوت ہوئے تو رب اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف دیکھنے کی اجازت بخشی ہے۔

فائدہ: یہ وہی دیکھنا ہے جسے ہم دنیا میں لبصیرت (قلب) سے دیکھتے ہیں لیکن یہ بھی یاد رہے کہ "من کان فی ھذا اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ" جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے

انتباہ دنیا کی آنکھ سے دیکھنا محال ہے کیوں کہ جب (موسیٰ علیہ السلام) نے آنکھ سے نہ دیکھا تو باقی کون ہے دیکھنے والا۔ سوائے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں کہ دیکھنے کی قابلیت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اور کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہاں ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسم کی آنکھ سے دیدار اس لئے نصیب ہوا کہ آپ نے دنیا کی حد سے خارج کے علاقہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا یعنی عرش سے ماوریٰ اور عرش عالم طبعی اور عالم ارواح کی ملاقات گاہ ہے (اور آپ نے تو وہ دیدار لامکان میں پایا) نہ وہاں کسی کو پہنچ ہے نہ دیدار ہو سکتا ہے۔

فائدہ: عوام کا دیدار مرتبہ علم میں اور خواص کا مرتبۂ عین میں اور ان کے بھی توحید میں مراتب ہیں کسی کو افعال سے کسی کو صفات سے کسی کو ذات وغیرہ وغیرہ۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ مرتبہ علم میں سے ترقی کر کے مرتبہ عین میں پہنچے اور استدلال سے شہود اور حضور تک پہنچنے کی جد و جہد کرے۔

تفسیر عالمانہ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ آسمان میں ہے تمہارا رزق یعنی تمہارے رزق کے اسباب آسمان میں ہیں یہاں مضاف محذوف ہے اسباب سے سورج چاند اور باقی ستارے مطالع و مغارب کا اختلاف مراد ہے تاکہ جن ان فصول کا اختلاف مرتب ہوتا ہے جو حصول ارزاق کے مبادی ہیں جیسا کہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ترجمہ ۱۰ ابر و باد و ماہ و خورشید و فلک کام میں ہیں تاکہ تو روٹی ہاتھ میں لے کر غفلت سے نہ کھائیں۔

۲۔ یہ سب تیرے لئے سرگرداں اور فرمانبردار ہیں یہ انصاف کی شرط نہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار نہ ہو۔ یا آسمان میں ہے تمہارے رزق کی تقدیر اور ابن کیسان نے کہا آسمان کے بجائے کہ تمہارے رزق ہیں جیسے فرمایا ولاصلبنکم فی جذوع النخل "تمہیں کھجوروں کے اوپر سولی چڑھاؤں گا" یعنی جیسے اس آیت میں فی بمعنی علیٰ ہے ایسے آیت ہذا میں فی بمعنی علیٰ ہے) وَمَا تُوعَدُونَ اور وہ جو تم وعدہ دیئے جاتے ہیں ثواب کا کیوں کہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے عرش کے نیچے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب' یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام وعدے کئے ہیں خیر و شر اور ثواب و عقاب اور سختی و نرمی وغیرہ کے وہ آسمان میں مقدر ہیں۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ عقاب اور اس کا امر آسمان سے آتا ہے جیسے چنگھاڑ، پتھراؤ، آگ اور طوفان وغیرہ جو سابقہ امتوں پر واقع ہوا۔

فائدہ: تبیان میں ہے کہ وہ تختی میں لکھا ہوا جو چوتھے آسمان میں ہے فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ تو قسم ہے آسمان اور زمین کے رب تعالیٰ کی' اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم یاد فرمائی ہے اور لفظ رب میں تربیتہ بالرزق کا بیان ہے۔ إِنَّهُ بے شک وہ جو تم وعدہ دیئے جاتے ہو یا وہ امر جو آیات بالا میں مذکور ہوا اور رزق وغیرہ یہ ۂ اسم اشارہ سے مستعار ہے۔ لَحَقٌّ البتہ حق ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ابن آدم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا انکار کیا تو اس نے قسم یاد فرمائی اپنی ذات کی تو بھی تصدیق نہ کی۔

فائدہ: اگر اس سے یہودی رزق کا وعدہ کرے اور قسم کھائے تو وہ اس کے وعدہ اور قسم پر اعتماد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے غارت کرے وہ رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر کیوں اعتماد نہیں کرتا۔

سیدنا اویس قرنی اور ہرم بن سنان رضی اللہ عنہما

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے حضرت ہرم بن سنان رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ مجھے کہاں رہنے کا حکم فرماتے ہیں شام کی طرف اشارہ فرمایا پوچھا وہاں وجہ معاش کا کیا بنے گا آپ نے فرمایا ان قلوب پر افسوس ہے کہ ان میں شک مل گیا ہے ایسے لوگوں کو نصیحت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ ۰ (ایسی باتیں ہے شک تم بولتے ہو) یعنی جیسے تمہیں شک نہیں اس میں جو تم زبان سے کہتے ہو تو تمہیں چاہیے کہ اس کی حقیقت میں بھی شک نہ کرو۔ اس کا منصوب ہونا علی الحالیۃ ہے حق کی ضمیر مستکن سے یا وہ مصدر محذوف کی صفت ہے کہ دراصل انہ الحق حقا مثل نطقکم کیوں ابہام سے بھرپور ہے اسی لئے وہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود بھی نہیں سمجھا

جاتا اور ما زائدہ ہے یا شے کے معنیٰ میں ہے جب کہ اس کا ما بعد اسکی صفت ہو ساتھ تقدیر مبتداء کے کہ دراصل مثل ما انکم تنطقون تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بولنے کی طاقت دی ہے کہ تم اس کی قدرت سے بولتے ہو تو ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ تمہیں روزی پہنچائے گا۔ جیسے تمہارے ساتھ اس کا وعدہ ہے اور بولنے سے تمثیل اس لئے دی کہ وہ صرف انسان سے مخصوص ہے اور اس کی خصوصی صفت ہے۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل چاہیے اور اسباب کی تلاش بھی ضروری ہے اسی لئے اسباب کو دیکھنے کا اشارہ ہے اگر وہ محل التحقیق میں ہوتے تو انہیں آسمان و زمین کا حوالہ نہ دیتا کیوں کہ آسمان لوہے کا ہوتا زمین تانبے کی ہوتی تو نہ آسمان سے بارش آتی نہ زمین سے انگوری اُگتی۔

رزق اولیاء کے ہاتھ میں تمام بندوں کا رزق اولیاء اللہ میں کسی ایک ولی اللہ کامل کی گردن میں ہوتا ہے اور اسے اس کی پرواہ بھی نہیں کیوں کہ وہ عالم وسائط (وسائل) سے نکل وسائط (وسائل) کے مالک تک پہنچ چکا ہے (یعنی ولی اللہ رزق الٰہی کا وسیلہ ہے اس کے صدقے سے مخلوق خدا کو رزق ملتا ہے (فافہم ولا تکن من الوہابیین)

فائدہ: اللہ تعالیٰ اسباب کے ذریعے یہ کام کرتا ہے اسباب کی اسے محتاجی نہیں (وہ ہر احتیاج سے منزہ و مقدس ہے) اگر اسباب نہ بھی ہوں تب بھی وہ رزق پہنچانے پر قادر ہے کیوں کہ وہ ہر کام امر کن سے کرتا ہے اور ملک و ملکوت اسی کے قبضہ میں ہیں یہ وہ بڑا عظیم مقام ہے جب اس مقام پر نفوس قلق و اضطراب سے محفوظ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فتاح ہے وہ دائرہ فتوح میں ہمیں داخل فرمائے۔

حکایت جناب اصمعی فرماتے ہیں کہ میں جامع مسجد بصرہ کی طرف سے جمعہ کے بعد روانہ ہوا تو راستہ میں مجھے اعرابی ملا اس کے ہاں اونٹ بکثرت تھے اور چرانے والوں نے ان کے گھاس وغیرہ سے اسے بے نیاز کر رکھا مجھے دیکھ کر پوچھا آپ کون ہیں میں نے کہا بنی اصمع سے ہوں فرمایا کہاں سے آ رہے ہیں میں نے کہا بیت اللہ سے جہاں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے فرمایا مجھے کچھ قرآن سنائیے میں نے سورۃ والذاریات پڑھی جب میں وفی السماء رزقکم تک پہنچا تو فرمایا ٹھہریئے ایک اونٹنی ذبح کی اور اسے تمام لوگوں پر تقسیم کر کے تیر کمان اور تلوار اٹھائی اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور چل پڑا جب میں ہارون الرشید کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوا۔ میں طواف کر رہا تھا تو ایک دھیمی آواز میرے کانوں میں پہنچی مڑ کر دیکھا تو وہی اعرابی تھا جسکا جسم نہایت کمزور اور رنگ زرد ہو گیا مجھے دیکھ کر السلام علیکم کہا

اور فرمایا وہی سورۃ سنایئے جب میں اسی آیت "وفی السماء رزقکم" تک پہنچا تو سن کر بے ہوش ہوگیا ہوش میں آکر فرمایا بے شک ہمارے پروردگار نے جو ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے پھر فرمایا کچھ اور سنایئے میں نے یہ آیت "فورب السماء والارض انہ لحق" پڑھی وہ سنتے ہی چیخا اور کہا ،

یا سبحٰن اللہ من ذالذی اغضب الجلیل حتی حلف لم یصدقوہ بالقول حتی الجاؤہ الیمین ۔

اے پاک ذات کون ہے جس نے جلیل کو غضب ناک کیا یہاں تک کہ اس نے قسم یاد کی پھر بھی اس کی انہوں نے قول سے تصدیق نہ کی یہاں تک کہ اسے قسم پر مجبور کر دیا ۔"

یہ تین بار کہا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توکل و اعتماد کا سوال کرتے ہیں۔

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ

الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝

فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ

فِىْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ

اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝

ترجمہ :- اے محبوب کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی جب وہ اس کے پاس آکر بولے سلام کہا سلام ناشناسا لوگ ہیں پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا پھر اسے ان کے پاس رکھا کہا کیا تم کھاتے نہیں تو اپنے جی میں ان سے ڈرنے لگا وہ بولے ڈریئے نہیں اور اسے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی اس پر اس کی بی بی چلاتی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونکا اور بولی کیا بڑھیا بانجھ انہوں نے کہا تمہارے رب نے یونہی فرما دیا ہے اور وہی حکیم دانا ہے ۔

تفسیر عالمانہ هَلْ اَتٰىكَ حدیث ضیف پڑھی (کیا تمہارے ہاں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی بات نہیں آئی) واقعہ کی رفعت شان کا اظہار ہے کیوں کہ اس استفہام کا معنی تعجب وتشویق ہے اس کے سننے کے لئے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب واقعہ کی عظمت شان مطلوب ہو اور تنبیہ ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے از خود نہیں بلکہ بذریعہ وحی معلوم کیا ہے کیوں کہ آپ تو امی تھے خط لکھنا نہیں سیکھا اور نہ کسی سے تعلیم پائی ہے اور نہ ہی مورخین کے ساتھ نشست وبرخاست فرمائی ہے۔ اس سے نبوت کا اثبات مطلوب ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ استفہام تقریری ہے معنی یہ ہے کہ بے شک تمہارے ہاں واقعہ آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر تمہارے ہاں واقعہ نہیں آیا تو ہم تمہیں خبر دیتے ہیں۔

حل لغات الضیف مصدر ہے ضافہ بمعنی نزل (اترا) اسی لئے اس کا مفرد وجمع کے لئے برابر طور استعمال ہوتا ہے جیسے زور وصوم اور کبھی جمع ہو کر بھی آتا ہے جیسے اضیاف وضیوف وضیفات۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دراصل ضیف بمعنی میل ہے کہا جاتا ہے ضفت الی کذا واضفت کذا الی کذا میں اس کی طرف ایسے مائل ہوا اور ضیف وہ ہے جو تیری طرف مائل ہو اور اس کا تیرے ہاں اترنا ہو اور اب عرف میں ضیافۃ مہمانی کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

مہمانان ابراہیم علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ مہمان تھے انہیں جبرئیل ومیکائیل وعزرائیل علیہ السلام تھے اور انہیں ضیف اس لئے کہا گیا کہ وہ مہمانوں کی وضع میں آئے اسی لئے انہیں ابراہیم علیہ السلام نے مہمانی پیش کی یا اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے گمان میں مہمان تھے (المکرمین) معزز یہ ضیف کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم تھے عصمت وتائید واصطفاء وقربت اور انبیاء علیہ السلام کے ہاں سفارت کی وجہ سے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا بل عباد مکرمون بلکہ وہ مکرم بندے ہیں یا وہ مکرم تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک بوجہ خدمت کے اس لئے کہ آپ نے خود اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے خود ان کی خدمت کی اور ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آئے اور نہایت عجلت سے ان کی خدمت میں کھانا پیش فرمایا یا اس لئے کہ وہ معزز مہمان تھے کہ ابراہیم خلیل پیغمبر علیہ السلام نے ان کی تکریم کی اور قاعدہ ہے مکرم انسان کا مہمان بھی مکرم سمجھا جاتا ہے۔

مہمان نوازی کی فضیلت حدیث شریف میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے اسے چاہیے کہ وہ مہمان کی تعظیم وتکریم کرے۔

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم وتکریم یہی تھی کہ آپ ان کو طلاقۃ الوجہ سے ملے اور فوراً طعام

پیش فرمادیا اور خود خدمت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ آنے والے مہمانوں کی تعظیم کیجئے اور ان ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ بھنی ہوئی بکری تیار فرمائیے پھر وحی آئی کہ مہمانوں کی تعظیم کیجئے آپ نے ان کے لئے بیل تیار کیا پھر وحی آئی کہ مہمانوں کی تعظیم کیجئے آپ نے ان کے لئے اونٹ ذبح کیا پھر وحی آئی کہ مہمانوں کی تعظیم کیجئے آپ حیران ہوئے پھر سمجھے کہ مہمان کا اکرام کثرت طعام سے نہیں بلکہ اس کی تعظیم یہ ہے کہ ان کی خدمت خود کرو چنانچہ ان کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اب وحی آئی کہ اب آپ نے مہمانوں کی تعظیم کی ہے۔

وعظ خاص بعض حکماء نے فرمایا کہ مرد کو اگرچہ بادشاہوں سے عار نہیں کرنی چاہیے کہ وہ مہمان اور باپ اور استاد کی خود خدمت کرے اور خدمت صرف طعام کھلانے کا نام نہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

(۱) شنیدم کہ مردیست پاکیزہ بوم
شناسا رہرو در اقصائے روم

(۲) من و چند سالوک صحرا نورد
بر فتیم قاصد بدیدار مرد

(۳) سر و چشم ہر یک ببوسید و دست
بتمکین و عزت نشاند و نشست

(۴) زرش دیدم زرع و شاگرد و درخت
و لے بے مروت چو بے بر درخت

(۵) بخلق و لطف کرم رو مرد بود
و لے دیگدانش توی سرد بود

(۶) ہمہ شب بنودش قرار و ہجوع
ز تسبیح و تہلیل و مارا زجوع

(۷) سحرگہ میان لبست و در باز کرد
ہمان لطف دوشینہ آغاز کرد

(۸) یکے بود کہ شیریں و خوش طبع بود
کہ با ما مسافر دراں ربع بود

(۹) مرا بوسہ گفتہ بتصحیف ده
کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

(۱۰) بخدمت منہ درست بر کفش من
مرا نان ده وکفش بر سر بزن

ترجمہ : (۱) میں نے ایک مرد پاکیزہ خصلت کا نام سُنا ہے۔ کہ وہ عارف و سالک اقصائے روم میں تھا
(۲) ہم چند سالکین اسکی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔

(۳) اس نے سب کے ہاتھ و پاؤں چومے اور نہایت عزت و احترام سے بٹھایا۔

(۴) میں نے اسکی زر و زراعت اور خدام و اسباب دیکھے۔ لیکن اسکی بے مروتی بھی بے حد تھی۔
(۵) خلق و لطف و کرم سے بھرپور تھا۔ لیکن دانائی دیگر اسکی نہایت سرد تھی۔

(۶) تمام شب بیدار اور بیقرار رہا اسے تو تسبیح و تہلیل سے اور ہمیں بھوک سے بیقراری رہی۔
(۷) صبح اُٹھتے ہی اسی طرح عزت احترام سے پیش آیا جیسے کل پیش آیا تھا۔

(۸) وہی ایک تھا۔ کہ شیریں کلام اور خوش خلق تھا جو اسی جگہ پر ہمارے پیش آیا۔
(۹) میں نے اسے کہا کہ بوسہ کا معاملہ الٹ دے اسی لئے کہ درویش کو توشہ بوسہ سے بہتر ہے۔

(۱۰) احتراماً میرے جوتے پر ہاتھ رکھنے کی بجائے مجھے کھانا دے اگرچہ اس کے ساتھ میرے سر پر جوتا مارے

تفسیر عالمانہ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْہِ جب ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے یہ ظرف حدیث کے متعلق ہے اب معنی یہ ہوا کہ کیا تمہارے پاس ان کی بات آئی ہے ان کے ابراہیم علیہ السلام پر داخل ہونے کی فَقَالُوْا سَلٰمًا آتے ہی کہا السلام علیکم یعنی ہم آپ کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں فاء اشارہ ہے اس طرف کہ آداب دخول میں کمی نہ کی بلکہ داخل ہوتے ہی السلام علیکم کہا قَالَ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا سَلٰمٌ تم پر سلام ہو یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے حرف عطف کا ترک جملہ استئنافیہ کے اظہار کے لئے ہے گویا کسی نے کہا ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کے سلام پر کیا جواب دیا فرمایا کہ انہوں نے بھی سلام علیکم کہا یعنی ان کے سلام کا بہتر طریق سے جواب دیا اس لئے کہ ان کا تحیہ جملہ فعلیہ سے تھا جو حدیث پر دال ہے اور جملہ فعلیہ سلامًا کے منصوب ہونے سے معلوم ہوا اور ابراہیم علیہ السلام کا جواب جملہ اسمیہ سے ہے جو دوام السلام اور اس کے ثبات پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اس کا مرفوع ہونا اس پر دال ہے۔ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ یہ لوگ غیر واقف ہیں۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں نکرت الرجل (بکسر الکاف) نکرا وانکرتہ واستنکرتہ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی پہچان نہ ہو اس کا مجرد ومزید افعال واستفعال ایک ہی معنی میں ہیں اس کا اصل یہ ہے کہ قلب پر اس شئے کو لایا جائے جس کا اسے تصور نہیں اور یہ بھی ایک قسم کا جہل (بے خبری) ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فعرفہم وھم منکرون تو یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا اور وہ جاہل تھے (المفردات) یعنی ابراہیم علیہ السلام نے دل میں خیال فرمایا اور انہیں محسوس نہ ہونے دیا کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے یہ تو ہر ایک کے غیر واقف ہیں فنکرھم کا معنی ہے کہ خود ابراہیم علیہ السلام نے ان کو غیر واقف محسوس فرمایا کہ ان کا ہر ایک ایک دوسرے کا غیر تھا یعنی وہ ایسی اوضاع واشکال میں تھے جو عام لوگوں کی اوضاع واشکال کے خلاف محسوس ہوتے تھے حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے سلام علیکم کہنے کا اس وقت عجیب طریقہ تھا اور نہ ہی وہ طریقہ اس علاقہ میں مروج تھا کیوں کہ ابراہیم علیہ السلام ایسے لوگوں میں رہتے تھے جن کی ملاقات کے وقت کا تحیہ کچھ اور تھا کیوں کہ وہ کافر تھے وہ ایک دوسرے کو ملاقات کے وقت مسلمانوں کی طرح السلام علیکم نہیں کہا کرتے تھے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم کون لوگ ہو تمہارے جیسے تو ہمارے میں نہیں بتاؤ تو سہی تم کہاں سے آئے ہو۔ عرض کی ہم آپ کے مہمان ہیں فَرَاغَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ تو آپ اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

حل لغات: "راغ الی کذا ای مال الیہ سراً" چپکے سے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ چپکے سے

متوجہ ہونا راغ میں ضروری ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمانوں سے چھپکر گھر والوں کے ہاں چلے گئے کیوں کہ میزبان کے آداب میں سے ہے کہ وہ طعام کے لئے جلدی کرے کہ مہمان کو خبر نہ چلے تاکہ مہمان میزبان کو نہ روکے یا اس سے معذرت کرے یا اسے انتظار کرنا پڑے۔

حکایت کسی ایک بزرگ کے ہاں مہمان تشریف لایا آپ نے اپنے مرید سے اس کے لئے کھانا لانے کا اشارہ فرمایا مرید نے طعام لانے میں دیر کی شیخ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ کھانے پر ایک چیونٹی مصروف تھی جب تک وہ خود نہیں ہٹی میں نے طعام اٹھانا مناسب نہ سمجھا شیخ نے مرید کو آفرین فرمائی شیخ و مرید کے اس واقعہ سے ان سے ایک بڑے باکمال بزرگ مطلع ہوا تو فرمایا مرید کی تحسین کی اس نے تو بہت بڑی غلطی کی ہے اسے تو مہمان کے لئے کھانا بہت جلد لانا چاہیے تھا کیوں کہ مہمان کا چیونٹی سے زیادہ حق ہے مرید پر لازم تھا کہ چیونٹی کو دستر خوان سے نیچے گرا دیتا اور جلدی سے مہمان کا کھانا لاتا۔

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ تو لایا بچھڑا بھنا ہوا) فا فصیحہ ہے ان جملوں کی وضاحت کر رہی ہے جو محذوف ہیں یا ر تعدیہ کی ہے۔

حل لغات العجل گائے کا بچھڑا اسے اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ جونہی بڑا ہو کر پورا بیل یا گائے ہوجاتا ہے تو اس کے بچھڑے ہونے کے تصورات ذہن سے اتر جاتے ہیں اور سمین اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سمن کے جنس اور اس سے پیدا ہونے کی وجہ سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موٹا بچھڑا بھون کر لائے۔ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ تو اسے ان کے قریب کر دیا یعنی حسب عادت ان کے آگے رکھا تا کہ کھائیں لیکن انہوں نے نہ کھایا جب آپ نے ان کو کھانا نہ کھاتا دیکھا تو قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ فرمایا کیا کھاتے نہیں ہو ان کے نہ کھانے پر آپ نے ایسے فرمایا اور کھانے کی ترغیب دلائی۔

فائدہ : مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اسے قیمت دیئے بغیر نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کھانا کھاؤ اور اس کی قیمت دو عرض کی قیمت کیا ہے فرمایا کھانے سے پہلے پڑھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جب فراغت پاؤ تو کہو الحمد للہ اس سے ملائکہ حیران ہوئے لیکن کھانا پھر بھی نہ کھایا۔ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ تو ابراہیم علیہ السلام نے محسوس فرمایا۔

حل لغات الوجس بمعنی صورت خفی الایجاس کی طرح اور وہ جی میں ہی ہوتا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے دل میں محسوس کیا خِيْفَةً خوف اور گمان کیا کہ شاید یہ دشمن ہیں کوئی شر لائے ہیں کیوں کہ جسے شر و ضرر کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ اسکا طعام نہیں کھاتا

فائدہ: مین المعانی میں ہے "من لم یاکل طعامک مسلم یحفظ ذمامک" جو تیرا کھانا نہیں کھائے گا تیری عزت محفوظ نہیں رکھے گا۔

ازالہ وہم مذکورہ بالا تقریر وہابیوں دیوبندیوں کی تائید کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو خوف ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ دشمن ہوں حالانکہ وہ تو فرشتے تھے اور فرشتے انبیاء علیہم السلام کے دشمن نہیں ہوتے فلہذا آپ کو علم نہ ہوا اور اہلسنت کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا تو اس کا جواب صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ صدیوں سال پہلے لکھ گئے کہ

یقول الفقیر یخالفہ سلامہم فالمسلم لا یلا وان یکون من اہل السلام ۔
وقیل وقع فی نفسہ انہم ملائکۃ ارسلوا للعذاب (روح البیان صہ ۱۹۲ جہ ۹)
فقیر کہتا ہے کہ یہ اس کے خلاف ہے کہ ان کا السلام علیکم کہنا دلیل تھا کہ یہ سلامتی والے ہیں (پھر ڈر کا ہے کا) بعض نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں آگیا کہ یہ فرشتے عذاب کے لئے بھیجے گئے ہیں"۔

قَالُوْا کہا جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کا خوف محسوس کیا **لَا تَخَفْ** خوف نہ کھائیے ہم تو اللہ کے رسل ہیں۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بچھڑے پر پر لگائے تو کھڑا ہو کر چلنے لگا اور اپنی ماں (دگائے) کے پاس جاکر کھڑا ہو گیا اس سے ابراہیم علیہ السلام نے پہچانا اور ان سے بے خوف ہوئے۔

وَبَشَّرُوْهُ اور انہوں نے آپ کو خوشخبری سنائی اور سورۃ والصافات میں ہے کہ "وبشرناہ" اور ہم نے ملائکہ کے واسطہ سے خوشخبری سنائی **بِغُلٰمٍ** بچے کی یعنی اسحاق علیہ السلام کی غلام اٹھتی ہوئی جوانی والا جس کی تازہ مونچھیں نکلیں "الکہل" اس کی نقیض ہے یا ولادت سے لے کر جوانی تک کے درمیانی عرصہ والے کو غلام کہا جاتا ہے۔ (قاموس)

عَلِیْمٍ علم والا جب بالغ اور جوان ہو گا بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے سوائے اسحاق علیہ السلام کے اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔ **فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ** اور متوجہ ہوئی اس کی بی بی۔ جب ان سے یہ خوشخبری سنی تو اپنے گھر کو روانہ ہوئی اس وقت وہ ایک کنارہ پر کھڑی تھیں اور انہیں دیکھ رہی تھیں۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کی طرف روانہ ہوئیں جبکہ وہ اس وقت اپنے شوہر گرامی کیساتھ

مہمانوں کی خدمت میں تھیں جب انہوں نے بچے کی خوشخبری سنائی تو حیا و شرم سے ان سے علیحدہ ہو کر چلی گئیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اقبال الی الاہل فرمایا ادبار عن الملائکہ نہیں فرمایا، کذا قال سعدی المفتی رحمۃ اللہ (تفسیر کبیر) اس کے ساتھ "قال کذلک قال ربک" مناسب نہیں جب کہ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے گھر پر تھیں جب خوشخبری سُنی تو ملائکہ کی طرف آئیں فِیْ صَرَّۃٍ فزیادہ میں اقبلت سے حال ہے۔

حل لغات الصرۃ بمعنی چیخنا (آواز سخت) کہا جاتا ہے۔ "صر یصر صریراً" بمعنی "صوّت" زور سے بولا، اسی سے صریر الباب دروازے کی زوردار آواز بعض نے صرۃ سے مراد ویل ہے بی بی جلتے ہوئے کہتی تھیں اوہ یا ویلتی یا ممکن ہے کہ بی بی رو پڑی ہو۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ بی بی جاتے وقت کہتی تھی۔ اللیلاء۔ اللیلاء یہ کلمہ ان کی عادت پر تھا کہ جب عظیم الشان بات سنتے تو کہتے اللیلاء۔ اللیلاء صرۃ (کسی ایک جماعت کا دوسری جماعت سے ملنا جیسے بکریوں کا ریوڑ وغیرہ گویا ایک برتن میں جمع ہوئے بعض نے آیت میں یہی مراد لیا ہے مثلاً کہا کہ بی بی عورتوں کی جماعت میں گئی جو آپ کے گھر پر تھیں حالانکہ اس سے قبل وہ خدمت کے لئے ملائکہ کے پاس تھیں۔ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا تو اس نے اپنا ماتھا ٹھوکا۔

حل لغات الصک بمعنی چوڑی شے کے ساتھ کسی شے کو مارنا کہا جاتا ہے صکہ یعنی اسے چوڑی شے سے سخت مارا یا عام مارنا مراد ہے۔ (قاموس)

اب معنی یہ ہوا کہ بی بی نے خود کو طمانچہ مارا حیا و شرم سے اس لئے کہ حیض کے خون کی حرارت محسوس کی۔ بعض نے کہا کہ بی بی نے اپنی انگلیوں کے پورے ماتھے پر مارے جیسے تعجب کرنے والا تعجب کے وقت ایسے کرتا ہے اور یہی عورتوں کی عام عادت ہے جب کوئی نئی بات سنیں یا دیکھیں تو ماتھے پر انگلیوں کے پورے مار دیتی ہیں۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ تو طمانچہ منہ پہ مارا جیسے تعجب کے وقت عورتوں کی عادت ہے۔

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ اور کہا میں بڑھیا اور بانجھ ہوں۔ عاقرہ وہ عورت جو بچہ جننے کے قابل نہ رہے یعنی بی بی نے فرمایا کہ میں جوانی میں بچہ نہ جن سکی تو اب بڑھاپے میں کیا جنونگی حالانکہ اس وقت میری ننانوے سال عمر ہے۔

عجوز کی وجہ تسمیہ عجوز کو اس لئے عجوز کہا جاتا ہے کہ وہ اب بہت سے امور کی سرانجامی سے عاجز ہو جاتی ہے اور العقیم العقم سے ہے بمعنی الیبس خشک ہوجانا

نیاکہ اثر کو قبول نہ کرے اور عورتوں میں عقیم وہ عورت جو مرد کا پانی (مادہ منویہ) قبول نہ کرے۔
القاموس میں لکھا ہے کہ العقم (بالفم) وہ پانی (منی نطفہ) جو رحم پر پڑے تو وہ بچہ بننے کے لئے قبول نہ کرے۔ عین المعانی میں ہے العقیم وہ عورت جس کی رحم کا وہ راستہ بند ہو جائے جہاں نطفہ ٹھہرتا ہے۔ اسی سے الداء العقام ہے وہ بیماری جس سے تندرستی کی امید ختم ہو جائے اسی سے العاقر ہے وہ عورت جو حاملہ نہ ہو سکے اور رجل عاقر بھی وہ مرد جس سے بچہ کی پیدائش کی امید ختم ہو جائے
بی بی سارہ رضی اللہ عنہا بچہ جننے کے قابل نہیں رہی تھیں اور نہ ہی آپ سے اس سے قبل کوئی بچہ پیدا ہوا نہ بچپن میں نہ عنفوان جوانی میں اب تو بوڑھی ہو گئیں اور سن ایاس تک پہنچ گئیں اسی لئے بی بی نے ان کی خبر کو بعید از قیاس سمجھ کر متعجب ہوئیں اور یہ استبعاد و تعجب از راہ عادت تھا ورنہ حاشا کلا بی بی رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہرگز ہرگز شک نہ تھا۔ قَالُوا كَذٰلِكِ انہوں نے کہا اسی طرح یعنی جس طرح کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری سنائی ہے قَالَ رَبُّكِ تیرے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم تو صرف اسے بیان کرنے اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے خبر سنانے آئے ہیں ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے کذلک کا کاف منصوب المحل ہے اس لئے کہ صفت ہے قال ثانی کے مصدر سے یعنی ہم جو خوشخبری سنا رہے ہیں اے بی بی اسے بعید از قیاس نہ سمجھ اور نہ ہی اس سے تعجب فرما۔ کیوں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہم نے اسی طرح آپ لوگوں کو خوشخبری سنا دی ہے اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ بے شک وہ حکیم علیم ہے اسی لئے اس کا ہر قول و فعل محکم مضبوط اور پختہ ہوتا ہے ؎

۱۔ کسے کو بکار تو دانا بود
برا تمام او ہم تو انا بود
۲۔ بجز در گہش رو مکن سوئے کس
مراد دل خویش از جوئے وبس

ترجمہ ۱۔ وہ جو تیرے کام کو جانتا ہے وہ تیرے کام کی تکمیل کے لئے بھی قادر ہے۔
۲۔ اس کی درگاہ کے سوا کسی کی طرف منہ نہ کر دل کی مراد اس سے تلاش کر اور بس

حکایت مروی ہے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام نے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اپنے گھر کی چھت دیکھئے ادھر دیکھا تو چھت کے شہتیر پر پتے اور پھل اُگے ہوئے نظر آئے تب بی بی کو یقین ہو گیا۔

فائدہ : یاد رہے کہ یہ گفتگو نہ صرف بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کا مکالمہ ہوا جس کی تفصیل ہم سورۂ حجر میں بیان کر آئے ہیں۔ اور پھر اسے سورۂ ھود میں بھی ذکر کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نا امیدی نہیں چاہیے کیوں کہ اس نے جو مقدر فرمایا وہ ہو کر رہے گا اگرچہ دیر کے بعد ایسے ہی بی بی مریم رضی اللہ عنہا کا درخت بھی پھولا پھلا جب کہ وہ بھی بظاہر نا اُمید تھیں جیسے تفصیل سورۂ مریم میں گزری ہے بہت سے حضرات بڑھاپے میں علم کی دولت سمیٹنے لگے تو وہ جوانوں سے بازی لے گئے ابتدا سے محروم تھے بلکہ بڑھاپے میں کامیاب رہے۔ ان کے بعض حضرات یہ ہیں۔ ابراہیم بن ادہم فضیل بن عیاض، مالک بن دینار قدست اسرارہم یہ حضرات احوال عارضیہ سے فطرت اصلیہ سے دور ہو چکے تھے لیکن جب عنایت ایزدی نے ان کی مدد فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ کر قرب عطا فرما دیا تو ان کی فطرت پر جو پردے حجابات تھے وہ ہٹ گئے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر عجز کا الزام لگاتا ہے وہ کافر ہے۔

ازالہ وہم ، صوفیہ کرام کا مقولہ مشہور ہے کہ "الصوفی بعد الاربعین بارد" صوفی چالیس سال کے بعد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں کیوں کہ اکثر یہی ہے کہ چالیس سال کے بعد یبوست اور برودت کے غلبہ سے صوفی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ زندہ کرتا اور مارتا ہے وہی بچپن کے مارے ہوئے کو بڑھاپے میں زندہ کر سکتا ہے اور جسے بچپن میں زندگی بخشتا ہے تو اسے بڑھاپے میں بھی مار سکتا ہے ایسے ہی جس کا نفس جوانی میں زندہ ہے اُسے بڑھاپے میں مارنا آتا ہے ایسے ہی جس کا دل بچپن میں مردہ تھا وہ بڑھاپے میں اسے زندہ کر سکتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے بہت بڑے فیض و عطا کی اُمید رکھتے ہیں۔

ھذا آخر ما رقمہ قلم الفقیر القادری ابی الصالح محمد فیض احمد الاویسی رضوی غفرلہ ربہ القوی بجاہ حبیبہ النبی الامی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وعلی جمیع اولیاء امتہ وعلماء ملتہ بفضلہ تعالیٰ وکرمہ پارہ نمبر ۲۶ کے ترجمہ سے ۱۳ جمادی الآخر ۱۴۰۸ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۸۸ء بروز اتوار صبح دس بجے فراغت پائی۔ بہاولپور۔ پاکستان۔ الحمد للہ علی ذلک والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الکریم وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فہرست مضامین